سلسلۂ مطبوعات
۱۰۸

بہ سلسلۂ تاریخ دعوت وعزیمت

بنا کردند خوش رسمے بخون وخاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

سیرت
سید احمد شہیدؒ

حضرت سید احمد شہیدؒ کے مفصل سوانح حیات، آپ کے اصلاحی وتجدیدی کارنامے ـــ اور غیر منقسم ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک جہاد وتنظیم، اصلاح وتجدید اور احیائے خلافت کی تاریخ

۲
حصہ دوم

از

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

نواں ایڈیشن

۱۴۳۲ھ — ۲۰۱۱ء

نام کتاب:.................................. سیرت سید احمد شہیدؒ
نام مؤلف:.................................. مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی
کمپوزنگ:.................................. حامد (خوشنویس) لکھنؤ
طباعت:.................................. کاکوری آفسٹ، لکھنؤ
صفحات:.................................. ۵۹۱
تعداد:..................................ایک ہزار
قیمت:..................................۲۵۰ روپے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ
پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹، ندوۃ العلماء، لکھنؤ
فون نمبر: 0522-2741539 فیکس: 0522-2740806

فہرست عناوین

پندرہواں باب

(۱۵) جنگ زیدہ اور یار محمد خاں کا قتل ۱۵۸-۱۷۲

سولہواں باب

(۱۶) پنجتار میں ۱۷۳-۱۸۴

سترہواں باب

(۱۷) پائندہ خاں کی ملاقات، قلعہ ہنڈ کا تخلیہ ۱۸۵-۲۰۱

اٹھارواں باب

(۱۸) پائندہ خاں کی مزاحمت اور عشرہ اور امب کی جنگیں ۲۰۲-۲۱۶

انیسواں باب

(۱۹) چھتر بائی ۲۱۷-۲۲۴

بیسواں باب

(۲۰) پھولڑے کی جنگ ۲۲۵-۲۳۳

اکیسواں باب

(۲۱) امب کا قیام ۲۳۴-۲۴۱

تیسواں باب

(٣٠) پشاور کی سپردگی کی تجویز ٣١٦-٣٢٣

اکتیسواں باب

(٣١) سلطان محمد خاں کی ملاقاتیں اور پشاور کی سپردگی ٣٢٤-٣٣٣

بتیسواں باب

(٣٢) پنجتار کو واپسی ٣٣٤-٣٤٣

تینتیسواں باب

(٣٣) حکومت شرعیہ کے عمال اور غازیوں کا قتل عام ٣٤٤-٣٥٦

چونتیسواں باب

(٣٤) ابرار مجاہدین کی مظلومانہ شہادت ٣٥٧-٣٧٢

پینتیسواں باب

(۳۵) محفوظ مجاہدین ۳۷۳-۳۸۳

چھتیسواں باب

(۳۶) غدر کے اسباب کی تحقیق اور ہجرت کا عزم ۳۸۴-۳۹۶

سینتیسواں باب

(۳۷) ہجرت کا دوسرا سفر ۳۹۷-۴۰۷

اڑتیسواں باب

انتالیسواں باب

چالیسواں باب

اکتالیسواں باب

بیالیسواں باب

تینتالیسواں باب

چوالیسواں باب

فہرست عناوین

گیارہواں باب

بارہواں باب

سولہواں باب

سترہواں باب

اٹھارہواں باب

انیسواں باب

بیسواں باب

اکیسواں باب

بائیسواں باب

تیئسواں باب

چوبیسواں باب

پچیسواں باب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ گفتنی

الحمد للّٰہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ سیرتِ سید احمد شہیدؒ کی جلد دوم کو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی دیرینہ آرزو پوری ہو رہی ہے، اس کتاب کی پہلی جلد غیر معمولی اضافوں کے ساتھ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں خواجہ بک ڈپو اردو بازار، لاہور کی طرف سے شائع ہوئی تھی، یہ اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن تھا، جو فاضل گرامی مولانا ظفر اقبال صاحب کی نگرانی اور اہتمام میں شائع ہوا، مصنف کو دوسری جلد پر نظر ثانی، اس کے اضافہ و تکمیل اور اس کو اشاعت کے لیے آخری طور پر تیار کرنے میں اپنی گوناگوں مصروفیتوں اور اندرون اور بیرون ملک کے طویل طویل سفروں کی بنا پر خاص دیر لگی، بالآخر ستمبر ۱۹۶۲ء میں اس کا مبیّضہ مکمل طریقہ پر لاہور کے چند مخلص احباب کے سپرد کر دیا گیا، جو اس کی طباعت و اشاعت کو ایک بڑی دینی خدمت اور سعادت سمجھ کر آرزومند تھے، یقین واثق تھا کہ یہ جلد قریبی مدت میں شائع ہو جائے گی، لیکن اس کام میں کچھ ایسی رکاوٹیں پڑتی رہیں، اور چند در چند ایسے حوادث پیش آئے کہ پورے چھ برس اس کام کی تکمیل میں لگ گئے، ایسے اوقات بھی آئے کہ اس کی اشاعت سے مایوسی بھی پیدا ہوگئی، لیکن یہ کشتی جس پر یہ متاعِ گراں مایہ تھی، حوادث و موانع کے تھپیڑے کھاتی ہوئی بالآخر کنارہ لگ گئی اور مصنف بے مایہ کی ایک بڑی قیمتی پونجی ضائع ہونے سے بچ گئی:

"وللّٰہ الامر من قبل و من بعد و یومئذ یفرح المومنون بنصر اللّٰہ"

کسی کتاب کے اجزاء کی ترتیب و اشاعت میں اتنا عظیم تفاوت اور اتنا طویل فصل، تصنیف کے موضوع و مقصد اور مصنف کی غرض و غایت کے لیے سخت مضرت رساں ہوتا ہے، پھر

جب کہ وہ کتاب متفرق مضامین کا مجموعہ نہ ہو، بلکہ ایک ہی زندگی اور کارنامہ کی تفصیلات اور ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہوں، تو اول و آخر اور آغاز و انجام کے سامنے آنے میں اتنا طویل وقفہ کتاب کی قوت وافادیت کو سخت نقصان پہنچاتا ہے، یہ صاحب سوانح (رحمۃ اللہ علیہ) کی عظمت ومقبولیت ہی ہے کہ پڑھنے والوں کی پیاس اور اشتیاق اب بھی باقی ہے اور سیکڑوں آدمیوں کو اس کے دوسرے حصہ کا انتظار ہے، بعض ایسے طالب صادق اور محبّ عاشق میرے علم میں ہیں، جو اس حصہ کی اشاعت کے لیے دن گنتے ہیں اور جن کے استفسار اور اشتیاق کو دیکھ کر شدت سے یہ خواہش پیدا ہوتی تھی، کہ یہ حصہ ان کی زندگی میں شائع ہو جائے اور وہ اس سے اپنے دل کی پیاس بجھا سکیں، جہاں تک میرا اندازہ ہے، ان میں سے بعض اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اور یہ حسرت اپنے ساتھ لے گئے، اللہ تعالیٰ ان کے اس شوق اور مخلصانہ محبت کی شایان شان جزاء عطا فرمائے کہ اس محبت کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر ہے۔ "ومنهم من قضىٰ نحبه ومنهم من ينتظر"

ناچیز مصنف ان سب دوستوں (۱) کے لیے دعا گو ہے جنھوں نے اس کام کی تکمیل میں کسی طرح کا حصہ لیا اور ان تمام کوتاہیوں کے لیے عذر خواہ ہے جو اس کام میں بلا ارادہ اور نادانستہ طریقہ پر پیش آئیں۔ اس وقت عالم اسلام اور خاص طور پر یہ برعظیم جن نئے حالات اور جس نئے دَور سے گزر رہا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں اس کتاب اور اس کے مندرجات اور اس کے ایمان آفریں، روح پرور واقعات اور ان واقعات کی مرکزی شخصیت کے اسوۂ ونمونہ، اور دعوت و پیام سے فائدہ اٹھانے، اور رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وما التوفيق إلّا من عند الله

۲۴ ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ — ابوالحسن علی

۱۲ فروری ۱۹۶۹ء — دائرہ شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ، رائے بریلی

(چہارشنبہ)

(۱) حاجی متین احمد صاحب، مولانا ظفر اقبال صاحب، مفتی سید سیاح الدین صاحب اور سید انور حسین نفیس رقم صاحب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

الحمد للّٰہ وحدہ والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

شَیدُو کی جنگ

سردارانِ پشاور کی رفاقت

حصہ اول کے پچیسویں باب میں گزر چکا ہے کہ ۱۲؍جمادی الآخر ۱۲۴۲ھ کو ہنڈ میں سید صاحبؒ نے بیعت امامت لی، خادی خاں، اشرف خاں، فتح خاں، بہرام خاں، سعادت خاں اور علماء وسادات وخوانین نے بیعت امامت کی۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی، تو قرب وجوار کے خوانین ورؤساء اور بعض پیرزادوں نے آکر بیعت کی، جمعے کے خطبے میں آپ کا نام داخل کیا گیا اور دور دور تک اس کی شہرت ہوگئی۔

سید صاحبؒ نے بیعت امامت کی اطلاع کے خطوط اور دعوت نامے نامور سرداروں، والیان ملک، علماء ومشائخ ورؤساء ہندوستان کو بڑے اہتمام سے بھیجے۔ سردار خادی خاں، اشرف خاں اور دوسرے یوسف زئی سرداروں نے سردار یار محمد اور سلطان محمد خاں والیان پشاور کو سید صاحبؒ کی امامت وامارت کی اطلاع دیتے ہوئے ایک پرزور اور طاقتور دعوتی خط لکھا، جس کا کچھ حصہ (جس میں صوبۂ سرحد کی زبوں حالی اور مسلمانوں کی بے کسی کا پراثر طریقہ پر اظہار ہے) گزر

چکا ہے، اسی خط میں انھوں نے لکھا ہے:

''بخدمت سراسر رفعت گزارش می نماید کہ اگر رفاقتِ آں امام ہُمام، آں معلّی القاب ہم اختیار نمایند، نہایت مصلحت وقت خواہد بود زیرا کہ از روئے آں امام ہمام اجتماع جمہور انام بمصارفِ اقلِ قلیل بحدے می شود کہ اگر از روسائے عالی مقام اضعافِ مضاعفِ آں صرف نمایند، عشر عشیر آں اجتماع صورت نہ بندد، وبالجملہ آنچہ از روئے او بغایت سہولت سرانجام می شود، از غیر او بکمال صعوبت ہم متصور نیست با وصفیکہ اصلاً بہ تحصیل سلطنت وحکومت رغبت نمی دارند، پس چرا رفاقتِ اُورا اختیار نکنند وصرفِ خرچِ قلیل گوارا نہ نمایند کہ ہم سعادتِ اخرویہ بدست آید وہم منافع دنیویہ حاصل کنند و ہم اعدائے دین را کہ فی الحقیقت دشمن جان و مالِ سلطنت وحکومت ننگ و ناموس کافہ مسلمین اند عموماً ودرحقِ روسائے مسلمین خصوصاً متاصل گردانیدہ؟ ووسعت مملکت باخذ بلادِ کفار واستقلالِ حکومت باستیصال مخالفین وآسودگی عساکر بگرفتنِ خزائنِ آنہا بدست آرند ونیک نامی درمیانِ جمہورِ انام برفاقت آں امامِ ہمام حاصل نمایند۔(۱)

''جناب والا کی خدمتِ عالی میں گزارش ہے کہ اگر عالی جناب بھی امام المسلمین (حضرت سید احمد) کی رفاقت اختیار فرمائیں، تو نہایت مناسب ہوگا، اس لیے کہ سید صاحب کے ذریعہ عامۃ المسلمین کا اجتماع ایسی سہولت اور اس طرح بے منت و بے زحمت ہو جائے گا کہ اگر بڑے بڑے سردارانِ قوم اس سے بدرجہا زیادہ صرف کریں گے اور بڑی مشکلات اور زحمتیں برداشت کریں گے، تو اس کا عشرِ عشیر بھی نہ ہو سکے گا۔ جب آپ کو حصولِ سلطنت و حکومت کی طرف قطعاً میلان نہیں، تو والیان سلطنت واہل ریاست کو آپ کی

---

(۱) مجموعہ خطوط قلمی صفحہ ۳۰۳

رفاقت اختیار کرنے اور تھوڑے صرف سے، زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے
میں کیا عذر ہوسکتا ہے جب کہ اس میں سعادت اخروی بھی ہے اور فوائد دنیوی
بھی اور ان دشمنان دین کی سرکوبی و استیصال بھی، جو سلطنت وحکومت کے
دشمن، تمام مسلمانوں کے ننگ و ناموس کے لیے خطرہ اور خاص طور پر مسلمان
اہل حکومت کے حریف و رقیب ہیں؟ ان سب کے علاوہ اس (منظّم و شرعی
جہاد) سے مسلمانوں کے حدود حکومت میں توسیع، ان کی مملکت کی حفاظت اور
اس کی خودمختاری کی ضمانت، اسلامی افواج کی آسودگی اور سرداروں کی نیک
نامی بھی ہے۔"

سردار یار محمد خاں اور سردار سلطان محمد خاں کابل میں سید صاحبؒ کی ملاقات وزیارت
سے مشرف ہو چکے تھے۔ انھوں نے آپ کی قوت ایمانی، عالی حوصلگی، اولوالعزمی، آپ کے رفقاء
کی للّٰہیت و جاں نثاری اور اہل سرحد اور افغانی قبائل کی عقیدت و رجوع عام کا منظر اپنی آنکھوں
سے دیکھا تھا اور وہ برابر سن رہے تھے کہ مسلمان پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ سمہ میں
پہنچ کر آپ کی مقبولیت اور مرجعیّت اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ یوسف زئی سردار جو اپنی شرافت اور
شجاعت میں ممتاز و نامور تھے، آپ کو اپنا امام اور امیر و قائد اور شیخ و مرشد مان چکے ہیں۔ صوبہ سرحد،
جو ایک زمانہ دراز سے انتشار و بے نظمی کا شکار اور سکھ فوجوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال اور زار
و نزار ہے، ایک نئی قوت اور قیادت سے روشناس ہو رہا ہے، جس میں روحانیت و شجاعت، سیادت
اور قیادت دونوں جمع ہیں اور افغانی علاقے کے لیے اس سے زیادہ موزوں اور پرکشش قیادت
نہیں ہو سکتی۔ افغانی اپنی قوت مشاہدہ اور نفع و نقصان کے موازنے میں ہمیشہ سے فائق رہے
ہیں۔ پشاور کے جہاں دیدہ اور سرد و گرم چشیدہ سرداروں نے محسوس کر لیا کہ وہ سید صاحب کی
رفاقت اختیار کر کے اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کر سکتے ہیں اور قبل اس کے کہ یہ نئی طاقت ان سے
بے نیاز ہو کر کسی نئی سلطنت کی بنیاد ڈالے اور سکھوں کو بے دخل کر کے اس پورے علاقے کو اپنے
اقتدار میں لے لے، ان کو اس کے اندر اپنی جگہ بنا لینی چاہیے۔ سب سے پہلے ان کو ایک تجربہ کار و

دنیا دار رئیس کی طرح اس کا اطمینان چاہیے تھا کہ یہ نئی جماعت اور نیا علَم جہاد محض وقتی جوش اور جرأت قلندرانہ نہیں ہے، جس کا صوبہ سرحد نے پچھلی مدت میں بار بار تجربہ کیا اور جو ہر مرتبہ پانی کی سطح سے ابھرا اور حباب کی طرح بیٹھ کر رہ گیا۔ سردار یار محمد خاں نے سید صاحبؒ کے نوشہرے پہنچنے کے چند ہی روز بعد سید صاحبؒ کو ایک خط لکھا، جس میں آپ کی فوجی طاقت اور مالیات کے متعلق استفسار کیا گیا تھا۔ سید صاحبؒ نے اس کا جواب ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ کو نوشہرے سے دیا(۱)۔ اس جواب سے یار محمد خاں کو سید صاحبؒ کے اخلاص وللّٰہیت، بے غرضی اور بے نفسی اور عزم و پختگی کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔ یوسف زئی سرداروں کے دعوت نامے نے، جو افغانی سرداروں اور والیان ملک کی نفسیات و مزاج کا پورا لحاظ کر کے لکھا گیا تھا، سید صاحبؒ کی رفاقت کے فیصلے میں مدد دی۔ سمہ کے علاقہ نے سرداران پشاور اور پائندہ خیل امیروں کے اقتدار کو کبھی بخوشی منظور نہیں کیا تھا۔ ایک قلمی خط میں ہے: ملک سَمَہ کا ہے درقابوئے او نبود (۲) ممکن ہے، اس طرح سے سرداران پشاور کو اس کی بھی امید پیدا ہوئی کہ وہ سید صاحبؒ کی رفاقت کے ذریعے اس سرکش و خود مختار علاقے کو مستقل طور پر اپنے اقتدار میں لے سکیں گے۔ بہر حال ان دونوں بھائیوں نے سید صاحبؒ کو اپنی رفاقت و شرکت جہاد کی اطلاع کی اور سمہ کی طرف عنان عزیمت موڑی اور لشکر اور توپ خانے کے ساتھ پشاور سے نوشہرے کا رخ کیا۔

سرداران پشاور کی آمد اور شیدو کی جنگ

سید صاحب کو ہنڈ میں اطلاع ملی کہ سردار یار محمد خاں، سردار سلطان محمد خاں اور پیر محمد خاں توپخانے اور لشکر کے ساتھ نوشہرے سے پانچ کوس موضع سرمائی (۳) میں داخل ہوئے ہیں اور حکم کے منتظر ہیں۔ ایک روز آپ خادی خاں، اشرف خاں اور فتح خاں اور چار پانچ سو آدمیوں کے ساتھ ان کی ملاقات کے لیے نوشہرے تشریف لے گئے۔ یہاں ان تینوں سرداروں نے بھی

---

(۱) ملاحظہ ہو مجموعہ خطوط قلمی، صفحہ ۲۹۷

(۲) مجموعہ خطوط قلمی ص ۲۵۸

(۳) اصل لفظ غالباً پیر پیائی ہوگا

امامت کی بیعت کی۔ آپ دوتین دن قیام فرما کر خادی خاں، اشرف خاں، فتح خاں اور باقی لوگوں کو ساتھ لے کر ہنڈ کو روانہ ہو گئے۔

ان دنوں لشکر مجاہدین میں اکثر لوگ بیمار تھے۔ غلے کی بھی بے حد گرانی تھی۔ لوگوں کو کبھی پیٹ بھر روٹی ملتی تھی، اکثر نہیں ملتی تھی، یوں ہی ساگ پات کھا کر رہ جاتے تھے۔

خادی خاں، اشرف خاں اور فتح خاں نے غزا کے واسطے اطراف و جوانب سے ملکی لوگ جمع کیے، ہنڈ سے کوچ کی تیاری ٹھہری۔ پہلے روز ہنڈ سے کوچ کر کے موضع جلسئ ڈیرہ کیا اور ایک یا دو مقام بھی کیے۔ دوسری منزل وہاں سے چل کر مصری بانڈے میں کی، صبح کو وہاں سے کوچ کیا، نوشہرے میں آئے۔ دریائے لنڈہ کے پار درّانیوں کا ڈیرہ تھا۔ وہ پیادہ و سوار، بھیڑ وغیرہ ملا کر کوئی بیس ہزار کی جمعیت رکھتے تھے اور آٹھ توپیں ان کے ساتھ تھیں۔ اس طرف نوشہرے میں سید صاحبؒ کا اور آپ کے ہمراہیوں کا ڈیرہ تھا۔ یہ ملکی بھی خادی خاں، اشرف خاں اور فتح خاں کے ہمراہ اسّی ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہوں گے۔ آپ نے نوشہرے میں دو تین مقام کیے۔ نوشہرے سے لشکر نے شیدو(۱) کی طرف کوچ کیا۔ لشکر میں تقریباً لاکھ آدمیوں کی جمعیت تھی اور کوئی آٹھ دس ہزار فقط نشان تھے۔ ملکی لوگ دف بجاتے اور چار بیت گاتے، ننگی تلواریں ہلاتے اور اچھلتے کودتے جاتے تھے۔ جاتے جاتے جب موضع اکوڑہ کوس یا ڈیڑھ کوس رہ گیا، تو تمام لشکر نے ڈیرہ کیا۔

زہر خورانی

سید صاحب کا کھانا اور میوہ دونوں وقت درّانیوں کے لشکر سے آتا تھا۔ رات کو سردار یار محمد خاں نے کھچڑی اور گنے کی گنڈیریاں ولی محمد اور نذر محمد کے ذریعہ (جو یار محمد خاں کی طرف سے سید صاحبؒ کا کھانا لانے پر مقرر تھے) بھیجیں۔ آپ نے کھچڑی کھائی اور چند گنڈیریاں چوسیں۔ کچھ دیر کے بعد آپ کی طبیعت بگڑ گئی۔ کبھی غشی آتی تھی، کبھی افاقہ ہوتا تھا۔ لشکر میں چرچا

---

(۱) شیدو اکوڑے سے تقریباً چار میل جنوب مشرق میں ہے، یعنی اٹک کی سمت میں، سید صاحبؒ کے زمانے میں یہ گاؤں موجودہ جگہ کی بجائے مشرق میں دریا کے قریب آباد تھا، شیدو کی لڑائی اس وقت ہوئی تھی، جب گاؤں پہلی جگہ آباد تھا، گاؤں کے جنوب مغرب میں میل ڈیڑھ میل پر خٹک کی پہاڑیاں ہیں۔ (سید احمد شہیدؒ، جلد۱، صفحہ ۳۸۹)

تھا کہ یار محمد خاں نے آپ کو زہر دلوایا ہے اور سب علامتیں زہر ہی کی ہیں۔ پچھلے پہر دو تین گھڑی رات رہے کوچ کا نقارہ ہوا۔ یار محمد خاں نے آپ کی سواری کے لیے اپنا ہاتھی بھیجا اور یہاں یہ حال تھا کہ آپ کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے، کبھی ہوشیار۔ استفراغ جاری تھا۔ ادھر خان مذکور کی طرف سے لحظہ بہ لحظہ تاکید آتی تھی کہ جلد حضرت کو لاؤ۔ لشکر روانہ ہو گیا۔ اس عرصے میں آپ کو قدرے ہوش آیا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے عرض کی: ''سردار یار محمد خاں کی طرف سے کئی آدمی آپ کو سوار کرانے کو آچکے ہیں۔ کیا ارشاد ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''خیر، بہتر ہے اور ہمارا سفید گھوڑا، جو فتح خاں نے ہم کو دیا ہے، شادل خاں گنج پورے والے سے کہو کہ اس پر سوار ہو کر فتح خاں کے ہمراہ جائیں اور باقی ہندوستانی سب کے سب ہمارے ساتھ رہیں''۔

یار محمد خاں نے آپ کی سواری کے لیے جو ہاتھی بھیجا تھا، اس پر آپ کو سوار کیا گیا اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب خواصی میں بیٹھے۔ شیدو کے میدان میں جانب مغرب سردار یار محمد خاں کا لشکر پہاڑ کے متصل پرہ باندھے کھڑا تھا، اس کے بائیں طرف سلطان محمد خاں کا لشکر تھا اور اس کی بائیں طرف سردار پیر محمد خاں کا لشکر اور اس کی بائیں طرف اور تمام خوانین یوسف زئی، فتح خاں، اشرف خاں اور خادی خاں وغیرہ اپنے اپنے لوگ لیے کھڑے تھے۔ اسی طرف سکھوں نے اپنے سنگر سے آگے بڑھ کر ایک نالے میں چار مورچے چار جگہ لگائے تھے۔ جب مسلمانوں کا لشکر ان کے قریب پہنچا، تو وہ نالے سے بندوقیں مارنے لگے اور باقی سکھ سنگر سے توپ سر کرنے لگے۔ مسلمانوں کی طرف سے بھی توپیں چلنے لگیں۔

یار محمد خاں کا فرار

اس عرصے میں سردار سلطان محمد خاں، پیر محمد خاں اور فتح خاں نے اپنے اپنے سوار لے کر گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اور جا کر وہ نالہ لیا، جہاں سکھوں نے اپنے چار مورچے قائم کر لیے تھے۔ اس نالے کے چاروں مورچوں کے سکھ بھاگ کر اپنے سنگر میں جا گھسے۔ موضع شیدو کی طرف سے گودڑی شاہزادہ اپنی جماعت اور باقی اور غازی لے کر سنگر میں جا کودا۔ اس عرصے میں غازیوں نے سکھوں پر کئی حملے کیے یہاں تک کہ ان کی توپیں چلنا موقوف ہو گئیں اور صاف نظر

آنے لگا کہ لشکر اسلام کو فتح ہوئی یہاں تک کہ بعض لوگوں نے سید صاحبؒ کو اس کی مبارک باد بھی دی۔ سید صاحبؒ کی طبیعت اب بھی خراب تھی۔ کبھی ہوش آتا تھا، کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب میدان جنگ سے الگ آپ کی خدمت میں تھے۔ سردار یار محمد خاں اپنے سوار لیے ہوئے جہاں کھڑا تھا، وہیں کھڑا رہا، اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ ناگہاں توپ کا ایک گولا سکھوں کی طرف سے سردار یار محمد خاں کے قریب آیا، جس سے کئی سوار اڑ گئے۔ یہ واقعہ دیکھ کر یار محمد خاں نے پیچھے کو باگ پھیری اور فرار اختیار کیا۔ اس کے بھاگتے ہی اس کے تمام سوار بھاگے۔ اس طرف میدان خالی دیکھ کر سکھوں کے دو تین ہزار سوار اپنے سنگر سے نکلے۔ یہ حال دیکھ کر کہ سکھ آپہنچے، نالے والے سواروں نے ہلّہ کیا اور ان میں جا کر گڈ مڈ ہو گئے۔ کئی بار انھوں نے ان کا ہلّہ پھیر دیا۔ اس عرصہ میں ایک سوار نے پکار کر کہا کہ یار محمد خاں تو اپنے سوار لے کر بھاگ گیا۔ یہ خبر سن کر سکھوں کے مقابلے سے یہ تمام سوار پیچھے ہٹے اور بھاگے۔ سکھوں نے ان کا تعاقب کیا۔ یہ حال دیکھ کر گوڈڑی شاہزادہ مع جماعت موضع شیدو میں مورچہ پکڑ کر بیٹھ گیا اور جم کر مقابلہ کیا۔ وہ اپنی جماعت کو لیے ہوئے ایک آہنی دیوار کی طرح مقابلہ کرتا اور داد شجاعت دیتا رہا یہاں تک کہ شہادت پا کر سرخروئی حاصل کی۔

جب یار محمد خاں بھاگ گیا، تو لوگوں نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے عرض کیا کہ لڑائی بگڑ گئی، درّانیوں نے دغا کی اور حضرت کو ہوش نہیں ہے، جلد یہاں سے چلنے کی تیاری کیجئے۔ مولانا سید صاحبؒ کو ہاتھی پر لیے ہوئے چلے۔ ہندوستانی آپ کے ہمرکاب تھے۔ کچھ تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ فیلبان نے اپنے پیچھے دیکھا کہ سکھوں کے سوار بندوقیں مارتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ مولانا سے کہا کہ آپ کی خیر خواہی کے واسطے عرض کرتا ہوں کہ اس وقت حضرت کو تو گھوڑے پر سوار کر کے چند آدمیوں کے ہمراہ پہاڑ کی طرف، جو ایک گاؤں ہے، ادھر کو روانہ کر دیجیے، اور آپ سب جمعیت کے ہمراہ اسی ہاتھی پر سوار رہیے، کیونکہ سکھوں کے جو سوار آرہے ہیں، عجب نہیں کہ اسی ہاتھی کے اوپر حضرت کا خیال کر کے آئیں۔ یہ سن کر مولانا نے ایک گھوڑے پر آپ کو سوار کرنا چاہا۔ اس اثناء میں آپ کو قدرے ہوش آیا، پوچھا کہ مولانا صاحب لڑائی کا کیا

طور ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ یار محمد خاں نے دغا کی، لڑائی بگڑ گئی، اس وقت یہ صلاح ہے کہ آپ کو گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ کی طرف تشریف لے جائیں اور میں اس ہاتھی پر لوگوں کو لیے ہوئے اور طرف سے آپ کے پاس آتا ہوں۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر چند ہندوستانیوں کے ساتھ پہاڑ کی طرف روانہ ہو گئے۔

زخمی اور بیمار تورو میں

مجاہدین کے پیچھے موضع شیدو میں توپ اور شاہین چلتی رہی۔ نوشہرے میں مجاہدین نے اونٹوں پر کجاوے کس کر (جن کو سید صاحبؒ نے شیدو کی جنگ سے پہلے تیاری کا حکم دیا تھا) اور خچروں اور ٹٹوؤں کو تیار کر کے زخمیوں اور بیماروں کو سوار کیا اور موضع تورو میں لے گئے۔ بہادر خاں رئیس تورو نے اپنی گڑھی کا مکان خالی کرا کے بیماروں کو اتارا اور جانوروں کے لیے حکم دیا کہ ہمارے کھیتوں میں چھوڑ دو۔

سید صاحبؒ سے محبت

اس بستی کی تمام عورتیں آئیں اور لوگوں سے پوچھنے لگیں کہ کہو، سید بادشاہ کہاں ہیں۔ باوجودیکہ ان کے تمام اعزّاء واقرباء بھی اس لڑائی میں گئے تھے، مگر ان کے متعلق کوئی عورت نہیں پوچھتی تھی۔ ہر ایک دعا دیتی تھی کہ الٰہی سید بادشاہ کو صحیح سلامت رکھ!

سردار بہادر خاں نے مجاہدین کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ بھائیو، میں تمھارا خادم اور خیر خواہ ہوں، پر کیا کروں؟ عاجز و ناچار ہوں سکھوں کے آنے کی اس طرف خبر ہے اور میں ان کے مقابلے کے لائق نہیں مناسب یہ ہے کہ تم اپنے بیماروں کو یہاں سے جلد نکال کر اور کہیں امن کی جگہ میں لے جاؤ۔ چنانچہ وہ حضرات تورو سے پنجتار کے لیے روانہ ہو گئے۔

سید صاحبؒ محفوظ مقام پر

ہندوستانی سید صاحبؒ کو چارپائی پر لیے ہوئے گھاٹ پر آئے۔ گھاٹ پر بکثرت ملکی بھی

تھے اور درانیوں کے لوگ بھی تھے۔ ملکی کہتے تھے کہ ہم پہلے اتریں اور درانی کہتے کہ ہم اتریں۔ اس ردوبدل میں درانی سید صاحبؒ کی چارپائی کشتی پر نہیں رکھنے دیتے تھے۔ بیچارے ہندوستانی ششں وپنج میں تھے۔ پیچھے سے سکھوں کی آمد کی خبر بھی گرم تھی۔ اس عرصے میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اپنی جماعت کے ساتھ گھاٹ پر مسلح آپہنچے اور سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر کشتی سے اتار دیا۔ وہ شوروغل کرتے رہے۔ آپ نے جلد سید صاحبؒ کی چارپائی کشتی پر رکھ دی اور اپنے سب لوگ مل کر کشتی پر سوار ہوئے اور پار اتر گئے۔ چارسدے کے سادات سید صاحبؒ اور ہندوستانیوں کو اپنے مکان پر لے گئے۔ سید صاحبؒ کو جب کچھ ہوش آتا، تو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب پوچھتے کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ آپ ان کو تسلی دیتے کہ اللہ کا فضل ہے، آپ کچھ اندیشہ نہ کریں اللہ تعالیٰ اس صدمے سے مجھ کو زندہ رکھے گا۔

چارسدے کے سیدوں نے یہ مشورہ کیا کہ سید صاحبؒ کو یہاں سے موضع مچی جلالہ اور موضع پلئی کی طرف لے جائیں اور موضع باغ میں ہو کر موضع چنگلئی کو پہنچادیں۔ رات رہے سیدوں نے اپنا ایک رہبر ہمراہ کر کے اس طرف روانہ کیا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سید صاحبؒ کو لے کر جماعت کے ساتھ موضع باغ میں مع الخیر پہنچ گئے۔ صبح کو سردار فتح خاں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے مشورہ کر کے سید صاحبؒ کو تمام مجاہدین سمیت موضع چنگلئی میں جو باغ سے ڈھائی یا تین کوس ہے، لے گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جو لوگ سید صاحبؒ کو اترنے نہیں دیتے تھے، ان کو یار محمد خاں نے بھیجا تھا کہ تم گھاٹ پر ایسا شور وفساد مچانا کہ پہر، ڈیڑھ پہر کا وقفہ ان کے اترنے میں ہو جائے۔ تب تک سکھوں کے سوار جا پہنچیں گے۔ تم الگ کے الگ رہو گے۔ وہ خود سید صاحب سے جیسا چاہیں گے سمجھ لیں گے۔

رضا بالقضا اور دعا

موضع چنگلئی میں کئی روز کے بعد سید صاحبؒ کو بخوبی ہوش آیا۔ آپ نے لوگوں کو غمگین اور اداس دیکھ کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ میاں صاحب، کیا حال ہے اور یہ تمام ہمارے مجاہدین بھائی کیوں اداس اور غمگین ہیں؟ جس روز سے آپ کو بے ہوشی ہوئی تھی۔

مولانا نے اس وقت تک کا حال جو بیان کرنے کے قابل تھا، بیان کیا۔ آپ نے پوچھا: ہمارے اور مجاہدین بھائی کہاں ہیں؟ مولانا نے کہا کہ پنجتار اور تورو میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان سب کو یہاں بلوا لو اور فرمایا کہ مولانا صاحب، ہمارے سب مجاہدین بھائیوں کی تسلی اور دلجمعی کیجئے کہ یہ جو کچھ حال ہم پر اور سب بھائیوں پر گزرا، کچھ جناب الٰہی میں ہم لوگوں سے خطا اور بے ادبی ہوئی ہے، اسی کا یہ بدلہ ہے، اور یہ بھی ایک امتحان الٰہی تھا۔ وہ سبحانہ تعالیٰ ایسی ایسی آزمائشوں پر ہم لوگوں کو اور ہمارے مجاہدین بھائیوں کو ثابت قدم رکھے اور ہماری تکلیف کو راحت سے بدل دے اور ان لوگوں کا زہر دینا بھی حکمت الٰہی سے خالی نہیں۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ہم سے ادا ہوئی۔

پھر آپ نے ننگے سر ہو کر جناب باری میں الحاح وزاری کے ساتھ دعا کہ "الٰہی یہ ہم سب تیرے بندے ذلیل وخاکسار، عاجز و ناچار ہیں اور تیرے سوا ہمارا کوئی حامی و مددگار نہیں۔ محض تیرے ہی فضل و کرم کے امیدوار ہیں۔ ہم تیری آزمائش و امتحان کے قابل نہیں۔ ہماری خطاؤں کو نہ پکڑ۔ اپنی رحمت سے معاف کر اور ہم کو اپنی راہ مستقیم پر ثابت قدم رکھ اور جو لوگ تیری اس راہ کے مخالف ہیں، ان کو ہدایت کر اسی طرح کے الفاظ بار بار کہے، لوگ "آمین! آمین!" کہتے تھے۔ دعا کے بعد آپ نے سب کو تسلی اور دلاسا دیا کہ بھائیو، مت گھبراؤ۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل و کرم کرے گا۔

پنجتار کے سب غازی بھی بلائے گئے اور تمام اسی بستی میں آکر جمع ہوئے۔ بیس پچیس آدمی جو موضع تورو میں میاں عبدالقیوم صاحب بہادر خاں کے پاس چھوڑ آئے تھے، ان کو بھی آپ نے وہیں بلوا لیا۔

کھانے کی تنگی اور مجاہدین کا مجاہدہ

مجاہدین کے لیے یہ بڑے ابتلا کا زمانہ تھا۔ گنتی کے چھ سات آدمی تو تندرست تھے۔ باقی سب بیماروں کی خدمت کرتے تھے، کھانے کی تنگی کا یہ حال تھا کہ ایک مٹھی مکئی ہر آدمی کو ملتی تھی، تندرست لوگ اس کو چکی میں پیس لاتے اور لپٹا پکا کر مریضوں کو کھلاتے اور خود کھاتے۔ ایک

ترش تین پتی کی گھاس ہوتی تھی، جس کو فارسی میں سہ برگہ کہتے ہیں؛ اس کو پیس چھان کر تھوڑا سا نمک ملا کر ان مریضوں کو پلاتے تھے۔ یہی دوا تھی۔ کسی دن وہ ایک مٹھی مکئی بھی نہ ملتی۔ اس دن گھاسوں کی پتیاں، جو بے مزہ نہ ہوتیں اور پکانے میں گل جاتیں، جنگل سے توڑ لاتے اور بڑی بڑی ہانڈیوں میں نمک ڈال کر ابالتے اور ان مریضوں کو کھاتے اور خود بھی کھاتے کسی روز ایک بیمار مرتا، کسی روز دو، کسی روز تین، تار بندھا تھا۔ جو مر جاتے، اگر ان کی کوئی چادر ہوتی، تو اسی کو پاک کر کے اس میں لپیٹ کر دفن کرتے۔ کئی جا جمیں بھی دھلی ہوئی رکھی تھیں۔ اگر مرنے والے کے پاس کوئی چادر بھی نہ ہوتی، تو انھیں جا جموں میں سے ایک چادر پھاڑ کر اس کے کفن کا انتظام کر تے تھے۔ جب متواتر فاقے ہوئے، تو ایک مرتبہ ایک پگڑی اور ایک تھان بیچ کر چند روز گزارا کیا۔ اس کے بعد پھر فاقے کی نوبت آ گئی۔ اس عرصے میں فتح خاں پنجتاری کو اطلاع ہوئی۔ انھوں نے چند روز کے لیے غلے کا انتظام کر دیا۔ اس عرصے میں ایک چھوٹا سا ہندوستانی قافلہ آ گیا۔ انھوں نے وہ روپے، جو جماعت کے لیے لائے تھے، حوالے کیے۔ اسی طرح جب تک سید صاحبؒ تشریف لائے کام چلتا رہا۔

مرنے والوں میں، جن کے نام معلوم ہیں، ایک مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادیؒ کے چھوٹے بھائی مولوی طالب علیؒ تھے؛ دوسرے عبداللہ بسم اللہ تھے، جو پہلے مخنثوں کے طائفے میں شامل تھے، پھر لشکر مجاہدین میں شامل ہوئے اور مردانہ وار راہ خدا میں جان دی۔

جنگ شیدو اور یار محمد خاں کا طرز عمل

جنگ شیدو کے موقع پر اسلامی افواج کی اتنی بڑی جمعیت فراہم ہو گئی تھی کہ جو نہ صرف سردار بدھ سنگھ کی فوج کو شکست دینے کے لیے، بلکہ پورے صوبہ سرحد کو سکھوں سے آزاد کرانے کے لیے بھی کافی تھی۔ مسلمان تقریباً ایک لاکھ تھے، جن میں اسلامی ہند کا جاں نثار اور شوق شہادت میں سرشار عنصر بھی تھا، جو کئی ہزار میل کا ہفتخواں سر کر کے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے آیا تھا۔ ان میں یوسف زئی سرداروں کی فوجی طاقت بھی تھی۔ جو ستر اسی ہزار افراد پر مشتمل تھی اور ان سب کے علاوہ سرداران پشاور کی کار آزمودہ فوج بھی تھی۔ اگر سرداران پشاور اس موقع پر اخلاص اور تعاون سے کام لیتے اور کچھ

بھی ثابت قدمی اور استقامت دکھاتے، تو نہ صرف میدان جنگ کا، بلکہ ہندوستان کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔ لیکن عین اس وقت جب کہ معرکہ کارزار گرم تھا اور سکھ فوجیں پسپا ہو رہی تھیں، انھوں نے میدان جنگ سے علیحدگی اختیار کی اور نہ صرف خود میدان سے فرار اختیار کیا، بلکہ سید صاحبؒ کے ساتھ (جو جماعت مسلمین کے امام اور عساکر اسلامیہ کے قائد عام اور اس پورے سلسلے کے روح رواں تھے) ایسا معاملہ کیا کہ نہ صرف اس معرکہ میں تزلزل وانتشار پیدا ہوا، بلکہ قریب تھا کہ پورا سلسلہ دعوت و جہاد، جو صدیوں کے بعد اپنی صحیح شکل میں ہندوستان میں پیدا ہوا تھا، درہم برہم ہو جائے۔

یار محمد خاں نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے اسباب ومحرکات کیا تھے؟ اس قدر جلد اس کی طبیعت میں برگشتگی کیوں پیدا ہوئی؟ اس کے حالات ومزاج سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو ابتداء سے سید صاحبؒ اور ان کے مقاصد سے خلوص نہ تھا۔ سید صاحبؒ تو یار محمد خاں کے لیے محض اجنبی اور پردیسی تھے اور ان کی رفاقت کے لیے سوائے خلوص اور دینی جذبے کے کوئی اور محرک نہ تھا اور اس کا یار محمد خاں کے یہاں فقدان تھا۔ اس نے اپنے ذاتی اقتدار اور مصلحتوں کے مقابلے میں اپنے بھائیوں کے ساتھ بھی وفاداری اور رفاقت کا معاملہ نہ کیا اور ہمیشہ لاہور کی سکھ حکومت سے اظہار وفاداری اور اپنی کاربرآری کرتا رہا۔ اس نے اپنے سیاسی وملکی مصالح کی بنا پر سید صاحبؒ کی رفاقت کا فیصلہ کیا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شیدو کی جنگ سے پہلے سردار بدھ سنگھ نے اس کو ملا لیا اور یہ منصوبہ تیار ہو گیا کہ وہ عین معرکہ میں میدان جنگ سے اپنی فوجوں کو لے کر علیحدہ ہو جائے گا۔ سردار بدھ سنگھ کے لیے ایک مذبذب موقع پرست، دنیا دار رئیس کو دنیوی منافع کی لالچ دے کر اور اس جنگ کے عواقب سے ڈرا کر توڑ لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ زہر خورانی کا واقعہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے، شیدو اور اس کے گرد ونواح میں اس کی عام شہرت تھی۔ مولانا عبدالحی صاحب نے (جو ۲؍ذی قعدہ ۱۲۴۲ھ کو لشکر میں پہنچے ہیں) پنجتار سے اپنے دوستوں اور متعلقین کو جو خط لکھا ہے۔ اس میں یہی تذکرہ کیا ہے(۱) خود سید صاحبؒ نے بھی متعدد خطوط میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے،(۲) معاصر مورخوں میں سے لالہ سوہن لال ''عمدۃ التواریخ'' میں لکھتے ہیں:

---

(۱) مجموعہ خطوط قلمی ص ۲۳۰ (۲) مجموعہ خطوط قلمی ص ۵۹ وص ۲۷۶

منقول السنہ باشندگان آں روئے آب اٹک است کہ عالی جاہ یار محمد خاں بپاس ارتباط اتحاد سرکار دولت مدار درحین اشتعال نوائر جدال وقتال احمد شاہ را شربت شیریں سم قاتل نوشانیدہ قرار برفرار دادند وتمامی لشکریان، نیز بمتابعت او پرداختند (۱)

دریاءاٹک کے اس پار رہنے والوں کے زباں زد ہے کہ عالی جاہ یار محمد خاں نے اس اتحاد ویگانگت کی بناپر، جوان کو سرکار دولت مدار (مہاراجہ) سے ہے، عین معرکہ کارزار میں احمد شاہ (سید صاحب) کو زہر ہلاہل دیا اور میدان جنگ کو چھوڑ کر چلا جانا طے کیا۔ ان کے تمام لشکریوں نے بھی ان کی تقلید کی۔

جنگ شیدو کے نتیجے پر دربار لاہور کی مسرت

یوسف زئی اور درانی سرداروں کے اس اتحاد اور مجاہدین کی اس جمعیت سے (جس کی مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اطلاع ملتی رہتی تھی) لاہور میں بڑی تشویش اور خطرہ محسوس کیا جاتا تھا۔ اس جنگ کے نتیجے پر سکھ حکومت کے مستقبل کا بہت کچھ انحصار تھا۔ یار محمد خاں کی بے وفائی نے جب جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور مسلمانوں کی فوج (جس سے تعداد میں بڑی فوج سکھوں کے مقابلے میں کبھی جمع نہیں ہوئی) منتشر اور پراگندہ ہوگئی، تو لاہور میں بڑی مسرت وشادمانی کا اظہار کیا گیا اور خوشی میں چراغاں ہوا اور توپیں سر کی گئیں۔ لالہ سوہن لال لکھتے ہیں:

سرکار دولت مدار بعد از استماع ایں خبر میمنت اثر شلق توپخانہ کنانیدہ، منادی در شہر جلوہ ظہور پذیرفت کہ از روشنائی چراغاں دیدۂ بینندگاں را روشن سازند موافق حکم عالی ہنگام شب روشنائی بکمال لطافت وزیبائش رونق اعلان یافت۔ (۲)

سرکار دولت مدار نے یہ مبارک خبر سن کر حکم دیا کہ توپیں سر کی جائیں۔ شہر میں منادی ہوئی کہ بڑے اہتمام کے ساتھ چراغاں ہو۔ چنانچہ فرمان شاہی کے مطابق شہر میں بڑے زور کا چراغاں ہوا۔

---

(۱) عمدۃ التواریخ، دفتر دوم ص ۳۴۰ (۲) عمدۃ التواریخ، دفتر دوم ص ۳۴۰

مہاراجہ نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔انھوں نے اس واقعہ کی خوشی میں جشن منایا اور ہزاروں روپے تقسیم کیے۔دیوان امرناتھ لکھتے ہیں:

چراغاں در لاہور و تمامی ممالک محروسہ شد و سرکار والا ہزار ہا بر محتاجین و فقراء ایثار کردہ جشن شاہانہ فرمودند(۱)

لاہور اور تمام ممالک محروسہ میں چراغاں ہوا۔سرکار نے ہزاروں روپے محتاجوں اور فقراء پر تقسیم کیے اور جشن شاہانہ منایا۔

●●●

---

(۱) ظفر نامہ دیوان امرناتھ،ص ۱۸۱

بونیر وسوات کا دورہ

چملہ و بونیر

شیدو کے غیر متوقع ودل شکن واقعہ سے سید صاحبؒ کے عزم وہمت اور دعوت جہاد کے انہماک میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ پنجتار میں آپ نے ایک مہینہ گزارا، جس کا ابتدائی حصہ علالت کے اثرات اور اس سے مکمل افاقے میں گزرا۔ مہینہ گزرتے ہی آپ نے بونیر وسوات کا دورہ شروع فرمادیا۔

پنجتار سے آپ علاقہ چملہ کو روانہ ہوئے۔ اس علاقہ میں کوگا نام ایک بستی ہے۔ ظہر کے وقت اس میں تشریف فرما ہوئے۔ وہاں سے تھوڑی دور سیدوں کی ایک بستی ناوگئی تھی۔ وہاں کے رئیس سید حسن رسول صاحب بہت لوگوں کے ساتھ آپ کی ملاقات کو آئے۔ دوسرے خوانین اور اطراف وجوانب کے سردار بھی روزانہ ملاقات کو آتے رہے اور بیعت سے مشرف ہوتے رہے۔ چار روز آپ نے کوگا میں قیام کیا۔ پھر وہاں سے علاقہ بونیر کی طرف روانہ ہوئے۔ شام کو دامن کوہ میں ایک بستی میں قیام کیا۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر تختہ بند کا رئیس سید میاں آپ کو لینے کو آیا اور صبح کو آپ کو اپنی بستی میں لے گیا اور اپنے مکان پر اتارا۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر اس نواح کے بہت سے خوانین اور سردار ملاقات کو آئے۔ مجاہدین اور ان لوگوں کو ملا کر پانچ چھ سو کی

جمعیت ہوگئی۔ سید میاں اوران کی برادری والوں نے اس جم غفیر میں سب کے سامنے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے بعد اس نواح کے خوانین اور رؤساء میں سے جو اس وقت حاضر تھے۔ دو ڈھائی سو آدمیوں نے بیعت کی اور سب نے کہا کہ ہم جان و مال سے آپ کے فرماں بردار ہیں؛ جو آپ فرمائیں، ہم بسر و چشم بجالائیں۔

سوات

آپ نے تختہ بند میں چار روز قیام کیا۔ اسی عرصے میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور شیخ سعدالدین پھلتی، جو زخمی تھے، بیمار ہوگئے۔ ان دونوں صاحبوں کو آپ نے تختہ بند میں چھوڑا۔ باقی لوگوں کو لے کر آپ علاقہ سوات کی طرف روانہ ہوئے۔ موضع الئی، تورسک، جوڑ (۱) ٹھیرتے ہوئے کڑاکڑ پہاڑ کی چڑھائی چڑھ کر اس کی چوٹی پر گئے، جہاں سے علاقہ بونیر کے مواضعات صاف نظر آتے تھے۔ اور دوسری طرف علاقہ سوات کی ایک ایک بستی دکھائی دیتی تھی۔ پھر اس پہاڑ سے اتر کر سوات میں داخل ہوئے۔ شافعیوں کے ایک موضع (۲) میں سے ہوتے ہوئے جو پہاڑ سے اترنے پر ملا، موضع بری کوٹ، موضع تھانہ میں قیام فرمایا۔ وہاں سے موضع اُچ کے سادات میں سے بہت سے لوگ آپ سے ملنے کو آئے اور اپنی بستی میں لے گئے اور اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

موضع اُچ میں آپ نے تین روز قیام فرمایا۔ اس عرصے میں مولوی محمد یوسف صاحب بیمار ہوگئے موضع کوٹی گرام کے سادات آپ کو لینے کو آئے تھے۔ آپ مولوی محمد یوسف صاحب کو بھی اپنے ساتھ کوٹی گرام میں لے گئے۔

مولوی قلندر صاحب کا قافلہ

چوتھے یا پانچویں دن مولوی قلندر صاحب کا ستر اسی آدمیوں کا قافلہ کوٹی گرام پہنچا۔ آپ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مصافحہ و معانقہ کیا اور ہندوستان کا حال پوچھا۔ پھر آپ نے

(۱) یہ سالارزئی پٹھانوں کی بستی ہے، نواب امیر خاں بانی ریاست ٹونک اسی قبیلے اور اسی بستی سے تعلق رکھتے تھے۔
(۲) شافعیوں کی اس بستی کا نام "ناوگئی" ہے۔

سرکھول کو بطور معمول دیر تک دعا کی۔

نماز عید اور قاضی احمد اللہ صاحب کا قافلہ

کوٹی گرام میں آپ نے نماز عید پڑھی اور دیر تک دعا کی۔ یہ ۱۲۴۲ھ کی عید الفطر تھی۔ آپ جب تک اس بستی میں رہے، صدہا لوگوں کو ہدایت ہوئی، وہاں برسوات کے علاقے کے لوگ بھی حاضر تھے۔ انھوں نے اپنے یہاں آپ کو لے جانے کی درخواست کی۔ عید کے تیسرے دن آپ نے کوٹی گرام سے کوچ فرمایا اور برسوات کی طرف روانہ ہوے۔ راستے میں موضع اُچ کی دوسری بستی میں تین دن قیام فرمایا۔ وہاں سے روانگی پر راستے میں قاضی احمد اللہ صاحب کا قافلہ ملا۔ قافلے میں ساٹھ ستر آدمی تھے۔ آپ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ہر ایک سے مصافحہ و معانقہ کیا اور مزاج پرسی کی۔ یہاں جن بستیوں کے درمیان پٹنہ داری (گروہ بندی) تھی ان کے درمیان مصالحت فرمائی۔ اسی دوران میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی تندرست ہو کر قافلے میں شامل ہو گئے۔ جمعدار عبدالحمید خاں، جن سے ٹونک میں ملاقات ہوئی تھی، چند آدمیوں کے ساتھ آکر آپ سے ملے۔

مولوی محمد یوسف صاحب کی وفات

مولوی محمد یوسف صاحب نہایت علیل تھے۔ مگر ہمراہ تھے۔ راستے میں ایک جگہ ان کی وفات ہو گئی، سید صاحبؒ کو بہت ہی رنج ہوا۔ دیر تک ان کی خوبیاں اور بزرگیاں بیان فرماتے رہے۔ پھر ان کے واسطے دعائے مغفرت کی اور ان کی نعش مبارک لانے کے لیے پھلت کے چند آدمیوں کو بھیجا۔ سید رستم علی صاحب نے عرض کیا کہ وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری بستی میں ایک بڑے ولی کا مزار پُر انوار ہے۔ وہیں پر مولوی صاحب کو دفن کرو۔ ان کے ہمسائے میں ان کو بہت فائدہ ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے مولوی صاحب آپ اللہ کے ولی ہیں۔ ہم ان کو اسی بستی میں دفن کریں گے، ان کی برکت سے یہاں کے مردوں کو فائدہ ہوگا، پھر وہ صاحبان وہاں سے نعش مبارک لائے اور تجہیز و تکفین و نماز جنازہ کے بعد اس بستی کے گورستان میں دفن

کیا۔ مولوی محمد یوسف صاحب کے انتقال کا ہر شخص کو بڑا رنج تھا۔ خصوصاً پھلت والوں کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس لیے کہ وہ ان پر باپ سے زیادہ شفیق تھے۔

مولوی رمضان صاحب کا قافلہ

بستی بانڈہ میں رڑکی والے مولوی رمضان صاحب سو آدمیوں کا قافلہ لے کر آئے اور آپ سے ملے۔

منگورے میں آپ نے تین روز قیام فرمایا۔ وہاں سے منگلور (پرگنہ بابوزئی) ہوتے ہوئے آپ چار باغ آئے، جو اس نواح میں بڑا آباد اور پررونق شہر تھا۔ بستی میں آپ کی آمد پر نقارہ ہوا، وہاں کے ملک اور خوانین آئے۔ دعوتوں کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ ایک وقت میں کئی کئی جگہ دعوت ہوتی اور مجاہدین میزبانوں کی خوشی کے لیے سب جگہ تھوڑا تھوڑا کھا لیتے۔ تین دن میں صدہا آدمیوں نے بیعت کی۔

گُلی باغ کے سرداروں نے کوس، سوا کوس باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا۔ ملا اپنی زبان پشتو میں آپ کی سواری کے آگے آگے آپ کے فضائل بیان کرتے ہوئے چلتے تھے۔ گلی باغ کے ملک اور خوانین بیعت سے مشرف ہوئے۔

شاہ چترال کو تحفہ

خواجہ خیل بستی میں چند لوگ آپ کے پاس آئے اور آپ سے کاشکار (چترال) کی باتیں کرنے لگے کہ وہاں کا بادشاہ بڑا دیندار اور غازی ہے۔ اکثر اپنے ملک کے کفار و روافض سے جہاد کیا کرتا ہے۔ اگر آپ اس ملک میں تشریف لے جائیں، تو خوب ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس ملک میں ہم سے اپنی رضامندی کا کام لے۔ یہاں بھی جہاد موجود ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں بھی دعوت جہاد اور ترغیب غزا کے واسطے اپنے چند آدمی بھیجیں گے۔

خواجہ خیل سے آپ نے خونے کی طرف کوچ فرمایا۔ وہاں کے ایک سید اور رئیس، جو بڑے پیرزادے بھی تھے، آپ کو اپنی بستی میں لے گئے اور اپنا مہمان کیا۔ رفقاء ان کی خانقاہ میں

ٹھہرے۔ وہیں سے آپ نے اخوند فیض محمد کو کئی آدمیوں کے ساتھ کاشکار کی طرف روانہ کیا اور وہاں کے بادشاہ کے لیے ایک قرآن مجید، پستول کی ایک جوڑی اور ایک پیش قبض تحفے کے طور پر بھیجے۔

خو نے سے روانہ ہو کر موضع اشالہ (۱)، درشت خیل، خنجرہ، شکردرہ، بانڈہ ہوتے ہوئے دریا اتر کر چار باغ میں داخل ہوئے۔

مولانا عبدالحئ صاحب کی آمد

چار باغ میں آپ کو اطلاع ملی کہ مولانا عبدالحئ صاحب موضع چکدرہ میں مع الخیر داخل ہوئے، صبح کو کچھ دن رہے، سید صاحبؒ نے بیس پچیس غازی، جن میں اکثر پھلت والے تھے، کہاروں کے ساتھ مولانا کو لانے کے لیے بھیجے۔ یہ لوگ چلنے کی تیاری کر رہے تھے کہ ادھر سے مولانا دریا پر پہنچ گئے۔ سید صاحبؒ کو اطلاع ہوئی، آپ استقبال کے لیے دریا پر تشریف لائے۔ مصافحہ و معانقہ ہوا۔ مولانا نے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ سید صاحبؒ کو مولانا سے ملنے کا کمال اشتیاق تھا۔ ادھر مولانا صاحب کو آپ سے ملنے کی بے حد آرزو تھی۔ وہاں سے باتیں کرتے ہوئے آپ چار باغ کو آئے اور مولانا کو علیحدہ مکان میں اتارا۔

چار باغ سے منگورہ ہوتے ہوئے آپ ہوڈی گرام تشریف لائے۔

میاں مقیم کا قافلہ

ہوڈی گرام میں میاں مقیم صاحب رامپوری تیس چالیس آدمیوں کے قافلے کے ساتھ پہنچے، وہ اپنے ساتھ کچھ نقد روپیہ اور کئی ضرب قرابین لائے تھے۔ وہ انھوں نے نذر کیں اور آپ کے دست مبارک پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بیعت ہدایت اور بیعت جہاد کی۔ جیسے اس قافلے کے لوگ چالاک اور چست اور سلاح و پوشاک سے درست تھے، ایسے جوان کسی قافلے کے نہیں تھے۔ جرأت و شجاعت میں یکتا اور بانکے ترچھے ایسے تھے کہ کھانسی اور تھوکنے پر تلوار مارتے تھے۔ مگر جس وقت سے انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ایسے صالح و پرہیزگار اور غمخوار و بردبار ہو گئے

---

(۱) اشالہ فتح پور اور خواجہ خیل کے درمیان ہے۔ (سید احمد شہید، ج ۱، ص ۴۲۷)

کہ جو کوئی چار باتیں ان سے ناحق کہتا، وہ دیدہ و دانستہ پی جاتے اور کوئی کلام بیجا زبان پر نہ لاتے۔

پنجتار کو واپسی

ہوڈی گرام سے بری کوٹ ہوتے ہوئے کڑاکڑ کی چڑھائی کے کنارے شافعیوں کی بستی میں کچھ دیر ٹھہرتے ہوئے جوڑ، تورسک، موضع باچا، شل بانڈی، تختہ بند، کوگا ہوتے ہوئے چنگلئی تشریف لائے۔ وہیں آپ نے عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھی اور قربانی کی۔ وہاں سے پنجتار کا رخ کیا۔ فتح محمد خاں کو خبر ہوئی۔ وہ چند سواروں کے ساتھ استقبال کو آیا اور باتیں کرتے کرتے اپنے ہمراہ پنجتار میں لے گیا۔ اس کے گرد سنگین کوٹ ہے۔ اس کے باہر ایک دیوان شاہ کا باغ مشہور تھا۔ وہیں سب لوگ اترے، سید صاحبؒ نے بھی وہیں قیام فرمایا۔ کئی سفری ڈیرے خیمے تھے۔ وہ کھڑے کیے گئے۔

دورے پر ایک نظر

بونیر و سوات کا یہ دورہ تبلیغ و دعوت، افادہ و ہدایت اور جہاد کی تبلیغ و تحریض کے لحاظ سے بہت کامیاب رہا۔ اس دورے میں اللہ کے ہزاروں بندوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت توبہ و جہاد کی اور آپ سے اور آپ کے خلفاء سے باطنی فیوض حاصل کیے اور ان کی خدا پرستانہ و سر فروشانہ زندگی دیکھی۔ بہت سے قبائل میں، جن میں سخت پٹنہ داری اور نزاع و منافقشہ تھا، مصالحت ہوئی۔ چنگلئی میں مہینہ بھر جس تنگی اور عسرت اور بیماری کی حالت میں فاقے کے ساتھ وقت بسر ہوا، یہاں اسی قدر فراغت اور آسودگی رہی۔ آپ جس وقت علاقہ چملہ کو روانہ ہوئے تھے، پہاڑ کی چوٹی پر آپ نے ننگے سر ہو کر دیر تک بہت گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی تھی۔ دعا کے بعد فرمایا تھا کہ جناب باری میں دعا قبول ہوئی اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ہماری تکلیف دور کی اور اپنا فضل ارزانی فرمایا، اس سفر میں ہر جگہ دعا کی قبولیت کے آثار نظر آئے۔ اسی دورے میں ہندوستان سے تازہ دم مجاہدین اور سراپا اشتیاق مخلصین کے چار قافلے پہنچے جن میں مجموعی طور پر پونے تین سو کے قریب مجاہدین تھے اور مولوی قلندر صاحب، قاضی احمد اللہ صاحب، جمعدار عبدالحمید خاں، مولوی

رمضان صاحب، میاں مقیم رامپوری جیسے ممتاز حضرات تھے، جنھوں نے بعد کی جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور آخر وقت تک رفاقت کی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی سفر میں مولانا عبدالحی صاحب بڈھانوی تشریف لائے، جن کا خود سید صاحبؒ کو بڑا اشتیاق وانتظار تھا۔ غرض، بونیر وسوات کا یہ دورہ جماعت کے دائرے کی توسیع، مقاصد جہاد کی اشاعت اور مجاہدین کی تقویت کا پورا سامان رکھتا تھا اور نفسیاتی اور انتظامی حیثیت سے اس کی بڑی ضرورت تھی۔

خوشا وقت شوریدگان غمش
اگر ریش بینند و گر مرہمش

●●●

پنجتار کا مرکز مجاہدین

پنجتار کی اسلامی چھاؤنی

جنگ بازار کے بعد جب آپ ہنڈ کے قریب مقیم تھے، خدو خیل کے سردار فتح خاں پنجتاری نے بیعت کی تھی اور پنجتار کو، جو علاقہ سوات کے قریب پہاڑوں کے بیچ میں ایک محفوظ مقام تھا، مرکز بنانے کی دعوت دی تھی۔ اس کے بعد ہی شیدو کا معرکہ پیش آیا اور آپ کو اور رفقاء کو ایک مہینہ چنگلئی میں قیام کرنا پڑا۔ اس کے بعد آپ نے بونیر و سوات کا دورہ فرمایا اور اس میں تقریباً تین مہینے لگ گئے۔ اس دورے کے اختتام اور سفر سے واپسی پر آپ نے پنجتار ہی کا رخ فرمایا۔ مجاہدین کے قیام، رفقاء کی تعلیم و تربیت اور مجاہدانہ نقل و حرکت کے لیے اس سے زیادہ موزوں کوئی اور مقام نہ تھا۔ اسی مقام کو بالآخر طویل ترین عرصے کے لیے سید صاحبؒ اور آپ کے رفقاء کا مستقر، اسلام کی چھاؤنی اور مرکز اصلاح وارشاد بننے کی سعادت حاصل ہوئی (۱) اور یہاں اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرت کا صحیح نمونہ اور عبادت و مجاہدہ، اخوت و مساوات، خدمت و مواسات، ایثار و ہمدردی، سادگی و بے تکلفی اور محنت و جفاکشی کے ایسے ملے جلے مناظر دیکھنے میں آئے، جو قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ یہاں پر اس زندگی کی جو کم سے کم ہندوستان کی

(۱) صوبہ سرحد کے زمانہ قیام میں کسی مقام کو اس طرح مسلسل اور اتنے عرصے کے لیے سید صاحبؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مستقر و مرکز بننے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

سرزمین پر صدیوں کے بعد وجود میں آئی تھی، مختلف روایات و بیانات اور خطوط کی مدد سے ایک تصویر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مولانا عبدالحیؒ نے اپنے ہندوستانی احباب کو پنجتار سے اپنی خیریت کا خط لکھا ہے جس میں وہاں کے بہت سے حالات بھی تحریر میں آگئے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

سرحد میں مجاہدین کی نو آبادی

''ان دنوں ۱۱رذی الحجہ سے آج پنجشنبہ ۲۳رذی الحجہ تک حضرت کا قیام پنجتار میں ہے۔ یہاں کا رئیس فتح خاں نامی بڑا صاحب ایمان اور مخلص شخص ہے۔ اس ملک میں اس کی نظیر نہیں۔ مہاجرین کے ساتھ اس کا سلوک اور طرز عمل حضرات انصار کے سلوک اور طرز عمل کی یاد تازہ کرتا ہے، جو ان حضرات نے مہاجرین کے ساتھ اختیار کیا تھا، دوسرے مواضعات کے رؤساء کا بھی کم و بیش یہی حال ہے۔ کسی کا کم، کسی کا زیادہ۔ عوام بھی اسی طرح ہیں، الا ماشاء اللہ۔

مہاجرین مواضعات میں متفرق طور پر قیام پذیر ہیں۔ سات سو آدمی گرد و نواح کے قصبات میں اور تین سو حضرت کے ساتھ ہیں۔ یہ مواضعات ایک دوسرے سے متصل اور قریب قریب ہیں، گویا ایک شہر کے دور دور کے محلے ہیں، جیسے ہمارے وطن کے قریب بارہ سادات یا بارہ بستی۔ دس بارہ من جنس سرکار (بیت المال) سے روزانہ تقسیم ہوتی ہے۔ اسی طرح ضرورت کے مطابق کپڑے بھی ملتے ہیں۔

ایک شخص نے، جو شاید ہندوستان سے آیا ہوا تھا، مجھ سے پوچھا: ''یہاں سے واپس جانے والوں کا کیا حکم ہے؟'' میں نے کہا: ''گناہگار ہیں'' کہنے لگا: ''اگر بھوک کے رہنے کی وجہ سے ہو؟'' اس کا اصل جواب تو وقت کی تنگی اور اس کے حال کے اشتباہ کی وجہ سے کہ سمجھے گا یا نہ سمجھے گا، میں نے دیا نہیں، اس کی اس طرح تسلی کر دی کہ میرے علم میں یہ عذر یہاں موجود نہیں، اس لیے کہ جو لوگ یہاں بیمار ہیں ان سے سچ سچ پوچھو کہ تمھاری بیماری کا کیا سبب ہے۔ وہ کہیں گے کہ زیادہ کھانے کی وجہ سے۔ کم سے کم میرے علم میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں آیا، جو محض بھوک کے رہنے کی وجہ سے بیمار ہوا ہو۔ تم ایسے دو تین بھوکے لے آؤ، میں بیس ایسے آدمی

پیش کردوں گا، جو شخص اپنی بسیار خوری کی وجہ سے بیمار پڑے۔ حدیث شریف میں ہے کہ انسان کے معدے کے تین حصے ہیں: ایک حصہ غذا کے لیے ہے، ایک حصہ پانی کے لیے اور ایک حصہ سانس لینے کے لیے، ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کو اس کے معدے کے تیسرے حصہ بھر کھانا نہ ملتا ہو، بلکہ ایسا آدمی بھی مشکل سے ملے گا، جس کو دو حصے نہ پہنچتے ہوں، جو اس سے زیادہ کی بھی فکر کرے وہ ضرور مصیبت میں مبتلا ہوگا، اس پر مجھے ایک قصہ یاد آیا کہ ایک بے دین نے یہ حدیث سن کر کہا: "میں تو پورے معدے کو غذا سے پر کر لیتا ہوں، پانی لطیف چیز ہے، وہ آپ اپنی گنجائش پیدا کر لیتا ہے، سانس کا کچھ نہیں، آئے آئے، نہ آئے، نہ آئے، مجھے اس کی فکر نہیں، بہر حال جس کا اعتماد مضمون حدیث پر ہے، وہ تو یہاں خوش و خرم ہے اور جس کو یہ بات حاصل نہیں، وہ بے شک تکلیف اور کوفت میں مبتلا ہے، باقی اصل جواب تو ان آیات میں ہے:

(۱) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ ۔ (سورۃ البقرہ: ۱۵۵)

"البتہ ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے کچھ بھوک سے"

(۲) ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صٰلِحٌ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ o (التوبہ: ۱۲۰)

"یہ اس واسطے کہ نہ کہیں پیاس کھینچتے ہیں، نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ میں اور نہ زیادہ ٹھہرتے ہیں کہیں، جس سے ناراض ہوں کافر اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی چیز، مگر لکھا جاتا ہے اس پر ان کا نیک عمل، بے شک اللہ نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا۔"

(۳) لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ (التوبہ: ۱۱۷)

"اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین پر اور انصار پر، جو ساتھ رہے نبیؐ کے مشکل کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب ہوئے کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے" (۱)

---

(۱) مکتوبات فارسی قلمی، مکتوب مولانا عبدالحئی از پنجنار۔

مجاہدین کی معاشرت اور طرز زندگی

مجاہدین کا عجیب عالم تھا۔ تکبّر، شان، خودی، ننگ و عار کا نام نہ تھا۔ ایک دوسرے کی خدمت کرتے، ہر کام میں للّٰہ فی اللہ شریک ہوتے، دوسرے کا ہاتھ بٹاتے، کسی کو محنت کا کام کرتے دیکھتے، تو بے کہے شریک ہو جاتے اور کرنے لگتے، اگرچہ اس کام کی اس روز ان کی باری نہ ہوتی۔ فقط ثواب جان کر کہ یہ کام خدا کا ہے، دنیا کے سب کام کرتے: چکی پیستے، کھانا پکاتے، کپڑے دھوتے اور سیتے، لکڑی چیرتے، گھاس چھیلتے، گھوڑا ملتے، بیماروں کی خدمت کرتے، ان کا پیشاب، پاخانہ، قے اٹھاتے، آپس میں ایک دوسرے کی حجامت بناتے، پیر دباتے، زمین پر سوتے، پھٹے پرانے کپڑے سیتے فحش گوئی، بدزبانی، حسد، عداوت کوئی نہ جانتا تھا، جہاد کفار کے ساتھ جہاد نفس بھی اور مجاہدہ روحانی بھی خانقاہوں سے زیادہ ہو رہا تھا اور ان تمام کاموں میں بڑے بڑے مخدوم اور امیر زادے شریک ہوتے اور اپنی سعادت و عزت سمجھتے۔

جو لوگ بعد میں قافلوں کے ساتھ آئے اور آپ کے صحبت یافتہ نہ تھے، ان کو یہ کاروبار دیکھ کر ننگ و عار معلوم ہوتا۔ وہ کہتے کہ یہ رذیلوں کے کام ہیں، شرفاء کی شان کے لائق نہیں۔ سید صاحبؒ کو ان کا عندیہ معلوم ہوا، آپ کی عادت تھی کہ جو نصیحت کرتے، کسی کی طرف خطاب کر کے یا کسی کا نام لے کر نہ کرتے تا کہ لوگوں میں اس کو ندامت نہ ہو۔ حکایت کے طور پر مثالیں بیان کرتے چنانچہ آپ نے ایک مثال دی کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اس کا خاوند کچھ مال و دولت چھوڑ کر نہیں مرا۔ وہ بیچاری چرخہ کاتتی ہے، پسائی کرتی ہے، سلائی کرتی ہے اور ہر طرح کی محنت مزدوری، جو بن پڑتی ہے کرتی ہے اور بچوں کو پالتی ہے۔ صرف اس امید پر کہ یہ پرورش پا کر جوان ہوں گے، نوکری چاکری کریں گے، بڑھاپے میں مجھ کو روٹی دیں گے، خدمت کریں گے، میرا بڑھاپا آرام سے بسر ہوگا۔ اس کی یہ امید موہوم ہے یقینی نہیں۔ اگر وہ لڑکے زندہ رہے اور صالح اور لائق ہوئے۔ اپنی ماں کا حق پہچانا، تو اس کی آرزو پوری ہوئی اور اگر وہ نالائق اور نکمے نکلے، تو وہ جھیک جھیک کر مری، یہاں جو ہمارے بھائی محض خدا کے واسطے خالص نیت سے چکی پیستے ہیں، کھانا

پکاتے ہیں، لکڑی چیرتے ہیں، گھاس چھیلتے ہیں، گھوڑا ملتے ہیں، کپڑے سیتے ہیں، اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوتے ہیں اور اسی طور کے سب کام کرتے ہیں، یہ تمام داخل عبادت ہیں اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں، سب اولیاء اللہ آج تک ایسے ہی کام کرتے آئے ہیں۔ جتنے کام شرع کے موافق ہیں کسی کے کرنے میں عار نہیں۔ ان سب کاموں کا اجر اللہ اور اس کے رسولؐ کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں ملنا یقینی ہے۔ سب بھائیوں کو چاہیے کہ ان کاموں کو فخر وعزت اور سعادت دارین سمجھ کر بلا عار وانکار کیا کریں اور یہ ہمارے صاحب ایمان مسلمان بھائی اپنے گھر بار، خویش وتبار، ناموس ونام، عیش وآرام ترک کر کے محض اللہ ورسولؐ کی خوشنودی کے لیے آئے، ہمارے لیے گوہر نایاب اور لعل بے بہا کے ٹکڑے ہیں کہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں میں سے چھٹ کر آئے ہیں۔ ان کی قدر ومنزلت ہم جانتے ہیں، ہر ایک نہیں پہچان سکتا۔ ان باتوں سے اور ماحول کے اثر سے رفتہ رفتہ نئے بھی پرانے لوگوں کے رنگ میں رنگ جاتے۔

کاموں میں سید صاحبؒ کی شرکت

ایک مرتبہ آپ ایک طرف کو گئے، وہاں دیکھا کہ میاں الٰہی بخش رامپوری بیٹھے چکی پیس رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے مکے میں چکی پیسی ہے، یہاں پر بھی پیسیں گے۔ یہ کہہ کر آپ بھی بیٹھ کر پیسنے لگے۔ شہرت ہوئی، تو سب لوگ جمع ہو گئے اور جن کو اس سے پہلے اس کام سے عار تھی جاتی رہی۔

آپ کے باورچی خانے کا ایندھن جب ختم ہو جاتا، تو قادر بخش کنج پورے والے عرض کرتے کہ حضرت، باورچی خانے میں ایندھن نہیں ہے۔ آپ فرماتے کہ آج لشکر کی سب کلہاڑیاں لا رکھو، کل چلیں گے۔ شام کو قادر بخش سب کلہاڑیاں منگوا رکھتے۔ صبح کی نماز پڑھ کر گھوڑے پر چڑھ کر آپ جنگل کو روانہ ہوتے اور کلہاڑیاں لے کر قادر بخش آدمیوں کے ساتھ جاتے۔ لشکر میں خبر ہوتی کہ آج حضرت امیر المومنین لکڑیاں لینے کو گئے ہیں۔ کھانا پکانے والے تو چار چار آدمی ہر بہیلے میں رہتے، باقی سب جاتے اور آپ کے واسطے لکڑیاں

کاٹتے۔ آٹھ آٹھ آدمی آپ کے ساتھ کاٹتے کاٹتے تھک جاتے اور آپ اکیلے نہ تھکتے۔ جب لکڑیاں کاٹ کر فارغ ہوتے، تب ہر کوئی پشتارہ باندھ کر اپنے سر پر اٹھا لاتا اور آپ کے باورچی خانے میں جمع کر دیتے۔ پھر ایک روز وہ لوگ جاتے، جو کھانا پکانے کو اس دن بہیلے میں رہ گئے تھے اور اپنے اپنے حصے کا ایک ایک پشتارہ آپ کے باورچی خانے میں پہنچا دیتے۔ یہ اہتمام لکڑیوں کا صرف مہمانداری کے واسطے تھا، کیونکہ جتنے مہمان لشکر میں آتے تھے، وہ سب آپ ہی کے باورچی خانے سے کھاتے تھے۔

ایک جگہ نماز جمعہ کے لیے خط کھینچا ہوا تھا۔ وہاں سنگریز بہت تھے۔ نمازیوں نے شکایت کی۔ آپ نے سید اسمٰعیل صاحب بریلوی سے فرمایا کہ درانتیاں رات کو لے کر جمع کر لینا، کل گھاس چھیلنے چلیں گے۔ صبح اٹھ کر گھاس چھیل کر لائے اور مسجد میں بچھا دی۔

ایک مرتبہ لوگوں نے شکایت کی کہ خیمے میں دھوپ جاتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ درانتیاں جمع کر دینا۔ صبح اٹھ کر آپ تشریف لے گئے۔ آپ نے نہایت انتظام سے خوبصورت ہوادار، کھڑکی دار چھونپڑے بنا دیے، جنہیں دیکھ کر لوگوں میں بہت شوق پیدا ہوا اور بہت جگہ دیکھا دیکھی ایسے ہی جھونپڑے بن گئے۔ (۱)

مجاہدین کی خوراک و پوشاک

سب لوگوں کو ایک تا ملوٹ گیہوں اور دو مٹھی دال ملتی تھی۔ ہر بہیلے میں کھانا پکانے کا یہ معمول تھا کہ ہر روز اپنی اپنی باری سے چار آدمی بہیلے بھر کا کھانا پکاتے، ہر بہیلے میں بیس آدمی سے کم اور پچیس سے زیادہ نہ تھے۔ اسی طور پر آٹا پیسنے کا معمول تھا کہ چار چار آدمی اپنی اپنی باری سے پیستے تھے۔

لکڑی لانے کا یہ دستور تھا کہ بہیلے دار چار آدمیوں کو تو اپنے بہیلے میں کھانا پکانے کو چھوڑ جاتا اور باقی سب کو جنگل میں لے جاتا اور وہاں سے کلہاڑیوں سے لکڑی کاٹ کر پشتارہ باندھ کر ہر کوئی اپنے اپنے سر پر لے آتا اور دوسرے روز وہ چار آدمی، جو کھانا پکانے کو رہتے

---

(۱) وقائع احمدی۔

تھے، اپنے اپنے حصے کا ایک پشتارہ لکڑی کاٹ لاتے۔

جتنے مہمان لشکر میں آتے تھے، وہ سید صاحبؒ کے باورچی خانے سے کھاتے تھے۔ آپ نے وہ باورچی خانہ فقط مہمانوں کے لیے رکھا تھا، وہ خاص آپ کی ذات کا نہ تھا۔ البتہ جہاں سب مہمانوں کا کھانا پکتا، وہیں آپ کا بھی پک جاتا۔

تقسیم لباس کا یہ معمول تھا کہ سال بھر میں دو جوڑے جوتی کے، اور تین جوڑے موٹی کھادی کے ہر کسی کو ملتے تھے۔ اس کے علاوہ جاڑوں میں ایک دگلا اور رضائی کے واسطے ایک دوہر اور سیر بھر روئی ہر شخص پاتا تھا۔ اس کے سوا جس کا کپڑا جلد پھٹ جاتا یا گم ہو جاتا، اس کو ملتا تھا۔

کپڑے دھونے کے لیے ہر جمعرات کو سب کو صابون کی دو، دو چکیاں تقسیم ہوتی تھیں۔ لوگ ندی نالے یا چشمے پر جا کر اپنے اپنے کپڑے دھولاتے تھے۔ سید صاحبؒ نے ترغیب کے لیے کئی بار اپنا حال بیان کیا کہ جب ہم نواب امیر خاں کے لشکر میں تھے، ہماری عادت تھی کہ جب اپنے کپڑے دھونے کو جی چاہتا تو پانچ سات دوستوں کے میلے کپڑوں کی گٹھری باندھ کر کندھے میں ڈالتے۔ سب دوست ''نہیں، نہیں'' کرتے رہتے، ہم ایک نہ سنتے اور ایک دیگچہ اور صابون اور آگ لے کر جہاں پانی ہوتا، چلے جاتے اور سب کپڑے دھولاتے اور سب دوستوں کو لا کر دے دیتے، وہ خوش ہو جاتے تھے۔

آپ کی اس ترغیب سے سننے والوں کو بھی رغبت ہوئی اور ایسا ہی کرنے لگے کہ ایک آدمی یا دو آدمی اپنے بہیلیے بھر کے کپڑے اور سب کے حصے کا صابون لے جاتے اور دھولاتے تھے۔

سید صاحبؒ کی مصروفیت

مولانا عبدالحی صاحب پنجتار سے اپنے دوستوں کو لکھتے ہیں کہ اپنے کام کی مصروفیت کے باوجود ارشاد وتلقین، بیعت واجازت اور دورو سیر کا سلسلہ بھی بڑی سرگرمی اور انہماک سے جاری ہے؛ علماء وسادات، مشائخ زادوں اور عوام وخواص کا تانتا لگا رہتا ہے۔ ہندوستانی، سندھی اور ولایتی علماء وطلبہ سے مسائل دینیہ کا مذاکرہ بھی جاری رہتا ہے، آنے والے معززین ورؤساء کی ملاقات، ان سے مشورہ، غرباء اور معذورین کی دلجوئی، جو حصول

برکت کے شوق میں دور دور سے آتے ہیں، ہندوستان اور افغانستان سے آنے والے مجاہدین کے قافلوں کی خبر گیری اور دیکھ بھال، لوگوں کو جہاد کی دعوت و ترغیب کے سلسلے بھی ایک وقت میں جاری ہیں۔ میں جب سے آیا ہوں، نگرانی اور دیکھ بھال میں کمی نہیں دیکھی۔ ان حالات اور مشاغل کو دیکھ کر یہاں کے خوانین اور سردار بھی سمجھ گئے ہیں کہ یہ شخص (حضرت سید صاحبؒ) ان علماء و مشائخ کی طرح نہیں ہیں، جنھوں نے ہندوستان یا افغانستان میں کوئی شورش برپا کی اور دو تین دن کی مدت میں جیسے چراغ پھونک کر بجھا دیا جائے، پراگندہ ہوگئے؛ بلکہ یہ ایک صاحب عزم شخص ہیں، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مختلف تائیدیں ہیں۔(۱)

● ● ●

---

(۱) مجموعہ خطوط قلمی

چوتھا باب

ہزارے کے سرداروں کی امداد

سوات کے دورے کے بعد سید صاحبؒ نے ہزارے کی طرف توجہ فرمائی، جو ایک عرصے تک آپ کی توجہات اور مجاہدین کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ اس علاقے کے خوانین جو سکھ حکومت کے عہد میں اپنی ریاستوں اور جاگیروں سے محروم اور اپنے علاقوں سے جلا وطن ہو گئے تھے، فوجی امداد کے لیے خود حاضر ہوئے یا اپنے وکیلوں اور عزیزوں کو بھیجا۔ بالآخر اسی علاقہ ہزارہ کو آپ کی آخری مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز بننا نصیب ہوا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس علاقہ کی سیاسی تاریخ اور اس انتشار کا نقشہ ہمارے سامنے آجائے، جو تقریباً ایک صدی سے وہاں قائم تھا اور یہ اندازہ بھی ہو جائے کہ اگر وہاں کے رؤساء اور سرداروں میں اسلامی حمیت اور سیاسی شعور ہوتا تو وہ کس طرح اس مخلص جماعت اور مجاہدانہ طاقت سے فائدہ اٹھا کر ایک نئی اسلامی حکومت کے قیام میں مدد دے سکتے تھے۔

ہزارہ درانی عہد میں

''نادر شاہ کے جانشین احمد شاہ درانی نے ۱۷۴۸ء میں پنجاب پر حملہ کیا اور ۱۷۵۲ء میں پنجاب اور کشمیر پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ہزارے کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ احمد شاہ کے عہد میں ہزارے کے نظم و نسق میں کسی قدر استحکام تو ضرور پیدا ہوا، لیکن

لگان میں اضافہ کرنا خود افغانی حکمرانوں کے مفاد میں نہ تھا۔ضرورت کے وقت ان کو اس ضلع سے اچھے سپاہی مل جاتے تھے اور کشمیر کا ایک بہترین راستہ اس سے ہو کر گزرتا تھا۔اس لیے انھوں نے مقامی سرداروں اور امیروں کے بڑے بڑے وظیفے مقرر کر دیے اور اس سے جو بچتا،اس پر وہ قناعت کرتے تھے۔شمالی ضلع کا انتظام سواتی قبیلے کے سردار کے سپرد تھا۔تناؤل، کرّال اور گکھڑ کے پہاڑی خطے کی نگرانی وہاں کے امراء کے ذمے تھی اور میدانی علاقے کا انتظام کارداروں اور ترین کے سردار کے سپرد تھا،مگر انیسویں صدی شروع ہوتے ہی درانی حکومت کی طاقت بہت گھٹ گئی تھی اور اسی کی مناسبت سے ہزارے کی اطاعت میں بھی کمی آ گئی تھی،اگر چہ یہ بات درانی فرمانرواؤں اور کشمیر میں ان کے نائبوں کو زیادہ متفکر نہ کر سکی۔ ان کی توجہ کا مرکز دراصل کشمیر کی دولتمند وادی تھی اور وہ راستے میں وقت صرف کرنا ایک فضول بات سمجھتے تھے۔کشمیر جاتے ہوئے ان کی خواہش یہی تھی کہ جلد از جلد وہاں پہنچ جائیں اور واپسی کے وقت یہ خواہش اور بھی زیادہ قوی ہوتی تھی۔ایک غیر نفع بخش راہ میں قیام کرنا ان کے دلوں کو بالکل نہیں بھاتا تھا۔اس زمانے میں امن واطمینان کے ان حالات کا جنھوں نے ہزارے کو اس کی موجودہ خوشحالی عطا کی ہے،کہیں پتہ نہ تھا۔

اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع کی تاریخ نفاق،دغابازی،قتل قبائل کی خانہ جنگی اور عام بدامنی کی داستان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

سکھ حکومت کی ابتدا

سکھوں کی طاقت بڑھنا شروع ہو گئی تھی اور تقریباً ۱۸۰۳ء ہی میں انھوں نے کابل کی سلطنت کے خلاف آزادی کا اعلان کر دیا۔ ہزارے میں سکھوں کی حکومت ۱۸۱۸ء میں قائم ہوئی۔اس سال مانک رائے کے ترک ہاشم خاں نے اپنے قبیلے کے دوسرے سردار کمال خاں کو قتل کر دیا۔ترین کے سردار محمد خاں نے کمال خاں کے خون کا بدلہ لینے کی ٹھانی۔ ہاشم خاں نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر کی کہ ملک سکھوں کو سونپ دیا۔اسکی دعوت پر راولپنڈی کے سکھ گورنر مکھن سنگھ نے پانچ سو سوار لے کر ہزارے پر حملہ کر دیا،سرائے صالح میں قلعہ بنالیا اور

ہری پور کے میدان پر خراج باندھ دیا۔

دوسرے سال مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر فتح کیا اور مکھن سنگھ نے غالباً اپنے آقا کی روزافزوں کامیابیوں سے حوصلہ پا کر ترین کے سردار پر خراج کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ نتیجے میں ہزارے کی رعایا مکھن سنگھ کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ دریائے دوڑ کے کنارے شاہ محمد نامی مقام پر جنگ ہوئی، جس میں مکھن سنگھ کو شکست کا منھ دیکھنا پڑا۔ دوسرے روز اس کی فوج سرائے صالح کا قلعہ خالی کر کے اٹک لوٹ گئی۔ اٹک کے گورنر حکما سنگھ نے سرکشوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا اور فوج لے کر وہاں سے چلا۔ راستے میں موتا، سلطانپور اور ہرّوہ میں مخالفین سے جھڑپیں ہوئیں، جن میں اس نے محسوس کیا کہ اس کی فوج اس مہم کے لیے کافی نہ تھی اور وہ اٹک لوٹ گیا۔ لاہور سے اس نے مزید فوج طلب کی، جہاں سے دیوان رام دیال اور کرنل الٰہی بخش اس کی مدد کو آئے۔ ہزارے کا کچھ حصہ سکھوں کے قبضے میں آ گیا، مگر ترین کے سردار محمد خاں اور سید خانی اتمان زئی اور مشوانی قبائل نے کوہ گنگر کے دامن میں ناڑا کے مقام پر زبردست مقابلہ کیا۔ دیوان رام دیال نے پوری احتیاط برتے بغیر ان پر حملہ کر دیا، اس نے منھ کی کھائی اور مارا گیا۔

امر سنگھ مجیٹھ کی گورنری

رنجیت سنگھ نے امر سنگھ مجیٹھ کو جنوبی ہزارے کا گورنر مقرر کیا۔ شمالی ہزارے، یعنی سواتی علاقے اور تناول کا انتظام اب تک کشمیر سے ہوتا تھا۔ نیا گورنر ایک نہایت ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے تمام امراء کو بلا لیا اور ہزارے کے میدانی علاقے سے جو لگان اور خراج وغیرہ سابقہ درانی حکومت وصول کیا کرتی تھی، وہ خود وصول کرنے لگا، مگر کرّال کے سردار حسن علی خاں کے خلاف کامیاب لشکر کشی کر کے جب وہ ناڑا کی راہ سے واپس آ رہا تھا تو قبائلیوں نے ایسا چھاپہ مارا کہ پس لشکر کو کاٹ کر رکھ دیا اور امر سنگھ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ واقعہ ''سمندر'' کے کنارے پیش آیا تھا، جو دریائے ہرّوہ کا ایک معاون چشمہ ہے۔ اس کے بعد مائی سدا کور اور رنجیت سنگھ کے لڑکے شیر سنگھ کی سرکردگی میں لاہور سے مزید کمک آئی۔ یہ فوج ہری

پور کے میدان میں اتری اور تربیلہ میں اس نے قلعہ تعمیر کرالیا۔ سرداروں سے جو خراج وصول کیا جاتا تھا، اس پر نظر ثانی کی گئی اور سدا کور نے ایک باقاعدہ جشن منعقد کر کے ترین کے سردار محمد خاں کو متبنّٰی کرلیا۔

سردار ہری سنگھ نلوہ کی آمد

مگر بڑے اہم واقعات ہزارے کے سر پر منڈلا رہے تھے۔ مہاراجہ نے کشمیر کے مشہور و معروف گورنر ہری سنگھ نولہ کو اپنی عملداری کا حساب پیش کرنے کے لیے طلب کیا تھا۔ چنانچہ وہ سات ہزار پیادہ سپاہیوں کے ہمراہ مظفر آباد اور پکھلی کے راستے سے روانہ ہوا۔ منگل پہنچ کر اس نے دیکھا کہ جدون اور تناول قبیلوں کی بہت بڑی تعداد (کوئی پچیس ہزار) اس کا راستہ روکنے کو موجود تھی۔ ہری سنگھ نے پہلے مصالحت کی گفتگو کی۔ مگر جب وہ ناکام رہی تو اس نے اس زور کا حملہ کیا کہ قبائلی میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہری سنگھ نے شہر کو نذر آتش کر دیا۔ ان جل کر مرنے والوں اور ان کے علاوہ جنھوں نے فصیلوں پر سے پھاند کر جان دے دی تھی۔ تقریباً دو ہزار قبائلی جنگ میں مارے گئے، نیز ہری سنگھ نے جدونوں پر پانچ پانچ، چھ چھ روپے فی گھر جرمانہ بھی مقرر کیا اور نواں شہر میں قلعہ تعمیر کیا۔ اس کے بعد اس نے جنوبی ہزارے کی طرف کوچ کیا۔ اس فتح اور کشمیر سے جو بیش بہا تحائف اور عظیم دولت ساتھ لایا تھا، ان سے خوش ہو کر رنجیت سنگھ نے اسے حساب داخل کرنے سے معاف کر دیا اور اسے کل ہزارے کا گورنر بھی مقرر کر دیا۔

ہری سنگھ کے عہد میں ہزارے کے حالات

۱۸۲۲ء سے لے کر اپنے آخر وقت، یعنی ۱۸۳۷ء تک ہری سنگھ ہزارے پر حکومت کرتا رہا، اس نے قبائل کو بڑی سختی سے دبایا اور سکھوں کی طاقت میں خوب اضافہ کیا۔ اس کے اولین کاموں سے ایک کام ہری پور کے قلعے کی تعمیر تھی، جو نہایت درجہ مضبوط تھا۔ اس کا نام اس نے ہری کشن گڑھ رکھا، اس نے سواتیوں اور تناولیوں کو زبردست سزائیں دیں، جنھوں

نے اس کے ڈیرہ جات کے سفر سے فائدہ اٹھا کر نواں شہر، شنکیاری اور دربند کے قلعوں پر چڑھائی کر دی تھی۔ جدونوں کو تہ تیغ کر ڈالا گیا۔ اگروڑ، ٹکاری اور کونش پر پانچ سو سواروں سے حملہ کیا گیا۔ سواتیوں کی ایک ہزار عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے گئے۔ پلال تنولی کے سردار سربلند خاں کے صدر مقام شنگری کو آگ لگا دی گئی۔ خود سردار کو باندہ لوہاران کے قریب شکست دی گئی اور اس کے فرزند شیر خاں کو ہری سنگھ نے اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا۔

ناڑا میں ہری سنگھ کو شکست

اس کے بعد ہری سنگھ گنگر کی پہاڑیوں کی طرف متوجہ ہوا، جہاں محمد خاں اور کچھ دوسرے باغی سردار پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ اس سے قبل ۱۸۲۲ء میں سکھ اس پہاڑی سلسلے کے دامن میں سرائے نامی مقام پر فتح یاب ہونے کے بعد سری کوٹ کو زیر کرنے کی کوشش کر چکے تھے، مگر ناکام رہے تھے۔ اب ۱۸۲۴ء میں انھوں نے دوبارہ کوشش کی اور پھر ناکام رہے۔ ناڑا میں، جو ایک سری کوٹ جانے والے راستے کے ابتدائی سرے پر واقع ہے، مشوانیوں اور سید خانی اتمان زئیوں نے جم کر مقابلہ کیا اور سکھ افواج کو، جن کی تعداد تقریباً آٹھ ہزار تھی، شکست فاش دے کر ہری پور لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ ۵۰۰ سکھ سپاہی مارے گئے۔ قبائلیوں کی اس فتح کی یادگار کے طور پر کرنل ایبٹ نے یہاں ایک سفید ستون نصب کرایا ہے، جو دور سے نظر آتا ہے۔ خود ہری سنگھ ایک پتھر سے زخمی ہو کر، جو کسی نے گاؤں سے پھینک مارا تھا، زمین پر گرا اور لڑھکتا ہوا نیچے کھڈ میں جا پہنچا وہاں وہ دیر تک بے ہوش پڑا رہا، اس اثنا میں اس کی موت کی افواہ پھیل گئی، مگر ہوش آتے ہی وہ اچانک موضع بگرا میں آ دھمکا، جہاں بہت سے قبائلی جمع ہو گئے تھے۔ ہری سنگھ کو وہاں جو بھی مسلح آدمی نظر آیا، اس کو موت کے گھاٹ اتروا دیا۔

ہزارے میں رنجیت سنگھ کی آمد

ہری سنگھ کی شکست کی اطلاع پاتے ہی رنجیت سنگھ ایک بڑی فوج لے کر ہزارے آیا اس نے ان تمام سرداروں اور دوسرے ممتاز افراد کو، جنھوں نے سری کوٹ میں پناہ لے لی تھی، طلب کیا، لیکن صرف ترین کے محمد خاں، تنولی کے سربلند خاں اور مشوانیوں کے شاہ محمد نے اس

کے حکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ اس نے سری کوٹ کی پہاڑیوں پر ایک ساتھ کئی مقاموں پر حملہ کر دیا اور جو بھی مقابلہ پر آیا، اس کو زیر کرتا ہوا دورات وہاں مقیم رہا اور پھر تربیلہ کوچ کر گیا۔ وہاں وہ ہاتھی پر سوار دریا کے کنارے سیر کر رہا تھا کہ کھبّل کے اتمان زئیوں نے دوسری طرف سے اس پر گولی چلادی۔ اس سے برہم ہو کر اس نے دوسرے روز صبح اپنے سواروں کو دریا عبور کرنے کا حکم دیا اور کھبّل اور کایا کے مواضع برباد کر کے رکھ دیے۔ ان کے باشندے پہاڑیوں پر بھاگ گئے۔ رنجیت سنگھ ترین کے محمد خاں کو ساتھ لے کر یوسف زئی اور سرائے کالا ہوتا ہوا لاہور لوٹ آیا۔

رنجیت سنگھ کی واپسی کے بعد سردار ہری سنگھ کے سخت اقدامات

رنجیت سنگھ کی واپسی کے بعد ہری سنگھ کرّال کی طرف متوجہ ہوا، جنھوں نے جنگ کے بغیر اطاعت قبول کر لی، ان کے سردار حسن علی خاں کو ایک بڑی جاگیر عطا ہوئی اور ناڑا میں قلعہ تعمیر کیا گیا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر ہری سنگھ نے موہن سنگھ کو نائب گورنر مقرر کیا اور خود لاہور چلا گیا۔ اس کے جانے کے کچھ ہی دن بعد محمد خاں، جو لاہور میں اسیر تھے ان کے بھتیجے بوستان خاں ترین نے سری کوٹ میں علم بغاوت بلند کیا۔ اس لیے وہ پھر واپس ہوا اور بغیر کسی خاص دقت کے بغاوت کا سر کچل دیا۔ آئندہ کے لیے شورشوں کا سد باب کرنے کی خاطر اس نے سخت ترین کارروائی کی۔ محمد خاں کو، جسے اس نے رنجیت سنگھ سے پچاس ہزار روپے میں خرید لیا تھا، اس نے زہر دلوادیا۔ بوستاں خاں ترین اور دو مشوانی امراء اور چند دوسرے ممتاز اشخاص کو توپ سے اڑا دیا گیا۔ مشوانیوں کو سری کوٹ سے دریائے سندھ کے اس پار ملک بدر کر دیا گیا، جہاں سے ۱۸۳۰ء میں ان کی واپسی ہوئی۔ وہ پچاس ہزار، جن کے عوض محمد خاں کو خریدا گیا تھا، ہزارے کے قریب کل مواضع سے ڈھائی روپیہ فی گھر کے حساب سے بطور جرمانہ وصول کیے گئے۔" (۱)

فوجی امداد کے لیے خوانین کی آمد

اس دور انتشار میں ہزارے میں کوئی ایسی بلند اور مرکزی شخصیت نہ تھی، جس کی قیادت

---

(۱) ترجمہ واقتباس، از ہزارہ گزیٹیر، ترجمہ ڈاکٹر محمد آصف قدوائی۔

میں یہ مختلف و منتشر عناصر جمع ہو کر اپنے مشترک حریف کا مقابلہ کرتے اور نہ کہیں کوئی ایسی فوجی طاقت پائی جاتی تھی، جس سے یہ اپنے علاقہ کو بازیافت کرنے کے لیے مدد لیتے۔ عین اسی حالت میں سید صاحبؒ نے پنجتار کو اپنا فوجی مستقر اور اسلامی امارت کا مستقر بنایا اور سمہ کے نامی گرامی سردار، بالخصوص فتح خاں پنجتاری، اشرف خاں زیدے والا وغیرہ ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔ ہزارے کا یہ علاقہ پنجتار کے علاقے سے متصل تھا۔ ہزارے کے ان زخم خوردہ سرداروں نے اس نئی ابھرتی ہوئی اسلامی طاقت کے دامن میں پناہ لینے کے سوا اپنے لیے کوئی اور راستہ نہ دیکھا۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے خود سے یا اپنے وکیلوں اور عزیزوں کو بھیج کر سید صاحبؒ سے اپنے تعلق اور عقیدت کا اظہار اور اپنی حمایت اور امداد کی درخواست کی۔

علاقہ پکھلی سے سربلند خاں نے آکر سید صاحبؒ سے بیعت کی اور اپنی جلاوطنی کا حال عرض کیا اور کہا کہ سکھوں نے ظلم و تعدی کر کے مجھے نکال دیا اور درخواست کی کہ آپ اس کی فوجی امداد کریں اور وہ اپنی ریاست کو دشمن کے قبضے سے نکال لے۔ اسی طرح حبیب اللہ خاں کا وکیل، مظفر آباد سے سلطان نجف خاں اور سلطان زبردست خاں کا وکیل، اجولی کا رئیس راجہ پارس، علاقہ اگرور سے عبدالغفور خاں کا بھائی کمال خاں، امان اللہ خاں خیل اور ان کا بیٹا عنایت اللہ خاں، ناصر خاں بھٹ گرامی (علاقہ نندھیاڑ) بھی اسی غرض کے لیے آنے والوں میں تھے۔ اسی اثناء میں امب کے پائندہ خاں تنولی کی عرضی آئی کہ میں آپ کا مطیع و فرمانبردار ہوں اور جان و مال سے حاضر ہوں۔

آپ نے خوانین اور ان کے وکلاء کو رخصت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آپ پہنچ کر اپنے موافقین کو جمع کریں، ہمارے آدمی بھی پیچھے سے آتے ہیں۔

پائندہ خاں سے استصواب

شیدو کے واقعہ کے بعد سید صاحبؒ کو تردد تھا کہ پہلے پشاور کا بندوبست اور امرائے پشاور کا تصفیہ کیا جائے، جنھوں نے عین موقع پر مجاہدین کو دغا دی اور بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا یا ہزارے کی طرف رخ کیا جائے جہاں بہت سے سردار اور والیان ریاست مجاہدین کی امداد

کے طالب اور سکھوں سے جنگ کرنے پر آمادہ تھے۔ ان سرداروں میں سید صاحبؒ کا سب سے زیادہ رجحان پائندہ خاں والی امب کی طرف تھا۔ سید صاحبؒ نے اس کی مردانگی اور سکھوں کے مقابلے میں پامردی اور استقلال کی بہت تعریف سنی تھی۔ سید صاحبؒ کو طبعاً مردانگی وشجاعت، سپاہیانہ اوصاف اور دشمنان اسلام سے نبرد آزمائی اور معرکہ آرائی اتنی عزیز تھی کہ جس شخص کے متعلق معلوم ہوتا تھا کہ اس میں یہ اوصاف ہیں، اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ پائندہ خاں کی عرضی پڑھی گئی تو جو خوانین حاضر تھے، وہ اس کی مذمت کرنے لگے اور اس کی بدعہدی اور بے وفائی کے واقعات بیان کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: ''بھائیو، ایسی بات نہ کہنی چاہیے، وہ خاں بڑا نامی بہادر اور جوانمرد ہے۔ اس نے ہم کو اس طرح لکھا ہے، وہ مسلمان ہے، ہم اس پر کیوں کر بدگمانی کریں؟ ہدایت اور ضلالت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ایک دم میں برے کو بھلا اور بھلے کو برا کر دیتا ہے۔''(۱)

سید صاحبؒ نے ۲۸/ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ کو ایک خط لکھا، جس میں اس کی حمیت وشجاعت اور کفار سے مسلسل جنگ کرتے رہنے کی بڑی داد دی اور تحریر فرمایا: ''جب سے اس علاقے میں آیا ہوں، تمھاری دینی غیرت اور بہادری کی تعریف سن رہا ہوں، خصوصاً میاں سید شاہ کی زبانی تمھارا جو تذکرہ سنا، اس سے تعلق بہت بڑھ گیا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے دو مہمیں درپیش ہیں، ایک پشاور کی مہم اور ایک کفار سے جہاد۔ اس کے بارے میں تمھارا مشورہ بھی مفید اور وقیع ہوگا۔ اس مقصد کے لیے ملا شاہ سید اخوندزادہ اور خان علی شان سید مقیم کو، جو اس فقیر کے بڑے عزیز ومعتمد اور بڑے عاقل وفرزانہ شخص ہیں، روانہ کیا جارہا ہے۔ آپ ان کو اپنے خیالات سے آگاہ فرمائیں، اس وقت اس معاملے میں تعویق کی گنجائش نہیں۔''(۲)

● ● ●

---

(۱) وقائع احمدی، جلد سوم، ص ۱۲۶۴

(۲) مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہید، ص ۱۲۲، ۱۲۳

اگرُور اور پکھلی کے علاقے میں

لشکر کی تیاری

سید صاحبؒ نے پکھلی کے لیے لشکر مرتب فرمایا، جس کے لیے سید محمد مقیم صاحب رامپوری اور ان کے ساتھیوں کا انتخاب ہوا۔ یہ جب سے آئے تھے، درخواست کر رہے تھے کہ ہم لوگ یہاں روٹیاں کھانے کے لیے نہیں آئے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ کچھ خدا کا کام ہمارے ہاتھوں سے ہو۔ اس قافلے کے لوگ سلاح و پوشاک سے بھی خوب آراستہ اور کار آزمودہ تھے۔ آپ نے اس پورے قافلے کو اور اس کے علاوہ سو آدمی اور ہر بہیلے سے دو دو، چار چار چن کر مقرر کیے۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب ہی کو سب کا امیر مقرر کیا اور بارود کا سامان بھی سپرد کیا۔ گولی بارود کے علاوہ بانس کے پانچ سات سونل بھی دیے گئے تھے، جو ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت لمبے تھے۔ ان میں بارود بھری ہوئی تھی۔ ان نلوں کو آگ دے کر دشمنوں پر پھینکتے تھے۔ رخصت کے وقت ننگے سر ہو کر دیر تک دعا فرمائی اور لوگ مصافحہ کر کے رخصت ہوئے۔

اگرور اور امب کے حالات مولانا اسماعیل شہید کی زبانی

مولانا اسمٰعیل شہید نے، جو امیر جیش بھی تھے، اگرور اور امب سے سید صاحبؒ کی خدمت میں متعدد مراسلے ارسال کیے، جن میں سفر کی پوری روداد، چشم دید حالات اور اس

علاقے کے خوانین اور امراء کے خیالات، مزاجی کیفیت اور اس علاقے میں جہاد کے امکانات اور مشکلات کا بڑے مبصرانہ طریقہ پر جائزہ لیا گیا ہے۔ان خطوط کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، جو حالات سفر کے متعلق ایک قیمتی دستاویز ہے۔ان خطوط سے مولانا کی بیدار مغزی، سیاسی ہوشمندی اور قائدانہ صلاحیتوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔(۱)

ستھانے میں

''جناب والا سے ہم لوگ رخصت ہو کر موضع ٹوپئی میں پہنچے۔ وہاں ایک رات گزارنے کے بعد ہم کھبل میں آئے۔تیسرے روز وہاں سے امب کا رخ کیا۔فدوی محمد اسمٰعیل نے راستے میں سنا کہ مقام ستھانہ میں، جو راستے سے ذرا ہٹا ہوا ہے، کسی تقریب کے سلسلے میں کھبل کے ملک حضرات اخون خیل کے معززین اور ملا اسمٰعیل اخوندزادہ، سید اعظم شاہ اور سید اکبر شاہ کے پاس، جو اس علاقے کے مشاہیر اور اکابر میں سے ہیں، مجتمع ہیں۔اس بنا پر سیدھا راستہ چھوڑ کر شاہ سید کو اپنے ہمراہ لے کر چند رفقاء کے ساتھ ستھانے پہنچا(۲)، میں نے ستھانے میں کچھ دیر قیام کیا اور ان تمام حضرات کو، جو وہاں مجتمع تھے، جہاد کی ترغیب دی اور ان سے جناب والا کی بیعت امامت لی۔ میں نے یہ بھی چاہا کہ ان لوگوں کو ہمراہ لے کر امب آؤں، لیکن انھوں نے بعض عذر پیش کیے اور کہا کہ آج تو ہمارا جانا مشکل ہے، ایک دو روز کے بعد اگر آپ طلب کریں گے، تو ہم حاضر ہو جائیں گے۔(۳) میں نے اخوندزادہ ملا اسمٰعیل کو، جو ان میں

(۱) یہ خطوط تعداد میں پانچ ہیں، عام طور پر فارسی میں ہیں، بعضے حصے بلیغ عربی میں ہیں، ان میں سے بعض تینوں صاحبوں کی طرف سے ہیں بعض صرف مولانا محمد اسمٰعیل اور میاں محمد مقیم صاحب کی طرف سے ایک عربی کا واقعہ بھی ہے جو مولانا کی طرف سے ہے اور اس میں دونوں ہمراہیوں سید محمد مقیم اور شاہ سید کے متعلق مولانا نے اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔

(۲) کھبل سے لشکر کو براہ راست امب بھیج دیا گیا تھا اور شاہ صاحب ایک مختصر جماعت کے ساتھ ستھانے آ گئے تھے۔

(۳) وقائع احمد میں ہے:

> ''ستھانے میں سید اکبر صاحب، جو غائبانہ سید صاحبؒ کے نہایت معتقد تھے، بکمال اخلاق اور تواضع و تعظیم سے ملے اور مولانا سے بطریق خیر خواہی کہا کہ آپ کو یہاں کے رئیسوں کا حال معلوم نہیں، ہم سے دن رات معاملہ رہتا ہے، یہ آپ کو خوشامد و چاپلوسی سے لے جائیں گے اور سکھوں سے بھڑا دیں گے اور خود دور سے تماشا دیکھیں گے، اگر آپ نے فتح پائی، تو مال و اسباب لوٹنے کو موجود ہوں گے اور اگر خدانخواستہ شکست ہوئی، تو پھر الگ ہی الگ اپنی راہ لیں گے، آپ ان سے ہوشیار رہیے گا اور ان کے عہد پر اعتماد نہ کیجئے گا۔

ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، اپنے ہمراہ لے لیا۔

اَمب اور اس کا محل وقوع

موضع امب میں سردار پائندہ خاں نے اپنے مکان سے باہر نکل کر ہمارا استقبال کیا، لیکن بمطابق، الحزم سوء الظن (احتیاط بدگمانی کا نام ہے) اپنی رہائش گاہ سے فاصلے پر مجاہدین کو ٹھہرایا۔ اس روز مشورے کا وقت باقی نہیں رہا تھا۔ ہم نے صرف ملاقات پر اکتفا کی، علی الصباح امب کے محل وقوع اور ماحول کو غور سے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ امب دریائے سندھ کے ایک کنارے (۱) پر واقع ہے۔ دوسرے کنارے (۲) پر سکھوں کے چھوٹے چھوٹے قلعے اور سلسلہ کوہ میں دشوار گزار اور تنگ گلیاں مسلسل واقع ہیں۔ چنانچہ ہم لوگوں کی قیام گاہ کے بالکل محاذات میں ان کا ایک چھوٹا قلعہ ایک گولی کے فاصلے پر ہے۔ چنانچہ دونوں طرف کی آوازیں سننے میں آتی رہتی ہیں۔

پائندہ خاں

گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میزبان (پائندہ خاں) ہم خدام کا ساتھ دینے کی بالکل ہمت اور آمادگی نہیں رکھتا اور جان و مال اور اپنے اعوان وانصار کسی کے ساتھ بھی ہماری رفاقت ونصرت کے لیے تیار نہیں۔

دریائے سندھ کے مشرقی جانب

وہ مقام جہاں پہنچنا تھا، دریا کے مشرقی کنارے سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔ اگر امب ہی سے دریا عبور کیا جاتا، تو دشمنوں کے قلعے راستے میں پڑتے تھے اور ان سے جھڑپ ہو جانے کا اندیشہ تھا، اس لیے ہم نے اس گھاٹ کو چھوڑ دیا اور ایک دوسرے گھاٹ (۳) کو انتخاب کیا، جو امب سے تین میل یا کچھ زیادہ تھا۔ دریا سے اس مقام کو جاتے ہوئے جو ہماری منزل مقصود تھی، ان مسلمانوں کا علاقہ پڑتا تھا، جو کبھی کسی حکومت کے ماتحت نہیں رہے اور خاص

---

(۱) مغربی کنارے پر۔ (۲) مشرقی کنارے پر۔ (۳) یہ گھاٹ چھتر بائی کا تھا

طور پر سکھوں سے ہمیشہ آزاد رہے اور وہ پائندہ خاں سے تعلق کا اظہار کرتے تھے۔ مصلحت معلوم ہوئی کہ دریائے سندھ کے کناروں پر جو قبائل آباد ہیں، مثلاً عیسیٰ زئی، امان زئی، جدون اتمان زئی ان کی دعوت و ترغیب کے لیے کسی معتمد و مخلص شخص کو بھیج دیا جائے۔ چنانچہ ملا عصمت اللہ اخوندزادہ اور مولوی عبداللہ کو دو تین آدمیوں کے ہمراہ صاحبزادہ شاہ محمد نصیر صاحب کے پاس، جو اس علاقے کے اکابر میں سے ہیں بھیج دیا، ایک خط اپنی طرف سے اور ایک اعلام نامہ، جو جناب والا کی مہر کے ساتھ مزین ہے، بھیج دیا گیا ہے۔ خود رفقاء کی ایک جمعیت کے ساتھ جمعے کے دن امب سے کوچ کر کے اس گھاٹ پر، جو تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے، پہنچے۔ چونکہ اس گھاٹ پر صرف ایک جالا تھا اور تمام ساتھیوں کا ایک دن میں اس سے پار ہو جانا ناممکن معلوم ہوتا تھا اور ساتھیوں کی اس طرح کی تفریق بھی نامناسب تھی کہ کچھ لوگ اس پار رہ جائیں اور کچھ لوگ اس پار پہنچ جائیں اور رات ہو جانے کی وجہ سے انتظار کرنا پڑے۔ اس بنا پر ایک جماعت کو دوسرے گھاٹ پر، جو وہاں سے دو تین کوس کے فاصلے پر تھا، بھیج دیا گیا، وہاں دو جالے تھے۔ رات ہم نے دریا کے کنارے گزاری اور ہفتے کے روز نماز صبح کے بعد یہ فدوی چند تفنگچیوں کے ساتھ پہلے جالے میں بیٹھ کر دریا کے پار پہنچ گیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے جاتے آتے رہے اور سب ساتھی خیر و عافیت کے ساتھ پار آ گئے۔ (۱)

موضع نکّا پانی

یہاں سے دربند کا قلعہ ایک کوس کے فاصلے پر واقع ہے، اس لیے اگرچہ دن تھوڑا رہ گیا تھا، لیکن اس مقام پر رات گزارنا نامناسب معلوم ہوا، اس لیے دو تین کوس وہاں سے چل کر ایک دوسرے مقام پر پڑاؤ ڈالا، اس نواح کے لوگ پائندہ خاں کی ہدایت و اشارہ سے بہت خوش خلقی اور کشادہ روئی سے پیش آئے اور رات بھر انھوں نے لشکر کے گرد پہرہ دیا۔ علی الصباح وہاں سے کوچ کر کے موضع نکا پانی پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے بھی جو خان ممدوح سے تعلق رکھتے ہیں، خاطر مدارات کی۔ اس نواح کے چند علماء بھی ملاقات کرنے آئے اور جہاد

(۱) مکتوب مورخہ ۲۴ رمحرم ۱۲۴۳ھ

کی نیت ظاہر کی اور کہا کہ اگر ابھی طلب کیا جائے، تو سات آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ ہم رفاقت کریں گے۔ مصلحۃً ان سے کہہ دیا گیا کہ چند دن کے بعد ہم آپ کو طلب کریں گے۔ ہمارا خط پا کر آپ تشریف لے آئیں، کچھ اعلام نامے اس نواح میں بھیجے گئے۔"

پائندہ خاں سے تعلق یا بے تعلقی؟

گرامی ناموں سے اظہار ہوتا ہے کہ پائندہ خاں سے دوستی کا تعلق اور رفاقت کی امید منقطع کر لی جائے اور عجلت کے ساتھ پکھلی کا رخ کیا جائے، لیکن اس نواح میں سوائے ان مقامات کے، جن کا تعلق پائندہ خاں سے ہے، کوئی محفوظ و مامون مقام نظر نہیں آتا اور ابھی تک اس کی طرف سے سوائے حسن سلوک کے اور کوئی معاملہ نہیں ہوا، اگرچہ اس سے عملی شرکت کی بالکل توقع نہیں ہے، لیکن مخالفت اور بدخواہی کا بھی اس سے خدشہ نہیں۔ اس نے ملا اسمٰعیل اخوندزادہ کو ہماری رفاقت کے لیے مقرر کیا ہے اور خان ممدوح نے اپنے پورے علاقے کے رؤساء اور معززین کو ہماری خدمت و رفاقت کے لیے اپنے خطوط لکھ کر ان کو دے دیے ہیں۔

جفاکش اور فرماں بردار غازیوں کی ضرورت

یہ بھی گزارش ہے کہ چونکہ یہ پہاڑی علاقہ ہے اور راستے نہایت دشوار گزار ہیں، اس لیے کسی ایسے آدمی کو یہاں نہ بھیجا جائے جو سواری کا عادی یا محتاج ہو اور انقیاد کلی اور اطاعت مطلق اس کی فطرت نہ بن گئی ہو، جس کو جناب والا کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری کا پورا تعلق نہیں ہے، وہ آپ کے نائبین کے ساتھ اطاعت کا کیا حق ادا کر سکتا ہے؟ ایسے لوگوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ جناب کی تربیت و صحبت میں رہیں تا کہ ان کے اخلاق درست اور نفس مزکّی ہو جائے، اس وقت یہاں کے مجاہدین کی سب سے بڑی مدد یہ ہے کہ غازیوں کی جماعتوں کو سامان جنگ کے ساتھ آہستہ آہستہ بھیجا جائے؛ اس طرح سے کہ ایک ایک دو دو اور تین تین روز کے فاصلے سے پے در پے جماعتیں پہنچتی رہیں۔ یہ اہل ایمان کے لیے ہمت و رغبت اور اہل کفر و ارتیاب کے لیے مرعوبیت اور دہشت کا باعث ہوگا۔"(۱)

---

(۱) مکاتیب شاہ اسمٰعیل، مکتوب دوم

ضلع اگرُوڑا اور عبدالغفور خاں

نکا پانی سے ہم لوگ کوچ کر کے شیر گڑھ پہنچے، یہ بھی پائندہ خاں کی ریاست کا علاقہ ہے۔ یہاں کے جمعدار جانو نے ہماری خاطر مدارت کی۔ وہاں قیام مناسب نہیں معلوم ہوا، اس لیے صبح ہی وہاں سے کوچ کر کے علاقہ اگرور آئے۔ یہاں کے رئیس عبدالغفور خاں کو ہمارے آنے کی اطلاع ہوگئی تھی۔ اس کا بھائی کمال خاں ہمارے استقبال کو آیا اور ہر طرح سے ہماری خاطر مدارات کی، اثنائے گفتگو میں اس نے بیان کیا کہ عبدالغفور خاں کی طبیعت کچھ روز سے علیل ہے، اس لیے خود نہیں آئے۔ کمال خاں نے ہم کو موضع کلکٹی تک پہنچایا اور یہ کہا کہ آج یہیں ڈیرہ کرنا چاہیے۔ صبح اس موضع میں، جس میں عبدالغفور خاں مقیم ہیں، چلیں گے، میاں محمد مقیم صاحب مجاہدین کے پاس چھوڑ کر میں اخوندزادہ ملا محمد اسمٰعیل، شاہ سید اور چند دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ کمال خاں کی معیت و رہبری میں عبدالغفور خاں کی قیام گاہ پر آیا۔ وہاں احمد خاں پکھلی والا، حیدر شاہ ابن عم سید محمد علی شاہ پکھلی والا اور ارسلاں خاں برادر زادہ عبدالغفور خاں بھی بسلسلہ عیادت آئے ہوئے تھے، ان سب سے بھی ملاقات ہوئی اور ان سب نے میرے ہاتھ پر آپ کی بیعت امامت کی۔

مجاہدین کا مرکز

اثناء گفتگو میں ہم نے یہ مسئلہ اٹھایا کہ ہمارے قیام کے لیے بطور گڑھی کے کوئی محفوظ مقام تجویز کر دیا جائے۔ عبدالغفور خاں نے کہا کہ چھتر گڑھی تو میرے قبضے میں نہیں ہے۔ ایک گڑھی جسی کوٹ ہے اور دوسری گڑھی شمدڈرہ، یہ دونوں حاضر ہیں۔ چونکہ گڑھی جسی کوٹ بہت دور ہے، جہاں سے بیٹھ کر جہاد مشکل ہے، اس لیے شمدڑہ کو میں نے انتخاب کیا۔ میں نے محمد اسمٰعیل کو وہیں چھوڑا۔ سید شاہ کو اس نواح کے مسلمانوں کو، جو عبدالغفور خاں کی برادری ہیں، لیکن اس کے تابع نہیں ہیں، جہاد کی دعوت و ترغیب دینے کے لیے بھیجا اور اپنے لشکر گاہ کلکٹی میں آ گیا۔

مزید لشکر اور کمک کی ضرورت

شاہ غلام حسین کی طرف سے آدمی آیا اور اس کا پیغام لایا کہ جب تک دوسرا لشکر نہیں آتا، یہاں کے لوگ جہاد اور آپ کی رفاقت کے لیے نہیں اٹھیں گے، یہ لشکر کی قلت کی وجہ سے کچھ اعتبار نہیں کر رہے ہیں۔ صاحبزادہ سید محمد نصیر صاحب کا بھی خط آیا کہ یہاں کے آدمی لشکر کی اس مقدار پر جہاد کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔ اگر دوسرا لشکر خصوصاً بونیر کا لشکر کمک پر آتا ہے، تو یہاں بہت لوگ اکھٹا ہو جائیں گے۔ (۱)

ارسلاں خاں برادر زادہ عبدالغفور خاں کچھ آدمیوں کے ساتھ حبیب اللہ خاں کی کمک کے لیے گیا۔ مصلحت معلوم ہوئی کہ تھوڑا سا لشکر حبیب اللہ خاں کی سمت روانہ کیا جائے، اس لیے کہ جب تک ہم لوگ ہاتھ پاؤں نہیں ماریں گے اور ہماری کچھ مجاہدانہ سرگرمی دیکھی نہیں جائے گی، یہاں کے لوگ نہیں اٹھیں گے۔ اس بنا پر غازیوں کی ایک جماعت کو میاں محمد مقیم صاحب کی سرکردگی میں متعین کر دیا۔ (۲)

اہل علاقہ کا تردد اور سکھوں سے وابستگی

سید محمد علی شاہ اور ناصر خاں کے خطوط آئے جن کا مدعا یہ تھا کہ ابھی مجاہدین اگرور ہی میں قیام کریں اور قرب وجوار کی طرف رخ نہ کریں۔ بظاہر وہ سکھوں کے ساتھ بھی دنیوی مصالح کی بنا پر وابستگی رکھتے ہیں۔ لشکر اسلام کے غلبے کا (ظاہری ساز وسامان کی کمی کی بنا پر) ان کو ابھی تک یقین نہیں ہے۔ اس بنا پر وہ سکھوں کے ساتھ اپنے تعلق وارتباط کو منقطع کرنا اور آپ کے ساتھ اپنی وابستگی کو مشہور کرنا قرین مصلحت نہیں سمجھتے۔ اس وجہ سے انھوں نے لشکر مجاہدین کو معطل اور بیکار کر رکھا ہے۔ اس بنا پر ہم نے بھی مناسب نہیں سمجھا کہ ہم پائندہ خاں، خوانین اگرور اور حبیب اللہ خاں کے ساتھ اپنے رابطہ اتحاد کو منقطع کریں۔ اس کا راستہ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ لشکر مذکور اگرور میں قیام کرے اور حبیب اللہ خاں کی تائید کا قصد ظاہر کرتا

---

(۱) مکتوب سوم۔ (۲) مکتوب چہارم

رہے اور میں چند رفقاء کے ساتھ ان رؤساء کی ملاقات کے لیے جاؤں۔ اس بنا پر میں عبدالغفور خاں کی ملاقات کو گیا اور اپنے ساتھ اس کے بھائی کمال خاں کو لے گیا۔ ارسلاں خاں برادرزادہ عبدالغفور خاں کو وہیں بلوالیا۔ احمد خاں علاقہ پکھلی، سید حیدر شاہ (برادرزادہ محمد علی شاہ) بھی وہیں مل گئے۔

خوانین پکھلی کی اصل کیفیت

بہرحال ان تمام خوانین سے وہیں ملاقات ہوگئی اور اچھی طرح گفتگو اور مشورے کی نوبت آئی۔ اس ساری گفتگو کی تفصیل لکھنی مشکل ہے، لیکن حاصل کلام یہ ہے کہ اگرچہ یہ خوانین زبانی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خاطر تواضع کی بات کرتے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے اس فقیر کے ہاتھ پر جناب کی بیعت امامت بھی کی، لیکن ان کی باتوں سے صاف ٹپکتا ہے کہ ان کے دلوں میں ایمانی غیرت، اسلامی حمیت اور قلبی اخلاص کا ایک ذرہ اور اطاعت الٰہی کا کوئی جذبہ نہیں ہے، ان کا مطمح نظر اور منتہائے فکر محض دنیاوی مال ومتاع کا حصول اور ہم چشموں پر تفوق وامتیاز ہے۔ میں نے انھیں کے مسلک کے مطابق ان سے گفتگو کی اور ان کے مقاصد کے حصول کا اظہار کیا۔ اثناء گفتگو میں وعظ وتذکیر کے مضامین بھی آگئے۔، بہرحال کسی قدر رابطہ اتحاد کی شکل پیدا ہوئی۔ وہاں سے میں اپنے لشکرگاہ پر آیا۔

خرچ کی تنگی اور بعض مجاہدین کا اضطراب

اس درمیان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ میاں محمد صاحب کے پاس نقد روخرچ میں سے صرف اشرفی تھی، روپیہ بالکل نہ تھا۔ اگرور کے آدمی اشرفی کے نرخ سے بالکل بے خبر تھے، اس لیے غلہ فروخت کرنے کے لیے بالکل تیار نہ تھے اور جب تک اشرفی کہیں بھیج کر تڑائی جائے، غلے کا بطور قرض ملنا اس وقت تک مشکل معلوم ہوتا تھا، جب تک کہ وہاں کے رؤساء کو اس بات کا پورا یقین نہ ہو جائے کہ مجاہدین کا لشکر حبیب اللہ خاں کی تائید میں جائے گا۔ دو روز لشکر میں خرچ کی ایسی تنگی رہی کہ اکثر اہل قافلہ عموماً اور اہل رامپور خصوصاً بڑے مضطرب

ہوئے اور وہاں پر (بغیر مشغلہ جہاد کے) پڑا رہنا ان کو بہت دشوار معلوم ہوا۔ ان میں سے بعض عقلاء نے واپسی کا مشورہ دیا، بعض بغیر اجازت چلے گئے۔ میاں محمد مقیم خاں نے اپنی فطری شجاعت اور جرات کی بنا پر سلسلہ جہاد شروع کرنے کا بہ شدت تقاضا کیا، اگرچہ میں نے حسن تدبیر اور لطف کلام سے ان کو بہت کچھ روکا، لیکن ایک ایک دن ان کو ایک سال معلوم ہوتا تھا، میں نے منشی خواجہ محمد کو اشرفی دے کر سربلند خاں کے پاس بھیج دیا کہ ان سے بھی مشورہ ہو جائے اور اشرفی بھی فروخت کر کے روپیہ لے آئیں۔

حبیب اللہ خاں کی مدد کے لیے

ان کے جانے کے بعد ارسلاں خاں نے آ کر کہا کہ میں تو حبیب اللہ خاں کی مدد کے لیے جاتا ہوں، اگر تم میں سے کسی کو جہاد کا شوق ہو اور مظلوم مسلمانوں کی حمایت کا جذبہ ہو تو ہمارے ساتھ ہو جائے، خرچ میرے ذمے ہوگا، اس خبر کو سن کر بہت سے اہل قافلہ اور خاص طور پر میاں محمد مقیم خاں ان کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گئے اور مجھ سے اجازت لی، اگرچہ ان کو اجازت دینا خلاف مصلحت تھا، لیکن آپ کی ہدایت کے مطابق ان کی دلجوئی بھی ضروری تھی۔ میں نے لشکر کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا۔ میاں محمد مقیم خاں کے ساتھیوں کو اور ان سب لوگوں کو جو عجلت کر رہے تھے ارسلاں خاں کے ساتھ بھیج دیا اور خود باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ جسی کوٹ میں مقیم رہا۔

سربلند خاں اور اس کے ساتھی

ارسلاں خاں اور میاں محمد مقیم خاں کی روانگی کے بعد مع اپنے ہمراہیوں کے جن کی تعداد چالیس کے قریب ہے اور جن میں ملا محمد اسمٰعیل اخوندزادہ اور ملا سید وغیرہ ہیں، سربلند خاں کی طلب پر ان کی ملاقات کے لیے گئے، ملا عصمت اللہ برادر شاہ سید بھی وہاں ملے۔ سربلند خاں اس وقت اس مقام پر مسافرانہ ٹھہرا ہوا ہے، اس مقام کا اصل رئیس شاہی خاں ہے، جو خاں ممدوح کا دوست اور حامی و مددگار ہے، سربلند خاں اور شاہی خاں اور ان کے بھائیوں سے ملاقات ہوئی، اگرچہ انس واتحاد اور محبت کی بہت سی باتیں ہوئیں لیکن ایسا اندازہ ہوا کہ وہ

یکسوئی اور یک روئی کے ساتھ گروہ مجاہدین میں شامل ہونے کے لیے تیار نہیں۔ دو دن اور دو رات ہمارا ان کے یہاں قیام رہا اور ہم نے ان کو ترغیب دینے میں کوئی کمی نہیں کی۔

سر بلند خاں کا مقصود اصلی

لیکن ان کی باتوں اور قرینوں سے معلوم ہوا کہ ان کا مقصود اصلی پائندہ خاں کی سرکوبی اور شکست ہے، یہ اس وقت تک مجاہدین کی رفاقت اختیار نہیں کریں گے جب ان کو قوت و شوکت حاصل نہیں ہو جائے گی۔ اگر مجاہدین کو کفار پر غلبہ حاصل ہوگا، تو یہ بڑی تیزی کے ساتھ مجاہدین کے موافق ہو جائیں گے، ورنہ ان کی مخالفت و موافقت کے درمیان سلامت روی کا راستہ اختیار کریں گے۔ اتنی بات یقینی ہے کہ یہ مجاہدین کو نقصان پہنچانے میں کوئی حصہ نہیں لیں گے، لیکن فی الحال ان کی نصرت وحمایت میں دلیرانہ اور مردانہ طریقے پر میدان میں بھی اترنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگر ان کے حریف (پائندہ خاں) کی بیخ کنی پر کمر باندھ لی جائے تو یہ بھی ساتھ دینے کے لیے کمر بستہ ہیں، لیکن اگر بیخ کنی کا وعدہ کیا جائے تو یہ بھی موافقت کے وعدے پر ٹال دیں گے۔

پائندہ خاں کی مخالفت خلاف مصلحت

یہ فدوی پائندہ خاں سے اظہار بیگانگی کو کئی وجوہ سے مضر سمجھتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ دریائے سندھ کے دونوں طرف کے گھاٹ اور علاقہ اگرور اس کے زیر حکومت ہے۔ اس سے رابطۂ دوستی ختم کر دینے کی صورت میں مجاہدین کا دریا سے گزرنا مشکل ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس ضلع کے بقیہ خوانین کے مقابلے میں پائندہ خاں سب سے زیادہ صاحب حشمت و اقتدار ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے خوانین کی موافقت کچھ مفید نہیں۔ تیسرے یہ کہ اس کے درمیان اور حبیب اللہ خاں اور دوسرے خوانین اگرور کے درمیان رابطۂ اتحاد نہایت مستحکم ہے، میاں محمد مقیم صاحب مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ حبیب اللہ خاں کے یہاں گئے ہوئے ہیں، اگر خوانین اگرور کو یہ علم ہو گیا کہ ہمارا پائندہ خاں سے رابطہ اتحاد

منقطع ہو گیا، تو میاں محمد مقیم خاں اور ان کے ساتھیوں کو مضرت پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ چوتھے یہ کہ سلطان زبردست خاں، جو نواح کشمیر کا رئیس اعظم ہے، حبیب اللہ خاں کے ساتھ زمانہ قدیم سے رابطہ اتحاد و اخلاص رکھتا ہے، ممکن ہے کہ ہمارا اور حبیب اللہ خاں کا تعلق سلطان زبردست خاں کے ساتھ تعلق کا ذریعہ بن جائے۔

خوانین کے متعلق عام تاثر

اس علاقہ کے جن خوانین سے مل چکا ہوں، ان کے متعلق براہ راست اور ناصر خاں، حسن علی خاں اور سید محمد علی شاہ جن سے ابھی تک ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا، ان کے متعلق بہ طریق قیاس اندازہ ہے کہ ان سے لشکر اسلام کے شوکت و غلبہ کا ذریعہ بننے اور کفار سے مقابلہ کرنے کے لیے کسی سلسلہ جنبانی کی امید نہیں، البتہ اگر ہم کو حشمت و شوکت حاصل ہو جائے، تو یہ ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں، لیکن ان سے کسی نقصان اور مضرت کا اندیشہ بھی بہت بعید ہیں، ان کی حیثیت ان ساکتین اور قاعدین کی ہے کہ جو دل سے تو اسلام کا غلبہ چاہتے ہیں، لیکن معرکہ کارزار میں کوئی حصہ لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ فی الحال سربلند خاں اور شاہی خاں کے مشورے سے مقام جویاں مستور میں اقامت اختیار کی ہے، یہاں سے مختلف سرداروں اور معززین کے نام ترغیبی خطوط لکھے ہیں اور مختلف سمتوں کی طرف ترغیب جہاد کے لیے قاصد و مبلغین روانہ کیے ہیں، بہر حال اپنی طاقت اور اپنی استطاعت کے مطابق سعی میں مشغول ہوں اور سررشتہ کار کو قادر مختار کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔

اس علاقہ کے لیے صحیح طریقہ کار

اس علاقہ میں آکر ایسا معلوم ہوا کہ اگرچہ طویل مدت میں خدا کی مہربانی سے مقصود کا حصول متوقع ہے لیکن ابھی اس نواح میں لشکر کے آنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ ابھی تو اس کی ضرورت تھی کہ یہ فدوی چند خدمت گزاروں کے ساتھ اس نواح میں آتا اور دیہاتوں اور بستیوں کا خفیہ اور علانیہ دورہ کرتا، جب اس علاقہ کے رؤساء تیار ہو جاتے اور لشکر کے قیام کے

لیے کوئی جگہ معین ہو جاتی اس وقت لشکر اسلام رونق افروز ہوتا یا ابتدا ہی میں ایک بڑا لشکر جرار یہاں کا رخ کرتا اور یہاں کے باشندوں کی موافقت یا مخالفت سے قطع نظر کرتے ہوئے علم جہاد بلند کرتا اور بغیر کسی تردد اور دغدغہ کے کفار و منافقین پر دست اندازی کرتا، پھر جو مخالفت کرتا، وہ سزا پاتا، بہرحال الخیر فی ما وقع۔ اگر میاں محمد مقیم فتحیاب ہو جاتے ہیں، تو مقصود بہ آسانی حاصل ہو جاتا ہے ورنہ اس میں کچھ مدت لگے گی۔

جہاد کی حقیقت

ایک دقت یہ ہے کہ ہمارے اکثر ساتھیوں کے مزاج میں عجلت ہے البتہ بعض پورے طور پر منقاد و مطیع ہیں اور اس بات کو خوب سمجھ چکے ہیں کہ جہاد صرف اس بات کا نام ہے کہ دین کی نصرت کے سلسلہ میں مساعی جمیلہ کام میں لائی جائیں، جو وقت کے مناسب حال ہوں، وہ تو ہر حالت میں اپنی شرکت باعث افتخار سمجھتے ہیں۔ اس وقت ہماری واپسی بھی مقصد کے لیے مضر ہے اور بغیر غور و فکر اور تدبیر کے حملہ اور دست اندازی بھی خلاف مصلحت ہے، بلکہ عجب نہیں دینی اور عقلی طور پر ممنوع ہو۔ اس وقت تو اس کی ضرورت ہے کہ خوراک و پوشاک کی تنگی پر صبر کریں، پہاڑوں کے نشیب و فراز اور گھاٹیوں کے طے کرنے کے لیے مستعد رہیں اور ہر طرح کی ضروری اور مناسب کوششیں عمل میں لائیں اور اس کو جہاد کی اعلیٰ قسم شمار کریں۔ بارگاہ الٰہی سے امید واثق ہے کہ اس فدوی کے رفقاء عموماً اور اس کے اہل شوریٰ خصوصاً اس بارے میں اس فدوی کے ساتھ پورے طور پر شریک حال ہوں گے، ان شاء اللہ کچھ مدت کے بعد مقصود میں کامیابی حاصل ہوگی۔ (۱)

●●●

(۱) مکتوب پنجم (مکاتیب شاہ اسمٰعیلؒ)

ڈمگلا اور شنکیاری کی جنگیں اور ہندوستانی مجاہدین کے قافلے

ڈمگلا کا شب خون

اس اثناء میں شہرت ہوئی کہ ڈمگلا پر حملہ کرنا چاہتے ہیں (۱) یہ مقام خاصی فوجی اہمیت رکھتا تھا۔ اس کے فتح ہو جانے سے مظفر آباد کی طرف پیش قدمی کا راستہ کھل جاتا تھا۔ ہری سنگھ نلوہ نے پھول سنگھ کی ماتحتی میں دو تین ہزار سکھوں کا لشکر مقابلے کے لیے بھیجا۔ لشکر نے ڈمگلا میں ڈیرہ کیا۔

میاں مقیم رامپوری اور رئیسوں نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے مشورہ کیا کہ سکھوں کا لشکر ڈمگلا میں داخل ہوا، عجب نہیں کہ کل ہم سے اور ان سے مقابلہ ہو۔ مناسب یہ ہے کہ آج ہی رات کو ہم ان پر شبخون ماریں۔ اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا۔

اسی روز میاں مقیم کے تمام ہمراہی اور پچاس دوسرے مجاہدین اور چودہ پندرہ سو ملکی چھاپے کے واسطے مقرر ہوئے۔ باقی ہندوستانی اور ملکی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنے پاس رکھے، گولی بارود سب کو بانٹی اور وہ چھ سات سو بانس کے بارود بھرے ہوئے نل تین تین،

---

(۱) وقائع احمد اور دوسرے قدیم مآخذ سے پتہ نہیں چلتا کہ میاں مقیم اور ارسلاں خاں کے ساتھ مجاہدین کی جو جمعیت حبیب اللہ خاں کی مدد کے لیے روانہ ہوئی تھی، اس نے کیا کیا اور کیا واقعات پیش آئے اور کس طرح ڈمگلا پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا۔ وقائع احمد میں اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا گیا ہے، درج کیا جاتا ہے۔

چار چار ہر غازی کے حوالے کیے اور سمجھا دیا کہ جدھر مخالفوں کا مجمع دیکھنا، ادھر ایک دونل داغ کر پھینک دینا۔ وہ اس طرف متوجہ ہو جائیں گے اور تم اس طرف سے بندوق اور قرابین مارنا شروع کرنا، اور چار پانچ چار پائیاں بھی سنگر سے اترنے کے لیے ساتھ کر دیں۔ ہر ایک سے فرمایا کہ سورہ لایـــلف گیارہ گیارہ بار پڑھ کر روانہ ہو۔ سب کا امیر میاں مقیم صاحب کو کیا اور مولوی خیر الدین صاحب کو شریک کیا اور شناخت کے لیے اپنے لشکر کے شبخون والوں کا نام عبداللہ رکھ دیا اور دعا کر کے رخصت فرمایا۔ سوا پہر رات باقی ہوگی کہ آگے پیچھے حملہ آور جمع ہو کر آگے بڑھے جب نیچے دیکھیے تخمیناً تین سو، ساڑھے تین سو آدمی باقی رہے، اور خدا جانے کدھر چھپ گئے۔ ادھر سکھوں کی جماعت ملکی اور سکھ ملا کر پانچ چھ ہزار سے کم نہ تھی پھر میاں مقیم وہ چار پائیاں سنگر پر ڈال کر خود آگے ہوئے اور ان کے پیچھے مجاہدین چلے، مجاہدین نے میاں مقیم کے پیچھے یکبار بآواز بلند الـلّٰـہ اکبـر! الـلّٰـہ اکبر، کہہ کر بندوق اور قرابین مارتے ہوئے حملہ کیا، سکھ بھی ہوشیار ہو گئے کہ چھاپہ آ پہنچا، انھوں نے جلد نقارہ بجایا اور غول غول ہو کر کئی جگہ جمع ہو گئے، اور بندوقیں مارنے لگے۔ اس وقت مجاہدین نے وہی نل داغ کر ان کے غول میں پھینکے اور پیچھے سے قرابینوں سے حملہ کیا، اس وقت میاں مقیم کے لوگوں نے ایسی شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کیا کہ (وقائع احمدی کے راوی کے بقول) لوگ رستم و اسفندیار کی جرأت و دلیری بھول گئے۔ وہ اس طرح بیباک ہو کر سکھوں کی جماعت میں گھستے تھے جیسے کوئی کبڈی کھیلتا ہے یہاں تک کہ تین چار ہلوں میں ان کو سنگر سے نکال کر باہر کر دیا۔

اس عرصے میں وہ ملکی جو طرح دے کر پیچھے دب رہے تھے، وہ بھی آ کر سنگر میں داخل ہوئے اور سکھوں کا مال و اسباب لوٹ لوٹ کر چلنے لگے۔ مجاہدین سکھوں کے مقابلے میں جمے رہے اس عرصے میں سکھوں نے موضع ڈمگلا کی دو تین جھونپڑیوں میں آگ لگا دی، اس کی روشنی سے تمام سنگر اور اس کے اطراف میں دن سا ہو گیا۔ اس اجالے میں سکھوں نے دیکھا کہ سنگر میں لوٹ مچی ہے، ہر کوئی مال و اسباب لیے ہوئے چلا جاتا ہے، اس وقت مولوی خیر الدین صاحب شیر کوٹی نے میاں مقیم سے کہا کہ ملکیوں نے لڑائی بگاڑ دی، وہ تو لوٹ لوٹ کر اپنا رستہ

لیتے ہیں اور آپ زخمی ہیں، مناسب یہی ہے کہ آپ بھی جلد یہاں سے نکلنے کی تدبیر کریں۔

زخمیوں کا جذبہ

مولوی خیرالدین صاحب چند مجاہدین کے ساتھ سکھوں کے مقابلے میں رہے اور ان کو مشغول رکھا اور لوگوں سے کہا کہ جو زخمی اٹھانے کے قابل ہوں، ان کو سنگر کے باہر اٹھا لے چلو اور باقیوں کو رہنے دو۔ مجاہدین نے چھ یا سات زخمیوں کو جو لے چلنے کے قابل تھے، اٹھایا۔ دو صاحب سید لطف علی اور عبدالخالق محمد آبادی زیادہ زخمی تھے، جب ان کو لے چلنے کے لیے اٹھایا، تو انھوں نے کہا کہ ہمارے ہتھیار لے لو اور ہم کو تکلیف نہ دو، ہم کو یہی میدان پسند ہے۔ مجاہدین نے ان کے ہتھیار لے لیے اور ان کو وہیں چھوڑ دیا، وہ ظاہراً گھڑی، دو گھڑی کے مہمان تھے۔ چند ہندوستانی شہید ہوئے، اور چند غازی تھوڑے تھوڑے زخمی، انھیں میں میاں مقیم بھی تھے۔

جب سب زخمی سنگر کے باہر نکل چکے، تب مولوی خیرالدین صاحب بھی استقامت اور دل جمعی کے ساتھ اپنے لوگوں کو لے کر سنگر سے نکلے اور سب کو لے کر روانہ ہوئے، اس وقت سکھوں کو ایسی شکست فاش نصیب ہوئی تھی کہ باوجودیکہ کئی ہزار تھے، کسی کو تعاقب کی جرأت نہیں ہوئی۔

جنگ شنکیاری

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی فوج میں دو روز سے فاقہ تھا۔ ڈمگلے کے شبخون کی شام کو کچھ غلہ میسر آ گیا تھا۔ لوگ کھانے کے انتظام میں مشغول تھے۔ سکھوں کا ایک لشکر روند گشت کے طور پر شنکیاری کی گڑھی سے، جو مجاہدین کی قیام گاہ سے تھوڑے فاصلے پر تھی، باہر نکلا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو، جن کی نگاہ اس گڑھی کی طرف تھی، یہ گمان ہوا کہ دشمن مقابلے کو آتے ہیں، آپ نے لوگوں کو کمر بندی کا حکم دیا اور ایک دو باڑھ مار کر ان پر حملہ کر دیا۔ سکھوں نے بھاگنا شروع کیا، اس وقت ایک شخص نے سکھ لشکر کے عقب میں سے اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہا کہ یہ تھوڑے سے آدمی ہیں، تم کیوں بھاگتے ہو؟ یہ پکار سن کر لشکر لوٹ آیا اور مقابلہ شروع

ہوا۔اس وقت مولانا اسمٰعیل صاحب کے ہمراہ کل بارہ آدمی تھے، باقی سب لشکر کے نگراں تھے مگر یہ بارہ آدمی سیسے کی دیوار کی طرح وہیں جم گئے اور بھرمار شروع کی۔

''وقائع'' میں ہے کہ جب سکھ حملہ کرتے ہوئے نزدیک آئے تو مجاہدین نے مورچوں سے نکل کر قرابینوں سے مقابلہ کیا، جب اور قریب آئے، تو نوبت تلوار کی پہنچی۔اس وقت لوگوں نے مولانا کی شجاعت و دلیری کا تماشا دیکھا۔آپ نے تلوار سے لاش پر لاش بچھادی۔''منظورہ'' میں ہے کہ ایک سکھ تلوار کھینچ کر مولانا پر حملہ آور ہوا، آپ نے وار کرنے سے پہلے اس کو گولی سے ختم کر دیا۔جب آپ دوسری بار بندوق بھر رہے تھے، اس وقت دوسرے شخص نے تلوار سے آپ پر حملہ کرنا چاہا، آپ نے اس کو بھی گولی سے اڑا دیا۔جب آپ تیسری بندوق بھر کر پیالے میں رنجک ڈال رہے تھے، اس وقت ایک سکھ کی گولی آپ کی انگلی میں لگی، اس گولی کے صدمے سے آپ کا ہاتھ بندوق کے پیالے سے جدا ہو گیا، اس حالت میں بھی آپ نے بندوق چلادی، لیکن جب آپ نے چوتھی بار بندوق بھرنے کا ارادہ کیا، تو اس زخمی انگلی سے اتنا خون بہا کہ بارود بھی تر ہو گئی اور ہاتھ میں بندوق بھرنے کی طاقت بھی نہ رہی، اس بے بسی کی حالت میں ایک سکھ نے ننگی تلوار سے مولانا پر حملہ کیا۔مولانا نے اس کو ڈرانے کے واسطے خالی بندوق اس کے سامنے کر دی، وہ گھبرا کر بھاگ گیا اور مولانا اس کی ضرب سے بچ گئے، مولانا بارہا اس انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، تو یہ میری انگشت شہادت ہے، ورنہ بہت سے زخم لگتے ہیں اور ان میں کوئی ثواب نہیں۔بالآخر سکھ میدان چھوڑ کر چلے گئے۔

ادھر میاں مقیم اور ان کے ساتھی ڈمگلا سے واپس آرہے تھے، راستے میں انھوں نے بندوقوں کی آواز سنی، معلوم ہوا کہ مجاہدین کی قیام گاہ پر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ہمراہیوں اور سکھوں کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔میاں مقیم اور مولوی خیر الدین صاحب جب مولانا کے پاس پہنچے تو سکھ جا چکے تھے۔دیکھا تو چھ سات آدمی مجاہدین میں شہید ہوئے ہیں اور نو دس زخمی مولانا کی انگلی میں گولی لگی تھی اور گلے میں چھ سات سوراخ گولیوں کے ہو گئے تھے، سکھوں کے دو ڈھائی سو آدمی مارے گئے تھے۔

مجاہدین کی واپسی

مولانا نے کمال خاں اور ناصر خاں کے مشورے سے اگرور میں قیام کیا۔ وہاں سے شمد ڑہ اور وہاں سے اوگئی آئے، وہاں آٹھ روز قیام فرمایا۔ مولانا کا ارادہ تھا کہ یہاں سے نکل کر سکھوں کی بستیوں پر شب خون ڈالیں گے، اس اثناء میں سید صاحبؒ کا فرمان پہنچا کہ آپ وہاں سے جلد تشریف لے آئیں، ہندوستان سے مجاہدین کے بہت سے قافلے آئے ہیں۔ چنانچہ آپ وہاں سے منزل بمنزل کوچ کرتے ہوئے مرکز میں پہنچ گئے، سید صاحبؒ نے پنجتار سے نکل کر ڈھائی، تین سو آدمیوں کے ساتھ مولانا اور ان کے ہمراہیوں کا استقبال کیا، مولانا سید صاحبؒ کی سواری دیکھ کر کمال اشتیاق کے ساتھ تیز قدم ہو کر چلے مصافحہ و معانقہ ہوا اور آپ نے سید صاحبؒ کے ہاتھ کو بوسہ دیا، تمام لوگ آپس میں ایک دوسرے سے ملے۔

ہندوستان کے قافلے

اوپر گزر چکا ہے کہ بونیر وسوات کے دورے میں پانچ ہندوستانی قافلے پہنچے، جن میں پونے تین سو کے قریب آدمی تھے۔ جب ہندوستان میں سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء کے صوبہ سرحد میں استقرار اور معرکہ آرائیوں کی اطلاع پہنچی اور رفقاء اور اہل سرحد نے سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت امامت و جہاد کی اور اس کے اطلاعی خطوط اور اعلام نامے ہندوستان پہنچے، تو وہاں سے مخلصین کے قافلے، جن میں سے اکثر پہلے سے مستعد و عازم تھے اور مختلف دینی اور انتظامی مصلحتوں سے جن کا بہ یک وقت چلنا مناسب نہ تھا، جوق در جوق آنا شروع ہوئے، چنانچہ اس عرصے میں کہ شاہ صاحب اور میاں مقیم ہزارے کے محاذ جہاد پر تھے، پندرہ قافلے تھوڑے تھوڑے وقفے سے پہنچے ان قافلوں میں بڑے بڑے علماء ذی وجاہت اور پر جوش مجاہد تھے۔ ایک قافلہ سید صاحبؒ کے بڑے بھانجے سید احمد علی صاحب رائے بریلوی کا تھا، دوسرا قافلہ مولانا عنایت علی(۱) کا، تیسرا مولوی قمر الدین صاحب کا، چوتھا باقر علی صاحب کا،

---

(۱) برادر مولانا ولایت علی عظیم آبادی

پانچواں عثمان علی صاحب کا، چھٹا مولانا مظہر علی عظیم آبادی کا، ساتواں مولوی خرم علی بلہوری کا، آٹھواں مولوی عبدالقدوس کانپوری کا، نواں مولانا سید محمد علی رام پوری کا، دسواں مولوی عبداللہ امروہی کا، گیارہواں حافظ قطب الدین پھلتی کا، بارہواں مولانا محبوب علی دہلوی کا، تیرہواں حکیم محمد اشرف دہلوی کا، چودھواں میرن شاہ نارنولی کا، پندرہواں مولوی عبدالحق نیوتنی کا۔

ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور پشاور کے درمیان ایک بستی کنڈوہ ہے۔ کئی قافلے وہاں درانیوں کے خوف سے رکے رہے اور دریا عبور نہ کرسکے۔ کم وبیش دو مہینے اس تشویش وتردد میں گزرے، بالآخر سید صاحبؒ نے اپنے کچھ آدمی بھیجے، انھوں نے مقامی لوگوں سے مل کر ان قافلوں کے دریا عبور کرنے کا بندوبست کیا اور تقریباً دو مہینے کے توقف کے بعد اپنی منزل مقصود پر پہنچے۔ جب یہ قافلے درے میں داخل ہوئے تو سید صاحبؒ نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور مصافحہ اور معانقہ کرکے ان کو اپنے ساتھ لائے۔

مولوی محبوب علی صاحب کا اختلاف

مولوی میر محبوب علی صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہؒ کے مشہور شاگردوں اور نامی علماء میں سے تھے، سید صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ سے پرانا تعارف اور تعلق تھا۔ جن ہندوستانی علماء واحباب کے نام سرحد سے خطوط واطلاعات جاتی تھیں ان میں مولوی محبوب علی صاحب بھی تھے۔ آپ نے سید صاحبؒ کی ہجرت کے بعد ہندوستان میں جہاد و ہجرت کی دعوت جاری رکھی اور آپ کی ترغیب وتحریض سے مجاہدین کا ایک قافلہ آپ کی ہمراہی میں روانہ ہوا، راستے کی مشکلات اور ناگوار طبع امور کے پیش آنے نیز طبیعت کی افتاد سے ان کی گرانی اور کدورت بڑھتی گئی، مولانا نے راستے سے سید صاحبؒ کو ایک خط لکھا جس میں اس بات پر ناگواری کا اظہار اور اعتراض تھا کہ آپ نے درانیوں سے صلح کرلی ہے، جو مجاہدین و مہاجرین کے سدراہ بن رہے ہیں اور اس کو توکل وعزیمت کے منافی بتایا اور صاف صاف مشورہ دیا تھا کہ پہلے ان کلمہ گو کافروں سے جہاد کرنا چاہیے اور کچھ قرآن مجید کی آیتیں بھی اس مضمون

کی لکھ کر بھیجی تھیں۔ سید صاحبؒ نے ۱۴ محرم ۱۲۴۳ھ کو ان کو بڑا محبت آمیز خط لکھا جس میں تشریف لانے اور حالات کا خود مطالعہ کرنے اور صبر و تحمل سے کام لینے اور اعتماد کرنے کی دعوت دی اور اپنے موقف کی وضاحت کی (۱) مولوی صاحب اس انتظام کے مطابق جس کا اہتمام خود سید صاحبؒ نے فرمایا تھا، پنجتار کے مرکز میں تشریف لائے۔ سید صاحبؒ نے جب مولوی صاحب کی آمد کی خبر سنی، تو آپ استقبال کے لیے روانہ ہوئے، آپ کا سبزہ گھوڑا جو سردار سید محمد خاں نے نذر کیا تھا کوتل چلا آرہا تھا، اس پر زریں حاشیے کا مخملی زین پوش پڑا ہوا تھا، سید صاحبؒ خود پیادہ پا تھے۔ مولوی صاحب کی نظر پہلے گھوڑے پر پڑی، فرمایا! گھوڑے پر زریں زین پوش! جہاں ایسا امیرانہ ٹھاٹھ ہو، وہاں دیکھنا چاہیے، انجام کیا ہو۔ سید صاحبؒ سے مصافحہ و معانقہ کے بعد آپ اپنے خیمے میں رہنے لگے، لیکن آپ کے اعتراضات اور شبہات بڑھتے گئے، کبھی کہتے کہ آپ امام ہو کر ایسے نفیس کپڑے پہنتے ہیں، اور ایسے عمدہ کھانے کھاتے ہیں اور مجاہدین بیچارے چکی چلاتے ہیں، گھاس چھیلتے ہیں اور پاؤ پاؤ غلہ پاتے ہیں۔ یہ آپ کو زیبا نہیں۔ سید صاحبؒ نے نرمی سے فرمایا کہ مولوی صاحب، اب تو آپ ہمارے یہاں مہمان آئے ہیں۔ جو کچھ میں کھاتا ہوں وہ آپ بھی کھائیں گے، تب آپ ہی معلوم ہو جائے گا۔

اس گفتگو کا چرچا پھیلے پھیلے، ڈیرے ڈیرے تمام لشکر میں ہونے لگا اور نا اتفاقی اور فساد کی ایک صورت ظاہر ہونے لگی۔

کھانے کی تفصیل

سید صاحبؒ کے یہاں یہ طرز تھا کہ اس ملک کے جو لوگ آپ کی ملاقات کو آتے تھے، وہ تحفہ کے طور پر کوئی دو مرغ لاتے، کوئی سیر دو سیر شہد یا گھی لاتے، کوئی چاول، کوئی مرغی کے انڈے لاتے، آپ یہ تمام چیزیں بحفاظت تمام اپنے باورچی خانے میں رکھوا دیتے، مہمانوں کا یہ حال تھا کہ کبھی بیس، کبھی تیس، چالیس بھی آتے۔ ان کے کھلانے کی بھی کئی صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ اگر وہ سویرے لشکر والوں کے کھانے کے قبل آگئے، تو آپ ایک

---

(۱) مکاتیب شاہ اسمٰعیل صاحب ص ۱۹۸، ۱۰۰

ایک، دودو، گنجائش کے موافق ہر بہلیے میں بھیج دیتے اور ان میں جو ذی عزت، دو چار ملا مولوی یا خان وسردار ہوتے ان کو اپنے ساتھ کھلاتے۔

دوسری صورت یہ تھی کہ اگر وہ مہمان دیر سے لشکر کے کھانے کے بعد آتے، تو آپ اسی تحفے اور سوغات میں سے جو مرغ، چاول، انڈے وغیرہ ہوتے، ان کے لیے کھانا پکواتے اور ان کو کھلاتے اور ان کے شریک ہو کر آپ بھی کھا لیتے۔

تیسری صورت یہ تھی کہ کسی روز اپنے لوگوں کے موافق کھانا پک چکا اور دس پندرہ مہمان آگئے، تو اسی کھانے میں ان کو بھی شریک کر لیتے، اگر پندرہ آدمی کے لائق کھانا پکا ہے اور اسی قدر مہمان بھی آگئے، تو جہاں فی اسم آدھ سیر کھانا تھا، اب پاؤ بھر سر اسم (۱) ہوا، جس قدر مہمان زیادہ ہوتے اسی قدر ہر کسی کے حصے میں کھانا کم آتا۔ اکثر اوقات کھانے میں کمی کا خیال کر کے خود سید صاحبؒ نہ کھاتے کہ یہ مہمان کھالیں، ہم کسی کے بہلیے میں کھالیں گے، مگر وہ مہمان ہرگز نہ مانتے، اصرار سے کھلاتے اور کہتے کہ ہم تو آپ ہی کے ساتھ کھانے کو آئے ہیں، اگر آپ نہ کھائیں گے تو ہم اپنے بھائی بندوں کے یہاں چلے جائیں گے، ہمارے واسطے وہاں بھی کھانا موجود ہے۔ اُن کی خاطر سے آپ کو ضرور ہی کھانا پڑتا۔ اسی کش مکش میں ایک ہفتہ مولوی محبوب علی صاحب نے سید صاحبؒ کے ساتھ کھانا کھایا اور گھبرا گئے اور کہا کہ ہم سے تو آپ کے ساتھ کھانا نہ کھایا جائے گا، آپ نے فرمایا: کیا وجہ ہے؟ آخر ہم بھی تو کھاتے ہیں۔ کہا: ہر روز بھوکا نہیں رہا جاتا۔ سید صاحبؒ نے دو تین آدمی مولوی محبوب علی صاحب کے معتقدین میں سے اور دو تین آدمی اپنے لوگوں میں سے پہلے ہی دن سے کھانے کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے مولوی صاحب کے شریک کر رکھے تھے۔ آپ کے لوگوں نے مولوی صاحب کے معتقدین سے کہنا شروع کیا کہ ایسے ہی کھانے پر تمھارے مولوی صاحب سید صاحبؒ پر اعتراض کرتے تھے کہ خود ایسے عمدہ اور نفیس کھانے کھاتے ہیں اور لشکر والے خشک روٹی بمشکل پاتے ہیں۔ اب وہ عمدہ کھانا مولوی صاحب کیوں نہیں کھاتے ہیں؟

(۱) اس سے مراد فی کس ہے

پوشاک پر اعتراض اور اس کا جواب

دوسرا اعتراض مولوی صاحب کا پوشاک اور خرچ وغیرہ پر تھا، اس کا حال یہ ہے کہ شیخ غلام علی صاحب الٰہ آبادی سلے ہوئے کپڑوں کے گٹھے کے گٹھے خاص آپ کی ذات کے لیے بھیجتے رہتے تھے اور جوتوں کے جوڑے بھی وہیں سے آتے تھے۔ اسی طرح اور مریدین کے یہاں سے ہر قسم کے تھان اور سیکڑوں، بلکہ ہزاروں روپے خاص آپ کے خرچ کے واسطے آتے تھے، یہ روپیہ آپ اپنی مرضی کے موافق جہاں مناسب سمجھتے، صرف کرتے، چنانچہ آپ نے ہزار، دو ہزار روپے کی اسی قسم کی قبائیں سلطان محمد خاں، یار محمد خاں اور سید محمد خاں کو عطا فرمائیں۔

جہاد و قتال میں فرق

مولوی محبوب علی صاحب اہل لشکر سے کہتے تھے کہ تمھارے اوپر بیوی بچوں اور والدین کے حقوق ہیں، تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ لوگوں نے کہا: جہاد کے واسطے۔ مولوی صاحب نے کہا: جہاد کہاں ہے اور کون کفار سے مقابلہ ہے؟ کس ملک میں تمھارا عمل دخل ہوا؟ صبح سے شام تک تم لوگ کھانے پکانے کی فکر میں رہتے ہو۔ جہاد کا محض بہانہ ہے، تمھاری دنیا و آخرت دونوں خراب ہیں۔

لوگوں کو ایک معتبر عالم کی زبان سے یہ سن کو خواہ مخواہ انتشار ہوا اور لشکر میں اس کا عام چرچا ہوا۔ آخر ایک روز مولوی محمد حسن رامپوری (۱) نے سید صاحبؒ سے کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔ نماز کے بعد سب لوگ موجود تھے، آپ نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ یہاں کے لوگوں کو کس طرح خارج از جہاد سمجھتے ہیں؟ مولوی صاحب نے کہا کہ تم کس سے جہاد کر رہے ہو، اور کون سا جہاد ہو رہا ہے؟ مولوی محمد حسن نے کہا کہ جنگ کا نام ہی جہاد نہیں ہے، جنگ کو قتال کہتے ہیں اور وہ کبھی کبھی پیش آتا ہے، جہاد کے معنی ہیں ''اعلاء کلمۃ اللہ میں کوشش کرنا'' یہ

---

(۱) مولوی محمد حسن رامپوری لشکر کے اہم اور ممتاز افراد میں سے تھے، مولوی سید جعفر علی کے الفاظ ہیں: مولانا محمد اسمٰعیل و مولوی محمد حسن رامپوری بجائے وزیر آنجناب بودند۔'' (ص ۵۷۰، وقائع)

مدت دراز تک باقی رہتا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ قتال کا نام جہاد رکھا ہے، اور ان کوششوں کو جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے لوگ کر رہے ہیں، عبث قرار دیتے ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس وقت جہاد کا انکار کر کے آپ وطن دہلی تشریف لے جائیں اور کسی دن کفار سے مقابلہ اور قتال، جس کو آپ جہاد کہتے ہیں، پیش آجائے، تو کس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر آپ کو اطلاع دی جائے گی؟ اور آپ یہ اپنی کون سی کرامات سے اڑ کر داخل جہاد ہوں گے؟

مولوی محبوب علی صاحب کی واپسی

ان اعتراضات واختلافات اور نا اتفاقی سے سید صاحبؒ بہت تنگ آئے۔ جب کسی طرح مولوی صاحب نہ سمجھے، تو ایک روز سید صاحبؒ نے آپ سے فرمایا کہ مولوی صاحب اس لشکر اسلام میں آپ نے اپنی نفسانیت سے تفرقہ ڈالا ہے اور تو میں کیا کہوں؟ میدان حشر میں آپ کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ۔(۱)

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی ڈمگلا وشنکیاری سے واپسی سے تین روز پہلے ایک دن مولوی محبوب علی صاحب رات کو بے ملے اپنے لوگوں کو ساتھ لے کر پشاور کی طرف چلے گئے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب نے آکر سنا، تو بڑا افسوس کیا اور فرمایا: افسوس! مولوی صاحب چلے گئے۔ اگر میرے آنے تک توقف کرتے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ میں ان کو سمجھاتا، انھوں نے سید صاحبؒ کو پہچانا نہیں۔

میرن شاہ نارنولی اپنی آمد کے تیسرے ہی روز کچھ لوگ لے کر پشاور کی طرف چلے گئے، راستے میں چمکنی ہی میں چند دن بیمار رہ کر انتقال کیا۔ حکیم محمد اشرف دہلوی بھی واپس چلے گئے۔

---

(۱) منظورہ میں مذکور ہے کہ سید صاحبؒ نے مولانا سے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ کو میری امامت پر اعتراض ہے، تو آپ خود ہی منصب امامت قبول فرمائیں کہ عالم، فاضل، مہاجر، سید ہیں، میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں، مگر مولانا نے منظور نہیں فرمایا۔

ہندوستان سے امدادی رقمیں

ہندوستان سے احباب ومعاونین صاحبزادہ شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی کی معرفت برابر مالی امداد کرتے رہتے اور بیش قرار رقموں کی ہنڈیاں ہندوستان سے آتی تھیں،(۱) چنانچہ ان دنوں میں بھی ایک پانچ ہزار کی، دوسری بارہ سو کی، تیسری دو سو ستر روپے کی پہنچی، جو میاں دین محمد کی دانائی وسلیقہ مندی سے ٹوٹ کر مہاجرین کے مصارف میں آئیں۔

داعیوں اور مبلغوں کی روانگی

اسی اثناء میں سید صاحبؒ نے محمد قاسم صاحب پانی پتی کو وعظ ونصیحت اور جہاد کی دعوت کے لیے بمبئی روانہ کیا۔ ان کے بعد آپ نے مولانا محمد علی رامپوری سے فرمایا کہ آپ حیدرآباد دکن جایئے۔ انھوں نے عذر کیا کہ مجھ کو نہ اس قدر علم ہے کہ کسی عالم سے مباحثہ یا مناظرہ کروں اور نہ یہ سلیقہ ہے کہ لوگوں کے مجمع میں وعظ ودرس کروں۔ مجھ کو تو آپ کسی کام کو کہیں بھیجیں کہ وہ کام کر کے چلا آؤں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ جس بات کا عذر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ عذر دور کردے۔ آپ نے اپنا کرتا، پائجامہ اور تاج ان کو پہنایا اور کہا کہ میں اپنی زبان نکالوں، آپ اپنی زبان سے چاٹ لیں، انھوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے چار پانچ آدمی ان کے ہمراہ کیے اور فرمایا کہ یہاں سے سندھ جایئے گا، وہاں سے پیر کوٹ میں بی بی صاحبہ سے ملتے ہوئے کراچی جایئے گا، وہاں سے کشتی پر سوار ہو کر بمبئی اتریے، وہاں سے حیدرآباد جایئے۔

آپ نے مولوی صاحب کو وصیت کی کہ کلمہ حق کہنے سے باز نہ رہیے گا، کوئی خوش ہو یا ناخوش، کوئی مارے یا سرفراز کرے، خیر وبرکت اسی میں ہے۔

کئی دن کے بعد مولوی ولایت علی عظیم آبادی کو بھی دکن بھیجنے کی تجویز ٹھہری، آپ

---

(۱) شاہ اسحٰق صاحبؒ کے نام شاہ اسمٰعیل صاحبؒ وسید صاحبؒ کے عربی خطوط ہیں، جو رقموں کی وصول یابی اور طلب کے سلسلے میں اصطلاحات اور رموز میں لکھے گئے ہیں۔

نے ان کو اپنا ملبوس خاص، تاج اور کرتا اور پائجامہ پہنا کر سینے اور پشت پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کرے، اور وصیت فرمائی کہ کلمہ حق کے بیان کرنے میں کسی کا خوف اور لحاظ نہ کرنا۔

انھیں دنوں رامپور سے خط آیا کہ میاں مقیم کے بھائی کریم اللہ خاں کا، جو نواب احمد علی خاں کے نائب کل تھے، انتقال ہو گیا۔ آپ نے میاں مقیم سے فرمایا کہ تمھارے بھائی کا انتقال ہوا۔ مناسب ہے کہ تم جا کر ان کے اہل وعیال کے خبر گیراں ہو اور ان کی جگہ نواب احمد علی خاں کے یہاں کام کرو میاں مقیم نے عذر کیا کہ میں وہاں سے جہاد فی سبیل اللہ کی نیت کر کے آیا ہوں، اب وہاں جا کر کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ہم تم کو بھیجتے ہیں، تمھارے بغیر وہاں کا کاروبار ابتر ہو جائے گا اور تمھارے وہاں رہنے سے خدا کا بھی بہت کام نکلے گا۔ وہ مجبوراً جانے پر راضی ہوئے اور سب سلاح واسباب جو ان کے پاس تھا، وہیں چھوڑا۔

ان کے علاوہ حافظ قطب الدین اور مولوی عنایت علی کو بھی ہندوستان بھیجنے کی تجویز ہوئی۔ آپ نے مولوی عنایت علی کو بلا کر فرمایا کہ آپ کو جہاد کی ترغیب کے لیے بنگالے کو بھیجتے ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ حاضر ہوں، مگر دل چاہتا ہے کہ یہاں کا بھی کوئی واقعہ دیکھ لیتا۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں تمھارے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کا بہت کام نکلے گا۔ خدا کے کام کی کوشش کے لیے تمھارا وہاں رہنا گویا ہمارے ساتھ یہاں کا رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو وقائع بہت دکھائے گا (۱)

مولوی مظہر علی عظیم آبادی کی آمد

مولوی عنایت علی کی روانگی کے چند ہی دن بعد آپ کے پاس خبر آئی کہ مولوی مظہر علی عظیم آبادی کا قافلہ زیارت میں آ کر داخل ہوا۔ آپ ان کے آنے سے کمال خوش ہوئے اور فرمایا کہ مولوی ولایت علی اور مولوی عنایت علی کی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے مولوی مظہر علی صاحب کو بھیجا۔

---

(۱) چنانچہ مولانا ولایت علی صاحب کے بعد مولانا عنایت علی غازی ہی مجاہدین کے قائد اور ستھانہ میں مجاہدین و مہاجرین کے امیر رہے۔

شاہ چترال کے تحائف

آپ نے پنجتار سے اخوند فیض محمد کو کچھ تحفے دے کر شاہ کاشکار (چترال) کے پاس جہاد کی دعوت کے لیے روانہ کیا، اخوند صاحب چترال سے واپس آئے اور شاہ کے تحائف بھی لائے۔ شاہ نے ایک سیدہ صاحبزادی اور پشمینے کی نہایت باریک اور بیش قیمت چادر، ایک خوشخط و مُطلاّ قرآن مجید اور ایک فولادی شیر ماہی کے دستے کی پیش قبض جس کا تہنال و مہنال نقرئی تھا، بھیجا، ان تحائف کے ساتھ بادشاہ کا خط بھی تھا۔

● ● ●

ساتواں باب

کھہر (۱) کا قیام

ایک تبلیغی دورہ

پنجتار میں ارباب بہرام خاں (۲) بیس پچیس سواروں اور پیادوں کے ساتھ آپ کی ملاقات کو آئے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور کئی دن قیام کیا۔ایک روز انھوں نے سید صاحبؒ سے مشورۃً عرض کیا کہ ان دنوں یہاں کوئی مشغولیت نہیں ہے۔اگر مناسب سمجھیں تو چند دن اس نواح میں دورہ فرمائیں اور جہاد کی ترغیب کے لیے وعظ ونصیحت فرمائیں۔اس ملک کے اکثر لوگوں میں زمینداری کے سلسلے میں رقابتیں اور مخالفتیں ہیں۔اگر آپ ان کے درمیان مصالحت کرادیں،تو وہ آپ کے شکر گزار اور فرماں بردار بن جائیں گے۔

آپ کو ارباب صاحب کی یہ صلاح پسند آئی۔آپ نے بیمار اور معذور لوگوں کو پنجتار میں چھوڑا اور باقی لشکر لے کر وہاں سے کوچ کیا اور قرب وجوار کے مواضعات میں دورہ کر کے واپس پنجتار تشریف لائے۔اس دورے میں شیوہ، چار گلئی، موضع مہر علی، مچی، امان زئی، اسماعیلہ، کالو خاں، تلا ندی، شیخ جانا مقامات پر جانا ہوا۔ہر جگہ لوگوں نے بیعت کی،آپ نے

(۱) عام طور سے خار، کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

(۲) ارباب صاحب تہکال مضافات پشاور کے رہنے والے تھے،اس زمانے میں پنجتار کے قریب کے موضع مہر علی میں مقیم تھے،سرحد کے اہل تعلق ومخلصین میں ارباب بہرام خاں کو سب پر امتیاز وفوقیت حاصل تھی،بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

وعظ ونصیحت فرمائی اور مواضعات کے خوانین وشرفاء نے اہل سرحد کے دستور کے مطابق دعوت وضیافت کا شرف حاصل کیا۔اس دورے میں پندرہ روز صرف ہوئے۔

پنجتار آپ کی واپسی پر اطراف ونواح کے خوانین آکر جمع ہوئے اور چند روز تک متواتر ان سے مشورہ رہا،اس کے بعد دفعۃً آپ مع لشکر پنجتار سے روانہ ہوئے اور موضع شیوہ، مچی، کاٹ لنگ، لُوندخُوڑ، شاہ کوٹ (۱) میں قیام کرتے ہوئے اور جہاد کی دعوت دیتے ہوئے عنایت اللہ خاں (۲) سواتی کے مشورے سے درگئی ٹھہرتے ہوئے (جو ضلع سمہ کا آخری موضع ہے) علاقہ سوات میں خہر تشریف لے گئے اور وہیں لشکر کو طلب فرمالیا۔ امیر خاں مورانوی دَرگئی میں رہے اس لیے کہ لشکر کے اونٹوں کو چارے پانی کا وہاں زیادہ آرام تھا۔ یہاں خہر میں پورے ایک سال سید صاحبؒ اور لشکر مجاہدین کا قیام رہا۔اس نواح کے خوانین آپ کی ملاقات کو آئے اور مرید ہوئے اور سب نے اطاعت وشرکت جہاد کا عہد کیا اور آپ نے اس نواح کا بھی دورہ کر کے لوگوں کو مستفید فرمایا۔

مولانا عبدالحی صاحب کی وفات

مولانا عبدالحی صاحب مرض بواسیر میں مبتلا تھے،کوئی دوا مفید نہیں ہو رہی تھی، روز بروز بیماری بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ نزع کی حالت ہوئی کسی وقت آپ بے ہوش ہو جاتے تھے، کسی وقت ہوش میں آتے تھے۔ یہ حال سن کر سید صاحبؒ آپ کے پاس تشریف لائے۔ جب مولانا کو ہوش آیا، سید صاحبؒ کو دیکھا اور پہچانا۔ آپ نے پوچھا: ''کیا حال ہے؟'' فرمایا: ''نہایت تکلیف ہے، آپ میرے واسطے دعا کریں اور میرے سینے پر اپنا قدم رکھ دیں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے مجھ کو نجات دے۔ آپ نے فرمایا: ''مولانا صاحب، آپ کے سینے میں قرآن وحدیث کا علم ہے۔ یہ اس لائق نہیں کہ میں اس پر اپنا قدم

---

(۱) قدیم کتابوں میں شاہ کوٹ لکھا ہوا، لیکن غالباً اس سے مراد ستھا کوٹ ہے، جو آج کل مالا کنڈ ایجنسی میں درگئی سے اس طرح پانچ میل ریلوے اسٹیشن اور منڈی ہے، قدیم گاؤں ریلوے اسٹیشن سے کچھ فاصلے پر اب بھی موجود ہے۔
(۲) یہ موضع الاڈنڈ کا رئیس تھا۔

رکھوں۔'' پھر آپ نے بسم اللہ کر کے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ مولانا کو قدرے تسکین ہوئی اور کئی بار اللّٰہ الرفیق الأعلیٰ ،اللّٰہ الرفیق الأعلیٰ، اپنی زبان سے کہا اور انتقال فرمایا۔

اس وقت مولانا کے فرزند مولوی عبدالقیوم، جو خرد سال تھے، اور مولوی عبدالقیوم کے دو ماموں شیخ جلال الدین اور شیخ صلاح الدین وہاں موجود تھے اور پھلت والے تمام اعزہ واقرباء حاضر تھے اور مجاہدین کا بھی ازدحام تھا، سب نہایت غمگین ورنجیدہ تھے، خصوصاً مولوی عبدالقیوم کا، جن کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی، رنج وغم سے برا حال تھا۔ سید صاحبؒ بار بار ان کو سینے سے لگاتے تھے اور تسلی اور دلاسا دیتے تھے۔

مولانا کا انتقال پچھلی رات کو ہوا۔ رات کو تجہیز وتدفین عمل میں نہ آسکی، صبح کو قبر کی تیاری اور غسل شروع ہوا۔ مولانا محمد اسمٰعیل، مولوی محمد حسن، قاضی علاء الدین، میاں جی چشتی، میاں جی محی الدین نے غسل دیا۔ سید صاحبؒ مجمع میں مولانا کے فضائل ومناقب بیان کرتے تھے، آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور فرماتے تھے کہ مولانا دین کے ایک رکن اور بڑے برکت والے شخص تھے، اللہ نے ان کو اٹھا لیا، مالک کی مرضی۔ سید صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، مقامی اصحاب کے علاوہ سات سو غازی شریک نماز ودعا تھے۔ پہر، ڈیڑھ پہر دن چڑھے دفن سے فارغ ہوئے۔

مولانا عبدالحی صاحب ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ کے پہلے عشرے میں ہندوستان سے پنجتار تشریف لائے تھے اور شعبان کی آٹھ تاریخ کو آٹھ مہینے زندہ رہ کر خہر میں انتقال فرمایا(۱)۔ سید صاحبؒ نے پھلت والوں کو جو مولانا کے عزیز واقرباء تھے بلا کر تسلی دی اور سب کو کھانا کھلایا اور اسی دن سے مولوی عبدالقیوم صاحب کا کھانا اپنے ساتھ مقرر کیا۔

مولوی احمد اللہ صاحب کی آمد

مولانا عبدالحی صاحب کے ایک دوسرے بھائی تھے دوسری ماں سے، جن کا نام

---

(۱) وقائع احمدی میں آپ کی وفات رجب کے اخیر عشرے میں بیان کی گئی ہے، لیکن سید احمد علی صاحب کے ایک مکتوب (بنام وزیر الدولہ) میں ہے کہ آپ نے ۸/ شعبان کو وفات پائی اور یہی صحیح ہے۔

مولوی احمد اللہ صاحب تھا، وہ ناگپور میں رہتے تھے اور بڑے عالم اور بڑے متقی تھے۔ دونوں بھائیوں میں کبھی ملاقات کی نوبت نہیں آئی تھی، صرف خط و کتابت تھی، دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا وہ جہاد کے ارادے سے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر وطن سے چلے اور مولانا عبدالحی صاحب کی وفات کے تیسرے یا چوتھے دن موضع درگئی میں داخل ہوئے اور لوگوں سے سنا کہ مولانا کا انتقال ہوگیا۔ دوسرے دن خیمہ میں آئے اور سید صاحبؒ سے ملے اور مصافحہ و معانقہ کیا، اپنا حال بیان کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مولانا کے انتقال پر بڑا افسوس و غم کیا کہ مجھ کو بھائی صاحب سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا، مگر مرضی الٰہی یوں ہی تھی "انا للہ وانا الیہ راجعون" آپ نے ان کو سمجھایا اور تسلی دی اور مولوی عبدالقیوم کو بلا کر ان سے ملایا اور فرمایا کہ یہ آپ کے بھائی صاحب کے بیٹے ہیں، انھوں نے بڑی محبت سے ان کو اپنے سینے سے لگایا اور پیار کیا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب ان کو اپنے ڈیرے پر لے گئے اور وہیں ان کو اور ان کے لوگوں کو اتارا۔ مولوی احمد اللہ صاحب برابر سید صاحبؒ کی رفاقت میں رہے یہاں تک کہ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

سید صاحبؒ کا تیسرا نکاح

شیدو کے واقعے میں یار محمد خاں کی طرف سے آپ کو جو زہر دیا گیا تھا، اس کی گرمی کا اثر آپ کی طبیعت میں ظاہر ہونے لگا تھا۔ اس کے دور ہونے کے لیے لشکر کے تجربہ کار لوگوں کی رائے ہوئی کہ آپ کہیں نکاح کر لیں (۱) آپ نے فرمایا "بات تو مناسب ہے، مگر والدہ سید محمد اسمٰعیل (زوجہ ثانیہ) نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں ان کے اوپر کوئی اور شادی نہیں کروں گا، اس لیے میں ان کی اجازت کے بغیر عقد نہیں کروں گا" لوگوں نے عرض کیا کہ اگر اتنی ہی بات ہے، تو کسی قاصد کو سندھ بھیج کر ان سے اجازت منگوالی جائے، چنانچہ والدہ صاحبہ سید محمد اسمٰعیل کو اس مضمون کا خط آپ کی طرف سے گیا کہ ان دنوں مجھ کو ایسا عارضہ لاحق ہے اور تجربہ

---

(۱) آپ کی دونوں زوجہ محترمہ سندھ میں تھیں، سرحد کے پرخطر اور غیر محفوظ راستوں سے گزر کر مستورات کا پہنچنا میں پہنچنا بہت مشکل اور تقریباً ناممکن تھا، اس لیے وہیں کہیں عقد کی تجویز ہوئی۔

کار شخصوں نے اس کے دفعیہ کے لیے نکاح تجویز کیا ہے لیکن یہ بات آپ کی اجازت پر موقوف ہے، اس لیے کہ آپ نے اپنے نکاح کے وقت یہ عہد لیا تھا کہ ہماری زندگی میں ہماری اجازت کے بغیر نکاح نہ کیجیے گا، اس لیے آپ سے پوچھنے کی ضرورت پیش آئی، آپ کے خلاف ہم نہیں کریں گے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا جواب آیا کہ آپ نے ہمارا عہد وفا کیا، ہمیں بخوشی منظور ہے، ہماری طرف سے اس کی پوری اجازت ہے۔ ایک تو آپ یہ کام بیماری کے عذر سے کرتے ہیں، دوسرے ابھی دو اور بیویاں کرنے کی اللہ کی طرف سے رخصت ہے اور لونڈیوں کے رکھنے کی بھی شریعت کی طرف سے اجازت ہے۔ البتہ ہماری خواہش ہے کہ آپ ایسی جگہ یہ رشتہ کریں کہ ہمارے آپس میں کوئی قصہ بکھیڑا نہ ہو۔ ہمارا آپ سے ملنا تو اللہ تعالیٰ کے ارادے ہی پر موقوف ہے۔

آپ نے خط پڑھ کر ان کی ہمت وقوت ایمانی کی بہت داد دی اور دعائیں دیں۔ پھر سب کی تجویز سے کاشکاری (چترالی) صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا، میاں جی چشتی نے خطبہ پڑھ کر ایجاب وقبول کرایا۔ بی بی صاحب کو قرآن مجید پڑھانے کے لیے مولوی سعادت علی کو مقرر کیا اور مسائل وضروریات دین کی تعلیم کے لیے مولانا عبدالحی صاحب کے شاگرد قاضی علاء الدین صاحب کو متعین فرمایا اور قاضی صاحب موصوف سے فرمایا کہ کوئی مختصر منظوم رسالہ سلیس اردو میں ان کے لیے بنا دیجیے، اس لیے کہ نظم جلد یاد ہو جاتی ہے، انھوں نے نماز روزے کے مسائل پر رسالہ نظم کرنا شروع کیا، جو جو مسائل وہ نظم کرتے تھے، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو سنا دیا کرتے تھے۔ مولوی صاحب بالاکوٹ میں شہید ہوئے اور وہ رسالہ ناتمام رہا۔

جنگی مشقیں

خہر کے قیام کے دوران میں ایک روز چند مجاہدین نے سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ ان دنوں ہم لوگ یہاں معطل بیٹھے ہیں، اگر اجازت ہو تو قواعد بھر ماری وغیرہ کی مشق کیا کریں اور لوگ رنجک بھی اڑایا کریں تا کہ بندوق لگانے میں آنکھ نہ جھپکے۔ آپ نے پسند فرمایا۔ چنانچہ میر عبدالرحمٰن، حافظ امام الدین رامپوری، اور ایک دوسرے رامپوری سید لوگوں سے توڑے دار

بندوقوں کی قواعد لینے لگے اور حاجی عبداللہ رامپوری، میر امام علی عظیم آبادی، شیخ خواہش علی غازی پوری، شیخ بلند بخت، شیخ نصر اللہ خورجوی اور اکبر خاں، چقماق اور قرابین کی قواعد کراتے تھے اور رات کو سید صاحبؒ سے حال بیان کرتے تھے اور آپ کبھی کبھی اصلاح فرمایا کرتے تھے، رنجک دن اور رات کو بھی اپنے اپنے ڈیروں پر اڑاتے تھے۔ یہ قواعد کم وبیش ڈھائی تین مہینے رہی، قواعد لینے والوں نے ایک روز آپ سے بہت تعریف کی اور کہا کہ الحمدللہ، اب ہمارے ساتھی بہت مشاق اور ہوشیار ہو گئے ہیں آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ کل صبح کو ہم بھی دیکھنے آئیں گے۔

آپ کے آنے کی خبر سن کر مجاہدین خاص طور پر آراستہ ہو کر آئے اور خوب چستی اور چالاکی کے ساتھ قواعد کرنے میں مشغول ہوئے۔ کچھ دن چڑھے جماعت کے پچاس، ساٹھ خاص آدمیوں کے ساتھ آپ وہاں تشریف لے گئے اور دیر تک قواعد کو ملاحظہ فرمایا اور کہا کہ بھائیو! اب دو، دو، چار، چار چوٹ بندوقیں بھر کر اسی پھرتی کے ساتھ لگاؤ، لوگوں نے بندوقیں بھی چلائیں اور قرابینیں بھی لگائیں۔ آپ بہت خوش ہوئے، پھر آپ نے جناب الٰہی میں سب کے واسطے دعا فرمائی اور فرمایا کہ بھائیو، قواعد پر اعتماد نہ کرنا، فتح وشکست اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ قواعد پر موقوف نہیں ہے، اگر تم صرف عنایت الٰہی پر اعتماد کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں قواعد والوں پر فتحیاب کرے گا۔ اب کل سے قواعد موقوف کرو۔ جس کا دل چاہے، تنہا تنہا بھر ماری کی مشق کر لیا کرے۔

سرحد کا ایک مخلص عالم

خہر میں ایک روز کانڑا، غُورَ بند کے باشندے مولوی سید محمد حبان صاحب جو اس نواح کے ایک بڑے ذکی الطبع اور خوش تقریر عالم تھے آئے اور عرض کیا کہ میں اپنے گھر سے بہت آسودہ حال ہوں، اللہ تعالیٰ نے روپیہ پیسہ بہت دیا ہے، میں آپ کی خدمت بابرکت میں صرف خدا کے لیے آیا ہوں۔ اگر آپ کی برکت کا اثر دل میں پاؤں نگا تو، بیعت کروں گا ۔آپ نے فرمایا: آپ پہلے بیعت کر لیجیے پھر انشاء اللہ برکت کا اثر بھی معلوم ہو جائے گا، انھوں نے بیعت کی اور آپ کے حکم سے نظام الدین اولیاء نے جو ایک ناخواندہ آدمی تھے، ان

کوتوجہ دی۔ مولوی سید محمد حبان صاحب نے توجہ کے بعد کہا کہ میاں نظام الدین ایک عامی آدمی ہیں اور مجھ کو لوگ عالم جانتے ہیں؛ سوان کی توجہ دینے سے مجھ کو وہ فائدہ ہوا کہ تمام عمر میں کبھی کسی سے نہ ہوا تھا، جیسے کسی اندھے کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، اس وقت ایسا ہی میرا حال ہوا۔ میں نے اپنے دل میں جانا کہ میں از سرنو آج مسلمان ہوا ہوں، اگلی تمام عمر میری یوں ہی برباد ہوئی۔ سید صاحبؒ نے فرمایا کہ مولوی صاحب اللہ کے فضل سے آپ ہمیشہ کے مسلمان ہیں۔ مگر اس کی حقیقت کا آپ کو آج احساس ہوا۔

مولوی حبان صاحب اس کے بعد برابر سید صاحبؒ کی خدمت میں رہے۔ آپ نے ان کو قاضی القضاۃ کا عہدہ بھی دیا۔ مردان کی جنگ میں شہید ہوئے۔

●●●

اُتمان زئی کی جنگ

درانیوں کے ستائے ہوئے سردار

ایک روز خہر میں موضع اتمان زئی کے عالم خاں اور جلالہ کے رسول خاں سید صاحبؒ کے پاس آئے اور اپنی جلا وطنی کا شکوہ کیا اور کہا کہ درانیوں نے ہمارے گھر کا تمام مال واسباب لوٹ لیا اور ہمیں ہماری بستی سے نکال دیا۔ آپ ہمارا کچھ انتظام فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ چند روز صبر کرو اور ٹھہرو، دیکھو، اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے۔ تمھاری طرح چند لوگ اور بھی ان کے ستائے ہوئے اور جلاوطن کیے ہوئے یہاں موجود ہیں، جیسے ارباب بہرام خاں اور ان کے بھائی ارباب جمعہ خاں وغیرہ۔ اس دشمنی اور ایذا رسانی کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ للہ فی اللہ ہماری رفاقت کرتے ہیں اور ہم سے راہ ورسم رکھتے ہیں، ان سے درانیوں کی قلبی عداوت ہے۔ وہ سکھوں کے خیر خواہ اور معاون ومددگار ہیں یہاں تک کہ ہمارے جو قاصد یا غازی اکا دکا ہندوستان سے آتے ہیں، ان کو بھی وہ طرح طرح کی ایذا دیتے ہیں اور انھوں نے وہاں کے سیٹھ ساہوکاروں کو روک دیا ہے کہ ان کی ہنڈیاں بھنے نہ پائیں۔ جب ہم لوگ پنجتار سے اس طرف کو آتے تھے، وہ ہمارے مقابلے کے لیے پانچ چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ شاہ کوٹ (۱) پر

---

(۱) غالباً ستّا کوٹ مراد ہے جیسا کہ گزر چکا۔

آ کر جمع ہوئے تھے، ہم نے مقابلہ کرنا مناسب نہیں سمجھا، طرح دے کر چلے آئے، اب دیکھو، اللہ کیا کرتا ہے۔

علماء سے استفتاء

یہ گفتگو سن کر وہ دونوں خان اس روز تو خاموش ہو گئے۔ کئی روز کے بعد ارباب بہرام خاں اور ارباب جمعہ خاں وغیرہ کو لے کر پھر آپ کے پاس آئے اور یہ خبر لائے کہ درانیوں کا لشکر دریائے کابل (لنڈے) اتر کر اتمان زئی میں آیا ہے۔ اب آپ اس کا ضرور انتظام کریں ایسا نہ ہو کہ وہ اس طرف کا رخ کریں۔ یہ سن کر آپ نے دوسرے یا تیسرے دن الا ڈنڈ کے عنایت اللہ خاں، خہر کے زید اللہ خاں، گھڑیالے کے محمود خاں، چار گلئی کے منصور خاں، نیز مولوی حبان، تورو کے مولوی عبدالرحمٰن، خہر کے ملا کلیم کو بلایا۔ ان کے علاوہ اور جو علماء نزدیک تھے، ان سب کو جمع کیا اور عالم خاں اور رسول خاں وغیرہ کی جلاوطنی کا حال سنایا اور شروع سے اس وقت تک درانیوں نے آپ کے ساتھ جو شرارتیں اور بغاوتیں کی تھیں، سب بیان کیں اور سب علماء سے اس امر میں فتویٰ طلب کیا کہ ان سے جہاد کرنا کیسا ہے، یہ لوگ باغی ہیں یا نہیں (۱)

علماء میں اس مسئلے میں مختلف تقریر رہی، آپ نے تورو کے مولوی عبدالرحمٰن اور مولوی حبان کو جو اسی ملک کے تھے، اپنی طرف سے مقرر فرمایا کہ آپ ان سے گفتگو کر کے اس کا تصفیہ کیجیے، آخر کچھ دیر قیل وقال کے بعد اس پر اتفاق ہوا کہ وہ باغی ہیں، ان سے لڑنا شرعاً درست ہے۔

---

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب محض دو آدمیوں کی مدد کے لیے (جن کو اپنے مخالفین کی عداوت وایذا رسانی سے ترک وطن کرنا پڑا تھا) لشکر اسلام کو حرکت دینے اور معرکہ جہاد گرم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، آپ کے سامنے یہ مقصد تھا کہ اتمان زئی کی طرف کوچ کر کے پشاور کی طرف پیش قدمی کی جائے، جو مخالفت وایذا رسانی اور صد عن سبیل اللہ کا مرکز بن گیا تھا، اسی کے لیے آپ کو ان درانیوں کی بابت علماء وخوانین کا نقطہ نظر معلوم کرنے اور ان سے جہاد کرنے پر اتفاق رائے حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی اور اسی منصوبے کے پیش نظر اس کی ضرورت تھی کہ خیبر کی طرف کے قبائل کو متحد کیا جائے تاکہ سرداران پشاور کو نہ ان سے کمک حاصل ہو سکے، نہ کابل کی طرف سے کوئی مدد آ سکے۔

ارباب بہرام خاں کی خیبر کی طرف روانگی

جب تمام علماء نے متفق ہو کر ان کی بغاوت کا فتویٰ دے دیا، تب آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے، آخر یہ تجویز ہوئی کہ پچاس ساٹھ آدمیوں کے ساتھ ارباب بہرام خاں اور ارباب جمعہ خاں خیبر کی طرف روانہ کیے جائیں کہ وہ وہاں سے اپنی قوم کو متفق کر کے پشاور لائیں اور ادھر سے آپ باقی لشکر لے کر اتمان زئی کی طرف کوچ فرمائیں اس لیے کہ ارباب بہرام خاں خیبر کی طرف اپنی قوم اور دوسرے قبائل کو ملالیں گے، تو اس طرف سے درانیوں کو مدد نہیں مل سکے گی۔

یہ تدبیر سب کو پسند آئی اور آپ نے ارباب بہرام خاں کو ساتھ بھیجنے کے لیے مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو جماعت کے ساتھ اور شیخ ولی محمد پھلتی کی جماعت کے چند لوگوں کے ساتھ شیخ علی محمد دیوبندی اور مولوی نصیرالدین منگلوری کو مقرر فرمایا اور پوری جماعت کا امیر سید احمد علی رائے بریلوی کو، جو آپ کے بھانجے تھے، بنایا اور ان کو رخصت کرتے وقت ننگے سر ہو کر دیر تک بڑے عجز وانکسار سے دعا کی اور روانہ فرمایا۔

موضع ٹوٹئی میں

جب یہ لوگ خیریت کے ساتھ خیبر میں داخل ہوئے اور ارباب بہرام خاں نے وہاں کے لوگوں کو متفق ہونے کی خبر بھیجی اور کہلایا کہ مہمند اور خلیل کے سرداروں اور خوانین کو بھی میں نے بلایا ہے، تو آپ نے یہ معلوم کر کے کوچ کی تیاری کی، معذورین کو بی بی صاحبہ کی حفاظت کے لیے خہر میں چھوڑا اور میاں جی غلام محمد سہارنپوری کو انتظام اور بندوبست کے لیے مقرر کیا، پھر الاڈنڈ کے عنایت اللہ خاں اور خہر کے زید اللہ خاں وغیرہ خوانین کو مع لشکر اتمان زئی کے عالم خاں تنگی کے محمود خاں، جلالہ کے رسول خاں کے ساتھ موضع ٹوٹئی کی طرف چلنے کی تیاری کی اور معمول کے مطابق دعا کر کے روانہ ہوئے۔ وہاں سے کوچ کر کے منزل بہ منزل موضع ٹوٹئی میں داخل ہوئے، وہاں ایک مہینے کے قریب قیام فرمایا: ملک سوات اور سمہ کے جو

خوانین اور سردار آپ سے موافقت رکھتے تھے، وہ اپنی جمعیت لے کر اور سوات کا سردار انبالی خاں بھی اپنے لوگوں کے ساتھ وہیں حاضر ہوا۔

مشورہ ہوا کہ اتمان زئی پر چھاپہ مارا جائے، آپ نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا اور فرمایا کہ ظہر کی نماز کے بعد میدان میں سب کمر باندھ کر ہتھیار لگا کر رخصت کے لیے حاضر ہوں، جب سب مجاہدین میدان میں جمع ہوگئے، آپ تشریف لائے، نماز عصر پڑھائی اور بڑی گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی اور مصافحہ کر کے سب کو رخصت کیا۔

مجاہدین کی آزمائش

مجاہدین نے مغرب کے قبل نالے پر پہنچ کر وضو کیا اور مشکیزوں اور لوٹوں میں پانی بھر لیا اور مغرب وعشاء پڑھ کر رہبر کی رہنمائی میں روانہ ہوئے، رہبر گھاٹی سے نکال کر آگے لے چلا، وہاں کوسوں میدان ہی میدان نظر آتا تھا، رات اندھیری تھی، رہبر سے راستہ چھوٹ گیا، تمام رات سراسیمہ وسرگرداں سب کو لیے اسی بیابان میں پھرا کیا یہاں تک کہ سورج نکلا اور دھوپ تیز ہونے لگی، جو پانی لوگوں نے نالے سے ساتھ لیا تھا ختم ہوگیا اور پیاس معلوم ہونے لگی، پانی کا وہاں کوسوں نام نہ تھا، لوگوں نے رہبر کو تنگ کرنا اور الزام دینا شروع کیا کہ تم نے ہم کو کہاں لا کر ڈالا، اس نے دیر تک سوچ کر ایک طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا کہ وہ جو ایک ٹیلا سا نظر آتا ہے، وہاں پانی ہے۔ وہ ٹیلا وہاں سے ڈیڑھ یا دو کوس تھا، آخر سب لوگ اس کے ساتھ چلے، وہاں جا کر دیکھا، تو پانی کا نام ونشان بھی نہ تھا، لوگ گھبرا کر اس سے کہنے لگے: ''تو کہاں ہم کو حیران و پریشان کرتا پھرتا ہے'' وہاں دو ڈھائی کوس پر ایک دوسرا ٹیلا نظر آیا اس نے کہا: بھائیو، گھبراؤ نہیں میرے ساتھ آؤ، وہاں پانی ملے گا، آخر سب اس ٹیلے کی طرف روانہ ہوئے۔ لوگ دھوپ کی تمازت اور پیاس کی شدت سے بیتاب تھے، بہ ہزار دقت گرتے پڑتے وہاں تک پہنچے، مگر وہاں بھی پانی کا پتہ نہ تھا، سوا پہر، ڈیڑھ پہر دن ہو چکا تھا، گرمی اور تشنگی سے ہر ایک کے بدن میں چنگاریاں سی لگ رہی تھیں، ہلاکت کا قوی اندیشہ تھا، ہر ایک شخص سمجھ رہا تھا کہ اسی میدان میں موت آنی ہے اور تڑپ تڑپ کر جان دینا ہے، مگر شکر الٰہی

کے سوا کوئی شکایت کا کلمہ زبان پر نہ آیا، اگر چہ ہر ایک اضطراب اور پیاس سے نیم جان ہو رہا تھا، مگر دوسرے کو تسلی دیتا تھا کہ مت گھبراؤ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا، خدا کی راہ میں مسلمانوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں، یہ پیاس کی تکلیف تو کچھ بھی نہیں ہے۔

آخر اس رہبر نے کہا: بھائیو! اب کچھ اندیشہ مت کرو، اب راستہ یہاں سے قریب ہے، ایک تیسرا ٹیلا وہاں سے کوئی سوا کوس تھا، ہاتھ کے اشارے سے اس نے بتایا کہ وہاں گوجروں کے جانوروں کی چراگاہ ہے، پانی بھی بہت ہے اور دودھ دہی سب موجود ہے، کسی طرح وہاں تک چلے چلو، مجھ کو سورج نکلتے ہی معلوم ہوا تھا کہ راستہ اتنی دور ہے، اگر میں پہلے سے پانچ چھ کوس بتا دیتا، تو تم سب کے سب گھبرا کر بے حواس ہو جاتے، راستہ طے کرنا پہاڑ ہو جاتا، الغرض سب کو امید ہوئی کہ ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں ضرور پانی ہوگا، اس لیے کہ وہاں سے اس ٹیلے کی طرف چار پانچ گوجروں کے جھونپڑے نظر آتے تھے، مگر پیاس سے سب کے سب جاں بلب تھے، رہبر نے کہا کہ میں آگے چل کر تمھارے واسطے پانی بھیجتا ہوں، تم بھی آہستہ آہستہ اسی طرف چلے آؤ، یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا اور جو قوی دل اور با حواس تھے وہ اس کے ساتھ ہو لیے، ایک سقہ بیل پر پکھال لیے ہوئے اور ایک سقہ مشک لیے ہوئے ان کے ساتھ ہوا، تقریباً پونے دو سو آدمی آگے گئے، باقی لوگوں کا یہ حال تھا کہ جا بجا مارے دھوپ کے چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں میں سر ڈالے ہوئے بے حواس پڑے تھے اور کچھ آہستہ چلے بھی جاتے تھے اس عرصے میں آگے جانے والوں نے ایک پکھال پانی بیل پر اور دو مشکیں گدھے پر لاد کر پچھلے لوگوں کے لیے بھیجیں۔ گوجر بھی مٹکوں میں چھاچھ، دودھ اور پانی لے کر دوڑے جو لوگ راستے میں تھے، وہ ایسے پیاسے تھے کہ سب پانی اور چاچھ وغیرہ پی گئے اور جو جھاڑیوں میں جا بجا پڑے تھے، ان تک پانی نہ پہنچا، جنھوں نے پیا تھا، وہ چراگاہ پہنچے اور پکھال مشکیں اور مٹکے وغیرہ پانی سے دوبارہ بھر کر لے دوڑے، چراگاہ سے جھاڑیوں تک آدمیوں کی ایک قطار سی بندھ گئی، سب سیراب ہوئے اور وہاں سے چراگاہ میں آئے، چراگاہ پہنچتے پہنچتے دو پہر ہو گئی تھی۔

سید صاحبؒ کی آمد اور مجاہدین کی تشفی

اسی روز سید صاحبؒ ڈھائی تین سو سواروں اور پیادوں کے ساتھ عصر و مغرب کے درمیان چراگاہ میں آئے۔تمام لوگ اس دن کی تکلیف سے بیتاب و پژمردہ پڑے ہوئے تھے،آپ کو دیکھ کر سب اپنی تکلیف بھول گئے اور خوشی سے تروتازہ ہوگئے،لوگوں نے آپ سے دن کا واقعہ بیان کیا،آپ نے ہر ایک کو تسلی دی،اور فرمایا کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی،اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے آزماتا ہے: بھوک سے،پیاس سے،خوف سے،نقصانِ مال و جان سے،جو صبر کرکے ان بلاؤں کو سہتا ہے اور دین کے راستے پر ثابت قدم رہتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بڑے بڑے درجے اور مرتبے عنایت فرماتا ہے۔اسی طرح آپ فرماتے رہے اور کہتے کہتے دفعۃً دریائے محبت الٰہی نے جوش مارا اور آپ برہنہ سر ہوکر دعا کرنے لگے،طرح طرح سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے تھے اور گوہر اشک سے دامن بھرتے تھے،اور اللہ تعالیٰ کی تعریف میں عجیب عجیب الفاظ آپ کی زبان سے نکلتے تھے۔اس وقت اس دعا کی تاثیر اور برکت سے ہر شخص کا عجب حال تھا،دن بھر کی تکلیف خواب و خیال ہوگئی تھی،سب میں نئی زندگی اور تازگی پیدا ہوگئی تھی۔ لوگوں نے دعا کے بعد عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو،تو نماز مغرب کے بعد ہم لوگ اتمان زئی کو روانہ ہوں،آپ نے فرمایا کہ اتنی عجلت کی ضرورت نہیں،تسلی اور دل جمعی سے کام خوب ہوتا ہے۔لوگ یہ سن کر خاموش ہوگئے۔

آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل،مولوی حبان،رسول خاں،عالم خاں،محمود خاں اور منصور خاں،زید اللہ خاں،عنایت اللہ خاں اور بنالی خاں وغیرہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ آج ہمارے مجاہدین کو راستے میں بڑی تکلیف ہوئی،اگرچہ اپنی ہمت و جرأت سے باتیں کرتے ہیں،مگر جان ہی جان باقی ہے،اب یہاں سے کوچ کی کیا تدبیر ہے؟

آخر مشورے میں یہ قرار پایا کہ اتمان زئی تو یہاں سے کڑی منزل ہے،راستے میں

پانی بھی نہیں ہے، وہاں تک تو پہنچنا دشوار ہے، یہاں سے ڈھائی یا تین کوس موضع جلالہ ہے، وہاں سے بھی موضع اتمان زئی اسی قدر ہے، آج رات تو سب اسی چراگاہ میں رہیں تا کہ ماندگی بھی رفع ہو اور نیند کا خمار بھی دور ہو، پھر کل یہاں سے چل کر جلالہ میں ڈیرہ ہو۔

کوچ کی تیاری

آپ کو یہ صلاح پسند آئی، رات کو اسی چراگاہ میں وہ لشکر رہا، وہاں کے گوجروں نے دودھ دہی کی خوب مہمانی کی، نماز فجر کے بعد کوچ ہوا۔ دن چڑھے موضع جلالہ میں داخل ہوئے وہاں پانچ دن قیام رہا، درانیوں کا حال معلوم کرنے کے لیے وہاں سے دو ملکی اتمان زئی کو روانہ کیے گئے۔ رسول خاں کے مشورے سے مٹی کی ایک ہزار بٹلیاں بنوائی گئیں، جن میں دو ڈھائی سیر پانی سما سکتا تھا۔ دونوں جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ درانیوں کا لشکر، پیادہ وسوار ملا کر چار ہزار کے قریب ہوگا، ان کے ساتھ دو توپیں بھی ہیں۔

یہ خبر سن کر آپ نے رسول خاں اور عالم خاں کو بلا کر فرمایا کہ چالیس پچاس گھڑے پانی آج کسی وقت جس راستے ہم جائیں گے، یہاں سے روانہ کر دو اور جب تک ہمارا لشکر وہاں داخل ہو رتب تک مزدوروں کو وہیں اپنے ساتھ رکھنا، اس روز نماز عشاء کے بعد کوئی پہر رات گئے، پندرہ بیس بندوقچیوں کے ساتھ رسول خاں اور عالم خاں پانی کے گھڑے مزدوروں کے سروں پر رکھ کر روانہ ہوئے، صبح کو آپ نے وہ بٹلیاں منگوائیں اور چاروں جماعت داروں کو بلا کر آپ نے حکم دیا کہ جو لوگ چالاک و چست اور صحیح تندرست ہوں کہ دس بارہ کوس جانے اور پلٹ آنے کی طاقت رکھتے ہوں، ان کو ایک ایک بٹلی دے کر کہہ دو کہ ہر کوئی دو دو وقت کی روٹیاں پکا کر باندھ لے، آج عصر سے پہلے کوچ ہے اور جو لوگ بیمار اور چلنے سے ناچار ہوں، ان کو یہیں رہنے دینا اور ہماری طرف سے ان کو تسلی و تشفی کر دینا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ پیچھے سے تم کو بھی بلوا لیں گے یا ہم بھی آ کر ملیں گے۔

لوگ سب سامان درست کر کے سو رہے کہ تمام رات چلنا ہوگا، جب ظہر کی اذان ہوئی، آپ نے اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھائی، نماز کے بعد آپ نے فرمایا کہ پہر دن رہے سب

بھائی کمر باندھ کرنالے پر جو یہاں سے پاؤ کوس ہے، جمع ہوں، عصر کی نماز وہیں پڑھیں گے،
لوگ تیار ہو کر گئے، سید صاحبؒ بھی دو سو پیادہ اور سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے میدان
میں نماز عصر پڑھائی اور بہت الحاح وزاری کے ساتھ دعا فرمائی اوران جاسوسوں کو، جو اتمان
زئی سے درانیوں کی خبر لائے تھے، آگے کیا اور وہاں سے کوچ فرمایا۔

قریب پہر رات گئے اس پانی پر، جو رکھا یا تھا، جا پہنچے اور وہیں نماز عشاء پڑھی
ہندوستانی اور ملکی ملا کر قریب ہزار آدمی کے ہوں گے، آپ نے ان دو جاسوسوں سے کہا کہ ایک
تم میں سے آگے جائے اور درانیوں کے لشکر کی خبر لائے کہ ان کے لشکر میں کس طرف لوگ
ہوشیار ہیں اور کس طرف غافل اور ایک ہمارے لشکر کے ساتھ رہے۔ پھر ان دونوں نے آپس
میں مشورہ کیا کہ میں تو لشکر کو لے کر اتمان زئی سے آدھ کوس جانب شمال فلاں جگہ ٹھہروں گا اور تم
خبر لے کر وہیں آنا، پھر ایک ادھر گیا اور دوسرا لشکر کے ساتھ رہا، جاتے جاتے اس جاسوس نے
پتے کی جگہ پر پہنچایا، اس عرصے میں دوسرا مخبر بھی آیا اور کہا کہ موضع اتمان زئی کو بائیں ہاتھ کی
طرف چھوڑ کر میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ، اس وقت کوئی پانچ چھ گھڑی رات رہی ہوگی۔

کامیاب شب خون

یہ سن کر آپ نے اپنے لشکر کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ ایک گروہ مولانا محمد اسمٰعیل
صاحب کے سپرد کیا اور فرمایا کہ آپ اس جاسوس کے ساتھ جا کر درانیوں کے لشکر پر شب خون
ماریں؛ اور ایک گروہ اپنے ہمراہ لے کر موضع اتمان زئی کی طرف روانہ ہوئے کہ اگر درانی
چھاپے سے بھاگیں گے تو بستی میں آکر گھسیں گے، یہاں ہم ان سے مقابلہ کریں گے، یہ آپ
نے ہمراہیوں سے فرمایا کہ جو کوئی تم سے مقابلہ کرے، اس کو مارنا اور جو تم سے امن مانگے، اس کو
امن دینا، اس کا پیچھا نہ کرنا، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھیوں سے بھی یہ فرمادیا تھا۔

جب مولانا اپنی جماعت لے کر درانیوں کے لشکر سے توپ کی زد پر گئے اور وہاں
کھڑے ہوئے، آپ نے سب لوگوں سے کہا کہ اب یہاں سے ہلہ کریں گے؛ جب تک

ہماری بندوق نہ چلے، کوئی دوسرا نہ چلائے'' پھر وہاں سے آگے بڑھے، درانیوں کا چور پہرا کھڑا تھا، اس نے آواز دی، کون ہے؟ اس طرح سے کوئی نہ بولا، دوسری بار پھر اس نے آواز دی، پھر ادھر سے کوئی نہ بولا تیسری آواز پھر اس نے دی، جب کوئی ادھر سے نہ بولا، تب اس نے بندوق ماری اور شور کر کے بھاگا کہ لشکر آپہنچا۔ ادھر سے سب نے بآواز بلند تکبیر کہتے ہوئے ہلہ کیا، ادھر سے گولنداز نے توپ سرکی، سب مجاہدین بیٹھ گئے، پھر اٹھ کر دوڑے یہاں تک کہ ان کے لشکر میں جا داخل ہوئے، پھر ادھر سے دوسری توپ چلی، ادھر سے مولانا نے بندوق سرکی، اس کے ساتھ ہی مجاہدین کی ایک باڑھ چلی اور سب نے جا کر ان کی دونوں توپیں لے لیں۔ ان کا ایک گولنداز مارا گیا، باقی لشکر اور گولہ انداز بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ کسی نے بندوق بھی نہ چلائی، ادھر فضل الٰہی سے نہ کوئی مارا گیا اور نہ زخمی ہوا۔

مجاہدین کی مورچہ بندی اور دن بھر کی جنگ

ادھر سے سید صاحبؒ بھی اپنا غول لے کر آپہنچے۔ آپس میں مبارک باد ہوئی اور سب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ سب طرح سے اللہ نے خیر کی، وہاں سے توپ کی زد پر ایک ٹیلا تھا۔ درانیوں کا لشکر اسکی آڑ پکڑ کر کھڑا ہوا۔ سید صاحبؒ نے فرمایا کہ دونوں توپیں جو بھری ہوئی تیار ہیں، اس ٹیلے کے سامنے لگا دو۔ آدھے لوگ ان کے مقابلے پر رہیں اور آدھے لوگ نماز فجر پڑھ لیں، اس کے بعد یہ مقابلے پر جائیں وہ نماز پڑھ لیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس عرصہ میں کچھ مجاہدین دائیں بائیں سے مورچہ بندی کے طور پر پہلے قافلے کے بیچ میں گئے تھے۔ ان کو دیکھ کر درانیوں کے سوار دو دو چار چار کر کے اس ٹیلے پر جمع ہوئے، مجاہدین نے سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ یہ سوار ٹیلے پر جمع ہیں، ایسا نہ ہو کہ ہم پر حملہ کریں۔ سید صاحبؒ نے آگے بڑھ کر مجاہدین کے چار مورچے چار جگہ قائم کیے، جانبین سے بندوقیں چلنے لگیں، پھر مجاہدین نے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو توپ چلائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تامل کرو تھوڑی دیر کے بعد آپ توپوں کے پاس آئے۔ اور ان کو کھچوا کر ایک ٹیلے پر لگا دیا اور سواروں کے غول پر شست باندھی۔

مرزا حسن بیگ بانس بریلوی سے، جو توپ چلانے میں بڑے استاد تھے، فرمایا کہ دیکھو تو، شست ان توپوں کی اس غول کی طرف کیسی ہے، مرزا صاحب نے دیکھ کر کہا کہ درست ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بتی دو، انھوں نے ایک توپ کو سر کیا، وہ گولہ ان سواروں کے سر پر ہو کر نکل گیا: اس میں وہ سوار پراگندہ ہو گئے۔ مرزا صاحب نے دوسری توپ سر کی، اس گولے میں ان میں سے دو سوار اڑ گئے اور باقی اوپر سے اتر کر اسی ٹیلے کی آڑ میں کھڑے ہو گئے اور پیادوں کی بندوقیں چلتی رہیں، جب مجاہدین ان کے کسی مورچے کا زیادہ زور دیکھتے، تو اس طرف ایک یا دو گولے مار دیتے، یا جب دس بیس سواروں کا مجمع ٹیلے پر ہوتا تب ایک یا دو گولے مار دیتے۔

اسی طرح صبح سے شام تک اس روز لڑائی رہی، مگر مجاہدین میں سے نہ کوئی زخمی ہوا اور نہ مقتول، ظہر اور عصر کی نماز فجر کی نماز کی طرح دو بار کر کے آدھے آدھے لوگوں نے پڑھی، جب مغرب کا وقت آیا، اس وقت درانیوں نے بہت زور دیا، شاید ان کو کسی طرف سے کچھ کمک آ گئی، اس لیے کہ ان میں دو شاہینیں ان کی طرف سے چلنے لگیں، جو پہلے نہ تھیں۔ گولیوں کا مینہ سا مجاہدین پر برستا تھا مگر سرد گولیاں آتی تھیں۔ مغرب کی نماز مجاہدین کو پڑھنی دشوار ہو گئی، پھر اسی تقسیم و انتظام سے نماز پڑھی شاہینوں کی گولیاں ایسی تیز آتی تھیں کہ مجاہدین میں سے کوئی سر نہیں اٹھا سکتا تھا، اس وقت لوگوں نے سید صاحبؒ سے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو ہم لوگ ان پر حملہ کریں، سامنے سے تو مورچے والے ماریں اور کچھ لوگ ان کے بائیں جانب سے جا کر ماریں۔ پھر جس کو اللہ فتح دے، وہ لے۔ آپ کو یہ مشورہ پسند آیا اور فرمایا کہ آفرین ہے تم کو! اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ جرأت و بہادری نصیب کرے، مگر ابھی توقف کرو۔ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و حکمت سے کیا راستہ نکالتا ہے، لیکن آگے بڑھ کر ان کے بائیں جانب مورچہ لگا کر بندوقیں مارو اور ہماری اجازت کے بغیر حملہ نہ کرنا۔ ہم سید ابو محمد صاحب کو بھیجیں گے، جیسا وہ کہیں ویسا عمل میں لانا۔

آپ کے فرمان کے موافق لوگوں نے آگے بڑھ کر وہیں درانیوں کے بائیں جانب مورچہ لگایا اور سو سوا سو مجاہدین کے ساتھ سید صاحبؒ توپوں کے پاس تشریف لائے اور مرزا

حسن بیگ سے فرمایا کہ درانیوں کی شاہینوں نے ہمارے غازیوں کو بہت تنگ کر رکھا ہے، کسی طرح ان کو بند کرو، انھوں نے عرض کی کہ بہت خوب، دیکھئے، ان شاء اللہ بند کرتا ہوں۔ سید صاحبؒ تو وہاں سے ایک درخت کے نیچے تشریف لے گئے اور مرزا صاحب نے ان کی شاہینوں کی طرف شست باندھی، جیسے ہی ایک شاہین کی رنجک اڑی ویسے ہی مرزا صاحب نے ایک توپ کو بتی دی، مگر وہ گولا خالی گیا۔ اس دوران میں انھوں نے توپ کے جواب میں دوسری سرکی، مرزا صاحب نے فوراً اس کی رنجک پر ایک توپ کی شست باندھی، اس عرصے میں دوسری شاہین بھی چلی، مرزا صاحب نے اس کی رنجک پر دوسری توپ کی شست باندھی اور دونوں توپوں کو آگے پیچھے بتی دی۔ واللہ اعلم اس طرف کیا حال گزرا کہ پھر ان شاہینوں میں سے ایک بھی نہ چلی، مگر بندوقیں بدستور دونوں طرف چلتی رہیں، کچھ کچھ دیر کے بعد مرزا صاحب دو ایک توپ بھی اپنے موقع پر چلاتے رہے۔

عالم خاں کی کمزوری اور معذرت

اس عرصے میں اتمان زئی کا عالم خاں، جس نے درانیوں پر حملے کی تحریک اور دعوت دی تھی، سید صاحبؒ کے پاس آیا اور رونے لگا اور اپنے سر کی پگڑی اتار کر آپ کے قدموں پر ڈال دی اور کہنے لگا کہ میرا بیٹا مجھ سے منحرف ہو کر اور میرے طرفداروں کو اپنے ساتھ لے کر درانیوں سے جا ملا۔ اب کوئی بات میرے قابو کی نہیں ہے؛ اس لیے کہ جن سے مجھ کو زور اور طاقت حاصل تھی، وہ سب اس کے ساتھ چلے گئے، اب آپ جیسا مناسب جانیں ویسا کریں۔

یہ خبر سید صاحبؒ کو اسی روز عصر سے پہلے پہنچ چکی تھی کہ عالم خاں کی نیت میں کچھ فتور آ گیا ہے مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ فی الحقیقت اس کا بیٹا اس سے منحرف ہو کر درانیوں سے جا ملا، یا اس میں اسی کی سازش ہے۔ سید صاحبؒ نے عالم خاں سے کہا کہ خان بھائی، تم اپنے گھر جا کر تسلی سے بیٹھو، ہم کو تمھارے بیٹے اور کسی دوسرے کی پروا نہیں کہ کوئی ہماری مدد کرے، ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

خیبریوں کا اختلاف اور درانیوں سے اتحاد

عالم خاں اپنے مکان کو چلا گیا، اس عرصے میں مولوی نصیرالدین منگلوری ایک آدمی کے ساتھ عشاء کے قریب آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ارباب بہرام خاں وغیرہ کی کوششوں سے خیبریوں میں جو اتحاد ہوا تھا، وہ ٹوٹ گیا، وہ سب کے سب پھوٹ کر درانیوں کی طرف ہو گئے۔ یہ خبر سن کر آپ نے فرمایا کہ کیا اندیشہ ہے ہمارا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، ہم نے تو انھیں لوگوں کی خوشامد اور چاپلوسی کے سبب وہاں خیبر کو بھی لوگ روانہ کیے تھے اور یہاں بھی اپنے لشکر کو لے کر آئے تھے، مگر یہ لوگ کوئی بھی اپنے عہد و پیمان کے پورے نہیں ہیں، اب یہ جانیں ہم سے کچھ کام نہیں۔

مراجعت کی تجویز

آپ نے نماز عشاء کے بعد سب جماعت داروں اور بہیلہ داروں کو اپنے پاس بلا کر مشورہ کیا کہ عالم خاں کی تقریر آپ سب سن چکے، خیبریوں کا حال بھی مولوی نصیرالدین صاحب کی زبانی معلوم ہو گیا کہ ارباب بہرام خاں نے جن لوگوں کو متفق کیا تھا، ان میں اختلاف پڑ گیا، سب کے سب پھوٹ کر درانیوں کی طرف ہو گئے، اس لیے اب یہاں سے چلنے کی تدبیر کرنی چاہیے، مگر اس طرح کہ ہر مورچے میں دو یا تین آدمی تو رہنے دینے چاہییں کہ وہ بندوق چلاتے رہیں، باقی سب کو بستی اتمان زئی سے کوئی پاؤ کوس پر جو درخت ہے، وہاں جمع کیجیے، ان سے یہ کہیے کہ یہ صلاح ٹھہری ہے کہ درانیوں کی پشت پر چل کر شب خون مارا جائے۔

پھر آپ نے بستی سے عالم خاں کو بھی وہیں بلوایا اور فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ سردار سید محمد خاں کا بھائی دوآبے سے ان درانیوں کی مدد کو لشکر لا رہا ہے، اس لیے تم تسلی سے اپنے مکان میں جا کر بیٹھو، ہم اس وقت جا کر ان پر شبخون ماریں گے، یہ سن کر عالم خاں بہت گھبرایا، وہاں سے جلد اپنے مکان پر آیا اور اپنا ایک آدمی درانیوں کی طرف روانہ کیا کہ ہوشیار ہو جاؤ، سید بادشاہ کا چھاپہ تمھارے کمک والوں کے لشکر پر آتا ہے، اور عجب نہیں کہ تم پر بھی

آ پڑے۔ سید صاحبؒ بھی اسی وقت سو سوا سو مجاہدین کے ساتھ اس درخت کی طرف تشریف لے گئے، اور جماعت دار بہیلے دار سب مورچوں کو روانہ ہوئے اور آپ کے ارشاد کے موافق ہر مورچے میں دو یا تین غازی رہنے دیے اور باقی سب کو وہاں سے لا کر اسی درخت کے پاس سید صاحبؒ کی خدمت میں جمع کیا۔ آپ نے سب کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھ جلالہ کی طرف رخصت کیا اور کوئی پچاس آدمی اپنے پاس رکھ لیے، پھر سید ابو محمد صاحب کو مورچوں میں بھیجا کہ جو لوگ وہاں ہیں ان کو بھی اپنے ساتھ لے آؤ۔ ابو محمد صاحب سب کو آپ کے پاس لے آئے، ان کو آپ اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ صرف ایک ہندو راجہ رام سلون ضلع رائے بریلی کے پاس کا رہنے والا اور مولوی احمد اللہ صاحب کا ساتھی توپوں پر رہ گیا، اس کو آپ کے کوچ کی خبر نہ ہوئی، وہ خود ہی دونوں توپوں کو بھرتا تھا اور آپ ہی چلاتا تھا۔ مجاہدین راستے میں اس کی توپوں کی آواز سنتے چلے جاتے تھے بستی والے بھی اس سے مزاحم نہیں ہوتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ سید بادشاہ کے ساتھی درانیوں پر چھاپہ مارنے گئے ہیں، وہاں سے وہ لوگ پھر یہاں آئیں گے۔

جوں ہی مجاہدین کے مورچوں سے بندوقیں چلنی موقوف ہوئیں، مقابل کا لشکر بھاگا، کیونکہ عالم خاں سے شبخون کی خبر ان کو مل چکی تھی۔

جلالہ سے دوسرے دن ظہر کے وقت جب مجاہدین نماز سے فارغ ہوئے، یکبارگی غل ہوا کہ نالے کی طرف کچھ سوار اور پیادے نظر آتے ہیں، سب کو احتمال ہوا کہ درانی آ پہنچے۔ سید صاحبؒ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جلد کمر باندھ کر ہتھیار لگا کر تیار ہو جاؤ۔ اور رسول خاں جلالہ والے سے کہا کہ چند آدمی اپنے ساتھ لے کر جاؤ اور خبر لاؤ کہ کون لوگ آتے ہیں۔ کچھ دیر میں لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اپنے ہی لشکر کے آدمی ہیں، جو پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ ۲۵، ۳۰ آدمی تھے، جن میں شیخ امجد علی غازی پوری سوار، اور راجہ رام راجپوت پیادوں میں تھا۔ آپ نے راجہ رام کو شاباش دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت نصیب کرے! تم نے خوب ہی بہادری کا کام کیا، شیخ امجد علی کو دیکھ کر تبسم کیا اور فرمایا ہمارے شیخ بھائی گویا زندہ شہید ہیں۔ جس نے شہید

نہ دیکھا ہو، وہ ان کو دیکھے کہ ایسی خطرناک جگہ سے زندہ سلامت بچ آئے۔

اسی روز کئی ملکیوں کی زبانی جو اتمان زئی سے آئے تھے معلوم ہوا کہ سید صاحبؒ تو لشکر کے ساتھ رات کو کوچ کر کے جلالہ کی طرف روانہ ہوئے مگر درانی خوف کے مارے پہر دن چڑھے تک توپوں کے پاس نہ آئے کہ ایسا نہ ہو بستی میں غازیوں کا لشکر چھپا ہو، جب ان کو اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں، تب وہ آ کر توپیں لے گئے۔

خہر کو واپسی

جلالہ سے آپ مع لشکر خہر واپس آئے۔ وہیں سید احمد علی، مولوی مظہر علی عظیم آبادی، حسن خاں، شیخ علی محمد دیوبندی، ارباب جمعہ خاں وغیرہ بھی خیبر سے واپس آ گئے اور وہاں کے لوگوں کی بدعہدی کا حال بیان کیا۔

دس پندرہ دن کے بعد آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب اور شیخ ولی محمد سے فرمایا کہ ٹوٹئی میں جو روپے، ہم اتمان زئی کے کوچ سے پہلے دفن کر آئے تھے، لے آئے جائیں، چنانچہ وہ واپس لائے گئے۔

بخارا کی طرف سفارت جہاد

لشکر کے چند اہل الرائے اور اہل علم حضرات نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر مناسب سمجھیں، تو ایک جماعت، دعوت جہاد کے لیے بخارا روانہ فرمائیں آپ کو یہ مشورہ پسند آیا، مولانا اسمٰعیل صاحب نے میاں جی چشتی صاحب کو اس مہم کے لیے تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بالکل توارد ہوا، چنانچہ میاں چشتی کو نو آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا اور ایک قرآن مجید کا نہایت خوشخط و مطلا نسخہ، جو آپ کو نواب امیر خاں نے ہدیہ کیا تھا، شاہ بخارا کے لیے دیا اور دعوت و جہاد کا ایک عام اعلام نامہ بھی سپرد کیا۔

تنخواہ دار سپاہی اور ان کی برطرفی

ایک مرتبہ خہر میں لشکر کے چند لوگوں نے سید احمد علی صاحب کے توسط سے آپ کی

خدمت میں عرض کیا کہ مولوی سید محبوب علی صاحب کے چلے جانے اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگوں کے واپس ہو جانے، نیز ان کے اثر سے ہندوستان کے قافلوں کی آمد بند ہو جانے کی وجہ سے آدمیوں کی کچھ کمی ہوگئی ہے۔ اگر اس وقت دو ڈھائی سو پردیسی آدمی چار چار روپے کی شرح پر ملازم رکھ لیے جائیں، تو بہتر ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام آپ بناتا ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، چاہے تو قلیل جماعت کو کثیر جماعت پر غالب کر دے؛ اور چاہے اس کے برعکس کرے، اس کو سب قدرت ہے، وہ اپنا کام بغیر کسی کی اعانت و شرکت کے بناتا ہے، مگر خیر اگر آپ کی رائے میں یہی ہے، تو دو سو آدمی نوکر رکھ لیں۔

دونوں صاحبوں نے لوگوں سے کہا کہ حضرت کی مرضی تو نہ تھی، مگر تم لوگوں کی خاطر سے آپ نے دو سو آدمیوں کی اجازت دی ہے، ان سب نے اخوند ظہور اللہ کو تجویز کیا، آپ نے ان کو رخصت دی، وہ اپنے وطن کو گئے اور کوئی ڈیڑھ یا پونے دو مہینے کے بعد ان کی عرضی آئی کہ میں نے آپ کی اجازت کے موافق دو سو پنجابی مسلمان چار چار روپے کی شرح کے نوکر رکھے ہیں۔ وہ ان کو کاٹ لنگ میں لے کر آئے۔

کچھ عرصے کے بعد ان کی تنخواہیں چڑھ گئیں اور انھوں نے اخوند ظہور اللہ کو پریشان کرنا شروع کیا اسی عرصے میں ہندوستان سے کچھ رقمیں آئیں، لشکر کے بعض مخلص خیر خواہوں اور مخلصین نے آپ سے عرض کیا کہ یہ جو اتنے لوگ آپ نے نوکر رکھے ہیں، یہ کس ملک کی آمدنی پر رکھے ہیں۔ دو ڈھائی ہزار روپے ان کی تنخواہ کے چڑھ گئے ہیں اور ابھی تک ایک پیسے کا کام ان سے نہیں نکلا، مناسب یہ ہے کہ ان کا چڑھا ہوا ان کو دے کر جلد ان کو برطرف کر دیا جائے۔ آپ بارہا ارشاد فرما چکے ہیں کہ میرا جو کام کسی صاحب کے نزدیک نامناسب ہو، وہ بے تکلیف مجھے اطلاع کرے۔ میں یا تو جواب دے کر اس کو تسلی کر دوں گا یا میں اس کام کو چھوڑ دوں گا۔ اس امر میں جو کوئی جان بوجھ کر سکوت کرے گا میں قیامت کے دن اس کا دامنگیر ہوں گا۔ اس لیے ہم لوگ اس سلسلے میں اپنی رائے بے تکلف عرض کر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ تم نے بہت خوب کیا، ہمارے چند غازیوں نے آکر مجھ سے کہا کہ ان دنوں مولوی محبوب علی صاحب کے جانے سے بہت سے آدمی ہندوستان چلے گئے، اگر کچھ لوگ رکھ لیجیے تو لشکر میں آدمیوں کا اضافہ ہو جائے گا۔ ان کے کہنے سے میں نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا، تم نے بہتر صلاح دی ہے۔ اب تم جا کر اس کا مشورہ کرو اور جو کچھ مشورے میں قرار پائے، اس کی اطلاع کرو۔

مولانا اسمٰعیل اور دوسرے اہل الرائے حضرات کے مشورے سے یہ طے پایا کہ ان کا حساب صاف کر دیا جائے۔ آپ کو اس مشورے کی اطلاع ہوئی اور آپ نے اس کی منظوری دی۔ چنانچہ ان کا حساب بیباق کر دیا گیا۔

ترغیب وفضائل کی قوت

جب حساب ہو چکا، آپ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ ان سب صاحبوں کو ہمارے پاس لاؤ۔ جب وہ سب آئے، تو آپ نے پوچھا کہ تم سب اپنا جو کچھ حق تھا، پا چکے؟ سب نے عرض کی کہ پا چکے۔ پھر آپ نے ان کے سامنے جہاد فی سبیل اللہ کے فضائل بیان کیے اور مجاہدین مخلصین اور شہداء کے مراتب کا ذکر کیا اور فرمایا کہ جو کوئی نوکر ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کرتا ہے اور کفار کے ہاتھوں مارا جاتا ہے، کم درجے کا وہ بھی شہید ہوتا ہے، بہ نسبت اور موتوں کے اس کی موت بہتر ہوتی ہے، مگر جو لوگ خالصاً لوجہ اللہ جہاد کرتے ہیں اور کفار کے مقابلے میں مارے جاتے ہیں، ان کے درجہ شہادت کو کوئی نہیں پہنچتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ غازی جو خدا کے واسطے ہمارے ساتھ ہیں، یہ سب اپنے گھر کے کھاتے پیتے خوش حال تھے، کوئی تو ان میں بیش قرار نوکری چھوڑ کر آیا ہے، کوئی اپنی جاگیر زراعت اور کوئی پیشہ اور تجارت چھوڑ کر آیا اور یہاں یہ سب ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے لیے رہتے ہیں، فقر و فاقہ سہتے ہیں، خوش و خرم راضی برضا صابر بقضا ہیں، اگر اسی طرح تم صاحب بھی رہو، جو کچھ ہمارے یہ بھائی کھائیں پہنیں، وہ تم کھاؤ پہنو، اس امر میں ہم حاضر ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو کسی اور طور کی فراغت دے گا، تب ہم تم کو اس کے سوا اور بھی دیں گے

اور وہ تم کو تمھاری نوکری سے زیادہ پڑے گا، مگر اس کا ہم ابھی سے اقرار نہیں کرتے ہیں کہ کل کو کوئی ہم سے مطالبہ کرے۔

یہ سن کر پنجاب کے ایک احمد بیگ (۱) مرزا بولے کہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے حاضر ہوں، آپ کے ساتھ رہوں گا۔ یہ بات سن کر ان میں کے تیس چالیس آدمی اور بھی بولے کہ ہم بھی خدا کے واسطے آپ کا ساتھ دینے کے لیے حاضر ہیں۔ پھر جب آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا، وہ سب دوسو آدمی آپ کے ہمرکاب پنجتار تک آئے، پھر وہ تیس چالیس آدمی تو رہے اور باقی رفتہ رفتہ چند روز میں اپنے اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔

●●●

(۱) مرزا احمد بیگ پنجابی بڑے مخلص مجاہد اور وفادار رفیق ثابت ہوئے اور بالاکوٹ کے معرکے تک شریک رہے۔

بیعت امامت کی تجدید اور نظام شرعی کا قیام اور اسکے اثرات

احکام شریعت کا نفاذ واجرا

''سوات (۱) میں یہ خیال اور پختہ ہوا کہ باقاعدہ شرعی جہاد جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید ہوتی ہے اور اس کی طرف سے فتح و نصرت کا وعدہ ہے، اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ان اطراف کے مسلمانوں کو احکام شرع کے قبول کرنے اور رسوم افغانی کے ترک کرنے اور امام کی اطاعت کی ایسی دعوت دی جائے کہ بدعات و منکرات اور امام کی مخالفت و سرتابی کا سد باب ہو جائے اور اللہ و رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت پورے طور پر ہونے لگے۔ اسی صورت میں جہاد کا پورا نظام قائم ہو سکے گا۔

اس بنا پر خہر میں وضاحت اور قوت کے ساتھ اس کی دعوت دی گئی اور سادات، علماء وخوانین و عوام میں سے ہزاروں آدمیوں نے فرداً فرداً بیعت کی اور احکام شرعیہ کے اجراء کا اقرار کیا، لیکن چونکہ ہر ہر شخص نے انفرادی طور پر اقرار کیا تھا اور مسلمانوں کی کسی جماعت نے اجتماعی طور پر اس کا عہد نہیں کیا تھا، اس لیے بہت بعید معلوم ہوتا تھا کہ ان متفرق اشخاص سے اس عظیم الشان مقصد کی تکمیل ہو سکے گی، اس لیے آپ یہاں سے کسی دوسرے مناسب مقام کو

(۱) اس باب کا سارا مضمون ایک قلمی تحریر سے ماخوذ ہے جو قلمی مکتوبات کے مجموعے میں شامل ہے، اس کا عنوان ہے: ''ذکر سرگزشت حضرت امام ہمام دریں ایام بر ایں خط است'' ص ۹۵

منتقل ہونے کا قصد رکھتے تھے۔

سردار فتح خاں اور اشرف خاں کی دعوت

اسی اثناء میں سردار فتح خاں اور سردار اشرف خاں کی طرف سے اس مضمون کا عریضہ پہنچا کہ اگر جناب والا غریب خانے پر رونق افروز ہوں تو ہم ضرور احکام شریعت کی بے کم وکاست تعمیل کی ذمے داری قبول کرنے کے لیے تیار ہیں اور اپنی رعیت پر بھی ان کو جاری کریں گے۔ اس معاملے میں جان ودل سے کوشش کریں گے۔

ڈاگئی میں علماء کا ایک اجتماع اور بیعت امامت

چونکہ ان کے اس مضمون کے عریضے متواتر و مسلسل پہنچے، اس لیے سید صاحبؒ نے خہر سے کوچ فرمایا اور پنجتار کا رخ کیا (۱) راستے میں ضلع سمہ صدہ میں جو مندن قوم کے علماء داعیان کے دو مرکزوں میں سے ایک مرکز ہے اور موضع ڈاگئی میں جو اس علاقے کا صدر مقام ہے، ڈیرہ کیا، آپ کی ملاقات کے لیے علماء میں سے ایک بڑی جماعت، جو دو سو افراد سے کم نہ ہوگی، آئی، ان سب علماء کا اس موضع میں قیام ہوا اور آپ نے امام کے تعین و وجوب اور اس کی اطاعت کا مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا۔ کچھ قیل وقال اور سوال و جواب کے بعد اس مسئلے کی تنقیح ہوئی۔ مولانا نیاز محمد، جو سر گروہ علماء تھے اور دوسرے علماء نے صاف صاف اعتراف کیا کہ ہم نے امام کے تقرر کے بارے میں واقعی بڑے تساہل سے کام لیا اور ہم خطاوار ہیں۔ انھوں نے اس موقع پر قوم کے سر برآوردہ اشخاص اور سرداروں کو بھی نصیحت آمیز ملامت کی کہ انھوں نے مسائل میں عموماً اور جہاد اور امام کے تقرر کے بارے میں خصوصاً مجرمانہ غفلت اور سہل انگاری سے کام لیا ہے۔ اکثر اہل مجلس ان کی اس مؤثر اور پرخلوص گفتگو سے متاثر ہوئے اور مولانا نے اور تمام حاضرین مجلس نے سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت امامت کی۔

---

(۱) سید صاحبؒ خہر میں جمادی الآخرہ ۱۲۴۳ھ سے جمادی الآخرہ ۱۲۴۴ھ تک کچھ کم یا زیادہ ایک سال رہے رمضان بھی وہیں ہوا اور عیدین اور محرم بھی وہیں ہوا۔ (وقائع احمد)

پنجتار میں آمد اور فتح خاں سے گفتگو

اس کے بعد موضع پنجتار میں تشریف لائے اور بار بار جلوت وخلوت میں مختلف طریقوں سے آپ نے فتح خاں کو سمجھایا کہ صلح وجنگ میں ہماری تمھاری شرکت اور تمھارے وطن کی سکون کی شرط یہی ہے کہ ریاست وسیاست کی تمام رسوم اور باقی تمام خلاف شرع رسم و آئین، جو محض حصول مال وجاہ کی غرض سے چلی آرہی ہیں، یک قلم ترک ہو جائیں اور تم اپنے کو معمولی آدمی کی طرح ہمارے نظام کے تابع کردو، احکام شرع کے اجراء میں اپنے احباب و اعزاء کی پاسداری کا خیال بالکل چھوڑ دو اور مال ودولت کے حصول کے تمام خلاف شرع راستوں اور ذرائع سے دست بردار ہو جاؤ اور معاش اور گزران کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کفالت پر توکل کرو۔

چند دن گزرے تھے کہ علاقہ اتمان نامہ کا سفر پیش آگیا، جو قوم مندن کے سر برآوردہ لوگوں کا دوسرا مرکز ہے۔ جب آپ موضع باجا میں جو اتمان نامہ کا صدر مقام ہے پہنچے، اس نواح کے علماء آپ کی ملاقات کے لیے جمع ہوئے اور وہی واقعہ پیش آیا، جو ضلع سمہ صدہ کے موضع ڈاگئی میں پیش آیا تھا، وہاں سے پنجتار کو واپسی پر آپ نے فتح خاں کے سامنے پھر وہی مضمون پیش کیا۔ آخر کار خان ممدوح نے اقرار کیا کہ کچھ دنوں کے بعد آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کروں گا۔

علماء اور روساء کا اجتماع عظیم

انھیں دنوں میں آپ نے کسی تقریب سے سمہ صدہ اور اتمان نامہ کے علماء کو پنجتار میں مدعو کیا۔ چنانچہ اساتذہ وعلماء میں سے ایک بڑی جماعت، جو دو ہزار آدمیوں سے کم نہ ہوگی اور ایک جم غفیر ان کے تلامذہ کا، کہ وہ بھی دو ہزار ہوں گے، پنجتار میں جمع ہوا۔ آپ نے انھیں دنوں میں اشرف خاں اور خادی خاں کو بھی آنے کی دعوت دی اور علماء وخوانین کے لیے بہت بڑی ضیافت کا اہتمام فرمایا۔ جمعے کے دن یکم شعبان ۱۲۴۴ھ کو علماء وروساء کے اس مجمع میں فتح

خاں کو پھر وہی مضمون سمجھایا اور فرمایا کہ اگر ہمارے اس مطالبے کو قبول کرتے ہو تو اسی مجمع میں قبول کرو، ورنہ ہمارے اتحاد سے دست بردار ہو جاؤ۔

فتح خاں کا اقرار

فتح خاں نے بڑے غور فکر کے بعد کہا کہ اگر چہ اس کا اقرار و معاہدہ بڑا دشوار کام ہے کہ جاہ و دولت سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا، معاش کے دروازے بھی بند کرنے ہوں گے، اور مروجہ رسوم کو جو سیکڑوں برس سے جاری ہیں، ترک کرکے پٹھانوں سے لڑائی مول لینی پڑے گی، لیکن محض للہ فی اللہ، اللہ کی رضا کے لیے اور اللہ کی کفالت پر بھروسہ کرتے ہوئے میں نے اس ذمہ داری کو جان و دل سے قبول کیا اور تمام احکام عبادات و معاملات میں خدا اور رسولؐ اور صاحب امر کا اتباع اختیار کیا، بدیر نفع کو فوری ضرر پر آخرت کی صلاح کو معاش کی بربادی پر ترجیح دی، ان شاءاللہ تعالیٰ نماز جمعہ کے بعد مجمع عام میں بیعت امام کی تجدید کروں گا اور اس مضمون کا تحریری عہد نامہ بھی پیش کروں گا اور دوسرے خوانین کو بھی اسی بات کی ترغیب دوں گا۔

اسی روز آپ نے علماء کو بھی حکم دیا کہ جو بیعت امامت وہ پہلے کر چکے ہیں، اس مجمع میں اس کی پھر تجدید کریں، چنانچہ انھوں نے بھی عہد نامہ تحریر کیا اور اس پر مشاہیر علماء کی مہریں ثبت کرکے اس کو تیار کیا کہ نماز جمعہ کے بعد تجدید بیعت بھی کریں گے اور عہد نامہ بھی پیش کریں گے۔

اسی اثناء میں آپ نے ایک استفتاء بھی تحریر کروایا، جس میں مخالف امام اور باغی کے احکام دریافت کیے تھے اور فرمایا کہ تجدید بیعت اور عہد نامے کے بعد یہ استفتاء علماء کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے اور اس کا جواب مشاہیر علماء کی مہروں کے ساتھ طلب کرنا چاہیے۔

بیعت امامت کی تجدید

نماز جمعہ کے بعد تمام علماء و رؤساء نے بیعت امامت کی تجدید کی، علماء نے اپنا عہد نامہ، جو عربی زبان میں تھا اور جس پر ان کی مہریں بھی لگی ہوئی تھیں، پیش کیا اور خوانین نے

عہد نامہ، جو فارسی زبان میں تھا، اپنی مہروں کے ساتھ خدمت میں گزارا۔ اس کے بعد علماء نے استفتاء کا مفصل و مدلل جواب لکھا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سید صاحب کی امامت از روئے قوانین شرعیہ وتعامل ثابت و برحق ہے، آپ کی اطاعت فرض اور اس سے خارج باتفاق کتاب وسنت واجماع ونصوص فقہ باغی، اس کا قتل واجب، اس کا خون حلال اور وہ ناری ہے، اس پر نماز جنازہ بھی نہیں پڑھنی چاہیے، مع حوالہ جات آیات واحادیث وکتب فقہ، اس پر پچیس مشاہیر واکابر علماء نے اپنی مہریں اور دستخط کیے۔ (۱)

تیسرے جمعے، ۱۵ / شعبان ۱۲۴۴ھ کو فتح خاں نے اپنی رعیت کے سر برآوردہ لوگوں کو جمع کیا اور ان سے بھی سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت امامت کرنے، احکام شرعیہ کا اجراء اور رسوم جاہلیت کے ترک کا مطالبہ کیا، ان مخلصین نے بھی نماز جمعہ کے بعد بیعت امامت کی اور دونوں باتوں کا اقرار کیا۔

قضاۃ کا تقرر اور اقامت شریعت

اسی مجمع میں ایک دیندار اور بڑے عالم مولانا سید محمد میر کو اضلاع پنجتار کا منصب قضا سپرد ہوا، دستار قضا ان کے سر پر باندھی گئی اور فرمان قضاء عطا ہوا۔ (۲) اور اس کے بعد احکام شرع جاری ہو گئے، پنجتار کے اضلاع میں مقدمات و تنازعات کا شرع شریف کے مطابق فیصلہ ہونے لگا۔

ایک دوسرے بزرگ ملا قطب الدین ننگر ہاری کو جو بڑے دیندار ومتقی تھے، بے نمازیوں پر احتساب کی خدمت سپرد کی گئی اور تیس قندھاری تفنگچی ان کی ماتحتی میں دیے گئے۔

نظام شرعی کے برکات

اس نظام شرعی کے برکات جلد ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ شریعت کے احکام جاری ہو گئے، مقدمات شریعت کے مطابق فیصل ہونے لگے اور شریعت کے سامنے لوگوں کے

(۱) ان عہد ناموں، افتاء اور دوسری دستاویزوں کی نقل مجموعہ خطوط قلمی میں موجود ہے۔
(۲) سند قضاء مندرجہ خطوط قلمی مورخہ ۱۵ / شعبان ۱۲۴۴ھ

سر جھک گئے۔

افغانیوں کی بھی عرب جاہلیت کی سی عادت تھی کہ اگر کوئی شخص حقوق اللہ یا حقوق العباد کا گناہ کرتا، تو دوسرے کسی گاؤں میں چلا جاتا اور اس کے رؤساء کی حمایت حاصل کر لیتا، وہ جان و مال سے اس کی پوری جانبداری و حمایت کرتے، اس طرح کسی جرم کا استیصال اور مجرم کی گوشمالی نہ ہو سکتی، لیکن اس نظام کے بعد کوئی کسی کی بیجا حمایت و پاسداری نہیں کر سکتا تھا۔ عبرتناک سزائیں دیں جاتیں، علانیہ تعزیر جاری کی جاتی اور کوئی مداخلت نہ کرتا۔

مانیرئی کا واقعہ

ایک واقعہ ایسا بھی ہوا جس سے معلوم ہوا کہ یہ نظام کامیاب ہے اور بڑی بڑی حکومتوں سے زیادہ اس میں قدرت و طاقت ہے۔

ہنڈ کے علاقے میں، جو خادی خاں کے زیر حکومت تھا، مانیرئی ایک گاؤں تھا جس کے باشندے نہایت سرکش و شورہ پشت تھے۔ دو ہزار تفنگچی دیہات میں رہتے تھے اور چھ ہزار اس کے گرد کے گاؤں میں تھے۔ نوے برس ہوئے جب ان لوگوں نے ایک مرتبہ اتفاق کر کے اپنے گاؤں کے رؤساء و زمینداروں کی زمینوں اور املاک پر زبردستی قبضہ کر لیا اور ان کو بے دخل کر دیا، ان مظلوموں نے بھاگ کر دوسرے مقامات پر، جو اشرف خاں کے قبضے میں تھے، پناہ لی اور مدد چاہی وہاں کے لوگوں نے ان کی امداد کی اور اس گاؤں پر حملہ کیا، سخت جنگ ہوئی اور بڑا کشت و خون ہوا، اس وقت سے دونوں قوموں اور دونوں مقامات کے باشندوں میں عداوت مستحکم اور موروثی ہو گئی اور ہمیشہ جنگ ہوتی رہی یہاں تک کہ ایک صدی گزر گئی اور فریقین کے تین چار ہزار آدمی قتل ہوئے، جب اس نظام کی شہرت و کامیابی ہوئی، تو یہ مظلوم سید صاحبؒ کے پاس حاضر ہوئے اور فریاد کی، سید صاحبؒ نے خادی خاں، فتح خاں، اشرف خاں اور دوسرے معززین اور قرب و جوار کے خوانین کو جمع کیا اور معاملے کی تحقیق کی، تفتیش کے بعد انھیں مظلوموں کا حق ثابت ہوا، وہاں کے قوانین عرفیہ میں سے یہ بھی تھا کہ اگر کسی

جائداد منقولہ یا غیر منقولہ پر قبضہ مخالفانہ ہو جائے اور اس پر کشت وخون بھی ہو، تو وہ قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا، چونکہ اس جائداد پر ہزاروں آدمیوں کا کشت وخون ہو چکا تھا اور بڑی طویل مدت گزر گئی تھی، اس لیے اصل مالکوں کا حق منقطع سمجھ لیا گیا تھا۔ آپ نے اصل حقداروں کو حکم دیا کہ اپنی زمینوں پر قابض ہو جائیں اور اپنے باپ دادا کے گھروں میں آباد ہوں، اول مانیرئی والوں میں مزاحمت کی اور خادی خاں نے ان کی حمایت کی۔ سید صاحبؒ، فتح خاں و اشرف خاں اور ان کے لشکروں اور اپنے لشکر و علماء وطلبہ کی معیت میں ان کی تادیب کے لیے چلے، علماء نے ان کے مستحق الدم ہونے کا فتوی دیا، وہ مرعوب ہو کر خود حاضر ہوئے اور مدعیوں کو لے جا کر ان کی زمینوں اور مکانات پر قبضہ دلایا اور خود ان کی رعایا بن گئے۔ اس طرح سے اللہ کے فضل سے وہ قضیہ جو سو برس سے طے نہیں ہوا تھا اور جس پر ہزاروں آدمیوں کی جانیں گئیں چٹکیوں میں فیصل ہو گیا۔ سارے دیکھنے والوں اور سننے والوں کو سخت حیرت تھی کہ آج تک اس ملک میں ایسا نہیں ہوا۔

احتساب کا ایسا اثر ہوا کہ کوسوں تک ڈھونڈے سے کوئی بے نمازی نہیں ملتا تھا۔ لوگوں پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اگر کوئی ہندوستانی یا قندھاری کسی دیہات میں پہنچتا، تو شور مچ جاتا اور وہاں کے رؤساء وحکام باہر نکل آتے، اور عرض کرتے کہ یہاں کوئی بے نمازی نہیں ہے۔(۱)

●●●

(۱) مجموعہ خطوط قلمی

دسواں باب

پنجتار کا نظارہ

ممتاز مجاہدین کے ڈیرے

پنجتار کی چھوٹی سی پہاڑی (۱) مجاہدین کی ایک بارونق چھاؤنی اور زندہ مسلمان نوآبادی تھی، جس کا کونہ کونہ مجاہدوں اور عابدوں سے آباد اور ذکر و عبادت، جہاد اور مجاہدے اور محبت و اخوت سے گلزار تھا۔

شہر پناہ کے مشرق اور شمال کے کونے پر جو برج تھا، اس میں سید صاحبؒ نے مع اپنی جماعت خاص کے قیام فرمایا۔ دوسرا برج جو شمال اور مغرب کے کونے پر تھا اس میں آپ کا باورچی خانہ اور غلے کی تقسیم کا کوٹھا تھا، اس حجرے کے جنوب کی طرف مسجد کے دو حجرے تھے، ان میں سے جو ایک مشرق کی طرف تھا، اس میں منشی خانہ مقرر ہوا۔ قاضی احمد اللہ صاحب میرٹھی میر منشی تھے۔ نماز جمعہ اور نماز عیدین بھی وہی پڑھاتے تھے اور کبھی کبھی نماز پنجگانہ بھی پڑھاتے تھے۔ دوسرے حجرے میں، جو مغرب کی طرف تھا، مورانواں کے پیر خاں اپنی جماعت کے ساتھ مقیم تھے۔ مسجد کے جنوب میں جو برج تھا، اس میں مولوی سید مظہر علی عظیم آبادی اپنی جماعت کے ساتھ فروکش تھے۔ جنوب و مشرق کے کونے کے برج میں مولانا محمد

---

(۱) یہ پہاڑی اب بالکل کھنڈر اور پتھروں کا ایک ڈھیر ہے، جہاں اب فتح خاں مرحوم کے خاندان کے چند مکانات کے سوا کوئی آبادی نہیں۔

اسمٰعیل صاحب اپنی جماعت کے ساتھ مقیم تھے۔ فصیل کے مشرقی دروازے کے متصل مسجد اور ایک حجرہ تھا۔ اس میں مولانا عبدالحیؒ کے علاتی بھائی مولوی احمد اللہ ناگپوری اپنے چند آدمیوں کے ساتھ مقیم تھے۔

سید صاحبؒ کے برج کے متصل جانب مغرب مولوی وارث علی بنگالی اپنے رفقاء کے ساتھ، اور ان کے متصل، جانب مغرب مولوی امام الدین بنگالی اپنے ساتھیوں کے ساتھ، ان سے مغرب میں متصلاً سید صاحبؒ کے اعزہ، سید احمد علی، سید ابو محمد، دادا سید ابوالحسن اور سید موسیٰ فرزند سید احمد علی اپنے رفیقوں کے ساتھ حجروں میں مقیم تھے۔ اس حجرے کے جانب جنوب جو مکان تھا، اس میں امان اللہ خاں لکھنوی، جو سید صاحبؒ کے شتر خانے کے منتظم تھے، مقیم تھے۔ ان کے مشرق اور جنوب کے کونے میں پانی پت کے حافظ جانی اور حافظ مانی اپنے رفیقوں کے ساتھ، اور ان کے جانب مشرق قاضی حمایت اللہ اور قاضی برہان الدین اور شیخ عبدالوہاب مقیم تھے۔

سید صاحبؒ والے برج میں آپ کے اہل خانہ کا قیام تھا۔ اس برج کے آگے ایک وسیع میدان تھا، جس میں چھپر کے اندر آپ کا پلنگ بچھا تھا، اس چھپر میں شیخ عبدالحلیم پھلتی اور سید اسمٰعیل رائے بریلوی اپنے رفیقوں کے ساتھ مقیم تھے، یہ فصیل کے اندر کی آبادی تھی۔

فصیل کے باہر فصیل سے متصل سید صاحبؒ کے برج کے قریب ابراہیم خاں خیرآبادی اور ان کے بھائی امام خاں اپنے بہیلے کے ساتھ مقیم تھے۔ ان کے ڈیرے کے متصل جانب جنوب شیخ حسن علی اپنے بہیلے کے ساتھ، ان کے متصل صوفی نور محمد صاحب بنگالی اپنے بہیلے کے ساتھ، صوفی صاحب کے متصل مولوی خیر الدین صاحب شیرکوٹی، ان کے متصل شیخ صلاح الدین صاحب پھلتی، جو مولانا عبدالحی صاحب کے برادر نسبتی تھے، اپنے رفیقوں کے ساتھ مقیم تھے۔

پنجتار سے متصل کے دیہاتوں میں مجاہدین کا قیام تھا۔ موضع قاسم خیل میں جو پنجتار کے قریب شمالی جانب میں ہے۔ حاجی زین العابدین خاں رامپوری اپنے رفقاء کے ساتھ اور

پنجتار کے جانب مغرب تھوڑے فاصلے پر شیشم کے چند درخت اور ایک نالہ تھا، وہاں نماز جمعہ بھی ہوتی تھی۔ان درختوں کے سایے میں مرزا احمد بیگ پنجابی اپنی چھاؤنی ڈالے ہوئے تھے،، مرزا صاحب سے ایک بندوق کی زد پر جنوب کی طرف موضع غورغشتی ہے۔وہاں حاجی حمزہ علی خاں لوہاروی اپنے رفیقوں کے ساتھ اور ان کے جنوبی جانب اسی بستی میں مولوی نصیر الدین بنگلوری اپنے بہیلے کے ساتھ مقیم تھے۔مولوی نصیر الدین صاحب سے جانب جنوب ایک تیر کی زد پر موضع سنگ بٹی میں قندھاری قافلہ مقیم تھا، جن میں چار سردار بڑے نامی تھے: ایک لال محمد، دوسرے ملا قطب الدین، تیسرے ملا نور محمد، چوتھے ملا عظمت۔ان قندھاریوں کے جنوب کی طرف ایک تیر کی زد پر موضع غلی کلے میں متفرق ولایتی وغیرہ مقیم تھے۔پنجتار کے مغرب اور جنوب کے کونے پر ایک تیر کی زد پر شہتوت کا باغ تھا، اس میں ارباب بہرام خاں، ان کے بھائی ارباب جمعہ خاں اور ان کے بھتیجے محمد خاں اپنے رفیقوں کے ساتھ مقیم تھے۔باقی ہندوستانی متفرق پانچ پانچ، دس دس کر کے پنجتار کے اندر اور باہر، جہاں کہیں جگہ ملی، چھپر ڈال کر پڑے ہوئے تھے۔

غلے کی تقسیم میں میر امانت علی کی امانت

میر امانت علی پیران ساڈھورہ ضلع پٹیالہ کے رہنے والے خاندانی پیر زادے اور بڑے محتاط اور متقی تھے۔ان کے مزاج میں یہاں تک احتیاط تھی کہ غلے کی تقسیم کرتے ہوئے اگر کوئی بہیلے داران سے کہتا کہ آج میرے بہیلے میں ایک یا دو مہمان آئے ہیں، ان کا بھی غلہ دو، تو وہ غلہ بانٹنا موقوف کر کے وہاں سے سید صاحبؒ کے پاس جاتے اور آپ سے اجازت لاتے، باوجود کہ آپ کی طرف سے ان کو اجازت تھی، آپ نے فرمادیا تھا کہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے، اس کی خیر خواہی اور حفاظت جیسی مجھ پر ہے، ویسی ہی تم پر ہے، جس کو مستحق جانو، مجھ سے بے پوچھے دیا کرو، مگر وہ اپنی احتیاط نہیں چھوڑتے تھے۔لوگ تو غلہ لینے کو اپنے اپنے تھیلے لیے ہوئے بیٹھے ہوتے اور دو دو بار، تین تین بار اجازت لینے جاتے۔لوگوں کا حرج ہوتا اور وہ تنگ ہوتے۔آخر کئی بار سید صاحبؒ سے اس کی شکایت کی گئی، آپ نے فرمایا کہ اس کام کے

لیے کسی اور کو تجویز کر کے مجھے بتلاؤ۔

مولوی عبدالوہاب کا تقرر

لوگوں نے مولوی عبدالوہاب صاحب اور بعض اور آدمیوں کو تجویز کیا آپ نے مولوی عبدالوہاب کو پسند کیا اور ان کو بلوایا، مولوی صاحب بہت دنوں سے بیمار اور دائم المرض سے تھے، نہایت لاغر ہو رہے تھے، چہرہ زرد تھا، اس بیماری کی حالت میں قرآن مجید بھی حفظ کرتے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ ہم نے آج سے تم کو میر امانت علی صاحب کے عہدے پر قائم کیا، تم ہی لوگوں کو غلہ اور آٹا تقسیم کیا کرو۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں، مگر کئی عارضوں میں گرفتار ہوں اور اسی حال میں تھوڑا تھوڑا قرآن مجید بھی حفظ کرتا ہوں اور یہ محنت کا کام ہے اس کے واسطے طاقت اور تندرستی چاہیے۔

آپ نے یہ سن کر سکوت کیا، پھر فرمایا: ”مولوی صاحب تم بسم اللہ کر کے مسلمان بھائیوں کی خدمت کے لیے کمر باندھو، ہم تمھارے واسطے دعا کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ تمھارے سب عارضے جاتے رہیں گے اور طاقت و توانائی بھی آجائے گی اور اسی خدمت عظمیٰ کے انجام دینے کے دوران میں تم کو قرآن شریف بھی حفظ ہو جائے گا۔“

یہ بشارت سن کر وہ خوش ہوئے اور اسی روز غلہ بانٹنے لگے۔ تمام لوگ ان سے راضی تھے اور سید صاحبؒ سے ان کی خوبیاں بیان کرتے تھے، چند روز میں اسی خدمت کے اندر اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام امراض دور کر دیے اور وہ بالکل صحیح سالم اور طاقتور ہو گئے، اسی خدمت کے اندر قرآن مجید ان کو حفظ ہو گیا۔ ایک روز سید صاحبؒ نے خوش ہو کر فرمایا کہ مولوی صاحب! اب تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تم کو خوب تندرست و توانا کر دیا اور قرآن مجید بھی تم کو یاد ہو گیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے میری دونوں مرادیں پوری کر دیں، اب میرے واسطے آپ دعا کریں کہ میرا قرآن شریف پختہ ہو جائے، میری یہ آرزو ہے کہ ایک بار تراویح میں قرآن مجید اول سے آخر تک آپ کو سنا دوں۔ آپ نے فرمایا: بہت خوب، ہم دعا کریں گے، اب ان شاء اللہ تعالیٰ قرآن شریف تم

نہ بھولو گے، تم جو خالصاً للہ مسلمان بھائیوں کی خدمت کرتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تم کو گویا مزدوری میں یہ عنایت کیا ہے۔

مولوی عبدالوہاب صاحب کا ہر روز یہ معمول تھا کہ قرآن شریف پڑھتے جاتے تھے اور غلہ یا آٹا لوگوں کو تقسیم کرتے جاتے تھے، بعض اوقات بیس بیس پچیس پچیس آدمیوں کا آٹا غلہ ایک ایک کو دیتے اور زبان سے نہ گنتے مگر کبھی کسی کے آٹے غلے میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ آتی۔

ایثار و بے نفسی

ایک روز آٹا تقسیم کر رہے تھے، میر امام علی عظیم آبادی آٹا لینے کو آئے، وہ نو وارد تھے اور بڑے قوی اور جسیم تھے، آٹا وار سے تقسیم ہوتا تھا، جو پہلے آتا وہ پہلے پاتا؛ جو پیچھے آتا وہ پیچھے پاتا، وہ پہلے مانگنے لگے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تمھارا ابھی وار آتا ہے، ٹھہر جاؤ۔ وہ جلدی کرنے لگے، انھوں نے نہ مانا، آخر میر امام علی نے مولوی صاحب کو دھکا دیا اور وہ گر پڑے۔ وہاں قندھاری بھی آٹا لینے کو بیٹھے تھے، ان کو برا معلوم ہوا اور سب مل کر میر امام علی کو مارنے پر تیار ہوئے۔ مولوی صاحب نے قندھاریوں کو روکا اور کہا: ''وہ ہمارا بھائی ہے، دھکا دیا، تو ہم کو دیا؛ تم سے کیا مطلب؟'' وہ سب نادم ہو کر چپ ہو رہے۔ مولوی صاحب نے ان کو آٹا دیا، وہ اپنے ڈیرے کو گئے، لوگوں نے سید صاحبؒ سے جا کر یہ قصہ بیان کیا۔ جب اس دن مولوی صاحب رات کو حضرت کے پاس گئے، آپ نے پوچھا کہ مولوی صاحب! آج میر امام علی نے تم سے کیا قصہ کیا۔ انھوں نے کہا: ''میرے نزدیک انھوں نے کچھ نہیں کیا، وہ تو بڑے نیک بخت آدمی ہیں، وہ آٹا لینے کو آئے اور مجھ سے مانگا۔ ان کا وار نہ تھا، انھوں نے جلدی کی، اس میں ان کا دھکا میرے لگ گیا، بس اتنی بات تھی، سید صاحبؒ یہ بات سن کر خاموش ہو رہے، کسی نے یہ بات میر امام علی کو پہنچائی کہ مولوی عبدالوہاب نے تمھارے متعلق سید صاحبؒ سے ایسی گفتگو کی، وہ اپنی حرکت پر بہت نادم ہوئے اور اسی وقت سید صاحبؒ کے سامنے آکر مولوی عبدالوہاب سے اپنی خطا معاف کرائی اور مصافحہ کیا۔

کئی سال کے بعد موضع راج دواری میں مولوی عبدالوہاب صاحب نے سید صاحبؒ کو تراویح میں قرآن شریف سنایا اوراس کے بعد ہی ذی قعدہ میں بالاکوٹ کی جنگ میں شہید ہوئے۔

سرداروں کے درمیان مصالحت

خمر سے واپسی کے چھ سات مہینے پیشتر سے فتح خاں اوران کے چھوٹے بھائی ناصر خاں سے بگاڑ ہوگیا تھا، گردوپیش کے دیہاتوں کے جتنے رئیس اورسردار فتح خاں کے طرفدار ومددگار تھے، ان سب کو ناصر خاں نے توڑ کر اپنی طرف کرلیا تھااور فتح خاں کو یہاں تک تنگ کیا کہ یہ مجال نہ تھی کہ وہ پنجتار کے باہر قدم رکھیں، سید صاحبؒ نے ان سرداروں کو ایک ایک، دودو کرکے بلاکر وعظ ونصیحت فرمائی اورسب کو فتح خاں سے ملادیا اور پھر آپ نے دونوں بھائیوں کو ملایا اور فتح خاں سے ناصر خاں کی خطا معاف کرائی اورفرمایا کہ اب آپس میں اتفاق کرکے کفار کے مقابلے کے لیے کمر باندھوں اوران سے جنگ کرو۔

●●●

خادی خاں کی مخالفت وساز باز

وینٹورہ کی آمد و پسپائی اور قلعہ اٹک کی مہم

خادی خاں کا اختلاف وانحراف

خادی خاں والیٔ ہنڈ، جو اس علاقے کا ایک باا ثر اور صاحب رسوخ سردار تھا، اپنی افتادِ طبع کی بنا پر روز بروز زیادہ کبیدہ خاطر اور آزردہ ہوتا جارہا تھا، فتح خاں کا علاقہ پنجتار مجاہدین کا مستقر بن گیا تھا اور روز بروز مجاہدین کی طاقت اور ان کے میزبان اور حلیف ہونے کی وجہ سے فتح خاں پنجتاری کی اہمیت بڑھتی جارہی تھی، اس سے خادی خاں کی عظمت وانفرادیت اور اس کی خودداری اور جاہ پسندی کو ٹھیس لگتی تھی، نیز جس قدر شریعت کا دائرہ عمل وسیع ہوتا جاتا تھا اور احکام شریعت کا نفاذ ہوتا تھا، خادی خاں کو جو اپنی سرداری کے آئین اور افغانی رسوم کا سختی سے پابند اور حامی تھا، بُعد ہوتا چلا جارہا تھا۔ مانیرئی کے واقعے سے (جس میں اس کے علی الرغم اور سرحد کے عرفی قوانین کے برخلاف ایک صدی کی غصب شدہ جائدادیں اصل مالکوں کو دلائی گئی تھیں) اس کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا تھا، آخر یہ رنجش مخالفت اور ضرر رسانی تک پہنچ گئی۔ ہندوستان اور پنجاب کے جو غازی متفرق طور پر پنجتار کے مرکز کی طرف آتے اور

اس کے علاقے سے گزرتے، ان کو لوٹ لیا جاتا تھا۔ ایک بار ایک مہاجر ہندوستان سے سید صاحبؒ کے پاس آرہا تھا، وہ بے خبری سے ہنڈ کے گھاٹ پر آیا اور کشتی پر سوار ہو کر اترا، وہاں کے لوگوں نے اس کا حال اور ارادہ دریافت کیا، جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ ہندوستان سے آیا ہے اور سید صاحبؒ کے لشکر کو جائے گا، تو وہ اس کو پکڑ کے خادی خاں کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ ہندوستانی سید بادشاہ کے پاس جاتا ہے، سید صاحبؒ کا نام سن کر خادی خاں نے اس کا سب اسباب چھنوالیا اور اپنے لوگوں سے کہا کہ اس کو دریائے سندھ میں دو چار غوطے دے کر یہاں سے نکال دو، سردی کا موسم تھا اور دریا کا پانی نہایت سرد تھا، وہ غریب لٹا پٹا پنجتار آیا اور اپنا سب حال بیان کیا، سید صاحبؒ کو ان سب واقعات کا علم ہوتا رہتا تھا اور آپ کو خادی خاں کے انحراف اور اس کی ایذا رسانی کا بہت قلق تھا۔

اشرف خاں سے جنگ اور ہزیمت

سید صاحبؒ کے مخلصین میں اشرف خاں زیدے والے بھی تھے، فتح خاں پنجتاری کے بعد سرحد کے مخلص خوانین میں انھیں کا نمبر تھا، خادی خاں اگر چہ ان کا داماد تھا اور اشرف خاں کا بیٹا مقرب خاں خادی خاں کا بہنوئی، لیکن خادی خاں کو اشرف خاں سے سخت مخالفت تھی، زیدے کی جوزمین ہنڈ سے **متصل تھی** خادی خاں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ سید صاحبؒ سے موضع سوائی اور مانیری کے لوگوں نے **بھی** خادی خاں کے ظلم و تعدی کی شکایتیں کی تھیں، ایک روز اشرف خاں نے اپنا آدمی بھیج کر سید صاحبؒ کو اطلاع کی کہ خادی خاں زیدے پر حملہ کرنے کے لیے لشکر جمع کر رہا ہے، آپ نے خان موصوف کو اطمینان دلایا اور اگلے دن مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو مجاہدین کی ایک جمعیت کے ساتھ زیدے کی طرف روانہ کیا اور اشرف خاں اور خادی خاں کے درمیان صلح کرا دینے کی تاکید کی اور ہدایت کی کہ حتی الامکان جنگ و جدل کی نوبت نہ آنے پائے، مولانا دو سو یا پونے دو سو مجاہدین کے ساتھ تشریف لے گئے، موضع مانیری پہنچے، تو شاہ منصور کی طرف سے بندوقوں کی آوازیں سنیں، سب کو گمان ہوا کہ شاید دونوں جانب سے لڑائی شروع ہو گئی، لیکن شاہ منصور پہنچتے پہنچتے بندوقوں کی آوازیں

موقوف ہوگئیں اور دیکھا کہ اشرف خاں اپنے لوگوں کے ساتھ زیدے کی طرف چلے آرہے ہیں۔ مولانا نے پوچھا کہ یہ لڑائی کیوں کر چٹ پٹ ہوگئی، ہم کو تو حضرت نے تمھارے اور خادی خاں کے درمیان صلح کرانے کے لیے بھیجا تھا، اشرف خاں نے بتادیا کہ ہم اپنی گڑھی میں بے فکر بیٹھے تھے کہ خادی خاں میدان میں سورج نکلتے ہی آ پہنچا، جب ہم نے اس کے لشکر کے نشان دیکھے تو جو لوگ موجود تھے، ان کو لے کر گڑھی کے باہر نکلے، دونوں طرف سے بندوقیں چلیں، کوئی چار پانچ گھڑی لڑائی رہی، اللہ نے ہم کو فتح دی۔

اشرف خاں کی اچانک موت اور فتح خاں کی جانشینی

یہ گفتگو کر کے اشرف خاں اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور مولانا کو ہمراہ لے کر زیدے کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت اشرف خاں بڑے مسرور اور ہشاش بشاش تھے، وہ اپنے گھوڑے کو پھیرتے اور کداتے چلے جارہے تھے، جب شاہ منصور کے قریب پہنچے، تو ایک بارگی ان کا گھوڑا جھجکا اور دونوں پیروں پر کھڑا ہوگیا اور الٹا گر پڑا، اشرف خاں گھوڑے کے نیچے تھے، گھوڑے کی زین کا ہرنا ان کے سینے میں گڑ گیا، تمام لوگ گھوڑے کے گرد جمع ہوگئے، اشرف خاں کو اٹھایا کچھ رمق باقی تھی مگر ہوش نہ تھا، تھوڑی دیر میں فوت ہوگئے، سب کو ایسے نیک بخت، سخی، خوش اخلاق اور محسن خلائق کے مرنے کا بہت غم تھا، دفن کے وقت خادی خاں بھی آیا اور نماز و دفن میں شریک ہوا اور مولانا سے خان مرحوم کے فضائل اور اوصاف حمیدہ مغموم ہوکر بیان کرتا رہا۔

اشرف خاں مرحوم کے سوم کو قرب و جوار کے رئیس و سردار ماتم پرسی اور فاتحہ خوانی کے لیے آئے، خادی خاں بھی آیا، خان مرحوم کے تین فرزند تھے: بڑا مقرب خاں جو کچھ فاتر العقل سا تھا، خادی خاں کا بہنوئی بھی تھا۔ اس سے چھوٹا فتح خاں تھا، وہ بڑا لائق، ہوشمند اور بامروت تھا۔ اس سے چھوٹا ارسلاں خاں تھا، وہ بھی ہوشیار اور بامروت تھا، خان مرحوم نے اپنی حیات میں فتح خاں کو اپنا ولی عہد کیا تھا، اسی خیال سے فتح خاں پنجتاری اور خوانین وملک وغیرہ جو وہاں حاضر تھے سب نے فتح خاں کے سر پر سرداری کی پگڑی باندھی اور اس کو

اپنے باپ کا جانشین کیا، خادی خاں اس بات پر رنجیدہ اور ناخوش ہوا اور مقرب خاں کو اپنے ہمراہ لے کر ہنڈ کو چلا گیا، اس واقعہ سے بھی خادی خاں کی مخالفت اور ناراضگی میں اضافہ ہوا۔

وینٹورہ کی آمد

رنجیت سنگھ کی فوج کا برسوں سے یہ دستور تھا کہ ہر سال دسہرے کے بعد ایک بار علاقہ چھچھ (۱) میں آتی تھی اور اس کا بڑا افسر سمہ کے رؤسا اور خوانین سے نعل بندی کے طور پر رنجیت سنگھ کے لیے گھوڑے، باز اور شکاری کتے لے جاتا تھا، فتح خاں پنجتاری یہ نعل بندی کبھی نہیں دیتا تھا، دوسرے خوانین اس خوف سے دیتے تھے کہ سکھوں کی فوج دریا کو پار کر کے ہمارے ملک میں نہ آجائے اور رعایا کو ایذا نہ پہنچائے، جب سید صاحبؒ جہاد کے لیے اس ملک میں اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لائے اور تمام رؤسا و خوانین و سادات و علماء نے آپ کو اپنا امام اور پیر و مرشد بنایا، اس وقت سے نہ کسی نے ان سے نعل بندی طلب کی، نہ انھوں نے دی، بنیر اور سوات سے واپس آکر آپ نے ان خوانین اور رؤسا کو، جو سکھوں کو نعل بندی دیا کرتے تھے، بلا کر جمع کیا اور فرمایا کہ اب تک تم لوگ کفار کی اطاعت کرتے رہے اور ان کو نعل بندی دیتے رہے، اب تم کسی بات کا اندیشہ نہ کرو، اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد کر کے وہی نعل، جو تم سے ہو سکے، جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کیا کرو، یہ تمھارے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بہتر ہے، سب نے اس کو قبول کیا اور دعائے خیر کر کے اپنی اپنی بستیوں کو رخصت ہوئے۔

خادی خاں کی ساز باز

ایک مدت کے بعد اپنے موسم میں وینٹورہ نامی (۲) فرانسیسی آفیسر فوج لے کر چھچھ

---

(۱) دریائے اٹک کے مشرقی کنارے کا علاقہ جو سابقہ پنجاب کی سرحد ہے اور ضلع کیمبل پور میں واقع ہے۔

(۲) سرلیپل گریفن اپنی کتاب ''رنجیت سنگھ'' کے صفحات ۹۷ تا ۹۹ میں لکھتا ہے:

''پردیسیوں میں سے جو مہاراجہ کی ملازمت کے سلسلے میں داخل ہوئے جنرل وینٹورہ سب سے زیادہ باوقعت تھا، وہ اطالیہ کا معزز و معروف شخص تھا، اس نے اسپین و اٹلی کی افواج میں نپولین کی ماتحتی میں خدمات انجام دی تھیں اور صلح کے بعد جب اس نے دیکھا کہ وہاں اس قسم کے کاموں کی قدر نہیں رہی، تو وہ قسمت آزمائی کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا، دنیا کے جس قطعہ ملک میں اسے موقع ملا، وہاں جا پہنچا، اسی طرز و حیثیت کا ایک دوسرا شخص...... (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں آیا اور معمول کے موافق سمہ کے رئیسوں سے نعل بندی طلب کی، خادی خاں کے سوا کسی رئیس نے نہیں دی، خادی خاں نے ایک گھوڑا، ایک باز، ایک شکاری کتا دستور کے موافق بھیجا اور لکھا کہ اگر آپ اپنی فوج لے کر اس پار آجائیں، تو جن جن رئیسوں کو نعل بندی دینے سے انکار ہے ان سے دلوانے کا میں ذمہ دار ہوں۔ وینٹورہ نے اس کے جواب میں خادی خاں کو لکھا کہ تمھارا ابلانا ہم کو قبول ہے، مگر تم ولایتی لوگوں کے قول وقرار کا کچھ اعتبار نہیں، اگر ہماری تسلی کردو گے تو ہم آئیں گے، اس پر خادی خاں نے اپنے بھائی امیر خاں کو ضمانت کے طور پر بھیجا، فرانسیسی فوج کے ساتھ دریائے سندھ پار کر کے ہنڈ میں آیا، اس کی آمد کی خبر سن کر سمہ کے لوگ بھاگنے لگے، خادی خاں نے اپنے اطراف ونواح کے رئیسوں کو لکھا کہ تم جو ہمیشہ سے حاکم لاہور کو سالیانہ دیتے تھے وہ لے کر حاضر ہو جاؤ، سب نے جواب دیا کہ ہم کچھ نہ دیں گے اور اپنا اپنا اسباب لے کر پہاڑوں پر چڑھ گئے، موضع شاہ منصور، موضع کالا درہ، موضع صوابئ اور مانیرئی کے لوگ بھاگ کر پنجتار آئے، زیدے سے اشرف خاں مرحوم کے بیٹے فتح خاں اور ارسلاں خاں بھی خوف کے مارے پنجتار چلے آئے، خادی خاں نے فتح خاں پنجتاری کے پاس گھوڑے اور باز وغیرہ کے لیے پیام بھیجا اور کہلایا کہ تم بھی نذرانہ لے کر فرانسیسی کے پاس حاضر ہو، نہیں تو سکھوں کا لشکر پنجتار پر حملہ کردے گا، اس کے جواب میں فتح خاں نے خادی خاں کو کہلا بھیجا کہ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) .... جنرل الرڈ تھا، یہ بھی نپولین کا ایک عہدے دار تھا، جو اپنی قابلیت و بہادری کے جوہر سے اکثر مہمات میں ممتاز رہا تھا، ان لوگوں نے پہلے تو اپنی قسمت آزمائی مصر و ایران میں لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ شاہ عباس کے یہاں جو بادشاہ وقت تھا، ان کی رسائی ناممکن ہے، تو وہ ہرات وقندھار کے راستے سے ہندوستان چلے آئے، یہاں مہاراجہ نے بہت پس وپیش اور عرصے تک ان کے اوصاف کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد مامور کیا، دونوں نے رنجیت سنگھ کی خدمت نہایت وفاداری سے اور عرصے تک انجام دی، الرڈ کے سواروں کی فوج میں اول درجے میں شمار ہوتا تھا، اس کی اصل تعداد ۴/ پیادے اور ۲/ سوار دستے تھے اور اگرچہ مہاراجہ نے بعد میں اس میں اضافہ کر کے ۵/ پیادے اور ۳/ سوار دستے قائم کئے، لیکن وینٹورہ کی درخواست پر اسے پھر اگلی تعداد پر قائم کر دیا، جنرل وینٹورہ نے اس فوج کے ہمراہ بہت سی مہمات میں کارہائے نمایاں انجام دیے، علی الخصوص پہاڑیوں کے گرد اور پشاور کے اطراف میں مہاراجہ ہمیشہ اس کو معتبر سمجھتا اور اسکی عزت کرتا تھا، اس نے اسے لاہور کا قاضی یا صوبے دار مقرر کیا، جسکی وجہ سے دربار میں اس کا درجہ تیسرا شمار کیا جانے لگا۔

جنرل وینٹورہ نے اس فتنہ وفساد سے تنگ آکر جس میں یوماً فیوماً ترقی ہو رہی تھی اور آنے والی تباہی کے اندیشے سے، جس کا پیش آنا لازمی تھا، ۱۸۴۳ء میں (مہاراجہ رنجیت سنگھ کے انتقال کے چار سال بعد) استعفی دے دیا۔

گھوڑا اور باز وغیرہ نہ ہم نے کسی کو دیا ہے اور نہ ان شاء اللہ تعالیٰ دیں گے، باقی سکھوں کا ہمیں کوئی اندیشہ نہیں، ان سے کہو کہ شوق سے جب چاہیں چلے آئیں، ہم دیکھ لیں گے۔

وینٹورہ کی سید صاحبؒ سے خط و کتابت

یہ سخت جواب سن کر خادی خاں نے وینٹورہ سے کہا کہ فتح خاں نے ایسا سخت جواب دیا ہے، وہ سید بادشاہ کے بھروسے پر یہ باتیں کرتا ہے، نہیں تو اس کی کیا مجال؟ اب جو تدبیر مناسب جانیے وہ کیجیے، یہ تقریر سن کر وینٹورہ نے فوج کے ساتھ کوچ کر کے کالا درے کے مغربی جانب میدان میں ڈیرہ ڈالا اور ایک خط سید صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا، خلاصہ مضمون یہ تھا کہ آپ سید عالی خاندان، حاجی وغازی، باخدا اور بڑے صاحب تاثیر ہیں اور اس ملک کے لاکھوں آدمی آپ کے مرید ہیں، ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کی ذات میں کسی طور کا شر وفساد اور خلق اللہ کی ایذا رسانی کا خیال نہیں ہے، یہ ملک خالصہ جی کے زیر حکومت اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی عمل داری میں ہے، یہ سمہ کے رئیس ہمارے خالصہ جی کو ہمیشہ سے نعل بندی دیتے رہے ہیں، مگر جب سے آپ اس ملک میں تشریف لائے ہیں، تب سے یہ تمام لوگ ہم سے منحرف ہو گئے اور نعل بندی دینے میں پس وپیش کرتے ہیں، اس کے علاوہ ہمیں اس ملک میں آپ کے آنے کا ارادہ صاف طور پر معلوم نہیں ہوا، اس کا جواب آپ تحریر فرما کر اپنے وکیل کے ساتھ ہمارے پاس روانہ کر دیں۔

سید صاحبؒ نے جواب میں لکھا کہ تمھارا خط آیا، اس کا مضمون معلوم ہوا، تمھارے سوال کا جواب یہ ہے کہ جس طرح تم اپنے حاکم کے تابعدار ہو، جہاں وہ حکم کرتا ہے، وہاں جاتے ہو اور حتی الامکان اس کے فرمان کو بجالاتے ہو، تاکہ وہ تم سے راضی ہو، اسی طرح میں بھی اپنے آقائے عالی جاہ، شہنشاہ عالم پناہ کا ایک ادنیٰ فرماں بردار ہوں، جو کچھ وہ احکم الحاکمین فرماتا ہے، اس کو بجالاتا ہوں، اور اسی حاکم برحق اور قادر مطلق کے حکم سے میں اس ملک میں آیا ہوں، اسی کی طرف سے ہر ایک کو دعوت اسلام دیتا ہوں، جو قبول کرے گا، وہ میرا بھائی ہے، میں اس کا بھائی ہوں۔ تم اہل کتاب ہو، ان باتوں کو خوب سمجھتے ہو، یہی دعوت تم

کو بھی ہے اور تمھارے آقا رنجیت سنگھ کو بھی، اور دعوت اسلام کا یہ اعلام نامہ پہلے ہم نے بدھ سنگھ کو لکھا تھا اور یہ بھی سنا تھا کہ وہ خط بدھ سنگھ نے رنجیت سنگھ کو بھیج دیا تھا۔

تم نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ ملک ہمارے خالصہ جی کا ہے، سو یہ تمھارا دعویٰ بلا دلیل ہے، اس لیے کہ یہ ملک مسلمانوں کا ہے، اس میں تمھارے خالصہ جی کا کیا دخل؟ دوسرے یہ کہ تمام ملک مشرق سے مغرب تک اللہ تعالیٰ کے قبضہ وتصرف میں ہیں، وہ جس کی تلوار کو زور دیتا ہے وہ لے لیتا ہے، یہاں جو ہم لوگ آئے ہیں، کچھ سمجھ بوجھ کر آئے ہیں اور اس بات کو تم بھی جانتے ہو کہ کفار سے جہاد کرنا مسلمانوں پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر قوت و ہمت دے، تو حتی الامکان ملک کو کفر سے پاک کریں اور اسلام کو رواج دیں اور کافروں کے ظلم سے مسلمانوں کو بچائیں، تم لوگوں نے مسلمانوں کو اپنے ظلم وجور سے تباہ کیا ہے اور بے شمار مسجدوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا ہے۔ اول تو ہم تم کو اسلام کی دعوت دیں گے، اگر تم قبول کرو گے، تو ہمارے بھائی ہو گے، تمھارا ملک تم کو مبارک رہے، اگر نہیں مانو گے، تو ہم تمھارے خلاف جہاد کریں گے، اس تحریر کے بعد ہم اپنا وکیل بھی بھیجتے ہیں، ان سے زبانی گفتگو بھی کر لینا۔

مولوی خیر الدین صاحب کی گفتگو

آپ نے یہ خط ونٹورہ کے آدمی کے ہاتھ روانہ کیا، اگلے روز آپ نے مولوی خیر الدین صاحب کو چند آدمیوں کے ساتھ سمجھا بجھا کر ونٹورہ کے پاس روانہ کیا، مولوی صاحب اس کے پاس گئے اور ملاقات کی، ونٹورہ نے مولوی خیر الدین صاحب سے وہی سوال کیا، جو سید صاحبؒ سے خط میں دریافت کیا تھا اور جو کچھ سید صاحبؒ نے لکھا تھا، وہی مولوی خیر الدین صاحب نے نرمی اور معقولیت کے ساتھ کہا، اس کے علاوہ ونٹورہ نے جو کچھ پوچھا، مولوی صاحب نے اس کا معقول جواب دیا، آخر اس نے خفا ہو کر کہا کہ یہ ملک ہمارے خالصہ جی کا ہے اور ہم ہمیشہ یہاں کے رئیسوں سے نعل بندی لیتے آئے ہیں اور اب بھی لیں گے، تمھارے واسطے یہی بہتر ہے کہ تم اس ملک سے کوچ کر جاؤ نہیں تو ہوشیار ہو جاؤ ہم پنجتار پر آتے ہیں۔

جب اس نے اس طرح سختی سے کلام کیا، تو مولوی صاحب نے بھی سپاہیانہ شان

سے سختی سے جواب دیا اور کہا کہ تم غلط کہتے ہو کہ ملک ہمارے خالصہ جی کا ہے اور ہم کو یہاں کے رئیس ہمیشہ نعل بندی دیتے رہے، یہ ملک یہاں کے مسلمانوں کا ہے، اس میں تمھارے خالصہ جی کا کوئی دعویٰ نہیں، محض ظلم وزیادتی سے تم ان سے نعل بندی لیتے رہے ہو، وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اب کبھی تم کو نعل بندی نہ دیں گے، اب تمھارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم اپنی فوج کو لے کر یہاں سے اپنی عمل داری میں چلے جاؤ اور تم جو اس پر مغرور ہو کہ ہمارے خالصہ جی کی بہت فوج ہے اور یہ تھوڑے ہیں، تو اس بات کا ہم کو خطرہ نہیں، اللہ تعالیٰ کا لشکر بڑا قوی اور غالب ہے، ہمارا اسی پر اعتماد ہے، اور جو پنجتار پر حملہ کرنے کا تمھارا خیال ہے، تو بسم اللہ ہم بھی تیار ہیں۔

اس کے علاوہ مولوی صاحب نے اور بھی کڑی کڑی باتیں کیں اور وہاں سے سوار ہو کر سید صاحبؒ کے پاس آئے اور جو کچھ وینٹورہ سے گفتگو ہوئی تھی، آپ کے سامنے دہرائی۔

وینٹورہ کی پسپائی

اگلے روز آپ نے مولوی صاحب ممدوح کو تین سو مجاہدین پر امیر کر کے فرمایا کہ تم پنجتار کے درے کا بندوبست کرو اور وہیں اترو، اول تو ان شاء اللہ تعالیٰ مقابلے کی نوبت ہی نہ آئے گی اور اگر آئی تو کچھ اندیشہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور ہم بھی وہیں آجائیں گے، پھر آپ نے دعا کر کے مولوی صاحب کو روانہ کیا، مولوی صاحب گئے اور اس درے سے باہر نکل کر میدان میں ڈیرہ کیا، وہاں سے کوئی ڈھائی کوس کے فاصلے سے وینٹورہ کی فوج پڑی تھی، ملکیوں کی زبانی وینٹورہ کو اطلاع ملی کہ سید صاحبؒ کا لشکر درے سے نکل کر میدان میں آگیا ہے اور اس نے درے کا بخوبی انتظام کرلیا ہے، اس کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ رات کو ہم لوگوں پر شب خون ماریں، اس خیال سے اس نے بھی خوب بندوبست کیا، موضع صوابی اور مانیری کے جو لوگ وینٹورہ کے خوف سے پنجتار کو چلے آئے تھے اور کچھ ادھر ادھر پہاڑ پر چڑھ گئے تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ مجاہدین کا لشکر درے کے میدان میں اترا ہے، ان کو تسلی ہوئی اور جابجا سے سوار و پیادہ اپنے گھروں کی خبر گیری کو چلے، وینٹورہ کی فوج کا شبینہ اس وقت

گشت کر رہا تھا، ان لوگوں کو دور سے دیکھ کر وینٹورہ کو جا کے خبر کی کہ خلیفہ کا چھاپہ آ پہنچا ہے، ہوشیار ہو جاؤ، یہ خبر سن کر وینٹورہ بدحواس ہو گیا، جو کچھ اسباب فوراً لیا گیا، وہ لے لیا اور باقی ڈیرہ، خیمہ، سلاح واسباب چھوڑ کر مع فوج کے فرار ہو گیا اور دریائے اٹک عبور کر کے پنجاب کی سرحد میں پہنچ گیا۔

قلعہ اٹک پر مہم

خیر الدین نامی ایک شخص بہت عرصے سے قلعۂ اٹک (۱) سے آپ کے پاس آیا کرتا تھا اور آپ سے کہتا تھا کہ قلعے کے بہت سے مسلمان یکدل اور متفق ہیں۔ اس قلعے کا بندوبست وانتظام ہمارے ہی سپرد ہے، اگر آپ سو پچاس مجاہدین یہاں سے روانہ کریں تو ہم ان کو قلعے کے اندر داخل کر دیں گے، اگر آپ کے یہاں سے ہتھیار اور اسلحہ کے لیے کچھ خرچ بھی مل جائے، تو اور لوگوں کو بھی ہم موافق کر لیں گے، اسی طرح کی باتیں وہ اکثر آ کے کرتا تھا، آخر آپ نے بمبئی والے امام الدین کو اور دو اور آدمیوں کو خیر الدین کے ساتھ وہاں کا حال دریافت کرنے کے لیے ہمراہ کر دیا، وہ تینوں شخص آٹھ دس روز وہاں جا کر رہے اور وہاں کا حال دیکھ کر آئے اور خیر الدین کے بیان کی تصدیق کی، کئی بار آپ نے امام الدین کو بھیجا اور وہ وہاں کئی کئی روز رہ کر آئے، جب آپ کو اطمینان ہو گیا، تو آپ نے اسلحہ کی خریداری اور تیاری کے لیے پانچ سو روپے دیے اور فرمایا کہ جب تم وہاں کا انتظام خاطر خواہ کر کے آؤ گے، تو جتنے آدمی کہو گے، ہم تمھارے ساتھ کر دیں گے، گڑھی امام زئی میں خیر الدین آیا اور عرض کی کہ میں سب انتظام کر کے آیا ہوں، وہاں سپاہی اور رعایا ملا کر پانچ سو آدمیوں کے قریب میں نے متفق کیے ہیں اور جن لوگوں کے پاس ہتھیار نہیں ہیں، ان کے لیے ہتھیار بھی خرید لیے ہیں اور رسوں کی کئی سیڑھیاں بھی بنا کر رکھ آیا ہوں اور اپنے بھائی سید جمیل شاہ، ان کے بہنوئی سید محبوب شاہ، فتح میر خاں اور ان کے بھائی منگا خاں، محمود خاں، قادر بخش اور محمد بخش سے کہہ آیا ہوں کہ تم سب بارات لانے کے بہانے سے فلاں دن رات کو قلعے سے نکل کر دریا کے

(۱) قلعہ اٹک پنجاب کا پھاٹک ہے، اگر اس پر مجاہدین کا قبضہ ہو جاتا، تو گویا پنجاب کا راستہ صاف ہو جاتا۔

کنارے فلاں وقت فلاں جگہ آنا، میں وہیں مجاہدین کو لے کر آؤں گا، سو آپ لوگوں کو بھیجنے کا انتظام فرمائیں۔

آدمیوں کا انتخاب اور روانگی

یہ سن کر آپ نے لشکر سے ساٹھ ستر اچھے اچھے، چست، چالاک اور کارآزمودہ جوان انتخاب کیے، اور ارباب بہرام خاں کو امیر کیا اور فرمایا کہ ان کے بعد حاجی بہادر شاہ خاں امیر ہیں، ان کے بعد امام خاں، ان کے بعد جس کو لوگ اتفاق کر کے امیر بنا دیں، وہ امیر ہے اور اخوند ظہور اللہ صاحب (۱) کو، جو اس ملک کے واقف کار تھے، رہبر کیا، چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق سب مقرر جگہ پر جمع ہوئے، آدھی رات کے قریب اخوند صاحب سب کو لے کر وہاں سے روانہ ہوئے، موضع جلسئی کے اسی طرف دو کوس ایک نالے پر فجر ہوگئی، دن بھر سب لوگ وہیں ادھر ادھر چھپے رہے، رات کو عشاء کے بعد وہاں سے چلے اور جہانگیرہ کے گھاٹ پر پہنچے، اس وقت فتح شیر خاں، سید جمیل شاہ، سید محبوب شاہ، محمود اور قادر بخش وہاں بیٹھے انتظار کر رہے تھے، دریا اترنے کے لیے جالے باندھنے کی تدبیر ہونے لگی۔

قلعہ دار کو اطلاع

اسی عرصے میں شنائی پر سوار ہو کر محمد بخش اس پار سے ادھر آئے اور کہا کہ وہاں تو معاملہ بگڑ گیا، اب یہاں سے پلٹ چلو، خیر الدین نے پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ محمد بخش نے کہا کہ فلاں پنجابی جو ہم لوگوں کے مشورے میں شریک تھا، اس نے جا کر لالہ خزانہ مل قلعہ دار سے کہا کہ تمھارے فلاں فلاں ملازم جو آج بارات لانے کو تم سے پوچھ کر گئے ہیں وہ سید بادشاہ کے چھاپے کو لینے گئے ہیں، تم ہوشیار ہو جاؤ، قلعہ دار نے یہ بات سن کر اس سے کہا کہ تو دیوانہ ہے، سید بادشاہ کا چھاپہ لانے کی کیا غرض؟ وہ ہمارے نمک حلال اور معتبر ملازم ہیں، ان سے ایسی حرکت ہرگز نہ ہوگی، اس نے کہا کہ میں سچ کہتا ہوں، دو چار گھڑی میں اپنی آنکھوں

---

(۱) اخوند ظہور اللہ صاحب جہانگیرے کے رہنے والے تھے، جو قلعہ اٹک کے سامنے ہے۔

سے دیکھ لینا، اگر اس میں فرق ہو تو آپ مجھ کو توپ سے اڑا دیجیے گا، اس غرض سے انھوں نے بہت سے ہتھیار بھی خریدے ہیں اور رسی کی کئی سیڑھیاں بھی بنائی ہیں، اگر یہ سامان ان کے گھر میں سے نکلے تب تو مجھے سچا مانو گے اور اس خیر خواہی کا انعام دو گے؟

خادی خاں کی مخبری

اس عرصے میں خادی خاں کا ایک آدمی آیا اور قلعہ دار سے کہا کہ ہمارے سردار خادی خاں کو کسی کی زبانی خبر ملی ہے کہ سید بادشاہ کا چھاپہ ملک پکھلی میں جاتا ہے، تمھارے پاس مجھ کو اسی اطلاع کی غرض سے بھیجا ہے، یہ حال سنتے ہی قلعہ دار کو پنجابی کی تمام باتوں کا یقین ہوا اور اس کے ساتھ اپنے چند آدمیوں کو بھیجا کہ فلاں فلاں شخص کے گھر کی تلاشی لو اور ان لوگوں کو جلد تلاش کر کے لاؤ، یہ خبر سن کر میں تو وہاں سے چل دیا کہ ایسا نہ ہو کہ میں بھی گرفتار ہو جاؤں، یہ خبر سن کر ارباب بہرام خاں مع مجاہدین وہاں سے روانہ ہو گئے اور امازئی کی گڑھی میں آپ کے پاس آئے اور محمد بخش نے وہ سارا ماجرا آپ کے گوش گزار کیا، آپ کو بہت افسوس ہوا، اور اس کی فکر ہوئی کہ وہاں کے باقی مسلمانوں کے ساتھ وہ قلعہ دار کس طرح پیش آئے اور ان کے ساتھ کیا سلوک کرے۔

کئی دن کے بعد خیر آباد سے ایک شخص خیر الدین کے پاس آیا اور اس نے بتلایا کہ قلعہ دار نے مکانوں کی تلاشی لی، ان میں سے ہتھیار اور سیڑھیاں نکلیں، اس نے تمھاری عورتوں اور لڑکوں کو گرفتار کر لیا اور تمھارے بھائی کو توپ سے اڑا دیا۔

بعد میں منگا خاں قلعے سے بچ کر نکل آئے، عورتوں اور بچوں کو اس طرح مخلصی ہوئی کہ وینٹورہ فرانسیسی قلعۂ اٹک میں آیا اور سب حال معلوم کر کے کہا کہ جنھوں نے وہ فساد کیا تھا وہ تو تمھارے ہاتھ نہ آئے، ان بیچاروں نے کیا قصور کیا ہے؟ ان کو چھوڑ دو، قلعہ دار نے سپاہیوں سے کہا کہ ان کو یہاں سے نکال کر دریا کے پار اتار دو، جہاں چاہیں چلے جائیں، وہ سب دریا سے اتر کر اکوڑہ چلے گئے، وہاں سے پنجتار آ گئے۔

علماء اور خوانین کا دوبارہ اجتماع اور نیا عہد و پیمان

مسلمانوں کی نااتفاقی کا شکوہ

گڑھی امازئی سے پنجتار تشریف لانے کے چھ سات دن بعد سید صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل، سید احمد علی، ارباب بہرام خاں، مولوی محمد حسن اور فتح خاں پنجتاری کو بلایا، اور خان موصوف کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ خان بھائی ہم نے تم کو اس مشورے کے واسطے بلایا ہے کہ ہم لوگ اس ملک میں صرف جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے آئے ہیں اور مسلمانوں کی ریاست سمجھ کر یہاں فقط اس نیت سے اترے ہیں کہ سب مسلمان بھائیوں کے اتفاق سے کچھ دین اسلام کا کام درست ہو اور یہاں کے مسلمان بھائیوں کی نااتفاقی کا یہ حال ہے کہ اگر ہم کفار کے زیر کرنے کی کوئی صورت نکالتے ہیں، تو انھیں مسلمانوں میں سے ایک نہ ایک حامی بن کر آڑے آتا ہے اور ان کو خبر کر دیتا ہے، چنانچہ شیدو کی لڑائی، جس میں اسی نوے ہزار آدمی ہماری طرف جمع تھے، سردار یار محمد خاں کی شرارت سے شکست ہوگئی اور مسلمانوں کی جمعیت پراگندہ ہوئی، اسی طرح سے خادی خاں نے چند مہینوں سے کیسی کیسی بیجا حرکتیں کرنی شروع کی ہیں، چنانچہ تم کو خود معلوم ہے کہ جو غازی ہندوستان سے جہاد فی سبیل اللہ کا ارادہ کر کے آتا ہے، سکھوں کے ملک سے زندہ سلامت چلا آتا ہے، مگر ان کے ہاتھ سے کسی طرح نہیں بچتا،

کسی کو لوٹ کر دریائے سندھ میں غوطے دیتے ہیں، کسی کا مال و اسباب چھین کر بزور بخشواتے ہیں، سردار اشرف خاں مرحوم پر انھوں نے محض اس وجہ سے فوج کشی کی کہ وہ خان مرحوم ہم سے موافق تھا، اس کے بعد یہ فساد کیا کہ وینٹورہ فرانسیسی کو چڑھا لائے، انھوں نے اپنی طرف سے حتی المقدور کچھ درگزر نہیں کی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد سے اس کو دفع کیا، اس کے بعد ایک تازہ فساد یہ کیا کہ ادھر سے اٹک پر ہمارا چھاپہ چلا، ادھر سے خادی خاں نے اپنا آدمی بھیج کر وہاں کے قلعہ دار کو خبر کر دی، اسی طرح اور بھی بہت فساد اس نے کئے ہیں اور ابھی دیکھا چاہیے، اور کیا کیا فساد کرے، اس نے جو شرارتیں ہمارے ساتھ کی ہیں، اس کی کدورت ہمارے دل میں بالکل نہیں ہے، جو کچھ اس نے کیا، اپنے واسطے کیا۔ جو جیسا کرے گا، اپنے واسطے کرے گا، مقصود یہ ہے کہ اب کوئی ایسی تدبیر کرو کہ مسلمانوں میں اتفاق ہو، جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کا کام نکلے اور دین اسلام کی کچھ ترقی ہو۔

اجتماع کی تجویز وانتظام

فتح خاں نے عرض کیا کہ میری ناقص رائے میں یہ آتا ہے کہ آپ ملک سمہ کے سادات، علماء اور خوانین کو جمع کریں اور یہی بات ان کو سمجھائیں، ان سب نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے اور آپ کو امیر المومنین تسلیم کیا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے فرمانے سے کوئی باہر نہ ہوگا، اس لیے کہ آپ تو صرف اللہ کے واسطے یہ تدبیر کرتے ہیں، اس سے آپ کی کوئی غرض متعلق نہیں، اور جو کوئی نہ مانے گا اور بدعہدی کرے گا، وہ اس کی سزا اپنے خدا سے پائے گا۔

فتح خاں کی یہ تدبیر سب کو پسند آئی اور اسی پر مشورہ قرار پایا، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ خان بھائی، تم یہاں کے رئیس ہو، ہماری طرف سے آپ ہی سب کو بلاؤ، خان ممدوح نے اپنے آدمی ہر طرف یہ پیام دے کر روانہ کیے کہ ایک ضروری دینی کام کا مشورہ کرنا ہے، سب صاحب یہاں تشریف لائیں، مقررہ تاریخ میں تمام سادات، علماء اور خوانین پنجتار میں جمع ہوئے، تمام لوگ دس گیارہ سو تھے، اس روز پنجتار کی پانچوں بستیوں والوں نے ان کی دعوت

کی اور اپنے مکانوں میں ان کو اتارا۔ مغرب کی نماز کے بعد سید صاحبؒ نے عبدالقیوم کو فرمایا کہ صبح طلوع آفتاب سے پہلے کھانا پک کر تیار ہو جائے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اہتمام پر مقرر کیا۔ دوسرے دن جب سب لوگ کھانا کھا کر فارغ ہوئے، تو مولانا نے فرمایا کہ آج جمعے کا دن ہے، سب بھائی نالے پر شیشم کے درختوں کے نیچے ہماری مسجد میں جمعے کی نماز پڑھیں، قاضی احمد اللہ صاحب میرٹھی نے خطبہ پڑھا اور سید صاحبؒ نے نماز پڑھائی۔

سید صاحبؒ کی تقریر: آمد کا مقصد

نماز پڑھ کر سید صاحبؒ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ سب بھائی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں، جو کچھ ہم کہیں، توجہ سے سنیں۔ آپ نے منگل تھانہ کے کامل آخون زادے کو، جو بڑے سیاح، جہاں دیدہ، پنجابی پشتو، فارسی، ترکی اور ہندی کے ترجمان اور بڑے بزرگ آدمی تھے، حرمین اور بیت المقدس کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے اور آپ کے مرید اور بڑے معتقد تھے، اپنے برابر کھڑا کیا اور فرمایا کہ جو کچھ میں کہوں، تم ان بھائیوں کی زبان میں ان کو سمجھاتے جاؤ۔ آپ نے اول اللہ تعالیٰ کی شان عظمت اور قدرت کو طرح طرح سے بیان کیا، اس کے بعد سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ سب اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ دنیا میں لوگ اپنی معاش اور میراث حاصل کرنے میں کیسی کیسی کوششیں اور جانفشانی کرتے ہیں اور اس رنج کو راحت جان کر ہر گز نہیں گھبراتے، فقط اس خیال سے کہ اگر وہ معاش و میراث ہاتھ آجائے گی، تو چین سے کھائیں گے اور یہ امر موہوم ہے، اگر یہ امر خواہش کے موافق حاصل ہوا، تو خیر، نہیں تو کچھ نہیں، لیکن جہاد فی سبیل اللہ سے، جو دین کی دولت ہے، اس کی وجہ سے دنیا و آخرت کی فلاح، اسلام کی ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہوتی ہے، لوگ غافل ہیں۔ مجھ کو جناب باری تعالیٰ سے ارشاد ہوا کہ تو دارالحرب ہندوستان سے ہجرت کر کے دارالامن میں جا اور کفار سے جہاد فی سبیل اللہ کر، میں نے ہندوستان میں خیال کیا کہ کوئی جگہ ایسی مامون ہو کہ وہاں مسلمانوں کو لے کر جاؤں اور جہاد کی تدبیر کروں، باوجود اس وسعت کے کہ صدہا کوس میں ملک ہند واقع ہوا ہے، کوئی جگہ ہجرت کے لائق خیال میں نہ آئی، کتنے

لوگوں نے صلاح دی کہ اسی ملک میں جہاد کرو، جو کچھ مال، خزانہ، سلاح وغیرہ درکار ہو، ہم دیں گے، مگر مجھ کو منظور نہ ہوا، اس لیے کہ جہاد سنت کی موافق چاہیے، بلوہ کرنا منظور نہیں ہے، تمھارے اس ملک کے ولایتی بھائی وہاں حاضر تھے، انھوں نے کہا کہ ہمارا ملک اس کے واسطے بہت خوب ہے، اگر وہاں چل کر کسی ملک میں قیام اختیار کریں، تو وہاں کے لاکھوں مسلمان جان و مال سے آپ کے شریک ہوں گے، خصوصاً اس سبب سے کہ رنجیت سنگھ والئی لاہور نے وہاں کے مسلمانوں کو نہایت تنگ کر رکھا ہے، طرح طرح کی ایذا پہنچاتا ہے اور مسلمانوں کی بے آبروئی کرتا ہے، جب اس کی فوج کے لوگ اس ملک میں آتے ہیں، مسجدوں کو جلا دیتے ہیں، کھیتیاں تباہ کرتے ہیں، مال واسباب لوٹ لیتے ہیں، بلکہ عورتوں بچوں کو پکڑلے جاتے ہیں، اور اپنے ملک پنجاب میں جا کر بیچ ڈالتے ہیں، اور پنجاب میں وہ مسلمانوں کو اذان بھی نہیں کہنے دیتے، مسجدوں میں گھوڑے باندھتے ہیں، گاؤکشی کا تو کیا ذکر جہاں سنتے ہیں کہ کسی مسلمان نے گائے ذبح کی، اس کو جان سے مار ڈالتے ہیں۔

یہ سن کر میرے خیال میں آیا کہ یہ سچ کہتے ہیں اور یہی مناسب ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے وہیں چل کر ٹھہریں اور سب مسلمانوں کو متفق کر کے کفار سے جہاد کریں اور ان کے ظلم سے مسلمانوں کو چھڑائیں، سو محض اسی ارادے سے تمھارے اس ملک میں ہم آئے ہیں، تم سب نے اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی، اپنا امام گردانا اور تمھیں سب نے جہاد کا کام مجھ سے شروع کرایا، اب تمھیں لوگ اس میں کوشش اور تندہی نہیں کرتے، بلکہ تمھیں لوگوں میں سے بعض بعض اس امر میں حارج ہوتے ہیں، تم عالم اور وارث الانبیاء کہلاتے ہو، تم کو لازم ہے کہ سب مل کر اس میں کوشش اور جانفشانی کرو کہ اسلام کی ترقی ہو۔

تقریر کی تاثیر

اس وقت آپ کے کلام میں عجیب رقت اور تاثیر تھی، آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور طبیعت میں حمیت اسلام کا ایک جوش تھا، بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ آپ تقریر فرماتے تھے اور طرح طرح کی مثالوں سے سمجھاتے تھے، جو لوگ وہاں حاضر تھے کیا عالم

اور کیا عامی، سب پر ایک حال سا واقع تھا، بلکہ بعض بعض گویا اپنی ہستی سے گزر گئے تھے، بعض لوگ روتے تھے اور بعض غمزدہ سے عالم سکوت میں تھے، پھر آپ نے دعا کی اور فرمایا کہ باقی جو کچھ گفتگو مولانا اسمٰعیل صاحب اس امر میں کریں وہ سنیے اور اس کا جواب دیجیے، میں تو اس وقت مکان پر جاتا ہوں۔

مولانا اسمٰعیل صاحب کی گفتگو اور حکیمانہ مثال

یہ فرما کر آپ رخصت ہوئے اور مولانا ان صاحبوں میں بیٹھے اور ان سے امام کی اطاعت کے بارے میں گفتگو شروع کی اور یہ مثال بیان کی کہ ایک بادشاہ نے اپنے ملازمین میں ایک شخص کو افسر بنایا اور اپنے ملازمین کی ایک جماعت سے فرمایا کہ فلاں مہم پر اسی کے ساتھ جاؤ، اور جو کچھ یہ افسر تم سے ہمارے احکام کی تعمیل کے واسطے کہے، بلا انکار بجالاؤ، اس مہم پر اس کو جماعت کے ساتھ روانہ کیا۔ اس افسر نے وہاں جاکر اس جماعت سے ایک کو افسر کیا اور چند لوگ اس کے ساتھ گئے اور ان سے کہا کہ بادشاہی احکام کی تعمیل کے واسطے یہ افسر جو کچھ تم سے کہے، بے تامل اس کو کرنا۔ اس نے وہاں جاکر اپنے لوگوں میں ایک کو افسر کیا اور کئی شخص اس کے تابع کیے اور ان سے کہا کہ شاہی کام کی درستی کے واسطے یہ شخص جو حکم کرے، بلا انکار بجالانا اور کسی کام پر ان کو روانہ کیا، اگر ان لوگوں میں سے بعضوں نے ان افسروں کی نافرمانی کی، اور ان کے حکم کے خلاف کام کیا، اگر وہ اپنے زعم میں یہ سمجھیں کہ ہم نے تو بادشاہ کی حکم عدولی نہیں کی، اگر کی تو اس افسر کی کی، تو کیا کوئی عاقل صاحب تمیز تسلیم کرلے گا کہ انھوں نے بادشاہ کی نافرمانی نہیں کی، ان افسروں کی کی، اس لیے کہ افسر کو اس بادشاہ نے اپنی طرف سے مختار کار کیا تھا اور اس کی اطاعت کا سب کو حکم دیا تھا اور اس نے اپنی طرف سے اسی کے حکم کی تعمیل کے واسطے دوسرے کو افسر کیا اور اس دوسرے نے تیسرے کو، اسی طرح پر سلسلہ جہاں تک چلا جائے حقیقت میں حاکم ایک ہے اور حکم بھی ایک ہے، جنھوں نے افسروں کی اطاعت کی، فی الحقیقت اسی بادشاہ کی کی، اور جنھوں نے ان افسروں کی نافرمانی کی، تو اس بادشاہ کی کی، اور ان افسروں کے مطیع بادشاہ کے مطیع ہیں، اور اس بادشاہ کے نزدیک وہ شاباشی

کے لائق ہیں اور خلعت وانعام کے مستحق ہیں اور وہ جوان افسروں کی نافرمانی میں ہیں، وہ حقیقت میں اس بادشاہ کے نافرمان ہیں اور اس کے نزدیک لائق ملامت اور سزاوار تعزیر ہیں، سو میں سب علمائے دین کی خدمت بابرکت میں عرض کرتا ہوں کہ جو میں نے یہ مثال بیان کی ہے، وہ بجا ہے یا بے جا؟ اس کو جو کچھ جواب باصواب ہو، ارشاد فرمائیں۔

مولانا کا استفتاء

یہ پوری تقریر کامل اخوندزادے نے ان سب عالموں کی زبان میں سمجھائی، ان سب نے مولانا صاحب کو داد دی اور کہنے لگے: سبحان اللہ! آپ نے خوب مثال بیان فرمائی اور حقیقت یہی ہے کہ ان افسروں کے مطیع بادشاہ کے مطیع اور بخشش اور انعامِ شاہی کے لائق ہیں اور جنھوں نے ان افسروں کی نافرمانی کی، وہ بادشاہ کے نافرمان اور تعزیر وعذاب کے مستحق ہیں، اس میں کچھ شک وشبہ نہیں۔

اخوندزادے نے افغانی علماء کے جواب کا ہندوستانی میں ترجمہ کیا، مولانا صاحب نے فرمایا کہ ان سب بھائیوں نے اس مثال کو پسند کیا اور ان مطیعوں کے انعام اور نافرمانوں کے عذاب کے معترف ہوئے، اب ہمارا سوال ان سے یہ ہے کہ اس کا جواب سوچ سمجھ کر دیں کہ جب دنیاوی بادشاہ کے تابعدار و نافرمان ان کے نزدیک انعام وسزا کے لائق ہیں اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء، ۵۹) یعنی، اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اطاعت کرو، اور مسلمان حاکم قاضی، مفتی اور امام جہاد ہیں، اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین سید احمد صاحب کو امام زماں اور ہادی دوراں کیا ہے اور آپ سب علمائے کرام اور سادات عظام اور خوانین ذوی الاحترام نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی ہے، اب جو کوئی بیعت کرنے اور اپنا امام تسلیم کرنے کے باوجود ان کی اطاعت نہ کرے، بلکہ اس کے خلاف عمل کرے، تو آپ سب علمائے دین کے نزدیک اس کا حکم کیا ہے؟

علماء کا اقرار

یہ تمام گفتگو اخوندزادہ نے ان کی زبان میں سمجھائی، سب نے اقرار کیا کہ وہ شخص مجرم اور عنداللہ اور عندالناس قصوروار ہے، مولانا نے فرمایا کہ وہ مجرم اور قصوروار کیسا؟ وہ صاف صاف باغی ہے، اگر اپنی بغاوت اور نافرمانی سے تائب نہ ہو، تو اس پر جہاد ہے، امام کی بغاوت اور نافرمانی کا یہ مسئلہ اپنی فلاں فلاں فقہ کی کتاب میں فلاں باب اور فلاں فصل میں نکال کر دیکھئے، وہ کتابیں ان علماء کے پاس وہیں موجود تھیں، سب نے دیکھ کر عرض کیا: آپ حق فرماتے ہیں، بیشک یوں ہی ہے۔

اس کے بعد مولانا نے ایک بڑے سے کاغذ میں اپنی وہی تقریر بطور سوال لکھ کر فرمایا کہ اس پر اپنی اپنی کتاب کی عبادت اور دلیل لکھ کر مہر اور دستخط کر دیجیے، سب نے آپ کے سوال موافق جواب تحریر کر کے اپنی اپنی مہر ثبت کی اور جن کے پاس مہر نہ تھی، انھوں نے دستخط کیے اور وہ کاغذ مولانا کو دے دیا، آپ نے ان سب کے جواب کو دیکھ کر فرمایا کہ جن کتابوں کی یہ عبارتیں لکھ کر آپ نے مہر دستخط کیے ہیں، یہ کتابیں تو مدت سے پڑھی ہیں اور ان مسائل کے آپ پرانے عالم ہیں، یہ کتابیں آپ نے آج نہیں پڑھی ہیں، کئی سال کا عرصہ گزرا کہ حضرت امیرالمومنین آپ کے اس ملک میں جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے تشریف لائے اور آپ سب نے ان کو اپنا امام مانا، یہاں کے رؤساء اور بے علم خوانین بغاوت سے اس کار خیر میں طرح طرح کی شرارتیں کرتے ہیں اور کافروں کے شریک ہیں، آپ لوگ علمائے دین اور وارث الانبیاء کہلاتے ہیں اور آپ ہی کا اس ملک میں غلبہ ہے، دین کے معاملے میں سب خان اور رئیس آپ کے محتاج اور فرماں بردار ہیں، آپ نے اب تک ان لوگوں کو اس مسئلے سے آگاہ نہ کیا، سارا قصور و غفلت آپ ہی کی ہے اور آپ سب واجب التعزیر ہیں، اگر آپ لوگ حق پوشی نہ کرتے اور ان کو خدا اور رسولؐ کا حکم صاف صاف سناتے اور سمجھاتے رہتے، تو بغاوت کی نوبت کیوں آتی؟ اب آپ سب مل کر خوب سوچ سمجھ کر معقول جواب ارشاد فرمائیں۔

مولانا کی یہ تقریر سن کر ہر ایک عالم نے اپنا اپنا عذر بیان کیا اور اپنی خطا اور غفلت کا

اعتراف کیا کہ بے شک ہم سب اس امر میں خطاوار ہیں اور ہمیں سے غفلت ہوئی اور بے شبہ ہمیں لوگوں کا یہاں غلبہ ہے، مگر اب ہم اپنی خطا سے توبہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا ہم سے مواخذہ نہ فرمائے، آپ بھی ہماری خطا معاف کریں، اب ہم اس کار خیر میں آپ کے ساتھ شریک ہیں، ہر ایک کے سمجھانے میں حتی الامکان تساہل وتغافل نہ کریں گے، وعظ ونصیحت سے راہ راست پر لائیں گے اور جو نہ مانے گا، وہ اپنی بغاوت کی سزا پائے گا۔

خادی خاں کو تفہیم

اس کے بعد مولانا نے دعا خیر فرمائی، خادی خاں بھی اس مجلس میں شریک تھا، وہ دعا میں شریک نہیں ہوا، ناخوش ہو کر اٹھ گیا، اس عرصے میں عصر کی اذان ہوئی، سید صاحبؒ اپنے مکان سے تشریف لائے اور نماز پڑھائی، نماز کے بعد جو علماء وخوانین نزدیک کے تھے، آپ سے رخصت ہو کر اپنی بستیوں کو گئے، باقی جو دور دور کے تھے، وہ رہ گئے، کامل آخوندزادہ نے مولانا اور علماء کا سارا مکالمہ آپ کے سامنے نقل کیا اور یہ بھی کہا کہ خادی خاں دعا کے وقت اٹھ گیا اور دعا میں شریک نہیں ہوا، سب حال سن کر حضرت بہت خوش ہوئے، مگر خادی خاں کا حال سن کر ملول ہوئے کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسا دانا اور ہوشیار شخص جو ہمارے انصار سابقین میں سے ہے، اسی نے بغاوت میں سبقت کی، پھر اسی روز نماز مغرب کے بعد آپ نے خادی خاں کو بلوایا اور جو علماء وہاں موجود تھے، ان کے بیچ میں بٹھایا اور سمجھانا شروع کیا کہ خان بھائی! تمھیں ہم لوگوں کو اس ملک میں ٹھہرایا تھا اور تمھیں سب سے پہلے ہمارے انصار بنے اور آج اس مجلس علماء کے مشورے سے منحرف ہو کر اٹھے، یہ بات تمھاری دانشمندی سے نہایت بعید ہے، تم کو لازم تھا کہ اور کوئی منحرف ہو کر اٹھتا، اس کو تم سمجھاتے، نہ یہ کہ تم ہی نے اس میں سبقت کی، تم کو لائق ہے کہ جس بات پر علماء نے اتفاق کیا ہے، اس سے اختلاف نہ کرو، اس میں تمھاری دین ودنیا دونوں کی بہتری ہے اور اس کے خلاف میں دنیا وعقبیٰ دونوں کی خرابی ہے، یہ ہم تمھاری خیرخواہی کی راہ سے کہتے ہیں، آگے ماننے، نہ ماننے کا تمھیں اختیار ہے۔

خادی خاں کا متکبرانہ جواب

خادی خاں نے اس کا جواب دیا کہ حضرت ہم تو پٹھان لوگ ہیں، ریاست ہمارا کام ہے، یہ مشورہ ملانوں نے مل کر کیا ہے، یہ لوگ ہمارے یہاں اسقاط اور خیرات کے کھانے والے ہیں، ریاست کے معاملات کا ان کو کیا شعور؟ ان کا مشورہ، جو ہمارے ذہن میں آتا ہے، اس کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور جو ہماری سمجھ میں نہیں آتا، اس کو ہم نہیں مانتے، ان کی صلاح اور مشورے کی ہم کو کچھ پروا نہیں، خود ہماری قوم اور جمعیت بہت ہے، ہم پر ان کا کسی طرح کا بھی دباؤ نہیں ہے، یہ ہمارے تابع ہیں، ہم ان کے تابع نہیں۔

خادی خاں کی یہ بیہودہ گفتگو سن کر سید صاحبؒ کو اتنا غصہ آیا کہ آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، آپ کا یہ خاصہ تھا کہ کیسا ہی کوئی دوست ہوتا، جہاں اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے خلاف کوئی بات زبان سے نکالی، آپ اپنے آپے میں نہیں رہتے تھے اور اس کو دشمن سمجھتے تھے، لیکن آپ نے غصے کو تھام کر نرمی سے فرمایا کہ علماء وارث الانبیاءؑ اور ہادی دین ہیں، ان کی شان میں اہانت آمیز کلام کمال نادانی اور بے ادبی ہے، دینی اور دنیوی معاملات یہی لوگ خوب سمجھتے ہیں، جو کچھ یہ لوگ دین یا دنیا کی اصلاح کے واسطے خدا اور رسولؐ کے حکم کے موافق فرمائیں، سب مسلمانوں کو جان و دل سے بلا انکار ماننا چاہیے، اگر چہ وہ حکم اپنے نفس اور عادت کے خلاف ہو، مسلمانوں کو ہر حال میں شریعت کا پابند ہونا چاہیے۔

خادی خاں نے کہا کہ ہم لوگ پشتون بے علم ہیں، ہماری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ خادی خاں! ہم پر جو سمجھانے کا حق تھا، وہ ادا کیا، چاہو، مانو یا نہ مانو، اب ایک بات یہ بھی سن لو کہ تم نے حد شریعت سے اپنا قدم باہر نکالا، فقط اس خیال خام سے کہ ہم اس ملک کے خان ہیں، ہماری قوم اور جمعیت بہت ہے، ہمارا کوئی کیا کر سکے گا؟ سو یہ گمراہی اور شیطان کا فریب ہے، اللہ تعالیٰ بڑا قادر اور بڑی طاقت والا ہے، بڑے بڑے سرکشوں اور مفسدوں کے سر اس نے ایک دم میں توڑ دیے ہیں، اس بات کو یاد رکھنا کہ کسی روز ان شاء اللہ تعالیٰ تم سوتے سوتے اٹھو گے اور دیکھو کہ ہمارے قلعے میں کسی اور کا انتظام اور بندوبست ہو رہا

ہے، اور کسی جگہ کتے کی طرح مردار ہو کر پڑے ہوں گے۔

عشاء کی نماز کے بعد خادی خاں سید صاحبؒ کو سلام کر کے جہاں اترا تھا، وہاں گیا، اگلے روز کچھ دن چڑھے رخصت کے واسطے آیا، آپ نے فرمایا: کل ہم نے تم کو اتنا سمجھایا مگر تمھارے خیال میں نہ آیا، اب ہم مجبور ہیں، تم جانو وہ رخصت ہو کر ہنڈ کو چلا گیا۔

●●●

وینٹورہ کی دوبارہ آمد اور جنگ پنجتار

وینٹورہ کی دوبارہ آمد

کئی مہینے کے بعد جب سکھوں کے دورے کا موسم آیا، تو وینٹورہ فرانسیسی کی قیادت میں سکھوں کی ایک فوج نے سمہ کا رخ کیا، سکھوں کا دستور تھا کہ جب ان کا لشکر چھچھ میں موضع حضرو کے قریب اترتا، تو توپوں کی ایک باڑھ سر کرتا، جس کو سن کر تمام رئیس اور سمہ کی رعایا پر ہیبت طاری ہو جاتی اور لوٹ مار کے خوف سے لوگ جا بجا بھاگنے لگتے، اس مرتبہ جب انھوں نے حضرو میں آ کر توپیں چلائیں تو سمہ والے تہ و بالا ہونے لگے کہ سکھوں کا لشکر آ پہنچا، مخبروں نے سید صاحبؒ کو خبر دی کہ وینٹورہ لشکر کے ساتھ حضرو میں داخل ہوا اور سردار خادی خاں نے جا کر گھوڑا، باز، کتا اس کو نذر میں دیا اور اس سے کہا کہ سید صاحبؒ کی رفاقت کی وجہ سے ملک کے تمام لوگ آپ سے منحرف ہیں، کوئی آپ کو سالیانہ نہیں دے گا، اگر آپ کو لینے کی قدرت ہو تو پار چلیے، میں آپ کا شریک ہوں، گزشتہ پسپائی پر مہاراجہ نے وینٹورہ پر الزام لگایا تھا کہ اس نے سید صاحبؒ سے ساز باز کر لی ہے، ورنہ بے لڑے بھڑے اسباب اور ہتھیار چھوڑ کر کیوں بھاگ آیا، وینٹورہ کو اس کی ندامت تھی، خادی خاں نے اس کو غیرت دلائی، تو وہ پار اترنے پر راضی ہو گیا، کم و بیش دس ہزار کی جمعیت اس کے ساتھ تھی، صاف معلوم ہوتا تھا کہ

اس کا پنجتار پر آنے کا ارادہ ہے۔

اہل علاقہ کو خطوط اور دفاعی دیواریں

دوسرے دن خبر آئی کہ سردار خادی خاں نے فرانسیسی کو لشکر کے ساتھ اتار لیا ہے، سید صاحبؒ نے سردار فتح خاں کو بلا کر فرمایا کہ خادی خاں فرانسیسی کو اس پار اتار لایا ہے، اور قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کو پنجتار پر لائے گا، اب کی وہ بہت بھاری جمعیت سے آیا ہے، اس کی تدبیر جو کچھ تم سے ہو سکے، جلد کرو۔

خان موصوف نے کہا کہ میں حاضر ہوں، جو کچھ آپ کا ارشاد ہو بجالاؤں گا، آپ نے فرمایا کہ تمھاری قوم کے جو لوگ تمھارے شریک ہوں، ان کو خطوط بھیجو، ان کے علاوہ جو علماء سادات اور خوانین ہم سے مشورہ کر کے اتفاق کر گئے ہیں، ان کو خطوط بھیج کر بلواؤ۔ خان موصوف نے اسی روز خطوط لکھ کر جا بجا قاصدوں کے ہاتھ روانہ کیے، نزدیک کی بستیوں کے لوگ تو دوسرے ہی دن حاضر ہو گئے اور آنے کا سلسلہ ابھی جاری تھا، سید صاحبؒ سوار ہو کر لڑائی کی جگہ تجویز کرنے کے لیے پنجتار کے درے کی طرف تشریف لے گئے، فتح خاں بھی ہمراہ تھے، موضع خلی کلے کے پاس جو دو پہاڑ ہیں، ان کے درمیان کا میدان آپ کو پسند آیا، فتح خاں سے فرمایا: اس پہاڑ سے اس پہاڑ تک چار ہاتھ چوڑی سنگین قد آدم دیوار جلد تیار کراؤ، تمھاری ہی حکومت اور کوشش سے یہ کام ہوگا۔

اگلے روز صبح کو خان ممدوح تمام رعایا کو لے کر گیا اور اس زمین کو ناپ ناپ کر سب لوگوں میں تقسیم کر دیا، ان لوگوں نے پتھر لا کر دیوار اٹھانی شروع کر دی، صدہا مزدور لگے ہوئے تھے، فتح خاں نے پنجتار آ کر سید صاحبؒ کو اطلاع کی۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ چملہ اور بنیر کے علمائے سادات اور خوانین کو بھی خطوط بھیجو کہ خادی خاں ہم پر فرانسیسی کو چڑھا لایا ہے، تم بھی آ کر ہمارے شریک ہو، یہ نہ خیال کرنا کہ ہمارا ملک پنجتار سے الگ کوہستان میں ہے، یہ پنجتار تمھارے ملک کا دروازہ ہے، اگر خدانخواستہ انھوں نے اس پر قبضہ کر لیا، پھر تمھارے واسطے بھی قباحت ہوگی، مناسب ہے کہ خط دیکھتے ہی یہاں آ کر ہمارے شریک ہو، خان موصوف

نے اسی وقت خطوط لکھ کر دونوں ملکوں میں قاصد روانہ کیے۔

اگلے روز نماز عصر کے بعد خان ممدوح سید صاحبؒ کو دیوار دکھانے کے واسطے لے گیا، اس میں کہیں کہیں کام رہ گیا تھا، باقی سب تیار ہوگئی تھی، آپ اس دیوار کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، خان مذکور کو بہت شاباشی دی اور فرمایا کہ خان بھائی! اللہ تعالیٰ فرانسیسی کے لشکر کو یہاں نہ لائے، ادھر سے ادھر ہی دفع کر دے؛ اگر آئے تو عاجز اور ضعیف بندوں کو ثابت قدم رکھے، اس دیوار کا سنگر بھی تم نے خوب بنوایا ہے، اس کی آڑ سے لڑنے کا خوب موقع ہے، اس کے بعد آپ نے وہاں چار جگہ چار پہرے مقرر کیے: دو ہندوستانیوں اور دو قندھاریوں کے، پھر وہاں سے پنجتار میں آئے اور رات کے لیے چار چور پہرے مقرر کیے: دو درہ پنجتار کے دائیں طرف اور دو بائیں طرف، اور ان کو حکم دیا کہ جب کہیں یقینی کھٹکا دیکھنا، تب بندوق چلا کر دیوار کے پہروں میں آجانا، شب کے واسطے آپ نے فتح خاں کے سوار مقرر فرمائے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے کہا کہ فتح خاں نے دیوار بنوائی ہے، مگر اس کے درے تو تالی کی آمد کا جو راستہ ہے، اس کا بھی بندوبست ضروری ہے، اگر کوئی بھیدی لشکر مخالف کو ادھر سے نکال لائے، تو لا سکتا ہے۔ مولانا نے عرض کیا کہ بہت خوب، کل آپ تشریف لے چلیں، اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔

اگلے روز نماز فجر کے بعد آپ تمام مجاہدین کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور اس کے روکنے کا موقع تجویز کیا، آخر نالے پر پنجتار کے قریب شیشم کے درختوں کے پاس، جہاں نماز جمعہ پڑھی جاتی تھی، جگہ پسند کی اور تجویز ہوا کہ نالے کے کنارے سے دائیں جانب کے پہاڑ تک ایک سنگین دیوار بنائی جائے، اس فاصلے کا طول چالیس پچاس گز ہوگا۔

غزوہ خندق کی یاد

آپ نے اس زمین کے پانچ حصے کیے: چار حصے اپنی چار جماعتوں کو دیے اور ایک حصہ متفرق لوگوں کو، جماعت خاص کے حصے میں آپ شریک ہوئے، مجاہدین نالے سے پتھر لا لا کر دیوار بنانے لگے، آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ مدینہ منورہ میں غزوہ

احزاب کے موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کے گرد خندق بنانے کی تجویز فرمائی اور تھوڑی تھوڑی زمین ہر جماعت کو تقسیم فرمائی، اور ایک حصہ اپنا بھی رکھا، چنانچہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مل کر وہ خندق تیار کی، اسی طرح آج ہم بھی کفار کو روکنے کے لیے دیوار بناتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہاں ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنت ادا کرائی، جو اس کاروبار میں شریک ہوگا اور محنت ومشقت اٹھائے گا، عنایت الٰہی سے ویسا ہی ثواب پائے گا۔

یہ سن کر ہندوستانیوں کے علاوہ صدہا ولایتی بھی شریک ہو گئے، بعض بعض بھاری پتھر کئی کئی آدمی اٹھا کر لاتے تھے اور سید صاحبؒ اپنے دست مبارک سے اس کو دیوار پر جماتے تھے، چند دنوں میں وہ دیوار بن کر تیار ہوئی۔

لشکر کی آمد

دیوار تیار ہونے کے دوسرے یا تیسرے روز مجاہدین نماز فجر کی تیاری کر رہے تھے کہ یکایک شینے کے سواروں نے آکر خبر دی کہ فرانسیسی لشکر لے کر درے کے اس طرف آپہنچا، سید صاحبؒ نے نماز پڑھ کر جلد فراغت کی اور لوگوں کو کمر بندی کا حکم دیا، مجاہدین ہتھیار باندھ کر تیار ہو گئے، اُس وقت تک ـــــ اور اجالا ہو گیا، اتنے میں لوگوں نے دیکھا کہ موضع مانیری اور موضع صوابئ کی طرف دھواں اٹھ رہا ہے، لوگوں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بستیوں میں سکھوں نے آگ لگا دی ہے۔

جب لشکر درۂ پنجتار میں آکر داخل ہوا تو اس کے آدمی نظر آنے لگے، درے کے دہانے پر موضع سلیم خاں ہے، اس کو بھی انھوں نے جلا دیا اور اس موضع کے میدان میں اپنا لشکر جمایا اور آگے بڑھا، ادھر پنجتار سے سید صاحبؒ سب غازیوں کو لے کر باہر نکلے اور دیوار کے پاس تشریف لے گئے، سب ملکی لوگ بھی وہیں آکر جمع ہو گئے، اگلے سنگر پر جہاں آپ نے چار پہرے مقرر کیے تھے، آپ نے مرزا احمد بیگ پنجابی کو سو جوانوں کے ساتھ ہدایت دے کر روانہ کیا کہ ان چاروں پہروں کو جاتے ہی ہمارے پاس بھیج دو اور جب فرانسیسی کا لشکر

تمھارے پاس آئے تو تم اپنے لوگوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ جانا اور ان سے مقابلہ کرنا، جب وہ ہم سے آ کر مقابلہ کریں تو تم اتر کر پشت کی طرف سے حملہ کرنا، فتح خاں سے آپ نے فرمایا کہ تم ہمارے پاس رہو اور اپنے چالیس پچاس سوار مرزا احمد بیگ کی تقویت کے لیے بھیج دو اور جو تمھارے پیادہ لوگ ہیں، ان کو بائیں جانب کے پہاڑ پر روانہ کردو کہ درۂ تو تالی کا بندوبست کریں اور حملہ اور بنیر کے لوگوں کو دائیں پہاڑ پر بھیجو اور ان سب سے کہہ دو کہ خبردار! تم سکھوں کا کوئی مقابلہ نہ کرنا، جب وہ ہمارے مقابلے پر آئیں اور جانبین سے لڑائی شروع ہو، تب تم ان کے دونوں طرف سے پہلے پہلو مارنا، خان موصوف نے یہی تقریر سب کو سمجھا کر دو پہاڑوں پر روانہ کیا اور قندھاری اور ہندوستانی اور اس ملک کے چند علماء و سادات وغیرہ آپ کے پاس حاضر ہوئے۔

جہاد کی تحریض اور موت کی بیعت

اس وقت مولانا اسمٰعیل صاحب نے اس مسجد میں کھڑے ہوکر، جہاں نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے، آیت بیعت الرضوان کی تلاوت فرمائی اور اس کا ترجمہ کیا، آپ نے اس بیعت کے فضائل بیان کیے اور سب کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا: ''اس وقت سب صاحب، جو حاضر ہیں، حضرت امیر المومنین کے دستِ مبارک پر خالص اس نیت سے بیعت کریں کہ ہم ان شاءاللہ میدان سے نہ ہٹیں گے: یا کفار کو مار کر فتح پائیں گے یا اِسی میدان میں شہید ہو جائیں گے، اِس میں جو صاحب مشیت ایزدی سے شہید ہوں گے، وہ شہادتِ کبریٰ کا درجہ پائیں گے، اور جو زندہ بچیں گے وہ اعلیٰ مرتبے کے غازی ہوں گے۔''

مولانا کی یہ تقریر سن کر لوگوں پر بڑی بشاشت اور سرور طاری ہوا اور ہر ایک پر یہ شوق غالب ہوا کہ میں شہید ہوکر سیدھا بہشت کو چلا جاؤں اور سب بیعت کرنے کو تیار ہو گئے، سب سے پہلے مولانا اسمٰعیل صاحب نے اپنا ہاتھ سید صاحبؒ کے ہاتھ پر رکھا، اس کے بعد اور صاحبوں نے اپنا اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ پر رکھا، جب ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا موقع نہ ملا، تو جنھوں نے ہاتھ رکھے تھے لوگوں نے ان کی پشتوں اور کاندھوں پر ہاتھ رکھے۔ سید صاحبؒ

سب کے بیچ میں تھے، اسی طرح سب نے بیعت کی، بیعت کے جو الفاظ آپ اپنی زبان سے
بآواز بلند فرماتے تھے، وہی سب کہتے جاتے تھے۔ جب بیعت لینے سے آپ فارغ ہوئے تو
سر کھول کر دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد بڑی عجز وزاری کے ساتھ کہا کہ الٰہی ہم
تیرے عاجز وناچار بندے صرف تیری مدد کے امیدوار ہیں، ہم پر ان کافروں کو نہ لا اور ہم کو
ان کے شر سے بچا اور اگر تیری مشیت ازلی میں لانا ہی منظور ہو، تو ہم عاجزوں اور ضعیفوں کو
صبر واستقامت عطا کر اور ان کے مقابلے میں ثابت قدم رکھ اور ان پر فتحیاب کر، اسی طرح
کے بہت سے الفاظ آپ نے اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائے، اس وقت یہ حال تھا کہ گویا ہر
شخص اپنی ہستی سے گزر گیا تھا اور ایک دوسرے عالم میں تھا۔

شہادت کی تیاری اور وصیت

دعا کے بعد ہر شخص بڑے تپاک اور اشتیاق سے ایک دوسرے سے گلے ملا، اپنی
خطائیں معاف کرائیں اور کہنے لگا کہ اللہ نے فتحیاب کیا اور ہم کو تم کو زندہ رکھا، تو پھر ملیں گے، ورنہ
اگر اللہ ملائے گا تو جنت میں ملیں گے اور آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کی کہ بھائیو! جو کوئی
شہید یا زخمی ہو جائے، تو اس کے اٹھانے سنبھالنے کا خیال نہ کرنا، آگے ہی بڑھنے کا ارادہ رکھنا۔

اس کے بعد سید صاحبؒ نے جنگی پوشاک پہنی اور ہتھیار لگائے، ہندوستانی اور
قندھاری مجاہدین ملا کر آٹھ نو سو ہوں گے، ان کو لے کر آپ دیوار کے قریب گئے اور موقع
موقع پر صف باندھ کر سب کو کھڑا کیا اور سب سے کہا کہ جب تک ہم بندوق نہ چلائیں، تم میں
سے کوئی نہ چلائے؛ اور جب تک ہم یہ دیوار پھاند کر نہ جائیں، کوئی نہ جائے۔ صف کے آگے
آپ ادھر سے ادھر چہل قدمی کرتے تھے اور یہی کہتے جاتے تھے، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ
سب بھائی، جن کو سورۂ لایلف یاد ہو، گیارہ گیارہ بار پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیں، اور اسی کا ورد
رکھیں؛ اور جن کو یاد نہ ہو، ان پر اور بھائی پڑھ کر دم کر دیں، یہ فرما کر اپنا رائفل دیوار سے کھڑا
کر دیا اور آپ متوجہ الی اللہ ہو گئے۔

لشکر کے نشان

لشکر مجاہدین میں صرف تین نشان تھے، جو خاص جماعت کا نشان تھا، اس کا نام سید صاحبؒ نے صبغۃ اللہ رکھا تھا، اس پر پارہ الٓمّ کا آخر رکوع وَمَنۡ یَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَه" سے آخر پارہ تک سرخ ریشم سے کڑھا ہوا تھا، وہ نشان دادا سید ابوالحسن نصیر آبادی کے پاس تھا، جس لڑائی میں سید صاحبؒ خود تشریف لے جاتے تھے، وہ نشان بھی جاتا تھا، نہیں تو کہیں نہیں جاتا تھا، دوسرا نشان ابراہیم خاں خیرآبادی اٹھائے تھے، اس کا نام آپ نے مطیع اللہ رکھا تھا، اس پر سورہ بقرہ کا آخری رکوع لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ سے آخر تک سرخ ریشم سے کڑھا ہوا تھا، تیسرا نشان جو محمد عرب(۱) کے پاس تھا، اس کا آپ نے فتح اللہ نام رکھا تھا، اور اس پر سورہ صف کا آخر رکوع یآ یھا الذین آمنو ا ھل ادلکم علی تجارۃ سے آخر سورہ تک لکھا تھا۔

وینٹورہ کا اضطراب

وینٹورہ موضع سلیم خاں کے میدان سے اپنی فوج کا پرا باندھے چلا آتا تھا، موضع توتالی کے برابر داہنی طرف ایک پہاڑی ہے، وہ کچھ فوج ساتھ لے کر اس پر چڑھا اور وہاں بیٹھ کر حاضری کھائی، اس عرصے میں خادی خاں کچھ سکھوں کو لے کر توتالی میں گیا اور وہاں کے گھروں میں آگ لگا کر چلا آیا، جب وینٹورہ حاضری کھا کر فارغ ہوا، تو دوربین لگا کر دائیں بائیں دونوں پہاڑوں پر اور درے کے سامنے دیر تک دوربین سے دیکھتا رہا، اسے لشکر مجاہدین کے لوگ دونوں پہاڑوں پر اور درے کے سامنے اس کثرت سے نظر آئے کہ وہ مرعوب ہو گیا اور گھبرا کے خادی خاں سے کہا کہ تم نے ہمارے ساتھ بڑا فریب کیا ہے، ہم سے تو تم نے یہ کہا کہ پنجتار میں تھوڑے سے لوگ ہیں، اس وقت تو دائیں بائیں دونوں پہاڑوں پر اور سامنے درے میں سواروں، پیادوں اور نشانوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، وہ یہ الزام خادی خاں کو دے کر

---

(۱) محمد عرب سید صاحبؒ کے بڑے مخلص اور نہایت معتقد تھے، سفر حج سے آپ کے ہم رکاب آئے تھے۔

وہاں سے اپنے لوگوں کو لے کر نیچے اترا اور سنگین دیوار کے قریب اپنی فوج لاکر کھڑی کردی۔

حملہ اور ونٹورہ کی پسپائی

مرزا احمد بیگ پنجابی سید صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق اپنے لوگوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور سکھوں نے دیوار گرانی شروع کردی، مخبر نے آکر حضرت کو خبر کی کہ سکھ آگے کی دیوار گراتے ہیں، آپ نے سواروں کو حکم بھیجا کہ آگے بڑھیں اور مرزا حسین بیگ کو کہلا بھیجا کہ شاہینیں ماریں اور سکھوں کو وہیں روکیں، سواروں نے گھوڑے بڑھائے اور مرزا شاہینیں سر کرنے لگے اور دونوں پہاڑوں کے دائیں بائیں بھی ہلّہ کرکے اترنے لگے، ہر طرف سے لوگوں کی یورش دیکھ کر ونٹورہ گھبرایا اور اسے یقین کلی ہو گیا کہ میں اس لڑائی میں فتحیاب نہیں ہوں گا، کوئی ڈیڑھ پہر دن چڑھا ہوگا کہ وہ اپنی فوج کو لے کر بھاگا، لوگوں نے درہ پنجتار سے اس کا تعاقب کیا، اس اثناء میں اس کے کئی آدمی بھی مقتول ہوئے، درحقیقت مجاہدین کی اتنی تعداد نہ تھی، جتنی اس کو دوربین سے نظر آئی، یہ محض ایک تائید غیبی تھی۔

نماز شکر

جب اس کے بھاگنے کی خبر مخبروں نے سید صاحبؒ کو پہونچائی، تو سب کو کمال خوشی ہوئی اور وہیں سب نے نالے سے وضو کرکے شکرانے کی نماز ادا کی، سید صاحبؒ مجاہدین کے ساتھ پنجتار تشریف لے آئے۔

اگلے روز سردار فتح خاں نے آپ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرانسیسی کو یہاں سے دفع کردیا، اب اجازت ہو کہ سب لوگوں کو رخصت کردیں، آپ نے فرمایا کہ ابھی توقف کرو، اس کی تحقیق ہو جائے کہ اس کا ڈیرہ کہاں ہے اس سے اگلے روز شام کو مخبروں نے آکر خبر دی کہ آج فرانسیسی اسباب وسامان کے ساتھ دریائے سندھ اتر گیا اور خادی خاں کو اس نے بہت تسلی دی ہے کہ تم کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا جس وقت تم پر کچھ بھی دباؤ پڑے، فوراً خبر کرنا، خالصہ جی کی فوج تمھاری کمک کو آئے گی۔ یہ سن کر آپ نے فتح خاں سے فرمایا کہ اگلے روز

سب صاحبوں کو رخصت کر دو، صبح کو لوگ آپ سے رخصت ہو کر اپنی بستی چلے گئے (۱)۔

نظام شرعی کی توسیع اور استحکام

پنجتار کی فتح مبین اور وینٹورہ کی پسپائی سے مجاہدین کی استقامت اور ان کی عنداللہ مقبولیت کا چرچا خوب ہوا، اس زمانے میں جن علماء ورؤساء نے ابھی تک بیعت نہیں کی تھی، وہ بھی حاضر ہوئے اور انھوں نے بھی اطاعت کا عہد و پیمان کیا، سید صاحبؒ نے دیہاتوں کا اور قصبات کا دورہ فرمایا اور کثرت سے لوگ بیعت اور توبہ سے مشرف ہوئے اور بعض ایسے نامی قبائل اور برادریاں، جنھوں نے ابھی تک کوئی توجہ نہیں کی تھی، اپنی خوشی سے بیعت اور امارت شرعی میں داخل ہوئیں، یہاں ایک قلمی تحریر کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

''اہل سمہ میں دو قبیلے اسمٰعیل زئی، دولت زئی بڑے طاقتور، قول و قرار کے بڑے پکے اور صداقت اور وفاداری میں بڑے مشہور ہیں، انھوں نے ابھی تک بیعت اور توبہ نہیں کی تھی اور وہ بہت بیگانہ اور دور دور تھے، ملا قطب الدین ننگرہاری، جن کو خدمت احتساب سپرد تھی، وہ دورہ کرتے ہوئے ان قبائل کے مرکز میں پہنچ گئے، وہاں انھوں نے وعظ و نصیحت کی اور اس علاقے کے مسلمانوں کو غیرت دلائی کہ انھوں نے ابھی تک بیعت نہیں کی اور نظام شرعی کو قبول نہیں کیا، انھوں نے اہل سرحد کے رواج اسقاط وغیرہ کی مخالفت کی (۲)، لوگوں کو اس پر بہت غصہ آیا کہ ہم ناواقف عوام ہیں، ہمارے علماء نے ابھی تک ہم کو صحیح دین کی تعلیم نہیں دی، انھوں نے اپنے علاقے کے مولویوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ وہ ملا قطب الدین ننگرہاری سے مناظرہ کریں، وہ علماء ملا قطب الدین کی تقریر سن کر لاجواب ہو گئے، اور انھوں نے خوانین سے کہا کہ اخوند قطب صحیح کہتے ہیں، اس پر تمام خواص و عوام نے کہا کہ اب ہم توبہ

(۱) پنجتار کی جنگ (جیسا کہ منظور کے بیان اور دوسرے قرائن سے معلوم ہوتا ہے) ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ میں پیش آئی۔
(۲) سرحد وافغانستان میں رواج ہے کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے، تو قرآن مجید کا ایک نسخہ ایک مجلس میں کسی ایک کو ہبہ کر دیا جاتا ہے پھر وہ چکر کھاتا ہوا پہلے شخص کے پاس پہنچ جاتا ہے، پھر کچھ نقد دے کر اس کو خرید لیا جاتا ہے پھر وہ نقد اہل مجلس کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا ہے، اس عمل کو اسقاط کہتے تھے، یعنی متوفی کے ذمے جو فرائض، حقوق وعبادات باقی ہیں، وہ ساقط ہو گئے اور گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔

کرتے ہیں اور بیعت وغیرہ کے متعلق جو خدا اور رسولؐ کا حکم ہے، اس کو قبول کر کے اس کو جاری کرتے ہیں۔

عید الاضحیٰ سے فارغ ہو کر وہاں کے تمام رؤساء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اپنے ساتھ (گڑھی امان زئی) لے گئے، اس نواح کے تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت امامت کی۔ اور شریعت قبول کی اور سالہا سال کا فتنہ وفساد اور نزاع ختم ہو گیا''۔

۱۲/ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ کے ایک قلمی خط سے بھی، جس کی تکمیل ۱۳/محرم ۱۲۴۵ھ کو ہوئی، چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

''اوائل شعبان میں بیعت امامت سید صاحبؒ کے ہاتھ پر ہو چکی تھی اور انھیں دنوں سے مقدمات اور تنازعات کے فیصلے اور مجرمین کی تعزیر کے لیے دیہاتوں میں قاضی مقرر ہو گئے تھے اور جاہلی اور افغانی رسوم بالکل موقوف ہو گئی تھیں۔

مانیری کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے، اس کے علاوہ بعض دوسرے مقدمے امیر المومنین کے حکم سے فیصل ہوئے، یہاں کا دستور تھا کہ اگر کوئی فاسق کسی کی عورت کو نکال کر ایک دیہات سے دوسرے دیہات کو لے جائے، تو اس دیہات کے لوگ اس مجرم کی حمایت کے لیے کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور مجرم کو کسی طرح مدعی کے حوالے نہیں کرتے، دو ایک آدمیوں نے اسی جرم کا ارتکاب کیا اور لشکر کشی سے بھی گرفتار نہیں ہوئے، اس نظام شرعی کے نفاذ کے بعد چند مجاہدین امام کے حکم سے آدھی رات کو گئے اور ان کو گرفتار کر کے لے آئے اور سب لوگوں کے سامنے ان مجرمین کو جو سردار فتح خاں کی برادری کے تھے، سر راہ درخت پر لٹکا کر سزا دی۔ اسی طرح دو تین ڈاکو گرفتار ہوئے اور تحقیق کے بعد ان کو سزا دی گئی اور بعض کو قصاص میں قتل کیا گیا۔

کفار کے فرار کے بعد ضلع سمہ کے دور دور کے مسلمانوں نے، جنھوں نے اس سے پہلے نظام شریعت کو قبول نہیں کیا تھا، ذی الحجہ کے اوائل میں بخوبی قبول کیا، سمہ میں ایک مقام ہے جس کا نام گڑھی امان زئی ہے، جس میں دس بارہ ہزار جنگجو لوگ رہتے ہیں، انھوں نے

آپس میں مشورہ کیا کہ یہ کفار مجاہدین کے مقابلے سے بھاگ گئے ہیں، آئندہ سال ضرور آئیں گے اور یہاں کا انتظام کریں گے اور ہم لوگوں کو بہرصورت ایک سے مقابلہ کرنا پڑے گا، اس صورت میں بہتر یہی ہے کہ ہم امام المسلمین کے جھنڈے کے نیچے جنگ کرکے دارین کی سرخروئی حاصل کریں ان لوگوں نے آپس میں اس کا اچھی طرح مشورہ کرکے امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کی اور عشر دینا قبول کیا، چنانچہ آج روزِ تحریر کہ ذی الحجہ کی بارہ تاریخ ہے، حضرت امیر المومنین اس قوم میں بیعت لینے تشریف لے گئے ہیں۔

سردار اشرف خاں مرحوم کا بیٹا مقرب خاں بھی بڑا مخلص ثابت ہوا، اس نے بھی اپنے علاقے کے ہندوؤں میں جزیہ اور مسلمانوں میں عشر مقرر کردیا ہے اور خادی خاں منافق خفاش کی طرح ایک گوشے میں خائف اور ترساں پڑا ہوا چاپلوسی اور معذرت خواہی میں لگا ہوا ہے، اب اس کے لیے دو ہی راستے ہیں: یا مسلمان کامل ہوجائے یا یار محمد خاں کے گروہ میں مخذول بنے۔

اس اثناء میں گڑھی امام زئی کے خوانین کا جرگہ امیر المومنین کو اپنے یہاں لانے کے لیے پنجتار گیا اور امیر المومنین کو گڑھی میں لاکر آپ کے ہاتھ پر بیعت امامت کی اور وہاں کے تمام لوگوں نے امیر المومنین کے حلقہ اطاعت کو اپنی گردن میں ڈالا اور شرع شریف کی پیروی کے لیے کمر بستہ ہوگئے اور جائداد کا جو مناقشہ چلا آرہا تھا، آنجناب کی کوشش سے وہ فیصل ہوگیا اور جو کچھ تھوڑا بہت باقی ہے وہ بھی حکم الٰہی سے فیصل ہوجائے گا، اس خط کی تحریر کے وقت کہ ۱۳/ محرم ۱۲۴۵ھ ہے، امیر المومنین کا قیام موضع بازار نامی میں ہے۔"

● ● ●

چودہواں باب

ہنڈ کی تسخیر اور تنگی کی مہم

خادی خاں سے شاہ اسمٰعیل صاحب کی ملاقات اور اتمام حجت

سید صاحبؒ نے ایک معتبر آدمی کے ذریعہ خادی خاں کو دعوت دی اور فرمایا کہ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں، خادی خاں نے جواب دیا کہ پنجتار میں ہمارا آنا نہ ہوگا، اگر آپ موضع سلیم خاں تشریف لائیں، تو وہاں ہم آسکتے ہیں۔

آپ اگلے روز پنجتار سے کوچ کر کے کوئی تین سو آدمیوں کے ساتھ سلیم خاں تشریف لے گئے اور درے کے سامنے قیام کیا، پانچویں روز خادی خاں پچاس ساٹھ سواروں اور چار سو پیادوں اور سامان جنگی کے ساتھ تیار ہو کر آیا اور درہ پنجتار کے باہر میدان میں ٹھہرا، سید صاحبؒ نے جانے کی تیاری کی، تو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے عرض کیا کہ آپ کا جانا مناسب نہیں، مجھ کو اجازت ہو تو میں ہو آؤں، یہ مشورہ سب کو پسند آیا، آپ نے مولانا کو چند باتیں سمجھا کر دو سو آدمیوں کے ساتھ بھیجا اور سو غازی اپنے پاس رکھے۔

مولانا اسمٰعیل صاحب نے خادی خاں کو اپنے آنے کی اطلاع کی، خادی خاں نے کہلوایا کہ مولانا دو چار آدمیوں کے ساتھ آئیں، میں بھی اتنے آدمیوں کے ساتھ آؤں گا، مولانا چار قرابینچی اپنے ساتھ لے کر جانے کے لیے تیار ہوئے، غازیوں نے کہا کہ ہم صرف چار

آدمیوں کے ساتھ آپ کو نہ جانے دیں گے، اس شخص کا کچھ اعتبار نہیں، مولانا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، ہم کو کسی چیز کا اندیشہ نہیں، تم اس وقت اس کار خیر میں حارج نہ ہو۔

مولانا تشریف لے گئے اور میدان میں خادی خاں سے ملاقات کی، آپ نے سید صاحبؒ کا پیغام خادی خاں کو پہنچایا کہ ہم کو تم سے یہ امید نہ تھی کہ تم مسلمانوں پر کفار کو چڑھا لاؤ گے اور ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے مقابلہ کرو گے، تم نے بالکل بغاوت ہی پر کمر باندھ لی ہے، اب بھی خیریت ہے، کفار کی شرکت سے توبہ کرو اور دائرہ شریعت سے قدم باہر مت رکھو، اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، تمھارا قصور معاف کر دے گا، نہیں تو دنیا میں بھی ذلیل و رسوا ہو گے اور آخرت میں بھی۔

خادی خاں کا صاف جواب

خادی خاں نے جواب دیا کہ خفا نہ ہونا، ہم لوگ رئیس اور حاکم ہیں، سید بادشاہ کی طرح ملا مولوی نہیں ہیں، ہماری شریعت جدا ہے، ان کی جدا، ان کی شریعت پر ہم پٹھان لوگ کب چل سکتے ہیں؟ بار بار سید بادشاہ ہمارے پیچھے کیوں پڑتے ہیں؟ ہمارے حق میں ان سے جو کچھ ہو سکے وہ درگزر نہ کریں۔

خادی خاں یہ جواب دے کر ہنڈ چلا گیا اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سید صاحبؒ سے آملے اور سب مجاہدین واپس پنجتار آگئے۔

تنگی والوں کی فریب دہی

موضع تنگی (۱) کے کئی آدمی عرصے سے سید صاحبؒ کے پاس آتے رہے اور کہتے رہے کہ جب سے ہماری بستی میں درانیوں کا عمل ہوا ہے، وہ ہم لوگوں کو بہت ستاتے ہیں، ہم نے کوشش کر کے اپنی بستی کے تمام لوگوں کو ملا لیا ہے، اگر کچھ مجاہدین ہمارے ہمراہ کر دیں، تو ہم اپنی بستی پر آپ کا قبضہ کرا دیں، اس سے پشاور کا راستہ کھل جائے گا اور ہم لوگ خود ہی پشاور

---

(۱) یہ قصبہ تحصیل چارسدہ، ضلع پشاور میں چارسدہ سے بجانب شمال، تقریباً ۱۸ ؍ میل کے فاصلے پر ہے۔

والوں سے نمٹ لیں گے، سید صاحبؒ نے خوانین سے مشورہ لیا، انھوں نے بھی وہاں ایک مہم بھیجنے کی تائید کی۔

آپ نے کوئی تین سو آدمی اچھے چست اور چالاک انتخاب کیے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو امیر کیا اور ارباب بہرام خاں اور مولوی امیر الدین صاحب کو بھی آپ کے ہمراہ کیا، جب تنگی دو میل کے قریب رہ گیا، تو تنگی کے دو تین آدمی جو ساتھ تھے، انھوں نے مجاہدین کو کھڑا کر دیا اور خود آگے بڑھے، تیس چالیس قدم پر چار زرہ پوش سوار نیزے باندھے انتظار میں کھڑے تھے، وہ ان سے ملے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، ارباب بہرام اور مولوی امیر الدین صاحب کو بلا کر ان سے ملایا، ان لوگوں نے کہا کہ جن لوگوں کے مشورے سے ہم نے آپ لوگوں کو بلایا تھا، ان سب لوگوں نے صاف صاف جواب دے دیا اور سب جا کر درانیوں سے مل گئے، اگر آپ ہم کو وہاں لے چلیں تو ہم لوگوں کی بربادی اور خرابی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، اب ہم لوگوں کی یہی صلاح ہے کہ آپ اپنے لوگوں کو لے کر پلٹ جائیں، انھوں نے تو ہم سے فریب کیا، مگر ہم آپ کے قصوروار ہیں، آپ ہم کو جو چاہیں سو کریں، صبح کو ہم بھی آ کر حاضر ہوں گے۔

یہ تقریر سن کر مولانا نے غصے ہو کر فرمایا کہ تم جھوٹے ہو، یہ تمام شرارت اور دغابازی تم ہی لوگوں کی ہے کہ ہم لوگوں کو اتنی دور سے بلا کر حیران و سرگرداں کیا اور اپنا مطلب نکال کر ہم کو صاف جواب دے دیا، بے شک تم لوگ تعزیر و ملامت کے لائق ہو۔

مولانا اپنے لوگوں کو ساتھ لے کر سید صاحبؒ کے پاس واپس آ گئے اور پوری روداد سنا دی سید صاحبؒ بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ اتنے مہینے سے وہ نامعقول آتے جاتے تھے، بڑے فریبی اور دغاباز نکلے۔

قلعہ ہنڈ کی تسخیر کی تجویز

فرانسیسی جنرل کی پسپائی اور مسلمانوں کی اس تائید غیبی سے قرب وجوار کے علاقوں اور عام سرداروں اور خوانین پر بڑا اچھا اثر پڑا اور کئی نئے علاقے اور قبائل و سردار اپنی خوشی سے نئے نظام میں داخل ہوئے، یہ سلسلہ بہت وسیع ہوتا، مگر خادی خاں کی مخالفت اور علیحدگی

مذبذب اشخاص اور قبائل کے لیے بہت بڑا بہانہ اور راستے کی بڑی رکاوٹ تھی، لوگ برملا کہتے تھے کہ خادی نے شریعت قبول نہیں کی، تو اس کا کیا ہو گیا اور ہم نہ قبول کریں گے، تو ہمارا کیا ہو جائے گا، دو ایک گاؤں والوں نے مجاہدین کے ساتھ دغا بھی کی اور ان کو اپنے یہاں جہاد کی دعوت دے کر اور سرداروں سے اپنا ذاتی کام نکال کر واپس کر دیا، پشاور اور درانی سرداروں بالخصوص یار محمد خاں کا معاملہ کچھ کم اہم نہ تھا، ایک وقت میں جماعت کے سامنے یہ سب مسائل تھے، لیکن خادی خاں کا معاملہ پرانا اور سب سے اہم تھا اور اسکی اہمیت اس لیے بھی سب سے زائد تھی کہ اس نے فرانسیسی جرنیل اور سکھوں کو مجاہدین کے خلاف جنگ کی دعوت دے کر اسلام اور شعائر اسلام کی بڑی ہتک کی تھی، سمہ کے علاقے اور پنجتار اور اس کے نواح میں نظم واطاعت کی جو ایک فضا اور ماحول پیدا ہو رہا تھا، ہنڈ اس میں بہت رخنہ انداز تھا، وہ اپنے جائے وقوع اور فوجی نقطہ نظر سے بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا، ان سب خصوصیات کی بنا پر خادی خاں اور ہنڈ کا مسئلہ اولین توجہ کا محتاج تھا۔

سید صاحبؒ اس زمانے میں موضع بازار (سُدُم) میں تشریف رکھتے تھے، آپ نے مبین خاں سے کہہ کر کسی کی ایک حویلی خالی کرائی، اس حویلی کے گرد کئی پہرے مقرر کر دیے اور وہاں آپ نے چیڑ کی لکڑی کے قلابے اور چار سیڑھیاں بنوائیں، تمام جماعتوں سے پانچ سو چست و چالاک اور آزمودہ کار غازی انتخاب کیے، مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب کو اس کا امیر اور ارباب بہرام خاں کو اس کا نائب امیر بنایا، ان دونوں صاحبوں کے علاوہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ سب تیاری کس لیے کی جا رہی ہے، رخصت کے وقت آپ نے سب کو سنا کر مولانا سے فرمایا کہ آپ امان زئی کی گڑھی سے ہو کر جایئے، ان شاء اللہ ہم بھی آپ کے پیچھے پنجتار آتے ہیں، اپنے باورچی خانے کا اسباب و سامان بھی خچروں پر لدوا کر ان کے ساتھ کر دیا اور شلیتوں میں لپیٹ کر دو اونٹوں پر وہ چاروں سیڑھیاں بھی لدوائیں اور ان اونٹوں کو ارباب بہرام خاں کے ساتھ کیا۔

مولانا سدم سے گڑھی امان زئی ہوتے ہوئے ترکئی پہنچے، ارباب بہرام خاں بھی شیوہ

ہوتے ہوئے ترکئی میں مولانا سے مل گئے اور وہاں سے سب نے مل کر ہنڈ کی طرف کوچ کیا۔

سفر کی روداد

اس مہم کی روداد ایک خط میں موجود ہے، جو حالات کی اطلاع اور شرکت جہاد کی ترغیب کے لیے ہندوستان بھیجا گیا تھا:

''ترکئی میں لشکر کا رخ پنجتار کی طرف تھا، جس کو لوگ سمجھتے تھے کہ پنجتار کو واپسی ہے، یہاں سے ہنڈ کا قلعہ سات کوس کے فاصلے پر ہے، مولانا نے قلعے کو عبور کرنے کے لیے چوبی نردبان تیار کرائے، ۷/صفر(۱) کو عصر کے وقت جہاد کے ارادے سے کوچ ہوا جب دیہات سے نکلے، تو اہل دیہات نے خیال کیا کہ یہ خادی خاں کی طرف جاتے ہیں، وہ اس منافق کے دوست تھے، نردبان کے اونٹوں کا سامان اچھا نہ تھا، اس لیے وہ بار بار گرتے تھے اور باندھے جاتے تھے، اس کی وجہ سے اسی دیہات کے قریب عشاء کا وقت ہو گیا، دیہات اور قلعہ ہنڈ کے درمیان اگرچہ صرف سات کوس کا فاصلہ تھا، لیکن یہ میدان ایک دشت بے نشان تھا، جس میں سمت و جہت کی بھی تمیز نہ ہوتی تھی، محمد بیگ خاں نامی ایک شخص جو خادی خاں کا چچا تھا اور اس کی زبردستی کی وجہ سے ایک مدت سے مارا مارا پھرتا تھا، وہ اس لشکر کا رہبر تھا اور اس کو میدان میدان لیے جا رہا تھا، اگرچہ راستہ سات کوس سے زیادہ تھا، لیکن رات کا بڑا حصہ اسی دشت میں گزر گیا اور ہنڈ کا راستہ نہ معلوم ہو سکا اور خود رہبر بھی راستہ بھول گیا، لشکر بیحد خستہ و پریشان اور منزل مقصود سے مایوس ہو کر ٹھہر جاتا اور کبھی توکل پر چلنے لگتا، چار پانچ گھڑی رات رہے یہ مشورہ ہوا کہ اب کسی دوسری جگہ واپس ہونا چاہیے لیکن یہ خیال کر کے کہ اس قدر مشقت اٹھائی اور کچھ ہاتھ نہ آیا، اہل لشکر کو بڑا رنج و قلق ہوتا تھا اس سے پہلے تنگی کی مہم میں ناکام واپس ہوئے تھے، اس سے اہل لشکر کا دل ٹوٹا جاتا تھا اور وہ اپنی قسمت پر افسوس کر رہے تھے آخر اللہ پر بھروسہ کر کے اس رہبر کے پیچھے پیچھے ایک طرف کو چلے، اس اثناء میں ایک شخص، جو قلعہ ہنڈ کے راستے سے خوب واقف تھا، پہنچ گیا اور اس نے صحیح رہنمائی کی، لشکر میں اس وقت ایک ہزار آدمی تھے، گرمی کی

(۱) ۱۲۴۵ھ

شدت، سایہ دار درخت اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے پیاس اور خستگی شدت کی تھی، ابھی کچھ رات باقی تھی اور قلعہ کے آثار نظر نہیں آتے تھے، سب سے بڑا تردد یہ تھا کہ قلعے پر حملہ اندھیری رات ہی میں مناسب ہے، دن نکل آنے اور روشنی ہو جانے کے بعد یہ کام نہیں ہو سکے گا، پانی کے بغیر بھی قلعہ کی لڑائی مشکل ہے، اس تمام تردد کے باوجود خدا کے بھروسے پر دوڑے چلے جا رہے تھے کہ اب تو جو کچھ ہوگا، وہ ہوگا، اپنی کوشش میں کمی نہیں کرنی چاہیے۔

قلعہ ہنڈ کے اندر

اتنے میں صبح کی سفیدی ظاہر ہوئی اور دیکھا، تو قلعے کے سامنے تھے اور قلعے کے آثار صاف نظر آرہے تھے، مولانا نے پچیس نفر قرابین باز اور تفنگچیوں کو، جو اپنی چابک دستی اور چالاکی میں تمام لشکر میں ممتاز تھے، پہلے روانہ کر دیا اور کہا کہ تم کمال ہوشیاری کے ساتھ خفیہ طریقہ پر قلعے کے دروازے کے بہت نزدیک پہنچ جاؤ، اب نردبان کی ضرورت باقی نہیں رہی، نماز کا وقت ہو گیا، لوگ رفع ضروریات کے لیے قلعے سے باہر آئیں گے، اور دروازہ کھولیں گے، دروازے کھلتے ہی یکبارگی حملہ کر دینا اور دروازے میں داخل ہو جانا اور قلعے میں داخل ہوتے ہی یکبارگی تفنگ اور قرابینیں چلا دینا، آواز کے سنتے ہی ہم لوگ یورش کر دیں گے، اور تمام خفیہ لشکر قلعے میں داخل ہو جائے گا، ان تمام باتوں کو انھیں اچھی طرح سمجھا کر روانہ کر دیا، پچیس آدمی ایک ایک دو دو کر کے روانہ ہوئے، قلعے کا دروازے کھلتے ہی انھوں نے تفنگ اور قرابین کی باڑھ ماری، مولانا نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ، جو اس وقت ایک سو پچاس کے قریب تھے، ایک دم حملہ کر دیا جس وقت وہ داخل ہوئے، چند غافل چوکیداران مقابلے میں پڑ گئے، دو ایک قتل ہو گئے اور باقی بھاگ گئے، چند مجاہدین دروازے کے انتظام کے لیے دروازے پر کھڑے رہ گئے اور باقی خادی خاں کے مکان کی طرف چلے اور ایک بار اس کے گھر کے اندر تفنگ اور قرابین کی باڑھ ماری۔

خادی خاں کا قتل

خادی خاں کو اپنے فہم اور اپنے اقبال کا اتنا غرہ تھا کہ رات کو لوگوں نے اس کو خبر دی

تھی کہ سید صاحبؒ کا لشکر تمھارے سر پر آتا ہے، خبر دار رہنا خادی خاں بہت ہنسا اور خبر دینے والے کو بیوقوف بنایا اور کہا کہ سید کی یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ اس طرف کا رخ کرے، وہ بیچارہ درویش آدمی ہے، اگر وہ اس طرف کا ارادہ بھی کرے گا، تو ہمارے گرد و پیش کے دیہات کے لوگ اس کے لیے کافی ہیں، میں راستے ہی میں اس کی خبر لے لوں گا، یہاں کی نوبت ہی نہ آئے گی، وہ اسی غفلت میں تھا کہ اس کے لیے صبح قیامت نمودار ہوئی اور صاعقہ قوم ثمود کی طرح قرابین کی باڑھ اس نے سنی، وہ ہر طرف گھبرا گھبرا کر دوڑتا تھا اور اپنے لوگوں کو کمر بندی کا حکم دیتا تھا، لوگوں پر افواج الٰہی کا ایسا ہراس طاری تھا کہ وہ بھاگے جارہے تھے، اس کے بہت سے ساتھی اور بھائی بھاگ گئے، پہلی ہی باڑھ کے وقت اس نے اپنے متعلقین کو اپنے مکان سے نکال کر سادات کے مکان میں بھیج دیا، جو اس ملک میں سب سے زیادہ محفوظ جگہ ہوتی ہے، اور غنیم اس پر دست انداز نہیں ہوتا، خود اپنے گھر کے اندر اپنا مال و دولت لینے کے لیے ٹھہر گیا، جب مجاہدین اس کے گھر کے اندر آئے تو ان کی نظر اس پر نہیں پڑی، جب دوسری بار انھوں نے حملہ کیا، تو وہ گھر کے اندر سے نکل کر اپنے کوٹھے کے اوپر آ گیا اور گھبراہٹ میں ہر طرف دوڑنے لگا، وقت آچکا تھا مجاہدین کے پے در پے گولیوں سے اس کا کام تمام ہو گیا، اس وقت قلعے میں لشکر میں زیادہ سے زیادہ صرف دوسو آدمی تھے، باقی میدان میں سرگرداں ہو کر پیچھے رہ گئے تھے، دو گھڑی دن چڑھے تک سب قلعے میں جمع ہو گئے قلعے میں جو کچھ نقد روپے تھا، معلوم نہیں، وہ کہاں گیا اور اس کو کون لے گیا، توفیق الٰہی سے مجاہدین کو لوٹ سے احتراز ہے، لیکن دوسرے ولایتی لوگ اس سے باز نہیں آتے، البتہ چند گھوڑے اور اونٹ، جو لشکر مجاہدین کے کام آنے والے ہیں، سرکار میں داخل ہو گئے ہیں، جو مال غنیمت کی تقسیم کے وقت لشکر کو تقسیم کر دیے جائیں گے۔(۱)

چار چھ گھڑی دن چڑھے مولانا نے سید صاحبؒ کو اطلاع دی کہ فضل الٰہی سے قلعہ ہنڈ میں ہم اپنا بندوبست کر لیا ہے، اور صرف خادی خاں اور ایک ہلوا ہا وہاں مارا گیا، عنایت الٰہی سے ہماری طرف کا کوئی زخمی بھی نہیں ہوا، سب لوگ سلامت ہیں۔(۲)

---

(۱) مکاتیب قلمی (۲) وقائع احمدی ص ۱۴۸۸

خادی خاں کی لاش کو طالب علموں کے ذریعہ ایک چارپائی پر رکھوا کر مکان کے پچھواڑے ایک حجرے میں رکھوا دیا گیا، کچھ دیر کے بعد خادی خاں کے بھائی امیر خاں اور غلام خاں نے چند ملاؤں کو خادی خاں کی لاش اور اہل وعیال کے لینے کو بھیجا، مولانا نے لاش لے جانے کی اجازت دے دی اور اہل وعیال کے لیے فرمایا کہ بغیر سید صاحبؒ کی اجازت کے ہم نہیں بھیجیں گے، وہاں سے جیسا حکم ہوگا، ویسا ہم کریں گے، خادی خاں کے عزیزوں اور لوگوں نے خادی خاں کو اس کے آبائی گورستان میں جو ہنڈ کے قلعے سے آٹھ نو سو قدم کے فاصلے پر ہے، رات کو دفن کر دیا۔

مولانا کے حسن تدبیر سے ہنڈ کا نامی قلعہ اس طرح سے فتح ہو گیا کہ مجاہدین میں سے کسی کی نکسیر بھی نہ پھوٹی، مخالفین میں سے صرف خادی خاں اور ایک ہلوا ہا قتل ہوا۔

●●●

جنگ زیدہ اور یار محمد خاں کا قتل

جنگ کے محرکات واسباب

ہنڈ کی فتح اور زیدہ کی جنگ اور اس کے محرکات واسباب کے متعلق (قلمی) مکتوبات کے ایک مجموعے میں ایک مفصل فارسی تحریر ہے جو سید صاحبؒ کے مرکز سے اطلاع احوال کے لیے بھیجی گئی تھی، یہ تحریر زیدہ کی جنگ کے اگلے مہینے ۶ ربیع الآخر کو لکھی گئی تھی (۱) یہ ایک سلسلۂ یادداشت اور مفصل روداد ہے، جس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

امیر خاں کی فتنہ انگیزی

''خادی خاں، سردار اشرف خاں مرحوم کا داماد اور اس کے جانشین مقرب خاں کا بہنوئی تھا، سردار اشرف خاں مرحوم حضرت امیر المومنین کے مخصوص مخلصین میں سے تھے اور اسی بنا پر وہ اوران کے لڑکے خادی خاں کے مخالف تھے، سردار مقرب خاں بھی جماعت میں داخل تھا اور خادی خاں کی مخالفتوں کو پسند نہیں کرتا تھا، لیکن اس کا دل روادار نہ تھا کہ خادی خاں کو قتل کردیا جائے، اس واقعے سے اس کو کچھ ملال ہوا، لیکن اس نے خادی خاں کی علانیہ حمایت اور جماعت سے انحراف پسند نہ کیا، خادی خاں کا حقیقی بھائی امیر خاں مقرب خاں کے پاس آیا اور مقرب خاں سے یہ

(۱) زیدہ کی جنگ ربیع الاول ۱۲۴۵ھ کے مہینے کی کسی تاریخ میں ہوئی، غالباً ۵ یا ۶ ربیع الاول کو۔

خواہش کی کہ وہ بھائی کا انتقام لینے میں اس کی مدد کرے اور اس کو مشتعل کرنے کی بہت کوشش کی، مقرب خاں نے اس کو منظور نہیں کیا اور کہا کہ میں صرف مرحوم کے متعلقین کی رہائی اور تمھاری جانشینی کے لیے حضرت سے سفارش کرسکتا ہوں، چنانچہ وہ امیر المومنین کے پاس آیا اور درخواست کی کہ خادی خاں کے لواحق کو، جو محصور ہیں، رہا کر دیا جائے اور امیر خاں کو جانشین تسلیم کر کے قلعہ ان کے حوالے کر دیا جائے، حضرت نے اس کو بہت دلاسا دیا اور بڑی خاطر داری فرمائی اور خادی خاں کے متعلقین کی رہائی کے لیے مولانا کو جو لشکر کے امیر تھے ایک شُقّہ تحریر فرمایا۔

ابھی قلعہ کو فتح ہوئے تین ہی روز ہوئے تھے، اسی دن واقعہ یہ پیش آیا کہ مولانا نے ملا سید شاہ نامی اپنے ایک معتمد کو ایک ضرب شاہین لانے کے لیے پنجتار بھیجا، ملا صاحب کے ساتھ چودہ آدمی غیر مسلح پنجتار سے آرہے تھے، ۱۲ر صفر کی صبح کو فصیل قلعہ کے برجوں پر سے چوکیداروں نے دیکھا کہ دور سے کچھ سوار آرہے ہیں، انھوں نے نقارے پر چوٹ لگائی اور تمام لشکر کمر بندی کر کے تیار کھڑا ہو گیا لیکن یہ قطعی طور پر نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ دشمن ہی ہیں، احتمال تھا کہ شاید اپنے ہی لوگ ہوں، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ غلام خاں اور امیر خاں کے سوار ہیں، جو بندوقیں سر کرتے ہیں، اور میدان میں گھوڑوں کو دوڑاتے ہیں، بعض لوگوں نے کہا کہ ہمارے آدمی شاہین لانے گئے ہیں، یہ لوگ ان کو مارنے کے لیے دوڑ رہے ہیں، جلد پہنچ کر ان کی مدد کرنی چاہیے اسی حیص بیص میں دو گھنٹے گزر گئے، اتنے میں شاہین والوں میں سے ایک شخص ظالموں کے ہاتھ سے بچ کر قلعے میں پہنچ گیا، اس نے اطلاع دی کہ منافقین کے سوار شاہین کو لے گئے اور بارہ مجاہدین شہید ہو گئے، اس خبر جانکاہ کو سن کر خصوصیت کے ساتھ اس لیے کہ واقعہ قلعہ ہنڈ کے متصل ہی واقع ہوا تھا، نہایت درجہ تاسف و حسرت ہوئی اور اس پر سخت افسوس ہوا کہ کیوں پہلے ہی تحقیق کر کے ان کی مدد نہیں کی، لیکن مشیت ایزدی سے چارہ نہیں۔

مقرب خاں کی کنارہ کشی

جب خادی خاں کے متعلقین کی رہائی کی بابت حضرت کا شقہ مولانا کو ملا، تو آپ نے اس وجہ سے کہ ان متعلقین کے محصور ہونے کے باوجود ان منافقین نے اتنی شورش کی،

توان کے رہا ہونے کے بعد، واللہ اعلم کیا فتنہ اٹھائیں گے، مصلحت کی بنا پر اس واقعے کو حضرت کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا، اس کے بعد دو مرتبہ مقرب خاں کے پاس خاطر سے اور اس خیال سے کہ یہ لواحق محض بے قصور ہیں، ان کو تکلیف دینا اور مقید رکھنا خوب نہیں، حضرت کے لیے شقے پہنچے، لیکن پھر یہاں عقلاء لشکر کے مشورے سے مولانا نے حقیقت حال عرض کرتے ہوئے اور متعلقین کی رہائی کو خلاف مصلحت سمجھتے ہوئے اپنی اصطلاحی زبان میں ایک عرضداشت مقرب خاں کی معرفت حضرت کی خدمت میں روانہ کی، مقرب خاں نے اس خط کو اپنے منشی سے پڑھوایا، اس بیچارے کو کیا خبر تھی؟ وہ ایک حرف بھی نہ پڑھ سکا، اس نامانوس خط سے مقرب خاں کے ہوش اڑ گئے اور اس کو ڈر پیدا ہوا کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے کہیں میری شکایت تو نہیں کی اور کوئی خطرناک بات تو نہیں لکھی، چنانچہ وہ اس ڈر سے نہ تو حضرت کی خدمت میں گیا اور نہ امیر خاں وغیرہ سے ملا بلکہ اپنے کو اس معاملے سے الگ کر کے گھر بیٹھ رہا۔

راستے مسدود ہو گئے

جب یہ خبر تمام اطراف میں مشہور ہوئی، تو متعلقین خادی خاں کے رہا نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ لشکر مجاہدین سے بددل ہو گئے اور جو دیہات منافقین کے جانبدار تھے وہ جانی دشمن بن گئے اور انھوں نے ہندوستانیوں کا آنا جانا ہر طرف سے بند کر دیا، ہندوستان کے راستے مسدود ہو گئے اور خطوط کا پہنچنا بھی بے انتہا مشکل ہو گیا۔

سید صاحبؒ زیدہ میں

مقرب خاں کی خانہ نشینی کے بعد اس کے دو بھائی فتح خاں اور ارسلاں خاں، جو اشرف خاں کے سعادت مند بیٹے اور سید صاحبؒ کے مخلصین میں سے تھے، سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم اپنے باپ کی طرح حضرت کے غلام اور حلقہ بگوش ہیں تادم زیست آپ کے فرماں بردار رہیں گے اور جان و مال آپ کی خدمت میں قربان

کریں گے، ہماری آرزو ہے کہ بالفعل حضرت ہمارے غریب خانے میں، جو مقام زیدہ میں ہے اور قلعہ ہنڈ سے دو کوس کا فاصلہ ہے، تشریف لے چلیں، ہماری قوم ہرگز سرکشی نہیں کرے گی اور آپ کے وہاں تشریف رکھنے سے سب زیر ہو جائیں گے، پس حضرت موضع زیدہ میں تشریف لے آئے اور ہنڈ کے سامنے مجاہدین کی کمک پر بیٹھ گئے، لیکن ابھی اطراف کے راستے مجاہدین کی آمد و رفت کے لیے نہیں کھلے، جن لوگوں کو علاقہ سدوم میں بعض ضرورتوں سے چھوڑ کر چلے آئے تھے، وہ وہیں محصور رہ گئے، کچھ لوگ پنجتار میں سامان کی حفاظت کے لیے پڑے ہوئے ہیں اور لشکر کا بڑا حصہ حصار کی حفاظت کے لیے قلعہ میں ہے، باقی دو سو آدمی حضرت کے ہمرکاب ہیں غرض یہ کہ ایک ہزار مجاہدین، جو پہلے مجتمع تھے، اب متفرق و پراگندہ ہیں۔

امیر خاں کی یار محمد خاں کے ساتھ سازش

حضرت نے فرمایا کہ اگر خادی خاں کا بھائی امیر خاں پہلے بیعت کر لے، تو ہم قلعہ ہنڈ اس کو بخش دیں گے اور اس قصے کو ختم کر دیں گے، یا قلعے کو اس کے بھائیوں میں سے کسی مستحق کے حوالے کر کے دوسرے کاروبار میں مشغول ہو جائیں گے، اس کے بھائیوں نے حضرت کو قلعے مرحمت ہو جانے پر صلح کا پیغام بھیجا۔

ایک طرف صلح کی بات چیت ہو رہی تھی، دوسری طرف امیر خاں جنگ کے بندوبست کے لیے، اور درانیوں کا لشکر اپنی مدد کے واسطے لانے کے لیے بڑی جدوجہد کر رہا تھا، وہ یار محمد خاں سردار پشاور کے پاس گیا اور کمک کے لیے دس بارہ ہزار روپیہ پیش کیے۔

ہنڈ پر حملے کی تیاری

سمہ کا ملک سردار پشاور کے قبضے میں کبھی بھی نہیں رہا تھا، گزشتہ سال یار محمد خاں نے فوج کشی کی تھی، مگر مجاہدین کے خوف سے ناکام واپس آیا، اس موقع پر جب اس نے ان اطراف کی اکثریت کو حضرت کی مخالفت پر کمربستہ دیکھا اور اپنی کئی قسم کی منفعتیں دیکھیں، جن میں سے ایک منفعت یہ بھی تھی کہ دس بارہ ہزار روپے محض فوج کشی کرنے سے مل جائیں گے،

تو اس نے ہنڈ پر حملہ کرنے کے لیے لشکر تیار کیا، اس کے بھائی سلطان محمد خاں نے اس کو بہت منع کیا اور کہا کہ تم ہرگز سید صاحبؒ کے مقابلے میں وہاں مت جاؤ، یہ وہی شخص ہے، جس کے مقابلے میں فرانسیسی جرنیل کو لشکر جرار اور ہزاروں کی فوج کے باوجود شرمندگی و ذلت اٹھانی پڑی اور سید صاحبؒ بڑے تمکنت اور وقار کے ساتھ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر جمے رہے، اگر تم کو شکست ہوگئی تو پشاور تک سلامتی کے ساتھ پہنچنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

لیکن یار محمد خاں نے جو اپنی طاقت کے غرور کے نشے میں سرشار اور مجاہدین کی بے سرو سامانی سے اچھی طرف واقف تھا، اس کی پروانہ کی، پہلے تین سو معتمد سواروں کو چار بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ اپنے آگے روانہ کیا تا کہ وہ گڑھی ہریانہ میں جو خادی خاں کے بھائی کا مرکز تھا، ڈیرہ ڈالیں۔

مجاہدین سے مختلف معرکے

وہاں سے قلعہ ہنڈ پورے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے، پشاوری سواروں کے پہنچنے سے پہلے ملکی منافقین کے سوار روزانہ قلعہ کے گرد اہل قلعہ کے مویشیوں کو لوٹنے کے لیے حملے کرتے تھے، اہل قلعہ جن کو صرف قلعے کی نگہبانی کا حکم تھا، قلعہ میں رہ کر جنگ کرتے رہتے تھے، البتہ اونٹوں کو چرانے کے لیے بیس تیس بندوقچی حفاظت کے لیے ان کے ساتھ جنگل تک جایا کرتے تھے، ایک دن لوگ اونٹوں کو چرانے کے لیے گئے ہوئے تھے اور تمام لشکر قلعہ کے اندر تھا کہ زیدہ اور قلعہ ہنڈ کے بیچ میں مغرب و شمال کے درمیان موضع کنڈہ سے بندقوں کی آوازیں آئیں تمام مجاہدین مولانا کے ساتھ دروازہ قلعہ کے باہر تفتیش کے لیے گئے، لیکن کچھ نظر نہ آیا، وہاں سے لوٹ کر لوگ تو اپنی جگہ چلے گئے، لیکن مولانا اسی دروازے پر بیٹھے رہے، جو لوگ فصیل اور برجوں کے روبرو تھے، انھوں نے دیکھا کہ چاروں طرف سے سواروں اور پیادوں کا لشکر خیل خیل قلعے کی طرف بڑے عزم و ارادہ کے ساتھ آرہا ہے۔

یہ معلوم ہوتے ہی مولانا نے نقارہ بجانے سے منع کر دیا اور چند مجاہدین کو، جو بڑے چابک دست اور کارگزار تھے، حکم دیا کہ خفیہ طریقے پر جوار اور گنے کے کھیتوں میں جو سواروں

کے ٹھہرنے کی پرانی جگہ تھی چھپ کر بیٹھ جائیں جس وقت یہ لوگ اطمینان کے ساتھ اپنی پرانی جگہ پر آکھڑے ہوجائیں، یکبارگی ان کے سینوں کو گولیوں کا نشانہ بنالیا جائے، لیکن جب یہ لوگ مولانا کی اجازت سے قلعے کے اندر سے نکلے تو یکدم مخالفین کے سر پر جا پڑے اور مولانا کی ہدایت کو بالکل بھول گئے بس فوراً جنگ شروع ہوگئی اور میدان کے وسط میں معرکہ کارزار گرم ہوگیا۔

چونکہ مجاہدین نے مولانا کے مشورے سے تھوڑی سی جماعت کو باہر نکالا تھا، لیکن اپنے جوش میں مولانا کے مشورے کو بھول کر اپنے کو دو تین سو سواروں اور صدہا لشکر کے نرغے میں ڈال دیا تھا اور ان میں گھر کر رہ گئے تھے، اس لیے چار و ناچار ان کی کمک کے لیے دوسرے مجاہدین کا نکلنا ضروری ہوا اور تین سو کے قریب آدمی قلعے سے نکل کر اس معرکے میں شریک ہوگئے، وہ تین سو سوار، جن کو یار محمد خاں نے پیش خیمے کے طور پر پہلے بھیج دیا تھا، وہ دور سے یہ تماشا دیکھ رہے کہ مخالفین کی بندوقیں جتنی دیر میں ایک باڑھ مارتی ہیں مجاہدین کی بندوقیں دس باڑھیں مارتی ہیں، اس سے ان کے قدم ڈگمگا گئے، اس وقت امیر خاں نے ان سے کہا کہ اب تم بھی حملہ کرو، انھوں نے جواب دیا کہ یہ ہندوستانی بلا کے لوگ ہیں، جتنی دیر میں تم ایک بندوق چلاتے ہو، ان کی بے حساب چلتی ہیں، ہم آگ کی اس بارش میں کود نہیں سکتے، آخر کار وہ سب کے سب میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور مجاہدین آسمانی کمک سے مظفر و منصور و نیک نام ہوئے۔

اس دن سے ولایتیوں نے یہ جان لیا کہ ہندوستان شبخون کے علاوہ کھلے میدان میں بھی خوب لڑ سکتے ہیں، منافقوں کو غرور تھا کہ ہم سوار ہیں اور ہندوستانی پیادہ، وہ مقابلہ نہیں کر سکتے، ان کی جرأت روز بروز بڑھ رہی تھی، لیکن اس دن وہ افسردہ خاطر ہوگئے اور طرفین سے خاموشی ہوگئی اور مخالفین پر ایک طرح کا رعب طاری ہوگیا کہ کہیں ہندوستانی شبخون نہ ماریں۔

یار محمد خاں ہریانے میں

کچھ دنوں کے لیت و لعل کے بعد سردار یار محمد خاں چھ ضرب توپ اور شاہینوں کے

ساتھ اور ہاتھیوں اور اونٹوں اور بے شمار سوار و پیادہ لشکر کے ساتھ ہریانے میں داخل ہوا اور داخل ہوتے ہی اس نے توپیں چلائیں، حضرت امیر المومنین نے مولانا صاحب کو تمام لشکر کے ساتھ قلعہ ہنڈ میں طلب کیا اور مولانا مظہر علی کو دو سو معتبر مجاہدین کے ساتھ قلعے کی حفاظت کے لیے وہاں چھوڑا، ملکی آدمی (جو توپ سے بہت ڈرتے تھے) توپ کی آواز سنتے ہی اپنا اپنا سامان لے کر پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے، منافقین پشاور کو خوب معلوم تھا کہ اس ملک کے لوگ توپ سے بہت ڈرتے ہیں، وہ صبح و شام فیر کرتے رہتے تھے، سَمہ کے اکثر لوگ، جو خادی خاں کے جانبدار تھے، پشاور کے لشکر میں شریک ہوگئے اور جو مخلص تھے، وہ درانی توپ خانے کے ڈر سے اسلامی افواج میں شرکت کرنے سے پہلو تہی کرنے لگے، اب خدا کی کمک، کمزور مسلمانوں کے لشکر یا زیدہ والے فتح خاں پنجتاری اور فتح خاں اور ارسلاں خاں کے سوا کوئی حامی اور مددگار نظر نہیں آتا تھا۔

دیہاتوں میں لوٹ مار

ایک دن پانچ سو مخالف سوار کنڈہ کی طرف گئے اور کنڈہ کے برابر ایک موضع شاہ منصور میں جمع ہوئے، اس طرف اس احتمال سے شاید آج جنگ پیش آئے وہ تمام سوار اور پیادہ جو موجود تھے، جا بجا سے اکٹھے ہو کر اس کے مقابلے کے لیے تیار ہوئے، لیکن مخالفین صوابی، کالا، درہ اور مانیرئی دیہاتوں کی طرف، جو زیدہ والوں کے ساتھ تھے، مال و مویشی لوٹنے کے لیے کنارے کنارے حملہ کرتے رہے اور ان گاؤں والوں کو سید صاحبؒ کے خلاف ورغلاتے رہے، مانیرئی میں چند دلاور نوجوان نے حملہ کر دیا اور ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور ان سے دو تین گھوڑے چھین لیے، حملہ آور شکست کھا کر وہاں سے بھاگے، ایک دوسرے گاؤں میں گھس کر وہاں کے مال و مویشی کو بالکل تاراج کر دیا، غرض اسی طرح وہ لوٹ مار کرتے رہے اور مقابلے کی تاب نہ لا سکے، ایک ہفتے تک یہی خبر پہنچتی رہی کہ یار محمد خاں کل مقابلے کے لیے آئے گا اور لشکر کی کمر بندی ہوتی رہی، لیکن یہ موقع پیش نہ آیا۔

نامہ و پیام

چند روز تک اسی طرح لشکروں کی آراستگی وصف آرائی اور کبھی کبھی معمولی جھڑپ ہوتی رہی، جس سے مخالفین کو مجاہدین کی قوت کا اندازہ ہوتا رہا، ایک دن مخالفین کی طرف سے ایک شخص، جو خاندان سادات میں سے تھا، مجاہدین کے لشکر میں صلح کا سفیر ہو کر آیا، حضرت نے فرمایا کہ صلح بہر صورت اچھی چیز ہے، لیکن یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس جنگ کا مقصد کیا تھا، جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تمام مسلمان شریعت الٰہی کو قبول کر لیں اور نظام شرعی کو جاری کر دیں، اس کے سوا ہمارا کوئی مطالبہ اور جھگڑا نہیں۔

اس گفتگوئے مصالحت میں شام کا وقت ہو گیا، کچھ لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ اگر ہم کو حکم ہو تو ہم رات ہی کے وقت شب خون ماریں، اگر مخالفین غافل ہوئے، تو کیا کہنا، ورنہ رات کو لشکر کی قلت و کثرت کا حال معلوم نہیں ہو سکتا، ہم رات کے اندھیرے میں اپنی جان پر کھیل کر اپنی تلواروں کے جوہر دکھائیں گے، حضرت نے فرمایا کہ صلح کا پیغام درمیان میں ہے، میں چھاپہ مارنے کی اجازت کس طرح دے سکتا ہوں؟ یہ طریقہ خدا کو پسند نہیں، اکثر ہندوستانی مولانا سے بڑی گریہ وزاری کے ساتھ کہتے تھے کہ اگر یہ رات گئی، تو بہت حسرت ہو گی۔

یار محمد خاں کا متکبرانہ جواب

اسی گفتگو میں رات کا کچھ حصہ گزر گیا اور حضرت مخالفین کے جواب کے انتظار میں بیٹھے رہے اور تمام مجاہدین تیار و کمر بستہ اپنے اپنے بستروں پر اپنی کمر سیدھی کرنے لگے، اور انھوں نے کمر کھولنا مصلحت نہ سمجھی، اسی اثناء میں جو آدمی صلح کے لیے گیا تھا، متکبرانہ جواب لے کر آیا کہ ہم کو صلح بالکل قبول نہیں، بلکہ لشکر کے بعض متکبروں نے کہا کہ اگر اب سید کی طرف سے کوئی صلح کا پیغام لے کر آئے گا، تو ہم اس کا سر اڑا دیں گے۔

حملے کا حکم

یہ سن کر حضرت امیر المومنین کی حمیت ربانی کو جوش آیا اور اسی وقت فوراً حکم دیا کہ

لشکر اسلام کمر بستہ ہوکر مولانا کے ساتھ جائے اور شب خون مارے۔(۱) پس تمام ہندوستانی و قندھاری مجاہدین اور اس ملک کے دوسرے مخلصین، جو زیادہ سے زیادہ آٹھ سو سوار و پیادہ ہوں گے، چھاپے کے لیے مولانا کے ہمراہ روانہ ہوئے اور دو سو آدمی حضرت کی خدمت میں کمر بستہ موجود رہے تا کہ بعد میں کمک کے لیے جائیں۔

زیدہ کی جنگ

مولانا نے لشکر کو زیدہ کے باہر مرتب کیا اور جنگ کے مقدمات اور رفتار کی وضع اچھی طرح سمجھا دی، ہندوستانی ولایتیوں سے الگ ہوکر سب سے آگے روانہ ہوئے اور بڑی پھرتی اور چالاکی کے ساتھ جس طرح مخالف توپ خانہ و شاہین خانہ اور مخالفین کا مورچہ تھا، چلے، لشکر بہت قریب تھا، لیکن کترا کر چلنے کی وجہ سے نصف کوس کا فاصلہ طے کرنا پڑا، اس اثناء میں لشکر کا ایک چوکیدار نظر آیا، جو اپنے ہاتھ میں مشعل لیے ہوئے تھا اس نے جب لشکر کو دیکھا تو فوراً مشعل بجھا دی مجاہدین نے وہاں سے اپنے قدم اور تیز کر دیے، وہ ابھی چند قدم آگے بڑھے تھے کہ مخالفین کے لشکر کے سو سوار ہمارے لشکر کے سامنے ظاہر ہوئے، لیکن انھوں نے ہم سے کوئی مزاحمت نہ کی، مجاہدین نے اپنی رفتار اور تیز کر دی، بعض آدمیوں نے چاہا کہ ان سواروں پر بندوقیں چلائیں لیکن مولانا اور دوسرے عقلاء نے بڑی سختی سے روکا اور کہا کہ یہ وقت تیز رفتاری کا ہے، بندوق چلانے کا نہیں، جب ہم دو تیر کے فاصلے پر پہنچ گئے، تو ہمارے لشکر میں کسی نے بڑی جلدی کے ساتھ ان سواروں پر بندوق کا فیر کر دیا، جو ہمارے آگے آگے چل

---

(۱) وقائع میں ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد سید صاحبؒ نے کھانا تناول فرمایا اور لوگوں کو آرام کرنے کا حکم دیا اور خود بھی آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے، تھوڑے ہی عرصے کے بعد آپ یکبارگی اٹھے اور مولانا اسمٰعیل صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ مجھ کو جناب الٰہی سے الہام ہوا کہ تو کیوں اپنی تدبیر سے غافل ہے؟ تیرے دشمن تیری تدبیر کر رہے ہیں، فتح و شکست تو ہمارے ہاتھ میں ہے، تو بھی جو کچھ تدبیر کر سکے کر، یہی وقت ہے، چنانچہ چھاپے کی تیاری ہوئی اور مولانا بستی کے باہر گڑھی میں ٹھہرے، اس عرصے میں سردار یار محمد خاں کے افسروں (ارباب جمعہ خاں، فیض اللہ خاں اور حاجی کا کڑ وغیرہ) نے خفیہ خط بھیجا، جس میں اطلاع دی کہ یہاں لشکر میں اس بات کی تیاری ہو چکی ہے کہ صبح زیدے کو توپوں کے گولوں سے مسمار کر دیا جائے گا اور مجاہدین کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا جائے گا اس لیے آپ اس وقت جو کچھ ہو سکتا ہے، اس میں تساہل نہ کیا جائے۔

رہے تے گویا کہ ہمارے رہبر ہیں، فیر ہوتے ہی سوار یک لخت بھاگے اور اسی وقت یکبارگی مجاہدین کی بندوقیں بے تحاشہ چل گئیں اور تکبیر کا غلغلہ بلند ہو گیا۔

مجاہدین کی جانبازی اور توپوں پر قبضہ

لیکن ابھی اصل لشکر یہاں سے کافی فاصلے پر تھا، لوگ دوڑنے سے تھک گئے، کچھ لوگ آگے بڑھے اور اکثر تھک کر پیچھے رہ گئے، تکبیر کے سوا صرف یہ آواز سنائی دیتی تھی کہ بھائیو آؤ ہم نے توپ پر قبضہ کر لیا ہے، یہ کمزور کسی نہ کسی طرح سے افتاں وخیزاں بڑھے، جب ایک بیگھے کا فاصلہ رہ گیا، تو توپ خانے میں مہتابی روشن ہوئی اور اس کے روشن ہوتے ہی توپیں اور شاہین چلنے لگے اس موقع پر لشکر کا ہر گروہ ایک دوسرے سے ممتاز ہو گیا، مولانا صاحب اور بعض دوسرے دیندار دلاور پیاسوں کی طرح توپوں کے سر پر پہنچ گئے اور اپنے کو اس آگ میں ڈال دیا، باقی دوسرے ہندوستانی بھائی اپنے اپنے مراتب اور ہمت کے مطابق یکے بعد دیگرے وہاں پہنچ گئے، اس موقع پر ان دلیر بندگان خدا نے عجیب وغریب قوت سے کام لے کر آگ کی اس بارش میں کود کر توپوں پر قبضہ کر لیا۔

درانی لشکر کا فرار

جس وقت مجاہدین کا توپوں پر قبضہ ہو گیا، درانی بے تحاشا بھاگے اور پشاور کے سوا کسی طرف انھوں نے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، لیکن ابھی تک مخالفین کی صرف چار توپوں پر قبضہ ہوا تھا، دو توپیں ابھی ان کے قبضے میں تھیں اور کسی کو ان کی خبر نہ تھی جب مجاہدین کو اس کا علم ہوا، تو مولانا نے حکم دیا کہ مردان خدا، ہمت کرو اور دونوں توپوں پر بھی قبضہ کر لو، مجاہدین نے بڑھ کر دونوں توپیں بھی دشمن سے چھین لیں اور مجاہدین کو شاندار فتح ہوئی، خدا کی قدرت کا تماشا اور تعز من تشاء وتذل من تشاء کا مضمون ظاہر ہوا اور ثابت ہوا کہ عسکر وسامان نمائش ظاہری کے سوا کچھ نہیں، اصل چیز نصرت الٰہی اور جوش ایمانی ہے۔

ہندوستانی مجاہدین، جن کا خدمت دین کے سوا کچھ کام نہیں، مال غنیمت کی لوٹ مار سے

بالکل مجتنب رہے، لیکن قندھاری اور ولایتی اپنی قدیم عادت کے مطابق لوٹ مار میں پڑ گئے۔

غلط خبر

زیدہ میں مجاہدین کی شکست کی خبر مشہور ہوگئی (۱) اور اس کو باور کرنے کے تمام ظاہری اسباب موجود تھے، اس لیے دیہات کے تمام مخلصین اپنے دیہاتوں سے چلے گئے اور مخالفین کے جانبداروں نے ہر طرف سے یورش کی اور بندوقیں چلاتے ہوئے اس طرف بڑھے، ان کی گولیوں کا جواب مجاہدین کے توپ خانہ نے اپنے گولوں سے دیا اور وہ الٹے پاؤں واپس ہوئے یہ چار پانچ گھڑی رات رہے کا واقعہ ہے۔

یار محمد خاں کی ہلاکت

یار محمد خاں اور اس کے لشکری فرار کے وقت کوئی سامان نہ لے جا سکے، یہاں تک کہ پاؤں کی جوتیاں بھی وہیں رہ گئیں (۲) یار محمد خاں کو کاری زخم لگا اور وہ پشاور پہنچنے سے پہلے اس دنیا سے کوچ کر گیا (۳) اس کے لشکر کے سات بڑے بڑے سردار اور تین سو کے قریب لشکری

---

(۱) وقائع میں ہے کہ جب مولانا اسمٰعیل صاحب شنجون کے لیے آگے بڑھے تو سید صاحب مسجد میں چلے گئے اور ننگے سر ہوکر بہت دیر تک بڑی گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرتے رہے، اس کے بعد گڑھی کے برج پر تشریف لے آئے، کچھ دیر میں بندوقوں کی ایک باڑھ چلی، پھر کچھ عرصے میں توپوں کی پانچ آوازیں ہوئیں، پھر کچھ دیر میں توپیں چلنی موقوف ہوگئیں، پھر ادھر سے توپ کی آواز آنے لگی، اس کے بعد مولوی امیر الدین ولایتی نے آکر عرض کیا کہ وہاں تو جتنے مجاہد آپ نے بھیجے تھے، اس میں سے ایک نہیں بچا، سب شہید ہوگئے، یہ سن کر سب لوگ بڑے غمزدہ ہوئے، سردار فتح خاں نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اب آپ پنجتار تشریف لے چلیں، اگر آپ رہیں گے، تو اللہ تعالیٰ پھر جہاد کا سامان درست کردے گا، سید احمد علی صاحب کی بھی یہی رائے تھی، سید صاحب فرماتے تھے کہ نہیں بندوقوں کی باڑھ کے بعد جو توپیں چلتی تھیں، اس کا شعلہ رنجک اس طرف نظر آتا تھا اور کارتوس کا شعلہ اس طرف، جب توپیں کچھ دیر بند ہوکر پھر چلنے لگیں، تو اسکے برعکس معاملہ نظر آنے لگا، یعنی اس طرف شعلہ کارتوس اس دلیل سے ہم کہتے ہیں کہ فتح اللہ تعالیٰ نے ہم کو دی ہے، لیکن دونوں صاحب اصرار کرکے آپ کو پنجتار لے گئے۔

(۲) وقائع میں ہے کہ سردار یار محمد خاں کے باورچی خانے میں پلاؤ کی دیگیں پکی ہوئی تیار رکھی تھیں اور منوں ہر قسم کا میوہ تھا، لشکر میں چند عورتیں تھیں، جنھیں درانی لوگ پکڑ کر لائے تھے، مولانا نے انھیں اپنے اپنے گھر بھیج دیا۔

(۳) وقائع میں ہے کہ اخوند ظہور اللہ اور امیر خاں خٹک نے بیان کیا کہ ہم نے اکثر معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ سردار یار محمد خاں ہریانہ اور دوڈھیر کے درمیان فوت ہوا۔

مقتول ہوئے، مجاہدین کے لشکر میں سے صرف چار آدمی شہید ہوئے اور سات آدمیوں کو خفیف زخم لگا۔

مال غنیمت

مال غنیمت میں ہندوستانیوں کے ہاتھ چھ ضرب توپ، آٹھ ضرب شاہین، چالیس قطار اونٹوں اور ایک ہاتھی کے سوا کچھ نہ لگا، باقی اکثر ملکی اور ولایتی لے گئے جو فتح کی خبر سن کر چاروں طرف سے آ گئے تھے، امیر المومنین نے فتح خاں پنجتاری اور فتح خاں زیدہ والے اور چند مجاہدین کو، جو پشتو زبان جانتے تھے، حکم دیا کہ وہ لوگوں کو سمجھائیں کہ انھوں نے جو ڈیرے اور گھوڑے لوٹے ہیں، وہ ہمارے ہی ہاتھ فروخت کر دیں، اس لیے کہ لشکر کو ان چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ اس طرح سے کچھ خیمے اور کچھ گھوڑے اور جمع ہو گئے۔

پنجتار میں فاتحانہ داخلہ

اس کے بعد حضرت امیر المومنین توپ خانے، لشکر، شتر، ہاتھی اور اپنے اہل ملک کے ساتھ پنجتار میں داخل ہوئے (۱) مبارکباد کا غلغلہ زمین و آسمان سے بلند ہوا اور شادمانی اور

---

(۱) وقائع میں ہے کہ مولانا جب زیدے پہنچے، تو سید صاحبؒ کے استقبال کے لیے نقاروں اور نشان سمیت دو سو سوار روانہ کئے اور مرزا حسین بیگ اور کئی غازیوں سے فرمایا کہ جب حضرت کی سواری نزدیک آئے، تو اکیس فیر خوشی کے چلانا اور توپوں کے پیچھے غازیوں کی صف آراستہ کر کے کھڑی کی، جب موضع شاہ منصور میں حضرت کی سواری نمودار ہوئی تو مولانا چند غازیوں کو ہمراہ لیکر آپ کی ملاقات کو آگے بڑھے، سید صاحبؒ مولانا کو دیکھ کر اپنی سواری سے اترے اور آ کر مولانا کو اپنے سینے سے لگا لیا ادھر توپیں چلنی شروع ہوئیں، جب اکیس فیر ہو چکے تو غازی لوگ قرابین و بندوق کی بھرماری کرنے لگے، یہاں تک کہ سید صاحبؒ توپوں کے قریب تشریف لائے اور فرمایا کہ بھائی، اب بھرماری موقوف کرو، پھر ننگے سر ہو کر جناب الٰہی میں بڑے الحاوزاری کے ساتھ دعا کی اور طرح طرح سے اللہ تعالیٰ کی ثناء و صفت اور قدرت و عظمت اور اپنی مسکینی اور محتاجی کو بیان فرمایا، سب لوگ آمین، آمین کہتے تھے۔

جب آپ زیدے سے پنجتار کی طرف روانہ ہوئے، تو ملکی لوگ دف بجاتے تھے اور پشتو میں چار بیت گاتے تھے ننگی تلواریں لیے اچھلتے کودتے تھے، خان اور ملک، جو سردار یار محمد خاں سے مل گئے تھے، آ آ کر اپنا عذر بیان کرتے تھے، آپ ان کو تسلی اور دلجمعی کرتے تھے، سواری کے آگے زیدے کی تمام عورتیں غول باندھ کر دف بجاتی چار بیت گاتی ہوئیں، آپ نے ان کو پانچ پانچ روپے بطور انعام دلوائے، راستہ بھر یہی حال رہا، پنجتار پہنچ کر اول آپ مسجد میں گئے اور دو رکعت نفل پڑھی، پھر اپنے برج میں تشریف لیگئے اور جماعت مجاہدین اپنے ٹھکانوں پر اترے۔

اظہار مسرت کے لیے توپیں چلیں، مخالفین شرمندہ اور زرد رو ہوئے بعضوں نے جلاوطنی اختیار کی اور بعضوں نے توبہ واستغفار کیا، کیا دوست، کیا دشمن، ایک دنیا تھی، جو اس خبر کو سن کر نیاز مندانہ حاضر ہوتی تھی اور مبارکباد دیتی تھی۔

لوٹ مار کی مذمت کا پر اثر وعظ

ایک روز حضرت نے لشکریوں اور تمام حاضرین کو جمع کیا اور وعظ فرمایا کہ لوٹ بہت بری چیز ہے، یہ حقیقت میں اسلام کی بدخواہی ہے، جس طرح جہاد دین کی اعانت اور قوت کے لیے ایسا مقبول کام ہے کہ اکثر گناہ اس کی برکت سے بخش دیے جاتے ہیں، اسی طرح سے عین معرکہ میں لوٹ کرنا دین کی شکست ہے اور اس کے سبب سے تمام اعمال صالحہ اکارت ہو جاتے ہیں، اور اس کا مرتکب جہنم کا مستحق ٹھہرتا ہے، اس بات کا ایسا اثر پڑا کہ لوگوں نے لوٹ کا تمام مال پنجتار کی مسجد میں جمع کر دیا اور ایک سو ستائیس گھوڑے لشکر کی طرف سے اور کچھ دیہات کی طرف سے تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب جمع ہو گئے اور بہت سے خیمے ڈیرے بھی اکٹھے ہو گئے، خدا کی راہ کا پانچواں حصہ نکال کر باقی شریعت کے احکام کے مطابق مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔

فتح کا اثر

اس طرح یہ کامیاب مہم شاندار فتح اور عظیم الشان نیکنامی پر ختم ہوئی اور یار محمد خاں کی سازشوں اور مخالفتوں سے غریب الوطن مجاہدین کو امان ملی، بند راستے کھل گئے، مجاہدین اور مہاجرین کی آمد و رفت شروع ہو گئی، ہندوستان کے خطوط پہنچنے لگے اور دور دور تک مجاہدین کی قوت و اقبال مندی کا سکہ دلوں پر بیٹھ گیا۔

امیر خاں کا قتل

امیر خاں خٹک، جو اس ملک میں سرگروہ منافقین تھا، وہ بھی اس فتح کے بعد کمال اخلاص مندی کے اظہار کے ساتھ حاضر ہوا اور درخواست کی کہ حضور بندے کے لیے ایک

شُقّہ لکھ دیں کہ فلاں دیہات، جو قدیم سے ہماری ملک تھا اور اب دشمنوں کے قبضے میں چلا گیا ہے، مجھے واپس مل جائے اور وہاں کے لوگ مزاحم نہ ہوں، اس شقّے کی وجہ سے میرا خاص اعتبار ہوگا اور کام نکل جائے گا، حضرت کو اس کا حال خوب معلوم تھا اور اس کی بدطینتی سے اچھی طرح آگاہ تھے، آپ نے اس سے فرمایا کہ کچھ دن ہمارے ساتھ رہو، بیعت اور توبہ کرو، اس کے بعد ہم تم کو اطمینان کے ساتھ تمھاری زمین پر قابض کر دیں گے، امیر خاں کے دل میں فتور تھا، وہ اس وقت آپ کے پاس سے چلا گیا اور حضرت کی طرف سے ایک جعلی تحریر بنائی اور اپنے لشکر کو لے کر اس موضع میں گیا، وہاں اہل دیہات نے اس کا مقابلہ کیا، دونوں طرف سے بندوقیں چلیں، امیر خاں کو گولی لگی اور وہ بھی مقتول ہوا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سال منافقین کی نکبت وزوال کا ہے۔(۱)

قیدی کے ساتھ سلوک

سردار یار محمد خاں کا ایک مصاحب زخمی مقید تھا، اس کو آپ نے پنجتار کی شمالی فصیل کے اندر ایک خیمے میں اپنے قریب اتارا، نور بخش جراح اس کی مرہم پٹی کرتے تھے اور ہر روز حلوا پکا کر کھلاتے تھے، پاؤ بھر گھی، پاؤ بھر گڑ اور آدھ سیر آٹا آپ کے باورچی خانہ سے روزانہ اس کے لیے مقرر تھا، چند روز میں اس کا زخم اچھا ہو گیا، آپ نے اس سے فرمایا کہ اب اگر تمھارا جی چاہے، تو ہمارے لشکر میں رہو، سب بھائیوں کو جو کھانا کپڑا ملتا ہے تم کو بھی ملے گا اور اگر کہیں جانے کا ارادہ ہو تو وہاں تم کو بھجوا دیں اس نے کہا کہ پشاور جاؤں گا، آپ نے کئی جوڑے عمدہ کپڑے بنوا دیے اور سواری کو ایک عمدہ گھوڑا عنایت کیا، اور راستے کا کچھ خرچ دیا اور کئی ملکیوں سے کہا کہ ان کو نوشہرے تک پہنچاؤ، وہاں سے یہ آپ پشاور کو چلے جائیں گے، آپ کے فرمانے کے مطابق وہ ملکی نوشہرے تک چھوڑ آئے۔

مال غنیمت کی تقسیم اور مجاہدین کا ایثار

غنیمت کے مال واسباب کے پانچ حصے کیے گئے، ان میں سے ایک حصہ بیت المال

---

(۱) مکتوبات فارسی (قلمی)

میں داخل کیا گیا، اور چار حصے غازیوں میں تقسیم کیے گئے، ایک ایک حصہ پیادوں کو ملا اور دو دو سواروں کو۔ ملکی لوگ، جو چھاپے میں شریک تھے، وہ تو اپنے اپنے حصے لے گئے، ہندوستانی غازیوں نے کہا کہ ہم تو بیت المال سے کھاتے پیتے ہیں حصہ لے کر کیا کریں گے؟ یہ بھی بیت المال میں داخل کر دینا چاہیے، یہ خبر سید صاحبؒ کو ہوئی، تو آپ نے سب کے سامنے فرمایا کہ بھائیو، یہ حصہ تمھارا حق ہے، تم جو چاہو، سو کرو، جو کوئی خوشی سے اسے بیت المال میں داخل کر دے، ہم اس کو روکتے نہیں، اس کا ثواب اس کو جدا ہوگا، اس امر میں کسی پر جبر نہیں اور نہ فرض و واجب، یہ بات سن کر اکثر نے تو داخل کر دیا اور کمتر لوگوں نے اور جن کو حاجت تھی، انھوں نے رکھ لیا اور اپنے اپنے صرف میں لائے۔(۱)

---

(۱) وقائع احمد

پنجتار میں

قاضیوں کے تقرر کی درخواست

ایک روز پنجتار اور زیدہ کے دونوں فتح خاں آپس میں مشورہ کر کے سید صاحبؒ کے پاس آئے، اور عرض کرنے لگے کہ حضرت، اب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو ہمارے اس ملک کا بادشاہ کیا، ہم برضا و رغبت یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنا ایک ایک قاضی ہمارے یہاں مقرر کریں کہ وہ ہم لوگوں میں شرعی احکام جاری کرے اور ہماری بستیوں سے آپ کے واسطے عشر بھی مقرر ہو اور ہم تمام ملک سمہ کے خوانین سے کہیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ وہ بھی اس باب میں چون و چرا نہ کریں گے۔

آپ نے کہا: "جزاکم اللہ فی الدارین" مسلمانوں کو ایسا ہی کرنا چاہیے، مگر ہم یہ بارگراں کسی بھائی پر نہیں ڈالتے، اگر کوئی برضا و رغبت تمھارے کہنے سے قبول کرے، تو بہتر ہے، اللہ تعالیٰ تم کو اجر دے گا۔

دونوں فتح خاں آپ سے رخصت ہو کر اپنے اپنے مکان پر گئے اور ملک سمہ کے تمام خوانین کو اسی مضمون کا خط لکھ کر روانہ کیا اور کئی دن کے بعد دو دو چار ملک اور خان اپنی اپنی بستیوں سے سید صاحبؒ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے بخوشی شریعت کے احکام قبول کیے،

ہمارے یہاں آپ قاضی مقرر کر دیں کہ ہم لوگوں میں شریعت کے موافق احکام جاری کریں اور ہم آپ کو عشر بھی شریعت کے موافق دیں گے۔

آپ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی اپنی بستی کے علماء کو ہمارے پاس بھیجو ہم انھیں تمھاری بستیوں کا قاضی مقرر کر دیں گے، وہ خوانین اپنی اپنی بستیوں میں جا کر اپنے اپنے علماء کو بھیجتے تھے اور آپ ان کو قاضی مقرر کر کے روانہ کر دیتے تھے۔

چند دنوں کے بعد غلے کی فصل آئی، ہر ایک ملک اور خان نے اپنی بستیوں سے خچروں، گدھوں پر عشر کا غلہ وغیرہ لاد کر بھیجنا شروع کیا، مگر اپنی مرضی کے موافق، سید صاحبؒ کسی سے کچھ کمی بیشی کے امر میں تعرض نہیں کرتے تھے، جو وہ بھیجتے تھے وہ آپ لے لیتے تھے۔

توپ خانے کا مرکز اور گولے کا کارخانہ

ایک روز آپ چند غازیوں کے ساتھ موضع چنڈلئ کے درے کی طرف جو پنجتار سے میل بھر کے قریب ہے، تشریف لے گئے، وہاں ایک چھوٹا سا پہاڑ کا ٹیکرا ہے، اس کے اوپر ایک ہموار میدان ہے، آپ نے اس مقام کو توپ خانے کے واسطے پسند فرمایا اور فرمایا کہ پنجتار سے توپیں لا کر اس پر لگا دی جائیں اور بقدر حاجت گولہ بارود وغیرہ رکھنے کو اور گولندازوں کے رہنے کو مکان بنائے جائیں۔

آپ وہاں سے مکان پر تشریف لے آئے، کئی روز کے بعد غازیوں نے آپ کے فرمانے کے مطابق وہاں مکان بنانے شروع کیے، چند روز میں بن کر تیار ہو گئے، آپ کو اطلاع کی، آپ نے اجازت دی اور غازیوں نے پنجتار سے توپوں کو لے جا کر اس ٹیکرے پر چڑھا دیا اور توپوں کے علاقے کے لوگ وہیں جا کر رہنے لگے، ہر ایک توپ کے پیٹے میں کچھ کچھ جنگی کارتوس تھے۔ آپ نے مولوی خیر الدین صاحب اور مولوی احمد اللہ صاحب سے فرمایا کہ توپوں کے گولے کم ہیں، ہر توپ کے پانچ پانچ سو گولے پورے کر لیے جائیں۔

چند دنوں کے بعد دونوں صاحبوں نے موضع قاسم خیل میں گولے بنانے کا کارخانہ جاری کر دیا، ایک روز سید صاحبؒ چند مجاہدین کو لے کر وہاں تشریف لے گئے اور وہاں بیٹھ کر

گولے بنانے کا کام دیکھا۔

فنون سپہ گری کی مشق اور اکھاڑے

نواب وزیر الدولہ مرحوم نے ایک گھوڑا اسمند میانہ اور خوبصورت ساز و یراق سے درست پنجتار بھیجا، آپ نے وہ گھوڑا مولوی احمد اللہ صاحب ناگپوری کے سپرد کر دیا، جو گھوڑے کی سواری کے بڑے استاد تھے، اور فرمایا کہ اس کو لے جایئے اور اسکی خدمت و پرورش کیجئے، اس پر ہم سوار ہوا کریں گے، دس بارہ دن کے بعد سید صاحبؒ اس پر سوار ہوئے اور مولوی احمد اللہ صاحب بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور نالے پر میدان میں شیشموں کے درختوں کے وہاں تشریف لے گئے اور اس کو پھیرنا شروع کیا اور اس کی طبیعت اور چال کی بہت تعریف کی۔

آپ کی عادت تھی کہ جس فن و ہنر میں آپ کامل مہارت رکھتے تھے، اس فن کا اگر کوئی اور بھی ماہر ہوتا، تو اس پر اپنی استادی نہیں جتاتے تھے، چنانچہ گھوڑے پر سوار ہو کر برچھے ہلانے کی آپ کو بڑی مہارت تھی اور مولوی احمد اللہ صاحب بھی اس ہنر میں مہارت رکھتے تھے، اس روز آپ نے فرمایا کہ مولانا صاحب آپ برچھا خوب ہلاتے ہیں، ہم کو بھی دو چار ہاتھ سکھایئے، مولوی صاحب عذر کرنے لگے کہ سبحان اللہ! آپ خود اس فن میں استاد کامل ہیں، آپ مجھ کو تعلیم فرمائیں، میں کیا آپ کو سکھاؤں گا؟ آپ نے فرمایا کہ مولانا صاحب، اللہ تعالیٰ نے ایک سے ایک کو زیادہ کیا ہے اور فضل و ہنر دیا ہے اور خصوصاً اس ہنر کے استاد تمھارے ہی ملک میں ہوتے ہیں پھر آپ نے اور مولوی صاحب نے اس میدان میں نیزہ بازی شروع کی، بے شمار ہندوستانی اور ولایتی کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے، اس چستی و چالاکی سے دونوں صاحب اپنے اپنے گھوڑے پر نیزہ بازی کے پیچ کرتے تھے کہ دیکھنے والے حیرت میں تھے، نہ وہ ان کی چوٹ کھاتے، نہ یہ ان کی، پھر سید صاحبؒ نے اپنا گھوڑا ٹھیرا کر لٹو دار بنیٹی اپنے ہاتھ میں لی اور ایک مولوی صاحب کو دی اور فرمایا کہ مولانا صاحب خوب ہوشیار رہنا، اب ہم تم پر چوٹ کریں گے، تم بھی اپنا وار کرنے میں درگزر نہ کرنا، پھر دونوں صاحبوں نے کسرت کرنی شروع کی، سید صاحبؒ پیچ کرتے کرتے کبھی مولوی صاحب کی کمر میں بنیٹی لگا دیتے اور کبھی پہلو میں، کبھی

شانے میں اور کبھی گردن میں، مولوی صاحب بہتیری کوشش کرتے تھے، مگر نہیں بچ سکتے تھے، شام کے قریب آپ نے کسرت موقوف کی۔

مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں نے کئی استادوں سے نیزہ بازی سیکھی مگر جو پیچ آپ نے اس وقت مجھ پر کیے، یہ مجھ کو آج تک کسی نے نہیں بتائے، یہ پیچ آپ ضرور مجھ کو سکھائیں، آپ نے فرمایا، ماشاءاللہ! مولانا صاحب، اس فن میں آپ کو بھی خوب مہارت ہے، اور آپ کے ہاتھ بھی خوب منجھے ہوئے ہیں، باقی اس کے جو نکات مجھ کو معلوم ہیں، اگر آپ سیکھیں گے، تو میں ضرور آپ کو سکھاؤں گا، پھر وہیں مسجد میں مغرب کی اذان ہوئی، سب نے نماز پڑھی، سید صاحبؒ اپنے مکان پر آئے اور مولوی احمد اللہ صاحب اپنے ڈیرے میں چلے گئے۔

اسی روز سے نیزہ بازی کی کسرت پنجتار میں شروع ہوئی، تیسرے چوتھے روز سید صاحبؒ اسی گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے جاتے اور عصر اور مغرب کے درمیان مولوی احمد اللہ صاحب کے ساتھ بنیٹی لے کر نیزہ بازی کی کسرت کرتے اور مولوی صاحب کو سکھاتے، کچھ کم یا زیادہ دو مہینے تک اسی گھوڑے پر آپ نے برچھا ہلایا اور مولوی صاحب کو سکھایا۔

عبدالحمید خاں فن سپہ گری اور جرأت و دلاوری میں یکتا اور طبیعت کے نہایت تند اور تیز تھے، انھوں نے بھی سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو، تو میں بھی آپ کے ساتھ گھوڑا پھیرا کروں، میری کسرت بہت دنوں سے چھوٹی ہوئی ہے، وہ بھی تازہ ہو جائے گی، آپ نے فرمایا: بہتر ہے، آپ بھی آیا کیجیے، چنانچہ وہ بھی حضرت کے ساتھ کسرت کرنے لگے، چند دنوں کے بعد آپ نے فرمایا کہ خان بھائی تم تو خود اس فن میں استاد ہو، ہمارے ساتھ کسرت کرنے کی تم کو کچھ ضرورت نہیں، تم ہمارے غازی بھائیوں کو سواری اور سپہ گری کی تعلیم دیا کرو، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت، استاد تو آپ ہی ہیں، مجھ کو کیا سلیقہ؟ مگر بہرحال فرماں بردار ہوں، جو کچھ مجھ کو آتا ہے میں بھائیوں کو سکھاؤں گا، پھر جہاں سید صاحبؒ کسرت کرتے تھے، وہاں سے ساٹھ ستر قدم کے فاصلے سے جنوب کی طرف دوسرے روز سے عبدالحمید خاں غازیوں کو لے کر جانے لگے اور سواری، نیزہ بازی، بندوق چلانے اور تلوار

لگانے کی مشق کرانے لگے، ان کے یہ کرتب دیکھ کر فتح خاں اور ان کے سوار بھی سب غازیوں کے ساتھ اس کسرت میں شریک ہونے لگے۔

اسی میدان میں ایک جگہ شیخ عبدالوہاب اور خدابخش نے پھری گدکے کا اکھاڑا قائم کیا اور لوگوں کو رستم خانی پھینک سکھانے لگے، مرزا محمدی بیگ شاہجہان آبادی نے بھی وہیں اپنا اکھاڑا جدا بنایا اور وہ امردھج پھینکتے تھے، سید لطف علی اور امام الدین رامپور نے غفور خانی پھینک کا اکھاڑا قائم کیا، استاد رجب خاں نے اپنا اکھاڑا الگ جمایا، سب کے شاگرد جدا جدا تھے، ہر روز نماز عصر کے بعد سے شام تک لوگ کسرت کرتے تھے اور وہیں نالے میں وضو کر کے مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے ڈیرے میں چلے جاتے تھے۔

ایک روز مولانا اسمٰعیل صاحب اور ارباب بہرام خاں کے مشورے سے آپ نے عبدالحمید خاں کو بلایا اور فرمایا کہ خان بھائی، کئی دن سے ہمارے خیال میں تھا کہ لشکر کے سوار میں کسی کو رسالدار کردیں، تم ان بھائیوں کو سواری اور سپہ گری کی تعلیم تو دیتے ہی ہو، آج سے ہم نے ان کا رسالدار بھی تم ہی کو کیا۔

خان صاحب نے جواب دیا کہ حضرت میں آپ کے فرمانے سے باہر نہیں ہوں، مگر بات یہ ہے کہ میری طبیعت تند ہے اور یہ امر اختیاری نہیں کہ چھوڑ دوں، شاید بھائیوں کو اس سبب میری افسری گراں گزرے، یہاں کا کام خدا کے واسطے ہے، رئیسوں کی فوج کا سا نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا کہ خان بھائی اس کا اندیشہ نہ کرو، ہم تمھارے لیے دعا کریں گے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نقصان دور کردے، اور تابعداری تو خدا ہی والے لوگ کرتے ہیں، رئیسوں حاکموں کے لوگ تو تابعداری کیا کریں گے؟

خاں صاحب نے عرض کیا کہ اگر یہی بات ہے تو میں حاضر ہوں، آپ نے میاں دین محمد صاحب سے فرمایا کہ ہمارے یہاں سے ایک دوشالہ، ایک رومال لے آؤ، انھوں نے لاکر حاضر کیا، آپ نے اپنا خاص عمامہ اپنے دست مبارک سے عبدالحمید خاں کے سر پر باندھا اور فرمایا کہ خان بھائی، یہ دوشالہ، یہ رومال ہے، اس میں جو پسند ہو، لے لو، انھوں نے عرض کیا

کہ مجھ کوتو رومال اچھا معلوم ہوتا ہے، آگے جو آپ کو پسند ہو، آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بھی یہی اچھا معلوم ہوتا ہے، آپ نے وہ خان صاحب کو اڑھا دیا اور جو سمند گھوڑا نواب وزیرالدولہ کا بھیجا ہوا تھا، ان کو عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ تم کو مبارک ہو، اللہ تعالیٰ تم کو کفار پر فتحیاب کرے! پھر آپ نے ہاتھ اٹھا کر برہنہ سر ہوکر جناب الٰہی میں بڑے تضرع کے ساتھ دیر تک دعا کی، دعا کے بعد رسالدار صاحب نے پانچ روپے اور ایک اشرفی نذر کی، تمام حاضرین مجلس نے رسالدار صاحب کو مبارک باد دی، وہ رخصت ہوکر مسجد میں گئے، وہاں دو رکعت شکرانہ پڑھ کر اپنے ڈیرے میں آئے، اسی روز سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو ایسا حلیم الطبع، سلیم المزاج اور خوش اخلاق کر دیا کہ گویا ہمیشہ سے یوں ہی تھے۔

دو جاسوسوں کا قبول اسلام

دو سکھ پنجتار میں آپ کے پاس ملنے آئے، آپ نے ان سے آنے کا سبب پوچھا، انھوں نے عرض کیا کہ صرف آپ کی ملاقات کو آئے ہیں، آپ نے فرمایا: خیر تم ہمارے مہمان ہو، جب تک چاہو رہو، آپ نے ان کے واسطے اپنے یہاں سے دو سیر آٹا، پاؤ بھر دال اور آٹھ پیسے بھر کا گھی مقرر کر دیا، وہ دونوں روزانہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد آپ کے پاس بیٹھتے تھے اور آپ کی باتیں سن کر اپنے بستر پر چلے جاتے تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ تمھیں جو کچھ ضرورت ہوا کرے، ہم سے کہہ دیا کرو اور کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا، مگر وہ کچھ نہیں کہتے تھے۔

دس بارہ دن کے بعد انھوں نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت، اتنے دن ہم آپ کی خدمت میں رہے، آپ کی باتیں خوب سنیں، جو کچھ لوگوں سے آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سنے تھے، ان سے بڑھ کر پایا اور آپ کا طریقہ اور دین ہم کو بہت پسند آیا، اب ہم چاہتے ہیں کہ ہم کو بھی یہی دین اور طریقہ آپ تعلیم کریں۔

سید صاحبؒ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسی وقت ان کو کلمہ شہادت پڑھا کر مسلمان کیا، بڑے کا نام عبدالرحمٰن اور چھوٹے کا عبدالرحیم رکھا، اور میاں جی چشتی سے فرمایا کہ ان کو اپنے ڈیرے میں لے جا کر نماز سکھاؤ اور شیخ ولی محمد صاحب سے فرمایا کہ ان کو دو دو جوڑے

کپڑے بنوادو، میاں جی چشتی نے ان کو لے جا کر ان کے سر کے بال منڈوائے، ان کی لبیں کتروائیں اور نہلایا، اس وقت کسی غازی نے اپنا پائجامہ دیا، کسی نے انگرکھا، کسی نے دوپٹہ، کسی نے عمامہ۔ کوئی تین تین، چار چار جوڑے ان کے پہننے کو ہو گئے، تیسرے روز نئے چار جوڑے کپڑے شیخ ولی محمد صاحب نے الگ بنوادیے، اسی روز سید صاحب نے نور بخش جراح کو بلا کر ان کا ختنہ کرادیا اور ہر ایک کے کھانے کو پاؤ بھر گڑ، پاؤ بھر گھی اور آدھ سیر آٹے کا حلوہ مقرر کر دیا، میاں جی چشتی صاحب حلوہ پکا کر ان کو کھلاتے تھے، چند دن میں زخم اچھا ہو گیا، میاں جی چشتی صاحب نے سید صاحبؒ کی اجازت سے پانچ چھ روز ایک ایک مرغ کا شوربہ ان کو پلایا، پھر ایک روز ان کو نہلا کر اور نئی پوشاک پہنا کر سید صاحبؒ کے پاس لائے، آپ نے ان کی مزاج پرسی کی اور باتیں کیں، اس وقت انھوں نے اپنا حال سید صاحبؒ سے بیان کیا کہ ہم کو خیرآباد سے ہمارے افسر لہنا سنگھ سے آپ کے پاس بھیجا تھا کہ ہم لوگوں سے خلیفہ صاحب کی خوبیاں اور بزرگیاں سنتے ہیں، سو تم خود جا کر اپنی آنکھ سے دیکھ آؤ اور ہم سے آکر بیان کرو، اسی واسطے ہم آپ کو دیکھنے آئے تھے، یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کے طفیل سے ہم کو اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔

سید صاحبؒ ان کی تقریر سنکر بہت خوش ہوئے اور ان کو دو گھوڑے دیے اور فرمایا کہ اگر تمھاری خوشی ہو، تو ہمارے یہاں لشکر میں رہو اور چاہو تو خیرآباد میں لہنا سنگھ کے پاس جاؤ، تم کو اختیار ہے، وہ دو مہینے کے قریب لشکر میں رہے اور نماز سیکھی اور رخصت ہو کر خیرآباد یا کسی اور طرف کو چلے گئے۔

ضروری تعمیر

ایک روز سید صاحبؒ نے جمعے کی نماز پڑھ کر مولوی محمد حسن جماعت دار سے فرمایا کہ ہمارے لشکر میں اکثر بھائیوں کو مکان کے بغیر تکلیف ہوتی ہے، ان دنوں بھائیوں، کو فرصت بھی ہے، اگر ضرورت کے مطابق اپنے اپنے بھیلے میں کوٹھے بنالیں، تو بہتر ہے، ہمارا بھی ارادہ ہے کہ ہم بھی ایک کوٹھا بنالیں، انھوں نے عرض کیا کہ بات تو مناسب ہے، جب آپ وہاں سے مکان پر آنے لگے، تو نالے سے اٹھا کر دو پتھر اپنے کندھے پر رکھ لیے، آپ کو دیکھ کر

ہر کسی نے اپنی طاقت کے موافق ایک ایک دو دو پتھر اٹھا لیے اور سب نے لا کر حضرت ہی کے مکان پر جمع کیے، سب کی یہ نیت ہوئی کہ پہلے حضرت کا کوٹھا بنایا جائے، اس کے بعد اور بنیں۔

اس کے اگلے روز سے غازیوں نے گارے اور پتھروں کی دیوار اٹھانی شروع کر دی، کوئی پتھر لاتا تھا، کوئی گارا کرتا تھا اور کوئی اٹھاتا تھا، وہ دالان کوئی دس گز لمبا اور قبلہ رخ تھا، اس میں تین در رکھے گئے، چند روز میں وہ دالان بن کر درست ہوا، تب چیڑ کی کڑیوں سے اسے پاٹا اور اس کے آگے ایک چھپر کا سائبان ڈالا۔

اس کے بعد اپنے اپنے بھیلے میں اور صاحبوں نے بھی مکان بنانے شروع کیے، ایک کوٹھا شیخ عبدالحکیم پھلتی نے بنایا، ایک سید اسمٰعیل رائے بریلوی نے، ایک مولوی امام الدین بنگالی نے، ایک مولوی وارث علی پوربی نے، ایک نور بخش جراح نے، یہ کوٹھے پاس ہی پاس خاص جماعت والوں کے تھے اور ایک کوٹھا شیخ ولی محمد صاحب پھلتی نے بنایا اور ایک کوٹھا بستی کے باہر مشرق کی جانب بارود رکھنے کی خاطر بنایا گیا، یہ تمام مکانات غازیوں نے اپنے ہاتھوں سے اٹھائے اور ان سب کے پاٹنے کے واسطے سردار فتح خاں کی معرفت ایک ایک روپے کی بتیس بتیس چیڑ کی بہت عمدہ کڑیاں منگائی گئیں۔

قصاص کا ایک مقدمہ

لشکر مجاہدین میں غازی پور کے رہنے والے لاہوری نام ایک شخص تھے، جو قاضی مدنی بنگالی کے گھوڑے کی خدمت کرتے تھے، شکل وصورت میں اگرچہ کم رو اور حقیر تھے، مگر صلاحیت اور خوش اخلاقی میں بے نظیر تھے، ایک شخص عنایت اللہ نام منڈیاہو کے رہنے والے جماعت خاص میں تھے، سید صاحبؒ کے پلنگ کے قریب رہا کرتے تھے، آپ کے پرانے رفیقوں میں تھے، آپ کے ساتھ بیت اللہ شریف کو بھی گئے تھے اور آپ ان سے بہت محبت فرماتے تھے، یہ عنایت اللہ ایک روز لاہوری کے ڈیرے پر گئے، لاہوری اس وقت ڈیرے پر نہیں تھے، گھوڑے کے دانے بھگونے کا ایک طاش وہاں رکھا تھا، عنایت اللہ وہ طاش آٹا گوندھنے کے لیے اپنے ڈیرے پر اٹھا لائے، لاہوری اپنے ڈیرے پر آئے اور دانہ بھگونے کو

طاش تلاش کیا، تو نہ پایا، لوگوں سے پوچھا، کسی نے کہا: تمھارا طاش عنایت اللہ لے گئے ہیں، وہ عنایت اللہ کے پاس گئے اور کہا کہ تم ہمارا طاش بلا پوچھے اٹھا لائے ہم کو دانہ بھگونا ہے ہمارا طاش ہم کو دو، اس وقت خشک آٹا گوندھنے کے واسطے طاش میں نکال رکھا تھا، عنایت اللہ کے مزاج میں ذرا تندی تھی، لاہوری سے کہنے لگے کہ تمھارا طاش کیسا، طاش سرکاری ہے، ہم اپنا کام کر کے دے دیں گے۔

لاہوری نے کہا کہ طاش بیشک سرکاری ہے، مگر قاضی مدنی کی تحویل میں ہے، اور انھوں نے ہمارے سپرد کیا ہے اور تم ہماری اجازت کے بغیر لائے ہو، اس پر الٹے گرم ہوتے ہو! ہمارا حرج ہوتا ہے، ہم تو اپنا طاش لے جائیں گے، عنایت اللہ نے کہا کہ بھلا، دیکھیں، تم کیونکر لے جاؤ گے، لاہوری نے طاش کا آٹا عنایت اللہ کے کپڑے پر رکھ دیا اور طاش لے کر اپنے ڈیرے پر چلے عنایت اللہ نے اٹھ کر دو گھونسے لاہوری کے پہلو میں مارے اور طاش چھین لیا، لاہوری بیتاب ہو کر گر پڑے اور نالہ وفریاد کرنے لگے، لوگوں نے ان کو اٹھایا اور پانی پلایا۔

یہ قصہ سید صاحبؒ کے خاص برج کے نیچے ہوا، کسی نے آپ کو اطلاع کی کہ لاہوری کو عنایت اللہ نے مارا، یہ بات سن کر آپ برج کی چھت سے سیڑھی پر آئے اور لاہوری اور عنایت اللہ کو بلایا اور حال پوچھا، لاہوری نے پورا ماجرا سنایا، آپ نے عنایت اللہ سے پوچھا کہ یہ قصہ یوں ہی پیش آیا یا اس میں کچھ فرق ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ واقعہ یوں ہی ہے، یہ سن کر آپ کمال ناخوش اور خفا ہوئے اور عنایت اللہ سے کہا کہ تم اپنے دل میں یوں جانتے ہو گے کہ ہم سید صاحبؒ کے پرانے رفیق اور ان کے پلنگ کے پاس رہتے ہیں، تم کو یہ خیال نہیں ہے کہ ہم یہاں اللہ کے واسطے آئے ہیں اور کام ایسے نکمے کرتے ہو، تم سمجھتے ہو کہ لاہوری قاضی مدنی کا سائیس اور کم رو وحقیر ہے، یہی جان کر تم نے اس کو مارا، یہ تم نے بڑی زیادتی اور حرکت بیجا کی ہمارے نزدیک تم اور لاہوری بلکہ سب برابر ہیں، کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے، سب لوگ یہاں خدا کے واسطے آئے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے حافظ صابر تھانوی اور شرف الدین بنگالی سے فرمایا کہ ان دونوں کو قاضی حبان صاحب کے پاس لے جاؤ، عنایت اللہ کی زیادتی ہے، ان سے کہنا کہ اس

سے دیکھ لینا، اگراس میں فرق ہوتو آپ مجھ کوتوپ سے اڑا دیجیے گا، اس غرض سے انھوں نے بہت سے ہتھیار بھی خریدے ہیں اور رسی کی کئی سیڑھیاں بھی بنائی ہیں، اگر یہ سامان ان کے گھر میں سے نکلے تب تو مجھے سچا مانو گے اور اس خیر خواہی کا انعام دو گے؟

خادی خاں کی مخبری

اس عرصے میں خادی خاں کا ایک آدمی آیا اور قلعہ دار سے کہا کہ ہمارے سردار خادی خاں کو کسی کی زبانی خبر ملی ہے کہ سید بادشاہ کا چھاپہ ملک چھچھ میں جاتا ہے، تمھارے پاس مجھ کو اسی اطلاع کی غرض سے بھیجا ہے، یہ حال سنتے ہی قلعہ دار کو پنجابی کی تمام باتوں کا یقین ہوا اور اس کے ساتھ اپنے چند آدمیوں کو بھیجا کہ فلاں فلاں شخص کے گھر کی تلاشی لو اور ان لوگوں کو جلد تلاش کر کے لاؤ، یہ خبر سن کر میں تو وہاں سے چل دیا کہ ایسا نہ ہو کہ میں بھی گرفتار ہو جاؤں، یہ خبر سن کر ارباب بہرام خاں مع مجاہدین وہاں سے روانہ ہو گئے اور امازئی کی گڑھی میں آپ کے پاس آئے اور محمد بخش نے وہ سارا ماجرا آپ کے گوش گزار کیا، آپ کو بہت افسوس ہوا، اور اس کی فکر ہوئی کہ وہاں کے باقی مسلمانوں کے ساتھ وہ قلعہ دار کس طرح پیش آئے اور ان کے ساتھ کیا سلوک کرے۔

کئی دن کے بعد خیر آباد سے ایک شخص خیر الدین کے پاس آیا اور اس نے بتلایا کہ قلعہ دار نے مکانوں کی تلاشی لی، ان میں سے ہتھیار اور سیڑھیاں نکلیں، اس نے تمھاری عورتوں اور لڑکوں کو گرفتار کر لیا اور تمھارے بھائی کو توپ سے اڑا دیا۔

بعد میں منگا خاں قلعے سے بچ کر نکل آئے، عورتوں اور بچوں کو اس طرح مخلصی ہوئی کہ ونیٹورہ فرانسیسی قلعۂ اٹک میں آیا اور سب حال معلوم کر کے کہا کہ جنھوں نے وہ فساد کیا تھا وہ تو تمھارے ہاتھ نہ آئے، ان بیچاروں نے کیا قصور کیا ہے؟ ان کو چھوڑ دو، قلعہ دار نے سپاہیوں سے کہا کہ ان کو یہاں سے نکال کر دریا کے پار اتار دو، جہاں چاہیں چلے جائیں، وہ سب دریا سے اتر کر اکوڑہ چلے گئے، وہاں سے پنجتار آ گئے۔

آپ جاری کردیں، قاضی صاحب نے فرمایا کہ شیخ صاحب، آپ بہت اچھا فرماتے ہیں، ہم اول لاہوری کو سمجھائیں گے، حتی الامکان اس میں کمی نہ کریں گے، اگر اس نے مان لیا، تو بہتر ہے، نہیں تو حکم خدا اور رسولؐ کے موافق انصاف کیا جائے گا۔

اگلے روز دو تین گھڑی دن چڑھے حافظ صابر اور شرف الدین، لاہوری اور عنایت اللہ کو لے کر قاضی صاحب کے پاس گئے، انھوں نے عنایت اللہ اور لاہوری کو سامنے بٹھایا اور پہلے عنایت اللہ کی طرف مخاطب ہو کر خوب ملامت کی کہ تم نے بہت برا کیا اور تم سزا کے قابل ہو، پھر لاہوری کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ بھائی صاحب، تم بہت نیک بخت اور بے شر آدمی ہو، اور تم سب صاحب ہندوستان سے اپنا اپنا گھر بار چھوڑ کر محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے آئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو اور آخرت میں ثواب ملے اور دنیا کا کارخانہ تو چند روز کے واسطے خواب و خیال کی طرح ہے، سو بات یہ ہے کہ عنایت اللہ تمھارا بھائی ہے اور اس سے شامت نفس کے بسبب یہ قصور ہو گیا جو اس نے تم کو مارا اگر اس کا قصور معاف کر دو اور دونوں مل جاؤ، تو بہت خوب بات ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا اجر پاؤ گے اور جو تم اس کا عوض لوگے، تو برابر ہو جاؤ گے، جو معاف کرنے میں ثواب ہے وہ نہ ملے گا، معاف کرنا بھی خدا اور رسولؐ کا حکم ہے اور عوض لینا بھی مگر معاف کرنے میں ثواب، اور عوض لینے میں اپنے نفس کی خوشی ہے۔

یہ بات سن کر لاہوری نے کہا: قاضی صاحب اگر ہم عنایت اللہ کو معاف کر دیویں، تو ثواب پاویں گے اور جو اپنا عوض لے لیں تو برابر ہو جاویں گے، بھلا کسی طرح کا گناہ تو نہیں ہے؟ انھوں نے کہا: کچھ گناہ نہیں ہے، دونوں حکم خدا اور رسولؐ کے ہیں، جو چاہو، منظور کرو، لاہوری نے کہا: میں تو اپنا حق چاہتا ہوں، قاضی صاحب نے کچھ دیر سکوت کر کے فرمایا کہ بھائی لاہوری حق تو تمھارا یہی ہے کہ تم بھی عنایت اللہ کے اسی جگہ دو گھونسے مار لو، اور عنایت اللہ کو لاہوری کے سامنے کھڑا کر دیا کہ اپنا عوض لے لو، لاہوری نے کہا کہ حق ہمارا یہی ہے کہ ہم بھی اسی جگہ دو گھونسے ماریں، قاضی صاحب نے کہا کہ ہاں بے شک یہی بات ہے۔

اس وقت جو لوگ موجود تھے، سب کی امید منقطع ہو گئی اور یقین ہو گیا کہ لاہوری بے عوض

لیے نہ چھوڑے گا، لاہوری نے کہا: بھائیو جو سب حاضر ہو، گواہ رہو کہ قاضی صاحب نے ہم کو ہمارا عوض دلایا اور ہم لے سکتے ہیں، مگر ہم نے محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے چھوڑ دیا، اور عنایت اللہ کو اپنی چھاتی سے لگالیا اور مصافحہ کیا، تمام لوگ، جو وہاں تھے، لاہوری کو آفرین کرنے لگے اور شاباشی دینے لگے کہ تم نے بڑے مردوں اور دینداروں کا کام کیا۔

یہ خبر سید صاحبؒ کو ہوئی، تو آپ نے لاہوری کو بلایا اور اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا کہ تم نے یہ کام بڑے دیندار مردوں کا کیا کہ اپنے بھائی کا قصور معاف کر دیا اور عوض نہ لیا، اس کا اجر اللہ تعالیٰ تم کو آخرت میں دے گا، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو یہی توفیق نیک عطا کرے، اور لاہوری کے لیے آپ نے دعا کی۔

پائندہ خاں کی ملاقات، قلعہ ہنڈ کا تخلیہ

تربیلا کی دعوت

پائندہ خاں تنولی حاکم امب کے دو معزز مصاحب ایک سید حسن شاہ اور دوسرے شاہ جمعدار کبھی سید صاحبؒ کے پاس بطور وکالت آتے تھے اور پائندہ خاں کی خوبی اور اخلاص مندی بیان کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ وہ آپ کا خیر خواہ، فرماں بردار اور مخلص جاں نثار ہے، اسی عرصے میں گنگر کے محمد زماں خاں کا (جو سید صاحبؒ کے بڑے مخلص اور معتقد تھے) خط آیا کہ ہماری تمام بستیوں کی قوم مشوانی سب اس بات پر متفق اور ایک دل ہیں کہ تربیلا ان دنوں سکھوں کی فوج سے خالی ہے، اگر آپ کچھ مجاہدین کے ساتھ کھبل تشریف لائیں، تو ہم اسی روز حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیں، وہاں سب کے سب مسلمان بھی ہمارے شریک ہیں، آپ نے لکھا ان شاء اللہ ہم اسی ہفتے کھبل آئیں گے۔

چوتھے یا پانچویں روز آپ نے چلنے کی تیاری کی عبدالحمید خاں رسالدار سے فرمایا کہ ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ تم کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا اور چاروں جماعتوں میں سے تین سو پیادوں کو اپنے ساتھ لیا۔ خاص جماعت کے تمام لوگ، کچھ لوگ شیخ ولی محمد کی جماعت سے کچھ لوگ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی جماعت سے اور کچھ قندھاریوں کی جماعت سے، اور آٹھ

ضرب شاہین اپنے ساتھ لیں، باقی لوگ، جو پنجتار میں رہے، ان پر مولوی احمد اللہ ناگپوری کو امیر کرکے آپ نے کوچ فرمایا، چند مقامات ٹھہرتے ہوئے ایک روز صبح کو کھبل میں داخل ہوئے، شب کو پچھلے پہر محمد زماں خاں تربیلے پر چھاپا لے گئے، سکندر پور سے آنے کے راستے پر دو سو آدمی بندوبست کے لیے بھیج دیے کہ ادھر سے سکھوں کی کمک نہ آنے پائے، یہ لوگ گھاٹی کی حفاظت میں رہے اور انھوں نے تربیلے پر جاکر قبضہ کرلیا۔

ہری سنگھ کی مزاحمت و مقابلہ

ہری سنگھ پانچ ہزار فوج کے ساتھ چار کوس پر پڑا تھا، اس کو خبر پہنچی کی محمد زماں خاں نے تربیلے پر قبضہ کرلیا، وہ فوراً یہ خبر سنتے ہی اپنی فوج لے کر دوڑا، جب گھاٹی کے قریب آیا، تو گھاٹی والوں نے روکا، جانبین سے بندوقیں چلنے لگیں، چار گھڑی کامل انھوں نے روکا، مگر وہ پانچ چھ ہزار، یہ دو سو آدمی جب ان کے مقابلے کی تاب نہ لاسکے، تو گھاٹی چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور وہ گھاٹی میں آگھسے۔

یہ خبر محمد زماں خاں کو پہنچی کہ ہری سنگھ پانچ ہزار فوج کے ساتھ گھاٹی میں گھس آیا اور تمھارے لوگ پہاڑ پر چڑھ گئے، یہ خبر سن کر وہ بھی اپنے لوگوں کے ساتھ تربیلا خالی کرکے کنگر پہاڑ پر چڑھ گئے اب گڑھی کے مورچے قائم تھے، جب مورچوں میں ان قندھاریوں اور ملکیوں کو یہ خبر پہنچی کہ ہری سنگھ اس قدر فوج کے ساتھ آپہنچا اور محمد زماں خاں تربیلا خالی کرکے پہاڑ پر چڑھ گئے، تب ملکی لوگ تو مورچے چھوڑ کر محمد زماں خاں کی طرف چلے گئے، اور قندھاری کھبل کی طرف روانہ ہوگئے، کھبّل سے تربیلا تک ایک کوس کا فاصلہ ہے، کھبل سے غازی دیکھ رہے تھے، قندھاری تربیلا سے نکل کر آدھ کوس آئے ہوں گے کہ ہری سنگھ کے سوار تربیلا میں داخل ہوئے اور قندھاریوں کو دیکھا کہ کھبل کی طرف جاتے ہیں، یکبارگی انھوں نے ان کے پیچھے گھوڑے ڈالے اور بندوقیں مارتے ہوئے دوڑے، لوگوں نے سید صاحبؒ کو اطلاع کی کہ ہمارے قندھاریوں کے پیچھے سکھوں کے سوار بندوقیں مارتے ہوئے چلے آتے ہیں، آپ نے شیخ عبداللہ جمعدار اور شیخ وزیر کو بلا کر فرمایا کہ تم بھی ادھر سے شاہین مارو کھبّل کے لوگ بھی اپنی

اپنی پلیے دار بندوقیں لے کر تیار ہوئے۔اس عرصے میں قندھاریوں نے آکر دریاے سندھ کا کنارا پکڑا اور جا بجا مورچے لگا کر بیٹھ گئے، کھبل سے شاہینیں اور بندوقیں چلنے لگیں، سکھوں کے سوار بھی بے دھڑک بندوقیں سر کرتے چلے آتے تھے، جب اور قریب آئے، تو قندھاریوں نے اٹھ کر ایک باڑھ ماری، وہ سوار وہیں رکے، آگے نہ بڑھ سکے، دو گھڑی تک جانبین سے خوب بندوقیں چلیں، آخر سوار قندھاریوں سے مایوس ہو کر تربیلا روانہ ہو گئے۔

ادھر کھبل سے شاہینیں اور بندوقیں چلتی رہیں۔آپ نے پیر خاں جمعدار سے فرمایا کہ کشتی لے جا کر قندھاریوں کو اس پار سے اتار لاؤ، خاں صاحب آدمیوں کے ساتھ گئے اور سب کو ناؤ پر اتار لائے۔اسی روز سکھوں نے تربیلا سے نکل کر سرن ندی کے کنارے ڈیرہ کیا، جب مجاہدین نماز ظہر پڑھ کر فارغ ہوئے، تو کوئی تین چار سو سکھ سوار اپنے لشکر سے نکل کر کھبل کے پاس آئے۔سید صاحبؒ نے شیخ عبداللہ جمعدار اور شیخ وزیر سے فرمایا کہ تم بھی شاہینیں پہاڑ کی ٹیکری پر جا کر لگاؤ، اگر سکھوں کے سوار نزدیک شاہینوں کی زد پر آئیں، تو مارنا اور جو وہیں سے لوٹ جائیں ادھر نہ آئیں، تو کچھ تعرض نہ کرنا، مگر وہ چلے ہی آتے تھے، انھوں نے جلد جا کر ٹیکری پر شاہینیں لگا دیں اور ان کو مارنے لگے، اس میں دو یا تین سوار ان کی شاہین کے گولے سے گرے، وہ پراگندہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور اپنے لشکر میں جا ملے، رات بھر سب مجاہدین دستور کے موافق اپنی چوکی پہرے سے ہوشیار رہے۔

رات کو سکھوں کے کوئی دو سو آدمی آکر دریائے سندھ کے کنارے چھپ کر بیٹھ رہے، مجاہدین کو یہ حال معلوم نہ تھا، جب وہ سویرے دریا پر وضو کرنے لگے، تو سکھوں نے لوگوں کی آواز سن کر بندوقوں کی باڑھ ماری، مگر خدا نے خیر کی کسی کے گولی نہ لگی، مجاہدین بھی بندوقیں مارنے لگے اور کوئی تین گھڑی دن چڑھے تک شاہینیں اور بندوقیں چلائیں، جب سکھوں نے ادھر کا بہت زور دیکھا تو وہ بھاگ کر اپنے لشکر میں چلے گئے۔

سید اکبر شاہ کی ملاقات

اسی روز ستھانے سے سید اکبر شاہ بیس، پچیس آدمیوں کے ساتھ ان کے بھائی سید

اصغر شاہ منڈی والے، سید نور جمال اور سید کامل شاہ سید صاحبؒ کی ملاقات کو تشریف لائے، اس وقت تک سید اکبر شاہ کی سید صاحبؒ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، فقط خطوط اور لوگوں کی زبانی سلام پیام آتا تھا، سید صاحبؒ کو غائبانہ ان کی خوبیاں سن کر ان سے ملاقات کا بڑا شوق تھا، جب ملاقات ہوئی، تو وہ بھی بہت خوش ہوئے اور سید صاحبؒ بھی مسرور ہوئے۔(۱)

سید اکبر شاہ نے عرض کیا کہ میں امیدوار ہوں کہ ادھر سے آپ میرے غریب خانے پر تشریف لے چلیں، میں اسی ارادے سے یہاں آپ کی خدمت میں آیا ہوں، آپ نے فرمایا کہ سید بھائی، ان شاءاللہ کل ہم یہاں سے کوچ کر کے تمھارے ہی مکان پر چلیں گے۔

امب سے پائندہ خاں کے بھیجے ہوئے سید حسن شاہ اور شاما جمعدار آئے ہوئے تھے اور خان ممدوح کے اشتیاق ملاقات کا پیام لائے تھے۔ آپ نے ان کو اطمینان دلایا تھا کہ ان شاءاللہ تعالیٰ تمھارے خان سے ضرور ملاقات کریں گے اور ان کو اپنے پاس ٹھہرایا تھا، آپ نے ان سے کہا کہ ہم سید اکبر کے ساتھ آکر ستھانہ میں ٹھہریں گے، تم جا کر اپنے خان سے ہمارے ستھانے جانے کی خبر کردو، جو کچھ وہ تم سے کہیں ہم سے ستھانے میں آکر کہنا۔

---

(۱) سید اکبر شاہ ابن سید شاہ گل ابن سید ضامن شاہ سید علی ترمذی غوث بنیر کی اولاد میں سے تھے، پکھلی اور ہزارے کا بڑا حصہ ان کے خاندان کا معتقد اور مخلص تھا، اور ان کی قرابتیں ہزارے کے سادات اور وہاں کے خوانین و روسا و نامدار میں تھیں یہ خاندان سخاوت، شجاعت، اخلاص وللّٰہیت اور استقامت و استقلال میں سارے علاقے میں ممتاز تھا، سید صاحبؒ اور ان کی دعوت و تحریک کے ساتھ اس خاندان نے اخیر تک وفاداری اور شیفتگی اور ایثار و قربانی کا ایسا ثبوت دیا، جس کی نظیر صوبہ سرحد کی تاریخ میں نہیں ملتی، منظورۃ السعداء میں ہے:

''اخلاق کریمہ ایں سادات، خصوصاً سید اکبر شاہ بیرون از بیان است، اخلاص و وفا از ابتداء تا انتہاء یکساں نمودند''

وقائع میں ہے:

''سید اکبر شاہ کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ کا بیان کہاں تک کروں؟ جس نے ان کو دیکھا ہے اور ان کی صحبت اٹھائی ہے وہ ہی خوب واقف ہے کہ ایسا خوش خلق، خندہ رو، کشادہ پیشانی، حلیم الطبع، سلیم المزاج اور شجاع، صاحب تدبیر، صاف دل، راست گفتار اور حضرت علیہ الرحمہ کا مخلص بے ریا، اور محب باوفا اور معتقد صادق کوئی رئیس اس ولایت میں نہ تھا۔

سید صاحبؒ کی شہادت اور بالاکوٹ کے معرکے کے بعد پھر ستھانہ مجاہدین کی پناہ گاہ اور سارے ہندوستان میں جہاد و دعوت کا صدر مقام تھا اور یہی سادات ستھانہ ان عالی حوصلہ مجاہدین اور غریب الوطن مہاجرین کے اعوان و انصار تھے، رجال صدقوا ما عاھدوا اللّٰہ علیہ ۔الخ

سید صاحب ستھانے میں

سید صاحبؒ نے سب لشکر کھبل میں چھوڑا اور ڈیڑھ سو غازیوں کے ساتھ ستھانے کو (جو کھبل سے پانچ کوس ہے) سید اکبر شاہ کی معیت میں تشریف لے گئے اور ان کے مکان پر اترے، سید موصوف چھ بھائی تھے: سید اعظم، سید اکبر، سید عمر، سید عمران، سید اصغر، سید مدار ان سب کی والدہ بھی زندہ تھیں، ان سب نے سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور منڈی والے سید نور جمال اور سید کامل شاہ نے بھی بیعت کی۔

پائندہ خاں کی ملاقات کا مشورہ اور سید اکبر شاہ کی رائے

عشاء کی نماز کے بعد سید صاحبؒ نے سید اکبر صاحب سے پائندہ خاں کی ملاقات کے متعلق مشورہ لیا اور اس کے اشتیاق و پیغامات کا ذکر کیا، اس وقت مجلس میں صرف مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور منشی خواجہ محمد تھے، سید اکبر شاہ نے تواضع اور معذرت کے بعد جواب دیا کہ آپ نے مجھے سرفراز فرمایا اور مجھ سے مشورہ طلب فرماتے ہیں، تو جو کچھ میری رائے ناقص میں ہے، عرض کرتا ہوں کہ اس قوم تنولی کے لوگ اکثر بڑے غدار اور مکار ہیں، یہاں کی ضرب المثل ہے "تنولی بے قولی" ہمارا پائندہ خاں سے اکثر معاملہ پڑتا ہے، اس نے کسی کے ساتھ سوائے بد عہدی کے کبھی وفاداری نہیں کی اور یہ ملاقات کسی طرح بھی مکر و فریب سے خالی نہیں، آپ لوگ اللہ والے صاف دل، پاک طبیعت اور اس ملک میں نو وارد ہیں، آپ کو یہاں کے حالات کا علم نہیں، ہم یہاں کے رازدار ہیں، لیکن بہر حال آپ کے خرد ہیں، سید نادر شاہ اور سید مروان منڈی والے ہمارے عزیزوں میں بڑے سال خوردہ اور جہاں دیدہ شخص ہیں، سید نادر شاہ پائندہ خاں کے بڑے مشیر و مصاحب ہیں، وہ پائندہ خاں کے والد نواب خاں کے مصاحب تھے، یہاں سے پاؤ کوس ان کا مکان ہے، اگر ارشاد ہو، تو سواری بھیج کر ان کو یہاں بلا لیں۔

سید صاحبؒ نے فرمایا کہ سید بھائی، تم نے معقول دانائی و خیر خواہی کی باتیں کی ہیں اور یہ مشورہ بھی معقول ہے، مگر وہ بوڑھے ضعیف آدمی ہیں، ان کو تکلیف دینے کی کیا

ضرورت ہے؟ ہم خود ان کے مکان پر چل کر ملاقات کریں اور جو باتیں کرنی ہوں، وہیں کرلیں، سید اکبر نے عرض کیا کہ آپ کیوں زحمت فرمائیں؟ وہ خود یہیں حاضر ہوں گے، انھوں نے اپنا آدمی بھیجا، وہ گھوڑا لے گیا اور ان دونوں صاحبوں کو سوار کر کے لے آیا، سید صاحبؒ نے اٹھ کر ان سے معانقہ اور مصافحہ کیا اور عافیتِ مزاج پوچھی اور اپنے پاس بٹھایا، وہ آپ کی خوش اخلاقی اور ملاقات سے بہت خوش ہوئے۔

سید نادر شاہ کی گفتگو

پھر آپ نے پائندہ خاں کی ملاقات کے متعلق ان سے دریافت کیا سید نادر شاہ نے پائندہ خاں کے والد نواب خاں کی بدعہدی، گرفتاری اور قتل کا پورا واقعہ سنایا اور کہا: اس نے پائندہ خاں سے بھی وصیت کی کہ کیسا ہی کوئی رئیس، سردار اور حاکم ہو اور تجھ کو بلانا چاہے، تو اس سے بے کھٹکے اور صاف دل سے نہ ملنا اور اس کی باتوں کے فریب میں نہ آنا، نہیں تو پچھتائے گا چنانچہ پائندہ خاں آج تک کسی سردار، رئیس سے صاف دل ہو کر نہیں ملتا اور اس کے دل کا چور نہیں نکلتا، اس کا عروج ہوا، تو پہلے اس کے ساتھ بے وفائی کی جنھوں نے اس کا ساتھ دیا اور جس نے اس کی رفاقت اور خیر خواہی کی، اسی کو اس نے دغا دی، میں اس کی مجلس میں رہتا ہوں، میں نے خود اس کی زبان سے سنا ہے کہ مجھ کو اپنے والد نواب خاں کی وصیت اور فہمائش یاد ہے اور کسی حاکم و رئیس کی طرف سے میرا دل مطمئن اور صاف نہیں اور جو آپ کو اس نے سید حسن شاہ کی زبانی پیام بھیجا ہے، تو وہ رافضی مذہب ہے، خدا جانے، اس نے کیا پیام بھیجا ہے اور اس نے آپ کے پاس کیا پہنچایا ہے، میرے نزدیک اس کی یہ بات بھی مکر و فریب سے خالی نہ ہوگی، اگر اس کو آپ سے ملاقات ہی کرنی ہے تو یہاں سے آدھ کوس پر گڑھی ہے، وہاں اس کو بلا کر ملاقات کر لیجیے، اگر اس کی طبیعت میں مکر و فریب نہ ہوا، تو بے دغدغہ چلا آئے گا، اور اگر آپ کی طرف سے اس کو اندیشہ ہوگا تو نہیں آئے گا۔

سید صاحبؒ کا ارشاد

آپ نے یہ سن کر جواب دیا، جزاک اللہ! سید بھائی، تم نے اس معاملے کا نشیب

وفراز خوب بیان کیا، عقل کی رو سے بجا ہے جتنے سرداراور رئیس جاہ طلب دنیادار ہیں ان سب کا یہی برتاؤ ہے، کہ ان کو اول بڑا خطرہ اپنی جان کا ہوتا ہے، دوسرے زوال ریاست کا، اور ہمارا تو تمام معاملہ دین کا ہو، خواہ دنیا کا، اللہ تعالیٰ کی رضا مندی پر موقوف ہے، اس کی رضامندی کے کام میں جان ومال صرف کرنا ہم سعادت ابدی جانتے ہیں، جو کوئی ہم سے دغا اور فریب کرے گا، اس سے نہ ہمارا دین بگڑ سکے گا نہ ایمان، اس کا عوض وہ اپنے اللہ تعالیٰ سے پائے گا، پھر ہم کو کس بات کا خطرہ؟ اور ہم جو پائندہ خاں سے ملاقات کا ارادہ رکھتے ہیں تو صرف اس نیت سے کہ وہ بھی ہمارا مسلمان بھائی ہے اور نامی رئیس اور مردانہ آدمی ہے، اگر ہم سے موافق ہوجائے، تو اس کی عملداری میں سے ہوکر ہمارے لیے کشمیر کا راستہ صاف ہوجائے، ہمارے لوگ بے اندیشہ آنے جانے لگیں، کچھ کام اللہ تعالیٰ کا نکلے، اپنا تو یہی مدعا ہے اور جو ہم سے مکروفریب کرے گا، تو اس کا بدلہ خدا سے پائے گا، اور ہم تو اپنا حامی ومددگار فقط اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور سید بھائی، تم جو کہتے ہو کہ اس کا یہاں گڑھی پر بلا کر ملاقات کرو، اگر اس کا ہم پیام بھیجیں تو وہ اور بھی بھڑک جائے گا اور نہ آئے گا، کہ مبادا کچھ مجھ سے دغا فریب کریں، سو اس امر کو ہم نے اس کی رائے پر موقوف رکھا، جہاں وہ بلائے گا، ہم وہیں جائیں گے، اور جو یہ کہتے ہو کہ سید حسن شاہ رافضی ہے، اس کی بات کا کیا اعتبار، تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت کرے اور وہ سنی ہوجائے۔

آپ کی یہ تقریر سن کر سید نادر شاہ نے کہا کہ حضرت، اگر آپ کی خالصاً للہ یہی نیت ہے، تو بہر طور آپ کو فائدہ نقصان کسی طرح کا متصور نہیں، آپ نے فرمایا کہ سید بھائی، اب جناب الٰہی میں دعا کرو، وہ سب معاملہ درست کردے گا۔ سب نے مل کر دعا کی۔

پائندہ خاں کی درخواست ملاقات

اگلے روز دن چڑھے سید حسن شاہ اور شاما جمعدار آئے اور پائندہ خاں کا پیام لائے کہ خان موصوف اب سے عشرہ میں آیا ہے اور سلام کے بعد عرض کیا ہے کہ آپ عشرہ کے میدان میں نالے پر بڑ کے درخت کے نیچے تشریف لائیں، مگر تھوڑے لوگوں کے ساتھ آئیں، تو میں آپ

کی قدم بوسی سے شرف یاب ہوں، سید صاحبؒ یہ پیام سن کر بہت خوش ہوئے اوران دونوں کو کھانا کھلایا اور فرمایا کہ تم آگے چل کر اپنے خان کو خبر کرو، ہم ظہر کی نماز پڑھ کر آئیں گے، یہ سن کر وہ رخصت ہوئے، آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ پائندہ خاں کے دل میں خوف زیادہ ہے، اس خیال سے اس نے کہلا بھیجا ہے کہ آپ کے ہمراہ تھوڑے آدمی آئیں اور لوگ اس کے عادی ہیں کہ جہاں میں جاتا ہوں، سب کے سب چلنے پر مستعد ہو جاتے ہیں، سو آج میرے ہمراہ کوئی پچیس تیس آدمی چلیں، مجھ کو تو اس سے راہ پیدا کرنا اور اس کو ملانا منظور ہے۔

مولانا نے عرض کیا: جیسا آپ مناسب سمجھیں، بہتر ہے؛ مگر میرے نزدیک اچھا یہ ہے کہ یہاں سے جو لوگ ساتھ چلیں، آپ مانع نہ ہوں، جب آپ پہاڑ کی کھڑی (۱) کے پار ہوں، وہاں سب کو ٹھہرا دیں، پھر انھیں میں سے جتنے منظور ہوں، اپنے ہمراہ لے جائیں، آپ نے فرمایا کیا مضائقہ ہے؟ یہ بہتر ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا انتظام اور پیش بندی

مولانا اپنے ڈیرے پر گئے اور معتبر لوگوں سے کہہ دیا کہ آج ظہر کے بعد سید صاحبؒ پائندہ خاں کی ملاقات کو چلیں گے، سب بھائیوں سے خبر کر دینا کہ سب چلیں اور اطلاع کے طور پر ان سے کہا کہ جو گفتگو سید اکبر صاحب اور سید نادر شاہ صاحب نے کی ہے وہ میرے دل میں نقش ہو گئی ہے اور میں کہتا ہوں کہ پائندہ خاں فریبی اور مکار ہے، ایسا نہ ہو کہ کچھ دغا کرے، اس لیے اور بھی کہتا ہوں کہ سب لوگ چلیں۔

ظہر پڑھ کر سید صاحبؒ نے چلنے کی تیاری کی اور رسالدار عبدالحمید خاں کو کہلا بھیجا کہ اپنا سمند گھوڑا تیار کر کے ہمارے پاس بھجوا دو اور تم یہیں ستھانے میں رہو، رسالدار موصوف نے اسی وقت گھوڑا کھچوا کر بھیج دیا، آپ نے کمر باندھی، تلوار طمنچہ لگایا، سوار ہوئے اور برچھا

---

(۱) ستھانہ اور عشرہ کے درمیان ایک کھڑی (پہاڑ کی ایک کم بلند دیوار) عین دریا کے کنارے تک پہنچی ہوئی تھی اور آنے جانے والے اس کے اوپر سے گزرتے تھے، فرمانروائے امب نے اس کھڑی کو کٹوا دیا، آج کل راستہ ہموار ہے (سید احمد شہیدؒ ج ۲، ص ۱۵۲)

ہاتھ میں لیا، سب مجاہدین آپ کے ہمرکاب ہوئے۔

آپ جب پہاڑی کی کھڑی کے پار ہوئے، سید حسن شاہ اور شاما جمعدار آ کر ملے اور عرض کیا کہ آپ تو بہت لوگ ساتھ لائے، آپ نے فرمایا آنے میں کیا مضائقہ؟ سب یہاں ٹھہر جائیں گے، یہاں سے جتنے آدمی کہو گے، اتنے چلیں گے، انھوں کہا کہ دس بارہ آدمیوں کے ساتھ تشریف لے چلیے۔

اس وقت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے شیخ علی محمد دیوبندی، ابراہیم خان، ان کے بھائی امان خان اور محمد خاں کے کان میں چپکے سے کہہ دیا کہ جب سید صاحبؒ یہاں سے آگے روانہ ہوں تو تم بیس پچیس مجاہدین کو لے کر دریائے سندھ کے کراڑے کی آڑ میں ہو کر چلے جانا(۱) اور جہاں سید صاحبؒ سے ملنے کی جگہ مقرر ہوئی ہے، اسی کے نزدیک کراڑے کے نیچے چھپ کر بیٹھ رہنا، اگر وہاں پائندہ خاں کی طرف سے کچھ فساد کی صورت دیکھنا، تو تم بھی سید صاحبؒ کی مدد کو پہنچ جانا، ورنہ کسی پر اپنے کو ظاہر نہ کرنا۔

یہ تدبیر بتا کر آپ سید صاحبؒ کے پاس گئے اور سید صاحبؒ بارہ آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گئے، ادھر شیخ علی محمد اور ابراہیم خاں وغیرہ سید صاحبؒ کے پہنچنے سے پیشتر دریا کے کراڑے کی آڑ میں جا بیٹھے، جب سید صاحبؒ سے بڑ کا درخت، جو ملاقات کے لیے مقرر ہوا تھا، پچاس ساٹھ قدم رہ گیا، تو آپ نے دس بارہ آدمیوں کو وہاں ٹھہرا دیا اور فقط مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور منشی خواجہ محمد صاحب کو ساتھ لے کر پیادہ پا چلے اور سید حسن شاہ اور شاما جمعدار سے فرمایا کہ تم آگے بڑھ کر اپنے خان کو بلا لاؤ۔

پائندہ خاں کی سازش کی ناکامی

وہاں سے بندوق کی گولی کی زد پر پائندہ خاں تین چار سو سوار لیے کھڑا تھا، اور جہاں

---

(۱) مہر صاحب لکھتے ہیں:: اب ان مقامات پر دریا کے کنارے اوٹ کی کوئی جگہ نہیں، ۱۸۴۱ء کی طغیانی میں دریائے سند کے اردگرد کی زمین تیرہ تیرہ گز گہرائی میں کھد گئی تھی، لہٰذا ان مقامات کے جس نقشے کا ذکر متن میں ہے اسے آج کل موقع پر تلاش کرنا بے سود ہوگا۔ (سید احمد شہیدؒ، ج ۲، ص ۱۵۲)

ملاقات کی جگہ مقرر ہوئی تھی، وہاں سے گولی کی زد پر جانب مغرب دامن کوہ میں ایک جنگل تھا، پانچ سو پیادے اس کے اندر چھپادیے اور ان سے کچھ اشارہ کر رکھا ہوگا کہ جب سید حسن شاہ، شاما جمعدار اس کے پاس گئے، تو وہ بھی سب سواروں کو وہاں چھوڑ کر اکیلا پیادہ پا سید حسن شاہ اور شاما جمعدار کے ساتھ بڑ کے درخت کے قریب ٹیلے پر پہنچا اور دو ہی آدمیوں کے ساتھ سید صاحبؒ وہاں پہنچے، دونوں میں سلام علیک اور مصافحہ ہوا، ٹیلے پر سید حسن شاہ نے اپنی پشاوری لنگی بچھادی، اس پر سب بیٹھ گئے، پائندہ خاں زرہ پہنے تھا اور چہار آئینہ اور خود لگائے ہوئے تھا، آنکھوں کے سوا اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا، ایک جوڑی پستول، ایک کشمیری شیر بچہ اور ایک تلوار باندھے تھا۔

ابھی سید صاحبؒ اور پائندہ خاں سے باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ تین چار سو سواروں نے جن کو پائندہ خاں نے کھڑا کرایا تھا، گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں، زمین پتھریلی تھی، ان کے ٹاپوں کی آواز اس طرح سنائی دیتی تھی، جیسے اولے پڑتے ہیں، جب تک وہ پائندہ خاں کے وہاں پہنچیں، تب تک دریا کے کنارے کے مجاہدین ایک دم سے چڑھ آئے اور قرابینیں اور چقماقیں چڑھا کر سید صاحبؒ اور پائندہ خاں کے گرد کھڑے ہوگئے ان کے پیچھے وہ دس آدمی جن کو سید صاحبؒ کہیں دور چھوڑ آئے تھے، آن پہنچے، ان سواروں نے آن کر سب کا محاصرہ کرلیا، مگر انھوں نے اپنے خان کو غازیوں کے قابو میں دیکھا اور سمجھ لیا کہ اگر ہم نے جنبش کی، تو خان کو زندہ نہیں چھوڑیں گے، اس خیال سے ایک سکتے کے عالم میں کھڑے رہ گئے۔

پائندہ خاں کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا اور مردنی چھا گئی، سید صاحبؒ نے اس کو ہوش باختہ دیکھ کر فرمایا: خان بھائی، ”تم کسی بات کا اندیشہ نہ کرو، تم تو ہمارے بھائی ہو، ہم نے جو تم سے ملاقات کی ہے، وہ محض خدا کے واسطے کی ہے کہ کشمیر کا راستہ تمھاری عملداری میں سے ہو کر گزرتا ہے، اور دریائے سندھ کی کشتیاں بھی تمھارے قابو میں ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ اگر ہمارے آدمی اللہ تعالیٰ کے کام کے لیے تمھاری عملداری میں آئیں، تو کوئی ان سے مزاحم نہ ہو، اگر تم بھی للہ فی اللہ اس کار خیر میں شریک رہو گے، تو اللہ تعالیٰ تمھارے واسطے دنیا و آخرت کی خیر و فلاح کرے گا۔

سید صاحبؒ کی شفقت

پائندہ خاں چاہتا تھا کہ کسی طرح اس کشمکش سے رہائی پا کر اپنے مکان کو سلامت چلا جائے، اس نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو ہمارے پیر و مرشد اور امام ہیں اور ہم آپ کے مطیع و فرمانبردار ہیں، جو کچھ آپ فرماتے ہیں، سب مجھ کو منظور ہے، آپ نے منشی خواجہ محمد سے فرمایا کہ منشی جی، ہماری دستار لاؤ، انھوں نے رومال میں لپٹی ہوئی آپ کے سامنے رکھ دی، آپ نے اس کا سرا کھول کر اپنے ہاتھ سے اٹھایا، اور فرمایا کہ خان بھائی، بسم اللہ کر کے اس کو باندھ لو، اس نے رومال کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لے لی اور عرض کیا کہ مکان پر جا کر باندھ لوں گا، آپ نے فرمایا: ابھی باندھ لو، تین بار آپ نے یہی فرمایا اور تین بار اس نے وہی جواب دیا، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ خان بھائی، تم اللہ کے واسطے ہم سے ملے ہو اور کار خیر میں شریک ہوئے ہو اور تمھاری عملداری کی سرحد سکھوں کی سرحد سے ملی ہوئی ہے، ہم تم کو ایک ضرب توپ جو بہت بھاری ہے، اور ایک ہاتھی دیں گے اور وہ بھی خدا ہی کا مال ہے۔

توپ اور ہاتھی کا نام سن کر پائندہ خاں بہت خوش ہوا اور کہا: آپ کی میرے حال پر پرورش و عنایت ہے اور آپ سے رخصت چاہی۔

ستھانے واپسی

اس وقت کوئی گھڑی دن باقی تھا، آپ نے بھی چلنے کی تیاری کی اور کہا کہ خان بھائی ستھانہ دور ہے، ہمارے لوگوں کو تکلیف ہوگی، اگر کہو تو تمھارے عشرے میں رات بھر کے لیے اتر لیں؟ پائندہ خاں کو اندیشہ ہوا کہ مبادا وہاں جا کر اپنا قبضہ کر لیں، اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ آپ ستھانے تشریف لے جائیں، میں وہیں آپ کے لیے دعوت بھیجوں گا، جنگل میں جو اس نے کئی سو پیادے چھپا رکھتے تھے، وہ اس وقت تک چھپے رہے جب سید صاحبؒ ستھانے کی طرف روانہ ہوئے اور پائندہ خاں امب کی طرف، تو وہ اس جنگل سے نکلے اور سواروں میں شریک ہو گئے۔

سید صاحبؒ ایک دیندار عالم سے ملنے موضع چنپئی میں تشریف لے گئے (۱)اور مولانا اسمٰعیل صاحب سب لوگوں کو لے کر کھبل روانہ ہوگئے۔

درانیوں کا قلعہ ہنڈ پر حملہ

چنپئی میں ایک آدمی خبر لایا کہ سردار سلطان محمد خاں کو اس کی ماں نے غیرت دلائی کہ تو بڑا بے غیرت ہے کہ تیرا بھائی یار محمد خاں مارا گیا، تجھ سے اس کا کچھ بھی تدارک نہ ہوا! اس غیرت پر سردار سلطان محمد خاں نے اپنے بھائی پیر محمد خاں اور سید محمد خاں کو متفق کر کے ہنڈ پر چڑھائی کی، ایک فرنگی کیول نام، جو اس کا نوکر تھا، وہ بھی ساتھ آیا، قلعہ ہنڈ میں پچاس ساٹھ مجاہدین تھے، انھوں نے مقابلہ کیا، جانبین سے خوب بندوقیں اور شاہینیں چلتی رہیں، درانیوں نے قابو نہ پایا کہ قلعہ خالی کرالیں، ان کے تردد کو دیکھ کر فرنگی مذکور نے سلطان محمد خاں سے کہا کہ ابھی تو پچاس ساٹھ آدمیوں سے مقابلہ ہے، ان سے تم قلعہ نہیں لے سکتے، جب کسی طرف سے انھیں مدد آجائے گی، تو اور بھی دشوار ہوگا، اگر تم مجھ سے پکا عہد و پیمان کرو کہ قلعہ کے خالی ہونے کے بعد ہم قلعہ والوں سے مزاحم نہ ہوں گے، تو میں اس کا کوئی راستہ نکالوں، خان ممدوح نے عہد کیا کہ ہم کو قلعہ خالی کرانے سے کام ہے، ان کی مزاحمت سے کیا غرض؟ تم سے جو تدبیر ہو سکے کرو، کیول نے قلعہ والوں کو پیغام بھیجا اور سمجھایا کہ تم چند آدمی کیوں مفت میں اپنی جانیں ہلاک کرتے ہو؟ بہتر یہ ہے کہ تم قلعہ خالی کردو، ہم تمھاری جانیں بچالیں گے، اس کے عہد و پیمان پر ان لوگوں نے قلعہ خالی کردیا، سلطان محمد خان نے بدعہدی کر کے ان کو گرفتار کرلیا اور قلعہ میں اپنا بندوبست کرلیا، یہ سب معاملے میرے سامنے ہو چکا تھا، تب میں ادھر آپ کے پاس آیا۔

یہ حال سن کر سید صاحبؒ نے اسی وقت کھبل میں مولانا اسمٰعیل صاحب کو سب ماجرا لکھا اور تاکید کی کہ خط دیکھتے ہی آپ سب آدمیوں کو لے کر موضع گندف میں آجایئے (۲) اگلے

---

(۱) یہ عالم پہلے مانسہرے میں تھے سکھوں کے عمل دخل کے بعد وہاں سے ہجرت کر کے چنپئی میں آگئے تھے، صاحب درس گوشہ نشین بزرگ تھے، ان اطراف میں انھیں کا فتوی معتبر تھا (وقائع)

(۲) یہ گندف پہاڑوں کے بیچ میں چنپئی سے پنجتار کے راستے پر واقع ہے (سید احمد شہیدؒ، ج ۲، ص ۱۵۴)

روز سید صاحبؒ بھی وہیں تشریف لے گئے اور اس کے اگلے روز وہاں سے سب لوگ کوچ کر کے پنجتار کو روانہ ہوئے۔

پنجتار کے قریب فتح خاں پنجتاری آمد کی خبر سن کر استقبال کے لیے چلا، راستے میں ملاقات ہوئی، فتح خاں نے ہنڈ کے تخلیے کی تفصیل سنائی اور کہا کہ کیول نے اخوند ظہور اللہ کو اپنی ضمانت پر قلعہ خالی کرنے کی ترغیب دی، اخوند صاحب کو امید تھی کہ شاید آج کسی وقت ہماری مدد آجائے انھوں نے وعدہ کیا کہ آج ہم اپنے لوگوں سے دریافت کر کے کل تم کو اس کا جواب دیں گے۔

مجاہدین کی جوانمردی

اگلے روز اخوند صاحب نے کہا کہ ہم لوگوں کو درانیوں پر ہرگز اعتماد نہیں اور تم ان کے نوکر ہو، حاکم نہیں ہو، ہم لوگ اگرچہ تھوڑے ہیں، مگر ہم اس میں کچھ تردد نہیں، ہم تو اللہ کی راہ میں اپنی جانیں ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں، اگر مارے گئے تو ان شاء اللہ درجہ شہادت پائیں گے، اور زندہ رہے، تو غازی کہلائیں گے، ہمارے لیے دونوں باتیں بہتر ہیں، تم اس جھگڑے میں نہ پڑو، ہم لڑیں گے۔

کیول نے کہا: اخوند صاحب، تم سچ کہتے ہو، درانی فی الحقیقت فریبی اور دغا باز ہیں اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ خلیفہ صاحب کے لوگ بڑے مردانے، شجاع، اور اللہ والے ہیں، اور اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں، لیکن اس کا عہد و پیمان ہم پختہ کر چکے ہیں اور ہم اپنی ضمانت کرتے ہیں، اگر درانی کچھ بدعہدی کریں گے، تو ہم تمھارے شریک ہیں، اخوند صاحب نے کہا کہ خیر، اگر تم نے اطمینان کر لیا ہے، تو مضائقہ نہیں، ہم قلعہ خالی کر دیں گے، اخوند صاحب نے قلعہ خالی کر دیا۔

سلطان محمد خاں کی عہد شکنی

سلطان محمد خاں نے قلعہ پر اپنا تسلط کر لیا اور مجاہدین کا اسباب اور ہتھیار چھین کر ان کو گرفتار کر لیا۔ کیول نے کہا کہ سردار، یہ بات نامناسب ہے، تم نے مجھ کو زبان دی ہے اور

میں نے ان کو اپنے ہاتھ سے نکالا ہے، تم ان کو چھوڑ دو، سلطان محمد خاں نے کچھ سماعت نہ کی، کیوں ناخوش ہوکر نوشہرے چلا گیا، رات کو اخوند ظہور اللہ صاحب خدا جانے کس طرح قید سے نکل گئے درانیوں نے صبح کو سب قیدیوں کو تین سواروں کے ضابطے کے ساتھ ہشت نگر بھیج دیا اور سب کے سامنے پکار کر کہہ دیا کہ ان سب کو اپنے بھائی سردار یار محمد خاں کی قبر پر ذبح کروں گا، اب درانیوں کا لشکر ہریانے سے آکر ہنڈ کے میدان میں پڑا ہے اور انھوں نے زیدہ، کنڈہ اور شاہ منصور وغیرہ کو لوٹ لیا اور جلا دیا ہے۔

سید صاحبؒ نے یہ سب حال سن کر فرمایا کہ خدا کی مرضی، انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو بدعہدی کی ہے، اس کا اللہ تعالیٰ ان سے عوض لے گا، مجھ کو امید ہے کہ ان شاء اللہ وہ سب ان موذیوں کے چنگل سے چھوٹ جائیں گے، پھر آپ مع لشکر پنجتار میں داخل ہوئے اور سب لوگ اپنے اپنے مکانوں میں اترے۔

ہنڈ کا تخلیہ

اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد سید صاحبؒ نالے پر شیشموں کے درختوں کے نیچے (جہاں جمعہ کی نماز ہوتی تھی) بیٹھے تھے اور صدہا مجاہدین اور اس نواح کے مسلمان حاضر تھے، بعض بعض ملکیوں کی زبانی افواہاً خبر معلوم ہوئی کہ درانیوں کا ارادہ پنجتار پر حملہ کرنے کا ہے، سید صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، رسالدار عبدالحمید خاں، ارباب بہرام خاں، سردار فتح خاں اور اپنے بھانجے سید احمد علی صاحب کو بلایا اور علاحدہ بٹھا کر کچھ مشورہ کیا، اس کے بعد بآواز بلند سب کے سامنے فرمایا کہ درانی ہم پر پنجتار میں کیا حملہ کریں گے، ہم نے ان کے پشاور پر لشکر بھیجنے کی تیاری اور تدبیر کی ہے، اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور عبدالحمید خاں رسالدار کی طرف مخاطب ہوکر بآواز بلند ارشاد فرمایا کہ ہمارے لشکر میں پانچ سو کے قریب گھوڑے ہیں، ایک ایک گھوڑے پر دو دو آدمی ہتھیار لگا کر سوار ہوں اور آج رات کو نماز عشاء کے بعد پشاور کا راستہ لیں، سب سواروں کو خبر کر دو کو جلد دو دو روز کی روٹیاں پکا لیں اور تیار ہولیں، یہ خبر جماعت جماعت کی گئی، وہ سب آپ کے حکم کے مطابق روٹیاں پکانے لگے۔

یہ خبر مخبروں نے درانیوں کو پہنچائی کہ سید بادشاہ نے اپنے لشکر میں یہ تدبیر کی ہے کہ ہم ان کے سواروں کو روٹیاں پکاتے چھوڑ آئے ہیں، آج رات کو ضرور ان کے سوار پشاور روانہ ہوں گے، یہ خبر سن کر درانیوں کے لشکر میں ہول پڑ گیا اور سب لوگوں کو تردد لاحق ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ وہاں جا کر غازی ہمارے اہل وعیال کو پکڑ لیں اور شہر کو تباہ کر دیں، اسی وقت سردار سلطان محمد خاں نے اپنے بھائی سردار سید محمد خاں کو ہنڈ پر چھوڑا اور دونوں بھائی کئی ہزار سوار لے کر پشاور کو روانہ ہو گئے اور پشاور ہی میں جا کر دم لیا۔ ان کے بعد سردار سید محمد خاں نے خادی خاں کے بھائی امیر خاں کو بلا کر کہا کہ ہم تو اب یہاں سے روانہ ہوتے ہیں، اگر تم سے ہو سکے تو اپنے بھائی کے قلعہ کو سنبھالو، نہیں تو تم جانو، یہ کہہ کر اس نے کوچ کیا اور ہشت نگر جا کر دم لیا اور قلعہ ہنڈ میں نام کو بھی کوئی درانی نہ رہا۔

ادھر پنجتار میں مجاہدین روٹیاں پکا کر کمر باندھے اپنے ساز وسامان کے ساتھ تین پہر رات گئے تک کوچ کے منتظر بیٹھے رہے، اس عرصے میں سید صاحبؒ کے پاس خبر آئی کہ درانیوں کا لشکر ہنڈ کے میدان سے پشاور کی طرف کوچ کر گیا، اب وہاں کوئی بھی نہیں، سید صاحبؒ نے کہا: الحمد للہ! اور سر کھول کر بڑے الحاح وزاری کے ساتھ دعا کی، کچھ دیر میں دوسرا شخص بھی یہی خبر لایا اور صبح کی اذان ہوئی، تیسری مرتبہ یہ خبر آئی کہ سردار سید محمد خاں بھی قلعہ امیر خاں کو سپرد کر کے اپنے لوگوں کو لے کر چلا گیا، فجر کی نماز پڑھ کر سید صاحبؒ نے سب کے ساتھ دوبارہ دعا کی اور سواروں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بلا ٹال دی، اب کمر کھول ڈالو۔ اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ نے یہ تدبیر صرف درانیوں کے بھگانے کے لیے کی تھی۔

قیدیوں کی رہائی

اگلے روز ایک ملکی نے آ کر خبر دی کہ میں نے بعض لوگوں کی زبانی سنا ہے کہ درانیوں نے جن لوگوں کو قلعہ ہنڈ سے نکال کر قید کر کے ہشت نگر میں پہنچا دیا تھا، وہ سید محمد خاں کے پہنچنے سے پہلے نکل گئے، یہ خبر سن کر سید صاحبؒ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا: الحمد للہ کہ کیا

عجب ہے کہ اس قادر مطلق نے اپنے عاجز بندوں کو ان موذیوں کے پنجے سے رہائی بخشی ہو، جناب الٰہی سے ہم کو یہی امید ہے، دوسرے یا تیسرے دن محمد خاں جمعدار پنجابی اٹھارہ یا بیس آدمیوں کے ساتھ آئے، سید صاحبؒ اور سب لوگوں سے ملاقات کی، لشکر کے تمام لوگ ان کو دیکھ کر خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان موذیوں سے بچالیا، سید صاحبؒ نے محمد خاں سے پوچھا کہ تمھارے باقی ہمراہی کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا: وہ ندامت کے مارے آپ کے پاس نہیں آسکے کہ اب جا کر کیا منہ دکھائیں؟ وہ ہم کو بھی غیرت اور شرم دلاتے تھے کہ تم بھی نہ جاؤ، مگر ہم نے کہا کہ ہم تو وہیں جائیں گے، ہمارا تو مرنا جینا آپ ہی کے ساتھ ہے، سید صاحبؒ نے فرمایا: جزاکم اللہ! تم نے خوب کام کیا، جو یہاں چلے آئے، اس میں شرم وندامت کی کیا بات ہے؟

پھر سید صاحبؒ نے ان سے ان کی خلاصی کا سبب پوچھا، انھوں نے کہا کہ جب ہم کو درانی ہنڈ سے ہریانے لے گئے، ہمارے ہتھیار چھین لیے اور ہمیں گرفتار کرلیا، رات کو اخوند ظہور اللہ صاحب کسی تدبیر سے نکل گئے، جب سلطان محمد خاں کو یہ خبر ہوئی، تو اس نے ہم سب کو سخت قید کر کے تین سو سواروں کے ضابطے کے ساتھ ہشت نگر کو روانہ کر دیا، اور ہم سب کو سنانے کے لیے کہا کہ ان لوگوں کو بڑی حفاظت کے ساتھ لے جاؤ، جب ہم پشاور جائیں گے، تو ان سب کو اپنے بھائی یار محمد خاں کی قبر کے گرد پھرا کر ذبح کریں گے، وہ ہم کو لے گئے اور ہشت نگر میں ایک مکان میں قید کر دیا، اور دروازہ بند کر کے پہرہ لگا دیا، ہم سب حواس باختہ تھے، ہم نے مشورہ کیا کہ یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے، آخر تو یہ موذی ہم کو ذلت کے ساتھ ماریں گے، ہم یہاں سے کسی تدبیر سے نکل چلیں، اگر ان کو معلوم ہو جائے، تو ہم ان کا مقابلہ کرتے اور لڑتے بھڑتے نکل جائیں، سب نے کہا کہ تم ہمارے سردار ہو، تمہیں کوئی تدبیر کرو، میں نے اس چھرے سے اس مکان کے پچھواڑے کی دیوار، جو مٹی اور پتھر کی تھی کھودنی شروع کر دی۔ آدھی رات کے قریب آدمی نکلنے کا راستہ ہو گیا اور ہم لوگ ٹولی باندھ کر چلے، جب بستی کے باہر پہنچے تب شاید بستی والوں میں سے کسی نے ہم کو دیکھ لیا اور یکبارگی شور وغل ہوا کہ سید بادشاہ کا چھاپہ آ پہنچا، پھر ہم کو نہیں معلوم کہ وہاں کیا ہوا۔

سکھ لشکر کے مسلمان عہدہ داروں سے تعلقات اور خط و کتابت

میاں دین محمد کو بعض ضرورتوں سے سید صاحبؒ نے ہندوستان روانہ فرمایا اور سکھ لشکر کے مسلمان عہدہ داروں کے نام خطوط لکھ کر دیے، میاں دین محمد حضرو لشکر میں جا کر ٹھہرے اور محمد سعید خاں کے ڈیرے میں اترے، جو لوگ سید صاحبؒ سے اعتقاد و اخلاص رکھتے تھے، وہ سب آ کر ملے، میاں دین محمد نے ہر ایک کو سید صاحبؒ کا پیام پہنچایا اور ان کے نام کے بتیس خط دیے۔

پائندہ خاں کی مزاحمت اور عشرہ اور امب کی جنگیں

کشمیر کا مشورہ

ملکیوں کی زبانی متواتر خبریں آنے لگیں کہ خادی خاں کا بھائی امیر خاں حضرو سے سات سو سکھ لایا ہے اور اب قلعہ ہنڈ میں انھیں کا بندوبست ہے، یہ سن کر سید صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے؟ اس میں اللہ کی حکمت ہے، اب کی باران شاء اللہ سکھوں سے ہم ہنڈ خالی کرالیں گے۔

اس کے کئی روز کے بعد جا بجا سے خبریں آنے لگیں کہ ملک سمہ کے اکثر ملک اور خوانین سکھوں سے مل کر ان کے تابعدار ہو گئے ہیں، اور فتح خان ان کے بھائی ارسلاں خاں (زیدہ والے) ابراہیم خاں، ان کے بھائی اسمٰعیل خاں (کلابٹ والے) عشرہ والے مردان خاں اور کوٹھئی والے ملا سید میر وغیرہ جن کو سکھوں کی اطاعت ناگوار تھی، اپنے گاؤں چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے گئے، پائندہ خاں نے اپنے بھائی امیر خاں کو پنجتار سے بلالیا اور سید صاحبؒ کی اطاعت میں پس وپیش کرنے لگا اور بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے، ادھر ناصر خاں بھٹ گرامی، مدد خاں (برادر پائندہ خاں) راجہ پارس، وکیل سلطان زبردست خاں وغیرہ نے کشمیر کی طرف رخ کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اس ملک کے سرداروں کی ایک مدت سے

عرضداشتیں آرہی ہیں کہ آپ ادھر تشریف فرما ہوں یا اپنے کچھ لوگ روانہ فرمائیں، ہم سب آپ کے فرماں بردار ہیں، پھر مشورہ سے یہ طے ہوا کہ پہلے چند لوگ مظفر آباد روانہ کیے جائیں کہ وہ گویا ملک کشمیر کا دروازہ ہے، اس سے راستہ کی حالت بھی معلوم ہو جائے گی اور اس ملک کے لوگوں کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ تشریف لے چلیں۔

سید صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو مظفر آباد کے لیے تجویز فرمایا اور قندھاری اور پنجابی اور تقریباً دو سو ہندوستانی آپ کی ہمراہی کے لیے مقرر کیے اور مولوی خیر الدین صاحب کو آپ کا نائب مقرر کیا۔

پائندہ خاں کا انکار

مولانا پنجتار سے چل کر تیسرے روز سید اکبر صاحب کے مکان پر ستھانے پہنچے، اگلے روز مولانا نے اپنا ایک آدمی خط دے کر پائندہ خاں کے پاس روانہ کیا کہ کل ہم اتنے آدمیوں سے تمھارے یہاں آئیں گے، کشتیاں تیار رکھنا، ہم کو سید صاحبؒ نے پکھلی کی طرف روانہ کیا ہے، اس نے جواب دیا کہ میں تو سید بادشاہ کا تابعدار ہوں، آپ کا یہاں آنا میرے لیے باعث سرفرازی تھا، لیکن اگر آپ اس طرف سے ہو کر دریا اتریں گے، تو ہری سنگھ ہم کو تکلیف دے گا، ادھر سے آپ کا جانا مناسب نہیں ہے، پائندہ خاں اور سکھوں کے درمیان ہمیشہ ناموافقت ہی رہتی تھی، اس لیے پائندہ خاں کا یہ عذر صحیح نہیں تھا، مولانا نے جواب دیا کہ سکھوں کی تم سے صلح اور موافقت کب تھی، جو اب تم کو ان کی مخالفت کا خوف ہے؟ اور سید بادشاہ کی فرماں برداری کے کیا یہی معنی ہیں، جو تم کہتے ہو؟ ہم کو تو سید صاحبؒ نے بھیجا ہے اور جانے سے غرض ہے، اگر تم امب میں سے ہو کر نہ جانے دو گے، تو ہم بھیٹ گلی میں ہو کر چلے جائیں گے(۱) مگر تم کو ہمارے راستے میں حارج نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ تم نے سید صاحبؒ کی اطاعت کا اقرار کیا ہے، اور ان کو اپنا امام گردانا ہے۔

---

(۱) ایک بڑا نالہ مہابن سے نکل کر مختلف مقامات کے چکر لگاتا ہوا امب اور ستھانے کے عین وسط میں پہاڑ سے باہر نکل کر دریا میں ملا ہے اس کا نام ''بھیٹ گلی'' ہے، یہ بارہ تیرہ میل سے کم لمبا نہ ہوگا (سید احمد شہیدؒ، ج ۲، ص ۱۶۱)

جب یہ خط پائندہ خاں کو ملا تو وہ بہت برہم ہوا، اس نے صاف صاف لکھ کر بھیج دیا کہ بہتر یہی ہے کہ آپ میری عملداری میں سے ہو کر نہ جائیں، خواہ امب ہو، خواہ بھیٹ گلی، اور جو آپ نہ مانیں گے تو بیشک لڑائی ہوگی۔

مولانا کی مراجعت

مولانا نے یہ خط پنجتار سید صاحبؒ کے پاس بھیج دیا، سید صاحبؒ نے ان لوگوں سے مشورہ کیا، جن لوگوں نے کشمیر کی رائے دی تھی، انھوں نے کہا کہ مولانا کا واپس آنا تو مناسب نہیں ہے، جس طرح ممکن ہو، مولانا آگے روانہ ہوں، پھر آپ یہاں سے تشریف لے چلیں، آپ نے فرمایا کہ بھائیو ہم کو تو مسلمان سے لڑائی منظور نہیں، مگر اس طرف جانا بھی ضرور ہے، اسکے لیے مناسب یہ ہے کہ میاں صاحب (مولانا محمد اسمٰعیل صاحب) کو یہاں بلالیں، اس کے بعد ہم پائندہ خاں کو خط لکھ کر للہ فی اللہ ایک دو بار سمجھائیں گے، اگر اس نے مان لیا تو بہت اچھا، ورنہ جیسا کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔ آپ نے مولانا کو پنجتار بلالیا اور وہ تشریف لے آئے۔

پائندہ خاں کو خط اور اس کا جواب

جب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ستھانے سے واپس آئے اور پائندہ خاں نے اپنے ملک میں ہو کر جانے نہیں دیا، تو سید صاحبؒ نے اپنے خاص لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ جس بات کا ہم ارادہ کرتے ہیں، یہاں کے ایک نہ ایک مسلمان بھائی حارج ہو جاتے ہیں اور وہ کام ہونے نہیں پاتا، چنانچہ یہی پائندہ خاں ہے کہ اس نے ہمارے لوگوں کو اپنی عملداری میں آنے سے روکا اور ہم کو مسلمانوں سے حتی الامکان لڑنا منظور نہیں اور جو وہ اپنی شرارت سے باز نہ رہے، تو مجبوری کی بات ہے، مگر ہم چاہتے ہیں کہ ایک بار اس کو اور فہمائش کر لیں اور اس پر حجت شرعی قائم کر دیں۔

آپ نے مولانا سے فرمایا کہ آپ ہماری طرف سے پائندہ خاں کو اس مضمون کا

ایک خط لکھ کر بھیج دیں کہ ہم دین کے کام کے توسط تمھاری عملداری میں سے ہو کر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ دریا سے اتر کر چلے جائیں، اس کے سوا ہماری کوئی غرض نہیں اور تم نے ہماری اطاعت کا اقرار کیا ہے، تم کو لازم ہے کہ تم ہمارے ساتھ شرکت کرو اور جو تم سے یہ نہ ہو سکے تو ہمارے حارج بھی نہ ہو، یہ بھی تمھارا ایک طرح کا احسان ہوگا۔

مولانا نے اس مضمون کا ایک خط لکھ کر پائندہ خاں کے پاس بھیج دیا، اس کے جواب میں اس نے لکھا کہ میں سب طرح سے آپ کا خادم اور فرماں بردار ہوں، مگر یہ مجھ کو منظور نہیں کہ آپ ادھر تشریف لائیں، آپ ہرگز ہرگز اس طرف کا ارادہ نہ فرمائیں اور جو آپ آئیں تو ہوشیار ہو کر آئیں۔

حملے کی تیاری

آپ نے پائندہ خاں کا یہ جواب اس ملک کے علماء کے سامنے، جو وہاں لشکر میں تھے، پڑھوایا، انھوں نے کہا کہ اس خط کے مضمون سے تو وہ صاف باغی ہوگیا، اس پر جہاد کرنا درست ہے، آپ نے اپنے خاص لوگوں سے مشورہ کیا کہ ہمارے لشکر میں جو توپیں ہیں، ان کو موقع سے کسی جگہ دبا دینا چاہیے، آپ نے ان کے دبانے کی جگہ تجویز کر کے چند معتبر اور امانت دار لوگوں کو بلایا اور ان سے عہد و پیمان لیا کہ اس راز کو سوا تمھارے دوسرا نہ جانے، یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس میں جو کوئی تم میں سے خیانت کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کا خائن ہوگا، پھر آپ نے ان توپوں کے دبانے کی جگہ بتا دی، وہ اس کے کھودنے میں مشغول ہوئے اور لشکر میں اعلان کر دیا گیا کہ لوگ اپنا ضروری اسباب درست کر لیں، امب پر چڑھائی ہے، اور شیخ ولی محمد صاحب کو حکم بھجوا دیا گیا کہ لشکر میں جس بھائی کے پاس ضروری سامان نہ ہو، اس کو بنوا دیجیے، پھر آپ نے مولوی احمد اللہ صاحب سے جو توپ خانے کے داروغہ تھے، فرمایا کہ سب توپیں توپ خانہ سے یہاں لشکر میں کھچوالاؤ، ان کا بھی ساز وسامان دیکھنا ہے، مولوی (احمد اللہ) صاحب نے وہاں سے توپیں لا کر لشکر میں کھڑی کر دیں، دو روز وہ توپیں لشکر میں رہیں، تیسرے روز ان معتمد لوگوں کے ذریعہ جن سے عہد و پیمان لیے گئے تھے، ان کو

دفن کرادیا گیا۔

اس کے بعد ایک روز آپ نے سید احمد علی صاحب اور عبدالحمید خاں رسالدار کو بلایا اور سید احمد علی صاحب سے فرمایا کہ ہم نے تم کو عبدالحمید خاں صاحب اور ان کے سواروں پر امیر کیا، کل یہاں سے ان کو ساتھ لے کر ستھانے جاؤ اور وہاں ٹھہرو، وہاں تم کو ہمارا جو کچھ حکم پہنچے اس کے موافق کرنا۔

سید احمد علی صاحب کے خط سے جو انھوں نے ستھانے پہنچ کر لکھا، معلوم ہوا کہ پائندہ خاں جنگ کے لیے آمادہ ہے، آپ نے فتح خاں کے مشورے سے موضع دکھاڑا میں جو پنجتار سے ڈھائی تین کوس کے فاصلے پر پہاڑ پر واقع ہے، اپنے اور مجاہدین کے اہل وعیال کو پہنچادیا اور ان کی خدمت کے لیے شیخ حسن علی اور چند آدمیوں کو تجویز کیا۔

اس کے بعد آپ نے سب مجاہدین کے ساتھ پنجتار سے کوچ کیا دو روز چنبئی میں قیام فرمایا اور معززین اور افسران فوج کو جمع کیا اور ان سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم نے تم سب لوگوں پر میاں صاحب (مولانا محمد اسمٰعیل) کو امیر کیا، جو کچھ تم کو وہ حکم کریں، بلا انکار بجالانا اور مولانا سے فرمایا کہ آپ اپنی طرف سے لڑائی میں سبقت نہ کریں، اگر دوسری جانب سے پیشقدمی ہو، تو پھر آپ کو اختیار ہے، آپ نے ان کو ہدایات دے کر اور دعا خیر فرما کر مداخیل (۱) کی طرف رخصت فرمایا اور سات یا آٹھ آدمی اپنے ساتھ رہنے دیے۔

مولانا کے انتظامات

مولانا نے دوسو مجاہدین، جو خاص اور معتمد لوگ تھے، راستے میں دیگڑہ (۲) میں چھوڑے اور باقی لوگ اپنے ساتھ لے کر فروسہ میں قیام فرمایا، پائندہ خاں کو خبر ہوئی کہ دیگڑہ اور فروسہ میں سید صاحبؒ کا لشکر داخل ہوا، پائندہ خاں نے اپنے مشیروں سے کہا کہ دیگڑہ اور فروسہ

---

(۱) مداخیل ایک قوم کا نام ہے جو اس علاقے میں آباد ہے۔

(۲) بھیٹ گلی کے آغاز میں اس کے مغربی کنارے پر دیگڑہ ہے اور اس سے دو تین میل نیچے فروسہ ہے، دریا میں داخل ہونے کے مقام پر ٹیلے کے اوپر عشرہ آباد ہے، اس کا فاصلہ امب اور ستھانے سے یکساں ہے، (سید احمد شہیدؒ)

میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب پیادوں کی فوج لے کر آ گئے اور ادھر ستھانے میں سید احمد علی صاحب سواروں کے لشکر کے ساتھ ہیں، اب کیا تدبیر کرنی چاہیے؟ مشیروں نے کہا کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ موضع کنیر ڑئی کے پہاڑ (۱) پر بھیجے جائیں تا کہ غازیوں کی کمک آنے کا راستہ بند ہو جائے اور ستھانے کے سواروں کے مقابلے کے لیے عشرہ کے میدان میں سوار بھیجے جائیں اور باقی لشکر کے ساتھ دیگڑہ اور فروسہ کی فوج کا مقابلہ آپ کیجیے۔

یہ تمام خبر مخبروں نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو دی، پائندہ خاں کے بھائی مدد خاں نے مولانا سے عرض کیا کہ آپ اسی وقت اپنے آدمی موضع کنیر ڑئی کو روانہ کریں کہ اس پر قبضہ کر لیں، ورنہ اگر پائندہ خاں کے لوگ وہاں آ جائیں گے، تو پھر ویسا ہی ہوگا، جیسا انھوں نے مشورہ کیا ہے، مولانا نے اسی وقت اپنے آدمی بھیج کر دیگڑہ کے غازیوں کو اپنے پاس بلوا لیا اور ان سب سے پکار کر کہا کہ ہم نے تم سب پر ارباب بہرام خاں کو امیر کیا، ان کے بعد مولوی خیر الدین کو، ان کے بعد شیخ بلند بخت دیوبندی کو، ان کے بعد امام خاں خیر آبادی کو، اور جب ان میں سے کوئی نہ ہو، تب تم سب کو اختیار ہے، جس کو چاہنا، امیر بنا لیا۔

پھر ارباب بہرام خاں، مولوی خیر الدین شیخ بلند بخت اور امام خاں کو الگ بلا کر فرمایا کہ تم یہاں سے سب لوگوں کو ساتھ لیے ہوئے مدد خاں کے ساتھ کنیر ڑئی کے پہاڑ پر جاؤ اور جس جگہ مدد خاں تم کو مقرر کر دیں، وہاں اپنا بندوبست کر کے ہوشیاری سے جمے رہنا، کل صبح کو تم ادھر عشرہ کو اترنا اور ہم ادھر سے امب کی طرف اتریں گے اور ہم سید احمد علی صاحب کو لکھتے ہیں وہ بھی تمھاری مدد کے لیے عشرہ کی طرف آئیں گے، پھر دعا کر کے ان کو رخصت کیا اور سید احمد علی صاحب کو اس کی اطلاع کی۔ (۲)

---

(۱) یہ عشرہ کے مقام بھیٹ گلی کے مغربی کنارے پر درہ کے اندر ایک اونچا ٹیلہ ہے جس کی حیثیت ایک برج کی سی ہے یہ بارہ سو فٹ اونچا ہوگا، اس کا نام کوہ کنیر ڑئی ہے اور اس پر کنیر ڑئی نام کا گاؤں آباد ہے، (سید احمد شہیدؒ، ج ۲، ص ۱۶۱)

(۲) مہر صاحب سید احمد شہیدؒ میں لکھتے ہیں:

''جو لوگ اب تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ غازی محض علماء دین تے اور انھیں فنون حرب سے چنداں آگاہی نہ تھی، وہ محض اس جنگی نقشے کو دیکھ کر اندازہ فرما سکتے ہیں کہ غازیوں کی مہارت حربیات کا درجہ کتنا بلند تھا، سید عبدالجبار شاہ ستھانوی کو میں نے یہ تفصیلات سنائیں، تو انھوں نے فرمایا کہ جو مقاصد مولانا کے ساتھ تھے، ان کے حصول کے لیے اس سے بہتر نقشہ ذہن میں نہیں آ سکتا، بڑے سے بڑا جرنیل بھی ان مقاصد کے لیے وہی نقشہ جنگ بنائے گا جو مولانا نے بنایا''۔ (ج ۲، ص ۱۶۴)

پائندہ خاں کا فریب

سید احمد علی صاحب نے کھبّل سے پیر خاں کو مع جماعت کے بلوالیا، پائندہ خاں کو اس کے مخبروں نے اس کی اطلاع پہنچائی، پائندہ خاں نے اپنے مشیروں سے کہا کہ اب تو اس تدبیر کا وقت نہیں رہا، اب کیا کیا جائے؟

انھوں نے کہا کہ اب یہ تدبیر ہمارے خیال میں آتی ہے کہ آپ ایک خط سید بادشاہ کو اور ایک مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اس مضمون کا لکھیے کہ ہم آپ کے فرماں بردار ہیں، آپ کی جناب میں جو کچھ قصور ہوا ہے، للہ آپ معاف فرمائیں، ہم اپنی گستاخی سے توبہ کرتے ہیں اور آپ سے صلح چاہتے ہیں، کل آپ فروسہ سے دس پانچ آدمی لے کر ادھر بانڈے(۱) میں تشریف لائیں اور اسی قدر آدمیوں کے ساتھ میں بھی آپ کی ملاقات کے واسطے حاضر ہوں گا، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب یہ خط مولانا صاحب کو پہنچے گا، تو اسے دیکھ کر وہ جا بجا اپنے لوگوں کو آنے سے روک دیں گے اور صبح کو وہ بانڈے میں آپ کی ملاقات کے منتظر رہیں گے، آپ اپنے سواروں اور پیادے لے کر کنیر ڑئی کے پہاڑ پر چلے جائیے وہاں سو، دوسو، جوان کے غازی ہیں، ان کو مار لیجیے، یہی لوگ ان کے خواص اور معتمد ہیں، جب آپ ان کو مار لیں گے، تو ان کا تمام لشکر پراگندہ ہو جائے گا اور آپ کے مقابلے کو نہیں آئے گا اور رحمت خاں بھیٹ گلی والا بھی یہاں حاضر ہے، اس کو اسی وقت کچھ لوگوں کے ساتھ یہ کہہ کر بانڈے میں بھیج دیجیے کہ جب مولانا صاحب صبح کو وہاں آئیں، تو کسی حکمت عملی سے ان کو گرفتار کر لیں، اس تدبیر کے سوا اس وقت اور کوئی تدبیر نہیں، اگر یہ فریب چل گیا، تو پھر کیا کہنا ہے اور جو نہ چلا، تو پھر جیسا کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔

پائندہ خاں نے ان کے اس فریب کو بہت پسند کیا اور اسی وقت رات ہی کو ایک خط اس مضمون کا لکھ کر مولانا کے پاس اپنے ایک آدمی کے ہاتھ روانہ کیا اور ایک خط عذر و معذرت اور تابعداری و اطاعت کا لکھ کر سید صاحبؒ کے پاس ارسال کیا اور رحمت خاں کو اسی وقت چند

(۱) یہ مقام فروسہ سے قریب امب کی سمت ہے، (سید احمد شہیدؒ، ج ۲، ص ۱۶۳)

آدمیوں کے ساتھ وہ تدبیر سمجھا کر بانڈے کو روانہ کیا، جب مولانا کو وہ خط رات کو پہنچا، تو آپ اس خط کو پڑھ کر نہایت خوش ہوئے اور اپنے لوگوں کو پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ ہم تو خدا سے یہ چاہتے تھے کہ پائندہ خاں ہم سے موافق ہو جائے اور لڑائی کی نوبت نہ آئے۔

اسی وقت ایک خط اپنا اور پائندہ خاں کا نقل کر کے ارباب بہرام خاں کے پاس روانہ کیا کہ کل صبح کو وہیں ہوشیاری سے رہنا، جب تک ہمارا دوسرا خط تمھارے پاس نہ آئے، نیچے نہ اترنا اس لیے کہ پائندہ خاں نے صلح کا پیغام بھیجا ہے، اور ہم کو بھی یہی منظور ہے، اسی مضمون کا ایک خط سید احمد علی صاحب کو لکھا کہ جب تک ہمارا دوسرا خط نہ پہنچے، آپ ستھانے سے ابھی کوچ نہ کریں اور جو شاید کوچ کیا ہو تو وہیں پلٹ جائیں، اسی کے ساتھ پائندہ خاں کا خط بھی نقل کر کے ہمراہ کیا۔

وہاں سید احمد علی صاحب نے پہلے خط کے مضمون کے بموجب کہ آپ صبح عشرہ کے میدان میں داخل ہو جایئے اور ادھر کنیر ڑئی کے پہاڑ سے ارباب بہرام خاں اپنے لوگ لے کر عشرہ کی طرف اتریں گے، اپنے تمام سواروں میں حکم بھجوا دیا تھا کہ صبح کو سب اپنے گھوڑے تیار کر کے ہتھیار لگا کر فجر کی نماز پڑھیں، چنانچہ سب نے اسی حکم کے مطابق گھوڑے تیار کر کے ہتھیار لگا کر فجر کی نماز اول وقت پڑھی اور سب ڈیرے ڈنڈے لپیٹ کر سید اکبر شاہ کے مکان پر رکھ دیے اور آٹھ آدمی کا ایک پہرا وہاں مقرر کر دیا اور سید احمد علی صاحب نے سواروں اور پیادوں کے ساتھ کوچ کیا، سید اکبر صاحب بھی اپنے چند لوگوں کے ساتھ لشکر کے ہمراہ ہوئے۔

جاتے جاتے جب عشرہ آدھے کوس یا پون کوس کے قریب رہ گیا، تو انھوں نے دیکھا کہ پائندہ خاں کا لشکر امب کے میدان میں جما کھڑا ہے، اس عرصے میں مولانا کا آدمی وہی خط لے کر سید احمد علی صاحب کے پاس آیا، سید احمد علی صاحب نے خط پڑھا اور اپنے دل میں بہت متردد ہوئے، رسالدار عبدالحمید خاں اور سید اکبر صاحب کو بلایا اور خط پڑھ کر سنایا اور کہا کہ مولانا صاحب نے اس میں لکھا ہے کہ جب تک ہمارا دوسرا خط نہ آئے، تم ستھانے سے ابھی کوچ نہ کرنا اور جو کوچ کیا ہو تو پلٹ جانا، اب تو مناسب یہی ہے کہ یہاں سے پلٹ چلیں۔

رسالدار اور سید اکبر صاحب نے کہا کہ یہ پائندہ خاں کا محض فریب ہے، اس نے مولانا صاحب کو دھوکا دیا ہے، کیونکہ اس کا لشکر سامنے امب کے میدان میں تیار کھڑا ہے، اس لیے یہاں سے پلٹنا تو مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے، ایسا ہی ہے، تو آپ اسی جگہ ٹھہر جائیں، دیکھیں کیا معاملہ ہوتا ہے، سید احمد علی صاحب نے کہا: ہم کو اس بات سے کچھ کام نہیں ہے، ہم تو ان کے حکم کے موافق کام کریں گے، سید اکبر صاحب نے دوبارہ کہا کہ سید احمد علی صاحب آپ کہتے ہیں کہ ہم کو اس طرح لکھا ہے، خیر بجا لکھا ہے، ہم آپ کے فرماں بردار اور بہر حال شریک کار ہیں، لیکن پائندہ خاں کے حیلہ وفریب سے خوب واقف ہیں، کیونکہ ہمیں تو اس سے دن رات واسطہ پڑتا ہے، میں اس کے فریب کا اس طرح مشاہدہ کر رہا ہوں، جس طرح اپنا ہاتھ دیکھتا ہوں میرے نزدیک یہی مناسب ہے کہ آپ اسی جگہ ڈیرا کر دیں اور جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں، دو چار گھڑی کے اندر ہی اس کو بچشم خود دیکھ لیں اور اگر یہاں سے ستھانے ہی کو چلیں، تو بسم اللہ، ہم آپ کے ہمراہ ہیں، اطاعت میں فرق نہ آئے گا۔

سید احمد علی صاحب نے فرمایا کہ بھائی سید اکبر، آپ بجا کہتے ہیں، میرا بھی یہی خیال ہے، لیکن اطاعت سے ناچار ہوں، یہ کہہ کر وہاں سے گھوڑے کی باگ پھیری اور سب کو لے کر ستھانے کی طرف روانہ ہو گئے۔

کوہ کنیر زئی کی جنگ

ستھانے پہنچ کر سب سوار اپنے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑے رہے، دو تین گھڑی کا عرصہ ہوا ہوگا کہ کنیر زئی کی طرف سے ایک ایک دو دو بندوق کی آوازیں آنے لگیں۔ سید اکبر صاحب نے کہا: دیکھیے کنیر زئی میں لڑائی شروع ہو گئی اور بھی اکثر لوگوں نے یہی کہا سید احمد علی صاحب نے فرمایا کہ ایک ایک، دو بندوقیں چلتی ہیں کہیں کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہوگا، اگر لڑائی کی بندوقیں ہوتیں، تو باڑھ چلتی، ایسی ہی ردوبدل آپس میں رہی، یہاں تک کہ سب نے عصر کی نماز پڑھی، بندوقیں زیادہ چلنے لگیں۔

رسالدار عبدالحمید خاں کا اضطراب

رسالدار صاحب نے خفا ہو کر کہا کہ سید احمد علی صاحب، وہاں کنیر ڑئی میں لڑائی ہو رہی ہے، ہمارے بھائی کٹ رہے ہوں گے، آپ یہاں تشریف رکھیے، ہم تو وہیں جاتے ہیں، یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور جتنے سوار تھے سب سوار ہو گئے، سید احمد علی صاحب نے اٹھ کر رسالدار کے گھوڑے کی باگ پکڑلی اور مولانا صاحب کا وہی خط دکھایا اور فرمایا کہ تم ان کا حکم نہیں مانتے، اپنی رائے سے کام کرتے ہو، یہ بات اچھی نہیں ہے، انھوں نے جھنجھلا کر جواب دیا کہ سید احمد علی صاحب، بڑے تعجب کا مقام ہے کہ نہ تو آپ جاتے ہیں، نہ ہم کو جانے دیتے ہیں، وہاں جو مسلمان ضائع ہوں گے ان کا مواخذہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جو کچھ ہو، آپ جانیں، ہم بری الذمہ ہیں، یہ کہہ کر اپنے گھوڑے سے اتر پڑے اور سب سوار اتر پڑے۔

عشرہ اور امب پر قبضہ

رسالدار صاحب اسی طرح چپ چاپ غصہ میں بیٹھے رہے یہاں تک کہ مغرب کا وقت آیا، اس عرصے میں لشکر کے کئی آدمی رسالدار صاحب کے پاس آئے، اور کہنے لگے کہ اس وقت ایک سوار عشرہ کی طرف سے تیز چلا آ رہا ہے، خدا جانے، کچھ خبر لیے آتا ہے یا کیا بات ہے، یہ بات سنتے ہی رسالدار صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور سب لوگوں سے بآواز بلند پکار کر کہا بھائیو، ہوشیار اور تیار ہو جاؤ یہ سن کر سب لوگ اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور پیادے خبردار ہو گئے، کچھ عرصے میں وہ سوار قریب آیا، تو معلوم ہوا کہ وہ کرم خاں تھا، خچر پر سوار تھا اور دور ہی سے پکارتا ہوا آ رہا تھا کہ جلد تیار ہو کر چلو، غازیوں نے جنگ فتح کر کے عشرہ پر قبضہ کر لیا اور کوٹلہ بھی لے لیا ہوگا۔

اس وقت کچھ بھی دن باقی نہ تھا، سید احمد علی صاحب سوار اور پیدل سب کے ساتھ عشرہ کی طرف روانہ ہوئے، عشاء کے وقت عشرہ میں داخل ہوئے، وہاں سنا کہ مجاہدین نے کوٹلہ بھی لے لیا اور امب میں شیخ ولی محمد صاحب نے ڈیرا کیا، پائندہ خاں امب سے بھاگ کر

چھتربائی کے گھاٹ سے دریا سندھ اتر گیا، امب کی گڑھی سے کچھ بندوقیں چل رہی تھیں، جن کی آواز عشرہ میں سنی جاتی تھی، جس سے عشرہ کے مجاہدین کو تردد تھا کہ معلوم نہیں، امب میں کیا ہورہا ہے، سید احمد علی صاحب رسالدار عبدالحمید خاں اور ان کے رسالے کو عشرہ میں چھوڑ کر امب روانہ ہوگئے، دوسرے دن صبح کو رسالدار صاحب بھی اپنے ساتھیوں سمیت امب میں جا پہنچے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے ملے، اس وقت امب کی گڑھی خالی نہیں ہوئی تھی تھوڑی دیر کے بعد گڑھی والوں نے چادر ہلائی اور امن کی درخواست کی اور اپنا اسباب اور ہتھیار لے کر سلامت نکل جانے کی اجازت چاہی۔

مولانا نے فرمایا کہ جو خاص تمھارا مال و اسباب ہو اور جو تمھارے اپنے ہتھیار ہوں وہ لے کر باہر نکل آؤ اور جو مال واسباب یا ہتھیار سرکاری ہوں، وہ گڑھی میں رہنے دو، اگر اس میں سے کچھ لے جاؤ گے، تو مجرم ہوگے، انھوں نے کہا کہ آپ کا فرمانا ہم کو منظور ہے، ہم جانتے ہیں کہ آپ سید بادشاہ کے لوگ بدعہدی نہیں کریں گے، مگر ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی آئیں اور مولانا صاحب کو بھی بلائیں، پھر ہم دروازہ کھولیں، مولانا نے سن کر فرمایا کہ بہتر ہے، چنانچہ آپ اور شیخ ولی محمد صاحب گڑھی کے دروازے پر گئے، گڑھی کا دروازہ انھوں نے بند کر کے چن دیا تھا، انھوں نے وہ چنی ہوئی دیوار توڑ کر کھڑکی بھر کا راستہ کیا، دونوں صاحب گڑھی کے اندر گئے، تو انھوں نے دیکھا کہ سب لوگ اپنا اسباب لیے اور ہتھیار باندھے تیار کھڑے ہیں، مگر سب ہراساں ہیں، مولانا نے اور شیخ صاحب نے ان کو تسلی دی، کہ اب تم سے ہمارا کوئی غازی مزاحم نہ ہوگا، اور انھوں نے کہا کہ آپ ہماری حفاظت کے لیے چند غازی ادھر ادھر کھڑے کردیں کہ ہم نکلیں، وہ تنولی دوسو کے قریب تھے، پھر وہ سب نکلے مجاہدین نے ان کو دریا پر لے جا کر کشتی پر سوار کر کے دریائے سندھ کے پار کردیا۔

امب کی سرگزشت

اس لڑائی کا قصہ یہ ہے کہ پائندہ خاں نے شب گزشتہ میں فریب کر کے مصالحت کی درخواست کا خط مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے پاس فروسے میں بھیجا تھا، اس خط کے موافق

مولانا نے اتنے ہی آدمی لے کر فروسے سے باںڈے کا قصد کیا، شیخ ولی محمد صاحب اور قاضی حبان صاحب نے کہا کہ ہم تو اس قدر تھوڑے آدمیوں کے ساتھ آپ کو جانے نہ دیں گے، اس لیے کہ پائندہ خاں کا کچھ اعتبار نہیں، شاید اس میں کچھ فریب ہو، اگر ایسے ہی آپ کو منظور ہو، تو اور ابھی کچھ دیر آپ یہاں توقف کریں، جب پائندہ خاں خود اپنے وعدہ کے مطابق آئے، تب آپ بھی وہاں تشریف لے جائیں، ورنہ ہم لوگ آپ کے ہمراہِ رکاب چلیں۔ اس بنا پر مولانا تو فروسے میں رک گئے اور امب کے میدان میں پائندہ خاں اپنا تمام لشکر لیے تیار کھڑا تھا اور اپنے رات کے مشورے کے موافق کنیر ڑئی کے غازیوں پر حملے کا ارادہ رکھتا تھا، اس عرصے میں سید احمد علی صاحب کے سواروں کا لشکر ستھانے کی گڑھی سے اتر کر نمودار ہوا، کیونکہ سید احمد علی صاحب کو مولانا کا دوسرا خط ابھی نہیں ملا تھا، پائندہ خاں لشکر کو دیکھ کر اپنے دل میں متردد ہوا کہ شاید میر ارات کا فریب نہ چلا، وہ اسی پس وپیش میں تھا کہ مولانا کا خط سید احمد علی صاحب کے پاس آیا، اس کو پڑھ کر وہ مع لشکر ستھانے کی طرف واپس ہو گئے۔

پائندہ خاں کو یقین ہوا کہ ہمارا داؤں چل گیا، اس نے کہا بھائیو، یہی موقع ہے، اب کیا دیکھتے ہو؟ گھوڑوں کی باگیں اٹھاؤ اور عشرہ کو چلو، یہ کہہ کر اس نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور چلا، اس کے تمام سوار اور پیادے کچھ کم ہزار تھے، غازیوں نے جو کنیر ڑئی کے پہاڑ پر تھے، ان کے نشان دیکھے اور عشرہ کی چھتوں پر جو دیکھا، تو آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں، تو انھوں نے پائندہ خاں کے بھائی مدد خاں سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور یہ کیسی صلح ہے؟ مدد خاں نے کہا کہ یہ تو خان نے مولانا سے فریب کیا ہے، تم سب لوگ ہوشیار رہو، گھڑی ساعت میں لڑائی ہوا چاہتی ہے۔

اس وقت مجاہدین میں سے کوئی تو ظہر کی نماز پڑھتا تھا، کوئی وضو کرتا تھا، کوئی مکئی بھون رہا تھا اور کوئی کچی مکئی چاب رہا تھا اس لیے کہ اس دن لوگوں کو آٹا نہیں ملا تھا، مدد خاں کی یہ بات سن کر سب نے مکئی بھوننا اور چابنا موقوف کیا اور نماز ظہر سے فراغت کر کے اپنے اپنے ہتھیار لے کر سب کھڑے ہو گئے، اس عرصے میں دفعۃً ان کا نقارہ بجا اور تمام لشکر عشرے سے نیچے اترنے لگا، ایک نالہ تھا اس میں آیا اور وہاں اس کے چار غول ہو گئے، کنیر ڑئی کے غازیوں کے دائیں طرف ایک بلند پہاڑ تھا، ایک غول ان میں سے اوپر چڑھنے لگا۔ مدد خاں اور رسول

خاں تنولی ارباب بہرام خاں کی اجازت سے بیس غازیوں کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر گئے اور اس غول کو روکا اوران کے سواروں کے دوغول ہو گئے، ایک غول فروسے کی طرف، جدھر سے مولانا کی آمد تھی، جا کھڑا ہوا اور دوسرا غول ستھانے کے راستے پیادوں کے تین غول غازیوں کی طرف چیخیں مارتے اور ہلہ کرتے ہوئے چلے، ادھر سے غازیوں نے ان کو ڈانٹا اور للکار کر کہا کہ خبر دار! آگے قدم نہ بڑھانا، مگر وہ کب سنتے تھے؟ گالیاں دیتے ہوئے پہاڑ سے پلٹ گئے اور بندوقیں مارنے لگے۔

ادھر ارباب بہرام خاں نے اپنے غازیوں سے کہا کہ بھائیو، دیکھتے کیا ہو؟ تکبیر کہہ کر تم بھی بندوقیں مارو، یہ حکم سن کر جماعت خاص کے غازیوں نے، جو صبغۃ اللہ نشان کے پاس تھے، تکبیر کہہ کر بندوقوں کی پہلی باڑھ ماری، پھر اور غازی مارنے لگے، وہ لوگ پہاڑ کی چڑھائی پر تھے، اور غازی پہاڑ کے سر پر برابر میدان میں تھے، وہ اسی طرح ہلہ کرتے اور بندوقیں مارتے بے دھڑک چڑھتے چلے آتے تھے، وہ یہاں تک قریب آپہنچے کہ سید دلاور علی کے گولی لگی اور وہ گرے تو انھوں نے ادھر سے پیر پکڑے اور غازیوں نے ادھر سے ہاتھ پکڑے اور دونوں جانب سے کشاکش ہونے لگی، اس میں امام خاں خیر آبادی نے جا کر ایک بندوق ان پر سرکی، اسی کے ساتھ ایک نے ادھر سے گولی ماری، وہ امام خاں کی کنپٹی میں لگی اور وہ اسی جگہ شہید ہو گئے، بالآخر غازیوں نے سید دلاور علی کی لاش چھڑا لی، مجاہدین گھبرائے کہ وہ نشیب میں ہیں، اور ہم یہاں میدان میں ہیں، ہماری بندوق کام نہیں کرتی اور ہم ان کے نشانہ ہیں، بعض بعض آدمی کہنے لگے کہ پیچھے ہٹ کر ان کو میدان دو کہ وہ اوپر آئیں، پھر تلوار پکڑ کر جس کو اللہ تعالیٰ فتح دے، وہ لے اور اس طرح تو مفت میں اپنے لوگ ضائع ہوتے ہیں، اس عرصے میں شیخ بلند بخت دیو بندی نے ارباب بہرام خاں سے کہا کہ خان صاحب، تم نشان اس جگہ سے نہ ہٹاؤ اور سب کو لیے ہوئے اسی جگہ جمے رہو اور مجھ کو اجازت دو کہ جو کچھ تدبیر بنے، کروں، انھوں نے کہا: بسم اللہ، آپ کو اجازت ہے۔

شیخ بلند بخت چند غازی اپنے ساتھ لے کر مولوی خیر الدین صاحب شیر کوٹی کے پاس گئے، ان کا مورچہ بائیں طرف تھا، ان سے کہا کہ لڑائی تو بگڑ گئی اور امام خاں شہید

ہو گئے، اب میرے خیال میں یہ تدبیر آتی ہے کہ اتنے آدمی میں لایا ہوں، آپ اپنے سب آدمیوں کے ساتھ میرے آگے اور نیچے اتر کر ان کی کمر کی طرف سے حملہ کریں، مولوی صاحب نے فرمایا کہ بسم اللہ چلو، تدبیر خوب ہے، جیسے ہی وہ سب نیچے اتر کر تنولیوں کی کمر پر پہنچے، تو معلوم ہوا کہ اپنے قندھاریوں کا نشان آ پہنچا اور سب قندھاری پائندہ خاں کے سواروں کے پیچھے ننگی تلواریں لیے ہوئے چلے جاتے ہیں، ان لوگوں کو دیکھ کر انھوں نے کپڑا ہلایا اور اشارہ کیا کہ تم بھی جلد اتر کر ہمارے شریک ہو جاؤ۔

ادھر عشرے میں پائندہ خاں اپنے لوگوں کو للکار للکار کر لڑا رہا تھا، اس نے جو اپنے سواروں کو دیکھا کہ بدحواس بھاگے چلے آتے ہیں اور قندھاری ان کے تعاقب میں ہیں، دفعۃً آپ بھی بھاگا، ادھر سے مولوی خیر الدین صاحب اور شیخ بلند بخت کے لوگوں نے تنولیوں کی کمر پر ایک باڑھ ماری اور ان کا پیچھا کیا اور وہ بھاگے، اس کے ساتھ ہی ادھر سے ارباب بہرام خاں اپنے لوگوں کے ساتھ ہلہ کر کے دوڑے، پھر تو اللہ دے اور بندہ لے، تنولیوں کو اپنے ہتھیار سنبھالنے دشوار ہو گئے، بھاگتے جاتے تھے اور اپنی بولی میں کہتے جاتے تھے کہ خان جُل گئے، خان جُل گئے۔(۱)

پھر تمام غازی پہاڑ سے اتر کر عشرے کے نالے میں آئے اور کچھ دیر ٹھہرے، اس عرصے میں شیخ ولی محمد صاحب اور قاضی حبان صاحب اور مولوی نصیر الدین صاحب منگلوری قندھاریوں اور پنجابیوں کو لیے چلے آتے تھے، وہ یکبارگی ہلہ کر کے عشرے میں داخل ہوئے اور اس پر قبضہ کیا، عشرے کے پہاڑے کے سر پر ایک گڑھی تھی، جس کو کوٹلہ کہتے تھے، اس پر بھی مجاہدین نے قبضہ کیا، وہاں کے لوگ دیواریں پھاند کر بھاگے، جنھوں نے امان چاہی، ان کو امان دے کر سلامت نکال دیا۔

شیخ ولی محمد صاحب تمام غازیوں کو لے کر پہاڑوں کے راستے امب کو روانہ ہوئے امن سے پائندہ خاں نے دیکھا کہ لشکر آ پہنچا، وہ امب چھوڑ کر بھاگ گیا اور شیخ صاحب نے

---

(۱) خان چلے گئے۔

امب پر قبضہ کرلیا۔

آتش زنی پر ناراضگی اور ملامت

مددخاں اور سر بلند خاں تنولی کے لوگوں نے امب کے کئی گھروں میں آگ لگادی، شیخ ولی محمد صاحب ان پر خفا ہوئے کہ تم نے سکھوں کا طریقہ اختیار کیا، بڑے ظلم کی بات ہے، مسلمانوں کو ایسا نہ چاہیے، پھر اسی وقت لوگوں کو بھیج کر وہ آگ بجھوادی۔

فتح کی خوشخبری

شیخ صاحب نے فتح کی خوشخبری کی ایک عرضی سید صاحبؒ کی خدمت میں بھیجی، حضرت نے خط لانے والے کو انعام میں ایک چوغا عنایت کیا اور ایک خط اسی مضمون کا مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو دوسرے آدمی کے ہاتھ فرو سے میں بھیجا۔

مولانا دوسرے دن صبح کو اپنے آدمیوں کے ساتھ امب میں داخل ہوئے۔

انیسواں باب

چھتر بائی

چھتر بائی کی گڑھی

اسی اثنا میں خبر آئی کہ چھتر بائی کی گڑھی خالی پڑی ہے، پائندہ خاں اس کو چھوڑ کر چلا گیا ہے اور چھتر بائی والے بھی فرار کر گئے، آپ نے عبدالحمید خاں رسالدار کو اس پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا، جب رسالدار صاحب وہاں پہنچے، تو ایک مخبر نے آ کر خبر دی کہ چھتر بائی کی گڑھی (۱) خالی پڑی تھی، جب تمھارا لشکر وہاں نہ گیا، تو پائندہ خاں کے لوگ وہاں آ کر داخل ہو گئے، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی اپنے آدمی لے کر چھتر بائی پہنچ گئے اور گڑھے سے نیچے اتر کر نشیب میں ڈیرہ کیا، وہاں سے چھتر بائی کی گڑھی اتنی دور تھی کہ وہاں کی گولی مولانا کے ڈیروں میں ٹھنڈی گرتی تھی، مولانا نے اس گڑھی کے تین طرف مورچے لگائے، دونوں جانب سے بندوقیں چلنے لگیں اور لڑائی شروع ہو گئی۔

مجاہدین کے مورچوں سے اس گڑھی کا راستہ ایسا ایچ پیچ کا تھا کہ کچھ قابو نہیں چلتا تھا کہ اس پر حملہ کر کے فتحیاب ہوں اور نہ اتنی دور سے گولیاں وہاں کام کرتی تھیں گڑھی بہت سخت اور بے موقع تھی، پائندہ خاں دریا اترتے ہوئے ایک چھوٹی توپ دریا کے کنارے ڈبوتا گیا

(۱) چھتر بائی کی بستی ۱۸۴۱ء کی طغیانی میں بہہ گئی، پھر اس کی جگہ کوئی بستی آباد نہیں ہوئی، اس بستی کا نشان اب تک بتایا جاتا ہے، امب قدیم سے پانچ چھ میل شمال میں دریائے کے مغربی کنارے پر یہ واقع تھی۔ (سید احمد شہیدؒ، ج ۲، ص ۱۶۹)

تھا، مولانا نے آدمی بھیج کر وہ توپ منگوالی، اس توپ کے بھی دس بارہ گولے چلائے گئے مگر کوئی موقع پر نہ لگا اور لڑائی جم گئی وہاں سے مورچے ہٹانے بھی مناسب نہ ہوئے، اور لڑائی بھی مفید ثابت نہ ہوئی، مولانا نے سید صاحبؒ کی خدمت میں لکھا کہ یہاں ایسا حال ہے، آپ جلد چھپئی سے کوچ کر کے امب میں تشریف لائیں، تو اس امر کی کچھ تدبیر فرمائیں۔

سید صاحبؒ کی امب میں آمد

اگلے روز سید صاحبؒ ایک تیز خرام خچر پر (جو یار محمد خاں کے لشکر سے غنیمت میں ملا تھا) عشرہ کے گورستان میں تشریف لائے، جہاں مجاہدین دفن تھے، آپ نے ان کے واسطے دعا کی، پھر وہاں سے کنیر ڑئی کے پہاڑ پر گئے، جہاں لڑائی ہوئی تھی اور مجاہدین زخمی اور شہید ہوئے تھے، اس جگہ کو دیکھ کر پھر عشرہ میں زخمیوں کے پاس آئے، ان کو تسلی کی اور حال پوچھا، میاں خدا بخش رامپوری کی پنڈلی میں گولی کا زخم تھا، اس پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ تمھارا پاؤں جیسا تھا ویسا ہی درست رہے گا، کچھ نقصان باقی نہ رہے گا۔

آپ اسی خچر پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور امب کی گڑھی میں داخل ہوئے، اس وقت آپ کے ہمرکاب کوئی تیس بتیس آدمی تھے، گڑھی کے سب لوگ آپ سے ملے اور سب نے فتح کی مبارک باد دی، اور آپ سے اجازت لے کر سب نے خوشی کی بندوقیں چلائیں، آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب کو اس مضمون کا خط لکھوا کر روانہ کیا کہ عنایت الٰہی سے ہم امب کی گڑھی میں آکر داخل ہوئے، آپ لڑائی میں ابھی تعجیل نہ کیجیے، ہم یہاں سے اس کی تدبیر کرتے ہیں اور شیخ بلند بخت کو پچیس سواروں کے ساتھ روانہ کر دیجیے، کہ ہم ان کو پنجتار بھیج کر توپیں منگوالیں۔

یہ خط مولانا اسمٰعیل صاحب کو ملا، آپ نے پڑھا اور خوش ہوئے اور لوگوں کو سنایا اور حضرت کی طرف سے سب کی تسلی اور دلجمعی کی، پھر رسالدار عبدالحمید خاں اور شیخ بلند بخت کو بلا کر وہ خط سنایا اور رسالدار صاحب سے فرمایا کہ اسی وقت پچیس سواروں کے ساتھ شیخ صاحب کو حضرت کے پاس روانہ کرو، رسالدار صاحب نے فوراً شیخ صاحب کو پچیس سواروں

کے ساتھ روانہ کیا، شیخ بلند بخت کی سید صاحبؒ سے ملاقات ہوئی، سید صاحبؒ نے ان سے چھتر بائی کی گڑھی کی کیفیت پوچھی، انھوں نے اس کا جائے وقوع اور مفصل کیفیت بیان کی، حضرت نے سن کر فرمایا کہ شیخ بھائی، ان شاء اللہ تعالیٰ وہ گڑھی بے لڑائی کے خالی ہو جائے گی، تم جا کر پنجتار سے توپیں لاؤ، ہم یہاں کچھ اور بھی تدبیر کریں گے۔

ایک مجاہد کی خود رائی

شیخ بلند بخت کی روانگی کے بعد چھتر بائی کا محاصرہ کرنے والوں کو آپ نے حکم بھیجا کہ جب تک پنجتار سے توپیں نہ آلیں، تب تک تم کسی امر میں تعجیل نہ کرنا، یہ بھی سننے میں آیا کہ امب میں سید صاحبؒ سیڑھیاں اور رن گڑھ بنوا رہے ہیں اور ایک سیڑھی بن کر مولانا محمد اسمعیل صاحب کے پاس آئی بھی ہیں۔

ادھر حافظ عبد اللطیف صاحب نے ہر مورچے میں جا کر لوگوں سے کہہ دیا کہ مولانا صاحب کا حکم ہے کہ آج عصر کے بعد ہلہ کر دو، لوگوں نے جانا کہ شاید مولانا نے ان کو اطلاع کے لیے بھیجا ہے، مولانا اپنے ڈیرے میں تھے، سب نے حافظ صاحب کو معتبر جان کر مولانا سے بھی اس بات کی تحقیق نہ کی اور عصر کی نماز پڑھ کر تیار ہو گئے اور حافظ جی کے ساتھ سب نے یکبارگی تکبیر کہہ کر ہلہ کر دیا، تین طرف کانٹوں کے دو سنگر تھے اور ان کے ورے برابر دور تک زمین میں کانٹے گڑے تھے، سیڑھی مولانا صاحب کے ڈیرے میں تھی، آخر الامر تمام غازی سنگر کود پھاند کر گڑھی کے نیچے جا پہنچے اور پکارنے لگے: ''جلدی سیڑھی لاؤ'' سیڑھی وہاں کہاں؟ اس میں چار پانچ گھڑی کا عرصہ ہوا، اس میں کئی غازی شہید ہوئے اور شیخ بلند بخت کے بھائی شیخ علی محمد دیوبندی بھی شہید ہوئے، اس وقت مولانا صاحب کے ڈیرے سے سیڑھی آئی اور گڑھی میں لگائی گئی، مگر سیڑھی چھوٹی تھی، گڑھی کی منڈیر تک نہ پہنچی۔

اس میں کوئی چار گھڑی رات جاتی رہی، جب گڑھی میں داخل ہونے کی کوئی تدبیر نہ بنی تب تھوڑے غازی چپکے چپکے اپنے اپنے مورچوں کو چلنے لگے، رات گئے تک وہ سب وہاں سے نکل آئے اور شہیدوں اور زخمیوں کو بھی اٹھا لائے، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی

اس وقت آئے اور لوگوں سے خفا ہو کر فرمایا: تم نے کس کے حکم سے ہلہ کیا؟ جو لوگ اس حملے میں شہید اور زخمی ہوئے، سب کا وبال تمہیں لوگوں پر ہوگا، تم نے بڑی نافرمانی کی، جب مولانا غصہ فرما کر چپ ہوئے، تب لوگوں نے عرض کی کہ ہم نے آپ ہی کا حکم پا کر حملہ کیا، آج سویرے سے سنتے تھے کہ دریائے اٹک کے پاس سے گڑھی میں کمک آئی گئی، عصر کے وقت حافظ عبداللطیف نے ہمارے مورچوں میں آکر کہا کہ مولانا صاحب کا حکم ہے کہ عصر کی نماز پڑھ کر حملہ کردو، یہ حکم سن کر سب تیار ہو گئے اور حافظ جی تکبیر کہتے ہوئے آگے ہوئے، ان کے پیچھے ہم بھی سب چلے، ان سے دریافت کیجئے کہ ہم کچھ خلاف تو نہیں کہتے۔

یہ سن کر مولانا صاحب نے حافظ عبداللطیف صاحب کو بلا کر پوچھا کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں، حافظ صاحب نے کچھ جواب نہ دیا، مولانا کو یقین ہوا کہ سب انھیں کا کیا دھرا ہے، آپ نے ان کو بڑی ملامت کی اور فرمایا: جو بیچارے شہید اور زخمی ہوئے اور لوگوں کو جو ایذا پہنچی، اس سب کا وبال تمھاری گردن پر ہے، اتنے مسلمانوں کا تم نے ناحق خون کرایا، حافظ صاحب چپ کھڑے سنتے رہے، کچھ بولے نہیں۔

مولانا نے ڈیروں کے شہیدوں کو اپنے یہاں اٹھوالیا اور ان کے دفن کا انتظام کیا، اسی اثناء میں شیخ بلند بخت دیوبندی توپیں لے کر امب پہنچ گئے۔

توپیں مرزا حسین بیگ بانس بریلوی، شیخ ہمدانی اور شیخ مولا بخش گولہ اندازوں کے سپرد ہوئیں، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کو آج ہی چرخ پر چڑھاؤ، آپ وہیں کھڑے رہے، غازیوں نے مل کر ان کو چرخ پر چڑھایا، آپ نے شیخ ولی محمد صاحب کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے پاس بھیجا اور ان کے ڈیرے کھبل بائی منتقل کرادیے، مولانا نے پہلے زخمیوں، بڈھوں، بیماروں اور معذوروں کو روانہ کیا، پھر مورچوں کے مجاہدین جو ڈھائی تین سو کے قریب تھے، کھبل بائی کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں تنولیوں نے کچھ مزاحمت کی، لیکن لشکر بخیریت پہنچ گیا۔

بھائی کی خبر شہادت پر

شیخ بلند بخت نے پنجتار سے آتے ہوئے ستھانے پہنچ کر سنا کہ ان کے بھائی شیخ علی محمد چھتر بائی کے حملے میں شہید ہوگئے، شیخ بلند بخت نے کہا! الحمدللہ ہمارا بھائی جس مراد کو آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے وہ مراد اس کی پوری کی، ہم سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ شہادت نصیب فرمائے۔

غمزدہ کی خاطر داری

جب شیخ بلند بخت امب پہنچے، تو سید صاحبؒ سے سلام اور مصافحہ ہوا، سید صاحبؒ نے سب کو شاباشی دی اور سب کے لیے دعا کی اور بہت خوش ہوئے، نماز مغرب پڑھا کر آپ گڑھی میں تشریف لے گئے اور شیخ بلند بخت کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا، ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی وہاں موجود تھے، آپ کچھ دیر سکوت میں رہے، اس کے بعد آپ نے ان کے بھائی علی محمد کی ماتم پرسی کی اور شیخ بلند بخت کی تسلی کی اور فرمایا کہ تمھارے بھائی صاحب جس مراد کو اپنے وطن سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں، ان کی مراد کو پہنچایا ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی کی راہ میں صرف کرے اور ہم سب سے راضی ہو، یہی ہم سب بھائیوں کی دلی مراد ہے۔

تسلی کے اس طرح کے اور چند جملے فرما کر آپ نے ان کے بھائی کے لیے دعاء مغفرت کی اور شیخ بلند بخت سے فرمایا کہ صبح کی نماز کے بعد اپنے سواروں کو کھبل بائی میں میاں صاحب کے پاس بھیج دینا اور تم یہیں ہمارے ساتھ رہنا، یہ فرما کر آپ نے کھانا منگایا اور شیخ بلند بخت کو اپنے ساتھ کھلایا۔

حافظ عبداللطیف کی تادیب

حافظ عبداللطیف صاحب چھتر بائی کے واقعہ کے بعد بجائے کھبل بائی جانے کے امب چلے آئے، سید صاحبؒ نے ان کو بلایا اور سب کے سامنے ان کو بہت ملامت کی اور جھڑکی دی کہ تم بڑے فتنہ انگیز اور مفسد آدمی ہو، ناحق بیٹھے بٹھائے اتنے آدمی شہید اور زخمی

کروادیے، خبردار، اب وہاں تم لشکر میں نہ جانا۔

پائندہ خاں کا دوسرا فریب

پائندہ خاں کو خبر پہنچی کی سید صاحبؒ نے کئی بھاری بھاری توپیں پنجتار سے منگوالی ہیں، اور کئی رن گڑھ اور سیڑھیاں بھی بنوائی ہیں، اب چھتر بائی پر چڑھائی کی تیاری ہے، بے گڑھی خالی کیے نہ رہیں گے، ان دنوں پار کے سکھوں سے اس کی سخت ناموافقت تھی، جب اس نے جانا کہ اب کسی طرح بچاؤ نہیں ہے، تو اس نے سید حسن شاہ اور منشی غوث محمد کو اپنی طرف سے وکیل کر کے امب میں سید صاحبؒ کے پاس بھیجا، انھوں نے آکر کہا کہ ہمارے خان نے سلام عرض کیا ہے اور کہا کہ ہم آپ کے بہر صورت مطیع اور فرمانبردار ہیں، اگر آپ کھبل بائی سے اپنا لشکر بلالیں، تو ہم آپ کی دلجمعی اور رفع شک کے لیے اپنا بیٹا اُول (یرغمال) میں آپ کے پاس بھیج دیں اور چھتر بائی کی گڑھی بھی خالی کر دیں، آپ کا کوئی معتبر شخص آئے، ہم اپنے بیٹے کو ساتھ کر دیں گے۔

سید صاحبؒ نے فرمایا: کیا مضائقہ ہے؟ تمھارے خان کا کہنا ہم کو منظور ہے اور پندرہ بیس قرابینچی اور چقماق والے ساتھ کر کے اپنے بھانجے سید احمد علی صاحب کو پائندہ خاں کے پاس بھیجا، انھوں نے جا کر اس سے ملاقات کی، اس نے ان کو بڑی تعظیم و تکریم سے بٹھایا اور آپ سے ایسی لسانی اور چاپلوسی کی باتیں کیں کہ سید احمد علی صاحب اس سے بہت خوش ہوئے اور جانا کہ یہ صلاحیت پر ہے، اس نے وہی سوال کیا کہ سید بادشاہ اپنا لشکر کھبل بائی سے ہٹالیں، تو میں چھتر بائی کی گڑھی بھی خالی کر دوں اور اپنا بیٹا بھی سید بادشاہ کے پاس اُول میں بھیج دوں۔

سید احمد علی صاحب نے اس بات کا اس سے اقرار کیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں اس امر میں کوشش کر کے وہاں سے لشکر اٹھوادوں گا، اس طرح اس کی تسلی کر کے سید صاحبؒ کے پاس آئے اور اس کا عہد و پیمان اور اس کی صلاحیت کا حال سید صاحبؒ سے ذکر کیا، آپ کو چونکہ جہاد فی سبیل اللہ مقصود تھا، نہ تو چھتر بائی لینے کی حاجت تھی اور نہ کھبل بائی میں لشکر رکھنے کی ضرورت۔ آپ کی تو اس سے غرض تھی کہ دریائے اٹک سے آنے جانے کا راستہ مجاہدین

کے واسطے خالی رہے، اس لیے کہ اصل مقابلہ تو سکھوں سے تھا، آپ نے سید احمد علی صاحب کی گفتگو سن کر فرمایا کہ خیر کیا مضائقہ ہے، ہم کھبل بائی سے لشکر بلالیں گے، آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو کھبل بائی سے امب میں بلایا اور پائندہ خاں کی ساری گفتگو جو سید احمد علی صاحب کی زبانی سنی تھی، بیان کی اور فرمایا کہ آپ کھبل بائی کی گڑھی کا بخوبی بندوبست کر کے اور اپنے کچھ لوگوں وہاں چھوڑ کر باقی لشکر یہاں اٹھالائیے۔ پھر مولانا کھبل بائی تشریف لے گئے اور وہاں کا بندوبست کر کے پچاس ساٹھ غازی رہنے دیے اور باقی سب سوار اور پیادے لے کر امب کو چلے آئے۔

چند روز کے بعد سید صاحبؒ نے اپنے خاص خاص لوگوں کو بلا کر ان سے فرمایا کہ پائندہ خاں کے کہنے سے ہم نے اپنا لشکر کھبل بائی سے اٹھالیا، لیکن اس نے اب تک اپنا اقرار بھی پورا نہیں کیا، اب اس کے پاس کسی کو بھیجیں دیکھیں وہ کیا کہتا ہے، لوگوں نے عرض کی کہ ہاں، مناسب ہے، آپ نے شیخ ولی محمد صاحب پھلتی، مولوی خیر الدین صاحب شیر کوٹی اور رامپور منہیاراں کے مولوی محمد حسن صاحب کو اس کے لیے تجویز فرمایا اور کہا کہ خان سے صاف صاف گفتگو کرنا کسی بات میں ہرگز نہ دبنا، چھتر بائی تو اللہ تعالیٰ کی تائید سے بے لڑے بھڑے خالی ہو جائے گی، وہ ہم کو کیا چھتر بائی خالی کر کے دے گا، ہم کو تو اپنے پروردگار کی رضامندی کے کام سے کام ہے، نہ اس کی چھتر بائی سے غرض ہے، نہ اس کے بیٹے کے اول لینے سے۔

شیخ صاحب بیس چست و چالاک غازی لے کر روانہ ہوئے، خان نے نو دس دن ان کی خوب خاطر تواضع کی اور چکنی چپڑی باتیں کرتا رہا، اس عرصے میں سید صاحبؒ نے شیخ ولی محمد صاحب کو کسی ضرورت سے بلایا، انہوں نے سب حالات بیان کیے اور کہا کہ اس کے قول وقرار کا ہم کو کچھ ٹھکانا نہیں معلوم ہوا، یقین ہے کہ وہ چار روز میں سب خالی چلے آئیں گے۔

سات آٹھ روز میں مولوی خیر الدین اور مولوی محمد حسن صاحب سب کو لے کر سید صاحبؒ کے پاس چلے آئے اور کہا کہ اس نے ہم کو یوں ہی خالی رخصت کر دیا، مگر اس نے قسم کھائی ہے کہ تمھارے جانے کے دس بارہ روز کے بعد میں اپنے بیٹے جہاندار کو اس کی ماں کی تسلی اور دلجمعی کر کے ضرور بھیج دوں گا۔

پندرہ روز کے بعد پائندہ خاں نے جہاندار کو دس آدمیوں کے ساتھ سید صاحبؒ کے

پاس بھیجا، جہاندار ان دنوں دس گیارہ برس کا تھا، سید صاحبؒ نے اس کی بہت خاطر داری کی اور فرمایا کہ جس جگہ تمھاری خوشی ہو، رہو، اس لڑکے نے ایک کوٹھری پسند کی اور اپنے آدمیوں کے ساتھ اس میں اترا، سید صاحبؒ نے اپنے باورچی خانے سے ان سب کے لیے کھانا مقرر کر دیا، پندرہ سولہ دن کے بعد جہاندار کے ساتھیوں نے ایک دن سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ جہاندار کی والدہ نے آپ کو نیاز نامہ لکھا ہے اور جہاندار کو دیکھنے کے واسطے بلایا ہے، اگر آپ اجازت دیں تو ہم دو چار روز کے لیے اس کو لے جائیں اور ساتھ لے کر چلے آئیں اور وہ خط سید صاحبؒ کو دیا، اس میں لکھا تھا کہ جہاندار کے والد نے جہاندار کو بھیجتے وقت مجھ سے اقرار کیا تھا کہ جب تم کہوگی میں جہاندار کو سید بادشاہ کے پاس سے بلوا دوں گا، میرا وہی ایک بیٹا ہے، اس کے بے دیکھے میرا دل بہت بے قرار ہے، میں نے جہاندار کے والد سے کہا، تو انھوں نے جواب دیا کہ ابھی اس کو گئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟ ہم ابھی سید بادشاہ سے اس معاملے میں عرض نہیں کریں گے، تب میں نے بے چین ہو کر اس معاملے میں آپ سے گزارش کی ہے، آپ للہ فی اللہ دو چار دن کے لیے اس کو بھیج دیں، تو کمال سرفرازی ہوگی، سید صاحبؒ نے اس کو پڑھ کر فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے، ہم اس کو رخصت کر دیں گے۔

جب آپ نے اس کو رخصت کرنے کا وعدہ کیا، تو جہاندار کے ہمراہی ایک روز گوشت کھانے کے واسطے کسی کی ایک گائے مول لائے اور کوٹھری کے آگے اس کو ذبح کیا، گوشت انھوں نے کھایا اور لوگوں کو کھلایا اور آپ سے رخصت کے لیے عرض کیا، آپ نے فرمایا، کہ اچھا کل تم کو رخصت کریں گے، انھوں نے اسی رات کو دفینہ کھود کر جو اس کوٹھری میں دفن تھا، گائے کے چمڑے میں لپیٹ لیا اور گائے کی ہڈیاں اس گڑھے میں ڈال کر زمین برابر کر دی صبح کی نماز کے بعد جہاندار رخصت ہونے آیا، سید صاحبؒ نے ایک پگڑی اور تین تھان دے کر رخصت کیا اور اپنا مناسب اسباب اور وہ چمڑا لے کر چلے گئے، جب وہ کھدی ہوئی جگہ دیکھی گئی اور اسکو کھودا گیا، اس میں سے ہڈیاں نکلیں اور معلوم ہوا کہ اس میں سے کچھ مال کھود کر لے گئے، پھر پائندہ خاں نے جہاندار کو نہ بھیجا۔

پھولڑے کی جنگ

حملے کی تجویز

سید صاحبؒ کو کشمیر کی طرف بڑھنے کا خیال تھا، امب اور عشرہ پر مجاہدین کا قبضہ ہو چکا تھا، کشمیر کے راستے میں تنولیوں کا علاقہ اور پائندہ خاں کی ریاست واقع تھی، درمیان میں دریائے سندھ حد فاصل تھا، جس کو عبور کر کے اور تنولیوں کے علاقے کو طے کر کے کشمیر کی جانب رخ کیا جا سکتا تھا، سلیمان شاہ والئی چترال کا وعدہ تھا کہ جب مجاہدین کا لشکر کشمیر کا رخ کرے گا، تو وہ گلگت کے راستے امداد کو پہنچ جائے گا، ادھر دیوان رام دیال کی برطرفی کے بعد سے کشمیر میں حکومت لاہور کی طرف سے کسی ناظم (گورنر) کا تقرر نہیں ہوا تھا اور یہ کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے بہت موزوں وقت تھا، اسی عرصے میں پائندہ خاں کے بھائی مدد خاں ہندوال اور سربلند خاں پلال نے سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہمارے نزدیک یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے کچھ غازی دریا کے پار اتار کر سری کوٹ اور موضع پھولڑہ (۱) پر اپنا

(۱) پھولڑے مانسہرہ سے دس میل ہوگا، وہ پہاڑوں کے حلقے میں ہے، دامن کوہ کی زمین اونچی ہے، اس پر بستی آباد ہے، سرن ندی بستی کے مشرق میں تقریباً ایک میل کے فاصلے سے گزرتی ہے، بستی کے پاس سے ایک نالہ گزرتا ہے، جسکا نام ٹھنڈا بہن، ہے اس سے پنچکیاں بھی چلتی ہیں اور کھیتوں کو پانی بھی ملتا ہے، مانسہرے کو جانے والا راستہ مشرقی سمت میں ہے۔ (سید احمد شہیدؒ، ج ۲، ص ۱۷۸)

قبضہ کرلیں، ملک تنول کے یہی دو ٹھکانے گویا سر ہیں، اگر یہ ہاتھ آ گئے تو ان شاء اللہ تعالیٰ سب درستی ہو جائے گی، جو لوگ حاضر تھے انھوں نے اس کی تائید کی۔

آپ نے فرمایا کہ اچھا، کسی کو تجویز کرو، سید احمد علی صاحب بولے کہ اگر اجازت ہو تو میں جاؤں، مگر اس شرط سے کہ جس کو میں چاہوں اپنے ہمراہ لے جاؤں، آپ نے اجازت دے دی، شیخ ولی محمد صاحب نے بعد میں سید احمد علی صاحب سے پوچھا کہ آپ نے تو کبھی اپنے جانے کی درخواست نہیں کی، آج تو سید صاحبؒ نے کسی کو تجویز کر کے فرمایا تھا، آپ نے اپنے جانے کی کیوں درخواست کی؟ انھوں نے کہا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہاں دریا اترتے ہی پہلے سکھوں سے مقابلہ ہے، جب ان سے نپٹ لیں گے تب کہیں وہاں تک جانا ہوگا۔

سید احمد علی صاحب نے اپنی فرو مرتب کی، سید صاحبؒ نے چند آدمی فرو سے نکال دیے اور اس کے عوض اور کر دیے اور فرمایا کہ ان کو لے جاؤ، آپ نے اپنی سواری کا گھوڑا اژدر نامی اور ایک سیاہ قبا بھی دی جو آپ نے رمضان کی ستائیسویں شب میں زیب تن فرمائی تھی۔

لشکر کی روانگی اور عبور دریا

سید جعفر علی صاحب نقوی ''منظورۃ السعداء'' میں لکھتے ہیں(۱) کہ سید صاحبؒ نے تین لشکروں کو دریائے اٹک کو تین گھاٹوں سے عبور کرنے کا حکم دیا، سردار محمد خاں کو میر فیض علی منشی کے ساتھ، جن کو آپ کا مشیر مقرر کیا گیا تھا، کرپلیاں کے گھاٹ سے، جو امب کے مقابل ہے، ماما نور الحسن اور ان کے دوسرے رفقاء کو ستھانے کی جانب سے اور سید احمد علی صاحب کو دوسرے گھاٹ سے عبور کرنے کی ہدایت کی گئی، سید احمد علی صاحب کے ساتھ مولوی محمد حسن (۲) رامپوری کو کیا گیا، جماعت کے پاس ایک ہی کشتی تھی، جو پائندہ خاں کے مال میں سے ملی تھی، اس کشتی کو پہلے امب کے قریب سے کرپلیوں کے طرف لایا گیا، دو ضرب توپ بھی لوگ کھینچ

---

(۱) مولوی سید جعفر علی صاحب نقوی رمضان ۱۲۴۵ھ میں لشکر اسلام میں پہنچ گئے تھے، پھولڑے کا معرکہ ان کے پہنچنے کے کچھ ہی عرصے بعد پیش آیا ہے، اس لیے اس معرکے کے متعلق ان کی معلومات مستند اور مفصل ہیں۔

(۲) مولوی سید جعفر علی صاحب ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ خاکساری و عاجزی، علم و حلم اور قابلیت میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے بعد اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، (منظورۃ السعداء ص ۷۷۰)

کر گڑھی کی طرف لائے اور گڑھی کے مقابل ان کو نصب کیا، محمد خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس پر بیٹھ گئے اور ملاحوں نے کشتی چلائی، مخالفین نے، جو کر پلیوں کی گڑھی میں تھے، آواز لگا کر بندوقوں کے ساتھ مزاحمت کی، ادھر سے توپ کے گولے متواتر چلے، مخالفین بھاگ کر کچھ گڑھی کی دیوار کے نیچے اور بعض گڑھی کے اندر پناہ گزیں ہوئے اور ان کی مزاحمت کچھ کارگر نہ ہوئی، کشتی کے تین پھیروں میں سب لوگ دریا کے پار پہنچ گئے، محمد خاں نے اپنے آدمیوں کو بندوقیں سر کرنے کا حکم دیا، مخالفین مقابلے کی تاب نہ لاکر گڑھی میں روپوش ہو گئے، سید صاحبؒ نے چکر توپ کا رخ گڑھی کی طرف کرنے کا حکم دیا اور گولہ اندازوں نے ہاتھ دے کر توپ سر کیا، جس سے گڑھی کی دیوار کا ایک کنارہ گولہ کی چوٹ سے گر گیا، ادھر کے زمینداروں نے امان حاصل کرنے کے لیے ہجوم کیا، پانچ چھ منشی کاغذ کے ٹکڑوں پر امان نامے لکھ لکھ کر دیتے رہے، اشراق کے وقت سے دو پہر تک توپیں رکی رہیں، اور امان نامے لکھے جاتے رہے، جب مجاہدین دریا پار کر کے پہاڑی کی چوٹی پر چلے گئے اور نظر سے اوجھل ہو گئے اور زمینداروں کا ہجوم بھی کم ہوا، تو توپیں قلعے میں واپس لائی گئیں، دوسرے گھاٹوں سے بھی لشکر کے دوسرے حصے دریا کے پار پہنچ گئے، اس کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی چوتھی جماعت کے ساتھ دریا عبور کر کے گڑھی شنگلٹی اور چمیڑی میں تشریف لے آئے۔"

شاہ کوٹ پر قبضہ

وقائع احمدی میں ہے کہ سید احمد علی صاحب آدھی رات کو شاہ کوٹ میں پہنچے اور یکبارگی گڑھی کا محاصرہ کر لیا، گڑھی والے غافل سو رہے تھے، شور وغل سن کر جاگے اور دو چار بندوقیں چلائیں، پھر جانا کہ ہم مفت میں مارے جائیں گے، انھوں نے امان مانگی کہ ہم اپنے ہتھیار لے کر نکل جائیں، سید احمد علی صاحب نے ان کو اجازت دی اور وہ اپنے ہتھیار لے کر نکل گئے۔

چھتر بائی کا تخلیہ

شاہ کوٹ کے سپاہی موضع بروٹی پہنچے اور پائندہ خاں سے گڑھی چھٹ جانے کا حال

بیان کیا اور کہا کہ عجب نہیں، اب غازی آکر شیر گڑھ کو لے لیں، آپ جلد اس کا تدارک کریں، وہی شیر گڑھ اس کے بھاگنے کا ایک راستہ تھا یہ خبر سن کر حسن شاہ اور منشی غوث محمد سے کہا کہ میں تو شیر گڑھ چلتا ہوں، تم جا کر چھتر بائی کا بندوبست کرو، یہ دونوں سید صاحبؒ کے مخلص تھے، انھوں نے چھتر بائی والوں سے کہا کہ اسباب وہتھیار لے کر جلد گڑھی سے نکل جاؤ، سید بادشاہ کا لشکر آتا ہے، ایسا نہ ہو کہ گھیرے میں پڑ جاؤ، اور خان تو بروٹی سے شیر گڑھ کو چلا گیا، یہ خبر سن کر تمام آدمی اپنا اپنا اسباب لے کر نکل گئے، ان دونوں نے آکر سید صاحبؒ کو خوشخبری سنائی اور آپ کے حکم سے مولوی خیر الدین صاحب نے گڑھی میں اپنا بندوبست کیا، ادھر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے سید صاحبؒ کے حکم سے بروٹی کا رخ کیا، وہ بروٹی پہنچے، تو پائندہ خاں شیر گڑھ سے اگرور چلا گیا، مولانا بروٹی سے نکا پانی اور شیر گڑھ ہوتے ہوئے شنکئی اور وہاں سے شمدڑہ آگئے۔

جب سید احمد علی صاحب نے شاہ کوٹ کو خالی کر لیا اور پائندہ خاں بروٹی سے بھاگ کر اگرور کو گیا اور ہر طرف سے اس کا زور ٹوٹا اور کسی خان نے اس کا ساتھ نہ دیا، تب اس نے ہری سنگھ سے، جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا جاگیر دار تھا، جا کر فریاد کی کہ ہمارا ملک سید بادشاہ نے چھین لیا اور ہم ادھر ادھر آوارہ پھرتے ہیں، کہیں ٹھکانا نہیں، جہاں ٹھہریں، اگر تم ہماری اعانت کرو، تو ہمارا ملک مل جائے، ہری سنگھ نے کہا کہ خان، تم بے وفا اور فریبی شخص ہو، تمھارے عہد و پیمان کا ہم کو اعتبار نہیں، پائندہ خاں نے اس کی تسلی کے لیے اپنے بیٹے جہاندار کو اول میں دیا اور ہری سنگھ کو موافق کیا، ادھر سید احمد علی صاحب شاہ کوٹ کا بندوبست کر کے پھولڑے پر لشکر لے کر روانہ ہوئے اور وہاں جا کر اپنا قبضہ کیا۔

لشکر گاہ

سید جعفر علی صاحب منظورہ میں لکھتے ہیں: ''تینوں لشکر حسب قرار داد پھولڑے کے مقام میں یکجا ہوئے، سید احمد علی صاحب کو سید صاحبؒ کی ہدایت تھی کہ وہ پہاڑ کا دامن نہ چھوڑیں، محمد خاں اور میر فیض علی خاں نے میدان میں پڑاؤ ڈالا تھا، یہ جگہ دامن کوہ سے دور تھی،

یہ دریافت کرنے کے لیے کہ سید احمد علی صاحب اور مولوی محمد حسن پہنچ گئے یا نہیں، میر فیض علی خود اور ماما نور الحسن کی طرف سے کوئی آدمی میر احمد علی کے لشکر گاہ میں آئے۔ سید احمد علی صاحب نے فرمایا کہ تم سب لوگ یہاں پر میرے پاس آجاؤ، میر فیض علی صاحب نے کہا کہ چونکہ ہم نے میدان میں مورچال قائم کرلی ہے، اس لیے اس کو پیچھے لانا مناسب نہیں معلوم ہوتا، آپ خود وہاں تشریف لے آیئے، وہ ایک وسیع میدان ہے، جنگ کے لیے زیادہ موزوں ہے، اس وقت سید احمد علی صاحب کو سید صاحبؒ کی ہدایت اور تاکید کا خیال نہیں رہا اور تینوں لشکر میں جمع ہوگئے، وہ میدان بہت وسیع اور فراخ تھا، چاروں جانب پہاڑ فاصلے فاصلے سے تھے، وہاں سے ہزارہ کو راستہ جاتا تھا، اس راستے پر از رہ احتیاط و دور اندیشی پہرہ بٹھا دیا گیا اور ساری رات ہوشیاری کے ساتھ پہرہ دینے کی تاکید کر دی گئی۔ ''وقائع احمدی'' میں ہے: دو روز تک یہی خبر رہی کہ آج چھاپہ آئے گا، تمام لوگ ہوشیار اور بیدار رہے، مگر کوئی نہ آیا نہ گیا، لوگوں کو خیال ہوا کہ یوں ہی لوگ جھوٹی خبر اڑا دیتے ہیں، اور غافل ہو گئے۔

اچانک حملہ

''فجر کے قریب لشکر کے لوگ نماز کی تیاری میں مشغول تھے، کوئی استنجے میں کوئی وضو میں اور کوئی صبح کی سنت میں مشغول تھا کہ راستے کی جانب سے بندوقوں کی آواز آئی، اب بندوق کی آوازیں آنی شروع ہوئیں، لوگوں نے جلدی جلدی تنہا تنہا یا دو دو چار چار نے فرض ادا کیے اور اپنے ہتھیار سنبھال کر دشمنوں کی طرف دوڑے، اس سے جماعت میں ایک انتشار سا پیدا ہو گیا، سید احمد علی صاحب اپنی جگہ پر کھڑے قبلہ رو دعا میں مشغول ہو گئے اور اپنے بعض ہمراہیوں سے فرمایا کہ آواز دو کہ لوگ یہاں آکر دعا کر لیں۔ لوگوں نے آواز دی اور جو جو آدمی قریب تھے، وہ جمع ہو گئے طرفین سے بندوق کے ساتھ مقابلہ ہوا، مخالف سواروں نے فریب کیا، ان میں سے ہر ایک ایک طرف کو بھاگا: کوئی مشرق کی طرف، کوئی مغرب کی طرف ،مجاہدین نے ان کا تعاقب کیا، اس سے لشکر میں پہلے کی طرح بلکہ اس سے زیادہ پراگندگی پیدا ہوئی، اس وقت وہ سوار پلٹ پڑے اور مجاہدین میں ایک ایک، دو، دو تین تین کو، جو لشکر سے

جدا ہو گئے تھے، شہید کر دیا، سید احمد علی صاحب اور فیض علی صاحب دیر تک بڑی شجاعت اور دلیری کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، آخر میں ان کا سنگ چقماق خطا کرنے لگا، انھوں نے بندوق کی نال پکڑ کر اس کے کندے کو لاٹھی کی طرح استعمال کرنا شروع کیا اور اس سے گرس کا کام لینے لگے۔ اس وقت سکھوں کے لشکر کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور تلوار اور نیزے سے زد پر زد لگا کر ان دونوں حضرات کو شہید کر دیا، مولوی محمد حسن رامپوری اور رحیم بخش جراح، جو لشکر کے ڈیرے میں موجود تھے، ان کی شہادت کی خبر سن کر دیوانہ وار دوڑے اور لڑ کر شہادت حاصل کی، مخالفین ڈیرے اور خیمے اور سید احمد علی صاحب کے سواری کے گھوڑے کو جو سید صاحبؒ کی سواری خاصے کا گھوڑا تھا، لوٹ کر لے جانے لگے، اس وقت محمد خاں نشان بردار کو غیرت آئی اور انھوں نے آواز دی کہ مسلمانو! یہ حضرت امیر المومنین کی سواری کا گھوڑا ہے، اس کو کفار لے جا رہے ہیں، ایمانی حمیت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ نائب رسولؐ کی سواری خاص کے گھوڑے کو کفار استعمال کریں، انھوں نے اپنی جماعت کے ساتھ سخت حملہ کیا، بہت سکھ مقتول ہوئے، محمد خاں نے گھوڑے کی لگام تھام کر اس پر قبضہ کیا اور اس کو ہاتھوں سے چھڑا لیا، یہ دیکھ کر سکھوں نے لشکر کی دوسری جمعیت سے دوبارہ حملہ کیا، محمد خاں نے بڑی شجاعت اور جرأت سے ان کا مقابلہ کیا اور دست بدست لڑتے ہوئے وہ خود بھی شہید ہوئے اور گھوڑا بھی کام آیا اور ان کی جماعت کے سارے آدمی شہادت سے سرفراز ہوئے، جو آدمی پہاڑ کی چوٹی پر تھے، انھوں نے سکھوں کو اپنی بندوق کی گولیوں کا نشانہ بنایا، راستہ دامن کوہ میں سے جاتا تھا، ان کے قدم وہاں پر جم نہ سکے اور انھوں نے گریز اختیار کیا، اس وقت ان لوگوں نے جو پہاڑ پر تھے، اس جانب جس طرف وہ بھاگ رہے تھے، زور کیا اور مسلمانوں کے مال کا بڑا حصہ جس کو لوٹے لیے جا رہے تھے، چھڑا لیا، جب میدان سکھوں سے خالی ہو گیا تو مجاہدین نے شہداء کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کیا۔

مجاہدین کی جوانمردی اور دلیرانہ شہادت

سکھوں کے اچانک حملے پر مجاہدین نے جا بجا بڑی جوانمردی اور بڑی شجاعت و

استقلال کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا ان کی شہادت کے واقعات بڑے ولولہ انگیز اور بڑے ایمان افروز ہیں:

مرزا عبدالقدوس کشمیری نے جو، کانپور سے شامل ہوئے تھے، پیدل تھے، دیر تک سواروں کا مقابلہ کرتے رہے، جب کوئی سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا آتا، وہ گھوڑے کے سینے کے نیچے آکر گھوڑے کی لگام پکڑ لیتے اور اس کے سوار کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دیتے اور کبھی سوار نیزے کی نوک بائیں جانب کرتے، وہ دائیں جانب سے آکر اس کا نیزہ کاٹ دیتے، پھر اس کا سر قلم کر دیتے، اس طرح سے بہت سے حملہ آوروں کو قتل کرتے داد شجاعت دیتے ہوئے شربت شہادت نوش فرمایا۔

میر احمد علی بہاری نوعمر جوان تھے، بندوق کی بھرماری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے انھوں نے اپنی گولیوں سے بہت سے سواروں کو ہلاک کیا، بالآخر دشمنوں نے ان کو اپنے حلقے میں لے لیا، اس نوجوان نے ان کو للکار کر کہا کہ تم کو تمھارا پیدا کرنے والے کی قسم ہے کہ کوئی مجھ پر گولی نہ چلائے، میری شمشیر زنی کا تماشا دیکھیں اور شجاعت کی داد دیں، میں تمھارے حلقے سے باہر نہیں جاؤں گا، انھوں نے دیر تک اپنی تلوار کے جوہر دکھائے، جس پر ان کی تلوار پڑ جاتی، سر قلم ہو جاتا یا ہاتھ یا پاؤں کٹ جاتا، آخر ایک شقی نے گولی سے ان کا کام تمام کر دیا اور وہ شہادت سے سرخرو ہوئے۔

امام خاں سہسرامی اور شیخ برکت اللہ گورکھپوری دیر تک داد شجاعت دیتے رہے، آخر شیخ برکت اللہ کے سنگرے میں آگ لگ گئی جس سے ان کے بدن کا اکثر حصہ جل گیا اور سکھوں نے ان کو شہید کر دیا۔

لشکر اسلام میں ایک فقیر تھا، جس کے پاس صرف لکڑیاں کاٹنے والی کلہاڑی تھی، وہ ایک پتھر پر کھڑا ہو گیا ایک سکھ سوار کسی مسلمان کے پیچھے گھوڑا دوڑاتا اس کے پاس سے گزرا، اس نے اپنا تبر اس سوار کے سر پر مارا، سوار تو گھوڑا دوڑانے کی وجہ سے محفوظ رہا لیکن تبر گھوڑے کے پٹھے پر پڑا اور گوشت میں اتر گیا، گھوڑا چند قدم آگے جا کر گر گیا اور سوار بھی زمین پر آ رہا

میر احمد علی بہاری نے (جو اس وقت زندہ تھے) دوڑ کر اس کا سر اڑا دیا۔

اس معرکے میں سید احمد علی، میر احمد علی بہاری اور ان حضرات کے علاوہ، جن کا اوپر ذکر ہوا، سید عبدالرزاق نگرامی (برادر سید نور احمد نگرامی مؤلف نورِ احمد) کریم بخش سہارنپوری، فیض الدین بنگالی، رحیم بخش جراح اور علی خاں وغیرہ شہید ہوئے، جو غازی صحیح سالم تھے، وہ پہاڑ کی طرف چلے گئے، سکھوں نے جا کر بستی کے گھروں میں آگ لگا دی۔

سید احمد علی کی شہادت کی اطلاع اور پس ماندگان سے تعزیت

امب میں سید صاحبؒ کے پاس سید احمد علی کی شہادت کی اطلاع پہنچی، آپ نے سن کر "انا للّٰہ و انا الیہ راجعون" پڑھا اور فرمایا کہ الحمدللہ جس مراد کو آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مراد کو پہنچایا اور بہت دیر تک آپ سکوت میں رہے۔(۱)

عشاء کی نماز کے بعد آپ نے سید احمد علی صاحب کے نوجوان صاحبزادے سید موسیٰ، نور بخش جراح شہید کے بھائی ابراہیم خاں اور معرکے کے دوسرے شہیدوں کے عزیزوں کو بلایا اور فرمایا کہ فلاں فلاں صاحب آج پھولڑے میں شہید ہوئے اور وعظ و نصیحت اور شہداء کے فضائل بیان کر کے ان کی تسلی کی اور صبر کی تلقین فرمائی اور ان کا کھانا وہیں منگوایا اور سب صاحبوں کو اپنے ساتھ کھلایا(۲) اور اس کے بعد فرمایا کہ وہ تو سب صاحب اپنے مقصود دلی کو پہنچے، اب ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کرو، ہم تم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی رضا مندی کے راستے میں صرف کرے۔

شاہ اسمٰعیل صاحب کی مراجعت

مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب کو، جو پیش قدمی کے خیال سے جمپیڑی تک پہنچ گئے تھے

---

(۱) منظورہ میں ہے کہ جب قاصد نے بیان کیا کہ تمام زخم سید احمد علی صاحب کے چہرے پر آئے، تو آپ کے آنسو جاری ہو گئے، دونوں ہاتھوں سے آنسو پونچھے جاتے تھے اور الحمدللہ! الحمدللہ! فرماتے تھے۔

(۲) سید صاحبؒ کا معمول تھا کہ ایسے موقع پر شہداء کے غمزدہ وارثوں اور اعزہ خاص کو اپنے ساتھ خصوصیت کے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے اور ان کی دلداری فرماتے۔

اوراس کے منتظر تھے کہ سید احمد علی صاحب کو فتح ہو،تو آ گے کشمیر کی طرف بڑھیں ،ان کو جب سید احمد علی کی شہادت کی خبر ملی ،تو انھوں نے مستقل مزاجی کے ساتھ گڑھی کے سرداروں کو طلب فرمایا اوران سے خدمت دین ورفاقت مجاہدین کا عہد و میثاق لے کران میں سے ایک کو سردار مقرر کر کے امب کی طرف مراجعت فرمائی۔

پائندہ خاں کی زنبورکیں

سید صاحبؒ کی خدمت میں ایک سید نے جو پائندہ خاں کی زنبورکوں کا محافظ و منتظم تھا، آ کر عرض کیا کہ پائندہ خاں کا سامان جا بجا پڑا ہوا ہے، چنانچہ اس کی زنبورکیں فلاں کوہستان میں کہ بیابان محض ہے، لاوارثوں کے مال کی طرح پڑی ہوئی ہیں، آپ ان کو اٹھوالیں،سید صاحبؒ نے یہ خدمت شیخ بلند بخت دیوبندی کے سپرد کی کہ اس کا انتظام کریں، ان کی ہدایت سے مولوی جعفر علی صاحب نقوی نے پانچ آدمیوں کے معیت میں بڑی مشقت برداشت کر کے اوراپنے کو خطرے میں ڈال کران زنبورکوں کو ۱۰ ارذی الحجہ ۱۲۴۵ھ کوامب میں پہنچادیا۔

اکیسواں باب

امب کا قیام

پائندہ خاں کی مصالحت

۲۷ /شوال ۱۲۴۵ھ کو سید صاحبؒ نے ایک اعلام جاری فرمایا تھا کہ اگر پائندہ خاں اپنے عہد اور وعدے کے مطابق، جو صلحنامے میں مندرج ہے، مدد خاں کا ملک و مال واس کے حوالے کر دے، تو اس کی گلی ہندوال کی خانی اور سرداری برقرار رہے گی (۱) پائندہ خاں نے بھی ۲۹ /ذی قعدہ ۱۲۴۵ھ کو ایک اقرار نامہ جس میں اپنی غلطیوں کا اعتراف اور آئندہ کے لیے اتباع شریعت اور اطاعت کا وعدہ تھا تحریر کیا، اس میں یہ بھی وعدہ کیا گیا تھا کہ کبھی سکھوں اور مخالفین اسلام کے ساتھ تعلقات نہیں قائم کیے جائیں گے اور مسلمانوں اور لشکر اسلام کی بدخواہی نہیں ہوگی، مدد خاں کا علاقہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا، کلکٹی کے سوا اگرور کے علاقے سے دست بردار ہو جاؤں گا اور پلال کے علاقے سے بھی کوئی غرض نہیں رکھی جائے گی؛ نیز ۱۶۰ /سواروں اور شاہین کے ساتھ جہاندار خاں کی معیت میں ایک لشکر ملک سمہ کو اور دو ہزار پیادوں کا ایک لشکر اکبر علی کے ہمراہ جانب کشمیر روانہ کیا جائے گا، اگر اس معاہدے کے خلاف کوئی بات وقوع میں آئے، تو میری جان و مال مسلمانوں کے لیے مباح وحلال ہے اور

---

(۱) مکاتیب شاہ اسمٰعیل، ص ۲۶۱

میں اپنے ملک وریاست سے بالکلیہ دست بردار ہوں،(۱) اس کے جواب میں سید صاحبؒ کی طرف سے بھی ایک تحریر لکھی گئی، جس میں اس بات کا وعدہ تھا کہ اگر پائندہ خاں اپنے شرائط کو پورا کرے گا، تو ہندوال کا علاقہ اور اس کی سرداری برقرار رہے گی اور بشرط خیریت و رفاقت کشمیر میں بیس ہزار کی جاگیر اور پشاور فتح ہونے پر دس ہزار کی جاگیر اس کو دی جائے گی اور اس کو بڑے درجے کا سردار بنایا جائیگا۔(۲)

نظام قضاء و اصلاح اخلاق

اسی دوران میں قاضی محمد حبان صاحب قاضی القضاۃ کے منصب پر مامور ہوئے اور ہر گاؤں اور قصبے میں قاضی، مفتی اور محتسب مقرر ہوئے، تنول کے علاقے میں، جہاں مقامی لوگوں میں سے کوئی متدین عالم دستیاب نہ ہوسکا، فروسہ کے ایک عالم قاضی منتخب ہوئے، قاضی محمد حبان صاحب نے مقامی و مہاجر علماء کے مشورے سے امور شرعیہ کے ترک کردینے پر جرمانے اور تعزیرات مقرر کیں، اسی طرح مخالف تہذیب و شریعت امور، مثلاً برہنہ غسل کرنے پر سزا مقرر ہوئی، کسی کی کھیتی کو نقصان پہنچانے اور اس میں جانور چرانے پر جرمانے تجویز کیے گئے۔

جو عورت تارک الصلوۃ ہوتی، اس کو بھی زنان خانے میں سزا دی جاتی، بعض عورتوں نے اپنے کو بیوہ ظاہر کیا، بعد میں ان کا فریب کھل گیا اور معلوم ہوا کہ شادی شدہ ہیں، بعض افغانی عورتوں نے اپنی ہم قوم عورتوں کو طعنہ دیا کہ تم نے کالے کلوٹے ہندوستانی سے شادی کی، ان عورتوں کی تادیب کی گئی اور فتنہ پردازی کا سد باب کیا گیا۔

لشکر اسلام کی اسلامی معاشرت

امب کے زمانہ قیام میں سید صاحبؒ اور اہل لشکر کی معاشرت اور زندگی اسلامی معاشرت اور مجاہدانہ زندگی کا نمونہ تھی، ہر شخص اپنے سب کام اپنے ہاتھ سے کرتا تھا، سید صاحبؒ

---

(۱) مکاتیب شاہ اسمٰعیل، ص ۲۵۹ (۲) مکاتیب شاہ اسمٰعیل، ص ۲۵۹

مسلمانوں کے اجتماعی کاموں میں پیش قدمی فرما کر مسلمانوں میں عمل کا جذبہ اور مسابقت الی الخیر کا جوش پیدا فرما دیتے تھے۔

ایک مرتبہ باورچی خانے میں جس میں مسلمانوں کا کھانا پکتا تھا، پانی نہ تھا، دریا کچھ فاصلے پر تھا اور اندھیری رات تھی، لوگوں نے پانی لانے میں کچھ سستی کی، آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ آیئے، مولانا ہم مشک سنبھالیں، آپ گھڑا اٹھائیں اور پانی بھر کر لائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دونوں حضرات دریا پر آئے، لوگوں کو اطلاع ہوئی، تو ہجوم ہو گیا اور مشک اور گھڑا دونوں حضرات سے لے کر بات کی بات پر پانی باورچی خانے پہنچا دیا گیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ مسجد میں گنجائش نہ تھی، اس کے قریب ایک ہاتھی بندھا ہوا تھا، جسکی وجہ سے اس کے گرد گندگی ہو رہی تھی، جب ہوتی مردان سے لشکر واپس ہوا، تو مسجد کی تنگی کی وجہ سے لوگوں نے الگ الگ جماعتیں کیں، آپ نے صبح کی نماز کے بعد پھاوڑا لیا اور مولانا اسمٰعیل صاحب نے ٹوکرا اٹھایا اور جہاں ہاتھی بندھا ہوا تھا، وہاں تشریف لائے، ہاتھی کے لیے دوسری جگہ تجویز کی سید صاحبؒ نے پھاوڑے سے سارا کوڑا کھودا اور مولانا نے ٹوکرے میں رکھ کر دوسری جگہ ڈال دیا، لوگ یہ دیکھ کر دوڑے اور سید صاحبؒ کے ہاتھ سے پھاوڑا اور مولانا کے ہاتھ سے ٹوکرا لے لیا، مولانا دوسرا ٹوکرا لے آئے اور دو گھنٹے کے اندر اندر جگہ کی صفائی ہو گئی، دوسرے روز سید صاحبؒ نے فرمایا کہ سب بھائی پانچ پانچ پتھر لے آئیں تا کہ اس کا فرش کر کے مسجد کی توسیع کر دی جائے، خود آپ بھی دریا پر تشریف لے گئے اور دو بڑے پتھر دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر لے آئے، لوگوں نے بڑے اصرار سے لینا چاہا، آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم مجھے نیک کام سے روکتے ہوئے اور خوشامد پسند امراء کی طرح میری بھی چاپلوسی کرتے ہو، یہ بھی نہیں سوچتے کہ یہ پتھر کس قدر بھاری ہیں، یہ کہہ کر آپ نے پتھر زمین پر رکھ دیے اور فرمایا کہ اب جس کو ہمت ہو اٹھا کر دیکھے، لوگوں نے ان پتھروں کی جسامت دیکھ کر ہمت نہ کی، آپ نے اسی طرح ان دونوں کو اٹھا کر مسجد تک پہنچا دیا۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے ایک مرتبہ زنبورک اٹھائی اور مولوی سید جعفر علی

صاحب سے فرمایا کہ اس کو میرے کاندھے پر رکھ دو، مولوی جعفر علی صاحب نے عرض کیا کہ وزن بہت ہے، آپ اٹھا نہ سکیں گے، مجھے اٹھانے دیجیے، فرمایا کہ میری مصلحت اسی میں ہے، میں نے حکم کی تعمیل کی، زنبورک مولانا کے کاندھے پر رکھی، تو ان کے پاؤں لڑکھڑائے، لوگوں نے دور سے دیکھا تو دوڑے اور اس کو اٹھالیا، آپ نے فرمایا کہ یہ ثواب کا کام ہے، لیکن ایک ہی صاحب پر اس کا بار نہیں ہونا چاہیے، تین کوس کے فاصلے پر لے جانا ہے، باری باری سے سب لے جائیں اسی طرح عمل ہوا۔

ایک مرتبہ دو تین روز تک موسلا دھار بارش ہوئی، قلعہ امب کے جنوبی اور مشرقی گوشے کا برج گر گیا، دو تین آدمی بھاری بھاری پتھروں اور صدہا من مٹی کے نیچے دب گئے، یہ سنتے ہی سید صاحبؒ نے پھاوڑے طلب کیے، کچھ لوگ پھاوڑے لینے دوڑے، کچھ کہنے لگے کہ برج ابھی پورا نہیں گرا ہے، اگر برج پورا گر چکا ہوتا، تو حرج نہ تھا، اب اندیشہ ہے کہ باقی حصہ بھی گر جائے گا اور لوگ دب جائیں گے، آپ نے کچھ سماعت نہ فرمائی اور پھاوڑا لے کر دو آدمیوں کے ہمراہ برج کے نیچے تشریف لے گئے اور ملبہ ہٹانے لگے، آپ کی کوشش سے ایک آدمی جو قلعہ اٹک کا رہنے والا تھا، زندہ نکل آیا، اگر چہ زخمی ہو گیا تھا، مگر سلامت تھا، اس وقت آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اگر میں تمھارے روکنے سے رک جاتا، تو ایک مسلمان کی جان بچانے کے ثواب سے محروم رہتا، الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اس کو زندہ نکال دیا اور ہم کو اس کا ثواب عطا فرمایا، لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ آپ کی کرامت ہے، ورنہ اس کی ہلاکت میں کیا شک تھا؟

ایک رہزن کی توبہ اور اصلاح

ٹوپی میں پھلیلہ نام کا ایک شخص بڑا ظالم اور مردم آزار تھا، تمام بستی والے اس سے تنگ اور عاجز تھے، آخر سب نے متفق ہو کر اس کو ٹوپی سے نکال دیا، وہ وہاں سے دریائے اٹک اتر کر سکھوں میں جا رہا اور ان سے موافقت پیدا کی، انھوں نے اٹک کے کنارے اس کے لیے ایک برج بنا دیا اور زراعت کے واسطے کچھ زمین بھی دی، وہ اس برج میں رہنے لگا،

پچاس ساٹھ آدمی اس کے پاس ہر وقت رہتے تھے، وہ اکثر ٹوپئی کے علاقے میں ڈاکہ مارا کرتا تھا اور وہاں بیٹھ کر کھاتا تھا، ایک مرتبہ اس نے سکھوں کو اپنے ساتھ لے کر مشوانی قوم کے ایک آباد موضع کو خوب لوٹا، اس بستی کے اسی آدمی مارے گئے اور اس بستی پر قبضہ کر کے خود وہاں رہنے لگا اور سکھوں کی شہ پر ٹوپئی، مینئی، منارہ اور کھبل وغیرہ پر ڈاکہ ڈالنے لگا، ان بستیوں کے لوگ سید صاحبؒ کے پاس نالشی ہوئے اور اس کی سرکوبی کی درخواست کی، آپ نے ان کی تسلی اور دلجمعی کر کے واپس کر دیا اور پھلیلہ کے پاس اس مضمون کا خط بھیجا کہ تم مسلمان ہو، تم کو مناسب نہیں ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائیوں کو لوٹو، مارو اور تنگ کرو، تم یہاں ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تم کو تمھاری بستی میں بسا دیں گے اور جو تمھاری زمین جاگیر ہوگی، تم کو دلا دیں گے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تم کو ایک گاؤں اور دیں گے۔

جب یہ خط اس کو ملا اس نے اپنے ساتھیوں سے صلاح لی، سب نے کہا: چلنا ہی مناسب ہے، کیونکہ وہ سید اور ہم سب کے امام اور بادشاہ ہیں، ہم سب کو تو پکڑنے سے رہے اگر دو چار کو ہم میں سے گرفتار کر لیں گے، تو ہم جیسا ہوگا، دیکھ لیں گے، چنانچہ پھلیلہ امب میں آ کر سید صاحبؒ سے ملا، آپ بہت خوش ہوئے، اس نے تین گھوڑے، چار بندوقیں اور نو تلواریں، جو سکھوں سے ایک روز پہلے لوٹی تھیں، آپ کی نذر کیں، آپ نے اس کے آدمیوں کو ایک ایک پگڑی اور ایک ایک لنگی عنایت کی اور پھلیلہ کو ایک سبز دوشالہ، بہت سے کپڑے اور کچھ نقد روپے دیے، پھر پھلیلہ نے اور اس کے سب آدمیوں نے آپ سے بیعت اور فسق و فجور اور برے کاموں سے توبہ کی، تین روز آپ نے اس کو اپنے پاس رکھا اور اس کو خوب نصیحت فرمائی اور اس کو تسلی کر کے رخصت کیا، تھوڑے دن کے بعد آپ نے موضع ٹوپئی کے رئیسوں کو اور پھلیلہ کو بلایا اور ان سے صلح صفائی کرائی اور پھلیلہ کا جو حق ٹوپئی میں تھا ان رئیسوں سے دلا دیا اور ایک گاؤں کھبل سے کوس بھر، جو دریائے اٹک کے کنارے ایک ٹیکری پر ویران پڑا تھا اور وہاں اکثر مسافر لوگ لٹ جاتے تھے، وہ پھلیلہ کو دلوا دیا اور فرمایا کہ اب تم وہیں رہا کرو، آپ نے ٹوپئی والوں کو رخصت کر دیا اور پھلیلہ آپ کے پاس رہا۔

پھلیلہ کی کارگزاری

دوسرے یا تیسرے روز کسی مخبر نے آکر پھلیلہ سے کہا کہ سکھوں کی رسد سکندر پور سے دربند کو جاتی ہے، یہ حال سن کر پھلیلہ نے عرض کی کہ اگر مجھ کو اجازت ہو تو میں آپ کو اس کا تماشا دکھاؤں، آپ نے فرمایا کہ تم کو اجازت ہے۔ پھلیلہ نے کوئی سوسوا سو آدمی بلا کر جمع کیے، اور عشرہ کے کوٹلے پر بٹھائے اور ان سے کہا کہ ہم لوگ جا کر نالے میں چھپیں گے، جب سکھوں کی رسد ہمارے مقابل آئے، تب تم بندوق چلا دینا، وہ رات ہی کو شناچوں پر سوار کر کے اپنے لوگوں کو سندھ کے پار لے گیا اور سب دامن کوہ کے نالے میں جا چھپے۔

اگلے روز کوئی تین گھڑی دن چڑھ سکھ رسد لیے ہوئے آئے، کوئی پانچ سو سوار اور پیادے رسد کے آگے تھے، اتنے ہی پیچھے تھے، رسد بیلوں، خچروں اور گدھوں پر تھی، اس میں گیہوں اور گھی کے کپے اور آٹا اور شکر تھی، ایک سال کا سامان تھا، وہ جب آتے آتے اس نالے کے مقابلہ پہنچے تو کوٹلے والوں نے دو بندوقیں چلائیں، ادھر پھلیلہ کے لوگوں نے نالے سے نکل کر بندوق کی باڑ ماری اور تلواریں کھینچ کر ان پر دوڑے، یہ لوگ جا کر رسد پر گرے جس سے جو اسباب لیا گیا لیا اور دریائے سندھ کا کنارا پکڑا ادھر سکھوں نے ان کا پیچھا کیا اور بندوقیں مارنے لگے، جب ان پر سکھوں کا زیادہ دباؤ ہوا، تو سید صاحبؒ نے شیخ وزیر گولہ انداز کو توپ سر کرنے کا حکم دیا، شیخ وزیر نے سکھوں کے ایک غول کی طرف چار گولے مارے، وہ تمام پراگندہ ہو گئے، اس فرصت میں یہ لوگ اپنے اپنے شناجے پھونک کر دریا میں سوار ہوئے اور اسباب غنیمت اور ہتھیار لے کر پیرنے لگے اور سلامت پار اتر آئے۔

امب کا آم

امب میں دریائے سندھ کے کنارے دامن کوہ میں آم کا ایک بڑا درخت تھا، ایک بار سید صاحبؒ نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ یہ درخت پھلتا بھی ہے، انھوں نے کہا کہ ہماری یاد میں تو کبھی نہیں پھلا، پھول تو آتا ہے، مگر گر جاتا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کا کیا سبب

ہے کہ بور آتا ہے اور پھل نہیں لگتے، انھوں نے عرض کیا کہ ہم اپنے بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ اگلے زمانے میں جب یہاں کا حاکم دیانتدار، منصف اور رعیت پرور تھا، اس کی خوش نیتی اور برکت کے سبب یہ درخت پھلا کرتا تھا، اس کے بعد جب سے یہاں کے حاکم لوگوں پر ظلم اور زیادتی کرنے لگے، تب سے یہ درخت نہیں پھلتا۔

آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر اس کے نہ پھلنے کا سبب یہی ہے، جو تم کہتے ہو تو ہم اپنے پروردگار سے دعا کریں گے کہ جو ہمارے غازی بھائی اپنے اپنے گھر بار چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو آئے ہیں، کیا عجب ہے کہ یہ درخت ان سب بھائیوں کی نیک نیتی اور برکت سے پھلے اور جناب الٰہی سے مجھے امید قوی ہے کہ یہ درخت پھلے گا۔

ان دنوں آموں میں بور آنا شروع ہوا تھا، ایک روز نماز عصر کے بعد آپ اس درخت کی طرف گئے، لشکر اور بستی کے بہت سے لوگ ہمراہ تھے، آپ نے اس درخت کو ہر طرف سے دیکھا، پھر برہنہ سر ہو کر دیر تک دعا کی، ہمراہی ''آمین'' کہتے تھے، لوگوں کے آنسو جاری تھے، دعا کے بعد آپ نے میاں جی سید محی الدین پھلتی سے فرمایا کہ تم کل سے اپنے شاگردوں کو اسی درخت کے نیچے پڑھایا کرو، چڑیاں بھی اس کا بور نہ گرائیں گی اگلے روز میاں جی سید محی الدین اسی آم کے تلے اپنے شاگردوں کو پڑھانے لگے، یہاں تک کہ اس میں کیریاں آئیں اور لوگ چٹنی کھانے لگے، جب آپ پنجتار تشریف لے گئے، شیخ ولی محمد صاحب نے اس درخت کے تلے ایک پہرا بٹھا دیا، آپ کی اہلیہ صاحبہ امب ہی میں تھیں، جو پھل ٹپکتے تھے، ان کے پاس جاتے تھے، پھر شیخ صاحب نے سب آم تڑوا کر پال رکھوا دیے جب پال تیار ہوئی، تب کئی ٹوکرے آپ کے پاس پنجتار بھیجے اور کئی ٹوکرے اپنے پاس رکھ لیے، ان میں سے بی بی صاحبہ کو کھلائے اور ایک ایک، دو دو آم غازیوں کو دیے(۱)۔

---

(۱) وقائع ،ص ۱۷۳۲

سکھوں کی سعی مصالحت

اور

مسلمان سفیروں کی حق گوئی وجرأت

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پیغام مصالحت

سرحدی آویزشوں اور متعدد معرکہ آزمائیوں کے ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو وقتاً فوقتاً یہ خیال آتا رہا کہ سید صاحبؒ ایک فقیر منش، درویش صفت بزرگ ہیں، سرحد وافغانستان میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ کسی شیخ طریقت یا صاحب حمیت بزرگ نے علم جہاد بلند کیا اور مریدین و مخلصین کی جمعیت اپنے گرد جمع کرلی، لیکن پھر حکومت نے ان کو کوئی علاقہ یا جاگیر دے کر یا وظیفہ اور نذرانہ مقرر کرکے گوشہ نشینی، یاد الٰہی اور خدمت خلق پر آمادہ کرلیا اور شورش رفع ہوگئی، اس نے پہلے قیام امب کے زمانے میں آپ کے پاس اسی مقصد کے لیے ایک موقر سفارت بھیجی جس میں اس کے مشیر خاص اور معتمد حکیم عزیز الدین بھی تھے، پھر ونٹورا کو اس مسئلے میں گفت وشنید اور نامہ وپیام کرنے کی ہدایت کی۔

وقائع کا بیان ہے کہ امب کے زمانہ قیام میں حکیم عزیز الدین دہلوی مہاراجہ کی

طرف سے وکیل ہوکر آئے، وزیر سنگھ (۱) ہمراہ تھا، حکیم عزیز الدین دہلوی مہاراجہ کا خط لائے تھے، جس کا مضمون یہ تھا کہ خلیفہ صاحب، آپ سید، حاجی اور غازی، اللہ والے ہیں ہم آپ کی دعا کے امیدوار ہیں، اگر ہندوستان سے اس ملک میں ملک گیری کے ارادے سے تشریف لائے ہیں تو آپ دریائے اٹک کے اس پار کی نو لاکھ روپے کی آمدنی کی جاگیر ہم سے لے لیں اور دریا کے اس پار جہاں آپ تشریف رکھتے ہیں، اس ملک کی نعلبندی ہم لیتے آئے ہیں، وہ ملک بھی ہم آپ ہی کی نذر کریں، آپ بفراغت اپنے صاحب کی بندگی میں مشغول ہیں اور ہم سے لڑنے بھڑنے کا خیال نہ کریں، اور جو یہاں لاہور میں ہمارے پاس چلے آئیں، تو ہم آپ ہی کو اپنی کل فوج کا افسر بنا دیں۔

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم جو مسلمانوں کے اس ملک میں اتنے لوگوں کے ساتھ آئے ہیں، تو نہ کسی کی ریاست چھیننے کی غرض سے آئے ہیں، نہ ملک گیری کے شوق میں ہم تو محض جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے واسطے آئے ہیں اور جو رنجیت سنگھ اتنے ملک دینے کا لالچ دیتا ہے، اگر وہ اپنا تمام ملک دے، تب بھی ہم کو غرض نہیں ہے، البتہ اگر وہ مسلمان ہو جائے، تو ہمارا بھائی ہے، اللہ کی تائید سے جو ملک ہمارے ہاتھ لگے ہیں، ہم اس کو دے دیں اور جو اس کا ملک ہے، وہ بھی اس کے پاس رہے۔

حکیم صاحب نے کہا کہ ہم غائبانہ آپ کا جو حال لوگوں سے سنتے تھے، اس سے زیادہ ہم نے آپ کو پایا، آپ کا دعویٰ سچا ہے، سوائے "آمنـا و سلمنا" کے ہمارے پاس کوئی جواب نہیں، سید صاحبؒ نے حکیم صاحب کو بہت خاطر داری اور عزت و توقیر سے اپنے یہاں اتارا اور مہمانی کی، آپ کے لشکر میں ڈوگروں کا ایک جمعدار رنجیت سنگھ کے یہاں سے کسی امر میں ناخوش ہو کر چلا آیا تھا، آپ نے اس کو اور پچاس ساٹھ اس کے ساتھ کے ڈوگروں کو نوکر رکھ لیا تھا، اس کے نام کا بھی مہاراجہ کا ایک پروانہ حکیم صاحب لائے تھے کہ اپنے لوگوں کے ساتھ ہمارے یہاں چلا آئے، حکیم صاحب نے وہ پروانہ اس جمعدار کو دیا اور اپنے ساتھ

---

(۱) وقائع میں ہے کہ وزیر سنگھ پوشیدہ سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کر گیا تھا اور مسلمان ہو چکا تھا، یہ بھی ذکر ہے کہ وہ مہاراجہ کا برادر نسبتی تھا، دوسرے ذرائع سے اس بیان کی تصدیق یا تکذیب نہیں ہو سکی۔

لے جانا چاہا، اس نے آ کر یہ حال حضرت سے عرض کیا، آپ نے فرمایا: تم کو اختیار ہے، چلے جاؤ، جو کچھ اس جمعدار اور اس کے ساتھیوں کے تنخواہ چڑھی تھی، آپ نے سب اپنے یہاں سے دلوادی، حکیم عزیز الدین صاحب رخصت ہونے لگے، تو آپ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام دعوت اسلام کا مضمون، جو حکیم عزیز الدین صاحب سے زبانی فرمایا تھا، لکھوا دیا۔

وینتورا کی خواہش پر سفارت کی روانگی

اس عرصے میں وینتورا اور الارڈ نے بارہ ہزار سواروں اور پیادوں کے ساتھ پشاور کی نعل بندی (جو گھوڑوں اور باڑہ کے چاولوں کی شکل میں سالانہ وصول کی جاتی تھی) وصول کرنے کے لیے کوچ کیا اور دریائے لنڈے کے کنارے ڈیرہ کیا۔ ''منظورہ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ وینتورا نے خود اس بات کی خواہش ظاہر کی کوئی قابل اعتماد اور فہیم شخص لشکر مجاہدین سے آ کر اس سے گفتگو کرے، سید صاحبؒ نے پہلے حاجی بہادر شاہ خاں کو اس کام کے لیے مامور فرمایا، اور ان کو ہدایات دیں، پھر مولوی خیر الدین صاحب شیر کوٹی کو اس مہم کے لیے منتخب فرمایا، اور ان کے انتخاب پر بہت اطمینان و مسرت کا اظہار فرمایا اور ارشاد ہوا کہ پہلے مجھے ان کا خیال نہیں آیا تھا، حاجی بہادر شاہ خاں کو (جو ایک سپاہیانہ مزاج مخلص بزرگ تھے) بہت دیر تک گفتگو کے نشیب و فراز سمجھاتا رہا، لیکن طبیعت کو اطمینان نہیں ہوتا تھا، اچانک مولوی خیر الدین صاحب سامنے آ گئے، تو ذہن ان کی طرف منتقل ہوا کہ یہ اس کام کے لیے بڑے موزوں ہیں، آپ نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ وینتورا فرانسیسی نے خط لکھا ہے کہ کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس بھیجئے، جس کی زبانی ہم کچھ پیغام بھجیں، آپ تشریف لے جائیے اور جو وہ کہے، اس کا معقول جواب دیجیے اس کے بعد مولوی ولی محمد صاحب کو ارشاد ہوا کہ ان کے مصارف کے لیے دس روپئے دے دیجیے، اور مولوی خیر الدین صاحب کی سواری کے لیے گھوڑے کا انتظام کر دیجیے، مولانا اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ حاجی بہادر شاہ خاں کو تین روز سمجھانے کی ضرورت پڑی، مولوی صاحب کو تین گھنٹے تو ہدایات دینے کی ضرورت پڑے گی، ارشاد ہوا کہ ان کو سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

ان دونوں حضرات کے ساتھ دس بارہ دوسرے اشخاص کو بھی جن کو ہندوستان جانا تھا، رخصت فرمایا گیا، وزیر سنگھ سے ارشاد ہوا کہ ان لوگوں کو دریائے سندھ کے پار کرادیا جائے، ستھانے تک یہ سب ساتھ آئے، وہاں سے حکیم صاحب اور وزیر سنگھ لشکر کی طرف چلے گئے، اور مولوی خیر الدین صاحب اور حاجی بہادر شاہ خاں نے موضع سلیم خاں میں قیام کیا اور ونیتورا کو اطلاع کی کہ ہم آپ کی فرمائش کے مطابق حضرت امیر المومنین کے فرستادہ آئے ہیں، ہمارا قیام سلیم خاں میں ہے، سکھ غیر ذمے دار لوگ ہیں، ہم کو خود آنے میں تامل ہے کہ ہم سے مزاحمت نہ کی جائے، اگر آپ اس کا بندوبست کرسکیں تو ہم آپ کے پاس آئیں۔

دوسرے روز جمعدار وزیر سنگھ پانچ سواروں کے ساتھ طلوع آفتاب کے بعد ہی ونیتورا کا رقعہ لے کر پہنچا، جس میں تحریر تھا کہ آپ بلا دغدغہ تشریف لے آئیے، آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا، مولوی صاحب موصوف اپنے رفقاء کے ساتھ لشکر میں پہنچے، لشکر دریا کے دونوں کنارے خیمہ زن تھا، آمد ورفت کے لیے پل بنایا گیا تھا، مولوی صاحب اور ان کے ہمراہیوں کا علاقہ سمہ کے ایک ملاّ کے یہاں (جو سید صاحبؒ کے مریدین میں سے تھا) قیام ہوا، وزیر سنگھ نے مہمانوں کی تعداد اور تفصیلات سے ونیتورا کو مطلع کیا۔ وہاں سے دس سیر چاول، دس سیر آٹا، ڈیڑھ سیر گھی، ایک بکرا اور بیس روپے ضیافت کے لیے آئے، جب تک ان حضرات کا وہاں قیام رہا، اسی طرح جنس لشکر کی طرف سے دعوت کے لیے آتی رہی۔

فرانسیسی جنرل کے خیمے میں

دوسرے روز وزیر سنگھ نے آکر اطلاع دی کہ آپ کو صاحب (ونیتورا) بلاتے ہیں، مولوی خیر الدین صاحب نے فرمایا: یہ بتلادو کہ ہم اپنے ہتھیار سمیت آئیں یا ہتھیار رکھ کر۔ اگر ہتھیار سمیت یہاں سے چلیں گے، تو ہم اپنے ہتھیار کہیں اوراتار کر نہیں رکھیں گے وزیر سنگھ نے کہا کہ آپ ہتھیار سمیت چلیے۔

خیمے میں پہنچے تو دیکھا کہ دونوں ولایتی افسر (ونیتورا اور ایلارڈ) اپنی اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں، ایک چھوٹی سے میز ان کے سامنے رکھی ہے، ان کی کرسیوں کے علاوہ کوئی اور کرسی

خیمے میں نہیں ہیں، البتہ ایک عمدہ اور بہت بڑا قالین میز کے نیچے بچھا ہوا ہے، حاجی بہادر شاہ خاں "السلام علی من اتبع الھدیٰ" کہتے ہوئے داخل ہوئے اور میز کے قریب بیٹھ گئے، وزیر سنگھ خیمے کے دروازے پر رہا، اس وقت ویتورا نے اخبار نویس اور حکیم عزیز الدین کو بھی بلا کر وکیلوں کے پاس بٹھایا۔

ویتورا اور مولوی خیر الدین صاحب کی گفتگو

ویتورا نے سفرا سے خطاب کر کے پوچھا کہ آپ میں مولوی کون ہے، حاجی صاحب نے مولوی خیر الدین صاحب کی طرف اشارہ کیا، ویتورا جوان آدمی تھا، اور فارسی پر خوب قدرت رکھتا تھا، اس نے کہا کہ میں آپ سے کچھ علمی گفتگو کرنا چاہتا ہوں، مولوی خیر الدین صاحب نے فرمایا کہ اگر گفتگو دینی امور و مسائل میں ہوگی، تو صاف اور تلخ جواب سے آزردہ اور برافروختہ نہ ہوں، ورنہ ایسی گفتگو کی ضرورت نہیں۔ ویتورا نے کہا کہ جو کچھ آپ کے دل میں آئے، بے تکلف کہیے، میں برا نہ مانوں گا، لیکن جواب عالمانہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ میں آپ کے دین سے واقف ہوں، خاص طور پر میں نے آپ کی تاریخ اور دینیات کی کتابیں بہت پڑھی ہیں، دوسرا ولایتی افسر (الارڈ) جو معمر تھا، کم گو اور خاموش تھا۔

ویتورا نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ جس زمانے میں ہمارا ڈیرہ حضرو میں تھا، اس زمانے میں ایک فقیر صورت شخص خلیفہ صاحب کی طرف سے ہم سے ملا تھا، اس نے کہا تھا کہ اگر سرکار خالصہ (مہاراجہ) ملک یوسف زئی کا مالیہ ہماری معرفت وصول کر لیا کرے، تو سرکار کی فوج کشی کی تکلیف اور زیر باری سے چھٹی مل جائے اور علاقے کے لوگ سال بسال تاخت و تاراج ہونے اور ویرانی و آتش زنی کی مصیبت سے بچ جائیں، ہم کو یہ بات معقول معلوم ہوئی، اس لیے کہ اس میں فریقین کا فائدہ ہے، سرکار کو سرگرانی اور رعیت کو پریشانی سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔ میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بات صحیح ہے۔

مولوی خیر الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ بات محض دروغ اور بے اصل ہے، اس دروغ گو نے محض اپنی جان بچانے کے لیے آپ سے یہ بات بنائی، خلیفہ صاحب کو کفار کی

اطاعت اور ان کو مالیہ دینے سے کیا سروکار؟ اس لیے کہ وہ علاقہ دور دراز میں ملک وجاگیر کے حصول کے لیے نہیں آئے۔

ویتورا نے کہا کہ اچھا، اگر ان کو کسی قسم کی طمع نہیں ہے، تو اس بے سروسامانی کے ساتھ ایک ایسی ہستی سے کیوں برسر جنگ ہیں، جو خزانوں، دفتروں اور فوج اور لشکروں کی مالک ہے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے سنا ہوگا کہ خلیفہ صاحب ہندوستان میں صاحب وجاہت وعزت ہیں، لاکھوں آدمی بڑے فخر ومسرت کے ساتھ آپ کے سلسلہ بیعت میں داخل ہیں، آپ وہاں امراء عالی مقام کی طرح عیش وآرام کے ساتھ زندگی گزار سکتے تھے، آپ کو ترک وطن اور کوہ گردی کی ضرورت نہ تھی۔

ویتورا نے کہا کہ ہاں، مجھے معلوم ہے کہ خلیفہ صاحب کو یہ سب عیش وعزت اپنے مقام پر بھی حاصل تھی اور وہاں کے اہل حکومت آپ کی بڑی عزت وتوقیر کرتے تھے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ ایسی دولت وعزت کو خیرباد کہہ کر سفر کی صعوبتیں اور وطن کی مفارقت اور ایک امید موہوم کے پیچھے دن رات کوہستان میں مشقت کا اختیار کرنا اور بے سروسامانی کے باوجود ایک طاقتور دشمن کے مقابلے کا عزم رکھنا، جو ملک وافواج کا مالک ہے، کون دانشمند روا رکھتا ہے؟

جہاد کا اسلامی فریضہ

اب آپ متوجہ ہوکر سنیے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ دین اسلام میں پانچ احکام فرض کا درجہ رکھتے ہیں، جن کی ادائی کی خداوند عالم کی طرف سے تاکید شدید ہے اور وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد ہے، نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، غنی ہو یا فقیر اسی طرح روزہ؛ البتہ زکوٰۃ غنی پر فرض ہے، سال گزرنے پر وہ اپنے مال کا چالیسواں حصہ راہ خدا میں نکالتا ہے ،ان تینوں سے مشکل ترحج کا فریضہ ہے، وہ اگرچہ عمر بھر میں غنی پر ایک ہی بار فرض ہے، لیکن چونکہ اس کے لیے اکثر سمندر کا سفر کرنا اور اپنے کو خطرات میں ڈالنا اور اپنے خاندان وخانمان سے جدا ہونا ضروری ہوتا ہے اور بھی بہت سی مشقتیں اس سے وابستہ ہیں، اس لیے اکثر مالدار دنیا طلب اس فریضے کی ادائی میں سستی سے کام لیتے ہیں اور اس سعادت سے محروم رہتے ہیں،

اس سلسلے میں آپ نے سنا ہوگا کہ سید صاحبؒ نے بے سروسامانی کے باوجود سیکڑوں آدمیوں کی معیت میں حج کیا اور اس میں ہزاروں روپے صرف ہوئے کہ کسی امیر کبیر کو بھی اس عالی حوصلگی اور دریادلی کے ساتھ حج کرنے اور کرانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ونیٹورا نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں کہ اس شان کے ساتھ اس زمانے میں کسی نے حج نہیں کیا۔

مولوی صاحب نے فرمایا کہ جہاد کی عبادت حج سے بھی دشوارتر ہے، وہ دولت کی کثرت اور فراوانی پر بھی موقوف نہیں، وہ محض توفیق الٰہی پر منحصر ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے کسی کو اس سعادت کے لیے انتخاب فرمالیتا ہے، مشکلات وخصوصیات کی بنا پر اس عبادت کا ثواب بھی دوسری عبادات کے مقابلے میں زیادہ ہے، اس لیے کہ اس عبادت میں جان ومال اور اہل وعیال سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، یہ بھی یاد رہے کہ یہ جہاد محض ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، ہی پر فرض نہیں تھا، بلکہ حضرت ابراہیم وموسیٰ اور داؤد علیہم السلام پر بھی فرض تھا۔ آپ کو خود تاریخ کی کتابوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہوگی، ونیٹورا نے کہا جی ہاں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ چونکہ سید صاحبؒ عنایت الٰہی سے مقبول بارگاہ اور صاحب ارادہ وعالی ہمت بزرگ ہیں، انھوں نے اس فریضے کی ادائی کا تہیہ کیا، اس کی ادائی کی دوشرطیں ہیں، ایک یہ کہ جماعت مجاہدین کا کوئی امیر اور امام ہو، جس کی ماتحتی میں شرعی طریقے پر جہاد کیا جائے؛ دوسرے یہ کہ کوئی دارالامن ہو، جہاں سے اس فریضے کی ابتداء کی جائے، ہندوستان میں کوئی دارالامن نہیں ہے، وہاں یہ معلوم ہوا کہ قبائل یوسف زئی سکھوں کے ساتھ جہاد کرتے رہتے ہیں، لیکن ان کا کوئی شرعی امیر یا امام نہیں، ان کا ملک کوہستان اور جائے امن ہے، اس لیے آپ چھ سو اشخاص کے ساتھ اس ملک میں تشریف لائے اور اس ملک کے مسلمانوں کو اس فریضے کی ادائی کی ترغیب دی اور ان کو اس پر آمادہ کیا یہاں تک کہ ان لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت امامت کرکے آپ کو اپنا سردار بنایا، اسی وقت سے آپ کو امام، امیر المومنین اور خلیفہ کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جہاد کی حقیقت

یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جہاد جنگ و ملک گیری کا نام نہیں، جہاد کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کفار کا زور توڑنے اور ان کے دین و مذہب کی شورش کو دفع کرنے کی امکانی کوشش کی جائے، یہ بھی یاد رہے کہ جماعت مجاہدین کے امام کے لیے یہ بھی شرط نہیں کہ اس کی تیاریاں اور ساز وسامان دشمن کے ساز وسامان کے مساوی ہو، دین کی ترقی اور اس کے سامان کی فراہمی کی کوشش البتہ شرط ہے، پس اگر جنگ پیش آجائے اور مصلحت کا تقاضا ہو، تو جنگ کی جائے گی اور اگر فتح ہو جائے تو دشمنوں کے مال کو مال غنیمت بنانا اور ان کے زن و فرزند کو اسیر کرنا اور ان کے ملک پر قبضہ کر لینا بھی روا ہے، بہر حال اصل مقصود ترقی دین ہے، فتوحات اس کا ثمرہ ہیں، بلکہ اعلیٰ درجے کی فتح یہ ہے کہ جب تک جان میں جان ہے ، غازی و مجاہد ہی رہیں، جن کے فضائل اور مراتب و مناقب قرآن مجید میں واضح اور مفصل طریقے پر بیان کیے گئے ہیں، اور اگر کفار کے ہاتھ سے خدا شہادت نصیب فرمائے، تو زہے نصیب! رسالت کے بعد اس مرتبے سے بڑھ کر کوئی مرتبہ ہی نہیں۔

ویتورا نے کہا کہ ہاں بیشک آپ کے مذہب میں شہید کا بڑا مرتبہ ہے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ پر بڑا تعجب ہے کہ آپ نے ابھی اقرار کیا تھا کہ تمام پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانے میں جہاد کیا؛ پھر آپ یہ کہتے ہیں کہ ''تمھارے مذہب میں'' بھلا تمھارے مذہب کی اس قید کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کو تو یہ کہنا چاہیے تھا کہ پیغمبروں کے یہاں یہ عبادت اعلیٰ مرتبے کی ہے۔

مجاہدین کا اعتقاد و اعتماد

ویتورا نے کہا کہ میں نے یہ مانا، لیکن یہ بات عقل کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ اس بے سروسامانی کے ساتھ کہ خلیفہ صاحب کے پاس نہ افواج ہیں، نہ توپ خانہ، نہ سرمایہ، نہ ملک، لیکن ان کے عزائم یہ ہیں! مولوی صاحب نے فرمایا کہ ہاں، اہل دنیا کو فوج، توپ اور

خزانوں پر اعتقاد ہوتا ہے، اور ہم کو اللہ تعالیٰ کی قوت وقدرت پر توکل واعتماد، ہم نہ فتح کا دعویٰ کرتے ہیں، نہ شکست سے ملول ہوتے ہیں، یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں، ہمارا عقیدہ ہے کہ "كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ" (البقرۃ ۲۴۹)

تاریخ کی شہادت

اگر آپ کو اس سے انکار ہے، تو آپ کی تاریخ دانی کا دعویٰ غلط ہے، اس لیے کہ کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ بہت سے زبردست وسرکش اور کثیر التعداد گروہ حقیر و کمزور لوگوں کے ہاتھوں سے زیرو پامال ہوئے، خصوصاً جب کہ ضعفاء اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت و نصرت کے لیے کمر بستہ ہوتے ہیں، چنانچہ پیغمبروں کو بھی ایسے معاملات پیش آئے، جو تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، کسی پیغمبر کے پاس بھی خزانہ، توپ اور فوج نہ تھی، تھوڑے تھوڑے پیرووں کے ساتھ، جو غریب وفقیر تھے، انھوں نے بڑے بڑے زبردستوں اور گردن فرازوں کو خاک میں ملادیا، ان کے جانشینوں اور نائبین نے بھی عظیم الشان سلطنتوں کو درہم برہم کر دیا، اس سلسلے میں زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، آپ خود تاریخ داں ہیں، تاریخ کی کتابیں خود رہنمائی کرنے کے لیے کافی ہیں۔

اس موقع پر جنرل الارڈ نے کہا کہ یہ نہیں ہوا کرتا کہ بے سروسامانی صاحب ساز و سامان کے مقابلے میں غیر مسلح مسلح کے مقابلے میں کامیاب ہوں، ونیتورا نے کہا کہ نہیں مولوی صاحب صحیح کہتے ہیں کہ بڑوں نے چھوٹوں کے ہاتھوں شکست کھائی۔

امب کا جائے وقوع

ونیتورا نے کہا کہ دیکھیے، یہ ساری فوج پنجتار کا رخ کرے گی، مولوی صاحب نے فرمایا کہ پنجتار میں تو ہم آپ کے قابو میں نہیں آئیں گے، اس لیے کہ خلیفہ صاحب اس وقت امب میں ہیں اور وہ مقام آپ کا دیکھا ہوا ہے کہ ایک طرف تو اس کے غیبی خندق ہے، یعنی دریائے سندھ، جس کا عبور کرنا نہایت دشوار ہے، دوسری جانب سمہ کا غیبی حصار ہے، یعنی

ایسے دشوار گزار پہاڑ کہ اگر کسی درے پر دس بندوقچی بھی بیٹھ جائیں، تو آپ کی یہ ساری فوج، بلکہ اگر ایسی ہی دوسری فوج بھی ہو، تو اس سے گزر نہیں سکتی۔

پنجتار میں مقابلے کی تیاریاں

وینتورا نے کہا کہ صحیح ہے، امب سخت مقام ہے، لیکن میں تو پنجتار جانے کا ذکر کرتا ہوں، مولوی صاحب نے فرمایا کہ پنجتار میں کیا چیز ہے اور وہاں فوج کشی کرنے سے کیا ملے گا؟ فتح خاں نے اپنی قوم کی ایک جماعت کثیر کو جمع کیا ہے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اپنی تقویت کے لیے طلب کیا ہے، مولانا ایک جماعت مجاہدین اپنے ساتھ رکھتے ہیں، سب ملا کر دس بارہ ہزار آدمی وہاں جمع ہیں، اس کے علاوہ پنجتار میں عورتیں، بچے اور کھیتی باڑی کچھ نہیں ہے جس کے تاراج و سوخت ہو جانے کا خطرہ ہو، اگر فتح کے آثار نظر آئیں گے اور دشمن پر غلبے کی امید ہوگی، تو کیا کہنا! ورنہ ایک پہاڑ کو چھوڑ کر دوسرے پہاڑ کی چوٹی پر چلے جائیں گے، بہرحال آپ کو ہمیں نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں، اس کے علاوہ پنجتار آپ کا دیکھا ہوا ہے کہ تین کوس تک دونوں جانب پہاڑوں کا سلسلہ ہے، اس کے بعد پنجتار واقع ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو ثابت قدمی عطا فرمائی اور تمھارے قدم ڈگمگائے تو یہ سوچ لینا چاہیے کہ تمھارا اس درے سے گزر کر نکل جانا کتنا دشوار ہوگا، اس وقت اس پہاڑ کی عورتیں اور بچے تمھارے گھوڑوں اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیں گے، پہلے اپنے متعلق غور کر لینا چاہیے، پھر پنجتار کا رخ کرنا چاہیے، پرانی مثل ہے کہ کہیں داخل ہونے سے پہلے نکلنے کا بندوبست سوچ لینا چاہیے۔

وینتورا نے کہا کہ بات تو اور ہو رہی تھی، ہم بات کرتے کرتے کہیں اور پہنچ گئے، ہم کو خلیفہ صاحب سے بہت محبت ہے، اس وجہ سے میں مہاراجہ کی سرکار میں بدنام ہوں، لیکن جنگ کے موقع پر یہ محبت کچھ کام نہ آئے گی۔

تحائف کے لیے وینتورا کا اصرار

مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے ٹھیک کہا، اگر آپ نے کچھ رعایت کی، تو اپنی

سرکار میں نمک حرام کہلائیں گے، وینتورا نے کہا: میری صرف اتنی خواہش ہے کہ میرے اور خلیفہ صاحب کے درمیان تحائف کی رسم جاری ہوجائے، پہلے میں کوئی چیز بھیجوں، پھر خلیفہ صاحب کوئی تحفہ بھیج دیں تاکہ یہاں سے واپس جانے کے لیے مجھے کوئی عذر مل جائے، اس کے بعد خلیفہ صاحب کو یوسف زئیوں کے ملک کا اختیار ہے؛ جو چاہیں کریں، خالصہ کی فوج پھر اس ملک پر کبھی نہ آئے گی۔

مولوی خیر الدین صاحب کی دور اندیشی

مولوی صاحب نے فرمایا کہ خلیفہ صاحب کو تمھاری محبت اور دوستی سے کوئی غرض نہیں۔ اگر آپ کو غرض ہو تو پہلے آپ سلسلہ جنبانی کریں، خلیفہ صاحب بڑے بلند حوصلہ اور عالی ہمت ہیں، وہ آپ کے تحفوں کا جواب ضرور دیں گے، لیکن خلیفہ صاحب کی سرکار کا تحفہ یہی ہے کہ کسی کو سربند کسی کو کلاہ اور کسی کسی کو جبہ بھی عنایت فرماتے ہیں، ان کی سرکار میں ہتھیار بھی بڑے بڑے بیش قیمت ہیں، تعجب نہیں کہ ان میں سے بھی کچھ عنایت فرمائیں۔

وینتورا نے کہا: سربند اور کلاہ کو ہم کیا کریں گے؟ ہاں اگر تحائف کے عوض میں ایک گھوڑا خلیفہ صاحب عنایت فرمادیں، تو معقول بات ہوگی، مولوی صاحب نے کہا کہ میں آپ کا مطلب سمجھا، ہم گھوڑا آپ کو ہرگز نہ دیں گے، وینتورا نے کہا کہ آپ انکار کر رہے ہیں، آپ خلیفہ صاحب کو لکھیے، وہ عقلمند ہیں، وہ اس تجویز کو پسند فرمائیں گے، اس کے لیے دور اندیشی کی ضرورت ہے۔

اس وقت حکیم صاحب، اخبار نویس بلکہ حاجی بہادر شاہ خاں تک نے مولوی صاحب کو اشارہ کیا کہ وینتورا جو کچھ کہہ رہا ہے، اس کو قبول کرلیں، مگر مولوی صاحب اپنی عقلِ دور اندیش سے معاملے کی تہ تک پہنچ گئے (۱) اور فرمایا یہ بات اس لیے تو مناسب ہے، جو ملک

---

(۱) وینتورا کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح سید صاحبؒ تحفے میں ایک گھوڑا وینتورا کے پاس بھیج دیں اور وہ اور مہاراجہ [illegible] حکومت لوگوں میں مشہور کرسکے کہ سید صاحبؒ نے نعلبندی دے کر مہاراجہ کی حکومت کا باجگزار اور علاقہ دار ہونا منظور [illegible] مولوی خیر الدین صاحب اس نکتے کو سمجھتے تھے، اس لیے وہ کسی طرح گھوڑے کے تحفے کا اقرار نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اور جاگیر پر قابض ہو، لیکن اس شخص کے لیے مناسب نہیں، جس نے جہاد محض اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے شروع کیا ہو، جس طرح جو شخص نماز، روزہ اور دوسرے اعمال صالحہ محض خلق اللہ میں بزرگی حاصل کرنے کے لیے کرے، عذاب و وبال کا مستحق ہوتا ہے، اسی طرح جہاد فساد نیت کے ساتھ موجب وبال ہے، میں ایسی بات خلیفہ صاحب کو نہیں لکھ سکتا، اس نیت میں ہم اور خلیفہ صاحب یکساں ہیں، فرق اتنا ہے کہ ہم نے ان کو اپنا امام قرار دیا ہے، اس لیے کہ امام کا تقرر شرائط جہاد میں سے ہے جو چیز جہاد کے ثواب کو باطل کرنے والی ہے، اس کے انکار میں ہم اور خلیفہ صاحب برابر ہیں۔

مولوی صاحب کا صاف جواب

ونیتورا نے دو تین بار یہی بات دہرائی، مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس بات کو بار بار دہرانے سے کچھ فائدہ نہیں، گھوڑا تو گھوڑا ہے، ہم تو گدھا بھی تم کو نہیں دیں گے ہمارا تو ارادہ خود آپ سے جزیہ اور خراج لینے کا ہے، ہم آپ کو خراج کیا دیں گے؟

ونیتورا نے کہا کہ اگر خلیفہ صاحب اپنی کرامت سے اس بے سروسامانی اور قلت فوج کے ساتھ ایسی صاحب حشمت و جاہ سرکار پر فتحیاب ہو جائیں، اس صورت میں ہم سرکار خالصہ کو چھوڑ کر خلیفہ صاحب کی طرف رجوع کر لیں گے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں خلیفہ صاحب کا حال تم سے کیا کہوں، آپ نے خود دیکھا نہیں، اگر ملاقات کا حوصلہ ہو، تیار ہو جایئے، ان شاء اللہ آپ ان کی گفتگو سن کر سوائے آمنا وصدقنا، کہنے کے اور کچھ نہ کہیں گے۔

یہ سن کر ونیتورا نے کہا: ''نہیں نہیں'' پھر وہ تھوڑی دیر خاموش رہا اس کے بعد کہا کہ اگر آپ کو اس مضمون کے لکھ کر بھیجنے میں عذر ہے، تو زبانی آپ یہ پیغام پہنچا دیں گے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ کے کچھ کہنے پر منحصر نہیں، میں ذرہ برابر بھی ان سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا اور ساری گفتگو بے کم و کاست نقل کر دوں گا، ونیتورا نے کہا کہ اس کے بعد جو آپ ارشاد فرمائیں، وہ حضور میں ہم تک پہنچا دیں، مولوی صاحب نے فرمایا کہ جواب کا پہنچانا یا نہ پہنچانا ہمارے اختیار میں نہیں، یہ خلیفہ صاحب کی رائے اور حکم پر منحصر ہے، اس وجہ سے

میں اس کا وعدہ نہیں کرتا۔

ویٹنورا نے کہا کہ آپ نے میرے سامنے جو کچھ کہا ہے، کیا آپ کھڑک سنگھ کے سامنے بھی کہہ دیں گے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ کچھ آگے بڑھ کر کہوں گا۔

بات یہاں تک پہنچی تھی کہ ویٹنورا نے کہا کہ آپ اس وقت تشریف لے جائیں، ہم پھر کسی اور وقت بلائیں گے۔

پنجتار پر حملہ کی تیاری اور پسپائی

مولوی صاحب وہاں سے رخصت ہو کر حکیم عزیز الدین کے ڈیرے پر آئے اور کھانا تناول کیا، نماز مغرب تک وہیں رہے، نماز کے بعد اپنے ڈیرے پر آئے، دوسرے روز وزیر سنگھ نے آکر خفیہ طریقے سے بیان کیا کہ آج ظہر کے وقت کھڑک سنگھ کے ڈیرے پر دونوں ولایتی افسر اور خادی خاں کا بھائی امیر خاں اکٹھے تھے، انھوں نے مشورہ کیا کہ یہ مولوی بہت تیز مزاج ہے، ہماری بات قبول نہیں کرتا، پنجتار کی طرف فوج کا جانا ضروری ہے۔

ایک پہر رات رہے کوچ کی تجویز ہوئی، اس کی اطلاع مولانا اسمٰعیل صاحب کو ضرور ہونی چاہیے، اسی وقت مولوی صاحب نے اس ملّا کی معرفت، جس کے یہاں وہ مقیم تھے، ایک شخص کو پنجتار روانہ کیا اور قاصد سے فرمایا کہ جو جو دیہات راستے میں پڑیں، وہاں کے لوگوں کو خبردار کرتے جانا کہ کل سکھوں کا لشکر پنجتار پر چڑھائی کرے گا، اپنی اپنی جان اور مال سے ہوشیار رہیں۔

ایک پہر رات رہے کھڑک سنگھ کے علاوہ تمام لشکر نے زیدے کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، یہاں سے پنجتار چھ کوس ہے، غروب آفتاب کے وقت لشکر میں مشہور ہو گیا کہ آج رات غازی پنجتار سے سکھ لشکر پر شبخون ماریں گے، اس اطلاع سے سارے لشکر میں ایک اضطراب اور انتشار پیدا ہو گیا کہ کوئی اپنے بستر پر آرام سے لیٹ نہ سکا، سب اپنے گھوڑے کی لگام ہاتھ میں لیے کھڑے تھے، چونکہ انھوں نے زمین سے میخیں اکھاڑ لی تھیں، تمام لشکر میں شور بپا ہو گیا، اور ہر شخص بھاگنے کے لیے تیار ہو گیا، ولایتی افسروں نے لشکر کا یہ رنگ دیکھ کر یوسف خان

انجینئر اور دوسرے افسروں کو طلب کر کے کہا کہ آخر، یہ کیا مصیبت ہے اور لشکر پر ہراس کیوں طاری ہے؟ ہر شخص بھاگنے پر تیار ہے، ان کو تسلی دے کر ٹھہرانا چاہیے، افسروں نے حسب الحکم لشکر کو سمجھایا، تھوڑی رات باقی تھی کہ سارا لشکر دریا لنڈے کی طرف چل کھڑا ہوا، اس طرح پر کسی نے کسی کو نہیں پوچھا، پھر نہایت تیزی کے ساتھ پل کے ذریعہ دریا عبور کر کے پل کو توڑ دیا، وہاں کچھ دیر ٹھہر کر ایک پہر دن باقی تھا، اٹک کی طرف کوچ کر گئے۔

سید صاحبؒ کی تحسین وتائید

اسی روز مولوی خیر الدین صاحب پنجتار روانہ ہوئے، وہاں یہ افواہ مشہور ہوگئی کہ مولوی صاحب کو کھڑک سنگھ قید کر کے لاہور لے گیا، اس لیے ان کی تشریف آوری پر لشکر اسلام میں بڑی خوشی ہوئی، امب میں یہی افواہ مشہور ہوگئی، اس لیے مولوی خیر الدین صاحب دوسرے روز ہی عصر کے بعد امب میں پہنچے، ان کے پہنچنے پر سید صاحبؒ غایت مسرت کے ساتھ بہ نفس نفیس ان کی جائے سکونت پر تشریف لائے اور ونٹورا کی ملاقات اور وہاں کا سارا ماجرا سنا، سارا قصہ سننے کے بعد فرمایا کہ شاباش، جزاک اللہ خیراً! آپ نے جو جواب دیا، وہ ہماری مرضی کے عین مطابق تھا، خاص طور پر آپ کے اس جواب سے کہ گھوڑا تو کیا ہم آپ کو گدھا بھی نہیں دیں گے، بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ بات آپ نے میرے دل کی فرمائی، اسی غرض کے لیے ہم آپ کو بھیجا تھا، دوسرے سے یہ کام ہونا مشکل تھا، یہ بھی آپ نے اچھا کیا کہ جواب بھیجنے کا وعدہ نہیں کیا(۱)۔

---

(۱) منظورة السعداء، ص ۷۹۴ تا ۸۱۰

تیئسواں باب

ملک سمہ کی دوبارہ تسخیر وانتظام اور جنگ مردان

قاضی حبان صاحب کی تجویز

جس زمانے میں سید صاحبؒ کے حکم سے مجاہدین نے پائندہ خاں کی درخواست پر کھبل بائی سے اپنا لشکر اٹھالیا، اسی زمانے میں قاضی حبان صاحب نے سید صاحبؒ سے ایک روز عرض کی کہ ہم سب سوار اور پیادے یہاں معطل بیٹھے ہیں اور تمام ملک سمہ کا باغی اور ناموافق سا ہورہا ہے، اگر آپ میرے ہمراہ کچھ لشکر کردیں اور مجھ کو امیر کرکے اُدھر کو روانہ فرمادیں، تو میں وعظ ونصیحت کرکے وہاں کے لوگوں کو موافق کروں اور جو لوگ نہ مانیں، ان کو بزور راہ پر لاؤں، مگر شرط یہ ہے کہ آپ مجھ کو اختیار کل دے دیں، جیسا میں مناسب جانوں، ویسا کروں، اس لیے کہ میں اس ملک کا بھیدی ہوں، مولانا صاحب کو بھی آپ میرے ہمراہ کردیں تاکہ میں جو کام خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف کروں، مولانا صاحب مجھے وہ کام نہ کرنے دیں۔

سید صاحبؒ نے ان کا مشورہ پسند فرمایا اور قاضی صاحب کو نصیحت کی کہ خدا اور رسولؐ کے خلاف اپنے نفس کی خواہش کا کوئی کام نہ کریں، اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے

فرمایا کہ آپ بھی قاضی صاحب کے ہمراہ جائیں، رسالدار عبدالحمید خاں کو مع تمام سواروں کے قاضی صاحب کے ساتھ کیا اور لوگوں کو تاکید کی کہ بلا انکار قاضی صاحب کی اطاعت کریں اور دعاء خیر کر کے ان کو رخصت کیا۔

قاضی صاحب کے ساتھ تین سو سوار، ڈھائی سو پیادے، ایک اونٹ پر نقارہ اور اونٹوں پر چھ ضرب زنبورک تھے۔

قاضی صاحب پنجتار میں

پنجتار میں قاضی صاحب نے فتح خاں کے مشورے سے زیدے کے فتح خاں اور ارسلان خاں کلابٹ والے ابراہیم خاں اور اسمٰعیل خاں اور مرغز والے سرفراز خاں اور جو خان اور ملِک سکھوں سے بھاگے ہوئے تھے، ان سب کو بلا کر جمع کیا اور فتح خاں نے ان سے قاضی صاحب کا منشا ظاہر کیا کہ سمہ میں جہاں جہاں سکھوں نے مسلمانوں کی زمین دبالی ہے، ان پر لشکر کشی کی جائے اور ملک ان سے خالی کرالیا جائے، ان سب نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور اپنی بستی کے علماء کو بلایا اور سب کے سامنے وہی تقریر کی، وہ سب اس امر پر متفق ہوئے اور کہا: ہم سب اس امر میں تمھارے شریک ہیں، فتح خاں نے ان سب علماء و خوانین سے کہا کہ ہم اپنی قوم سے قاضی صاحب کو عشر بھی دلوائیں گے اور جب تم اپنی اپنی بستی پر قابض ہو جاؤ گے تو تم سب کو بھی دینا پڑے گا، ان سب نے قبول کیا۔ البتہ علماء کے درمیان کچھ قیل و قال ہوئی، اس لیے کہ یہی ان کا ذریعہ معاش تھا، قاضی صاحب نے اگلے روز ان علماء سے گفتگو کی اور ثابت کیا کہ عشر امام کا حق ہے، اور امام غازیوں اور محتاجوں اور مستحقین کو پہنچانے کا ذمہ دار ہے، علماء نے بالآخر قبول کر لیا، قاضی صاحب نے علماء سے کہا کہ آپ اپنی بستیوں میں جا کر وہاں کے علماء ملک اور خوانین کو فہمائش کیجیے کہ سکھوں کی اطاعت چھوڑ دیں مسلمانوں کے شریک ہوں اور سکھوں کو اپنے ملک سے نکالیں۔

ہنڈ کی تسخیر

اس عرصے میں قاضی صاحب نے کھلابٹ کو تسخیر کر کے اس کا بندوبست کیا، پھر اسی

طرح مرغز، ٹھنڈ کوئی اور موضع کنڈی اور پنج پیر کا انتظام کیا اور معتمد آدمیوں کے سپرد کیا، ہنڈ پھر سکھوں کے قبضے میں چلا گیا تھا، ان کو جب غازیوں کی جا بجا فتوحات کی اطلاع ملی، تو انھوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اب یہ سب مسلمان آپس میں ایک ہو جائیں گے اور ہم مفت میں خراب ہوں گے، اب یہاں رہنا ہمارے لیے مناسب نہیں، اسی وقت سے انھوں نے اپنا اسباب و سامان قلعے سے دریائے اٹک کے پار بھیجنا شروع کر دیا اور سات سکھ اور ہتھیار رہ گئے، اس عرصے میں عبدالحمید خاں رسالدار ہنڈ کا اندازہ کرنے کے لیے ایک سوار لے گئے قلعے والوں نے گھوڑوں کی آواز پر کچھ بندوقیں سر کیں، ادھر سے شاہین والوں نے گولیوں سے جواب دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکھوں نے رات بھر میں قلعہ خالی کر دیا، کچھ طالب علموں نے قاضی صاحب کو آ کر اطلاع دی کہ ہنڈ کا قلعہ خالی پڑا ہے، قاضی صاحب مولانا اسمٰعیل صاحب کی معیت میں شہر میں داخل ہوئے، دروازوں پر پہرے لگا دیے اور رعایا کی تسلی کی اور ان کو امن دی اور اپنے لشکر میں کہہ دیا کہ کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔

دوسرے دن فتح خاں پنجتاری اور زیدہ کے فتح خاں اور ارسلان خاں مبارکباد کے واسطے آئے، پہلے قاضی صاحب نے خوانین اور اہل الرائے حضرات سے مشورہ کر کے اس قلعے کے کھودنے کا حکم دیا، اطراف کے ہزاروں آدمی اس کے کھودنے میں لگ گئے لیکن قلعہ نہایت سنگین و مستحکم تھا، قاضی صاحب نے اس کا کھودنا موقوف کیا، قاضی صاحب نے فتح خاں اور ارسلان خاں سے کہا کہ آپ اپنے زیدہ کو آباد کریں اور اس قلعہ ہنڈ کی حفاظت کریں، ان دونوں نے منظور کیا۔

ادائے عشر اور اطاعت و شرکت کا دوبارہ اقرار

اس کے بعد قاضی صاحب نے موضع نوی کلی اور موضع شیخ جانا (جن میں قوم رزڑ آباد تھی) کی تسخیر کا ارادہ کیا اور سید صاحب کے پاس سے کچھ اور لشکر طلب کیا، مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی کچھ فوج لے کر آئے، قوم رزڑ کے لوگ مشکار خاں اور آنند خاں، محمود خاں، منیر خاں اور مبین خاں کی فہمائش سے قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے،

امان زئی کے خوانین اوراطراف کے لوگوں کوایک جگہ جمع کیا۔ ان سب نے مشورہ کر کے قاضی صاحب سے عرض کیا کہ ہم سب نے عشر دینے اوراطاعت وشرکت کرنے کا جو عہد و پیمان کیا تھا، اسی عہد و پیمان پر اب بھی قائم ہیں، ان شاء اللہ کسی طرح کا فرق نہیں پڑے گا۔

خان ہوتی کی سرکشی

تیسرے، چوتھے روز قاضی صاحب نے موضع کاٹ لنگ اور موضع لوند خوڑ کے خانوں اور موضع ہوتی کے خان احمد خاں کو بلایا، سب خوانین حاضر ہوئے اور عشر واطاعت میں شرکت قبول کی، مگر ہوتی کا رئیس احمد خاں نہ آیا اور زبانی کہلا بھیجا کہ قاضی صاحب سے ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ ہم آٹھویں دن آ کر ملاقات کریں گے۔

ادھر اس نے اپنے بھائی رسول خاں کو مردان بھیجا اور کہا کہ وہاں اچھی طرح انتظام اور حفاظت سے رہنا کہ یہاں سید بادشاہ کا لشکر پڑا ہے اور تمام خوانین ان کے متفق ہیں، ایسا نہ ہو کہ ادھر کا ارادہ کریں اور ہوتی میں اپنے نوکروں چاکروں کو متعین کیا کہ تم یہاں بڑی حفاظت اور ہوشیاری سے رہنا اور خود لشکر لینے پشاور روانہ ہو گیا، قاضی صاحب کو اس کی اطلاع ملی، قاضی صاحب نے ہوتی کے حالات پر خفیہ طور پر معلوم کیے اور لشکر کو تیار رہنے کا حکم دیا اور ایک دن اچانک ہوتی کی طرف روانہ ہو گئے۔

مجاہدین ہوتی مردان میں

ہوتی کے لوگ گھوڑوں کی آواز سے، جو اس وقت ہنہناتے تھے اور خاموش نہیں ہوتے تھے، ہوشیار ہو گئے اور نقارہ بجنے لگا، قاضی صاحب نے لشکر کو ٹھہرا دیا اور اپنے مشیروں سے فرمایا کہ ہوتی میں نقارہ بج رہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کسی جاسوس نے ان کو خبر دار کر دیا ہے، اب کیا تدبیر ہے؟ مولانا اور رسالدار عبدالحمید خاں نے کہا کہ قاضی صاحب وہاں سے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے پہنچایا ہے، اب پیچھے ہٹنا مناسب نہیں، اگر چھاپا نہ ہوا، تو دن کی لڑائی سہی، امید قوی ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ان پر غالب ہوں گے، قاضی صاحب نے فرمایا کہ آپ

نے میرے دل کی بات کہی اور بسم اللہ کر کے آگے بڑھے اور ایک طرف سے مولوی مظہر علی صاحب دوسری طرف سے رسالدار عبدالحمید خاں نے شہر پر حملہ کیا، قاضی صاحب اپنے لوگوں کے ساتھ بستی کے دروازے کی طرف چلے اور ہلہ کر کے بستی میں گھس گئے (۱)۔

وہاں کے لوگ کچھ بھاگ کر گڑھی میں جا گھسے اور باقی مردان کی طرف بھاگ گئے، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور قاضی صاحب حملہ کر کے گڑھی میں گھسے اور گڑھی والے سمٹ کر شمالی فصیل کی طرف جا کھڑے ہوئے، مولوی مظہر علی صاحب کو جنھوں نے کھلیانوں کی طرف سے حملہ کیا تھا، بندوق کی گولی لگی اور وہ زمین پر گر گئے، جو شخص ان کے پاس سے گزرتا اور ان کا حال دریافت کرتا بلند آواز سے فرماتے جلدی جاؤ میں بھی آتا ہوں، لوگ سمجھتے کہ شاید پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہے، وہ نکالنے کے لیے بیٹھے ہیں، اتنے میں مولانا اسمٰعیل صاحب پاس سے گزرے، آپ نے بھی حال دریافت کیا، فرمایا: ہماری فکر نہ کیجیے، فتح کے بعد تحقیق فرمالیجئے گا۔(۲)

مستامن (۳) کا مال

شمالی فصیل کی طرف سے کچھ لوگوں نے مجاہدین کی طرف مخاطب ہو کر آواز دی کہ سوار بھائیو، تم میں کوئی ہندوستانی بھی ہے، گلاب خاں نے کہا: ہاں، تمھارا کیا مطلب ہے؟ اس نے کہا: اگر ہندوستانی ہو، تو ادھر آؤ، ہم کچھ کہیں، اس نے کہا کہ تم لوگ سید بادشاہ کے ہندوستانی غازی سچے اور اپنے عہد و پیمان کے پورے ہوتے ہو اور ملکیوں کے قول و قرار پر ہم کو اعتماد نہیں، ہم تم سے امن چاہتے ہیں، اس لیے کہ تمھارے مجاہدین گڑھی کے اندر آگئے ہیں، گلاب خاں نے کہا کہ ہم اس کے ذمے دار نہیں تم جتنے آدمی ہو، سب دیوار پھاند کر ہماری طرف چلے آؤ، تم سب کو امن ہے، ان شا اللہ تعالیٰ تم سے کوئی مزاحم نہ ہوگا، وہ سب کود کر آگئے، گلاب خاں ان سب کو مولانا اسمٰعیل صاجب کے پاس لے گئے اور ان لوگوں کا حال

---

(۱) وقائع احمد (۲) منظورۃ السعداء

(۳) مستامن، شریعت کی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کو جنگ کی حالت میں امن دیا گیا ہو۔

بیان کیا کہ میں اس طرح ان کو امن دے کر گڑھی سے نکال لایا ہوں، ان لوگوں کے پاس ایک بندوق بہت خوبصورت اور عمدہ تھی، گلاب خاں نے کہا: یہ بندوق میں باندھوں گا، آخر اور سب مال غنیمت میں داخل کی جائیں گی، یہ بات سن کر مولوی امیر الدین صاحب نے خفا ہو کر کہا کہ تمہیں اس مسئلے کی ابھی تک خبر نہیں ہے کہ یہ لوگ امن دے کر نکالے گئے ہیں، ان کا اسباب نہ بیت المال میں داخل ہوگا، نہ کسی کو لینا درست ہے، ان کا جو کچھ مال واسباب ہے، انھیں کو ملے گا، ایسی باتوں سے تم توبہ کرو، مولانا نے فرمایا کہ ان کے سب ہتھیار ان کے حوالے کرو اور جو ان کے سنگروں میں بارود ہو، وہ جھڑواڈالو اور اپنے یہاں کے پانچ سوار ان کے ساتھ کر دو کہ ان کو کوس سوا کوس ہوتی سے پرلی کی طرف پہنچا کر چلے آئیں، پھر سب ہتھیار ان کے حوالے کیے(۱)۔

مردان کی فتح اور قاضی حبان صاحب کی شہادت

مولانا اسمٰعیل صاحب اور قاضی حبان صاحب ہوتی کا انتظام کر کے مردان تشریف لے گئے، مردان کے ایک برج پر سے بندوقیں چل رہی تھیں، اس میں ایک ملکی طالب علم اور ایک جوان ہندوستانی شہید ہوا، برج والے نے گلی کو باندھ رکھا تھا، قاضی صاحب جوش میں آ کر چند آدمیوں کے ساتھ نکلے اور لوگ تو سلامت نکل گئے، مگر قاضی صاحب کے سر میں گولی لگی، اسی جگہ گر گئے اور شہید ہوئے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو قاضی صاحب کی شہادت کی اطلاع ملی تو فرمایا: الحمدللہ! قاضی القضاۃ اپنی دلی مراد کو پہنچے، لیکن اس وقت ان کی شہادت کا تذکرہ بلند آواز سے نہ کیا جائے تا کہ دشمن کو ہمارے لشکر کے امیر کی شہادت کی اطلاع نہ ہو۔

مولانا نے رسالدار عبدالحمید خاں سے کہا کہ جلد چالیس، پچاس سوار اپنے وہاں بھیجو، وہ دو ضرب شاہین لے جائیں اور برجوں کی بندوق بند کریں، اسی وقت سوار شاہینیں لے کر پہنچے اور برج کے مقابل ایک مکان میں دونوں شاہینیں لگائیں اور مارنے لگے اور

(۱) وقائع

بندوقیں بھی چلانے لگے یہاں تک کہ برج سے بندوق چلنی موقوف ہوئی، شاہینیں تو وہیں چلتی رہیں اور لوگ مکانوں کی آڑ ہی آڑ ہوکر دیوار کے قریب پہنچ گئے، ایک برج کی بندوقیں موقوف نہیں ہوتی تھیں، ملا لعل محمد قندھاری نے پشتو میں کہا: "اندر پایہ راورہ، اندر پایہ راورہ" یعنی سیڑھی لاؤ، سیڑھی لاؤ، حالانکہ وہاں کوئی سیڑھی نہ تھی، لیکن برج والے سمجھے کہ اب غازی سیڑھی پر چڑھ کر برج پر آجائیں گے، انھوں نے امان طلب کی اور بندوقیں موقوف کیں۔

گڑھی والوں نے جانا کہ غازی گڑھی میں آلپٹے، اس وقت احمد خاں کا بھائی رسول خاں گڑھی کے تہ خانے میں ناچ دیکھ رہا تھا، لوگوں نے کہا کہ خان، بیٹھے کیا کرتے ہو؟ غازی تو گڑھی سے آلپٹے اور ان کی شاہین کی گولی برج میں کھڑا ہونے نہیں دیتی، یہ خبر سن کر وہ اٹھا اور برج پر چڑھ کر دیکھا کہ فی الحقیقت غازی گڑھی کے نیچے تھے، گھبرا کر لوگوں سے کہا کہ چادر ہلا دو، انھوں نے جلدی برج پر چڑھ کر چادر ہلائی اور امن مانگی مجاہدین کی طرف سے شاہین اور بندوق چلنی بند ہوئی۔

لوگوں نے جا کر مولانا سے اطلاع کی کہ لوگ چادر ہلاتے ہیں اور امن چاہتے ہیں، مولانا تشریف لے گئے اور رسول خاں سے فرمایا کہ تم اپنے آدمیوں کو لے کر گڑھی سے باہر نکل آؤ، تم کو امن ہے، مگر احمد خاں کا جو مال واسباب ہو، اس میں دست اندازی نہ کرنا، وہ مال واسباب غنیمت کا ہے، اس لیے کہ وہ باغی ہیں، اس کے علاوہ جو مال واسباب تمھارا یا رعایا کا ہو، اس کو امن ہے، جس کا ہو وہ اٹھا لائے، ہم کو کچھ غرض نہیں۔

رسول خاں بیس پچیس آدمی گڑھی سے باہر لے کر نکل آیا، جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ قاضی حبان صاحب شہید ہو گئے تو وہ سمجھا کہ مجھ کو انھوں نے گرفتار کرلیا، مولانا نے اس کو حواس باختہ دیکھ کر اس کی تسلی ودلجمعی کی اور عہد و پیان مضبوط لے کر فرمایا کہ خبردار، اب تم کبھی ہم سے بغاوت نہ کرنا، اب ہم اپنی طرف سے تم کو مردان اور ہوتی سپرد کرتے ہیں اور رسالدار عبدالحمید خاں سے فرمایا کہ تم اپنے سو غازی لے کر رسول خاں کے ساتھ جاؤ اور ہماری طرف سے ان کو گڑھی میں بٹھا دو اور جو جو مال واسباب ان کے بھائی احمد خاں کا ہوگا، یہ

بتاتے جائیں گے، تم وہاں سے بھیجتے جانا۔

رسالدار صاحب اسی وقت رسول خاں کو گڑھی میں لے گئے اور اپنے لوگوں سے کہہ دیا کہ خبردار کوئی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے، پھر رسول خاں سے احمد خاں کا مال واسباب طلب کیا اور جو جو اس نے بتلایا اپنے قبضے میں کیا، اسی طرح ہوتی کی گڑھی میں بھی رسول خاں کا قبضہ کروادیا(۱)۔

لوٹ کے مال کی واپسی

موضع مردان کے چند آدمی مولانا کے پاس آئے اور عرض کی کہ آپ کے امن دینے کے بعد آپ کے ملکی غازیوں نے ہمارا کچھ کچھ اسباب گھروں سے اٹھالیا ہے، مولانا نے ایک غازی ان کے ساتھ کردیا اور فرمایا کہ تم ان کو بتادینا، یہ ان کو ہمارے پاس بلالائیں گے، وہ غازی ان کو مولانا کے پاس بلالایا، وہ فقط تین یا چار آدمی تھے، مولانا نے ان سے پوچھا کہ تم نے ان کا کیا کیا مال واسباب لیا ہے، انھوں نے جو کچھ لیا تھا، وہ لاکر رکھ دیا، وہ صرف تین یا چار لنگیاں تھیں اور چھ یا سات کھادی کے تھان، مولانا نے ان سے پوچھا کہ تمھارا یہی مال واسباب ہے، یا کچھ اور بھی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ یہی اسباب ہے اور کچھ نہیں، مولانا نے ان تینوں چاروں غازیوں سے فرمایا کہ بھائیو، تم نے بہت نامناسب حرکت کی کہ امن دینے کے بعد ان کا اسباب لے لیا، اس طرح کا نقد یا اسباب لینا حرام ہے، خبردار! اب پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا، ہر بھائی مسلمان اس کو یاد رکھے کہ حربی کافروں اور باغی مسلمانوں کے علاوہ ہر مسلمان کی جان وعزت اور مال مسلمان پر حرام ہے، وہ اپنی حرکت سے نادم ہوئے، اور عرض کی کہ ہم سے خطا ہوئی، ہم کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا، اب ہم توبہ کرتے ہیں۔

جب ہوتی والوں نے یہ حال دیکھا کہ مولانا نے مردان والوں کا اسباب واپس کروادیا، تو ان سب نے مل کر اپنے اپنے مال کی مولانا سے نالش کی، ان کا بہت مال واسباب ملکی غازیوں نے لے لیا تھا، مولانا نے دس بارہ غازی مقرر کیے کہ لشکر میں خبر کردو کہ ہوتی کا مال

---

(۱) وقائع

واسباب جس جس کے پاس ہو وہ لا کر ہمارے پاس جمع کریں، اس حکم کے سنتے ہی جس کے پاس جو کچھ تھا، اس نے لا کر حاضر کیا اور لوگ اپنا اپنا مال پہچان کر لے گئے (۱)۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا وعظ و نصیحت

بعض بعض ولایتیوں اور قندھاریوں کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی، مولانا نے ظہر کی نماز کے بعد فرمایا کہ امیر کی اطاعت ہر ایک پر فرض ہے، ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس کا حکم ماننے میں چون و چرا نہ کرے اگرچہ اپنے نفس کے خلاف معلوم ہو، ہم نے سنا ہے کہ آج جو لوگوں کا مال واسباب واپس ہوا، تو بعض بعض بھائیوں کو ناگوار گزرا، یہ بات نہ چاہیے۔ ہم نے خدا و رسولؐ کے حکم کے موافق واپس کروادیا ہے، اس مال کا لینا بھائیوں کو درست نہ تھا، اس بات سے تو خوش ہونا چاہیے اور شکر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو قیامت کے مواخذے سے بچایا اور جو کسی کے دل میں بشریت کی راہ سے کچھ خطرہ نفسانی آیا ہو، تو اس سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، امید ہے کہ بخش دے گا۔

اسی قسم کے بہت سے مسائل، جو مناسب وقت تھے، بیان کیے، مولانا کی نصیحت سن کر جنھوں نے اسباب لیا تھا، اپنے دل میں بہت نادم ہوئے اور کہا کہ مولانا نے حق فرمایا۔(۲)

عشر کے تحصیلداروں کا تقرر

مولانا یہاں سے امازئی (۳) میں تشریف لے گئے اور وہاں مختلف مواضعات کے خوانین کو جمع کر کے فرمایا کہ تم سب صاحبوں نے قاضی حبان صاحب کو عشر دینے کا اقرار کیا تھا، اب اس وقت تمھاری ربیع کی فصل تیار ہے، اب تم کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم اپنے عہد پر قائم ہیں، جہاں کہیں ارشاد ہو، وہیں ہم سب پہنچا دیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے چند غازی ہمارے ضلع میں تحصیل عشر کے واسطے مقرر کر دیں۔

(۱) وقائع (۲) وقائع

(۳) امازئی یا امان زئی، دراصل قوم کا بھی نام ہے اور یہ قوم جہاں آباد تھی وہ گڑھی امازی کہلاتی تھی۔ آج کل امازو گڑھی کے نام سے مشہور قصبہ مردان سے تقریباً آٹھ میل بہ جانب مشرق واقع ہے۔

مولانا نے اس کو بہت پسند کیا اور حاجی بہادر شاہ رامپوری کو تحصیل عشر کے واسطے مقرر کیا اور کوئی پندرہ ہندوستانی اور ولایتی آدمی ان کے ساتھ کر دیے اور ان کو سمجھا دیا، اور حاجی محمود خاں کو علاقہ سدم کی تحصیل عشر کے واسطے مقرر کیا، اور کوئی دس ہندوستانی غازی ان کے ساتھ کر دیے، اور مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی کو بیس پچیس غازیوں کے ساتھ پنجتار روانہ کیا اور اگلے روز امان زئی سے روانہ ہو کر پنجتار میں قیام فرمایا، موضع ٹوپی میں تحصیل عشر کے واسطے مولوی نصیر الدین منگلوری کو مقرر کیا اور اٹھارہ بیس موضعات کا عشر ان کے ذمے کیا، اور سردار فتح خاں کے علاقے کے عشر کے لیے خود خان موصوف کو مقرر کیا۔

اس عرصے میں موضع امب سے سید صاحبؒ کا فرمان پہنچا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لے آیئے اور رسالدار عبدالحمید خاں کو مع سواروں کے ملک سمہ کے دورے کے واسطے چھوڑ دیجیے، مولانا نے رسالدار صاحب کو اس علاقے کا ذمے دار اور مختار کار بنایا اور ان کو تاکید کی کہ وہ اس علاقہ کا برابر دورہ کرتے رہیں اور کوئی کسی پر ظلم و تعدی نہ کرنے پائے، رسالدار صاحب کے ساتھ پانچ سو سوار کے قریب تھے، وہ سب ان کے ساتھ رہے۔

مولانا دو سو پیادوں کے ہمراہ امب میں داخل ہوئے اور ملک سمہ کے سب حالات سید صاحبؒ کو سنائے، قاضی صاحب کی شہادت کا حال سن کر سید صاحبؒ بہت غمگین ہوئے ان کی خوبیاں بیان کیں اور فرمایا کہ قاضی صاحب دینداری کے ہر فن میں کامل تھے، الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مقصود دلی کو پہنچایا، پھر آپ نے برہنہ سر ہو کر ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔

قاضی صاحب کے بعد مولانا جو عشر وغیرہ کا انتظام کر کے آئے تھے، وہ سب آپ کے سامنے پیش کیا، آپ بڑے خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔(۱)

---

(۱) وقائع

چوبیسواں باب

سلطان محمد خاں کی لشکر کشی

درانیوں کا لشکر ہوتی کو

وقائع میں ہے کہ موضع تورو سے دلیل خاں نے اطلاع کی کہ احمد خاں، جو درانیوں کا لشکر پشاور لینے گیا تھا، اب لشکر لیے ہوئے آتا ہے، رسالدار عبدالحمید خاں نے سردار فتح خاں کے مشورے سے سید صاحبؒ کو اس خبر کی اطلاع کی، سردار سلطان محمد خاں نے ملک سمہ کے خوانین کو ڈرایا دھمکایا کہ تمھارے ملک میں ہمارا بھائی یار محمد خاں مارا گیا ہے اور مردان اور ہوتی کو بھی تم نے چھنوا دیا ہے، اب ہم آتے ہیں تم سب سے سمجھیں گے اور اپنا عوض لیں گے، لشکر کے ساتھ سردار سلطان محمد خاں، سردار پیر محمد خاں، سردار سید محمد خاں اور عظیم خاں کا بیٹا حبیب اللہ خاں بھی تھا۔

خوانین کا مشورہ

رسالدار عبدالحمید خاں نے سردار فتح خاں کے ذریعہ علاقے کے تمام خوانین کو جمع کروایا اور مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے، ان سب کا یہی مشورہ ہوا کہ سید صاحبؒ کو اس کی اطلاع دینی چاہیے، آپ کا تشریف لانا ضروری ہے، چنانچہ ان سب کی طرف سے اس مضمون کی ایک عرضداشت لکھی گئی کہ درانیوں کا لشکر ہماری طرف آتا ہے، ہم سب نے مشورہ کیا ہے کہ

آپ یہاں تشریف لائیں اور ہم لوگ آپ کے لشکر کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے بڑھیں۔

سید صاحبؒ پنجتار میں

سید صاحبؒ نے رسالدار صاحب کو لکھا کہ تم اپنے سوار لے کر امان زئی کی گڑھی میں ڈیرہ کرو، اس میں اس علاقے کے لوگوں کو تقویت اور تسلی ہوگی اور ان خوانین کے سوال وجواب میں فتح خاں کو لکھا کہ تم سب خوانین کی تسلی کرو کہ کسی امر کا اندیشہ نہ کریں، اللہ تعالیٰ سب طرح سے خیر کرے گا، ہم نے رسالدار عبدالحمید خاں کو لکھا ہے، وہ تمھارے یہاں کوچ کر کے امان زئی کی گڑھی میں جا کر ڈیرہ کریں گے، ہم بھی جلد ان شاء اللہ تعالیٰ تمھارے یہاں آتے ہیں۔

آپ نے امب سے کوچ کی تیاری کی، مولوی خیرالدین صاحب شیرکوٹی کو چھتر بائی میں برقرار رکھا، حافظ مصطفیٰ کاندھلوی کو ان کی مدد کے لیے دیا، مولانا اسمٰعیل صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب پھلتی کو امب میں مقرر کیا اور چھتر بائی اور امب میں تین سو کے قریب آدمی چھوڑے اور اتنے ہی آدمی اپنے ہمراہ لے کر کوچ کیا اور پنجتار پہنچ کر اپنے قدیم برج میں قیام فرمایا، آپ نے ان سب خوانین کو پنجتار میں طلب فرمایا، جنھوں نے آپ کے بلانے کے واسطے خط بھیجا تھا اور ان سے گفتگو کی۔ عشر کا غلہ، جو جا بجا جمع تھا اس کو محفوظ کرنے کے لیے دو جگہ جمع کرنے کا بندوبست کیا۔

تورو میں

چند دن کے بعد یہ اطلاع ملی کہ درانیوں کا لشکر چمکنی سے کوچ کر کے دریا لنڈے سے اتر کر چارسدے میں آگیا، آپ نے کوچ کی تیاری کی اور ضروری اسباب تیار کر کے پنجتار سے روانہ ہوگئے، آپ کے ہمراہ چار سو آدمیوں سے زائد تھے، امان زئی کی گڑھی میں آپ نے قیام فرمایا، درانیوں نے چارسدے سے کوچ کر کے موضع اتمان زئی میں ڈیرہ کیا تھا۔ جب انھوں نے سید صاحبؒ کو سنا کہ آپ پنجتار سے امان زئی کی گڑھی میں داخل ہوئے تو

وہ اتمان زئی سے کوچ کر کے موضع ہوتی میں آ کر ٹھہرے، جب یہ خبر آپ کو ہوئی تو آپ امان زئی کی گڑھی سے کوچ کر موضع تورو میں تشریف لے گئے اور وہیں ڈیرہ کیا۔

سرداران پشاور کو فہمائش و نصیحت

سید صاحبؒ نے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو، جو موضع تورو کے رہنے والے تھے، اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ ہماری طرف سے تم سردار سلطان محمد خاں کے پاس جاؤ اور ان کو سمجھاؤ کہ ہم ہندوستان سے اپنا گھر بار چھوڑ کر محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے اس ملک میں آئے ہیں کہ کافر لاہور سے جہاد کریں اور تم سب مسلمان بھائی ہمارے شریک ہو، یہاں کے اور مسلمانوں سے پہلے تم نے ہمارے ہاتھ پر بیعت کی ہے، حیرت کا مقام ہے، کہ ہم مسلمانوں کی شرکت چھوڑ کر تم نے کافروں اور باغیوں کی رفاقت اختیار کی، تم کو مناسب ہے کہ ہم مسلمانوں سے مقابلہ نہ کرو اور اپنے شہر کو جاؤ، ہمکو کسی طرح یہ بات منظور نہیں کہ مسلمانوں سے جدال و قتال کریں، اگر تم نہ مانو گے، تو یہ بات سمجھ لو کہ اس میں تمھارے دین کا بھی نقصان ہے، اور دنیا کا بھی، ہم نے اپنی حجت شرعی تم پر قائم کر دی، آگے تم جانو، چار ملا اور بھی ان کے ساتھ گئے۔

سلطان محمد خاں کا جواب

تیسرے روز انھوں نے آ کر کہا کہ سلطان محمد خاں نے آپ کے پیغام کے جواب میں کہا کہ تم ہم سے ابلہ فریبی کی باتیں کرنے آئے ہو کہ سید بادشاہ فرماتے ہیں کہ ہم ہندوستان سے اس ملک میں محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے آئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارا مقابلہ نہ کرو، اپنے وطن کو چلے جاؤ نہیں تو تمھارا دین و دنیا میں نقصان ہوگا، ہم ان کے ان فریبوں میں ہرگز نہیں آئیں گے بھلا ہم ان کی ایسی دینداری اور پرہیزگاری کی باتوں کو کیونکر مانیں اور سچ جانیں؟ اول تو انھوں نے ہمارے بھائی یار محمد خاں کو قتل کیا اور مسلمانوں کے لشکر کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا، علاوہ اس کے احمد خاں کے موضع مردان اور ہوتی کو تاراج کیا، جہاد فی سبیل اللہ انھوں نے اسی کا نام رکھا ہے، ہمارے بھائی یار محمد خاں پر انھوں نے رات

کو چھاپہ مارا تھا اس میں وہ فتحیاب ہو گئے، اب دن دو پہر ہم سے مقابلہ کریں، تب ان کی للّٰہیت اور شجاعت کا حال معلوم ہو، اور دو چار دن کے عرصے میں جو ہو گا دیکھ لینا۔

سید صاحبؒ کی طرف سے اتمام حجت

مولوی عبدالرحمٰن صاحب سے سردار سلطان محمد خاں کی یہ پوری تقریر سن کر سید صاحبؒ نے فرمایا کہ اب کی بار تم پھر جاؤ اور نرمی کے ساتھ ہماری طرف سے ان کو سمجھاؤ کہ تم ناحق پر اصرار نہ کرو، خدا سے ڈرو اور اس بات کو یاد کرو کہ جب ہم اول ملک سندھ سے آئے اور تمھارے قلعہ قاضی میں اترے اور تم استقبال کر کے ہم کو وہاں سے کابل لے گئے اور وزیر کے باغ میں تم نے ہم کو اتارا، ہماری ضیافتیں کیں، ہم نے تم لوگوں کو جہاد کی دعوت دی، تم نے اور تمھارے بھائی یار محمد خاں اور بہت صاحبوں نے ہمارے ہاتھ پر بیعت کی اور اس بات کا عہد و پیمان کیا کہ ہم جان و مال سے تمھارے اس کار خیر میں شریک ہیں، ان دنوں تمھارے اور تمھارے بھائی دوست محمد خاں کے درمیان ناچاقی تھی، ہم نے چالیس روز وہاں للہ فی اللہ اس واسطے قیام کیا کہ تمھارے درمیان صلح کرا کے تم کو ملا دیں کہ تم آپس کے نزاع چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللہ میں ہمارے شریک ہو اور کافر لاہور سے لڑو کہ اسلام کی ترقی ہو، مگر تم کسی طرح ہمارے ملانے سے نہ ملے، اپنے ہی اصرار پر قائم رہے، تمھارے بھائی دوست محمد خاں نے علانیہ ہم سے کہا کہ میں سچا مسلمان ہوں، جس اعتقاد اور صاف دلی سے میں آج آپ سے ملا ہوں، اسی طرح زندگی بھر آپ سے ملتا رہوں گا، اور یہ میرے بھائی منافق اور دغاباز ہیں، یہ آپ سے کبھی وفا نہ کریں گے، ہم نے ان کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا۔

پھر جب وہاں سے ہم پشاور ہوتے ہوئے ملک سمہ میں آئے اور بدھ سنگھ سے مقابلہ ہوا، تو وہی بات، جو تمھارے بھائی دوست محمد خاں نے کہی تھی، پیش آئی، پھر تمھارے بھائی یار محمد خاں نے سکھوں سے خفیہ مل کر واللہ اعلم بالصواب ہم کو زہر بھی دیا، مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بچالیا، مقابلہ کفار کے وقت وہ طرح دے کر آپ بھاگ گیا، لڑائی بگڑ گئی، چند روز کے بعد وہ خود فوج کشی کر کے پشاور سے ہمارے اوپر چڑھ آیا، ہم نے آدمی بھیج کر اس کو بھی بہت

سمجھایا، مگر وہ اپنی شامت نفس سے نہ سمجھا، آخر مارا گیا، اس میں ہماری کون سی خطا ہے۔

اسی طرح یہاں کے تمام ملک وخوانین نے بیعت امامت کی اور سب نے عشر دینے کا اقرار کیا، ان میں احمد خاں بھی تھا، اب کی بار جب اس عشر کے بندوبست کے لیے سب ملک اور خوانین بلائے گئے اور سب نے پھر از سر نو عشر دینے کا عہد وپیان کیا، تو احمد خاں نہیں آیا اور باغی ہوکر پشاور کو بھاگ گیا اور وہاں سے تم کو لڑائی کے واسطے چڑھالایا، ہم نے جس طرح تمھارے بھائی یار محمد خاں کو فہمائش کی تھی، اس کو بھی کی، اس نے نہ مانا، اب تمہیں ہم فہمائش کرتے ہیں، اگر مانو گے، بہتر؛ ورنہ ہم پر الزام نہیں۔

اور تم جو یہ کہتے ہو کہ تم نے یار محمد خاں پر رات کو چھاپا مارا، اس سبب سے تم فتحیاب ہوئے؛ اگر دن دوپہر کو ہم سے مقابلہ کرو، تو تمھاری بہادری اور مردانگی کا حال معلوم ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ نہ ہم رات کو تم سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں، نہ دن کو، اس لیے کہ تم مسلمان ہو اور ہم تو کفار سے لڑنے کو آئے ہیں، اگر تم خود زیادتی کر کے ہمارے مقابلے میں آؤ گے، تو ہم مجبور ہیں، اپنے بچانے کو جو کچھ ہم سے ہو سکے گا، کریں گے، ہم کو امید ہے کہ جس خدا نے رات کو تمھارے بھائی پر فتحیاب کیا تھا، وہی خدا تم پر دن کو فتحیاب کرے گا، مگر بہتر یہ ہے کہ تم خدا سے ڈرو اور ناحق پر اصرار نہ کرو، برائی کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔ والسلام علی من اتبع الھدی، اور ایک خط دیا۔ (۱)

---

(۱) منظورۃ السعداء میں اس سلسلے کے دو خط سلطان محمد خاں کے نام اور ایک خط سلطان محمد خاں کا نقل ہوا ہے، سید صاحبؒ نے اپنے پہلے خط میں اپنی ہجرت اور جہاد کا مقصد بیان کیا اور تحریر فرمایا کہ ہم اس ملک میں محض کفار سے جنگ کرنے کے لیے آئے تھے ہمارا کسی مسلمان سے جدال وقتال کا ارادہ ہرگز نہ تھا، لیکن افسوس ہے کہ خود ہمارے کلمہ گو بھائیوں نے مزاحمت کی اور ہمارے اوپر لشکر کشی کر کے ہم کو نیست ونابود کرنا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم بے سروسامان اور کمزوروں کی مدد فرمائی، ہم پہلے بھی عاجز وناچار تھے، اب بھی عاجز وناچار ہیں، البتہ اس قادر مطلق مالک الملک کی بطش شدید سے ڈرنا چاہیے، جو اپنے کمزور بندوں کی مدد کرتا ہے۔

اوست سلطاں ، ہر چہ خواہد آں کند | عالمے را در دمے ویراں کند
ہست سلطانی مسلّم مراورا | نیست کس را زہرہ چوں و چرا

سلطان محمد خاں نے اس کا بڑا متکبرانہ جواب دیا اور لکھا کہ آپ کا یہ کہنا کہ ہم اس ملک میں محض کفار سے جہاد کرنے کے لیے آئے تھے اور ہم کو مسلمانوں سے کچھ سروکار نہیں، محض ابلہ فریبی ہے، آپ کا عقیدہ فاسد اور.... (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سلطان محمد خاں کا متکبرانہ جواب

مولوی عبدالرحمٰن صاحب اور ان کے ساتھیوں نے واپس آکر بیان کیا کہ سردار سلطان محمد خاں نے درشتی سے جواب دیا کہ ان قصوں کہانیوں کی کچھ ضرورت نہیں اپنے گھر کو جاؤ اور خبردار! پھر ہمارے پاس نہ آنا اور نہ سید بادشاہ کا پیام لانا۔

انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ سمہ کے اکثر ملک اور خوانین خفیہ طور پر سردار موصوف سے ملے ہوئے ہیں، انھوں نے سردار ممدوح سے یہ بھی کہا ہے کہ سید بادشاہ یہاں تورو میں تنہا خود ہی لشکر کے ساتھ ہیں، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، جنھوں نے سردار یار محمد خاں پر شبخون مارا تھا، وہ ان دنوں موضع امب میں ہیں، ہم نے پنجتار سے سید بادشاہ کو بلا کر شکار کی طرح تمھارے سامنے کر دیا ہے، اب تم ان سے نبٹ لو۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی آمد

سید صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو طلبی کا خط لکھا اور فرمایا کہ وہاں کے انتظام اور بندوبست کے لیے سید اکبر صاحب کو مقرر کر کے آپ اور شیخ ولی محمد صاحب پھلتی جلد آجائیں، شاہ صاحب نے سید اکبر صاحب کو وہاں کا ذمے دار بنایا، شیخ بلند بخت دیو بندی کو قلعدار کیا اور مولوی خیر الدین صاحب کو بدستور چھتر بائی میں رکھا اور امب سے کچھ کم دو سو غازی ہمراہ لے کر شیخ ولی محمد صاحب کے ساتھ موضع تورو کو روانہ ہو گئے، جب موضع تورو دو یا ڈھائی کوس رہا، آپ نے سید صاحبؒ کو اپنے آنے کی اطلاع کی، سید صاحبؒ نے کہلوایا

(پچھلے صفحہ کا بقیہ)......... آپ کی نیت کا سد ہے، آپ فقیر بنتے ہیں اور ارادہ امارت کا کرتے ہیں، ہم نے بھی اس بات پر کمر باندھ لی ہے کہ تم جیسے لوگوں کو ختم کر کے اس زمین کو پاک کر دیں گے۔

اس خط کو پڑھ کر اگر چہ اکثر لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ اب کچھ گفت وشنید کی گنجائش نہیں ہے، لیکن سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک بار اور اتمام حجت کرنا چاہیے، آپ نے ایک دوسرا لکھا، جس میں سلطان محمد خاں سے خواہش کی کہ کسی خلاف شرع بات کی نشان دہی کی جائے، جو ہم لوگوں سے صادر ہوئی ہو، اگر ایسا کوئی فعل ثابت ہو گیا، تو کسی لشکر کشی کی ضرورت نہیں پڑے گی ہم خود شرعی سزا کے لیے حاضر ہو جائیں گے اور آپ کو یہاں تک آنے کی تکلیف نہیں دیں گے سلطان محمد خاں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

کہ آپ وہیں تشریف رکھیں اور ہمارے آدمیوں کا انتظار کریں۔ رات ہی کو آپ نے کوئی تین سو مسلح آدمی مولانا کے لینے کو بھیجے، نماز فجر کے بعد بڑے تجمل واہتمام سے تورو کو روانہ ہوئے، جب تورو کے قریب پہنچے، تو سید صاحبؒ چند آدمیوں کے ساتھ استقبال کو آئے، اس کا مقصد یہ تھا کہ مخالفین پر رعب ہو کہ مولانا اپنے مجاہدین کے ساتھ آپہنچے۔

مولانا کے آنے کے بعد دوسرے دن نماز عشاء کے بعد مخبر نے خبر دی کہ سردار سلطان محمد خاں سے نجومیوں نے گھڑی ساعت دیکھ کر کہا ہے کہ کل سویرے تم اپنا کل لشکر لے کر سید بادشاہ کے لشکر کے سامنے جاؤ اور ادھر ادھر گشت کر کے چلے آؤ، پھر اس کے اگلے روز ان سے مقابلہ کرو، تمھاری فتح ہوگی، سو کل ان کا لشکر ضرور آئے گا، آپ ہوشیار رہیں۔

اگلے روز گھڑی، ڈیڑھ گھڑی دن چڑھا ہوگا کہ طلیعہ کے ایک سوار نے آکر اطلاع دی کہ درانیوں کا لشکر آتا ہے، نقارہ بجا اور لوگ تیار ہو کر اس طرف کو روانہ ہوئے اور موضع تورو سے نکل کر آدھ کوس پر جمع ہوئے، سردار سلطان محمد خاں ادھر سے آتے آتے پاؤ کوس کے فاصلے پر مع لشکر کے کھڑا ہو گیا، اس عرصے میں ایک سوار آیا اور کہا کہ ہمارے سردار سلطان محمد خاں نے کہا ہے کہ آج تو ہم یوں ہی سیر و تماشہ کے طور پر آئے ہیں، مگر کل ہم آکر آپ سے مقابلہ کریں گے، آپ نے اس سوار سے فرمایا کہ تم اپنے سردار سے ہماری طرف سے کہہ دینا کہ ہم نہ آج تم سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور نہ کل، لیکن اگر تم خود چڑھ کر آؤ گے، تو ہم مجبور ہیں۔

مایار کی جنگ

جنگ کی تیاری

تورو اور ہوتی کے درمیان مایار نام کا ایک مقام تھا(۱)، اس کے کنارے مشرقی جانب ایک چشمے دار پانی کا نالہ (۲) تھا، اس کی حفاظت کے لیے سید صاحبؒ نے اپنے لشکر کے چند قندھاری متعین کر دیے، وہ وہاں رات دن رہتے تھے، رات کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ کل سردار سلطان محمد خاں نے آپ سے لڑائی کا وعدہ کیا ہے، ایسا نہ ہو کہ کل سویرے آ کر اس نالے اور مایار پر اپنا بندوبست کر لے، تو پانی اور وہ بستی ہم سے چھوٹ جائے اور مایار کے گرد کچی دیوار ہے، وہ لڑائی کے لیے بڑے موقع کی جگہ ہے، آپ اس کا ضرور کچھ بندوبست کریں آپ نے مولانا کی یہ تجویز بہت پسند کی اور ملا لعل محمد اور ملا قطب الدین سے فرمایا کہ تم اسی وقت دو سو آدمیوں کے ساتھ جا کر اس نالے پر اپنا مورچہ قائم کرو، ہم نے تم کو اس کام پر متعین کیا، ہم سے اور درانیوں سے کیسا ہی سخت مقابلہ پڑے، تم اس نالے کو نہ چھوڑنا۔

---

(۱) یہ مقام اب بھی ہے، بڑا گاؤں ہے، عرف عام میں اسے مایار کہتے ہیں، معیار بھی لکھا جاتا ہے۔

(۲) یہ نالہ کلپانی ندی ہے جو مردان اور ہوتی کے پاس سے گزرتی ہوئی مایار اور تورو کے پاس بہتی ہے، یہ سارے مقامات اس کلپانی ندی کے کنارے پر واقع ہیں۔

دعا

آپ کے حکم سے رات بھر لشکر تیار رہا، تمام پیادہ وسوار رات بھر بیدار اور ہتھیار باندھے ہوشیار رہے، صبح کی نماز میں بہ نسبت اور دنوں کے آپ کے ساتھ نمازیوں کی بڑی کثرت تھی، نماز کے بعد آپ نے بڑی دیر تک ننگے سر ہو کر بڑی گریہ وزاری اور عجز وانکسار کے ساتھ دعا کی، پروردگار کی جباری وقہاری اور اپنی ناتوانی وخاکساری کا ایسا بیان کیا کہ لوگوں پر رقت طاری اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

جوں ہی آپ نے دعا کر کے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرے، ایک شخص نے آپ کو سلام کر کے عرض کیا کہ میں مایار کے نالے پر سے ملا لعل محمد قندھاری کا بھیجا ہوا آپ کی اطلاع کو آیا ہوں کہ موضع ہوتی میں درانیوں کا نقارہ ہوا ہے، آپ پھر ہوشیار ہو جائیں، یہ سن کر آپ نے اپنے لشکر میں نقارہ بجانے کا حکم دیا، اور لوگ اپنے ساز وسامان سے تیار ہو کر تورو کے میدان میں جمع ہو گئے۔

سید ابو محمد کی بیعت اخلاص

سید ابو محمد صاحب نصیر آبادی آپ کی اہلیہ کے خالہ زاد بھائی، جو بانکوں میں مشہور تھے، اپنا گھوڑا تھان پر چھوڑ کر پیادہ پا آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میاں صاحب، جس روز سے میں آپ کے ساتھ اپنے گھر سے نکلا ہوں، آج تک میرا یہی خیال رہا کہ یہ میرے عزیز اور رشتے دار ہیں، میں بھی ان کے ساتھ رہوں، جو ان کو اللہ تعالیٰ کہیں عروج دے گا، تو ان کی وجہ سے میری بھی ترقی ہوگی، نہ میں آج تک خدا کے واسطے رہا اور نہ کچھ ثواب جان کر، مگر اب میں نے اس خیال فاسد سے توبہ کی اور از سر نو آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے واسطے بیعت جہاد کرنے آیا ہوں آپ مجھ سے بیعت لیں اور میرے واسطے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس نیت اور ارادے پر ثابت قدم رکھے، آپ نے ان سے بیعت لی اور ان کے واسطے دعا کی، اس وقت تمام حاضرین پر رقت سے ایک عجیب حال واقع تھا، کہ

ہر ایک کی آنکھ سے آنسو جاری تھے۔

دعا کے بعد سید ابو محمد صاحب آپ سے مصافحہ کر کے اپنے گھوڑے کی طرف چلے ان کے آنکھوں سے آنسو جاری تھے، انھوں نے بسم اللہ کر کے اپنا داہنا پاؤں رکاب میں رکھا اور بآواز بلند پکار کر کہا کہ سب بھائیو، اس بات کے گواہ رہنا کہ آج تک ہم گھوڑے پر اپنی شان و شوکت اور خواہش نفس کے لیے سوار ہوتے تھے، اس میں کچھ خدا کا واسطہ نہ تھا، مگر اس وقت ہم محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ورضا جوئی کے واسطے بہ نیت جہاد اس گھوڑے پر سوار ہوئے ہیں۔

جنگ کی ابتداء

''شام کو سردار سلطان محمد خاں اور اس کے بھائیوں پیر محمد خاں، سید محمد خاں اور بھتیجے حبیب اللہ خاں (پسر محمد عظیم خاں وزیر) نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ ہم سید کے مقابلے سے کسی طرح منہ نہ موڑیں گے، پھر انھوں نے یہ قسم اپنے سب مشیروں اور افسروں سے لی، باقی لشکر کی قسم کے لیے انھوں نے دو طرف نیزے گاڑ کر ایک دروازہ سا بنایا۔ اس میں ایک لنگی باندھ کر کلام اللہ لٹکایا، اس کے نیچے سے سارا لشکر نکل کر میدان میں آیا۔

پچھلی رات کو کوچ کا نقارہ ہوا، موضع ہوتی کے لوگوں کا بیان ہے کہ اکثر درانی شراب پی کر اور خوب مست ہو کر اور کمر باندھ کر اور گھوڑے کھینچ کر تیار ہوئے، جب دوسرا نقارہ ہوا، تب چاروں سردار اس دروازے سے نکلے اور دروازے کے کنارے ایک طرف کھڑے ہوئے تاکہ سب کو اپنے سامنے اس دروازے سے نکالیں، پھر آگے پیچھے تمام لشکر نکلا، وہاں انھوں نے تمام لشکر کے چار غول کیے: تین سواروں کے، ایک پیادوں کا، پیادوں کی بٹالین میں افسر کیول نام فرنگی تھا، اس بٹالین چھوٹی چھوٹی دو توپیں تھیں، سواروں کے ایک غول میں پیر محمد خاں سرادر تھا، ایک غول میں حبیب اللہ خاں، ایک غول میں خود سردار سلطان محمد خاں اور دو ضرب توپ تھیں، جب چار غول جدا جدا مقرر ہو چکے اور تیسرا نقارہ ہوا، تب لشکر کا وہاں سے کوچ ہوا (۱)۔

---

(۱) منظورہ

اس عرصے میں ایک سوار بآواز بلند مجاہدین کے لشکر میں پکارتا ہوا آیا کہ بھائیو، خبردار اور ہوشیار ہو جاؤ، درانیوں کا لشکر آتا ہے اور حضرت سے عرض کیا کہ نالے پر ملا لعل محمد کے ساتھ آدمی کم ہیں لشکر قریب آگیا ہے ایسا نہ ہو کہ نالہ ان سے چھوٹ جائے، یہ خبر سن کر آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جناب باری میں نہایت الحاح وزاری سے دعا کی پھر گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔(۱)

جب تورو اور مایار کے درمیان نالے پر پہنچے اور لوگ اترنے لگے، وہاں ایک جگہ پانی کم تھا، دائیں، بائیں گہرا تھا کہ کمر کمر تک پہنچتا تھا نالے کو پار کرنے میں صف کی ترتیب و انتظام قائم نہ رہا، نالہ پار ہونے کے بعد پھر صفوں کی ترتیب قائم ہوگئی، ادھر سے توپ چلی اور لوگ نالے اتر کر پار ہوئے، آپ نے بآواز بلند پکار کر کہا کہ سب بھائی جو سنتے ہیں، وہ گیارہ گیارہ بار سورہ لایلاف پڑھ کر اپنے او پر دم کر لیں اور لشکر میں سب بھائیوں سے یہی کہہ دیں اور جن کو یاد ہو، یہ دعا پڑھتے ہوئے چلیں "اللّٰھم اھزمھم و زلزل اقدامھم و شتت شملھم و فرق جمعھم و خرب بنیانھم و خذھم اخذ عزیز مقتدر"

ہدایات

پھر آپ نے رسالدار عبدالحمید خاں صاحب کو بلا کر فرمایا کہ تم اپنے سواروں کو لیے ہوئے ہم لوگوں کی بائیں جانب پشت پر رہو اور تم بغیر ہمارے ہلہ نہ کرنا، شاہینچیوں کے جمعدار شیخ عبداللہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کے برابر بائیں طرف اور سواروں کے آگے رہو۔

پھر آپ آہستہ آہستہ آگے کو روانہ ہوئے، جب موضع مایار کے برابر پہنچے، تو مخالفین کا لشکر صاف نظر آنے لگا، ادھر سے دو توپیں چل رہی تھیں اور لشکر کے چار غول تھے، تین سواروں کے اور ایک پیادوں کا، آپ نے اپنے لوگوں سے صف باندھنے کے لیے فرمایا اور سب سے کہہ دیا کہ خبردار، کوئی بھائی ہم سے آگے نہ بڑھے اور نہ ہماری اجازت کے بغیر بندوق چلائے۔

---

(۱) منظورۃ السعداء میں ہے کہ درانیوں کے لشکر میں تخمیناً چار ہزار پیادے اور آٹھ ہزار سوار تھے، اور حضرت امیر المومنین کے ہمراہی اس وقت ہندی و ملکی ملا کر تین ہزار پیادے اور پانچ سو سوار تھے۔

"مجاہدین کی تین صفیں تھیں، اگلی اور پچھلی میں تو ہندوستانی تھے، بیچ کی صف میں ملکی لوگ تھے، ہر صف میں اتنے فرق سے آدمی کھڑے تھے کہ بندوقچی بافراغت بندوق بھر کر بھر ماری کر سکے۔

آپ نے فرمایا کہ بھائیوں دوڑنا حرام سمجھ کر تیز قدمی کے ساتھ اسی طرح صف باندھے ہوئے توپوں کی طرف روانہ ہو، اس لیے کہ دوڑنے سے آدمی کی سانس پھول جاتی ہے اور وہ تھک کر رہ جاتا ہے اور کسی کام کے لائق نہیں ہوتا، یہ بھی یاد رکھو کہ توپ کی آواز ہوتی تو ہے بڑی مہیب اور ڈراؤنی، لیکن ایک گولہ ایک آدمی کے سوا کسی کی جان نہیں لے سکتا، بشرطیکہ کہ صفوں میں خلل واقع نہ ہو(۱)

لشکر کے مخلصین

اس عرصے میں پے درپے دو گولے اس طرف سے ٹپا کھا کر آئے اور صفوں کے اوپر ہو کر نکل گئے، لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ادھر سے گولے آتے ہیں، آپ گھوڑے سے اتر پڑیں۔

یہ حال بیچ کی صف کے ملکیوں نے دیکھا کہ گولے آتے ہیں اور آپ اپنے گھوڑے سے اتر گئے ہیں، وہ تمام ملکی در پردہ سردار سلطان محمد خاں سے ملے ہوئے تھے، یہ حال دیکھ کر مارے خوف کے وہاں سے کھسکنے لگے، کوئی بستی کی دیوار کی آڑ میں جا کھڑا ہوا اور کوئی نالے کے نشیب میں، فقط آپ کے لشکر کے سوار اور پیادے اور رفیقوں کے سوار و پیادے کم و بیش دو ہزار رہ گئے، فتح خاں پنجتاری گھڑیالہ کے منصور خاں، شیوہ کے دونوں بھائی مشکار خاں اور آنند خاں، کلابٹ کے اسمعیل خاں، گڑھی امازئی کے سرور خاں، اکوڑے کے خواص خاں خٹک اور ان کے عزیزوں میں شہباز خاں خٹک، زیدے کے فتح خاں، تورو کے دلیل خاں، لونڈ خوڑ کے نسیم خاں، کوٹھے کے ملا سید امیر آخوندزادہ، ٹوپئی کے ملا بہاء الدین، ڈاگئی کے ملا باقی، ان کے علاوہ اور ملا و طالب علم آپ کے ساتھ شریک رہے۔

پہلا شہید

کالے خاں افغان قوم آفریدی ساکن مئو شمس آباد، جو چھتربائی کے بعد سے ناراض

(۱) منظورہ

ہو کر چلے گئے تھے اور نادم ہو کر پھر آئے تھے اور سید صاحبؒ کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے، گھوڑے پر سوار صف کے آگے دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں پھرتے تھے (۱)، اور لوگوں سے کہتے تھے کہ بھائیو، صف کے برابر جمے چلو، ناگہاں ادھر سے ایک گولہ ٹپا کھا کر آیا اور ان کے بائیں پہلو میں لگا اور وہ گھوڑے پر سے زمین پر گرے، لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ کالے خاں کے گولہ لگا، آپ نے سن کر "انا للہ و انا الیہ راجعون" پڑھا، صف کے لوگ آہستہ آہستہ جمے ہوئے آگے چلے جاتے تھے، جب کالے خاں کے قریب پہنچے، تو لوگوں کے دیکھا کہ قدرے جان باقی ہے، گولے سے پہلو نہیں پھوٹا، مگر ایک نیلا داغ پڑ گیا ہے، کالے خاں نے آہستہ سے کہا کہ میرے بازو پر تعویذ ہے، اس کو کھول لو، کسی نے وہ تعویذ کھول لیا، کالے خاں وہیں رہے اور صف آگے نکل گئی۔

''انھیں گولوں سے لشکر اسلام کا سقہ اور کریم بخش گھاٹم پوری، جو سید صاحبؒ کے لیے کھانا پکا کر کمر میں باندھے ہوئے تھے اور چند لوگ شہید ہوئے۔

ایک فقیر جن کو قلندر کابلی کہتے تھے، چند روز سے لشکر اسلام میں مقیم تھے، وہ قدسی کی مشہور نعت کی تضمین ع ''یا رسول عربی، شاہسوار مدنی'' بڑی خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے، سید صاحبؒ بھی ان سے بڑی بشاشت کے ساتھ فارسی میں گفتگو فرماتے تھے، وہ صف سے چار قدم آگے کھڑے تھے، انھوں نے جب حریف کی توپ کی آواز سنی، تو اپنی جگہ سے اچھل کر رقص کرنے لگے اور کچھ زبان سے کہا، جس کو قریب کے آدمیوں نے سنا، اتنے میں گولہ ان کے پاؤں کے پاس آ کر گرا، اور اس سے اس قدر غبار اٹھا کہ قلندر اس میں چھپ گیا، لوگ سمجھے کہ شہادت پائی جب غبار چھٹا، تو قلندر برآمد ہوا، وہ اپنی گدڑی اپنے ہاتھ سے نچاتا تھا اور مست تھا'' (۲)۔

---

(۱) منظورۃ السعداء میں ہے کہ کالے خاں سامنے آئے، تو سید صاحبؒ نے عبداللہ والیہ کا گھوڑا، جو سبز رنگ تھا، ان کو دیا، اس کی لگام تھامتے ہی انھوں نے کہا کہ انشاءاللہ اپنا سر توپ کے منہ میں دے دوں گا۔

(۲) منظورہ

مجاہدین کی رجز خوانی

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ اس وقت دو شخص جنگ کی تحریض وتحریص کر رہے تھے اور ان کی آواز اس وقت بڑی دلکش اور مؤثر تھی، ایک امان اللہ خاں ملیح آبادی، جو معمر آدمی تھے، لیکن نہایت جری اور شجاع، وہ اس طرح بہادری، ثابت قدمی اور دلاوری کی باتیں کرتے تھے کہ بزدل سے بزدل انسان بھی ان کی باتیں سن کر جنگ پر آمادہ ہو جاتا، دوسرے شیخ ریاست علی موہانی جو مولوی خرم علی کے رسالہ جہادیہ کے اشعار بڑے جوش واثر کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

معرکہ

آگے بڑھ کر سید صاحبؒ نے ننگے سر ہو کر کمال عجز وزاری سے پھر دعا کی، "الٰہی ہم عاجز وضعیف بندے ہیں، تیرے سوا ہمارا کوئی حامی ومددگار نہیں ہے، جو ہم کو بچائے، ہم نے ان کو بہتیرا سمجھایا کہ تم ہم مسلمانوں سے نہ لڑو، مگر انھوں نے نہ مانا اور تو دانا وبینا ہے، ہمارے دلوں کے بھید کو جانتا ہے، اگر تیرے علم میں ہم حق پر ہوں، تو ہم ضعیفوں کو فتحیاب کر اور جو وہ حق پر ہوں، تو ان کو۔"

اس عرصے میں ان کے چار غولوں میں سے ایک نے جس میں دو توپیں چلتی تھیں، گھوڑوں کی باگیں اٹھا کر حملہ کیا، اس ہیئت سے تلواریں ننگی علم کیے، داڑھیاں دانتوں میں دابے، دائیں بائیں منھ پھیرے "سید کجاست، سید کجاست؟" کہتے ہوئے چلے، جب اتنے قریب آپہنچے کہ چالیس پچاس قدم کا فاصلہ رہ گیا، سید صاحب نے اپنے رفل بردار سے رفل لیا اور بآواز بلند تکبیر کہہ کر سر کیا، اس کے ساتھ ہی تمام غازیوں نے تکبیر کہہ کر ایک باڑھ ماری اور حملہ کر دیا، مگر وہ کسی طرح نہ رکے، دفعۃً آکر گڈمڈ ہو گئے، غازیوں نے ان کو بھرماری پر رکھ لیا قرابینچی تو قرابین مارتے تھے، بندوقچی بندوق، تلوار والے تلوار، اور گنڈاسے والے گنڈاسے، خدا کی مدد سے ان کا منھ پھر گیا، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ہاں، سواروں سے کہہ دو کہ تم بھی ہلہ

کر کے ان کو لو، کسی نے کہا کہ سوار تو اول ہی شکست کھا کر معلوم نہیں کہاں چلے گئے (۱)۔

یہ سن کر آپ خاموش ہوگئے، شیخ ولی محمد صاحب نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے کہا کہ اپنے سوار تو شکست کھا گئے، اب چل کر ان کی توپیں لیں، شیخ صاحب اور مولانا نے کوئی ڈیڑھ سو غازیوں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور قواعد بھر ماری پر رکھ لیا، ادھر ان کا ایک دوسرا غول اسی ہیئت کے ساتھ "سید کجاست؟، سید کجاست؟" کہتا ہوا اور اسی طرح گڈمڈ ہوگئے۔

سید صاحبؒ کی شجاعت

اس وقت سید صاحبؒ کے ساتھ کم وبیش پانسو غازی ہوں گے، باقی جا بجا متفرق ہوگئے، آپ کا حال یہ تھا کہ دائیں بائیں سے دونوں رفل بردار رفل بھر بھر کر دیتے تھے اور آپ دونوں طرف سے سر کرتے تھے، داہنے طرف والے کا سینہ داہنی جانب رکھ کر اور بائیں طرف والا بائیں جانب رکھ کر، چہرے پر خوف وہراس کا نشان نہ تھا، یہ غول بھی بالآخر پسپا ہوا، پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ مجاہدین ہر غول کے تعاقب میں گئے، سید صاحبؒ بھی پچاس ساٹھ آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ ایک غول کے پیچھے بندوقیں سر کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔

ادھر چھ سات سو سواروں کا ایک اور پرا کھڑا تھا، انھوں نے دیکھا تو گھوڑوں کی

---

(۱) یہ سوار پیادہ فوج کی پشت پر تھے درانیوں کا ایک غول ان کی طرف بڑھا اور دونوں طرف کے آدمی ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوگئے، ملکی سوار بھاگ کھڑے ہوئے، ساری لڑائی ہندوستانی سواروں پر پڑ گئی، رسالدار عبدالحمید خاں بڑی شجاعت اور جوانمردی سے لڑتے رہے، زخمی ہو کر گرے، سید موسیٰ، سید اسمٰعیل بریلوی، بھی زخمی ہوئے، تین ہزار درانیوں کا مقابلہ پانسو ہندوستانی سواروں سے تھا، آخر ہندوستانی سواروں سے تھا، آخر ہندوستانی سوار متفرق ہو کر درانیوں کے مجمع سے نکل آئے، درانیوں نے کچھ دور ان کا تعاقب کیا، پھر اپنے لشکر کی طرف واپس گئے۔

منظورہ میں ہے کہ جس وقت سید صاحبؒ کی جماعت پر درانی سواروں اور پیادوں کا حملہ ہوا، چونکہ ان کا ہجوم بہت تھا اور سید صاحبؒ کے ساتھ کے پیادے تھوڑے تھے، حاجی عبدالرحیم خاں مرحوم جو ایک مرد درویش اور سید صاحبؒ کے محبِ جاں نثار تھے، فرط محبت سے تاب نہ لا سکے اور سواروں کو للکار کر کہا کہ عزیزو، درانیوں کے اس انبوہ عظیم نے امیر المومنین کی جماعت قلیل پر حملہ کیا ہے اگر آپ ہی نہ رہے، تو زندگی کا کیا مزہ؟ آؤ، بائیں جانب سے حملہ کریں، یہ سوار چونکہ تعداد میں تھوڑے تھے اور درانی تین ہزار سے کم نہ تھے، مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اس حالت میں حاجی عبدالرحیم، سید ابو محمد، شیخ عبدالحکیم وغیرہ نے شہادت پائی اور سید موسیٰ اور رسالدار عبدالحمید خاں سخت زخمی ہو کر گھوڑے کی پیٹھ سے گرے، درانی سوار جتنی بار پیادوں کے مقابلے سے پسپا ہوتے تھے، انھیں سواروں پر گرتے تھے۔

باگیں اٹھا کر سید صاحبؒ کی جماعت پر حملہ آور ہوئے، آپ اس وقت ایک اور غول کے تعاقب میں مشغول تھے، میاں خدا بخش رامپوری نے تین یا چار بار پکار کر کہا کہ حضرت! سواروں کا ایک غول اس طرف بھی آتا ہے، یہ بات سن کر ایک غازی نے چپ رہو، آنے دو، حضرت کا نام نہ لو، یہ آواز سن کر آپ بھاگنے والے غول کا تعاقب چھوڑ کر بڑی چستی اور چالاکی کے ساتھ اس آنے والے غول کی طرف پلٹ پڑے، یہ غول بھی اسی ہیئت کے ساتھ ڈاڑھیاں دانتوں میں دابے، ننگی تلواریں علم، کیے "سید کجاست؟ سید کجاست؟" کہتے ہوئے گڈمڈ ہو گیا، سید صاحبؒ نے انھیں پچاس ساٹھ غازیوں کے ساتھ بندوقوں، قرابینوں، تلواروں اور گنڈاسوں پر رکھ لیا، تائید الٰہی سے وہ پسپا ہوئے اور دس بارہ غازیوں نے ان کا پیچھا کیا اور آپ کے ہمراہ دس بارہ غازی رہ گئے۔

ایک لڑکے کی جرأت

تیرہ، چودہ برس کے ایک ملکی لڑکے کے پاس گنڈاسا تھا، جس کو ملکی لوگ کفر چٹ کہتے تھے، اس لڑکے نے لپک کر ایک سوار پر وار کیا، گنڈاسے کی نوک خمدار تھی، اس سوار کی زرہ میں اٹک گئی، سوار بھاگا، لڑکا دونوں ہاتھوں سے اپنا گنڈاسا پکڑے ہوئے کھچا چلا جاتا تھا اور پشتو زبان میں کہتا تھا کہ "زما کفر چٹ لے یوڑو، زما کفر چٹ لے یوڑو" یعنی ہمارا کفر چٹ یہ شخص لیے جاتا ہے، اس کا یہ حال دیکھ کر کئی غازیوں نے اس سوار پر بندوقیں سرکیں۔ آخر اس کے ایک گولی لگی اور گھوڑے سے زمین پر گرا اور گنڈاسے کی نوک اس کی زرہ سے چھوٹ گئی، اس لڑکے نے اس گنڈاسے سے اس کا خاتمہ کیا۔

مولانا محمد اسمٰعیل اور شیخ ولی محمد صاحب کا کارنامہ

اس عرصے میں تین چار توپیں سر ہوئیں اور درانیوں کے سواروں کے غول پراگندہ ہو کر بھاگے، لوگوں نے سمجھا کہ مولانا اور شیخ ولی محمد صاحب نے درانیوں کی توپوں پر قبضہ کر لیا، سید صاحبؒ نے آپ کے پاس آدمی بھیجا کہ آپ وہاں نہ ٹھہریے جلد توپیں لے کر ہمارے پاس

آ جاییے، انھوں نے آ کر بیان کیا کہ ہم نے سواروں کا تعاقب کیا، اور ان کو بھر ماری پر رکھ لیا، وہ سوار بدحواس ہو کر بھاگے، جب وہ توپوں کے قریب پہنچے، تو وہ توپ والے بھی ان کا یہ حال دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ہم نے ان کی توپوں پر قبضہ کیا، توپ بھرنے کا سامان وہ اپنے ساتھ لیتے گئے، اس وقت نواب خاں لنگڑے گتنی والے وہاں موجود تھے، ان کا لٹھ بالکل سنبے کی طرح تھا، ان سے ان کا لٹھ اور شیر محمد خاں سے توڑا لے کر چار فیر سر کیے جس سے ان کا غول پراگندہ ہو گیا۔

مولانا اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ درانی سوار مجھ تک آئے، میں نے (اپنی زخم خوردہ انگلی (۱) کی وجہ سے) جتنے بار اپنی چقماقی بندوق چلائی، اس کے پتھر نے خطا کی، جب کئی بار یہی صورت پیش آئی، تو مجھے گمان ہوا کہ میری شہادت کا وقت آ گیا، یہ دیکھ کر حافظ وجیہ الدین صاحب نے اپنے فتیلے دار بندوق سے حملہ آور سوار کو قتل کیا۔

درانیوں کی ہزیمت

اس عرصے میں درانیوں کے سوار جو جا بجا پراگندہ اور منتشر ہو گئے تھے، اپنی پہلی صف گاہ پر پرا باندھ کر کھڑے ہو گئے، سید صاحبؒ نے ان کی جمعیت دیکھ کر سر برہنہ ہو کر بآواز بلند دعا کی، پھر مولانا سے فرمایا کہ میاں صاحب، آپ جا کر شاہینیں سر کرائیں، مولانا نے جا کر اونٹوں پر سے شاہینیں اتروائیں اور زمین پر قطار باندھ کر رکھوائیں اور ہر شاہین پر چار چار غازی متعین کیے اور اجازت دی کہ ڈیوڑھ مارو۔ شاہینوں کی اتنی گولیاں پڑتی تھیں، مگر سواروں کا غول اسی طرح جما کھڑا تھا، سید صاحبؒ توپوں کے پاس گئے، شیخ مولا بخش الٰہ آبادی نے توپ بھر کر درانیوں کی طرف لگا رکھی تھی، آپ کی اجازت کا انتظار تھا، آپ نے جھک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ توپ درانیوں کے نشان کے سامنے ہے، آپ نے اس کا پیچ تھوڑا سا پھیر کر فرمایا کہ اب سر کرو شیخ مولا بخش نے آگ دی اور اس فیر میں نشان بردار اڑ گیا اور وہ غول پراگندہ ہو گیا

---

(۱) یاد ہوگا کہ پھلی کی جنگ میں مولانا کی دائیں ہاتھ کی چھنگلیاں زخمی ہو گئی تھی، اس کی وجہ سے وہ ہتھیلی پورے طور پر کام نہیں کرتی تھی اور بندوق کا بھرنا مشکل تھا، اسی بناء پر جنگ کے وقت اکثر اپنے ساتھ کارتوس رکھتے تھے، اکثر از راہ ظرافت اپنی اس چھنگلیاں کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ میری دوسری انگشت شہادت ہے۔ (منظورہ)

،دوسرے یا تیسرے فیر میں درانی پسپا ہوکر بھاگے، جب تک وہ توپ کی زد پر رہے، شیخ ممدوح توپ چلاتے رہے، جب دور نکل گئے تب توپ چلانی موقوف کی اور شاہینیں بھی بند ہوئیں۔

جنگ کے اختتام پر

معرکہ جنگ سے فارغ ہوکر مجاہدین، جو بہت پیاسے تھے، اس تالاب پر آئے، جو مایار کے قریب دائیں ہاتھ کو تھا، تالاب کا پانی دھوپ سے گرم تھا، لیکن شدت تشنگی میں مجاہدین اسی سے اپنی پیاس بجھانے لگے، اتنے میں گاؤں کے لوگ پانی کے گھڑے بھر بھر کر لائے اور غازیوں کو سیراب کیا۔

اسی عرصے میں پراگندہ اور منتشر لوگ بھی جمع ہونا شروع ہوگئے، شاہین و نقارہ بھی وہیں آگیا، اس تالاب پر دیر تک سید صاحبؒ اور مجاہدین نے قیام کیا، یہ بھی خیال تھا کہ چونکہ درانی سوار تعداد میں زیادہ ہیں، اگرچہ شکست کھا کر دور تک چلے گئے ہیں، لیکن کیا عجب ہے کہ ان کے سواروں میں سے کوئی جرأت سے کام لے کر پھر پلٹ پڑے، جب آفتاب ڈوبنے لگا اور دشمن زیادہ فاصلہ طے کر چکے، تو آپ نے مایار کی گڑھی کی طرف مراجعت فرمائی۔

زخمیوں کی مرہم پٹی

مولوی مظہر علی عظیم آبادی زخمیوں کو جمع کرنے، نماز جنازہ پڑھنے اور شہداء کی تدفین کے لیے مقرر ہوئے، تمام زخمی مایار کی گڑھی میں جمع کیے گئے، جراح حاضر ہوئے اور وہ زخموں کے سینے اور مرہم پٹی میں مشغول ہوئے، مغرب کی نماز گڑھی مایار میں ہوئی۔

مولوی جعفر علی صاحب لکھتے ہیں: لوگ اگرچہ صبح سے بھوکے تھے، لیکن فتح کی خوشی سے کھانے سے بے پروا اور آسودہ تھے، دن بھر کے تھکے ماندے ہونے کے وجہ سے اکثر لوگ پڑ کر سو گئے، لیکن جراحوں کو زخموں کے سینے اور مرہم پٹی سے فرصت نہ تھی، عام طور پر لوگ سو رہے تھے، چراغ پکڑنے والا اور روشنی دکھانے والا بھی بڑی مشکل سے ملتا تھا، نعاسا یغشیٰ طائفۃ منھم کا منظر تھا، آنکھ بے اختیار بند ہو ہو جاتی تھی، نصف شب کے بعد زخموں کے سینے اور مرہم پٹی سے فراغت ہوئی۔

چھبیسواں باب

مایار کے شہداء و مجروحین

شہداء کا دم واپسیں

ہدایت اللہ بانس بریلوی کہتے ہیں کہ جس وقت کالے خاں (۱) کے گولہ لگا اور وہ گھوڑے سے گر پڑے اور صف آگے بڑھ گئی ہم کئی آدمی ان کو وہاں سے مایار کی مسجد کے حجرے میں اٹھا لائے، وہ جان کنی کی حالت میں تھے، گھڑی گھڑی، دو دو گھڑی کے فاصلے سے انھوں نے پوچھا کہ بھائی، لڑائی کا کیا حال ہے اور کس کی فتح ہے؟ اس وقت درانیوں کا پہلا اور دوسرا غول آیا تھا، میں نے ان سے کہا کہ ابھی تو معاملہ گڈ مڈ ہے، ابھی تک فتح اور شکست کسی کی نہیں ہوئی، یہ سن کر وہ چپ ہو رہے اور اللہ اللہ کیا کیے، پھر جب درانیوں کا دوسرا غول آیا اور شکست کھا کر بھاگ گیا، تب انھوں نے پھر پوچھا کہ اب لڑائی کا کیا طور ہے؟ کسی کی

---

(۱) یہ کالے خاں چھتر بائی سے روٹھ کر پنجاب کو چلے گئے تھے، چند روز کے بعد پھر آئے اور سید صاحبؒ کے ہاتھ پر تائب ہو کر از سر نو بیعت کی، اول ان کا یہ طور تھا کہ اپنی ڈاڑھی بیچ میں صفا چٹ رکھتے تھے، ایک دن انھوں نے تھوڑی منڈائی تھی، سید صاحبؒ نے ان کی تھوڑی اپنے ہاتھ سے ٹٹول کر ان سے فرمایا کہ خان بھائی ٹھوڑی کیا چکنی چکنی ہے اس بات سے وہ شرما گئے اور کچھ نہ بولے، مگر سید صاحبؒ کا وہ کہنا ان کے دل میں اتر گیا کئی دن کے بعد جب معمول کے موافق نائی آیا اور چاہا کہ تھوڑی بھگوئے اور مونڈھے تو انھوں نے کہا کہ اس تھوڑی میں سید صاحبؒ کا ہاتھ لگا ہے اب تو اس میں ہاتھ نہ لگا، یوں ہی رہنے دے، پھر اس دن سے انھوں نے اپنی تھوڑی نہ منڈائی اور بڑے صالح اور متقی ہو گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نعمت شہادت سے سرفراز کیا۔

فتح ہوئی یا نہیں؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سید صاحبؒ کو فتحیاب کیا۔ یہ خوشخبری سن کر انھوں نے کہا: الحمد للہ! اسی دم ان کا دم نکل گیا۔

قاضی گل احمد الدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ دیکھا کہ سید ابو محمد صاحب (۱) زخمی پڑے ہیں، مگر ایسے کاری زخم لگے تھے کہ قدرے جان تو ان میں باقی تھی، ہوش وحواس کچھ بر جا نہ تھے، میں نے کئی بار ان کے کان میں پکار کر کہا کہ سید ابو محمد صاحب، حضرت امیر المومنین کی فتح ہوئی، انھوں نے کچھ خیال نہ کیا اور نہ کچھ جواب دیا، مگر ان کا حال یہ تھا کہ ہونٹ اپنے چاٹتے جاتے تھے اور الحمد للہ! الحمد للہ! کہتے جاتے تھے، اور جو لوگ لاشیں اٹھا رہے تھے، میں نے ان کو آواز دی کہ کوئی ادھر آؤ، سید ابو محمد صاحب ادھر پڑے ہیں، ادھر سے ایک آدمی آیا، میرے پاس ایک کمل تھا، ان کو اٹھا کر اس میں لٹایا، ہم دونوں آدمی ان کو تورو میں لائے، تب تک ان میں رمق باقی تھی، اسی طرح ہونٹ بھی چاٹتے تھے اور لبوں سے کچھ اشارہ الحمد للہ! کہنے کا معلوم ہوتا تھا، پھر کچھ دیر میں جان نکل گئی۔

نوجوان زخمی

سید موسیٰ ۱۷۔۱۸ رسال کے جوان تھے، ان کے والد سید احمد علی صاحب جس دن پھولڑے کی لڑائی میں شہید ہوئے، اس دن سے سید موسیٰ کی طبیعت مغموم رہنے لگی، کبھی کبھی

---

(۱) سید ابو محمد صاحب لکھنؤ میں بٹالین میں جمعدار تھے، بہت بانکے ترچھے، وضعدار اور خوبصورت نوجوان تھے، بڑے بڑے چابک سار ان کی استادی کے قائل تھے، مزاج میں بڑی لطافت اور نفاست تھی کسی کے ہاتھ پکا کھانا ان کو پسند نہ آتا تھا، اپنے ہی ہاتھ سے دن رات میں ایک بار پکا کر کھاتے تھے، اکثر فنون میں مہارت رکھتے تھے، کپڑا ایسا قطع کرتے اور سیتے کہ بڑے بڑے استاد حیران رہ جاتے تھے، پندرہ بیس وضع کی پگڑی باندھتے تھے، اپنے ہاتھ سے گھوڑے کا سب ساز و یراق سی لیتے تھے اور آپ ہی اپنا خط آئینہ سامنے رکھ کر بناتے تھے، غرارے دار پائجامے چست انگرکھا پہنتے تھے، بانکپن کے باوجود نہ کبھی سر پر بال رکھے، نہ کبھی حقہ پیا، نہ نشے کی کوئی چیز کھائی پی، نہ کسی نامحرم عورت کی طرف بری نگاہ سے دیکھا، تیمارداری، خدمتگزاری میں بڑے چست تھے بیماروں کا بول و براز اٹھاتے تھے جب سید صاحبؒ نے ہجرت کی تیاری کی، تو آپ نوکری چھوڑ کر رخصت کرنے آئے، کوئی پوچھتا کہ سید ابو محمد، کیا تم بھی ہجرت کر کے جہاد کو چلو گے، تو کہتے: میں تو نہیں جانتا کہ ہجرت اور جہاد کس کو کہتے ہیں، ہمارے بھائی میاں صاحب جاتے ہیں، ہم نے کہا کہ ہم بھی دلمو تک پہنچا آئیں، یہی کہتے کہتے دلمو سے باندھ، گوالیار، ٹونک، اجمیر اور یہاں تک کہ سرحد پہنچ گئے۔

اپنے دوستوں سے کہتے کہ اگر کبھی میرا کسی لڑائی میں جانے کا اتفاق ہوا، تو ان شاء اللہ بیچ کھیت میں مجھ کو دیکھنا، یعنی میں بھی لڑ کر شہید ہو جاؤں گا، ان کے اس حال کی اطلاع سید صاحبؒ کو بھی تھی، وہ رسالدار عبدالحمید خاں کے سواروں میں تھے، جب تو روسے مایار کی طرف لشکر چلا، تو آپ نے ان سے کہا کہ تم اپنا گھوڑا اور کسی بھائی کو دے دو اور تم ہمارے ساتھ پیادوں میں رہو، انھوں نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو یوں ہی رہنے دیجیے، جب درانیوں کا ہلہ آیا، آپ گھوڑے کی باگ اٹھا کر اس میں گھس گئے اور خوب تلوار سے لوگوں کو مارا اور زخمی کیا اور آپ بھی زخمی ہوئے مگر لڑتے رہے، جب زخموں کے مارے دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے اور کئی زخم سر میں لگے، اس وقت بیتاب ہو کر گھوڑے سے گرے۔

خادی خاں (۱) کہتے ہیں کہ میں نے دور سے سنا کہ کوئی زخمی پڑا ہوا اللہ اللہ کہہ رہا ہے۔ میں نزدیک گیا تو پہچانا کہ یہ تو سید موسیٰ ہیں، سر کے زخموں سے جو خون بہہ رہا تھا، اس سے ان کی آنکھیں بند تھیں، میں نے کہا کہ میاں موسیٰ، میں آپ کو اٹھا لے چلوں، انھوں نے پوچھا کہ تم کون ہو اور فتح کس کی ہوئی؟ میں نے کہا کہ میں خادی خاں ہوں اور فتح سید بادشاہ کی ہوئی، یہ سن کر انھوں نے کہا: الحمد للہ! اور قدرے چاق سے ہو گئے اور مجھ سے کہا کہ مجھ کو لے چلو، میں اپنی پشت پر سوار کر کے اٹھا لایا، سید صاحبؒ نے ان کو بے چین دیکھ کر فرمایا کہ ان کو مایار کی مسجد کے حجرے میں پہنچاؤ، آپ نے ان کے بعض رفیقوں کو ان کی خدمت کے لیے ساتھ کر دیا۔

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ سید صاحبؒ ان کو دیکھنے تشریف لائے، آپ نے فرمایا کہ یہ بچہ بڑا امردانہ نکلا، اور مالک حقیقی کا حق خوب ادا کیا۔ پھر ان سے خطاب کر کے فرمایا کہ الحمد للہ، تہارے ہاتھ پاؤں اللہ کے راستے میں کام آئے اور تمھاری کوششیں مشکور ہوئیں، اگر تم کسی کو دیکھو کہ خوش رفتار گھوڑے پر سوار ہے اور اس کو ایڑ لگاتا ہے اور دوڑاتا ہے، تو تم کبھی اس کی حسرت نہ کرنا کہ ہمارے ہاتھ پاؤں سلامت ہوتے، تو ہم بھی اسی طرح شہسواری

---

(۱) یہ خادی خاں قندھاری ہیں، جو سید صاحبؒ کی فوج مجاہدین میں تھے۔

کرتے، اس لیے کہ تمھارے ہاتھ پاؤں اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوگئے، بڑے مبارک ہیں وہ ہاتھ پاؤں، جو رضائے مولیٰ کے راستے میں کام آئیں اور اس پر قربان ہوجائیں، اگر کبھی کسی شخص کو دیکھو کہ وہ پٹہ باز استادوں کی طرح تلوار سے کھیلتا ہے، تو کبھی یہ غم نہ کرنا کہ ہم بھی تندرست ہوتے، تو سپہ گری کا کمال دکھاتے، اس لیے کہ تمھارے ان ہاتھ پاؤں کا بڑا مرتبہ ہے کہ اللہ کے راستے میں انھوں نے زخم کھائے، جو ہاتھ پاؤں صحیح وسالم ہیں، ان سے گناہ کا اندیشہ ہے، لیکن تمھارے ہاتھ پاؤں کا ثواب اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع ہے، سیدنا علی مرتضیٰؓ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کے دونوں بازو اللہ کے راستے میں کٹ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت الفردوس میں ذوالجناحین کے لقب سے سرفراز فرمایا اور زمرد کے دو بازو ان کو عطا فرمائے۔

سید موسیٰ نے عرض کیا کہ حضرت میں ہزار زبان سے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس حال پر راضی وشاکر ہوں، میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعاً کوئی شکایت نہیں آتی، اس لیے کہ اسی کام کے لیے آپ کی ہمرکابی میں یہاں آیا تھا، الحمد للہ کہ اپنی ہستی کو اس افضل ترین عبادت میں مٹادیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے! لیکن میری اتنی تمنا ہے کہ حضرت مجھے روزانہ اپنی زیارت سے مشرف فرمادیا کریں، اس لیے کہ اپنی بے دست و پائی سے خود حاضر ہونے سے معذور ہوں، اس محرومی کے سوا مجھے کسی بات کا قلق نہیں۔

یہ سن کر سید صاحبؒ نے دادا ابوالحسن سے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لیے مقرر کرتا ہوں تم مجھ کو جس وقت ذرا بھی فارغ دیکھو، متوجہ کردو تا کہ میں خود سید موسیٰ کے پاس آجاؤں، پھر آپ نے سید موسیٰ کی بڑی تعریف کی اور ان کو شاباش دی اور تشریف لے گئے (۱)۔

ایک زخمی کی استقامت

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ "شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری نے جب مجاہدین کے سواروں کو شکست کھاتے ہوئے دیکھا، تو اگر چہ وہ پیادوں میں تھے، لیکن وہ سواروں کی طرف دوڑے ایک سوار نے ان کے سینے پر نیزے سے حملہ کیا، انھوں نے اس کے وار سے بچنے کے

(۱) منظورۃ السعداء، بز ڈھیری میں (غالباً رجب ۱۲۴۶ھ میں) سید موسیٰ کے انتقال کی خبر پہنچی۔

لیے اپنے سینے کو دائیں طرف جھکا دیا، نیزہ بائیں شانے پر لگا، انھوں نے زور کیا، تو نیزے کی ڈنڈی ٹوٹ گئی اور اس کی انی شانے کی ہڈی میں پیوست ہوگئی، انھوں نے اس حالت میں اس سوار پر تلوار سے حملہ کیا، اتنے میں دوسرے سوار اس درانی کی مدد کے لیے آگئے، ان میں سے ایک ان کے سر پر تلوار ماری، دوسری نے ان کے دائیں ہاتھ پر وار کیا، جس سے ان کی کئی انگلیاں کٹ گئیں، تیسرے نے ان کے بائیں شانے پر، جہاں نیزے کا زخم تھا، ضرب لگائی، یہ ضرب کاری تھی، اس کے علاوہ اور بھی زخم آئے، ان کی رفل اس دن ٹھیک کام نہیں کر رہی تھی، انھوں نے اس حالت میں رفل تو سعدی خاں غازی کے حوالے کی اور تلوار دوسرے غازی کو جو بے سروسامان تھا اور صرف تبر لیے ہوئے تھا، انھوں نے دونوں کو سخت تاکید کی کہ یہ اللہ کا مال ہے، تم کو امین جان کر تمھارے حوالے کیا ہے، یہ ضائع نہ ہونے پائے ان کے دونوں ہاتھ بیکار ہوگئے تھے، اس لیے وہ مایار کی طرف روانہ ہوگئے، راستے میں میاں جی محی الدین ملے، جو زخمی پڑے ہوئے تھے، انھوں نے ان کا ہاتھ دائیں ہاتھ سے تھام کر جس کی انگلیاں زخمی تھیں، ان کو لے کر چلنا شروع کیا، تھوڑی دیر چل کر ان کا غش آگیا اور زمین پر گر گئے، یہ خاکسار (مولوی سید جعفر علی) پاس سے گزرا تو سب سے پہلے انھوں نے دریافت کیا کہ لشکر اسلام کو فتح ہوئی یا نہیں؟ میں نے جب ان کو فتح کی بشارت سنائی، تو وہ شگفتہ اور مسرور ہوگئے اور فرمایا کہ بھائی، آؤ، تم سے گلے مل لوں، جب معانقے سے فارغ ہوئے، تو کہنے لگے کہ حدیث میں آیا ہے کہ شہداء کو سکرات موت کی تکلیف نہیں ہوتی، بس صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ چیونٹی نے کاٹ لیا ہے، چنانچہ میں دیکھ رہا ہوں کہ مجھے اتنے زخم آئے ہیں، مگر معلوم ہوتا ہے کہ بس کانٹا چبھا ہے" (۱)۔

رسالدار عبدالحمید خاں

رسالدار عبدالحمید خاں سید صاحبؒ کی صف کی پشت پر چلے جاتے تھے، درانیوں کے تین غول تھے، جو سید صاحبؒ کے مقابل میں اور ایک سواروں کے مقابلے میں، ایک غول

(۱) منظورۃ السعداء

سید صاحبؒ کی طرف گھوڑوں کی باگیں اٹھا کر حملہ آور ہوا اور ایک سواروں کی طرف، اس عرصے میں کسی شخص نے رسالدار عبدالحمید خاں سے کہا کہ حضرت کا حکم ہے کہ تم بھی ہلہ کرو، یہ حکم سنتے ہی رسالدار صاحب نے اپنے سواروں کو لے کر ہلہ کردیا اور سب سوار رسالدار صاحب کے ہمراہ ان میں جا کر گڈ مڈ ہو گئے، جتنے ملکی سوار مجاہدین کے سواروں کے ساتھ تھے، وہ سب اسی دم طرح دے کر بھاگ کھڑے ہوئے، ساری لڑائی مجاہدین پر آپڑی اور سب سوار سمٹ کر رسالدار صاحب کے ساتھ ہو گئے، جدھر رسالدار صاحب اپنے سواروں کو لے کر باگ اٹھاتے تھے، درانیوں کا غول صاف چیر کر تلواریں مارتے ہوئے اس پار نکل جاتے تھے، رسالدار صاحب افسوس کر کے کہتے تھے کہ اگر اس وقت میرے پاس سبزہ گھوڑا ہوتا، تو میرے دل کا ارمان نکلتا (۱)، تین چار بار اسی طرح اپنے سب سواروں کے ساتھ حملہ کر کے ان کے غول میں گھسے اور تلواریں مارتے ہوئے پار نکل گئے، انھیں ہلوں میں سوار شہید بھی ہوئے اور زخمی بھی ہوئے رسالدار صاحب کے بھی تلواروں کے ہلکے سے کئی زخم لگے، مگر وہ اسی طرح لڑتے رہے، پھر رسالدار صاحب نہایت زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے، جسم فربہ تھا، زرہ کی کڑیاں دشمن کی تلوار کے ساتھ ان کے جسم میں پیوست ہو گئیں، جب ان کو اور سید موسیٰ کو میدان سے اٹھا کر مایار کی گڑھی میں لائے تو ان کی صورت دیکھ کر ہر ایک پر رقت طاری ہو جاتی تھی، زخموں کی مرہم پٹی کے لیے ان کو موضع تورو میں لائے، وہاں سے دوسرے زخمیوں کے ساتھ پنجتار بھیجے گئے، جہاں وفات پائی۔

شیخ امیر اللہ تھانوی

شیخ امیر اللہ تھانوی کی ران میں بندوق کی گولی اور دائیں ہاتھ میں تلوار کا زخم لگا تھا، وہ بائیں ہاتھ میں خون آلود تلوار لے کر کہتے تھے کہ میرا دایاں ہاتھ بیکار ہو گیا ہے، بائیں ہاتھ سے

---

(۱) رسالدار صاحب کے پاس دو گھوڑے تھے: ایک سمند، دوسرا سبزہ سبزہ ان کا قدیمی گھوڑا تھا، وہ خوب درست کیا ہوا تھا، برچھے، تلوار، بندوق پر خوب لگا ہوا تھا، اس پر سوار ہو کر وہ چھری کٹار سے خاطر خواہ لڑ لیتے، جس سمند پر وہ اس وقت سوار تھے وہ ان کی مرضی کے موافق تربیت یافتہ نہ تھا۔

کچھ کام نہیں ہوسکتا، اس لیے یہ تلوار اس غازی کو دوں گا جو اس سے دشمنان دین کو قتل کرے۔

جب نور بخش جراح ان کے زخموں کی مرہم پٹی کے لیے آئے، تو انھوں نے شیخ صاحب سے کہا کہ آپ کہا کرتے تھے کہ یہاں آکر مجھے کیا حاصل ہوا؟ ابھی تک تو نکسیر تک نہ پھوٹی، اب سچ فرمایے، نکسیر پھوٹی یا نہیں؟ شیخ امیر اللہ نے فرمایا کہ ہاں، الحمدللہ، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

دوسرے شہداء

مایار کی جنگ میں چالیس غازیوں کے قریب شہید ہوئے، جن حضرات کا نام خصوصیت کے ساتھ اوپر آچکا ہے، ان کے علاوہ چند نام، جو مل سکے ہیں وہ یہ ہیں:

شیخ عبدالرحمٰن رائے بریلوی، میر رستم علی چلکانوی، مولوی عبدالرحم تورو کے، حاجی عبدالرحیم (۱) پکھلی والے، شیخ عبدالحکیم پھلتی، کریم بخش گھاٹم پوری۔

غازیوں کی اٹھائیس لاشیں تھیں، جو مولوی مظہر علی صاحب کو ملیں، نو لاشیں مولانا اسمٰعیل صاحب نے دفن کرائیں۔

مایار کے مجروحین

مایار کے جن مجروحین کے نام اوپر آئے ہیں، ان کے علاوہ حسب ذیل حضرات زخمی پائے گئے۔

عبدالکریم خاں (آنولہ)، نور محمد، ان کے بھائی حاجی چاندنا گوری، اللہ بخش باغپتی، میاں جی سید محی الدین پھلتی، محمد سعید خاں رائے بریلوی، قاضی مدنی، مولوی عبدالحکیم بنگالی، مولوی احمد اللہ برادر مولانا عبدالحی، عبدالرحمٰن دکھنی، اعتباری، پیر محمد پانی پتی۔

سید اسمٰعیل رائے بریلوی، شیخ نصر اللہ خورجوی، امام الدین پانی پتی، کریم بخش پنجابی، اسمٰعیل خاں خانپوری، ہلکے طور پر زخمی تھے۔

---

(۱) یہ غالباً حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتی، میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ اور سلسلہ صابریہ امدادیہ کے رکن رکین ہیں۔

میدان جہاد کا غبار

وقائع میں ہے کہ معرکے کے بعد سید صاحبؒ سب غازیوں کے ساتھ نالے پر آئے، نالے کے پار چند درختوں کا ایک باغیچہ سا تھا، نالہ اتر کر اس میں ٹھہرے اس وقت تمام لوگوں کے کپڑے اور چہرے ایسے گرد آلود تھے کہ بعض آدمی فوراً پہچانے نہیں جاسکتے تھے، ارباب بہرام خاں حضرت کے پاس آئے اور رومال لے کر چاہا کہ آپ کے چہرے سے گرد جھاڑیں، آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، ابھی ٹھہر جاؤ، یہ غبار بہت برکت والا ہے۔

حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گرد کی بڑی فضیلت بیان کی ہے کہ جس کے پیروں پر یہ غبار پڑے، وہ شخص عذاب نار سے نجات پائے گا، یہ تمام تکلیف و مشقت اسی گرد کے لیے ہم نے اٹھائی ہے، یہ بات سن کر سب لوگ اسی طرح گرد آلود رہے، اس جگہ کسی نے گرد نہ جھاڑی۔

تورو کو واپسی اور دعا

ظہر کی نماز کے بعد ننگے سر ہو کر بہت دیر تک آپ نے دعا کی، اس دعا میں اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کی خداوندی اور پروردگاری، عظمت و جباری اور رحمت و غفاری اور اپنی ناتوانی و خاکساری کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، آپ کے آنسو اس طرح جاری تھے کہ ڈاڑھی تر ہوگئی تھی اور یہی حال تقریباً تمام لوگوں کا تھا، دعا کے بعد چند گھڑی اور ٹھیرے، پھر کوچ کیا اور موضع تورو میں آکر عصر کی نماز پڑھی۔

ترانہ حمد و توحید

میدان سے مظفر و منصور واپس آنے کے بعد سید صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے کرم عمیم سے ہم کو فتح نصیب فرمائی، اور مسلمان بھی رکھا اور یہ بھی بڑا فضل فرمایا کہ باوجود قلت تعداد و سامان ہم سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ ہم نے فتح حاصل کی یا ہم دشمن پر غالب آئے، ہمارے سب غازیوں کا یہی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض

اپنی قوت وقدرت سے ہم کو ایسے زور آور حریف پر، جو سلطنت اور خزانوں کا مالک تھا اور جو مور وملخ کی طرح ہم پر چڑھ کر آیا تھا، ہم کو فتح مند کیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم تھا کہ اس جنگ میں ہمارے دل میں عجیب قسم کا اطمینان اور سکینت نازل فرمائی کہ جنگ کا شور وہنگامہ ہمارے دل پر کوئی اثر نہ کر سکا، اس وقت ہم کو میدان جنگ میں جانا اور دشمن سے لڑنا ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے کوئی دعوت کو جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم کہیں کھچڑی کھانے گئے تھے۔

شہداء کی تدفین اور دعا

شہداء کو دفن کے لیے لایا گیا، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ ان سب کے چہرے ان کے عماموں سے چھپا دو اور ان کے کپڑے دیکھ لو، جو کچھ پیسہ روپیہ وغیرہ بندھا ہو، اس کو کھول لو، کسی شخص نے قبر میں اتر کر ان کے چہرے ڈھک دیے اور پٹکے وغیرہ ٹٹول لیے، پھر کئی آدمی ایک بڑی سی چادر قبر کے منہ پر تان کر کھڑے ہو گئے اور سب مٹی دینے لگے، تختے بنگے کچھ نہیں رکھے گئے، اسی طرح صرف مٹی سے توپ دیا، اس کے بعد مولانا صاحب اور سب نے مل کر بہت دیر تک ان سب کے لیے دعاء مغفرت کی، جو لوگ شریک دفن تھے، محبت سے روتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ تو جس مراد کو آئے تھے، اس مراد کو پہنچے، ہم لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی شہادت نصیب کرے!

تھوڑی دیر کے بعد مغرب کی اذان ہوئی، سب نے سید صاحبؒ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز کے بعد آپ نے بہت دیر تک برہنہ سر ہو کر ان شہیدوں کی مغفرت کے واسطے دعا کی کہ پروردگار، تو خوب جانتا ہے کہ یہ تمام لوگ محض تیری خوشنودی اور رضا کے لیے اپنا گھر بار اور مال ومتاع چھوڑ کر یہاں آئے تھے اور صرف تیری ہی راہ میں انھوں نے اپنی جانیں صرف کیں، ان کے گناہوں کو اپنے دامن رحمت میں چھپا لے اور فردوس بریں میں ان کو جگہ دے اور ان سے راضی ہو! اور جو ہم چند ضعفاء اور غرباء تیرے عاجز بندے باقی ہیں، ان کو بھی اپنی رضامندی اور خوشنودی کی راہ میں جان ومال کے ساتھ قبول فرما! خطرات ووساوس

دور کر اور دلوں کو اپنے اخلاص و محبت سے معمور کر اور اپنے اس دین محمدی کو قوت اور ترقی عطا کر! اور جو لوگ اس دین متین کے دشمن و بدخواہ ہوں، ان کو ذلیل و رسوا کر! اور جو مسلمان فریب نفس و شیطان سے شریعت کی راہ راست سے بہک کر بادیہ ضلالت میں پڑے ہیں ان کو ہدایت کر کہ پکے مسلمان ہو کر تیرے اس کار خیر میں جان و مال اور اہل و عیال کے ساتھ شریک ہوں!

ہمارے پھلت والے بھائیوں کو نظر نہ لگاؤ

دعا کے بعد کسی صاحب نے کہا کہ حضرت آج کی لڑائی میں چالیس غازیوں کے قریب شہید ہوئے اور زخمی بھی بہت ہوئے اور اچھے اچھے لوگ کام آئے، مگر شہیدوں اور زخمیوں میں جو خیال کیا، تو پھلت والے بھائیوں میں سے سوائے شیخ عبدالحکیم صاحب کے کوئی شہید نہیں ہوا اور نہ زخمی ہوا، یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ ہمارے پھلت والے بھائیوں کو نظر نہ لگاؤ، ان شاء اللہ تعالیٰ ان کا گنج شہیداں کہیں اکٹھا ہوگا۔(۱)

---

(۱) جنگ بالاکوٹ میں ایسا ہوا کہ سوائے ولی محمد اور شیخ وزیر صاحب کے سب شہید ہو گئے۔

پشاور کا قصد

خدا کا رعب اور سہارا کافی ہے

مایار کی جنگ سے فراغت کے بعد سید صاحبؒ نے اطراف و جوانب کے خوانین کو جمع کر کے پشاور کا ارادہ ظاہر فرمایا، ان سب نے تائید کی، سردار فتح خاں اور ارباب بہرام خاں نے رائے دی کہ پشاور کی مہم میں توپیں ساتھ رکھیں جائیں، آپ نے فرمایا کہ تم صاحبوں کا خیال ہے کہ توپوں کا لشکر میں بڑا رعب اور سہارا ہوتا ہے، سو یہ بات کچھ نہیں؛ خدا کا رعب اور سہارا ہمارے لیے کافی ہے، سردار یار محمد خاں بھی تو اپنے ساتھ توپیں لایا تھا، پھر ان توپوں سے کیا کر لیا؟ وہ سب توپیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دلوا دیں، سردار سلطان محمد خاں نے بھی توپوں سے کیا کام بنا لیا؟ فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے جسے چاہے دے۔

روانگی

آپ نے موضع تورو سے موضع مردان کی طرف مع لشکر کوچ کیا، آپ گھوڑے پر سوار پیادوں کی جماعت میں تھے، سواروں کا لشکر آگے پیچھے تھا، دو نشان پیادوں میں تھے اور ایک سواروں میں، اور تینوں کے پھریرے کھلے تھے، شتری نقارہ بجتا تھا اور مولوی عبدالرحمٰن علی مولوی خرم علی صاحب کا لکھا ہوا رسالہ نظم جہادیہ بآواز بلند خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے

جاتے تھے، جو مندرہ ذیل ہے:

بعد تحمید خدا، نعت رسول اکرمؐ　　یہ رسالہ ہے جہاد یہ کہ لکھتا ہے قلم

واسطے دین کے لڑنا، نہ پے طمع بلاد　　اہل اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد

ہے جو قرآن واحادیث میں خوبی جہاد　　ہم بیاں کرتے ہیں تھوڑا سا، اسے کرلو یاد

فرض ہے تم پر، مسلمانوں، جہاد کفار　　اس کا سامان کرو جلد، اگر ہو دیندار

جس کے پیروں پر پڑی گرد صف جنگ جہاد　　وہ جہنم سے بچا، نار سے ہے وہ آزاد

جو مسلمان رہ حق میں لڑا لحظہ بھر　　روضہ خلد بریں ہوگیا واجب اس پر

اے برادر، تو حدیث نبویؐ کو سن لے　　باغ فردوس ہے تلواروں کے سائے کے تلے

دل سے اس راہ میں پیسہ کوئی دیوے گا اگر　　سات سو اس کو خدا دیوگا روز محشر

اور اگر مال بھی خرچا و لگائی تلوار　　پھر تو دیوے گا خدا اس کے عوض سات ہزار

جو کہ مال اپنے سے غازی کو بنادے اسباب　　اس کو بھی مثل مجاہد کے خدا دے گا ثواب

جو نہ خود جاوے لڑائی میں نہ خرچے کچھ مال　　اس پہ ڈالے گا خدا پیشتر از مرگ وبال

جو رہ حق میں ہوئے ٹکڑے، نہیں مرتے ہیں　　بلکہ وہ جیتے ہیں، جنت میں خوشی کرتے ہیں

عمر بھر ہی کے گناہ شہداء مٹتے ہیں　　کیوں نہ ہو؟ راہ خدا ان کے تو سر کٹتے ہیں

فتنہ قبر وغم صور وقیام محشر　　ایسے صدموں سے شہیدوں کو نہیں کچھ ہے خطر

حق تعالیٰ کو مجاہد وہ بہت بھاتے ہیں　　مثل دیوار جو صف باندھ کے جم جاتے ہیں

اے مسلمانو، سنی تم نے جو خوبی جہاد　　چلو اب رن کی طرف مت کرو گھر بار کو یاد

مال واولاد کی، جورو کی محبت چھوڑو　　راہِ مولیٰ میں خوش ہو کے شتابی دوڑو

مال واولاد تری قبر میں جانے کی نہیں　　تجھ کو دوزخ کی مصیبت سے بچانے کی نہیں

گر پھرے جیتے، تو گھر بار میں پھر آؤ گے　　اور گئے مارے، تو جنت میں چلے جاؤ گے

دین اسلام بہت سست ہوا جاتا ہے　　غلبہ کفر سے اسلام مٹا جاتا ہے

پیشوا لوگ اسی طور نہ کرتے جو جہاد　　ہند پھر کس طرح اسلام سے ہوتا آباد

زور تلوار سے غالب رہا اسلام مدام   سستی اگلے جو کبھی کرتے، تو ہوتا گمنام
کب تلک گھر میں پڑے جوتیاں چٹکاؤ گے   اپنی سستی کا جز افسوس نہ پھل پاؤ گے
اب تو غیرت کرو، نامردی کو چھوڑو، یارو   سید احمد سے ملو، جلد سے کافر مارو
بارہ سو سال کے بعد ایسے ارادے والا   ہوا پیدا ہے، مسلمانوں، کرو شکر خدا
تھے مسلمان پریشان بغیر از سردار   ہوا سردار ہے از آل رسول مختارؐ
بات ہم کام کی کہتے ہیں، سنو اے یارو   وقت آیا ہے کہ تلوار کو بڑھ بڑھ مارو
حضرت مولوی، اب طاق میں رکھ دیجیے کتاب   لیجیے تلوار و میدان کو چل دیجیے شتاب
وقت جانبازی ہے، تقریروں کو اب مت چھانٹو   غیر شمشیر کسی سمت کو دل مت بانٹو
ہادیٔ دین ہو تو، تم کو ہے سبقت لازم   تم چلو گے، تو بہت ساتھ چلیں گے خادم
اے گروہ فقراء، نفس کشی کے استاد   عمل نفس کشی کون ہے، بہتر ز جہاد
مت گھسو کونے میں، اے پیر جی مانند حجا   چھوڑو اب چلہ کشی وقت جہاد آ پہنچا
اے جوانان اسد حملہ و رستم قوت   کام کس دن کو پھر آوے گی تمھاری جرأت
ان کا سر کاٹ لیا یا کہ کٹا اپنا سر   دونوں صورت میں جو سمجھو، تو تمھیں ہو بہتر
یعنی، گر مار لیا ان کو، تو پھر بن آئی   اور گئے مارے، تو پھر خاصی شہادت پائی
ایک دن تجھ سے یہ دنیا کا مزا چھوٹے گا   لشکرِ موت ترا ملک بدن لوٹے گا
دوستوں، تم کو تو مرنا ہی مقرر ٹھہرا   پھر تو بہتر ہے کہ جاں دیجیے در راہ خدا
سیکڑوں جنگ میں جاتے ہیں، وہ پھر آتے ہیں   سیکڑوں گھر میں رہتے ہیں، وہ مر جاتے ہیں
موت کا وقت معین ہے، تو سن اے غافل   پھر بھلا موت سے ڈرنے میں تجھے کیا حاصل
جب تلک موت نہیں ہے، تو نہیں مرتے ہیں   موت جب آئی، تو گھر میں بھی نہیں بچتے ہیں
تم اگر ڈرتے ہوئے تکلیف سفر سے، نہ ڈرو   مرد ہو، خطرہ آلام کو دل سے کھو دو
جیسی عادت کرے انسان، سو ہو سکتا ہے   عیش و آرام کی عادت کو بھی کھو سکتا ہے
طمع دنیا کے لیے دیکھو ہزاروں یہ سپاہ   چھوڑ کر سر کو کٹاتے ہیں، نہیں کرتے "آہ"!

ہے عجب یہ کہ مسلمان بھی کہلاتے ہو جھوٹے حیلے رہ اللہ میں بتلاتے ہو
تم تو اس طور سے دنیا پہ بہت پھول گئے جو رولڑکوں کی محبت میں خدا بھول گئے
آج اگر اپنی خوشی راہ خداجاں دو گے پھر تو کل چین سے جنت میں مزے لوٹو گے
چھوڑو گے لذت دنیا کو اگر بہر خدا پھر تو جنت میں ہمیشہ ہی اڑاؤ گے مزا
سرپٹک ،پیر رگڑ گھر میں کا مرنا بہتر یارہ حق میں فدا جان کا کرنا بہتر
گر رہ حق میں نہ دی جان ،تو پچھتاؤ گے اور پیمبرؐ کو یہ منہ کیا دکھلاؤ گے
ایک ہے شرط کہ تم مانو بدل حکم امام ورنہ تلوار لگانا بھی نہیں آوے کام
جو کہ خود رائے بھی لڑنے لگے در راہ جہاد ان کا ناحق یہ بہا خون ، ہے محنت برباد
خوب اللہ ومحمدؐ کو جو پہچانتے ہیں اپنے سردار کے کہنے کو بدل مانتے ہیں
اہل ایمان کو کافی ہے دلا اتنا پیام اب مناجات سے بہتر ہے کہ ہو ختم کلام
اے خداوند سماوات و زمیں ،رب عباد اب مسلمانوں کو دے جلد سے توفیق جہاد
اپنا دے زور ،مسلمانوں کو کر زور آور وعدہ فتح جو ہے ان سے کیا ، پورا کر
ہند کو اس طرح اسلام سے بھر دے اے شاہ
کہ نہ آوے کوئی آواز جز اللہ !اللہ!

مردان کی گڑھی کا تخلیہ

گردونواح کے جو خوانین اور ہوتی مردان کے جو ملا حاضر ہوئے انھوں نے عرض کیا کہ درانیوں کا مال خیمہ واسلحہ وغیرہ ہوتی اور مردان میں پڑا ہے؛ ایسا نہ ہو کہ کوئی ان کو تلف کر دے اور اس کی گرفت اہل قصبہ سے ہو۔

سید صاحبؒ نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ سو آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ تشریف لے جائیں اور اس سامان کو اپنے قبضے میں لے لیں ،مولانا نے سو آدمیوں کا انتخاب کیا۔
سید جعفر علی صاحب کہتے ہیں کہ میرا بھی اس سلسلے میں انتخاب ہوا، میں نے رات کو کھانا نہیں کھایا تھا، اس سے اگلا دن بھی خشک روٹی کے ایک ٹکڑے پر گزرا تھا، میں نے عرض

کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں کچھ کھالوں، مولانا نے فرمایا کہ روٹی لے لو، دیہات کے باہر جا کر کھالینا، غرض یہ کہ لشکر بڑی عجلت کے ساتھ مولانا کے ساتھ روانہ ہوا، جب ہوتی کے قریب پہنچے، تو احمد خاں کے پنجابی ملازمین نے بندوقیں چلانی شروع کیں، مولانا نے اسکی کچھ پروا نہیں کی اور گڑھی کے جنوبی دروازے کے بہت قریب پہنچ گئے، بندوق کی کچھ گولیاں ہماری جماعت کے اندر بھی پہنچیں، آپ نے گڑھی کے مغرب کی جانب رخ کیا اور وہاں سے گڑھی کی طرف بڑھنا شروع کیا، ہمراہیوں سے فرمادیا کہ متفرق ہو جاؤ اور تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے چار چار قدم کے فاصلے پر رہے، خود جماعت کے آگے آگے تھے، ہوتی سے مردان تک سیکڑوں گولیاں ہمارے سر سے گزر گئیں، لیکن اللہ کے فضل سے کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔

مردان کے مغربی جانب ایک باغ تھا، اس میں بڑے بڑے درخت تھے، باغ کے بیچ میں کچھ نشیبی زمین ایسی تھی کہ اگر کوئی شخص اس میں بیٹھ جائے تو گڑھی کی جانب سے آنے والی گولیوں سے محفوظ رہے گا، مولانا خود بھی وہیں بیٹھ گئے اور لشکر کو بھی وہیں بٹھایا، دیر تک وہیں بیٹھے رہے، چہرے پر غصے کے آثار ظاہر تھے، دیر تک گولیاں اس زمین کے کنارے پڑتی رہیں، جو بلندی پر واقع تھا، اس سے ڈھیلے اڑ اڑ کر ہمارے سر پر پڑتے تھے ایک گھڑی کے بعد بندوقچی سست پڑ گئے، اتنے میں دیہات کے ملا حاضر ہوئے اور مولانا سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو کھانا لے آئیں مولانا نے فرمایا کہ تمھارا ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو بندوق کی گولی سے بچ گیا ہے اس کو زہر آلود کھانا کھلا کر مار ڈالو، خبر دار ہو جاؤ کہ ہم درانیوں کی وہ توپیں، جو ہم کو مال غنیمت میں ملی ہیں، منگوا کر تمھاری اس گڑھی کو مسمار کر دیں گے، ملاؤں نے بڑی لجاجت سے کہا کہ اسمیں ہمارا قصور نہیں احمد خاں باغی کے نوکروں کا فعل ہے ہم نے ان کو بہت منع کیا تھا، لیکن انھوں نے کہا کہ اگر ہم بغیر بندوق چلائے گڑھی حوالے کر دیں گے، تو ہم اپنے آقا کے نمک حرام ہو کر عذاب الٰہی میں مبتلا ہوں گے، مولانا نے فرمایا کہ جاؤ پہلے گولیاں موقوف کراؤ، پھر کھانا لاؤ۔ احمد خاں کے نوکروں سے کہہ دو کہ گڑھی سے باہر نہ جائیں، عنقریب توپیں آتی ہیں، ان توپوں کے گولوں سے گڑھی کو مسمار کر کے تم کو تلاش کیا جائے گا۔

جب ملا گڑھی کی طرف واپس ہوئے اور ان کو پیغام پہنچا، تو گولیاں فوراً موقوف ہوگئیں، مولانا نے سب حال لکھ کر سید صاحبؒ کی خدمت میں بھیج دیا اور توپوں کی بھی درخواست کی، گڑھی کے چاروں طرف فصیل تھی اور دو دروازے تھے: ایک جنوب کی جانب اور ایک مغرب کی جانب گڑھی کے اندر سے کھانا آیا اور مولانا نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تناول فرمایا(۱)۔

رسول خاں برادر احمد خاں کی طرف سے ملا پیغام لائے، جس میں اس نے بڑی خوشامد سے عرض کیا تھا کہ میں بے قصور ہوں، درانیوں نے احمد خاں کو اس گڑھی پر قابض کر دیا تھا، میں نے مجبور ہو کر ان کی رفاقت کی، اس اطاعت و رفاقت کے باوجود رعایا ان کی دست درازی سے محفوظ نہیں رہی، اب آپ میرے حق میں جو تجویز فرمائیں، مجھے بسر و چشم قبول ہے، مولانا نے جواب میں فرمایا کہ تمھاری بے گناہی اور خیر خواہی جب ثابت ہوگی جب تم حضرت امیر المومنین کی اطاعت قبول کرلو گے، میں ان کا نائب ہوں، اب تم کو چاہیے کہ گڑھی کے چھ برجوں کو خالی کر دو، ہمارے غازی وہاں جا کر ان برجوں میں قیام کریں گے اور لشکر کا ایک گروہ دیہات کے اندر قیام کرے گا، سردار اپنے ہتھیاروں کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں آئے، ہم اپنے سواروں کے ساتھ اس کو امیر المومنین کے پاس بھیجیں گے، کل یا پرسوں جب بھی آپ یہاں تشریف لائیں گے، وہ ان کے ہمراہ رکاب آئے گا، پھر امیر المومنین جیسا مناسب سمجھیں گے، اس کے حق میں فیصلہ کریں گے۔

رسول خاں نے یہ تمام باتیں قبول کرلیں، لیکن عرض کیا کہ ایک بات میری قبول کرلی جائے کہ لشکر ہمارے قصبے میں داخل نہ ہو اس لیے کہ رعایا درانیوں کے ہاتھوں تباہ ہوگئی ہے، جب یہ لشکر جرار قصبے میں داخل ہوگا تو اہل قصبہ کے لیے بیٹھنے کی جگہ نہ رہے گی، مولانا نے فوراً اس بات کو قبول کرلیا، لیکن فرمایا کہ دو گروہ مستثنیٰ ہیں، ایک تو خود سید صاحبؒ گڑھی میں قیام فرمائیں گے، دوسرے مولوی عبدالوہاب قاسم غلہ کسی مسجد میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قیام کریں گے۔

---

(۱) منظورہ ص ۸۷۶، تا ۸۷۹

جانبین سے یہ معاملہ طے ہوگیا، تو آپ نے مرزا احمد بیگ پنجابی اور ان کی جماعت کو برجوں کے پہرے اور قصبے کے دروازے کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا، مولانا نے سردار رسول خاں کو اپنے دس بارہ سواروں کے ساتھ لشکر گاہ اسلام تورو کو روانہ کیا، مولانا نے ان سواروں کی زبانی اس معاہدے کی بھی اطلاع سید صاحبؒ کو بھیج دی کہ لشکر اسلام میں سے کوئی شخص ہوتی اور مردان کے دیہات میں داخل نہیں ہوگا(۱)۔

وقائع میں ہے، کہ گڑھی کے قریب کسی ملکی نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے کان میں کہا تھا کہ آپ گڑھی میں خبردار ہو کر داخل ہوں اور جب تک وہاں کے تمام مکانوں کی تلاشی نہ لے لیں، تب تک سید صاحبؒ کو وہاں نہ بلائیں کہ کہیں کچھ دغا فریب نہ ہو، یہ بات سن کر مولانا وہیں ٹھہر گئے اور مزید تیس چالیس غازی لشکر سے بلوائے، پہلے گڑھی کے دروازے پر بیس غازی متعین کیے اور کہہ دیا کہ کوئی آدمی باہر سے اندر نہ جانے پائے، اور جو اندر سے کوئی اپنا مال واسباب لے کر باہر نکلے تو اس سے مزاحمت نہ کی جائے، اس کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب گڑھی کے اندر داخل ہوئے، شیخ صاحب تو لوگوں کے مال واسباب نکلوانے میں مشغول ہوئے اور مولانا نے گڑھی کے مکانوں کی تلاشی لینی شروع کی کہ کہیں بارود نہ بچھی ہو یا بارود کا کوئی کپا نہ دبا ہو۔

غلط اطلاع کی بنا پر سید صاحبؒ کی آمد اور مولانا اسمٰعیل صاحب کی ناراضگی

ابھی کچھ تھوڑا سامان نکلوانا باقی تھا کہ کسی ملکی نے سید صاحبؒ سے جا کر کہا کہ آپ گڑھی میں تشریف لے چلیں، مولانا صاحب بلاتے ہیں، یہ سن کر آپ بسم اللہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور گڑھی کو تشریف لے چلے، تقریباً دو سو آدمی جو آپ کے ساتھ درختوں کے نیچے تھے، آپ کے ہمراہ ہوئے، لشکر والوں نے دیکھا، تو ان میں سے بہت آپ کے ساتھ ہو لیے، اور آنے والوں کو تانتا بندھ گیا۔

کسی نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے کہا کہ سید صاحبؒ تشریف لائے ہیں اور آپ

(۱) منظورہ ص ۸۷۹، تا ۸۸۲

کے ہمراہ بہت لوگ ہیں، یہ سن کر مولانا اسمٰعیل صاحب نہایت غصے کی حالت میں سید صاحبؒ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ نے تو مجھ سے فرمایا تھا کہ تیرے بلائے بغیر ہم نہ آئیں گے، اور نہ کوئی لشکر کا آدمی جانے پائے گا، اب آپ کے تشریف لانے سے لشکر کے صدہا آدمی یہاں گھس آئے! نہ میں نے آپ کو بلوایا اور نہ آپ نے مجھ سے پچھوا بھیجا، آپ یوں ہی چلے آئے، رعایا کا اسباب گھروں سے نکلوایا جا رہا ہے، اگر کسی کا مال واسباب جاتا رہا، تو نقض عہد ثابت ہوگا، بہتر یہی ہے کہ اس وقت آپ یہاں سے تشریف لے جائیں، یہ بات انھوں نے کئی بار کہی، یوں غصے ہو کر سید صاحبؒ سے کلام کرنا لوگوں کو ناگوار ہوا، مگر کسی نے دم نہ مارا۔

سید صاحبؒ نے فرمایا کہ میاں صاحب، مجھ سے تو کسی نے جا کر یہ کہا کہ مولانا صاحب آپ کو بلاتے ہیں، تب میں یہاں آیا، ورنہ کاہے کو آتا، مولانا صاحب نے کہا کہ میں نے تو کسی سے نہیں کہا تھا، یہ بات سن کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں جاتا ہوں اور درختوں کے نیچے تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہی بھی باہر نکل گئے، جو لوگ ادھر ادھر گڑھی میں باقی رہ گئے تھے، ان کو تلاش کر کے مولانا نے باہر نکال دیا۔

جب کچھ دیر میں رعایا کا سب اسباب نکل چکا اور مولانا مکانوں کی تلاشی بھی لے چکے، تب شیخ ولی محمد صاحب نے جا کر سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ گڑھی خالی ہے، اب آپ تشریف لے چلیں، یہ بات سن کر آپ گڑھی میں تشریف لائے اور دو ڈھائی سو آدمی، جو آپ کے ہمراہ گڑھی میں گئے تھے، وہ جا بجا گڑھی کے مکانوں میں اترے، اس وقت شیخ ولی محمد صاحب نے آپ سے کہا کہ مولانا صاحب جو اس وقت آپ کے آنے سے ناخوش ہوئے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ ایک ملکی نے ان سے کہا تھا کہ گڑھی میں ہوشیاری سے جانا اور جب تک وہاں کے ہر مکان کی تلاشی نہ لے لینا، تب تک سید صاحبؒ کو گڑھی میں نہ بلانا، وہ اس وقت مکانوں کی تلاشی لے رہے تھے، دوسرے رعایا کا سب اسباب بھی نہیں نکل چکا تھا، اگر اس بھیڑ بھاڑ میں کسی کا کچھ اسباب جاتا رہتا، تو الزام اور بدنامی کی ایک صورت ہوتی۔

امیر و مامور کا اخلاص وللّٰہیت

منظورہ میں ہے کہ "جب مولانا کو سید صاحبؒ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو فرط تاثر میں

یہاں تک فرمایا کہ یہ لشکر ہے، اس کو میدان میں ٹھہرنا چاہیے تھا؛ پیرزادوں کا قافلہ نہیں ہے کہ دیہات میں گھس آئے، سید صاحبؒ نے جب مولانا کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ مولانا، میں ابھی باہر جاتا ہوں اور قلعے میں جہاں نشست تھی، فوراً اٹھ کر گڑھی کے مشرقی دروازے سے باہر تشریف لے آئے اور شہتوت کے درخت کے نیچے پانی کے کنارے آکر بیٹھ گئے، لشکر کے لوگ اور ملکی بھی وہاں موجود تھے۔

جیسے ہی سید صاحبؒ گڑھی سے تشریف لے چلے، مولانا کا غصہ فرو ہو گیا اور سید صاحبؒ کے ساتھ ہی درخت کے نیچے آکر دوزانو مودب بیٹھ گئے، سید صاحبؒ نے قصبے کے باشندوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم نے ہمارے اہل لشکر کی مولانا سے شکایت کی اور مولانا کو غصے میں لے آئے، حالانکہ تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے لشکری کسی کی کوئی چیز نہیں لیتے، اگر کبھی ضرورت پڑتی ہے تو دو چیزیں مانگ لیتے ہیں اور جاتے وقت دے کر جاتے ہیں، ایک چارپائی، دوسرے مٹی کی ہانڈیاں کھانا پکانے کے لیے، ایسی چھوٹی چیز کے لیے تمھیں مولانا سے شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس وقت اہل قریہ نے بہت عذر معذرت کی اور عرض کیا کہ ہماری تقصیر معاف ہو اور آپ اندر تشریف لے چلیں، آپ نے مولانا سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مولانا کسی نے بھی مجھے آپ کے معاہدے کی اطلاع نہیں دی، مولانا نے بڑے عجز وانکسار کے ساتھ سر جھکا کر کہا کہ حضرت، میں نے دو بار یہ اطلاع آپ کے پاس بھیجی: ایک بار کل سواروں کی زبانی اور ایک بار آج آخوند فیض محمد کی زبانی، سید صاحبؒ نے فرمایا: مجھ تک تو کسی نے بھی اطلاع نہیں پہنچائی، ورنہ ایسی غلطی نہ ہوتی، مولانا نے آخوند فیض محمد سے کہا کہ تم نے بھی اتنا ضروری پیغام نہ پہنچایا، آخوند نے کہا کہ میں جس وقت یہاں سے روانہ ہو کر سید صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا، آپ کی سواری روانہ ہو چکی تھی، ہجوم اس قدر تھا، کہ میں باوجود کوشش کے بھی آپ تک نہ پہنچ سکا، یہ سمجھ کر کہ کل سواروں نے پیغام پہنچا دیا ہوگا، میں بھی مجمع کے پیچھے پیچھے ہو لیا، سید صاحبؒ نے اور مولانا نے آخوند فیض محمد کا یہ عذر قبول کیا(۱)۔

---

(۱) منظورہ، ص ۸۸۴، تا ۸۸۶

مردان سے پشاور تک

مردان سے کوچ

مردان میں دو رات رہ کر تیسرے دن آپ نے وہاں سے کوچ کیا، گڑھی کے بندوبست کے لیے آپ نے حاجی بہادر شاہ خاں کو سو غازیوں کے ساتھ جن میں کئی شخص کچھ کچھ زخمی بھی تھے، چھوڑا حاجی حمزہ علی خاں ساکن لہاری کو عبدالحمید کے بجائے سواروں کا رسالدار بنا دیا، وہاں سے کوچ کرنے کے وقت آپ کے ہمراہ رکاب ملکی اور ہندوستانی ملا کر تخمیناً چھ سات ہزار آدمی تھے۔

راستے میں چارسدے میں قیام ہوا، وہاں کے لوگوں نے درانیوں کے ظلم وستم کی شکایت کی کہ جب وہ شکست کھا کر اس طرف سے گزرے، تو انھوں نے خود اپنے علاقے اور ملک مقبوضہ پر دست درازی کی، گویا کہ ان کا اس ملک سے علاقہ ریاست باقی نہیں رہا تھا، وہاں کی تمام رعایا ان کے ظلم وستم سے نالاں ان کے حق میں بددعا کرتی تھی۔

وہاں سے پشاور پندرہ سولہ میل تھا، لیکن دریا پر کوئی کشتی نہ مل سکی، درانیوں نے دریا عبور کر کے کشتیوں کو ڈبو دیا تا کہ غازیوں کے ہاتھ نہ لگیں، بالآخر وہاں سے تنگی کی طرف کوچ ہوا، جو چارسدے سے شمال مغرب ہے، وہاں سے دریائے سوات کو، جو ایک جگہ سے پایاب

تھا، عبور کیا اور مٹہ میں قیام ہوا، وہاں کے لوگ لشکر کی آمد سے بہت خوش تھے اور کہتے تھے کہ سبحان اللہ! یہ عجیب لشکر ہے، کہ باوجود اس کے کہ چھ سات ہزار پیادہ وسوار نے پڑاؤ ڈالا ہے، لیکن کسی پر کوئی ظلم وتعدی نہیں ہے، اس کے برخلاف درانیوں کے دو پیادے آجاتے تھے، تو ہم لوگ گھر چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔

مٹہ سے چل کر شب قدر پڑاؤ ہوا، شب قدر کے لوگ ارباب بہرام خاں سے تعلق رکھتے تھے، بڑی عقیدت کے ساتھ سید صاحبؒ سے پیش آئے، مرد وزن سب لشکر اسلام کی آمد سے مسرور تھے اور اللہ کا شکر ادا کرتے تھے، مرد بہت دور تک پہنچانے آئے، عورتیں دورویہ صف بنا کر کھڑی ہوگئیں، جب سید صاحبؒ کی سواری گزری، انھوں نے سلام کیا، بعض بوڑھی عورتوں نے آپ کے قدم کی طرف ہاتھ بڑھائے، آپ ایسے موقع پر گھوڑے کو تیز کر دیتے اور ان کو اس حرکت سے منع کرتے۔

حکومت کا رعیت کے ساتھ معاملہ

مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ ''دو تین روز اس نواح میں قیام ہوا، اس علاقے کے ارباب، جن کی حیثیت وہ ہے، جو ہمارے ملک میں قانون گو کی ہوتی ہے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پشاور کا انتظام سنبھال لینے کے درخواست کی، آپ نے ان سے پوچھا کہ تمھارے یہاں کس طرح انتظام ہوتا ہے، انھوں نے کہا کہ سرداران پشاور کی طرف سے خراج محاصل کا یہ اصول ہے کہ رعایا کھیتی کا غلہ نصف وصول کر لیتے ہیں، اور ارباب منشی خانہ، وڑوائی (۱) اور محافظ کا خرچ بھی رعایا کے ذمے ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رعایا کے حصے میں پیداوار کا صرف تہائی حصہ آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ رعایا پیداوار کا تہائی حصہ نقد کی صورت میں ہم کو ادا کر دے۔ باقی سارے انتظامات کا خرچ امام کے ذمے ہے، نہ کہ رعایا کے، اس سال تو یہی انتظام، آئندہ سال مستقل انتظام کیا جائے گا، اس لیے کہ حاکم کو یہ جائز نہیں ہے کہ ایک بار قول وقرار کر کے سال دو سال بعد اس سے پھر جائے، اس لیے ہم نے

(۱) وڑوائی پشتو میں غلہ تولنے والے کو کہتے ہیں۔

اس سال کی قید لگائی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ارباب، منشی خانے اور دڑ وائی کے مصارف حکومت کے ذمے ہوں گے، اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے ملے گا، اور اگر ہمارے انتظام میں کسی سے مزدوری یا نوکری پر کام لیا جائے گا، تو اس کی اجرت دی جائے گی، البتہ اگر کوئی سوار یا پیادہ تحصیل وصول کے لیے دیہات کے خوانین کے پاس جائے، تو ان خوانین کو چاہیے کہ اس کو اپنا بھائی سمجھ کر اس کی دعوت کریں اور اس کو چاہیے کہ وہ کسی چیز کی فرمائش نہ کرے، اگر خوانین سے وہ کسی چیز کی فرمائش کرے، تو ہمارے یہاں اس کی باز پرس ہوگی اور خوانین بھی اس کو سرکاری مطالبہ ادا نہ کریں۔

یہاں کے لوگوں کو لشکر اسلام میں شرکت کی بھی دعوت دی گئی، چنانچہ قوم کتو زئی لشکر کے ساتھ شریک ہوئے، جو لوگ لشکر اسلام میں پہلے سے موجود تھے اور ان کے دیہاتوں کو درانیوں نے ضبط کر لیا تھا، انھوں نے اپنی سند و کاغذات کے مطابق اپنی جائداد پائی اور اپنے کارندوں کو جاگیر کی آبادی کا حکم دے کر خود لشکر اسلام میں حاضر رہے، اسی سلسلے میں ترنگ زئی کے رسول خاں کو اس دیہات کی معافی کا پروانہ ملا۔

عبور دریا کے انتظامات

میچنئی کے گھاٹ پر درانی سوار روزانہ آتے تھے، انھوں نے اہل خیبر کو سات سو روپے اس غرض کے لیے دئے تھے کہ غازیوں کو دریا اترنے نہ دیا جائے، خیبریوں کا ملک ارباب بہرام خاں کے ہاتھ گرفتار ہوگیا، ارباب نے اس کو مجاہدین کے دریا سے پار ہونے کا انتظام کرنے کا حکم دیا اور سید صاحبؒ کی اجازت سے دو تین سو غازی اپنے ساتھ لے کر میچنئی کو روانہ ہوئے، میر رحمان علی، ملا قطب الدین اور ملا لعل محمد نے اپنی جماعتوں کے ساتھ دریا عبور کیا، ان کو تاکید کی گئی کہ یہ لشکر پیادہ پہاڑ پر قیام کرے اور ساری رات ہوشیاری کے ساتھ رہے، صبح لشکر پار اتر جائے گا، اگر درانی ادھر سے حملہ کریں گے، تو ان کی تدبیر رات کو نہیں چل سکے گی، درانی سوار اپنے معمول کے مطابق صبح صادق سے پہلے پہنچے، اور نماز فجر کے بعد سید صاحبؒ شب قدر سے روانہ ہوئے، درانیوں نے دن کی روشنی میں جب لشکر کو پہاڑ کے

اوپر دیکھا، انھوں نے لشکر کی طرف رخ کیا اوران پر گولیاں چلائیں، ادھر دریا کے اس پار سید صاحبؒ اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گئے، درانی یہ دیکھ کر پشاور کی طرف روانہ ہوگئے، لشکر جالوں کے ذریعہ دریا پار ہوا، جولوگ تیرنا جانتے تھے انھوں نے گھوڑوں کی لگام پکڑ کران کو دریا کے پار پہنچادیا، جولوگ تیرنا نہیں جانتے تھے، ان کو دوسروں پیراک ساتھیوں نے ان کے گھوڑوں کو دریا کے پار کرایا، چنانچہ فرج اللہ عرب نشان بردار لشکر اسلام نے سترہ گھوڑوں کو پار کرایا، دودن میں تمام لشکر دریا کے پار ہوا، مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو حکم ہوا کہ پانسو آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ آگے جائیں۔

اسلامی مساوات

اس وقت میچنئی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، جس میں اکثر پھونس کے جھونپڑے تھے، ہر جھونپڑا ایک دوسرے سے الگ تھا، ایک روز لشکر میں تقسیم کرنے کے لیے غلہ نہ تھا، جس کے پاس کچھ بچا ہوا رہ گیا تھا، اس نے کھایا، باقی لشکر نے ایک گائے کے گوشت پر بسر کی، وہ کسی کو پہنچا کسی کو نہیں پہنچا، جو تھوڑا سا غلہ ملا وہ سید صاحبؒ کے حکم سے ان لوگوں کو بھیج دیا گیا، جو دریا کے دوسری طرف حفاظت کے لیے بھیج دیے گئے تھے، سید صاحبؒ کے لیے کھانا تیار ہوکر آیا، تو فرمایا کہ معاذ اللہ! کہ میں تنہا کھالوں اور دوسرے فاقے سے ہوں، لوگوں نے عرض کیا کہ اتنے کھانے میں تو اہل لشکر کا بھلا نہ ہوگا، مناسب یہی ہے کہ یہ آپ نوش فرمالیں، ہر چند لوگوں نے اصرار کیا، آپ نے قبول نہیں فرمایا، ایک پہر گزرنے کے بعد آٹا آیا، مولوی عبدالوہاب صاحب قاسم غلہ نے عرض کیا کہ آپ کے لیے جو کھانا تیار کیا گیا تھا، اب نوش فرمالیں، فرمایا کہ جو آٹا آیا ہے، سارے لشکر کے لیے کافی ہوجائے گا؟ مولوی عبدالوہاب صاحب نے کہا کہ گزر کے لیے کافی ہوجائے گا، فرمایا کہ کتنا حصے میں آئے گا؟ انھوں نے عرض کیا کہ فی کس آدھ پاؤ، آپ نے الحمدللہ کہی اور کھانا منگا کر تناول فرمایا۔

میچنئی سے موضع ریگی میں آئے، جو قوم خلیل (ارباب بہرام خاں کی قوم) کا دیہات ہے، اہل دیہات نے حسب استطاعت ضیافت کی، یہاں ارباب بہرام خاں کے

حقیقی بھائی ارباب جمعہ خاں تین چار سو آدمیوں کے ساتھ آ کر لشکر میں شامل ہو گئے، پشاور کے بعض طالب علموں سے معلوم ہوا کہ سرداران پشاور نے اپنے متعلقین کو کوہاٹ روانہ کر دیا ہے، اور خود اپنے لشکر کے ساتھ کسی دیہات میں پڑے ہوئے ہیں، صبح کو ریگی سے کوچ کر کے گمٹ فروسہ میں آئے، اور پیر تاریک کی قبر کے قریب قیام ہوا۔

سلطان محمد خاں کا پیغام

یہیں ارباب فیض اللہ خاں سلطان محمد خاں کی طرف سے وکیل ہو کر آئے۔

وقائع میں ہے کہ ''ارباب فیض اللہ خاں نے سلطان محمد خاں کی طرف سے عرض کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے بڑا قصور ہوا کہ ہم نے آپ کا مقابلہ کیا، ہم اپنے قصور سے توبہ کرتے ہیں، آپ ہمارا قصور معاف فرمائیں (۱) اور یہاں سے پلٹ جائیں۔

آپ نے فرمایا کہ خاں بھائی، ہم کو تمھاری خاطر منظور ہے، مگر یہاں سے پلٹ جانے میں یہ بات ہے کہ تمھارے سردار اس بات کا احسان نہ مانیں گے، یہاں سے ان شاء اللہ کل پشاور کو چلیں گے، اگر وہ اپنے اس عہد و پیمان پر سچے دل سے قائم ہیں، تو ہم ان کو اپنی طرف سے پشاور میں بٹھا کر چلے آئیں گے، اس لیے کہ ہم نے ہندوستان سے اس ملک میں صرف اس واسطے آئے ہیں کہ یہاں کے سب بھائی مسلمانوں کو متفق کر کے کافروں پر جہاد کریں کہ اسلام کی ترقی ہو اور کفار مغلوب ہوں، سو یہ درانی وغیرہ اپنی نادانی اور بیوقوفی سے ہم مسلمانوں کی شرکت چھوڑ کر کافروں کے حامی و مددگار بنے ہیں اور ان کی طرف سے ہمارا مقابلہ کرتے ہیں، ہم نے ان کو بارہا خط لکھ کر وعظ و نصیحت سے بہتیرا سمجھایا کہ یہ اپنی شرارت اور بغاوت سے باز رہیں، اور ہمارے شریک ہوں، مگر ان کے خیال فاسد میں کچھ نہ آیا، یہاں تک کہ ہم پر لشکر کشی کر کے یہاں سے سمہ کو گئے اور ہم سے لڑے اور ہیبت الٰہی سے

---

(۱) منظورہ کے الفاظ ہیں کہ سلطان محمد خاں توبہ کے لیے حاضر ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی کافر بھی آپ کی خدمت میں آ کر ایمان لائے، آپ اس کو ضرور مسلمان بنائیں گے، میں تو مسلمان اور مسلمان زادہ ہوں، اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہوں، اب کبھی مجھ سے ایسی تقصیر نہ ہوگی، مدۃ العمر آپ کا تابع رہوں گا''۔ (ص ۹۰۴)

ایسی شکست فاش کھا کر وہاں سے بھاگے، تب ہم نے بھی وہاں سے ان کا تعاقب کیا کہ اب ان کو سزا دینی ضروری ہے، اس کے بغیر یہ اپنی شرارت سے باز نہ رہیں گے، والا ہم کو غرض نہ تھی کہ ہم ان کا پشاور چھین لیں، سو خان بھائی، اب تم جا کر ان کو اس عہد و پیمان پر پکا کرو کہ بار دیگر پھر بدعہدی نہ کریں۔

ارباب فیض اللہ خاں بہت خوش ہوئے اور آپ سے رخصت ہو کر اس کے پاس گئے، اگلے روز کچھ دن چڑھے پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کے فرمانے کے موافق میں ان کو خوب پکا کر کے آیا ہوں، آپ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ آج ہم پشاور میں داخل ہوں گے، تم جا کر ان سے کہو کہ خبردار اپنی جگہ سے نہ ہلنا وہیں رہنا، یہ کہہ کر تم ہمارے پاس آ جانا، ہم تم کو اپنے ساتھ لے چلیں گے۔

انتیسواں باب

پشاور میں

پشاور میں داخلہ

سید صاحبؒ نے سردار فتح خاں اور ارباب بہرام خاں کو بلا کر فرمایا کہ تم اپنے لوگوں کو یہ خبر پہنچا دو کہ آج پشاور کو چلنا ہوگا، خبردار کوئی بھائی کسی رعایا پر دست اندازی نہ کرے، اس لیے کہ سردار سلطان محمد خاں کی طرف سے صلح کا پیام ہے، پھر آپ نے ارباب بہرام خاں سے فرمایا کہ تم اپنے کسی معتبر آدمی کو پشاور بھیج دو کہ جا کر بازار میں پکار دے کہ آج سید صاحبؒ کا لشکر یہاں آئے گا، سب دوکاندار اپنی اپنی دوکان کے دروازے بند کرلیں کہ کسی کا کچھ مال واسباب جاتا نہ رہے۔

ارباب بہرام خاں نے اپنے ارباب جمعہ خاں کو یہ تقریر فہمائش کر کے ساٹھ ستر سوار اور اسی قدر پیادوں کے ساتھ نماز ظہر کے بعد پشاور کی طرف روانہ کیا، ادھر لشکر میں کوچ کا نقارہ ہوا، سب پیادہ وسوار کمر باندھ کر اور ہتھیار لگا کر تیار ہوئے، کچھ دیر میں عصر کی اذان ہوئی وہیں سب نے نماز پڑھی، سید صاحبؒ نے ننگے سر ہو کر دعا کی اور وہاں سے مع لشکر کوچ کیا، سواروں کا پرا پیچھے تھا اور پیادوں کی صف آگے تھی، اسی کے اندر سید صاحبؒ اپنے اژدر گھوڑے پر سوار تھے، شتری نقارہ بجتا تھا، ایک نشان سواروں میں دو پیادوں میں تھے، تینوں

کے پھریرے کھلے تھے، ملکیوں کی جماعتوں میں بھی بہت سے نشان تھے، اکثر ملکی لوگ اپنی اپنی جماعت میں ننگی تلواریں ہلاتے، اچھلتے کودتے اور سید صاحبؒ کی تعریف میں چار بیت کہتے ہوئے چلے جاتے تھے۔

مغرب کا وقت آیا، لوگوں نے نماز کا ارادہ کیا، لشکر میں کہیں کہیں لوگ پڑھنے بھی لگے، اس عرصے میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے پکار کر کہا کہ بھائیو، نماز کا موقع یہاں نہیں ہے، پشاور میں پہنچ کر مغرب کا اور عشاء جمع کر کے پڑھ لینا، یہ آواز سنکر جو نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے، انھوں نے تو پڑھ لی، باقی لوگ سب اسی طرح روانہ ہوئے۔

اہل شہر کی مسرت واستقبال

مغرب کی جانب کابلی دروازے سے بازار میں ہوکر شہر میں داخل ہوئے بازار کی دکانیں تو بند تھیں، مگر جابجا سبیلیں رکھی تھی، کوئی پانی کی، کوئی شربت کی، جابجا چراغ بکثرت دکانوں کے چبوتروں پر اور دکانوں کی چھتوں پر روشن تھے، تمام رعایا سید صاحبؒ اور غازیوں کے واسطے دعائے خیر کرتی تھی۔

سید صاحبؒ اور لشکر کی فرودگاہ

لشکر گول گٹھری میں، جو ایک وسیع پختہ سرائے تھی، سرائے کے باہر ٹھہرا، سرائے کے اندر غربی اور جنوبی کونے کی طرف ایک دومنزلہ تہ خانے دار حویلی تھی کہ تین طرف سے اس میں اکہرے دالان تھے اور ایک طرف دہرا دالان تھا، اس میں سید صاحبؒ کا قیام ہوا، باقی تین طرف کے دالانوں میں جماعت خاص کے لوگ اترے، حویلی کے سامنے جو مکان تھا، اس میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور ان کی جماعت کے لوگ اترے، حویلی کی پشت کے طرف کے مکان میں شیخ ولی محمد صاحب اور ان کی جماعت کے لوگ اترے، ارباب بہرام خاں نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس پھاٹک پر قیام کیا، جو مغرب رو تھا، اس لیے کہ وہ اس ملک کے روساء میں سے تھے ہر ایک سے ان کی واقفیت تھی، خوانین سمہ کو آپ نے سرائے

کے شرقی دروازے کے باہر انتظام کے واسطے اتارا، باقی لشکر سرائے کے اور مکانوں میں اترا، سرائے کے کوٹھوں کی جو منڈیریں ٹوٹ گئی تھیں بنوادی گئیں، سرائے کی مسجد میں خس و خاشاک بہت پڑا ہوا تھا اور دو تین ٹکڑے پھٹی ٹوٹی چٹائی کے بھی بچھے ہوئے تھے، مسجد کو صاف کروادیا گیا اور نئی چٹائیاں بازار سے خرید کر بچھائی گئیں۔

حفاظتی انتظامات

رسالدار حاجی حمزہ علی خاں کو شب کے انتظامات کے واسطے حکم ہوا، جن سواروں کی اس رات کو باری تھی، ان کو بتاکید روانہ کیا گیا، کہ بہت خبرداری اور ہوشیاری سے رہنا، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو حکم ہوا کہ جہاں جہاں سرائے کی چھتوں پر مناسب جانیں، پہرے لگادیں، جن صاحبوں کی روند مقرر تھی، ان کو روند کرنے کی تاکید کی گئی، ارباب جمعہ خاں اپنے لوگوں کے ساتھ شہر کی حفاظت پر متعین تھے، شہر کے ہر کوچے اور گلی میں انھوں نے پہرے لگادیے تھے کہ کسی اجنبی آدمی کو آنے کی مجال نہ تھی، اس طرح سے سارا شہر گویا مٹھی میں تھا۔

صبح سید صاحبؒ نے حویلی میں نماز پڑھی اور دعا کی، دعا کے بعد آپ نے ارباب بہرام خاں سے کہلا بھیجا کہ بازار کے دکانداروں کو حکم بھجوادیں کہ سب اپنی اپنی دکانیں کھولیں، انھوں نے اسی دم اپنا آدمی بھیج کر دکانیں کھلوادیں۔

لشکر مجاہدین کا اخلاقی اثر

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ "سید صاحبؒ نے ارباب بہرام خاں کی معرفت کہلوادیا کہ دکاندار اطمینان سے دکانیں کھولیں، کوئی کسی پر ظلم نہیں کرے گا، چنانچہ دکانداروں نے دکانیں کھولیں، زنان بازاری، جن کی پشاور میں بڑی تعداد تھی، روپوش ہوئیں، اگر کسی مرد نے ان کے یہاں جانا چاہا، تو انھوں نے پکار کر کہا کہ خبردار یہاں نہ آنا، ورنہ نہ تمہاری خیر ہوگی، نہ ہماری، اسی طرح سے بھنگ وغیرہ کی دکانیں بند ہوگئیں اور پینے والے غائب ہوگئے، سید صاحبؒ نے مزید تاکید فرمائی کہ لشکر کا کوئی آدمی پشاور کے باغات کا ایک پھل بھی نہ توڑے۔

کھانے کا انتظام

ظہر کی نماز کے بعد میاں عبداللہ دہلوی نو مسلم جن کے ذمے غلے کی خریداری کا کام تھا، آئے اور عرض کیا کہ کل سے آج تک لشکر میں غلے کی تقسیم کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکی، کچھ لوگ بھوکے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تم اس کا فکر کیوں کرتے ہو؟ جا کر اپنے ڈیرے میں بیٹھو جس کے یہ بندے ہیں، وہ آپ جہاں سے چاہے گا، ان کو روزی پہنچا دے گا، اور جو ابھی تک نہیں پہنچایا ہے، اس میں کچھ حکمت ہوگی، میاں عبداللہ اپنے ڈیرے پر گئے، اس روز بھی کچھ کھانے کی تدبیر کہیں سے نہ ہوئی، سب لوگ یوں ہی سو رہے۔

اگلے روز نماز فجر کے بعد ارباب بہرام خاں نے آکر عرض کیا کہ لشکر میں لوگ پرسوں سے بھوکے ہیں اور سرکار سے کچھ نہیں ملا ہے، اگر ارشاد ہو تو میں اس کی کچھ تدبیر کروں؟ آپ نے فرمایا: بہتر ہے، جو تدبیر ہو سکے، کرو تم کو اجازت ہے۔

خان صاحب نے اپنے ڈیرے پر جا کر شہر کے کل مہاجنوں کو بلوایا اور ان سے کچھ مشورہ کیا، ظہر کی نماز کے بعد ارباب بہرام خاں نے میاں عبداللہ کو اپنے ڈیرے پر لے جا کر مہاجن کی دکان سے روپے منگوا کر حوالے کیے، میاں عبداللہ نے ایک بنیئے کی آڑھت سے کئی دکانوں کا آٹا خرد وا کر ایک دکان پر جمع کروا دیا، تنور والوں کی دکانوں پر پکوا کر روٹیاں ڈیروں پر آئیں اور تیسرے روز لشکر والوں کو کھانا ملا، جس روز موضع مٹہ سے لشکر کا کوچ ہوا تھا، اس دن اکثر لوگ بہت خوش تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ آج پشاور میں چل کر انگور، بہی، سیب، انار، ناشپاتی وغیرہ خوب کھائیں گے اور باڑے کے چاول اور دنبوں کا گوشت پکائیں گے، جس وقت لوگ روٹی کھا رہے تھے، آپس میں کہہ رہے تھے کہ بھائیو، یہ جو تیسرے روز روٹی ملی، یہ ہماری اسی خام خیالی کی سزا ہے۔

دو عورتوں کی گفتگو

ایک دن لشکر کے لوگ شہر میں سیر کر رہے تھے، ایک مکان کے بالا خانے پر دو عورتیں

بیٹھی تھیں، کئی غازیوں کو دیکھ کر ایک عورت نے دوسری سے کہا کہ سید بادشاہ کے لشکر کے یہی غازی ہیں، جن کی شکل وصورت اور یہ ہتھیار اور پوشاک ہے، انھیں نے سردار سلطان محمد خاں کے لشکر کو شکست دی، میرا خاوند ایسا پہلوان اور قوی ہیکل ہے کہ ایسے چار آدمیوں کے سر ٹکرا کر مار ڈالے اور کھانا اتنا کھاتا ہے کہ میں اس کے واسطے گوشت روٹی الگ، پلاؤ الگ پکاتی ہوں، مگر وہ سب کھا جاتا ہے، مگر ان لوگوں سے ایسا ہیبت زدہ ہو گیا ہے کہ ان کے نام سے اس کی جان فنا ہوتی ہے، بلکہ رات کو نیند سے چونک چونک پڑتا ہے کہ غازی آ پہنچے۔

دوسری عورت نے کہا کہ ہاں، بی بی یہ وہی غازی ہیں، خدا کی قدرت ہے، جس کو چاہے غلبہ دے، ہمارے درانی لوگ کہتے ہیں کہ دیکھنے میں تو یہ غازی حقیر اور کم رو معلوم ہوتے ہیں، مگر لڑائی کے میدان میں خدا جانے، ان میں کہاں سے جرأت اور بہادری آ جاتی ہے اور شیر سے زیادہ جری اور بہادر معلوم ہوتے ہیں کہ مارے ہیبت اور رعب کے ہم سے ان کا سامنا نہیں ہوسکتا۔

درانی لشکر میں انتشار و پراگندگی

درانی لشکر کا ایک حصہ لشکر مجاہدین کے داخلہ پشاور سے پہلے اس تاک میں تھا کہ پشاور کے راستے میں کہیں حملہ کرے، لیکن اس کو موقع نہیں مل سکا اور لشکر بخیر وعافیت پشاور میں داخل ہو گیا، انھوں نے سردار سے عرض کیا کہ ہم نے بہتیری تدبیر کی ہم سید بادشاہ کے لشکر پر حملہ کریں لیکن ہمیں جرأت نہ ہوئی، یہ حال سن کر سلطان محمد خاں کو بڑا تردد ہوا اور اس کے لشکر والوں کے دل ٹوٹ گئے اور جتنے سوار و پیادے، ادھر ادھر کے تھے، وہ حیلہ بہانہ کر کے اپنی اپنی بستی کو چلنے لگے کہ جس وقت ضرورت ہوگی، اس وقت ہم آ کر حاضر ہو جائیں گے، یہ حال دیکھ کر سردار ممدوح اور بدحواس ہوا، ارباب فیض اللہ خاں نے مشورہ دیا کہ اب اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کہ جس طرح سے ہوسکے، سید بادشاہ کو راضی کرو، ان سے ملو اور ان کی تابعداری قبول کرو، سردار سلطان محمد خاں تو سن کر خاموش رہا، مگر سردار پیر محمد خاں اور سردار حبیب اللہ خاں کو بڑا غصہ آیا اور کہنے لگے کہ کاکا تم نے یہ کیا بات کہی؟ یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ ہم

عذر و معذرت کر کے ان سے ملیں، ہم تو سردار کے حکم کے منتظر ہیں، اگر فرمائیں، تو ہم اسی وقت جا کر پشاور کو ان سے خالی کریں اور کل ہم ضرور لشکر لے جا کر ان سے مقابلہ کریں گے۔

اس اطلاع کو سن کر ارباب بہرام خاں نے تمام لشکر میں حکم بھجوادیا کہ بھائیو، آج کل میں درانیوں کے آنے کی خبر ہے، اپنی اپنی چوکی پہرے سے ہر وقت ہوشیار رہنا۔

سلطان محمد خاں کی طرف سے نامہ و پیام

ظہر کی نماز کے بعد ایک آدمی ارباب فیض اللہ خاں کا پیام لایا کہ سردار سلطان محمد خاں نے اپنی طرف سے مجھ کو وکیل کر کے بھیجا ہے، میں ہزار خانی میں اپنے مکان پر ہوں، اگر اجازت ہوں تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور سردار ممدوح کی طرف سے کچھ عرض کروں۔ آپ نے اجازت دی۔

نماز عصر کے بعد ارباب فیض اللہ خاں ساٹھ ستر سواروں کے ساتھ آئے اور پانچ چھ سواروں کے ساتھ سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے بڑے عزت و توقیر سے اپنے پاس بٹھایا اور عافیت مزاج پوچھی (۱)۔ ارباب فیض اللہ خاں نے درانیوں کے لشکر کی بد دلی کا حال، سردار حبیب اللہ خاں اور پیر محمد خاں کے غصے اور مشورے کا سب حال سنایا اور سردار سلطان محمد خاں کا پیغام عرض کیا کہ انھوں نے کہا ہے کہ آپ ہمارے دین و دنیا کے امام و مقتدا ہیں اور ہم آپ کے بہر نوع مطیع اور فرماں بردار ہیں، ہم سے بڑا قصور ہوا کہ اپنی شامت اعمال سے ہم نے آپ کے اوپر لشکر کشی کی۔ ہم اپنی سزا کو پہنچے، اب ہم آپ کے اخلاق کریمانہ سے امیدوار ہیں کہ آپ ہمارا قصور للہ معاف کر دیں، اب ہم ان تمام شرارتوں سے توبہ کرتے ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ پھر ہم سے کبھی ایسی حرکت نہ ہوگی۔

سید صاحبؒ کا ارشاد

ان کی یہ تمام تقریر سن کر سید صاحبؒ نے فرمایا کہ خان بھائی تم ان کے بیچ میں نہ پڑو،

---

(۱) ارباب فیض اللہ خاں سید صاحبؒ کے مخلص معتقد اور خیر خواہ تھے اور مرید بھی تھے، سرداروں کے بھی خیر خواہ اور نمک حلال تھے (وقائع)

وہ بڑے لسان اور اپنی غرض کے یار ہیں، ان کے عہد و پیان کا کچھ ٹھکانا نہیں، اپنے مطلب کے لیے یہ لوگ ہر طرح تابعدار بن جاتے ہیں اور جب مطلب نکل جاتا ہے تو یہ لوگ کسی کے آشنا نہیں ہوتے، نہ دنیا کی شرم رکھتے ہیں، نہ خدا اور رسول کا خوف، ہم نے ان کو اس لڑائی سے پہلے بھی، جب وہ یہاں سے لشکر لے کر گئے تھے، کئی بار آدمی بھیج کر سمجھانے کا حق ادا کر دیا، مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور ناحق ہمارا مقابلہ کیا اور ہمارے بہت سے غازیوں کو شہید کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے ہم غرباء وضعفاء کو ان پر فتحیاب کیا اور وہ شکست کھا کر بھاگے، ہم نے یہاں تک ان کا پیچھا کیا، اب انھوں نے خیال کیا کہ اب ہمارا کہیں ٹھکانہ نہیں ہے، تب تم کو درمیان میں ڈال کر یہ چال چلی۔

اس سے پیشتر شیدو کی لڑائی میں ہم سے بدھ سنگھ کا مقابلہ تھا، وہاں یہ چاروں بھائی اپنی اپنی جماعت کے ساتھ ہماری کمک کو آئے تھے، انھیں نے اپنی دغابازی سے ہماری لڑائی بگاڑ دی ہم لوگوں کو سکھوں سے بھڑا کر آپ بھاگ کھڑے ہوئے اور صدہا مسلمان شہید کروائے، تب بھی انھوں نے ہمارے ساتھ عہد و پیان کیا تھا کہ ہم جان و مال سے تمھارے شریک ہیں، پھر اس عہد کو کیسے وفا کیا، تم سب جانتے ہو، اب از سر نو عہد کرنے کو کہتے ہیں، تو اپنے دل میں ایسا ہی سمجھ لیا ہوگا کہ اپنی غرض نکل جائے، پھر جیسا ہوگا، دیکھا جائے گا، خان بھائی ہم نے تم سے جو جو باتیں بیان کی ہیں، اچھی طرح سے بے کم و کاست ان کے آگے کہنا اور خان بھائی تم خوب جانتے ہو کہ ہم لوگ جو ہندوستان سے اس ملک میں آئے ہیں تو صرف اس نیت سے کہ مسلمان غالب ہوں اور اسلام کی ترقی ہو، نہ ہم کو پشاور لینے سے غرض ہے، نہ کابل لینے سے، اگر ان کے عہد و پیان کی صداقت ہم پر ثابت ہو جائے اور منہیات شرعی اور شرکت کفار سے سچی توبہ کر لیں اور ہم مسلمانوں کے اتفاق میں شامل ہوں، تو ہم اب بھی موجود ہیں۔

ارباب فیض اللہ خاں نے عرض کیا کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں، حق اور بجا ہے، اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں، جو کچھ خطا ہے، انھیں کی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ میں لفظ بلفظ آپ کا فرمانا ان سے عرض کروں گا، میں صاف دل مسلمان ہوں، منافقانہ گفتگو مجھ کو نہیں آتی،

ان کا تو میں نمک خوار ہوں، اور آپ کا خادم فرماں بردار، دونوں کی خیر خواہی مجھ کو منظور ہے۔

سلطان محمد خاں کا دوبارہ پیغام

تیسرے چوتھے روز وہ پھر آئے اور کہا کہ میں نے آپ کی اس روز کی تقریر لفظ بلفظ سردار سلطان محمد خاں سے نقل کی، وہ سن کر بہت نادم اور پشیمان ہوئے اور کہا کہ سید بادشاہ نے جو کچھ فرمایا، اس میں سر مو تفاوت نہیں، مگر اب ہم خالص دل سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ ہم سے بغاوت و نافرمانی کا کوئی کام ظہور میں نہ آئے گا، باغیوں اور کافروں کی رفاقت اور شرکت سے ہم نے توبہ کی، خدا اور رسول کا جو کچھ حکم ہے، وہ ہمارے سر آنکھوں پر، جس وقت اور جس جگہ جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے سید بادشاہ ہم کو یاد کریں گے، اسی وقت اور اسی جگہ ہم بلا عذر اپنی جان و مال اور فوج ولشکر سے حاضر ہوں گے، اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ سید بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر از سر نو بیعت امامت کی تجدید کریں اور تمام منہیات شرعیہ سے بالمشافہ تائب ہوں اور جو کچھ سید بادشاہ کا ملک سمہ سے یہاں تک تشریف لانے میں زر نقد صرف ہوا ہے، وہ تو ہم کو معلوم نہیں ہے، کس قدر ہوگا، مگر چالیس ہزار روپے ہم نذر کریں گے، بیس ہزار تو اس وقت جب سید بادشاہ اپنے ہاتھ سے ہم کو پشاور میں بٹھا کر کوچ کریں گے اور دس ہزار روپے جب کہ سید بادشاہ ہشت نگر پہنچیں گے تب وہیں بالا حصار سے ملیں گے اور دس ہزار روپے جب کہ پنجتار میں پہنچیں گے۔

آمد کا مقصد

آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے اتفاق میں شریک ہوں اور کفار کا مقابلہ کریں، ہم نہ کسی کی ریاست چھیننے کو آئے ہیں نہ کسی کا ملک لینے کو، یہ تو اس دنیادار شخص کا کام ہے جو ملک گیری کا ارادہ رکھتا ہو، ہم صرف جہاد فی سبیل اللہ کی نیت رکھتے ہیں کہ کفار کو زیر کریں کہ اسلام کی ترقی ہو، اگر وہ سچے دل سے اس اقرار پر مستعد ہیں تو ہم بھی اس بات سے ان شاء اللہ تعالیٰ باہر نہ ہوں گے۔

تیسواں باب

پشاور کی سپردگی کی تجویز

مشورہ

وقائع میں ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد سید صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل اور شیخ ولی محمد، ارباب بہرام خاں، مولوی مظہر علی عظیم آبادی، ملا لعل محمد اور ملا قطب الدین ننگر ہاری اور سمہ کے خوانین کو بلایا اور تخلیے میں ان سے گفتگو کی، رات گئے دیر تک باتیں ہوئیں، لوگوں کو اس کا خلاصہ یہ معلوم ہوا کہ سردار سلطان محمد خاں کی طرف سے صلح کا پیام ہے اور حضرت نے منظور کیا ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف مولانا محمد اسمٰعیل آپ کے لحاظ کے بسبب خاموش تھے، باقی سب اپنی اپنی سمجھ کے موافق گفتگو کرتے تھے، لشکر والوں کو یہ امر بہت شاق ہوا کہ حضرت درانیوں سے پھر ملاپ کرتے ہیں، لوگ کہتے تھے کہ درانی شر و فتنہ سے باز نہیں آئیں گے۔

شہر میں تشویش

رفتہ رفتہ یہ خبر تمام پشاور میں پھیلی، جو ہندو اور مسلمان وہاں کے تھے، سب کو تشویش ہوئی اور ان میں کچھ سر برآوردہ آدمی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے شہر میں یہ خبر عام طور پر مشہور ہے کہ سید بادشاہ نے پشاور درانیوں کے سپرد کرنے کا ارادہ فرمالیا ہے ہم کو بڑی خوشی تھی کہ سید بادشاہ یہاں کے حاکم ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں

کو ان ظالموں کے ہاتھ سے نجات دی، اب چین سے رہیں گے، لیکن اس خبر سے نیا کھٹکا پیدا ہوا کہ پھر ہم لوگ انھیں کے چنگل میں گرفتار ہوں گے اور اب پہلے کی بہ نسبت ہم لوگوں کو زیادہ ستائیں گے، ہم لوگ ان سے خوب واقف ہیں، ان کی اطاعت و فرماں برادری میں ایک عمر بسر ہوئی، اس ملاپ کے پردے میں محض فریب ہے، ہمارا یہ مدعا ہے کہ آپ ہم لوگوں کو سید بادشاہ کے پاس لے چلیں۔

ان کی یہ تقریر سن کر مولانا نے فرمایا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ ایسے ہی ہیں، مگر اس امر میں ہم سید صاحبؒ سے کچھ عرض نہیں کر سکتے، تم کو جو کچھ کہنا ہو ارباب بہرام خاں سے جا کر کہو، وہ تم کو سید صاحبؒ کے پاس لے جائیں گے اور تمھاری طرف سے گفتگو بھی خاطر خواہ کریں گے، اس لیے کہ وہ بھی تمھارے ملک کے ہیں اور تمھارے اور درانیوں کے حالات سے خوب واقف ہیں۔

انھوں نے یہ تجویز پسند کی اور ارباب بہرام خاں کے پاس گئے، خان موصوف نے ان کی تسلی تشفی کی اور کہا کہ تم جا کر اپنا کاروبار کرو، شام کو ہمارے پاس آنا، اس وقت تم کو حضرت کے پاس لے چلیں گے اور تمھاری طرف سے وکالت کریں گے۔

کچھ دیر کے بعد لشکر سے خاص خاص قندھاری اور سمہ کے بڑے بڑے خوانین ارباب بہرام خاں کے پاس آئے اور اپنی تشویش اور خطرے کا اظہار کیا اور درانیوں کے ظلم اور ان کی زیادتیاں بیان کیں اور خواہش کی کہ یہ ساری گفتگو سید صاحبؒ کے گوش گزار کر دی جائے، ارباب بہرام خاں نے ان کو اطمینان دلایا کہ وہ سید صاحبؒ کی خدمت میں ان کی پوری ترجمانی اور نمائندگی کریں گے۔

ارباب بہرام خاں کی سید صاحبؒ سے گفتگو

عشاء کی نماز کے بعد ارباب بہرام خاں اپنے بھائی ارباب جمعہ خاں کے ساتھ سید صاحبؒ کی خدمت میں گئے اور کہا کہ حضرت، کچھ بات آپ سے تنہائی میں عرض کرنی ہے، یہ سن کر وہ آدمی، جو اس وقت وہاں تھے، اٹھ کر چلے گئے، ارباب بہرام خاں نے اہل شہر کے

نمائندوں کی گفتگو نقل کی اور ان کی تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ اہل شہر کہتے ہیں کہ جب درانی از سرنو اس شہر پر قابض اور متصرف ہوں گے، تو ہم پر اور بھی ہاتھ صاف کریں گے، اس واسطے کہ سید بادشاہ کے یہاں تشریف لانے پر جو ہم لوگوں نے خوشیاں منائی تھیں، ان کو اس کی ذرا ذرا خبر پہنچی، وہ آپ کے چلے جانے کے بعد ہم پر غصہ اتاریں گے، اور ہماری تباہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ شہر والے کوئی اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ سید بادشاہ پشاور ان کے حوالے کرکے یہاں سے تشریف لے جائیں، اگر سید بادشاہ کو اپنے لشکر کے خرچ اور یہاں کے بندوبست کے لیے دو چار لاکھ روپے کی بھی ضرورت ہو، تو ہم اس کی بھی سبیل کر دیں گے اور اس کے سوا جو کچھ بھی وہ فرمائیں گے، ہم کو عذر نہیں ہوگا۔

اہل شہر کے علاوہ فتح خاں پنجتاری اور اسمٰعیل خاں کو چھوڑ کر سمہ کے سب خوانین اور لشکر کے فلاں فلاں قندھاری بھائی بھی میرے پاس آئے اور انھوں نے درانیوں کی بیوفائی اور بدعہدی اور اپنی تباہی، خانہ ویرانی اور بے عزتی کا حال بیان کیا اور کہا کہ ہم ہرگز اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ سید بادشاہ ان سے مصالحت کریں اور پشاور ان کو دیں، ان سب نے مجھ سے کہا کہ تم ہماری طرف سے وکالتاً تمام باتیں سید بادشاہ کے گوش گزار کر دو، میں نے ان سے اقرار کیا کہ میں تمھاری طرف سے عرض کر دوں گا۔

ان سب کا خیال کر کے میری ناقص رائے میں یوں آتا ہے کہ اگر آپ کو پشاور دینا ہی منظور ہے، تو آپ مجھی کو سرفراز فرمادیں، میں بھی آپ کا ایک ادنیٰ خادم ہوں اور یہیں کا باشندہ ہوں اور یہاں کے راہ و رسم سے خوب واقف ہوں، تمام رعایا مجھ سے راضی بھی ہے، اگر آپ یہ ریاست مجھے سپرد کر کے یہاں سے تشریف لے جائیں گے، تو میں درانیوں سے سمجھ لوں گا، اب جو کچھ آپ ارشاد کریں میں ان کو وہی جواب دوں۔

سید صاحبؒ کی تقریر

ارباب بہرام خاں کی پوری گفتگو سن کر سید صاحبؒ نے سکوت کے بعد فرمایا کہ جزاک اللہ، خان بھائی، تم نے خوب کیا، جو سب لوگوں کے حال کی مجھ کو اطلاع کی اور جو

ہمارے لشکر کے بھائی اور شہر کے لوگ درانیوں کی غداری اور حیلہ سازی بیان کرتے ہیں، وہ سچ ہے بلکہ میرے پروردگار نے مجھ پر جوان کا حال منکشف کیا ہے، اگر وہ بھائی لوگ جان لیں، تو خدا جانے کیا کریں، مگر تم سب خوب جانتے ہو کہ ہم لوگ ہندوستان سے گھر بار چھوڑ کر اور عزیزوں آشناؤں سے منہ موڑ کر صرف اس لیے آئے ہیں کہ وہ کام کریں، جس میں پروردگار کی رضامندی وخوشنودی ہو، مخلوق کی خوشی و ناخوشی سے ہم کو کچھ غرض نہیں، خوش ہوں گے، تو کیا بنائیں گے، اور ناخوش ہوں گے تو کیا بگاڑیں گے؟ نادان سمجھتے ہیں کہ یہ ملک گیری اور دنیا طلبی کے لیے آئے ہیں، یہ ان کا خیال خام ہے، ابھی وہ دین اسلام سے واقف نہیں ہیں۔

اور جوسمہ کے خوانین بھائی ان کے ظلم وتعدی کا شکوہ اور اپنی بے عزتی، خانہ ویرانی اور زیرباری کا قصہ بیان کرتے ہیں، یہ سب سچ ہے، اس بات کو یوں سمجھیں کہ ہمیشہ سے کافرو باغی اور منافق مسلمانوں پر طرح طرح کی تعدی اور مکاری کرتے رہے ہیں، مگر جس وقت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کام مقابلے میں آجاتا ہے، اس وقت سب بغض وعداوت کو اپنے دل سے دور کرتے ہیں اور زبان پر نہیں لاتے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جس میں پروردگار کی رضامندی اور اس کے فرمان کی تعمیل ہو، اگرچہ نفس اور ابناء زمانہ کے مخالف ہو، مسلمانی اور دینداری وخداپرستی اسی کا نام ہے، نہیں تو نفس پروری اور دنیاداری ہے۔

اور جو اپنے قندھاری بھائی شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے اتنے بھائی انھوں نے شہید کیے، تو یہ بات شکر کے لائق ہے نہ کہ شکایت کے، اس لیے کہ وہ سب بھائی اپنی دلی مراد کو پہنچے، وہ اسی مطلب کے حصول کے لیے یہ تمام تکالیف ومصائب اٹھا کر اتنی دور دراز کی مسافت سے جہاد فی سبیل اللہ کو آئے تھے کہ اپنے پروردگار کی رضامندی کی راہ میں اپنی جانیں صرف کریں، سو وہی انھوں نے کیا اور یہ جہاد کا کاروبار صرف پروردگار کی رضامندی کا ہے، نفسانیت اور جنبہ داری کا نہیں ہے، جیسے دنیادار اور جاہ طلب لوگ کرتے ہیں۔

اور جو شہر والے اس بات کا خوف کرتے ہیں، کہ ہم نے جو سید صاحبؒ کے آنے سے خوشیاں کی ہیں، اس لیے وہ ہم کو تباہ کردیں گے، یہ ان کی نافہمی اور نادانی ہے، یہ نہیں جانتے کہ

اگر وہ رعایا کو تباہ وخراب کریں گے، تو حاکم اور رئیس کس کے کہلائیں گے؟ رعایا تو بے بس اور عاجز ہوتی ہے، جو کوئی اس پر غالب آجاتا ہے، اس کی وہ تابع اور فرماں بردار ہو جاتی ہے اور جو تابعدار نہ ہو، تو کہاں رہے؟ رعایا کو کوئی نہیں خراب کرتا اس کا حاکم، نہ کوئی غنیم بلکہ دونوں اس سبب سے آرام پاتے ہیں، اور سردار کہلاتے ہیں، رعایا میوے دار باغ کی طرح ہے کہ مالک اور غیر مالک سب اس کے میوے سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، کوئی میوے دار درخت کو تباہ نہیں کرتا اور جو باغ ہی کاٹ ڈالے گا، تو باغ والا کیونکر کہلائے گا اور فائدہ کیا پائے گا؟ سو خان بھائی، تم ان کو تسلی کر کے سمجھا دینا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ تم کوئی تباہ وخراب نہ کرے گا۔

اور جو یہ کہتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو، تو شہر کے انتظام اور لشکر کے خرچ کے لیے ہم دو چار لاکھ روپے کا بندوبست کر دیں، مگر یہاں کی حکومت درانیوں کو نہ دیں، سو یہ بات ہم کو منظور نہیں، اس لیے کہ ہم کو تو اپنے پروردگار کی رضامندی چاہیے جس میں وہ راضی ہوگا، ہم کریں گے، اس میں چاہے تمام جہان ناخوش ہو، کچھ پروا نہیں، اگر ایک جگہ ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت پروردگار کی رضامندی کے خلاف ملتی ہو، تو اس دولت اور سلطنت کی کچھ حقیقت نہیں، اور ایک جگہ پروردگار کی رضامندی کے موافق ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت جاتی ہو تو اسکی رضامندی سب کچھ ہے۔

خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ سردار سلطان محمد خاں اپنی خطا وقصور سے نادم اور تائب ہوا ہے اور شریعت کے تمام احکام کو اس نے قبول کیا ہے اور کہتا ہے کہ اب دوبارہ بغاوت و شرارت اور خدا اور رسول ؐ کی مرضی کے خلاف کوئی فعل نہیں کروں گا، میری خطا اللہ معاف کرو، اگر یہ کلام نفاق اور دغابازی سے کرتا ہے، تو وہ جانے، اس کا خدا جانے، شریعت کا حکم تو اقرار ظاہری پر ہے، کسی کے دل کے حال پر نہیں، دل کا حال خدا کو معلوم ہے، ہم تو اس کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو ظاہر شریعت کا حکم ہے، اس میں چاہے کوئی راضی ہو، چاہے ناراض، اب جو ہم اس کا عذر نہ مانیں، تو اس پر ہمارے پاس کون سی دلیل اور حجت ہے؟ اگر کوئی عالم دیندار خدا پرست کسی دلیل شرعی سے ہم کو سمجھا دے کہ تم خطا پر ہو، تو ہم منظور کر لیں گے، اس کے بغیر ہرگز نہ مانیں گے، کیونکہ ہم تو خدا اور رسول ؐ کے تابع ہیں اور کسی کے تابع نہیں ہیں۔

تقریر کا اثر

جس وقت سید صاحبؒ یہ تقریر فرمار ہے تھے، اس وقت رحمت الٰہی کا عجیب نزول ہورہا تھا، روتے روتے ارباب بہرام خاں اور ارباب جمعہ خاں کے ہچکیاں لگ گئی تھیں اور وہ عالم سکوت میں بیہوش اور خود فراموش تھے، جب آپ خاموش ہوئے، تب ارباب بہرام خاں نے عرض کی کہ حضرت، جو کچھ آپ نے فرمایا حق اور بجا ہے، خدا ورسولؐ کی رضامندی کے کاموں سے آپ ہی واقف ہیں، ہم دنیاداروں اور نفس پرستوں کو کیا خبر ہے؟ ہم نے اس وقت جانا کہ دین اسلام اس کو کہتے ہیں اور خدا ورسولؐ کی اطاعت اس کا نام ہے اور جو خیال اس کے خلاف میرے دل میں تھا، اب میں اس سے آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں، اور از سر نو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، آپ میرے لیے دعا کریں۔

صبح ارباب بہرام خاں نے سمہ کے سرداروں اور قندھاریوں کے سامنے سید صاحبؒ کی رات کی تقریر دہرائی، وہ بھی سب مطمئن اور خاموش ہوگئے، لیکن شہر والوں کو اطمینان نہیں ہوا اور انھوں نے کہا کہ سید بادشاہ تو ولی شخص اور اللہ والے لوگ ہیں، انھوں نے جو کچھ فرمایا، بجا فرمایا، ہماری تو صرف یہ غرض تھی کہ اگر سید بادشاہ یہاں کے حاکم ہوتے، تو ہم رعایا لوگ آرام اور چین سے اپنی گزران کرتے اور درانیوں کے جور و جفا سے نجات پاتے، مگر سید بادشاہ اپنے کاروبار کے مختار ہیں، جو کچھ اپنے نزدیک بہتر جانیں، وہ کریں، اس میں ہم ناچار ہیں۔

پشاور کے ایک سیٹھ کی گفتگو

شہر کے سیٹھوں نے جو دیکھا کہ ارباب بہرام خاں کے ذریعہ مطلب برآری نہیں ہوئی، تو انھوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کر کے ایک سیٹھ کو سید صاحبؒ کے پاس بھیجا، جس کا نام بدھ رام تھا، اس نے کچھ میوہ کئی ٹوکروں میں اور زر نقد نذر کیا اور عرض کی کہ کچھ تنہائی میں آپ سے عرض کرنا ہے، اس وقت جو لوگ وہاں حاضر تھے، پہرے والوں کے سوا آپ نے سب کو رخصت کر دیا اور سیٹھ سے پوچھا: کیا کہتے ہو؟

اس نے عرض کی کہ شہر میں مشہور ہے کہ سید بادشاہ سردار سلطان محمد خاں کو یہاں کی ریاست وحکومت پھر دیتے ہیں، یہ خبر سن کر یہاں کے سیٹھوں کو بڑا تردد اور اندیشہ ہوا کہ ہم تو یہاں سید بادشاہ کے تشریف لانے سے بہت خوش ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے منصف، خدا ترس اور غریب پرور حاکم کو یہاں بھیجا، اب ہم لوگ آرام و چین سے گزران کریں گے، لیکن اب یہ مشہور ہو رہا ہے کہ آپ حکومت پھر انھیں کے حوالے کر رہے ہیں، اس سبب سے سب سیٹھوں نے اپنی طرف سے مجھے مختار کر کے بھیجا ہے کہ جس صورت سے سید بادشاہ راضی ہوں، اس صورت سے راضی کرو اور یہاں سے جانے نہ دو۔

سو خدمت شریف میں میری عرض یہ ہے کہ آپ کس لیے یہ ملک سردار سلطان محمد خاں کو دیتے ہیں؟ اگر یہ سبب ہے کہ آپ کے پاس فوج ولشکر کم ہے اور اس کے لیے لشکر بہت چاہیے اور اس کے انتظام کو خزانہ بھی بہت چاہیے، تو آپ اس کا اندیشہ نہ کریں، آپ کے فرمانے کی دیر ہے میں آپ ہی کے پاس حاضر ہوں، جس قدر روپیہ آپ فرمادیں گے، دو گھڑی کے عرصے میں اس جگہ روپوں کا ڈھیر لگادوں، اور ادھر آپ نوکر رکھنا شروع کر دیں، جس قدر ضرورت ہو، نوکر رکھ لیں، اور اس کے سوا اور سبب ہو، تو اس بات کو آپ جانیں۔

سید صاحبؒ کا جواب

سید صاحبؒ نے اس کی باتیں سنکر اس کو بہت شاباش دی اور فرمایا کہ تم بڑے لائق اور خیر خواہ شخص ہو، جو کام تمھارے لائق تھا، اس میں تم نے کچھ کوتاہی نہیں کی، ہم اس امر میں تم سے بہت خوش ہیں اور فرمایا کہ سیٹھ جی، تم یہ بات بہت اچھی کہتے ہو جو حاکم ملک گیری کا ارادہ رکھتے ہیں، ان کے کام کی ہے، لیکن ہم ان حاکموں میں نہیں ہیں، ہم اپنے مالک کے فرمانبردار ہیں، جو کچھ کام ہم لوگ کرتے ہیں، اسی کی مرضی کے موافق کرتے ہیں، لوگوں کے روبرو اس میں کچھ نقصان نظر آتا ہو یا فائدہ، اس سے کچھ غرض نہیں، ہمارے مالک کا حکم ہے کہ کوئی کیسا ہی قصوروار ہو، جب وہ اپنے قصور سے توبہ کرے اور اپنی خطا کا عذر کرے، تو اس کی خطا معاف کرنی چاہیے اور اس کا عذر قبول کرنا لازم ہے، اگر اس نے توبہ دغابازی سے کی

ہو،تو اس بات سے ہم کو کچھ کام نہیں، وہ جانے، اس کا خدا جانے، اس کا مال وملک زبردستی لینا درست نہیں ہمارے اور سردار سلطان محمد خاں کے درمیان اسی طور کا معاملہ ہے، اور جو تم لشکر اور خزانے کا ذکر کرتے ہو، تو ہمیں اس کا کچھ اندیشہ نہیں، چاہے ہو یا نہ ہو، کیونکہ ہمارے مالک کے یہاں سب کچھ ہے، کسی چیز کی کمی نہیں، اگر وہ اپنا کام ہم سے لے گا، تو بہتر سے بہتر فوج ولشکر اور مال وخزانہ بغیر مانگے عنایت کرے گا۔

اور جو تم لوگوں کو یہ خوف ہے کہ وہ ہم کو تباہ و برباد کر دیں گے، تو یہ تمھارا وہم ہے، اس بات کا تم کچھ اندیشہ نہ کرو، کسی ریاست میں حاکموں کا یہ دستور نہیں کہ سیٹھوں، ساہوکاروں کو تباہ کریں، کیونکہ ان کے سبب ان کے ملک وشہر کی آبادی ہوتی ہے اور ان کے بڑے بڑے کام سیٹھوں ساہوکاروں سے نکلتے ہیں، اگر وہ سیٹھوں، ساہوکاروں کو تباہ و برباد کر دیں، تو انھیں کا نقصان ہوگا، اور کوئی سیٹھ ساہوکار ان کی ریاست میں بود و باش اختیار نہ کرے گا۔

سید صاحبؒ کا یہ جواب سن کر بدھ رام خاموش ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ سچے اللہ والے لوگ ہیں، آپ کی باتوں کا کون جواب دے سکتا ہے؟ جو کچھ آپ فرماتے ہیں، سب بجا ہے، اس کے بعد وہ آپ سے رخصت ہو کر اپنے مکان کو چلا گیا۔

●●●

سلطان محمد خاں کی ملاقاتیں اور پشاور کی سپردگی

سردار سلطان محمد خاں اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی ملاقات

ارباب فیض اللہ خاں نے سردار سلطان محمد خاں کا ملنے کا تقاضا پہنچایا، سید صاحبؒ کی رائے ہوئی کہ شہر کے باہر ہزار خانی کے میدان میں آپ کچھ لوگوں کے ساتھ جائیں اور ادھر سے سلطان محمد خاں اپنے لوگوں کے ساتھ آ کر ملاقات کریں، لیکن لشکر کے اہل الرائے نے اس سے اختلاف کیا اور انہوں نے یہ رائے دی کہ پہلے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سردار سے ملاقات کریں، دو تین ملاقاتوں میں ان کا یہ رویہ معلوم ہو جائے گا، اس کے بعد سید صاحبؒ ملاقات کریں، تو مضائقہ نہیں۔

آپ نے بھی اس رائے کو پسند فرمایا، اول سلطان محمد خاں نے اس سے اتفاق نہیں اور کہا کہ مولانا سے ملاقات کرنے سے تو کچھ حاصل نہیں، ملاقات کرنا، نہ کرنا دونوں برابر ہے، براہ راست سید صاحبؒ سے ملاقات کرنا ضروری ہے، یہ رائے سلطان محمد خاں کے دونوں سردار سید محمد خاں اور ان کے بھتیجے حبیب اللہ خاں کی تھی اور ان کا اصرار تھا، سید صاحبؒ

نے اصرار فرمایا کہ پہلے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے ملاقات ہو اور ارشاد فرمایا کہ ان کو ہمارے حکم کو بلا عذر اور بلا انکار قبول کرنا چاہیے کہ یہ اطاعت کا معاملہ ہے، اس میں جانبین کے تمام شبہات بھی دفع ہو جائیں گے۔

آخر فیض اللہ خاں کے سمجھانے سے سلطان محمد خاں نے منظور کیا اور فیض اللہ خاں کے مکان پر ملاقات قرار پائی۔

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں: ''ہزار خانی کے مقام میں (جو ارباب فیض اللہ خاں کا گاؤں ہے اور پشاور سے جانب جنوب ایک میل یا اس سے کچھ زائد فاصلے پر واقع ہے) ملاقات طے ہوئی، قرار پایا کہ مولانا چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ ہزار خانی تشریف لے جائیں اور اتنے ہی آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ سردار پشاور وہاں آئے اور مولانا سے ملاقات کرے اور آپ کے ہاتھ پر توبہ اور بیعت کرے۔

نماز عصر کے بعد مولانا اپنی جمعیت کے ساتھ ہزار خانی کے قریب پہنچ گئے، سلطان محمد خاں فاصلے پر تھا، مولانا جب گاؤں کی آبادی میں داخل ہوئے، تو سلطان محمد خاں نے ملاقات کا ارادہ فسخ کر دیا اور ارباب سے کہلا بھیجا کہ آج ملاقات ملتوی ہے، ہم کل شام کو ملنے آئیں گے، معلوم ہوا کہ اس کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بلکہ خود سید صاحبؒ کی طرف سے اطمینان نہیں ہے اور دل میں اندیشے ہیں، والمرء یقیس علی نفسه(۱)۔

اس عرصے میں پشاور اور اطراف ونواح کے گاؤں میں تذکرہ ہوا کہ ہزار خانی کی گڑھی میں سردار پشاور نے کوئی توپ چھپادی ہوگی یا بارود سے اس کو بھر رکھا ہوگا، درانیوں کے متعلق عام طور پر اسی طرح کی شہرت تھی، جب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب تک یہ بات پہنچی، تو فرمایا کہ عجب نادان لوگ ہیں، کہ ایسی ناسمجھی کی باتیں کہتے ہیں، اگر یہی بات ہے کہ اس مکان میں بارود بچھا رکھی ہے، تو میں تنہا تو نہیں جا رہا ہوں، سردار پشاور خود وہاں موجود ہوگا، وہ ایسے موقع پر کیسے بچ سکتا ہے؟ یہ بات بالکل ناقابل قیاس اور بے بنیاد ہے۔

---

(۱) یہ منظورہ کا بیان ہے۔ وقائع میں دو ملاقاتوں کا تذکرہ ہے، دوسری ملاقات کی روداد آگے آتی ہے۔

دوسرے روز مولانا نے اتنا توقف فرمایا کہ سردار پشاور سو مسلح آدمیوں سے زیادہ اپنے ساتھ لے کر ہزار خانی کی گڑھی میں داخل ہوا، اس کے بعد مولانا تشریف لے گئے، آپ کے ساتھ سو کے قریب آدمی تھے، لیکن رودار اور چیدہ چیدہ، اکثر قرابین سے مسلح تھے، مولانا گڑھی کے قریب ایک باغ میں تشریف فرما ہوئے، سردار کو اطلاع ہوئی! اس نے گڑھی میں طلب کیا اور کہا کہ میں گڑھی کے دروازے تک جا کر پیشوائی کروں گا، لیکن فیض اللہ خاں کی رائے نہ ہوئی اور ایک فرش گڑھی کے باہر ڈال دیا گیا۔ مولانا باغ کے دروازے سے اور سلطان محمد خاں گڑھی کے دروازے سے ساتھ ساتھ پہنچے، سلام ومصافحہ ومعانقہ کے بعد مولانا اور سردار فرش پر بیٹھ گئے، جانبین کے مسلح آدمی کھڑے رہے، مولانا نے پندرہ آدمیوں کو دیہات کے باہر پہرے دار کے طور پر چھوڑ دیا تھا تا کہ درانیوں کی طرف سے کوئی جماعت پر حملہ آور نہ ہو۔

مزاج پرسی کے بعد سلطان محمد خاں نے نیازمندانہ گفتگو کی، اپنے گزشتہ افعال سے توبہ اور مولانا کے ہاتھ پر بیعت اور خدمت دین وشرکت مجاہدین کا عہد کیا، مولانا نے سید صاحبؒ کے نائب کی حیثیت سے بیعت لی۔

اسی اثناء میں درانیوں کی طرف سے ایک بندوق سر ہوئی، بندوق کے چلنے کی آواز سنتے ہی مولانا کے تمام ہندوستانی رفیقوں نے اپنی اپنی قرابینوں اور چقماقوں کے پالے چڑھا لیے، یہ دیکھ کر سلطان محمد خاں کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا، دونوں ہاتھ مولانا کے زانوں پر رکھ کر کہنے لگا کہ ”خیراست، خیراست“ خیریت ہے، خیریت ہے، مولانا نے کسی اضطراب اور اپنی نشست میں تغیّر کے بغیر فرمایا کہ ہاں مجھے معلوم ہے، خیریت ہے، لیکن آپ بھی خوف نہ کیجیے، اس لیے کہ ہماری طرف سے قرابینوں کو احتیاطاً تیار کر لیا گیا ہے، درانی یہ منظر دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے اور ایک تحیر اور سناٹے میں آ گئے، جس کی بندوق چلی تھی، وہ اپنے گروہ میں رل مل گیا، ارباب فیض اللہ خاں نے للکار کر کہا کہ اے بیوقوفو، اگر تم میں سے کسی نے اس طرف کا رخ کیا، تو یہ ہندوستانی کسی کو چھوڑیں گے نہیں، سردار کے ہمراہیوں نے اپنے سر سے الزام دور کرنے کے لیے اس شخص کو، جس سے یہ خطا ہوئی تھی، ارباب کے سامنے حاضر کیا، ارباب

نے بندوق چلنے کا سبب پوچھا، اس پر خوف سے کپکپی طاری تھی اور بے حواس ہو رہا تھا، بولا کہ نادانستگی میں میری بندق کی چانپ چڑھی ہوئی تھی اور میری انگلی لبلبی پر تھی، پیچھے سے دھکا لگنے کی وجہ سے بے خبری میں بندوق چل گئی، ارباب نے پوری بات سردار سلطان محمد خاں سے نقل کردی، وہ سن کر خاموش ہو گیا، اسی وقت سلطان محمد خاں رخصت ہو کر گڑھی میں آیا اور مولانا باغ میں تشریف لائے، ارباب نے عرض کیا کہ ماحضر تیار ہے، مولانا نے فرمایا کہ سردار اور اس کے ساتھیوں کو کھلا دیجئے، میں پشاور جاتا ہوں، ارباب نے عرض کیا کہ آپ کو اختیار ہے، اگر تشریف لے جاتے ہیں، تو کھانا وہیں پہنچ جائے گا۔

ایک تہائی رات گزری تھی کہ مولانا اپنی جماعت کے ساتھ سرائے پشاور کی مسجد میں نماز پڑھ کر استراحت کے لیے تشریف لے گئے، ارباب کا بھیجا ہوا کھانا، جو حلوائے فوا کہ کی شکل میں تھا پہنچا۔ مولانا نے سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ ملاقات کی روداد تو کل گوش گزار کروں گا لیکن ارباب کا بھیجا ہوا کھانا آیا ہے، اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ خود نوش فرمائیں اور اپنے ساتھیوں کو، جو ساتھ گئے تھے، کھلا دیں۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی دوسری ملاقات

رات کو سید صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے تنہائی میں باتیں کیں، صبح کو مولانا نے ساتھیوں کو بھیجا کہ کھانا کھا کر سب لوگ کمر باندھ کر اور تیار ہو کر آجائیں، ہزار خانی میں آپ اسی باغ میں اترے، جہاں پہلی ملاقات ہوئی تھی، آپ نے ظہر کی نماز وہیں پڑھی اور عصر کی نماز بھی وہیں پڑھی اور سلطان محمد خاں کا انتظار کرتے رہے، عصر کے بعد سردار موصوف کی سواری آئی، گڑھی کے دروازے پر پہلی ملاقات کی جگہ فرش پر دونوں کی ملاقات ہوئی اور دونوں وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، دونوں طرف کے لوگ فرش کے کنارے پر کھڑے تھے، اس روز سردار ممدوح نے بالمشافہ اپنے عہد و پیمان کی وہ باتیں کیں، جو ارباب فیض اللہ خاں نے سردار ممدوح کی طرف سے وکالۃً سید صاحبؒ سے کی تھیں، اس کے بعد یہ بھی کہا کہ مجھ سے اور آپ سے دو ملاقاتیں ہوئیں، اب سید بادشاہ کی ملاقات باقی رہی، سو

جس روز جس وقت سید بادشاہ ملاقات کے واسطے یاد کریں میں حاضر ہوں۔

مغرب کے قریب تک مولانا اور سردار موصوف میں باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد ارباب فیض اللہ خاں نے تنہائی میں مولانا سے کچھ باتیں کیں، پھر آپ اپنی قیامگاہ پر آئے اور سید صاحبؒ سے سب حال بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ سردار ممدوح نے کہا کہ ہماری اور تمھاری تو دو ملاقاتیں ہو چکیں، اب سید بادشاہ سے ملاقات کرنی ہے اور یہ انھیں کی رائے پر ہے، جس روز مجھ کو یاد فرمائیں میں حاضر ہوں، آپ نے فرمایا کہ خیر، جس طرح آپ سب صاحبوں کی صلاح ہوگی، اس طرح دیکھا جائے گا۔

شہر میں وعظ واصلاح

پشاور میں تین جمعے پڑھنے کا اتفاق ہوا، تین جمعوں کو مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی نے جہاد کا وعظ کہا، وہ لوگوں کو فارسی میں بھی سمجھاتے تھے اور اردو میں بھی، ان کے وعظ میں ایسی رقت تھی کہ اکثر آدمی زار زار روتے تھے۔

حافظ عبداللطیف صاحب نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو اس ملک پر فتحیاب کیا ہے، شہر اور جوار شہر کے لیے دینی احتساب اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے، فرمایا کہ آپ اور خضر خاں قندھاری اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شہر کی تمام مساجد کا دورہ کرو اور نماز کی تاکید کرو جس کو تارک الصلوٰۃ پاؤ، اس کی تادیب اور گوشمالی کی تم کو اجازت ہے، اہل فسق اور معاصی تمھارے ڈر سے اور احتساب کے خوف سے روپوش ہو جائیں گے۔

حافظ صاحب نے خضر خاں اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ شہر کا گشت کیا اور نماز اور جماعت کے التزام کی تاکید کی(۱)۔

سید صاحبؒ اور سردار سلطان محمد خاں کی ملاقات

ارباب فیض اللہ خاں سردار سلطان محمد خاں کا پیغام پھر لائے کہ ملاقات کے لیے

---

(۱) منظورہ، ص ۹۱۷، ۹۱۸

دن مقرر کر دیا جائے، آپ نے اپنے مشیروں کو جمع کر کے فرمایا کہ سردار صاحب نے ملاقات کا دن دریافت کیا ہے، سو کس قدر آدمیوں کے ساتھ اور کس مقام پر اور کب بلائیں؟ ان اہل شوریٰ نے لشکر کے سب افسروں اور سمہ کے سب خوانین کو جمع کر کے مشورہ کیا، آخر میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی تجویز پر سب کا اتفاق ہوا کہ ان کو کہلا بھیجا جائے کہ اپنے تمام سواروں و پیادوں کے ساتھ تم آؤ اور یوں ہی ادھر سے ہم اپنے تمام لشکر کے ساتھ آتے ہیں، پھر دونوں کو اختیار ہے، جتنی جمعیت سے چاہیں، وہ آئیں اور جتنی جمعیت سے یہ چاہیں، جائیں، اس میں نہ ان کو ہماری طرف سے کچھ شبہ ہوگا، نہ ہماری طرف سے ان کو، اس لیے ہر کوئی جانے گا کہ جو کچھ معاملہ ہوگا، وہ ہمارے سامنے ہوگا۔

ملاقات کے لیے ہزار خانی کا میدان سردار سلطان محمد خاں کی طرف سے تجویز ہوا، دو دن پہلے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ارباب بہرام خاں دو ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ ملاقات کے میدان کو دیکھنے تشریف لے گئے اور اچھی طرح اس کا گشت کر کے اس کا نشیب و فراز دیکھا، اگلے روز سید صاحبؒ نے تمام لشکر میں کہلا بھیجا کہ سب بھائی اپنے ساز وسامان سے تیار رہیں کل سویرے ہمارے ساتھ سردار سلطان محمد خاں کی ملاقات کو چلنا ہوگا، خوانین سمہ کو بھی اس کی اطلاع کر دی گئی، ارباب جمعہ خاں کو آپ نے بلا کر بتاکید فرمایا کہ کل سویرے ہم تو سردار سلطان محمد خاں کی ملاقات کو جائیں گے، تم بدستور سابق اپنے لوگوں کے ساتھ خوب ہوشیاری اور خبر داری سے شہر کا بندوبست رکھنا۔

دوسرے روز لشکر کے غازی لوگ کمر باندھ، ہتھیار لگا میدان میں جمع ہو کر آپ کا انتظار کرنے لگے، کچھ دیر میں آپ وضو کر کے پوشاک پہن کر اور ہتھیار لگا کر حویلی سے باہر نکلے، سرائے کی مسجد میں دو رکعت نفل پڑھی، آپ کو دیکھ کر اور بھی بہت صاحبوں نے نفل کا دوگانہ پڑھا، پھر برہنہ سر کھڑے ہو کر بڑے الحاح وزاری کے ساتھ دعا کی، تمام حاضرین پر ایک وجد کی سی حالت طاری تھی۔

دعا کے بعد آپ گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے چلے، پشاور کے باہر گورستان کے

پاس (جہاں آخوند درویزہ بابا کا مزار ہے) کچھ دور آگے بڑھ کر گورستان کی پشت دے کر کھڑے ہوئے۔ وہیں تمام لشکر صف آرا ہوا، پشاور کے ہزاروں وضیع و شریف تماشا دیکھنے کو آئے تھے، آدمیوں کی کثرت سے میدان میں آدمیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا، آپ نے ظہر کی نماز وہیں پڑھی، سردار سلطان محمد خاں اپنی تمام جمعیت کے ساتھ آیا اور موضع ہزار خانی کی طرف پشت کر کے کھڑا ہوا۔

کچھ دیر کے بعد سردار ممدوح پندرہ بیس آدمیوں کو ہمراہ لے کر اس طرف سے چلا اور اسی قدر غازیوں کو لے کر سید صاحب آگے بڑھے، سردار موصوف نے پہلے ہی ایک جگہ اس میدان میں زین پوش بچھوا رکھا تھا، جب اس کے اور سید صاحبؒ کے درمیان سو، سوا سو قدم کا فاصلہ باقی رہا، تب آپ نے سب ہمراہیوں کو وہاں ٹھہرا دیا، وہ سب وہیں کھڑے رہے، آپ گھوڑے سے اتر کر پیادہ پا صرف مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور ارباب بہرام خاں کو ہمراہ لے کر آگے چلے، اس وقت مولانا ممدوح کمر میں فقط تلوار لگائے ہوئے تھے اور ارباب بہرام خاں کی کمر میں تلوار اور ہاتھ میں شیر بچہ تھا۔ آپ کو دیکھ کر سردار ممدوح نے بھی اپنے ہمراہیوں کو روک دیا، وہ بھی وہیں کھڑے رہے فقط ارباب فیض اللہ خاں اور ایک شخص مراد علی کو اپنے ساتھ لے کر چلا اور سید صاحبؒ سے السلام علیکم کر کے ملا اور مصافحہ کیا، پھر مولانا صاحب اور ارباب بہرام خاں سے مصافحہ کیا، سید صاحبؒ اور مولانا اسمٰعیل صاحب زین پوش پر بیٹھے اور ارباب بہرام خاں سید صاحبؒ کی پشت پر کھڑے ہوئے اور ادھر ارباب فیض اللہ خاں اور مراد علی سردار سلطان محمد خاں کے پیچھے کھڑے ہوئے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی احتیاط

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے پہلے رجب خاں پٹیٹ اور سلو خاں پھکیت کو جو قوی ہیکل اور چست و چالاک آدمی تھے، کہلا بھیجا تھا کہ ملاقات کے وقت تم دونوں صاحب سید صاحبؒ کے پاس پہنچ جانا، اگر سید صاحبؒ منع بھی کریں، تب بھی نہ ماننا، وہ دونوں باوجود سید صاحبؒ کے ہاتھ سے منع کرنے کے بیس پچیس قدم کے فاصلے پر کھڑے ہوگئے، جس میدان

میں آپ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے، وہاں سے جنوب کی طرف سو قدم پر ایک جوار کا کھیت تھا، اس میں سردار سلطان محمد خاں نے پہلے سے چالیس پچاس سپاہی مسلح بٹھا رکھے تھے، مجاہدین کو یہ حال معلوم نہ تھا، اتفاقاً ان کی ایک جماعت کھیت کے قریب گئی، تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھیت میں مسلح چھپے بیٹھے ہیں، یہ غازی ان کی پشت پر کھڑے ہو گئے کہ مبادا کچھ دغا فریب ہو، تو پہلے ہم ان کو سمجھ لیں، مگر خدا کے فضل و کرم سے کوئی بات نہیں ہونے پائی۔

سید صاحبؒ کی سردار سلطان محمد خاں سے گفتگو

سید صاحبؒ نے کابل سے مایار کی جنگ تک جنگ کی ساری سرگزشت سردار سلطان محمد خاں اور ان کے بھائیوں کے بیعت کرنے اور جہاد و رفاقت کے عہد و پیمان، پھر بار بار عہد شکنی اور چڑھائی کرنے اور کفار کا ساتھ دینے کا سب حال بیان کیا اور فرمایا کہ اب تک تمھارے بھائی اور تمھاری بغاوت کا سبب معلوم نہ ہوا کہ کیا ہے؟

ہندوستانی محضر

سردار سلطان محمد خاں نے بہت کچھ معذرت کی اور اپنی خطاؤں کا اقرار کیا اور کہا کہ ہماری نافرمانی اور بغاوت کا سبب یہ ہے، یہ کہہ کر ایک لپٹا ہوا کاغذ اپنے خریطے سے نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا، آپ نے اس کو کھول کر دیکھا، تو وہ ایک بڑا سا محضر تھا، جس پر ہندوستان کے بہت سے علماء اور پیرزادوں کی مہریں لگی ہوئی تھیں، خلاصہ مضمون یہ تھا کہ تم سرداروں اور خوانین کو اطلاعاً لکھا جاتا ہے کہ سید احمد نامی ایک آدمی چند علمائے ہند کو متفق کر کے اس قدر جمعیت ساتھ کے ساتھ تمھارے ملک میں گئے ہیں، وہ بظاہر جہاد فی سبیل اللہ کا دعوی کرتے ہیں، یہ صرف ان کا مکر و فریب ہے، وہ ہمارے اور تمھارے دین و مذہب کے مخالف ہیں، انھوں نے ایک نیا دین و مذہب نکالا ہے، وہ کسی ولی بزرگ کو نہیں مانتے، سب کو برا کہتے ہیں، وہ انگریزوں کے بھیجے ہوئے تمھارے ملک کا حال معلوم کرنے گئے ہیں، تم کسی طرح ان کے وعظ و نصیحت کے دام میں نہ آنا، عجب نہیں کہ تمھارا ملک چھنوا دیں جس طرح تم

سے ہو سکے، ان کو تباہ کرو اور اپنے ملک میں جگہ نہ دو، اگر اس معاملے میں سستی اور غفلت سے کام لوگے، تو پچھتانا پڑے گا اور ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

دنیادار علماء ومشائخ کی مخالفت کی وجہ

سید صاحبؒ یہ مضمون پڑھ کر عالم حیرت میں رہ گئے، آپ نے سردار موصوف سے فرمایا کہ ہندوستان میں دنیا دار علماء اور مشائخ پیر پرستی اور قبر پرستی میں گرفتار ہیں، اسی کو اپنا دین وآئین جانتے ہیں، حلال وحرام میں امتیاز نہیں رکھتے اور یہی ان کا ذریعہ معاش ہے، ہمارے وعظ ونصائح سے اللہ تعالیٰ نے وہاں لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کی، وہ پکے موحد اور متبع سنت ہو گئے، اس کی وجہ سے ان دنیا دار عالموں، پیروں کے شرک کا بازار سرد ہو گیا، اور اہل حق کی نگاہوں سے وہ گر گئے اور جب ان سے کچھ نہ ہو سکا تب انھوں نے ہم پر یہ بہتان و افترا کیا اور آپ کے پاس بھیجا، مگر آپ سے بڑی غلطی ہوئی، جواب تک اس امر کی اطلاع ہم کو نہ کی اور اپنا دین ودنیا کا نقصان کیا، ورنہ یہ شک وشبہ ہم آپ کے دل سے پہلے ہی دور کر دیتے، اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہوگی۔

بدخواہوں کے ساتھ خیر خواہی

آپ نے وہ محضر لپیٹ کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس کو بڑی حفاظت سے رکھیے گا، ہر کسی کو نہ دکھلائے گا اور نہ بیان کیجیے گا، اس لیے کہ لشکر میں ہمارے اکثر غازیوں کا ایسا حال ہے کہ یہ بہتان وافترا سن کر اگر ان بدخواہوں کے حق میں بددعا کر دیں تو عجب نہیں کہ فوراً ان لوگوں کو نقصان پہنچ جائے، ہمارے دل میں یہ ہے کہ اگر کبھی اللہ تعالیٰ ہم کو ان سے ملائے، تو ہم ان کے ساتھ نیکی اور احسان کے سوا کچھ نہ کریں۔

عالی ہمتی اور دریا دلی

پھر آپ نے سردار موصوف سے فرمایا کہ خان بھائی، تم نے جوار باب فیض اللہ خاں کی زبانی چالیس ہزار روپے خرچ کے واسطے دینے کا وعدہ کیا تھا، تو اب اس کی فکر نہ کیجیے گا، ہم

نے آپ کو معاف کیے، کیونکہ ہمارے پروردگار کے یہاں کسی بات کی کچھ کمی نہیں ہے، آپ ہمارے بھائی ہیں، آپ سے کسی طرح کا جرمانہ یا تاوان لینا ہم کو منظور نہیں ہے، یہ بات کہہ کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور سردار موصوف بھی اپنے لشکر کو گئے اور دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ آ گئے۔

قاضی کا تقرر

سردار سلطان محمد خاں نے ایک درخواست کی کہ سید صاحبؒ اپنا ایک قاضی پشاور میں مقرر کر دیں، جو شرع شریف کے موافق لوگوں کا فیصلہ کرے اور جمعہ کو وعظ بھی کہے، ہم لوگ ان کی فرمانبرداری کریں گے اور ان کے وعظ و نصیحت سے لوگوں کو ہدایت ہوگی، آپ نے مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی کو تجویز کیا، دس بارہ غازی آپ نے ان کے ہمراہ کیے اور ان کا ہاتھ ارباب فیض اللہ خاں کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ تمھارے سردار کی خواہش کے مطابق ہم ان کو قاضی کر کے چھوڑے جاتے ہیں۔

بتیسواں باب

پنجتار کو واپسی

روانگی

پشاور سے روانہ ہوکر ہزار خانی میں ارباب فیض اللہ خاں کی مہمانی قبول کر کے چمکنی، ہشت نگر، مردان ہوتے ہوئے امان زئی کی گڑھی میں قیام فرمایا، وہاں کے خوانین آپ کی آمد کی خبر سن کر حاضر ہوئے، آپ نے ان کی بیوفائی اور بدعہدی کی شکایت اور ملامت کی، انھوں نے بڑے عذر و معذرت کے بعد دوبارہ وعدہ کیا اور عشر دینا قبول کر لیا۔

اہل سوات کی شوخ چشمی

گڑھی امان زئی میں میر عالم خاں باجوڑی کی طرف سے ایک قاصد قاضی نام چند آدمیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور یہ پیغام لائے کہ ہم کو پشاور کی فتح سے بڑی مسرت ہوئی، سنت (جہاد) کے اجراء سے ہم نہایت مسرور و شادماں ہیں، اگر آپ ہمارے علاقے کو اپنے قدوم سے مشرف فرمائیں، تو ہم سب بھی احکام شریعت کو قبول کریں گے اور سنتوں کا اجراء کریں گے۔

آپ نے یہ سن کر اہل شوریٰ سے مشورہ فرمایا، سب کی رائے یہ ہوئی کہ آپ خود تو پنجتار تشریف لے جائیں اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو سو آدمیوں کے ساتھ باجوڑ روانہ فرمائیں، چنانچہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب لشکر کے سو چیدہ چیدہ آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے،

امان زئی سے چل کر بز گڑھی ٹھہرتے ہوئے لوند خوڑ قیام فرمایا، وہاں چند روز قیام رہا اور عشر کے تحصیل وصول کا انتظام فرمایا۔ کاٹ لنگ والوں نے بھی اس انتظام کو قبول کیا، لوند خوڑ سے آپ سوات کی طرف روانہ ہوئے، پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے، تو ملا کلیم، ملا سید عمران خار سے آئے اور بیان کیا کہ موضع لوند خوڑ میں آپ کے قیام کی اطلاع اہل سوات کو ہوگئی، باجوڑ اور سوات کی طرف آپ کے توجہ کرنے سے اس علاقے کے خوانین تردد میں پڑ گئے کہ آپ یہاں تشریف لاکر شریعت جاری کریں گے، انھوں نے اپنے جاسوس خبر رسانی کے لیے متعین کر دیے، جب لوند خوڑ سے آپ کی روانگی کی اطلاع ملی، تو وہ سب مقام ڈیری میں جمع ہو گئے اور وہ باجوڑ جانے سے آپ کو روکنے پر کمر بستہ ہیں، اس پر ہمارے پورے دیار کا اتفاق ہو گیا ہے، اس پر جرگہ ہو چکا ہے کہ کون لوگ کس درے پر بندوقیں لے کر بیٹھیں گے اور کون لوگ کس مقام کی ناکہ بندی کریں گے، اس لیے جنگ کے بغیر باجوڑ جانا ناممکن ہے۔

مولانا نے مشورۃً دریافت فرمایا کہ اب طریق کار کیا ہے؟ ملا کلیم نے کہا کہ خار تک تو جانا ضروری ہے تاکہ دوستی و دشمنی کا اندازہ ہو جائے اور چونکہ وہ سب آپ کے ملاقاتی ہیں کیا عجب ہے کہ آپ کو دیکھ کر ان کو لحاظ و مروت آئے اور وہ مزاحمت نہ کریں، لیکن اس میں عجلت کی ضرورت ہے۔

مولانا نے اپنے لشکر کے ساتھ تیزی سے کوچ کیا، اور خار میں داخل ہوئے، وہاں تمام خوانین نے خار کے دونوں جانب حصار قائم کرلیا اور باجوڑ کا راستہ بالکل روک دیا، مولانا نے مسجد میں قیام فرمایا اور تجاہل عارفانہ برت کر دریافت کیا کہ یہ لشکر عظیم آخر کس ضرورت کے لیے جمع ہوا ہے؟ آپ نے ہر ایک سے پوچھا کہ آخر ہم سے کیا قصور ہوا ہے کہ ہمارے لیے یہ مجمع اکٹھا ہوا ہے؟ لوگ ایک دوسرے پر ٹالتے تھے، آخر عنایت اللہ خاں پر یہ سلسلہ ختم ہوا، آپ نے اس سے دریافت کروایا اور کہا کہ ہمارے تمھارے درمیان زمانہ سابق میں محبت و تعلقات تھے اور ہم ایک عرصے تک اس جوار میں رہے ہیں، ہم سے ابھی تک کوئی ایسا فعل نہیں ہوا، جو محبت و مروت کے خلاف ہو۔

عنایت اللہ خاں نے جواب دیا کہ آپ میر عالم خاں کی طلبی پر باجوڑ جارہے ہیں، جب آپ اور میر عالم خاں باہم متفق ہو جائیں گے، تو پھر ہمارے اوپر بھی احکام شرعی جاری کریں گے، ان احکام کا قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا ہمارے اوپر شاق ہے، اس لیے ہم آپ کو وہاں جانے نہیں دینا چاہتے۔

آپ نے فرمایا کہ تم خدا کے فضل سے مسلمان اور مسلمانوں کی اولاد ہو، تمہیں دینی محبت کی بنا پر احکام شرعیہ کے اجراء سے خوش ہونا چاہیے اور اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے، یہ کیا اسلام اور دینداری ہے کہ تم احکام شرعی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہو؟ ہاں، اگر ہم سے اجراء احکام میں کچھ افراط وتفریط سرزد ہو، تو اپنے مقامی علماء سے دریافت کر کے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی رو سے ہماری اصلاح کرو۔

اس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا کہ تم کتاب وسنت سے بال برابر بھی زائد عمل نہیں کرتے قرآن وسنت اور علماء سب تمھاری طرف ہیں، لیکن دینی احکام، جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں، ہمارے اوپر شاق اور بار ہیں، اس لیے ہم تمہیں باجوڑ جانے سے مانع ہیں، اور ہم کسی طرح تم کو جانے نہ دیں گے اور اس سلسلے میں ہم جنگ تک کے لیے تیار ہیں، پھر جو فیصلہ ہو، اگر ہم غالب آئے، تو ہم اپنے رسوم افغانی پر قائم رہیں گے؛ اگر تم غالب آئے اور تمھارا عمل دخل اس ملک میں ہوا، تو ہم اس ملک کو چھوڑ کر کسی کافر کی عملداری میں چلے جائیں گے تاکہ وہاں اطمینان سے اپنے باپ دادا کے طریقے پر عمل کرسکیں۔

مولانا نے جب یہ تقریر سنی، تو فرمایا کہ ہم نے ایسے کلمہ گو، جو شھدین علی انفسھم بالکفر کا مصداق ہوں، ابھی تک نہیں دیکھے تھے، ہم کو آج معلوم ہوا کہ تم ایسے کلمہ گو ہو کہ احکام شرعیہ کا انکار کر کے بھی تم کو ایمان کے سلب ہو جانے کا اندیشہ نہیں، ہم مجبور ہیں کہ امیر المومنین نے ہم کو تم سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی اور تم کو معلوم ہے کہ ہم بغیر ان کے حکم کوئی کام نہیں کر سکتے، ورنہ تمھاری اس پوری جمعیت کو دس قرابینوں کی باڑھ سے ھباءًا منثورًا کر دیتے۔

قریب کے ایک گاؤں کے لوگوں کا پیغام آیا کہ اگر مولانا یہاں تشریف لے آئیں، تو ہم باجوڑ پہنچا دیں گے، مگر مولانا نے فرمایا کہ اس میں ایک قباحت تو یہ ہے کہ قدم قدم پر جنگ ہوگی، سید صاحبؒ نے جنگ کی اجازت نہیں دی اور غازی بھی کم ہیں، پھر اگر باجوڑ پہنچ بھی گئے، تو سید صاحبؒ سے اور اپنے مرکز سے بالکل منقطع ہو جائیں گے اور لشکر اسلام دو جگہوں میں منقسم ہو جائے گا، نہ ہماری خبر سید صاحبؒ تک پہنچ پائے گی، نہ وہاں کی خبر یہاں آئے گی، آخر یہ طے ہوا کہ واپسی مناسب ہے اور تیاری شروع ہوگئی۔

جب تیاری شروع ہوئی اور واپسی کا ارادہ مصمم ہوا، تو اہل خار نے کہا کہ آج کی رات ضیافت کھائے بغیر ہم آپ کو جانے نہ دیں گے، مجاہدین نے کہا کہ جب آپ لوگوں کو احکام شرعی کا قبول کرنا گوارا نہیں اور صاف انکار ہے اور آپ اس بے مروتی سے پیش آئے، تو اب ضیافت کی کیا ضرورت ہے؟ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ ہم اس گروہ میں شامل نہیں، البتہ ان کی مخالفت کرنے کی بھی طاقت نہیں، بالآخر رات ان کی مہمانی قبول کر کے صبح وہاں سے کوچ کیا، رات بھر اہل سوات نے غول درغول پہرہ دیا کہ کہیں یہ لوگ نظر بچا کر باجوڑ نہ چلے جائیں۔

ایک جاہلی رسم کی اصلاح

احمد خاں کاکا نے سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہمارے اس ملک میں یہ رسم ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق لڑکے والوں سے زر نقد لیے بغیر کوئی اپنی بیٹی کا نکاح کسی کے بیٹے کے ساتھ نہیں کرتا، کوئی لڑکے والے سے سو روپے، کوئی چار پانسو، کوئی ہزار لیتا ہے، لڑکے والے غریب روپے کی تلاش میں حیران سرگرداں رہتے ہیں، ان کی بیٹیاں بیچاری بیٹھی رہتی ہیں اور نکاح نہیں ہوتا، اس بستی کی عورتیں آپ سے دادخواہ اور انصاف طلب ہیں، وہ کہتی ہیں کہ سید بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا امام بنایا ہے، وہ خدا کے لیے ہماری بیٹیوں کا انتظام کریں اور ہم کو عذاب سے نجات دیں۔

یہ سن کر سید صاحبؒ بڑی دیر تک عالم سکوت میں رہے، اسکے بعد فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا، جو ہم سے کہا، ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ضرور اس کا تدارک کریں گے، تم خاطر جمع

رکھو اور یہ بہت بری رسم تمھارے ملک میں ہے، اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے اس کو چھڑا دے اور تم سب لوگوں کو پورا پورا مسلمان اور متبع سنت بنا دے!

سید صاحبؒ نے اسی دن یا اس کے اگلے دن بستی کے سب لوگوں کو بلوایا اور نرمی کے ساتھ وعظ و نصیحت فرمائی اور نکاح کی ضرورت و فضیلت اور اس رسم کی قباحت بیان کی اور فرمایا کہ تم سب صاحبوں نے میرے ہاتھ پر بیعت ہدایت اور بیعت امامت کی ہے اور شریعت کے تمام احکام قبول کیے ہیں، اور ہر ایک گناہ اور برے کام سے توبہ کی ہے، تو خدا اور رسولؐ کا حکم جان کر اس گناہ سے بھی توبہ کرو اور دستور شریعت کے موافق برضا و رغبت اپنی بیٹیوں کا اپنی برادری میں نکاح کر دو، اور یہ خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف روپیہ لینے کا دستور ترک کرو، اگر تم نہ مانو گے، تو اپنے حق میں بہت برا کرو گے۔

آپ کی یہ تقریر سن کر سب نے جاہلیت کی اس رسم سے طوعاً و کرہاً توبہ کی اور اپنی بیٹیوں کے نکاح کر دینے کا اقرار کیا۔

لڑکیوں کی رخصتی

جن لڑکیوں کا نکاح ہو جایا کرتا تھا وہ بھی اس انتظار میں کہ پٹھانوں کی رسوم کے مطابق رخصتی کا سامان ہو، برسوں بیٹھی رہتی تھیں، یہاں تک کہ بعض سن رسیدہ ہو جاتیں اور اس سے بہت سی قباحتیں پیدا ہوتیں، منظورہ میں ہے کہ اسی زمانے میں تاکید ہوئی کہ جن لوگوں نے اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دیا ہے اور وہ سن بلوغ کو پہنچ چکی ہیں، ان کو ان کے شوہروں کے گھر رخصت کیا جائے، حکم جاری ہوا کہ جن بالغ لڑکیوں کو نکاح کے باوجود ان کے شوہروں کے گھر رخصت نہیں کیا جاتا، ان کی اطلاع کی جائے، اس کے لیے کارندے مقرر ہوئے کہ جو والدین یا سرپرست ان جوان لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے، ان سے بزور حکومت رخصتی کرائی جائے اور ان کے شوہروں کے حوالے کیا جائے، حافظ عبداللطیف صاحب اور خضر خاں کابلی اپنی جماعت کے ساتھ اس خدمت پر مامور ہوئے، دیہاتوں میں شوہروں کے اظہار و بیان کے مطابق ان لڑکیوں کو رخصت کرایا گیا اس کی عملی صورت یہ

تھی کہ جب شوہر حاکم (شرعی) کے یہاں نالش کرتا کہ فلاں دیہات یا موضع میں میری منکوحہ بالغہ ہے اور اس کو رخصت نہیں کیا جاتا، تو لڑکی کے باپ کو دوسرے اولیاء (شرعی) کے ساتھ طلب کیا جاتا اور اس کی فہمائش بلیغ کی جاتی کہ اپنی لڑکی کو رخصت کرے، اگر وہ قبول کر لیتا، تو ایک دن اس کے لیے معین کر لیتا، ورنہ حاکم کی طرف سے ایک دن اس کے لیے متعین ہو جاتا اس روز اس کا شوہر حافظ عبداللطیف یا خضر خاں کو اپنے ساتھ لے جا کر اپنی بیوی کو رخصت کرا لاتا(۱)۔

قاضیوں کی شکایت

موضع ڈاگئی میں مولوی خیر الدین صاحب نے عرض کیا کہ چھتر بائی سے آتے ہوئے جس بستی میں بھی مجھ کو اترنے کا اتفاق ہوا، وہاں کے لوگوں نے اپنے قاضی کی مجھ سے شکایت کی کہ وہ ہم لوگوں پر بہت زیادتی اور تعدی کرتے ہیں اور ہم سے ناحق ہماری استطاعت سے زیادہ تاوان و جرمانہ لیتے ہیں، آپ سید بادشاہ سے عرض کر کے ہمارے لیے کوئی سبیل نکالیں، اب آپ جیسا مناسب جانیں، فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ پنجتار پہنچ کر ہم آپ کو قاضی القضاۃ مقرر کریں گے، آپ دورہ کر کے اور حق و ناحق کی تحقیق کر کے فیصلہ کیجیے گا، مولوی صاحب نے کہا کہ میں اس عہدے کی لیاقت و استعداد نہیں رکھتا، اس عہدے کے لیے کسی اور صاحب کو آپ مقرر فرمائیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ میں اس کام کی بخوبی استعداد و لیاقت ہے، مولوی صاحب نے عرض کیا کہ دو کاموں کے متعلق آپ مجھے مجبور نہ فرمائیں، ایک عدالت کا کام، دوسرا مالی کام، دونوں کاموں میں اکثر لوگوں کا قدم پھسل جاتا ہے، آپ مسکرا کر خاموش ہو رہے۔

پنجتار میں

پنجتار کے قریب آپ کی آمد کی خوشی میں سیکڑوں آدمی مرد و عورت آپ کی تعریف

---

(۱) منظورہ ص ۲۳۶

میں چار بیت کہتے تنبل (۱) بجاتے اور خوشی کرتے ہوئے اپنے اپنے غول بنا کر آئے اور آپ سے انعام طلب کیا۔ آپ نے ہر ایک کو انعام دلوایا اور ہر ایک کو خوش کیا، آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں پنجتار کے مجاہدین نے گیارہ فیر توپ کے سر کیے۔

آپ سواری سے اتر کر مسجد میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نفل پڑھی اور اکثر غازیوں نے دو دو نفلی رکعتیں پڑھیں، پھر آپ نے برہنہ سر ہو کر بہت دیر تک باآواز بلند دعا کی اور سب نے آمین کہی، دعا کے بعد آپ نے سب کو اجازت دی کہ اپنے اپنے ڈیرے پر جا کر اتریں، آپ نے بھی اپنے ڈیرے پر قیام فرمایا۔

جمعے میں سید صاحبؒ کا وعظ

جمعے کے دن مولوی احمد اللہ صاحب میرٹھی نے خطبہ پڑھا اور سید صاحبؒ نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد آپ نے وعظ کہا، آپ نے فرمایا: بھائیو، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تم تھوڑے لوگوں کو کئی بار بڑے بڑے لشکروں پر غالب اور فتحیاب کیا اور تمھارے دل بڑھ گئے کہ ہم نے لڑائی جیتی، اس خیال پر مغرور نہ ہونا، اللہ سے ڈرو اور توبہ و استغفار کرو، بڑائی اور کبریائی اسی قادر مطلق اور خداوند برحق کو سزاوار ہے، یہ محض اس کی مدد و عنایت تھی کہ ہم جیسے ناتوانوں کو اس نے ایسے زور آوروں پر منصور و مظفر کیا، جس طرح اس کو غلبہ اور اقبال دیتے دیر نہیں لگتی، اسی طرح چھینتے بھی دیر نہیں لگتی۔

چھین لینے کا لفظ آپ کی زبان سے سن کر اکثر لوگوں کے دلوں کو دھکا سا لگا کہ اللہ خیر کرے کہ حضرت نے یہ کیا فرمایا۔ اس وقت آپ کی بھی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور اکثر مجاہدین کے بھی، پھر آپ نے ننگے سر ہو کر کمال گریہ و زاری اور عجز و انکسار کے ساتھ دعا کی، تمام لوگ آمین کہتے تھے اور روتے تھے۔

قاضی القضاۃ کا تقرر

اس کے اگلے روز سید صاحبؒ نے مولوی رمضان صاحب سہارنپوری کو قاضی القضاۃ

---

(۱) پشتوں میں طبل کو تنبل کہتے ہیں

کا عہدہ دیا اور چند غازیوں کے ساتھ موضع شیوہ کو رخصت کیا، اور لوہاری کے حمزہ علی خاں کو مع رسالہ، اور قصبہ پھلت کے شیخ ناصر الدین اور شیخ عبدالرحمٰن کو، جو نائب رسالدار تھے، نقارہ اور نشان اور شاہین خانہ دے کر موضع شیوہ کو رخصت کیا اور رسالدار صاحب کو یہ اختیار دیا کہ اس اطراف کی بستیوں میں جس قدر مناسب جانیں، اس قدر سوار متعین کر دیں کہ اپنی اپنی بستی کی بخوبی حفاظت کرتے رہیں اور کوئی رعایا پر کسی طرح کا ظلم و زیادتی کرنے نہ پائے۔

سوات کے سرحدی علاقہ میں احکام شرعی کا اجراء

موضع لوند خوڑ اور کاٹ لنگ وغیرہ کے ملک اور قاضی پنجتار آئے اور انھوں نے سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہم نے بھی آپ کی امامت قبول کی ہے، ہمارے ساتھ آپ کوئی معتمد عالم اور مدبر روانہ فرمائیں، جو ہماری بستیوں میں شرعی احکام جاری کرے اور عشر و زکوۃ و جزیہ کی تحصیل کر لے۔

آپ نے اپنے معتمدین سے فرمایا کہ وہاں بھیجنے کے لیے کوئی شخص تجویز کرنا چاہیے، کسی صاحب نے عرض کیا کہ وہ علاقہ ملک سمہ سے جدا ہے اور سوات کا ملک وہاں سے قریب ہے، وہاں کے واسطے کوئی مدبر، متحمل اور احکام شرعی سے واقف آدمی چاہیے، جو وہاں کے لوگوں کو اپنی حکمت عملی سے قابو میں لائے اور نرمی و آہستگی کے ساتھ ان کو احکام شرعی کی تعلیم دے، تیز طبیعت آدمی سے وہاں کام نہ چل سکے گا، کیوں کہ وہاں کے لوگ اطاعت و فرمانبرداری کے خوگر نہیں ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ ایسا کون آدمی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ وہاں کے واسطے مولوی خیر الدین صاحب مناسب ہیں، آپ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور مولوی صاحب موصوف کو پچاس ہندوستانیوں اور تیس قندھاریوں کے ساتھ مع لعل محمد صاحب جمعداران ملکیوں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

مولوی صاحب موضع لوند خوڑ میں داخل ہوئے، لوند خوڑ بڑی بستی تھی، سو دکان سے زیادہ فقط بقالوں کی تھیں اور چھ ملک تھے، ہر ایک کا حجرہ جدا تھا اور تمام رعایا اور بقال چھ جگہ

میں برابر تقسیم تھے، پانچ چھ دن کے بعد مولوی صاحب نے وہاں کے سب ملکوں کو جمع کر کے کہا کہ آپ مجھ کو جس کام کے لیے لائیں ہیں، اس کام کا اجراء کرنا چاہیے، مناسب یوں ہے کہ جن باتوں کا آپ سب حضرات امیر المومنین سے اقرار کر کے آئے ہیں، اور ملک سمہ میں بستی بستی اس کے اجراء کے واسطے آدمی متعین ہوئے ہیں، اب ان باتوں کے رواج دینے میں آپ سب سے سبقت لے جائیں، اس میں خدا اور رسولؐ کے نزدیک بھی آپ کی نیک نامی اور سرخروئی ہوگی اور حضرت امیر المومنین بھی آپ سے راضی ہوں گے اور رعایا پر بھی آپ کی حکومت بنی رہے گی، اگر میں نے رعایا میں سے ہر ایک کو خود بلا کر اپنا حکم اس پر جاری کیا تو رعایا تمھارے قبضے میں نہ رہے گی اور تم کو بھی ناگواری ہوگی اور پھر مجھ سے بھی ناخوش ہو گے ، یہی بہتر ہے کہ جس آرزو اور خواہش سے آپ مجھ کو لائے ہیں، اسی طرح میرے اور آپ کے درمیان موافقت رہے، اب جس کام کو آپ لائے ہیں اور امیر المومنین نے بھیجا ہے، وہ کام میں آپ سے چاہتا ہوں۔

انھوں نے کہا: یہ بات آپ نے معقول کہی، ہماری سمجھ میں آئی، مگر رعایا لوگ ہمارا کہنا مان لیں گے، پٹھان لوگ نہیں مانیں گے، اس کی کیا صورت کرنی چاہیے؟

مولوی صاحب نے کہا: اگر آپ اپنے وعدے کے سچے ہیں تو جو جو کام میں کہوں ان کو آپ پہلے اپنے گھروں میں جاری کریں؛ پھر جو نہ مانے گا، اس سے منوالوں گا، انھوں نے کہا: وہ کیا باتیں ہیں؟ بیان کیجیے، مولوی صاحب نے کہا: آپ نماز روزہ تو کرتے ہی ہیں، اس میں کچھ تاکید کی حاجت نہیں، آپ لوگوں میں ایسے کم ہوں گے جو نماز روزے کے خوگر نہ ہوں، اگر اس میں ان سے تاکید کی جائے گی، تو وہ بھی برا نہ مانیں گے اور منظور کر لیں گے، اس لیے کہ آپ سردار ہیں، ایک بات تو یہ ہے کہ آپ اپنی زراعت سے پورا پورا عشر دیجیے، دوسری بات یہ ہے کہ زکوۃ دیجیے، اس ملک میں اور تو کسی مال پر زکوۃ معلوم نہیں ہوتی، مگر جو بکریاں چرانے اور بیچنے کا پیشہ رکھتے ہیں، ان سے زکوۃ لینی چاہیے۔ تیسرے ہندوؤں سے جزیہ۔ آپ کے اپنے اپنے علاقے میں جس قدر بقال ہیں، تاکید اور کوشش

کر کے ان سے جزیہ وصول کیجیے، اس میں آپ کا بھی فائدہ ہوگا، اس لیے کہ اگر جزیے کا پورا پورا روپیہ وصول ہو جائے گا، تو چہارم حصہ حق السعی آپ کو ملے گا اور تین حصے حضرت امیر المومنین کو ارسال کیے جائیں گے، چوتھے اگر چہ بیوہ عورت کے نکاح کی تاکید چنداں ضرورت نہیں، اس لیے کہ یہ رسم اس ملک میں جاری ہے، مگر یہ رسم کہ تم اپنی کنواری بیٹیوں کا نکاح روپیہ لیے بغیر نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ جوانی سے بھی گزر جاتی ہیں، یہ رسم اگر ترک کرو، تو معلوم ہو کہ تم اپنے دعوؤں کے سچے ہو، جس رسم کے چھوڑنے میں تم نقصان جانو، اسے تم ترک نہ کرو اور جس کا نفع ونقصان برابر ہے، اس کو چھوڑو، یہ کیا دینداری اور احکام الٰہی قبول کرنے کا کیسا دعویٰ ہے؟

مولوی خیر الدین صاحب کی یہ تقریر سن کر ایک ملک، جن کا نام صدر الدین تھا، بولا کہ اول میں اس رسم کو اپنے گھر سے اٹھاتا ہوں، میری ایک بیٹی کنواری ہے، تین روز کے عرصے میں اس کا نکاح کروں گا اور روپیہ نہ لوں گا، مگر اپنے چند غازیوں کو حکم دیجیے کہ اس روز نکاح کے بعد دس پندرہ بندوقیں داغ دیں تاکہ بستی میں شہرت ہو جائے، مولوی صاحب نے کہا کہ تم اس سے خاطر جمع رکھو، ان شاء اللہ تعالیٰ میں خود بندوقچیوں کو لے کر تمھارے مکان پر آؤں گا، تیسرے روز اس نے ایسا ہی کیا، اس کے بعد اس نے کوشش کر کے چار پانچ نکاح ایسے ہی اور کروائے اور کپاس کا عشر اور بکریوں کی زکوٰۃ جاری ہوگئی اور ہندوؤں کی خانہ شماری جزیہ کے لیے مکمل ہوگئی اور لوگ بخوبی اطاعت کرنے لگے۔

تینتیسواں باب

حکومت شرعیہ کے عمال اور غازیوں کا قتل عام

اسباب ومحرکات

پشاور کی سپردگی کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ پشاور اور سمہ کے پورے علاقے میں حکومت شرعیہ کے ان عمال، محصلین، قضاۃ ومحتسبین اوران غازیوں کو، جو پنجتار کے علاوہ پورے علاقے میں جابجا متعین اور مقرر تھے، بیک دفعہ قتل کردینے کا منصوبہ بنایا گیا اور خفیہ طور پر یہ طے کرلیا گیا کہ ایک ہی دفعہ اس کشمکش سے جو چند سال سے جاری تھی، ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کرلی جائے، یہ کشمکش کیوں تھی اوراس فیصلہ کن ونامبارک اقدام کے اصلی اندرونی اسباب ومحرکات کیا تھے؟ ان کواس اندوہناک واقعہ کی تفصیلات پڑھنے سے پہلے معلوم کرلینا ضروری ہے۔

اس کشمکش کا سب سے بڑا سبب اور محرک سرداروں، خوانین، اور ملاؤں کے ذاتی اغراض ومصالح ہیں، سید صاحبؒ اور مجاہدین کی آمد سے پہلے یہ تمام گروہ اپنے اغراض ومقاصد کی تکمیل اوراپنے منافع اور فوائد کے حصول میں بالکل آزاد تھے، وہ سب اس علاقے

میں من مانی کارروائی کرتے تھے، اس علاقے میں جو کچھ پیدا ہوتا تھا، اس سے یہ سب گروہ اپنے اپنے حصے اور ملک کے رواج کے مطابق فائدہ اٹھاتے تھے، اوپر گزر چکا ہے کہ سرداران پشاور رعایا کی کھیتی کا نصف غلہ وصول کرتے تھے اور مختلف انتظامات کا خرچ بھی رعایا کے ذمے تھا، اس طرح پیداوار کا دو تہائی حصہ ان کے پاس چلا جاتا تھا، سید صاحبؒ کی آمد، آپ کی بیعت و امامت اور نظام شرعی کے نفاذ و اجراء سے ان کے ان تمام ''حقوق وفوائد'' پر زد پڑی اور ان کو صاف نظر آنے لگا کہ اگر یہ صورت حال باقی رہی اور نظام شرعی کی جڑیں گہری اور مستحکم ہوگئیں، تو ان کا یہ اقتدار اور انتفاع ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا اور وہ اپنے ''حقوق'' سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں گے، سرحد کا سارا ملک انہی دنیاوی حاکموں اور دینی پیشواؤں کی عملداری میں بٹا ہوا تھا، جن دلوں میں ایمان کی حلاوت، خوف خدا اور فکر آخرت اچھی طرح پیوست نہ ہوئے ہوں اور ان کے بجائے مال کی محبت، جاہ و منصب کا شوق اور تن آسانی و تن پروری کی عادت راسخ ہو چکی ہو، وہ کسی دینی منفعت، اجتماعی مصلحت اور اخروی سرفرازی و کامیابی کے لیے اپنے ذاتی منافع اور مصالح سے دست بردار نہیں ہو سکتے، وہ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی حفاظت اور کار برآری کے لیے دین کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اجتماعی مصلحت کو آسانی کے ساتھ قربان کر سکتے ہیں اور سنگین سے سنگین تر جرم کا ارتکاب کر سکتے ہیں، مسلمانوں کی تاریخ اغراض پرستی کے ان افسوسناک واقعات سے داغدار ہے، جن میں بارہا اجتماعی مصلحتوں کا خون ہوا اور مستحکم سلطنتیں چند اشخاص یا کسی خاص گروہ کی ذاتی اغراض اور حقیر فوائد کی نذر ہو گئیں۔

اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ صوبہ سرحد اور افغانستان میں شریعت اسلامی کے بالکل متوازی ایک دوسرا آئین و قانون صدیوں سے جاری تھا، جس پر اہل سرحد آسمانی شریعت کی طرح عامل و راسخ تھے اور کسی حال میں اس کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، اس آئین افغانی میں ان کے اغراض و مصالح بھی محفوظ تھے اور باپ دادا کی رسم اور صدیوں کے ملکی رواج پر بھی عمل ہوتا تھا، چند صفحات پہلے ہم نے عنایت اللہ خاں سواتی اور اس کے ساتھیوں کا یہ صاف

صاف اقرار و اعلان پڑھا ہے جو اس نے مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کے جواب میں کیا کہ:

''تم سب کتاب و سنت سے بال برابر بھی زائد عمل نہیں کرتے، قرآن و سنت و علماء سب تمھاری طرف ہیں، لیکن وہی احکام، جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں، ہمارے اوپر شاق اور بار ہیں، اس لیے ہم تمھیں باجوڑ جانے سے مانع ہیں اور ہم کسی طرح تم کو جانے نہیں دیں گے، اس سلسلے میں ہم جنگ کے لیے تیار ہیں، پھر جو فیصلہ ہوا گر ہم غالب آئے، تو ہم اپنے رسوم افغانی پر قائم رہیں گے، اگر تم غالب آئے اور تمھارا عمل دخل اس ملک میں ہوا، تو ہم اس ملک کو چھوڑ کر کسی کافر کی عملداری میں چلے جائیں گے تا کہ وہاں اطمینان سے اپنے باپ دادا کے طریقے پر عمل کر سکیں''۔

عنایت اللہ خاں اور اس کے ساتھیوں نے اپنے اس اعلان و اقرار میں نہ صرف سوات، بلکہ حقیقۃً اس پورے علاقے کی اکثریت کی اصلی ذہنیت اور خیالات کی ترجمانی کی ہے، جو اس زمانے میں وہاں عام تھی۔

یہ دو بنیادی اسباب ہیں، جنھوں نے نہ صرف غریب الوطن مجاہدین کے خلاف اس خطرناک اقدام پر آمادہ کیا، بلکہ پورے شرعی نظام اور مستقبل کے دینی توقعات و امکانات کو درہم برہم کر دینے پر ابھارا، جو اس ملک میں صدیوں کے بعد پیدا ہوئے تھے اور ان اہل علاقہ سے، جن کو انصار کی جانشینی کرنی چاہیے تھی، ایسی قساوت اور سنگ دلی کا ظہور ہوا، جس نے میدان کربلا اور واقعۂ حرّہ کی یاد تازہ کر دی شاید ان کو آسانی سے ایسے سنگ دلانہ فعل کی ہمت نہ ہوتی، اس لیے کہ جن کے ساتھ وحشت و بربریت کا یہ سلوک کیا گیا، وہ مسلمان تھے اور دینی اعمال و شعائر کی پابندی میں، نیز اپنے عبادت و تقوی میں کھلے طریقے پر اپنے گرد و پیش میں ممتاز اور نمایاں تھے، لیکن سرداران پشاور اور ان کے درباری علماء نے، نیز پیشہ ور اور رسم پرست ملاؤں نے اس جماعت اور اس کے امیر کے متعلق فساد عقیدہ اور مسلمانوں کے جان و مال پر تعدی وغیرہ کی جو افواہیں پھیلا رکھی تھیں اور انھوں نے ان پر مختلف قسم کے جو الزامات لگائے تھے اور ان کی تشہیر کی تھی، ان سب نے مل کر اس فعل کے لیے اخلاقی اور مذہبی جواز مہیا کر

دیا تھااور اگر چہ سب کارفرمائی ذاتی اغراض ونفسانیت کی تھی، لیکن اس کو تھوڑا سا سہارا اس الزام تراشی سے بھی مل گیا تھا، جس کو پشاور کی فتح اور حوالگی کے بعد سے خاص طور پر ہوا دی گئی۔

مولانا خیر الدین صاحب شیر کوٹی نے، جو لشکر اسلام کے ایک بڑے ذہین، ذکی اور مبصر عالم تھے، اس قتل عام کا بڑی حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لیا اور اس کے اسباب ومحرکات کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے، وہ اپنی ایک تحریر میں جس کا خلاصہ مولوی سید جعفر علی صاحب نے منظورۃ السعداء میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

''تقدیر الٰہی اور شہداء کی خوش قسمتی کے علاوہ اس واقعہ کے چند ظاہری سبب معلوم ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ اس علاقہ کے لوگ زمانہ قدیم سے اطاعت وفرمانبرداری کے عادی نہیں ہیں، جب ان کو اس بات کا تنبہ ہوا کہ امام (امیر) کی اطاعت ضروریات دین میں سے ہے، تو انھوں نے اس کو قبول تو کر لیا، لیکن اطاعت کو نماز، روزے اور عشر کے اندر منحصر سمجھتے تھے، ان کے نزدیک اتنی ہی بات میں اطاعت ضروری تھی اور وہ بھی مرضی کے مطابق، جتنا دل چاہتا، عشر وغیرہ دے دیتے کم یا زیادہ، جب ان سے پورے پورے عشر کا مطالبہ ہوا، اور جنگ میں شرکت نہ کرنے کا تاوان بھی طلب کیا گیا، نیز لڑکیوں کی شادی اور داماد سے کچھ لیے بغیر ان کو رخصت کر دینے کی تاکید بھی کی گئی، تو ان کی طبیعت پر یہ بہت شاق ہوا اور ان کو یہ معاملات ناقابل برداشت اور تکلیف مالایطاق معلوم ہونے لگے۔

اسی کے ساتھ وہ محضر، جو ہندوستان اور سرحد کے علماء نے تیار کیا تھا، اس کا اثر سرداران پشاور کی کوشش سے جا بجا پھیل گیا اور یہ مشہور ہو گیا کہ یہ گروہ، جو جہاد کے نام سے یہاں آیا ہے، وہ دین کا مخالف ہے اور وہابی فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کے دل میں بدعقیدگی پیدا ہوئی، انھوں نے مجبوراً ان کی اطاعت تسلیم کی، چونکہ مجاہدین کی قوت وشوکت روز افزوں تھی، ان کا کوئی قابو نہیں چلا اور حضرت امیر المومنین کی تاکید لڑکیوں کے نکاح کی بابت خود لڑکیوں کی فریاد اور درخواست پر تھی، انھوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ ہمارے ساتھ انصاف فرمایا جائے، اس پر یہ حکم صادر ہوا کہ جس منکوحہ کا شوہر موجود ہے،

تین دن کے اندراس کی رخصتی کردی جائے اور جولڑکیاں بالغ ہوچکی ہیں، اوران کے شوہر غیر موجود ہیں، ایک مہینے کے اندران کا نکاح اور رخصتی کردی جائے ،جن لڑکیوں کی نسبت ہوچکی تھی، انھوں نے ان لوگوں سے، جو اس کام کے لیے مقرر ہوئے تھے اپنی رخصتی کی درخواست کی، چونکہ اہل علاقہ احکام شرعی قبول کر چکے تھے، اس لیے ان کا حیل و حجت کرنا معقول نہ تھا، اپنے مروجہ رسوم وعادات کا جوخلاف شرع تھے، ترک کرنا مناسب تھا(یہ سب ناراضگی اور شکایت مقامی خوانین تک محدود تھی) باقی ہندو بنیے اور اہل حرفہ ہندوستانیوں کی حکومت سے بہت خوش تھے، خوانین کی حکومت میں بڑا ظلم تھا، وہ اپنی لڑکیوں کی شادی میں رعیت سے بڑی گراں قدر رقمیں وصول کرتے تھے، یہ سب احکام شرعی کے اجراء کی وجہ سے موقوف ہو گیا، اس لیے یہ سب حضرت امیر المومنین اور ہندوستانیوں کو بڑی دعائیں دیتے تھے کہ ان کی وجہ سے وہ اس ظلم وتعدی سے محفوظ ہو گئے (۱)۔

مذکورہ بالا اسباب میں اتنا اور اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ سمہ کے علاقہ میں جو غازی معین یا مقیم تھے یا کبھی کبھی کسی ضرورت سے دورہ کرتے تھے، ان میں سے جن کو زیادہ صحبت وتربیت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، یا مزاجاً درشت اور لاابالی واقع ہوئے تھے، ان سے کہیں کہیں بے عنوانیوں اور تعدی کے واقعات بھی پیش آئے ، انسانی فطرت ناقابل تبدیل ہے، اتنی بڑی جماعت کا ایک اخلاقی اور دینی معیار پر ہونا شریعت واخلاق کے سانچے میں سر سے پاؤں تک ڈھل جانا بعید از قیاس ہے، جو لوگ نو وارد تھے یا پست معاشرے اور خاندانی ماحول سے تعلق رکھتے تھے، ان سے شاذ ونادر ایسے واقعات بھی ظاہر ہوئے جو اہل علاقہ کے لیے آزردگی کا سبب بنے۔ سید صاحبؒ کو جب ان کا علم ہوا تو سختی کے ساتھ ان کی سرزنش فرمائی اور فوراً ان کے تدارک کا انتظام فرمایا، مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں: جب آپ کو چھید یا بیلدار کے متعلق، جو رائے بریلی کا رہنے والا تھا، معلوم ہوا کہ اس نے کہیں سے ایک تلوار حاصل کرلی

(۱) منظورة السعداء ص ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ میری دانست میں رخصتی کی مدت مختلف تھی، کسی کے لیے کم کسی کے لیے زائد، منشی محی الدین کشمیری (مشہور بہ منشی امان زئی) خضر خاں اور حافظ عبداللطیف تاکید کے لیے مقرر تھے، جن لڑکیوں کی نسبت ہوچکی تھی، انھوں نے خود ان حضرات کے ذریعہ اپنے شوہروں سے رخصی کی درخواست کی۔

ہے، اپنے سر کے بال سکھوں کی طرح بڑھائے ہیں، دیہاتوں میں گشت کرتا ہے اور ہر جگہ کھانے کی فرمائش کرتا ہے، تو آپ کو سخت غصہ آیا اور بلند آواز سے فرمایا کہ سن لو، میں ظالموں کا دشمن ہوں، ظالم کا سر پتھر سے کچلوں گا، آپ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ اس بیلدار کی تلوار چھین لو اور اس کی گوشمالی کرو کہ پھر مسلمانوں پر حکومت نہ کرے اور اپنے روزمرہ کے کام دیوار بنانے اور زمین کھودنے میں مشغول ہو، ورنہ ہم خود اپنے ہاتھ سے اس کو سزا دیں گے، اسی طرح کریم بخش (جو مولوی نصیر الدین صاحب منگلوری کے رفیقوں میں تھے) کے متعلق معلوم ہوا کہ بدوضعی اختیار کی ہے اور لکھنؤ کے آزاد اور شوقینوں کی طرح صورت اور لباس اختیار کیا ہے، مایار اور پشاور کی جنگوں میں شرکت بھی نہیں کی، خفیہ خفیہ رعایا پر ظلم کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان کو میرے پاس گرفتار کر کے لاؤ میں خود ان کو ایسی سزا دوں گا کہ ساری شرارت دماغ سے اڑ جائے گی (۱)۔

وقائع احمدی میں بعض بعض عمال کی سختی اور بے عنوانی کی شکایت کے واقعات بھی ہیں۔ اسی کے انتظام کے لیے مولوی رمضان صاحب کو قاضی القضاۃ بنایا گیا تھا اور ان کو پورے علاقے کا دورہ کرنے کی ہدایت کی گئی تھی، حمزہ علی خاں رسالدار کو بھی تاکید تھی کہ وہ اس کی نگرانی رکھیں کہ کوئی رعایا پر کسی قسم کا ظلم وتعدی نہ کرنے پائے۔ حکم تھا کہ جس پر ظلم ہو، وہ سید صاحبؒ کے یہاں نالش کرے اور واقعات کی اطلاع کرے، لیکن جیسا کہ منظورہ میں ہے، اہل سرحد کو نالش وفریاد کرنے اور ذمے داروں کو واقعات کی اطلاع دینے کی بہت کم عادت ہے (۲) وہ اندر ہی اندر اپنی ناراضگی اور شکایت کو رکھتے ہیں اور جب موقع ملتا ہے، اشخاص متعلقہ سے اس کا سخت انتقام لیتے ہیں۔

سید صاحبؒ اور آپ کی جماعت کے خلاف علماء سرحد کے الزامات

سید صاحبؒ اور آپ کی جماعت کے اکثر علماء حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی طرح مسائل میں تحقیقی مسلک رکھتے تھے اور فقہ وحدیث کی تطبیق کی کوشش کرتے تھے، لیکن تیرھویں

---

(۱) منظورۃ، ص ۹۶۰، ۹۶۱ (۲) منظورہ، ص ۹۵۸

صدی میں تمام عالم اسلامی میں بالعموم ہندوستان میں بالخصوص اور سرحد و افغانستان میں بالاخص جو دینی اور علمی جمود طاری تھا، اسکے سامنے مروجہ عادات اور عوام کے مسلک سے سر موانحراف اور ہر ایسی تحقیق، جو علماء کے لیے نامانوس اور نئی تھی، الحاد و زندقہ اور مذہب سے آزادی کے مرادف تھی، چنانچہ سرحد کے علماء نے مشہور کیا کہ یہ ہندوستانی علماء اور ان کا امیر لامذہب لوگ ہیں، خواہش نفسانی کے پیرو اور آزاد خیال ہیں، عوام میں اس پروپگینڈے کا جو اثر ہوا ہوگا اس کا اندازہ آج بھی کیا جا سکتا ہے۔

مجاہدین کے ساتھ جنگ کرنے میں جو بعض مسلمان سردار اور باغی قتل ہوئے تھے (جس کے اسباب اور تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں) ان کا قتل اور ان کے علاقوں پر قبضہ بھی مجاہدین کے خلاف سخت الزام تھا، علماء کہتے تھے کہ یہ لوگ مسلمان کے جان و مال کو کوئی چیز نہیں سمجھتے اور بلا وجہ شرعی مسلمانوں کی جان و مال پر دست درازی کرتے ہیں، بعض لوگ اس سے آگے بڑھ کر مجاہدین کو باغی، اور باغی مقتولین کو شہید کہتے تھے۔

ان دو الزامات کے علاوہ ذاتی طور پر سید صاحبؒ کے متعلق ان لوگوں نے مشہور کیا تھا کہ آپ نہایت درشت مزاج، زود رنج اور غضبناک آدمی ہیں، کوئی اگر نصیحت کرے یا معقول بات کہے، تو ناراض ہو جاتے ہیں اور اس کے ایذا کے درپے ہو جاتے ہیں، سید صاحبؒ نے ان غلط فہمیوں کو رفع کرنے اور ان الزامات کی تردید کے لیے علماء پشاور کے نام ایک پرزور اور مدلل خط لکھا، جو قلمی خطوط کے مجموعے میں شامل ہے، اس خط سے سید صاحبؒ کے بہت سے خیالات اور اس وقت کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، اس لیے اس خط کے بعض حصے نقل کیے جاتے ہیں۔

مذہبی بے قیدی کے الزام کا ذکر فرماتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں:

چناں شنیدہ ایم کہ از جملہ مفتریات آں مفتریان آنست کہ ایں فقیر را، بلکہ زمرہ مجاہدین بالحاد و زندقہ نسبت می نمایند، یعنی، چناں اظہار می کنند کہ ایں جماعت مسافرین ہیچ مذہب ندارند و ہیچ مسلک مقید نیستند، بلکہ محض راہ

نفسانیت می پویند و بہر وجہ لذات نفسانی می جویند خواہ موافق کتاب باشد خواہ مخالف، معاذ اللہ من ذالک، پس باید دانست کہ نسبت ما مردم بایں امر شنیع افترائیست قبیح و بہتانیست صریح، ایں فقیر در بلاد ہندوستان گمنام نیست، الوف الوف انام از خواص وعوام ایں فقیر واسلاف ایں فقیر رامی دانند کہ مذہب ایں فقیر اباعن جد حنفی است و بالفعل ہم جمیع اقوال وافعال ایں ضعیف برقوانین اصول حنفیہ وآئین قواعد ایشاں منطبق است، یکے ازاں خارج از اصول مذکورہ نیست الا ماشاء اللہ، آنچہ از ہمہ افراد انسان بہ سبب غفلت ونسیان صادر می گردد کہ بخطائے خود معترف می باشد و بعد از اعلام براہ راست معاودت می نماید، آرے، در ہر مذہب طریق محققین دیگری باشد وطریق غیر ایشاں دیگر، ترجیح بعض روایات بر بعض دیگر بقوت دلیل وتوجیہ بعضی عبارات منقول از سلف وتطبیق مسائل مختلفہ مدون در کتب وامثال ذالک دائماً از کاروبار اہل تدقیق وتحقیق است بایں سبب ایشاں خارج از مذہب نمی توانند شد، بلکہ ایشاں رالب لباب اہل آں مذہب باید شمرد، ہر کہ دریں مقدمہ شبہ داشتہ باشد، لازم کہ نزد ایں فقیر آمدہ بالمشافہ حل اشکال نماید، یا خود فہمد یا ایں فقیر رافہماند۔

''سننے میں آیا ہے کہ ان افتراء پردازوں کا ایک افترا یہ ہے کہ اس فقیر، بلکہ پوری جماعت مجاہدین کو الحادو زندقہ کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان پردیسیوں کا کوئی مذہب نہیں اور یہ کسی مسلک کے پابند نہیں، محض نفسانیت پرست اور لذات نفسانی کے جویا ہیں، خواہ کتاب اللہ کے موافق ہو یا مخالف، خدا کی پناہ! واضح ہو کہ ہم غریبوں کی اس امر شنیع کی طرف نسبت محض افتراء و بہتان ہے، یہ فقیر اور اس فقیر کا خاندان ہندوستان میں گمنام نہیں، ہزاروں ہزار آدمی، کیا خاص اور کیا عام، اس فقیر کو اور اس کے بزرگوں کو جانتے ہیں اور ان کو معلوم ہے کہ اس فقیر کا مذہب اباعن جد حنفی ہے اور اس وقت بھی خاکسار کے تمام اقوال واعمال احناف کے اصول وقوانین اور

قواعد کے مطابق ہیں، ان میں سے ایک بھی ان اصول سے باہر نہیں، ہاں انسان سے بمقتضائے بشریت جو کچھ غلطی ہو جائے، اس کا امکان ہے اور اس کے ہو جانے کے بعد اس کا اعتراف ہے اور اگر کوئی تنبیہ کرے، تو رجوع کرنے کے لیے تیار ہوں، البتہ، ہر مذہب میں محققین کا طریقہ اور ہوتا ہے اور غیر محققین کا اور بعض روایتوں کو بعض پر ترجیح دینا دلیل کی قوت کا لحاظ کر کے سلف سے منقول، عبارتوں کی توجیہ، مختلف مدون مسائل میں تطبیق دینا اور اس طرح کی باتیں اہل تدقیق و تحقیق کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے، محض اتنی سی بات پر وہ مذہب سے خارج نہیں ہو جاتے، بلکہ ان لوگوں کو اس مذہب کے پیرووں کا لب لباب سمجھنا چاہیے جس شخص کو اس مسئلے میں کچھ شبہ ہو، اس کو چاہیے کہ اس فقیر کے پاس آ کر زبانی اور رو در رو اس اشکال کو حل کرے یا خود سمجھ لے یا اس فقیر کو سمجھا دے۔"

مسلمانوں کی جان و مال کی بے وقعتی اور دست درازی کے الزام کا جواب دیتے ہیں:

واز جملہ مفتریات آں مفتریان مذکور آنست کہ ایں فقیر را بظلم و تعدی نسبت می کنند کہ ایں فقیر بر جان و مال مسلمین بلا وجہ شرعی دست درازی می کند دریں باب بچرب زبانی حیلہ سازی می نماید، سبحنک هذا بهتان عظيم، ایں فقیر گاہے کسے را بلا وجہ شرعی یک تازیانہ ہم نہ زدہ باشد، بلکہ زدن سگ ہم بلا وجہ از عادات ایں فقیر نیست، ہر کہ چند روز با فقیر ملازمت کردہ باشد، لابد بریں معنی آگاہ شدہ باشد، فاما آنچہ سرزنش و گوشمال ملک جبار از دست ایں ذرہ بے مقدار بہ بعضے از مرتدین اشرار و منافقین بد شعار رسید، پس آں را از اعاظم سعادت خودمی شارم و اقوی علامات مقبولیت خودمی انگارم بلکہ غیرت در اعانت دین و رغبت باہانت معاندین از لوازم ایمان است، ہر کہ غیرت ایمانی و حمیت اسلامی نمی دارد، فی الحقیقت ایمان نمی دارد، آیہ کریمہ تبارک و تعالیٰ، يا ايها الذين آمنوا من يرتد منكم عن دينه فسوف ياتي الله بقوم

یحبهم و یحبو نه اذلة علی المومنین اعزة علی الکفرین یجهدون فی سبیل اللّٰہ و لا یخافون لومة لائم (۵:۵۴) وقال اللّٰہ تعالیٰ ،یا یها النبی جٰهد الکفار والمنٰفقین واغلظ علیهم وماوٰهم جهنم (۹:۷۳) واگر بالفرض والتقدیر چیزے ازیں قبیل از دست ایں فقیر صادر شده باشد، پس ایں فقیر را بطریق وعظ ونصیحت برآں آگاه باید گردانید، نہ ایں کہ بطریق غیبت درمیان محافل ومجالس مذکور نمایند وفقیر را بآں سہولت ونسیان مطعون سازند و برہمیں خیال از رفاقت ایں فقیر درامر جہاد مشارکت زمره مجاہدین دست بردار شوند کہ حدیث،الجهاد ماض الی یوم القیامة لا یبطله جور جائر و لاعدل عادل" درمیان ہمہ اہل حدیث مشہور است۔

ان افتراپردازوں کا ایک افترا یہ ہے کہ اس فقیر پر ظلم اور دست درازی کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے جان ومال پر بلا وجہ شرعی دست اندازی کرتا ہے اور اس بارے میں چرب زبانی اور حیلہ سازی سے کام لیتا ہے،سبحٰنك هذا بهتان عظیم !اس فقیر نے تو کبھی کسی کو بلا وجہ شرعی ایک کوڑا بھی نہ مارا ہوگا، بلکہ بلا وجہ کتے کو بھی مارنا اس کی عادت نہیں،جس شخص کو چند دن بھی اس کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا ہے،اس کو ضرور اس بات کا علم ہوگا،باقی اللہ نے اس ناچیز کے ذریعہ بعض منافقین ومرتدین کی جو سرزنش اور گوشمالی فرمائی ہے،اس کو میں اپنی انتہائی سعادت اور اللہ کے یہاں مقبولیت کی علامت سمجھتا ہوں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اعانت دین میں غیرت اور معاندین کی اہانت وتذلیل کا شوق ایمان کے لوازم میں سے ہے،جس میں غیرت ایمانی نہیں،حقیقت میں ایمان سے عاری ہے،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے لوگو تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا (تو اللہ کو کچھ پروا نہیں) کہ وہ عنقریب ایسے لوگوں کو لے آئے گا،جو مومنین کے حق میں نرم ہوں گے، کافروں کے حق میں سخت،اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت

کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں گے"۔(المائدہ :۵۴)(اور فرمایا)"اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے"۔(التوبہ:۷۳)اور اگر بالفرض کوئی چیز اس فقیر کے ہاتھ سے ایسی صادر ہوئی ہو، تو فقیر کو وعظ ونصیحت کے ذریعے اس پر آگاہ کردیا جائے، نہ یہ کہ محفلوں اور مجلسوں میں اس کی غیبت کی جائے اور فقیر کو سہو ونسیان پر نشانہ طعن بنایا جائے اور محض اس بناء پر جہاد میں اس کی رفاقت اور جماعت مجاہدین کے ساتھ شرکت چھوڑ دی جائے، حدیث میں آیا ہے"جہاد قیامت تک باقی رہے گا، کسی ظالم کا ظلم اور کسی منصف کا انصاف اس کو اٹھا نہیں سکتا"۔یہ حدیث علماء حدیث کے یہاں مشہور ہے۔

بالجملہ درخواست ایں فقیر از جمیع علماء زمانہ ہمیں است کہ تمام مسلمین را عموماً وایں فقیر را خصوصاً امر بالمعروف ونہی عن المنکر نمایند وبراہ راست ہدایت فرمایند وآنچہ اعتراض واشکال درغیبت ذکر می نمایند، آں را بالمشافہ بدلائل شرعیہ بپایہ اثبات رسانند وروئے ایں فقیر را بوعظ وتذکیر از راہ خود پرستی براہ خدا پرستی گردانند کہ مستعد برہمیں امر است کہ اگر ہر چیزے از اقوال وافعال خود مطلع شود کہ مخالف حکم خدا ورسولؐ باشد، فی الفور ازاں توبہ نماید براہ راست مراجعت کند، اگر مجادلین مذکورین بر افعال واقوال ایں فقیر اعتراض می دارند وآں را مخالف شرع می انگارند، باز ایں فقیر را برآں مطلع نہ گردانند وقدرے رنج سفر کشیدہ آں را بالمشافہ بپایہ اثبات ترسانند، پس وبال آں ہمہ برگردن ایشان است۔

مختصراً اس فقیر کی تمام علماء وقت سے یہی درخواست ہے کہ تمام مسلمانوں کو بالعموم اور اس فقیر کو بالخصوص بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور سیدھے راستے کی رہنمائی کریں اور جس اعتراض واشکال کا غیبت میں ذکر کرتے ہیں، اس کو رُو در رُو شرعی دلائل سے ثابت کریں اور اس فقیر کا رخ خود پرستی سے خدا پرستی کی طرف موڑ دیں، وہ اس کے لیے بالکل تیار ہے کہ اگر

اپنے اقوال وافعال میں سے کوئی ایسی چیز اس کو معلوم ہو، جو خدا اور رسولؐ کے حکم کے مخالف ہو، تو وہ فی الفور اس سے توبہ کرے گا اور سیدھے راستے کی طرف لوٹ آئے گا، اگر معترضین، جو اس فقیر کے اقوال وافعال پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کو مخالف شرع سمجھتے ہیں، اگر خود اس کی اطلاع نہ کریں گے اور کچھ زحمت سفر برداشت کر کے بالمشافہ اس کو ثابت نہ کریں گے، تو اس کا وبال انھیں کی گردن پر ہوگا۔

وآنچہ بعضے از سفہاء دروغ گو وحمقاء فتنہ جو مشہور گردانیدہ کہ ہر کہ از علماء کرام وفضلاء ذوی الاحترام ایں فقیر راامر بالمعروف ونہی عن المنکر می نمایند، ایں فقیر با ایشاں بقہر وغضب پیش می آید وبجان ومال ایشاں مضرت می رساند وبدست وزبان ایشاں رابوجہ من الوجوہ می رنجاند، پس ایں امر باطل محض است وافتراء بحت، بارہا جواسیس کفار ومنافقین راگرفتہ وبایشاں کلام غضب ہم نہ گفتہ بلکہ از ایذاء ایشاں بالکل دست برداشتہ وایشاں را بہ سلامت وعافیت فراگزاشتہ، چوں بجواسیس کفار ومنافقین ایں معاملہ کردہ باشد، آیا ہیچ عاقل تجویز ایں معنی خواہد نمود کہ ایں فقیر باعلماء عظام وفضلاء کرام کہ محض بر بناء امر بالمعروف ونہی عن المنکر نزد ایں فقیر آمدہ باشند، کلام غضب سخن سخیف درمیان آرد؟، ایں امر بعید است از خلق ایمان وابعد از مروت انسانی است، معاذ اللّٰہ من ذلك.

اور بعض دروغ گو، کم عقل اور مفسدوں نے یہ جو مشہور کیا ہے کہ علماء وفضلاء میں سے جو صاحب اس فقیر کو بھلائی کی تلقین کرتے ہیں، اور برائی سے روکتے ہیں، یہ فقیر ان کے ساتھ قہر وغضب سے پیش آتا ہے اور ان کی جان ومال کو نقصان پہنچاتا ہے اور اپنے ہاتھ اور زبان سے ان کو کسی نہ کسی طرح آزار پہنچاتا ہے، پس یہ بات محض بے اصل وبے بنیاد ہے اور محض بہتان وافتراء، بارہا کفار ومنافقین کے جاسوس گرفتار ہوئے ہیں اور ان سے خفگی کی بات بھی نہیں

کی، بلکہ ان کو تکلیف دینے سے بھی احتراز کیا ہے اور ان کو عافیت وسلامتی کے ساتھ رہا کر دیا گیا ہے، جب کفار اور منافقین کے جاسوسوں کے ساتھ ایسا معاملہ روا رکھا ہے، تو کوئی عقل مند آدمی یہ باور کر سکتا ہے کہ یہ فقیر علماء اور فضلاء کے ساتھ محض فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بجا آوری کی پاداش میں غصہ کی بات یا خلاف شان گفتگو کرے گا؟ یہ بات ایمانی اخلاق اور انسانی مروت سے بہت بعید ہے۔ ایسے کام سے اللہ کی پناہ۔

ابرار مجاہدین کی مظلومانہ شہادت

فتنے کا آغاز

وقائع احمدی میں ہے کہ ''ایک دن مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی کا خط آیا، جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ چند روز سے یہاں پشاور میں اور سردار سلطان محمد خاں کے دربار میں ملک سمہ کے خوانین کے آدمیوں کی آمد و رفت بہت رہتی ہے، یہ معلوم نہیں کہ اس کا سبب کیا ہے، میں اطلاعاً لکھ رہا ہوں، آپ نے اس کے جواب میں ان کو لکھا کہ اس سے پہلے سمہ کے خوانین اور درانیوں میں نااتفاقی تھی، اس لیے آمد و رفت بند تھی، اب اتفاق ہو گیا ہے''۔

مولوی سید مظہر علی صاحب سے سلطان محمد خاں کی جواب طلبی اور علماء کا سوال و جواب

منظورہ میں ہے کہ ''مولوی سید مظہر علی صاحب نے پشاور سے ایک طویل خط مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے نام لکھا، جس میں انھوں نے تحریر فرمایا کہ ایک ہفتہ ہوتا ہے کہ ارباب فیض اللہ خاں نے مجھ سے کہا کہ سرداران پشاور کی نیت اچھی نہیں معلوم ہوتی، مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ حضرت امیر المومنین سے بغاوت کا ارادہ رکھتے ہیں اور وہ میرے اور

آپ کے ساتھ بھی کچھ دغا اور فریب کریں گے، اس لیے اس کا خیال رہے کہ جب وہ مجھے اپنی مجلس میں طلب کریں، تو اس وقت آپ کو وہاں نہیں ہونا چاہیے، اور جب آپ کو طلب کریں، تو میں موجود نہیں رہوں گا، میرا ارادہ تھا کہ میں آپ کو اس سے مطلع کردوں کہ اسی اثناء میں سردار سلطان محمد خاں نے مجھے (۱) اپنی مجلس میں طلب کیا۔ میرے پہنچنے سے پہلے اس نے شہر کے تمام علماء کو بلا رکھا تھا، سردار نے مجھ سے اپنے بھائی (یار محمد خاں) کے قتل کے بارے میں استفسار کیا کہ وہ قتل ناحق تھا یا برحق، علماء بڑے جوش وخروش کے ساتھ اس سوال و جواب میں شریک تھے، میں نے کہا: ''اس شور وغوغا سے کچھ فائدہ نہیں، بہتر یہ ہے کہ آپ سب کو خاموش کر دیں اور اپنے میں سے ایک کو وکیل بنادیں تاکہ وہ اہل مجلس کی طرف سے بات کرے اور میں اس کو جواب دوں'' اس پر ہنگامہ کم ہوا اور انھوں نے ایک عالم کو اپنا وکیل مقرر کیا، میں نے کہا: ''یار محمد خاں کا نام لینے کے بجائے اگر خادی خاں کا نام لے کر اس کے متعلق دریافت کیا جائے، تو مناسب ہوگا، اس لیے کہ یار محمد خاں کے نام سے سرداروں کا دل دکھے گا اور ان کو رنج ہوگا''۔ اس کے بعد میں نے کہا: جب سردار سلطان محمد خاں نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ہاتھ پر امیر المومنین کے نائب کی حیثیت سے بیعت کی، تو اسی وقت اس شبہے کا ازالہ کیوں نہ کرلیا؟ سلطان محمد خاں نے جواب دیا، اس وقت علماء موجود نہ تھے، سب تمھارے لشکر کے خوف سے کوہستان میں چلے گئے تھے، ہم ناواقف تھے، ہم نے بلا تحقیق بیعت کرلی، میں نے کہا' یہ بات عجیب ہے کہ آپ کو اپنے بھائی کا مقتول ہونا اس وقت یاد نہیں رہا اور آپ یہ کیسے فرماتے ہیں کہ اس وقت علماء موجود نہیں تھے؟ آپ کے استاد محمد عظیم آخون زادہ اس وقت شہر میں موجود تھے اور سید صاحبؒ سے انھوں نے ملاقات بھی کی تھی!

گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ اہل مجلس کی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے جو وکیل مقرر ہوا تھا، اس نے کہا: آپ سردار صاحب سے کچھ نہ کہیے، ہماری اس بات کا جواب دیجیے کہ آپ نے سردار یار محمد خاں کو کیوں قتل کیا اور ان کے مال کو کس طرح حلال سمجھ کر کھایا، کیا وہ

---

(۱) یعنی سید مظہر علی صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ مجھے سردار سلطان محمد خاں نے طلب کیا۔

مسلمان نہ تھے؟ میں نے کہا: ''سردار مذکور خادی خاں دونوں نے حضرت امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت امامت کی تھی، جب ان دونوں نے بغاوت اختیار کی، تو ان کا قتل شرع شریف کی رو سے جائز ہو گیا، باغیوں کا مسئلہ فقہ کی کتابوں میں دیکھ لو'' اس شخص نے جواب دیا: ''یار محمد خاں نے کیا بغاوت کی تھی؟'' میں نے کہا: ''وہ پشاور سے فوج کشی کر کے توپوں، شاہینوں اور ہزارہا سوار اور پیادوں کے ساتھ ہنڈ اور زیدہ آئے۔ حضرت امیر المومنین نے علماء کے ذریعہ پیغام دیا کہ اس طرح ہم پر چڑھ کر آنے کی کیا ضرورت تھی، اگر خادی خاں کے بھائیوں کی مدد کے لیے آئے ہیں، تو مسئلے کو کتاب میں دیکھنا چاہیے کہ ہمارا خادی خاں کو قتل کرنا مسئلے کے مطابق تھا یا نہیں؟ اگر یہ مسئلے کے مطابق ہے، تو چون و چرا کی گنجائش نہیں، اور اگر اس کے خلاف ثابت ہو تو ہم خود شرعی سزا کے لیے تیار ہیں، تمھاری فوج کشی کی ضرورت نہیں، لیکن انھوں نے اس پر کان نہیں دھرا اور ان علماء سے جو پیغام لے کر آئے تھے کہا: ''اگر تم دوبارہ سید کا پیغام لے کر آئے تو ہم تمھارے کان کٹوا دیں گے، مجبور ہو کر حضرت امیر المومنین نے ان کے مقابلے کے لیے فوج بھیجی اور اس کا جو کچھ انجام ہوا آپ کو معلوم ہے''۔

اس طرف کے علماء بولے: یار محمد خاں خود امام تھے، خادی خاں پہلے یار محمد خاں کے ہاتھ پر بیعت امامت کر چکے تھے، جب تم نے خادی خاں کو قتل کیا، تو سردار نے مجبور ہو کر خادی خاں کے انتقام کے لیے لشکر کشی کی، میں نے جواب دیا: ''پہلے تو آپ یہ ثابت کیجیے کہ سردار یار محمد خاں نے اپنی پوری عمر بھر میں کبھی امامت کا دعویٰ بھی کیا ہے، اور ان کے لیے شرائط امامت ثابت کیجیے، اگر یہ ثابت بھی ہو جائے، تو جب یار محمد خاں نے امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت امامت کر لی، تو اپنی امامت کو خود کالعدم قرار دے دیا اور امیر المومنین کے مبایعین میں شامل ہو گئے، اس کے بعد ان کی لشکر کشی اور سرتابی عین بغاوت ہے''۔

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ علماء شہر میں سے ایک نے کہا: ''آج تو آپ امامت اور بغاوت کے مسئلے میں گفتگو کر رہے ہیں، لیکن آپ کے گروہ کے تمام لوگ ہمارے سرداروں کے بھائیوں کے بارے میں ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں، کہ وہ منافق ہیں، حالانکہ حضرت علیؓ (۱)

---

(۱) یہ قول بجائے حضرت علیؓ کے کتابوں میں حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہے۔

کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ نفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں تھا؛ اس زمانے میں یا تو کھلا ہوا کفر ہے یا اسلام، دوسرے یہ کہ منافقوں کا قتل ممنوع بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین کو قتل نہیں کیا''۔

میں نے اس کے جواب میں کہا: ''ہم نے ان کے قتل کی علت بغاوت کو قرار دیا ہے، نہ کہ نفاق کو'' اس پر مجلس برخواست ہوگئی۔

مولوی سید مظہر علی صاحب نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے اس کی بھی فرمائش کی کہ وہ دلائل قطعیہ سے علماء کے ان شبہات کا جواب بھی دیں، مولانا نے دو قطعہ خط لکھے: ایک میں یار محمد خاں کے ایسے نفاق کا ثبوت ہو جو مستوجب قتل ہوتا ہے، دوسرے میں اس کا ثبوت تھا کہ اس نے ظلم کی ابتداء کی، اس کی وجہ سے قتل کی نوبت آئی، خط میں ہدایت تھی کہ اگر اس مسئلے میں دوبارہ گفتگو کی نوبت آئے اور عداوت اور اصرار میں زور بڑھ گیا، تو پہلا خط ان کے پاس بھیج کر بلا توقف و تاخیر اس طرف کا رخ کرنا چاہیے اور اگر اس مسئلے میں گفتگو ہو کر اس میں بحث و مباحثہ کی نوبت نہ آئے، تو دوسرا خط اپنے پاس رکھا جائے اور ان سے رخصت طلب کر کے اس طرف کا قصد کرنا چاہیے اور اس مسئلے میں اپنی طرف سے گفتگو کی ابتداء نہیں کرنی چاہیے اور اگر کوئی دوسرا اس مسئلے کو پیش کرے، تو جواب نرمی سے دیا جائے، آخر میں ہدایت کی کہ حالات کی اطلاع دی جاتی رہے۔(۱)

مکتوب میں اس شبہے پر علمی بحث تھی کہ نفاق و منافقین کا وجود صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا اور اس کے بعد ان کا وجود ختم ہو گیا، آپ نے تحریر فرمایا تھا: ''اس قول کا مطلب یہ ہے کہ منافقین کا قطعی علم جیسا زمانہ رسالت میں (وحی کی وجہ سے) ہو سکتا تھا، بعد کے زمانے میں نہیں ہو سکتا، اس لیے قرون متاخرہ میں منافقین کی قطعی تعیین ممکن نہیں، اسی لیے جب تک کوئی شخص اپنے ایمان کا اظہار کرے گا اور کلمہ گو ہوگا، مسلمان اس کو مسلمان سمجھتے رہیں گے، لیکن جس وقت وہ اپنے خبث باطن اور کفر کا اظہار کرے گا، تو وہ کافروں میں شمار کیا

---

(۱) منظورہ ص ۹۶۵، تا ص ۹۷۱

جائے گا، اگر ایسا نہ ہو تو جن حدیثوں میں منافقین کی علامات بیان کی گئی ہیں اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ "وان صلیٰ وصام وظن انہ مسلم" (چاہے، وہ نماز روزہ کرتا ہو اور اپنے کو مسلمان ہی سمجھتا ہو) ان احادیث کا مصداق ہوگا (۱)۔

ایک مخلص کی اطلاع

ایک دن پنجتار کے قریب کی مسجد کے امام (۲) سید اصغر نے شیخ عبدالعزیز صاحب سے کہا کہ آج اس بستی میں خوانین کا مشورہ تھا، تم کو کچھ اس کا حال معلوم ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہم کو کیا معلوم؟ کسی امر کا مشورہ ہوگا، اس نے غصے ہو کر کہا: "تم ہندوستانی لوگ بڑے سیدھے ہو، کچھ اپنے حال سے خبر نہیں رکھتے" انھوں نے گھبرا کر پوچھا: "کیا بات ہے؟ سید اصغر نے کہا کہ میں مسلمان ہوں، کافر نہیں ہوں، یہاں کے سب خوانین کافر ہو گئے، انھوں نے یہ مشورہ کیا ہے کہ جس جس بستی میں سید بادشاہ کے غازی متعین ہیں، آج کے چھٹے روز سب قتل کیے جائیں گے، سو جلد جا کر یہ خبر سید بادشاہ کو کرو کہ اس کے دفع کی کوئی صورت تجویز کریں اور اپنے غازیوں کو جا بجا سے بلوا کر اکٹھا کر لیں۔

شیخ عبدالعزیز صاحب نے اپنے بڑے بھائی شیخ حسن علی صاحب سے ذکر کیا، اول تو انھوں نے بڑے زور سے تردید کی، پھر سمجھانے بجھانے سے سید صاحبؒ کو اس کی اطلاع کی، آپ نے فرمایا کہ شیخ بھائی، تم سے یوں ہی کسی نے کہہ دیا ہے، پھر شیخ عبدالعزیز صاحب نے خود جا کر گفتگو کی، آپ نے فرمایا کہ یہ اطلاع غلط معلوم ہوتی ہے، لوگ ہمارے اور ان کے درمیان نا اتفاقی ڈالنے کو ایسی خبر اڑاتے ہیں۔

---

(۱) محققین کا مسلک یہی ہے کہ نفاق فطرت انسانی کی ایک کمزوری اور ایک ایسا اخلاقی اور نفسانی مرض ہے، جو کسی زمانے اور مقام سے مخصوص نہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنی جلیل القدر تصنیف، الفوز الکبیر، میں اس پر مختصراً بڑی عالمانہ بحث کی ہے، حضرت حسن بصریؒ اور جمہور محققین کا یہی مسلک ہے اور اب اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں رہا، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ اول، از مصنف، تذکرہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ۔"

(۲) منظورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضع دکھاڑا کی مسجد کے امام تھے، جو پنجتار کے قریب جانب مشرق چند میل کے فاصلے پر ہے۔

مولوی مظہر علی صاحب اور ارباب فیض اللہ خاں کی شہادت

محمد امیر خاں قصوری بیان کرتے ہیں کہ دوسری یا تیسری رات کو میرا پہرہ تھا، اچانک ایک سوار نے آ کر آواز دی کہ پہرے پر کوئی ہے، میں نے کہا کہ ہاں، میں پہرے پر ہوں، تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ میں امام الدین ہوں اور پشاور سے آیا ہوں، سید صاحبؒ کو جلد میری اطلاع کرو، سید صاحبؒ نے اپنے پاس بلا لیا، آپ نے فرمایا: ''کہو کیا بات ہے؟'' امام الدین نے عرض کی: ''سردار پیر محمد خاں نے مولوی مظہر علی صاحب کو دعوت کے بہانے سے اپنے مکان پر بلا لیا، ان کو اور چار غازیوں اور ارباب فیض اللہ خاں کو شہید کر دیا''۔

سید صاحبؒ نے یہ واقعہ سن کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، شیخ ولی محمد صاحب اور ارباب بہرام خاں وغیرہ کو بلا کر یہ حادثہ بیان کیا اور ملک سمہ کے دیہات میں جو مجاہدین متعین تھے، ان کو بلانے اور اکٹھا کرنے کے لیے فرمایا، اس مشورے میں جو رات باقی تھی، وہ گزر گئی، (۱) دن کو سید صاحبؒ نے سید اسمٰعیل رائے بریلوی کو بلا کر فرمایا کہ اسی وقت تم ہمارے اژدر گھوڑے پر سوار ہو کر جلد موضع شیوہ کو جاؤ اور مولوی رمضان شاہ قاضی القضاۃ سے خلوت میں بلا کر کہو کہ پشاور میں درانیوں نے مولوی مظہر علی اور کئی غازیوں کو شہید کر دیا ہے، تم کو سید صاحبؒ کا حکم ہے کہ اسی وقت اپنا سب کارخانہ جہاں کا تہاں چھوڑ کر اپنے سب لوگوں کے ساتھ ہمارے پاس چلے آؤ اور یہی بات یار وسین (۲) میں جا کر رسالدار حمزہ علی خاں سے کہو اور دو چار سوار رسالدار سے لے کر اور یہی پیغام لے کر اس اطراف کی بستیوں کے غازیوں کے پاس بھیج دینا اور تم یہ خبر پہنچا کر کہیں نہ ٹھہرنا، یہیں چلے آنا۔ (۳) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے حکم دیا کہ توپ کو کھینچ کر مسجد کے شمال مغرب کی ٹیکری پر نصب کر دیا جائے، آپ نے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرف کفار پر ضرب لگانی چاہیے، دوسری جانب دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرف منافقین پر۔ (۴)

---

(۱) منظورہ میں ہے کہ شیخ ولی محمد صاحب نے فرمایا کہ رات کا وقت ہے کل دن کے وقت لوگ روانہ ہو جائیں گے سید صاحبؒ نے سکوت فرمایا اور یہی رائے قرار پائی ص ۹۷۶۔ (۲) یار وسین عام طور پر بولا جاتا ہے، لکھتے یار حسین ہیں، تپہ رزر کا بہت بڑا قصبہ ہے اسماعیلہ سے راستہ جاتا ہے۔ (۳) وقائع۔ (۴) منظورہ ص ۹۷۶

اسی وقت سید اسمٰعیل صاحب روانہ ہوگئے اور شیوہ میں جا کر مولوی رمضان شاہ کو آپ کا پیغام پہنچایا اور وہاں سے یار وسین میں جا کر رسالدار حمزہ علی خاں کو یہی حکم سنایا اور کئی سوار رسالدار سے لے کر اور وہی حکم دے کر اس اطراف کی بستیوں کے غازیوں کے پاس روانہ کر دیے، مگر یہ حکم سن کر سب کو یہ گمان ہوا کہ مولوی مظہر علی صاحب وغیرہ کے ساتھ درانیوں نے جو یہ معاملہ کیا ہے، تو شاید سید صاحب پھر لشکر جمع کر کے پشاور جائیں گے، اس لیے جلد ہم لوگوں کو بلاتے ہیں اور سمہ والوں کی غداری اور مکاری کا کسی کے دل میں خیال بھی نہ تھا، اس سبب سے کسی نے کہا کہ ہم یہاں سے شام کو روانہ ہوں گے کسی بستی کے غازیوں نے کہا کہ ہم آدھی رات یا پچھلے پہر سے چلیں گے، اس تساہل اور غفلت میں ہر بستی کے مجاہدین بستی ہی میں رہے اور اپنے اپنے دوستوں سے بستی میں ملنے لگے اور مصافحہ کر کے رخصت ہونے لگے کہ سید صاحبؒ نے کسی ضروری کام کو پنجتار میں اپنے پاس بلایا ہے، سو آج شام کو یا صبح کو ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔

ان لوگوں کا مشورہ پہلے سے ٹھہر چکا تھا کہ فلاں تاریخ، فلاں وقت اپنی اپنی بستیوں کے غازیوں کو قتل کر ڈالیں اور اس کی اصطلاح انھوں نے آپس میں یہ ٹھہرائی تھی کہ فلاں روز جوار کوٹیں گے، اس میعاد میں دو دن باقی تھے، پشاور والے دو دن پہلے دست اندازی کر بیٹھے، یہ خبر بعض خوانین کو ہوگئی، انھوں نے جانا کہ یہ غازی یہاں سے سلامت نکلے جاتے ہیں، ان کو یہ آج ہی سمجھ لیں (۱) اس بات کا سب نے مشورہ کیا اور اپنی بستی کے ڈوموں سے کہا کہ حجروں کے کوٹھوں پر چڑھ کر نقارے بجاؤ اور بآواز بلند پکارو کہ سید بادشاہ کی تاکید شدید ہے کہ جلد عشر کا غلہ پہنچاؤ، سو سب مل کر جس طرح سے ہو سکے، آج ہی جوار کوٹنی شروع کر دو، پھر وہ ڈوم حجروں پر نقارے رکھ کر بجانے لگے اور وہی کہنے لگے اور جا بجا سے لوگ آ کر جمع ہوگئے۔

یہ حال دیکھ کر غازی لوگ ان سے پوچھتے کہ آج یہاں بھی نقارے بجتے ہیں اور

---

(۱) منظورہ میں ہے کہ جس وقت سید اسمٰعیل کو اس اطلاع کے لیے بستیوں میں بھیجا گیا ہے اور پشاور سے اطلاع آئی ہے، نصر اللہ خاں، ساکن گڑھی امان زئی پنجتار میں موجود تھے، وہ ایک بد باطن و منافق شخص تھا، سید اسمٰعیل کے روانہ ہوتے ہی وہ بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوگیا اور سب جگہ اطلاع کرتا گیا کہ پنجتار اس مشورے کی اطلاع ہوگئی ہے، جو کام پرسوں کرنا ہے، اگر آج ہی نہ انجام دے لیا گیا تو موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا، ص ۹۷۷

ادھر ادھر کی بستیوں سے بھی نقاروں کی آواز آتی ہے، یہ کیا معاملہ ہے؟ تو وہ ان سے کہتے کہ سید بادشاہ کا حکم ہے کہ جلد عشر کا غلہ بھیجو، سو جوار کوٹنے کے لیے ہم لوگوں کو خبر کرتے ہیں اور کوئی بات نہیں ہے، یہ سن کر وہ خاموش ہو رہتے اور ان کی سازش کا کوئی احساس نہ ہوتا۔

عشاء کی نماز کے وقت اچانک بستی والوں نے گھیر لیا اور ان غازیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا، کوئی نماز پڑھنے میں شہید ہوا اور کوئی وضو اور استنجا کرنے میں، یہی حال ہر بستی میں ہوا، مگر کہیں عشاء کے وقت اور کہیں آدھی رات کو اور کہیں پچھلے پہر کو اور کہیں فجر کی نماز میں، کوئی کوئی آدمی بھاگ کر یا کسی گھر میں چھپ کر بچے اور جان سلامت لے کر پنجتار میں سید صاحبؒ کے پاس آئے، باقی سب شہید ہو گئے۔

حاجی بہادر شاہ خاں کی شہادت

حاجی بہادر شاہ خاں رامپوری سید صاحبؒ کے پاس سے رخصت ہو کر امان زئی کی گڑھی کو جاتے تھے، جب موضع اسمٰعیلہ میں گئے، تب وہاں کے لوگوں نے ان کو ٹھہرا لیا کہ آج تشریف نہ لے جایئے یہیں رہیے، آپ کی ضیافت ہے، یہ لوگ حاجی صاحب کے بظاہر بڑے معتقد تھے اور ان سے توجہ لیا کرتے تھے، وہ وہاں ٹھہر گئے، انھوں نے بڑی تعظیم و تکریم سے کھانا کھلایا اور عشاء کے وقت ان کو امام بنایا، وہ نماز پڑھنے لگے، پہلی رکعت کا سجدہ کر کے دوسرے میں گئے تھے کہ وہاں کے خان اسمٰعیل خاں نے تلوار ماری اور سر جدا ہو گیا۔

مولوی رمضان شاہ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت

شیوہ میں سب غازی سب طرف سے سمٹ کر مولوی رمضان شاہ صاحب کے پاس جمع ہو گئے، آنند خاں و مشکار خاں مولوی صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کسی بات کا اندیشہ نہ کریں، ہمارے مکان پر چل کر بیٹھیں، جب تک ہم جیتے ہیں، کیا مجال جو کوئی آپ پر ہاتھ ڈالے، مولوی صاحب نے کہا، جزاکم اللہ تعالیٰ جو تم نے اس وقت تسلی و تشفی کی بات کہی، مگر اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا ہم کسی کو اپنا یار و مددگار نہیں جانتے، آپ اپنے مکان پر

تشریف لے جائیں، جو کوئی ہم پر چڑھ کر آئے گا، ہم آپ جیسا ہوگا، دیکھ لیں گے۔

اس عرصے میں بلوائیوں نے آکر ہر طرف سے گھیر لیا، جب فجر ہوئی اور اجالا پھیلا اس وقت مولوی صاحب اپنی جمعیت کے ساتھ نکلے اور بلوائیوں نے ان کا تعاقب کیا، لڑتے بھڑتے شیوہ کے درے نالے تک پہنچے، وہاں سے آگے انھوں نے نہ جانے دیا، وہیں ہر طرف سے گھیر کر شہید کر دیا۔

موضع شیوہ میں جب سید امیر علی نے جو عشر کی تحریر پر مامور تھے اور اس سلسلے میں دورہ کرتے رہتے تھے، ملکیوں کا اجتماع دیکھا اور نقارے کی پے درپے آواز سنی، تو انھوں نے اپنا گھوڑا تیار کیا اور عشر و زکوۃ کی پانچ ہزار کی جو رقم پہلے سے جمع تھی، گھوڑے پر بار کی اور پنجتار کی طرف رخ کیا، اس وقت ان سے سب سے زیادہ قریب حافظ عبدالعلی پھلتی پسر حافظ قطب الدین پھلتی تھے، ان سے بھی انھوں نے کہا کہ اپنا گھوڑا تیار کرو، ہم تم دونوں پنجتار نکل چلیں، حافظ عبدالعلی دیہات کے باہر تک ساتھ آئے، اسکے بعد یہ کہہ کر میں ایسی حالت میں اپنے بھائیوں کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا، پھر موضع میں آگئے، سید امیر علی یہ کہہ کر روانہ ہوگئے کہ مجھے تو اس رقم کو پنجتار پہنچانا ضروری ہے، حافظ صاحب نے جواب دیا کہ میں اپنی زندگی سے سیر ہو گیا ہوں اور شہادت کی موت کی تمنا ہے، میں تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہوں گا، میرا جینا بھی ان کے ساتھ ہے، میرا مرنا بھی ان کے ساتھ ہے، چنانچہ وہ مولوی رمضان شاہ وغیرہ کے ساتھ ہی شہید ہوئے (۱)۔

مینئی میں مجاہدین کا محاصرہ

موضع مینئی میں وہاں کے مُلّا نے تین غازیوں کو اپنے گھر میں چھپا کر ان کی جان بچائی، پیر خاں جماعت دار مورائیں والے ایک مسجد میں محصور ہوگئے اور وہاں سے مقابلہ کرتے رہے، بلوائیوں نے ہر طرف سے ایسا سخت گھیرا کہ نکلنے اور بچنے کا کوئی راستہ نہ رہا،

(۱) منظورہ ص ۹۷۹، ۹۸۰۔ مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ حافظ عبدالعلی پھلتی جب پھولڑے کی جنگ سے صحیح سلامت امب میں آئے تو اپنے شہید نہ ہونے پر بڑی ندامت اور حسرت کا اظہار کرتے تھے اور شہادت کی موت کی تمنا رکھتے تھے۔

بستی والوں نے سب ناکے بھی روک لیے، کوٹھوں کی چھتوں پر بھی لوگ بندوقیں لیے بیٹھے تھے، غازیوں کی ماران پر نہیں پڑتی تھی اور یہ ان کے نشانہ بنے ہوئے تھے، جب غازیوں کے پاس گولی بارود نہ رہی اور تلوار کی زد پر یہ لوگ نہ گئے، تب مجبور ہوکر پیر خاں اپنے غازیوں کے ساتھ مسجد میں گھس گئے اور اندر سے کواڑ بند کرکے زنجیر لگالی، اس وقت بندوقیں چلنی موقوف ہوئیں اور سب بلوائیوں نے ہر طرف سے آکر مسجد کا محاصرہ کرلیا اور اس فکر میں ہوئے کہ اب ان کو کس ترکیب سے ماریں، بعضوں نے کہا کہ دیوار میں نقب کرکے بندوقوں سے ماریں اور بعضوں نے کہا کہ مسجد میں آگ لگادیں، اس سے آپ ہی جل کر مر جائیں گے اور جو کوئی باہر نکلیں گے، ہم ان کو مارلیں گے، شاہ ولی خاں نے جس کی یہ مسجد تھی، کہا: ''میں نہ اپنی مسجد کھودنے دوں گا، نہ جلانے دوں گا''۔

علماء وسادات اور عورتوں کی خوشامد

اس گفتگو میں اس بستی کے علماء اور سادات کلام اللہ شریف لے کر آئے اور بڑی خوشامد کے ساتھ خدا اور رسول کا واسطہ دے کر کہنے لگے کہ ان مسلمان مظلوموں کو ناحق ظلم سے قتل نہ کرو، خدا کے غضب سے ڈرو، یہ حاجی، غازی اور مہاجر ہیں اور انھوں نے تمھارا کوئی نقصان بھی نہیں کیا، اسی طرح بستی کی تمام عورتیں کوئی اپنے خاوند کو، کوئی اپنے بیٹے کو، کوئی اپنے بھائی، بھتیجے وغیرہ کو لپٹی تھی اور ہتھیار چھینتی تھی اور کہتی تھی کہ ان مظلوموں، بے گناہوں کو مارتے ہو اور کافر ہوتے ہو، غضب الٰہی سے ڈرو اور خون ناحق نہ کرو، مگر وہ کسی کا کہنا خیال میں نہیں لاتے تھے۔

ہندوؤں کی خوشامد اور سفارش

سب کے بعد وہاں کے ہندو بنیے جمع ہوکر آئے اور کہنے لگے کہ ہم ہندو لوگ ہیں، کوئی جانور نہ آپ مارتے ہیں، نہ امکان بھر غیر کو مارنے دیتے ہیں اور تم ان آدمیوں کے مارنے پر آمادہ ہو! جو تم چاہو، ہم سے لو، ان کو ہمیں دے دو، ہم تم سے اقرار کرتے ہیں کہ ان کو

پنجتار میں سید بادشاہ کے پاس نہیں بھیجیں گے، دریائے سندھ کے پار سکھوں کی عملداری میں اتار دیں گے، وہاں سے جدھر چاہیں گے، چلے جائیں گے، مگر انھوں یہ بھی نہ مانا۔

قتل عام

غازی یہ تمام قیل وقال مسجد کے اندر سے سن رہے تھے، اس بحث مباحثے میں پانچ گھڑی دن چڑھا، آخر سب اس امر پر متفق ہوئے کہ مسجد میں آگ لگا دو، جب غازیوں کو یقین ہوا کہ اب یہ مسجد میں ضرور آگ لگا دیں گے، تب وہ سب مسجد کے کواڑ کھول کر ننگی تلواریں لے کر باہر نکلے، مسجد کے صحن میں آکر پیر خاں کا پاؤں پھسلا اور زمین پر گرے، جلد ایک جوان نے ان کو اٹھالیا اور باہر مشرق کی طرف لے چلا، کسی بلوائی نے جان کے خوف سے اس وقت ان غازیوں کا تعاقب نہ کیا، سب لوگ مسجد کے اندر ان کے مال واسباب لوٹنے لگ پڑے، تب یہ لوگ بستی کے باہر نالے پر جا پہنچے اور تسلی سے پانی پینے پر جھکے اور جانا کہ ہم سب سلامت بچ گئے، اس عرصے میں بلوائی مال واسباب کے لوٹنے سے فارغ ہو کر ان کے تعاقب میں دوڑے اور نالے کے اندر چاروں طرف سے گھیر لیا اور پتھروں اور نیزوں سے مارنا شروع کیا اور سب کو وہیں قتل کر ڈالا، ان میں سے ایک کو زندہ نہ چھوڑا اور ان کے کپڑے لتے ہتھیار وغیرہ لے کر بستی کو چلے آئے۔

ملاؤں کی جرأت

بستی میں آکر ان مخبروں سے معلوم ہوا کہ بعض ملاؤں کے گھروں میں ایک ایک دو دو غازی چھپے ہیں، تو انھوں نے خانہ تلاشی شروع کی اور اصرار کیا کہ جس گھر میں کوئی غازی ہو وہ حوالہ کر دے، ملاؤں نے صاف انکار کیا اور کہا کہ وہ ہماری جان کے ساتھ ہیں جب تک دم میں دم ہے ہم ان کو ہرگز حوالے نہ کریں گے، آخر بلوائی ناکام رہے اور ان ملاؤں نے اپنی جرأت وجوانمردی سے کئی آدمیوں کی جان بچالی۔

مجاہد کے جذبات

ایک ملا کے گھر میں چند غازی چھپے تھے، جب خانہ تلاشی موقوف ہوئی، تو اس ملا نے اپنے محلے کے ایک سید صاحب سے، جن کا نام میاں محمد تھا، کہا کہ رات کو تین غازی میں نے اپنے یہاں لا کر چھپائے، دو کو رات ہی کو بستی کے باہر سلامت نکال دیا، اب ایک ہے، مگر بیمار ہے، میاں محمد نے ملا کو بہت شاباشی دی کہ تم نے بڑی جوانمردی کا کام کیا اور کہا کہ دو غازی میرے حجرے میں بھی ہیں: ایک زخمی ہے اور ایک تندرست، اور ملا سے کہا کہ آج کچھ دیر کے بعد تمھارے یہاں آؤں گا، مگر تم اس غازی کو تسلی کر دینا کہ میرے وہاں جانے سے کسی بات کا اندیشہ نہ کرے۔

میاں خدا بخش رامپوری، جو اس ملا کے گھر میں چھپے ہوئے تھے، کہتے ہیں کہ کچھ دن رہے وہ سید ایک سیاہ کمل سر سے پاؤں تک اوڑھے ہوئے خفیہ دیوار پھاند کر آئے، مجھ سے لپٹ کر ملے اور بہت روئے اور کہا کہ ان بلوائیوں نے بڑا ظلم اور بے دینی کا کام کیا کہ بے گناہ لوگوں کو مارا، میں نے کہا: ''میاں صاحب، ہم سب لوگ اپنے گھروں سے اسی نیت سے آئے تھے کہ اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کریں، سو جو صاحب شہید ہوئے، وہ اپنی مراد کو پہنچے اور جو باقی ہیں، ان کا ارادہ بھی اللہ تعالیٰ پورا کرے، اس بات کا ہم کو کچھ گلہ شکوہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے سید صاحب'' کو سلامت رکھے، جو وہ سالم رہیں گے، تو پھر جہاد کا سامان درست ہو جائے گا اور بہتیرے غازی آجائیں گے۔

یہ منظور نہیں

میاں محمد، خدا بخش صاحب کو اپنے حجرے میں لے گئے، وہاں دو غازی اور تھے، ایک قصبہ کاکوری کے سید حیدر علی، جو زخمی تھے، اور ایک غازی جو لشکر میں شاہ جی کہلاتے تھے، میاں محمد نے تینوں آدمیوں کو کھانا کھلایا، جب نماز عشاء سے فارغ ہوئے، تب انھوں نے کہا کہ سید حیدر علی تو زخمی ہیں؛ جب تک یہ اچھے ہوں، تب تک ہم ان کو یہیں رکھیں گے، اس لیے

کہ یہ کسی صورت سے چل نہیں سکتے، تم دونوں صاحب کہو کہ تمھارا کیا ارادہ ہے۔

ہم دونوں نے کہا کہ ہماری خاص نیت تو یہ ہے کہ جس طرح ہو سکے، پنجتار میں حضرت امیرالمومنین کے پاس پہنچادیں، میاں محمد کے دو بیٹے جوان اور بڑے وجیہ تھے، انھوں نے ان سے کہا کہ بیٹا، ان دونوں غازیوں کو سید بادشاہ کے پاس پنجتار میں پہنچاؤ، انھوں نے کہا کہ ہم یہ پہلے معلوم کرلیں کہ راستہ محفوظ بھی ہے یا نہیں، ان میں کا ایک باہر نکلا اور کئی گھنٹے کے بعد آ کر اپنے باپ سے کہنے لگا کہ میں معتبر لوگوں سے معلوم کر کے آیا ہوں کہ یہاں سے پنجتار تک جا بجا غدر ہو رہا ہے، ان کے پہنچنے کی کوئی صورت نہیں ہے، باقی، آپ جو کچھ فرمائیں، ہم فرماں بردار ہیں، میاں محمد نے ان سے کہا کہ خدا پر توکل کر کے آج اور آپ یہاں رہ جایئے، ان شاء اللہ کل اس کی کوئی صورت نکالیں گے۔

پھر وہ رات اور ایک دن ہم اور رہے، دوسری رات کو پھر انھوں نے بیٹوں سے کہا، ان میں سے ایک باہر گیا اور کچھ دیر کے بعد آ کر کہنے لگا کہ پنجتار کی طرف تو جانا دشوار ہے، مگر ہاں، اگر یہ راضی ہوں، تو دریائے اٹک پار اتار کر سکھوں کی عملداری میں ان کو پہنچادیں، وہاں ان سے کوئی مزاحم نہ ہوگا۔

غازیوں نے کہا کہ وہاں جانا تو کسی طرح ہم کو منظور نہیں، حضرت کے سوا اور کہیں نہ جائیں گے، اور اگر پنجتار کا راستہ غیر مامون ہے، تو ہم کو موضع کوٹھہ میں سید میر آخوندزادہ کے پاس پہنچادو، جب تک غدر ہے، ہم وہیں رہیں گے، انھوں نے اس کو قبول کیا اور ان کو کوٹھہ پہنچادیا، جہاں وہ چند دن ٹھہر کر پنجتار میں سید صاحبؒ کے پاس پہنچ گئے۔

وفادار رفیق

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ حبیب خاں بنیر والے، جو مَیٹئی کے بلوے میں غازیوں کے ہمراہ تھے اور ان کی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی، ان کو بلوائیوں نے آواز دی کہ تم ہمارے پاس آؤ، تم ولایتی ہو، ہم تم کو قتل نہیں کریں گے، انھوں نے جواب دیا کہ ہم کو تمھارے ہاتھوں زندہ رہنا منظور نہیں اور غازیوں کے ساتھ شہید ہوجانا منظور ہے، انھوں نے اپنے ساتھیوں کی

رفاقت نہ چھوڑی، جب ساتھی تلواریں کھینچ کر مقابلے کے لیے مسجد سے باہر آئے، تو حبیب خاں بھی ساتھ تھے، بلوائیوں میں سے ایک نے ان کے سر پر تلوار ماری، سر میں زخم آیا، ایک سنار نے بیچ میں آکر ان کی جان بچائی، وہ بالاکوٹ کے معرکے تک زندہ رہے۔ (۱)

حاجی محمود خاں رامپوری اور ان کے ساتھیوں کی شہادت

حاجی محمود خاں رامپوری بیس آدمیوں کے ساتھ تحصیل عشر کے واسطے موضع سدم میں متعین تھے جب انھوں نے سمہ کی بستیوں کی خبر سنی، تو اپنے سب لوگوں کو ہتھیار بندھوا کر اور ساتھ لے کر بستی سے باہر نکل پڑے اور بستی کے کنارے نالے پر جا کر ٹھہرے، اس خیال سے کہ دن کو کوئی ہمارے نزدیک نہ آسکے گا، اور اگر آئے گا، تو ہم مقابلہ کریں گے اور جب رات ہوگی، تو پہاڑ کے راستے سے پنجتار چلے جائیں گے، جب وہاں کا خان مبین خاں موضع اسمٰعیلہ سے حاجی بہادر خاں صاحب کا کام تمام کر کے آیا اور اس کو معلوم ہوا کہ حاجی محمود خاں اپنے لوگوں کو لے کر صحیح وسلامت نکل گئے اور نالے پر ٹھہرے ہیں، تو وہ حاجی محمود خاں کے پاس گیا اور تسلی اور دلاسے کی باتیں کرنے لگا کہ تم مجھ کو اپنا خیر خواہ دوست جانتے ہو یا بدخواہ دشمن؟ وہ سیدھے سادھے مسلمان کہنے لگے کہ میں تم کو اپنا خیر خواہ دوست جانتا ہوں، اس نے کہا کہ بات یہ ہے کہ میں آج بستی میں نہ تھا، ورنہ یہ شر وفساد ہرگز نہ ہونے دیتا، اب میں آیا ہوں، سب کو تم لوگوں کے پاس سے دفع کیے دیتا ہوں، تم خاطر جمع رکھو اور یہیں نالے پر ٹھہرے رہو، آج رات کو صحیح وسالم تم سب کو پنجتار پہنچا دوں گا۔

کچھ دیر کے بعد پھر ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اب تھوڑا دن رہا ہے تم چلنے کو تیار رہو مگر میں اپنی بدنامی سے ڈرتا ہوں، تم کو ہتھیار باندھے ہوئے نہیں لے جا سکتا، تم سب اپنے ہتھیار میرے گھر میں امانت رکھ دو، میں تیسرے روز پنجتار تمھارے پاس پہنچا دوں گا، تقدیر کا لکھا مٹتا نہیں، ان سب نے اپنے ہتھیار کھول کر اس کے حوالے کیے، وہ لے کر اپنے گھر گیا، جب یہ سب خالی ہاتھ رہ گئے، تو بلوائیوں نے آکر گھیر لیا اور ایک ایک کو پچھاڑ کر بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا، ان لوگوں میں اکثر حاجی صاحب کے ہم قوموں میں تھے، عظیم اللہ خاں

(۱) منظورہ، ص ۱۰۰۰، ۱۰۰۱

نام حاجی صاحب موصوف کے چھوٹے بھائی نے وہیں ایک پٹھان کے یہاں نکاح کیا تھا، ان کو انھیں کے خسر نے چھاتی پر چڑھ کر ذبح کیا، اس واقعہ میں پندرہ آدمی شہید ہوئے، دو آدمی بھاگ کر ایک بڑھیا کے گھر میں جا چھپے، اس نیک بخت نے رحم کھا کر اپنے گھر میں بھس کے اندر چھپا رکھا، اوپر ایک گدڑی ڈال دی، رات کو سلامت نکال دیا، اور وہ راتوں رات بھاگ کر پنجتار آ گئے، ان سے واقعہ کی تفصیل معلوم ہوئی۔

بعض ملاؤں کی ہمدردی

بعض زخمیوں کو اور بعض ایسے مجاہدین کو، جو قاتلوں کے نرغے میں تھے، ملاؤں نے بچایا، گلاب خاں کہتے ہیں: ''میں نیم جان شہیدوں کے گروہ میں زخمی پڑا ہوا تھا، ظالم جب غازیوں کے ہتھیار لے کر اور مجھے مردہ سمجھ کر گھر چلے گئے، تو ایک ملا نے مجھے زخمی دیکھ کر میرے حال پر رحم کھایا اور مجھے اپنے گھر لے جا کر ایک دن اور ایک رات رکھا''۔

لکھمیر خاں کا واقعہ

لکھمیر خاں اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پانچ سوار موضع تلانڈئی میں تھے، مجھے رات کو غسل کی حاجت ہوئی، میں تلوار لیے ہوئے ایک ندی پر گیا، جسے باغی محاصرہ کیے ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے کہا: ''کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا: غسل کو جاتا ہوں، اس کے ساتھی نے کہا: جانے دو طہارت کے بعد نماز میں دوسری رکعت میں کھڑا ہوا تھا کہ دو آدمی پہنچے، ایک نے تلوار اٹھائی، دوسرے نے کپڑے لیے اور عین نماز کی حالت میں میرا ہاتھ پکڑ لیا ،ایک نے ایک ہاتھ پکڑا، دوسرے نے دوسرا، اور دیہات کی طرف لے چلے، ایک نے کہا کہ کام تمام کردو، دوسرے نے کہا کہ جہاں اس کے ساتھی مارے گئے ہیں، وہیں ماریں گے، مجھے اپنی ہلاکت کا یقین ہوا، بچنے کی امید نہ تھی، اپنے دونوں ہاتھوں سے زور کیا اور ہاتھ چھڑا لیے اور بھاگا، وہ کچھ دور میرے پیچھے دوڑے، پھر واپس گئے، اور سواروں کو جا کر خبر کی، ایک سوار نے اپنا گھوڑا میرے پیچھے دوڑایا، ندی کے پاس پہنچ کر گھوڑا کسی چیز کو دیکھ کر بدکا، سوار گرا

اور گھوڑا بھاگا، سوار تو اپنے گھوڑے کے پیچھے دوڑا اور میں بھاگ کر پہنچتا آ گیا۔

ایک لڑکے کی ہمت

حافظ الٰہی بخش نابالغ تھے، ان کے ماموں کو بلوائیوں نے شہید کر دیا، ایک ظالم نے ان کے سر پر تلوار رکھی، دوسرا ساتھی ان کے اوپر گر پڑا اور کہا کہ اس جوان کو چھوڑ دو، یہ حافظ قرآن ہے، میں اس کو غلام بنالوں گا، چنانچہ زخم کے باوجود وہ زندہ رہے، جب سید صاحبؒ سے یہ واقعہ بیان کیا گیا، تو فرمایا کہ وہ خدا کا غلام ہے، کس کی مجال ہے کہ اس کو اپنا غلام بنائے؟ بہر حال وہ شخص حافظ الٰہی بخش کو اپنے گھر لے گیا اور ایک جراح کو ان کی مرہم پٹی کے لیے مقرر کیا اور حافظ جی سے کہا کہ میرے بچوں کو قرآن پڑھایا کرو، حافظ اتنا فرزانہ تھا کہ اس کے باوجود کہ بچوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے اس کو پشتو بخوبی آ گئی تھی، مگر وہ انجان بنا رہا اور ان کی باتیں غور سے سنتا رہا، وہ سمجھتے تھے کہ یہ لڑکا پشتو سے ناواقف ہے، ایک روز جراح کچھ لوگوں سے کہنے لگا کہ میں اس بچہ کے ایسی دوا لگاتا ہوں کہ زخم مندمل ہونے کے بجائے ہرا رہے، مگر زخم ہے کہ خشک ہوتا جا رہا ہے، اب میرا ارادہ ہے کہ ایک زہر آلود بتی اس میں رکھ دوں تاکہ یہ مر جائے، حافظ نے اپنے ایک عزیز شاگرد، سے جو طاقتور جوان تھا، ایک روز یہ قصہ سنایا اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ مجھ کو امیر المومنین کے پاس پہنچا دیں، میں پانچ روپیہ آپ کو نذر کروں گا، اس نے پہنچا دیا، سید صاحبؒ نے فوراً پانچ روپے عنایت فرمائے اور اس بچے کو اس کے استاد حافظ صابر کے سپرد کیا، اور نور بخش جراح کو علاج کے لیے مقرر کیا، نور بخش نے زخم دیکھ کر کہا کہ واقعی اس بدنیت جراح نے اس کو ہلاک کرنے کی تدبیر کی تھی، اس کے سر کی ہڈی خراب ہو گئی ہے، اس کو نکالنے کی ضرورت ہے، چنانچہ ہڈی نکالی گئی، لڑکے نے حرکت تک نہ کی، نہ زبان سے اف کہا، جراحی کے بعد کسی نے ارادہ کیا کہ لڑکے کو گود میں لے کر پہنچا دے، کہنے لگا کہ زخم میرے سر میں ہے، میرے پاؤں میں تو نہیں! چنانچہ خود اپنے پاؤں چل کر لشکر میں گئے، پھر سارے لشکر میں گشت کر کے غازیوں سے ملاقات کی (۱)۔

---

(۱) منظورۃ السعداء، ص ۱۰۰۵، ۱۰۰۶

پینتیسواں باب

محفوظ مجاہدین

مولوی خیر الدین صاحب کا حزم و تدبر

مولوی خیر الدین صاحب لوند خوڑ میں تھے، جہاں کے ملک ان کو اپنے علاقے میں عشر و زکوٰۃ و جزیہ کے اجراء کے لیے سید صاحبؒ سے طلب کر کے لائے تھے، انھوں نے سمہ کے مواضعات میں مجاہدین کے قتل عام کی خبر سنی اور معلوم ہوا کہ پورے ملک میں غدر مچا ہوا ہے، اس اثناء میں سید صاحبؒ کی طلبی کی اطلاع ملی، آپ نے اس اطلاع کو عام نہ کیا، اگلے روز قاصد کے ہاتھ سید صاحبؒ کا پروانہ پہنچا کہ تم سے یہاں کچھ ضروری کام ہے، وہاں کے قاضی کو اپنی جگہ قائم کر کے ایک ملک کو اپنے ہمراہ لے کر اپنی جمعیت سمیت جلد ہمارے پاس چلے آؤ، اس خط کا مضمون بھی مولوی صاحب نے سوائے اپنے غازیوں کے کسی پر ظاہر نہ کیا کہ جب تک چلنے کی تیاری کسی طرف قرار نہ پائے، اس حال کا اظہار مناسب نہیں۔

اسی دن ایک غریب صورت آخوند گھبرایا ہوا آیا اور پوچھنے لگا: مولوی خیر الدین صاحب کہاں ہیں؟ ان سے کچھ بات کہنی ہے، لوگوں نے مولوی صاحب کی طرف اشارہ کیا، اس نے ان کو الگ لے جا کر کہا: تم کو کچھ سمہ کا حال معلوم ہے؟ انھوں نے کہا کہ نہیں، اس نے کہا کہ تمھارے غازی لوگ جہاں جہاں متعین تھے، سب قتل کر ڈالے گئے اور اکثروں کا نام لیا

اوران کے قتل کی صورت بیان کی اور کہا کہ پنجتار کا حال نہیں معلوم کہ سید بادشاہ پر کیا گزری، تم جلد اپنی جان بچانے کی کوشش کرو، میں سید بادشاہ کا غلام اور فرمانبردار ہوں، اس وقت صرف تم کو خبر دینے آیا ہوں، اور اب میں اپنے گھر جاتا ہوں کہ یہاں سے نزدیک ہے، یہ کہہ کر وہ اسی وقت چلا گیا۔

یہ خبر سن کر مولوی صاحب کے ساتھی گھبرائے، آپ نے سب کو تسلی دی اور کہا کہ گھبرانے سے کام بنتا نہیں، بگڑتا ہے۔ استقامت سے کام لو اور جناب الٰہی میں دعا کرو کہ تمھارے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دے اور جیسا میں تم سے کہوں ویسا کرو، اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے گا۔

نماز کے بعد پھر آپ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ بھائیو، ایک بات میں تمھاری خدمت میں عرض کرتا ہوں، اگر تم مجھ کو اپنا امیر جانتے ہو، تو بدل وجان اس کو مانو اور وقت پر کوئی عقل وتدبیر نہ بتلاؤ، ایسے وقت پر متفرق باتوں سے طبیعت پراگندہ ہو جاتی ہے اور بنی ہوئی تدبیر بگڑ جاتی ہے، مجھ کو امیر المومنین نے تم پر امیر کیا ہے، معاذ اللہ! اگر کوئی سوء تدبیر مجھ سے صادر ہو اور اس سے تم بھائیوں کو گزند پہنچے، تو بے شک میں خدا کے نزدیک پکڑا جاؤں گا، تم نے اپنے بھائیوں کی شہادت کا حال سنا کہ کہیں غفلت میں نماز پڑھتے اور کہیں سوتے مارے گئے اور کہیں اپنی سوء تدبیر سے، مخالفین میں سے ایک بھی نہ مارا گیا اور نہ زخمی ہوا، ان کی شہادت ہی مقدر تھی، اس وقت خدا کے فضل وکرم سے تم سب ہوشیار اور بیدار ہو اور اپنے سپہ گری کے ساز وسامان سے تیار ہو، تقدیر الٰہی کا معاملہ تو جدا ہے، مگر بظاہر اسباب ایسا نہیں ہوسکتا، کہ مخالفین اپنے کو صحیح وسلامت رکھ کر تم سب کو مارلیں، ان کو اپنی جان پیاری ہے، بلکہ ہماری دہشت ان پر غالب ہے، اگر ہم سو آدمی شہید ہوں گے، تو وہ ان شاء اللہ سیکڑوں مارے جائیں گے اور اگر تقدیر میں ہم لوگوں کی شہادت ہی لکھی ہے، تو کچھ کوشش وتدبیر پیش نہ جائے گی، بلکہ جو تدبیر کریں گے الٹی پڑے گی، سب نے کہا کہ ہم آپ کے فرمانبردار ہیں، جو فرمایے گا ہم وہی کریں گے۔

مولوی خیرالدین صاحب نے کہا کہ میں ایک جال پھیلاتا ہوں، اگر چہ اس وقت وہ کسی کے خیال میں نہ آئے گا، یہ خوب سمجھ لو کہ بستی کے لوگوں میں جب تک ان کے ملک شریک نہ ہوں گے، تب تک ہم پر کوئی ہاتھ نہیں اٹھا سکتا، سواب سب کمر باندھ ہتھیار لگا کر اپنی مسجد میں بیٹھے رہو اور اس وقت کسی کو اللہ تعالیٰ کے سوائے اپنا دوست نہ جاننا اور اس کی باتوں میں نہ آنا اور جتنا تم سے کہوں، اتنا کرنا، اب میں نماز پڑھ کر مصلّے پر بیٹھتا ہوں، تم چقماق والے چار آدمی میری پشت پر کھڑے رہو، اور تم میں سے چار قرابین والے اس درخت کے نیچے جو مسجد کے صحن میں ہے، کھڑے رہیں، جب دیکھیں کہ ملک گاؤں کے آدمیوں کے لے کر آئیں اور ہم پر حملہ کریں، تب ان ملکوں کے قتل کی طرف توجہ کریں اور ہماری شرکت کا لحاظ نہ کریں، اگر چہ ہم مارے جائیں، اگر ملک ہمارے قابو میں آگئے تو پھر مسجد سے باہر نہ نکلنے دینا، مزید چھ آدمی مسلح ہو کر بازار جائیں اور چھیوں بنیوں سے کہیں کہ کئی روز ہوئے، تم نے نام لکھوائے ہیں، اب تک جزیے کا روپیہ تم نہیں لائے، اسی وقت لے چلو۔

یہ سن کر میر عبدالرحمٰن جھالوی بولے کہ مولوی صاحب، یہ کیا فرماتے ہو؟ یہ جزیے کے تحصیل وصول کا وقت ہے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کوئی مجھ کو تدبیر نہ بتائے۔ جو کہوں، کرے، تم اتنے جلد ہی اس بات کو بھول گئے، یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔

چھ آدمی مسلح ہو کر بازار گئے اور انھوں نے بنیوں سے تقاضا کیا، وہ اپنے اپنے علاقے کے ملک کے پس دوڑے گئے اور کہا کہ یہ سعی کا وقت ہے، آپ جزیے کے روپے میں کچھ تخفیف کرا دیجیے چنانچہ آگے آگے بنیے پیچھے پیچھے ملک مسجد میں آکر جمع ہو گئے، مولوی صاحب نے عصر کے وقت سے جزیے کی تحصیل وصول شروع کی، مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہا، مغرب کے بعد وہ سب ملکوں کو مسجد کے اندر لے گئے اور سید صاحبؒ کا خط پیش کیا، ملکوں نے کہا کہ اب تو رات ہوئی، کل دن کو ہم سب آپس میں صلاح کر کے ایک ملک کو تمھارے ساتھ کر دیں گے، مولوی صاحب نے کہا: یہ کام کل کی صلاح کا نہیں ہے، جو صلاح کرنی ہو، اس وقت کر لو، انھوں نے کہا کہ ہم جاتے ہیں اور جرگہ کر کے ایک ملک کو تمھارے ساتھ کر

دیتے ہیں، مولوی صاحب نے کہا کہ یہیں مسجد میں جرگہ کرلو، وہ جرگہ کرکے صدرالدین ملک کو مولوی صاحب کے پاس لائے اور اسکا ہاتھ مولوی صاحب کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ تو آپ کے ساتھ جائے گا، اس کی شرم آپ کے ہاتھ ہے اور راستہ بھی ہم نے اس کو بتا دیا ہے، اب آپ کو اختیار ہے، جب چاہیے، جایے، مولوی صاحب نے صدرالدین کو اپنے پاس بٹھا لیا اور باقی ملکوں سے کہا کہ اب تم اپنے گھر جاؤ اور روٹی کھاؤ، ملک صدرالدین نے کہا کہ اگر اجازت ہو، تو میں بھی اپنے گھر سے روٹی کھا آؤں، مولوی صاحب نے کہا کہ تم ہمارے ساتھ کھانا کھانا اور اس کو جانے نہ دیا۔

ملک ظہر سے مغرب تک مسجد میں رہے تھے، ان کو سمہ کی سازش کا کچھ حال معلوم نہ تھا، جب وہ اپنے اپنے گھر گئے، تو وہ خبر انھوں نے بھی سنی، وہ ششدررہ گئے اور انھوں نے آپس میں جرگہ کیا اور کہا کہ ہمارے ساتھ اس مولوی نے کوئی ایسا کام نہیں کیا، جو ہم اس کی جان کے خواہاں ہوں، کام تو وہی کیا، جو سمہ میں اور ہندوستانیوں نے کیا، فرق اتنا ہے کہ انھوں نے خود کیا اور اس سبب سے لوگوں پر شاق گزرا اور وہ ان کے دشمن ہوگئے اور اس مولوی نے وہی کام ہماری رضامندی سے کیا اور ہمارے ہاتھوں سے کرایا، اور دوسری بستیوں میں تو ہندوستانی لوگ سید بادشاہ کے فرمانے سے بیٹھے اور ہم اس کو اپنی خوشی سے اور سید بادشاہ سے درخواست کرکے لائے تھے، سو اس پر ہاتھ ڈالنا نہایت بے دینی اور بے انصافی ہے، لیکن اگر یوں ہی چھوڑ دیں، تو کل سمہ والے ہمارے دشمن ہوجائیں گے، اب ایسا کرو کہ ان کے ہتھیار تو لے لو اور ان کو اپنی بستی سے سلامت نکال دو، ہتھیار لینے میں بھی اتنی مروت کرو کہ اس حجرے والے اس حجرے والے غازی کے ہتھیار لیں، اور اس حجرے والے اس حجرے والے غازیوں کے ہتھیار لیں، چنانچہ تھوڑے عرصے میں بستی والوں نے مسجد کو گھیر لیا، چالیس پچاس آدمی بندوقیں باندھے کچھ مسجد کے صحن کی دیوار پر بیٹھے تھے اور کچھ متفرق دائیں بائیں کھڑے تھے، مولوی خیرالدین صاحب نے باہر نکل کر پوچھا: تم یہاں کیوں جمع ہو؟ یہاں کون سا تماشا ہو رہا ہے جو تم دیکھتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم مال لوٹنے کے واسطے جنگل

کو جاتے ہیں، اس لیے جمع ہیں، مولوی خیر الدین صاحب نے کہا کہ کہیں جاؤ، مگر ہمارے پاس نہ آؤ، نہیں تو ہماری تمھاری لڑائی ہے، انھوں نے جانے میں تامل کیا، مولوی خیر الدین صاحب نے اپنے آدمیوں سے پکار کر کہا کہ تم مسجد سے باہر نکل آؤ، ان کی نیت میں کچھ فتور معلوم ہوتا ہے، اور ان بلوائیوں سے غصے ہو کر کہا کہ جیسے سمہ کی بستیوں میں ہمارے بھائیوں کو غفلت میں شہید کیا، اگر ہم بھی غافل ہوتے، تو ویسے ہی مارے جاتے، اب تو ہم ہشیار اور اپنے ہتھیاروں سے تیار ہیں، اتنے آدمی تب مریں گے، جب تمھاری صدہا عورتوں کو بیوہ اور تمھارے صدہا لڑکوں کو یتیم کر دیں گے تمھاری اس میں خیر ہے کہ جلد یہاں سے چلے جاؤ، نہیں تو اپنے غازیوں کو حکم دیتا ہوں کہ ایک طرف سے بستی کا قتل عام شروع کر دیں، اس وقت تم سے کچھ نہ ہو سکے گا، غازی لوگ تو مسجد میں مسلح بیٹھے تھے، جو نہیں وہاں سے باہر نکلے، تمام بلوائی جنگل کی طرف بھاگ گئے۔

مولوی صاحب نے بستی سے نکل جانے کی تیاری کی، پنجتار کا راستہ بالکل غیر مامون تھا، آپ نے پڑاں غار(۱) کا ارادہ کیا، جہاں کا ملک لعل محمد بڑا دیندار اور سید صاحبؒ کا مخلص تھا، تھوڑی دیر کے بعد سب ملک آئے اور خوشامد آمیز باتیں کہنے لگے کہ کچھ ہماری عرض ہے، مگر ہم کہہ نہیں سکتے ہیں، مولوی خیر الدین صاحب نے کہا کہ تم اپنے حصے کے روپیوں کو کہتے ہوگے، مولوی صاحب نے پوچھا کتنے روپے تحصیل وصول ہوئے ہیں اور کس کے پاس ہیں اور تمھارے حصے کے کتنے روپے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ سو روپے تحصیل ہوئے ہیں اور تمھارے حکم سے قاضی کے پاس امانت ہیں، تمھارے وعدے کے موافق ہمارے حصہ کے پچیس روپے ہوئے، مولوی صاحب نے قاضی صاحب سے کہا کہ پچیس روپے ان کے حوالے کر دو اور باقی پچھتر روپے میں نے سب ملکوں کو انعام دیے، ان باتوں سے وہ بہت خوش ہوئے اور خوشامد سے کہنے لگے کہ اس وقت رات میں کہاں جاؤ گے، جب تک پنجتار کا راستہ صاف نہ ہو، تب تک تم یہاں سے کہیں نہ جاؤ، جس طرح ہم لوگ پہلے آپ کے فرمانبردار تھے

(۱) اصل لفظ ''پڑانگ غار'' ہے، کثرت استعمال سے پڑاں غار کہتے ہیں، پرانگ پشتو میں چیتے کو کہتے ہیں، کسی زمانے میں وہاں چیتے کا غار ہوگا، پھر بستی کا یہ نام ہوا۔

،اسی طرح اب بھی ہیں، بلکہ اب اس سے زیادہ آپ کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری نہ کریں تو ہم اشراف نہ ہوں گے، ہماری طرف سے کچھ شبہ اور وسوسہ آپ اپنے دل میں نہ لائیے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم صاحبوں سے ایسی ہی امید ہے، مگر ہم کو حضرت امیر المومنین کے پاس پہنچنا ضرور ہے۔

پنجتار کا سفر

پڑاں غار جانے کا حال آخوند گل کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا، اخوند گل پشاوری عالم، دیندار، پرہیز گار اور سید صاحبؒ کا مخلص تھا، لوند خوڑ سے کچھ کم ایک کوس پنجتار کی طرف چلے، وہاں ایک گورستان تھا، اس میں پہنچ کر آخوند گل نے ملک صدر الدین اور رہبر کا ہاتھ پکڑ کہا کہ یہاں سے پڑاں غار کا راستہ لو، صدر الدین نے کہا کہ بھائی ہندوستانیو، دانائی تم پر ختم ہے کہ لوند خوڑ سے یہ ارادہ کسی پر ظاہر نہ کیا، میں بھی سوچ میں تھا کہ یہاں سے پنجتار تک کیونکر جانا ہوگا، مگر خوف سے کہہ نہیں سکتا تھا، اب میری جان میں جان آئی، اب فضل الٰہی سے تم صحیح وسلامت بچ گئے، مولوی خیر الدین صاحب نے گورستان سے پڑاں غار کا راستہ لیا اور صدر الدین کو گورستان سے رخصت کیا اور موضع جلالہ اور دوسری بستیوں میں ہوتے ہوئے پڑاں غار پہنچ گئے، موضع جلالہ میں آپ نے ایک طالب علم کو سید صاحبؒ کے نام خط دینا چاہا، اس نے خط لے جانے سے عذر کیا، آپ نے اس کی بغل سے کتاب لے کر اور کھول کر ایک جگہ یہ عبارت لکھ دی کہ خدا کے فضل وکرم سے ہم جلالہ تک آئے ہیں اور موضع پڑاں غار تک جاتے ہیں، آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قدموں تک پہنچائے، ملک لعل محمد ان کے آنے سے بہت خوش ہوا اور ان کو اپنی بستی میں ٹھہرایا کہ جب تک پنجتار کا راستہ صاف نہ ہو، یہاں قیام کریں۔

ایک مہینہ پڑاں غار میں قیام رہا، وہیں سید صاحبؒ کا مکتوب اس مضمون کا پہنچا کہ راستہ تجویز کر کے تمھارے لانے کے لیے تنگی کے محمود خاں بارک زئی کو بھیجا ہے، جس راستے سے وہ تم کو لائیں، بلا انکار ان کے ساتھ آنا، دوپہر کو محمود خاں آ گئے راستے میں بارہ آدمیوں کو،

جن کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے، چلنے سے معذور تھے اورنگ شاہ کی گڑھی (۱) میں چھوڑا، کچھ دیر گھڑیالہ میں ٹھہر کر جب موضع مہر علی کے پاس نکلے، وہاں ایک آدمی ملا، اس نے کہا کہ تمھاری تو شیوہ میں آج رات بھر بڑی نگہبانی رہی کہ لونڈ خوڑ کا مولوی کہیں نکل نہ جائے ابھی دو سوار یہاں سے گئے ہیں، تم جلد نکل جاؤ، اگر تم راستے راستے آتے، تو کوئی نہ کوئی ضرور ملتا مگر تم راستہ چھوڑ کر آئے اس لیے کوئی نہ ملا، راستے میں مولوی صاحب نے ایک آدمی سے جو شیوہ کی کسی بستی میں رہتا تھا، کہا کہ شیوہ والوں سے کہہ دینا کہ لونڈ خوڑ کا مولوی، جس کی تم رات کو چوکسی کرتے تھے، وہ آج سلامت نکل گیا، اب آدھ کوس پر ٹھہرا ہے، اگر تم کو کچھ ہمت اور جرأت ہو تو جاؤ، نہیں تو پچھتاؤ گے، وہاں سے پہاڑ کے راستے راستے موضع مکدرہ میں آئے۔

مولوی خیر الدین صاحب کا استقبال اور حمد و دعاء

مکدرے سے زیدہ کے فتح خاں نے سید صاحبؒ کو مولوی خیر الدین صاحب کی آمد کی اطلاع دی، مولوی خیر الدین صاحب کا بھی خط تھا، سید صاحبؒ بہت خوش ہوئے اور سر برہنہ ہو کر دعا کی اور یہ پیغام بھیجا کہ کل سویرے ہم آپ کے استقبال کو آئیں گے، آپ نے توپ خانے کے داروغے مولوی احمد اللہ صاحب سے فرمایا کہ جب ہم مولوی خیر الدین صاحب کو لے کر آئیں، تو تم خوشی کی گیارہ توپیں سر کرنا۔

اگلے روز آپ نماز فجر کے بعد تین سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے، جب مولوی خیر الدین صاحب آتے ہوئے نظر آئے اور آپ کے اور ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رہا، آپ پیادہ پا تشریف لے چلے اور مولوی خیر الدین صاحب اور سب غازیوں سے بڑی محبت اور تپاک سے ملے، ہر ایک کو سینے سے لگایا اور عافیت مزاج پوچھی اور پنجتار کی طرف لے کر چلے، لوگوں کو اشارہ کیا کہ خوشی کی بندوقیں داغتے چلو، جب پنجتار کے نالے پر سواری آئی، تو پنجتار میں توپوں کے گیارہ فیر سر ہوئے اور بندوقوں کی باڑھیں چلنے لگیں، وہاں سے سب کو ہمراہ لیے ہوئے بستی میں داخل ہوئے، پہلے مسجد میں تشریف لائے اور نفل شکرانہ کی دو رکعت

(۱) یہ بستی لونڈ خوڑ سے دو کوس پر واقع تھی، معلوم ہوا کہ اب وہاں کوئی گاؤں نہیں۔ (سید احمد شہیدؒ ج ۲، ص ۲۱۷)

پڑھ کر دعا میں مشغول ہو گئے اور دیر تک دعا کی کہ خداوندا تو نے ان بھائیوں کو موذیوں کے چنگل سے چھڑا کر ہم تک سلامت پہنچایا، ہمارے نزدیک یہ لوگ گویا از سر نو پیدا ہوئے، دعا کے بعد سب کو اجازت دی کہ سب بھائی اپنے اپنے بہیلے میں جا کر اتریں، اس کے بعد آپ اپنے ڈیرے پر تشریف لائے اور بہیلے میں حکم بھجوا دیا کہ جو بھائی جس بہیلے کے ہیں، ان کی تین تین وقت ضیافت کریں اور شیخ ولی محمد صاحب سے فرمایا کہ ان بھائیوں کے کپڑے پھٹ گئے ہیں اور جوتے ٹوٹ گئے ہیں جلد نئے بنوا کر ان کو پہنا دو اور جس چیز کی حاجت ہو، اس کی درستگی کرادو۔

چھتر بائی اور امب کے مجاہدین

سمہ کے علاقہ سے باہر جو مجاہدین چھتر بائی اور امب کی گڑھی میں متعین تھے، وہ اس غدر اور کشت وخون سے محفوظ رہے، ان میں سے حافظ مصطفیٰ جھنجھانوی تیس غازیوں کے ساتھ اور شیخ بلند بخت دیوبندی ساٹھ ستر آدمیوں کے ساتھ تھے، یہ لوگ سید صاحبؒ کی طلبی تک وہیں رہے اور سفر ہجرت ثانیہ میں برڈھیری کے مقام پر آپ سے آکر مل گئے۔

امب کی گڑھی کا تخلیہ

پائندہ خاں کو سمہ کے غدر کا حال معلوم ہوا، وہ تنولیوں کو جا بجا سے جمع کر کے چھتر بائی اور امب پر آیا اور یہ پیغام بھیجا کہ ہمارے دونوں مکان خالی کردو اور تم سب اپنے سید بادشاہ کے پاس پنجتار چلے جاؤ، حافظ مصطفیٰ، شیخ بلند بخت اور سید عمر نے جواب دیا کہ امیر المومنین کے حکم کے بغیر ہم اپنی جگہ سے کوئی جنبش نہیں کریں گے، اس پر پائندہ خاں نے لڑائی شروع کردی، ان تینوں صاحبوں نے سید صاحبؒ کو اطلاع کی، آپ نے ان کو لکھا کہ تم سب وہیں اپنی جگہ قیام رکھو، اللہ تعالیٰ تمھارا مددگار ہے، چند روز میں ہم ہجرت کر کے اسی طرف کو آئیں گے، اگر کسی اور طرف کو جائیں گے، تو ہم سب کو بلالیں گے۔

پائندہ خاں نے جب امب کی گڑھی پر حملہ کیا، تو شیخ بلند بخت نے اس گڑھی کی مورچہ بندی کی اور توپیں نصب کردیں اور کئی بار حملہ آوروں کو پسپا کیا، اسی طرح ان کے

متواتر حملے ہوتے رہے اور مجاہدین اپنی جوانمردی سے ان کو پسپا کرتے رہے، آخر شیخ بلند بخت نے ایک لڑکے کے ذریعہ پنجتار سید صاحبؒ کو اطلاع کی، سید صاحبؒ نے اس کے جواب میں سمہ کے غدر کی اطلاع دی اور تحریر فرمایا کہ میں نے تمھارے متعلق سید اکبر صاحب کو لکھا ہے، تم ان کی ہدایت کے مطابق عمل کرو، چند روز کے بعد سید اکبر صاحب شیخ بلند بخت کے پاس گڑھی میں آئے اور مجاہدین کا اسباب گڑھی سے نکلوا کر عشرے میں بھجوادیا اور سب لوگوں کو ساتھ لے کر عشرے میں آئے ۳۷ دن تک مجاہدین اور پائندہ خاں کے لشکر کے درمیان جنگ رہی، عشرے سے دریائے سندھ کے ذریعے توپیں اور گولہ و بارود اور غلہ لدوا کر ستھانہ روانہ کیا۔

ہری سنگھ کا پیغام اور مجاہدین کا جواب

دریائے اٹک کے کنارے کنارے کوس کوس کے فاصلے سے سکھوں کی کئی گڑھیاں تھیں، ان کی ایک گڑھی امب کی گڑھی کے بالکل مقابل تھی، پائندہ خاں اور مجاہدین کی جنگ کے دوران میں ایک روز اس گڑھی کے سکھوں نے دریا کے کنارے سے غازیوں کو پکارا کہ تمھاری گڑھی میں جو کوئی معتبر آدمی ہو، وہ دریا کے کنارے آئے، ہم اس سے بات کہیں گے، شیخ بلند بخت نے تین آدمیوں کو تجویز کیا کہ دریا پر پہنچیں اور اس کا پیغام سنیں۔

جب وہ تینوں دریا کے کنارے پہنچے، تو دریا کے پار سے ایک سکھ نے پکار کر کہا کہ غازیو، سپاہی کی قدر سپاہی خوب جانتا ہے، میں تنولیوں کے ساتھ تمھاری لڑائی دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ تم خلیفہ کے لوگ بڑے بہادر اور سپاہی ہو، مجھ کو تمھاری خیر خواہی منظور ہے، میں اپنا ایک آدمی خط دے کر تمھارے پاس بھیجتا ہوں اور کچھ زبانی پیغام بھی اس سے کہہ دوں گا، تم دونوں کا جواب سمجھ بوجھ کر میرے آدمی کے زبانی کہلا بھیجنا۔

پھر ان کا ایک آدمی اس پار آیا اور ان تینوں آدمیوں سے کہا کہ مجھ کو اپنے سردار کے پاس لے چلو، تو میں خط بھی ان کو دوں اور زبانی پیغام بھی کہوں، لوگ اس آدمی کو شیخ بلند بخت

کے پاس لے گئے اس نے وہ خط دیا، وہ کھولا گیا، اس کا خط (۱) ہندی میں تھا، اور اس پر ہری سنگھ کے نام کی مہر تھی، وہاں اس وقت کوئی ہندی پڑھنے والا نہ تھا کہ اس خط کا حال معلوم ہوتا، اس آدمی نے زبانی بیان کیا کہ اس کا یہ مضمون ہے کہ ہمارے خالصہ یعنی سردار ہری سنگھ نے لکھا ہے کہ تم خلیفہ صاحب کے غازی لوگ بڑے بہادر، امانت دار اور نمک حلال ہو، پائندہ خاں کے لشکر نے تم کو گھیر رکھا ہے، تم کو مناسب یہ ہے کہ گڑھی اور گڑھی میں جو کچھ ہتھیار وغیرہ پائندہ خاں کے ہوں وہ پائندہ خاں کے لشکر کے سپرد کرو اور تم سب ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تم سب کو نوکر رکھ لیں گے اور خلیفہ صاحب سے زیادہ تمھاری عزت کریں گے۔

شیخ بلند بخت نے اس کو جواب دیا کہ تم جا کر ہماری طرف سے اپنے خالصہ سے کہو کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امیر المومنین حضرت سید صاحبؒ کے فرمانبردار ہیں اور ان کے حکم کے بغیر اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کر سکتے، ہم اپنے وطن سے صرف خدا کی راہ میں کافروں سے جہاد کرنے کو آئے ہیں، ہم لوگ ملک کے طالب نہیں ہیں اور نہ کسی کی نوکری چاکری کرتے ہیں، ہمارا جینا مرنا سید صاحبؒ کے ساتھ ہے، اور ہم خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، پائندہ خاں کا یہ لشکر کیا حقیقت رکھتا ہے؟ اگر تمھارا راجہ رنجیت سنگھ اپنا لشکر لے کر آئے، تو ہم اس کو بھی کچھ نہیں سمجھتے، اس لیے کہ خوف تو موت کا ہوتا ہے اور ہم لوگ خدا کی راہ میں اپنی جانیں نثار کرنے آئے ہیں، پھر ہم کو کس بات کا غم؟ اور خبردار، پھر کسی زبانی ایسا بیہودہ پیغام ہم کو نہ بھیجنا، یہ سن کر وہ آدمی جہاں سے آیا تھا واپس چلا گیا۔

چھتر بائی کا تخلیہ

چھتر بائی کے مجاہدین نے بھی چالیس روز تک پائندہ خاں کے لشکر کا مقابلہ کیا، پائندہ خاں نے مجاہدین کے امیر حافظ مصطفیٰ کاندھلوی سے کہلا بھیجا کہ یا تو تم لوگ پنجتار چلے جاؤ یا ہماری نوکری کر لو، ہم اچھی طرح تمھاری خدمت اور قدر دانی کریں گے، اگر یہ بھی منظور نہ ہو اور ہندوستان جانے کا ارادہ ہو، تو ہم تم کو صحیح وسالم سندھ کے پار اتار دیں، اپنے وطن

(۱) غالباً گرمکھی کہ وہ بھی ہندی کی ایک شاخ ہے۔

چلے جاؤ، مگر بہر صورت گڑھی خالی کردو۔

حافظ صاحب نے کہا کہ اپنے خان سے ہماری طرف سے جا کر کہو کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت امیر المومنین کے فرمانبردار ہیں، ان کے حکم کے بغیر ہم ہرگز گڑھی خالی نہیں کریں گے، ہم لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرنے آئے ہیں، کسی کی نوکری چاکری کرنے نہیں آئے، نوکری چاکری وہ کرے جو مال ودولت کا طالب ہو، ہم کو اس کی پروانہیں۔

متواتر چالیس دن تک جنگ کا سلسلہ جاری اور گولیاں چلتی رہیں، ایک روز رات گئے کسی آدمی نے تین بار بآواز بلند پکار کر کہا کہ حضرت امیر المومنین کے حکم سے سید اکبر صاحب امب کی گڑھی کے غازیوں کو عشرے میں لے گئے ہیں، ان کے آدمی تم کو بھی لینے آئیں گے، تم ان کے ساتھ بلاانکار چلے جانا، ایک روز سید اکبر صاحب کے آدمی آئے اور ان کے ساتھ مجاہدین گڑھی سے باہر نکلے اور سب ہندوستانی کھبل بائی کے کنارے ہو کر امب گئے اور وہاں سے عشرے کو آئے اور بڑا دشوار گزار سفر طے کر کے بھس ڈھیری میں سید صاحبؒ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

چھتیسواں باب

غدر کے اسباب کی تحقیق

اور ہجرت کا عزم

پنجتار پر بلوائیوں کا نرغہ

جب جا بجا سے غازیوں کی شہادت کی خبریں آرہی تھیں، اس سے کچھ دن بعد ایک روز سردار فتح خاں کی قوم خدوخیل اور زیدوں کے غول اپنے اپنے نشان لے کر آئے اور سردار موصوف کے حجرے میں اترے، کچھ دیر کے بعد ایک دوسرا غول آیا اور فتح خاں کے حجرے میں اترا، لوگوں نے پوچھا کہ تم اس طرح مسلح ہوکر کیوں آئے ہو، انھوں نے کہا کہ ہم سید بادشاہ کی مدد کو آئے ہیں اور جن لوگوں نے سمہ کی بستیوں میں غازیوں کو قتل کیا ہے، ان سے بدلہ لیں گے اور ابھی ہمارے اور بھی بہت سے لوگ آئیں گے۔

پھر اس کے بعد چار چار گھنٹے کے فاصلے سے اور کئی غول اپنے اپنے نشان لیے ہوئے آئے اور اسی حجرے میں اترے، رات کو بھی ایک غول بستی کے باہر جنوبی جانب گورستان میں اترا، سب لوگوں کا گمان قوی تھا کہ یہ تمام فساد فتح خاں کا برپا کیا ہوا ہے، آخر معمور خاں لکھنوی، ابراہیم خاں خیرآبادی اور امیر خاں قصوری، جو پہرے پر مقرر تھے، سید صاحبؒ کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لوگوں کی آمد کی اطلاع کی اور فتح خاں اور ان پر اپنا شبہ ظاہر کیا، آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، ارباب بہرام خاں، مولوی احمد اللہ صاحب ناگپوری، منشی خواجہ محمد (حسین پوری) شیخ ولی محمد پھلتی وغیرہم کو بلوایا اور ان میں فتح خاں کا ایک علاتی بھائی احمد خاں بھی تھا، پھر آپ نے سب سے کہا کہ بعض بعض لوگوں سے سنا ہے کہ یہ لوگ فساد کے ارادے سے آئے ہیں، ہم کو تو اس بات کا ان سے گمان نہیں ہے، کہو، تمھارے نزدیک کیا ہے؟

یہ بات سن کر ارباب بہرام خاں اور احمد خاں نے عرض کی کہ جو کچھ آپ نے سنا ہے، یہ بات سچ ہے، یہ تمام فساد فتح خاں کا ہے، اس مفسد نے ان سب کو بلا کر جمع کیا ہے کچھ عجب نہیں کہ یہ منافق آپ کے ساتھ کچھ فریب کرے، کیونکہ ہم کو معتبر لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ سمہ سے پشاور تک اسی مفسد کی مشورت سے اپنے اتنے غازی مارے گئے ہیں، بلکہ احمد خاں نے یہ بھی عرض کی کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس موذی کو مار ڈالوں، سب فساد دفع ہو جائے گا، اپنے بعض بعض ہندوستانیوں نے کہا کہ اگر آپ فرمائیں تو ہم فتح خاں کو زندہ گرفتار کر لیں اور آپ پنجتار پر قبضہ کریں، ارباب بہرام خاں اور مولوی احمد اللہ صاحب نے عرض کی کہ آپ صرف پانسو غازی اور دو ضرب توپ ہمارے ہمراہ کر دیں تمام ملک سمہ کو مفسدوں سے خالی کرنے کا ہمارا ذمہ ہے، جہاں ایک دو بستیوں کو توپوں سے اڑا دیا، سارا ملک تھرا جائے گا اور کوئی مقابلے پر نہ آئے گا، سب فرماں بردار ہو جائیں گے، اسی طور اور لوگوں نے بھی گزارش کی۔

سید صاحبؒ کا ارشاد

جب سب اپنی اپنی تقریر کر چکے، تب سید صاحبؒ نے فرمایا کہ جو کچھ تم صاحبوں نے کہا، یہ ایک بھی ہم کو منظور نہیں، نہ فتح خاں کے حق میں، اور نہ سمہ والوں کے حق میں فتح خاں ہمارا محسن ہے، اس نے ہم پر بڑے بڑے احسان کیے ہیں، اول تو اس نے اپنے یہاں ہم کو جگہ دی، دوسرے آج تک ہر کہیں ہماری شرکت کی، اس کی طرف سے کسی امر میں بدگمانی کرنی نہیں چاہیے اور جو کچھ یہ معاملہ پیش آیا مشیت الٰہی یوں ہی تھی، یقینی بات جانے بغیر کسی

پر قیاس سے گمان کرنا اور اس کا الزام دھرنا نہیں چاہیے، یہ معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے، جنھوں نے یہ فساد کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سے آپ سمجھ لے گا، ہم تو اپنے پروردگار کی رضامندی کا کام کرنے آئے ہیں، پتنہ داری اور نفسانیت کے واسطے نہیں آئے ہیں اور جو تم صاحبوں کو ان لوگوں کی طرف سے وسوسہ ہے، سو فتح خاں کو بلا کر اس کا حال بھی دریافت کرلیں گے تم کسی نوع کا اندیشہ نہ کرو، اللہ تعالیٰ سب طرح سے خیر کرے گا۔

فتح خاں سے گفتگو

پھر اسی وقت آپ نے سردار فتح خاں کو بلوایا اور اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ خان بھائی، ان ملکیوں نے آکر ہجوم کیا ہے، ان کو کس نے بلایا ہے؟ خان موصوف نے کہا کہ ان کو آپ کی مدد کے واسطے میں نے بلایا ہے، آپ نے فرمایا کہ ابھی ہم کو کچھ مدد کی ضرورت نہیں ہے، ان کو رخصت کردو، اپنے اپنے مکان کو جائیں، جب کبھی حاجت ہوگی، تب ان کو بلا لینا، ہم کو تو اپنے پروردگار کی مدد کافی ہے، غیر کی مدد کی کچھ پروا نہیں، جو وہ مددگار ہوگا، تو سب مددگار ہو جائیں گے، خان موصوف یہ بات سن کر اپنے دل میں بہت نادم ہوا اور کہا کہ میں ابھی جا کر ان کو رخصت کیے دیتا ہوں، پھر اسی وقت ان سب کو جواب دیا، اسی روز وہ اپنی اپنی طرف چلے گئے، پھر کچھ لوگ گورستان میں پڑے رہے، پھر دو تین روز کے اندر وہ بھی دفع ہوئے۔

فتح خاں کی حاضری

فتح خاں پنجتاری، جو اس ہنگامے کے پورے عرصے میں پنجتار سے باہر رہا، اپنے گھر آیا، اس نے سید صاحبؒ کی ملاقات کے لیے اندر آنے کی اجازت چاہی، چوکیداروں نے اس کو اجازت نہ دی اور آپ کو اندر جا کر اطلاع دی کہ فتح خاں ہتھیار لگائے ہوئے اندر آنا چاہتا ہے کیا حکم ہے؟ فرمایا: ''جیسے وہ ہمیشہ آیا کرتا تھا، آنے دو'' بعض خیر خواہوں نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو، اس کے ہتھیار رکھوالیں، جب وہ ملاقات کر کے جائے گا، تو ہتھیار اس کے حوالے کر دیے جائیں گے، فرمایا کہ یہ مجھے منظور نہیں، باغیوں کے ساتھ اس کی شرکت ظنی

ہے، یقینی نہیں کہ شرعی طریقے پر اس کو ثابت کیا جا سکے اس لیے اس کو مسلح آنے دو، اگر اس کی کوئی اور نیت ہے، تو بھی کچھ ڈر نہیں۔

دل کا علاج

فتح خاں نے عرض کیا کہ ہماری قوم آپ کی نصرت کرنا چاہتی ہے اور معمول کے مطابق عشر وغیرہ دینا چاہتی ہے، فرمایا کہ اپنی قوم سے کہہ دو کہ ہمیں یہ کیسے معلوم ہو کہ تم اپنے قول میں سچے ہو؟ ہزار ہا آدمی اپنے قول سے پھر گئے، اور انھوں نے غازیوں کی لاشوں کے ساتھ وہ کیا، جو کفار نہیں کرتے، اب تو ہم کو تمھارے لا الٰہ الا اللہ کہنے میں بھی شک ہے کہ سچے دل سے کہتے ہو کہ جھوٹے دل سے تمھارا اقرار کلمہ توحید محض قوم کے رسم ورواج کی بنا پر ہے، ہم کو تو اب ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اپنے دل کا علاج کریں کہ کلمہ گویوں کی طرف سے ہمارا شک زائل ہو۔(۱)

علماء اور سادات کا اجتماع اور سبب کی تحقیق

ایک روز سید صاحبؒ نے اپنے معتمد لوگوں اور سردار فتح خاں سے فرمایا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کے علماء اور سادات اور بعض بعض ملک اور خوانین کو، جو ہمارے مخلص دوست ہیں، بلا کر جمع کریں اور ان سے پوچھیں کہ اس ملک کے لوگوں نے ہمارے غازیوں کے ساتھ کشت وخون کا جو معاملہ کیا، اس کا سبب کیا ہے؟ وہ دغا بازی کا ایسا معاملہ مسلمان لوگ عہد وپیان کر کے کافروں کے ساتھ بھی نہیں کرتے چہ جائیکہ مسلمانوں کے ساتھ، اگر ایسا ہی کوئی قصور ہم لوگوں سے صادر ہوا ہے کہ اسی سزا کے لائق تھے، تو ہم کو آگاہ کریں کہ ہم اس سے تائب ہوں اور اپنے قصور پر نادم ہوں اور جو بے خطایوں ہی افتراء و بہتان کر کے انھوں نے یہ زیادتی کی ہے وہ بھی معلوم ہو جائے پھر ہم کو اختیار ہے، چاہے، معاف کریں، چاہے، اپنا بدلہ لیں۔

حاضرین نے اس سے اتفاق کیا اور یہ تجویز بہت پسند کی، آپ نے فتح خاں سے

---

(۱) منظورۃ السعداء، ص ۱۰۰۱، ۱۰۰۲

فرمایا کہ خان بھائی، جن صاحبوں کے نام ہم طلبی کے خطوط لکھوائیں، ان کو تم اپنے آدمیوں کے ہاتھ بھجوادو، اس لیے کہ لوگ تمھارے زیادہ واقف کار ہیں اور رستے میں ان سے کوئی مزاحم بھی نہ ہوگا، ہمارے ہندوستانی کسی صورت سے نہیں جاسکتے، اس لیے کہ تمام ملک بگڑا ہوا ہے، اس کے بعد آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اہم آدمیوں کے نام بتلائے، ان میں علماء وسادات اور خوانین ورؤساء بھی تھے، سب کے نام خطوط لکھے گئے اور وہ خطوط فتح خاں نے اپنے آدمیوں کے ہاتھ بھجوادیے۔

اہل علاقہ کی مہمانداری اور مدارات

سید صاحبؒ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جو صاحبان آئیں، ان کی پوری مہمان داری وخدمت گزاری کی جائے، اس میں کسی طور کا فرق نہ ہو، اور اگر بلوائیوں میں سے ان کے ساتھ کوئی آئے اور یہ معلوم ہو کہ انھیں لوگوں نے ہمارے غازیوں کو شہید کیا ہے، تو ان سے کوئی شخص کسی طرح کا تعرض نہ کرے اور نہ ان کو چھیڑے، بلکہ اوروں کے مقابلے میں ان کی زیادہ خاطر داری کی جائے۔

تین چار دن میں سب صاحبان تشریف لے آئے، ان میں سادات وعلماء بھی تھے اور ملک اور خوانین بھی اور بہت سے مفسدین اور بلوائی بھی، سید صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق ان لوگوں کی پوری خاطر داری اور کھانے پینے سے تواضع کی گئی اور مفسدوں اور بلوائیوں کو پہچان لینے کے باوجود کسی نے ان سے تعرض نہیں کیا اور نہ کوئی فرق محسوس ہونے دیا۔

سید صاحبؒ کا استفسار

سب حضرات سید صاحبؒ کے ڈیرے پر جمع ہوئے، آپ نے علماء کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم آپ صاحبوں سے سوال کرتے ہیں کہ جب ہم اپنے وطن ہندوستان سے ہجرت کر کے جہاد فی سبیل اللہ کے انتظام کے لیے آپ کے اس ملک میں آئے، تو یہاں کے اکثر خوانین وغیرہ میں نا اتفاقی اور پھنہ داری نظر آئی کہ ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا ہوا تھا اور

کفار سے جہاد مسلمانوں کے اتفاق کے بغیر نہیں ہوسکتا، تو ایک مدت تک للہ فی اللہ سعی اور کوشش کر کے ان لوگوں کو آپس میں ملایا، پھر انھوں نے اور آپ سب نے ہمارے ہاتھ پر برضا ورغبت بیعت امامت اور بیعت ہدایت کی اور ہم کو اپنا پیر و مرشد اور امام بنایا اور عہد و پیمان کیا کہ ہم ہر حال میں اس کار خیر میں جان و مال سے تمھارے شریک ہیں، پھر آپ سب نے خود ہی کہا کہ ہم نے شریعت کا حکم بسر وچشم قبول کیا، اب آپ ہماری بستیوں میں ہمارے ہی لوگوں میں سے ایک ایک قاضی مقرر کر دیں کہ شرع شریف کے موافق ہمارے درمیان فیصلہ کیا کرے اور ہماری شادی غمی میں شرعی احکام جاری کیا کرے، تو آپ ہی کے کہنے کے مطابق جن کو آپ نے کہا، ان کو ہم نے قاضی بنایا، پھر شریعت کے موافق آپ سب نے برضا ورغبت عشر دینے کا اقبال کیا اور کہا کہ اس کی تحصیل وصول کے لیے آپ اپنے مجاہدین متعین کر دیں اور ہم سے عشر کا غلہ وصول کر لیا کریں، آپ کے کہنے کے مطابق ہم نے اپنے غازی متعین کر دیے، ایک مدت تک یہ کارخانہ جاری رہا، پھر ہمارے لوگوں سے خدا ورسولؐ کے خلاف کون سی بات سرزد ہوئی کہ جس کی وجہ سے آپ کا تمام ملک ہم لوگوں کا مخالف اور جانی دشمن ہوگیا؟ اس سے پہلے ہم سے کسی نے نہ کسی بات کی شکایت کی اور نہ کوئی اطلاع دی، آپ ہی آپ لوگوں نے یکبارگی بدعہدی کر کے ہمارے صدہا غازی قتل کر ڈالے، اس کا سبب ہم کو بالکل معلوم نہ ہوا، آپ خود سوچ سمجھ کر ہم کو اس کا جواب دیجیے۔

معاملے کی تحقیق

لوگوں نے اس مجلس سے اٹھ کر کئی روز تک آپس میں گفتگو کی، لیکن وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچے، آخر آپ کے پاس آ کر کہا کہ ہم سب متحیر ومتفکر ہیں کہ اتنا کشت وخون کس سبب سے ہوا، ہمیں اس کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوسکی، کیونکہ نہ تو ہم اس معاملے میں شریک تھے اور نہ انھوں نے ہم کو مشورے میں شریک کیا، اس کا سبب وہی لوگ جانتے ہوں گے جنھوں نے یہ معاملہ کیا۔

آپ نے فرمایا کہ ہم تو سبب جاننا چاہتے ہیں، آپ ہی ان سے معلوم کر کے ہمیں مطلع کیجیے، آخر سب نے مشورہ کر کے یہ عرض کیا کہ تختہ بند کے سید میاں اس ملک کے بڑے

بااثر بزرگ اور سب کے پیشوا ومقتدا ہیں، اگر یہ رزڑوں کی بستیوں میں جائیں اور اس کی تحقیق کریں تو ہوسکتا ہے۔ آپ نے اس کو پسند فرمایا اور سید میاں کے ساتھ قابل آخوند زادہ کو، جو بڑے عالم اور خوش تقریر تھے، ان کے ہمراہ کردیا۔

سید میاں پانچویں یا چھٹے روز واپس آئے، آپ نے حال پوچھا، قابل آخوند زادہ نے کہا کہ ہم اور سید میاں یہاں سے چل کر رزڑوں کے علاقے میں جا کر ٹھہرے اور اپنا آدمی بھیج کر بستیوں کے کئی نامی نامی آدمیوں کو بلوایا، جب سب آکر جمع ہوئے، تو ہم نے ان سے سوال کیا کہ تم نے جو بلوہ کرکے سید بادشاہ کے اتنے غازی قتل کیے، اس کا کیا سبب ہے؟ اگر معقول جواب دوگے، تو تمھارے بچاؤ کی صورت ہے؛ نہیں تو بہت ذلت وخواری اٹھاؤ گے اور قرار واقعی سزا پاؤ گے، تم نے ان کو دغا دے کر غفلت میں قتل کیا، نہیں تو تمھاری کیا مجال تھی، جو تم ان پر ہاتھ ڈالتے؟ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے سردار یار محمد خاں کی لڑائی جیتی اور سلطان محمد خاں کو شکست دے کر پشاور تک پیچھا کیا، بدھ سنگھ چار توپوں اور دس ہزار فوج کے ساتھ اکوڑے میں پڑا تھا، صرف سات سو غازیوں نے جا کر اس پر چھاپہ مارا، اوران سب کی کیا حقیقت ہے؟ سید بادشاہ تو مہاراجہ رنجیت سنگھ والی لاہور سے لڑائی کا ارادہ رکھتے ہیں اور اسی نیت سے ہندوستان کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں، یہ حال تم سب جانتے ہو، سید بادشاہ کے پاس پنجتار میں جو لشکر ہے، وہ توپ خانہ لیے گولے بارود سے تیار ہے، اگر انھوں نے اس طرف قصد کیا تو تم میں سے کسی کو مقابلے کی جرأت نہ ہوگی اور سب کے سب مارے جاؤ گے۔ سید بادشاہ نے ہم کو تمھارے پاس اس کا جواب لینے کے لیے بھیجا ہے، تم ہمیں اس کا جواب دو۔

بلوائیوں کا بیان

دھمکی کی یہ گفتگو سن کر وہ گھبرائے اور سر جھکا کر عذر بیان کرنے لگے اور کہنے لگے: یہ لوگ ہم پر ظلم وتعدی کرکے ہماری بہنوں، بیٹیوں کا نکاح کر ڈالتے تھے اور تھوڑے تھوڑے قصور پر ہم کو بے عزت کرتے تھے اور جرمانہ کرتے تھے، جب ہم لوگ حد سے زیادہ تنگ ہوئے، تب ہم نے یہ کام کیا۔

میں نے کہا کہ تمھارا یہ عذر بیجا اور نا معقول ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے، تم جو نکاحوں کی شکایت کرتے ہو، وہ محض غلط ہے، انھوں نے جو نکاح کروائے، وہ شریعت کے موافق اور تمھاری رضا مندی سے تمھاری ہی قوم میں کروائے، کسی نے تمھاری بہن بیٹی کا نکاح اپنے ساتھ نہیں کیا کہ جس سے تم کو ننگ و عار آتا ہے، باقی رہے جرمانے کے معاملے، تو جب کوئی حاکم ہوتا ہے تو وہ قصورواروں سے جرمانہ بھی لیتا ہے، قید بھی کرتا ہے، زدوکوب بھی کرتا ہے۔

پھر خطوط

جب وہ لوگ کوئی معقول جواب نہ دے سکے، تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ خطوط لا کر دیے اور کہا کہ یہ خط ہندوستان کے علماء نے اور پشاور سے درانیوں نے ہم کو بھیجے، ان خطوط کی بناء پر ہم لوگوں نے متفق ہو کر یہ کام کیا، اصل وجہ یہی ہے، سید صاحبؒ نے وہ خطوط ملاحظہ فرمائے، یہ اسی محضر کی نقل تھے، جو ہزار خانی کے میدان میں ملاقات کے وقت سردار سلطان محمد خاں نے سید صاحبؒ کو دیا تھا۔

سید صاحبؒ کا ارشاد

آپ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ بڑے افسوس کی جگہ ہے کہ کچھ اوپر چار برس ہم کو ہندوستان سے یہاں آئے ہوئے ہو گئے، اتنی مدت تک ہم ان لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے، ہر طرح کے وعظ و نصیحت سے ان کو سمجھایا اور ان کے دین و دنیا کی بھلائی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، مگر خدا جانے، یہ کیسے سخت دل کے لوگ ہیں کہ ہمارے وعظ و نصیحت کا ان پر ذرہ بھر بھی اثر نہ ہوا، ہم نے حتی الامکان ان کی خیر خواہی میں کوتاہی نہیں کی اور انھوں نے اپنی شرارت اور بغاوت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور نفاق ان کے دلوں سے نہیں گیا، معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر عتاب الٰہی ہے، ہم کو ان لوگوں سے اپنا عوض لینا بھی منظور نہیں، ہم کس کس شخص سے عوض لیں؟ بہتر یہی ہے کہ یہ معاملہ ہم اپنے خدا کے سپرد کریں، وہی منتقم حقیقی ہے جس طرح چاہے گا، انتقام لے گا۔

اور بڑے حیف کی جگہ ہے کہ جب سلطان محمد خاں نے ہم کو یہ کاغذ دیا تھا اور کہا تھا کہ ہماری بغاوت کا سبب یہی ہے، اسی وقت ہم نے کہا تھا کہ ہمارے ہندوستان کے دنیاداروں، بدعتیوں اور گور پرستوں نے ہم پر یہ افترا کیا ہے اور اس افترا کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں وعظ و نصیحت کی برکت سے بے شمار لوگوں کو ہدایت نصیب کی، وہ تمام شرک و بدعت سے تائب ہو کر پورے پورے موحد اور متبع سنت ہو گئے اور ان کی پیر پرستی اور گور پرستی پر ردو قدح کرنے لگے، ان کی آمدنی کا بازار سرد ہو گیا اور وہ خود تمام موحدین کی نظروں میں خفیف اور حقیر ہو گئے، اس کے حسد اور بغض سے انھوں نے ہم پر یہ بہتان اور افتراء کیا اور تم سے بڑی نادانی اور خطا یہ ہوئی کہ تم نے اس بہتان نامے کو اب تک اپنے پاس رکھا اور دل ہی میں ہم سے عداوت اور بغاوت پیدا کی اور اس سے ہم کو آگاہ نہ کیا، والا ہم تمھارے دلوں کا شبہ دفع کر دیتے، اس پر اس نے کہا کہ مجھ سے خطا ہوئی اور میں از سر نو آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں کہ اب بار دیگر تم سے بغاوت نہ کروں گا، اسی پر ہم نے پشاور لیا ہوا اس کو دے دیا اور پھر اس بہتان نامے کو دستاویز کر کے اس دغاباز منافق نے لوگوں کو فساد پر آمادہ کر کے یہ خرابی کی صدہا مسلمانوں کا خون ناحق ہوا، اب ہم کیا کہیں؟ خدا اس کو سمجھے! اس سے بہتر تو بہر حال اس کا بھائی دوست محمد خاں ہے، آج تک خوب رہا کہ نہ ہمارے ساتھ اس نے کچھ بھلائی کی اور نہ کچھ برائی، اور انھوں نے منافقانہ ہمارے ہاتھ پر بیعت کی اور ہم کو اپنا امام بھی بنایا اور آخر کو اس کا ثمرہ ظاہر ہوا۔

حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ اب ان لوگوں میں رہنا خوب نہیں، اب یہاں سے ہجرت کریں گے اور جدھر اللہ تعالیٰ لے جائے گا، ادھر جائیں گے، مگر یہاں نہ رہیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ، قدیم سے یہ سنت اللہ جاری ہے، انبیاء علیہم السلام حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرتؐ کے نائبوں میں سے اب تک جو داعی الی اللہ ہوئے ہیں، آپ ہی آپ مخالفین بے دین ان کی ایذا رسانی کے درپے ہوئے ہیں، اگر نام بنام ہر ایک کے حال کو بالتفصیل بیان کریں تو بہت عرصہ چاہیے اور وہ ہمیشہ خلائق کی خیر خواہی

و جانفشانی کرتے رہے اور مخالفین ان کی بے عزتی و ایذا رسانی کے درپے رہے، مگر یہ لوگ ان پر بھی سبقت لے گئے اس لیے کہ وہ ان ہادیوں کے دین کے منکر و مخالف تھے اور انھوں نے باوجود مقر اور موافق ہونے کے یہ فعل کیا۔

اس کے بعد دعاءِ خیر کر کے آپ نے اہل مجلس کو رخصت کیا، سب اپنے اپنے ڈیرے پر گئے، اگلے روز جمعہ کا دن تھا، نماز جمعہ میں بے شمار آدمی جمع ہوئے، آپ نے نماز کے بعد یہی مضمون بعض نئے مضامین کے اضافے کے ساتھ پھر بیان کیا، تمام سامعین پر حال سا طاری تھا اور اکثر کے آنسو جاری تھے، وعظ و نصائح کے بعد آپ نے دعا کی اور ڈیرے پر تشریف لائے۔

جہاد بہ طریق سنت

مولوی خیر الدین صاحب نے سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ تنہائی میں عرض کرنا ہے، یہ بات سن کر آپ مسجد کے اندر ہو بیٹھے، مولوی خیر الدین صاحب نے عرض کیا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کی نیت میں یہ بات ہے کہ کسی طرح ہم جہاد بطریق سنت کریں اور جس طرح سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے وقت میں لوگ امام کے حکم پر کمر باندھ کر کفار سے لڑتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کو فتحیاب کرتا تھا اسی طرح للّٰہی لوگ میرے ساتھ جمع ہو کر جہاد کریں، اسی نیت سے آپ نے ہندوستان کے اکثر شہروں اور یہاں یوسف زئی کی بستی میں دورہ کر کے وعظ اور نصیحت فرمائی اور ہندوستان سے یہاں تک لاکھوں آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت ہدایت، بیعت جہاد اور بیعت امامت کی، آپ کے خیال مبارک میں یہ بات آئی کہ اگر ان لاکھوں آدمیوں میں سے ہزاروں بھی جمع ہو جائیں گے، تو سنت نبوی کے طریق کے موافق جہاد بخوبی ہوگا، اسی وجہ سے آپ کو نوکر رکھنے سے نفرت رہی، اگر کسی کے کہنے سننے سے کچھ لوگ نوکر بھی رکھتے تو پھر کسی حیلے بہانے سے چند روز بعد ان کو موقوف کر دیا، اس عرض سے میری غرض یہ ہے کہ کیا اب بھی آپ کو یہ امید باقی ہے کہ نوکر رکھے بغیر اس زمانے میں جہاد ہو سکے گا؟ لاکھوں آدمی جنھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی تھی اور جہاد کے قائم ہونے پر حاضر ہونے کا پختہ وعدہ کیا تھا، کہاں گئے؟ اسی واسطے پہلے بھی عرض

تھی اور اب بھی ہے کہ یہ زمانہ سنت کے مطابق جہاد کرنے کا نہیں۔

سید صاحبؒ کا عزم اور فیصلہ

آپ نے یہ سب نشیب و فراز کی گفتگو سن کر فرمایا کہ آپ دنیا کا ظاہری کارخانہ دیکھ کر اپنی سمجھ کے مطابق ٹھیک کہتے ہیں مگر میں اپنی طرف سے شروع سے آخر تک اسی طرح سعی وکوشش کرتا رہا اور ان شاء اللہ تعالیٰ جب تک زندگی باقی ہے، اسی کوشش میں لگا رہوں گا اور کسی کے اقرار کرنے اور حاضر ہونے سے کوئی غرض نہیں، اور نہ فتح وشکست سے کچھ مطلب ہے، یہ بات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، چاہے، اپنے دین اسلام کو سست کرے یا چست، میں اس کا فرماں بردار بندہ ہوں، اگر تن تنہا رہ جاؤں گا، تب بھی اسی کے کام میں اپنی جان صرف کروں گا۔

یہ جواب سن کر مولوی خیر الدین صاحب خاموش ہو رہے۔

ہجرت کے متعلق مولوی خیر الدین صاحب کی گفتگو

مولوی خیر الدین صاحب نے ہجرت کے متعلق سید صاحبؒ سے گفتگو کی، انھوں نے عرض کی کہ جو آپ یہاں سے ہجرت کی تیاری فرما رہے ہیں، تو میری ناقص رائے یہ ہے کہ یہاں سے منتقل ہونا مناسب نہیں ہے، اگر آپ دوسرے ملک میں جائیں گے، تو پھر ایک مدت مدید چاہیے کہ وہاں کے لوگوں کو وعظ و نصائح کریں اور ان کی عادت وخصلتوں سے واقف ہوں، پھر دیکھا چاہیے کہ وہ لوگ کس قسم کے ہوں، آپ کے وہاں ٹھہرنے سے راضی ہوں یا نہ ہوں، اس سے تو یہیں ٹھہرنا مناسب ہے، کیونکہ یہاں کے آدمی برتے ہوئے ہیں، مخلص ومنافق اور مطیع و باغی ایک دوسرے سے ممتاز ہو گئے ہیں، جہاد کا جو معاملہ یہاں آسانی سے بنے گا اس کو دوسری جگہ ایک مدت دراز چاہیے۔

اہل سمہ سے مایوسی اور طبعی تنفر

آپ نے فرمایا: بات تم سچ کہتے ہو، مگر یہاں قیام کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، کیونکہ مخلص لوگ تو تھوڑے ہیں، اور مفسد بہت، اب ان سے ہدایت وصلاحیت کی امید نہیں

رہی ،ایک باران سے دھوکا کھا کر پھران میں رہنا دینداری اور ہوشیاری سے بھی بعید ہے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "لا یلدغ المومن من حجر مرتین(۱)" سوات کا ملک جواس علاقے کی پشت پر ہے، وہ بھی مخالف ہے۔

اس کے علاوہ فتح خاں جس کے یہاں ہم مقیم ہیں، اس کی طرف سے بھی ہم کو اعتماد جاتا رہا، اگر تمام لوگ مخالف ہوتے، تو کچھ بھی پرواہ نہ تھی، فقط یہ ہمارے قیام سے راضی ہوتا، تو بھی یہاں رہنے کی ایک صورت تھی، اب یہاں کے لوگوں سے مجھ کو ایسی نفرت معلوم ہوتی ہے، جیسی آدمی کو اپنی قے سے، اب یہاں سے ہجرت ہی کرنی بہتر ہے۔

مولوی خیر الدین صاحب نے کہا کہ ہم فرماں بردار ہیں، آپ جس طرف کو چلیں گے ہم لوگ بلا عذر آپ کے ہم رکاب ہوں گے۔

شہداءسمہ اپنے ملک کا خلاصہ اور لب لباب تھے۔

ارباب بہرام خاں نے کہا کہ آپ اجازت دیں، تو میں لشکر کا ایک حصہ اور توپ لے کر دیہاتوں کا دورہ کرلوں اور ان شاء اللہ جنگ کی نوبت بھی نہیں آئے گی اور سب تابع ہوجائیں گے۔

سید صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی، اول اول جب ہم اس ملک میں پہنچے، تو نہ ہم اس قوم کے حالات سے واقف تھے، نہ وہ ہمارے حالات سے ہم نے کئی سال وعظ ونصیحت کے ساتھ ان کی دلجوئی کی، جب اس کا کوئی اثر نہیں ہوا، تو ہم نے حاکمانہ معاملہ کیا اور فہمائش اور دلائل کے ساتھ اپنے احکام کی حقیقت ثابت کرنے سے دریغ نہیں کیا اور ہمارا مقصود اس تمام جدوجہد سے محض دین حق کا اجراء تھا، اس پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا، بلکہ ان کی سرکشی اور تمرد میں اتنی ترقی ہوئی کہ اتنے مسلمانوں کو جو اپنے ملک کا خلاصہ اور لب لباب تھے، شہید کر دیا، ہماری نیت اس پورے طرز عمل سے ملک گیری یا جاہ طلبی کی نہ تھی، ہمارا مقصود محض اصلاح وتربیت تھی، اب ہم اس ملک کے لوگوں کو منتقم حقیقی کے انصاف پر چھوڑتے ہیں اور اپنے باقی ماندہ

(۱) مومن ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاتا، یعنی ایک جگہ سے کئی کئی بار دھوکہ نہیں کھاتا۔

رفیقوں کو لے کر کسی دوسرے ملک کی طرف رخ کرتے ہیں، اس لیے کہ جب ہم نے اپنے ملک سے ہجرت اختیار کی، تو جہاں کہیں راستباز اور صادق القول لوگ ملیں گے، وہیں ہم قیام اختیار کرلیں گے، کچھ اسی ملک پر انحصار نہیں ہے(۱)۔

(۱) منظورۃ السعداء، ص ۱۰۰۳

ہجرت کا دوسرا سفر

ہجرت کے داعی

چار مشہور سردار اس بات کے داعی تھے کہ سید صاحبؒ سمہ سے ہجرت کر کے ان کے علاقے میں تشریف لائیں اور اپنی نصرت و رفاقت کا وعدہ کرتے تھے، ایک سلطان زبردست خاں ملک کھکھا بمبا کا سردار تھا، بارہا اس کی عرضیاں سید صاحبؒ کے پاس آئیں اور اس کا بڑا دین دار وکیل راجہ پارس نام کئی سال سے اسی مقصد سے آپ کے پاس پنجتار میں مقیم تھا، دوسرا ناصر خاں سواتیوں کا سردار تھا، وہ بھی کئی سال سے اس غرض کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر تھا، تیسرے حبیب اللہ خاں خان خیل پکھلئی کا سردار تھا، اس کے بھی کئی سال سے اس درخواست کے خطوط آتے تھے اور اس کے آدمی بھی آتے جاتے رہتے تھے، چوتھا سردار عبدالغفور خاں ملک اگرور کا خان تھا، اس کا بھائی کمال خاں اس مقصد کے لیے کئی سال سے آپ کے ساتھ تھا۔

ہجرت کی شہرت اور مخلصین کا تأسف

جب آپ کی ہجرت کی خبر مشہور ہوئی، تو جو حقانی عالم، مخلص سادات اور معتقد خوانین پنجتار میں حاضر تھے، سب کو اس خبر سے بڑا رنج ہوا، یہ خبر سن کر اطراف و نواح کے مخلصین و

معتقدین بھی آنے لگے اور سمجھانے لگے کہ کسی طرح آپ یہاں سے نہ جائیں، ایک روز سردار فتح خاں کی قوم کے لوگ، جو اطراف کی بستیوں میں رہتے تھے، جمع ہو کر پنجتار آئے اور فتح خاں کو ساتھ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت عصر و مغرب کا درمیان تھا اور آپ مسجد میں بیٹھے تھے، فتح خاں نے عرض کیا کہ میری قوم کے یہ لوگ آئے ہیں اور آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اچھا بیان کرو، یہ بھائی کیا کہتے ہیں فتح خاں نے کہا: یہ سب صاحب عرض کرتے ہیں کہ آپ یہاں سے کہیں تشریف نہ لے جائیں، ہم سب آپ کے فرماں بردار و جانثار ہیں، ہم سے آج تک آپ کی خدمت میں کوئی گستاخی و بے ادبی نہیں ہوئی۔

فتح خاں کی مرضی

آپ نے فرمایا: یہ بھائی سچ کہتے ہیں، آج تک ان سے کوئی قصور صادر نہیں ہوا، ہم ان سے راضی ہیں، ان پر بغاوت کا حکم نہیں لگاتے اور جو یہ کہتے ہیں کہ سید بادشاہ یہاں سے نہ جائیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے! بات یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اور ملک سمہ وسوات، بنیر وغیرہ کے تمام لوگ یہ کہیں کہ تم یہاں سے نہ جاؤ اور اکیلے تم کہو کہ جاؤ تو میں چلا جاؤں گا اور تمام لوگ کہیں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور تم اکیلے کہو کہ نہ جاؤ، تو میں ہرگز نہ جاؤں گا اور اگر اس بات کے کہنے سے تم کو کچھ لحاظ معلوم ہوتا ہو، تو اپنے دل کی بات چپکے سے میرے کان میں کہہ دو۔

یہ فرما کر آپ نے فتح خاں کو اپنے پاس بٹھا کر اپنا کان فتح خاں کے منہ کے پاس کر دیا، بہت دیر تک فتح خاں کچھ باتیں کرتا رہا اور آپ بھی اس کے کان میں کچھ باتیں کرتے رہے، تمام لوگ دور سے دیکھتے رہے، مگر کسی کو معلوم نہ ہوا کہ وہ باتیں کیا تھیں۔

ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد

جب سید صاحبؒ فتح خاں سے باتیں کر چکے، تو آپ اس کی قوم کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ بھائیو، ہم تم سے راضی ہیں تم پر بغاوت کا حکم نہیں لگاتے، ہم جو یہاں سے

جاتے ہیں، تو کسی مصلحت سے جاتے ہیں اور ہم تمھارے فتح خاں کو خلیفہ بنا کر جائیں گے، جو کچھ عشر کا غلہ تم سب ہم کو دیتے تھے، اب ان کو دیا کرنا اور شریعت کے جو احکام فتح خاں تم کو تعلیم کریں، ان کو قبول کرنا اور ان سے کسی امر میں بغاوت نہ کرنا، اور ہندوستان کے جو لوگ اس طرف ہو کر کبھی آئیں، تو ان کی خاطر داری کرنا، ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا۔"

اسی طرح ان کو اچھی طرح سمجھا بجھا کر رخصت کیا۔

ہجرت کے بارے میں ایک فقہی اشکال اور اس کا جواب

پنجتار میں جب ہجرت کی تیاری شروع ہوئی اور اس کا عام چرچا ہوا، تو قاضی سید محمد حبان شہید مرحوم کے استاد ملا شریعت، جو اس وقت وہاں موجود تھے، فرمانے لگے کہ چونکہ یہ اسلامی ملک ہے اور یہاں کے خوانین سب مسلمان ہیں اور جو کچھ کشت وخون و بدعہدی و نافرمانی یہاں کے لوگوں سے سرزد ہوئی ہے، وہ کبیرہ گناہ سے زیادہ نہیں اور کفر تک نہیں پہنچتی، اس لیے اس ملک سے ہجرت از روئے شریعت جائز نہیں۔

چونکہ اکثر لوگوں کو ہجرت کے مقابلے میں وہاں کا قیام مرغوب تھا، انھوں نے سید صاحبؒ تک اس کی اطلاع پہنچائی، آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ ملا شریعت اس طرح کہتے ہیں آپ ان کو شرعی دلیل سے مطمئن کر دیں، مولانا نے ایک حدیث پڑھی (۱) اور فرمایا کہ اس حدیث سے اس مسئلے کا استنباط ہوتا ہے، ملا صاحب نے فرمایا کہ ہاں، اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ ایسی جگہ سے ہجرت کرنی چاہیے لیکن میں اس کو اس وقت مانوں گا، جب فقہائے حنفیہ میں سے کسی کا قول یا فقہ حنفی کا کوئی جزئیہ اس کی تائید میں مل جائے، مولانا نے فرمایا کہ یہ بات تو مشکل ہے، اس لیے کہ کتب فقہ کی کوئی ایسی صراحت میری نظر سے نہیں گزری، یہ ایک استنباط ہے، اگر فقہاء متقدمین میں سے کسی کو اس مسئلے کی ضرورت پڑتی اور یہ حدیث بھی یاد ہوتی، تو وہ اس سے استنباط کر کے اپنی کتاب میں لکھ دیتے۔

(۱) مولانا جعفر علی صاحب فرماتے ہیں کہ میں چونکہ اس مجلس میں نہیں تھا، اس لیے مجھے حدیث کے الفاظ اور مضمون معلوم نہیں ہو سکا۔

مولانا نے یہ ساری گفتگو سید صاحبؒ سے نقل کی، سید صاحبؒ نے فرمایا: کیا ملا صاحب اس کے قائل ہوئے کہ یہ مسئلہ اس حدیث سے نکلتا ہے؟ مولانا نے فرمایا: جی ہاں، وہ اتنی بات کے تو قائل تھے، سید صاحبؒ نے فرمایا: میں ان کو سمجھا لوں گا، سید صاحبؒ نے ملا صاحب کو بلایا اور ایک پرندے کا نام لے کر فرمایا؛ مولانا اس کا کیا حکم ہے؟ حلال ہے کہ حرام؟ ملا صاحب نے کہا: اس پرندے کے پنجے ہیں یا نہیں؟ سید صاحبؒ نے فرمایا: فقہ کی کسی کتاب میں بھی اس پرندے کا نام اور اس کی حلت وحرمت کی تصریح ہے یا نہیں؟ ملا صاحب نے کہا: ''صحیح حدیث میں یہی قاعدہ کلیہ آیا ہے، اسی پر فقہاء حلت وحرمت کا فیصلہ کرتے ہیں، اگر کوئی فقیہ کسی پنجے والے پرندے کو حلال بھی لکھ دے، تو جمہور فقہاء اس کی تحریر پر فتوی نہیں دیں گے اور اس کے قول کو رد کر دیں گے، سید صاحبؒ نے فرمایا: جب ایک حدیث صحیح سے ایسے مقام سے ہجرت کا استنباط ہوتا ہے تو اس کی کیا ضرورت ہے کہ کوئی فقیہ اس جزئیہ کو اپنی کتاب میں بھی درج کرے؟ فقہاء عالم الغیب تو نہیں تھے، جو ان کو معلوم ہوتا کہ فلاں وقت آپ کو اس مسئلے کی ضرورت پڑے گی، فقہاء کے قول پر عمل اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ انھوں نے کتاب وسنت سے استنباط کر کے اپنی کتابوں میں ان مسائل کو درج کر دیا ہے، بس شریعت کی بنیاد اللہ اور اس کے رسولؐ کا قول ہے۔''

اس پر ملا صاحب بہت خوش ہوئے اور اپنی غلطی کا اقرار کیا اور خود بھی شریک ہجرت ہوئے (۱)۔

ہجرت کی اطلاع اور وصیت

آپ نے ہجرت سے پیشتر پنجتار سے پیر صبغۃ اللہ، ابوالقاسم خاں، امیران سندھ اور دونوں بیویوں کے نام الگ الگ خطوط تحریر فرمائے، امیران سندھ اور پیر صاحب کو تحریر فرمایا: ''آپ کے اخلاق کریمانہ سے امید ہے کہ اگر تقدیر کا نوشتہ اور مالک حقیقی کی مرضی یہی ہے کہ ہماری زندگی اسی عبادت میں صرف ہو جائے، تو اس صورت میں از راہ خیر خواہی اور

(۱) منظورہ، ص ۱۰۵۰، ۱۰۵۱

دینداری اس کو ضروری سمجھیں کہ ان مستورات کو جو اپنے وطن سے ہجرت کر چکی ہیں، حرمین شریفین تک پہنچادیں" بیبیوں کے نام خط میں تحریر تھا: "اگر ہمارا پیمانہ عمر اسی عبادت کے دوران میں پر ہوجائے، تو تم حرمین شریفین چلی جانا کہیں اور سکونت اختیار نہ کرنا، اس لیے کہ اس زمانہ پرفتن میں ایمان کی حفاظت کسی اور جگہ نظر نہیں آتی، وہاں کی زیادتیوں کی تکالیف پر صبر کرنا اور وہاں توطن اختیار کرنا بہتر ہوگا۔(۱)

راستے کا انتخاب

ایک روز آپ نے سردار فتح خاں کو بلا کر فرمایا کہ ہمارا یہ ارادہ ہے کہ ہم یہاں سے جھنڈے بو کے اور مینئی، ٹوپیے اور کھبل ہو کر جائیں، تم ان بستیوں کے خوانین سے کہلا بھیجو کہ وہ ہم سے تعرض نہ کریں، اس راستے کے اختیار کرنے میں فائدہ یہ تھا کہ راستہ ہموار ہے، توپیں چلی جائیں گی۔

خوانین کا انکار

فتح خاں نے ان بستیوں کے خانوں کو کہلا بھیجا، یہ وہی بستیاں تھیں، جہاں غازیوں کو شہید کیا گیا تھا، ان کو اندیشہ ہوا کہ مبادا اس بہانے سے آ کر غازی ہم سے انتقام لیں، انھوں نے صاف جواب دیا کہ ہماری طرف سے ہو کر نہ آئیں، ہم کو منظور نہیں ہے، فتح خاں نے یہ جواب آپ سے عرض کیا، آپ نے فرمایا: اگر نہیں مانتے تو نہ سہی؛ کوئی اور راستہ تجویز کرو، ہم کو تو راستے راستے جانا ہے، کسی سے کچھ چھیڑ چھاڑ کرنی منظور نہیں ہے۔

فتح خاں نے کچھ دیر سوچ کر عرض کیا کہ ایک راستہ تو ہے، مگر سخت دشوار، پہاڑ ہو کر ہے، اس راستے پر توپیں نہ جاسکیں گی، وہ یہ ہے کہ آپ یہاں سے موضع کنگلئی اور برڈھیری پیواڑ بیون کے پہاڑ پر چڑھیں اور موضع کرنا میں جا اتریں، وہاں سے کابل گرام ایک میل ہے اس کے بیچ دریائے سندھ اترنا ہوگا، آپ نے فرمایا: ہم کو منظور ہے، ہم اسی طرف ہو کر چلے جائیں گے۔

---

(۱) منظورہ، ص ۱۰۵۲

سردار فتح خاں کے ساتھ مشفقانہ سلوک

ایک روز آپ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھے سردار فتح خاں بھی اس وقت موجود تھا، آپ نے اپنا کرتا اپنے ہاتھ سے خان ممدوح کو پہنایا اور اپنا عمامہ اس کے سر پر باندھا اور خلافت نامہ لکھوا کر دیا۔

رفیقوں کو اختیار

روانگی سے پیشتر آپ نے اپنے ساتھیوں اور مقامی مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ بھائیوں، اللہ تعالیٰ نے تم کو اس عبادت (جہاد) میں شریک کیا اور تم نے محض لوجہ اللہ اس راستے کے گرم وسرد کو برداشت کیا، تم نے نصرت ورفاقت کا حق ادا کیا، اب ہم اس ملک سے دور دراز ملک کا قصد رکھتے ہیں، ہم کو خود معلوم نہیں کہ کہاں جائیں گے، سفر کو قطعة من العذاب کہا گیا ہے، خصوصیت کے ساتھ یہ سفر کوہستان کا ہے، اس میں کھانے پینے کی ضرور تکلیف ہوگی اور مالوفات وعادات کو ترک کرنا ہوگا، اس لیے وہ شخص ہمارے ساتھ چلے، جو صبر واستقامت کے لیے تیار ہو اور مالک کی شکایت زبان پر بھی نہ لائے، ہم ابھی سے خبردار کر دیتے ہیں کہ تکلیف کے پیش آنے کے وقت کوئی یوں نہ کہے کہ سید نے ہم کو دھوکا دیا، یا یہ کہ ہم کو معلوم نہ تھا کہ اتنی تکلیفیں پیش آئیں گی، پس جو شخص اپنے اندر صبر وبرداشت کی طاقت پائے، وہ ہمارا شریک ہو۔

زندگی کا فیصلہ

ہم تو اپنی پوری زندگی اپنے مالک کی رضا میں صرف کر دیں گے اور جو شخص تکالیف جسمانی اور نفسانی پر صبر نہ کر سکے، وہ ہم سے علاحدہ ہو جائے، لیکن اس کو خراسان یا ہندوستان نہیں جانا چاہیے، اگر وہ جاتا ہے، تو عرب کا رخ کرے، اس لیے کہ ایمان کی حفاظت عرب کے سوا اور جگہ مشکل ہے، وہ حرمین شریفین کی اقامت اختیار کرے اور وہاں کے حکام کی زیادتی اور وہاں کے مصائب پر صبر کرے کہ وہاں دین میں خلل نہیں آئے گا، اگر چہ بدعات

سے وہ ملک بھی پاک نہیں ہے(۱)۔

اس کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب سے خطاب کر کے فرمایا کہ مولانا، آپ تلاوت خوب کریں، ہم کثرت سے مراقبہ کرتے ہیں یہاں تک کہ ہم کسی ایسے مقام پر پہونچ جائیں جہاں جہاد کا اچھی طرح نظم ہو سکے۔

ان کلمات کو سن کر لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں اور لوگ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے(۲)۔

راہ خدا کا نیا مہمان

مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ اسی موقع پر شیخ امجد علی غازی پوری، جو زخمی تھے، پہنچے، یہ وہی نوجوان ہیں، جن کو ان کے والد شیخ فرزند علی رئیس غازی پور نے اسمٰعیلؑ ذبیح کی طرح اللہ کے راستے میں قربانی کے لیے پیش کیا تھا۔

روانگی کی تیاری

آپ نے ہجرت کی تیاری شروع کی اور لشکر کے غازیوں کو جماعت جماعت اور بہیلے بہیلے کہلا بھیجا کہ جو اسباب ضرورت سے زائد ہو، اس کو جلد دو چار روز کے اندر اندر بیچ ڈالیں، یا کسی کو للہ فی اللہ حوالے کر دیں اور سفر کی تیاری کریں اور کئی ملکی موضع کنگلئی وغیرہ کی طرف راستہ صاف کرنے کے لیے روانہ کیے۔

جب سفر کا سامان درست ہو گیا، تو ایک روز آپ نے پنجتار سے کوچ فرمایا(۳) جو مکان غازیوں نے چھاٹے بنائے تھے، وہ سب بدستور چھوڑ دیے، بعضوں نے ارادہ بھی کیا کہ ان کو جلا دیں، آپ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ اس کے جلانے بگاڑنے سے کیا فائدہ؟ اگر یہ گھر بنے رہیں گے، تو مسلمانوں کے کام آئیں گے وہ اس میں آرام پائیں گے اور تم کو ثواب ہوگا، پھر کسی نے ان کو ہاتھ نہ لگایا۔

---

(۱) منظورۃ السعداء: اس تقریر کو سن کر بھی رفقاء ساتھ ہی رہے اور کسی نے واپس جانا گوارا نہ کیا۔

(۲) منظورۃ السعداء ص ۱۰۵۴ (۳) یہ ماہ رجب ۱۲۴۶ھ کا کوئی دن تھا

جاں بلب نواسے سے ملاقات

سید موسیٰ (بن سید احمد علی شہید) جو مایار کی جنگ میں سخت زخمی ہوئے تھے، موضع دکھاڑا میں تھے، شیخ علی اپنے بھائیوں کے ساتھ ان کی خدمت اور تیمارداری میں تھے، ان کو اطلاع بھیجی گئی کہ کن گلئی میں آ کر ملیں، شیخ صاحب آپ کے پہنچنے سے ایک روز پیشتر سید موسیٰ کو لے کر کن گلئی میں آ گئے تھے، ان کی حالت نازک تھی اور تکلیف بہت تھی، شدت سے سید صاحبؒ کے منتظر تھے اور بار بار پوچھتے تھے کہ کب تشریف لائیں گے، سید صاحبؒ کن گلئی تشریف لائے تو سید موسیٰ کو دیکھنے آئے اور ان کی خاطر ایک روز وہاں قیام فرمایا۔

اگلی منزلیں

کن گلئی سے کوچ کے وقت اپنے اہل وعیال کو لانے کے لیے قاصد کو آپ نے منگل تھانہ روانہ کیا، اسی منزل میں وہ بھی آ کر شریک قافلہ ہوئے۔

اگلی منزل نگری میں ہوئی، وہاں سے چل کر برڈھیری منزل ہوئی، وہیں سید موسیٰ کی وفات کی خبر سنی، یہیں شیخ بلند بخت دیوبندی اور حافظ مصطفیٰ کاندھلوی شریک لشکر اسلام ہوئے (۱)۔

اسلامی معاشرت کا ایک نمونہ

ایک روز لشکر کے سب لوگ چلے جاتے تھے، اس اثناء میں ارباب بہرام خاں کی بیوی اور بیٹی گھوڑی پر سوار آئیں، سب غازی منہ پھیر کر کھڑے ہو گئے، ارباب نے کہا کہ بھائیوں میری کیا حقیقت اور کون سی عزت ہے؟ صحابہ کرامؓ کی بیویاں لشکر مجاہدین میں رہی ہیں، یہ پاؤں میں پیتابہ اور ہاتھ میں دستانہ پہنے اور سر تک کپڑا اوڑھے ہیں، اسی کا نام پردہ ہے اور یہ تم بھائی جانتے ہو کہ ان میں ایک بہرام خاں کی بیوی اور ایک بیٹی ہے، اس میں کون سی شرم وحقارت کی بات ہے؟

---

(۱) منظورہ: ص ۱۰۶۳، ۱۰۶۴

زود پشیمان

شاہزاد خاں، جو باغیوں اور مفسدوں کا سر گروہ تھا، سید صاحبؒ کی ہجرت کا شہرہ سن کر پریشان ہوا کہ آپ بڑے صاحب ارادہ اور اولوالعزم ہیں، ایسا نہ ہو کہ یہاں سے جا کر کسی ملک میں اقتدار حاصل کر لیں اور پھر ہم سے اپنے غازیوں کا بدلہ لیں، وہ بہت سے ملکیوں اور خانوں کو ساتھ لے کر موضع بر ڈھیری میں حاضر ہوا اور اپنے آنے کی اطلاع کی، آپ مجاہدین کے ساتھ اس کے لینے کو گئے اور اپنے ڈیرے پر لائے، بڑی عزت و توقیر سے اس کو اپنے پاس بٹھایا اور خیر و عافیت پوچھی، آپ نے اس سے مجاہدین کے خلاف فوج کشی کی شکایت کی، اس نے کہا: ''آپ بجا فرماتے ہیں، مگر میں کیا کروں؟ مجھ کو سمہ والوں نے جھوٹ سچ باتیں کر کے بہکایا کہ سید بادشاہ ہم لوگوں پر ناحق زور و زیادتی کرتے ہیں اور نئے نئے احکام جاری کرتے ہیں اور ادنیٰ ادنیٰ قصور پر ہم کو بے عزت کرتے ہیں۔''

آپ نے فرمایا: ''خان بھائی، بڑے حیف کی بات ہے کہ ان مفسدوں کے بہکانے سے تم نے ہزاروں لے کر ہم پر چڑھائی کی اور یہ نہ کیا کہ اپنے دو چار معتبر عالموں کو بھیجتے اور اس کی تحقیق کرتے کہ وہ کون سے نئے نئے احکام اور کون سے زور زیادتی کے احکام ہیں، اگر وہ واقعی خلاف شرع ہوتے، تو وہ قرآن و حدیث سے ہم کو سمجھا کر الزام دیتے اور ہم سے توبہ کرواتے اور اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے موافق ہوتے، تو ان کو الزام دیتے اور ان سے توبہ کرواتے۔

شاہزاد خاں نے کہا: ''آپ حق فرماتے ہیں اور بے شک میں خطاوار ہوں، آپ میری خطا معاف فرمائیں اور بغاوت کا حکم مجھ پر نہ لگائیں'' سید صاحبؒ نے فرمایا: تم نے ہماری کوئی خطا نہیں کی جو کچھ خطا کی، اپنے خدا کی کی، یہ ہمارے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتی، وہ پروردگار تم کو چاہے معاف کرے، چاہے پکڑے، اگر تم سچے دل سے توبہ کرتے ہو اور اس قادر مطلق کی پکڑ سے ڈرتے ہو، تو امید قوی ہے کہ وہ غفور رحیم بے نیاز تم کو معاف کر دے اور جو فقط ہمارے راضی کرنے کو زبانی توبہ کرتے ہو، تو تم جانو، ہم سے کچھ مطلب نہیں''۔

یہ سن کر وہ رونے لگا اور کہا کہ ہم کو تو سمہ والوں نے دین و دنیا دونوں سے کھویا، اب میرا کہیں ٹھکانا نہیں، آپ نے فرمایا کہ اس کا علاج یہی ہے کہ اپنے پروردگار کے سامنے گریہ وزاری کرو اور اس کے غضب سے ڈرو، وہ پروردگار تم پر رحم کرے گا، اور جو تم یہ کہتے ہو کہ مجھ کو باغیوں میں شمار نہ کیجیے؛ تو یہ بات ہم نے قبول کی، تم ہمارے فرماں برداروں میں ہو، باغیوں مین نہیں، اب ہم یہاں سے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے کوئی ملک ہم کو عنایت کرے گا، تو ان شاء اللہ تعالیٰ جیسے اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ سلوک کریں گے ویسے ہی تمھارے ساتھ بھی سلوک کریں گے، اب ہماری طرف سے تم پر یہ حکم ہے کہ اگر ہمارے ہندوستان سے کوئی قافلہ آئے تو حتی المقدور ان کے ساتھ سلوک کرنا اور کسی طرح ان کو تکلیف نہ دینا اور اگر تم سے ہو سکے، تو ان کو بحفاظت تمام ہمارے پاس پہنچا دینا، اللہ تعالیٰ تم کو جزاء خیر دے گا۔

سردار فتح خاں کو بھی (جو ابھی تک آپ کے ہمراہ تھا) بڑا اچھتاوا ہوا کہ سید صاحبؒ کے پنجتار میں رہنے کی وجہ سے تمام ملک سمہ کے خوانین پر میرا بڑا رعب تھا اور سب خوانین مجھ سے دبتے تھے، آپ وہاں سے چلے آئے، اب میں سب کی نظروں میں خفیف ہو جاؤں گا اور میرا سارا رعب جاتا رہے گا، وہ شاہزاد خاں کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تم چل کر میری طرف سے عذر معذرت کر کے سید صاحبؒ کو یہاں سے پھیر لے چلو، اب میری تو جرأت نہیں پڑتی کہ میں ان سے اس معاملے میں کچھ کہوں، کیونکہ پہلے پنجتار میں سید بادشاہ نے مجھے ہر طرح سے سمجھایا کہ تم مجھ کو یہاں رہنے کی اجازت دو تو میں یہاں رہوں، مگر اس وقت میں نے اپنی بیوقوفی سے اس بات کا اقرار نہیں کیا، شاہزاد خاں سید صاحبؒ کے پاس آیا اور بہت کچھ عذر و معذرت کر کے آپ سے عرض کی کہ آپ یہاں سے پنجتار تشریف لے چلیں، ہم سب اپنی جان و مال سے آپ کی اطاعت و خدمت کریں گے، جس طرح آپ ہم لوگوں پر حکومت کرتے تھے، اسی طرح کریں اور جو احکام شریعت ہم پر جاری کریں وہ سب ہمیں منظور ہیں، اب کسی طرح کا انکار نہ ہوگا۔

آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، اب تم ہم سے اس معاملے میں گفتگو نہ کرو، اس کا

وقت نکل گیا اتنے برس ہم یہاں رہے اور تم لوگوں کو طرح طرح کے وعظ و نصیحت سے سمجھایا اور تم لوگوں کے درمیان جو پٹنہ داری (۱) تھی اس کو دفع کر کے سب کو ملایا، اسی نیت سے کہ کچھ خدا کا کام نکلے اور جس مطلب کے لیے ہم ہندوستان سے یہاں آئے، وہ مطلب پورا ہو، لیکن آج تک تم لوگوں سے سوائے حیلہ سازی و دغا بازی کے ہم نے کچھ نہ دیکھا اور نہ ہماری طرف سے تم لوگوں کا دل صاف ہوا، پھر اب یہاں رہنے کی کون سی صورت ہے، اور ہدایت و اتفاق کی تم لوگوں سے کیا امید ہے؟ اب ہماری یہ نیت ہے کہ وہاں چل کر ٹھہریں جہاں کچھ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کام نکلے۔

با دشمناں مدارا

اس کے بعد آپ نے اپنے آدمیوں سے فرمایا کہ سلو خاں ہمارے واسطے جو پچھیرا لایا ہے، اسے لاؤ، تو شاہزاد خاں کو دے کر رخصت کریں، ان کو یہ بات ناگوار ہوئی اور آہستہ سے حضرت سے عرض کی کہ یہ شخص تو بڑا مفسد اور آپ کا دشمن ہے، یہ اس لائق نہیں ہے کہ وہ عمدہ پچھیرا آپ اس کو دیں، آپ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو، مگر اس کو ایسا سمجھو کہ جیسے کوئی کٹکھنے کتے کے آگے اس کے شر سے بچنے کے لیے لقمہ ڈال دیتا ہے۔

---

(۱) خاندانی جنبہ داری اور عصبیت

اڑتیسواں باب

بر ڈھیری سے راج دواری تک

مجاہدین کی تر و تازگی اور نشاط

بر ڈھیری سے روانگی سے ایک روز پہلے آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ بھائیو، کل سویرے کوچ ہوگا، ہوشیار ہو رہو اور جن صاحبوں کو کچھ کار ضروری ہو، اس سے فراغت کر لیں، اس کے بعد اسی مجلس میں آپ نے بہت دیر تک ہجرت و جہاد کے فضائل اور مجاہدین و شہداء کے بلند مراتب کا بیان کیا، یہ وعظ سن کر حاضرین کے قلوب از سر نو تر و تازہ ہو گئے اور وہ سفر کی تکلیفوں کو بھول گئے، جیسے مرجھائی ہوئی کھیتی پانی دینے سے لہلہا اٹھے۔

یہاں سادات تختہ بند و نواگئی وغیرہ اور علماء و خوانین کو، جو پنجتار سے ساتھ آئے تھے، رخصت فرمایا، فتح خاں اور قابل آخوندزادہ ساتھ رہے(۱)۔

اگلے روز نماز فجر کے بعد آپ نے لشکر سمیت کوچ فرمایا، چار کوس پر ایک ندی برندو ملی، نماز ظہر کے بعد اتر کر اس کے کنارے ڈیرہ کیا، وہاں سے پیواڑ پہاڑ کی چڑھائی شروع ہوتی تھی۔

راستے کی دشوار گزاری

پہاڑ کی چڑھائی بڑی سخت تھی، پتھروں پر سنبھال سنبھال کر اور پاؤں جما جما کر

(۱) منظورہ ص ۱۰۸۹

چڑھنا پڑتا تھا، تمام دن لشکر پہاڑ پر چڑھتا رہا، ایک جگہ ایک اونٹ پھسل کر نیچے گر پڑا اور ایک جگہ ایک گھوڑا، دونوں کو لوگوں نے اتر کر ذبح کیا اور ٹکڑے کر کے اوپر اٹھا لائے، پہاڑ عبور کر کے موضع کرنا میں قیام ہوا، فتح خاں یہاں سے رخصت ہوا۔

موضع کابل گرام میں دریائے سندھ سے اتر کر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھڑوں کے چھتے سے سلامت نکالا، شکرانہ کی دو رکعت نفل پڑھ لیں، پھر وضو کر کے آپ نے دوگانہ ادا کیا، پھر آپ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائیو، اب اس وقت ہم تم سے کہتے ہیں کہ سمہ میں جو کچھ بلوا و کشت و خون ہوا، یہ سب فتح خاں کی شرارت تھی، اور جو میں نے اس کو خلیفہ کیا اور خلافت نامہ دیا، تو صرف مصلحت وقت جان کر، ورنہ وہ اس قابل نہ تھا اور درانیوں نے ہم سے مل کر پھر ہم سے دغا کی، مگر دوست محمد خاں بہت اچھا رہا، اس نے نہ بہت دوستی کی اور نہ دشمنی، اس کی طرف سے ہم کو کوئی شکایت نہیں، اور بلوے کے بعد جو ہمارے بعض غازی بھائی کہتے تھے کہ ہم کو اجازت دیجیے، تو ہم ان سے اپنے بھائیوں کا بدلہ لیں ہم نے ان کو منع کیا اور اس کا سبب یہ تھا کہ ہم نے وہ تمام معاملہ اپنے پروردگار کے سپرد کر دیا تھا، وہی خوب ان سے ہمارے بھائیوں کا بدلہ لے گا، ہم لوگ تو اپنے گھر سے یہ نیت کر کے نکلے ہیں کہ اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی میں صرف کریں گے، باغیوں کے ہاتھ سے مارے گئے یا کافروں کے ہاتھ سے ہمارا مطلب دونوں صورت میں حاصل ہے۔

اللہ کا شکر

پہاڑ کے دامن میں آپ کے حکم سے مجاہدین نے الاؤ جلایا، سردی بہت تھی، نماز مغرب کے بعد آپ بھی اس الاؤ پر تشریف لائے اور کھڑے کھڑے ہاتھ پیر سینکنے لگے، اور ارباب بہرام خاں کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ خان بھائی، الحمد للہ! پروردگار کی ہم لوگوں پر کیا عنایت ہے! اگر ہم کسی، امیر یا بادشاہ کے نوکر ہوتے اور وہ ہم کو اپنی کسی مہم پر ایسے کوہستان میں بھیجتا، تو طمع دنیا سے بالضرور جانا پڑتا اور سفر کی مصیبت اٹھانی پڑتی اور انجام اس کے سوائے مشقت کے اور کچھ نہ تھا، آج ہم لوگ نہ کسی کے نوکر نہ چاکر، صرف اپنے پروردگار

کی رضامندی کو ایسے سخت راستے میں آئے ہیں، اور جہاں پروردگار لے جائے گا، وہاں جائیں گے اور تمام صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین جو درجات عالیات کو پہنچے، سوایسی ہی محنت ومشقت راہ خدا میں اٹھا کر پہنچے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بھی ان صاحبوں کی اتباع نصیب کرے اور ہم سے راضی ہو! اسی طرح اور بہت سی باتیں آپ نے فرمائیں، اکثر لوگ رقت سے آبدیدہ تھے اور سب پر ایک کیفیت طاری تھی۔

موضع راج دواری میں قیام

موضع تاکوٹ میں، جو ناصر خاں کی حکومت کا علاقہ تھا، آٹھ نو روز رہنے کا اتفاق ہوا، کیونکہ برف پڑنے کا موسم قریب تھا، ناصر خاں نے ضلع کے ممتاز لوگوں سے مشورہ کر کے تجویز کیا کہ اس عرصے میں موضع راج دواری میں قیام کیا جائے کیونکہ وہ بستی مرکزی جگہ پر تھی، کئی پن چکیاں بھی تھیں اور ایندھن پانی کی بھی بہت افراط تھی، وہاں کی رعایا کو اور بستیوں میں گھر بتادیے گئے تھے اور راج دواری کو مجاہدین کے لیے خالی کر دیا گیا، آپ وہاں مع لشکر مقیم ہوئے، ایک مکان جو مسجد کے قریب تھا، آپ کے قیام کے لیے تجویز ہوا، یہ شعبان کا مہینہ اور ۱۲۴۶ھ تھا۔

دو سرداروں کی مصالحت

ایک روز حبیب اللہ خاں (۱)، جو سعادت خاں کا بیٹا تھا، راج دواری میں آپ سے ملنے آیا، اس کی گڑھی بالا کوٹ اور مظفر آباد کے درمیان واقع تھی، سکھوں نے وہ گڑھی چھین لی تھی اور خان ممدوح وہاں سے جلاوطن تھا، حبیب اللہ خاں کے باپ نے ناصر خاں کے کسی عزیز کو مار ڈالا تھا، اس سبب سے ان دونوں کے درمیان پتنہ داری تھی، ناصر خاں نے سید صاحبؒ سے اپنی پتنہ داری کا شکوہ کیا اور کہا کہ مجھ سے اور حبیب اللہ خاں سے عداوت ہے، آپ نے ناصر خاں کو سمجھایا اور فرمایا کہ خان بھائی، ہم یہاں جہاد فی سبیل اللہ کے انتظام کے واسطے آئے ہیں، ہماری یہ نیت ہے کہ سب مسلمان بھائیوں کو جس صورت سے ہو سکے متفق کر

---

(۱) مشہور گڑھی حبیب اللہ اسی کی طرف منسوب ہے۔

کے سکھوں سے جہاد کریں اور تم اپنی نا اتفاقی کا گلہ کرتے ہو! تم کو چاہیے کہ آپس کی عداوت کو دور کرو اور للہ فی اللہ حبیب اللہ خاں سے مل جاؤ کہ کچھ دین کا کام نکلے، ناصر خاں نے جواب دیا کہ میں تو آپ کا فرماں بردار خادم ہوں، جو کچھ مجھ کو ارشاد ہوگا، بلا انکار بجالاؤں گا۔

پھر آپ نے حبیب اللہ خاں کو تنہائی میں سمجھایا اور ملنے پر راضی کیا اور نماز عصر کے بعد دونوں صاحبوں کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور دونوں کو ہاتھ پکڑ کر ملایا، دونوں اٹھ کر کشادہ پیشانی کے ساتھ بغلگیر ہوئے، یہ دنوں سردار اس ملک کے بڑے نامی رکن تھے، باقی جو چھوٹے چھوٹے رئیس تھے، وہ ان کے حکم پر تھے۔

لشکر کے کھانے کا انتظام

سید صاحبؒ نے ناصر خاں اور حبیب اللہ خاں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ دونوں کے درمیان کی عداوت اور خصومیت دور فرمائی، اب کوئی ایسی راہ نکالیے کہ کچھ جہاد کا کاروبار شروع ہو، دوسری بات یہ ہے کہ ہم لوگ ابھی اس ملک میں نووارد ہیں، یہاں چال ڈھال اور گاؤں بستی سے واقف نہیں ہیں اور کھانے کی تدبیر کرنی بھی ضروری ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ نقد روپیہ تو ہم سے لیجیے اور بازار کے نرخ کے موافق اپنی کوشش اور انتظام سے غلہ بھجوادیا کیجیے اور جتنے آدمیوں کی ضرورت ہو، وہ ہم سے لے لیا کیجیے، انھوں نے اس کو منظور کیا آپ نے دعاء خیر کر کے مجلس برخاست کی، اس دن سے انھیں دونوں صاحبوں کی معرفت لشکر کے خرچ کے لیے اس نواح کی بستیوں سے غلہ آنے لگا۔

سمہ کا عبرتناک انجام

راج دواری میں موضع ٹوپی کے آخوند بہاء الدین نے وطن سے آکر بیان کیا کہ آپ کے تشریف لانے کے بعد ملک سمہ والوں کی بڑی بڑی خرابیاں و بے عزتیاں ہوئیں، جب آپ نے پنجتار سے کوچ کیا اور اس طرف کو روانہ ہوئے، اس کے کئی روز کے بعد ہری سنگھ بیس پچیس ہزار فوج کے ساتھ دریائے سندھ اتر کر سمہ میں آیا اور جن بستیوں کے لوگوں نے آپ کے

ساتھ بغاوت کر کے غازیوں کو قتل کیا تھا، ان سب کو بلا کر یہ سوال کیا کہ تم سب خالصہ رنجیت سنگھ کی رعیت تھے اور ہمیشہ سے تم خالصہ کو تحفے تحائف دیا کرتے تھے، کئی برس سے خلیفہ صاحب یہاں آکر تم پر حاکم، اور تم ان کی رعیت ہوئے اور ان کو تم سب نے اپنا امام بنایا، پھر ان سے بغاوت کر کے ان کے غازیوں کو قتل کیا اور ان کے ہتھیار لوٹ کر اپنے گھر میں رکھ لیے، خلیفہ صاحب یہاں سے کوچ کر گئے، اب پھر تم سب خالصہ کی رعیت ہو، بدستور سابق جو سالیانہ تم دیا کرتے تھے وہ دیا کرو اور جو خلیفہ صاحب کے غازیوں کے ہتھیار وغیرہ تم نے لے لیے ہیں وہ ہم کو دے دو، ان کا مالک خالصہ ہے، وہ تم کو ہضم نہ ہوں گے۔

اس کے جواب میں ان لوگوں نے عذر وحیلہ کیا کہ ہمارے پاس ان کا کچھ مال و اسباب نہیں ہے، اس میں گفتگو بڑھ گئی، ہری سنگھ نے اپنے لشکر کو اشارہ کیا کہ ان کے گھر بار لوٹ لو، انھوں نے ان کا مال واسباب گھروں میں گھس کر لوٹا اور اکثر آدمیوں کی بیویوں اور بیٹیوں کو بھی پکڑ لیا اور ہری سنگھ کے پاس لے گئے، کچھ لوگوں نے اس سے جا کر کہا کہ ہم سید بادشاہ کے باغیوں میں نہیں ہیں اور نہ ان کے غازیوں کو ہم نے لوٹا مارا ہے، ہمارا مال واسباب تمھارے سپاہیوں نے کیوں لوٹا اور ہماری عورتوں کو کیوں یہ لوگ پکڑ لائے؟ ہری سنگھ نے اس بات کو لوگوں سے تحقیق کر کے مال واسباب واپس کر دیا اور ان کی عورتیں بھی ان کے حوالے کیں اور باقی کو اپنے ساتھ لے کر مع لشکر دریائے سندھ اتر کر چلا گیا (۱)۔

اہل سمہ کو جواب

مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں:

"سمہ کے کچھ لوگ بھاگ کر آپ کے پاس آئے اور راستے میں ملے اور واپس چلنے کے لیے سخت اصرار کیا، آپ نے قبول نہیں فرمایا کہ لا یلدغ المومن من جحر مرتین (مومن سانپ کے سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا) وہ لوگ آپ کے ساتھ ساتھ رہے اور

(۱) محمد امیر خاں قصوری نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے سمہ کی متعدد عورتوں کو لاہور کے بازار میں طوائف کی حیثیت سے دیکھا ہے۔

ان کا اصرار بڑھتا رہا، موضع راج دواری میں پہنچ کر آپ نے ان سے اتنا فرمایا: ''جاؤ اور اپنے جلے ہوئے مکانات کو درست کرو۔''(۱)

صاحبزادی کا تولد

ماہ شعبان ۱۲۴۶ھ کی تیسری شب کو آپ کے یہاں صاحبزادی کی ولادت ہوئی، آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم پنجتار سے ہجرت کر کے آئے ہیں، اس سبب سے ہم نے نام اس کا ہاجرہ رکھا، میاں جی چشتی نے آپ کے حکم سے جا کر ان کے کان میں اذان کہی اور ساتویں روز عقیقہ ہوا۔

دروں کا انتظام

ایک روز آپ نے ناصر خاں وحبیب اللہ خاں وغیرہ خوانین سے، جو وہاں موجود تھے، فرمایا کہ بھائیو ہم لوگ پنجتار سے جہاد کے انتظام کے لیے تم صاحبوں کے بلانے پر یہاں آئے ہیں، اتنے دن تم صاحبوں کی ضیافتیں اور مہمانیاں کھالیں، اب کوئی ایسی راہ نکالو کہ کچھ کام جہاد کا جاری ہو، بیکار بیٹھے بیٹھے طبیعت گھبراتی ہے۔

ان صاحبوں نے دروں کے خوانین کا جرگہ کیا اور مشورہ کیا کہ سکھوں کی تحصیل کے دن قریب ہیں، ان کے آنے سے پہلے اگر دو تین دروں کے دہانے پر تھوڑا تھوڑا لشکر متعین کر دیا جائے، تو دروں کے اندر کی رعایا قابو میں آجائے۔ ان سے سکھ ظلم وتعدی کر کے دو چند، سہ چند حاصل لیتے ہیں، اگر سید بادشاہ کے لوگ ان کو قابو میں لا کر ان پر عشر مقرر کریں گے، تو ان پر گرانی نہ ہوگی اور وہ سید بادشاہ کی اطاعت اور اعانت منظور کریں گے، پھر جب ادھر سے سکھوں کا لشکر آئے گا، اس وقت ان شاء اللہ اس نواح کے ہم سب مسلمان سید بادشاہ کے شریک ہو کر ان سے نبٹ لیں گے۔

سید صاحبؒ یہ سن کر فرمایا کہ عشر کا انتظام تمھارے ہی ذمے ہے، ایسا کرنا کہ رعایا پر

---

(۱) منظورہ ص ۱۰۹۴

کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے کہ ان کو ہم لوگوں کی حکومت ناگوار گزرے، اس بات سے ہم راضی نہیں ہیں۔

دوسرے یا تیسرے روز آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی امارت اور مولوی خیر الدین صاحب شیر کوٹی کی ہمراہی میں دروں کو روکنے کے لیے لشکر بھیج دیا اور تھوڑا سا لشکر راج دواری میں اپنے پاس رکھا، مولانا نے پچاس ساٹھ آدمی اپنے پاس رکھ کر باقی لشکر پر مولوی خیر الدین صاحب کو امیر کر کے بھوگڑ منگ کی طرف روانہ کر دیا اور آپ موضع سچون میں داخل ہوئے۔

بیعت صفہ

راج دواری میں اکثر غازیوں نے آپ کے ہاتھ پر اصحاب صفہ کی بیعت کی، اس بیعت میں عہد و پیمان یہ تھا کہ اپنی چھوٹی بڑی سب حاجتوں کو سوائے خدا کے کسی سے نہ طلب کریں گے اور جو بات اپنے حق میں معیوب و مکروہ جانیں گے، وہ اور کسی مسلمان بھائی کو نہ کہیں گے اور اپنی ضرورت پر مسلمان بھائی کی ضرورت کو مقدم رکھیں گے اور جو چیز اپنے نفس کے لیے پسند کریں گے، وہی اور مسلمانوں کے واسطے بھی پسند کریں گے اور جو کام کریں گے، وہ پروردگار کی رضامندی کے واسطے کریں گے، اپنے نفس کی خواہش کا کام نہ کریں گے۔

میاں خدا بخش رامپوری کہتے ہیں کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ہمراہ جانے کو میرا نام بھی لکھا گیا تھا، میرے چھوٹے بھائی الٰہی بخش نے مجھ سے کہا کہ بھائی، زندگی و موت خدا کے اختیار میں ہے، اب تم حضرت امیر المومنین سے جدا ہو گے، پھر دیکھا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کب ملائے، سو جیسے اور بھائیوں نے اصحاب صفہ کی بیعت کی ہے، تم بھی کر لو، میں نے کہا کہ ہاں تم اچھی بات کہتے ہو، مگر میرے نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ میں اس بیعت کا حال ابھی تک نہیں سمجھا ہوں، اور سمجھ بوجھ کر کام کرنا اچھا ہوتا ہے، اگر کوئی بھائی مجھ کو سمجھا دیں، تو پھر میں بھی کر لوں، انھوں نے کہا کہ اس وقت تک تو اس کا حال معلوم کرنا ممکن نہیں، اس وقت بیعت کر لو، پھر کبھی کسی صاحب سے پوچھ کر دلجمعی کر لینا، کیونکہ یہ تو جانتے ہی ہو کہ یہ بات کچھ تو بہتر ہے، جو سید صاحبؒ کے خاص لوگوں نے بیعت کی ہے۔

یہ بات میرے خیال میں بھی آ گئی، میں نے آپ کی خدمت میں جا کر عرض کی کہ آپ نے مجھ کو مولانا صاحب کے ہمراہیوں میں لکھوایا ہے، اب دیکھیے، کب اللہ تعالیٰ آپ کے دیدار سے مشرف کرے، اس وقت میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ اصحاب صفہ کی بیعت میں تبرکاً میں بھی شریک ہوں، اگر چہ میں اس کا حال سے بخوبی واقف نہیں ہوں اور نہ اپنے میں اس قدر حوصلہ و جرأت دیکھتا ہوں کہ اس بار گراں کو اٹھاؤں، مگر تائید الٰہی کے ساتھ میری مثال اس امر میں ایسی ہے، جیسے حضرت یوسف علی نبینا علیہ السلام کی خریداری کو ایک بڑھیا سوت کی انٹی لے کر گئی تھی، لوگوں نے اس سے کہا کہ بڑے بڑے خریدار لاکھوں روپیہ دینے کو موجود ہیں، تجھ کو وہاں کون پوچھے گا؟ اس نے کہا کہ یہ بات میں بھی جانتی ہوں کہ میں وہاں کس گنتی میں ہوں، لیکن خریداروں میں تو شمار ہوں گی، سو حضرت، آپ میرے واسطے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس بیعت پر تادم مرگ ثابت قدم رکھے۔

حضرت نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو، میرا بھی یہی حال ہے کہ مجھ کو اپنے نفس پر اعتماد نہیں، مگر پروردگار کی تائید کے ساتھ، تم میرے واسطے بھی دعا کرو کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ ثابت رکھے، پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ سے بیعت لی اور دعا کر کے مجھ کو رخصت کیا۔

انتالیسواں باب

لشکر مجاہدین
بالاکوٹ، پکھلی اور مظفر آباد میں

بالاکوٹ کا انتخاب

اس زمانے میں پکھلی اور وادئی کاغان کے رؤساء اور اہل علاقہ کی امارت و ریاست کچھ تو سکھوں کے حملوں اور تعدیوں سے، اور کچھ آپس کی ناچاقیوں اور خانہ جنگیوں سے تزلزل میں تھی، بعض اہل ریاست اپنی ریاستوں سے جلاوطن اور معزول تھے، سلطان نجف خاں اپنے چچیرے بھائی سلطان زبردست خاں کو سکھوں کی حمایت سے گڑھی مظفر آباد سے شہر بدر کر کے گڑھی پر قابض تھا، اسی نام کا ایک دوسرا سردار سلطان نجف خاں گھوڑی والا اپنے مرکز و ریاست سے جلاوطن کوہ درابہ میں مقیم تھا، راجہ مظفر خاں اپنے بھائی راجہ منصور خاں والی ملک درابہ کے خوف سے بھاگا ہوا تھا، حبیب اللہ خاں (گڑھی حبیب اللہ) سکھوں کے خوف سے اپنی گڑھی چھوڑ کر بالاکوٹ کے درے میں پناہ گزیں تھا، یہ سب سید صاحبؒ کی اعانت کے طالب تھے، کشمیر جانے والے راستے میں ان خوانین اور سرداروں کی ریاستیں اور علاقے پڑتے تھے، ان کے ساتھ دینے اور مطمئن ہونے سے کشمیر کا راستہ بھی محفوظ ہو جاتا تھا اور کشمیر

پر قبضہ کرنا بھی آسان ہو جاتا تھا۔

ان سب کو مدد دینے اور ان کی حمایت اور فوجی قوت حاصل کرنے اور کشمیر کی طرف بڑھنے کی تیاری کرنے کے لیے سب سے موزوں مقام بالاکوٹ تھا، اس لیے آپ نے مولوی خیر الدین صاحب اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو بالاکوٹ بھیجنے کی تجویز کی۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اس کا اندازہ تھا، اس لیے انھوں نے مولوی خیر الدین صاحب کو لکھا کہ آپ اپنے لوگوں کے ساتھ تیار رہئے اغلب ہے کہ دو تین روز کے اندر آپ کے لیے امیر المومنین کی طرف سے بالاکوٹ جانے کا حکم آنے والا ہے، چنانچہ تیسرے ہی روز (۲۷/شعبان ۱۲۴۶ھ) کو مولانا کا حکم پہنچا کہ آپ لشکر کے ساتھ بالاکوٹ چلیے، آپ کے تین چار روز کے بعد ہم بھی آئیں گے۔

مولوی خیر الدین صاحب بالاکوٹ میں

بالاکوٹ پہنچنے کا حکم مولوی صاحب کے پاس دوپہر کو آیا تھا، اس رات کو برف پڑی تھی، لیکن مولوی صاحب نے اس بات کا کچھ خیال نہ کر کے اسی روز بھوگڑ منگ سے بالاکوٹ کی طرف کوچ کیا، اگرچہ بالاکوٹ وہاں سے تین ہی کوس کے قریب تھا، مگر برف کے پہاڑوں کے چڑھنے اترنے میں لوگوں کو بہت تکلیف ہوئی، چار گھڑی رات گئے فضل الٰہی سے صحیح سلامت بالاکوٹ میں داخل ہو گئے۔

مظفر آباد پر حملے کا مشورہ اور مولوی خیر الدین صاحب کا انکار

مولوی خیر الدین صاحب کے بالاکوٹ پہنچنے کے بعد ان سب رئیسوں نے جو اپنی ریاستوں سے بے دخل یا اپنے بھائیوں سے خائف اور برسر جنگ تھے، دریائے کنہار کے کنارے، جو بالاکوٹ کے نیچے بہتا ہے، آ کر مولوی خیر الدین صاحب کو پیغام دیا کہ ہم بالاکوٹ نہیں آ سکتے، اگر آپ دریا کے اس پار تکلیف فرمائیں، تو ہم آپ سے کچھ رازدارانہ بات کہیں، مولوی صاحب تشریف لے گئے، انھوں نے آپ کے آنے پر بڑی مسرت کا اظہار کیا

اور کہا کہ سلطان نجف خاں والی مظفر آباد شیر سنگھ کے ساتھ پشاور کی طرف گیا ہوا ہے، مظفر آباد خالی پڑا ہے سوائے ۸۰۰ آدمیوں کے جن کا دریا کے اوپر گڑھی میں تھانہ ہے، کوئی اور نہیں ہے، لشکر اسلام کے آنے کی خبر ہی سے وہ بھاگ جائیں گے، بالفرض اگر مقابلے کی نوبت بھی آئے گی، تو ہم کافی ہوں گے، غازیوں کا لشکر محض برکت کے لیے ہوگا، جس وقت مظفر آباد پر ہمارا قبضہ ہو جائے گا، ہم سب اپنی اپنی ریاستوں میں داخل و متصرف ہو جائیں گے، اس وقت امیر المومنین کو بھی بلا دغدغہ راج دواری سے بلا کر مظفر آباد میں بٹھا دیں گے، پھر کشمیر کو فتح کرنے کی طرف رخ کریں گے، جس وقت سلطان نجف خاں اور شیر سنگھ پشاور سے واپس آجائیں گے، اس وقت مظفر آباد کا فتح کرنا دشوار ہوگا۔

مولوی خیر الدین صاحب نے یہ بات سن کر فرمایا کہ ہم کو حضرت امیر المومنین نے اسی قدر حکم دیا ہے کہ ہم بالاکوٹ میں قیام کریں، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب پیچھے سے آتے ہیں، میں تو مولانا کا فرمانبردار ہوں، خود مختار نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین اس ملک میں تازہ وارد ہیں، یہاں کے امراء و خوانین کے حالات ابھی ان کو پورے طور سے معلوم نہیں، ان سے ملنے اور ان کے حالات دریافت کرنے کے بعد جیسا مناسب سمجھیں گے، عمل کریں گے، آپ لوگوں نے بھی ابھی تک جناب ممدوح کی نہ تو زیارت کی ہے اور نہ ہماری نیت اور مقاصد سے واقف ہیں، شاید آپ ہم کو بھی اپنی طرح جاہ و حشمت دنیا کا طالب سمجھتے ہیں، اس وقت آپ کے لیے مناسب یہی ہے کہ آپ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو جائیں اور اپنے حالات اور مقاصد کو آپ کے سامنے پیش کریں، اس کے بعد اپنی رفاقت کی درخواست کریں۔

ان روساء نے سید صاحبؒ کے پاس جانے کی مشکلات اور معاملے کی طوالت اور اپنے اہل و عیال کے غیر محفوظ رہ جانے کا عذر کیا، مولوی صاحب نے ہر بات کا معقول جواب دیا، یہ بھی فرمایا کہ ہمارے پاس اتنا لشکر بھی نہیں ہے کہ نصف ہم بالاکوٹ میں چھوڑیں اور نصف مظفر آباد میں انھوں نے کہا کہ ہمیں آپ کے غازیوں کی شرکت برائے نام چاہیے، مقابلہ تو ہم خود کریں گے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں اس خوش گمانی میں مبتلا نہیں ہو سکتا،

اگر آپ میں ایسی ہی ہمت اور جرأت ہوتی، تو آپ کیوں اپنے اپنے مقامات چھوڑنے پر مجبور ہوتے، ہم پانچ سال سے اسی طرح کے معاملات دیکھ رہے ہیں، ہمیں آپ کے ملک کا خوب تجربہ ہے، تین روز تک اسی طرح گفتگو رہی، لیکن مولوی صاحب مظفر آباد پر حملہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے (۱)۔

سکھوں کے زیر حکومت بستیوں کو لوٹنے سے احتراز

مولوی خیر الدین صاحب کے بالاکوٹ روانہ ہونے کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے موضع سچون سے کوچ کر کے بھوگڑ منگ میں قیام کیا، وہاں کئی قندھاریوں نے مولانا صاحب سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو، تو اس درے کے باہر ضلع پکھلی کی جو بستیاں سکھوں کی عمل داری میں ہیں، ان میں سے دو ایک لوٹ لائیں، مولانا صاحب نے فرمایا کہ ہاں، کفار کی بستیاں غازیوں کو لوٹنی درست تو ہیں، مگر اس میں ایک نکتہ ہے، وہ یہ ہے کہ ان بستیوں کی رعایا مسلمان ہے، وہ کفار کے غلبے کی وجہ سے ان کے محکوم ہو گئے ہیں، جب اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو غلبہ دے گا، تو وہ ان کے محکوم ہو جائیں گے، اگر آج ان کو لوٹو مارو گے، تو وہ لوگ اس کو سند بنالیں گے، کہ مسلمانوں کو مسلمانوں کا لوٹنا درست ہے، سید بادشاہ کے غازیوں نے ہماری بستیوں کو لوٹا تھا، پھر یہ بھی اپنے ملک میں لوٹ مار کیا کریں گے اور ان کی یہ عادت نہ چھوٹے گی، جیسے عرب کے بدوؤں میں اسلام کے باوجود لوٹ مار کی عادت جاری ہے اور کسی طرح نہیں چھوٹتی، بہتر یہ ہے کہ تم ایسا کام نہ کرو کہ اوروں کو دستاویز ہو جائے، قندھاری آپ کی یہ تقریر سن کر اپنے ارادے سے باز آ گئے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بالاکوٹ کو

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے بھوگڑ منگ سے روانہ ہو کر ایک گاؤں میں کچھ دیر توقف فرمایا وہاں لوگوں نے مشورہ دیا کہ اگر مزید توقف کیا گیا، تو برف ریزی کی شدت سے

---

(۱) منظورہ، ص ۱۱۱۶، ۱۱۱۷

بالاکوٹ کا راستہ بالکل مسدود ہو جائے گا اور ایک مہینے کے قریب انتظار کرنا پڑے گا، یہ سن کر مولانا نے کوچ کا فیصلہ فرمایا۔

ہمراہیوں کے ساتھ دوپہر کے قریب بھوگڑ منگ سے بالاکوٹ کی طرف روانہ ہوئے چلتے چلتے پہاڑ کی چڑھائی آئی وہاں کئی چشمے جاری تھے، ظہر کا وقت ہوا، سب نے وضو کر کے وہیں نماز پڑھی، پھر قطار باندھ کر پہاڑ پر چڑھنے لگے، تمام پہاڑ برف کے مارے سفید بلور سا نظر آتا تھا، سب کے آگے ناصر خاں چند گوجروں کے ساتھ چل رہے تھے، گوجر پیال کی چپل پاؤں میں پہنے برف پر چلتے تھے، ان کے چلنے سے برف پر نشان سا بنتا جاتا تھا، اسی نشان پر سب آگے پیچھے چل رہے تھے، اس عرصے میں ابر آ گیا اور برف برسنے لگی، عصر اخیر کو برف برسنی موقوف ہوئی اور آفتاب نظر آیا، اسی وقت لوگوں نے جلد جلد اسی برف سے وضو کر کے جس نے جہاں موقع پایا، وہاں نماز پڑھی، کسی نے اکیلے، کسی نے جماعت سے، کسی نے پہاڑ کی چوٹی پر مغرب کی نماز پڑھی، کسی نے درے میں، اسی وقت لوگوں نے رمضان المبارک کا چاند دیکھا۔

راستے کی دشوار گزاری اور مجاہدین کی جاں سپاری

وہاں سے پہاڑ کا اتار شروع ہوا، برف کی کثرت سے پہاڑ کا نشیب و فراز برابر ہو گیا تھا، راستے کا پتہ نشان نہیں معلوم ہوتا تھا، سب لوگ اٹکل سے چل رہے تھے اور جا بجا ایک دوسرے پر پھسل پھسل کر گرتے تھے، اس وقت تکلیف کے مارے لوگ اپنی زندگی سے تنگ تھے، جو دو چار بار پھسل کر گرا، اس میں چلنے کی طاقت نہ رہی، بار برداری کے جو چند خچر گولی بارود وغیرہ سے لدے ہوئے تھے وہ بھی لوگوں سے چھوٹ گئے، اس اثناء میں کئی آدمیوں نے پکار کر آواز دی کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گر گئے، یہ سن کر تمام لوگ مارے غم کے رونے لگے، دامن کوہ میں جا بجا چند گھر گوجروں کے تھے، ناصر خاں کے ساتھی گوجروں نے اپنی بولی میں گوجروں کو پکارا کہ جلد دوڑو غازی لوگ برف میں گر گئے، ان کو اٹھاؤ۔

اسی وقت وہ تمام گوجر اپنے اپنے گھر سے ایک ایک کلہاڑی اور چیڑ کی ایک ایک لکڑی مشعل کی طرح جلا کر دوڑے، ان میں سے ایک گوجر نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو

اپنی پشت پر چڑھالیا، مولانا صاحب نے اور گوجروں سے فرمایا کہ اوپر اور بہت غازی بھائی گرے پڑے ہیں، ان کو سنبھالو، انھوں نے جا کر ان کو اپنی پشت پر سوار کیا اور وہاں سے اتار کر اپنے گھروں میں لائے اور بہت غازی لوگ نہ آسکے، وہ اسی پہاڑ پر برف میں پڑے رہے، گوجروں نے ان کے نزدیک آگ جلائی تھی اور ان سے کہہ دیا تھا کہ خبر دار آگ کے نزدیک نہ جانا، دور ہی سے دیکھنا، جن کو اپنے گھروں میں لے گئے تھے، ان کے نزدیک بھی آگ جلا کر کہہ دیا کہ آگ کے پاس نہ جانا، نہیں تو ہلاک ہو جاؤ گے، پھر ان گوجروں نے غازیوں کو گرم گرم دودھ پلایا اور اسی وقت کئی بکرے ذبح کیے اور ان کا گوشت بھون کر دو دو تین تین تکے تقسیم کیے اور کہا کہ اس وقت تمھاری یہی دوا ہے۔

مولوی جعفر علی صاحب اپنی سرگزشت بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عصر کی نماز پہاڑ کے نیچے ادا کی، برف پتھروں کے اوپر سے بہ رہی تھی، شام کے قریب چڑھنے کی نوبت آئی، برف کی کثرت سے سارا پہاڑ اور درخت سپید تھے، اونچا نیچا کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا، رہبر آگے آگے چلتا تھا اور تمام لشکر اس کے پیچھے پیچھے، مغرب کی نماز کا وقت کسی کو پہاڑ کے اوپر، کسی کو کمر کوہ میں آ گیا، کسی نے اشارے سے نماز ادا کی، کسی اور طرح سے، لشکر قطار باندھے ہوئے چلا جا رہا تھا، ایک آگے، ایک پیچھے چل رہا تھا، جیسے تسبیح کے دانے ہوتے ہیں، آگے کا آدمی جس جگہ قدم رکھتا تھا، پیچھے والا اسی پر قدم رکھے ہوئے چلتا تھا، دائیں بائیں کسی طرف پاؤں نہیں رکھتا تھا کہ مبادا کوئی گڑھ ہو یا اندر سے زمین خالی ہو اور وہ اس میں غرق ہو جائے۔

جب پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اترنا ہوا، تو اور زیادہ دشواری محسوس ہوئی، کہیں کہیں تو ایسی نوبت آئی کہ سر نیچے پاؤں اوپر کر کے اترنا پڑا، ہاتھ پاؤں درد کرنے لگے اور ہاتھ پاؤں میں کثرت سے کانٹے چبھ گئے، لیکن سردی کی شدت کی وجہ سے تمام بدن ایسا سن ہو گیا تھا کہ کانٹوں کے چبھنے کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی، بدن کے بیرونی حصے میں سردی سے تکلیف محسوس ہوتی تھی اور سینے اور پیٹھ میں روئی کا لباس پہنے ہوئے ہونے کی وجہ سے پسینہ تھا، سانس پھولنے کی وجہ سے زبان سے بات نہیں نکلتی تھی، ہر شخص ہر سانس کو دم واپسیں سمجھتا تھا،

اس لیے گرتے وقت کلمہ توحید اور اللہ کا نام ورد زبان ہوتا تھا(۱)۔

جو لوگ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے پاس تھے، انھوں نے پوچھا کہ کل صبح کو پہلا روزہ ہے، ہمارے واسطے آپ کیا فرماتے ہیں؟ مولانا صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگ مسافر ہیں، مسافروں پر روزہ رکھنا فرض نہیں ہے، جہاں مقیم ہوں گے دیکھا جائے گا، صبح لوگوں نے وضو کر کے نماز پڑھی اور سب لوگ جا بجا سے آ کر مولانا صاحب کے پاس اکٹھے ہوئے، مولانا نے گوجروں سے فرمایا: جو غازی لوگ پہاڑ پر رہ گئے ہیں، ان کو بھی لاؤ، ہم آج مٹی کوٹ میں مقام کریں گے۔

اگلے روز کچھ دن چڑھے وہاں سے کوچ ہوا، پانچ چھ گھڑی دن چڑھے مع الخیر سب لوگ بالا کوٹ میں داخل ہو گئے اور مولوی خیر الدین صاحب ان کے ہمراہیوں سے ملے، اس روز شام کو مولانا صاحب نے اپنے سب ہمراہیوں سے کہہ دیا کہ جو جو بھائی بیمار و معذور نہ ہوں، وہ کل سے روزہ رکھیں، اب ہم یہاں مقیم ہیں، اگلے روز سے لوگوں نے روزے رکھنے شروع کیے، رمضان سب کو وہیں گزرا اور وہیں سب نے عید کی نماز پڑھی۔

سید صاحبؒ کا سچون میں قیام

سرداروں اور خوانین نے سید صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ اب عنایات الٰہی سے یہاں سے بالا کوٹ تک آپ کے مجاہدین کا عمل دخل ہو گیا ہے، پہاڑوں کی برف پگھل گئی اور سکھوں کے آنے کا موسم قریب آیا، یہی ان کی تحصیل کا موسم ہے، اب مناسب یہ ہے کہ آپ یہاں سے چل کر کچھ دن موضع سچون میں قیام کریں، کیونکہ سچون کے بعض بعض لوگ حسن علی خاں پر شبہ کرتے ہیں کہ وہ کہیں سکھوں سے مل نہ جائے، اگر وہ سکھوں سے کچھ خفیہ سازش رکھتا ہوگا، تو وہاں آپ کے رہنے سے دبا رہے گا اور سکھوں سے نہ ملے گا۔

سید صاحبؒ نے ان کے مشورے کو پسند فرمایا اور بیوی صاحبہ اور دوسرے غازیوں کی بیویوں کی خدمت اور دیکھ بھال کے لیے چند آدمی متعین کر دیے اور ساڑھے تین سو

(۱) منظورہ: ص ۱۱۲۰، ۱۱۲۲

غازیوں کے ساتھ پیچون روانہ ہوئے، ۲۴ رمضان المبارک ۱۲۴۶ھ کو پیچون میں تشریف فرما ہوئے۔

مظفر آباد کی طرف مہم کی روانگی

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب جب بالاکوٹ پہنچ گئے، تو پکھلی اور کاغان کے رؤساء سلطان زبردست خاں وغیرہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مظفر آباد پر فوج کشی کی تجویز دہرائی، مولانا نے ان کو زبان دے دی کہ ہمارے لشکر کا ایک حصہ بھی آپ کے ساتھ جائے گا، انھوں نے اس سے زیادہ کی درخواست کی، آپ نے انکار فرمایا کہ غازیوں کی جماعت برکت اور نام کے لیے چاہیے، جب آپ اس مجلس سے اٹھے تو فرمایا کہ سلطان زبردست خاں کی باتوں کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نفاق کے شائبے سے خالی نہیں، اس لیے اس کو لشکر کے بڑے حصے کی شرکت پر اصرار ہے۔

مولوی خیر الدین صاحب کو اس تجویز سے اختلاف تھا، انھوں نے کہا کہ آپ کا حکم ہے، تو لشکر جائے، لیکن مجھے جانے پر مجبور نہ فرمایا جائے، اس لیے کہ لشکر بے سروسامان ہے، اگر سلطان زبردست خاں کی خواہش ہے کہ لشکر جائے، تو سامان کی درستی کے لیے پانچ ہزار روپیہ دے، اگر آنجناب کا ارشاد ہے، تو تین ہزار، نہیں تو دو ہزار ضرور عنایت فرمایئے۔

مولانا نے فرمایا: ''اس وقت اتنی رقم کہاں ہے؟ زبردست خاں وعدہ کرتا ہے کہ مظفر آباد پہنچنے کے بعد سارا سامان مہیا کر دیا جائے گا'' مولوی صاحب نے کہا: یہ سب اس کی حیلہ سازی ہے، آپ اس لشکر کا کسی اور کو سردار بنادیں(۱)۔

آپ نے ملا قطب الدین خان ننگر ہاری، منصور خاں قندھاری اور منشی غوث محمد امازئی والے کو سردار کر کے تقریباً دو سو غازیوں (۲) کے ہمراہ، جن میں اکثر قندھاری تھے، سلطان زبردست خاں کی معیت میں مظفر آباد روانہ فرمایا۔

---

(۱) منظورہ: ص ۱۱۳۱، ۱۱۳۲

(۲) منظورہ میں تین سو تعداد بیان کی گئی ہے، منشی غوث محمد امان زئی کے بجائے منظورہ میں منشی محی الدین امان زئی کا نام ہے۔

جب سلطان زبردست خاں مع لشکر جاتے جاتے دریائے مظفرآباد پر پہنچا، سکھوں کو خبر ہوئی دریا کے گھاٹ پر دو کشتیاں تھیں، انھوں نے دونوں کشتیاں کھینچ کر اپنی گڑھی کے نیچے باندھ لیں اور آپ گڑھی میں گھس کر لڑائی کے لیے تیار ہوگئے دریا پر مقامی لوگوں نے ناڑہ (۱) باندھ دیا تھا، جس سے وہ دریا عبور کرتے تھے، ہندوستانیوں نے کہا کہ ہم کو ناڑہ سے دریا عبور کرنے کی مہارت نہیں، ہم اللہ نام لے کر دریا میں داخل ہوں گے، چنانچہ انھوں نے بسم اللہ کہہ کر دریا میں قدم رکھ دیے، وہ دریا کبھی پایاب نہیں ہوتا تھا، مگر قدرت الٰہی سے اس دن پایاب ہوگیا، تمام لشکر زانو زانو پانی تک اتر گیا، اور جا کر شہر مظفرآباد میں داخل ہوا، سکھ گولیاں چلاتے رہے، لیکن مجاہدین نے کوئی پروانہ کی، بازار اور سلطان مظفر خاں کے مکانات پر قبضہ کرلیا، سکھ گڑھی اور چھاؤنی پر قابض رہے۔

مولوی خیر الدین صاحب نے سید صاحبؒ کو اپنا عذر لکھ کر بھیج دیا تھا اور اپنا یہ خیال ظاہر کردیا تھا کہ خوانین صرف اپنی مطلب براری چاہتے ہیں، ہم اس ملک میں تازہ وارد ہیں، یہاں کے سلاطین اور خوانین کے خصائل سے واقف نہیں، ہم ان کی رفاقت نہیں کرسکتے۔

سید صاحبؒ نے مولوی صاحب کو لکھا کہ آپ کا عذر معقول اور بجا ہے، مولانا صاحب نے جلدی کی، مگر اب تو لشکر گیا، اب یہ دغدغہ ہے کہ بغیر کسی تجربہ کار سردار کے وہاں کا معاملہ بگڑ نہ جائے، اب آپ کا وہاں جانا ضروری ہے، اس جواب کے پہنچتے ہی آپ ادھر کو روانہ ہوجائیں۔

یہ جواب پاکر مولوی صاحب دس ہندوستانی غازی اپنے ہمراہ لے کر مظفرآباد کو روانہ ہوگئے۔

زبردست خاں کی سازش

سلطان زبردست خاں نے بازار اور مکان پر قبضہ پانے کے بعد سکھوں کو خفیہ خفیہ

(۱) ناڑہ ایک رسہ ہے، جو دو شہتیر دل سے، جو دونوں کنارے پر رکھے رہتے ہیں، باندھ دیا جاتا ہے، عبور کرنے والا ایک رسے پر پاؤں رکھتا ہے، دوسرا رسہ ہاتھ سے تھامے رہتا ہے، رسے برابر جنبش میں رہتے ہیں جس کو عادت نہ ہو، وہ اس کو استعمال نہیں کرسکتا۔

پیغام بھیجا کہ میرا لوٹا ہوا سامان اگر تم پورا واپس دے دو، تو میں غازیوں کو کسی حیلے بہانے سے رخصت کر دوں اور مدت العمر تمہارا فرماں بردار رہوں، لیکن اس کی اس سازش کا غازیوں کو علم ہو گیا، انھوں نے اس سے تقاضا کرنا شروع کیا کہ بازار وغیرہ پر قبضہ پا جانے کے بعد تم کیوں خاطر جمع لیے بیٹھے ہو، اس چھاؤنی اور گڑھی پر کیوں نہیں قبضہ کرتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری سکھوں سے سازش ہے زبردست خاں اس کو حیلے بہانے سے ٹالتا تھا، غازیوں نے کہنا شروع کیا کہ تم منافق ہو اور ہم کو فریب دے کر یہاں لے آئے ہو، مولوی صاحب نے بھی اس سے گولے بارود اور سامان جنگ کا مطالبہ شروع کیا، باوجود اس کے کہ وہ بالاکوٹ میں اس کا اقرار کر چکا تھا کہ وہ مظفر آباد پہنچ کر یہ سامان مہیا کر دے گا، لیکن وہاں پہنچنے کے بعد اس نے چپ سادھ لی اور اس کو صاف ٹال گیا۔

مجاہدین کا چھاؤنی پر قبضہ

آخر ایک روز ملا قطب الدین ننگرہاری، عبدالصمد خاں خیبری اور جعفر خاں پنجابی کی جماعت کے علاوہ سب جماعتوں نے مولوی خیر الدین صاحب کی اجازت کے بغیر گڑھی پر حملہ کر دیا، زبردست خاں کا بھائی بھی اپنی جماعت کے ساتھ شریک ہو گیا، دونوں طرف سے خوب گولے چلے، بالآخر غازیوں نے چھاؤنی کو سکھوں سے چھڑا لیا اور سکھوں کے بڑے جمعدار اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا، ادھر ملا قطب الدین اور عبدالصمد خاں کچھ زخمی ہوئے، سکھ چھاؤنی چھوڑ کر گڑھی میں گھس گئے، مولوی خیر الدین صاحب نے پہلے تو مجاہدوں کو ان کی اس خودرائی پر زجر و توبیخ کی، پھر پائندہ خاں اور بہرام خاں برادران عمزاد حبیب اللہ خاں کی سفارش سے معافی دے دی۔

مولوی صاحب نے زبردست خاں کو طلب کر کے فرمایا کہ تم نے کل کا حال دیکھا، اگر تم اب بھی گولے بارود کا سامان کر دو، تو بہتر ہے ورنہ پچھتاؤ گے، لیکن اس کو نقد دینا منظور نہ تھا، وہ لیت و لعل کرتا رہا، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو مجاہدین کی یہ خودرائی ناپسند ہوئی، اس لیے کہ بڑے دشمن کا مقابلہ درپیش تھا، ادھر جو سردار موجود تھے، انھوں نے رعایا پر ظلم و زیادتی

کرنی شروع کردی، مولوی صاحب نے ان کی زیادتیوں اور زبردست خاں کی بے پروائی کا حال سید صاحبؒ کو لکھ کر بھیجا، آپ نے جواب میں لکھوایا کہ اگر سلطان آپ کے چلے آنے سے ناخوش ہو، تو آپ وہیں رہیے، لیکن قندھاریوں کو یہاں بھیج دیجیے، جب مولوی صاحب کو یہ حکم پہنچا اور اس کی شہرت ہوئی، تو زبردست خاں نے مولوی صاحب کے جانے کو پسند نہ کیا، قندھاری بھی آپ کو چھوڑ کر جانے پر راضی نہ ہوئے، اس طرح مولوی صاحب کو بھی ایک مہینہ مظفرآباد میں قیام کا اتفاق ہوا۔

اسی اثناء میں ایک دن اطلاع ملی کہ شیر سنگھ سلطان نجف خاں کے ساتھ بالاکوٹ کے درے میں آ گیا اور گڑھی حبیب اللہ خاں میں اترا ہوا ہے، دو گھڑی رات گئے یہ اطلاع سلطان زبردست خاں کو ملی، اس نے مولوی خیر الدین صاحب کو بلا کر کہا کہ اب کیا کرنا چاہیے، مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا اور میرے ذہن میں پہلے ہی سے یہ پورا نقشہ تھا، تم نے میرے کہنے پر عمل نہیں کیا، جو شخص اپنی سلطنت کی تسخیر کا ارادہ کرتا ہو اور روپیہ صرف کرنے میں اس کو عذر ہو، وہ کیسے ملک کی تسخیر کر سکتا ہے؟ اسی خیال سے مجھے تمھاری رفاقت میں عذر تھا، تم جانتے ہو کہ یہ دریا قدرتی مورچال ہے، سکھوں کی طاقت نہیں کہ اس کو دفعۃً عبور کر لیں، دریا کے اس طرف بھی پہاڑی گھاٹیاں ہیں، جو بہت دشوار گزار ہیں، جن جن مقامات کو تم دشوار اور خطرناک سمجھتے ہو، ان کو ہمارے حوالے کر دو اور جہاں کم خطرہ ہو وہاں تم رہو، اگر صبر و استقامت سے کام لو گے، تو اللہ تعالیٰ یہ مشکل آسان فرما دے گا ان اللّٰہ مع الصابرین، لیکن مجھے تم سے جرأت کی توقع بہت کم ہے۔

زبردست خاں کی بے ہمتی اور مجاہدین کی واپسی

تمام اہل مشورہ نے اس مشورے کو بہت پسند کیا اور رخصت ہو گئے اور یہ طے ہوا کہ کل صبح اس کا انتظام کیا جائے گا، صبح ہوئی، تو لوگوں نے اچانک دیکھا کہ صبح سے پہلے ہی زبردست خاں کا سارا سامان بندھا ہوا چھوٹی مسجد کے قریب، جو شہر کے کنارے پر تھی اور بھاگنے کا راستہ وہاں سے متصل ہی تھا رکھا ہوا ہے، زبردست خاں نے مولوی صاحب کو بلا کر

کہا کہ بس چلیے ،مولوی صاحب نے فرمایا کدھر؟ زبردست خاں نے کہا کہ اسی کوہستان میں مولوی صاحب نے فرمایا کہ وہ رات کا مشورہ کہاں گیا؟ زبردست خاں بجائے کچھ جواب دینے کے یہی کہے جاتا تھا کہ چلیے ،مولوی صاحب نے غازیوں کو مطلع کر کے کوچ کر دیا، زبردست خاں کے ساتھی راستہ بے راستہ کچھ نہیں دیکھتے تھے، پہاڑ چڑھے چلے جارہے تھے، یہ سب جمعیت ملا کر پانچ سو سے زائد تھی ،سکھوں نے بھی گڑھی سے نکل کر ان کا تعاقب کیا اور ملکی بھاگ کر پہاڑی گھاٹیوں میں چھپ گئے ،مولوی صاحب نے یہ حال دیکھ کر لوگوں کو بھاگنے سے منع کیا اور خود سکھوں کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے ،سکھوں نے جب یہ دیکھا کہ مجاہدین مقابلے میں کھڑے ہو گئے ہیں اور ان کے گولے بھی آرہے ہیں تو بھاگ کر مظفر آباد میں داخل ہو گئے اور وہاں کے مکانوں میں آگ لگانا شروع کر دی ،تمام مجاہدین مولوی صاحب کے پاس جمع ہو گئے ،اس وقت زبردست خاں کے بھتیجے اور داماد قطب الدین خاں نے اپنے خسر کا ہاتھ پکڑ کر مولوی خیرالدین صاحب کے ہاتھ میں دیا اور کہا: اس شخص کی شرم آپ کے ہاتھ میں ہے، اسوقت اس کا کوئی رفیق نہیں ہے ،مولوی صاحب نے فرمایا کہ جاؤ جب تک میں زندہ ہوں ،کوئی اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔

مولوی صاحب وہاں سے روانہ ہوئے ،کوہستان کے سرے پر ایک دیہات میں قیام کیا، وہاں سے دریا عبور کر کے ایک چھوٹے دیہات میں پہنچے ، جہاں منصور خاں اور سلطان زبردست خاں کے متعلقین پہلے سے موجود تھے ،وہاں سے بالاکوٹ کو جو راستہ گڑھی حبیب اللہ خاں کے قریب سے جاتا ہے، وہ شیر سنگھ کے لشکر کے پڑاؤ کی وجہ سے بند ہو گیا تھا، دوسرا راستہ کاغان کا تھا جو نہایت دشوار گزار تھا ، یہاں سے بالاکوٹ کا راستہ برف باری کی کثرت کی وجہ سے مسدود تھا۔

سید صاحبؒ کو جب مولوی خیرالدین صاحب کے اس طرف سے جانے کا حال معلوم ہوا، تو آپ نے چالیس پچاس گوجروں کو برف ہٹانے اور راستہ کے صاف کرنے کے لیے روانہ فرمایا، اس عرصے میں مولوی خیرالدین صاحب تپ لرزہ میں مبتلا ہو گئے ، اور ان کو

ایک گاؤں میں مجبوراً قیام کرنا پڑا اس میں اتنی تاخیر ہوئی کہ جب وہ ۲۴/ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو چارپائی پر لیٹے ہوئے بالاکوٹ کے قریب پہنچے تو سید صاحبؒ کا رقعہ ملا کہ ہم نے بالاکوٹ کے نیچے کا پل توڑ دیا ہے، آپ اوپر کے پل سے آئیں، دو میل گئے تھے کہ ایک دوسرا رقعہ ملا کہ یہاں جنگ پیش آ گئی ہے، مضبوط اور تندرست آدمی جلد آ جائیں، آپ آرام کے ساتھ آئیں، چنانچہ ان کے سب ہمراہی روانہ ہو گئے، مولوی صاحب کے صرف دو ساتھی اور دو گوجر ان کے ساتھ تھے۔(۱)

(۱) مولوی صاحب چکر کاٹ کر بالاکوٹ کے شمالی پہاڑوں پر پہنچے، تو معلوم ہوا کہ معرکہ ختم ہو چکا ہے اور انکے اکثر ساتھی شہادت سے سرخرو ہوئے، تفصیل آگے ملاحظہ ہو۔

سچوں میں

سید صاحبؒ کا ایک وعظ

ایک روز سید صاحبؒ نے سچوں میں وعظ فرمایا جس میں آپ نے ایک مثال بیان کی، آپ نے فرمایا: ''جب کسی کے مکان کی کوئی دیوار گر جاتی ہے، سارے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، چنانچہ مرد، عورت، بچے سب اس کی درستی کی فکر میں لگ جاتے ہیں، ہر ایک اپنے مقدور بھر اس کی تیاری میں سرگرم ہوتا ہے، کوئی اینٹ لاتا ہے، کوئی مٹی لاتا ہے اور چھت کی تیاری میں منہمک ہو جاتا ہے، جب سارے گھر والے دن رات لگ کر اور مشقت اور تکلیف برداشت کر کے ایک زمانے کے بعد اپنے گھر کو درست اور آباد کر لیتے ہیں، تو پھر مدتوں تک اس میں آرام پاتے ہیں۔

اسی طرح اس زمانے میں مسلمانوں کے دین کی عمارت منہدم ہو گئی ہے، کفار رہزنوں کی طرح مسلمانوں کے گھر کے مال و اسباب کو لوٹ رہے ہیں اور دست تعدی دراز کر رہے ہیں، اس لیے کہ اس گھر کا کوئی نگہبان اور پاسبان نہیں رہا، اب سونے والوں کو خواب غفلت سے بیدار ہونا چاہیے اور اپنے ویران مکان کی پاسبانی کر کے اور اس کا سامان مہیا کر کے اس کو آباد کرنا چاہیے اور ان رہزنوں اور چوروں کو گرفتار کر کے ان کو ان کے اعمال

کی سزا دینی چاہیے اور ان سے اپنی خدمت لینی چاہیے، مکان کے آباد ہو جانے کے بعد اطمینان کے ساتھ وہ مکان میں آرام کر سکتے ہیں(۱)۔

سید صاحبؒ کا یہ وعظ سن کر حسن علی خاں ایسا رویا کہ تمام داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی یہاں سے اٹھنے کے بعد اس نے کسی سے کہا کہ میں تو اس جہاد کا کارخانہ بچوں کا کھیل سمجھتا تھا، لیکن جب اس سید عالی مقام کے چہرے پر میری نظر پڑی، تو مجھے یقین ہو گیا کہ ایسا صاحب عزم آدمی ہفت اقلیم کی تسخیر کرنے کا ارادہ کرے، تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ممالک کی تسخیر کو اس کے لیے آسان کر دے(۲)۔

کشمیر پر حملے کا مشورہ اور خوانین کی عرضداشت

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب جس وقت بالاکوٹ میں تھے، کشمیر کے کچھ معتبر اشخاص جن کو اہل کشمیر نے بھیجا تھا، آپ کی خدمت میں آئے اور کشمیر کے مسلمانوں کا پیغام پہنچایا کہ ہم بالاکوٹ میں لشکر اسلام کی آمد سے بہت خوش ہوئے، یہاں سے کشمیر صرف تین منزل کی راہ ہے، ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ جلد لشکر اسلام کو ہمارے ملک میں لائے، تاکہ ہم کفار کے ظلم و جور سے نجات پائیں اور امام المسلمین کے سایہ حکومت میں آزادی کے ساتھ اسلام کے احکام پر چل سکیں اور سنت کی پیروی کر سکیں۔

مولانا نے اس مضمون کا ایک خط سید صاحبؒ کی خدمت میں روانہ کیا، اس میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ چونکہ جناب والا اسی وقت سے، جب امب میں قیام تھا، کشمیر کی تسخیر کا ارادہ فرماتے تھے وہاں سے تو وہ ملک بہت دور تھا، لیکن اب جب کہ ہمارا لشکر مظفر آباد تک آ گیا ہے، وہاں سے کشمیر صرف دو روز کا راستہ ہے، اگر ملکی ساتھ دیں، تو پہلی لمبی منزل کر کے ایک رات کسی جگہ قیام کر کے دوسرے روز اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہم کشمیر میں داخل ہو سکتے ہیں، وہاں کی رعایا کرپا رام کے ظلم سے بہت تنگ آ چکی ہے، وہاں کی اکثریت مسلمان ہے، امید ہے کہ وہاں کے اکثر لوگ لشکر اسلام میں شامل ہو جائیں گے۔

---

(۱) منظورہ۔ (۲) منظورہ: ص ۱۱۳۷، ۱۱۳۸

مولانا کا جب یہ خط پہنچا، تو آپ نے حسن علی خاں اور حبیب اللہ خاں وغیرہ سے مشورہ لیا، انھوں نے کہا کہ اگر آپ کشمیر کا ارادہ فرمائیں گے، تو آپ اللہ کی مدد سے اس ملک میں داخل ہو جائیں گے لیکن آپ کے تشریف لے جانے اور لشکر اسلام کے کوچ کر جانے کے بعد ہم کو سکھ تباہ کر دیں گے اور کہیں گے کہ انھیں ملکیوں نے لشکر اسلام کی رہبری کی اور خلیفہ صاحب کو کشمیر تک پہنچایا، اس لیے آپ ان کے ساتھ کسی مقام پر ایک جنگ کر کے ان کو شکست دے کر آگے کا قصد فرمائیں، اس سے لشکر اسلام کی ہیبت بیٹھ جائے گی اور ہم بھی ہمرکاب ہو کر چلیں گے۔

مولوی سید جعفر علی صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ آپ کو غرباء اور رعایا کے حال پر کمال شفقت تھی، آپ نے ان کا مشورہ قبول کر لیا اور مولانا اسمٰعیل صاحب کو اسی مضمون کا خط لکھ کر بھیج دیا، مولانا آپ کے حکم کے مطیع وفرمانبردار تھے، خط پڑھ کر خاموش ہو گئے، اتنا فرمایا کہ حضرت امیر المومنین کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اقتداء میں غرباء کے حال پر بڑی شفقت ہے، ورنہ فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار مسلمانوں کو گرفتار کر کے ان کو سپر بنالیں یا قلعے کی دیوار سے ان کو لٹکا دیں، اس وقت بھی اس خیال سے کہ ان مسلمانوں کو گزند پہنچے گا، جنگ کا موقوف کرنا اور قلعے کی تسخیر سے دست بردار ہو جانا مناسب نہیں، بلکہ ان کفار سے جنگ کی جائے گی اور امکانی حد تک مسلمانوں کو اپنے ہتھیاروں کی گزند سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے گی، اگر بالفرض مسلمانوں کو کچھ گزند پہنچے یا وہ مسلمانوں کے ہتھیاروں سے شہید ہو جائیں، تو اس میں نہ دیت ہے، نہ قصاص، نہ گناہ (۱)۔

شیر سنگھ کی نقل وحرکت کی اطلاع

شیر سنگھ اپنے لشکر کے ساتھ گڑھی میں قیام کر کے پہلے مظفر آباد کی سمت گیا، وہاں اس کو سلطان زبردست خاں اور اس کے ہمراہیوں کے فرار کا حال معلوم ہوا، وہاں سے اس نے گڑھی کی طرف پھر مراجعت کی اور بالاکوٹ جانے کے لیے راستہ تلاش کیا، جہاں جہاں

(۱) منظورۃ السعداء: ص ۱۱۳۸، تا ۱۱۴۰

گڑھی میں غلہ اور آدمی تھے، سب کو جمع کیا، جس گڑھی میں سو آدمی تھے وہاں دس، جہاں دو سو تھے، وہاں بیس متعین کیے، اس طرح سے غلے کو جا بجا سے سمیٹ کر جمع کر لیا، مولانا کو بھی اس کی اطلاع ہوئی، شیر سنگھ نے درہ بھوگڑ منگ کا ارادہ کیا، اس وقت مولانا نے سید صاحبؒ کو اس مضمون کا خط لکھا کہ شیر سنگھ اپنے لشکر کے ساتھ بھوگڑ منگ کے درے کا ارادہ رکھتا ہے اور فی الحقیقت صاحب عزم کے لیے یہی مناسب بات ہے کہ وہ سردار لشکر سے مقابل ہو، آپ ہوشیار رہیں اور اہل لشکر حالات سے باخبر رہنے میں غفلت سے کام نہ لیں، جس وقت جنگ کی صورت پیدا ہو، قاصد تیز گام ہم لوگوں کو بھی اطلاع کر دے تا کہ ہم بھی اپنی جماعت کے ساتھ شریک جنگ ہو جائیں۔

شب خون کی تجویز

شیر سنگھ نے اپنی قیام گاہ کی طرف مراجعت کی، مولانا نے اپنے رفقاء خاص سے مشورہ فرمایا اور تجویز کی کہ شیر سنگھ کے لشکر پر شب خون مارا جائے، آپ نے شبخون کا پورا نقشہ تجویز کیا، اور تجویز فرمایا کہ عصر کے بعد لشکر متفرق طریقے پر پہاڑ پر چڑھے، چوٹی پر پہنچ کر پہاڑ کی اوٹ میں ہو جائے پھر شب کی تاریکی میں ان کو غافل یا مشغول پا کر حملہ کر دیں۔

مولانا کی پیچوں میں طلبی

ابھی اس تجویز پر عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ سید صاحبؒ کی طرف سے طلبی کا رقعہ پہنچا، جس کا مضمون یہ تھا کہ عرصہ ہو گیا کہ وہ برگزیدہ بارگاہ ہم سے جدا ہیں، ہم کو ملنے کا بہت اشتیاق ہے، آپ کی طلبی کا یہ خط جاتا ہے اور پیچھے سے حبیب اللہ خاں روانہ ہوتے ہیں، اپنے لیے اس کو حکم قطعی جانیں اور جلد سے جلد روانہ ہو کر یہاں تشریف لے آئیں، سردار حبیب اللہ خاں بالا کوٹ میں اپنی جگہ کی حفاظت کریں گے، خاتمہ خط پر آپ کی مہر اور پیشانی پر، اللہ کافی، کے لفظ آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے، جس کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ اس کی تعمیل نہایت ضروری اور فوری ہے۔

مولانا نے یہ خط پڑھ کر اہل لشکر سے فرمایا کہ آپ لوگ اپنی جگہ پر جائیں شبخون کی تجویز ملتوی ہے، لوگوں نے پوچھا کہ کیا سبب پیش آیا، فرمایا: ''ہماری طلبی آگئی ہے، لوگوں نے کہا کہ اگر شبخون کے بعد آپ تشریف لے جائیں، تو بہتر ہے، فرمایا: میں اپنے ارادہ کا مختار نہیں ہوں، تابع فرماں ہوں، بعض لوگوں نے کہا کہ اپنا عذر اور حالات کی تفصیل لکھ بھیجیں، فرمایا کہ دیکھتے نہیں کہ تاکیدی مہر اور دستخط خاص ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تعمیل فوری طور پر ضروری ہے، کل کوچ ہے، یہ معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا! اللہ تعالیٰ بہتر کرے، لیکن قرینہ تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب حبیب اللہ خاں نے بالاکوٹ پر قبضہ کرنے کی تجویز کی ہے، اگر ہمارا اندازہ صحیح ہے تو ایک ہفتہ نہیں گزرے گا کہ حبیب اللہ خاں کا خط ہماری طلبی میں آئے گا اور ہم کو پھر یہیں آنا ہوگا۔

مولانا پنجتار میں

دوسرے روز مولانا نے شیخ بلند بخت کو اپنا قائم مقام بنایا اور اپنی جماعت کے ساتھ ست بنی کے راستے سے پہاڑ پر چڑھ کر بھوگڑ منگ کے درے میں آئے اور جبوڑی کے دیہات میں رات بسر کی اگلے روز ڈیڑھ پہر دن چڑھے پنجتار پہنچ گئے، سید صاحبؒ نے بستی سے باہر نکل کر استقبال کیا۔

عشر کا انتظام

دوسرے روز مولانا صاحب نے سید صاحبؒ کی اجازت سے اس علاقے کے ملکوں اور خانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ آپ لوگوں کے اوپر آج تک کفار سکھ حاکم تھے اور اپنی بستیوں کا حاصل ان کو دیتے تھے، بلکہ وہ آپ لوگوں پر ظلم و تعدی کر کے لیتے تھے، اب اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو آپ کی اعانت کے لیے لایا ہے، آپ صاحبوں کے لیے موزوں ہے کہ وہی حاصل ہم کو دیا کریں، بلکہ ہم کو ان سے کم دیا کریں، اس میں آپ کے واسطے دنیا میں بھی بہتری ہے اور آخرت میں بھی اجر عظیم ملے گا، کیونکہ حضرت امیر المومنین اسی واسطے یہاں

تشریف لائیں ہیں کہ کفار نا ہنجار کے ظلم و تعدی سے آپ کو چھڑائیں اور ان کو مار کر مغلوب کریں، آپ بھی اس کار خیر میں ہمارے شریک ہوں، یہ ملک آپ ہی مسلمانوں کا ہے، ہمارے حضرت امیر المومنین کو اسلام کے احکام کا آپ مسلمانوں پر جاری کرنا منظور ہے، آپ کے ملک سے کچھ غرض نہیں، آپ کا ملک آپ کو مبارک رہے، بلکہ عنایت الٰہی سے اگر کفار کا ملک ہاتھ آئے گا، تو وہ بھی آپ مسلمانوں کو دیں گے۔

مولانا کی یہ تقریر سن کر سب نے کہا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا، وہ سب ہم کو منظور ہے، اس کار خیر میں ہم سب اپنے جان و مال سے شریک ہیں، خدا و رسول کا جو حکم آپ فرمائیں گے، وہ ہم بسر و چشم بجالائیں گے۔

مشکوٰۃ شریف کا درس

ایک روز سید صاحبؒ نے مولانا صاحب سے فرمایا کہ میاں صاحب معطل بیٹھے ہوئے دل نہیں لگتا، کوئی کتاب شروع کیجیے کہ دل لگے، مولانا نے فرمایا کہ کچھ ارشاد ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ہر روز ظہر کی نماز کے بعد سے عصر تک مشکوٰۃ شریف کا درس فرمایا کیجیے، اس روز سے مولانا صاحب نے مشکوٰۃ شریف کا درس شروع کیا، ہر روز ظہر کی نماز کے بعد سے عصر تک درس ہوتا تھا، سید صاحبؒ اور تمام مجاہدین سنتے تھے، مولانا اسمٰعیل صاحب درس دیتے تھے اور حدیث شریف کے اسرار و نکات سید صاحبؒ بیان فرماتے تھے بعض دن ایک ہی حدیث کے اسرار و نکات بیان کرنے میں عصر کا وقت آجاتا تھا اور بعض دن دو یا تین حدیثوں کی نوبت آتی تھی۔

سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ ان دنوں اکثر مشکوٰۃ شریف آپ کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور آپ اس کا مطالعہ فرماتے تھے، کسی کسی لفظ کے معنی نہ معلوم ہوتے، تو جو صاحب علم سامنے سے گزرتا، اس سے بے تکلف دریافت فرماتے، مولانا اسمٰعیل صاحب کے اس درس سے لوگوں کو بڑا فائدہ ہوا، ایک مہینہ تک یہ سلسلہ رہا۔

سید ضامن شاہ کی آمد اور بیعت

انھیں دنوں درہ کاغا خاں کے رئیس سید ضامن شاہ بیس بائیس آدمیوں کے ساتھ

آبۓ، سید صاحب نے ضامن شاہ اوران کے ساتھیوں کی بہت خاطر وتواضع کی اوران کو اپنے پاس اتارا، ان میں آٹھ یا نو آدمی سید ضامن شاہ کے عزیزوں میں تھے، اگلے روز سید ضامن شاہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیعت کی اور عرض کیا کہ میں آپ کے اس کارخیر میں جان ومال سے شریک ہوں۔

سید صاحبؒ کی ایک گفتگو

ایک روز آپ جنگل سے تیراندازی کر کے واپس تشریف لائے اور گھوڑے سے اترے، کسی نے ایک چارپائی لاکر بچھادی، آپ زمین پر بیٹھ گئے، کتنا ہی لوگوں نے کہا کہ آپ ہمارے امام اور پیرومرشد ہیں، اس چارپائی پر بیٹھیں، ہم سب زمین پر بیٹھیں گے، آپ نے کسی طرح نہ مانا اور فرمایا کہ جیسے تم سب ہو، ویسا ہی ایک میں بھی ہوں، مجھ کو کب مناسب ہے کہ تم سب زمین پر بیٹھو اور میں چارپائی پر بیٹھوں؟

اس وقت غریب، امیر سب تقریباً دوسو آدمی ہوں گے، آپ نے ان سب کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ بھائیو، میں جو اپنے وطن سے اتنے بندگان خدا کو جا بجا سے لے کر اور طرح طرح کی سختی ومصیبت اٹھا کر تمھارے اس ملک کوہستان میں آیا ہوں، تو فقط اسی واسطے کہ تم مسلمانوں کے ملک پر کفار غالب ہو گئے ہیں اور تم کو طرح طرح کی تکلیف اور ذلت دیتے ہیں، ان کو اللہ کی مدد سے مغلوب کروں تا کہ تم اپنی اپنی ریاستوں پر قابض اور متصرف ہو اور دین اسلام قوت پکڑے، اگر میں عیش وآرام کا طالب ہوتا تو میرے واسطے ملک ہندوستان میں ہر طرح کا عیش وآرام تھا، اس کوہستان میں کبھی نہ آتا، میری مراد اس گفتگو سے یہ ہے کہ تم سب بھائی بھی کفار کی حکومت سے غیرت کرو اور اپنی جان ومال سے میرے ساتھ شرکت کرو اور کافروں کو مار کر یہاں سے نکالو، اس کے بعد ان کا ملک چھینو اور اپنے تصرف میں لاؤ، اگر تم لوگ میرے ساتھ شرکت نہ کرو گے، تو چند دن کے بعد ایسا غم وافسوس کرو گے کہ اس کا بیان تقریر سے باہر ہے، پھر وہ افسوس وغم بھی کام نہ آئے گا، اور اگر اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں اپنا کام لینا چاہے گا تو اپنے اور بندوں کو میرے ساتھ کر دے گا اور ان کے ہاتھوں سے اپنے دین

اسلام کو غالب کرے گا۔

سب حاضرین مجلس نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ ہم اپنی جان و مال سے ہر طرح سے شریک ہیں، جو کچھ آپ فرمائیں، ہم بسر و چشم بجالائیں گے(۱) آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی اور اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔

دعا کا اہتمام

جن دنوں مشکوٰۃ شریف کا درس ہوتا تھا، ایک روز سید صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ میاں صاحب، دل میں آتا ہے کہ اب چند روز جناب الٰہی میں خوب سے مل کر دعا کریں، مگر اس طرح کہ ہم ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اکیلے دعا کریں اور آپ سب بھائیوں کو ساتھ لے جا کر کہیں جنگل میں دعا کریں، مولانا صاحب نے فرمایا کہ بہت بہتر، میں حاضر ہوں، سید صاحبؒ نے عصر کا وقت دعا کرنے کے لیے مقرر فرمایا، ہر روز نماز عصر سے فارغ ہو کر سید صاحبؒ ایک کوٹھری میں اکیلے بیٹھ کر دعا کرتے تھے اور مولانا صاحب سب غازیوں کو اپنے ہمراہ لے کر بستی کے باہر ایک نالے پر جاتے تھے، پہلے آپ سب لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کچھ دیر وعظ و نصیحت فرماتے تھے، اس کے بعد برہنہ سر ہو کر کمال گریہ وزاری اور عجز و انکسار کے ساتھ جناب باری میں بہت دیر تک دعا کرتے تھے، اس دعا میں طرح طرح اپنی محتاجی و انکسار اور جناب باری کی عظمت و جباری اور رحمت و غفاری بیان کرتے تھے، دعا کے بعد سب کو ہمراہ لے کر سید صاحبؒ کے پاس آتے تھے اور دعا کرنے کا حال عرض کرتے تھے، یہ دعا پانچ سات روز متواتر ہوئی۔

گوجروں کی توقیر

ایک روز گوجروں کا ایک سردار (جس کو وہ لوگ مقدم کہتے ہیں) سات آٹھ آدمیوں کے ساتھ ملاقات کو آیا، وہ سب لوگ کمّل کا لباس پہنے ہوئے تھے، آپ ان سے بڑے تپاک

(۱) یہ حضرات اول سے آخر تک اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے، ان میں سے کچھ لوگ تو جنگ بالاکوٹ میں شہید ہوئے باقی جو زندے بچے، وہ مولانا ولایت علی کے عہد ولایت میں ان کے شریک ہوئے۔

سے ملے اور بڑی عزت وتوقیر سے اپنے پاس بٹھایا اور ہر ایک سے عافیت مزاج پوچھی اور ان کے واسطے مکلّف کھانا پکوایا، اور حاضرین سے فرمایا کہ یہ لوگ بڑے دیندار ہیں، پہاڑوں پر رہتے ہیں، بھیڑ، بکری، گائے بھینس پالتے ہیں اور انھیں کے دودھ دہی وغیرہ سے اپنی گزران کرتے ہیں اور شر وفساد سے کام نہیں رکھتے، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ لوگ ہمارے بڑے مخلص انصار ہوں گے۔

اسی طرح اکثر اوقات اس ملک کے صاحب اخلاص گوجر آپ کی خدمت میں آتے اور آپ ان کی بہت عزت وتوقیر کرتے تھے اور ان سے محبت رکھتے تھے۔

پچوں سے بالاکوٹ

بالاکوٹ کی تجویز

پچوں میں مولوی خیرالدین صاحب کا مظفرآباد سے رقعہ آیا کہ سکھوں نے پشاور میں شیر سنگھ کو حالات کی اطلاع دی ہے اور وہ مع لشکر کمک کو آتا ہے، آپ نے خوانین اور اہل الرائے کو جمع کر کے فرمایا کہ شیر سنگھ مظفرآباد کے سکھوں کی کمک کے لیے آتا ہے، ہمارے مجاہدین جابجا متفرق ہیں، کچھ تو راج دواری میں ہیں، کچھ بالاکوٹ میں، کچھ مظفرآباد میں اور کچھ ہمارے ساتھ یہاں ہیں، آپ سب صاحب اس ملک کے واقف کار ہیں اور ہم لوگ نو وارد ہیں، آپ کا اس امر میں کیا مشورہ ہے۔

اسی اثناء میں حبیب اللہ خاں کا (جو بالاکوٹ میں تھا) خط پہنچا۔

مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کا مہینہ نصف (۱) ہوا تھا کہ سردار حبیب اللہ خاں کی عرضداشت پہنچی، جس میں آپ کی تشریف آوری (بالاکوٹ) کی استدعا اور شیر سنگھ کے بالاکوٹ سے ڈھائی کوس کے فاصلے پر اس دریا (۲) کے جنوبی کنارے پہنچنے کی اطلاع تھی، جو بالاکوٹ کے نیچے جنوب کو بہتا ہے۔

(۱) وقائع میں پچوں سے سید صاحبؒ کی بالاکوٹ کی روانگی تاریخ ۵/ذی قعدہ درج ہے، اگر اس کو صحیح مانا جائے تو یہاں وسط ذی قعدہ صحیح نہیں، غالباً وسط شوال ہو۔ (۲) دریائے کنہار

آپ نے لشکر مجاہدین کے ساتھ بالاکوٹ تشریف لے جانے کا قصد فرمایا۔

گھر والوں کو پیغام

آپ نے میاں الٰہی بخش رامپوری اور نظام الدین اولیاء کو راج دواری بیوی صاحبہ کی تسلی و تشفی کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ ان سے ہماری طرف سے بہت تسلی و تشفی کر کے کہنا کہ اول تو ہمارا ارادہ تھا کہ ہم تم کو اپنے پاس بلالیں، مگر اب سکھوں کے لشکر کی خبر گرم ہے، ہم اس طرف کو جائیں گے، عجب نہیں کہ ان سے مقابلہ ہو، پھر دیکھا چاہیے، انجام اس کا کیا ہو؟ اس سبب سے تمھارا بلانا مناسب نہ جانا تم وہیں رہو اور کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے، ہم سب کے واسطے دعا کریں گے، اگر اللہ تعالیٰ ملائے گا، تو پھر آ کر ملیں گے۔

معیت و رفاقت کا اشتیاق

میاں الٰہی بخش اور نظام الدین اولیاء راج دواری سے آتے ہوئے جب موضع سرکول پہنچے، تو وہاں ارباب بہرام خاں نے، جو وہاں کسی کام کے لیے متعین تھے، کہا کہ میں یہاں حضرت امیر المومنین کے حکم سے متعین ہوں، سکھوں کے پشاور سے آنے کی خبر لوگوں میں گرم ہے اور حضرت بھی پچھوں سے اسی طرف جانے والے ہیں، میری طبیعت گھبراتی ہے، مگر حضرت کی اجازت کے بغیر یہاں سے ہٹ نہیں سکتا، تم میری طبیعت کا حال حضرت سے عرض کرنا، حضرت فرمائیں، تو میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔

دونوں صاحبوں نے ارباب بہرام خاں کا پیغام پہنچایا، تو آپ نے ان کو سرکول سے بلالیا، بیس آدمی ان کے ہمراہ تھے اور وہ سب ان کے عزیزوں اور نوکروں میں تھے۔

بالاکوٹ کو روانگی

۵/ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو آپ نے مع لشکر پچھوں سے کوچ کی تیاری کی، اول مولوی نصیر الدین صاحب منگلوری کو تیس، پینتیس غازی ہمراہ کر کے درہ بھوگڑ منگ کے بندوبست کے لیے روانہ کیا کہ شاید سکھوں کا لشکر اس طرف آئے، تو ان کو روکیں، کیونکہ وہاں سے کوئی

تین کوس موضع شنکیاری ہے، وہاں سکھوں کا تھانہ تھا، اس کے بعد آپ نے پچوں سے کوچ کیا، راستے میں پہاڑ کی چڑھائی تھی، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب چڑھتے چڑھتے تھک جاتے، تو بیٹھ جاتے اور وعظ فرمانے لگتے جب ماندگی قدرے دفع ہوتی اور پچھلے لوگ وہاں آکر جمع ہو جاتے، تب وہاں سے آگے چڑھتے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی تقریر

میاں خدا بخش رامپوری کہتے ہیں کہ ایک جگہ بیٹھ کر مولانا صاحب نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائیو، اس بات کو خیال کرو کہ اگر ہم کسی امیر یا رئیس کے نوکر چاکر ہوتے اور وہ ایسے سخت راستے میں اپنے کسی کام کو بھیجتا، تو بلا عذر جانا پڑتا اور راستے کی یہ ساری تکلیف اٹھانی پڑتی، وہ نوکری بھی صرف دنیا کے گزران کے واسطے ہوتی، آج الحمدللہ کسی کے نہ نوکر ہیں نہ چاکر صرف اپنے پروردگار کی خوشنودی و رضامندی کے لیے یہاں آئے ہیں اور یہ محنتیں اور مشقتیں اٹھاتے ہیں اگر ہماری نیتیں خالص ہیں، تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کے بڑے بڑے درجے دے گا۔

گوجر عورتوں کی محبت و تواضع

ایک جگہ اس پہاڑ کی چڑھائی پر حضرت کی آمد کی خبر سن کر اس طرف کے کئی گوجروں کی عورتیں دہی کی ہانڈیاں لے کر آئیں اور لوگوں سے پوچھنے لگیں کہ سید بادشاہ کہاں ہیں؟ وہاں کا راستہ نشیب و فراز کا زیادہ تھا۔ آپ اس وقت ہاتھی سے اتر کر پیادہ پا اور طرف سے تھوڑا پھیر کھا کر آرہے تھے، لوگوں نے اشارہ کر کے بتلایا کہ سید بادشاہ وہ آتے ہیں، وہ عورتیں وہیں بیٹھ گئیں۔

آپ قریب آئے اور آپ کو معلوم ہوا کہ وہ آپ کے لیے کچھ دودھ دہی لائی ہیں، تو اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہر جاؤ، ہماری بہنیں ہمارے لیے کچھ نذر لائی ہیں، ہم ان کے پاس جاتے ہیں سب لوگ ٹھہر گئے، اور آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، وہ اٹھ کر

کھڑی ہوگئیں اور آپ کو دعائیں دینے لگیں کہ جس مطلب کو جاتے ہو، اس مطلب کو اللہ تعالیٰ پورا کرے اور دہی کی وہ ہانڈیاں آپ کے سامنے رکھ دیں، آپ نے ہر ہانڈی سے تھوڑا تھوڑا کھایا اور لوگوں سے فرمایا کہ یہ دہی آپس میں تقسیم کرلو، سب نے تھوڑا تھوڑا دہی تقسیم کرلیا اور آپ نے سب لوگوں سے فرمایا کہ بھائیو، ان بہنوں کے واسطے تم سب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کی گایوں بھینسوں اور مال و اولاد میں برکت دے! پھر آپ نے اور سب نے دعا کی اور شاید کچھ نقد بھی ان کو دیا۔

توکل اور خدائی انتظام

ایک جگہ کمرکوہ میں ایک وسیع مسطح میدان تھا، آپ وہاں سو غازیوں کے ساتھ ٹھہر گئے اور مولانا اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھ گئے، آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے کہلوا دیا کہ ہماری طبیعت چاہتی ہے کہ آج یہیں رہیں، ان شاء اللہ کل سویرے آپ کے پاس آئیں گے، بعض غازیوں نے آپس میں کہا کہ ہمارا اوڑھنا بچھونا مولانا صاحب کے ساتھ گیا، یہاں پہاڑ پر رات کی سردی زیادہ ہوتی ہے، تمام دن کے بھوکے بھی ہیں، یہاں کھانے کی ظاہراً کوئی صورت نہیں معلوم ہوتی، سید صاحبؒ نے سنا، تو فرمایا کہ بھائی صاحب، میرے پروردگار نے بڑی بڑی مہمانیوں کا مجھ سے وعدہ کیا ہے، ابھی تو بہت دنوں اس کی مہمانیاں کھانی ہیں، ان میں سے ایک مہمانی آج ہی سہی۔

مغرب کی نماز پڑھ کر آپ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رزاقی کا بیان شروع کیا، عشاء تک اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور پروردگاری کا بیان فرماتے رہے، اس وقت آپ کے کلام میں ایسی رقت تھی کہ تمام حاضرین مجلس کے آنسو جاری تھے اور ایک بیخودی سی طاری تھی اور اس کے بعد سر برہنہ کر کے کمال عجز و زاری کے ساتھ دعا کرنی شروع کی اور اللہ تعالیٰ کے جمال و جلال کا بیان کرنے لگے، تمام حاضرین کا یہ حال تھا کہ گویا دریائے بیخودی و بیہوشی میں ڈوبے ہوئے تھے، بعضے صاحبوں کے اوپر جذب کی سی حالت طاری تھی۔

عشاء کے بعد آپ جنگل کی طرف گئے، وہاں سے واپس آ کر فرمایا کہ بھائیو، ہم کو اس وقت نیند معلوم ہوتی ہے کچھ بچھا دو، تو کچھ دیر ہم لیٹ رہیں، کسی نے اپنا دوہر بچھا دیا، اس پر آرام کرنے لگے، کوئی آپ کے ہاتھ دبانے لگا، اور کوئی پاؤں، اس وقت آپ نے فرمایا کہ بھائیو، خیال کرو پروردگار نے ہم لوگوں کے واسطے کہاں کہاں روزی مقرر کی، جس طرح چڑیاں اپنی روزی کے دانے جہاں جہاں پروردگار نے مقرر کیا ہے، وہاں چنتی پھرتی ہیں، اسی طرح ہم لوگ بھی اپنے مقدر کی روزی کھاتے پھرتے ہیں اور اپنے پروردگار کا کام بھی طاقت کے موافق کرتے ہیں۔

یہی باتیں آپ کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں پہاڑ کی چڑھائی کی طرف دو تین مشعلیں نظر آئیں، جب کچھ قریب آئیں، تو پہرے والے نے آواز دی کہ کون ہو، انھوں نے کہا کہ ہم سید بادشاہ کی ملاقات کو آتے ہیں، کچھ رات گئے ہم نے خبر پائی تھی، اس سبب سے دیر ہوگئی، یہ گفتگو سن کر آپ نے فرمایا کہ ان کو آنے دو، اللہ تعالیٰ نے ہم کو دعوت بھیجی ہے، وہ حضرت کے پاس آئے، آپ اٹھ کر بیٹھ گئے وہ سب کمّل پوش تھے، آگے ایک صاحب تھے، جو صرف عصا پکڑے تھے، ان کے پیچھے ایک کے سر پر چارپائی اور بچھونا تھا اور دو آدمیوں کے سر پر ایک ایک گھڑا دودھ کا تھا، پھر سب نے وہ اسباب وسامان رکھ کر آپ سے مصافحہ کیا اور عذر کیا کہ ہم کو دیر سے خبر ہوئی، اس سبب سے اس وقت آئے، آپ نے ان کو بٹھایا اور کچھ دیر باتیں کیں، پھر وہ رخصت ہو کر جدھر سے آئے تھے، ادھر چلے گئے۔

ایک خواہش

اسی رات کو عشاء کے بعد آپ قضاء حاجت کے لیے جنگل کی طرف گئے، دو تین صاحب اور ساتھ تھے، آپ نے ان سے فرمایا: بھائیو دل چاہتا ہے کہ اگر تم چند روز مجھ کو فرصت دو، تو کسی پہاڑ پر تنہا بیٹھ کر عبادت کر کے اپنے پروردگار کو اچھی طرح راضی کروں اور تم بھی سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہو اور دعائیں کر کے راضی کرو۔

ایک صاحب نے عرض کی کہ آپ بجا فرماتے ہیں، اگر آپ فرصت پائیں، تو یوں ہی کریں، مگر ہم لوگ جب تک آپ کو دیکھتے ہیں، تب ہی تک سب طرح کے تسکین اور دلجمعی ہوتی ہے اور اپنے حوصلے کے موافق عبادت کر سکتے ہیں اور دعا بھی کر سکتے ہیں، جب ہم آپ کی صحبت سے جدا ہوتے ہیں اس وقت ہم سے کچھ نہیں ہوسکتا، نہ عبادت، نہ دعا اور پریشانی اور پراگندگی طبیعت پر چھا جاتی ہے جب آپ کی جدائی میں ہم لوگوں کا یہ حال ہو، پھر بھلا ہم لوگ کیونکر آپ کو چھوڑیں؟ اگر آپ قضاء حاجت کو بھی تشریف لے جاتے ہیں اور دو چار گھڑی غائب رہتے ہیں، تو اتنی دیر میں بھی ہم بیتاب ہو جاتے ہیں، جب آپ تشریف لاتے ہیں اور آپ کے دیدار سے ہماری آنکھیں روشن ہوتی ہیں، تو دل کو چین اور آرام ہوتا ہے۔

طبیعت پر اثر

اسی رات کو آپ جب قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے تھے آپ کے جانے کے بعد اس پہاڑ کے ایک درّے سے اس طرح کی ایک سخت آواز آئی، جیسے کوئی بڑی سرنگ اڑتی ہے، تمام لوگ یکبارگی چونک پڑے اور متعجب ہوئے کہ یہ آواز کہاں سے آئی اور کس کی آواز ہے، مگر اس آواز کا کچھ پتہ نہ چلا، آپ کو کوئی چار گھڑی کا عرصہ ہوا، لوگ انتظار کرتے کرتے گھبرا گئے بلکہ بعض صاحب وہیں سو رہے اور باقی لوگ ادھر ادھر تلاش کرنے لگے کہ کیا سبب ہے کہ اتنی دیر ہوئی اور حضرت تشریف نہیں لائے، اس پہاڑ پر شیر کا بھی خوف تھا اور ریچھ کا بھی، یہ بھی بعضوں کو وہم ہوا کہ ابھی آپ فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ مجھ کو فرصت دو، تو میں کسی پہاڑ کے گوشے میں بیٹھ کر اپنے پروردگار کی عبادت کروں، تو کہیں اسی وقت سے تو ہم سے جدا نہیں ہو گئے؟ غرض جو جس کے خیال میں آتا تھا وہ کہتا تھا۔

بہت دیر کے بعد آپ تشریف لائے اور لوگ بشاش اور تازہ دل ہو گئے لوگوں نے اس تاخیر کا سبب پوچھا، آپ نے فرمایا کہ ہاں، مجھ کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت دیر ہوئی کہ وہاں بیٹھے بیٹھے میرے پاؤں سن ہو گئے، باقی اور حال آپ نے کچھ نہ بیان فرمایا، مگر اسی وقت سے آپ کی طبیعت اور طرح کی ہو گئی، جہاد کے معاملے میں جو صلاحیں اور مشورے آپ

ہمیشہ کیا کرتے تھے، اس وقت سے یک لخت موقوف کردیے اور اس کا سبب معاملہ تقدیر الٰہی پر موقوف رکھا، بلکہ جو لوگ کفار کے مارنے اور مغلوب کرنے کی تدبیریں آپ کی خدمت میں عرض کرتے تھے، آپ انہیں مزید تقریر سے روک دیتے تھے اور ہرگز نہیں مانتے تھے۔

صبح کی نماز کے بعد چلنے کی تیاری ہوئی، کسی نے عرض کیا کہ یہ چارپائی اور کمل کس کے حوالے کریں، آپ نے فرمایا، یہیں رہنے دو، جو مالک ہوگا وہ آپ لے جائے گا، چنانچہ وہ چارپائی اور کمل جہاں کے تہاں چھوڑ کر سب لوگ روانہ ہو گئے۔(۱)

(۱) وقائع میں ہے کہ ایک غازی نے جو پیچھے رہ گئے تھے، بیان کیا کہ ایک نوجوان لڑکا آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ چارپائی اور کمل کہاں ہے، میں نے بتلا دیا، اس نے کہا: اب تم چلے جاؤ ہم پہنچا دیں گے۔

بالاکوٹ میں

بالاکوٹ میں داخلہ

ادھر بالاکوٹ سے فجر کی نماز پڑھ کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سب لوگوں کو لے کر آپ کے استقبال کو آئے، جب آپ پہاڑ سے اتر کر موضع ستبنی کے نالے پر پہنچے، تو وہاں مولانا صاحب اور سب لوگوں سے ملاقات ہوئی، سب کے ساتھ آپ بالاکوٹ میں داخل ہوئے، بستی کے خان واصل خاں نے آپ کے لیے اپنی حویلی خالی کر دی، اس میں آپ اترے، باقی لوگ بستی کے دوسرے گھروں میں۔

بالاکوٹ اور اس کا اجمالی خاکہ

بالاکوٹ وادی کاغان کے جنوبی دہانے پر واقع ہے، یہاں پہنچ کر وادی کو پہاڑی دیوار نے بند کر دیا ہے، دریا کنہار کے منفذ کے سواء کوئی راستہ نہیں ہے، پہاڑ کی دو دیواریں متوازی چلی گئی ہیں، بیچ میں خلا ہے، جس کا عرض آدھ میل سے زیادہ نہیں، اسی خلا میں دریائے کنہار گزرا ہے۔

بالاکوٹ کے مشرق میں کالوخاں کا بلند ٹیلہ واقع ہے، جس کی چوٹی پر کالوخاں نام کا گاؤں ہے، مغرب میں مٹی کوٹ کا ٹیلہ ہے، جو بہت بلند ہے، ٹیلے کے شمالی حصے میں چوٹی پر

مٹی کوٹ گاؤں ہے، جس کے بارے میں مثل مشہور تھی کہ جس کا مٹی کوٹ اسکا بالاکوٹ، ایک پرانی پگڈنڈی جنوبی ومغربی سمت کے پہاڑوں میں سے مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچتی تھی، مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ "ایک راستہ جو ہندوستان کے سلاطین قدیم کا تراشا ہوا تھا، اس چوٹی تک جاتا تھا، مرور زمانہ سے وہاں بڑے بڑے درخت کھڑے ہوگئے تھے اور جنگل ہوگیا تھا، پہاڑوں سے لڑھک کر گرنے والے پتھروں نے بھی اس راستے کو خراب کردیا تھا، لیکن مقامی لوگوں کو اس راستے کی شناخت تھی۔

بالاکوٹ کے شمالی جانب تین ٹیلے ہیں، جنھوں نے مل کر ایک دیوار بنادی ہے، وہ دیوار بالاکوٹ کے شمالی اور مغربی گوشے سے شروع ہوکر شمالی اور مشرقی گوشے تک چلی گئی ہے، مغرب کی سمت میں ست بنے کا ٹیلہ ہے، جس پر اسی نام کا گاؤں آباد ہے۔

جنوب کی سمت میں کنہار کی وادی ہے، جس نے کاغان سے باہر نکلتے ہی بالاکوٹ کے پاس جنوبی ومغربی رخ اختیار کرلیا ہے۔

حلقے کے عین بیچ میں ایک ٹیلہ یا قدرتی پشتہ ہے جس پر بالاکوٹ کا قصبہ آباد ہے، پشتے کے شمال ومغربی سمت میں زمین کی سطح تک مکان چلے گئے ہیں اور عام پہاڑی آبادیوں کی طرح درجہ بدرجہ ہیں، یعنی نیچے کے مکان کی چھت اوپر کے مکان کا صحن ہے۔(۱)

حفاظتی انتظامات

شیر سنگھ دریائے کنہار کے مشرقی کنارے بالاکوٹ سے دو، ڈھائی کوس پر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، وقائع میں ہے کہ "لوگ بالاکوٹ سے اس کے ڈیرے خیمے دیکھتے تھے۔" اس کے لیے بالاکوٹ پر حملے کی دو ہی صورتیں ہوسکتی تھیں، یا وہ پہاڑ پر اس پرانی پگڈنڈی سے چڑھتا، جو جنوبی ومغربی سمت کے پہاڑوں میں سے مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچتی ہے، اور مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچ کر نیچے اترتا، یہ راستہ کسی مقامی واقف حال آدمی کی رہبری کے بغیر طے نہیں ہوسکتا تھا، اس راستے سے بھاری سامان اور توپیں بھی لے جانا ممکن نہ تھا۔

---

(۱) اختصار از سید احمد شہیدؒ، ج۲، ص۳۶۸، ۳۶۹

دوسری صورت یہ تھی کہ وہ دریائے کنہار کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ بالاکوٹ کے سامنے پہنچتا، یہ صورت نسبۃً آسان تھی، ان دونوں راستوں کی حفاظت اور ناکہ بندی ضروری تھی اور سید صاحبؒ نے بالاکوٹ پہنچتے ہی اس کا بندوبست فرمایا، ملا لعل محمد قندھاری کو اس پہاڑی پگڈنڈی کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا، جو مٹی کوٹ آتی تھی، ان کی پشتیبانی اور کمک کے لیے قندھاریوں کی ایک جماعت کو مٹی کوٹ میں بٹھا دیا، جنوبی سمت کی ناکہ بندی اور دریا کے مشرقی کنارے سے لشکر کے آنے کو روکنے کے لیے امان اللہ خاں لکھنوی کو ۲۰، ۲۵ غازیوں کے ساتھ متعین فرمایا، اس حصے میں محافظین کی ایک مختصر سی تعداد ایک بڑے جیش کو روکنے کے لیے کافی تھی، وقائع احمدی میں ہے: جانب مغرب جو پہاڑ بھوگڑ منگ اور بالاکوٹ کے درمیان ہے، وہاں مع جماعت ملا لعل محمد قندھاری کو بھیجا، بھوگڑ منگ کے درے کی حفاظت کے لیے مولوی نصیر الدین صاحب منگلوری اول ہی سے وہاں متعین تھے اور دس بارہ قندھاری ملا لعل محمد کی جماعت کے موضع مٹی کوٹ کے پہاڑ پر مقرر کیے اور ان کو سمجھا دیا کہ اگر لعل محمد کی طرف کچھ سکھوں کا دباؤ ہو اور وہاں بندوقیں چلیں، تو ادھر تم بھی بندوقیں چلا دینا تاکہ یہاں ہم لوگوں کو خبر ہو جائے۔

ایک راستہ جنوب کی طرف بالاکوٹ کی ندی کے کنارے پہاڑ کی کٹھری پر ہے(۱)

وہاں کی حفاظت کے لیے پچیس، تیس غازیوں کے ساتھ دو ضرب شاہین دے کر امان اللہ خاں لکھنوی کو بھیجا اور اس دریا کے پل پر، جو بالاکوٹ کے مشرق و جنوب کے کونے میں تھا، کوئی دس آدمی متعین کیے کہ رات کو پل کے پاس رہا کریں اور دن کو اپنے ڈیرے میں رہیں اور سب ناکہ والوں سے کہہ دیا کہ جس کی طرف سے سکھ لوگ آئیں، ان کو روکیں اور بندوقیں ماریں اور اگر وہ نہ رکیں تو یہاں چلے آئیں۔

سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ: ”آپ نے بالاکوٹ پہنچ کر ایک لکڑی کا پل دریائے کنہار پر بنوا دیا، سکھوں نے بھی (جو مشرقی کنارے پر اترے ہوئے تھے) مغربی کنارے پر آنے جانے کے لیے جہاں کھلا میدان ہے، ایک پل بنا لیا تھا، سید صاحبؒ نے

(۱) یہ جنوبی سمت کی کھڑیاں ہیں جو ترنہ اور بالاکوٹ کے درمیان واقع ہیں۔

بالاکوٹ کے پل کے جنوب کی طرف ملکیوں اور دوسرے لوگوں کی ایک جماعت کو متعین کر دیا تھا کہ وہ دریا سے متصل تھا اور ان دنوں پلوں کے درمیان ایک محفوظ جگہ تھی، جو جماعت ان دونوں پلوں کے درمیان متعین تھی وہ سکھوں کے لشکر کو نقصان پہنچاتی رہتی تھی اور ان کے جانوروں کو جو پل کے راستے سے میدان میں چرنے کے لیے آیا کرتے تھے، اکثر حملہ کر کے پکڑ لیا کرتے تھے اور کبھی کبھی سکھ سپاہیوں کا تعاقب کر کے پل تک پہنچا دیا کرتے تھے۔

پہرے کی تبدیلی

لوگوں نے سید صاحبؒ سے صلاحاً عرض کیا کہ ملا لعل محمد قندھاری پہاڑ پر کئی روز سے متعین ہیں، وہاں سردی بھی بہت ہے، اگر مناسب ہو، تو آپ ان کی بدلی بھیجیں اور ان کو یہاں بلوالیں، آپ نے فرمایا کہ بہتر ہے، ان کی بدلی بھیجی جائے۔

ملا لعل محمد یہ خبر سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ کو بدلی کرنا کسی طرح منظور نہیں، مجھ کو آپ وہیں رہنے دیجیے، کیونکہ مجھے اپنے قندھاریوں پر خدا کی طرف سے اعتماد ہے، وہ کسی طرح ان کے مکر وفریب میں نہیں آئیں گے، مبادا آپ کسی دوسرے کو وہاں متعین فرمائیں اور اس سے وہاں کا بخوبی انتظام نہ ہو سکے اور معاملہ بگڑ جائے۔

آپ نے فرمایا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ تم اپنے لوگوں سمیت ماشاء اللہ ایسے ہی حقانی ربانی اور مخلص صادق ہو، اسی سبب سے یہ تدبیر ہم نے کی ہے کہ ہمارے پاس رہو پھر آپ نے مرزا احمد بیگ پنجابیوں کے جمعدار کو ان کے لوگوں سمیت ملا لعل محمد کی جگہ متعین کیا اور ملا لعل محمد کو ان کے لوگوں سمیت اپنے پاس بلا لیا۔

بالاکوٹ سے سید صاحبؒ کا آخری خط

آپ نے بالاکوٹ سے نواب وزیر الدولہ مرحوم کو ۱۳؍ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ یعنی، شہادت سے صرف گیارہ روز پہلے ایک خط لکھا، اس کے ایک حصے کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

''باقی حال یہ ہے کہ اہل سمہ چونکہ بد بخت ازلی تھے، انھوں نے جہاد کے بارے

میں مجاہدین کی رفاقت اختیار نہیں کی، بلکہ کافروں کے اغوا سے بعض مجاہدین ابرار کو، جو بعض ضرورتوں سے اپنے لشکر سے نکل کر گاؤں میں متفرق ہو گئے تھے اور منتشر تھے، بے خبری میں شہید کر دیا، اگرچہ اصل لشکران کے گزند سے محفوظ اور خدمت دین کے لئے مستعد، خصوصاً ان منافقین کو زیر وزبر کرنے اور ان سرکشوں سے انتقام لینے کا آرزومند تھا، لیکن چونکہ وہاں ٹھہرنے سے اصل مقصود یہی تھا کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت مجاہدین کی رفاقت اختیار کر کے کفار کا مقابلہ کرے اور اس چیز کی اب ان سے بالکل توقع نہیں رہی، اس لیے وہاں سے ہجرت کر کے پکھلی کے پہاڑوں میں آ گیا ہوں، ان پہاڑوں کے رہنے والے حسن اخلاق سے پیش آئے اور جہاد کے بارے میں انھوں نے پختہ وعدے کیے اور اپنے وطن میں انھوں نے رہنے کے لیے جگہ دی، چنانچہ فی الحال بالاکوٹ کے قصبے میں کہ اس کے دروں میں سے ایک درے میں واقع ہے، جمعیت خاطر کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہوں اور کفار کا لشکر بھی مجاہدین کے مقابلے کے لیے تین چار کوس کے فاصلے پر ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے، لیکن چونکہ مقام مذکور نہایت محفوظ ہے، لشکر مخالف خدا کے فضل سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، ہاں اگر مجاہدین خود پیش قدمی کریں اور ان سے نکل کر لڑیں تو جنگ ہو سکتی ہے، مجاہدین کا ارادہ ہے کہ دو تین روز میں جنگ کی جائے، بارگاہ واہب العطیات سے امید یہی ہے کہ فتح و نصرت کے دروازے کھول دے گا، اگر اللہ کے حکم سے تائید ربانی شامل حال رہی اور یہ جنگ کامیاب رہی، تو ان شاء اللہ دریا جہلم و ملک کشمیر تک مجاہدین کا قبضہ ہو جائے گا، دن رات دین کی ترقی اور لشکر مجاہدین کی کامرانی کے لیے دعا کرتے رہیں، والسلام۔

ایک جاسوس

ایک روز لشکر مجاہدین میں اسی ملک کا ایک مسلمان آیا، غازیوں کو معلوم ہوا کہ یہ سکھوں کے لشکر کا جاسوس ہے، انھوں نے اس کا منہ کالا کیا اور خوب زدوکوب کر کے سید صاحبؒ کے پاس لے گئے، اور عرض کی کہ یہ سکھوں کا جاسوس ہے، آپ کو اس کا منہ کالا کرنا بہت ناپسند ہوا، فرمایا: کسی کا منہ کالا نہ کیا کرو، اگر ایسی ہی ذلت دینی منظور ہو، تو منہ میں آٹا لگا

دیا کرو، اس جاسوس سے فرمایا کہ چھپ کر اور بھیس بدل کر کیوں لشکر میں جاسوسی کرتے ہو؟ جب تم کو کوئی شخص کسی امر کے دریافت کے لیے بھیجے، تو تم علانیہ ہمارے پاس چلے آیا کرو، تم سے کوئی مزاحم نہ ہوگا اور وہ حال ہم سے معلوم کر کے چلے جایا کرو، ہمارا تمام کارخانہ پروردگار کی مرضی پر موقوف ہے، ہم کسی کے آنے جانے سے اندیشہ نہیں کرتے، پھر آپ نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ یہ ہمارا مہمان ہے، اس کو ہمارے باورچی خانہ میں لے جاؤ، اور رکھو اور کھانا کھلاؤ، لوگوں نے اُس کو اس دن کھانا کھلا کر رکھا اور دوسرے دن کھانا کھلا کر اور حضرت کی اجازت سے دو آدمی ساتھ کر دیے، وہ بحفاظت اس کو اپنی حد سے باہر نکال کر چلے آئے۔

تینتالیسواں باب

آخری جنگ کی تیاریاں

سکھوں کا لشکر مٹی کوٹ پر

وقائع احمدی میں ہے: ''ایک ملکی نے آکر خبر دی کہ آج سکھ لوگ اس پار اترنے کو دریا پر لکڑیوں کا پل بنا رہے ہیں(۱) یہ خبر سن کر آپ نے حبیب اللہ خاں سے کہا کہ اس دریا کی کھڑی پر تو ہمارے امان اللہ خاں متعین ہیں، اس کے علاوہ کوئی اور بھی آنے کا راستہ ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں ایک اور بھی پگڈنڈی ہے، جہاں مرزا احمد بیگ کا پہرہ ہے، آپ نے پوچھا: وہ راستہ سکھوں کو معلوم ہے؟ خان موصوف نے عرض کیا کہ سکھوں کو تو معلوم نہیں، مگر اسی ملک کا کوئی بھیدی اگر طمع دنیا سے کچھ لے کر ان کو لے آئے تو آسکتے ہیں، یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ کچھ اندیشہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

اس کے اگلے روز اسی وقت مخبر نے آکر خبر دی کہ آج سکھوں کا لشکر دریا کے اس پار اترتا ہے، مگر ادھر نہیں آتا اور طرف جاتا ہے، آپ نے سن کر فرمایا کہ خیر، لشکر ادھر آئے اور کہیں جائے، اللہ تعالیٰ ہمارا حافظ و ناصر ہے، پھر وہ لشکر شام تک نہ معلوم ہوا کہ دریا اتر کر کہاں چلا گیا۔

---

(۱) مٹی کوٹ جانے کے لیے پہاڑی پگڈنڈی سے گزرنے کے لیے (جس کے لیے شیر سنگھ نے رہبر کا انتظام کر لیا تھا) لشکر کو مغربی کنارے پہنچانا ضروری تھا، شیر سنگھ نے بالاکوٹ پر حملہ کرنے کے لیے اسی راستے کو ترجیح دی۔

اس کے اگلے روز ظہر کے اخیر وقت مرزا احمد بیگ کے پہاڑ پر یکبارگی بندوقیں چلنے لگیں، ادھر سب غازی ہوشیار ہو گئے اور کہنے لگے کہ دیکھو تو بندوقیں کیوں چلتی ہیں، اسی اثناء میں پہاڑوں پر جابجا گوجر لوگ پکارنے لگے کہ سکھوں کا لشکر آپہنچا، آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ مرزا احمد بیگ کی کمک کو جلد جائیں اور ان کو وہاں سے ادھر لے آئیں اور وہاں ان سے مقابلہ نہ کریں، مگر ابراہیم خیر آبادی کہ نشان بردار تھے اور ان کے جوڑی دار فرج اللہ شیدی کو حکم ہوا کہ تم نشان لے کر جاؤ، ان کے پیچھے سید اللہ نور شاہ ولایتی کو مع جماعت اور ان کے پیچھے آپ نے ایک اور نشان بھیجا، اس کے ہمراہ بھی کچھ لوگ تھے، ان چاروں نشانوں کے ہمراہ کچھ اوپر دوسو آدمی (۱) ہوں گے، کوئی پہر دن رہے سب جا کر مٹی کوٹ پر پہنچے، ادھر سے مرزا احمد بیگ اپنی جماعت کے ساتھ آپہنچے اور کہنے لگے کہ اب آگے جا کر کیا کروگے، وہاں تو سکھوں کا لشکر آگیا، چنانچہ سب وہیں مٹی کوٹ پر ٹھہر گئے، عصر کو پہاڑ کی چوٹی پر جابجا سکھ نظر آنے لگے، ان کے سفید سفید بھیگے ہوئے کپڑے، جو انھوں نے سوکھنے کے لیے پھیلا دیے تھے، دکھائی دیتے تھے۔

سلطان نجف خاں کا خط

وقائع احمدی میں: ''اسی روز گھڑی ڈیڑھ گھڑی دن رہے سلطان نجف خاں کا خط آپ کے پاس آیا، اس کا مضمون یہ تھا کہ میں سکھوں کو آپ کے مقابلے کے لیے نہیں، بلکہ مظفر آباد کے لیے لایا ہوں، میں آپ کا خیر خواہ خادم ہوں، اس واسطے عرض کرتا ہوں کہ بالاکوٹ میں آپ کی موجودگی کی وجہ سے شیر سنگھ آپ سے لڑنے کا مصمم ارادہ رکھتا ہے، اس کے ساتھ بارہ ہزار بندوقیں ہیں، اگر آپ اسکا مقابلہ کر سکیں، تو بالاکوٹ میں ٹھہریں، نہیں تو بالاکوٹ کو چھوڑ کر پچھلے پہاڑ پر جا بیٹھیں، یہ اپنا سر مار کر چلا جائے گا۔

(۱) مولوی جعفر علی لکھتے ہیں: ارباب بہرام خاں کو ایک جماعت کے ساتھ دوسری جانب بھیجا گیا کہ سکھوں کے لشکر کے روکنے میں مرزا احمد بیگ کی امکانی مدد کریں مجھے بھی اپنی جماعت کے قوی اور مستعد لوگوں کے ساتھ روانہ کیا گیا، میں جب ارباب صاحب کی جماعت کے پاس پہنچا، تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین نے سکھوں کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا تھا، لیکن اب دو چار راستے نہیں ہیں کہ ہم ان کی ناکہ بندی کریں، پہاڑ پر پہنچ جانے کے بعد تو بہت سے راستے ہو گئے ہیں''۔ (منظورہ: ص ۱۱۷۵)

دوسری تدبیر یہ ہے کہ شیر سنگھ آپ کی طرف صرف اپنے پیادوں کو ساتھ لے کر گیا ہے، باقی سب اسباب، توپ خانہ، گھوڑے، تمبو، قنات وغیرہ تھوڑے لوگوں کے ساتھ یہاں مجھ کو سپرد کر گیا ہے آپ وہاں سے اپنے سب لوگوں کو لے کر رات کو دریا کے اس پار چلے آئیں اور اپنے کچھ غازیوں کا چھاپہ ہم لوگوں پر بھیج دیں، یہاں ہمارے پاس کوئی مقابلہ کرنے والا نہیں ہے، سب غازیوں کے آتے ہی جان کے خوف سے بھاگ جائیں گے، تمام مال واسباب غازیوں کے قبضے میں آجائے گا اور میں بھی آپ کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا، ورنہ کل آپ کے خلاف دو طرف سے جنگ ہوگی: ادھر سے شیر سنگھ آپ کا مقابلہ کرے گا، ادھر سے یہ لوگ گولی ماریں گے، جو کچھ تدبیر کرنی ہو، آج ہی رات کو کرلیں، خیر خواہی سمجھ کر میں نے آپ کو اطلاع کر دی(۱)۔

اس وقت ناصر خاں، حبیب اللہ خاں اور کاغان کے سید ضامن شاہ، ان کے علاوہ اور بھی بہت لوگ موجود تھے، سب کے سامنے وہ خط پڑھا گیا، آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: بھائیو! تم سب نے یہ مضمون سنا اب اس میں تمھاری کیا صلاح ہے؟ جو بات بہتر معلوم ہو، ہم سے کہو، ناصر خاں نے عرض کیا کہ حضرت، اور بھائیوں کا حال تو مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ کیا صلاح دیں مگر میری ناقص رائے میں آتا ہے کہ یہ خط جو سلطان نجف نے بھیجا ہے، فریب سے خالی نہیں ہے، کیونکہ وہ اگر آپ کا مخلص صادق ہوتا، تو جب لشکر مانگلی یا مانسہرے میں آیا تھا، اس وقت یہ خط بھیجتا، تو قابل اعتبار ہوتا، اب جبکہ سکھوں کا لشکر سامنے پہاڑ پر چڑھ آیا ہے، اس وقت وہ اپنی دوستی اور خیر خواہی جتاتا ہے، یہ محض دغا وفریب معلوم ہوتا ہے۔

ناصر خاں کے بعد حبیب اللہ خاں نے عرض کیا کہ سلطان نجف خاں نے یہ خط آپ کو خیر خواہی سے بھیجا ہو یا فریب سے، یہ تو ہم کو معلوم نہیں، مگر اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ سچ ہے، بے شک

---

(۱) منظورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ارباب بہرام خاں نے بھی یہ مشورہ دیا تھا کہ سکھوں کے توپ خانہ پر قبضہ کر کے اس لشکر کو محصور کر لیا جائے، تو مٹی کوٹ پہنچ چکا ہے اور سلسلہ رسد کو اس سے منقطع کر دیا جائے، آپ نے ان سے عذر فرمایا کہ ہم نے پل توڑ دیا ہے اب اس کا انتظام مشکل ہے، اب تو جو کچھ ہونا ہے، یہیں ہوگا، ارباب بہرام خاں نے اپنی گردن کی طرف کلمہ شہادت سے اشارے کرتے ہوئے کہا: یہ سر اراہ خدا میں کٹنے کے لیے حاضر ہے۔ (منظورہ: ص ۱۱۷۴، تا ۱۱۷۷)

شیر سنگھ کے ساتھ دس بارہ ہزار بندوقیں ہیں، اگر آپ یہاں سے اٹھ کر پچھلے پہاڑ پر جا بیٹھیں، تو اسکا کچھ زور نہ چلے گا اور حیران ہو کر اور سر مار کر دو ایک روز میں مظفر آباد کو چلا جائے گا اور یہ بھی سچ لکھا ہے کہ مقابلے کے وقت آپ کے لوگوں پر دونوں طرف سے لڑائی پڑے گی، یہ سب تو ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس طرف پہاڑ پر شیر سنگھ لشکر لیے پڑا ہے اور دریا کے پار اس کا توپ خانہ ہے، اور جو یہ لکھا ہے کہ آپ غازیوں کے ساتھ دریا کے اس پار چلے آئیں اور کچھ لوگوں کا چھاپہ یہاں بھیج دیں، اس میں بھی بظاہر کچھ فریب نہیں معلوم ہوتا، بلکہ یوں ہی مناسب نظر آتا ہے کہ اگر آپ وہاں چھاپہ بھیجیں، تو کچھ عجب نہیں کہ ان کا توپخانہ اور مال و اسباب وغیرہ اپنے غازیوں کے ہاتھ آجائے اور پھر یہ سکھ، جو پہاڑ پر ہیں بے لڑائی کے بھاگ جائیں۔

اسی میدان میں لاہور ہے اسی میں جنت

حبیب اللہ خاں کی یہ تقریر سن کر آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، تم سچ کہتے ہو، مگر اب کفار کے ساتھ چوری سے لڑنا ہم کو منظور نہیں (۱) اسی بالاکوٹ کے نیچے ان سے لڑیں گے، اسی میدان میں لاہور ہے، اسی میں جنت ہے، اور جنت تو پروردگار نے ایسی عمدہ چیز بنائی ہے کہ ساری دنیا کی ریاست اس کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

بارگاہ الٰہی میں نذرانہ

میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمام جہان سے جو عمدہ چیز ہو اس کو اپنے پروردگار کے نذر کر کے اس کی رضامندی حاصل کروں اور اپنی جان کو اس کی راہ میں نثار کرنے کو تو میں ایسا سمجھتا ہوں جیسے کوئی ایک تنکا توڑ کر پھینک دیتا ہے۔

---

(۱) جنگ کے سلسلے میں ایک مقام ضرور ایسا آتا ہے جہاں فیصلہ کن جنگ اور ثبات واستقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ سید صاحبؒ نے اس موقع پر پورے مقابلے کا فیصلہ فرمایا، بظاہر بالاکوٹ چھوڑ کر چلے جانے کے مشورے قرین عقل معلوم ہوتے ہیں، لیکن زیادہ گہری نظر اور ایک غیور بہادر کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے، تو یہ مشورہ قابل قبول اور یہ تدبیر کارگر نہ تھی، اس کا انجام صرف یہ ہوتا کہ وقتی طور پر لشکر کی جان بچ جاتی، مگر سکھ بالاکوٹ کی پوری بستی کو پھونک دیتے اور ناکردہ گناہ آبادی کو تہ تیغ کر کے رکھ دیتے۔

اسی صلاح ومشورہ میں دوڈھائی گھڑی رات گزر گئی، اس وقت یہ بات ٹھہری کہ دریا کا پل توڑ کر غازیوں کا پہرہ اٹھالیا جائے، چنانچہ یہی کیا گیا(۱)۔

عشاء کی نماز کے بعد آپ نے ملالعل محمد قندھاری سے فرمایا کہ بھلا، تم ستبنی کے اس نالے پر ہوکر اور پہاڑ کے اوپر جا کر سکھوں پر چھاپہ مار سکتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں، کیوں نہیں مار سکتے، مگر اس شرط سے کہ آپ کو یہاں تنہا نہ چھوڑیں گے، اپنی جان کے ساتھ رکھیں گے، کیونکہ اتنے برس اس ملک میں رہ کر یہاں کے لوگوں کا حال خوب دیکھ لیا، ان سے نفاق دور ہونا بہت مشکل ہے، سکھوں کا جو یہ لشکر پہاڑ پر آیا ہے، ان کو بھی ملکی لوگ لائے ہیں، ورنہ کیا مجال تھی کہ آسکے۔

کل صبح کو اسی بالاکوٹ کے نیچے ہمارا اور کفار کا میدان ہے

آپ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو، حقیقت حال یہی ہے اتنے برس ہم نے اس کار خیر کے واسطے طرح طرح کی کوشش وجانفشانی کی، اپنی دانست میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، ہندوستان، خراسان اور ترکستان میں اپنے خلفاء روانہ کیے انھوں نے بھی حتی الامکان دعوت فی سبیل اللہ میں کوتاہی نہیں کی اور ہم بھی جہاں جہاں گئے، وہاں کے لوگوں کو ہر طریقے پر وعظ ونصیحت سے سمجھاتے رہے، مگر سوائے تم غرباء کے کسی نے ہمارا ساتھ نہ دیا، بلکہ ہم پر طرح طرح کا افتراء کیا، اب ہمارے کاتب بھی خطوط لکھتے لکھتے تھک گئے اور ہم بھیجتے بھیجتے تنگ آگئے اور کچھ ظہور میں نہ آیا، اب یہی خوب ہے کہ اپنے سب غازی بھائیوں کو پہروں پر سے اپنے پاس بلوالیں، کل صبح کو اسی بالاکوٹ کے نیچے ہمارا اور کفار کا میدان ہے، اگر اللہ نے ہم عاجز بندوں کو ان پر فتح یاب کیا تو پھر چل کر لاہور دیکھیں گے اور جو شہید ہوگئے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں چل کر عیش کریں گے۔

اس وقت تمام لوگ عالم سکوت میں تھے، کوئی کسی طرح کا چون وچرا نہ کرتا تھا، پھر آپ نے مٹی کوٹ کے سب غازیوں کو بلوا کر اپنے پاس جمع کرلیا۔

(۱) پل غالباً اس لیے توڑا گیا کہ سکھ لشکر اس سے عبور کر کے مشرق کی جانب سے بالاکوٹ پر حملہ نہ کر سکے۔

شہادت کی تیاری

آپ نے سب غازیوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائیو آج رات کو اپنے پروردگار سے بکمال اخلاص توبہ واستغفار کرو اور گناہوں کی بخشش چاہو، یہی وقت فرصت کا ہے، کل صبح کو کفار سے مقابلہ ہے، خدا جانے، کس کی شہادت ہے اور کون زندہ رہے۔

آخری انتظامات

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ سکھ مٹی کوٹ سے اتر کر بالاکوٹ پر حملہ آور ہوں گے، تو ایک مؤثر اور فیصلہ کن جنگ کے انتظامات کیے گئے، قصبے کے جائے وقوع اور میدان جنگ کی طبعی کیفیت مجاہدین کے لیے سازگار تھی، اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی، حملہ آور جب مٹی کوٹ سے اترتے، تو ان کو قصبے پر حملہ کرنے سے پہلے (جو بلندی پر واقع تھا) اسی نشیبی میدان سے سابقہ پڑتا، جو ٹیلے اور قصبے کے درمیان واقع ہے، اس نشیبی میدان میں دھان کے کھیت تھے، آپ کے حکم سے وہاں چشمے کا پانی چھوڑ دیا گیا تا کہ مسطح میدان دلدل میں تبدیل ہو جائے جس کا عبور کرنا اور وہاں جنگی نظام کا قائم رکھنا حملہ آوروں کے لیے دشوار ہو، اس کے بالمقابل مجاہدین کو جو قصبے کی بلندی پر موجود اور مورچے لگائے ہوئے تھے، ان پر حملہ کرنا آسان ہو اور حملہ آور آسانی کے ساتھ ان کی گولیوں کی زد میں آجائیں۔

اس تدبیر کے علاوہ مختلف مورچوں پر جہاں سے سکھ لشکر کے دباؤ اور زور کا اندیشہ تھا، مجاہدین کی مختلف جماعتوں کو مقرر کر دیا گیا تھا، زیادہ تر مورچے ست بنے کے نالے پر تھے، جو بالاکوٹ سے شمال مغرب کے گوشے پر ہے اور مٹی کوٹ سے اترنے والے لشکر کا اس طرف سے بالاکوٹ پر حملہ کرنا زیادہ متوقع تھا، یہاں سب سے پہلا مورچہ ملا لعل محمد قندھاری کا تھا، جو ست بنے کے نالے اور ٹیلے کے درمیان تھا، وہاں سے سلسلہ وار قصبے کی جانب مولانا اسمٰعیل صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب کی جماعتوں کے مورچے تھے، پھر ناصر خاں اور حبیب اللہ خاں کے مورچے تھے۔

قصبے کی تینوں مسجدوں اور مناسب مقامات پر بھی مورچہ بندی کر دی گئی۔

وقائع احمدی میں ہے: ''بالاکوٹ کے جانب مغرب مٹی کوٹ ہے، اس کی جڑ بھی زینے کی مانند ڈھلوان تھی، وہاں دھان بوئے جاتے تھے، حضرت امیر المومنینؒ کی اجازت سے اس زمین میں چشمے کا پانی رات ہی کو چھوڑ دیا گیا۔

بالاکوٹ میں تین مسجدیں تھیں، بستی کے بیچ میں ایک مسجد بڑی تھی، جس میں حضرت نماز پڑھتے تھے ایک اور مسجد اس سے تھوڑی دور تھی، اور ایک مسجد بالاکوٹ کے نیچے اتار پر تھی، سو حضرت نے رات ہی کو اپنے سب غازیوں سے فرمایا کہ جس کو جو کچھ لکڑی یا پتھر دستیاب ہو، وہ اپنے اپنے ٹھکانے پر لڑائی کے واسطے مورچہ بنالے، پھر اپنے پاس سے سب کو رخصت کیا، اسی وقت جا کر لوگوں نے اپنے اپنے مورچے بستی کے کواڑ، تختے، لکڑی، پتھر لا کر بنائے اور چوکی پہروں کا بندوبست کر کے سونے لگے۔''

رخصتی لباس

آپ مسجد سے اپنے ڈیرے پر تشریف لے گئے، کھانا تناول فرمایا اور اپنے کپڑے اور ہتھیار منگوائے، آپ نے چار کپڑے منشی خواجہ محمد (حسن پوری) کو بھیجے کہ کل فجر کو یہی کپڑے پہن کر مقابلے کو چلیں، اور تین کپڑے حکیم قمر الدین پھلتی کو کہ وہ بھی کل فجر کو یہی پوشاک پہنیں، اور ایک ارخالق، ایک دستار کا کریزی، ایک شالی کشمیر پٹکا اور سپید پائجامہ، یہ چار کپڑے اپنے واسطے رکھے اور ہتھیاروں میں سے ایک تفنگچہ، ایک ولایتی چھری، ایک ہندوستانی تلوار اور کٹار، یہ چار ہتھیار اپنے واسطے رکھے، پھر لوگوں سے فرمایا کہ اب اپنے اپنے بستر پر جا کر سو رہو، ہم بھی سوتے ہیں۔

شہادت کی رات

میاں عبدالقیوم صاحب کہتے ہیں کہ وہ رات اس طرح وحشتناک تھی کہ اس کا بیان تقریر سے باہر ہے، آسمان پر ابر بھی تھا اور بوندیاں بھی پڑتی تھیں، شام سے صبح تک تمام پرند جانور شور غل کرتے رہے، خود اس بستی کے لوگ ہم لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم نے ایک سے

ایک اندھیری اورابرآلودرات دیکھی، مگرایسی اداس اورخوفناک رات دیکھنے میں نہیں آئی۔

میاں لعل محمد جگدیس پوری کہتے ہیں کہ بالاکوٹ کی لڑائی سے کئی روز پہلے سے کہر کی مانند ایک سرخ غبار چھایا ہوا تھا اور لوگوں کو ایک ہیبت اور اداسی سی معلوم ہوتی تھی؟ ویسا دھواں کبھی دیکھا نہ تھا، غازیوں میں اس کا تذکرہ ہوا اور قاضی علاء الدین صاحب نے سید صاحبؒ سے ذکر کیا، آپ کچھ دیر سکوت میں رہے اورآسمان کی طرف دیکھنے لگے، اس کے بعد فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہمارے لشکر کے مجاہدین میں سے کچھ لوگ راہ خدا میں اپنی جانیں دے کراپنی دلی مراد کو پہنچ کر کامیاب ہوں گے اورتم لوگوں میں سے کوئی شخص جدا بھی ہوجائے گا، آگے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ جانے۔

چوالیسواں باب

مشہد بالاکوٹ

شہادت کی صبح

۲۴؍ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کی صبح صادق اور صبح کی اذان ہوئی، تو سب لوگ وضو کر کے مسلح ہو کر حاضر ہوئے، آپ نے نماز پڑھائی، پھر اجازت دی کہ اپنی اپنی جگہ پر جا کر ہوشیار رہو، آپ بھی اپنے ڈیرے پر آ کر وظیفے میں مشغول ہو گئے جب آفتاب نکلا، تو نماز اشراق پڑھ کر کچھ دیر کے بعد وضو کر کے سرمہ لگایا اور ڈاڑھی میں کنگھی کی اور لباس اور ہتھیار پہن کر مسجد کو چلے، اس وقت سکھ پہاڑ سے مٹی کوٹ کی طرف اترتے تھے، لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کر کے آپ سے عرض کیا کہ سکھوں کا لشکر پہاڑ سے اترتا ہے، آپ نے فرمایا کہ اترنے دو، پھر آپ مسجد میں داخل ہوئے اور اس کے سائبان کے تلے بیٹھے اور ایک ایک، دو دو کر کے بہت سے غازی بھی وہیں جمع ہو گئے۔

ایک عبرتناک واقعہ

میاں خدا بخش صاحب رامپوری کہتے ہیں کہ ضلع اجوری کا ایک شخص پنجتار سے حضرت کے لشکر میں شریک ہوا تھا، اس کا نام معلوم نہیں کیا تھا، مگر راجہ کر کے مشہور تھا، جب اس نے شیر سنگھ کا لشکر دیکھا کہ سامنے پڑا ہے، خدا معلوم، اس کے دل میں کیا آیا کہ یکبارگی

اپنے ہتھیار لے کر لشکر مجاہدین سے نکل کر شیر سنگھ کے لشکر میں چلا گیا اور ان میں شریک ہو گیا، تقدیر الٰہی سے اس کے جانے کے بعد شیر سنگھ کے لشکر کا ایک سکھ حضرت کے پاس آ کر مسلمان ہوا، اور غازیوں میں شریک ہوا، حضرت نے اس کا نام عبداللہ رکھا جس دن بالاکوٹ میں لڑائی شروع ہوئی اور سکھوں نے غازیوں پر یورش کی، تب وہ جو راجہ کر کے مشہور تھا، ہتھیار باندھے سب سکھوں کے آگے تھا، ادھر کی گولی اس کے لگی اور وہ وہیں مردار ہوا، اس کے بعد سکھوں کی طرف کی ایک گولی اس سکھ نو مسلم کے لگی اور وہ اسی جگہ شہید ہو گیا۔

پہلا شہید

الٰہی بخش رامپوری کہتے ہیں کہ ہماری جماعت میں ضلع پٹیالہ کے ایک سید چراغ علی تھے وہ کھیر پکا رہے تھے اور قرابین ان کے کندھے پر پڑی ہوئی تھی، سکھ مٹی کوٹ سے نیچے اتر رہے تھے، وہ اپنی کھیر بھی چمچہ سے چلاتے جاتے تھے اور سکھوں کی طرف بھی دیکھتے تھے، اس وقت ان پر ایک اور ہی حالت واقع تھی، یکبارگی آسمان کی طرف دیکھ کر بولے کہ وہ دیکھو، ایک حور کپڑے پہنے ہوئے چلی آتی ہے، کچھ دیر کے بعد کہنے لگے کہ دیکھو ایک پوشاک پہنے ہوئے آتی ہے، یہ کہہ کر وہ چمچہ دیگچی پر مارا اور یہ کہتے ہوئے کہ اب تمھارے ہی ہاتھ کا کھانا کھائیں گے، سکھوں کی طرف روانہ ہوئے، کتنا ہی لوگ کہتے رہے کہ میر صاحب، ٹھہر جاؤ، ہم بھی چلیں گے، انھوں نے کسی کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا اور جاتے ہی سکھوں کے مجمع میں گھس گئے اور داد جوانمردی دے کر شہید ہو گئے۔

دنیا سے بے تعلقی

میاں الٰہی بخش رامپوری کہتے ہیں کہ شیخ ولی محمد صاحب پھلتی نے، جن کی تحویل میں توشک خانہ تھا، مال و اسباب کی گٹھریاں باندھتے ہوئے مجھ سے اور نظام الدین اولیاء سے کہا کہ حضرت کا معمول ہے کہ دشمن کے مقابلے کے وقت اپنے توشک خانے کا اسباب کہیں محفوظ مکان میں رکھوا دیتے ہیں، تم جا کر میری طرف سے کئی باتیں عرض کر کے جلد جواب لاؤ، ایک یہ کہ توشک

خانہ کا یہ اسباب جہاں ارشاد ہو، وہاں پہنچا دیا جائے، اور ایک یہ کہ چار پانچ آدمی جو بیمار ہیں، ان کو کہاں لے جا کر رکھیں، اور ایک یہ کہ موضع کنسی ضلع تاکوٹ کے ساٹھ آدمی آپ کی مدد کو آئے ہیں، وہ گولی بارود مانگتے ہیں، اپنے اکثر غازی بھائی بھی گولی بارود اور بندوق کے پتھر مانگتے ہیں، جو ارشاد ہو، وہ کیا جائے، ہم دونوں مسجد میں گئے اور یہ تمام حال حضرت سے جدا جدا عرض کیا، آپ نے سب کے جواب میں فرمایا کچھ حاجت نہیں، یعنی توشک خانے کا مال واسباب جہاں ہے، وہیں رہنے دو، کہیں لے جانے اور پہنچانے کی حاجت نہیں اور یوں ہی بیماروں کو بھی، جہاں ہیں، وہیں رہنے دو، اور جو لوگ گولی بارود مانگتے ہیں، سو وہ بھی دینے کی کچھ حاجت نہیں۔

سید صاحبؒ پہلے مورچے پر

محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں کہ آپ مسجد کے سائبان کے تلے بیٹھے تھے، باری باری ایک ایک آدمی کا پہرہ آپ کے پاس رہتا تھا، اس وقت میری باری تھی ادھر پہاڑ کے سکھ لوگ اترتے تھے، جو ضرب شاہین ان کی طرف سے چلتی تھیں، ان کا کوئی گولا مسجد کے اوپر نکل جاتا تھا، کوئی مسجد کے دائیں بائیں ہو کر، مگر کسی آدمی کے نہیں لگتا تھا، ہماری طرف کے مورچوں سے بھی شاہین اور بندوقیں چلتی تھیں، مگر ایک مورچے کی شاہینیں، جو مسجد کے جنوب کی طرف تھا، نہیں چلتی تھیں، لوگوں نے آپ سے سکھوں کی گولیوں کی شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ تم بھی مارو، تب اس مورچے سے بھی شاہینیں سر ہونے لگیں، اس اثناء میں نور محمد جراح کسوت لیے ہوئے حضرت کے پاس آئے اور آپ کی لبیں کتریں اور ڈاڑھی میں کنگھی کی۔

فتح و شکست اللہ کے اختیار میں ہے

اس عرصے میں حبیب اللہ خاں کسی آدمی سے کہنے لگے کہ سکھوں کی جمعیت بہت ہے اور ہم لوگوں کی تھوڑی، ان کے مقابلے کا طور کچھ میری طبیعت میں اچھی طرح جمتا نہیں، کہیں یہ آواز حضرت کے کان میں پہنچی، آپ نے فرمایا: حبیب اللہ خاں کیا باتیں کرتے ہیں؟ کسی نے کہا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ سکھ بہت ہیں اور ہم لوگ تھوڑے ہیں، ان کے مقابلے کا طور

میرے خیال میں اچھی طرح سے نہیں آتا، آپ نے خان موصوف کو اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ خان بھائی، فتح اور شکست اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جس کو چاہے دے، بہت اور تھوڑے لوگوں پر موقوف نہیں ہے، کبھی اللہ تعالیٰ تھوڑوں کو بہتوں پر غالب کر دیتا ہے اور کبھی بہتوں کو تھوڑوں پر، ہم کو صرف اپنے پروردگار کی رضامندی درکار ہے، فتح وشکست سے کچھ غرض نہیں، اس کی خوشنودی میں بہرصورت ہماری فتح مندی ہے۔

ان کو نزدیک آنے دو

اسی اثناء میں ملا لعل محمد قندھاری گھبرائے ہوئے آئے اور حضرت سے عرض کی کہ سکھ لوگ پہاڑ پر سے اتر کر نزدیک آگئے ہیں، آپ نے پوچھا کہ تم لوگوں کے مورچوں سے کتنی دور پر آئے ہیں؟ انھوں نے عرض کی بندوق کی زد پر، آپ نے فرمایا کہ تم بھی جا کر اپنے اپنے مورچوں سے بندوقیں مارو اور ان کو نزدیک آنے دو اور جب تک ہم نہ آئیں، تب تک ان پر کوئی ہلہ نہ کرے۔

یہ جواب سن کر ملا لعل محمد اپنے مورچے پر چلے گئے، کچھ دیر کے بعد آ کر وہی عرض کیا کہ سکھ لوگ بہت نزدیک آگئے ہیں، آپ نے پھر وہی فرمایا کہ ابھی ان کو اور نزدیک آنے دو، یہ سن کر وہ پھر اپنے مورچوں میں گئے، تیسری بار کچھ دیر کے بعد پھر وہی عرض کیا اور کہا کہ اگر اجازت ہو، تو ہم لوگ ان پر ہلہ کریں آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ بغیر ہمارے تم کوئی ہلہ نہ کرنا اور ابھی ان کو اور بھی نزدیک آنے دو، یہ سن کر ملا لعل محمد اپنے مورچے کی طرف گئے۔

دعا

ادھر آپ سائبان کے نیچے سے اٹھے اور سب لوگوں سے فرمایا کہ تم سب یہیں رہو، ہم اکیلے جا کر دعا کرتے ہیں، ہمارے ساتھ کوئی نہ آئے، پھر سب لوگ جہاں کے تہاں ہتھیار باندھے تیار کھڑے رہے، آپ مسجد کے اندر گئے اور دروازہ اور کھڑکی کے کواڑ بند کر لیے اور دعا میں مشغول ہوئے، کچھ دیر کے بعد یکایک کھڑکی کھول کر آپ نے پوچھا کہ مجھ کو کس نے پکارا؟ محمد امیر خاں کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ ادھر سے تو آپ کو کسی نے نہیں پکارا، کیونکہ ادھر

میرے سوا کوئی اور آدمی نہیں ہے، یہ سن کر پھر آپ نے کھڑکی بند کر لی، کچھ دیر کے بعد آپ نے پھر کھڑکی کھول کر پوچھا کہ مجھ کو کسی نے آواز دی؟ میں نے پھر عرض کیا کہ ادھر سے آپ کو کسی نے نہیں پکارا، الغرض تین بار کھڑکی کھول کر وہی پوچھا اور تینوں پر میں نے وہی جواب دیا کہ ادھر سے آپ کو کسی نے نہیں پکارا، یہی حال بڑے دروازے کی طرف گزرا۔

میدان جنگ کی طرف

شیر محمد خاں کہتے ہیں کہ تیسری بار آپ نے وہی پکارنے کا سوال کیا اور لوگوں نے وہی پہلا جواب دیا، آپ مسجد سے نکلے اور جلد باہر کو روانہ ہوئے، صحن مسجد سے نکل کر بالاکوٹ کے نیچے اترنے لگے، آپ آگے تھے اور سب لوگ آپ کے پیچھے تھے، ایک مسجد جو نیچے اتار پر تھی غازیوں کا ایک مورچہ اس میں بھی تھا، آپ اس میں تشریف لے گئے۔

میدان جنگ کے اندر

محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں کہ جب آپ بالاکوٹ کے نیچے کی مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں سکھوں کی گولیاں اولوں کی طرح برستی تھیں، کئی آدمی زخمی ہوئے، آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ یہاں تختے اور کواڑ کی آڑیں جلد بنالو بعض غازی بستی کے کواڑ اتار لائے، مگر آڑ بنانے کی نوبت نہیں آئی، کیونکہ اسی اثناء میں آپ نے مسجد کے کونے کی آڑ میں کھڑے ہو کر سکھوں کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ جو قرابین والے اور لمبی بندوق والے ہوں، وہ ہمارے آگے چلیں، پھر کوئی کوئی قرابین والے آگے ہونے پائے اس میں جلد آپ نے مسجد سے باہر نکل کر اور تکبیر کہہ کر ہلہ کیا(۱) اور جس طرح شیر اپنے شکار پر جاتا ہے، اسی سرعت سے آپ جاتے تھے۔

---

(۱) میاں لکھمیر کی روایت ہے کہ آپ کا غازیوں کو حکم تھا کہ جب تک تلوار کے مقابلے پر نہ آئیں، تب تک کوئی حملہ نہ کرے، ملا لعل محمد قندھاری اپنی جماعت کے ساتھ ست بنے کے نالے پر مورچہ لگائے سکھوں پر گولیاں چلا رہے تھے، جب سکھ آتے آتے چالیس قدم کے فاصلے پر آپہنچے، تو ملا لعل محمد نے بغیر اجازت اپنا نشان اٹھا کر حملہ کر دیا، قریب تھا کہ جا کر سکھوں میں گڈمڈ ہو جائیں، اگرچہ اس وقت اتنے فاصلے سے حضرتؒ کا ارادہ نہ تھا، کہ ہلہ کریں، مگر قندھاریوں کو دیکھ کر دیر کرنا، مناسب نہ جانا، بآواز بلند تکبیر کہتے ہوئے مسجد سے نکل کر حملہ آور ہوئے۔ (وقائع احمدی)

خدا بخش رامپوری، محمد ابراہیم خاں قصوری اور میاں عبدالقیوم اس کی تردید کرتے ہیں کہ ملا لعل محمد قندھاری نے بلا اجازت حملہ کیا اور حملہ کرنے میں سبقت کی۔

میاں عبدالقیوم صاحب کی روایت ہے کہ جب آپ نیچے کی مسجد میں تشریف لائے، وہاں سکھوں کی گولیاں اولے کی طرح برستی تھیں، کوئی آدھ گھڑی مسجد میں ٹھہر کر دادا سید ابوالحسن سے فرمایا کہ نشان لے کر آگے چلو، پھر باواز بلند تکبیر کہتے ہوئے آپ حملہ آور ہوئے۔

اس وقت ارباب بہرام خاں آپ کے آگے آگے گویا سپر بن کر چلتے تھے، وہاں سے پچیس تیس قدم کھیت میں ایک بڑا سا پتھر زمین سے نکلا ہوا تھا، آپ اس کی آڑ میں جا کر ٹھہرے، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے کہا کہ جن غازیوں کے پاس قرابینیں ہیں، وہ اس وقت حضرت کے پاس سے جدا نہ ہوں، سب قرابینچی آپ کے قریب مورچہ بنا کر بیٹھے، آپ اس پتھر کی آڑ میں اس نیت سے ٹھہرے تھے کہ جب سکھوں کا ہلہ بہت نزدیک آئے، تو ایک باڑھ قرابینوں کی مار کر تلوار کی لڑائی لڑیں، حکمت الٰہی سے یوں ہی ہوا، کہ جب ان کا ہلہ اوپر سے اترتے اترتے پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر آیا، تب یکبارگی تکبیر کہہ کر ایک باڑھ بندوق والوں نے ماری، اس کے بعد دوسری باڑھ قرابین والوں نے ماری، ان دونوں باڑھوں میں بے شمار کفار مقتول ہوئے۔

حافظ وجیہ الدین صاحب باغپتی کہتے ہیں کہ میں بندوق لگاتے لگاتے ایک نالے پر پہنچا، تو دیکھتا ہوں کہ چند آدمیوں کے ساتھ سید صاحبؒ قبلہ رو بیٹھے ہوئے بندوق چلا رہے ہیں اور آپ کے قریب شہیدوں کی کئی لاشیں پڑی ہیں، شیخ عبدالرؤف پھلتی کی لاش اور دوسری شاہ محمد کی لاش، جو جماعت خاص میں تھے، میں نے پہچانی، باقی اوروں کے نام یاد نہیں، اس وقت حضرت نے میرے روبرو اپنی داہنی چھاتی پر بندوق جما کر فیر کیا، تو مجھ کو آپ کے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں یا اس کے پاس والی میں تازہ خون نظر آیا، میں نے اپنے قیاس سے معلوم کیا کہ شاید آپ کے مونڈھے میں گولی لگی ہے، بندوق چھاتی پر رکھتے وقت اس کا خون آپ کی انگلی میں لگ گیا ہے۔

میاں حفیظ اللہ دیوبندی کہتے ہیں کہ مجھ کو چند روز پہلے سے بخار آتا تھا، اس سبب سے میں پیچھے رہ گیا اور میری جماعت کے سب لوگ آگے بڑھ گئے، آہستہ آہستہ میں بھی ان

کے پیچھے چلا جاتا تھا، دھانوں کے ایک کھیت میں میں نے دیکھا کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کھڑے ہوئے بندوق لگا رہے ہیں، میں نے دور ہی سے پکار کر پوچھا کہ مولانا صاحب حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا شور نہ کرو، سکھ سنتے ہیں، حضرت آگے نالے میں ہیں، وہیں چلے جاؤ، میں وہاں گیا، تو دیکھا کہ حضرت ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسری میں بندوق پکڑے قبلہ رخ نالے میں بیٹھے ہیں اور ایک طرف آپ کے قریب پچیس تیس غازی صف باندھے آڑ میں بیٹھے ہوئے بندوقیں لگا رہے ہیں، میں بھی انہیں میں جا بیٹھا اور بندوق بھر بھر کر مارنے لگا، اس دوران میں حضرت نے فرمایا کہ بھائیو، ان موذیوں کو تاک تاک کر گولیاں مارو۔

مجاہدین کا غلبہ اور سکھوں کی پسپائی

محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں: اس وقت آسمان صاف تھا، نہ ابر تھا، نہ غبار، دھوپ پھیلی ہوئی تھی، مگر بارود کے دھوئیں کے سبب سے اس طرح کی تاریکی تھی کہ نزدیک کا آدمی بھی بمشکل پہچانا جاتا تھا، سکھوں کی بندوقوں کے کارتوس کے کاغذیوں معلوم ہوتے تھے، جیسے ٹیڑیاں (۱) اڑتی ہیں، وہ وقت نہایت اداس اور خوفناک نظر آتا تھا، سب مجاہدین نے قرابین اور بندوق گلے میں ڈال کر تلواریں پکڑیں اور یکبارگی بہ آواز بلند اللہ اکبر! اللہ اکبر! کہہ کر حملہ آور ہوئے، اس وقت لڑائی کا یہ رنگ تھا کہ تمام سکھ منہزم ہو کر پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور مجاہدین پہاڑ کی جڑ تک پہنچ گئے تھے اور سکھوں کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کر کھینچتے تھے اور تلواریں مار مار کر مردار کرتے تھے اور جانبین سے پتھر چلتے تھے۔

مجاہدین کی تشویش اور سید صاحبؒ کی تلاش

اسی اثناء میں سب لوگوں نے پیچھے پھر کر جو دیکھا، تو نہ سید صاحب کا نشان نظر پڑا اور نہ خود آپ نظر آئے، تب تو سب متردد ہو کر گھبرائے اور لڑنے بھڑنے سے سست ہو گئے، پھر

---

(۱) ٹڈیاں

بھی کچھ غازی سکھوں کے مقابلے میں لڑتے رہے اور اکثر آپ ہی کی تلاش میں لڑائی کے کھیت میں جابجا پھرنے لگے۔

لعل محمد جگدیس پوری کہتے ہیں کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب رفل کندھے میں ڈالے ننگی تلوار ہاتھ میں لیے پیشانی سے خون بہتا ہوا میرے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ میں نے اپنے داہنے طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ اس ہجوم میں ہیں، یہ سن کر وہ اس طرف جھپٹتے ہوئے چلے گئے، ان کے پیچھے مولوی سید نور احمد صاحب نگرامی (جو سید صاحبؒ کے حالات کی کتاب لکھا کرتے تھے) ننگے سر تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے آئے، وہ بھی حضرت کو پوچھنے لگے، ان سے بھی میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ اس ہجوم میں ہیں، یہ خبر پا کر وہ دوڑتے ہوئے اس طرف کو چلے گئے۔

میاں امام الدین صاحب بڑھانوی کہتے ہیں کہ املیا کے حافظ عبداللہ کی میں نے آواز سنی کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین کہاں ہیں اور روتے ہوئے پیچھے کو چلے جاتے ہیں، میں بھی بارود سنگری میں بھر کر انہیں کے پیچھے چلا، تھوڑی دور کر جا کر دیکھتا ہوں کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب رفل کندھے میں ڈالے ہوئے پیشانی سے خون جاری چہل قدمی کر رہے ہیں، میں نے کہا: مولانا صاحب، آپ بھی چلیے، انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

الٰہی بخش رامپوری کہتے ہیں کہ حضرت کے مورچے کی طرف سے قصبے نیوتنی کے حافظ عبداللطیف صاحب آبدیدہ، حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ کہتے ہوئے ہم لوگوں کے قریب آئے، میں نے کہا کہ مجھ کو معلوم نہیں، پھر وہ یہی کہتے ہوئے ست بنے کے نالے کی طرف چلے گئے، شیخ ولی محمد صاحب پھلتی بھی مجھ کو ملے، وہ بھی حضرت امیر المومنین کو مجھ سے پوچھنے لگے، ان سے بھی میں نے کہا کہ میں نے تو نہیں دیکھا، مگر احتمال ہے کہ اسی ہجوم میں، جہاں تلوار چل رہی ہے ہوں گے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی شہادت

محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں کہ جب سکھ پسپا ہو کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے، میرے

پیچھے کی طرف سے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب انگریزی رفل کندھے سے لگائے ہوئے آئے اور پوچھنے لگے سید صاحبؒ کہاں ہیں؟ مولانا صاحب کے سر میں گولی لگی تھی اور کنپٹی سے خون جاری تھا، لوگوں نے کہا کہ سید صاحبؒ آگے ہیں، وہ آگے گئے کچھ دیر کے بعد ابراہیم خاں خیرآبادی کے باپ حیات خاں اس طرف سے زخمی روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ مولانا صاحب شہید ہوگئے۔

مشہد بالاکوٹ (۲)

دشمن کا دوبارہ حملہ اور مجاہدین کی شکست

میاں عبدالقیوم صاحب کہتے ہیں کہ جب سکھ منہزم ہو کر اوپر کی طرف بھاگے، تو ادھر سے غازیوں نے اپنے اپنے ہتھیار لے کر ان کا تعاقب کیا، کوئی تلوار سے کوئی، گنڈا سے سے، کوئی پتھروں سے اور کوئی بندوق وغیرہ سے ان کو مارنے لگا، دشمن کے بے شمار آدمی مقتول ہوئے، باقی بھاگتے بھاگتے پہاڑ کی جڑ میں جا پہنچے، پہاڑ کے اوپر لشکر کا سکھ افسر شیر سنگھ بیٹھا تھا، اس نے یہ حال دیکھا تو کہنے لگا، ارے سکھو کہا بھاگے آتے ہو؟ لاہور دور ہے اس وقت بالاکوٹ کی رعایا اپنا اپنا اسباب لیے بھاگی جاتی تھی، اس حال میں سکھوں کے ترم نواز نے ترم بجایا اور اس کی آواز میں کچھ کہا، اس کی آواز سنتے ہی جو سکھ بھاگ کر پہاڑ کی جڑ میں چلے گئے تھے وہ پھر کر وہیں سے غازیوں کی طرف بندوقوں کی باڑھیں مارنے لگے، اس وقت کچھ غازی تو ان کے مقابلے میں رہے، باقی سب اس لڑائی کے کھیت میں سید صاحبؒ کو تلاش کرنے لگے اور جس پتھر کی آڑ میں آپ کو چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھا دیکھا تھا، وہاں آپ کو نہ پایا، یہ سب تو حضرت کی تلاش میں ادھر ادھر متردد پھرتے تھے، ادھر سے سکھ بندوقوں کی باڑھیں مارتے تھے، اس حالت میں بہت مجاہدین شہید ہوئے اور جو سکھ غول کے غول پہاڑ پر

چڑھے تھے، انھوں نے ہم لوگوں کے دائیں اور بائیں طرف آکر محاصرہ کرلیا۔

اسی اثناء میں ایک آواز سب لوگوں نے سنی کہ غازیو، تم یہاں کیا کرتے ہو؟ حضرت امیر المومنین کو گوجر لوگ ست بنے کے نالے میں ہو کر لیے جاتے ہیں، یہ آواز سنتے ہی غازی، جو حضرت امیر المومنین کے ساتھ ملے میں تھے، اس کھیت سے باہر نکلنے لگے، ان میں شاید کوئی بچے ہوں، باقی سب شہید ہو گئے اور جو غازی ادھر ادھر دور تھے، ان میں سے اکثر بچ کر سلامت نکل گئے۔

مولوی سید جعفر علی کا چشم دید بیان

مولوی سید جعفر علی اپنا چشم دید حال لکھتے ہیں:

''فجر کے وقت نماز کے بعد حکم ہوا کہ ہر شخص اپنی جگہ پر تختے وغیرہ سے مورچہ بنالے اور کھانے سے جلدی سے فرصت کرلے، چنانچہ ہم چند آدمیوں نے اس بالائی مسجد کے لیے، جو حضرت امیر المومنین کا مسکن تھی، تختہ بندی کر لی، سکھوں کے لشکر نے (جو سب کے سب پیادے تھے) آہستہ آہستہ اس طرح اترنا شروع کیا کہ ہم ان کو پہاڑ کے اوپر دیکھ رہے تھے، اس مسجد کی مورچہ بندی کے بعد ہم نے اپنے دوسرے مقامات پر مورچے باندھے، ہر شخص نے کھانے سے فراغت کی، حضرت امیر المومنین نے بھی صاف کپڑے پہنے، آپ کی قبا سیاہ رنگ کی تھی، آپ ہتھیار باندھ کر مسجد کے سائبان میں بیٹھ گئے، جو اسلحہ آپ نے زیب کمر فرمائے، ان میں تفنگچہ اور ایک قدیم ولایتی چھری تھی منشی محمدی انصاری نے آپ کی وہ انگوٹھی، جو مہر کرنے کے لیے اپنی انگلی میں پہنے ہوئے تھے، آپ کی انگشت مبارک میں پہنادی تاکہ اگر وہ خود شہید ہو جائیں، تو امانت اپنے مالک کے پاس ہو، انھوں نے مجھ سے بھی یہ فرمایا کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی انگوٹھی بھی انگلی سے نکال کر جناب ممدوح کو پہنادو، چنانچہ ایسی ہی کیا گیا، جو گنڈا سے تیار کیے گئے تھے، ان میں سے ایک شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری کے لیے میں نے طلب کیا، آنجناب نے فرمایا کہ بھائی ان کو میرے پاس بھیج دو، میں نے تعمیل کی، جب وہ حاضر ہوئے، تو فرمایا کہ بھائی، تم بندوق لے لو، انھوں نے عرض کیا، میرا بایاں ہاتھ بندوق پکڑنے کے قابل نہیں، اس

پران کو گنڈا سہ عطا ہوا۔

اس وقت سکھوں کا لشکر اس قدر قریب آ گیا تھا کہ ان کی طرف کی شاہین کی گولیاں بالاکوٹ کے مکانات تک پہنچ رہی تھیں، اس طرف بھی مسجد کے دروازے پر شاہین رکھی گئی اور شاہینچیوں نے ان کو سر کرنا شروع کیا، ملا لعل محمد قندھاری کو حکم ہوا کہ اپنی جماعت کے ساتھ دھان کے کھیتوں کو عبور کر کے پہاڑ کے دائیں جانب اپنی کمین گاہ بنائیں تاکہ جس وقت سکھ بالاکوٹ کا قصد کریں، تو ان کے بغل کی طرف سے وہ یورش کریں، جس مسجد میں آپ تشریف رکھتے تھے، اس کے نیچے ایک مکان تھا، غرب رویہ، طول میں جنوباً و شمالاً، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے مولوی احمد ناگپوری کی جماعت کو، جو اس وقت راقم الحروف کے زیر فرمان تھی، اس جگہ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ جب سکھوں کا لشکر بندوق کی گولی کی زد پر آ جائے، تو اسی جگہ سے ان پر بندوق چلائیں، جب وہ دلدل عبور کر کے بالاکوٹ پر چڑھنے کا ارادہ کریں، تو پھر وہ وقت تلوار کا ہے، ہر مورچے والے اسی طرح عمل کریں، خود مولانا ممدوح بڑی مسجد کے نیچے شمال سمت میں اپنی جماعت کے ساتھ بیٹھے۔

ہم جس جگہ ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں چارپائیاں بہت زیادہ پڑی ہوئی تھیں، ان کو جما کر بیٹھ گئے، ہر ایک نے اپنے ہتھیار اپنے سامنے رکھ کر ان کو درست کرنا شروع کیا، ہر ایک نے دوسرے سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگی، شیخ محمد اسحٰق نے مجھ سے فرمایا کہ ابھی تک وطن واہل وعیال کی محبت میرے دل پر غالب تھی، آج سوائے شہادت اور اللہ سے ملنے کی تمنا کے کوئی تمنا دل میں نہیں، میں نے کہا: اللہ کا شکر ہے اس وقت یہی نیت ہونی چاہیے، ان شاء اللہ آپ زندہ رہیں گے۔

اتنے میں دونوں جانب سے شاہینیں چلنے لگیں، آنجناب مسجد کے اوپر سے یکبارگی نیچے تشریف لائے اور نیچے کی مسجد کا رخ فرمایا، تمام غازی آپ کے ساتھ ہو گئے، ہر مورچے پر یہ تذکرہ تھا کہ آپ کفار کے مقابلے کے لیے میدان کا رخ فرما رہے ہیں اس پر تعجب بھی ہوا کہ طے تو یہ ہوا تھا کہ کفار جب نیچے پہنچ کر بالاکوٹ کی طرف چڑھنے کا ارادہ کریں گے اور

دلدل اور پیاز کے کھیتوں سے آگے بڑھ جائیں گے، اس وقت اس طرف حملہ ہوگا، اس لیے کہ اوپر کی طرف دوڑنا زیادہ پر مشقت اور دشوار ہے بہ نسبت نشیب کی طرف دوڑنے کے، اس وقت ان کے لیے چڑھنا مشکل ہوگا اور ہمارے لیے اترنا آسان۔

جب آپ کی جماعت شاہراہ پر پہنچی، تو اس کے ایک طرف اس خاکسار کی جماعت کا ایک مورچہ تھا اور دوسری طرف مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی جماعت کا ہم سب آپ کے شریک حال ہو گئے، آپ نیچے تشریف لائے اور مسجد زیریں میں توقف فرمایا میں نے جنگ کے بعد یہ واقعہ سنا کہ آپ نے تین بار دریافت فرمایا کہ کون شخص مجھے آواز دیتا ہے، اسی طرح میں نے سنا کہ آپ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ کے لیے ایک تخت لایا گیا، جس کے پائے سرخ ہیں، بہرحال سکھوں کے لشکر گاہ کا ہراول دستہ دو توپیں دریا کے قریب لایا اور بالاکوٹ کی طرف ان کو سر کرنا شروع کیا، لیکن اس سے کسی کو نقصان نہ پہنچا، اس مسجد میں پہنچنے کے بعد جب کفار کا لشکر بندوق کی گولی کی زد پر پہنچا، ان کی گولیاں بارش کی طرح برسنے لگیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسجد کی چھت اور اس کے احاطے پر دائیں بائیں اولے پڑ رہے ہیں، بعض غازی مجروح بھی ہوئے، ایک گولی شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری کے دائیں ہاتھ پر پڑی، ان کا بایاں ہاتھ پہلے سے بیکار تھا، اب دایاں ہاتھ بھی بیکار ہو گیا، شیخ موصوف نے مجھ سے کہا کہ میں تو اب دعا کے قابل ہی رہ گیا ہوں، یہ کہہ کر وہ بالاکوٹ کی طرف واپس چلے گئے، شیخ حفیظ اللہ دیوبندی کی آنکھ کے نیچے ایک تیر ایسا لگا کہ اس کا پیکان دوسرے طرف سے نکل گیا۔

تھوڑے وقفے کے بعد آپ اس مسجد سے باہر تشریف لائے اور دشمنوں کی گولیوں کی بارش میں آپ نے اس دلدل کا رخ کیا، لوگوں نے اس وقت عرض کیا کہ لوگ زخمی ہو رہے ہیں، اس طرف سے بھی حملے کا حکم ہو، آپ نے فرمایا کہ لمبی بندوق کو سر کرو اور اگر ہو سکے، تو جابجا مورچے بنالو، لیکن چونکہ ابھی تک دلدل کو عبور نہیں کیا گیا تھا، مورچے کا سامان کم تھا، کیونکہ زمین کسی قدر ہموار تھی، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے پکار کر فرمایا کہ قرابین والے حضرت امیر المومنین کے گرد ہو جائیں، میں نے مولوی احمد اللہ ناگپوری سے کہا کہ اپنی

جماعت کی خبر رکھیے گا، مجھے حضرت امیر المومنین کے قریب رہنے کا حکم ہوا ہے، اور اپنی جماعت والوں کو بندوقوں کو سر کرنے کے لیے آواز دی، اس وقت ہم میں سے ہر شخص آہستہ آہستہ تکبیر کہہ رہا تھا، اس دلدل کے اوپر ایک پتھر نکلا ہوا تھا، اس پتھر پر آپ اپنے دونوں بازوؤں پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور شیخ ولی محمد پھلتی کو بالاکوٹ کے اوپر سے شاہین لانے کے لیے روانہ فرمایا، ارباب بہرام خاں بائیں جانب آپ کی بغل میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص نے عرض کیا کہ لشکر کفار کا زور قندھاریوں کی جماعت کی طرف زیادہ ہے، ان کی مدد کے لیے کوئی جماعت چلی جائے، تو اچھا ہے، آپ نے فرمایا: اتنی ہی تعداد کافی ہوگی۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے شخص نے عرض کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سکھوں کا لشکر جنوب کی جانب سے قصبہ بالاکوٹ میں داخل ہو جائے، آپ نے فرمایا کہ ہم نے ایک جماعت کو اس طرف متعین کر دیا ہے، اس شخص نے عرض کیا کہ وہ جماعت تھوڑی ہے، فرمایا کہ اتنی ہی کافی ہے، اس اثناء میں سکھوں کی ایک جماعت پہاڑ سے نیچے اتر کر دھان کے کھیتوں میں پہنچ گئی تھی، ان کی بندوقوں کی گولیاں بارش کی طرح آرہی تھیں، غازیوں میں سے ایک شخص نے تلوار کھینچ کر جست لگائی اور ان پر حملہ کرنے کے لیے دلدل میں گھس گیا، دلدل کی مٹی چونکہ بہت لیس دار تھی، اس کا حال دیکھ کر آپ نے منع فرمایا، دوسرے آدمی نے اس کو آواز دی کہ اے فلاں شخص، آگے مت جاؤ، حضرت امیر المومنین منع فرماتے ہیں، وہ شخص اپنے مرکز کی طرف واپس آگیا۔

اس اثناء میں آپ نے ارباب بہرام خاں سے فرمایا کہ یوں دل چاہتا ہے کہ نیچے اتر پر اس گروہ پر حملہ کر دوں، ارباب صاحب نے عرض کیا: آپ کے حملے سے نیچے والا گروہ ضرور مقتول ہو جائے گا، لیکن جو لوگ پہاڑ کے اوپر ہیں، ان پر حملہ مشکل ہے، آپ نے فرمایا: بہتر ہے، کوئی بڑا دل نیچے آجائے، کچھ دیر کے بعد آپ بغیر کسی کو اطلاع دیئے ہوئے بہ نفس نفیس بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہوئے اس دلدل میں گھس گئے، اگرچہ آپ کے پاؤں زانو تک دلدل میں اتر جاتے تھے اور پاؤں کا نکالنا مشکل ہوتا تھا، لیکن خدا داد روحانی وجسمانی طاقت سے شیر کی

طرح چستی اور تیزی کے ساتھ حملہ کرتے ہوئے بڑھتے جاتے تھے، اس وقت ارباب بہرام خاں اور وہ لوگ، جن کی نگاہ آپ کی طرف تھی، آپ کے ہمراہ ہوگئے، دادا ابوالحسن نصیر آبادی، جو نشان بردار تھے، اس وقت وہ بے خبر تھے، کسی نے ان کو مطلع کیا، میں بھی پائینچے چڑھا کر دلدل میں گھس گیا، چونکہ کچھ بیمار چلا آرہا تھا اور کمزور تھا آپ کے پاس نہ پہنچ سکا۔

اکثر بندوق والوں نے جب دیکھا کہ دلدل سے پاؤں نکالنا مشکل ہے، تو انھوں نے لاٹھی کی طرح بندوق کا سہارا لے کر اور ان پر زور دے کر اپنے پاؤں نکالے، اس طرح سے اکثر بندوقیں بیکار ہوگئیں۔ آپ اور آپ کے ہمراہی برق و باد کی طرح دشمنوں کے سر پر پہنچ گئے، بعض سکھوں نے نیزے اور تلوار سے مقابلہ کیا، لیکن وہ سب کے سب بھاگ گئے، بھاگنے کا راستہ بھی نہیں تھا، اس لیے کہ وہ پہاڑ سے اتر چکے تھے، دشوار گزار پہاڑ کے اوپر کس طرح وہ دوڑ سکتے تھے؟ اس طرح وہ سب لوگ جو پہاڑ کے نیچے آچکے تھے مردار ہوئے اور وہ سکھ جو پہاڑ کے اوپر تھے، انھوں نے بے تحاشا گولیاں چلانی شروع کیں، نہ اپنوں کو چھوڑا، نہ بیگانوں کو، اس وقت گولیاں اولے کی طرح برس رہی تھیں اور کارتوس کے کاغذ ہوا میں اڑ رہے تھے اور دونوں طرف سے سنگباری ہو رہی تھیں، میں اور منشی محمدی انصاری اس وقت پہنچے کہ تھوڑے سے سکھ پہاڑ کے نیچے زندہ تھے اور دیکھتے دیکھتے مجاہدین کا شکار ہوگئے، آپ کے ساتھ کے غازی پہاڑ کی جڑ تک پہنچ گئے تھے، دھانوں کے کھیت سے گزر چکے تھے اور پہاڑ کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

نیچے کے سکھوں کے مقتول ہو جانے کے بعد بندوق کی گولیاں اور پتھر پہاڑ کے اوپر سے بارش کی طرح آرہے تھے، حضرت امیر المومنین اس گروہ میں میری نظر سے اوجھل ہوگئے، منشی صاحب سے میں نے پوچھا: حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ہمارے پیچھے بائیں جانب ہیں، میں نے کہا: الحمد للہ کہ ہم آپ کے سامنے اس مقام پر ہیں، اس وقت ہم دونوں بیٹھ گئے، اور بندوق بھر بھر کر کھڑے ہو کر چلاتے تھے، اس لیے کہ دھان کے کھیتوں کی بلندی آڑ بن جاتی تھی اور جب ہم بیٹھ جاتے تھے، تو دشمنوں کی گولی اور پتھروں

سے محفوظ ہو جاتے تھے اور جب کھڑے ہو جاتے تھے، تو کسی دشمن کو نشانہ کر کے تیزی کے ساتھ بندق چلا کر بیٹھ جاتے تھے۔

آپ کے اس وقت عین معرکے میں گم ہو جانے سے مخلصین و محبین جنگ سے دست کش ہو کر آپ کی تلاش میں جا بجا دوڑ رہے تھے اور دشمنوں کی گولیوں سے شربت شہادت نوش کر رہے تھے، اس وقت شیخ ولی محمد، امان اللہ خاں اور تمام حاضرین نے مشورہ کیا کہ چونکہ میدان خالی ہو گیا ہے، یہ قلیل جماعت اس مقام پر کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے سکتی، اکثر آدمی بالاکوٹ کی طرف جا رہے ہیں، پس اگر ہم بھی اس جگہ سے حرکت کر کے ان سب لوگوں کو بھی جمع کر کے قصبے میں پناہ لیں اور دشمنوں سے جنگ کریں، تو اگرچہ فتح بظاہر ممکن نہیں معلوم ہوتی، لیکن چونکہ ہم اس جگہ پناہ لے کر جنگ کریں گے، کیا عجب ہے کہ دشمن اپنی جان کے خوف سے بالاکوٹ پر حملہ نہ کرے، اور ہم ہزیمت کے داغ سے بچ جائیں، چنانچہ ہم مطابق مضمون آیت، اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ (۱۶:۸) کی طرف آ گئے، ہمارے اور بالاکوٹ کے درمیان ایک ٹیلہ حائل تھا، اس وقت بالاکوٹ کی طرف سے دھواں اٹھ رہا تھا، معلوم ہوا کہ سکھوں نے اس موضع میں آگ لگا دی ہے، پانی کے چشمے پر ہم جمع ہوئے اور وہاں لشکر کا بڑا حصہ اکٹھا ہو گیا، وہاں ہم نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور حضرت امیر المومنین اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور دوسرے اہل جماعت اور رفقاء کے حالات کی تحقیق کی، وہیں حضرت امیر المومنین کی ران پر بندوق کی گولی لگنے اور سر مبارک پر پتھر سے زخم آنے، روبقبلہ بیٹھنے اور نور بخش جراح کے حاضر ہونے کا حال معلوم ہوا، نیز یہ معلوم ہوا کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی پیشانی پر گولی لگی، سید عبدالرحمٰن، امان اللہ خاں لکھنوی اور شیخ ولی محمد پھلتی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ پہلی گولی مولانا کے سر پر لگی، اگرچہ زخم ہلکا تھا، لیکن آپ کی پیشانی اور چہرہ خون سے رنگین ہو گیا، آپ نے امان اللہ خاں سے پوچھا: حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ میں نے خبر دی کہ اس رود کی طرف ہیں، مولانا موصوف باوجود اس کے کہ بندوق کی گولیاں کثرت سے آ رہی تھیں، یہ کلمہ فرماتے ہوئے: بھائی، ہم تو جاتے ہیں، اپنی جان کی پروانہ کرتے ہوئے

بڑی تیزی کے ساتھ اس جماعت میں داخل ہو گئے جو اس خشک ندی میں تھی، اس کے بعد معلوم نہیں ہوا کہ کس حربے سے آپ شہید ہوئے۔(۱)

مجاہدین نے کس طرح جان دی

محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں کہ میں ایک پتھر کی آڑ میں ہو کر گولی چلا رہا تھا، مجھ سے تھوڑے فاصلے پر مولوی نور احمد صاحب نگرامی کھڑے تھے، ایک گولی ان کے بازو میں آ کر لگی، انھوں نے مجھ سے کہا کہ میرے تو گولی لگ گئی، جو چیز درکار ہو، مجھ سے لے لو، میرے پاس گولیاں کم تھیں، جو چالیس پچاس گولیاں ان کے ساز میں تھیں وہ میں نے نکال لیں، پھر وہ میرے پاس سے پیچھے کو چلے، اس دوران میں انہیں ایک اور گولی لگی، وہ اسی جگہ پر بیٹھ گئے ، پھر ان کا حال مجھ کو معلوم نہ ہوا کہ اسی جگہ شہید ہوئے یا کسی اور جگہ۔

سید صاحبؒ پہلی مسجد میں لیٹے ہوئے تھے معمور خاں لکھنوی آپ کے پاس آ کر بیٹھے کہ حضرت، میرا دل چاہتا ہے کہ اس وقت آپ اپنا دست مبارک میرے چہرے پر پھیریں، یہ بات سن کر آپ اٹھ بیٹھے اور اپنا داہنا ہاتھ خان ممدوح کے چہرے پر پھیرا، وہ خوش ہو کر وہاں سے اپنے مورچے میں گئے، ان کی شہادت کا واقعہ لعل محمد جگدیس پوری یوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ معمور خاں لکھنوی دانتوں سے ننگی تلوار پکڑ ہوئے ایک سکھ کے پاؤں پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور ایک سکھ اس سکھ کے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتا ہے، آخر الامر خان موصوف نے ایسا زور کیا کہ وہ سکھ اس کھینچنے والے سے چھوٹ کر ان کے اوپر آ رہا اور دونوں وہاں سے غلطاں نیچے نالے میں آ کر گرے اور دونوں وہیں رہے، خان ممدوح تو شہید ہو گئے اور وہ مردار ہوا۔

نجم الدین شکار پوری کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پانی پت کا ایک نوجوان غازی، جس کا نام مجھے یاد نہیں، ننگی تلوار لیے ہوئے کھڑا ہے، اس کے سامنے سکھوں کا ایک افسر بڑا طویل القامت ننگی تلوار لیے ہوئے آیا، غازی نے لپک کر اپنا ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دیا،

(۱) منظورہ: ص ۱۱۷۸، تا ۱۱۹۵

اس سکھ نے بھی یوں ہی اپنا ایک ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دیا، وہ غازی دوسرے ہاتھ سے اس کو تلوار سے مارنے لگا اور وہ سکھ اس غازی کو مارنے لگا، مگر وہ دونوں ایک دوسرے سے اتنے متصل تھے کہ پوری تلوار کسی پر نہیں پڑتی تھی، ادھر تو میں کھڑا تھا، ادھر سکھوں کا ازدحام اور بیچ میں وہ دنوں لڑرہے تھے، مگر اس وقت نہ تو مجھ کو یہ جرأت پڑتی تھی کہ اس غازی کی مدد کو جاؤں اور نہ ان سکھوں کو ہمت ہوتی تھی کہ اس افسر کی کمک کو آئیں، جب وہ دونوں بہت زخمی ہوگئے اور بدن کا خون نکل گیا، تو وہ سست ہو کر گر پڑے، ایک اور سکھ نے اس ازدحام میں سے آکر اس غازی کو تلوار مار کر شہید کر کیا اور وہ سکھ زخمی دم لے کر زمین سے اٹھ کھڑا ہوا، میری بندوق میں دو گولیاں بھری تھیں، میں نے وہ بندوق اس پر سر کی، مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ گولیاں اس کے لگیں یا کسی اور کے، میں آگے چلا، تو ایک جگہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک غازی مہربان خاں نامی بہت زخمی پڑے ہیں، مجھ کو دیکھ کر انھوں نے کہا کہ مجھ کو پانی پلا دو میں نے کہا: یہ وقت پانی لانے کا نہیں ہے، مگر ہاں، اگر تم یہاں سے چلو، تم کو پکڑ کر آہستہ آہستہ لے چلوں، صدہا سکھ قریب کھڑے تھے، مگر بے حواس اور متردد تھے، انھوں نے کہا: کہ مجھ کو تو یہی جگہ اچھی لگتی ہے، یہاں سے میں نہ جاؤں گا، اگر کہیں سے پانی لا سکتے ہو، تو لا کر مجھ کو پلا دو، میں نے کہا: تمام سکھ نزدیک کھڑے ہیں اور میرے پاس کوئی برتن بھی نہیں ہے، پانی کیوں کر لاؤں؟ انھوں نے کہا: اگر تم پانی نہیں لا سکتے، تو خیر، نہ لاؤ مگر میری گردن میں روپوں کی حمائل پڑی ہے، اس کو تم کھول کر لے جاؤ، میں نے اپنے دل میں اندیشہ کیا کہ مبادا روپئے کھولنے میں دیر ہو اور گولی لگ جائے، تو خدا جانے، میری موت کیسی ہو یا روپے دیکھ کر کوئی سکھ مار ڈالے، میں نے ان سے کہا کہ میں روپئے تو نہ لے جاؤں گا، انھوں نے کہا: تو خیر یہاں سے چلے جاؤ، میں وہاں سے چلا گیا۔

شہداء کی تدفین

میاں عبدالقیوم صاحب کہتے ہیں کہ مجاہدین کی شکست کے بعد سکھوں نے بالاکوٹ کو آکر گھر لیا اور وہاں کے گھروں میں آگ لگا دی جو بیمار غازی اپنے اپنے ڈیروں میں رہ گئے تھے، ان کو جا کر شہید کیا، ان میں سے بعض غازی سکھوں سے مقابلہ کر کے اور ایک دو کو

مارکر شہید ہوئے اور بعضے غازی، جو بہت بیمار تھے، اپنے اپنے بستروں پر شہید کیے گئے۔

بالاکوٹ کے معتبر لوگوں کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ سکھوں کے چلے جانے کے بعد جب بالاکوٹ کے بھاگے ہوئے لوگ آئے، تو انھوں نے دھانوں کے کھیتوں میں تمام لاشوں کو پڑا دیکھا، ان میں سے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور ارباب بہرام خاں صاحب کی لاش کو انھوں نے دو جگہ جدا جدا دفن کر دیا(۱) اور باقی لاشوں کو وہاں سے اٹھا کر مٹی کوٹ کے نالے میں ایک جگہ جمع کیا اور اوپر سے مٹی ڈال کر گنج شہیداں بنا دیا۔

شیخ ولی محمد صاحب، میاں عبدالقیوم صاحب، محمد امیر خاں صاحب قصوری وغیرہم کہتے ہیں کہ بالاکوٹ کی لڑائی کے بعد جب ہم لوگ تخت بند ہو گئے، تو ان دنوں اکثر لوگوں کی زبانی، جو پشاور سے آئے تھے، متواتر یہ خبر سننے میں آئی کہ ارباب بہرام خاں کے بھتیجے محمد خاں نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا کہ میرا یہ ارادہ ہے کہ میں اپنے چچا بہرام خاں کی لاش بالاکوٹ سے لا کر اپنی بستی تہکال میں دفن کروں، انھوں نے کہا کہ وہاں دفن ہوئے چھ مہینے کا عرصہ ہو گیا ہے، اب وہاں سے ان کی ہڈیاں کھود کر لانا کیا ضرور ہے؟ جہاں مدفون ہیں، وہیں رہنے دو، محمد خاں نے کہا کہ میرا چچا خالص نیت سے سید بادشاہ کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے گیا تھا اور اس نے اپنا تمام مال و اسباب خدا کی راہ میں صرف کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا، مجھ کو یقین ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی لاش قبر میں سلامت ہو گی اور میں وہاں سے لاؤں گا، لوگوں نے سمجھایا، مگر اس نے نہ مانا، آخر ایک صندوق اور اپنی قوم کے چالیس آدمی تہکال سے لے کر بالاکوٹ کو گیا، وہاں بھی لوگوں نے قبر کھودنے سے منع کیا پھر بھی نہ مانا، آخر قبر کھود کر لاش کو نکالا، تو قدرت الٰہی سے وہ لاش تر و تازہ نکلی۔

(۱) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی قبر قصبے کے شمال مشرق میں ست بنے کے نالے کے پار بنی، قبر اب بھی معروف ہے۔

مشہد بالاکوٹ (۳)

سید صاحبؒ کی شہادت

آج سے چالیس پچاس سال پہلے سید صاحبؒ کے معتقدین و منتسبین میں اس کا بڑا چرچا تھا اور یہ نہایت اہم اور عام سوال تھا کہ سید صاحبؒ کی شہادت ہوئی یا آپ بمصلحت روپوش ہوگئے ہیں اور ابھی بقید حیات ہیں، ایک بڑا گروہ جن میں سرحد کے مقیم اور اہل صادق پور اور ان کے متوسلین تھے، سید صاحبؒ کی غیبت کے قائل، آپ کے ظہور کے منتظر اور آپ کے چشم براہ تھا، مولانا ولایت علی عظیم آبادی رسالہ ''دعوت'' میں لکھتے ہیں:

''اس کے بعد اللہ رب العٰلمین نے لشکر اسلام کو شکست دی کہ ایمان والوں کے دل میں غرور کا میل جمنے نہ پائے، کفار کو دھوکا رہے، مسلمانوں کے مرتبوں کی ترقی ہو جائے، قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آج تک جتنے الوالعزم انبیاءؑ گزرے ہیں، کوئی شکست کا صدمہ اٹھائے بغیر باقی نہ رہا، ہمارے حضرت کو بھی تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی نیابت نصیب کی ہے، ان کے لشکر پر شکست کیونکر نہ آئے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت کو چلہ گزاری و دعا وزاری کے لیے پہاڑوں میں بلایا اور دشمنوں کی آنکھ سے بچایا، سچ ہے کہ خلوت بھی اکثر انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام کو اثناء ہدایت میں مچھلی کے پیٹ میں چھپایا اور کتنے

دنوں تک جنگل و بیابان میں رکھا، آخر انہیں کی ذات متبرک سے ایک عالم کو ہدایت ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عین اجراء ہدایت کے وقت کوہ طور پر جانے کے واسطے فرمایا، جب یہاں لوگوں میں گوسالہ پرستی پھیل گئی ،تو آپ بعد از فراغت چلہ تشریف لائے اور لوگوں سے توبہ کروائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک مدت مدید سے غائب کیا اور آسمان پر اٹھایا اور جب چاہے گا، ظاہر کرے گا، اور ان سے دین کا کام لے گا، ہمارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی روز غار میں چھپایا اور جنگ میں شکست دی اور شیطان نے شہادت کی جھوٹی خبر مشہور کی، کیوں نہ ہو؟ یہ بھی تو ان لوگوں کے پورے پیرو ہیں، ان سنتوں سے کیونکر محروم رہیں؟ خلوت کے کچھ دن اللہ کی طرف سے سب کے واسطے برابر مقرر نہیں، جس کو اللہ جب تک چاہتا ہے، چھپاتا ہے، جب چاہتا ہے، ظاہر کرتا ہے، ہمارے حضرت کی خلوت کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی نہ سمجھے کہ کسی سے ملاقات نہیں ہوتی یا ان کے ظہور میں عرصہ بعید گزرے گا، یہاں تو اکثر لوگ جب چاہتے ہیں، تھوڑی سی کوشش میں حضرت کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ عرصہ قریب میں خورشید درخشاں کی مثل ظاہر ہو کر عالم کو اپنے انوار ہدایت سے منور فرمائیں گے(۱)۔"

تذکروں میں متعدد واقعات ایسے ہیں کہ لوگوں نے سید صاحبؒ کو کسی مقام پر دیکھا اور پہچانا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ خود سید صاحبؒ نے بعض کلمات ایسے فرمائے تھے، جن سے اس خیال کو تقویت ہوتی تھی، مثلاً خاندان میں یہ روایت مشہور ہے اور وقائع احمدی میں بھی مذکور ہے کہ آپ نے اپنی ہمشیر سے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہ سید احمد کا انتقال ہو گیا یا شہادت ہو گئی لیکن جب تک ہندوستان کا شرک، ایران کا رفض، سرحد وافغانستان کا غدر نہیں جائے گا، میرا کام ختم نہیں ہوگا۔ (اوکما قال)

مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی پھانسی گھر میں اکثر نہایت درد سے دردؔ کی یہ رباعی سید صاحب کے اشتیاق میں پڑھا کرتے تھے۔

اتنا پیغام دردؔ کا کہنا
جب صبا کوئے یار سے گزرے

(۱) رسالہ "دعوت" شامل مجموعہ رسائل تسعہ، مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مطبوعہ مطبع فاروقی، دہلی، ص ۶۷

کون سی رات آپ آئیں گے
دن بہت انتظار میں گزرے

مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری (مصنف سوانح احمدی وتواریخ عجیبہ)، جو سید صاحبؒ کے بہت بڑے تذکرہ نگار اور واقف حال تھے، والد مرحوم مولانا عبدالحی صاحبؒ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''میں خاندان پٹنہ کے بتوسل جناب سیدنا کے حضور میں انتساب بیعت رکھتا ہوں، مگر براہ راست بھی مجھ کو ایک مرتبہ پھانسی گھر میں، جس کا ذکر صفحہ ۲۶ کے آخر پارے (تواریخ عجیبہ) میں درج ہے اور ایک مرتبہ بروقت رہائی ۱۳۰۰ھ میں پیام وسلام پہنچنے کا فخر حاصل ہوا ہے اور مجھ کو حضرت مرشدنا کی حیات وظہور کا ایسا یقین ہے، جیسے اپنی موت کا، مولوی حیدر علی صاحب اور ان کے فرزند کو ۱۳۰۲ھ میں زیارت کا فخر حاصل ہوا، مولوی حیدر علی صاحب تو بعد حصول قدمبوسی چند ماہ بعد انتقال کر گئے اور ان کے فرزند زندہ موجود ہیں۔''

یہ ۶ رفروری ۱۸۹۲ء کا خط۔ ''ارمغان احباب'' میں والد مرحوم نے بسند صحیح (۱) حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے یہ روایت کی ہے کہ میں نے حضرت سید صاحبؒ سے دس باتیں سنی تھیں، جن میں سے نو پوری ہو چکیں، ایک باقی ہے یعنی آپ کی غیوبت وظہور۔

والد مرحوم نے حضرات دیوبند کے استفسار پر اپنی یہ رائے ظاہر کی تھی، جس سے ان حضرات نے بھی اتفاق کیا کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سید صاحبؒ نے اس قسم کی پیشین گوئیاں بیان فرمائی تھیں، لیکن وقوع میں اب تک اشتباہ ہے (۲)۔

مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری نے سوانح احمدی میں، جو اس خط کے بعد کی تصنیف ہے، اس کے متعلق جو اظہار خیال کیا ہے، وہ انہیں کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے:

---

(۱) والدؒ مولانا محمود حسن صاحبؒ سے اور حافظ احمد صاحبؒ ومولانا حبیب الرحمٰنؒ صاحب سے اور وہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(۲) ارمغان احباب، یہ کتاب دہلی اور اس کے اطراف، انیسویں صدی کے آخر میں کے نام سے شائع ہو چکی ہے (ص ۱۱۷)

"ایسی بھی بہت روایتیں ہیں کہ اس واقعہ بالاکوٹ کے بعد متعدد لوگوں نے سید صاحبؒ اور ان کے رفیقوں کو دیکھا، اس میں شک نہیں کہ آپ کی شہادت اور غیوبت میں روز اول سے اختلاف ہے، مگر اب بعد زمانہ کے سبب جو ساٹھ برس سے بھی زیادہ ہو گئے، خیال غیوبت خود بخود لوگوں کے دلوں سے محو ہوتا جاتا ہے، سید صاحبؒ کی چھوٹی بیوی صاحبہ، جن سے قبل از معرکہ بالاکوٹ سید صاحبؒ نے اپنی غیوبت کی پیشین گوئی کی تھی اور سید صاحبؒ کے اکثر اقرباء اور اہل قافلہ آپ کی غیوبت کے قائل تھے، مگر پنجاب اور ہندوستان کے اکثر آدمی پلہ شہادت کو غلبہ دیتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایات کی بنا پر یا گرتے ہوئے دلوں کو تھامنے کے لیے یا بعض حلقوں میں جوش محبت میں کچھ دنوں تک یہ خیال قائم رہا، مگر بعد زمانہ سے کمزور پڑتا گیا، مولوی محمد جعفر صاحب جیسے عاشق صادق، جن کو اپنی موت کی طرح سید صاحبؒ کی حیات کا یقین تھا، اپنی آخری تصنیف میں یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ "بعد زمانہ کے بسبب یہ خیال خود بخود لوگوں کے دلوں سے محو ہوتا جاتا ہے اور پنجاب و ہندوستان کے اکثر آدمی پلہ شہادت کو غلبہ دیتے ہیں"۔

نواب وزیر الدولہ مرحوم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ آپ اکثر محبت الٰہی کے جوش میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

در مسلخ عشق ہر عدو را نکشند لاغر صفتان وزشت خورا نکشند
گر عاشق صادقی، زکشتن مگریز مردار بود هر آنکہ اورا نکشند

کبھی کبھی یہ قطعہ ورد زبان ہوتا:

اے آنکہ زنی دم از محبت از ہستی خویستن پرہیز
برخیز و بہ تیغ تیز بنشیں یا ازرہ راہ دوست برخیز

آپ کے مکاتیب اور آپ کی تقریریں اور آپ کی مجلس کی گفتگوئیں، شوق شہادت اور راہ خدا میں اسمٰعیل ذبیح اللہ کی طرح قربان ہونے کے جذبے سے لبریز ہیں، آپ کی صحبت نے ہزاروں انسانوں کے دل میں عشق الٰہی کا شعلہ بیتاب اور شہادت فی سبیل اللہ کا

ایسا جذبہ صادق پیدا کردیا تھا کہ ان کو اپنی جان وبال جان اور اپنا سر وبال دوش معلوم ہونے لگا تھا اور ان کے ہر بن مو سے یہ صدا آتی تھی۔

جان کی قیمت دیار عشق میں ہے کوئے دوست
اس نوید جانفزا سے سر وبال دوش ہے

اس پوری جماعت کا، جس کے آپ امام تھے، عقیدہ اور نظریہ یہ تھا:

اے دل، تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے، سو ایسا زیاں نہیں

واقعات و بیانات، میدان جنگ کی شہادتیں، قرائن اور وجدان سب یہ کہتا ہے کہ جس کی دعوت و تربیت اور جس کی ترغیب و تحریص سے سیکڑوں بندگان خدا کو، جو اپنے وطن میں عافیت و سلامتی کی زندگی گزار رہے تھے، شہادت کی لازوال دولت نصیب ہوئی، وہ اس نعمت عظمیٰ اور سعادت کبریٰ سے ہرگز محروم نہیں رہا، بلکہ جس طرح اس کو ہندوستان میں اس کی دعوت میں اولیت و تقدم حاصل ہوا، اس کے حصول میں بھی اس کو سبقت اور امتیاز حاصل ہوا اور وہ شہداء اہل بیتؓ میں اپنے ان آباء کرام سے جاملا، جنھوں نے مختلف طریقوں پر شہادت پائی اور ان کا جسد طاہر شہادت کے بعد بھی دشمنوں کی گستاخیوں اور جذبہ انتقام سے محفوظ نہیں رہا اور آپ فنا فی سبیل اللہ کے اس مقام کو پہنچ گئے، جو کم کسی کو نصیب ہوتا ہے اور اس طرح آپ کی وہ آرزو پوری ہوئی، جس کا اظہار جوش محبت میں کبھی کبھی اس شعر کے ذریعہ فرمایا کرتے تھے:

دلم براہ تو صد پارہ بادو ہر پارہ
ہزار ذرہ و ہر ذرہ در ہوائے تو باد(۱)

مولوی سید جعفر علی صاحب منظورہ میں لکھتے ہیں:

"دوسرے روز گولہ انداز شیخ وزیر کا لڑکا، جو آٹھ یا نو سال کا ہوگا، پہنچا، تمام غازی اس کے گرد جمع ہوگئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ تم کہاں تھے اور کس طرح صحیح سلامت پہنچے، اس نے کہا کہ لڑائی ختم ہوجانے کے بعد سکھوں

---

(۱) وصایا الوزیر

نے مجھے پکڑ لیا اور مجھے شہادت گاہ میں لے گئے اور کہنے لگے کہ شہیدوں کی لاشیں پہچان کر بتلاؤ کہ خلیفہ صاحب کون ہیں، میں نے پہچان کر ان کو بتلا دیا، پھر مجھے سکھوں کے سردار کے پاس لے گئے، اس نے مجھے اپنے ایک مسلمان ملازم کے حوالے کیا اور کہا کہ اس کو غلام بنالو، وہ مجھے اپنی قیام گاہ پر لایا اور مجھ سے پوچھنے لگا: تمھارے ماں باپ ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: اپنے ماں باپ کے پاس چلے جاؤ، میں ست بنے کے راستے سے یہاں چلا آیا، جب اس بچے نے یہ کہا کہ میں نے خلیفہ صاحب کی نعش مبارک کو پہچانا، تو بعض آدمیوں نے کہا کہ زخمی جسم کو پہچاننا تو ہوشیار آدمی کے لیے بھی مشکل ہے، یہ بیچارہ بچہ کیا پہچان سکا ہوگا؟ لیکن بچے آپ سے بہت مانوس تھے، سید باقر علی موہانی، جو فقیر کا بھیس بنا کر سکھوں کے لشکر میں پناہ گزیں تھے، پھر اپنے مکان واپس آئے، وہ اس معاملے سے زیادہ واقف ہوں گے۔"

اس کے بعد خضر خاں وغیرہ آئے اور انھوں نے بتلایا کہ ہم بالاکوٹ گئے اور بعض ملکیوں کے پاس، جو سکھوں کے لشکر کے ہمراہ تھے، رات بھر رہے، ہم نے ان سے حضرت امیر المومنین کے متعلق دریافت کیا، انھوں نے بتلایا کہ جنگ کے اختتام پر جب غازی بالاکوٹ سے باہر چلے گئے، سکھوں اور مسلمانوں کی لاشیں اکٹھی پڑی ہوئی تھیں، شیر سنگھ نے بعض غازیوں کو جو زندہ گرفتار ہو گئے تھے، اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا: سچ سچ بتلاؤ کہ ان لاشوں میں خلیفہ صاحب کا جسم مبارک کون سا ہے، وہ میدان میں گئے، انھوں نے لاشوں میں ایک جسم دیکھا، جس کا سر نہیں تھا، اس جسم کو انھوں نے آپ کا جسم قرار دیا، شیر سنگھ نے اس پر دوشالہ ڈال دیا اور خاصے کے دو تھان اور پچیس روپئے خیرات کے لیے دئے اور مسلمانوں سے کہا کہ اپنے مذہب کے مطابق تجہیز و تکفین کریں، چنانچہ ملکیوں نے اسی طرح عمل کیا۔"

آپ کا مدفن

سید صاحبؒ کے مدفن کے متعلق تمام روایتوں اور بیانات کو جمع کرنے کے بعد جو

بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کا جسم و سر مبارک جمع کر کے اس قبر میں دفن کیا گیا، جو دریائے کنہار کے قریب ہے، اور آپ کی طرف منسوب ہے، پھر وہ نعش نکال لی گئی اور دریا میں ڈال دی گئی، سر اور جسم الگ الگ بہتے بہتے کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور دو علیحدہ مقامات پر دفن کیے گئے، ممکن ہے کہ سر اس جگہ دفن کیا گیا ہو، جو گڑھی حبیب اللہ میں آپ کے سر کے مدفن کی حیثیت سے مشہور ہے اور جسم تلہٹہ میں مدفون ہو، جہاں آپ کی قبر بتلائی جاتی ہے۔ بہر حال آپ کی یہ دعا مقبول ہوئی اور یہ تمنا پوری ہوئی کہ میری قبر کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں:

> ''ایک مرتبہ حضرت سے ایک شخص نے کہا کہ آپ قبر پرستی اور بزرگان دین کے مزارات پر مشرکانہ اعمال اور بدعات سے اس شد و مد کے ساتھ روکتے ہیں، لیکن خود آپ کے ہزاروں مرید اور ہزاروں معتقد ملک میں ہیں، آپ کی وفات کے بعد آپ کی مزار پر وہی ہوگا، جو دوسرے بزرگان دین کے مزارات پر ہو رہا ہے اور آپ کی قبر کی پرستش بھی اسی طرح ہوگی، جس طرح ان قبروں کی پرستش ان کی وفات کے بعد ہوتی ہے، حضرت نے فرمایا کہ میں درگاہ الٰہی میں بصد آہ و زاری درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ میری قبر کو معدوم اور میرے مدفن کو نامعلوم کر دے، نہ قبر رہے گی، نہ اس پر شرک و بدعت ہوگی، خدا کی قدرت و رحمت ملاحظہ ہو کہ حضرت کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کی قبر کا آج تک پتہ نہ چلا۔

مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ

اسی مشہد بالاکوٹ میں اسی تاریخ ۲۴/ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے بھی شہادت پائی، اکثر ساتھیوں نے آپ کو جس وقت دیکھا، پیشانی سے خون جاری تھا، ڈاڑھی خون سے تر تھی، بھری ہوئی بندوق کاندھے پر اور ننگی تلوار ہاتھوں میں تھی، سر برہنہ تھا، سید صاحبؒ کو دریافت فرماتے تھے اور شوق شہادت میں سرشار اور پروانہ وار پھر رہے تھے،

بالآخر اس دلی مراد کو پہنچے، جس کی بدو شعور سے خون جگر سے پرورش کی تھی اور اس طرح جہد و جہاد کی اس طویل و مسلسل حیات طیبہ کا خاتمہ ہوا، جس میں شاید ایک دن بھی فراغت و راحت اور ایک رات بھی غفلت واستراحت کی نہ تھی۔

سرحد کا قیام اور ہجرت کے بعد کا زمانہ ایک مسلسل جہاد کا زمانہ تھا، جس میں یا تو عملاً جنگ تھی یا اس کی تیاری یا اس کے مقدمات یا اس کے نتائج، سالہا سال کی اس مدت میں اطمینان کی گھڑی شاید ہی کبھی نصیب ہوئی ہو، جنگ کی تدابیر وانتظامات اور جنگی مہموں کی قیادت میں سب سے بڑا حصہ آپ ہی کا تھا، اس مدت میں میدان جنگ کے سب نشیب و فراز اور حالات کے سب تغیرات پیش آئے، فتوحات بھی ہوئیں، عملداری بھی قائم ہوئی، ایک دینی ریاست کا انتظام بھی کرنا پڑا، شکستیں بھی ہوئیں، فتح کیا ہوا علاقہ بارہا ہاتھ سے نکل نکل گیا، سالہا سال کے رفقاء اور معتمدین کے ساتھ دغا بھی کی گئی، ایک ایک وقت میں بیسوؤں کی تعداد میں برسوں کے ساتھیوں کی اچانک شہادت کی خبر بھی سننے میں آئی، دن رات کے ساتھیوں اور عمر بھر کے رفیقوں کو بارہا اپنے ہاتھ سے قبر میں اتارا، وفادار رفیقوں اور جانبازوں کا جو قیمتی سرمایہ ہندوستان سے لے کر چلے تھے، اس میں برابر کمی واقع ہوتی رہی، جن توقعات کے ساتھ ہندوستان سے رخصت ہوئے تھے، ان میں سے بہت کم پوری ہوئیں، جن سے مدد کی امید تھی، انھوں نے مدد کے بجائے دھوکا دیا اور زک پہنچانے سے باز نہ آئے، برسوں کی کھیتی دنوں اور گھنٹوں میں لٹ پھنک گئی، تنگی ترشی، مسلسل فاقے، مسلسل آزمائشیں رہیں، لیکن اس مجاہد کی پیشانی پر کبھی بل نہیں پڑا، بارہا سید صاحبؒ کی رائے سمجھ میں نہیں آئی لیکن اطاعت امیر اور محبت و تعلق میں کبھی فرق نہیں آیا، زمانے کے امتداد، سلسلہ جنگ کی طوالت اور اس کی پیچیدگیوں اور بار بار کی قسمت آزمائی نے کبھی طبیعت پر اثر نہیں کیا، جو جذبات، جو یقین اور جو شوق لے کر آئے تھے، اس میں کوئی افسردگی پیدا نہیں ہوئی اور بالآخر عین میدان کارزار میں اپنے محبوب مقصد کے لیے اپنے محبوب امام و رفیق کے ساتھ راہ خدا میں سر دے کر ثابت کر دیا کہ:

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُو اللّٰهَ عَلَيْهِ(۲۳:۳۳)

مولانا نے اپنے ایک فارسی مکتوب میں لکھا تھا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے والے مسلمان کو لازم ہے کہ جان ومال اور عزت وآبرو کی اس راہ میں بازی لگادے اوراس کو اپنی عین سعادت سمجھے اور موافق ومخالف کی ترقی وتنزل کو قدرت الٰہی کے حوالے کردے بقول شخصے

بخت اگر مدد کند، دامنش آورم بکف
گر بکشم ،زہے طرب! وربکشد ،زہے شرف!

بالاکوٹ کے معرکے نے ثابت کر دیا کہ اللہ نے فتح وغلبہ کی مسرت وطرب کے بجائے ان کو فدائیت وشہادت کا شرف عطا فرمایا اور رضا وقبول کے دست شفقت نے ان کو اپنی آغوش رحمت کی طرف کھینچ لیا، وماعند اللّٰہ خیر للأبرار (۱۹۸:۳)

مولانا کی دوسری فضیلتیں تو رہیں برطرف، ان کی شہادت مسلم ہے اور شہداء کی مغفرت مسلم، لیکن ۲۴ رذوالقعدہ ۱۲۴۸ھ سے لے کر آج تک کم وبیش ۱۳۶ برس کے طویل عرصے میں شاید ہی کوئی ایسا دن طلوع ہوا ہو، جس کی صبح کو اس شہید اسلام کی تکفیر وتضلیل کا کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو، لعنت اور سب وشتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو، فقہ وفتاویٰ کی کوئی دلیل ایسی نہیں، جو اس کے کفر کے ثبوت میں پیش نہ کی گئی ہو، وہ ابوجہل وابولہب سے زیادہ دشمن اسلام، خوارج ومرتدین سے زیادہ مارق من الدین وخارج از اسلام، فرعون وہامان سے زیادہ مستحق نار، کفر وضلالت کا بانی، بے ادبوں اور گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا مقلد وشاگرد بتایا گیا، یہ ان لوگوں نے کہا، جن کے جسم نازک میں آج تک اللہ کے لیے ایک پھانس بھی نہیں چبھی، جن کے پیروں میں اللہ کے راستے میں کبھی کوئی کانٹا نہیں گڑا، جن کو خون چھوڑ کر (کہ اس کا ان کے یہاں کیا ذکر؟) اسلام کی صحیح خدمت میں پسینے کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل

نہیں ہوئی! یہ ان لوگوں نے کہا، جن کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت وعصمت بچانے کے لیے اس نے سر کٹایا، کیا اس کا یہی گناہ تھا اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؟ جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین وایمان، جان ومال، عزت وآبرو محفوظ نہ تھی، سکھ اپنے گھروں میں مسلمان عورتیں ڈال لیتے تھے، مساجد کی بے حرمتی ہو رہی تھی اور ان میں گھوڑے باندھے جاتے تھے، اس وقت یہ غیرت ایمانی وحمیت اسلامی کے مدعی کہاں تھے؟؛

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

دربار لاہور میں بالاکوٹ کے واقعے کی اطلاع اور مہاراجہ کی مسرت وجشن شادمانی

کیپٹن سی ایم ویڈ (C.M. WADE) پولیٹیکل ایجنٹ نے گورنر جنرل کے سکریٹری مسٹر ایچ ٹی پرنسپ (H.T. Princep) کو ۱۷ رمئی ۱۸۳۱ء کو (معرکہ بالاکوٹ سے گیارہ روز بعد) کیمپ دسو یہ سے جو خط شملے بھیجا، اس میں لکھتا ہے:

> ''رنجیت سنگھ اس فتح (بالاکوٹ) کی اطلاع کی خوشی سے باغ باغ ہو گیا، جس نے اس کو اس دردسری اور پریشانی سے نجات دی، جس میں اس کی حکومت مسلسل کئی سال سے مبتلا تھی، اس نے حکم جاری کیا کہ سرکاری طور پر سلامی کی توپیں سر ہوں اور امرتسر میں اس واقعے کی مسرت وشادمانی میں چراغاں کیا جائے''۔

مسٹر سی ایم ویڈ کے دوسرے خط میں، جو دوسرے روز ۱۸ رمئی ۱۸۳۱ء کو لکھا گیا، حسب ذیل اضافہ ہے، یہ خط مہاراجہ کے اخبار نویس کی اس تحریر کا ترجمہ ہے، جو ۱۴ رمئی ۱۸۳۱ء کو لکھی گئی:

> ''مہاراجہ نے (بالاکوٹ) کی فتح کی اطلاع سے مسرور ہو کر قاصد کو، جو

یہ خبر لایا تھا، سونے کے کنگن کی ایک جوڑی انعام میں دی، جن کی قیمت تین سو روپے تھی، اس کے علاوہ شالی پگڑی بھی عنایت کی، مہاراجہ نے کنور شیر سنگھ کو خط لکھا، جس میں اس نے مراسلے کی رسید دی اور اس کی اس گراں قدر خدمت پر اظہار خوشنودی فرمایا، اور لکھا کہ جب وہ واپس آئیں گے، تو ان کو اس خدمت کے صلے میں ایک نئی جاگیر عطا کی جائے گی، ایک فرمان فقیر امام الدین حاکم گووند گھر کے نام صادر ہوا کہ وہ اس واقعے کی مسرت میں اس قلعے کی ہر بندوق سے گیارہ فائر سلامی کے کریں۔

مسٹر ویڈ اسی خط میں لکھتا ہے:

''اب جب کہ سکھوں نے سید (صاحب) کے قضیے سے فراغت پالی ہے، جنھوں نے سکھوں کی جنگی قوت کو پانچ سال تک مشغول رکھا اب غالباً وہ اپنی سرگرمیوں کے لیے نیا میدان تلاش کریں گے۔

ان خطوط کے جواب اور بالاکوٹ کے واقعے کی اطلاع پر ۲۳ رمئی ۱۸۳۱ء کو گورنر جنرل کے سکریٹری نے شملے سے کیپٹن سی ایم ویڈ، پولیٹیکل ایجنٹ، لدھیانہ کو ایک خط میں ہدایت کی کہ اگر سید صاحبؒ کے مقابلے میں شیر سنگھ کی کامیابی اور مجاہدین کے قضیے کے اختتام کی اطلاع کی تصدیق ہو جائے، تو آپ کو گورنر جنرل کی طرف سے مہاراجہ کو اس فتح پر مبارک باد پیش کرنی چاہیے۔(۱)

(۱) نقل از گورنمنٹ رکارڈ آفس، مغربی پاکستان، مصدقہ حکومت پاکستان

فہرست شہداء بالاکوٹ

بہ ترتیب حروف تہجی

جنگ بالاکوٹ میں غازی تین سو سے زیادہ شہید ہوئے، مگر جن صاحبوں کے نام راویوں کو یادرہے وہ یہ ہیں:(۱)

(الف)

(۱) حضرت امیر المومنین سید احمد رحمۃ اللہ علیہ
(۲) مولانا شاہ محمد اسمٰعیلؒ
(۳) دادا سید ابوالحسن نصیر آبادی
(۴) مرزا احمد بیگ بانکے پنجابی
(۵) مولوی احمد اللہ ناگپوری برادر عم زاد مولانا عبدالحی صاحب
(۶) قاضی احمد اللہ میرٹھی
(۷) محمد اسحٰق پنج تنی
(۸) شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری
(۹) اصغر علی درگاہی غازی پوری
(۱۰) اللہ بخش انبالوی
(۱۱) اللہ بخش عظیم آبادی
(۱۲) اللہ بخش باغپتی
(۱۳) اللہ داد عظیم آبادی
(۱۴) اللہ داد (وطن نامعلوم)
(۱۵) حافظ الٰہی بخش کیرانوی
(۱۶) امام الدین ساکن بمبئی
(۱۷) شیخ امام علی محی الدین پوری، علاقۂ الٰہ آباد
(۱۸) امام الدین علی الٰہ آبادی (جو غازیوں سے قواعد لیتے تھے)
(۱۹) میر امانت علی ساڈھورہ
(۲۰) شیخ امجد علی غازیپوری فرزند شیخ فرزند علی رئیس غازیپور
(۲۱) حافظ امیر خاں
(۲۲) سید امیر علی جائسی
(۲۳) حافظ امیر الدین گڑھ مکتیسری
(۲۴) سید امیر الدین ساکن نگھرا

---

(۱) یہ فہرست زیادہ تر میاں خدا بخش، الٰہی بخش، شیر محمد خاں رامپوری، شیخ محب اللہ، محمد امیر خاں قصوری، نجم الدین شکارپوری اور مولوی سید جعفر علی بستوی کی یادداشت اور بیانات پر مبنی ہے۔

(۲۵) شیخ امیر الدین
(۲۶) شیخ امیر اللہ تھانوی

(ب)

(۲۷) بادل خاں بانس بریلوی
(۲۸) مولوی باقر علی عظیم آبادی
(۲۹) بخش اللہ خاں (برادر مہر علی انبالوی)
(۳۰) بخش اللہ خاں بہادر گڈھی
(۳۱) بخش اللہ خاں (بارہ بستی)
(۳۲) بخش اللہ خان پوری
(۳۳) (حاجی) برکات عظیم آبادی
(۳۴) (شیخ) بلند بخت دیوبندی
(۳۵) (شیخ) بہادر علی پھلتی
(۳۶) بھیکن شاہ پوری
(۳۷) (ارباب) بہرام خاں تہکالی

(ت)

(۳۸) توکل پھلتی

(ج)

(۳۹) (مرزا) جان ساکن چمبئی
(۴۰) (مرزا) جان کا لڑکا (جس کا نام معلوم نہیں)

(چ)

(۴۱) چاند خاں ناگوری
(۴۲) (سید) چراغ علی ساکن پٹیالہ

(ح)

(۴۳) حسن خاں بنارسی
(۴۴) حسن خاں ساکن زمانیہ
(۴۵) (مرزا) حسین بیگ
(۴۶) (شیخ) حماد
(۴۷) حیات خاں خیر آبادی

(خ)

(۴۸) خدا بخش لکھنوی شاگرد حافظ مولوی عبد الوہاب لکھنوی
(۴۹) خدا بخش الہ آبادی
(۵۰) خدا بخش غازی پوری (ابن اصغر علی درگاہی)
(۵۱) (منشی) خواجہ محمد حسن پوری
(۵۲) خیر اللہ ساکن امروہہ
(۵۳) خیر اللہ کے والد (نام نامعلوم)

(د)

(۵۴) داؤد خاں خورجوی

(۵۵) داؤد خاں ساکن پٹیالہ

(۵۶) شیخ درگاہی غازی پوری

(۵۷) دلاور خاں گورکھپوری

(ر)

(۵۸) راجا (غالباً سید صاحبؒ کے ہم وطن تھے)

(۵۹) راحت حسین عظیم آبادی

(۶۰) رحیم بخش الہ آبادی

(۶۱) رحیم اللہ سہارنپوری

(۶۲) روشن سقا ساکن کوٹلی

(۶۳) سید زین العابدین (پشاور)

(س)

(۶۴) سخاوت رامپوری

(۶۵) سرانداز خاں ساکن پکھلی

(۶۶) سلو خاں دیوبندی

(ش)

(۶۷) شیخ شجاعت علی فیض آبادی

(۶۸) شرف الدین پنجتنی دہلوی

(۶۹) شرف الدین بنگالی

(۷۰) شمس الدین ساکن ہریانہ

(۷۱) شیر جنگ خاں خالص پوری

(ص)

(۷۲) (حافظ محمد) صابر تھانوی

(۷۳) صندل خاں پنجابی

(ض)

(۷۴) (سید) ضامن شاہ ساکن درہ کاغان

(۷۵) (شیخ) ضیاء الدین پھلتی

(ع)

(۷۶) عبد الجبار خاں شاہجہانپوری

(۷۷) عبد الرحمٰن ناگپوری

(۷۸) عبد الرؤف پھلتی

(۷۹) عبد السبحان خاں گورکھپوری

(۸۰) عبد العزیز دیوبندی

(۸۱) عبد القادر جھنجھانوی

(۸۲) عبد القادر غازی پوری

(۸۳) حافظ عبد القادر ساکن میان دوآب

(۸۴) عبدالقادر (وطن نامعلوم)
(۸۵) میاں جی عبدالکریم ساکن انبیٹھ
(۸۶) عبداللہ دہلوی (خادم خاص امیر المومنین)
(۸۷) عبداللہ خاں گورکھپوری
(۸۸) عبداللہ (غالباً پانی پتی)
(۸۹) عبدالمنان بنارسی
(۹۰) (مولوی حافظ) عبدالوہاب لکھنوی (قاسم غلہ)
(۹۱) عبداللہ (نومسلم)
(۹۲) عظیم اللہ خاں ساکن اکوڑہ
(۹۳) قاضی علاء الدین بھگرا
(۹۴) علی خاں سہارنپوری
(۹۵) علیم الدین بنگالی

(غ)

(۹۶) غازی الدین (وطن نامعلوم)
(۹۷) غلام محمد پانی پتی (والد محمد حسن پانی پتی)

(ف)

(۹۸) فرجام علی خاں ساکن ضلع سہارن پور، (خادم خاص امیر المومنین)
(۹۹) فیض اللہ بنگالی
(۱۰۰) فیض اللہ (تخت ہزارے کا)
(۱۰۱) فیض اللہ شیدی

(ق)

(۱۰۲) قادر بخش ساکن لہاری
(۱۰۳) قادر بخش ساکن کنج پورہ
(۱۰۴) قادر بخش (وطن نامعلوم)
(۱۰۵) قلندر خاں قندھاری
(۱۰۶) (حکیم) قمر الدین پھلتی
(۱۰۷) (مولوی) قمر الدین عظیم آبادی

(ک)

(۱۰۸) کریم بخش خیاط لکھنوی
(۱۰۹) کریم بخش ساکن ساڈھورہ
(۱۱۰) کریم بخش
(۱۱۱) (شیخ) کریم بخش سہارنپوری

(ل)

(۱۱۲) لطف اللہ بنگالی
(۱۱۳) لعل محمد مہاجر پرانغاری

(م)

(۱۱۴) محمد حسن پانی پتی (ابن غلام محمد)
(۱۱۵) شیخ محمد رضا ساکن ضلع میرٹھ
(۱۱۶) محمد عرب
(۱۱۷)

(۱۱۸) (شیخ) محمد علی غازی پوری

(۱۱۹) (منشی) محمدی انصاری

(۱۲۰) محمود خاں لکھنوی

(۱۲۱) مراد خاں خورجوی

(۱۲۲) مرزا مرتضیٰ بیگ لکھنوی

(۱۲۳) (سید) مردان علی میران پوری

(۱۲۴) مشرف خاں گورکھپوری

(۱۲۵) حافظ مصطفیٰ جھنجھانوی

(۱۲۶) (حافظ) مصطفیٰ کاندھلوی

(۱۲۷) (سید) مظفر حسین بنگالی

(۱۲۸) معمور خاں لکھنوی

(۱۲۹) منصور خاں گورکھپوری

(۱۳۰) منور خیاط لکھنوی

(۱۳۱) مولا بخش میواتی ساکن نوح ضلع گوڑگانواں

(۱۳۲) مہربان خاں (بانگرمئو)

(۱۳۳) محمد معصوم علی عظیم آبادی

محمد معصوم علی عظیم آبادی

میاں جی چشتی بڈھانوی

(ن)

(۱۳۴) نبی حسین عظیم آبادی

(۱۳۵) نتھے خاں ساکن ہزارہ

(۱۳۶) (شیخ) نصرت بانس بریلوی

(۱۳۷) (شیخ) نصر اللہ خورجوی

(۱۳۸) نواب خاں ساکن گوتنی

(۱۳۹) (مولوی سید) نور احمد ساکن نگرام مورخ اسلام

(۱۴۰) نور بخش جراح ساکن شاملی

(۱۴۱) نور علی لکھنوی

(۱۴۲) نور محمد ناگوری

(و)

(۱۴۳) وزیر خاں میواتی

(۱۴۴) ولی داد خاں خورجوی

شہدائے بالاکوٹ کا مقام و پیغام

اس معرکے میں وہ پاک نفوس شہید ہوئے، جو عالم انسانیت کے لیے رونق و زینت اور مسلمانوں کے لیے شرف عزت اور خیر و برکت کا باعث تھے، مردانگی و جواں مردی، پاکیزگی و پاکبازی، تقدس و تقویٰ، اتباع سنت و شریعت اور دینی حمیت و شجاعت کا وہ عطر، جو خدا جانے کتنے باغوں کے پھولوں سے کھینچا گیا تھا اور انسانیت اور اسلام کے باغ کا جیسا عطر مجموعہ صدیوں سے تیار نہیں ہوا تھا اور جو ساری دنیا کو معطر کرنے کے لیے کافی تھا، ۲۴/ ذی القعدہ ۱۲۴۶ھ کو بالاکوٹ کی مٹی میں مل کر رہ گیا، مسلمانوں کی نئی تاریخ بنتے بنتے رہ گئی، حکومت شرعی ایک عرصہ تک کے لیے خواب بے تعبیر ہوگئی، بالاکوٹ کی زمین اس پاک خون سے لالہ زار اور اس گنج شہیداں سے گلزار بنی جس کے اخلاص و للّٰہیت، جس کی بلند ہمتی و استقامت، جس کی جرأت و ہمت اور جس کے جذبہ جہاد و شوق شہادت کی نظیر پچھلی صدیوں میں ملنی مشکل ہے، بالاکوٹ کی سنگلاخ و ناہموار زمین پر چلنے والے بے خبر مسافر کو کیا خبر کہ یہ سرزمین کن عشاق کا مدفن اور اسلامیت کی کس متاع گرانمایہ کا مخزن ہے۔

یہ بلبلوں کا، صبا، مشہد مقدس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو، یہ تیرا باغ نہیں

اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک مخلص بندے کے ہاتھ پر اپنے مالک سے اس کی رضا اس کے نام کی بلندی اور اس کے دین کی فتحمندی کے لیے آخری سانس تک کوشش کرنے اور اس راہ میں اپنا سب کچھ مٹا دینے کا عہد کیا تھا، جب تک ان کے دم میں دم رہا، اسی راہ میں سرگرم رہے۔ بالآخر اپنے خون شہادت سے اس پیمان وفا پر آخری مہر لگا دی، یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ۲۴/ ذوالقعدہ کا دن گزر کر جو رات آئی، وہ پہلی رات تھی، جس رات کو وہ سبک دوش و سبک سر ہو کر میٹھی نیند سوئے۔

وہ خلعت شہادت پہن کر جس کریم کی بارگاہ میں پہنچے، وہاں نہ مقاصد کی کامیابی کا

• سوال ہے، نہ کوششوں کے نتائج کا مطالبہ، نہ شکست و ناکامی پر عتاب ہے، نہ کسی سلطنت کے عدم قیام پر محاسبہ وہاں صرف دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں، صدق و اخلاص اور اپنی مساعی اور وسائل کا پورا استعمال، اس لحاظ سے شہداء بالاکوٹ اس دنیا میں بھی سرخرو ہیں اور ان شاء اللہ دربار الٰہی میں بھی باآبرو کہ انھوں نے اخلاص کے ساتھ اپنے مالک کی رضا کے لیے اپنی مساعی اور وسائل کے استعمال میں ذرہ برابر کمی نہیں کی، ان کا وہ خون شہادت، جو ہماری مادی نگاہوں کے سامنے بالاکوٹ کی مٹی میں جذب ہوگیا اور اس کے جو چھینٹے پتھروں پر باقی تھے، ۲۶/ذوالقعدہ کی بارش نے ان کو بھی دھودیا، وہ خون، جس کے نتیجے میں کوئی سلطنت قائم نہیں ہوئی، کسی قوم کا مادی وسیاسی عروج نہیں ہوا اور کوئی نخل آرزو اس سے سرسبز ہوکر بارآور نہیں ہوا، اس خون کے چند قطرے اللہ کے میزان عدل میں پوری پوری سلطنتوں سے زیادہ وزنی ہیں، یہ فقیران بے نوا، جنھوں نے عالم مسافرت میں بے کسی کے ساتھ جان دی اور جن کی اب دنیا میں کوئی مادی یادگار نہیں، یہ اللہ کے ہاں ان بانیان سلطنت اور موسسین حکومت سے کہیں زیادہ قیمتی اور معزز ہیں، جن کی تصویر قرآن نے ان الفاظ میں کھینچی ہے، وَاِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (المنٰفقون:۴)

بے شک شہداء بالاکوٹ کے خون نے دنیا کے سیاسی وجغرافیائی نقشے میں کوئی فوری تغیر نہیں پیدا کیا، خون شہادت کی ایک مختصر سی سرخ لکیر ابھری تھی، اس کی جگہ نہ جغرافیہ نویس کے طبعی نقشے میں تھی، نہ مورخ کے سیاسی مرقع میں، لیکن کسے خبر کہ یہ خون شہادت دفتر قضاوقدر میں کس اہمیت واثر کا مستحق سمجھا گیا، اس نے مسلمانوں کے نوشتہ تقدیر کے کتنے دھبے دھوئے، اس نے اللہ تعالیٰ کے یہاں جس کے یہاں محو واثبات کا عمل جاری رہتا ہے (يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ) (الرعد:۳۹) کون سے نئے فیصلے کروائے، اس نے کسی مستحکم سلطنت کے لیے خاتمہ وزوال اور کسی پس ماندہ قوم کے لیے عروج واقبال کا فیصلہ کروایا، اس سے کس قوم کا بخت بیدار ہوا اور کس سرزمین کی قسمت جاگی، اس نے کتنی بظاہر ناممکن الوقوع باتوں کو ممکن بنادیا اور کتنی بعید از قیاس چیزوں کو واقعہ اور مشاہدہ بنا کے دکھادیا۔

یوں تو شہدائے بالاکوٹ میں سے ہر فرد کا پیغام یہ ہے کہ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ،

بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْن، مگر گوش شنوا اور دیدہ بینا کے لیے ان کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ ہم ایک ایسے خطہ زمین کے حصول کے لیے جد و جہد کرتے رہے، جہاں ہم اللہ کے منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکیں، جہاں ہم دنیا کو اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کا نمونہ دکھا کر اسلام کی طرف مائل اور اس کی صداقت وعظمت کا قائل کر سکیں، جہاں نفس وشیطان، حاکم وسلطان اور رسم ورواج کے بجائے خالص اللہ کی حکومت واطاعت ہو، وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ، (الانفال:۳۹) جہاں طاعت وعبادت اور صلاح تقوی کے لیے اللہ کی زمین وسیع اور فضا ساز گار ہو اور فسق وفجور ومعصیت کے لیے زمین تنگ اور فضا ناساز گار ہو، جہاں ہم کو صدیاں گزر جانے کے بعد پھر اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُو الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (الحج:۴۱)(۱) کی تفسیر اور تصویر پیش کرنے کا موقع مل سکے، تقدیر الٰہی نے ہمارے لیے اس سعادت ومسرت اور اس آرزو کی تکمیل کے مقابلے میں میدان جنگ کی شہادت اور اپنے قرب ورضا کی دولت کو ترجیح دی، ہم اپنے رب کے اس فیصلے پر رضا مند وخورسند ہیں، اب اگر اللہ نے تم کو دنیا کے کسی حصے میں کوئی ایسا خطہ زمین عطا فرمایا، جہاں تم اللہ کے منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکو اور اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کے قائم کرنے میں کوئی مجبوری مخل اور کوئی بیرونی طاقت حائل نہ ہو، پھر بھی تم اس سے گریز کرو اور ان شرائط واوصاف کا ثبوت نہ دو، جو مہاجرین ومظلومین کے اقتدار وسلطنت کا تمغہ امتیاز ہیں(۲) تو تم ایسے کفران نعمت اور ایک ایسی بدعہدی کے مرتکب ہو گے، جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے، ہم نے جس زمین کے چپے چپے کے لیے جد وجہد کی اور اس کو اپنے خون سے رنگین کر دیا، اکوڑے اور شیدو کے میدان اور تور دا اور مایار کی رزم گاہ سے لے کر بالاکوٹ کی

---

(۱) ترجمہ: وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے (الحج:۴۱)

(۲) اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیر، الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع بیع وصلوات ومساجد یذکر فیها اسم الله کثیرا ولینصرن الله من ینصره ان الله لقوی عزیز (۲۲، ۳۹، ۴۰)

شہادت گاہ تک ہمارے خون شہادت کی مہریں اور ہمارے شہیدوں کی قبریں ہیں، تم کو خدا نے اس زمین کے وسیع رقبے اور سرسبز و شاداب خطے سپرد فرمائے اور بعض اوقات قلم کی ایک جنبش اور برائے نام کوشش نے تم کو عظیم سلطنتوں کا مالک بنادیا، ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ م بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ (۱) اب اگر تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور تم نے آزادی کی اس نعمت اور خداداد سلطنت کی اس دولت کو جاہ و اقتدار کے حصول اور حقیر و فانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا، تم نے اپنے نفوس اور اپنے متعلقین، ملک کے شہریوں اور باشندوں پر خدا کی حکومت اور اسلام کا قانون جاری نہ کیا اور تمھارے ملک اور تمھاری سلطنتیں اپنی تہذیب معاشرت اور اپنے قانون و سیاست اور تمھارے حاکم اپنے اخلاق و سیرت اور اپنی تعلیم و تربیت میں غیر اسلامی سلطنتوں اور غیر مسلم حاکموں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے، تو تم آج دنیا کی ان قوموں کے سامنے، جن سے تم نے مسلمانوں کے لیے الگ خطہ زمین کا مطالبہ کیا اور کل خدا کی عدالت میں جہاں اس امانت کا ذرہ ذرہ حساب دینا پڑے گا، کیا جواب دو گے؟ خدا نے تم کو ایسا نادر وزریں موقع عطا فرمایا ہے کہ جس کے انتظار میں چرخ کہن نے سینکڑوں کروٹیں بدلیں اور تاریخ اسلام نے ہزاروں صفحے الٹے، جس کی حسرت و آرزو میں خدا کے لاکھوں پاک نفس اور عالی ہمت بندے دنیا سے چلے گئے، اس موقع کو اگر تم نے ضائع کردیا تو اس سے بڑا تاریخی سانحہ اور اس سے بڑھ کر حوصلہ شکن اور یاس انگیز واقعہ نہ ہوگا، بالاکوٹ کے ان شہیدوں کا، جو ایک دور افتادہ بستی کے ایک گوشے میں آسودہ خاک ہیں، ان سب لوگوں کے لیے جو اقتدار و اختیار کی نعمت سے سرفراز اور ایک آزاد اسلامی ملک کے باشندے ہیں، پیغام ہے کہ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ (۲)

جماعت کی امارت اور نظم و نسق

میاں خدا بخش، الٰہی بخش، شیر محمد خاں رامپوری، محمد امیر خاں قصوری، لعل محمد جگدیس

---

(۱) یونس، ع ۲۔ ترجمہ: پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں جانشین کیا تا کہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔
(۲) سورۂ محمد، ع ۳۔ ترجمہ: کیا یہ احتمال بھی ہے کہ اگر تمھاری حکومت ہو تو تم زمین میں فساد کرو اور قطع رحمی سے کام لو۔

پوری اور داروغہ عبدالقیوم وغیرہ کہتے ہیں کہ لڑائی کے کھیت سے نکل کر ہم اکثر لوگ پہاڑ کی آڑ میں چشمے پر جمع ہوئے، کچھ لوگ آگے بھی چلے گئے وہیں چشمے پر دو یا تین غازی مولوی خیر الدین صاحب کے ہمراہی آپہنچے اور کہنے لگے: بھائیو ہراساں نہ ہونا، مولوی صاحب کے سب ہمراہی مجاہدین پیچھے آتے ہیں، پھر جب ہم لوگوں نے لڑائی میں شکست ہونے کا حال بیان کیا، تب وہ بھی ایک سکوت کے عالم میں رہ گئے ہم لوگوں میں سے ہر ایک حضرت علیہ الرحمۃ کے غم فراق میں اس قدر پراگندہ خاطر اور حواس باختہ تھا، جیسے مجنون اور سودائی ہوتا ہے، کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا، وہاں سے سب لوگ چل کر ناصر خاں کے گاؤں انگرائی میں ٹھہرے، وہاں سے میاں کلی ٹھہرتے ہوئے درہ ندھیار میں موضع شملئی پہنچے، جب ہم لوگ موضع بنیر پہنچے، تو وہاں کے خان بہرام خاں خیل نے، جو حبیب اللہ خاں کا بڑا بھائی تھا، ہم سب کو تسلی دے کر، بنیر میں ٹھہرایا، بیوی صاحبہ معظّمہ مکرمہ ہم لوگوں سے ایک یا دو روز پہلے راج دواری سے آکر بنیر کے پہاڑ پر ایک گوجر کے مکان میں ٹھہری تھیں، جو غازی لڑائی کے روز جا بجا ادھر ادھر پراگندہ ہوگئے تھے وہ بھی آکر ہم لوگوں میں شریک ہوگئے، مولوی سید نصیر الدین صاحب منگلوری جو موضع بھوگڑ منگ میں تیں بتیس آدمیوں کے ساتھ متعین تھے، وہ بھی اپنے لوگوں سمیت آکر شریک ہوئے اور جو لوگ پچون میں بیمار تھے، وہ بھی آئے، اس روز شام کو تقریباً سات سو آدمیوں کی جنس تقسیم ہوئی۔

اس سے اگلے روز لوگوں میں پراگندگی کی ایک صورت ظاہر ہوئی، کیونکہ تمام لوگ بے سردار تھے، ان پر ایسا کوئی امیر نہ تھا کہ اس کے رعب سے دبے رہیں، جس کے دل میں جو بات آتی تھی، وہ کہتا تھا، کسی نے ہند کا ارادہ کیا، کسی نے سندھ کا، کسی نے کابل اور قندھار کا، بعضوں نے کہا کہ ہم تو امیر المومنین کی بیوی صاحبہ کے ساتھ ہیں، ان کو چھوڑ کر کہیں نہ جائیں گے، غرض ہر کوئی اپنی علیحدہ تقریر کرتا تھا اور شیخ ولی محمد صاحب پھلتی کا یہ حال تھا، جیسے کوئی دیوانہ یا مست ہوش باختہ ہوتا ہے، سب کی باتیں سنتے تھے اور جواب کسی کو نہ دیتے تھے، حضرت کے غم فراق سے ہوش وحواس برجا نہ تھے، یہی حال اکثر لوگوں کا تھا، جو شخص حضرت

سے جس قدر محبت اور دلی اخلاص رکھتا تھا، اسی قدر اس کو غم تھا، جو کوئی شیخ صاحب موصوف سے کہتا کہ حضرت امیر المومنین کے روبرو بھی آپ ہم سب کے سردار تھے اور اب بھی آپ ہی سردار ہیں، تمام مجاہدین متفرق ہوئے جاتے ہیں، بلکہ بہت لوگ دو، دو چار چار کر کے چلے بھی گئے، اگر دو چار روز یوں ہی بے انتظامی اور پراگندگی رہی، تو لشکر ختم ہو جائے گا، آپ اس کا جلد تدارک کریں تا کہ غازیوں کا بیڑا قائم رہے، شیخ صاحب اس کے جواب میں کہتے تھے کہ مجھ سے کچھ کام نہیں، جو چاہے، سو رہے، جو چاہے، سو چلا جائے، میں تو حضرت کی بیوی صاحبہ کے ساتھ ہوں اور انہیں کا فرماں بردار اور خدمت گزار ہوں، لیکن آخر شیخ حسن علی صاحب، سید نصیر الدین صاحب منگلوری اور مولوی حاجی قاسم صاحب پانی پتی کے اصرار اور سمجھانے سے شیخ صاحب راضی ہو گئے اور ان تینوں صاحبوں نے لشکر کے تمام افسروں کو بلوایا اور ان سے یہ حال بیان کیا، سب خوش ہو کر اس پر راضی ہو گئے اور سب نے اتفاق کر کے شیخ صاحب کو اپنا امیر بنایا اور ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا عہد کیا(۱)۔

---

(۱) جماعت مجاہدین نے اس کے بعد سید صاحبؒ کے جانشینوں اور اپنے امراء جماعت کے ماتحت جہاد و جد و جہد کا جو سلسلہ جاری رکھا، وہ سرفروشی و جانبازی، اخلاص و وفاداری، عالی ہمتی اور اولوالعزمی اور ثبات و استقامت کی ایک مسلسل تاریخ ہے جس کے لیے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔

فطری اخلاق واوصاف

اخلاق واوصاف کا مرکزی نقطہ

سید صاحبؒ کے اخلاق واوصاف کا مرکزی نقطہ اور نمایاں وصف یہ ہے کہ آپ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مناسبت تامہ اور مزاج نبوی سے طبعی وذوقی اتحاد نظر آتا ہے، آپ کے حالات واخلاق کا جو شخص دیانتداری اور غیر جانبداری کے ساتھ مطالعہ کرے گا، وہ آپ کے فیصلوں، طبعی رجحانات اور حدیث وسیرت کے واقعات میں بکثرت توارد پائے گا، اور یہی طبعی مناسبت کے معنی ہیں کہ جہاں علم نہ ہو، وہاں بھی بے تکلف طبیعت اسی طرف مائل ہوجائے، جدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کا میلان ہوتا، سلامت طبع، توازن دماغی، اعتدال وتوسط، جامعیت، معاملہ فہمی، سادگی کے ساتھ گہرا فہم، حیا کے ساتھ جرأت واظہار حق تحمل وعفو کے ساتھ حمیت شرعی اور غیرت دینی، شفقت کے ساتھ جذبہ جہاد واجرائے حدود، ذوق عبادت کے ساتھ ذوق جہاد وشوق شہادت، مسلمانوں کے معاملے میں لینت ورفق کے ساتھ اہل کفر پر شدت، قناعت واستغنا کے ساتھ عالی ہمتی وبلند حوصلگی، فقر اور فاقے کی حالت میں سخاوت ودریا دلی، رفقاء کے ساتھ مساوات واشتراک عمل، شجاعت وقوت قلب کے ساتھ رقت قلب ولطافت نفس، صبر وتحمل کے ساتھ نزاکت فہم وذکاوت حس، تواضع کے

ساتھ وقار وہیبت، مروجہ علوم کے بغیر اعلیٰ درجے کی حکمت وفقاہت، بسط وتفصیل کے بجائے اجمال واختصار، فروع وجزئیات کے بجائے اصول وکلیات کی طرف رجحان، اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہ لینا، نہ کسی کا دل توڑنا، احکام وحدود کے سلسلے میں کسی کی پروانہ کرنا، ہر شخص کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا کہ وہ یہ سمجھے کہ اس سے زیادہ مقرب ومحبوب کوئی نہیں، لیکن حدیث أمرنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انزلوا الناس منازلھم (۱)(لوگوں کوان کے مرتبوں پر رکھو) پر پورا عمل، یہ وہ اوصاف وخصوصیات ہیں، جن میں شمائل نبوی کا پرتو صاف نظر آئے گا، یہ اتباع سنت اور اقتداء کامل کا وہ اعلیٰ درجہ ہے جو فطری مناسبت، تربیت ربانی اور سنت میں فنا ہوئے بغیر عموماً حاصل نہیں ہوتا، مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادیؒ نے اس حقیقت کو بڑی سادگی سے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''حضرت کے پہچاننے کو تھوڑی سی سیدھی عقل، اور حدیث سے تھوڑی سی واقفیت چاہیے کہ اکثر اولیاء اللہ کو بعض انبیاء کا پرتو عنایت ہوتا ہے، ہمارے حضرت کو اللہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو عنایت کیا اور گروہ پر حضرت کے صحابہؓ کا پرتو ڈالا کہ لوگوں کے دل میں اتباع سنت کی محبت اور ایمان کی غیرت حد سے زیادہ ہوئی، اللہ کا دین زیادہ ہونے کے واسطے دل بے قرار ہونے لگا'' (۲)۔

ہم یہاں مختلف عنوانات کے ماتحت آپ کے اخلاق واوصاف کو بیان کرتے ہیں۔

اعتدال وتوسط

مولوی سید جعفر علی صاحبؒ منظورۃ السعداء میں لکھتے ہیں:

مولانا اسمٰعیل می فرمودند کہ ہر چند مردم بسیار براہ راست آمدہ اند، لیکن آنچہ می خواہم ہیچکس از ایشاں اختیار آں وضع نہ نمودہ اند وآں راہ توسط است در افراط و تفریط کہ در ملازمین صحبت حضرت امیر المومنین یافتہ می شود، ومن ہر چند سعی بسیار

---

(۱) حدیث نبویؐ، روایت ابوداؤد بروایت ام المومنین عائشہؓ۔

(۲) رسالہ دعوت مشمولہ مجموعہ رسائل تسعہ از مولانا ولایت علی عظیم آبادی علیہ الرحمہ ص ۶۴

می نمایم کہ آں طریقہ توسط بتعلیم یافتگان از من حاصل شود، لیکن حسب مراد من ہیچ یکے از ایشاں تعلیم قبول نمی کند، یا راہ افراط می روند یا تفریط می کنند۔

مولانا اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ اگرچہ بہت کثرت سے لوگ راہ راست پر آگئے ہیں، لیکن ان میں سے کسی نے وہ وضع اختیار نہیں کی، جو میں چاہتا ہوں اور وہ افراط وتفریط کے درمیان توسط واعتدال کی راہ ہے، جو حضرت سید صاحب کے صحبت یافتہ لوگوں میں پائی جاتی ہے، میں ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو، جنھوں نے مجھ سے تعلیم حاصل کی ہے، وہ راستہ حاصل ہو، لیکن میرے منشاء کے مطابق ان میں سے کوئی وہ تعلیم قبول نہیں کرتا یا افراط کے راستے پر چلتے ہیں یا تفریط کرنے لگتے ہیں۔

عالی ہمتی

مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں:

''ہیچکس از صدہا سال بایں ہمت عالیہ مخلوق نشدہ''

صدیوں سے ایسا عالی ہمت پیدا نہیں ہوا

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''نقل است کہ حکیم مہدی نائب سلطان لکھنو کہ باوجود مذہب تشیع در فہم وفراست در امور دنیا وقدر شناسی اہل فضل وکمال یکتائے روزگار بود، چوں بعضے غزوات آنجناب شنیدہ از راہ عقل وانصاف گفت کہ آنچہ وسعت حوصلہ وہمت عالی ایں سید ست از ما واز سلطان ما صورت امکان ندارد با آنکہ ما مالک ملک عظیم ایم واُو رئیس یک دیہ ہم نیست۔(۱)

منقول ہے کہ اودھ کے نائب السلطنت حکیم مہدی جو تشیع کے باوجود دنیاوی فہم وفراست اور اہل فضل وکمال کی قدر شناسی میں یکتائے روزگار تھے، سید

(۱) منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء (قلمی) از مولوی سید جعفر علی بستویؒ

صاحبؒ کی بعض جنگوں کے واقعات سن کر از راہ عقل وانصاف ایک دن کہنے لگے کہ اس سید کی سی بلند حوصلگی اور عالی ہمتی تو ہم سے اور ہمارے بادشاہ (شاہ اودھ) سے بھی ممکن نہیں، حالانکہ ہم ایک بڑی سلطنت کے مالک ہیں اور وہ ایک دیہات کے بھی رئیس نہیں۔

مولوی صاحب موصوف یہ بھی فرماتے ہیں:

حسن علی خاں، خان مقام سچون درہ بھوگڑ منگ کہ از درہ ہائے ملک پکھلی است، چوں ابتداء نام حضرت امام، و مجتمع شدن ناس برائے جہاد می شنید، می گفت کہ ایں سلطان وایں لشکر چنانست کہ طفلاں از روئے بازی ولہو در خود سلطانے مقرر می کنند ولشکرے از طفلاں برائے او مہیا می سازند، تاوقتیکہ شرف ملازمت آنحضرت نہ دریافتہ، جز ایں سخنے دیگر نمی گفت۔

حسن علی خاں نے، جو سچوں درہ بھوگڑ منگ (ملک پکھلی) کے خان ورئیس تھے، جب شروع شروع میں سید صاحبؒ کا نام سنا اور معلوم ہوا کہ لوگ جہاد کے لیے ان کے پاس جمع ہوئے ہیں، تو وہ یوں کہتے تھے کہ اس بادشاہ اور لشکر کی مثال ایسی ہے کہ بچے کسی کو اپنے میں سے بادشاہ بنالیں اور اس کے لیے بچوں کا ایک لشکر تیار کریں، جب تک سید صاحبؒ کی خدمت میں ان کو باریابی حاصل نہیں ہوئی وہ اسی طرح باتیں کرتے تھے۔

وقتیکہ مولانا محمد اسمٰعیل بالشکر خود از سچون بہ بالاکوٹ رفتند ودائرہ حشمت حضرت امیر المومنین در سچون رسید، ہماں حسن علی خاں بملاحظہ جمال جہاں آرائے حضرت امیر المومنین بایاران خود گفت کہ از ناصیہ ایں امام ہمام چناں مفہوم می شود کہ اگر ارادہ تسخیر ہفت اقلیم خواہد نمود، عالمے زیر نگیں او استقرار خواہد گرفت، و من بعد چوں در مجلس وعظ آنجناب نشست، از غایت گریہ کہ در نصائح آنجناب در دلش اثرے پیدا کرد، تمام لحیہ اش از اشک تر گردید (۱)

---

(۱) منظورۃ السعداء

جب مولانا محمد اسمٰعیل اپنے لشکر کے ساتھ پچھوں سے بالاکوٹ تشریف لے گئے اور سید صاحب نے پچھوں میں نزول اجلال فرمایا، وہی حسن علی خاں آپ کو دیکھ کر اپنے دوستوں سے کہنے لگے کہ اس سردار کی پیشانی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہفت اقلیم کو مسخر کرنے کا ارادہ کرے، تو ایک عالم کو زیر کر لے، اس کے بعد جب مجلس وعظ میں انھوں نے شرکت کی، تو سید صاحبؒ کی نصیحتیں سن کر شدت گریہ سے یہ حال ہوا کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

سخاوت و دریادلی

اللہ تبارک و تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو شرح صدر کی دولت سے نوازتا ہے اور "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ" کی حقیقت اس پر منکشف فرما دیتا ہے، تو اس متاع قلیل کے کسی جز کو جو اقل قلیل ہے، وہ کبھی خاطر میں نہیں لاتا، اس دنیا کی بڑی سی بڑی دولت اور نایاب سے نایاب تحفہ اس کی نگاہ میں نہیں جچتا، بڑی سی بڑی چیز کے دے دینے میں اس کو کبھی تامل نہیں ہوتا، دیکھنے والوں کو اس سے استعجاب ہوتا ہے، مگر اس کو ان کے استعجاب پر استعجاب ہوتا ہے۔

نواب وزیر الدولہ مرحوم، جو خود والی ریاست تھے، اپنا تاثر ان لفظوں میں ظاہر کرتے ہیں:

> "آپ نہایت درجہ سیر چشم دریا دل اور شاہانہ مزاج کے انسان تھے، طبیعت بے حد مستغنی اور بے نیاز تھی، دنیا کی دولت کو نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتے اور خزائن شاہی کو خاطر میں نہ لاتے۔"

آپ اپنا ہاتھ ہمیشہ اونچا رکھتے، امراء اور والیان ریاست کا علماء و مشائخ اور شرفاء و سادات کو تحفہ دینے کا دستور ہے، مگر آپ نے خود امراء اور والیان ریاست کو تحفہ دیا، لکھنؤ سے رخصت کے وقت آپ نے ایک عمدہ گھوڑی، جو بہت بلند اور قدآور تھی، جس پر آپ اس وقت سوار تھے نواب معتمد الدولہ آغا میر نائب السلطنت اودھ کو (جس کی داد و دہش کی دنیا میں دھوم تھی) بچے سمیت تحفے کے طور پر دی، نواب صاحب نے بہت عذر کیا اور کہا کہ تین چار

گھوڑے خود ہمارے اصطبل میں سے پسند فرما کر ہماری طرف سے قبول کیجیے، آپ نے فرمایا: نہیں، یہ گھوڑی تو آپ کو قبول کرنی ہوگی (۱)۔

پائندہ خاں والی ریاست امب سے ملاقات ہوئی، تو آپ نے اس کو ایک دستار، ایک بہت بھاری ضرب توپ اور ایک ہاتھی عنایت فرمایا، سفر حج سے واپسی پر دیوان غلام مرتضٰی نے ایک رومی بندوق پیش کش کی تھی، جس میں سات دیدبان تھے، دیدبانوں کا حساب یہ تھا کہ ہر دیدبان سے دوسو قدم فاصلہ بڑھ جاتا تھا، چنانچہ ساتویں دیدبان سے ایک ہزار چار سو قدم کا فاصلہ ہوتا تھا، آپ نے یہ بندوق یار محمد خاں درانی والی پشاور کو عطا فرمادی (۲)۔

سنت نبوی کے مطابق کسی سوال کا رد کرنا تو آپ کے اصول کے بالکل خلاف تھا، کوئی شخص بیش قیمت سے بیش قیمت چیز کا سوال کر لیتا اور آپ کو کیسی ہی ضرورت ہوتی، کبھی اس کی درخواست نامنظور نہ فرماتے اور وہ چیز اس کو ضرور عطا فرمادیتے۔

مولوی سید جعفر علی شیخ فرزند علی غازی پوری کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز شیخ غلام علی رئیس الٰہ آباد نے ایک تلوار پیش کی اور عرض کیا کہ ایسی بیش قیمت تلوار نواب لکھنؤ کے سلاح خانے میں بھی نہیں ہے، آپ نے اس کو ملاحظہ فرمایا اور حاضرین مجلس نے بھی باری باری اس کو دیکھا اور ہر ایک نے اس کی بے حد تعریف کی، رامپور کے ایک پٹھان کھڑے تھے، انھوں نے کہا کہ حضرت یہ تلوار مجھے عنایت ہو، آپ نے بلا تامل ان کو عنایت فرمادی، لوگوں کو بڑا تعجب ہوا (۳)۔

سخاوت و دریا دلی کا یہ معاملہ صرف دوستوں کے ساتھ نہ تھا، بلکہ جو ہمیشہ مخالف و عداوت میں سرگرم رہے اور ایذا رسانی اور بیخ کنی کے درپے رہے، ان کے ساتھ بھی یہی عنایت والطاف تھے۔

پشاور میں جب سردار سلطان محمد خاں سے ملاقات ہوئی، تو آپ نے سردار موصوف سے فرمایا کہ خان بھائی، تم نے جوار باب فیض اللہ خاں کی زبانی چالیس ہزار روپئے خرچ کے

---

(۱) سیرت سید احمد شہیدؒ، جلد اول ص ۱۹۲ (۲) سیرت سید احمد شہیدؒ جلد اول، ص ۳۳۸ (۳) منظورۃ السعداء

واسطے دینے کا وعدہ کیا تھا، تو اب اس کی فکر نہ کیجیے گا، ہم نے آپ کو معاف کیے، کیونکہ ہمارے پروردگار کے یہاں کسی بات کی کچھ کمی نہیں ہے، آپ ہمارے بھائی ہیں، آپ سے کسی طرح کا جرمانہ یا تاوان لینا ہم کو منظور نہیں ہے۔

شجاعت اور اعتماد علی اللہ

آپ کی شجاعت اور اللہ تعالیٰ کی نصرت پر اعتماد و توکل اور بے خوفی کے واقعات بہت ہیں، ان میں سے صرف ایک واقعہ مولوی سید جعفر علی نقوی صاحب منظورۃ السعداء کی زبانی نقل کیا جاتا ہے:

''مہیار کی جنگ میں درانی بارہ ہزار سے زائد کی تعداد میں میدان میں آئے، انھوں نے دو توپوں اور پیادوں کے لشکر کا کا رخ قلعہ مہیار کی طرف، جو مجاہدین کے قبضے میں تھا، کر دیا اور دو بڑی توپوں کو لشکر مجاہدین کی طرف سر کرنا شروع کیا، مجاہدین کے ہاتھ میں سوائے چند زمبورکوں کے ایک توپ بھی نہ تھی، اکثر توپیں امب میں اور بعض پنجتار میں تھیں، اکثر آدمیوں نے حضرت سے توپوں کے منگوانے کے متعلق عرض کیا، حضرت نے فرمایا کہ ہم کو اللہ کی فتح و نصرت پر اعتماد ہے، توپوں اور زمبورکوں پر نہیں: وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ'' اس وقت کم وبیش پانسو سوار آپ کے ہمرکاب تھے اور تین ہزار کے قریب پیادے، مخالفین کے لشکر میں لوگوں کے تخمینے کے مطابق آٹھ ہزار سوار تھے، اس وقت مشورہ یوں ہوا کہ اپنے سواروں کو جو بہت قلیل ہیں، ان کے سواروں کے مقابل کرنا مناسب نہیں، اگرچہ اپنے پیادے بھی ان کے پیادوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں، لیکن ہندوستانی پیادے بڑی ثابت قدمی دکھاتے ہیں، پھر یہ غازیوں کا لشکر ہے اور غازی جان دینے میں دریغ نہیں کرتے، اس لیے حضرت نے سواروں کو تاکید شدید کی کہ پیادوں کے پیچھے رہیں، آپ خود اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پیادوں کے گروہ میں تشریف لے گئے، جن کی صف مہیار کے باغیچے کے قریب پہنچ گئی تھی، کالے خاں رامپوری، جن کے ذمے صف آرائی کی خدمت تھی، توپ کے گولے سے

شہید ہو گئے، چند اور غازی بھی شہادت سے سرخرو ہوئے۔ آپ نے پہلے پیادوں کی صف میں کھڑے ہو کر کچھ وصیت کے طور پر فرمایا کہ بھائیو، تم دشمن کے پیچھے ہرگز نہ دوڑنا، دوڑنے کو اپنے اوپر حرام سمجھو، چونکہ قریب ہی فاصلے میں دوڑنے والے کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور ہانپنے لگتا ہے، اس لیے کسی کام کے قابل نہیں رہتا، ہاں پھرتی کے ساتھ پیدل ہی ان توپوں کی طرف بڑھو اور پھر مدد الٰہی کا تماشا دیکھو، یاد رکھو، اگر صف سیدھی رہے گی اور انتشار پیدا نہیں ہوگا، توپ کے ایک گولے سے ایک ہی آدمی مرے گا، ایک سے زائد کو نقصان نہیں پہنچے گا، اس وقت آپ گھوڑے پر سوار صف کے آگے آگے توپ کی طرف بڑھ رہے تھے، ہمراہیوں میں سے ایک شخص نے گھوڑے کی لگام تھام کر عرض کیا کہ چونکہ پیادوں کی صف میں ایک اکیلا سوار دور سے امیر معلوم ہوتا ہے، اس لیے گولہ انداز اسی کو تاک کر گولے کا نشانہ بناتا ہے، مناسب ہے کہ آنجناب اس وقت پیادہ ہو جائیں، آپ نے اس مشورہ کو قبول کیا اور گھوڑے سے اتر آئے اور پیادہ پا شیر ژیاں کی طرح توپ کی طرف بڑھے اور قرابینوں اور بندوقوں کے چھوڑنے کا حکم اس وقت تک حکم نہیں دیا جب تک کہ مخالفین کی ایک توپ تخت کے اوپر سے گر نہیں گئی، اس وقت لشکر اسلام آہستہ آہستہ تکبیر کہہ رہا تھا، امان اللہ خاں لکھنوی بلند آواز سے جنگ پر ابھار رہے تھے اور غیرت ایمانی میں ڈوبے ہوئے جوش آفریں کلمات زبان سے کہہ رہے تھے، ریاست علی موہانی، جو منشی خانے میں تھے مولوی خرم علی صاحب کے رسالہ جہادیہ کے اشعار پڑھ رہے تھے، ان میں سے دو شعر یہ ہیں:

آج گر اپنی خوشی جان خدا کو دو گے کل تو پھر شوق سے جنت کے مزے لوٹو گے

سر پٹک پیر رگڑ گھر میں کا مرنا بہتر؟ یا رہ حق میں فدا جان کا کرنا بہتر؟

جب آپ اپنے تمام ہمراہیوں کے ساتھ توپ کے اتنے قریب پہنچے کہ بندوق کام کر سکتی تھی، گولہ انداز نے توپ چلانا موقوف کی ایک دو شاخچے، جن کو انگریزی میں گراپ کہتے ہیں، سر کیے، الحمد للہ جس طرح گولے اوپر اوپر سے نکل جاتے تھے، اسی طرح گراپ پاؤں کے سامنے گرے اور ایک دو کے سوائے کوئی زخمی ہوئے اور کوئی زخمی نہیں ہوا، جس وقت

فاصلہ اس سے بھی قریب رہ گیا، گولہ انداز توپ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ہزاروں سواروں نے اس طرف حملہ کر دیا، اس وقت آپ بھی دو بندوقیں، جو ایک ایک خادم کے ہاتھ میں تھیں، سر کرتے جاتے تھے اور قرابین بازوں اور تفنگچیوں کو بھی حکم دے رہے تھے، بندوقوں اور قرابین کی گولیوں سے دشمن کے سوار متفرق ہو گئے، دونوں لشکروں کے درمیان گھوڑوں اور سواروں کی لاشیں اس طرح پڑی ہوئی تھی کہ میدان میں چلنا مشکل تھا، آناً فاناً میدان صاف ہو گیا اور دونوں توپیں مجاہدین کے قبضے میں آ گئیں۔''

عفو و حلم

اسی شجاعت و قوت کے ساتھ عفو و حلم، تحمل و برداشت اور عالی ظرفی کی بھی حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری شجاعت و قوت اور شدت اہل کفر و نفاق اور اسلام کو نقصان پہنچانے والوں کے ساتھ تھی، ذاتی طور پر تکلیف دینے والوں اور قصور وار مسلمانوں کے ساتھ سراسر عفو و حلم اور معافی و درگزر کا معاملہ تھا، کثیر التعداد واقعات میں سے چند واقعات ذکر کیے جاتے ہیں:

''پیر داد خاں، باشندہ لوہانی پور کی گائے حضرت کے خربوزے کے کھیت میں چلی گئی اور بہت نقصان کیا، چوکیداروں نے اس گائے کو دوڑا کر پیر داد خاں کے گھر پہنچا دیا، گائے دوڑنے کی وجہ سے بہت سست ہو گئی، پیر داد خاں نے بہت غصہ کیا اور آپ کے پاس آ کر بیٹھ گئے، چند اور شرفاء بھی وہاں موجود تھے، اس وقت ایک بہت خوش رنگ اور عمدہ خربوزہ، جو فصل کا پہلا پھل تھا، اور تین آم، جو موسم کے ابتدائی پھل تھے، رکھے ہوئے تھے، آپ نے بڑی مہربانی اور شفقت کے ساتھ ان میں سے ایک آم میاں شیخ امان اللہ رائے بریلوی کو، جو ایک بزرگ آدمی تھے، عطا فرمایا اور دوسرا آم دوسرے صاحب کو اور خربوزہ پیر داد خاں کو عنایت فرمایا، ان دونوں بزرگوں نے تو تبرکاً وہ پھل لے لیے، لیکن پیر داد خاں نے وہ خربوزہ وہیں آپ کے سامنے ڈال دیا اور کہا کہ میں نہیں لیتا، میاں شیخ امان اللہ کہنے لگے کہ یہ حضرت کا عطیہ ہے اور تمھارے لیے موجب برکت ہے، اس کو واپس نہیں کرنا چاہیے، وہ زیادہ غصے میں

آ کر کہنے لگے کہ ہمارے لیے موجب برکت نہیں، موجب حرکت ہے اور برا بھلا کہنا شروع کردیا اور بے ادبی اور گستاخی میں حد سے بڑھ گئے، آپ نے بڑی عاجزی اور انکسار سے معذرت کی اور فرمایا کہ میں فصل رکھانے والوں کو تنبیہ کروں گا، انھوں نے بہت برا کیا کہ تمھارے جانور کو تکلیف دی، اگر وہ جانور مر جاتا، تو ہم تم کو اس کے عوض میں اس سے اچھا جانور دیتے، اتنا رنج نہ کرو، سید عبدالرحمٰن، جو اس قصے کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں ایک کام سے بازار گیا ہوا تھا، واپس آیا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ غلام رسول خاں، جو آپ کے گھوڑوں کی دیکھ بھال پر مقرر تھے اور ذی عزت آدمی تھے، غصے کے مارے رو رہے ہیں، میں نے پوچھا: خاں صاحب خیریت ہے؟ انھوں نے کہا کہ عجب قصہ ہے، اس بدتمیز آدمی نے حضرت کی شان میں گستاخی کی اور غیر مہذب الفاظ زبان سے نکالے اور حد سے بڑھ گیا، میں نے چاہا کہ اس کو ڈانٹ دوں اور اس کی اس بدتمیزی سے باز رکھوں، حضرت تو انتہا درجے کے بردبار ہیں، انھوں نے مجھے ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ یہاں سے چلے جاؤ، میں آپ کے حکم کی تعمیل میں باہر آ گیا، میاں امان اللہ نے پیر داد خاں کو بہت سمجھایا کہ اس قدر بے تمیزی اور بدلگامی شرفاء کی شان کے خلاف ہے، پیر داد خاں اپنے گھر چلے گئے، سید علم الھدیٰ اور سید فخر الدین، جو آپ کے بھائی بند تھے، غصے سے بھرے ہوئے آئے اور کہا کہ ہم اس بدتمیز کی مرمت کریں گے، آپ نے فرمایا: خاموش رہو، ایسا نہیں چاہیے نہیں تو اس کی جمعہ و جماعت ترک ہو جائے گی، صبر کرو، سید عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں بھی غصے سے بے قابو ہو گیا، میں نے بھی آ کر عرض کیا کہ یہ نالائق ایسی بدتمیزی کر کے یہاں سے سلامت چلا گیا، افسوس کہ میں موجود نہ تھا، آپ نے ان کو بھی ملامت کی اور کہا: تم بچے ہو، تم کیا جانو؟ اگر اس سے جمعہ و جماعت فوت ہو جائے گی تو اس کے حق میں بڑی قباحت ہوگی، اس کے بعد آپ تیار ہوئے کہ میں خود معذرت کے لیے خاں صاحب کے پاس جاؤں گا، آپ کا معمول تھا کہ بڑی بہن سے ملنے کے لے قلعۂ تشریف لے جایا کرتے تھے، آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور لوگ آپ کے ساتھ چلے، بہن سے مل کر آپ لوہانی پور خاں صاحب کے دروازے پر آئے، وہ آپ کی سواری دیکھ کر گھر میں گھس گئے، آپ گھوڑے سے اتر کر دروازے پر بیٹھ گئے اور فرمایا: آج

خاں صاحب سے خطا معاف کرائے بغیر نہیں جاؤں گا۔ خاں صاحب گھر سے باہر نہیں آتے تھے یہاں تک کہ گاؤں کے رؤساء واشراف جمع ہو گئے، ان کو بڑی ملامت کی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر سید صاحبؒ کے پاس کھینچ کر لے آئے، آپ ان سے بغلگیر ہوئے اور ان سے معافی چاہی اور فرمایا کہ اگر تمھاری گائے مر جاتی، تو ہم تمھیں اس سے اچھی دیتے پھر آپ نے ان کی ایسی دلجوئی اور خاطر داری کی کہ ان کو راضی کر کے گھر واپس ہوئے، پیر داد خاں کے چھوٹے بھائی نور داد خاں آپ کی یہ عاجزی اور انکسار اور بھائی کا یہ غرور و تکبر دیکھ کر بھائی سے جدا ہو گیا اور گھر بار چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گیا یہاں تک کہ بالاکوٹ میں آپ کے ساتھ شربت شہادت نوش کیا۔ (۱)

مولوی سید جعفر علی ایک دوسرا واقعہ سید عبدالرحمٰن اور سید زین العابدین کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ سفر حج میں آپ کے ساتھ مولوی نصیر الدین اور شیخ نجم الدین پھکیت ساکنان لکھنؤ کے بھائی امام الدین بھی ہمراہ تھے، آپ ان کی بڑی مراعات فرماتے تھے اور ان کو بھی ابتداء میں آپ کے ساتھ اعلیٰ درجے کی ارادتمندی اور عقیدت تھی لیکن مکہ معظّمہ پہنچ کر بعض کج طبیعت لوگوں کے اغوا سے آپ کی طرف سے طبیعت میں بے اعتقادی اور مخالفت پیدا ہو گئی، ایک روز آپ اپنی قیامگاہ پر تشریف رکھتے تھے کہ حاجی عبدالرحیم (ولایتی) کے رفیق حاجی عمر، جو بڑے صالح وسعید، عابد وزاہد، متقی بزرگ تھے، آپ کی ملاقات کو آئے، آپ نے ان کی بڑی عزت وتوقیر فرمائی اور فرمایا کہ ان جیسے آدمیوں سے ملائکہ کو بھی لحاظ آتا ہے، اور ایسے ہی آدمی ہوتے ہیں جو فرشتوں پر بھی سبقت رکھتے ہیں، یہ سن کر امام الدین کو غصہ آ گیا اور انھوں نے برملا کہا کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں، آپ نے انتہائی ملائمت سے فرمایا کہ بھائی غلط نہیں ہے، اللہ کے بندوں میں بعض خاص الخاص بندے خواص ملائکہ پر شرف رکھتے ہیں، آپ جس قدر نرمی اور آہستگی کے ساتھ یہ فرماتے، امام الدین اسی قدر غصے اور درشتی کے ساتھ آپ کو جواب دیتے اور بدتمیزی سے پیش آتے، رامپور کے ایک شخص حافظ نابینا، جو سید صاحب سے بد اعتقاد تھے اور کبھی کبھی کہتے تھے کہ آپ سخت دنیادار ہیں، پاس سے گزر رہے تھے، یہ منظر

(۱) منظورۃ السعداء

دیکھ کر اپنے دل میں پشیمان ہوئے اور آپ کے حلم و بردباری اور بزرگی کے قائل ہو گئے اور دوسرے روز انھوں نے حطیم میں سے آپ سے بڑی معذرت کی اور اپنی غلطی سے تائب ہو کر بیعت کی اور مخلصین صادقین کے گروہ میں شامل ہو گئے۔''

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ سفر حج سے واپسی پر آپ موضع ڈگھا میں جو عظیم آباد کے قریب ہے، اپنے ایک مرید بااخلاص شیخ جان کے مکان پر مقیم تھے کہ آپ نے ایک شخص سے فرمایا کہ مکان کے باہر ایک شخص مسلح چکر لگا رہا ہے، اس کو میرے پاس لاؤ، جب وہ شخص آپ کے سامنے لایا گیا، آپ نے مکان خالی کروادیا، سب لوگ باہر چلے گئے، لیکن ایک شخص جو حقیقۃً جاگ رہا تھا، بظاہر سوتا دکھائی دیتا تھا، وہ سب حال دیکھتا رہا(۱) اس وقت آپ کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا، جب سب لوگ باہر چلے گئے، تو آپ نے اس سے کہا کہ تم جس کام کے لیے آئے ہو، اس میں کیوں دیر کرتے ہو؟ آپ کے یہ فرماتے ہی اس کے جسم پر رعشہ پڑ گیا اور وہ بدحواس ہو گیا، آپ نے پھر فرمایا کہ میں نے اسی لیے تنہائی کرائی ہے کہ تم اپنا کام پورا کرلو، ڈرو نہیں اور یہ شک نہ کرو کہ شاید یہ کوئی دوسرا آدمی ہو، میں وہی شخص ہوں، جس کے لیے تم آئے ہو، اس شخص نے اپنے تمام ہتھیار اتار کر آپ کے سامنے رکھ دیے اور عرض کیا کہ یہ سب حضور کی نذر ہیں، میں اپنے فعل سے توبہ کرتا ہوں، اس کے بعد اس نے بیان کیا کہ فلاں شخص نے مجھے پانچ سو روپئے آپ کو شہید کرنے کے لیے دیے ہیں اور میں مال کے لالچ اور شیطان کے فریب میں آکر اس حرکت پر آمادہ ہو گیا اور یہاں تک پہنچا، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور آپ بھی درگزر کریں، اس کے بعد اس نے بیعت کی، آپ نے اس کے سارے ہتھیار واپس کر دیے اور پانچ روپئے اوپر سے دیے اور ان پانچ روپوں میں سے ایک روپئے کو الگ کر کے فرمایا کہ یہ چار تو اپنی ضرورت میں خرچ کرنا اور اس ایک کو محفوظ رکھنا اور کسی کی نوکری کبھی نہ کرنا، ان شاء اللہ تعالیٰ تم زندگی بھر کسی کے محتاج نہ رہو گے اور ہمیشہ خوشحال رہو گے۔

ایک دوسرا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے کہ تکیے پر بھی ایک شخص اسی ارادے سے آیا،

---

(۱) سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ سونے والے یا تو میاں صلاح الدین پھلتی تھے یا آپ کے خادم میاں دین محمد تھے، میاں دین محمد نے بھی اس حکایت کی تصدیق کی ہے۔

نماز عصر کے بعد آپ کا معمول تھا کہ سئی ندی کے کنارے تشریف لے جاتے اور دونوں پاؤں پانی میں لٹکا کر بیٹھ جاتے، وہ شخص تلوار کھینچ کر آپ کی طرف دوڑا، اس وقت اور لوگ بھی تھے، کسی نے اس کی تلوار پکڑی اور کسی نے اس کو پکڑا، بلکہ کسی کا ہاتھ بھی تلوار پکڑنے سے زخمی ہو گیا، بعض آدمیوں نے اس کو مارنے پیٹنے کا بھی ارادہ کیا، حاجی نور محمد درانی نے اس کی گردن پکڑ لی، قریب تھا کہ اس کا گلا گھٹ جائے، آپ بڑی شفقت کے ساتھ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھے، لوگوں کو منع کیا اور فرمایا کہ ہم اس شخص کو بند رکھیں گے، تم چھوڑ دو، لوگوں نے تعمیل ارشاد میں چھوڑ دیا اس خیال سے کہ میں اگر اس کو معاف بھی کر دوں گا، تو شاید حاکم نہ چھوڑے، آپ نے اس کو درشن سنگھ کے پاس، جو رائے بریلی میں نواب کی طرف سے مقرر تھا، بھیجا اور پیغام دیا کہ ہم نے اس کی خطا معاف کر دی ہے، آپ بھی اس کی خطا معاف کریں اور چھوڑ دیں۔

میاں دین محمد کہتے ہیں کہ درشن سنگھ نے اس کو دو روز قید میں رکھا اور پھر اس کو آپ کے پاس بھیج دیا اور کہا یہ شخص آپ کا قصوروار ہے، آپ جو چاہیں کریں، آپ نے اس کو تکیے پر ٹھہرا لیا اور سیر بھر گوشت اور پاؤ بھر گھی اور دوسری اجناس اس کے لیے مقرر کر دیں، چنانچہ وہ کچھ مدت تک تکیے پر مقیم رہا، کبھی کبھی اپنے ہاتھ کا پکایا کھانا بھی آپ کی خدمت میں بھیجتا تھا، جب اس نے آپ سے رخصت چاہی، تو آپ نے اس کو کچھ عطا بھی کیا۔

مولوی سید جعفر علی اسی طرح کا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں۔ سدو خاں درانی سید محمد خاں شہید کے ساتھ سمہ کی بعض جنگوں میں شریک تھا، فتح کے بعد جب لشکر نے مال غنیمت جمع کیا، تو سونے چاندی کے کچھ زیورات، مروارید، دو ٹوٹی ہوئی بندوقیں اور ایک زنگ آلود تلوار اس کے ہاتھ بھی لگی تھی، اس نے مجاہدین کی فہمائش کے باوجود یہ مال مال غنیمت میں شامل نہ کیا، لوگوں نے کہا بھی کہ تقسیم شرعی سے پہلے مال غنیمت پر قبضہ کر لینے کی سزا دنیا میں عار اور آخرت میں نار ہے لیکن اس نے کچھ پروا نہ کی، بلکہ سید صاحب کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے اور وہاں سے بھاگ کر سید صاحبؒ کے پاس چلا گیا، بعض مخلصین نے عریضے کے ذریعے سید صاحبؒ کو اطلاع بھی کر دی، قلعہ امب کے برج پر آپ ایک جماعت کے ساتھ

تشریف رکھتے تھے، دوپہر کو جب مجلس برخاست ہوئی تو آپ نے سدو خاں کو طلب فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم مال غنیمت میں سے جو کچھ لے کر آئے ہو، یہاں لے آؤ، اس نے سب زیورات تھیلی سے نکال کر سامنے رکھ دیے، آپ نے ان زیورات کو ملاحظہ بھی نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ چیزیں عورتوں کے قابل ہیں، ہمارے لائق نہیں، جاؤ ان کو اپنے سے علیحدہ کرو اور فروخت کر ڈالو، ہتھیار کو دیکھ کر فرمایا کہ ہاں، یہ مردوں کے ہتھیار ہیں، یہ مجاہدین کے کام کے ہیں، اس کے بعد سدو خاں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سدو خاں، سچ کہنا، تم نے یہ کہا تھا کہ میں اپنی درانی قوم کے پاس سے بھاگ کر آیا ہوں، اگر اس سید کے سینے پر ایک نیزہ مار کر اس کو شہید کر کے واپس چلا جاؤں، تو وہ مجھے ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور میری بڑی قدر ہوگی، اگر یونہی خالی ہاتھ گیا، تو کون میری بات پوچھے گا؟ سدو خاں نے شرم سے سر جھکا دیا اور کہنے لگا کہ لوگوں نے مجھ تنگ کیا، تو میری زبان سے ایسے لفظ نکل گئے، میں خطاوار ہوں، آپ نے فرمایا کہ میں تمھیں اپنے سے زیادہ بہادر اور جوانمرد نہیں سمجھتا کہ تم میرے مقابلے میں آسکو، لیکن ایسے لشکر میں جس کے سردار قاضی حبان تھے، تمھیں ایسے لفظ کہنا بہت ناروا تھا، اگر یہ بات قاضی صاحب کے کان میں پڑ جاتی، تو تمھیں زندہ نہ چھوڑتے، یہ تم نے اچھا کیا کہ میرے پاس آگئے، یہاں جو جی میں آئے کہو، انتقام تو انتقام مجھے اس کی پروا بھی نہیں، لیکن سواروں کے لشکر میں کبھی نہ جانا، ورنہ ایسی باتوں سے تمھاری جان چلی جائے گی۔

یہ معاملہ صرف قصوروار اور بداندیش مسلمانوں کے ساتھ نہ تھا، بلکہ غیر مسلم اسیروں اور آنے جانے والوں کے ساتھ بھی مراعات وخاطرداری کا معاملہ تھا، وقائع احمدی میں ہے:

رنجیت سنگھ کے لشکر کے دو سکھ حضرت کے پاس آئے، آپ نے ان سے آنے کا سبب پوچھا، انھوں نے عرض کیا کہ صرف آپ کی ملاقات کو آئے ہیں، آپ نے فرمایا: خیر، تم ہمارے مہمان ہو، جب تک چاہو، رہو، ان کے واسطے آپ نے اپنے یہاں سے غلہ مقرر کر دیا، ہر روز نماز فجر و عصر کے بعد وہ دو چار گھڑی بیٹھتے، انھوں نے ایک روز عرض کیا کہ ہم نے آپ کی باتیں خوب سنیں اور جو کچھ آپ کے اخلاق واوصاف کے متعلق سنا تھا، اس سے بڑھ

کر پایا، آپ کا طریقہ اور دین ہم کو پسند آیا، ہم کو بھی دین اور طریق کی تعلیم کریں، حضرت یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے، ان کو کلمہ شہادت پڑھایا اور ان کے نام عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم رکھے، غازیوں نے ان کو کپڑے دیے، بعد میں انھوں نے سنایا کہ لہنا سنگھ نے ان کو تحقیق حال کے لیے بھیجا تھا، پھر وہ چلے گئے۔

جاسوسوں اور غیر مسلم قیدیوں اور زخمیوں کے ساتھ آپ کی شفقت و مراعات کے واقعات باب چہارم میں گزر چکے ہیں، مخالف اور دشمن کے ساتھ عفو و درگزر اور احسان وعنایت اور نہ صرف جان بخشی بلکہ ملک بخشی کی جو مثال آپ نے سلطان محمد خاں سردار پشاور کے معاملے میں پیش کی ہے وہ للّٰہیت واخلاص کامل، بے نفسی اور دریا دلی کی ایسی مثال ہے، جس کی نظیر تاریخ میں آسانی سے نہیں مل سکتی، آپ کی تقریر، جو ارباب بہرام خاں کی گفتگو کے جواب میں کی تھی، ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہے، آپ نے آخر میں فرمایا تھا ''سردار سلطان محمد خاں اپنی خطا وقصور سے نادم اور تائب ہو گیا ہے اور شریعت کی تمام احکام کو اس نے قبول کیا ہے اور کہتا ہے کہ اب دوبارہ بغاوت وشرارت اور خدا اور رسول ﷺ کی مرضی کے خلاف کوئی فعل نہیں کروں گا، میری خطا اللہ معاف کرو، اگر یہ کلام نفاق ودغابازی سے کرتا ہے، تو وہ جانے اور اس کا خدا جانے، شریعت کا حکم تو اقرار ظاہری پر ہے کسی کے دل کا حال خدا کو معلوم ہے، ہم تو اس کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے، جو ظاہر شریعت کا حکم ہے۔

پھر بدخواہ کے ساتھ خیر خواہی کی مثال اس سے بڑھ کیا ملے گی کہ جب سلطان محمد خاں نے ملاقات کے وقت غلط فہمی اور مخالفت کی وجہ بیان کرنے کے لیے وہ محضر سامنے رکھا، جو ہندوستان سے سید صاحب کو بدنام کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، تو آپ نے وہ محضر لپیٹ کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس کو بڑی حفاظت سے رکھیے گا، نہ کسی کو دکھلایے گا اور نہ بیان کیجیے گا، اس لیے کہ لشکر میں ہمارے اکثر غازیوں کا ایسا حال ہے کہ یہ بہتان وافترا سن کر اگر ان بدخواہوں کے حق میں بددعا کریں، تو عجب نہیں کہ فوراً ان لوگوں کو نقصان پہنچ جائے، ہمارے دل میں یہ ہے کہ اگر کبھی اللہ تعالیٰ ہم کو ان سے ملائے تو ہم ان

کے ساتھ نیکی اور احسان کے سوا کچھ نہ کریں۔

عالی ہمتی اور دریا دلی کا یہ واقعہ بھی نظر سے گزر چکا ہے کہ جب آپ نے فتح کیے ہوئے دارالسلطنت کو اپنے حریف کو واپس کر دینے کا عزم فرمالیا، تو سردار پشاور نے تاوان جنگ کے طور پر فوجی مصارف کے لیے، جو اس مہم میں پیش آئے تھے، چالیس ہزار روپے کی پیش کش کی، تو آپ نے اس کو بھی قبول نہیں فرمایا اور کسی منت اور بدل کے بغیر فتح کیا ہوا ملک واپس کر دیا "وقائع احمدی" میں:

"آپ نے سردار موصوف سے فرمایا کہ خان بھائی، تم نے جو ارباب فیض اللہ کی زبانی چالیس ہزار روپے خرچ کے واسطے دینے کا وعدہ کیا تھا، تو اب اسکی فکر نہ کیجیے گا، ہم آپ کو معاف کیے، کیونکہ ہمارے پروردگار کے ہاں کسی بات کی کچھ کمی نہیں ہے، آپ ہمارے بھائی ہیں، آپ سے کسی طرح کا جرمانہ یا تاوان لینا ہم کو منظور نہیں ہے۔"

حیا

باوجود شجاعت اور بے نظیر جرأت کے مزاج میں حیا کا مادہ بہت تھا اور یہ بھی اس ذات گرامی کا ایک پرتو تھا، جس کے متعلق دیکھنے والوں کی شہادت ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد حیاء من العذراء فی حذرھا و کان اذا کرہ شیئا، عرفناہ فی وجھہ(۱)

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں: آپ کی عادت تھی کہ اگر کوئی شخص جھوٹ کہتا تھا، تو آپ اس کو جھوٹا اور دروغ گو نہیں کہتے تھے، بلکہ اس بات کو اس طرح ظاہر فرماتے تھے کہ یہ شخص کچی پیاز کھاتا ہے، یعنی جھوٹ بولتا ہے، حاجی زین العابدین خاں رامپوریؒ فرماتے ہیں کہ ہزاروں عورتوں نے آپ سے بیعت کی، بعض پردہ نشین تھیں اور بعض آپ کے سامنے آجاتی تھیں، لیکن کبھی آپ کی نظر ان پر نہیں پڑی، بیعت کا بھی طریقہ یہ تھا کہ آپ کپڑے کا ایک کنارہ پکڑ لیتے تھے اور دوسرا کنارہ وہ تھام لیتیں اور آپ ان کو توبہ کراتے اور احکام شریعت

---

(۱) ترمذی، روایت حضرت ابوسعید خدریؓ، ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی زیادہ شرمیلے تھے، جتنی کہ کنواری لڑکی پردے میں ہوتی ہے، جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی، تو چہرے پر اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا (زبان سے نہیں نکالتے تھے)

کی پابندی کا عہد لے لیتے۔

بعض مرتبہ غایت حیا سے خود اپنے قصوروار اور مجرم پر نظر نہیں کرتے تھے اور خود آپ کی نگاہیں جھک جاتی تھیں، سدو خاں درانی کو آپ نے خیمہ، گھوڑا اور بہت سا سامان عطا فرمایا تھا، جس وقت پائندہ خاں تنولی سے لڑائی ہوئی، وہ لشکر اسلام سے ساز و سامان سمیت بھاگ کر تنولی چلا گیا، اس کے بھاگنے کے وقت مجاہدین نے آپ سے عرض کیا کہ سدو خاں بھاگا جارہا ہے، اگر حکم ہو، تو اس کو گرفتار کرلیں، فرمایا: دور کرو، انھوں نے پھر عرض کیا کہ وہ خیمہ وغیرہ بھی، جو سرکاری سامان اور آپ کا عطیہ ہے کہ وہ جہاد میں کام آئے، نہ یہ کہ ایسے نالائق اور مفسد لوگوں کے تصرف میں آئے، لیے جارہا ہے، اگر اجازت ہو تو چھین لیں، فرمایا: جانے دو، اگر اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے ہم کو فتح دے گا، تو یہ سب ہمارے ہاتھ لگے گا، چند دنوں کے بعد تنولی سے صلح کی درخواست ہوئی اور مصالحت کے بعد دونوں طرف سے آمد و رفت شروع ہوگئی، سدو خاں نے پھر لشکر اسلام میں آنے کا ارادہ کیا، پائندہ خاں نے اس کا سامان وغیرہ ضبط کرلیا، وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آپ کے پاس حاضر ہوا اور اپنے ساتھیوں کے لیے بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ کھانے پینے کی جنس کی درخواست کی اور پائندہ خاں کی شکایت کرنے لگا کہ اس نے مجھے کھانا تک نہ دیا اور میرا ڈیرہ گھوڑا، سب مجھ سے زبردستی لے لیا، اب میرے پاس آپ کا دیا ہوا کوئی سامان نہیں ہے، آپ نے فرمایا: پھر اس لچے کے پاس کیوں گئے تھے؟ جو اس کے ظرف میں تھا، اس نے دیا، اس نے کہا کہ میری قسمت مجھے لے گئی، آپ نے بڑے اخلاق سے فرمایا: جاؤ، ڈیرہ لگاؤ، خوراک اور ضروری سامان ہمارے یہاں سے ملتا رہے گا، جب وہ بے حیا وہاں سے اٹھ کر چلا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ میں شرم کے مارے اس کے چہرے پر نظر بھی نہیں ڈالتا، یہ شخص ایسی حرکات ناشائستہ کرتا ہے، پھر انتہائی بے باکی کے ساتھ مجھ سے سامان کا مطالبہ کرتا ہے اور میرے سامنے آنے سے اس کو شرم بھی نہیں آتی۔

دینی اخلاق واوصاف

ایذا رسانی سے احتراز اور عمومی شفقت

حقیقت یہ ہے کہ خدا کی کسی مخلوق کو (خواہ وہ جانور ہی کیوں نہ ہو) ایذا دینا اور اپنے نفس کا انتقام لینا یا کسی پر غصہ اتارنا اور نفس کے تقاضے سے اس کو اذیت پہنچانا آپ کے مسلک میں ناجائز اور آپ کی افتادِ طبع سے بعید تھا، علماء پشاور کے نام آپ نے جو خط لکھا ہے، اس میں آپ کا اپنی ذات کے متعلق یہ فرمانا بالکل حقیقت حال کی تصویر ہے:

> ایں فقیر کسے را بلا وجہ شرعی یک تازیانہ ہم نہ زدہ باشد، بلکہ زدن سگ ہم بلا وجہ از عادات ایں فقیر نیست، ہر کہ چند روز با فقیر ملازمت کردہ باشد، لا بد برایں معنی آگاہ شدہ باشد۔ (مجموعہ خطوط قلمی)

> اس فقیر نے کبھی کسی کو بلا وجہ شرعی ایک کوڑا بھی نہ مارا ہوگا، بلکہ بلا وجہ کتے کو بھی مارنا اس کی عادت نہیں، جس شخص کو چند دن بھی اس کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا ہے، اس کو ضرور اس بات کا علم ہوگا۔

متعدد واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جانوروں کو ناحق تکلیف دینے اور ان کو بھوکا پیاسا رکھنے یا ان کے ساتھ زیادتی کرنے سے آپ کو سخت تکلیف ہوتی تھی اور آپ اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

مولوی سید جعفر علیؒ لکھتے ہیں کہ جمال الدین نے (جو شاہ زماں کا وکیل تھا) ایک روز ایک کتے کے سر پر تبر مارا، تبر اس کے سر میں پیوست ہو گیا اور کتا بھاگا، آپ نے جمال الدین کو بہت سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ یہ کتا دیوانہ بھی نہ تھا کہ مار ڈالا جائے، تم نے یہ دیوانوں کی سی حرکت کی کہ بلا وجہ ظلم کیا، تم خدا سے نہیں ڈرتے کہ اس کی مخلوق کو ستاتے ہو؟ چنانچہ آپ کے فرمانے سے قاضی مدنی نے بہت دور تک کتے کا پیچھا کیا اور تبر کو اس کے سر سے نکالا۔

دوسری روایت یہ بیان کرتے ہیں کہ میاں نجم الدین راوی ہیں کہ ایک روز آپ حاضرین مجلس کے ساتھ تشریف رکھتے تھے، کہ یکایت ایک طرف سے ایک کتے کی دردناک آواز سنتے ہی آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، فرمایا: معلوم کرو، کون ظالم ہے؟ لوگوں نے تحقیق کر کے عرض کیا کہ فلاں شخص ہے، آپ نے اس کو بہت ملامت کی، سخت سست کہا اور فرمایا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اب روزانہ ہمارے باورچی سے روٹی لے کر گاؤں کے سب کتوں کو تلاش کر کے کھلایا کرو۔

لشکر میں ایک شخص کالے خاں نامی تھے، سرکاری اونٹ ان کی تحویل میں رہتے تھے کہ ضرورت کے وقت لشکر کا سامان ان پر بار کریں، وہ اس شعبے کے داروغہ تھے، ان کی چرائی اور دانہ پانی کے ذمے دار تھے، ایک روز آپ کو اطلاع ملی کہ کالے خاں اونٹوں کے دانے پانی کی خبر گیری میں کوتاہی اور غفلت سے کام لیتے ہیں اور بار برداری میں مضبوط اور کمزور کی رعایت نہیں کرتے، آپ نے ان کو طلب فرمایا، جب وہ حاضر ہوئے، تو آپ نے ان سے غصے سے فرمایا: کالے خاں خدا سے ڈرو اور ان بے زبان مخلوقات کے حق میں کوتاہی نہ کرو، ورنہ یہ اونٹ تم کو دوزخ میں پہنچادیں گے، ہم نے تم کو صرف بوجھ لادنے کا ذمہ دار نہیں بنایا ہے، بلکہ ان کے دانے پانی کی خبر لینا بھی تمھارے ذمے کیا ہے، منتقم حقیقی کے انتقام کا خوف کرو اور ہر وقت ان بے زبانوں کی رعایت رکھو، یہ تقریر سن کر حاضرین کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور خوف الٰہی سب کے دلوں پر چھا گیا، کالے خاں نے اسی دن سے احتیاط کرنی شروع کر دی۔

مولوی سید جعفر علی اس عمومی شفقت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شفقت آں جناب بر تمامی مخلوقات الٰہی بود حتی کہ در ایام سرما مگس شہد پیش آں حضرت بتلاش روزی خود می پرید، بعضے خدام را ارشاد شد کہ اند کے شہد برائے ایں مگس در ینجا بیند ازید زیرا کہ ایں مکسان دریں ایام چوں شہد را ذخیرہ می کنند، لاجرم گرسنہ می مانند، چنانچہ اندکے شہید بحکم آں جناب ریختہ شد"

آپ کو خدا کی تمام مخلوقات پر شفقت تھی یہاں تک کہ جاڑوں کے دنوں میں ایک مرتبہ شہد کی مکھی اپنی روزی کی تلاش میں اڑ رہی تھی، آپ نے بعض خادموں سے ارشاد فرمایا کہ تھوڑا سا شہد اس مکھی کے سامنے ڈال دو، اس لیے کہ یہ مکھیاں ان دنوں میں شہد کا ذخیرہ کرتی ہیں، اس لیے بھوکی رہتی ہیں، چنانچہ تھوڑا سا شہد ڈال دیا گیا۔

کلمہ گو کا احترام

جب آپ کا عام انسانوں، بلکہ جانوروں تک کے ساتھ شفقت و رعایت کا یہ معاملہ تھا، تو مسلمانوں کے ساتھ مراعات و لحاظ اور حفاظت و احترام کا جو رویہ ہوگا، وہ ظاہر ہے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے:

"پشاور کی فتح کے بعد جب لشکر اسلام گڑھی امان زئی میں تھا، میر عالم خاں باجوڑی نے سید صاحبؒ کی خدمت میں اپنا ایک معتبر آدمی اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ہم لوگ احکام شرعی قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، آپ تشریف لائیں، آپ نے مشورے کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب کو سو آدمیوں کے ساتھ باجوڑ کے لیے روانہ کیا، جب یہ حضرات موضع خہر میں پہنچے تو ان اطراف کے رہنے والوں نے ایکا کر کے اس موضع کو گھیر لیا اور ہر طرف سے شور و غوغا بلند کرنے لگے، مولانا نے فرمایا کہ تم قوم رائے زئی کے لوگ تو ہمارے دوستوں میں سے ہو، ہم سے تمھارے حق میں کون سا قصور ہوا کہ ہم سے جنگ کرنے کے لیے تم سب اکٹھے ہو گئے؟ بڑی پرس و جو اور تحقیق

واستفسار کے بعد بعض لوگوں نے جواب دیا کہ آپ چونکہ عالم خاں کے پاس جارہے ہیں، جب آپ وہاں پہنچیں گے، تو وہ بھی آپ کی حمایت ورفاقت اختیار کرے گا اور آپ ملک سمہ کی طرح ہمارے ملک میں بھی قانون شرعی جاری کردیں گے اور یہ ہم پر بہت شاق ہے، ہم حکم شرعی کے قبول کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، مولانا کو جب ان کا یہ جواب ملا، تو آپ نے کہلایا کہ تم مسلمان اور مسلمانوں کی اولاد ہو، کسی مسلمان کو حکم شرعی کا انکار جائز نہیں، اگر ہم سے کچھ کمی زیادتی ہو، تو مناسب یہ ہے کہ تمھارے ملا کتاب سامنے رکھ کر ہم سے گفتگو کرلیں اور افراط وتفریط کو دور کر کے ہم کو راہ راست پر لیے آئیں، انھوں نے یہ جواب سن کر کہا کہ ملا سب تمھاری طرف ہیں اور تم خود بھی کتاب سے زائد کوئی بات نہیں کرتے، لیکن صاف بات یہ ہے کہ ہم کو کسی طرح شرع کی فرمانبرداری منظور نہیں ہے، اگر اس ملک میں تمھارا عمل دخل ہو جائے گا تو ہم ملک چھوڑ کر کہیں کسی کافر کی عملداری میں چلے جائیں گے تا کہ اپنے افغانی طور وطریق اور قانون کے مطابق زندگی گزاریں اور شرع محمدیؐ کی پابندیوں سے ہماری زندگی تنگ نہ ہو۔

یہ جواب سن کر مولانا کو سخت غصہ آیا اور فرمایا کہ ابتداء سن شعور سے اس وقت تک ایسے کلمہ گو نہیں دیکھے کہ اسلام کے دعوے کے باوجود خود اپنے اوپر کفر کی شہادت دیتے ہیں اور شریعت کے انکار میں ان کو ذرا حیا نہیں آتی، حضرت امیر المومنین کا حکم تم سے جنگ کرنے کا نہیں ہے، ورنہ تمھارے اس انبوہ کو بکریوں کے گلے کی طرح متفرق کر دیتے، ہمارا مقصد چونکہ باجوڑ کی جانب ہے اور تم سد راہ ہوئے ہو، اس لیے ہم لشکر اسلام کی طرف مراجعت کرتے ہیں، یہاں تک کہ ہمارے امیر اور امام (سید صاحبؒ) کا حکم تمھارے بارے میں آجائے۔

فَانْتَظِرُوْا اِنَّا مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ. (الاعراف:۷۱)

لوندخوڑ سے آپ نے سید صاحبؒ کی خدمت میں تمام حالات لکھ کر کمک اور شاہین طلب فرمائی، سید صاحبؒ نے مولانا کو جو جواب دیا، وہ مولوی سید جعفر علی کے الفاظ میں حسب

ذیل ہے:

مولانا، ایں قوم آخر مسلمانا نند و ما مدتے درمیان ایشان اقامت داشتہ ایم، ایں وقت بسبب جہل وعادت قوم ایں چنیں کلمات کفر بر زبانہائے ناپاک شاں برآمد، من خطوط بنام ہر یکے بشکایت ایں حرکات ناملائم می فریسم چہ عجب کہ براہ آیند واگر ایں وقت نخواہند آمد، آئندہ را امید است والا ذات قوی وعزیز مالک خود رجامی داریم کہ بعد ایں قدر امہال بسزائے شدید آنہارا خواہد رسانید وَأُمْلِيْ لَهُمْ إِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (الاعراف:۱۸۳) شان اوست

مولانا، یہ لوگ آخر مسلمان ہیں اور ہم عرصے تک ان کے درمیان رہ چکے ہیں، اس وقت جہالت اور قومی عادت کے سبب سے ایسے کلمات کفر ان کی زبانوں سے نکلے ہیں، میں (ان کے سرداروں میں سے) ہر ایک کے نام اس حرکت ناشائستہ کی شکایت کے خطوط لکھوں گا، کیا عجب کہ یہ راہ راست پر آجائیں، اگر اس وقت نہیں آئیں، گے، تو آئندہ امید ہے، ورنہ اپنے مالک ذوالجلال سے جو قوی اور غالب ہے، امید رکھتا ہوں کہ اتنی مہلت کے بعد ان کو سخت سزا دیگا۔ وَأُمْلِيْ لَهُمْ إِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (اور ان کو ڈھیل دیے جاتا ہوں، بیشک میرا داؤں پکا ہے) اس کی شان ہے۔

مسلمانوں کے درمیان مصالحت

کلمہ اور کلمہ گو کے احترام ہی کا یہ تتمہ اور تکملہ ہے کہ آپ کے نزدیک ابتدا ہی سے مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی بے حد اہمیت تھی، مندرجہ ذیل واقعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے:

''محسن خاں بیان کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کے دن تھے، آپ نے ایک روز فرمایا کہ آج روزہ ٹھنڈے کنویں پر کھولیں گے، جو تکیے سے ایک کوس کے فاصلے پر تھا، سب تیار رہیں جب روانگی کا سامان اور افطاری کی تیاری ہوگئی، تو رائے بریلی سے اطلاع آئی کہ فلاں فلاں مسلمانوں کے درمیان جنگ در پیش ہے اور عجب نہیں کہ تلوار بندوق کی نوبت

آ جائے، آپ نے یہ سن کر محسن خاں، شیخ لطافت، معمور خاں، ابراہیم خاں، امام خاں وغیرہ دس آدمیوں سے فرمایا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم کو اس وقت پیاس کی شدت ہوگی اور اب یہ شدت بڑھتی ہی جائے گی، لیکن کیا کیا جائے کہ بغیر ان مشقتوں کے برداشت کیے ہوئے مراتب کمال تک پہنچنا میسر نہیں آتا، چونکہ دو مسلمانوں کے درمیان کشت وخون کی نوبت آ گئی ہے، تم دوڑ کر جاؤ اور فریقین کے درمیان اپنے کو ڈال دو اور کہو کہ جو دوسرے کے قتل کے درپے ہے، وہ پہلے ہم کو قتل کر دے، چونکہ یہ رمضان کے دن ہیں اور آپ روزے سے ہیں، اس لیے آپ اس اکبرالکبائر کے مرتکب ان شاء اللہ نہیں ہوں گے، کل سید صاحبؒ کے پاس چل کر اپنے جھگڑے کا تصفیہ کرا لیجیے گا، آپ نے محسن خاں سے فرمایا کہ چونکہ تمھارے ماموں کا مکان قریب ہے، وہیں افطار کر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آ جانا۔

وہ سب دوڑتے ہوئے گئے، محسن خاں ایک فریق کی طرف دوڑے اور شیخ لطافت نے دوسرے فریق کا رخ کیا اور آٹھوں آدمی فریقین کے درمیان کھڑے ہو گئے اور دونوں کو مصالحت پر راضی کر لیا، افطار کے وقت محسن خاں کے ماموں کے گھر سے افطاری آئی، افطار اور نماز مغرب کے بعد سب تکیے واپس ہوئے، اس کے بعد یہ قضیہ بھی طے ہو گیا'' (۱)۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ آپ مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی خاطر ڈیڑھ مہینے تک کابل میں مقیم رہے اور سرداران کابل کے درمیان، جو ایک باپ کی اولاد تھے، لیکن آپس میں سخت اختلاف اور رسہ کشی تھی، صلح کی کوشش کرتے رہے، ڈیڑھ مہینے کی لگاتار کوشش کے بعد جب آپ نے کامیابی نہ دیکھی، تو پشاور کا قصد فرمایا۔

رفقاء پر شفقت

رفقاء اور دین کے راستے میں ساتھ دینے والوں کے ساتھ آپ کا معاملہ اس حکم الٰہی کی تعمیل اور اس آیت کی تفسیر تھی:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۶:۲۱۵)

(۱) منظورۃ السعداء

ان لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے جو اہل ایمان میں سے آپ کی راہ پر چلیں۔

آپ کو ان کے حال پر جو شفقت و عنایت تھی، اس نے ماں باپ کی شفقت کو بھلا دیا تھا مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں:

وفور شفقت بر غازیان دیندار آنچناں بود کہ ہر کس از ایشاں جناب ممدوح

را زائد از پدر و مادر خودمی دانست۔

دین دار مجاہدین کے حال پر آپ کی شفقت کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ہر ایک

آپ کو اپنے ماں باپ سے زیادہ سمجھتا تھا۔

اس شفقت و تعلق کا یہ اثر تھا کہ رفقاء و خدام آپ کے ہوتے ہوئے ہشاش بشاش رہتے تھے، بڑے سے بڑا صدمہ ہنسی خوشی برداشت کر لیتے تھے اور اپنے میں قوت محسوس کرتے تھے، لیکن آپ کی جدائی میں ان کو ایسا خلا محسوس ہوتا تھا، جو کسی چیز سے پر نہیں ہو سکتا تھا، بالا کوٹ کے راستے میں ایک مخلص نے اس کیفیت کو ان لفظوں میں بیان کیا، جو پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں:

''ہم لوگ جب تک آپ کو دیکھتے ہیں، تب ہی تک سب طرح کی تسکین اور دلجمعی ہوتی ہے اور اپنے حوصلے کے موافق عبادت بھی کر سکتے ہیں اور دعا بھی کر سکتے ہیں جب ہم آپ کی صحبت سے جدا ہو جاتے ہیں، اس وقت ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا، نہ عبادت نہ دعا، اور پریشانی اور پراگندگی طبیعت پر چھا جاتی ہے، جب آپ کی جدائی میں ہم لوگوں کا یہ حال ہو، پھر بھلا ہم کیونکر آپ کو چھوڑ دیں، اگر آپ قضاء حاجت کو تشریف لے جاتے ہیں اور دو چار گھڑی آپ ہم سے غائب رہتے ہیں، اس عرصہ قلیل میں ہم لوگ آپ کے فراق میں بے صبر اور بیتاب ہو جاتے ہیں، جب آپ تشریف لاتے ہیں اور آپ کے دیدار سے ہماری آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں، اس وقت دل کو چین اور آرام ہوتا ہے(۱)''۔

آپ اپنے ساتھیوں کو اس محبت و قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ایسے محبت و قدر دانی کے الفاظ فرماتے کہ ان کا غم و فکر اور تکان دور ہو جاتی، وہ تازہ دم ہو جاتے اور آپ ان کے اخلاق

---

(۱) وقائع احمدی، ج ۳

پر فریفتہ اور راہ خدا میں جان دینے کے لیے سو جان سے تیار ہو جاتے، پنجتار میں ایک مرتبہ آپ نے اپنے نئے پرانے ساتھیوں کے سامنے فرمایا:

''یہ ہمارے سب مسلمان بھائی اپنے گھربار، خویش وتبار، ناموس ونام، عیش وآرام ترک کر کے محض اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی کے لیے آئے، ہمارے لیے گوہر نایاب اور لعل بے بہا کے ٹکڑے ہیں کہ سیکڑوں، بلکہ ہزاروں میں سے چھٹ کر آئے ہیں، ان کی قدر و منزلت ہم جانتے ہیں، ہر ایک نہیں پہچان سکتا(۱)۔

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں، کہ جب میں اپنے رفقاء کے ساتھ امب میں حاضر خدمت ہوا، تو حضرتؒ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ

ہمراہیان شما مردم سیاہ سیاہ رنگ اند، ہمہ جواہر اند(۲)

تمھارے ساتھی کالے کالے لوگ ہیں، لیکن ہیں جواہرات۔

مساوات

باوجود اس کے کہ سب رفقاء وخدام آپ کی ہر خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتے، سید صاحبؒ امتیاز و مشیخت پسند نہیں کرتے تھے، ہر کام میں مجاہدین اور رفقاء کے شریک حال رہتے، مشقت اور مجاہدے کے کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے، تنگی اور کشائش، فقر و فاقہ، ہر حال میں ان کے شریک رہتے اور اپنے ہاتھ سے سب کام کرتے، پچھلے صفحات میں پنجتار کے حالات میں گزر چکا ہے کہ آپ کے باورچی خانے کا ایندھن ختم ہو جاتا، تو آپ کلہاڑیاں لے کر جنگل چلے جاتے لشکر میں خبر ہوتی کہ آپ لکڑیاں لینے گئے ہیں، تو اکثر آدمی لکڑیاں کاٹنے چلے جاتے، آپ لکڑیاں کاٹنا شروع کرتے، تو آٹھ آٹھ آدمی آپ کے ساتھ کاٹتے کاٹتے تھک جاتے اور آپ اکیلے نہ تھکتے، ایک مرتبہ لوگوں نے مسجد میں سنگریزوں کی شکایت کی، آپ اگلے دن گھاس چھیلنے تشریف لے گئے گھاس چھیل کر لائے اور مسجد میں بچھا دی، ایک مرتبہ لوگوں نے شکایت کی کہ خیمے میں دھوپ جاتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ

---

(۱) وقائع احمدی، ج۲ (۲) منظورۃ السعداء

درانتیاں جمع کر دینا، صبح کو اٹھ کر آپ تشریف لے گئے اور بڑے انتظام سے خوبصورت کھڑ کی دار جھونپڑے بنا دیے، اس کی وجہ سے بہت جگہ دیکھا دیکھی ایسے ہی جھونپڑے بن گئے۔

آپ کو یہ گوارا نہیں تھا کہ رفقاء واہلِ لشکر، جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی، کسی موقع پر فاقے سے رہیں اور آپ کھانا تناول فرمائیں۔

مقامِ پیچنی میں ایک روز شام تک، غلے کا انتظام نہ ہو سکا، باورچیوں نے آپ کے لیے آدھ سیر کے بقدر کھانا تیار کر لیا، جب آپ کو اس کی اطلاع دی گئی کہ آپ کے لیے کھانا تیار ہے فرمایا: استغفر اللہ! بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ میں تنہا کھالوں اور تمام لشکر فاقے سے رہے؟ مخلصین نے عرض کیا کہ یہ آدھ سیر کھانا، جو تیار ہے، سارے لشکر کے لیے تو کافی نہیں ہے، اسے ہم کس کو کھلائیں؟ فرمایا: جس کا جی چاہے، کھالے، لیکن مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں تنہا کھالوں اور تمام مسلمان فاقے سے رہیں، غرض، وہ کھانا اسی طرح سے رکھا رہا، ایک پہر رات گزرنے کے بعد غلے کا انتظام کرنے والے خبر لائے کہ لشکر کے لیے غلہ آ رہا ہے، مولوی عبدالوہاب صاحب قاسمِ غلہ نے عرض کیا کہ وہ کھانا تیار ہے، آپ نوش فرمالیں، فرمایا: یہ غلہ تمام لشکر کے لیے کافی ہو جائے گا؟ مولوی صاحب نے عرض کیا: ضرورت بھر کے لیے کافی ہو جائے گا، اس کے بعد آپ نے کھانا تناول فرمایا۔

ایک مرتبہ ملک سمہ سے ہجرت کے زمانے میں آپ پہاڑ سے گزر کر تاکوٹ ابھی نہیں پہنچے تھے کہ عصر کے وقت ایک شخص دریا عبور کر کے گھی لگی ہوئی دو روٹیاں لے کر آیا اور آپ کو پیش کیں، آپ گھوڑے کی پیٹھ پر تھے، آپ نے وہ روٹیاں لے لیں، اس نے عرض کیا کہ یہ خالص آپ کے لیے لایا ہوں، فرمایا: الحمدللہ اس وقت مجھے بھوک بھی تھی، گھوڑے کے اوپر بیٹھے بیٹھے تقریباً آدھی روٹی تناول فرمائی اور اپنی عادت کے مطابق آدھی دوسرے کو عنایت فرما دی:

نیم نانے گر خورد مرد خدا ‌ ‌ ‌ ‌ بذل درویشاں کند نیمے دگر

آپ کو گفتگو اور خطاب میں بھی کوئی ایسا لفظ اور عبارت پسند نہ تھی، جس سے تفوق

اور بالاتری کا اظہار ہوتا ہو، اکثر ساتھیوں اور خدام کو خان بھائی، سید بھائی کے الفاظ سے مخاطب فرماتے۔

پیر خاں مورانوی آپ کی طرف سے کھبل کے ناظم تھے، ان کے نام آپ کی طرف سے جو خطوط جاتے تھے، آپ کے منشی ان کو اس طرح خطاب کرتے تھے: از امیر المومنین مطالعہ اخلاص نشان پیر خاں سلمہ اللہ تعالیٰ، بعد از سلام مسنون و دعا اجابت مقرون واضح آں کہ'' الخ، ایک روز آپ نے اخلاص نشان کے جملے پر منشی صاحب سے فرمایا کہ بھائی انصاری، امراء و رؤساء زمانے کے منشی اکثر ان کے نوکروں کو اخلاص نشان کے لقب سے خطاب کرتے ہیں، مجھے اس سے کراہت آتی ہے کہ سرداروں کو نوکروں کے الفاظ سے خطاب کیا جائے، حقیقت میں یہ سب بھائی ہیں، جن کو ایسا لکھا جاتا ہے، منشی صاحب نے عرض کیا کہ اخلاص نشان ہونا ہمارے لیے سعادت دارین ہے، لیکن آج سے برادر اخلاص نشان لکھا کروں گا، چنانچہ اس روز سے یہی معمول ہو گیا۔

اپنے علاوہ اپنے متعلقین کے لیے بھی آپ اہل لشکر کے متعلقین کے مقابلے میں کوئی خصوصیت اور امتیاز پسند نہیں کرتے تھے، بالاکوٹ کی روانگی کے دوران میں ایک روز ارباب بہرام خاں کی خواتین نے یابو کی سواری پر بیٹھنے سے انکار کیا اور کہنے لگیں: حضرت امیر المومنین نے اپنی اہلیہ کو تو پالکی پر سوار کرایا ہے، ہمارے لیے پالکی کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ آپ ایک فرلانگ آگے جا چکے ہوں گے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ ارباب صاحب نے ابھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ کوچ نہیں کیا، ان کے متعلقین یابو کی سواری سے عذر کرتے ہیں، آپ نے یہ سنتے ہی پانچ روپئے ارباب صاحب کو بھیجے اور فرمایا کہ میری جانب سے ارباب صاحب سے کہہ دینا کہ میں آپ کو مومن سمجھتا ہوں اور اہل ایمان کی خوشامد و خاطر داری ضروری نہیں سمجھتا، اس لیے کہ یقین رکھتا ہوں کہ اہل ایمان اس عبادت عظمیٰ، یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے تعلق سے میری رفاقت سے ہاتھ نہیں کھینچیں گے، البتہ منافقوں کی خاطر داری اور دلجوئی ان کے ایمان کی طمع میں بہت کرتا ہوں اور اس کا حکم بھی ہے، میں اپنی بیوی کو ان کی بیویوں پر کسی

امر میں بھی فوقیت نہیں دیتا، لیکن اہلیہ کے لیے یہ سواری پالکی اس مجبوری سے اختیار کی ہے کہ ان کو امید ہے اور شرعی قاعدے کے مطابق ان کی رعایت اس وقت ضروری ہے، اگر یہ عذر نہ ہوتا، تو دوسری عورتوں کو اگر سواری کے لیے یابو دیا ہے، تو ان کو کسی گدھے پر سوار کرنے میں مجھے تامل نہ ہوتا، اگر یہی عذر ارباب بہرام صاحب کی بیویوں میں سے بھی کسی کو ہو، تو اس روپئے سے اس کا انتظام کرلیا جائے۔

حمیت شرعی اور غیرت دینی

حیا اور انتہائی مروت ولحاظ کے باوجود شریعت کے معاملے میں آپ انتہائی غیور اور حساس تھے اور دینی حمیت وغیرت کا یہی جوہر ہے، جس نے آپ کو اسلام کی حمایت ونصرت، بیکس مسلمانوں کی امداد اور جہاد فی سبیل اللہ پر آمادہ کیا اور آپ وعظ وتبلیغ اور سلوک وارشاد پر قانع نہ رہ سکے اور بالآخر اسی راہ میں آپ نے جان دے دی۔

علماء پشاور کے نام آپ نے جو طویل مکتوب تحریر فرمایا ہے اس میں اپنے دلی جذبے اور فطری حمیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں، اس بات کی تردید کرنے کے بعد کہ مسلمانوں کے جان ومال پر بلا وجہ شرعی دست درازی کی جاتی ہے اور یہ محض افتراء و بہتان ہے، لکھتے ہیں:

فاما آنچہ سرزنش وگوشمالی ملک جبار از دست ایں ذرہ بے مقدار بہ بعضے از مرتدین اشرار ومنافقین بدشعار رسید، پس آں را از اعاظم سعادات خودمی شمارم واقویٰ علاماتِ مقبولیتِ خودمی انگارم، بلکہ غیرت دراعانت دین ورغبت باہانت معاندین از لوازم ایمان است، ہرکہ غیرت ایمانی وحمیت اسلامی نمی دارد، فی الحقیقت ایمان ندارد۔

باقی اللہ نے اس ناچیز کے ذریعہ بعض منافقین ومرتدین کو جو سرزنش اور گوشمالی فرمائی ہے، اس کو میں اپنی انتہائی سعادت اور اللہ کے یہاں مقبولیت کی علامت سمجھتا ہوں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اعانت دین میں غیرت اور معاندین کی اہانت وتذلیل کا شوق ایمان کے لوازم میں سے ہے جس میں

غیرت ایمانی نہیں، حقیقت میں ایمان سے عاری ہے۔

آیہ کریمہ تبارک وتعالیٰ:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ. (المائدہ:۵۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لوگو، تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا (تو اللہ کو کچھ پروا نہیں) وہ عنقریب ایسے لوگوں کو لے آئے گا، جو مومنین کے حق میں نرم ہوں گے، کافروں کے حق میں سخت، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ: یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ. (التوبہ:۷۳)

اور فرمایا: ''اے نبیؐ، کفار و منافقین سے جہاد کرو، اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔''

سید صاحبؒ کی ساری جد و جہد کا محرک اور سبب اصلی یہی اسلامی حمیت و غیرت ہے جو ہندوستان پر کفر کے تسلط اور اسلام کے زوال کو دیکھ کر حرکت میں آئی اور اس نے کبھی آپ کو سکون سے بیٹھنے اور دنیا کا کوئی اور کام کرنے کی اجازت نہیں دی، شاہ سلیمان کے نام آپ نے جو خط لکھا ہے، اس میں اس حقیقت کو بہت کھلے لفظوں میں بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

قضارا از مدت چند سال حکومت و سلطنت ایں ملک بریں عنوان گردیدہ کہ نصارائے نکوہیدہ خصال و مشرکین بدمآل بر اکثر بلاد ہند استیلا یافتند و آں دیار را بظلمات ظلم و بیداد مشحون ساختند و دراں بلاد و امصاد رسوم کفر و شرک اشتہار یافتہ شعائر اسلام را رو باستتار آوردہ، ناگزیر سینۂ بے کینہ، بمعائنہ ایں حال پر از رنج و ملال بود، بشوق ہجرت مالا مال، غیرت ایمانی بدل درجوش بود و اقامت جہاد بسر خروش۔ (مکتوبات قلمی)

تقدیر سے چند سال سے ہندوستان کی حکومت وسلطنت کا یہ حال ہوگیا ہے کہ عیسائی اور ہندوؤں نے ہندوستان کے اکثر حصے پر غلبہ حاصل کرلیا ہے اور ظلم وبیداد شروع کردی ہے، کفر وشرک کا غلبہ ہوگیا ہے اور شعائر اسلام اٹھ گئے، یہ حال دیکھ کر ان لوگوں کو بڑا صدمہ ہوا، ہجرت کا شوق دامنگیر ہوا، دل میں غیرت ایمانی اور سر میں جہاد کا جوش وخروش ہے۔

نواب وزیرالدولہ مرحوم آپ کی اس دینی فکرمندی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ فنافی الدین تھے، اس کے سوا آپ کو کوئی اور فکر اور کوئی ذوق نہ تھا، سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھے اسی کا خیال رہتا، آپ کی گفتگو میں اسی کی سربلندی اور اسی کی ترقی کا ذکر رہتا، آپ کے ہر کام، آپ کی تمام کوششوں، جنگ اور فوج کشی کا مقصد یہی تھا''۔

یہ حمیت دینی محض مخالفین اور دشمنان اسلام ہی کے مقابلے میں نہیں تھی، بلکہ اگر کسی قریب ترین رفیق اور عزیز ترین دوست کی زبان سے بھی کوئی کلمہ ایسا نکل جاتا، جس سے شریعت کی تحقیر یا جناب الٰہی میں بے ادبی کا پہلو نکلتا، تو آپ کی یہ حمیت جوش میں آجاتی اور آپ غایت حیا اور انتہاء مروت کے باوجود ضبط نہ فرماسکتے۔

سفر حج سے واپسی پر راستے میں مولوی سید کرامت علی بہاری کا الٰہ آباد سے خط آیا، سید عبدالرحمٰن صاحب کہتے ہیں کہ آپ نے وہ خط پڑھنے کے لیے مجھے دیا، اس میں القاب و آداب کے بعد یہ لکھا ہوا تھا کہ جناب والا کا سرفراز نامہ اس طرح شرف صدور لایا، جیسے آسمان سے وحی، ابھی میں یہیں تک پہنچا تھا کہ ان لفظوں کو سنتے ہی آپ نے خط میرے ہاتھ سے لے لیا اور اس کو پھاڑ کر بتی بتی کردیا، آپ کو خط کے ایسے برے عنوان سے بڑا رنج پہنچا، پیشانی پر سخت غصہ اور غضب کی علامتیں ظاہر ہوئیں، شیخ محمد خیر آبادی راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ کم از کم خط کا مضمون تو معلوم ہوجاتا، فرمایا کہ جس خط کا عنوان بارگاہ الٰہی میں ایسی گستاخی اور بے ادبی ہو، اس کا مضمون کیا دیکھا جائے؟ خود کو تو پیغمبر ٹھہرایا اور مجھے نعوذ باللہ خدا ہی بنادیا،

مولوی کرامت علی صاحب کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، تو بڑے پشیمان اور خوف زدہ ہوئے، لیکن جب وہ حاضر ہوئے، تو آپ نے پہلے سے بھی زیادہ شفقت کا برتاؤ کیا(۱)۔

اتباع

سید صاحبؒ کی زندگی کا سب سے بڑا جوہر اور امتیاز اتباع ہے، یعنی فوائد و مصالح، نفع و نقصان، نیکنامی و بدنامی سے بالکل قطع نظر کر کے حکم شرعی کی پیروی اور رضائے الٰہی کے درپے ہونا اور صرف اسی سے غرض رکھنا، یہ وہ چیز ہے، جو اس امت کے کاملین و مخلصین کو خالص اہل سیاست اور موقع پرستوں ہی سے ممتاز نہیں کرتی، بلکہ ان متوسط درجے کے اہل اطاعت و اتباع سے بھی ممتاز کرتی ہے، جو اتباع کے ایسے نازک امتحان میں مصالح و منافع کو نظر انداز نہیں کر سکتے، یہی وہ مقام ہے جہاں عقل کے بھی پر جلتے ہیں، بڑے بڑے وفادار رفیق پیچھے رہ جاتے ہیں، دور اندیشی اور عاقبت شناسی دانتوں میں انگلیاں دیتی ہے اور ہر شخص تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے، لیکن صاحب یقین اور متبع کامل جس کے سامنے صرف احکام الٰہی اور فرائض عبودیت ہوتے ہیں، اپنا کام کیے جاتا ہے، وہ اس موقع پر بڑے سے بڑے نقصان کو گوارا کرتا ہے، حکم الٰہی کی تعمیل اور رضائے الٰہی کی امید میں ملک کے ہاتھ سے نکل جانے کو ملک کے فتح ہو جانے سے زیادہ نفع بخش سودا سمجھتا ہے، یہ اتباع کہ وہ شان ہے کہ حدیبیہ کی صلح میں، جب صحابہ کرامؓ میں بھی جلیل القدر ہستیوں کو اپنی ذلت اور کمزوری اور شرائط صلح کے سخت ہونے کا احساس ہو رہا تھا تو ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ سے یہ فرما رہے تھے: آپ کی رکاب تھام لو، یہ یقینی بات ہے کہ وہ اللہ کے رسولؐ ہیں'' یہی مقام صدیقیت تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر سارے عرب میں ارتداد کی آگ پھیل جاتی ہے اور قبائل یکے بعد دیگرے خزاں کے پتوں اور تسبیح کے دانوں کی طرح اسلام سے نکلتے جاتے ہیں اور بعض صحابہؓ کے اپنے الفاظ میں مسلمانوں کی وہ کیفیت ہو جاتی ہے، جیسے بارش کی رات میں بھیڑوں کی کہ وہ اپنے باڑے میں دبک جاتی ہیں اور سردی سے ٹھٹھرنے لگتی ہیں، مدینہ حملہ

(۱) منظورۃ السعداء

آوروں کی طرف سے ہر وقت خطرے میں ہے اس وقت حضرت ابوبکرؓ، حضرت اسامہؓ کا لشکر جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام بھیجنے کے لیے تیار کیا تھا، روانہ کر دینے پر مصر ہیں، اس لشکر میں مہاجرین وانصار کے بڑے بڑے سردار اور میدان جنگ کے آزمودہ کار سپاہی ہیں، خود حضرت عمرؓ بھی اس لشکر میں ہیں، یہ اس وقت کے مسلمانوں کی فوجی طاقت کا کل سرمایہ تھا، لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ اس وقت اس لشکر کا مدینہ سے باہر جانا کسی طرح مناسب نہیں، حملہ آوروں اور دشمنوں کی نگاہیں مدینے پر ہیں، اس لشکر کے کوچ کرتے ہی مدینے پر حملہ ہو جائے گا، اس مشورے میں مدینے کے تمام عقلاء شریک تھے، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء پورا کرنا اور آپؐ کے ارادے کو عمل میں لانا ہی سب سے بڑی عقلمندی اور سیاست تھی، آپ صاف جواب دیتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات پاک کی، جس کے قبضے میں ابوبکرؓ کی جان ہے، اگر مجھے اس کا بھی یقین ہو جائے کہ جنگل کے درندے مجھے اٹھا لے جائیں گے تب بھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مبارک پورا کروں گا اور اسامہؓ کا لشکر بھیج کر رہوں گا۔

یہی اتباع، خلافت راشدہ کی روح ہے اور یہی وہ پہلو ہے جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی خلافتوں میں پورے طور پر مشترک ہے، ایک نے فتوحات کی حالت اور اسلام کے اقبال و ترقی کے دوران میں اتباع کا حق ادا کیا اور خلافت نبوت کا شاندار نمونہ پیش کیا، دوسرے نے انتہائی فتنوں اور آزمائشوں اور اپنی خلافت کے پرآشوب دور میں نبوت کی جانشینی کا حق ادا کر کے دکھلا دیا اور خلافت علی منہاج النبوۃ کے معیار سے بال برابر ہٹنا اور اپنے اصول میں ذرہ برابر ترمیم اور ادنیٰ لچک پیدا کرنا بھی گوارا نہیں کیا، بیت المال کی آمد و خرچ کے معاملے میں عمال و حکام کے عزل و نصب میں وہ اسی پل صراط پر قائم رہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے، یہ کام مورخ کا ہے کہ وہ صدیقی اور علوی دور خلافت کی تفصیلات مرتب کرے اور ان کے اسباب و نتائج سے بحث کرے، گہری نظر رکھنے والے کی نگاہ میں اصل چیز اتباع ہے اور اس لحاظ سے اس کو حضرت علیؓ کی خلافت درحقیقت حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا طبعی امتداد و تسلسل

نظر آئے گا اور دونوں میں بنیاد، روح اور مزاج کا کوئی فرق نہیں محسوس ہوگا۔

سید صاحبؒ کی تاریخ میں جو مقام سب سے زیادہ نازک پیش آتا ہے، جس کی توجیہ میں بڑی سی بڑی عقیدتمندی کو بھی دشواری ہوتی ہے، وہ پشاور فتح کرنے کے بعد سلطان محمد خاں کے حوالے کر دینے کا واقعہ ہے، اس موقع پر خود آپ کے لشکر کے اہل اخلاص بھی سخت کشمکش میں تھے، ایک طرف آپ پر اعتماد اور آپ کی اطاعت کا معاملہ تھا، دوسری طرف ایک ایسے ناقابل اعتماد اور بار بار کے آزمودہ دشمن اور بد اندیش کو دارالسلطنت حوالے کر دینے کا مسئلہ تھا، جس نے زک پہنچانے اور مجاہدین کا استیصال کرنے میں کوئی دقیقہ کبھی اٹھا نہیں رکھا، حقیقت یہ ہے کہ یہ موقع بڑے بڑے راسخ عقیدت لوگوں کے لیے بھی بڑا نازک اور صبر آزما تھا، اور اب بھی ایک پر جوش مورخ اور عقیدتمند سوانح نگار یہاں پہنچ کر ٹھٹک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس معاملے کا سمجھنا بہت دشوار بھی ہے اور نہایت آسان بھی، دنیا میں ہر قفل کی ایک کنجی ہے اس کنجی سے قفل کا کھلنا نہایت آسان ہے، اور اس کنجی کے بغیر اس کا کھلنا نہایت دشوار، اس مسئلے کی بھی ایک کنجی ہے، جس سے وہ بآسانی حل کیا جا سکتا ہے، اگر وہ کنجی ہاتھ نہ آئے تو یہ ایک عقدہ لاینحل ہے۔

اس واقعہ کی کنجی آپ کی اس تقریر میں موجود ہے، جو آپ نے ارباب بہرام خاں کی گفتگو کے جواب میں فرمائی ہے، آپ پچھلے صفحات میں اس کو پھر ایک بار پڑھیے اور غور کیجیے کہ اس میں کون سی روح اور کون سا جذبہ کام کر رہا ہے اور اس فعل کا اصلی محرک کیا ہے، خصوصیت کے ساتھ اس ٹکڑے پر غور کیجیے:

> ''تم سب خوب جانتے ہو کہ ہم لوگ ہندوستان سے گھر بار چھوڑ کر اور عزیزوں اور آشناؤں سے منہ موڑ کر صرف اس لیے آئے ہیں کہ وہ کام کریں، جس میں پروردگار کی رضامندی وخوشنودی ہو، مخلوق کی خوشی اور ناخوشی سے ہم کو کچھ غرض نہیں، خوش ہوں گے تو کیا بنائیں گے اور ناخوش ہوں گے، تو کیا بگاڑیں گے؟ نادان سمجھتے ہیں کہ یہ ملک گیری اور دنیا طلبی کے لیے آئے ہیں،

یہ ان کا خیال خام ہے، وہ دین اسلام سے واقف نہیں ہیں، اور جو سمہ کے
خوانین بھائی ان کے ظلم وتعدی کا شکوہ اور اپنی بے عزتی خانہ ویرانی اور
زیرباری کا قصہ بیان کرتے ہیں، یہ سب سچ ہے، اس بات کو یوں سمجھیں کہ
ہمیشہ سے کافر و باغی اور منافق مسلمانوں پر طرح طرح کی تعدّی اور مکّاری
کرتے رہے ہیں، مگر جس وقت اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا کام مقابلے
میں آجاتا ہے اس وقت سب بغض وعداوت کو اپنے دل سے دور کر دیتے ہیں
اور زبان پر نہیں لاتے ہیں اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جس میں
پروردگار کی رضامندی اور اس کے فرمان کی تعمیل ہو، اگرچہ نفس وابناء زمانہ کے
مخالف ہو، مسلمان اور دینداری وخدا پرستی اس کا نام ہے، نہیں تو نفس پروری
اور دنیاداری ہے، اور جو اپنے قندھاری بھائی شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے
اتنے بھائی انھوں نے شہید کیے تو یہ بات شکر کے لائق ہے نہ کہ شکایت کے،
اس لیے کہ وہ سب بھائی اپنی دلی مراد کو پہنچے، وہ اسی مطلب کے حصول کے
لیے یہ تمام تکالیف ومصائب اٹھا کر اتنی دور دراز کی مسافت سے جہاد فی سبیل
اللہ کو آئے تھے کہ اپنے پروردگار کی رضامندی کی راہ میں اپنی جانیں صرف
کریں سو وہی انھوں نے کیا اور یہ جہاد کا کاروبار صرف پروردگار کی رضامندی
کا ہے، نفسانیت اور جنبہ داری کا نہیں ہے، جیسے دنیادار اور جاہ طلب لوگ
کرتے ہیں"

پھر آگے چل کر اسی بات کو مزید وضاحت اور قوت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ:

"ہم کو صرف اللہ کی رضا اور اس کے حکم کی تعمیل منظور ہے، نفع ونقصان
سے کوئی بحث نہیں، اس معاملے میں سلطنت آنے جانے کی بھی پروا نہیں۔
اور جو یہ کہتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو، تو شہر کے انتظام اور لشکر کے خرچ
کے لیے ہم دو چار لاکھ روپئے کا بندوبست کر دیں، مگر یہاں کی حکومت
درانیوں کو نہ دیں، سو یہ بات ہم کو منظور نہیں، اس لیے کہ ہم کو تو اپنے پروردگار

کی رضا مندی چاہیے، جس میں وہ راضی ہوگا، ہم کریں گے، اس میں چاہے تمام جہان نا خوش ہو، کچھ پروا نہیں، اگر ایک جگہ ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت پروردگار کی رضامندی کے خلاف ملتی ہو، تو اس دولت اور سلطنت کی کچھ حقیقت نہیں، اور ایک جگہ پروردگار کی رضامندی کے موافق ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت جاتی ہو، تو اس دولت اور سلطنت کی کچھ حقیقت نہیں، اور ایک جگہ پروردگار کی رضامندی کے موافق ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت جاتی ہو، تو اس کی رضامندی سب کچھ ہے۔"

آپ کے پیش نظر صرف یہ بات ہے کہ ایک شخص جب تائب ہوتا ہے، خدا کا نام بیچ میں لاتا ہے احکام شرعی کے نفاذ اور انہیں مقاصد کے اجراء کا عہد کرتا ہے، جو اس ساری جدو جہد اور جہاد و قتال کا محرک ہیں، تو کس بنیاد پر اس پیش کش کو ٹھکرا دیا جائے اور اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو ترجیح دی جائے؟ پھر ایک نفسانی جنگ اور خود غرضانہ جدوجہد اور جہاد فی سبیل اللہ میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں:

"اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ سردار سلطان محمد خاں اپنی خطا و قصور سے نادم اور تائب ہوگیا ہے اور شریعت کے تمام احکام کو اس نے قبول کرلیا ہے اور کہتا ہے کہ اب دوبارہ بغاوت و شرارت اور خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف کوئی فعل نہیں کروں گا، میری خطا اللہ معاف کرو، اگر یہ کام نفاق اور دغا بازی سے کرتا ہے، تو وہ جانے، اس کا خدا جانے، شریعت کا حکم تو اقرار ظاہری پر ہے کسی کے دل کے حال پر نہیں، دل کا حال خدا کو معلوم ہے، ہم تو اس کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے، جو ظاہر شریعت کا حکم ہے، اس میں چاہے کوئی راضی ہو، چاہے ناراض ہو، اب ہم جو اس کا عذر نہ مانیں، تو اس پر ہمارے پاس کون سی دلیل اور حجت ہے؟ اگر کوئی دیندار، خدا پرست عالم کسی دلیل شرعی سے ہم کو سمجھا دے کہ تم خطا پر ہو، تو ہم منظور کرلیں گے، اس کے بغیر ہرگز نہ مانیں گے، کیونکہ ہم تو خدا اور رسولؐ کے تابع ہیں اور کسی کے تابع نہیں۔

اس تقریر کا جو اتباع و بے نفسی اور للّٰہیت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی اور دل کی گہرائی سے نکلی تھی، سامعین پر ایسا اثر ہوا کہ حاضرین مجلس کا بیان ہے کہ:

''جس وقت سید صاحبؒ یہ تقریر فرما رہے تھے، اس وقت رحمت الٰہی کا عجب نزول ہو رہا تھا، ارباب بہرام خاں اور ارباب جمعہ خاں کے روتے روتے ہچکیاں لگ گئی تھیں اور وہ عالم سکوت میں بے ہوش و خود فراموش تھے۔''

جب آپ خاموش ہو گئے تب ارباب بہرام خاں نے عرض کیا کہ حضرت، جو کچھ آپ نے فرمایا، حق اور بجا ہے، خدا و رسولؐ کے کاموں سے آپ ہی واقف ہیں، ہم دنیا داروں اور نفس پرستوں کو کیا خبر ہے؟ ہم نے اس وقت جانا کہ دین اسلام اس کو کہتے ہیں اور خدا و رسولؐ کی اطاعت اس کا نام ہے اور جو خیال اس کے خلاف میرے دل میں تھا، اس سے میں آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں اور از سر نو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور آپ میرے لیے دعا کریں۔

ایک ملک گیر اور فاتح اور ایک فرماں بردار مجاہد بندے کے درمیان یہی فرق ہے کہ اول الذکر کو ملکی مصالح اور سلطنت کے حصول سے تعلق ہے اور ثانی الذکر کو تعمیل حکم اور طاعت و بندگی سے، پشاور کے سیٹھوں نے یہ سمجھ کر کہ شاید سید صاحبؒ پشاور اس لیے حوالہ فرما رہے ہیں کہ آپ کے پاس خزانہ و لشکر کی کمی ہے، اپنا ایک نمائندہ آپ کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ اگر شہر سپرد کر دینے کی یہی وجہ ہے، تو اس کا آپ اندیشہ نہ کریں، آپ کے فرمانے کی دیر ہے، میں آپ ہی کے پاس حاضر ہوں، جس قدر روپیہ آپ فرمائیں، دو گھڑی کے عرصے میں اس جگہ روپوں کا ڈھیر لگا دوں اور ادھر آپ نوکر رکھنا شروع کر دیں، جس قدر ضرورت ہو نوکر رکھ لیں اور اس کے سوا اور کوئی سبب ہو، تو اس کی بات آپ جانیں۔''

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ:

''سیٹھ جی، تم یہ بات اچھی کہتے ہو، جو حاکم ملک گیری کا ارادہ رکھتے ہیں، ان کے کام کی ہے، لیکن ہم ان حاکموں میں نہیں، ہم اپنے مالک کے

فرمانبردار ہیں جو کچھ ہم لوگ کرتے ہیں، اسی کی مرضی کے موافق کرتے ہیں، لوگوں کے روبرو اس میں کچھ نقصان نظر آتا ہو یا فائدہ، اس سے کچھ غرض نہیں، ہمارے مالک کا حکم ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی قصوروار ہو، جب وہ اپنے قصور سے توبہ کرے اور اپنی خطا کا عذر کرے، تو اس کی خطا معاف کرنی چاہیے اور اس کا عذر قبول کرنا لازم ہے، اگر اس نے توبہ دغابازی سے کی ہو، اس بات سے ہم کو کچھ کام نہیں، وہ جانے اور اس کا خدا جانے، اس کا مال وملک زبردستی لینا درست نہیں، ہمارے اور سردار سلطان محمد خاں سے اسی طور کا معاملہ ہے، اور جو تم لشکر اور خزانے کا ذکر کرتے ہو، تو ہمیں اس بات کا اندیشہ نہیں، چاہے ہو یا نہ ہو کیونکہ ہمارے مالک کے یہاں سب کچھ ہے، کسی چیز کی کمی نہیں، اگر وہ اپنا کام ہم سے لے گا تو بہتر سے بہتر فوج ولشکر اور مال وخزانہ بغیر مانگے عنایت کرے گا۔"

روحانی اوصاف اور باطنی کیفیات

انابت واستغفار

خطا کا ظہور اور بھول چوک بشریت کا اقتضا اور فطرت انسانی کا لازمہ ہے غیر معصوم کا اس سے بچنا تو امر محال ہے لیکن اہل اصطفا اور مقبولین بارگاہ اور عوام الناس میں یہی فرق ہے کہ ان مقبولین کو اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوتی ہے اور غلطی کے صدور کے بعد ان کی بندگی کا نمایاں طریقے پر ظہور ہوتا ہے، اس انابت (الی اللہ) اور توجہ الی اللہ کی ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس کثرت اور شدت سے استغفار کرتے ہیں کہ نہ صرف اس غلطی کا کفارہ ہو جاتا ہے، بلکہ ان کے درجات میں پہلے سے زیادہ ترقی اور ان کے قرب میں مزید اضافہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے تذکرے میں بھی ان کو اس صفت انابت کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَظَنَّ دَاؤدُ اِنَّمَا فَتَنّاہُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّہٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ۔ (ص:۲۴)

”داؤدؑ کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے سو انھوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی اور سجدے میں گر پڑے اور رجوع ہوئے۔“

اس استغفار وانابت کا نتیجہ صرف مغفرت وعفو ہی نہیں، بلکہ ترقی درجات اور قرب مزید ہوا، ارشاد ہے:

فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَآب (ص ۲۵)

''سو ہم نے ان کو معاف کر دیا اور ہمارے یہاں ان کے لیے قرب اور نیک انجامی ہے''

حضرت سلیمانؑ کے تذکرے میں بڑی محبت اور اعزاز کے ساتھ ارشاد ہے:

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَان نِعْمَ الْعَبْد اِنَّهٗ اَوَّاب. (ص: ۳۰)

اور ہم نے داؤدؑ کو سلیمانؑ عطا کیا، وہ بہت اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہونے والے تھے۔

درحقیقت کسی انسان کی یہ تعریف صحیح نہیں ہے کہ اس سے غلطی کا صدور ہی نہیں ہوتا اور وہ نبی کی طرح معصوم ہے، بلکہ اس کی تعریف یہ ہے کہ غلطی کے صدور پر اس کی بندگی کا پورا ظہور ہوتا ہے، وہ ایک خطا کار بندے کی طرح اپنی تقصیر کا اقرار و اعتراف کرتا ہے اور پوری ندامت و انابت کے ساتھ خدا کے حضور اپنے گناہ پر توبہ و استغفار کرتا ہے۔

سید صاحبؒ کی سیرت میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں، جن سے اس صفت عبودیت اور کیفیت انابت کا پورا اظہار ہوتا ہے۔

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ سفر حج میں آپ کے ساتھ عبداللہ نومسلم دہلوی اور ان کی بیوی، جو آپ کے گھر کی ملازمہ اور خدا کی ایک نیک بندی تھیں، ساتھ تھے، اس عورت کی گود میں ایک بچہ تھا اور آپ کی ایک صاحبزادی بھی شیر خوار تھیں وہ عورت دونوں بچوں کو دودھ پلاتی تھی، کچھ دنوں کے بعد اس کا دودھ کم ہو گیا، اس نے صاحبزادی کو دودھ پلانا چھوڑ دیا، آپ کی اہلیہ محترمہ کو اس پر غصہ آیا اور انھوں نے ایک دن آپ سے شکایت کی، آپ نے اس خادمہ سے کہا کہ تم اس بچی کو ضرور دودھ پلاؤ، ہم تمھاری خوراک ایسی مقرر کر دیں گے کہ دودھ بڑھ جائے گا اس نے کہا کہ میں نے بہت سی چیزیں کھائیں، لیکن دودھ نہیں بڑھا، میں اس بچی کو دودھ پلانے کے لیے تیار ہوں لیکن پوچھتی ہوں کہ اگر میرا بچہ بھوکوں مر گیا، تو اس کا گناہ مجھ پر ہے یا نہیں؟ آپ نے اپنی بچی کا دودھ اس سے چھڑا دیا، اس کا میاں عبداللہ کو بھی بہت

رنج ہوا، چار پانچ دن کے اندر آپ کو بہت تردد و پریشانی لاحق ہوئی اور دعا و مناجات وغیرہ میں کمی محسوس ہوئی، اس پر آپ نے مغموم ہوکر بارگاہ بے نیاز میں بہت دعا والتجا کی، آپ کو تنبہ ہوا کہ بچی کو دودھ پلانے کے واقعے میں آپ سے ایک غریب عورت کی دل شکنی اور اسکے بچے کی حق تلفی ہوئی، آپ صبح ہی صبح مکان پر تشریف لائے اور لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے اس معاملے میں قصور ہوا اور سب واقعہ بیان کیا، پھر سب مستورات کو ساتھ لے کر آپ میاں عبداللہ کی بیوی کے پاس تشریف لے گئے، وہ یہ دیکھ کر ڈر گئیں اور رونے لگیں، آپ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ ہم سے خطا ہوئی کہ ہم نے تم کو بچی کے دودھ پلانے کا حکم دیا، خدا کے لیے معاف کر دو یہ سن کر وہ اور زیادہ رونے لگی، عورتوں نے ان کو سمجھایا کہ زبان سے کہہ دو کہ ہم نے معاف کیا، اسی طرح تین بار ان کی زبان سے کہلوایا، پھر آپ نے ان کے لیے دعاء خیر کی اور اہلیہ محترمہ کو بڑی تاکید فرمائی کہ اس عورت کی پہلے سے بھی زیادہ خاطر داری اور دلجوئی کرنا، پھر آپ شیخ عبداللطیف تاجر کے مکان پر تیز قدمی کے ساتھ تشریف لائے، شیخ صاحب موصوف مولانا عبدالحی مولانا محمد اسمٰعیل اور حکیم مغیث الدین وغیرہ دالان میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت تمھارے پاس ایک ضروری کام کے لیے آیا ہوں، آپ نے میاں عبداللہ کو پہلو میں بٹھایا اور ایک بڑی پراثر تقریر کی، جس میں پروردگار عالم کی بے نیازی کا مضمون بیان کیا اور یہ کہ سب بندوں سے قصور و نافرمانی ہوتی ہے اور سب یکساں خدا کے محتاج ہیں، پھر آپ کھڑے ہوگئے اور آپ کے ساتھ سب اہل مجلس کھڑے ہوگئے، آپ نے بچی کے دودھ پلانے کے واقعہ کو بیان کیا اور فرمایا کہ میں نے میاں عبداللہ کی بیوی سے تمام عورتوں کے روبرو معافی مانگ لی ہے، لیکن چاہتا ہوں کہ میاں عبداللہ سے آپ کے اور سب مسلمانوں کے سامنے معافی مانگوں تاکہ آپ سب بھی دعا میں داخل ہوجائیں، آپ کے اس فرمانے سے تمام اہل مجلس پر رقت طاری ہوگئی، میاں عبداللہ اتنا روئے کہ جواب کی طاقت نہ رہی، انھوں نے انتہائی عجز سے عرض کیا کہ میں آپ کا خادم و فرمانبردار ہوں، آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ تم ہمارے بھائی ہو، ہم سے قصور ہوا، اب ہمارے معافی مانگنے

اور تمھارے معاف کردینے میں بڑی خیر و برکت ہے، تم کو معاف کر دینا چاہیے، میاں عبداللہ پر ایسا گریہ طاری تھا کہ بات زبان سے نہیں نکلتی تھی، ایک دوسرے شخص نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ کہو: میں نے معاف کیا، میاں عبداللہ نے عرض کیا کہ اگر میرے کہنے پر موقوف ہے، تو میں نے دل و جان سے معاف کیا، اس کے بعد آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور بڑی گریہ وزاری سے مسلمانوں کے لیے عموماً اور میاں عبداللہ کے لیے خصوصیت کے ساتھ دعا فرمائی، پھر آثار قبولیت پر، جو ظاہر ہوئے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ''وقائع احمدی'' سے نقل کیا جاتا ہے:

''حضرت علیہ الرحمۃ کے باورچی خانے کے داروغہ میاں عبدالقیوم صاحب تھے اور عبداللہ بہرے مولانا صاحب کی جماعت والے بھی باورچی خانے کے کاروبار میں شریک تھے، اور قادر بخش خاں کنج پورے والے حضرت کا کھانا پکایا کرتے تھے اور کھانا پکانے کے فن میں وہ بڑے استاد تھے، ایک روز وہ گوشت پکا رہے تھے اور گوشت میں پانی کم تھا، اس عرصے میں مغرب کی اذان ہوئی، انھوں نے حاجی عبداللہ سے کہا کہ تم گوشت کی خبر لیتے رہو، میں نماز کو جاتا ہوں، یہ کہہ کر وہ نماز کو گئے، حاجی عبداللہ نے گوشت کے نیچے سے آگ کھینچ کر الگ کر دی اور آپ بھی جا کر جماعت میں شامل ہوگئے، بعد فراغ نماز قادر بخش خاں آئے اور گوشت دیکھا، تو اس میں داغ لگ گیا تھا انھوں نے جو داغی بوٹیاں معلوم کیں، وہ نکال ڈالیں اور جو بوٹیاں باقی رہیں، ان میں شوربے کے واسطے پانی ڈال دیا گیا، پھر بھی اس میں جلنے کی بو باقی رہی، پھر جب کھانا تیار ہوا، تب حضرت علیہ الرحمۃ کے پاس لے گئے، آپ نے اسکو چکھ کر قادر بخش سے پوچھا کہ تم نے آج یہ کھانا کیسا پکایا ہے کہ داغ کھا گیا؟ انھوں نے اپنا عذر بیان کیا کہ میں حاجی عبداللہ کو گوشت سپرد کر کے نماز کو آیا اور میرے پیچھے وہ نماز کو چلے آئے، اس سبب سے گوشت میں داغ لگ گیا، یہ بات سن کر بے ساختہ عادت شریف کے خلاف آپ کی زبان سے نکل گیا کہ تم اس کو گوشت سپرد کر کے نماز کو گئے، اس مردود نے خبر نہ لی، گوشت جل گیا اور کھانے کے قابل نہ رہا، خلاف عادت آپ کی زبان سے یہ سخت کلام سن

کر جو لوگ اس وقت وہاں حاضر تھے، سب خاموش ہو رہے، کسی نے کچھ دم نہ مارا، پھر آپ نے گوشت کی رکابی اٹھا کر قادر بخش خاں کے حوالے کی اور روٹی دال کے ساتھ کھائی، پھر جب آپ کھانا کھا کر اور نماز عشاء پڑھ کر فارغ ہوئے اور معمول کے موافق بیٹھے اس وقت قاضی علاء الدین اور میاں جی چشتی اور مولوی وارث علی اور مولوی امام الدین اور حافظ صابر صاحب وغیرہم نے آپس میں کہا: آج اس وقت مردود کا لفظ خلاف عادت زبان شریف سے نکلا ہے، ایسا سخت کلام کہنا آپ کی لیاقت سے بعید ہے، اس کی اطلاع آپ کو ضرور کرنی چاہیے اور آپ نے بارہا ہم لوگوں سے فرمایا بھی ہے کہ میں بھی بشر ہوں، اگر کسی وقت کچھ بیجا کلام شریعت کے خلاف میری زبان سے صادر ہو، تو مجھ کو ضرور اطلاع کرو اور جو نہ کرو گے تو قیامت کے روز تمھارا دامن گیر ہوں گا، سو اس بات کی اطلاع کرنی ہم پر واجب ہے کہ ہم اپنی طرف سے بری الذمہ ہو جائیں، اس بات پر متفق ہو کر سب آپ کے پاس دستور کے موافق آئے اور بیٹھے پھر مولوی امام الدین صاحب بنگالی اور میاں جی چشتی صاحب بر ہانوی نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ سب بھائی لوگ جو حاضر ہیں کہتے ہیں کہ آج آپ نے گوشت کے جل جانے پر حاجی عبداللہ کو مردود کہا، یہ کلام کسی مسلمان کو کہنا کیسا ہے؟ آپ نے ان کا یہ سوال سن کر دیر تک سکوت فرمایا اور کہا کہ یہ بات کسی مسلمان کو کہنی نہیں چاہیے، یہ کلمہ میری زبان سے بے اختیاری میں بے ساختہ نکل گیا اور بڑا قصور ہوا، اور تم سب بھائیوں نے خوب کیا، جو اس قصور سے مجھ کو آگاہ کیا، پھر آپ نے حاجی عبداللہ کو اور باورچی خانے کے سب لوگوں کو بلوایا اور ہر ایک جماعت کے بہت لوگ اس وقت حاضر تھے اور حاجی عبداللہ بہت سادہ مزاج، سلیم الطبع، صالح آدمی تھے، حضرت ان کو اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ حاجی صاحب، ہم تمھارے قصور مند ہیں، اس وقت غصے میں بے اختیار ہماری زبان سے مردود کا جو لفظ نکل گیا، ہماری یہ خطا اللہ معاف کرو اور ہم سے مصافحہ کرو وہ سنتے کم تھے، اپنے جی میں ڈر گئے اور عذر کرنے لگے کہ حضرت، آپ کا سالن مجھ سے جل گیا، میں بہت نادم ہوں، یہ میری خطا اب خدا کے واسطے معاف کر دیں، آپ نے ان کے کان میں زور سے پکار کر کہا کہ تمھاری

کچھ خطا نہیں، خطا ہم سے ہوئی کہ مردود کا لفظ ہماری زبان سے نکل گیا، تم ہم کو معاف کر دو، یہ بات سن کر انھوں نے حضرت کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ حضرت، میں نے معاف کیا، آپ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کرے اور آپ نے مصافحہ کیا، پھر آپ نے اسی مجلس میں سب کے سامنے باآواز کہا کہ میں اپنی خطا سے توبہ کرتا ہوں، اب کبھی ایسا بیجا کلام ان شاء اللہ تعالیٰ، میری زبان سے نہ نکلے گا، پھر بہت دیر تک وعظ کے طور پر فرماتے رہے کہ ہر مسلمان بھائی کو چاہیے کہ اس قسم کے الفاظ، مثلاً، کافر، مشرک، منافق، مردود وغیرہ کسی مسلمان کے حق میں اپنے منہ سے نہ نکالے اور ان لفظوں سے ایمان میں نقصان آجاتا ہے اور اسی طرح بہت دیر تک آپ نے منہیات شرعیہ کے الفاظ بیان کیے، اس طرح آپ کی زبان ہدایت بیان میں تاثیر تھی کہ یہ کلام رشد التیام سن کر تمام حاضرین مجلس پر ایک عجیب حال واقع ہوا کہ وہ تحریر و تقریر میں نہیں آسکتا، بعد اس کے آپ نے دعا کی، پھر سب لوگ اپنے اپنے ڈیرے میں گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ آج جو یہ لفظ حضرت کی زبان سے واقع ہوا، یہ بھی حکمت الٰہی سے خالی نہ تھا کہ اس کے ذیل میں آپ نے منہیات شرعیہ کے اور بہت سے الفاظ بیان کر کے ہم سب کو خبردار کر دیا، پھر اس کے کئی دن کے بعد جب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب موضع امب سے تشریف لائے، تب بعض لوگوں نے حضرت کے مردود کہنے اور توبہ کرنے کا وہ حال آپ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کی زبان سے جو کسی وقت بشریت کے بسبب کوئی کلام مکروہ شریعت کے خلاف نکل جاتا ہے اور وہ اس سے توبہ کرتے ہیں، تو حقیقت میں وہ کلام حکمت اور فائدے سے خالی نہیں ہوتا اور نہ اس سے ان کا مرتبہ کم ہوجاتا ہے، بلکہ ان کا درجہ اس کے بسبب بڑھ جاتا ہے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کا گیہوں کھانا اور جنت سے نکالا جانا بظاہر تو بے شک ان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی اور انھوں نے اپنی خطا سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ وہ وہ خطا عفو فرمائی، مگر اس میں حکمت الٰہی یہ تھی کہ اس خطا کے بسبب وہ جنت سے نکالے جائیں اور دنیا میں آئیں، ان سے انبیاءؑ، اولیاء، مومن، مسلمان سب پیدا ہوں، دنیا اور آخرت کا کارخانہ جاری ہو، اگر وہ جنت سے نہ نکالے جاتے

،تو یہ کچھ بات نہ ہوتی، یا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک قبطی کا خون ہوگیا اور وہ فرعون کے خوف سے مدین چلے گئے اور اپنی خطا سے تائب ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا معاف کی اور وہاں حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی سے ان کا نکاح کر دیا اور ایک عصا عنایت کیا، پھر جب چند سال کے بعد اپنی بی بی کو ساتھ لے کر وہاں سے مصر کو چلے اور کوہ طور کے قریب پہنچے، تب وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو درجہ رسالت سے سرفراز فرمایا، اب خیال کیا چاہیے کہ اس خطا میں اور وہاں سے بھاگنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں تھیں، اگر ان سے وہ خطا نہ ہوتی ،تو یہ فوائد کیونکر ظہور میں آتے؟ یا ان بزرگ لوگوں کا حال دریا کی مثال سمجھنا چاہیے کہ کبھی جب مینہ برستا ہے، تو ہر طرف سے گندہ و ناپاک سیلاب مع خس و خاشاک نالوں میں سے ہو کر دریا میں جاتا ہے اور دریا کو مکدر کر دیتا ہے کہ نافہم لوگ جانتے ہیں کہ دریا کا پانی ناپاک اور نکما ہو گیا، طہارت کے قابل نہ رہا، حالانکہ وہ دریا بدستور پاکی میں رہتا ہے، بلکہ اس کا پانی بڑھ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ کچھ عرصے میں وہ کدورت بھی زائل ہو جاتی ہے اور خلق اللہ کو اس سے نفع عام اور فائدہ تام ہوتا ہے، اور اسی طور سے کئی مثالیں دے کر لوگوں کو سمجھایا۔(انتہی)

اسی طرح اگر دوران جنگ اور سلسلہ جہاد میں مجاہدین سے کوئی بے عنوانی، کسی کی حق تلفی یا دل آزاری کا کوئی واقعہ پیش آتا، تو اس پر آپ تمام رفقاء و مجاہدین کے ساتھ بڑے اہتمام سے استغفار کرتے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرتے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ فرمائے تاکہ ایک مسلمان کی تقصیر سے پوری جماعت اور مقصد کو نقصان نہ پہنچے، مولوی سید جعفر علیؒ لکھتے ہیں:

> ''مان خاں گنج پوری نے ایک مظلوم عورت کا حال بیان کیا، آپ جمعے کے دن عصر کے وقت پنجتار سے جانب مغرب شیشم کے درخت کے پاس تشریف لے گئے اور برہنہ سر ایک جماعت کے ساتھ دعا و استغفار میں مشغول ہوئے اور اتنی گریہ وزاری فرمائی کی حاضرین میں کہرام مچ گیا(۱)

---

(۱) منظورۃ السعداء،

دعا

دین کے جن شعبوں کی اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ سے تجدید کرائی اور ان کو نئی زندگی، قوت اور رواج بخشا، ان میں سے ایک دعا ہے، جو عبودیت کا لب لباب اور حضرات انبیاءؑ کی وراثت ہے، گزشتہ حالات سے معلوم ہوا ہوگا کہ دعا آپ کا خاص سلاح، سپر اور سرمایہ زندگی تھا، ہر جنگ اور ہر اہم واقعے سے پہلے اور اس کے بعد اہتمام کے ساتھ دعا کرنا آپ کا خاص معمول تھا، پھر دعا بھی ایسی کہ دل نکال کر رکھ دیتے، اکثر برہنہ سر ہو کر اپنے عجز و انکسار و درماندگی، بیچارگی اور کمزوری، فقر و احتیاج کو اس الحاح و زاری کے ساتھ پیش کرتے کہ رحمت الٰہی کو جوش آتا، سننے والوں کے دل امنڈ آتے، اور آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، سب پر عالم بیخودی طاری ہو جاتا اور قلوب دعا کی قبولیت کی شہادت دینے لگتے، نواب وزیر الدولہ مرحوم نے ''وصایا الوزیر'' میں آپ کے ذوق دعا اور کیفیت دعا کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

> ''دعا اور خدا کے سامنے گریہ وزاری کا آپ کو بڑا ذوق تھا، لوگوں کو دعا کی تعلیم دیتے اور خدا سے عرض و نیاز کا شوق دلاتے، آپ کی مجلس میں عجیب وغریب کیفیت پیدا ہوتی، اور ہر شخص اپنے ذوق ایمانی کے مرتبے کے مطابق لذت ایمانی حاصل کرتا، اس وقت خطرات شیطانی اور وساوس نفسانی یکسر معدوم ہو جاتے، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، بعض شخص وارفتہ اور مدہوش ہو جاتے، حاضرین مجلس کو اس قدر صفائی باطن اور ترقی روحانی حاصل ہوتی جو دوسرے اشغال و اذکار اور چلوں سے کم حاصل ہوتی (۱)''۔

دعا کا آپ کو اس قدر اہتمام اور اس پر اتنا اعتماد تھا کہ واقعہ بالاکوٹ سے پہلے پچون کے زمانہ قیام میں متواتر کئی روز دعا کا معمول رہا، وقائع احمدی کی یہ روایت آپ کی نظر سے گزر چکی ہے کہ:

> ''جن دنوں مشکوٰۃ شریف کا درس ہوتا تھا، ایک روز سید صاحبؒ نے

---

(۱) وصایا الوزیر علی طریقۃ البشیر النذیر

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ میاں صاحب، دل میں آتا ہے کہ اب
چندروز جناب الٰہی میں خوب سے سب مل کر دعا کریں، مگر اس طرح سے کہ
ہم ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اکیلے دعا کریں اور آپ سب بھائیوں کو ساتھ
لے جا کر کہیں جنگل میں دعا کریں، مولانا صاحب نے فرمایا کہ بہت بہتر،
میں حاضر ہوں، سید صاحبؒ نے عصر کا وقت دعا کرنے کے لیے مقرر فرمایا،
ہر روز نماز عصر سے فارغ ہو کر سید صاحبؒ ایک کوٹھری میں اکیلے بیٹھ کر دعا
کرتے تھے اور مولانا صاحب سب غازیوں کو اپنے ہمراہ لے کر بستی کے باہر
ایک نالے پر جاتے تھے، پہلے آپ سب لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کچھ دیر
وعظ و نصیحت فرماتے تھے، اس کے بعد برہنہ سر ہو کر کمال گریہ وزاری اور عجز
وانکسار کے ساتھ جناب باری میں بہت دیر تک دعا کرتے تھے، اس دعا میں
طرح طرح سے اپنی محتاجی وانکسار اور جناب باری کی عظمت و جباری اور
رحمت وغفاری بیان کرتے تھے، دعا کے بعد سب کو ہمراہ لے کر سید صاحبؒ
کے پاس آتے تھے اور دعا کرنے کا حال عرض کرتے تھے، یہ دعا پانچ سات
روز متواتر ہوئی"۔

نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں کہ آپ کی تین خصوصیتیں تھیں:

ایک خشوع وخضوع اور گریہ و نیاز کے ساتھ نماز
دوسرے قرآن کا علم وعمل
تیسرے دعاء مقبول(۱)

ایمان واحتساب

دین کا دوسرا اہم بالشان شعبہ، جس کے آپ اپنے دور میں مجدد تھے اور جو در اصل
پورے نظام دینی کی روح رواں ہے، وہ ایمان واحتساب ہے، یعنی زندگی کے تمام اعمال واشغال

(۱) وصایا الوزیر

میں صرف رضائے الٰہی کی طلب، نیت کے استحضار اور موعود اجر وثواب کی طمع میں انجام دیا جائے، اس سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی ایسی تربیت فرمائی تھی کہ یہ ایمان واحتساب شروع سے آپ کا مزاج اور آپ کی فطرت بن گیا تھا، اپنے متعلق ارشاد فرماتے تھے کہ:

''میں نے مدۃ العمر آنے جانے، لینے دینے، اٹھنے بیٹھنے، حرکت وسکون، غصہ وبردباری، قہر ومہر، کھانے پینے، پہننے اور سوار ہونے کا کوئی کام نہیں کیا، جس میں رضائے الٰہی کی نیت نہ ہو اور کوئی کام میں نے نفس کے تقاضے اور خواہش سے نہیں کیا(۱)''۔

آپ نے اس ایمان واحتساب کو مکمل سلوک بنا دیا تھا اور چاروں طرق کے ساتھ آپ اس میں بھی بیعت لیا کرتے تھے، یہ طریق نبوت کا تزکیہ وتربیت تھی، جس سے پوری زندگی اپنی تمام عبادات وعادات کے ساتھ خالص عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بن جاتی، آپ اس کو طریقہ محمدیہؐ کے نام سے موسوم فرماتے، جمعدار مرتضیٰ خاں صاحب رامپوری لکھتے ہیں:

''رامپور میں حکیم غلام حسین نائب والی ریاست کے بڑے بھائی حکیم عطاء اللہ اور میاں محمد مقیم نے ایک روز بڑے ادب سے عرض کیا کہ جناب والا، پہلے طریقہ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور مجددیہ میں بیعت لیتے ہیں، اس کے بعد طریقہ محمدیہؐ میں داخل فرماتے ہیں، اس کا سبب سمجھ میں نہیں آیا، اگر یہ سب طرق طریقہ محمدیہؐ ہی ہیں، تو ان طرق کے بعد طریقہ محمدیہؐ میں بیعت لینے کی کیا ضرورت ہے؟''

آپ نے فرمایا کہ اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اصحاب طرق نے اپنے اپنے طریق کے مطابق اشغال کی تعلیم کی ہے، مثلاً طریقہ چشتیہ اور قادریہ کے شیوخ بتاتے ہیں کہ ذکر جہر اس طرح کیا جائے اور ضرب اس طرح لگائی جائے، نقشبندی اور مجددی طرق کے شیوخ بتاتے ہیں کہ ذکر خفی کریں اور یہ لطیفہ قلب ہے اور وہ لطیفہ روح، اور یہ لطیفہ نفس ہے اور وہ لطیفہ سر، لطیفہ خفی

---

(۱) وصایا الوزیر، نواب وزیر الدولہ مرحوم

یہ ہے اور لطیفہ اخفی فلاں، اور اسی طرح وہ تمام لوازم، جو ہم اور تمام پیران طریقت اپنے مریدوں کو تعلیم کرتے ہیں، ان طرق کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی ہے، لیکن ہم طریقہ محمدیہؒ کے اشغال کی تعلیم اس طرح کرتے ہیں کہ کھانا اس نیت سے کھایا جائے، کپڑا اس نیت سے پہنا جائے، نکاح اس نیت سے کیا جائے، سونے کی نیت یہ ہے، کپڑا پہننے کی نیت یہ ہو، زراعت، تجارت، ملازمت کی نیت یہ ہونی چاہیے، اس طریقے کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری ہے"۔(۱)

اس ایمان واحتساب کا آپ پر ایسا غلبہ تھا کہ جو لوگ چند روز آپ کے ساتھ رہتے، وہ اس کے رنگ میں رنگ جاتے، نفس کا تقاضا نکل جاتا اور ہر کام میں رضائے الٰہی کی طلب غالب آجاتی، پچھلے صفحات میں آپ نے سید ابو محمد صاحب کا یہ پُر اثر واقعہ پڑھا ہے کہ آپ مہیار کی جنگ کے موقع پر سید صاحبؒ کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا کہ:

"میاں صاحب، جس روز سے میں آپ کے ساتھ اپنے گھر سے نکلا ہوں، آج تک میرا یہی خیال رہا کہ میرے عزیز اور رشتہ دار ہیں، میں ان کے ساتھ رہوں جو ان کو اللہ تعالیٰ کہیں عروج دے گا، تو ان کی وجہ سے میری بھی ترقی ہوگی، نہ میں آج تک خدا کے واسطے رہا اور نہ کچھ ثواب جان کر، مگر اب میں نے اس خیال فاسد سے توبہ کی اور از سر نو آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے بیعت جہاد کرنے کو آیا ہوں، آپ مجھ سے بیعت لیں اور میرے واسطے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس نیت اور ارادے پر ثابت قدم رکھے، آپ نے ان سے بیعت لی اور ان کے واسطے دعا کی، اس وقت تمام حاضرین پر رقت سے ایک عجیب حال واقع تھا کہ ہر ایک کی آنکھ سے آنسو جاری تھے، دعا کے بعد سید ابو محمد صاحب آپ سے مصافحہ کر کے اپنے گھوڑے کی طرف چلے، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، انھوں نے بسم اللہ کر کے اپنا داہنا پاؤں رکاب

---

(۱) کتاب دافع الفساد و نافع العباد

میں رکھا اور باآواز بلند پکار کر کہا کہ سب بھائیو، اس بات کے گواہ رہنا کہ آج
تک گھوڑے پر اپنی شان وشوکت اور خواہش نفس کے لیے سوار ہوتے تھے، خدا
کا واسطہ اس میں کچھ نہ تھا، مگر اس وقت ہم محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ورضا جوئی
کے واسطہ بہ نیت جہاد اس گھوڑے پر سوار ہوئے ہیں"۔

درحقیقت اس ایمان واحتساب کے کمال اور غلبہ حال کے بغیر یہ طویل المدۃ جہاد اور اس کے متنوع اعمال واشغال، طویل طویل وقفے اور ان کے اندر کے مشاغل واوقات، تزکیہ روحانی اور ترقی درجات اور قرب خداوندی کا ذریعہ نہیں بن سکتے تھے، مگر ایمان واحتساب کی چٹکی ایسی تھی، جس نے اس پوری زندگی کو اکسیر بنا دیا تھا۔

اتباع سنت

نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں:

"آپ مجسم شریعت وسراپا اتباع تھے، فرماتے تھے کہ مجھے اللہ کے فضل سے فضائل ظاہری، مراتب باطنی، روشن دلی اور صفائی قلب جو کچھ حاصل ہوئی ہے وہ سب اتباع شریعت کی برکت اور پیروی سنت کی سعادت ہے(۱)"۔

اتباع سنت آپ کی زندگی اور آپ کی دعوت کا جز بن گیا تھا، آپ کے نزدیک عبادات کے ساتھ معاملات اور امور معاد کے ساتھ امور معاش میں بھی اتباع سنت اور ترک بدعات ضروری ہے، بیعت کے وقت آپ توحید وترک اشراک کے ساتھ اتباع سنت اور ترک بدعات کی تاکید فرماتے تھے اور ترک بدعت کا مفہوم اور دائرہ عبادات سے تجاوز کر کے عادات، معاشرت ومعاملات پر حاوی ہے، ایک خلافت نامے میں ترک بدعت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اما ترک بدعت، پس بیانش آنکہ در جمیع عبادات ومعاملات وامور معاشیہ ومعادیہ طریقہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکمال قوت و

---

(۱) وصایا الوزیر

علو ہمت باید گرفت وآنچہ مردمان دیگر بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از قسم رسوم اختراع نمودہ اند، مثل رسوم شادی و ماتم وتجمل قبور و بناء عمارات برآں واسراف درمجالس اعراس وتعزیہ سازی وامثال ذلک، ہرگز پیرامون آں نباید گروید وحتی الوسع سعی درمحوآں باید کرد اول خود ترک باید نمود، بعد ازاں ہر مسلمانے را دعوت بسوئے آں باید کرد، چنانچہ اتباع شریعت فرض است، ہمچنیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر نیز فرض۔

ترک بدعت کی تشریح یہ ہے کہ تمام عبادات و معاملات اور امور معاشیہ و معادیہ میں حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو پوری قوت اور بلند ہمتی کے ساتھ پکڑا جائے اور یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں نے اس میں ایجاد کی ہیں، مثلاً رسوم شادی وغمی قبروں کی زیب وزینت، ان پر عمارتوں کی تعمیر، عرسوں کا اسراف وفضول خرچی، تعزیہ سازی وغیرہ، ان کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے اور حتی الامکان ان کے مٹانے کی کوشش کی جائے، پہلے خود ان کو ترک کیا جائے پھر ہر مسلمان کو اس کی طرف دعوت دینی چاہیے، اس لیے کہ جیسے اتباع شریعت فرض ہے اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی فرض ہے۔

''صراط مستقیم'' کے دوسرے باب میں آپ نے سالک کو ان تمام بدعات ورسوم سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے، جو مسلمانوں کی زندگی میں مختلف راستوں سے داخل ہوگئی تھیں، اس سلسلے میں آپ نے اپنی خداداد ذکاوت حس، حق، دقیقہ رسی اور دور بینی سے مسلمانوں کی پوری زندگی کا جائزہ لے کر ان تمام بدعات کی نشان دہی فرمائی ہے، جو مسلمانوں کی زندگی کے مختلف شعبوں میں راہ پاگئی تھیں، آپ نے ان کو تین قسموں میں تقسیم فرمایا ہے:

(۱) وہ بدعات، جو تصوف کو بدنام کرنے والے ملحدین ومشرکین کے اختلاط سے پیدا ہوئیں۔

(۲) جو روافض کے اثر سے مسلمانوں میں آئیں
(۳) جو رسوم فاسدہ کی پابندی سے پیدا ہوئیں۔
اس طرح پوری زندگی میں کہیں بدعت کی گنجائش نہیں رہتی۔

بدعات سے آپ کو ایسی طبعی کراہت و نفرت تھی کہ آپ کو ان کا سایہ اور پرچھائیں بھی گوارا نہ تھی، قبر پرستی سے ایسی نفرت اور وحشت تھی کہ یہ بھی گوارا نہ فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کی قبر پر اس کا امکان بھی باقی رہے، نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں:

> ''ایک مرتبہ حضرتؒ سے ایک شخص نے کہا کہ آپ قبر پرستی اور بزرگان دین کے مزارات پر مشرکانہ اعمال اور بدعات سے اس شد و مد کے ساتھ روکتے ہیں لیکن خود آپ کے ہزاروں مرید اور ہزاروں معتقد ملک ملک میں ہیں، آپ کی وفات کے بعد آپ کی مزار پر وہی سب ہوگا، جو دوسرے بزرگان دین کے مزارات پر ہو رہا ہے، اور آپ کی قبر کی پرستش بھی اسی طرح ہوگی جس طرح ان کی قبروں کی پرستش ان کی وفات کے بعد ہوتی ہے، حضرتؒ نے فرمایا کہ میں درگاہ الٰہی میں بصد آہ و زاری درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ میری قبر کو معدوم اور میرے مدفن کو نا معلوم کر دے، نہ قبر رہے گی، نہ اس پر شرک و بدعت ہوگا، خدا کی قدرت و رحمت ملاحظہ ہو کہ حضرتؒ کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کی قبر کا آج تک پتہ نہ چلا (۱)۔

محبت و خشیت

محبت و محبوبیت ان حضرات کے خواص میں سے ہے، جن کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کا معاملہ اجتباء و انتخاب کا ہوتا ہے اور وہ مطلوب و مراد ہوتے ہیں، اس کے آثار ان کی زندگی میں ظاہر و نمایاں ہوتے ہیں، سید صاحبؒ میں محبت کی نسبت اتنی غالب تھی کہ اس کے

---

(۱) وصایا الوزیر، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب مرحوم کے زمانے میں سید صاحبؒ کی قبر تحقیقی طور پر معلوم نہ تھی، اب بالا کوٹ میں جو قبر بتائی جاتی ہے وہ بالکل مشتبہ ہے۔

اثرات پاس بیٹھنے والوں اور نماز کے اندر مقتدیوں کے اوپر پڑتے تھے، مولوی سید جعفر علی تحریر فرماتے ہیں:

''اہل باطن می دریافتند کہ وقتیکہ حضرت امیر المومنینؒ امام فرائض نماز می شدند، بر دلہا مومین اثر محبت و رغبت طاری می گردید۔''

نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''حضرت کبھی کبھی محبت الٰہی کے جذبات سے مغلوب ہو کر مندرجہ ذیل اشعار پڑھتے:

دلم براہ تو صد پارہ باد! وہر پارہ

ہزار ذرہ! و ہر ذرہ در ہوائے تو باد!

رباعی

در مسلخ عشق ہر عدو رانکشند لاغر صفتان وزشت خورانکشند

گر عاشق صادقی زکشتن مگریز مردار بودھر آنکہ اورانکشند

قطعہ

اے آنکہ زنی دم از محبت از ہستی خویشتن بہ پرہیز

برخیز و بہ تیغ تیز بنشیں یا از رہ راہ دوست بر خیز

لیکن محبت کے ساتھ ساتھ کاملین پر خشیت الٰہی کا بھی غلبہ رہتا ہے، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ خدا کی ذات بے نیاز ہے، اس کو کسی کی عبادت واطاعت کی پروا نہیں، وہ اس کے فضل کے امیدوار بھی رہتے ہیں، اس کی نعمتوں اور رحمتوں کا مشاہدہ بھی کرتے رہتے ہیں اور اس کی بے نیازی سے ڈرتے بھی رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود فرما دیا ہے:

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ (الاعراف،۹۹)

''خدا کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آ گئی ہو، اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا''

نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں:

''حضرتؒ پر محبت الٰہی کے ساتھ خشیت الٰہی ہر وقت طاری رہتی تھی، سوء خاتمہ کا ڈر ایسا غالب رہتا تھا کہ جو آپ کی صحبت میں رہا، اس کا یہی حال بن گیا، اس کی مجلس و گفتگو میں یہی ذکر رہنے لگا، اس کو دن رات یہی کھٹکا لگا رہا، دنیا کی دولت و عزت، وجاہت و اعزاز، عیش و عشرت اس کو خاک معلوم ہونے لگے، رقت و خشیت کی تصویر بن گیا، اس کے ساتھ خدا کی محبت و سرور نے اس کو ایسا وارفتہ و خود فراموش بنا دیا کہ دنیا اس کو بے حقیقت معلوم ہونے لگی اور وہ ایک ہی وقت میں باغ خنداں اور دیدہ گریاں بن گیا، اخلاص و خشیت کا مجسمہ، سوز و دردمندی کی تصویر، جس کو دیکھنے سے خدا یاد آئے، جس کے پاس بیٹھنے سے دل گرمائے، رقت سے دل بھر آئے، دنیا سے دل سرد ہو دین کا جوش اٹھے، عاقبت کی فکر ہو، عبادت و ذکر کا ولولہ ہو، رضائے الٰہی کی طلب اور اعضاء و جوارح پر اس کا قبضہ ہو(۱)''۔

---

(۱) وصایا الوزیر

صفات امارت

قیادت کی ذمہ داریاں

جماعتی کام کی ذمے داری، ایک بڑی دینی تحریک کی قیادت، مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کی امامت وامارت، جس میں مختلف المذاق افراد، مختلف صلاحیتوں اور استعدادوں کے اشخاص ہوں، بڑی وسیع اور متنوع صلاحیتوں کی طالب ہے، اس کے لیے ایسا ہی شخص موزوں ہوسکتا ہے بیدار مغز، عالی دماغ فراخ حوصلہ، کشادہ قلب، عالی ظرف، متحمل، سلیم الفہم، متوازن دماغ اور جوہر شناس ہو جس میں مختلف شعبوں اور کارخانوں کے چلانے اور مختلف عناصر اور متضاد طبائع کو ساتھ لے چلنے کی صلاحیت ہو، جو اپنے دینی مقاصد اور دین کی ترقی وعروج کے لیے ہر صلاحیت اور ہر جوہر اور ہر کمال کی قدر کرنے والا، ہر استعداد اور ہر سطح کے آدمی کی تربیت وترقی کی قابلیت رکھتا ہو اور اس کے جوہر کو چمکا سکتا ہو، کسی سطح اور کسی استعداد کا آدمی اس کے پاس آکر اپنے کو بیکار اور اپنی زندگی کو ضائع سمجھنے پر مجبور نہ ہو، اور کوئی صاحب ہنر اور صاحب کمال اس کے پاس پہنچ کر اپنے ہنر اور اپنے کمال پر متاسف اور نادم نہ ہو، بلکہ اس کو یہ محسوس ہو کہ وہ اپنے اس ہنر اور خصوصی کمال سے دین کی ایک خصوصی خدمت انجام دے سکتا ہے، دینی خدمت کا ایک خانہ ایسا ہے، جو تنہا وہی بھر سکتا ہے، جن لوگوں کا

نشوونما علیحدہ علیحدہ ہوا، وہ یہاں پہنچ کر یہ محسوس نہ کریں کہ وہ اس دینی جدوجہد اور اس دینی جماعت کے چوکھٹے میں کہیں موزوں نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ محسوس کریں کہ مربی مطلق نے ان کی اسی کام کے لیے تربیت کی تھی اور ان کی حقیقی جگہ یہیں ہے، وہ مختلف باغوں اور مختلف خوشبو کے پھولوں سے ایک ایسا انسانی گلدستہ تیار کر سکتا ہو جس کے سب پھول ایک مقصد کے رشتے سے جڑے اور محبت کے دھاگے سے بندھے ہوئے ہوں اور ان کی مجموعی خوشبو سے مجلس معطر ہو، شعبوں کی کثرت، رفقاء کا اختلاف ذوق اور ان کی صلاحیتوں اور استعدادوں کا نشیب و فراز اس کی طبیعت میں انتشار نہ پیدا کر سکے، وہ ایک کی قدر دانی کے لیے دوسرے کے دل شکنی اور ناقدری ضروری نہ سمجھے، بلکہ ہر ایک سمجھ انه اکرم علیه من صاحبه (وہ سب سے زیادہ مقرب اور عزیز ہے) وہ انسانی فطرت سے کش مکش اور زور آزمائی نہ کرے، بلکہ اس کی رعایت اور احترام کرتے ہوئے مشترک مقصد کے لیے اس کے ملکات اور صلاحیتوں کی پرورش کرے اور ان کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائے۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طالب راہ نبوت کی تربیت کے سلسلے میں بعض صفات وخصوصیات کا تذکرہ فرمایا ہے، جو بعض صفات الٰہی کے مراقبے اور سلوک راہ نبوت کی خصوصیات ہیں، ان میں سے ایک ''شان وسعت'' ہے، اس سلسلے میں آپ نے جو کچھ فرمایا، وہ ایک ''امام'' کی اس صفت جامعیت کو پورے طور پر ظاہر کرتا ہے، آپ فرماتے ہیں:

> ومن جملہ آن شان وسعت است کہ در نفس کاملہ انسانیہ وسعت حوصلہ نمونہ ایست، ازاں بیانش آنکہ چنانکہ بعضے نفوس کاملہ بشریہ در مرتبہ قصوی از مراتب وسعت صدر واقع می شوند کہ از ہجوم امور متشتتہ ومعاملات مختلفہ وکارخانجات متعددہ دل تنگ و پراگندہ خاطر نمی شوند، بلکہ بر ہر امر توجہے مبذول می سازند و ہر یک معاملہ را بخوبی سرانجام می دہند و ہر یک کارخانہ را بحدے کہ شایان اوست، می دارند نہ بحدے افراط می کنند کہ در یک کارخانہ بہمگی ہمت خود غریق شدہ کارخانہ دیگر را برباد دہند یا اہل آں کارخانہ را چنداں

قوت تسلط دہند کہ اہل کارخانہ نجات دیگر مثل رعایا در دست ایشاں مقہور شدہ خود ایشاں را فراموش کنند و نہ چنداں تفریط می ورزند کہ آں کارخانہ بے رونق شود و اہل آں چادر مذلت پوشیدہ در زاویہ خمول و تعطل بنشینند و ہمچنیں در امر ملاقات مع الناس وسعت عظمی می دارند کہ باہر یکے از اشخاص مختلف الاستعدادات والامزجہ ومتغائر الحاجات والاغراض بوضع پیش می آیند کہ شایان اوست ومعاملتے برروئے کار می آرند کہ پیمانہ استعداد آں شخص پر شود و در ذہن چناں نشیند کہ اختصاصے کہ مرا بایشاں بہم رسیدہ کسے را از دیگراں، اگرچہ اعلیٰ وارفع باعتبار خدمت ومرتبت از من باشند، حاصل نشدہ باشد(۱)۔

''اور من جملہ ان کے شان وسعت ہے کہ انسان کے نفس کاملہ میں وسعت حوصلہ اس کا نمونہ ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح بعض مکمل بشری نفوس فراخی سینہ میں اعلیٰ مرتبے میں ہوتے ہیں کہ مختلف امور کے ہجوم، مختلف معاملات، متعدد کارخانوں سے دل تنگ اور پراگندہ خاطر نہیں ہوتے، بلکہ ہر معاملے پر توجہ مبذول رکھتے ہیں اور ہر کام کو بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں اور ہر کارخانہ کو جیسا کہ اس کے لائق ہے، چلاتے ہیں، نہ اتنی زیادتی کرتے ہیں کہ ایک ہی کارخانے میں محو ہو جائیں اور دوسرے کارخانے کو تباہ کردیں یا اس کارخانے کے لوگوں کو اتنا تسلط دے دیں کہ دوسرے کارخانے والے رعایا کی طرح ان کے ہاتھوں میں مجبور ہو جائیں اور ان کو بھول جائیں، اور نہ اتنی کمی کرتے ہیں کہ وہ کارخانہ بے رونق ہو جائے اور اس کے متعلقین چادر مذلت اوڑھ کر زاویہ خمول و تعطل میں بیٹھ رہیں، اور اسی طرح لوگوں سے ملاقات کرنے میں بڑی وسعت رکھتے ہیں مختلف الاستعداد، مختلف الطبائع، متغائر الحاجات والاغراض اشخاص میں سے، ہر ایک کے ساتھ اس طرح سے پیش آتے ہیں، جیسے کہ اس کے لائق ہوتا ہے اور اس سے ایسا معاملہ کرتے ہیں جو

---

(۱) صراط مستقیم صفحہ ۱۵۵

اس کے پیمانہ استعداد کے مطابق ہوتا ہے اور اس کے ذہن میں بیٹھ جاتا ہے
کہ جو تعلق اور خصوصیت مجھ سے ہے، وہ ایسے شخص سے بھی نہیں ہے، جو
باعتبار خدمت و مرتبت مجھ سے ارفع واعلیٰ ہے۔''

پچھلے صفحات سے آپ کو اس کا اندازہ ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جامعیت اور یہ شان امامت سید صاحبؒ کو عطا فرمائی تھی، اوپر کے اقتباس میں انھوں نے سالک راہ نبوت کی جس شان وسعت کو بیان کیا ہے، وہ بدرجہ اتم ان میں موجود تھی، دین کے مختلف شعبے ان کی ذات اور جماعت سے وابستہ تھے، دین کی تجدید واحیاء کے عظیم ووسیع کام میں ہر طرح کی صلاحیتیں اور استعدادیں اور ہر ذوق ور جحان کے لوگ مصروف تھے، جسمانی قوت، فن سپہ گری، قوت تدریس، علمی استعداد، سلیقہ تصنیف وتالیف، تحریر وانشاء ادب وشاعری، تدبر وسیاست، دولت وامارت، قوت قلبی اور کمال باطنی، سب دین کی خدمت میں مصروف تھے اور اپنا اپنا کام انجام دے رہے تھے، معمولی حیثیت کے سپاہی ناز ونعم کے پلے ہوئے شریف زادے، صاحب سلسلہ مشائخ، محقق علماء، زبان اور ادیب شاعر سب ایک دوسرے کے دوش بدوش خدمت دین کے میدان میں کام کر رہے تھے اور اپنی مخصوص صلاحیتوں سے کام لے رہے تھے ان میں سے کسی کی صلاحیت اور جوہر کی تحقیر نہیں ہوتی تھی۔

آپ جماعت کے افراد میں سے جس فرد میں جو نمایاں خصوصیت واستعداد دیکھتے تھے وہی خدمت اس کے سپرد فرماتے تھے اور اس کی اسی استعداد کی ہمت افزائی اور سرپرستی فرماتے تھے، بعض بعض ممتاز افراد جماعت کو جہاد بالسیف کے بجائے آپ نے تبلیغ ودعوت اور اصلاح وتربیت پر مامور فرمایا اور باصرار ان کو اس مہم پر روانہ کیا اور واقعات نے ظاہر کر دیا کہ وہ ان کے پورے اہل تھے اور ان کی ذات سے ہزاروں بندگان خدا کو ہدایت ہوئی، چنانچہ مولانا سید محمد علی رامپوریؒ اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی کو سرحد سے ہدایت واصلاح کے لیے جنوبی ہند بھیجا اور ان کے حق میں دعاء خیر فرمائی اور ان کی کامیابی کی امید ظاہر کی، مولانا ولایت علی صاحب پر سید صاحبؒ کی جدائی بہت شاق تھی، آپ نے فرمایا: ''مولانا، ہم

آپ کو تخم کر کے اٹھاتے ہیں، چنانچہ لوگوں نے دیکھا کہ ہدایت اور اصلاح کا یہ تخم کیسا بار آور ہوا اور ان دونوں بزرگوں بالخصوص مولانا ولایت علی عظیم آبادی نے بالاکوٹ کے حادثے کے بعد سید صاحبؒ کی نیابت اور جماعت کی تنظیم وامارت کا کام کس کامیابی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

مولانا کرامت علی جونپوریؒ سے آپ نے بیعت لینے کے بعد ہی اول ہی ہفتے میں فرمادیا کہ اب ہدایت کے کام میں لگ جایے اور شجرہ وخلافت نامہ بتوسط حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ عطا فرمایا۔

مولانا کرامت علیؒ کو جہاد بالسیف کا از حد شوق تھا، چنانچہ اسی شوق میں آپ نے فن سپہ گری وشمشیر زنی کو محنت سے حاصل کیا تھا، جب سید صاحبؒ نے جہاد کے لیے روانگی کا قصد کیا، تو مولانا مرحوم نے بھی آمادگی ظاہر کی، آپ نے اس کا مشورہ نہیں دیا، بلکہ جہاد باللسان کے لیے حکم دیا اور فرمایا کہ تم سے خدا کو وراثت نبویؐ اور تبلیغ دین کا کام لینا منظور ہے اور تمھارے اندر اس کی استعداد ودیعت فرمادی ہے، تمھارے لیے یہ تبلیغی کام جہاد اکبر ہے اور تمھاری زبان وقلم میری ہدایت کی توسیع اور ترجمانی کریں گے'' یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی مولانا کرامت علیؒ کی تبلیغ ودعوت سے بنگال کے لاکھوں آدمی ہدایت یاب ہوئے اور انھوں نے اسلام کی راہ پائی۔

جماعت کے نمایاں اشخاص پر ایک نظر ڈالنے سے اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ ہر صلاحیت اور ہر کمال اور ہر ذوق کے لوگ اس میں شامل تھے اور سب اپنی مخصوص صلاحیت اور ذوق سے جماعت اور اس کے مقاصد کو کسی نہ کسی طرح کا فائدہ پہنچا رہے تھے اور سب سے کم درجے کی بات یہ ہے کہ اس جماعتی تعلق اور محبت کی وجہ سے وہ صحیح عقائد پر قائم اور شرک و بدعات اور معصیت و بغاوت کی زندگی سے محفوظ تھے، آپ کو اس جماعت کے مخلصین میں جہاں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحیؒ جیسے سرآمد روزگار فضلاء، حاجی عبدالرحیمؒ ولایتی اور مولانا محمد یوسفؒ پھلتی جیسے صلحاء نظر آئیں گے، اردو کے سب سے بڑے غزل گو

شاعر اور استاد عصر حکیم مومن خاں دہلوی بھی شریک بزم نظر آئیں گے، سرحد سے ہندوستان کے اہل تعلق کو جو خطوط لکھے گئے ہیں ان میں جہاں علماء عصر اور مشائخ وقت کو سلام و پیام لکھا ہے، وہاں مومن خاں کو بھی خصوصیت سے سلام پہنچایا گیا ہے اور محبت و خصوصیت کے ان الفاظ کے ساتھ:

''از طرف امام ہمام بخدمت معدن غیرت ایمانی، منبع حمیت اسلامی مومن خاں سلام شوق برسد'' مولانا اسمٰعیلؒ اپنے خطوط میں ان کو سلام لکھتے ہیں، تو ''ہدایت نشان مودت عنوان'' کے خطاب سے یاد فرماتے ہیں، اس تعلق و اعتماد کا یہ اثر ہے کہ خاں صاحب آخر آخر تک عقائد صحیحہ پر قائم رہے ان کا مشہور مصرع زبان زد ہے ع

مومن نہیں، جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

ان کے مجموعہ کلام میں مثنوی جہادیہ اور قصیدہ منقبت اب بھی یادگار ہے، جس کا یہ شعر ان کے اس قلبی تعلق و ارادت کو ظاہر کرتا ہے:

گلاب ناب سے دھوتا ہوں مغز اندیشہ
کہ فکر مدحت سبط قسیم کوثر ہے

ایسی گوناں گوں خصوصیات رکھنے والی جماعت کے نظم، نیز ایک دینی ریاست کے انتظام کے لیے، جس کی آپ داغ بیل ڈال رہے تھے، اعلیٰ درجے کی فراست اور مردم شناسی کی ضرورت تھی، مختلف ذمہ داریوں کے لیے موزون وصحیح آدمیوں کا انتخاب اور ہر شخص سے اس کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق کام لینے کے لیے ہر شخص کو سمجھنے اور اس کی استعداد و استطاعت کا صحیح اندازہ کرنے کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ جوہر بدرجہ کمال عطا فرمایا تھا، نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں:

> ''آپ بڑے صاحب فراست اور مردم شناس تھے، کوئی شخص کیسا ہی دانا، معاملہ فہم اور تجربہ کار ہوتا، لیکن اگر اس کو ذرا بھی کسی عہدے کا شوق یا امارت کی طلب ہوتی، تو لوگوں اور مقربین کی سفارش کے باوجود اس کو وہ عہدہ

سپرد نہ کرتے، اگرچہ آغاز سے حضرت کا یہی مذاق طبیعت تھا، مگر سرحدی فتوحات کے زمانے میں سختی سے اس اصول پر کاربند رہے، سرحدی فتوحات کے بعد مختلف ممالک سے لوگوں کا ہجوم ہوا، جن میں سے اکثر جہاد کی نیت سے اور کمتر حکومت و منصب کی طمع میں دور دور سے آئے اور ان میں بہت سے لوگوں نے اپنی شان میں قصیدہ خوانی کی اور اپنے مناقب وفضائل اور کارنامے بیان کیے لیکن حضرت نے ہمیشہ معتبر، آزمودہ کار اور متقی و متدین لوگوں کو عہدے دیے۔

مولانا محمد یوسف صاحب (برادر زادہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ) جو سید صاحبؒ کے نزدیک لشکر اسلام کے قطب تھے، اس جماعت میں امین الامۃ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے قائم مقام تھے، آپ جماعت کے خازن اور بیت المال کے محافظ تھے، عطایا اور اموال کی تقسیم آپ ہی کے سپرد تھی، تقسیم میں بے انتہاء احتیاط اور تدقیق سے کام لیتے اور خود امیر المومنین کے حصے میں ذرا زیادتی روا نہ رکھتے، اگر کبھی سید صاحبؒ مزاحاً فرماتے کہ مولانا، مجھے کچھ زیادہ نہیں دیتے، تو مولانا نہایت ادب سے عرض کرتے کہ اگر حکم ہو، تو سارا مال قدموں پر ڈال دوں، لیکن تقسیم میں مجھ سے کمی زیادتی نہیں ہوسکتی، اس میں مساوات ہوگی۔

امانت اور دیانت داری کے امتحان کے لیے آپ کبھی عجیب طریقہ اختیار فرماتے، آپ جب کبھی کسی کی دیانت داری کا امتحان کرنا چاہتے، تو اس کو کسی وقت کچھ پیسے یا روپے رکھنے کو دے دیتے اور بہت دنوں تک اس کا تقاضا نہ کرتے، پھر کسی وقت دفعۃً اس کا مطالبہ کرتے، اگر وہ شخص امین ہوتا، تو فوراً حاضر کردیتا، ورنہ تاخیر ہوتی اور امتحان میں ناکامیاب ہوتا(۱)"۔

---

(۱) وصایا الوزیر

تجدید وامامت وتزکیہ باطن

مقام تجدید

کتب سنن کی حدیث ہے:

"ان اللّٰہ یبعث علی راس کل مائة سنة من یجدد لهذه الامة امر دینها"

"اللہ تعالیٰ ہر سو برس کے اوپر ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو اس امت کے لیے اس کا دین نیا اور تازہ کردے گا۔"

"تجدید دین" اسلام میں بہت بلند مقام اور مخصوص رتبہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، اس لیے تجدید دین کا کام اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً آپ کی امت کے چند اولوالعزم افراد سے لے گا، جن کی کوششوں اور مسیحا نفسی سے دین میں جان پڑے گی اور اہل دین میں نئی زندگی پیدا ہوگی، بہت سے لوگوں نے، جو اس مقام سے واقف نہیں، محض کثرت تصنیف یا تبحر علمی کو کافی سمجھا اور مجددین امت کی فہرست ترتیب دی، جس پر بحث کرنا اس وقت ہمارے دائرے سے خارج ہے علماء ومبصرین کے ایک بڑے گروہ کا خیال ہے کہ حضرت سید احمد صاحبؒ تیرہویں صدی کے مجدد تھے اور اگر تجدید دین کوئی چیز ہے، تو آپ کی ذات سے اس کا ظہور ہوا۔

سید صاحبؒ کی تجدید کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے اصول ومبادی میں، اپنی جامعیت میں اور اپنے نظام وترتیب میں اور اپنے نتائج وآثار میں اسلام کی اصل دعوت سے بہت مشابہ اور قریب ہے اور حقیقت میں کسی ایسی ہی ہمہ گیر اور بنیادی کوشش پر "تجدید" کا لفظ (جس کے معنی اصل دین کو نیا اور تازہ کر دینا ہے) منطبق ہوتا ہے۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کام اصل کا، جس کی تاریخ وتفصیل کئی سو صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے، اسی نقطے سے شروع ہوتا ہے، جو اصل اسلامی دعوت کا نقطہ آغاز ہے اور ہمیشہ اس کی ہر تجدیدی کوشش کا نقطہ آغاز رہے گا، یعنی صحیح اور کامل مسلمان پیدا کرنا، اسلام کی دعوت کو نئے سرے سے اسی قوت اور روح کے ساتھ پیش کرنا، جس طرح اس زمانے میں اس کی ضرورت ہے۔

یہ تحریک جس طرح شروع ہوئی اور جہاں تک پہنچی، اس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں نظر سے گزر چکی ہے، اور اس کے نتائج اور عملی مثالیں آئندہ اوراق میں نظر سے گزریں گی اس تجدید سے مسلمانوں کی عام زندگی میں جو مجموعی انقلاب برپا ہوا، اس موقع پر اس کے بعض پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

اسلام کی طرف رجوع عام

پہلا انقلاب حقیقی اسلام کی طرف بازگشت اور دینی زندگی کا احیاء ہے، جو پہلی حالت کی نسبت سے انقلاب عظیم ہے، اس بارے میں آپ کا شمار امت کے عظیم ترین مصلحین اور مجددین میں ہے، آپ کے وجود نے اسلام کے حق میں باران رحمت اور باد بہاری کا کام کیا، آپ کے ہاتھ پر لاکھوں انسانوں نے توبہ کی، خدا کا نام سیکھا اور دین کا راستہ اختیار کیا، فساق وفجار ابرار واخیار ہو گئے، ہزارہا غافل وکم ہمت شیخ وقت اور سالک طریق بن گئے، آپ جدھر سے گزرے، عمل کا شوق، عبادت الٰہی کا ذوق، اتباع سنت کا ولولہ پیدا ہو گیا، طاعات آسان ہو گئیں معاصی سے نفرت ہو گئی، خشیت الٰہی پیدا ہو گئی، جہاں آپ نے کچھ دن قیام کیا شراب کی دوکانیں بند ہو گئیں، میخانوں میں خاک اڑنے لگی، مسجدیں آباد ہو گئیں، جب آپ سفر حج کے لیے مکان سے چلے تھے، تو آپ نے فرمایا تھا:

''مجھ کو عنایت الٰہی سے امید قوی ہے کہ اس سفر میں اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کرے گا اور ہزاروں ایسے لوگ کہ دریائے شرک و بدعت اور فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے ہیں اور شعائر اسلام سے مطلق ناواقف ہیں، وہ پکے موحد اور متقی ہو جائیں گے۔

کتاب کی (جلد اول) باب نہم (سفر حج) پڑھنے والے جانتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

ہندوستان میں آپ کی دعوت و اصلاح نے قلوب میں جو ایک عام حرکت اور زندگی میں جو ایک عام انقلاب پیدا کر دیا تھا اور مسلمانوں نے جس طرح اس دعوت کا استقبال کیا اور ان کے ہر طبقے نے اس سے فائدہ اٹھایا، اس کا کچھ اندازہ مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ کی اس تحریر سے ہوگا:

''جس وقت دعوت کی آواز ملک ہندوستان میں بلند ہوئی، تمام ملک کے لوگ پروانوں کی طرح اس شمع ہدایت پر ہجوم کرنے لگے یہاں تک کہ ایک ایک روز میں دس دس ہزار آدمیوں کی جماعت بیعت ہونے لگی، ان کا گروہ روز بروز بڑھتا گیا اور ہزار ہا انسان اپنا دین چھوڑ کر اسلام سے مشرف ہوئے اور ہزار ہا لوگوں نے مذاہب باطلہ سے توبہ کی، پانچ چھ برس کے عرصے میں ہندوستان میں تیس لاکھ آدمیوں نے حضرت سے بیعت کی اور سفر حج میں تقریباً لاکھ آدمی بیعت سے مشرف ہوئے، ان سب لوگوں میں ہزار ہا عالم ہیں اور ہزار ہا عاقل اور سیکڑوں حافظ ہیں اور سیکڑوں مفتی اور بہتیرے جہاندیدہ ہیں اور بہتیرے کار آزمودہ، اس سے صاف ظاہر ہوا کہ اللہ کے حضور میں ان کی بڑی مقبولیت اور تائید ہے کہ تمام خلائق کا دل ان کی طرف بے اختیار کھنچا جاتا ہے اور وہ بے اختیار ہو کر مرید ہوتے ہیں (۱)''۔

پھر اس دعوت کے اثرات اور اس کے اثر سے زندگی کے تغیرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس متبرک گروہ کا اثر دریافت کیا چاہیے کہ جو شخص اعتقاد کے ساتھ

---

(۱) رسالہ دعوت مشمولہ مجموعہ رسائل تسعہ از مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ، صفحہ ۶۵

اس گروہ میں داخل ہوا اور اس نے بیعت کی، اسی وقت سے اس کو دنیا سے نفرت اور عاقبت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور روز بروز یہ کیفیت بڑھتی جاتی ہے اور شرک و بدعت سے محض پاک ہو جاتا ہے اور اللہ کی محبت اور عظمت، شرع کی تعظیم و توقیر، نماز کا شوق، سب اس کے دل میں جگہ پکڑتے ہیں، اللہ کے مخالف اس کو برے لگتے ہیں، اگرچہ باپ دادا ہوں، بیٹا بیٹی یا پیر استاد، دل میں اللہ کا خوف کچھ ایسا آجاتا ہے کہ ان کی مروت ہرگز باقی نہیں رہتی، اکثر لوگوں نے عمدہ نوکریاں چھوڑ دی ہیں، حرام پیشے ترک کر دیے اور کتنے خانماں سے ہاتھ اٹھا کر محض اللہ کے واسطے نکل پڑے اور اس گروہ کے سبب ایک عالم نمازی ہوا، بلکہ اس گروہ کو دیکھ کر گمراہ کرنے والے بھی اپنے معتقدوں کو نماز کی تقیید کرنے لگے کہ ہمارے لوگ کہیں ہم سے نہ پھر جائیں (۱)۔"

مولانا کرامت علی جونپوریؒ لکھتے ہیں:

"اس امت مرحومہ کے واسطے حضرت قطب الاقطاب امیر المومنین سید احمدؒ کو اس تیرھویں صدی کا مجدد پیدا کیا اور اس جناب نے دین کو تازہ اور نیا کر دیا اور غافلوں کو ہوشیار کر دیا اور دین کے علم کو خوب پھیلایا اور اس طرح فہمائش کر کے ذکر و مراقبہ تعلیم کیا اور مشاہدے کی حقیقت کو ایسا سمجھا دیا کہ جو نعمت برسوں میں حاصل نہ ہوتی تھی، سو اس جناب کے طریقے میں بآسانی ایک ہفتے عشرے میں حاصل ہونے لگی، ان کے اوصاف و کرامات لکھنے کی حاجت نہیں، تمام ملک میں مشہور ہیں، اس سے بڑھ کر کیا کرامات ہو گی کہ اس ملک کے مردوں عورتوں میں نماز روزہ خوب جاری ہو گیا؟ اور آگے ہندوستان کے پیرزادوں اور مولویوں سے لے کر عوام تک کی عورتوں میں نماز کا چرچا بھی نہ تھا اور اب ہر قوم کی عورت مرد نماز میں بالکل مستعد ہو گئے ہیں، قرآن شریف کا صحیح اور با تجوید پڑھنا اور قرآن شریف کا حفظ خوب جاری ہو گیا ہے

---

(۱) رسالہ دعوت، صفحہ ۶۸

اور حافظوں کی کثرت ہوگئی ہے، یہاں تک کہ عوام کی عورتیں حافظ ہوگئیں اور دیہات اور شہروں میں لوگ حفظ کرر ہے ہیں اور پرانی مسجدیں آباد ہوگئیں اور نئی مسجدیں بننے لگیں، ہزاروں آدمی مکے مدینے کے حج اور زیارت سے مشرف ہوئے اور شرک وبدعت اور کفر کی رسم اور خلاف شرع کام سے لوگ باز آ گئے اور سب کو دین کی تلاش ہوئی، اور دینی کتابیں، جو نادر و کمیاب تھیں، سو شہر گاؤں میں ہر کہیں گھر گھر پھیل گئیں، اور حقیقت میں حضرت سید احمد صاحبؒ اس زمانے کے سارے مسلمانوں کے مرشد ہیں، کوئی سمجھے یا نہ سمجھے! جانے یا نہ جانے! مانے یا نہ مانے۔(۱)''

مولانا حیدر علی رامپوری رسالہ ''صیانۃ الناس'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''ان کی ہدایت کا نور آفتاب کی مثل کمال زور اور شور کے ساتھ بلاد اور قلوب عباد میں منور ہوا، ہر ایک طرف سے سعیدان ازلی رخت سفر باندھ کر منزلوں سے آ آ کے اشراک وبدعات وغیرہ منہیات سے کہ حسب عادت زمانہ خوگر ہور ہے تھے توبہ کر کے توحید وسنت کی راہ راست اختیار کرنے لگے اور اکثر ملکوں میں خلفاء راست کردار جناب موصوف نے سیر فرما کر لاکھوں آدمی کو دین محمدیؐ کی راہ راست بتادی، جن کو سمجھ تھی اور توفیق الٰہی نے ان کی دستگیری کی، وہ اس راہ پر چلے (۲)۔''

''اور ہزاروں خلیفہ جا بجا مقرر ہوئے کہ ان سے ایک سلسلہ بیعت وارشاد وتلقین جاری ہے اور وہ لوگ، جو نماز روزے سے بیزار اور بھنگ بوزے سے کاروبار رکھتے تھے، شراب اور تاڑی ان کے بدن کا خمیر ہو رہا تھا، برملا کہتے تھے کہ نماز کمپنی کا حکم نہیں اور نہ روزہ کونسل کا آئین، زکوۃ حج کا پھر کیا ذکر ہے؟ شب وروز رشوت وزنا اور مردم آزاری وسودخوری میں مشغول رہتے تھے اور مرد وعورت مثل حیوانات بے نکاح باہم ہوتے اور سیکڑوں ولد الزنا ان سے پیدا

---

(۱) مکاشفات رحمت از مولانا کرامت علی جونپوری صفحہ ۱۵

(۲) صیانۃ الناس عن وسوسۃ الخناس از مولانا حیدر علی رامپوری، مطبوعہ ۱۲۷۰ھ صفحہ ۴

ہوئے اور صدہا پیر و جوان نامختون نصاریٰ اور مشرکوں کی مثل تھے، محض حضرت کی تعلیم سے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے نکاح اور ختنے کروائے، نیک اور پاک متقی ہوگئے، حضرت کے ہاتھ پر دس دس ہزار آدمی ایک ایک بار بیعت کرتے گئے اور بہت ہنود اور رافضی اور جوگی اور انت حضرت کے ارشاد و تلقین سے خالص مسلمان ہوگئے اور بعضے نصاریٰ اپنی قوم سے آکر خفیہ ایمان لائے، پھر ہزار ہا علماء نے بعد حصول بیعت و خلافت رہنمائی خلق اللہ اختیار کی، بعضوں نے وعظ و نصیحت و ارشاد و تلقین کو عادت سی ٹھہرائی اور بعضوں نے آیات قرآنی واحادیث صحیحہ کی کتابیں لکھیں اور رسالے اور ترجمے شائع کیے کہ جس میں ترغیب عبادت اور ترہیب گناہ ہی سے اپنے ملک کی زبان میں پیشہ اپنا کر کے ہزاروں جہلا کو کہ سیدھا کلمہ پڑھنا نہیں جانتے تھے، عالم بنادیا اور بعضوں نے دونوں طریقے اختیار کیے(۱)۔"

مولوی عبدالاحد صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت سید احمد صاحبؒ کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلہ بیعت آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے ذریعہ تمام روئے زمین پر جاری ہے، اس سلسلے میں تو کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں(۲)"۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم تقصار جیود الاحرار، میں سید صاحبؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

در ہدایت خلق و انابت بسوئے خدا آیتے از آیات الٰہی ظاہر شدہ جہانے بزرگ وعالمے بے شمار بتوجہ قلبی وقالبی او بمرتبہ ولایت فائز شدہ و وعظ خلفائے وے سرزمین ہند را از خس وخاشاک شرک وبدع پاک ساختہ و برشاہراہ اتباع کتاب وسنت آوردہ کہ ہنوز برکات آں نصائح جاری وساری است(۳)"۔

---

(۱) صیانۃ الناس صفحہ ۵، ۶ (۲) سوانح احمد (۳) تقصار جیود الاحرار، صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰،

خلق خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع کرنے میں وہ خدا کی ایک نشانی تھے، ایک بڑی خلقت اور ایک دنیا آپ کی قلبی وجسمانی توجہ سے درجہ ولایت کو پہنچی، آپ کے خلفاء کے مواعظ نے سرزمین ہند کو شرک وبدعت کے خس وخاشاک سے پاک کر دیا اور کتاب وسنت کی شاہراہ پر ڈال دیا، ابھی تک ان کے وعظ وپند کے برکات جاری وساری ہیں۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

حاصل کلام آنکہ دریں قرب زماں ایں چنیں صاحب کمالے درقطرے از اقطار جہاں نشاں نداده اند، وچنداں فیوض کہ ازیں جماعت منصورہ بخلق رسید، عشر عشیر آں از دیگر مشائخ علماء ایں ارض معلوم نیست (۱)"۔

خلاصہ یہ کہ اس زمانے میں دنیا کے کسی ملک میں بھی ایسا صاحب کمال سنا نہیں گیا اور جو فیوض اس گروہ حق سے خلق خدا کو پہنچے، ان کا عشر عشیر بھی اس زمانے کے علماء ومشائخ سے نہیں پہنچا۔

شرک وبدعت کا استیصال

دوسرا انقلاب شرک وبدعت کا استیصال اور توحید وسنت کی اشاعت ہے، اس میں کم سے کم ہندوستان کی تاریخ میں آپ کا کوئی مثیل نہیں، آپ سے شرک وبدعت کی اس قدر بیخ کنی ہوئی کہ اگر کوئی حکومت بزور شمشیر کرتی، تو اس سے زیادہ استیصال ممکن نہ تھا، آپ توحید و سنت پر لوگوں سے بیعت لیتے اور سب سے زیادہ اسی پر زور دیتے، آپ کے متبعین و منتسبین میں یہی رنگ سب سے زیادہ نمایاں تھا اور اس میں وہ صحابہ کا نمونہ تھے، شرکت وبدعت کے نام سے بھاگتے تھے اور توحید وسنت پر جان دیتے تھے۔

بیعت کے وقت آپ کی سب سے بڑی تاکید اور آپ کے طریق کی سب سے مقدم اور سب سے اہم دفعہ یہی تھی کہ شرک وبدعت سے پوری طرح احتراز کیا جائے گا اور توحید

(۱) تقصار، صفحہ ۱۱۰

وسنت پر استقامت کی جائے گی، آپ کے نزدیک یہی طریقت کا مقصود اور یہی شریعت کی بنیاد تھی، ایک اجازت نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

پوشیدہ نماند کہ بیعت بر دو قسم است، بیعت طریقت و بیعت امامت، اما بیعت طریقت پس مقصود ازاں ہمیں است کہ راہ رضامندی حق بدست آید وراہ رضامندی حضرت حق منحصر در اتباع شریعت غراست ہر کہ سوائے شریعت مصطفویہ راہ طریق تحصیل رضامندی حق انگارد پس بیشک آں شخص کاذب و گمراہ است ودعوے او باطل و نامسموع، و اساس شریعت دو امر است، اول ترک اشراک وثانی ترک بدعات۔

اما ترک اشراک پس بنائش آنکہ ہیچ کس راازملک وجن پیر ومرید واستاد وشاگرد و نبی وولی حلال مشکلات ودافع بلیات وقادر بر تحصیل منافع نداند ہمہ را مثل خود عاجز ونادان در جنب قدرت وعلم حضرت حق شمارد، وہرگز بنا بر طلب حوائج خود نذر و نیاز کسے از انبیاء واولیاء وصلحاء وملائکہ بجانیارد، آرے ایں قدر داند کہ ایشاں مقبولان بارگاہ صمدیت اند وثمرہ مقبولیت ایشاں ہمیں است کہ در باب تحصیل رضامندی پروردگار اتباع ایشاں باید کرد وایشاں را پیشوایان ایں طریق باید شمرد نہ آنکہ ایشاں را قادر بر حوادث زمان وعالم السر والاعلان داند کہ ایں امر محض کفر وشرک است ہرگز مومن پاک را ملوث بآں شدن جائز نیست۔

اما ترک بدعت پس بنائش آنکہ در جمیع عبادات ومعاملات و امور معاشیہ ومعادیہ طریق خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بکمال قوت و علو ہمت باید گرفت وآنچہ مردمان دیگر بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از قسم ورسوم اختراع نمودہ اند، مثل رسوم شادی، وماتم وتجمل قبور وبناء عمارات برآں واسراف در مجالس اعراس وتعزیہ سازی وامثال ذلک ہرگز پیرامون آں نباید گردید وحتی والوسع سعی در محو آں باید کرد، اول خود ترک باید نمود، بعد ازاں ہر مسلمان را دعوت بسوئے آں باید کرد، چنانچہ اتباع شریعت فرض است، ہم چنیں امر

بالمعروف ونہی عن المنکر نیز فرض۔

معلوم ہونا چاہیے کہ بیعت دو قسم کی ہوتی ہے: ایک بیعت طریقت، دوسری بیعت امامت، بیعت طریقت کا مقصود تو صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا مندی کا راستہ ہاتھ آجائے اور حق تعالیٰ کی رضامندی منحصر ہے شریعت کی پیروی میں، جو شخص شریعت محمدیؐ کے سوا کسی اور راستے کو حصول رضائے خداوندی کا ذریعہ سمجھتا ہے، وہ شخص جھوٹا اور گمراہ ہے اور اس کا دعویٰ باطل اور نامسموع اور شریعت کی بنیاد دو باتوں پر ہے: ایک ترک اشراک، دوسرے ترک بدعات۔

ترک اشراک کی تفصیل یہ ہے کہ فرشتوں جنات، پیرومرید، استادوشاگرد نبی وولی میں سے کسی کو مشکل کشا، دافع بلا اور منافع کے حاصل کرانے پر قادر نہ سمجھے، سب کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کے سامنے اپنی طرح عاجز و نادان سمجھے اور اپنی ضرورتوں کی طلب میں انبیاء، اولیاء، صلحاء اور ملائکہ میں سے ہر گز ہرگز کسی کی نذر و نیاز نہ کرے، ہاں یہ ضرور عقیدہ رکھے کہ وہ مقبول بارگاہ الٰہی ہیں ان کی مقبولیت کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کی پیروی کی جائے اور ان کو اپنا پیشوا سمجھا جائے، نہ یہ کہ ان کو اس عالم میں متصرف اور ظاہر و باطن کا عالم سمجھا جائے، یہ محض کفر و شرک ہے، مومن کا اس سے آلودہ ہونا کسی طرح درست نہیں۔

ترک بدعت کی تفصیل یہ ہے کہ تمام عبادات و معاملات اور امور معاش و معاد میں خاتم الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو پوری قوت اور بلند ہمتی سے پکڑنا چاہیے اور جو آپ کے بعد لوگوں نے بہت سی رسمیں ایجاد کرلی ہیں، مثلاً رسوم شادی، و ماتم قبروں کی زینت و آرائش، ان پر عمارتیں بنوانا، شادی کی تقریبات میں فضول خرچی و اسراف، تعزیہ سازی وغیرہ ہرگز

ان کو اختیار نہ کیا جائے اور حتی الامکان ان کے ازالے کی کوشش کی جائے، اولاً
خود ان کو ترک کیا جائے پھر ہر مسلمان کو ان سے اجتناب کی دعوت دی جائے،
جس طرح اتباع شریعت فرض ہے اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
بھی فرض ہے۔

ہندوستان میں اس وقت جاہل و مبتدع صوفیوں کے اثر، ہندوؤں کے اختلاط اور علماء و مشائخ کی چشم پوشی اور مصلحت کوشی کے نتیجے میں شرک و بدعات کی گرم بازاری تھی، ناموں میں، قسموں، نذر و نیاز میں، دعاء و التجا میں، قبور و مزارات پر، شادی و غمی اور تقریبات میں، حتی کہ مساجد کے اندر شرک داخل ہو گیا تھا، توحید خالص پر تو بر تو پردے پڑے ہوئے تھے، شرک کی شناعت کا احساس جاتا رہا تھا اور بڑے بڑے مشرکانہ فعل کی آسانی سے تاویل کر لی جاتی تھی، سید صاحبؒ کی اس صاف گوئی اور اعلان حق نے لوگوں کو چونکا دیا اور لوگوں کو عام طور پر اس مسئلے کی طرف توجہ ہوئی اور صدیوں کی عادات و رسوم کا پردہ چاک ہوا، مولانا ولایت علی صاحبؒ رسالہ ''دعوت'' میں لکھتے ہیں:

''گلی گلی شرک و بدعت کی تحقیق ہونے لگی اور پانچ پانچ سو برس کی رسومات بد جہان سے اٹھنے لگیں، اگر اس گروہ کا کوئی ادنیٰ مرید بھی ہے، تو اس کو بھی تین چیزیں لازم ہوتی ہیں: شرک سے بھاگنا، نماز کی قید، شرع کی تعظیم (۱)۔

شرک و بدعت سے دین کی تطہیر اور تحریفات کا ازالہ آپ کا ایک مستقل تجدیدی کارنامہ ہے، مولانا سخاوت علی صاحب مہاجر مکی جونپوریؒ رسالہ ''نصائح'' میں لکھتے ہیں:

''جیسا کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کو مکے والوں نے بدل ڈالا تھا، اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سیدھا کیا تھا اور تحریفات کو دور فرمایا تھا، ویسا ہی سمجھو کہ شریعت محمدیہ کو جاہلوں اور بدعتیوں نے بدل ڈالا اور حضرت مجدد وقت سید احمد امام دورہ دامت برکاتہ نے تحریفات اور بدعتوں کو دفع کیا، اب سلامت دین و ایمان اسی خاندان اور طریقہ محمدیہ میں ہے (۲)۔

---

(۱) رسالہ دعوت، صفحہ ۶۸ (۲) رسالہ نصائح، نصیحت اول

توحید وسنت کا یہ رنگ اتنا گہرا اور آپ کی بیعت وصحبت اس بارے میں اتنی مؤثر اور انقلاب انگیز تھی کہ جس نے ایک مرتبہ آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا، یا گھڑی دو گھڑی صحبت میں ٹھہر گیا، اس پر ایسا رنگ چڑھ گیا کہ کسی طرح نہیں اترتا تھا، بچے اور عورتیں بھی اس رنگ میں ایسی کامل تھیں کہ کوئی ان کو اس سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔

آپ سے بیعت وتعلق کا پہلا اثر عقیدے کی صحت وصفائی اور توحید وسنت میں پختگی کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا، اور وہ اثر اکثر متعدی اور بہت طاقتور رہا کرتا تھا۔

حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ چند روز آپ کے ساتھ سہارنپور میں رہے، لیکن ان چند دنوں میں وہ اس اثر سے اتنے متاثر ہوئے کہ وہ اس کے مستقل داعی بن چکے تھے۔

آپ نے اس زمانے میں اپنے خلیفہ میانجی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ کو جو اجازت نامہ لکھا ہے، اس کے لفظ لفظ سے یہ اثر ظاہر ہوتا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

از حاجی عبدالرحیم بخدمت میانجیو صاحب مہربان مخلصان میانجیو نور محمد صاحب، بعد سلام مسنون الاسلام مکشوف ضمیر آنکہ مدعائے ضروری آنکہ آں صاحب را اجازت است ہر کسے کہ ارادہ بیعت ازاں مہربان دارد، آں مخلص بہ دلجمعی تمام بیعت وتلقین بطالبین کردہ مانند، دریں امر ہرگز درگزر روا ندارند، ووسوسہ وخطرہ مخالف ایں معنی را اصلاً بدل راہ ندہند۔

وازاہم مقاصد واعظم مرادات آنست کہ انسان خود بذاتہ مستحکم علی الشریعۃ بظاہر وباطن ہر وقت ماند واز بدعت وشرک بہر کیف پاک باشد وہمچنیں برائے دیگر مومنین مخلصین اہتداء ملحوظ خاطر ماند اللہ بس! زیادہ خیریت والسلام۔

وشرک فقط ہمیں نیست کے غیر خدا را خدا گوید، بلکہ شرک را اقسام است شرك في العبادة، وآں آنست کہ افعال برائے تعظیم خدا مشروع اند برائے غیر خدا بعمل آرد، چنانچہ سجدہ، وشرك في العلم آں آنست کہ عالم غیب سوائے خدائے تعالیٰ دیگرے را داند، چنانچہ جہال ایں زماں می دانند، آنچہ می گویم پیر ما می شنوند، و شرك في القدرة وآں آنست کہ دیگرے را مثل قدرۃ خدائے تعالیٰ ثابت کند

مثلاً بگوید کہ ایں فرزند مرافلاں پیرزادہ دادہ است یارزقم فلاں پیرمی دہد۔

وبدعت آنست کہ درشریعت کہ از پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام ثابت گردیدہ برآں زیادتی کمی نماید چنانچہ سجدہ ورکوع درر کعت دومشروع اند، کسے سہ کند و فہمد کہ زیادۃ عبادت است ویا کمی کند چنانچہ یک رکوع یا سجدہ، وگوید کہ من عبادت کردم، ایں ہر دو عندالشرع مردوداند، فقط، از حکیم مغیث الدین سلام شوق مطالعہ بادواز کاتب الحروف امان اللہ سلام شوق مطالعہ باد!(۱)

حاجی عبدالرحیم کی طرف سے میانجیو صاحب کی خدمت میں مہربان مخلصان میانجیو نور محمد صاحب بعد سلام مسنون الاسلام کے معلوم ہو کہ ضروری مدعا یہ ہے کہ آپ کو (بیعت لینے کی) اجازت ہے، جو آپ سے بیعت کا ارادہ کرے، آپ پورے اطمینان قلب کے ساتھ طالبین کو بیعت وتلقین فرمائیں، اس معاملے میں ہرگز تکلف سے کام نہ لیں اور کسی مخالف وسوسے اور خطرے کو دل میں جگہ نہ دیں۔

اہم مقصد ومطلوب یہ ہے کہ انسان خود بذاتہ شریعت پر ثابت قدم ظاہراً وباطناً ہر وقت رہے اور ہر طرح کے شرک وبدعت سے پاک رہے، اسی طرح سے دوسرے مومنین ومخلصین کی ہدایت اس کے پیش نظر رہے، زیادہ خیریت، والسلام۔

یادرہے کہ شرک فقط یہی نہیں ہے کہ غیر اللہ کو خدا کہے، شرک کی کئی قسمیں ہیں: شرک فی العبادۃ، وہ یہ ہے کہ جو افعال خدا کی تعظیم کے لیے مقرر کیے گئے ہیں ان کو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے بجالائے جیسے سجدہ، شرک فی العلم، اور وہ یہ ہے کہ سوا خدا کے کسی اور کو عالم الغیب سمجھے جیسے کہ اس زمانے کے جہلاء سمجھتے ہیں، مثلاً ہم جو کچھ کہتے ہیں ہمارا پیر سنتا ہے شرک فی القدرۃ، اور وہ یہ ہے کہ دوسرے کے لیے اللہ تعالیٰ کی سی قدرت ثابت کرے مثلاً یوں کہے کہ میرا یہ

(۱) رسالہ انوار محمدی از مولانا شیخ محمد تھانویؒ، مطبوعہ ضیائی ۱۲۹۱ھ

لڑکا فلاں پیرزادے کا عطا کیا ہوا ہے یا میری روزی فلاں پیر دیتا ہے۔

اور بدعت یہ ہے کہ اس شریعت میں جو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت ہے کچھ زیادتی کمی کرے، چنانچہ رکعت میں ایک رکوع اور سجدے دو مشروع ہیں، کوئی تین کردے اور سمجھے کہ زیادتی عبادت ہے، یا کمی کرے، چنانچہ ایک رکوع اور ایک سجدہ کرے اور کہے کہ میں نے عبادت کی ہے یہ دونوں شرع کے نزدیک مردود ہیں، فقط حکیم مغیث الدین کی طرف سے اور کاتب الحروف امان اللہ کی طرف سے سلام شوق پہنچے۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے الفاظ ہیں:

''مجھ کو حضرت سید احمد صاحبؒ کے ساتھ اعلیٰ درجے کی محبت وعقیدت ہے، میں یہ جانتا ہوں کہ وہ اپنے پیر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بڑھ کر ہیں، باقی خدا جانے، کون بڑھ کر ہے، لیکن میرے دل میں ہمیشہ یہی آتا ہے، میں اپنے قلب کا مختار نہیں ہوں، یہ کچھ خدا کی طرف سے ہے، پھر میں یہ کہتا ہوں: اللہ (تعالیٰ) تو ہی جانے، میں مجبور ہوں، شاہ صاحبؒ کے پہلے بھی اس خاندان میں اتباع سنت تھا، مگر حضرت نے نہایت درجے کو اتباع کیا، ہندوستان میں نور پھیلا دیا، علماء کہتے ہیں کہ وہی کتابیں پہلے تھیں، وہی اب بھی ہیں، لیکن اب خدا جانے کیا بات ہوگئی، جو ان کی صحبت میں ایک گھڑی بیٹھا، اس میں وہی رنگ آ گیا(۱)''۔

''سید صاحبؒ توحید ورسالت واتباع سنت پر بیعت لیتے تھے اور بس، سید صاحبؒ اتباع سنت کے لیے از حد تاکید فرمایا کرتے تھے اور بدعت کے سخت ماحی اور مخالف تھے، مولانا عبدالحی صاحب سے ایک دن فرمایا کہ اگر کوئی امر خلاف سنت مجھ سے ہوتا دیکھو، تو مجھے اطلاع کر دینا مولانا نے فرمایا کہ حضرت، جب کوئی مخالف سنت فعل آپ سے عبدالحی دیکھے گا تو وہ آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہاں؟ یعنی ہمراہی چھوڑ دوں گا(۲)''۔

---

(۱) ارمغان احباب (سفرنامہ) مولانا سید عبدالحیؒ صاحب مرحوم ص ۱۳۵ (۲) تذکرۃ الرشید ص ۲۵، ۲۷۲

ایک دوسرے بزرگ کہتے ہیں:

"سب فضیلتیں ایک طرف اور یہ فضیلت ایک طرف ہے کہ سید صاحبؒ کے مریدوں میں ان کا رنگ ایسا جم جاتا تھا کہ پھر کسی طرح اس میں تغیر نہیں آتا تھا، بلا کی تاثیر تھی، ایک مرتبہ جس نے ان کی صحبت اختیار کرلی، وہ پھر انہیں کا دم بھرنے لگتا تھا، مرد تو مرد، عورتیں، جنھوں نے سوائے ایک بار کے کبھی ان کی زیارت نہیں کی، وہ ایسی پختہ ہوجاتی تھیں کہ پھر کسی طرح اپنے خیالات سے نہیں ٹلتی تھیں، میری والدہ سید صاحبؒ کی مرید تھیں، لیکن اس طور پر کہ جب سید صاحبؒ نانوتہ تشریف لے گئے اور عورتوں نے مرید ہونا چاہا تو ایک مکان میں وہ سب جمع کردی گئیں، سید صاحبؒ تشریف لائے اور دروازے سے پگڑی پھینک دی گئی، سبھوں نے اس کو تھام لیا اور توبہ کرلی، ان عورتوں پر اچھی طرح وعظ و پند کا بھی اثر نہیں پڑ سکا، لیکن باوجود اس کے میری والدہ عقائد صحیحہ پر ایسی پختہ تھیں کہ ان پر کسی کا جادو نہیں چل سکا، پیرزادوں میں ان کی شادی ہوئی اور گنگوہ کے نہایت سخت پیرزادے سب ایک طرف، بلکہ والد ایک طرف اور وہ ایک طرف لیکن اگر اثر پڑا ہے، تو انہیں کا دوسروں پڑا ہے، ان پر کسی کا نہیں پڑا (۱)"۔

سید صاحبؒ نے اپنے حلقہ اثر میں رسوم شرک و بدعت کا بخوبی قلع قمع فرمادیا اور اچھی طرح سے اصلاح رسوم کی، بعض برادریوں میں ان رسوم غیر شرعیہ پر سزائیں اور تعزیرات مقرر ہوگئیں، سیکڑوں خاندانوں میں ان جاہلانہ رسوم کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا، سیکڑوں امام باڑے ٹوٹ گئے، بیسیوں مقامات شیعیت و بدعت تفضیل سے پاک ہوگئے۔

آپ نے اسلام کے عقائد صحیحہ کی تبلیغ اور توحید و سنت کی عالمگیر اشاعت فرمائی، ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوٹا، جہاں آپ کا فیض نہ پہنچا ہو، دہلی اور کلکتے کے درمیان سیکڑوں مقامات پر آپ نے خود دورہ فرمایا، مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب

---

(۱) ارمغان احباب ص ۱۳۹

کے مواعظ ہوئے اور اللہ کی حجت تمام ہوگئی، سندھ اور سرحد میں خود قیام فرمایا، حیدرآباد دکن، بمبئی، مدراس میں مولانا سید محمد علی صاحب رامپوریؒ ومولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادیؒ کو بھیجا، جنھوں نے وہاں قیام فرما کر اصلاح عقائد، واعمال ورسوم کا عظیم الشان کام انجام دیا، ہزاروں بندگان خدا اور سیکڑوں امراء ورؤساء واہل علم وفضل مستفید ہوئے اور توحید وسنت کا عام چرچا ہوگیا، پورب میں آپ کے خلفاء مولانا ولایت علی صاحبؒ ومولانا سخاوت علی صاحب جونپوری نے تبلیغ و ہدایت کے فرائض انجام دیے۔ بنگال میں مولانا کرامت علی صاحب کی کوششوں سے لاکھوں آدمی ہدایت یاب ہوئے۔

نیپال کی ترائی میں مولانا جعفر علی صاحبؒ نے روشنی پھیلائی۔

افغانستان میں بھی آپ کے خلیفہ مولوی حبیب اللہ صاحب قندھاریؒ سے اصلاح ہوئی، جن کے خلیفہ مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ سے پنجاب میں بڑی ہدایت اور روشنی پھیلی۔

ملک تبت میں بھی آپ نے تبتیوں کا ایک وفد تبلیغ و ہدایت کے لیے بھیجا اور مسلمانوں کی اصلاح ان کے سپرد کی، اول اول ان کی سخت مخالفت ہوئی، پھر ان کو بہت کامیابی اور ترقی ہوئی، ہزاروں آدمی ان کے حلقہ بگوش ہوگئے اور یہاں تک کہ انھوں نے اپنے چند آدمی تبلیغ کے لیے چین بھیجے (۱)۔

جاوا، بلغار، مراکش وغیرہ کے بھی بہت سے اہل علم وفضل نے آپ سے بیعت کی اور آپ نے ان کو اجازت دی، اس طرح آپ کا پیغام اور آپ کے دینی اثرات ان دور دراز مقامات پر بھی پہنچے۔

بعض مردہ سنتوں اور غیر مروج فرائض کا احیاء

تیسرا انقلاب یہ ہے کہ بعض ایسے اسلامی احکام، جو اس وقت معاشرت ورواج کے

---

(۱) وفد کو روانہ کرنے کا حال باب سوم میں گزر چکا ہے، میاں دین محمد صاحب، سید صاحبؒ کے خادم فرماتے ہیں کہ سرحد سے سید صاحبؒ کے پاس ایک مرتبہ میں ہندوستان آیا، تو دو مرتبہ انھیں لوگوں میں کے چند آدمیوں سے ملاقات ہوئی، انھوں نے اپنی کامیابی کی روداد سنائی اور کہا کہ اب ہم نے اپنے چند آدمی تبلیغ کے لیے چین بھیجے ہیں۔۱۲

زور سے قطعاً منسوخ ہوگئے تھے اور جن کے دوبارہ رائج ہونے کی بظاہر کوئی امید نہیں تھی، آپ کی ہمت اور کوشش سے دوبارہ رائج ومقبول ہوئے، بیوہ کا نکاح ثانی شرفاء وقت کی شریعت میں کفر وارتداد سے بڑھ کر تھا، جس کی سزا اکثر قتل اور ادنیٰ سزا مقاطعہ واخراج تھی، بارہا ایسا ہوا ہے کہ تلواریں کھنچ گئی ہیں، کشت وخون کی نوبت آگئی ہے بارہا گھربار چھوڑ کر جان بچانی پڑی ہے اور اس ''جرم'' کا مرتکب کبھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا ہے، سید صاحبؒ نے اس پر مسلسل وعظ فرمائے اور پھر خود اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کر کے اس کا دروازہ کھول دیا، پھر آپ کے متبعین نے آپ کی پیروی کی اور نکاح بیوگان کی رسم جاری ہوگئی۔

اسی طرح حج علماء کی تاویلوں سے اس فقہی عذر کی بناء پر کہ راستے میں امن نہیں ہے اور سمندر بھی ایک مانع شرعی اور "من استطاع اليه سبيلا" (۳:۹۷) کے منافی ہے، اس لیے فرض نہیں ہے، اور اس حالت میں حج کرنا فرمان خداوندی "ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة" (۲:۱۹۵) (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑا) کی مخالفت ہے، کچھ وقت کے لیے بالکل متروک یا بہت ہی کم ہوگیا تھا اور ایک بہت بڑا فتنہ پیدا ہوگیا تھا، مجدد وقت کے لیے اس کا انتظام کرنا اور احیاء سنت نہیں، بلکہ احیاء فرض کرنا ضروری تھا، چنانچہ آپ نے اس کی دعوت دی، مولانا عبدالحی صاحب ومولانا اسمٰعیل صاحب نے اس کی فرضیت کی فتویٰ دیا اور منکرین کے دلائل رو کے جس کی وجہ سے علماء میں کافی ہنگامہ پیدا ہوا، لوگوں نے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے دریافت کیا، شاہ صاحبؒ نے شیخین سے اتفاق کیا اور ان کے بے حد مدح فرمائی ۱۲۳۶ھ میں آپ نے سیکڑوں آدمیوں کے قافلے کے ساتھ بڑے اعلان اور شان وشوکت کے ساتھ حج کیا، آپ کا یہ سفر حج کی بہت بڑی تبلیغ اور اس کی فرضیت کا اعلان تھا، آپ جدھر سے جاتے تھے سیکڑوں آدمی آپ کے ہمراہ ہوجاتے تھے، اس سے لوگوں میں حج کا عام شوق پیدا ہوگیا اور اس کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھل گیا۔

اس کے علاوہ آپ نے مسلمانوں کی زندگی اور معاشرت میں انقلاب عظیم برپا کردیا، بیسیوں آداب واسلامی عادات معاشرت میں داخل ہوگئے اور ایک نئی نسل پیدا ہوگئی، جو اپنے اخلاق،

معاملات اور روزانہ زندگی میں تیرھویں یا چودھویں صدی کی نہیں، بلکہ قرن اول کی معلوم ہوتی ہے۔

سب سے بڑا مہتم بالشان اور انقلاب انگیز انقلاب جہاد کا احیاء ہے، جو اس دور میں باوجود انتہائی ضرورت اور حالات کے تقاضے کے بالکل فراموش ہو چکا تھا، وعظ، درس اور عمل، کسی جگہ بھی اس کا وجود نہ تھا، مدارس میں بقول حضرت شاہ اسمٰعیل شہید مسائل حیض ونفاس کے برابر بھی اس کی طرف توجہ اور اس کی اہمیت نہیں رہی تھی، مسلمان و غیر مسلم بھول چکے تھے کہ اسلام میں جہاد کا بھی حکم ہے مسلمانوں کے قویٰ مضمحل ہو رہے تھے، حوصلے پست ہو چکے تھے، فاتح اور زندہ اقوام کی خصوصیات رخصت ہو رہی تھیں حتیٰ کہ ہتھیار لگانا تقدس و مشیخیت کے خلاف سمجھا جانے لگا تھا اور انگشت نمائی ہوتی تھی، مسلمان کفر کا غلبہ اور اپنی مظلومی برداشت کرنے کے عادی ہوتے جا رہے تھے، جو نہایت مضر تھا، ہندوستان کے اس نازک ترین اور پر آشوب دور کا مقابلہ کرنے سے مسلمان غافل تھے، سید صاحبؒ نے اس زمانے میں جہاد کا نام لیا، علانیہ اس کی تعلیم وتبلیغ کی، منبروں پر بیان کیا، سارے ملک اور بیرون ملک میں اپنے داعی اور مبلغ بھیجے، سیکڑوں آتشیں خطوط لکھے، جن کا ایک ایک فقرہ شمشیر وسناں کا کام کرتا ہے، اہل ایمان کو غیرت دلائی، علماء کو ان کا فریضہ یاد دلایا، عوام وخواص کے دلوں پر اس کی دینی عظمت وتقدس کا نقش بٹھایا، علماء و شرفاء کو اس میں شریک کر کے لوگوں کی جھجک دور کی اور خود اس میں فنا ہو کر مشائخ و بزرگان امت کے لیے اسوہ چھوڑا، پھر جہاد کر کے سارے ہندوستان میں سرفروشی اور جانبازی کی روح پھونک دی اور ایک ایسی قوم پیدا کر دی، جس کے سر میں قرن اول کا نقشہ اور دلوں میں صحابہؓ کا سا ولولہ تھا، قلوب و ارواح کا یہ انقلاب عظیم، ہزاروں انسانوں میں موت کا یہ عشق اور سرفروشی کی یہ روح پیدا کرنا آسان کام نہیں، یہ امامت کا وہ منصب بلند ہے، جس کی حقیقت شاعر حکیم اقبالؔ نے بیان کی ہے:

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے — حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق — جو تجھے حاضر وموجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست — زندگی اور بھی تیرے لیے دشوار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے — فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

جماعت کی سیرت و اخلاق

سید صاحبؒ کا سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ آپ کی سب سے بڑی کرامت اور آپ کی زندہ یادگار آپ کی پیدا اور تربیت کی ہوئی، وہ بے نظیر جماعت تھی، جس کی مثال اتنی بڑی تعداد میں اور اس جامعیت و کاملیت کے ساتھ خیر القرون کے بعد بہت کم ملتی ہے، ان کی صحیح اور محتاط تعریف یہ ہے کہ وہ تیرھویں صدی میں صحابہ کرامؓ کا نمونہ تھے اور یہ کسی مسلمان فرد یا جماعت کے لیے آخری تعریف ہے، یہ لوگ بلا مبالغہ عقائد، اعمال و اخلاق، توحید، اتباع سنت، شریعت کی پابندی، عبادت و تقویٰ، سادگی اور تواضع، ایثار و خدمت خلق غیرت دینی، شوق جہاد و شہادت، صبر و استقامت میں مہاجرین کا نمونہ تھے، مولانا حالی مرحوم نے مسدس میں صحابہ کرامؓ کی نہایت سچی اور بولتی ہوئی تصویر کھینچی ہے، ان بزرگوں کا سراپا بھی اس سے زیادہ مکمل نہیں کھینچا جا سکتا اور یہ لباس صحابہؓ کے بعد ان کے بدن پر راست آتا ہے:

سب اسلام کے حکم بردار بندے سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبیؐ کے وفادار بندے یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے
رہ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشے میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکام دیں پر جھکا دینے والے خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا

جھگڑتے تھے، لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا　　خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا
یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی
نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت　　نہ پوشش سے مقصود تھی زیب وزینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت　　فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت
لگایا تھا مالی نے ایک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا
خلیفے تھے امت کے ایسے نگہباں　　ہو گلّے کا جیسے نگہبان چوپاں
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں　　نہ تھا عبد و حُر میں تفاوت نمایاں
کنیز اور بانوں تھیں آپس میں ایسی
زمانے میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی
رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی　　فقط حق پہ تھی، جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی　　شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی
جہاں کردیا نرم ، نرما گئے وہ
جہاں کردیا گرم ،گرما گئے وہ
کفایت جہاں چاہیے، واں کفایت　　سخاوت جہاں چاہیے وہاں سخاوت
جچی اور تلی دشمنی اور محبت　　نہ بے وجہ الفت ، نہ بے وجہ نفرت
جھکا حق سے جو، جھک گئے اس سے وہ بھی
رکا حق سے جو، رک گئے اس سے وہ بھی

تزکیہ واصلاح باطن

اسلام میں تزکیے کا مقام

قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اوصاف بیان کیے ہیں:

(۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ (۳) تعلیم کتاب وحکمت

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (الجمعۃ:۲)

''وہ جس نے بھیجا ان پڑھوں میں ایک پیغمبر انہیں میں کا، جو پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب وحکمت۔''

ان اوصاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص صفت آپ کی صفت تزکیہ ہے۔

تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ صرف پڑھ کر سنا دینے اور سمجھا دینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس تلاوت وتعلیم کا رنگ ان پر چڑھا دیتے ہیں، اس کتاب کو ان کے کانوں اور دماغوں سے گزار کر ان کے قلوب وارواح کو رنگین کرتے ہوئے ان کے اعضاء وجوارح سے جاری کر دیتے ہیں، یہی صفت آپ کو دنیا کے تمام واعظین ومعلمین سے ممتاز کرتی ہے کہ آپ واعظ ومعلم کے علاوہ ''مزکّی'' بھی تھے اور اسی لیے آپ دنیا کے سب سے کامیاب مرشد وہادی تھے، صحابہؓ کی حیرت انگیز روحانی، اخلاقی، ذہنی، عملی، تبدیلی اور اسلام کی ابتدائی کامیابی کا راز یہی تھا اور آج اسی کی کمی اسلامی زندگی کے ہر گوشے میں سب سے زیادہ نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔

دوست دشمن سب تسلیم کرتے ہیں، کہ آپ کی صحبت میں پارس کی تاثیر تھی، جس کو میسر آئی وہ کندن نہیں، بلکہ خود پارس بن گیا، بہائم انسان بن گئے اور انسان فرشتے، ان کی اعتقادی، اخلاقی، روحانی تربیت اتنی اعلیٰ اور مکمل ہوئی، جس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتی،

جو آپ کے پاس بیٹھا، آپ کے رنگ میں رنگ گیا، شریعت کے سانچے میں ڈھل گیا، اتباع شریعت بلا ارادہ ہونے لگا، طاعات آسان اور طبعاً مرغوب ہوگئیں، معاصی مکروہ اور طبعاً مبغوض ہوگئے، یہاں تک کہ امت کا صحابہؓ کے متعلق عقیدہ ہے کہ وہ سب کے سب عادل ہیں اور ادنیٰ صحابیؓ بھی بعد کے بڑے سے بڑے ولی اللہ سے افضل ہے۔

فوری تبدیلی اور باطنی تصرف کے واقعات سے بھی سیرت کی کتابیں بھری ہیں:

فضالہؓ بن عمیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ میں طواف فرما رہے تھے میں برے ارادے سے آیا، جب قریب ہوا، تو آپ نے فرمایا: ''فضالہ؟'' میں نے کہا: یا رسول اللہ فضالہ ہی ہے، فرمایا: ''کیا ارادہ کر رہے تھے''؟ میں نے کہا؟ کچھ نہیں، اللہ کا ذکر کر رہا تھا، آپ ہنسے اور کہا: فضالہ اللہ سے مغفرت چاہو، پھر آپ نے دست مبارک میرے سینے پر رکھ دیا، میرا دل ٹھہر گیا، خدا کی قسم ابھی آپ نے ہاتھ نہیں ہٹایا تھا کہ اللہ کی مخلوقات میں آپ سے زیادہ کوئی چیز میری نظر میں محبوب نہیں رہی، میں واپس گیا، تو وہ عورت ملی جس سے میں باتیں کیا کرتا تھا، اس نے کہا: آؤ فضالہ باتیں کریں، میں نے کہا: اسلام کے بعد یہ نہیں ہوسکتا(۱)۔

حضرت عمروؓ بن العاص کہتے ہیں کہ بیعت سے پہلے میری یہ حالت تھی کہ میری نظر میں آپ سے زیادہ مبغوض ہستی دنیا میں کوئی نہ تھی، اگر خدانخواستہ اس وقت مجھے موقع مل جاتا، تو اپنی عاقبت ضرور خراب کر لیتا، لیکن بیعت کے بعد میری نظر میں آپؐ سے زیادہ محبوب و محترم ذات دنیا کے پردے میں کوئی نہ تھی، یہاں تک کہ میں نظر بھر کر آپ کو دیکھ نہیں سکتا تھا، اگر مجھ سے کوئی آپؐ کا حلیہ پوچھتا، تو واللہ میں آپؐ کا حلیہ مبارک نہیں بتلا سکتا تھا، اس لیے کہ میں نے آپؐ کو نظر بھر کر دیکھا ہی نہیں تھا(۲)۔

---

(۱) زاد المعاد

(۲) مسلم: کتاب الایمان نیز ابی مخدورہ و ثمامہ بن اثال و ہند بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہم کے واقعات ملاحظہ ہوں۔

تزکیہ میں نیابت نبوت

آپ ؐ کے بعد آپ ؐ کی امت میں آپ ؐ کے ان اوصاف میں بہت سے لوگ علیٰحدہ علیٰحدہ اور بعض مجموعی طور پر آپ کے جانشین ونائب ہوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے بعض کے حصے میں تلاوت کتاب آئی، بعض کو تعلیم کتاب، بعض کو تعلیم حکمت سپرد ہوئی اور بعض کا منصب تزکیہ ہے اور بعض جامع اوصاف ہیں۔

صرف تلاوت کتاب کرنے والے حفاظ وقراء ہیں، تعلیم کتاب کی خدمت انجام دینے والے علماء ظاہر ہیں اور حکمت کی تعلیم دینے والے علماء باطن اور محققین صوفیہ ہیں اور تزکیہ کرنے والے آپ ؐ کی امت کے وہ اہل دل اور صاحب حال بزرگ ہیں، جو آپ ؐ کے انفاس وانوار کے وارث وحامل ہیں۔

انبیاء کی بعثت کا مقصد پورا کرنے کے لیے اور ان کی برکات پہنچانے کے لیے تزکیہ بھی اتنا ہی ضروری کام ہے جتنی کتاب وحکمت کی تعلیم یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ تعلیم ہے اور وہ تربیت اور تکمیل انسانیت کے لیے دونوں کی ضرورت ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے باوجود تزکیے کی کمی اسی طرح محسوس ہوتی ہے جس طرح کھانے میں نمک کی کمی اور دونوں کے نتائج میں وہی فرق ہے جو اکبر مرحوم نے بیان کیا ہے۔ ع

زباں گو صاف ہو جاتی ہے، دل طاہر نہیں ہوتا

اہل دل نے ہمیشہ یہ ضرورت پوری کی اور امت کی اصلاح اور دین کی خدمت میں علماء کا اچھی طرح ہاتھ بٹایا، دونوں نے مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل نیابت کا فرض انجام دیا ،علماء ظاہر سے اگر لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ؐ کی مرضی، اس کی خوشی وناخوشی کا حال اور شریعت کے احکام کا علم ہوا، تو ان بزرگوں سے حقائق شرعیہ اور حکم الٰہیہ کا علم اور احکام پر عمل کرنے کا شوق وولولہ مسابقت کا جذبہ، قلب میں تازگی ورقت، روح میں بالیدگی، طاعات میں سہولت واخلاص، تہذیب نفس اور طہارت اخلاق حاصل ہوئی، جن کو نصوص قرآن وحدیث میں لفظ ''احسان'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بعد میں اسی تزکیہ واحسان کو لوگوں نے تصوف، طریقت، علم باطن، سلوک، مختلف ناموں سے یاد کرنا شروع کیا، اسی وقت سے یہ بحثیں پیدا ہوئیں کہ یہ چیز بدعت ہے یا سنت، فرض ہے یا واجب، مستحب ہے مباح، اور شریعت وطریقت میں موافقت ہے یا مغایرت، پھر اس میں مختلف مذاہب اور گروہ ہو گئے، اور ایک بہت بڑا اختلافی مسئلہ بن گیا، رفتہ رفتہ ظاہر وباطن کی تقسیم ہوئی اور بہت سے لوگوں نے اس پر مصالحت کر لی کی شریعت وطریقت کی راہ الگ الگ ہے، رہنما الگ الگ ہیں اور رہ نوردا لگ الگ، حالانکہ یہ تقسیم سراسر بدعت ہے، لیکن اگر خیال رکھا جائے کہ تزکیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ وصف خاص ہے جس کو زبان وحی نے آپ کے اوصاف کے تذکرے میں کبھی نظر انداز نہیں کیا، تو یہ مباحث، جنھوں نے بہت کچھ تلخی پیدا کر لی ہے اور دو محترم گروہوں میں، جن میں سے ہر ایک کو دوسرے کی امداد کی ضرورت ہے، بہت ہی غیریت اور دوری پیدا کر دی ہے، از خود ختم ہو جاتے ہیں۔

لیکن جس طرح کتاب وحکمت کی تعلیم بعد میں ایک فن اور ''صناعت'' بن گئی اور اس کے لیے بہت سے علوم ومقدمات، کتابوں اور اساتذہ کا ایک پورا ضروری سلسلہ پیدا ہو گیا اور دین کے خادموں نے اپنے اپنے وقت میں اس میں پوری کوشش کی اور اہل حق نے اس کو بدعات میں شمار نہیں کیا، بلکہ خدمت دین اور قربت خداوندی کا ذریعہ سمجھا، اسی طرح تزکیہ بھی رفتہ رفتہ ایک فن اور صناعت ہو گیا، جس کے لیے تعلیم اور اساتذہ فن کی ضرورت ہوئی، نیز ہر زمانے کی صحت ومرض اور اہل زمانہ کے مزاج کے موافق ان اطباء امت نے قلوب وارواح کا علاج کیا اور وقتاً فوقتاً اس ''طب نبوی'' کی تجدید کرتے رہے۔

سید صاحبؒ بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، جو نہ صرف ایک شیخ طریقت ہی تھے، بلکہ مجدد طریقہ اور مجتہد فن بھی تھے۔

جہاد وقربانی اور اصلاح وانقلاب کے لیے تزکیے کی ضرورت

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سرفروشی وجانبازی، جہاد وقربانی اور اصلاح وانقلاب وتسخیر کے لیے جس روحانی وقلبی قوت، جس وجاہت وشخصیت، جس اخلاص وللّٰہیت، جس

جذب و کشش اور جس حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہے، وہ بسا اوقات روحانی ترقی، صفائی باطن، تہذیب نفس، ریاضت و عبادت کے بغیر نہیں پیدا ہوتی اس لیے آپ دیکھیں گے کہ جن حضرات نے اسلام میں مجددانہ یا مجاہدانہ کارنامے انجام دیے ہیں ان میں سے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے، ان آخری صدیوں ہی پر نظر ڈالیے امیر عبدالقادر الجزائری مجاہد الجزائر، محمد احمد السوڈانی (مہدی سودانی) سیدی احمد الشریف السوسی (امام سنوسی) کو بھی آپ اس میدان کا مرد پائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ مجاہدات و ریاضات، تزکیہ نفس اور قرب الٰہی سے عشق الٰہی اور جذب و شوق کا جو مرتبہ حاصل ہوتا ہے، اس میں ہر رونگٹے سے یہی آواز آتی ہے ۔

ہمارے پاس ہے کیا، جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں!

اس لیے روحانی ترقی اور کمال باطنی کا آخری اور لازمی درجہ شوق شہادت ہے اور مجاہدے کی تکمیل جہاد ہے۔

اب ہم سید صاحبؒ کے طریقے کی چند خصوصیات لکھتے ہیں اور اہل ذوق کو ''صراط مستقیم'' کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہیں، جو علم سلوک میں ایک انقلابی اور مجتہدانہ تصنیف ہے۔

سید صاحبؒ کے طریقے کی خصوصیات

(۱) پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانے میں اللہ کے یہاں آپ کا طریقہ سب سے زیادہ مقبول تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی ان دیار مشرقیہ میں اس میں منحصر تھی، چنانچہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ، جو اپنے وقت کے جلیل القدر شیخ و سالک اور سلسلہ چشتیہ میں بیعت مجاز تھے اور آپ کے سیکڑوں ہزاروں مرید تھے، فرماتے تھے:

''مجھے کسی سے سلوک میں رجوع کی ضرورت نہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اسی میں پاتا ہوں کہ میں سید صاحبؒ سے بیعت ہو جاؤں (۱)''

(۱) روایت حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۲) دوسری خصوصیت مشائخ وعلماء میں مقبولیت ہے، چنانچہ ہندوستان کا کوئی خانوادہ اور کوئی سلسلہ نہیں ہے، جس کے اکابر نے سید صاحبؒ کو اپنا بڑا نہ مانا ہو اور آپ سے استفادہ نہ کیا ہو، سلسلہ چشتیہ صابریہ کے دو نامور شیخ حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ اور آپ کے خلیفہ میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ آپ سے بیعت ہوئے اور آپ کے رنگ میں رنگ گئے، حاجی صاحب بیعت کے بعد ہمیشہ خدمت میں رہے یہاں تک کہ بالاکوٹ میں شہید ہوئے، اس سلسلے کے دوسرے حضرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ، اوران کی جماعت کا تعلق تو آپ سے ایسا تھا، جیسا کہ عاشق کو معشوق سے ہوتا ہے، شاہ ابوسعید صاحبؒ جو خاندان نقشبندیہ مجددیہ کے سلسلۃ الذہب کا ضروری حلقہ اور حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کے خلیفہ تھے، عرصے تک آپ کی خدمت میں رہے اور استفادہ کیا، سلسلہ قادریہ کے مشہور شیخ سید صبغت اللہؒ بن سید محمد راشدؒ نے، جن کا سلسلہ سندھ میں بہت مشہور ومعمور ہے، آپ سے استفادہ کیا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی حیات میں آپ کے خاندان کے اہل علم وفضل نے آپ سے بیعت کی، مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ، مولانا عبدالحی صاحبؒ، مولانا محمد یوسف صاحب پھلتیؒ کے علاوہ شاہ اسحاق صاحبؒ ومولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے استفادہ وباطنی تعلیم حاصل کی، اس کے علاوہ تمام مشائخ وعلماء آپ کی عظمت ومقبولیت آپ کے طریقے کی رفعت وفضیلت، آپ کی محبت اور آپ سے عقیدت پر متفق العقیدہ ومتفق اللسان ہیں، آپ کی محبت اہل سنت وصحیح الخیال جماعت کا شعار اور علامت بن گئی ہے اور آپ کے متعلق وہی کہنا بالکل صحیح ہوگا، جو بعض اہل علم نے آپ کے ہم نام امام احمدؒ کے متعلق کہا ہے:

اذا ارأیت الرجل یحب احمد بن حنبل فاعلم انه صاحب سنة

جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کو احمدؒ بن حنبل سے محبت ہے، تو سمجھ لو کہ وہ سنت کا متبع ہے

ایک دوسرے عالم کا قول ہے:

من سمعتموه یذکر احمد بن حنبل بسوء فاتهموه علی الاسلام

جس کو تم احمدؒ بن حنبل کا ذکر برائی سے کرتے سنو اس کے اسلام کو مشکوک نظر سے دیکھو۔

یہی حال اپنے زمانے میں سید صاحبؒ کا تھا کہ توحید و سنت کے بارے میں آپ کی دعوت آپ کا طرز عمل اور آپ کا مسلک اتنا واضح، نمایاں اور مشہور تھا کہ آپ سے تعلق و انتساب صاف صاف توحید و سنت سے محبت اور شرک و بدعات سے نفرت کی دلیل تھی اور آپ سے اور آپ کی جماعت سے عداوت وانکار اکثر حالات میں اس بات کی دلیل اور علامت ہوا کرتا تھا کہ توحید و سنت کی طرف سے دل میں کچھ کھوٹ اور ذہن میں کچھ الجھنیں ہیں، مولانا کرامت علی صاحبؒ نے اپنے رسالہ "مکاشفات رحمت" میں اپنے زمانے کی اسی صورت حال کو بیان کیا ہے:

"(سید صاحبؒ کے) طریقے میں جو جو برکتیں اور باطنی خوبیاں ہیں، سو وہ تو ہیں، ظاہر میں بھی ایک بہت ہی عجیب وغریب برکت موجود ہے، وہ یہ ہے کہ جو شخص ان کے طریقے میں بیعت ہونے کا ارادہ کرتا ہے، وہ پہلے ہی بت پرستی اور شرک اور بدعت اور ڈھول باجے، ناچ تماشے کے چھوڑنے پر مضبوط ہو لیتا ہے، تو حقیقت میں سید صاحبؒ کے طریقے میں داخل ہونا اس ملک میں اسلام کی نشانی ہے"۔(۱)

آگے چل کر اسی رسالے میں فرماتے ہیں:

"(جس شخص نے) حضرت سید صاحبؒ کے قافلے کو دیکھا ہوگا، وہاں کی جمعے اور جماعت کی رعایات اور سارے احکام شرعی کی قید اور تاکید کو دیکھا ہوگا، اس کے دین و مذہب کی مضبوطی کو دیکھا ہوگا، ان لوگوں کی خاکساری اور مراقبے اور توجہ کی تاثیر کو دیکھا ہوگا، ان لوگوں کے گھاس لانے، لکڑی چیرنے، بوجھ ڈھونے کو دیکھا ہوگا، اس بات کو دیکھا یا سنا ہوگا کہ اس قافلے میں پیر مرید، پڑھے ان پڑھے ان کاموں میں سب برابر تھے اور سب کی ایک رائے تھی اور ان کے جہاد کرنے کی ہمت اور قوت اور ثابت قدمی کو دیکھا یا سنا ہوگا،

---

(۱) مکاشفات رحمت، صفحہ ۲۴

وہ شخص پہچانے گا کہ حضرت سید صاحبؒ کیسے بزرگ تھے اور اس شخص پر صاف کھل جائے گا کہ ایسے پکے مسلمان کا دشمن اور حاسد سوائے کافروں اور منافقوں کے کوئی نہیں ہوتا(۱)"

(۳) تیسری خصوصیت آپ کی عجیب وغریب تاثیر اور انوار و برکات ہیں، حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ بایں جلالت قدر و کمال روحانی فرماتے ہیں:

"جب مجھ کو حضرتؒ سے بیعت نہ تھی اور اپنے مشائخ کے طور وطریق پر تھا، چلہ کشی کرتا تھا، جو کی روٹی کھاتا تھا، موٹے کپڑے پہنتا تھا، میرے صدہا مرید تھے اور جو درویشی کا طالب میرے پاس آتا اس کو تعلیم کرتا تھا اور کسی سے کچھ غرض نہیں رکھتا تھا، جو کوئی اپنے مطلب کے لیے دو چار کوس یا دو ایک منزل لے جانے کی درخواست کرتا، للّٰہ فی اللّٰہ چلا جاتا تھا اور میری نسبت کا یہ طور تھا کہ اگر آدھ کوس یا کوس بھر سے کسی پر توجہ کی نظر ڈالتا تھا، تو اسی جگہ اس کو حال آجاتا اور بعض بعض باتیں مجھ میں اس سے بڑھ کر تھیں اور میں اپنے اس حال میں بہت خوش تھا اور میرے مریدوں میں بعض بعض صاحب تاثیر تھے، باوجود ان سب باتوں کے جب اللہ تعالیٰ نے ان سید صاحبؒ کو سہارنپور پہنچایا اور مجھ سے ملایا اور مجھ کو توفیق دی کہ میں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور ان کا طریقہ دیکھا، اس وقت اپنے نزدیک مجھ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں اس حالت میں مر جاتا، تو میری موت بری ہوتی، پھر میں نے اپنے سب مریدوں سے کہا کہ اگر تم اپنی عاقبت بخیر چاہتے ہو، تو اب دوسری مرتبہ ان سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کرو اور جو نہ کرے گا، وہ جانے، میں نے آگاہ کر دیا ہے، اس کا مواخذہ قیامت کے روز مجھ سے نہیں ہوگا، پھر دوبارہ سب نے بیعت کی، سو میں نے عیش و آرام اور ناموس و نام کو ترک کر کے سید صاحبؒ کے یہاں کی محنت، مشقت و تنگی و کلفت اختیار کی، اینٹیں بھی بناتا ہوں، دیوار

(۱) مکاشفات رحمت، صفحہ ۲٦

بھی اٹھاتا تھا، گھاس بھی چھیلتا ہوں، لکڑی بھی چیرتا ہوں اور ہر طرح کے کام
کرتا ہوں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کاروبار کی بدولت جو نعمت دی
اور خیر و برکت عطا کی، اس کے دسویں حصے کے برابر ان معاملات (سابقہ)
کی تمام خیر و برکت کو نہیں پاتا ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا، تو اس راحت کو چھوڑ کر یہ
محنت کیوں اختیار کی''؟

(۴) چوتھی اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی نسبت اور تزکیہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تزکیہ سے خاص مناسبت رکھتا تھا، چنانچہ آپ کے مریدین، خلفا و رفقاء میں اسی قسم کا رنگ اور اسی طرح کے انوار پیدا ہو جاتے تھے، جو حضرات صحابہ کرامؓ میں پیدا ہو گئے تھے۔

حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ سے کسی نے کہا کہ آپ تو بڑے باکمال آدمی ہیں، اور کمال باطن میں سید صاحبؒ سے گھٹے ہوئے نہیں، بلکہ بڑھے ہوئے ہیں، پھر آپ سید صاحبؒ پر اس درجہ کیوں مٹ گئے کہ آپ بھی مرید ہو گئے اور اپنے مریدوں کو بھی ان کا مرید کرایا؟ اس کے جواب میں حاجی صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے، مگر ہم کو نماز پڑھنی اور روز رکھنا نہ آتا تھا، سید صاحبؒ کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آ گئی اور روزہ رکھنا بھی آ گیا(۱)۔

غالباً یہی کچھ دیکھ کر حاجی صاحبؒ نے سید صاحبؒ سے بیعت ہو کر فرمایا تھا کہ:

''جب اللہ نے ان سید صاحب کو سہارنپور پہنچایا اور مجھ سے ملایا اور مجھ کو
توفیق دی کہ میں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپ کا طریقہ
دیکھا اس وقت اپنے نزدیک مجھ کو خیال ہوا کہ اگر میں مر جاتا، تو میری موت
بری ہوتی۔''

آگے فرماتے ہیں:

''اللہ نے اپنے فضل سے اس کاروبار کی بدولت جو دولت اور خیر و برکت
عطا کی، اس کے دسویں حصے کے برابر ان تمام معاملات کی خیر و برکت کو نہیں

---

(۱) امیر الروایات

پاتا ہوں۔"

اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی یہ تھی کہ آپ سید صاحبؒ سے بیعت ہو جائیں۔

یہ اثر آپ کے ان مریدین میں بھی منتقل ہوا جو سید صاحبؒ سے بیعت ہونے کے بعد آپ سے بیعت ہوئے، شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ فرماتے تھے کہ:

"شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ سے جو لوگ ان کے سید صاحبؒ سے بیعت ہونے کے بعد بیعت ہوئے، ان کی حالت نہایت اچھی تھی اور ان پر اتباع سنت نہایت غالب تھا، اور جو لوگ سید صاحبؒ کی بیعت سے پہلے بیعت ہوئے تھے ان کی حالت اس درجے کی نہ تھی۔

حافظ عبدالکریم صاحبؒ میاں محمد حسین صاحبؒ (سید صاحبؒ کے مرید) کے ایک مرید کہتے ہیں:

"میں نے میاں صاحب سے جب سے بیعت کی ہے، کبھی شرک و بدعت میں مبتلا نہ ہونے کا اتفاق نہیں ہوا، کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ دھوکے سے بدعت کا کوئی کام کر لیا ہو، پھر بعد کو معلوم ہوا کہ یہ بدعت ہے اور ندامت اٹھانی پڑی ہو(۱)"

(۵) پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے طریقے کو تمام بدعات سے پاک کیا اور ضروریات زمانہ اور طبائع کے مطابق اس میں اصلاح و ترمیم فرمائی۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

"سب مشائخ طبیب امت ہیں، اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے اعتبار سے انھوں نے طریق رکھے ہیں، سب کا مآل ایک ہے اور سب کا خلاصہ اتباع سنت ہے، بعد کو لوگوں نے بدعتیں داخل کر دی تھیں، ان کے مجدد حضرت صاحبؒ ہوئے(۲)"

---

(۱) ارمغان احباب، ص ۱۴۷ (۲) ارواح ثلثہ

مولانا نے دوسرے موقع پر مصلحین طریقت میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، مجدد الف ثانیؒ اور سید احمد صاحبؒ کا نام لیا ہے اور کئی مواقع پر سید صاحبؒ کو ان اکابر کے ساتھ مصلحین میں شمار کیا۔

صراط مستقیم

اس موقع پر سید صاحبؒ کے مجموعہ ملفوظات ''صراط مستقیم'' کا مختصر سا تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے، جس سے تزکیہ واصلاح باطن اور علم سلوک وتصوف میں آپ کا مرتبہ اور آپ کے اجتہاد تجدید کا مقام معلوم ہوسکتا ہے۔

یہ مجموعہ حضرت شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کا مرتب کیا ہوا ہے، اس کے دو ابتدائی باب مولانا عبدالحی صاحب بڈہانویؒ کے قلم سے ہیں(۱) سید صاحبؒ جو فرماتے تھے، اس کو شاہ صاحبؒ اپنے الفاظ وعبارت اور علمی اصطلاحات کے ساتھ لکھ لیتے تھے، پھر سید صاحبؒ اس پر نظر فرماتے تھے اور اصلاح وتصحیح کر دیتے تھے(۲) یہ ۱۲۳۳ھ کی تالیف ہے۔(۳)

تصوف ومعرفت اور اصلاح وتربیت باطنی کی کتابوں کے ذخیرے میں یہ کتاب اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے منفرد ہے اور ایک انقلابی کتاب کہی جاسکتی ہے، اس کا اندازہ پوری کتاب کے گہرے مطالعے اور اس فن کی دوسری کتابوں سے مقابلہ کرنے سے ہوسکتا ہے، یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ اشارات کے طور پر اس کے بعض تفردات لکھے جاتے ہیں:

(۱) حب عشقی اور حب ایمانی اور طریق ولایت اور طریق نبوت کی تشریح اور باہمی امتیاز پر جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ اس کتاب کے لطیف ترین مباحث اور سید صاحبؒ کے تفردات میں سے ہے، جو وجد انگیز معارف وحقائق سے لبریز ہے اور اس کتاب کے سوا اس تفصیل ووضاحت کے ساتھ کسی اور دوسری جگہ نہیں مل سکتا، دونوں محبتوں اور طریقوں کے وجوہ امتیاز، جداگانہ مویدات، آثار اور ثمرات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جن کے پڑھنے سے اسلام کا پورا روحانی نظام سامنے آجاتا ہے۔

---

(۱) صراط مستقیم ص ۴ (۲) صراط مستقیم ص ۴ (۳) صراط مستقیم ص ۹۵ مطبع مجتبائی دہلی

(۲) باب دوم میں بدعات سے اجتناب کی تاکید، طاعات ادا کرنے کے طریقے اور اخلاق کے مباحث میں بدعات کے سلسلے میں نہایت صفائی کے ساتھ اپنے زمانے کا جائزہ لیا گیا ہے اور اہل تصوف اور عوام کی ان بدعات کی مخالفت کی گئی ہے جو جاہلیت قدیمہ کی یادگار ہیں یا ہندوؤں اور شیعوں کی صحبت سے پیدا ہوئی ہیں، اخلاق کے مباحث میں نہایت حکیمانہ نکتے بیان کیے گئے ہیں اور تہذیب نفس اور اصلاح اخلاق کی مؤثر تدبیریں اور علاج تجویز کیے گئے ہیں۔

طاعات وفرائض کے تذکرے میں نماز، روزہ، حج وزکوۃ کے ساتھ پوری اہمیت کے ساتھ جہاد کی ترغیب وتحریض اور اس کے فوائد کا اظہار ہے، جو تصوف کی کتاب میں ایک غیر متوقع مضمون ہے، ان مضامین کے علاوہ سماع وغیرہ پر نہایت منصفانہ اور بے لاگ محاکمہ اور دوسرے فوائد ہیں۔

(۳) تیسرے باب میں سلسلہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور مجددیہ کے اذکار وتعلیمات ہیں، جن میں اجتہاد وتجدید سے کام لیا گیا ہے اور ان کو زیادہ مؤثر اور مفید بنادیا گیا ہے۔

(۴) چوتھا باب طریق سلوک راہ نبوت کی تفصیل وتشریح پر ہے، جو سید صاحبؒ کا الہامی مضمون ہے اور جس کے آپ امام ہیں، یہ ایک مستقل "طریقت" اور "سلوک" ہے جس کو آپ نے پورے طور پر مرتب اور مکمل کر دیا ہے۔

کتاب پڑھنے والے پر چند اثرات لازمی طور پر پڑتے ہیں، ایک امیت کے باوجود سید صاحبؒ کی حکمت وبصیرت اور شرح صدر، پڑھنے والا اپنے کو نکات وحقائق میں گھرا ہوا پاتا ہے، وہ ایک نکتے کا لطف نہیں لینے پاتا کہ دوسرا نکتہ اس کے سامنے آجاتا ہے اور وہ اپنے اوپر ایک وجد کی سی کیفیت پاتا ہے۔

دوسرا، سید صاحبؒ کی اعلیٰ درجے کی سلامت فہم اور سلامت طبع کا اثر پڑتا ہے، تصوف اور حقائق ومعارف کی دوسری کتابوں کے برخلاف اس کو اس میں کوئی پیچ وخم اور تکلفات نہیں ملتے۔

تیسرا، آپ کے مسلک کے اعتدال کا اثر پڑتا ہے، مختلف فیہ مباحث و مسائل میں افراط و تفریط سے پاک اور معتدل رائے آپ کی خصوصیت ہے۔

الحمد للّٰہ والمنہ

تمام شد

سیرت سید احمد شہیدؒ

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾ (سورۃ الاحزاب:۲۳)

’’ان ایمان والوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا، اسے سچ کر دکھایا۔ پھر ان میں کچھ وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے، اور کچھ وہ ہیں، جو (شہادت کے) مشتاق ہیں، اور انھوں نے ذرا سا بھی ردو بدل نہیں کیا۔‘‘

قلندراں کہ بہ تسخیر آب وگل کوشند
زشاہ باج ستانند وخرقہ می پوشند

بجلوت اند وکمندے بمہر و مہ پیچند
بخلوت اند وزمان و مکاں درآغوشند

بروز بزم سراپا چو پرنیاں وحریر
بروز رزم خود آگاہ وتن فراموشند

نظامِ تازہ بچرخ دو رنگ می بخشند
ستارہ ہائے کہن راجنازہ بر دوشند

(اقبالؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع ششم

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

ناچیز مصنف "سیرت سید احمد شہیدؒ" کا قلب اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر سے معمور ہے کہ اس کتاب کے چھٹے ایڈیشن کی نوبت آ گئی ہے، جس وقت یہ کتاب مصنف کے قلم سے نکلی تھی، اس وقت اس کا کوئی تصور بھی نہیں تھا کہ وہ اس قدر مقبول ہوگی، اور اس کے مواد و ضخامت میں اس قدر اضافہ ہوگا کہ وہ ۱۶×۳۰×۲۰ کی مختصر تقطیع کے ۲۰۶ صفحے سے ترقی کر کے ۸×۲۶ -۲۰ کے ایک ہزار صفحات سے تجاوز کر جائے گی، اس وقت مصنف کی عمر ۲۴-۲۵ سال سے زیادہ نہ تھی، اور حقیقت میں وہ اس عظیم موضوع اور اس عظیم شخصیت پر لکھنے کا اہل نہ تھا، لیکن شوق و ہمت اور سب سے بڑھ کر سعادت و توفیق ماہ و سال کی پابند نہیں ہوتی، یہ حقیقۃً مصنف کی پہلی تصنیف تھی، اور اس سے اس کی علمی و دینی تاریخ کا نیا دور شروع ہوتا ہے، اس کتاب کا خود اس پر جو احسان ہے اس کا تذکرہ کسی قدر تفصیل سے کتاب کے دیباچہ میں آ گیا ہے۔

بعض حالات اور مجبوریوں کی بنا پر کتاب کا پانچواں ایڈیشن جس کی اشاعت میں غیر معمولی تعویق ہوئی تھی، پاکستان میں شائع ہوا تھا، پہلی اور دوسری جلد کی اشاعت میں بھی بعض مجبوریوں کی بنا پر طویل وقفہ ہوا، اس روح پرور اور ایمان آفریں تاریخ کا ہندوستان کی سرزمین سے آغاز ہوا، یہ اس کا وہ عزیز سرمایہ ہے جس پر اس کو ملکیت کا دعویٰ اور افتخار کا حق ہے، اور وہ ۱۹۳۹ء میں پہلی بار یہیں سے شائع ہوئی تھی، اس لئے شائقین کی طلب، دوستوں کے اصرار، اور ضرورت کے احساس کی بنا پر دوبارہ یہیں سے شائع کی جا رہی ہے، اگر حالات اجازت دیتے اور اشاعت کا سامان مہیا ہوتا تو اس وقت تک اس کے اس سے کہیں زیادہ ایڈیشن نکل چکے

ہوتے، امید ہے کہ ہندوستان کے علمی ودینی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہوگی، اس کو ذوق وشوق سے پڑھا جائے گا اور اس سے ایمان وعمل میں اس طرح حرکت وحرارت پیدا ہوگی، جیسے اس کی اشاعت کے وقت پیدا ہوئی تھی۔

۱۹۳۹ء میں (جب اس کتاب کی پہلی مرتبہ اشاعت ہوئی تھی) اور ۱۹۷۷ء میں (جب اس کا چھٹا ایڈیشن نکل رہا ہے) کے حالات میں بہت بڑا فرق ہے، اس وقت اس کتاب کی اشاعت سے ہندوستان کی ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کی ایک کھوئی ہوئی کڑی دریافت ہوئی تھی، اور اچھے اچھے باخبر مسلمان اور اہل نظر بڑے تعجب سے کہتے تھے۔ ع

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی؟

اب جہاں تک اس تاریخ وداستان کا تعلق ہے، بے خبری اور خود فراموشی کے وہ پردے اٹھ چکے ہیں، نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کی بھی اس تاریخ کی طرف توجہ ہوگئی ہے، مختلف زبانوں میں کئی وقیع کتابیں اس موضوع پر شائع ہو چکی ہیں، جن میں اردو میں مولانا غلام رسول مہر مرحوم کی محققانہ کتاب ''سید احمد شہیدؒ'' (۱۔۲۔۳۔۴) اور حال میں محی الدین صاحب کی مورخانہ انگریزی کتاب ''سید احمد شہیدؒ'' (SAIYID AHMAD SHAHID) جس کی اشاعت کا شرف اسی ''مجلس تحقیقات ونشریات اسلام'' کو حاصل ہوا ہے، عربی میں خود مصنف ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' کے قلم سے ''اذاهبت ريح الايمان'' شائع ہوئی جس کے اس وقت تک تین ایڈیشن نکل چکے ہیں، مضامین اور تحقیقی مقالات کا سلسلہ اس کے علاوہ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر الٰہی نے ان نقوش کو جن میں خلوص اور خونِ شہادت کی سرخی تھی، زندہ وتابندہ رکھنے کا فیصلہ کر دیا ہے، اور اخلاص کا سفینہ اسی طرح سے بارہا ڈوب کر ابھرا اور ساحل مراد تک پہنچا ہے۔

مصنف بارگاہ الٰہی میں اس توفیق وسعادت پر حمد کناں وسربسجود ہے، اور اس کا قلم وقلب دونوں اس دعا میں شریک ہیں کہ ''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم''۔

ابوالحسن علی
ندوہ ووڈ میر نیویارک

۴؍رجب ۱۳۹۷ھ
۲۳؍جون ۱۹۷۷ء

شکر واعتراف

الحمد للہ کہ "سیرت سید احمد شہیدؒ" کی جلد اول، جو ولادت سے بیعت امامت تک کے حالات پر مشتمل ہے، ناظرین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، مصنف کو احساس واعتراف ہے کہ یہ کتاب غیر معمولی تاخیر سے شائع ہورہی ہے، اہل ذوق واہل خلوص کی ایک جماعت عرصے سے کتاب کی مشتاق اوراس کی اشاعت کی منتظر ہے، بعض احباب نے جس اشتیاق اور بے چینی کے ساتھ اس کتاب کا انتظار کیا، وہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت وسیرت سے والہانہ تعلق کے سوا کسی اور چیز کا نتیجہ نہیں، مصنف کو ان کے اشتیاق وانتظار کو دیکھ دیکھ کر اس کتاب کی اشاعت کی پرزور تحریک ہوتی رہی، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ یہ کتاب اتنی تاخیر سے شائع ہو، اور ارادۂ الٰہی انسانی ارادے پر غالب آ آ کر انسان کی بے بسی اور بے چارگی کے ثبوت فراہم کرتا رہے۔

لیکن کتاب جس شکل میں شائع ہورہی ہے، اوراس عرصے میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تکمیل کے لئے جو جو غیبی سامان مہیا کئے ان کو دیکھتے ہوئے قلب اللہ تعالیٰ کی حمد سے معمور اور زبان اس کے شکر میں مشغول ہے۔ "الحمد للّٰہ الذی بعزته و جلاله تتم الصالحات"۔

کتاب اپنے علمی مواد اور تحقیقی مباحث کے علاوہ متعدد تاریخی دستاویزوں اور تصاویر سے مزین ہے، دو نقشے بھی شامل کتاب ہیں، ان نقشوں میں چھوٹے سے چھوٹے مقامات کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے، پھر ملک کی سیاسی تقسیم اور ۱۸۲۱ء اور ۱۸۲۶ء میں، جن میں سفر حج اور سفر ہجرت بالترتیب پیش آئے تھے، ہندوستان کی سیاسی حالت اور مختلف رنگوں میں اس کے مختلف علاقے دکھائے گئے ہیں، ان نقشوں کی تیاری میں ان نادر اور بیش قیمت تاریخی نقشوں اور تاریخی کتابوں سے مدد لی گئی ہے، جو لاہور کے علمی ذخیرے میں دستیاب ہوسکی ہیں، یہ نقشے بجائے خود اس

کتاب کے لئے ایک بڑی زینت اور اہل علم کے لئے ایک نادر تحفہ ہیں، امید ہے کہ ان پر نظر ڈالنے سے ہندوستان کا قدیم سیاسی مرقع سامنے آجائے گا اور ایک ہی نظر میں سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء کی بلند ہمتی، جفاکشی، اولوالعزمی اور دلی لگن کا اندازہ ہو جائے گا، جنھوں نے اس ہفت خواں کو سر کیا، ان کے سفر ہجرت کے طویل لیکن نورانی خط نے اس برعظیم کے تین گوشوں کو اس طرح اپنے دائرے میں لے لیا ہے، جس طرح سمندر کسی جزیرہ نما کے تین حصوں کا احاطہ کر لیتا ہے۔

اپنے محسنوں اور عنایت فرماؤں کا شکریہ مصنف کے لئے ہمیشہ سعادت و مسرت کا موجب رہا ہے، دیباچہ تحریر کرنے کے بعد بھی بعض احباب نے اس کتاب کی طباعت و تکمیل میں اعانت فرمائی، مصنف اس عزیز فہرست میں بڑی مسرت کے ساتھ مہر محمد صاحب (ساکن لاوا، ضلع اٹک) اور سید انور حسین نفیس رقم صاحب سیالکوٹی کا اضافہ کرتا ہے، مہر محمد صاحب نے سنگ سازی کی پڑتال میں نہایت قابل قدر مدد دی اور اپنے عزیز وقت کا بڑا حصہ بڑے انہماک کے ساتھ صرف کیا، نفیس رقم صاحب نے سرورق کے صفحات اور آیات و اشعار، نیز نقشوں کے اسماء کی کتابت میں بڑے ذوق سے حصہ لیا اور ان کی مہارت فن اور نفاست قلم نے کتاب کے حسن میں گراں قدر اضافہ کیا، اسی طرح محترمی پروفیسر شیخ محمد ناظر صاحب، بی اے، آنرز (لندن) پی، ای، ایس ا ریٹائرڈ، سابق پرنسپل، سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کا شکریہ بھی واجب ہے، جن کی عنایت سے بعض نہایت نادر اور اہم نقشے دیکھنے میں آئے، جن سے ان نقشوں کی تیاری میں قابل قدر مدد ملی، اللہ تعالیٰ موصوف کو علمی خدمت کے لئے طویل حیات اور صحت عطا فرمائے، اسی طرح میں اپنے عزیز و مخلص دوست جناب رانا نور محمد صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے کتاب کی تیاری میں مدد دی اور لاہور کے قیام میں میری رفاقت فرمائی "جزاھم اللّٰہ خیرا"

اندازہ ہے کہ دوسرا حصہ زیادہ ضخیم ہوگا، وہ بیعتِ امامت کے بعد سے معرکۂ بالاکوٹ اور شہادت تک کے حالات پر مشتمل ہوگا، اس کتاب کا ایک اہم حصہ سید صاحبؒ کے اوصاف و اخلاق اور صفات و خصوصیات کا باب ہے، جو خاصی تفصیل کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے، اس کے علاوہ آپؒ کے تجدیدی و اصلاحی کارنامے، آپؒ کی جماعت کی سیرت و اخلاق،

خلفاء اور اہل ارادت پر مستقل ابواب ہیں، اللہ تعالیٰ سے امید اور اپنا اندازہ ہے کہ دوسرے حصے کی طباعت میں زیادہ تاخیر نہیں ہوگی، اور یہ حصہ توفیق الٰہی سے رجب ۱۳۷۸ھ (جنوری ۱۹۵۹ء) میں شائع ہو جائے گا، "انشاء اللّٰہ تعالیٰ"۔

اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرمائے اور اس کے مصنف اس کے معاونین اور کتاب کے پڑھنے والوں کو اس حلاوتِ ایمانی اور حمیتِ اسلامی کا کوئی حصہ عطا فرمائے، جو صاحب سیرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا جوہر اور ان کے رفقاء کی متاعِ گراں مایہ تھی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

ابوالحسن علی کان اللہ لہ
۴۱/۴۸، ایمپرس روڈ، لاہور

۱۲/ربیع الاول ۱۳۷۸ھ
۲۶/ستمبر ۱۹۵۸ء

دیباچہ طبع چہارم

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ !

الحمدللہ کہ "سیرت سید احمد شہیدؒ" کی چوتھی اشاعت کی نوبت آرہی ہے، اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۹ء میں نکلا تھا، اس وقت سے اس وقت تک اصل کتاب میں اتنے اضافے ہو چکے ہیں کہ اس موجودہ ایڈیشن کو بعض حیثیتوں سے مستقل تصنیف کہنا بے جا نہ ہوگا۔

"سیرت سید احمد شہیدؒ" کی تالیف کا خیال کس طرح پیدا ہوا، اس کی تالیف کس طرح عمل میں آئی، اس کا پہلا ایڈیشن کن حالات میں شائع ہوا، اس کی تکمیل کا سامان کس طرح فراہم ہوا، یہ ایک مستقل داستان ہے، جس کا کتاب اور مصنف کتاب سے گہرا تعلق ہے، کچھ بے محل نہ ہوگا کہ مختصر طریقے پر یہ داستان بھی سنا دی جائے۔

راقم سطور نے جب ہوش سنبھالا اور عقل و شعور کی آنکھیں کھولیں تو خاندانی مجلسوں میں سید صاحبؒ کا ذکر خیر سنا، مجھے بزرگوں کی ان مجلسوں میں اس سن میں شرکت کرنے کا شرف حاصل ہوا، جس سن میں بچے عام طور پر ان مجلسوں میں شرکت کرنے سے گھبراتے ہیں، اس زمانے میں خاندان کے سب سے سن رسیدہ اور باوقار بزرگ مولوی سید خلیل الدین صاحب تھے، ان کے دادا مولوی سید سعید الدین صاحب مرحوم سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، مولوی سید سعید الدین صاحب کے بڑے بھائی مولانا سید محمد ظاہر حسنی سید صاحبؒ کے خلفاء میں تھے، سید خلیل الدین صاحبؒ نے دونوں کو دیکھا تھا، وہ بڑی عظمت و شغف کے ساتھ سید صاحبؒ کا تذکرہ کرتے تھے، جہاں تک یاد آتا ہے، سب سے پہلے انہیں مجلسوں میں

سید صاحبؒ کا نام نامی کان میں پڑا۔

سید صاحبؒ سے تعارف کرانے میں اور ان سے عقیدت اور ان کی عظمت پیدا کرنے میں سب سے بڑا حصہ میرے برادر معظم ومربی ڈاکٹر مولوی سید عبدالعلی صاحب مدظلہ کا ہے، جن کو سید صاحبؒ کی ذات سے والہانہ تعلق ہے، ابھی میں پڑھ ہی رہا تھا کہ رسالہ ''توحید'' امرتسر میں جو مولانا داؤد غزنوی کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا تھا، مولوی محی الدین احمد صاحب قصوری کا ایک سلسلہ مضامین نکلنا شروع ہوا جس کا عنوان غالباً ''تیرہویں صدی کا مجاہد اعظم'' تھا۔

بھائی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تربیت کا بڑا ملکہ عطا فرمایا ہے، انہوں نے مجھے اس مضمون کو عربی میں منتقل کرنے کا حکم دیا اور اس کے لئے مناسب ہدایات اور مشورے دیئے، میں نے عربی میں اس کا آزاد ترجمہ اور تلخیص کی اور اپنے فاضل استاذ ڈاکٹر تقی الدین الہلالی المراکشی کے مشورے سے علامہ سید رشید رضا مصری کی خدمت میں بھیج دیا، علامہ موصوف نے اس کو نہ صرف اپنے رسالہ ''المنار'' میں شائع کیا، بلکہ ''ترجمة السيد الامام احمد بن عرفان الشهيد'' کے نام سے اس کو علیٰحدہ رسالے کی شکل میں بھی کردیا، غالباً ۱۹۳۰ء کا واقعہ ہے، اس وقت میری عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی میں اس مقالے کی تحریر کے زمانے میں خود سید صاحبؒ کی عظمت اور مرتبے سے واقف نہ تھا، اور نہ میرا اس موضوع پر براہ راست مطالعہ تھا، یہ رسالہ کوئی بڑی علمی قیمت تو نہیں رکھتا، لیکن اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ وہ ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' کے سلسلہ تصنیف کی تمہید اور تقریب ہے۔

خاندان علم اللّٰہی کی جس شاخ سے مجھ ناچیز کا تعلق ہے، اس کو حضرت سید صاحبؒ سے روحانی طریقے پر بہت گہرا اور مسلسل تعلق رہا ہے، میرے ددھیالی اور ننھیالی بزرگ سید صاحبؒ ہی کے سلسلے سے وابستہ اور اس سلسلے میں صاحب اجازت ہوئے ہیں، والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ قلبی اور ذہنی طور پر سید صاحبؒ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے، مجھ پر سب سے گہرا اثر ان کی ایک قلمی کتاب ''ارمغان احباب'' کا پڑا، یہ ان کے اس سفر کا روزنامچہ ہے، جو انہوں

نے ۱۳۱۲ھ میں کیا تھا اس وقت تک سید صاحبؒ کے بعض دیکھنے والے بقید حیات تھے، اور وہ لوگ تو بکثرت تھے، جو سید صاحبؒ کے رفقاء و اصحاب کی صحبت سے مشرف ہوئے تھے، والد ماجد نے ان سے جو کچھ سنا بے تکلف اور سادے طریقے پر اس کو نقل کر دیا، اس سفرنامے میں بڑی حلاوت و سلاست ہے، خاص طور پر جہاں وہ سید صاحبؒ کا تذکرہ کرتے ہیں، وہاں بڑا ذوق پیدا ہوتا ہے، میرے دل و دماغ پر سید صاحبؒ کی غیر معمولی شخصیت کا سب سے گہرا نقش اسی سفرنامے کے مطالعے سے پڑا اور مجھے ذہنی و ایمانی لذت و حلاوت کا نمایاں طور پر احساس ہوا۔

اس وقت تک سید صاحبؒ کی سیرت و زندگی پر اردو میں صرف دو کتابیں معروف تھیں، ایک ''سوانح احمدی'' دوسری ''حیات طیبہ'' جو اصلاً مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی سیرت و حیات ہے، لیکن جس میں ضمناً سید صاحبؒ کا تذکرہ بھی آ گیا ہے، میری بد قسمتی یا افتاد طبع یا زمانے کا اثر تھا کہ ان دونوں کتابوں سے متاثر نہ ہو سکا، یہ دونوں کتابیں اگرچہ عقیدت مندانہ انداز میں لکھی گئی ہیں اور آخر الذکر کتاب میں خاصی انشاپردازی بھی ہے، لیکن دل نے ان کا کوئی اثر قبول نہیں کیا، ان دونوں کے مقابلے میں خود ''سوانح احمدی'' کے مصنف مولوی محمد جعفر تھانیسری مرحوم کی چھوٹی سی کتاب ''تواریخ عجیب'' جو ''کالا پانی'' کے نام سے معروف ہے، کہیں زیادہ مؤثر ثابت ہوئی، ان دو تین کتابوں کے علاوہ اردو میں کوئی اور کتاب اس موضوع پر اس وقت دستیاب نہ تھی، اچھے اچھے تعلیم یافتہ اصحاب کے معلومات سید صاحبؒ سے متعلق بہت ناقص اور سطحی تھے، ان کے متعلق عام تصور یہ تھا کہ وہ پچھلی صدی کے ایک صاحب کرامات شیخ طریقت تھے، جنہوں نے مجاہدین کی ایک جماعت مہیا کر کے رنجیت سنگھ کی سلطنت کے خلاف اعلان جہاد کیا اور چند معرکوں کے بعد اپنے مخلص رفیقوں کے ساتھ بالاکوٹ کے میدان میں شہید ہو گئے اور اس طرح ان کی مجاہدانہ سعی کا خاتمہ ہو گیا، سنجیدہ علمی اور سیاسی حلقوں میں ان کی ذات اور ان کی شخصیت اور کارناموں کا اس سے زیادہ بلند اور واضح تصور پایا نہیں جاتا تھا، اور نہ ان کی سیرت و حالات کی تحقیق و جستجو اور تبلیغ و اشاعت کی کوئی سنجیدہ کوشش و تحریک پائی جاتی تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مسلمانان ہند کا حافظہ رفتہ رفتہ اس عظیم شخصیت اور اس کے کارناموں کو فراموش کر دے گا۔

۱۹۳۵ء میں جب یہ راقم سطور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں خدمت تدریس انجام دیتا تھا، اور اپنے مخلص و فاضل دوست مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے ساتھ ایک ہی کمرے میں مقیم تھا، اس عزیز و محبوب موضوع پر اکثر گفتگو ہوتی، مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم خاندان صادق پور کے ذریعے سید صاحبؒ کی ذات سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، اپنی عربی تصنیف "حاضر الهند و غابرها" کے سلسلے میں وہ ہندوستان کی اسلامی تحریکوں اور احیاءِ دین کی کوششوں کے ضمن میں ہندوستان کی اس سب سے بڑی تحریک کا مطالعہ کر چکے تھے، انہیں مجلسوں اور مذاکرات میں میرے قلب میں سید صاحبؒ کی سیرت لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ مجھے اس کی سعادت بخشی جائے، میری زندگی کا حقیقۃً وہ نہایت ہی مبارک دن تھا، جب میں نے اس کام کا ارادہ کیا، اس لئے کہ اس سے میری زندگی کے نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔

۱۹۳۶ء کی گرمیوں کی تعطیل میں، میں اپنے محترم و محسن استاد مولانا حیدر حسن خاں شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کی دعوت پر ان کی معیت میں ٹونک گیا، جس سے ہمارے خاندان کے ایک صدی کے تعلقات تھے، اور جہاں سید صاحبؒ کے اخلاف اور ان کے خاندان کا ایک بڑا حصہ مقیم تھا، اس وقت سید صاحبؒ کی حیات و سیرت کا سب سے بڑا مواد و مسالہ وہیں تھا، میں نے وہیں اس کام کا آغاز کیا، میں مولانا کے ساتھ دریائے بناس کے کنارے چند روز کے لئے مقیم تھا، ایک روز آفتاب نکلنے سے پہلے اس دریا کے کنارے جہاں کبھی سید صاحبؒ کا قافلہ ٹھہرا تھا، اور ان کے پاکباز مجاہدوں نے اس کے پانی سے بارہا وضو کیا تھا، ایک پتھر پر بیٹھ کر اس سلسلے کا آغاز کیا۔

اس وقت تک میرے پیش نظر صرف یہ بات تھی کہ زمانے کے مذاق اور اسلوب کے مطابق شگفتہ زبان میں ایک مختصر سیرت مرتب کر دی جائے، جو اس گرامی شخصیت اور اس کی عظیم تحریک کے تعارف کا کام دے، اس وقت کچھ تو اپنی نوعمری اور تصنیفی ناتجربہ کاری کی وجہ سے (۱)

---

(۱) اس وقت مصنف کی عمر تیئس، چوبیس سال سے زیادہ نہ تھی اور یہ اس کی اولین تصنیف تھی۔

کچھ اپنی فطری عجلت کی بنا پر اس کی تصنیف کا بہت مختصر و محدود پیمانہ رکھا گیا، اس کا اندازہ ہی نہ تھا کہ یہ کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، اور مسلمانوں میں مخصوص سیاسی اسباب کی بنا پر سید صاحبؒ کی سیرت کے مطالعے کا ایسا شغف پیدا ہو گیا ہے، اور ان میں ایسی تشنگی ہے کہ بڑی سے بڑی ضخیم و مفصل کتاب بھی ذوق وشوق سے پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کا ذوق مطالعہ پھر بھی "ھل من مزید" پکارتا رہے گا۔

اس وقت ٹونک میں ہمارے خاندان میں، نیز ریاست کے کتب خانے میں، حالات وواقعات کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود تھا، اور وہ اپنی دسترس میں تھا کہ بڑی آسانی کے ساتھ ایک ضخیم اور مکمل سیرت تیار کی جاسکتی تھی، لیکن طبیعت پر کتاب کے جلد شائع کرنے کا تقاضا غالب تھا، اس بنا پر اس وسیع ذخیرے کو کھنگالنے کا وقت نہ نکالا جاسکا اور ان کتابوں کے اہم و مختصر اقتباسات پر اکتفا کی گئی، ٹونک سے واپسی پر کتاب کی ترتیب وتالیف کا کام جاری رہا، اس کی مشغولیت اتنے سرور وسکون کا باعث تھی، اور اس میں ایسا حظ وکیف محسوس ہوتا تھا کہ جب اس سے فراغت ہوئی تو ایک گونہ قلق ہوا، ۱۹۳۹ء میں "سیرت سید احمد شہیدؒ" کے نام سے یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے تقریباً چار سو صفحات پر شائع کر دی گئی، استاد محترم مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے از راہ شفقت اس پر مقدمہ تحریر فرمایا، جس میں نوعمر مصنف اور اس کی اولین کوشش کی فراخ دلی اور بزرگانہ شفقت کے ساتھ ہمت افزائی کی گئی۔

یہ کتاب اپنی تمام کوتاہیوں کے ساتھ پہلی کتاب تھی جو عصر حاضر کے مذاق کے مطابق شائع کی گئی اور اس میں سب سے پہلے سید صاحبؒ کی دعوت وتحریک کے وسیع تر اور بلند تر مقاصد کے پیش کرنے کی کوشش کی گئی، اور ان کی جماعت اور رفقاء کی ایمانی کیفیات، اخلاقی خصوصیات اور ان کی حیرت انگیز تنظیم وجدوجہد اور قربانیوں کی روداد پیش کی گئی، نیز اس میں پہلی مرتبہ یہ دکھایا گیا کہ سید صاحبؒ کا مقصود محض پنجاب میں مسلمانوں پر ظلم وستم کا سد باب کرنا نہ تھا، بلکہ خلافت اسلامیہ کا احیاء اور حکومت علی منہاج النبوۃ کا قیام وتاسیس تھا، اور ان کی کوشش کا میدان صرف پنجاب کی سکھ حکومت نہ تھی، بلکہ اصل مقصود وہ ہندوستان تھا جو اس وقت

انگریزوں کے اقتدار وتسلط میں آ گیا تھا، اس کتاب میں انگریزوں کے خلاف سید صاحبؒ کی جماعت کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور انگریزوں کے ظلم وستم اور انبالہ جیل اور انڈمان کے مظلومین کے صبر واستقامت کی داستان بھی سنائی گئی تھی۔

نومشق ونوعمر مصنف کو ہرگز اس کا اندازہ اور توقع نہ تھی کہ یہ کتاب جو اس عجلت میں لکھی گئی ہے ملک میں اس قدر مقبول ہوگی اور اس کا استقبال اتنی گرم جوشی سے ہوگا، مصنف کتاب کو اس بارے میں کوئی مغالطہ نہیں کہ یہ سید صاحبؒ کی مقبولیت اور ملک کے حالات کا اثر تھا، اہل علم واہل قلم نے تبصرے اور تقریظ، رسائل واخبارات نے نقل واقتباس اور اہل قلوب واہل خلوص نے خطوط کے ذریعہ ناچیز مصنف کی حوصلہ افزائی کی اور اپنے گہرے قلبی تاثر کا اظہار کیا، یہ کتاب مجالس اور مساجد میں بار بار پڑھ کر سنائی گئی، بہت سے لوگوں نے اسے اتنی بار پڑھا اور پڑھ کر سنایا کہ ان کو بعض مضامین اور حصے یاد واز بر ہو گئے، بہت تھوڑی مدت میں کتاب کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا، اور اہل شوق کی طلب باقی رہی، طباعت کی دشواری اور طوالت کی وجہ سے دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا اور اس کے ختم ہو جانے میں بھی دیر نہ لگی۔

ان دونوں اشاعتوں کے بعد تیسری اشاعت کا تقاضا پیدا ہوا اور اب جی چاہا کہ اس اشاعت کے موقع پر کتاب میں ضروری اضافہ کر دیا جائے اور قلمی ذخیرے کو جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے، اس غرض کے لئے دوبارہ پڑھا جائے اور اس سے پورا کار آمد مواد حاصل کیا جائے، اس غرض کے لئے مصنف نے ٹونک کا دوبارہ سفر کیا اور ۱۹۴۶ء میں ''وقائع احمدی'' کا موجود ذخیرہ اپنے اعزا اور اہل خاندان کے یہاں سے حاصل کر لیا، میں نے ''وقائع احمدی'' کے اس دفتر کو جو کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، لفظ بلفظ پڑھنا شروع کیا، جو وقت اس ذخیرے کے مطالعے اور تلخیص میں گزرا، وہ عمر کے بیش قیمت ترین لمحات میں سے تھا، قلب پر ان حالات وواقعات کا عکس پڑتا تھا، ان واقعات نے جو بالکل سادی پوربی اردو میں بیان کئے گئے تھے، بارہا دل کے ساز کو چھیڑا، بارہا قلب کو ایمانی حرارت بخشی، بارہا آنکھوں کو غسل صحت دیا اور اہل یقین ومقبولین کی صحبت کے جو اثرات بیان کئے گئے ہیں ان واقعات کے مطالعے اور ان

کتابوں کی ورق گردانی کے دوران میں ان کا بارہا تجربہ ہوا اور صاف محسوس ہوا کہ یہ وقت ایک ایمانی اور روحانی ماحول میں گزر رہا ہے، معلوم نہیں کہ ان اللہ کے بندوں کے انفاس قدسیہ اور ان کی صحبت میں کیا تاثیر ہوگی، جن کے واقعات کے مطالعے اور جن کے حالات کے اس دفتر پارینہ کی ورق گردانی میں یہ تاثیر ہے۔

اگرچہ اپنی مصروفیت، انتشار طبع اور انتشار اوقات کی وجہ سے مسلسل اور باطمینان اس کام کی تکمیل کا موقع نہ مل سکا، پھر بھی بڑا مواد فراہم ہوگیا، اور پھر قلب میں اس کی اشاعت کا تقاضا پیدا ہوا، کتاب سفر حج تک مکمل ہوئی تھی کہ ۱۹۴۷ء میں سفر حج پیش آ گیا، واپسی پر کتاب کی اشاعت کی کوشش کی گئی، اس وقت تک جنگ کے اثرات موجود تھے، کاغذ بڑا کمیاب تھا اور اشاعت وطباعت پر بڑی پابندیاں تھیں، بڑی کوشش سے ۱۹۴۹ء میں کتاب کا صرف پہلا حصہ شائع ہوسکا، جو سید صاحبؒ کے سفر حج تک کے حالات وواقعات پر مشتمل تھا، دوسرے حصے کی اشاعت کی نوبت نہ آئی، اس وقت تو اپنی اس مجبوری سے بڑی کوفت تھی، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی مصلحت تھی، کتاب اگر اسی وقت شائع ہو جاتی تو اس میں بڑے نقائص وخلا باقی رہ جاتے، اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اس کتاب کے سلسلے میں جو آخری تکمیلی کوشش ممکن تھی، وہ کرلی جائے اور کتاب اپنے اندازے اور امکان کے مطابق مکمل صورت میں شائع ہو۔

اس طویل عرصے میں ذہن اور ذوق جستجو اپنا کام کرتے رہے، اور نیا مواد اور مسالہ برابر ملتا رہا، پرانی قلمی تحریریں، یادداشتیں، دستاویزیں اور خطوط ایسی جگہوں سے اور اس طرح ملے کہ "یَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" (۶۵:۳) کی ایک تفسیر نظر آئی، ان تحریروں، دستاویزوں اور خطوط سے بہت سے واقعات کے سنین اور ان کا زمانہ متعین ہوا، جو پہلے متعین نہیں ہوسکا تھا، بعض واقعات کے سنین، جو میں نے یا دوسرے مصنفین نے متعین کئے تھے وہ غلط ثابت ہوئے، بعض نئے واقعات وتفصیلات کا علم ہوا "وقائع احمدی" سے استفادے اور اقتباس کا کام بھی جاری رہا۔

یہاں تک کہ مواد و معلومات کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ فراہم ہو گیا "منظورة السعداء" کا وہ حصہ جو مصنف کے چشم دید واقعات و مشاہدات پر مبنی ہے، پہلے نہیں مل سکا تھا، اس سے بھی استفادے کا موقع ملا اور اسطرح کتاب پہلی اشاعت کے مقابلے میں سہ چند ہو گئی۔

۱۹۵۴ء میں مولانا غلام رسول صاحب مہر کی کتاب شائع ہو گئی، جس کا اہل ذوق کو اور سب سے بڑھ کر اس راقم سطور کو برسوں سے انتظار تھا، مہر صاحب پندرہ بیس سال سے اس موضوع پر کام کر رہے تھے، ہم دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ پورا علمی تعاون کیا تھا، میرے پاس جو کچھ مآخذ و ذرائع معلومات تھے، جب کبھی ضرورت پیش آئی، مہر صاحب کی خدمت میں پیش کرنے میں کبھی تامل نہیں کیا، اسی طرح مہر صاحب نے اپنی علمی تحقیقات و جستجو کے نتائج سے فائدہ پہنچانے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا، وہ ایک کہنہ مشق اور پختہ کار مصنف و ادیب ہیں، اور خصوصیت کے ساتھ اس موضوع پر سند اور مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی کتاب، جس کے چار حصے شائع ہو چکے ہیں، توقع کے عین مطابق تھی، بلا تکلف کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت تک وہ سید صاحبؒ کی سیرت و تاریخ میں سب سے بڑی محققانہ اور مؤرخانہ تصنیف ہے، راقم سطور کو اس کتاب سے بڑی قیمتی مدد ملی، بہت سی چیزوں کی طرف اس کتاب سے رہبری ہوئی، اس نئے ایڈیشن میں اس سے استفادہ کیا گیا ہے۔

مہر صاحب کی کتاب کے شائع ہو جانے کے بعد بھی "سیرت سید احمد شہیدؒ" کی نئی اشاعت کا تقاضا اور اس کی ضرورت کا احساس باقی تھا، کسی موضوع پر کوئی تصنیف حرف آخر نہیں کہی جا سکتی، تحقیق اور جستجو کا کام برابر جاری رہتا ہے، اور ہر تصنیف و تحقیق کے بعد اہل طلب و اہل ہمت کے کانوں میں یہ صدا آتی رہتی ہے کہ ؎

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کار مغاں
ہزار بادہ ناخوردہ در رگِ تاکست

سید صاحبؒ کی سیرت اور ان کے حالات و واقعات کے سلسلے میں جو نیا مواد اور خاندانی تحریروں اور یادداشتوں کا جو نیا ذخیرہ حاصل ہوا، اس سے خود ان معلومات و واقعات کی

ترتیب اور سنین کی تعیین میں تغیر و تبدل ہوا، جو خود ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' کی پہلی اشاعتوں میں اور اب مہر صاحب کی کتاب میں اختیار کی گئی ہے۔

اس اشاعت کا ایک بڑا محرک یہ ہے کہ سید صاحبؒ کے حالات اور تذکرے کے وسیع کتاب خانے میں خصوصاً ''وقائع احمدی'' میں واقعات و روایات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے، جن میں وہ تاثیر، وہ دلآویزی اور وہ طاقت ہے، جو قرن اول کے بعد کسی تاریخ اور تذکرے میں نہیں ملتی، ایمان و یقین کے جذبات و کیفیات پیدا کرنے کے لئے، دینی جماعتوں کی اخلاقی و روحانی تربیت اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے ان کو بنیاد بنایا جا سکتا ہے اور ان سے بہت بڑا کام لیا جا سکتا ہے، یہ صرف ایک صدی قبل کے واقعات ہیں، اور ہمارے ہی ملک میں پیش آئے ہیں، اس لئے زمانے کے بُعد کا عذر بھی نہیں کیا جا سکتا، ایک ایسا مصنف جس پر تاریخی نقطۂ نظر غالب ہے، ان کو نظر انداز کر سکتا ہے، یا ان میں اختصار سے کام لے سکتا ہے، لیکن دعوت و تزکیہ کے نقطۂ نظر اور سید صاحبؒ کے اصل مقصد و مدعا کے لحاظ سے یہ واقعات ساری سیرت و تاریخ کا جوہر و روح ہیں، اس لئے ان کی بڑی سی بڑی مقدار بھی غیر ضروری اور زائد نہیں کہی جا سکتی، ناچیز مصنف نے ''وقائع احمدی'' میں سے ان مؤثر واقعات کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں انتخاب کیا اور ان کی زبان میں بھی کم سے کم تغیر کیا تا کہ ان کی سادگی و دلآویزی قائم رہے، مصنف نے اپنے قارئین کو اپنے تاثرات میں شریک کرنے کی کوشش کی ہے، اور ان مؤثر و دل نشیں واقعات کا ایک بڑا مجموعہ پیش کر دیا ہے جو آج بھی ایمان میں حرکت، دل میں حرارت اور آنکھوں میں اشک ندامت پیدا کرتا ہے۔

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چبھے دل میں، وہی تنکے لئے

اس کتاب کی اشاعت کا تیسرا محرک ذاتی و جذباتی ہے ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' اس بے بضاعت کی عزیز ترین متاع اور ایک بڑی محسن کتاب ہے، اس کم سواد نے ہزاروں صفحات سیاہ کئے اور بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کیں، لیکن جس ذوق و شوق سے یہ کتاب لکھی،

کوئی کتاب نہیں لکھی، اس کتاب نے کسی اور کو کوئی فیض پہنچایا ہو یا نہ پہنچایا ہو، اس نے خود اپنے مصنف کو حلاوت ایمانی سے لذت یاب کیا، اس نے ان اہل یقین اور ارباب عزیمت سے متعارف کیا، جن کی نظیر اسلام کی پچھلی صدیوں میں آسانی سے نہیں ملتی، پھر اسی کتاب نے اس دور کے ان اہل یقین تک پہنچایا، جن کو اس دولت سے حصہ ملا تھا، اور ان کے دلوں میں جگہ پیدا کی، اس کو مصنف کی خود غرضی کہیے یا جذبۂ شکر گزاری کہ وہ اس کتاب کو اپنے نقوش قلم میں اولین مقام دیتا ہے، اور چاہتا ہے کہ یہ نقوش بار بار تازہ اور روشن ہوں۔

یہ بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ مصنف نے کوشش کی ہے کہ صاحب سیرت اپنی اصلی صورت میں نظر آئے، اس نے نہ مشرقی سوانح نگاروں کی طرح رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، اور نہ مغربی مؤرخین کی تقلید میں خواہ مخواہ کتاب کو بے روح اور بے اثر بنانے کی کوشش کی ہے، نہ زمانے کے سانچے میں ڈھالنے کی سعی کی ہے، اور نہ کسی خواہش و تخیل کے ماتحت تاریخ سازی کا ارادہ کیا ہے، بلکہ روایات وواقعات کی زبان میں بھی کم سے کم تغیر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی بڑا فضل ہے کہ اس نے اس کتاب کی اشاعت کا بھی ایسا سامان فرمایا جو مصنف کے بس میں نہ تھا، ۱۳۶۹ھ کے سفر حج میں مدینہ طیبہ میں مولانا ظفر اقبال صاحب ایم، اے (ابن جناب غلام قادر فصیح صاحب مرحوم) سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اس تعلق وعقیدت کی بنا پر جو انہیں سید صاحبؒ، اور ان کی جماعت سے ہے، مجھ سے وعدہ لیا کہ ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' کی چوتھی اشاعت کا اہتمام اور ذمے داری ان کے سپرد کروں گا، مولانا کو اللہ تعالیٰ نے کتابوں کو صحت وتحقیق اور اعلیٰ معیار کے مطابق شائع کرنے کا خاص ذوق عطا فرمایا ہے، وہ ہر کتاب کو اس صحت واہتمام کے ساتھ شائع کرنا چاہتے ہیں، جو اہتمام صرف مذہبی صحیفوں کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے، انہوں نے اس کتاب کے سلسلے میں جو زحمت برداشت کی اور جو اہتمام فرمایا، وہ شکریے سے بالاتر ہے، اس کی جزا اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے، میں اپنے محترم عزیز و بزرگ مولانا حکیم سید حسن مثنیٰ صاحب رضوی امروہی کا شکریہ ادا

کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے خاندانی حالات کے سلسلے میں بعض قیمتی معلومات عطا کیں اور بعض غلطیوں پر مطلع کیا۔

ناچیز مؤلف خواجہ گلزار محمد صاحب (خلف الصدق جناب خواجہ دل محمد صاحب، ایم، اے) کا بھی شکرگزار ہے، جنہوں نے پورے اہتمام اور کمال قدردانی سے اس کتاب کو اپنے مطبع ''گلزار عالم پریس'' میں شائع کرنے کی ذمہ داری قبول فرمائی، نیز اس کتاب کے کاتب منشی جمیل احمد صاحب ''تنویر رقم'' کا بھی ممنون ہے، جنہوں نے نہایت ذوق وشوق سے فرائض کتابت ادا کیے اور اس سلسلے میں ایثار سے بھی دریغ نہیں کیا، عزیزہ رفعت اقبال ایم، اے (عربی واسلامیات) شعبہ علوم اسلامی، لاہور کالج فارووَمن، لاہور اور عزیزہ سعیدہ اقبال ایم، اے (علوم اسلامی) معلّمہ، لیڈی میکلیگن گرلز ہائی اسکول لاہور کا شکریہ بھی واجب ہے جنہوں نے کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح میں اپنے والد محترم مولانا ظفر اقبال صاحب کی قابل قدر امداد کی، اللہ تعالیٰ ان سب عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔!

اللہ تعالیٰ اس اشاعت کو بھی پہلی اشاعتوں کی طرح قبول فرمائے اور اسے مصنف و قارئین کرام کے لئے دینی ترقیات اور ایمانی کیفیات کے حصول کا ذریعہ بنائے۔!

۲۷/ جمادی الآخر ۷ے۱۳ھ
۱۹/ جنوری ۱۹۵۸ء

ابوالحسن علی
۳۲/ گلبرگ روڈ
لاہور، پاکستان

مسافرِ اسلام

ہندوستان کے غربت کدے میں!

از:——————مولانا سید سلیمان ندویؒ

صحیح حدیث میں ہے "اسلام کا آغاز مسافرانہ بے کسی میں ہوا اور پھر وہ مسافرانہ بے کسی میں ہوگا تو مسافرت کے بے کسوں کو مبارک باد ہو" اسلام کا آغاز اس وقت ہوا، جب حق کی آواز بند ہو چکی تھی، دین ابراہیم علیہ السلام کا وجود سایہ ہو کر رہ گیا تھا، کفر اور شرک کی تاریکی ہر طرف پھیلی تھی، نبوت کا نور چھ صدیوں سے زیر نقاب تھا، توحید کی دعوت ایک بیگانہ آواز تھی، جو مسافرانہ بے کسی کے عالم میں محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بلند ہوئی، پورب، پچھم، دائیں بائیں، ہر طرف اس صدائے حق کو اجنبی اور نا مانوس سمجھا گیا، آواز دینے والے نے حسرت سے چاروں طرف دیکھا اور ہر طرف اس کو وہی بیگانگی، اجنبیت اور مسافرانہ بے کسی کا منظر نظر آیا۔

رفتہ رفتہ یہ اجنبیت دور ہوئی، بیگانگی کافور ہوئی، آواز کی کشش اور نوائے حق کی بانسری نے دلوں میں اثر کیا، کان والے سننے لگے اور جو سننے لگے سر دھننے لگے، یہاں تک کہ وہ دن آیا کہ سارا عرب اس کیف سے معمور اور اس شراب سے مخمور ہو گیا اور اسلام کا مسافر اپنے گھر پہنچ کر اپنے عزیزوں اور دوستوں میں ٹھہر گیا۔

اب وہ قافلہ بن کر آگے چلا، عرب کے ریگستانوں سے نکل کر عراق کی نہروں اور شام کے گلستانوں میں پہنچا، پھر آگے بڑھا اور ایران کے مرغزاروں اور مصر کی وادیوں میں آکر ٹھہرا، اس سے آگے بڑھا تو ایک طرف خراسان و ترکستان ہو کر ہندوستان کے پہاڑوں اور ساحلوں پر اس کا جلوہ نظر آیا اور دوسری طرف افریقہ کے صحراؤں کو طے کر کے اس کا نور بحر

ظلمات کے کنارے چمکا۔

اب آہستہ آہستہ قافلے کے لوگ چھٹنے لگے، تماشائی تماشا کرتے دور نکل گئے، کتنے حسن ظاہر کے طلب گار اور طبعی مناظر کے شیفتہ ان تماشوں میں اپنے سفر کے مقصد کو بھول گئے، اور جہاں پہنچ گئے وہیں رہ گئے۔

اب وہ مسافر پھر تنہا تھا، اس کی آواز میں پھر بیگانگی آ گئی، صدائے حق صدا بصحرا ہوگئی، آخر قافلے کی بانگ دراخاموش ہوگئی اور کارواں یکسر خواب غفلت میں محو ہوگیا۔

اس غفلت کی نیند پر چار سو برس گزر گئے اور مسافر کے آغازِ سفر پر ہزاروں برس گزر رہا تھا، یہ اکبر کا دور تھا، جب عجم کے ایک جادوگر نے آکر بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دین عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہوگئی، اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہ امی کے ذریعہ نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین منسوخ ہوکر دینِ الٰہی کا ظہور ہو، مجوسیوں نے آتش کدے گرمائے، عیسائیوں نے ناقوس بجائے، برہمنوں نے بت آراستہ کئے اور جوگ اور تصوف نے مل کر کعبے اور بت خانے کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا، اس بیچ میل تحریک کا جو اثر ہوا اس کی تصویر اگر کوئی دیکھنا چاہے تو ''دبستان مذاہب'' کا مطالعہ کرے، کتنے زُنارداروں کے ہاتھوں میں تسبیح اور کتنے تسبیح خوانوں کے گلوں میں زُنار نظر آئیں گے، بادشاہی آستانے پر کتنے امیروں کے سر سجدے میں پڑے اور شہنشاہ کے دربار میں کتنے دستار بند کھڑے دکھائی دیں گے، اور مسجدوں کے منبر سے یہ صدا سنائی دے گی۔

تعالیٰ شأنہ، اللّٰہ اکبر!(۱)

یہ ہو ہی رہا تھا کہ سرہند کی سمت سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی ''راستہ صاف کرو کہ راستے کا چلنے والا آتا ہے'' ایک فاروقی مجدد فاروقی شان سے ظاہر ہوا، یہ احمد سرہندیؒ تھے، جہانگیر کے طوق وسلاسل نے بڑھ کر ان کے قدم لئے اور وہ شاہی قیدی کی حیثیت میں اسیر زنداں ہوئے، اس یوسف زندانی نے بھی یوسف کنعانی کی طرح ''ء ارباب متفرقون خیر ام

(۱) اس کی شان بلند ہے، اللہ اکبر

اللہ الواحد القہار"(۱) کا نعرہ لگایا، اس نعرے نے سوتوں کو جگادیا، مسافر اسلام کی درا کی دھیمی دھیمی آواز پھر سنائی دینے لگی۔

سرہند کے اس فاروقی مجدد کی آواز نے دلی کے ایک اور فاروقی خاندان کو گرما دیا یہ شاہ عبدالرحیم دہلویؒ تھے، جو عالمگیر کے معاصر تھے، ان کے صاحبزادے شاہ ولی اللہؒ ہوئے، جن کو ملت نے حکیم الامت کا خطاب دیا، یہ اس دوسرے دور کے مجدد ہوئے، اس دور میں جس کو ملا، ان سے ملا اور جس نے پایا، ان سے پایا۔(۲)

شاہ صاحب ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی، شاہ صاحبؒ کے اخلاف نے پوری صدی تک وہ چراغ ہدایت، جو ان کے پدر بزرگوار نے جلایا تھا، روشن رکھا، کتاب میں ان بزرگوں کے نام اکثر آئیں گے، اس لئے ان کا یہ شجرہ مع تاریخ وفات نظر کے سامنے رہے۔

---

(۱) جدا جدا معبود اچھے یا خدائے یگانہ و برتر؟ (۳۹:۱۲)

(۲) "تفہیمات الٰہیہ" میں شاہ صاحبؒ نے خود اس کی تصریح کی تھی، اور واقعہ نے اس کی تصدیق کی۔

شجرہ

شاہ وجیہ الدین فاروقی معاصر سلطان اورنگ زیبؒ

شاہ عبدالرحیمؒ
۱۱۳۱ھ

شاہ اہل اللہؒ (۱۱۸۷ھ) — شاہ ولی اللہؒ (۱۱۷۶ھ)

شاہ ولی اللہؒ کے فرزند:
- شاہ عبدالقادر (۱۲۳۰ھ)
- شاہ عبدالعزیز (۱۲۳۹ھ)
  - دختر (زوجۂ شاہ محمد افضلؒ)
    - شاہ محمد یعقوبؒ (۱۲۸۲ھ)
    - شاہ محمد اسحٰق محدث (۱۲۶۲ھ)
  - دختر (زوجۂ شاہ عبدالحیؒ ۱۲۴۳ھ رفیق شاہ اسمٰعیل شہیدؒ)
    - شاہ عبدالقیومؒ (۱۲۹۹ھ)
- شاہ رفیع الدینؒ (۱۲۳۳ھ)
  - شاہ مخصوص اللہؒ (۱۲۷۳ھ)
- شاہ عبدالغنیؒ (۱۲۲۷)
  - شاہ اسمٰعیل شہیدؒ (۱۲۴۶ھ)
    - شاہ محمد عمرؒ (۱۲۶۸ھ)
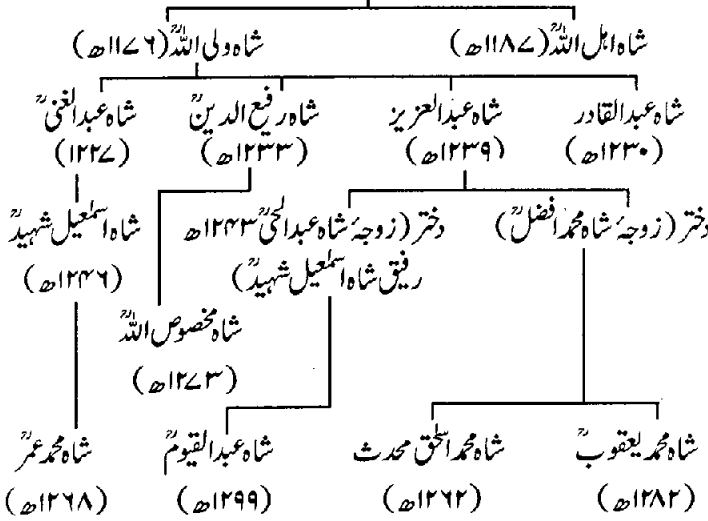
ایں سلسلۂ طلائے ناب است
ایں خانہ تمام آفتاب است

شاہ وجیہ الدین، جیسا کہ ان کے تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے سلطان اورنگ زیبؒ کی فوج میں تھے، اور جنگِ برادران میں بڑی بہادری سے اورنگ زیب کی طرف سے لڑے تھے، بادشاہ جب دکن میں ہنگامہ آرا تھے تو شاہ صاحب ممدوح بھی جہاد میں شرکت کے لئے دکن جارہے تھے، کہ راستے میں ڈاکوؤں سے لڑائی ہوئی اور شہادت پائی، شاہ عبدالرحیمؒ کے مجاہدانہ جذبات کا پتہ ان کے خطوط سے ملتا ہے، ان کے مکاتیب کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے

کتب خانے میں میری نظر سے گزرا ہے، اس میں ان کا ایک خط نظام الملک آصف جاہ اول کے نام ہے جس میں انہوں نے نواب مرحوم کو مرہٹوں سے جہاد کی ترغیب دی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کی تصنیفات کو پڑھ کر کوئی اس کا پتہ بھی نہیں پاسکتا کہ ان کے زمانے میں جو سیاسی انتشار اور پراگندگی تھی اس کا ان کی جمعیت خاطر پر کچھ بھی اثر پڑا ہے، مگر ذرا حجۃ اللہ البالغہ کے اس باب پر کوئی غور کی نظر ڈالے، جو بادشاہ اور ارکان حکومت کے فرائض پر لکھا ہے اور ''ازالۃ الخفاء'' میں خلافت اور امامت کا جو خاکہ کھینچا ہے، اس کو کسی نے ذرا گہری نظر سے دیکھا ہے، تو معلوم ہوگا کہ دادا نے جو نقشہ تیار کیا تھا، پوتے نے اسی نقشے کو اپنے خون سے رنگ کر تیار کرنا چاہا۔

شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی تعلقات تیموریوں کی گرتی ہوئی قوت کے ساتھ نہ تھے، بلکہ روہیلوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے ساتھ تھے، اور نواب نجیب الدولہ افغان کی سلک فضلا میں منسلک تھے۔ (۱)

مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدانہ کارنامے عالم آشکارا ہیں اور ان سے کتاب کے صفحات لبریز ہیں۔

مجدد سرہندیؒ اور مجدد دہلویؒ کے فضل وکمال اور مجاہدہ وحال کے دو آتشے سے رائے بریلی کے خم کدے میں ایک اور سہ آتشہ تیار ہوا، یہ سادات حسنی کا خاندان تھا، جس میں مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات کا فیض آکر مل گیا تھا، اس خاندان کا آغاز شیخ الاسلام امیر کبیر قطب الدین محمد مدنی سے ہوا، جنہوں نے ساتویں صدی ہجری کی ابتدا میں ہندوستان آکر کڑا مانک پور کے نواح میں، جو اس زمانے میں الٰہ آباد سے پہلے الٰہ آباد تھا، جہاد کیا۔

اس خاندان کے آخری مورث شاہ سید علم اللہؒ ہیں، جو عالمگیرؒ کے زمانے میں تھے، اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مشہور خلیفہ اور جانشین حضرت آدم بنوریؒ کے فیض سے مستفیض اور مشرق کے دیار میں ان کے خلیفۂ خاص تھے، اس خاندان کے ممتاز افراد مجدد دہلویؒ کے

---

(۱) ''جام جہاں نما''، قلمی، مولفۂ قدرت اللہ سنبھلی، تالیف ۱۱۹۱ھ موجودۂ کتب خانہ جامعہ ملیہ دہلی۔

فیض درس اور فیض صحبت سے سیراب تھے، اس طرح اس خاندان میں حضرت مجدد سرہندیؒ اور مجدد دہلویؒ کی برکتیں اور سعادتیں جمع ہوگئیں۔

تیرہویں صدی کا آغاز تھا کہ اس خاندان میں چودھویں کا چاند طلوع ہوا، یعنی ۱۲۰۱ھ میں مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی، چند سال کے بعد یہ چاند مجاہدہ وعرفان کا آفتاب بن گیا۔

کتاب کا موضوع اسی آفتاب عالمتاب کے انوار کمالات کی تابش وبینش ہے۔

نہ شبم، نہ شب پرستم کی حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم، ہمہ ز آفتاب گویم!

تیرہویں صدی میں جب ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت فنا ہو رہی تھی، اور دوسری طرف ان میں مشرکانہ رسوم وبدعات کا زور تھا، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد بریلویؒ کی مجاہدانہ کوششوں نے تجدید دین کی نئی تحریک شروع کی، یہ وہ وقت تھا، جب سارے پنجاب پر سکھوں کا اور باقی ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تھا، ان دو بزرگوں نے اپنی بلند ہمتی سے اسلام کا علم اٹھایا اور مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی، جس کی آواز ہمالیہ کی چوٹیوں اور نیپال کی ترائیوں سے لے کر خلیج بنگال کے کناروں تک یکساں پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق اس علم کے نیچے جمع ہونے لگے، اس مجددانہ کارنامے کی عام تاریخ لوگوں کو یہیں تک معلوم ہے کہ ان مجاہدوں نے سرحد پار ہو کر سکھوں سے مقابلہ کیا اور شہید ہوگئے، حالانکہ یہ واقعہ اس کی پوری تاریخ کا صرف ایک باب ہے۔

یہ مسلمانوں کی ایک عظیم الشان تحریک تھی، جس کی کھل کر پوری تاریخ لکھنی بھی اب سے پہلے مشکل تھی، اس کے متفرق مضامین رسالوں اور کتابوں میں بکھرے تھے، کچھ معلومات بزرگوں کے سینوں اور کچھ قلمی کتابوں کے دفینوں میں بند تھے، ان سب کو سمیٹ کر ایک دفتر میں فراہم کرنا بھی ایک کام تھا، ہم کو خوشی ہے کہ اس کام کے لئے بھی اس خانوادے کے ایک نوجوان کو جس کو علم وعمل اور فکر وذوق کی دولت سے حصہ وافر ملا ہے، توفیق بخشی گئی، مولوی سید

ابو الحسن علی حسنی ندوی، شیخ التفسیر، دارالعلوم ندوۃ العلماء نے بڑی کوشش سے ان متفرق معلومات کو یکجا کیا ہے اوراس طرح ترتیب دیا ہے کہ یہ تاریخی داستان کے بجائے نوجوان مسلمانوں کے لئے عملی روح کا سامان بن گیا ہے۔

ان مجاہدوں کی تاریخ بتائے گی کہ ان کی تحریک کا یہ ناکام انجام کیوں ہوا، واقعہ ڈھکا چھپا اور اسباب نامعلوم نہیں، وہی جماعتوں کا نفاق اور امراء کا اختلاف ان کی ناکامی کا سبب ہوا، جو ہمیشہ سے ناکاموں کی ناکامی کا سبب بنتا رہا ہے، پشاور کے پٹھان امراء اگر وفاداری سے کام لیتے تو آج ہندوستان کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔

اس تحریک نے اپنے پیروؤں میں للّٰہیت، خلوص، اتحاد، نظم، سیاست اور تنظیم کا جو جوہر پیدا کر دیا تھا، اس کے سمجھنے کے لئے کتاب کا چوتھا باب کافی ہے، بنگال کی سرحد سے لے کر پنجاب تک اور نیپال کی ترائی سے لے کر دریائے شور کے ساحل تک اسلامی جوش وعمل کا دریا موجیں مار رہا تھا، اور حیرت انگیز وحدت کا سماں آنکھوں کو نظر آرہا تھا۔

سید صاحبؒ کے خلفاء ہر صوبے میں اور ولایت میں پہنچ چکے تھے، اور اپنے اپنے دائرے میں تجدید، اصلاح اور تنظیم کا کام انجام دے رہے تھے، مشرکانہ رسوم مٹائے جارہے تھے، بدعتیں چھوڑی جارہی تھیں، نام کے مسلمان کام کے مسلمان بن رہے تھے، جو مسلمان نہ تھے، وہ بھی اسلام کا کلمہ پڑھ رہے تھے (۱) شراب کی بوتلیں توڑی جارہی تھیں، تاڑی اور سیندھی کے خم پھوڑے جارہے تھے، بازاری فواحش کے بازار سرد ہورہے تھے، اور حق وصداقت کی بلندی کے لئے علماء حجروں سے اور امراء ایوانوں سے نکل نکل کر میدان میں آرہے تھے، اور ہر قسم کی ناچاری، مفلسی اور غربت کے باوجود تمام ملک میں اس تحریک کے سپاہی پھیلے تھے اور مجاہد تبلیغ اور دعوت میں لگے تھے۔

کتاب (۲) میں پہلے چند ابتدائی عنوان ہیں، اور یہ کہنا چاہئے کہ کتاب کے پانچ سو صفحوں میں جو کچھ ہے اس کی روح انہیں چند ابتدائی عنوانوں میں کھینچ کر رکھ دی گئی ہے، اس کے

(۱) کہتے ہیں کہ اس تحریک سے چالیس ہزار مسلمان ہوئے۔

(۲) کتاب کا یہ تعارف کتاب کی پہلی اشاعت کے لئے لکھا گیا تھا، موجودہ ایڈیشن میں تغیر واضافہ ہوا ہے۔

بعد چار باب ہیں، پہلے باب میں اس تحریک کے بانی حضرت سید صاحب شہیدؒ کے حالات بچپن سے حج تک ہیں، دوسرے باب میں ان کے جہاد کے اغراض ومقاصد اور سفر جہاد کی پراثر کیفیتیں اور دشمنوں سے معرکہ آرائی کی تفصیلات اور شہادت کا حال لکھا ہے، تیسرے باب میں سید صاحبؒ کی تجدید امامت اور تزکیہ کے حالات ہیں، ساتھ ہی اس باب میں اصول تزکیۂ روحانی پر جو کچھ لکھا ہے، بہت خوب لکھا ہے، اور چوتھے باب میں جو آخری ہے، سید صاحبؒ کے خلفاء کی سوانح اور ان کے کارنامے ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ اس ایک آفتاب کے پرتو سے کتنے ذرے چمک اٹھے تھے اور اس گئی گذری حالت میں بھی طبیعتوں میں کتنی اچھی استعدادیں موجود تھیں۔

مصنف نے یہ کتاب بڑے وقت سے لکھی ہے، اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں رشد وہدایت اور عزم وہمت کا ایک صحیفہ دے دیا ہے، کیا عجب کہ مسلمان اس تاریخی موقع پر اس کتاب سے اصلاح وہمت کا فائدہ اٹھائیں اور اپنے ماضی کے آئینے میں اپنے مستقبل کی شکل وصورت دیکھیں۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

دار المصنفین اعظم گڑھ

۲۸/ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

کتاب کے مقاصد

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اس کتاب کی تالیف کے چند مقصد ہیں:

۱- ایک نہایت رنجدہ منظر یہ ہے کہ بہت سے ہمت وعزم کے جوان، قوت ارادی اور قوت عمل کے مالک بے توفیقی، کم نگاہی یا مسلمانوں کی بدقسمتی سے اپنی کارآمد قوتیں بیکار اور اکثر مضر چیزوں میں ضائع کر رہے ہیں، ان آوارگانِ فکر وعمل کو اگر صحیح راستہ نظر آجائے اور خدا کی توفیق سے اس پر قدم اٹھائیں، تو بہت جلد منزل تک پہنچ سکتے ہیں، اسلام کی خدمت اور نوع انسانی کی سعادت کا ایک ہی لائحہ عمل ہے، جو اس کتاب میں بتایا گیا ہے، اور وہ وہی ہے جس کے مطابق جناب رسول اللہ ﷺ، آپؐ کے خلفائے راشدین اور بعض مجددین امت نے عمل کیا، یعنی دنیا میں اسلامی شریعت اور خلافت کا صحیح نظام قائم کرنا اور اسلام کے اخلاقی، روحانی، مادی، سیاسی غلبے کی کوشش کرنا۔

اسی طرح سے مسلمانوں کی منزل مقصود کا بھی صرف ایک راستہ ہے، اور وہ وہی راستہ ہے، جس سے اس امت کا پہلا قافلہ منزل تک پہنچا "لَنْ يُّصْلِحَ آخِرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ اِلَّا مَا اَصْلَحَ اَوَّلَهَا" اس امت کے پچھلوں کی اصلاح صرف وہی چیز کر سکتی ہے جس نے اس کے اگلوں کی اصلاح کی تھی، یعنی دین خالص اور اس کی پیروی۔

۲- ہمارا مشاہدہ ہے کہ بہت سے سلیم الفطرت، خوش نیت، سادہ ذہن انسان اپنے ماحول کی مادیت اور جمود سے اکتا چکے ہوتے ہیں، روحانیت اور سکون قلب کے پیاسے ہوتے ہیں، فطری طور پر ان میں مذہب کے قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت ہوتی ہے، ایسے لوگوں کو جب پانی کا کوئی چشمہ نظر آتا ہے تو پیاسوں کی طرح اس پر گر جاتے ہیں، اکثر یہ چشمہ گندہ، اکثر

زہر آلود اور اکثر محض سراب ہوتا ہے، بہت بڑی انسانی خدمت ہوگی کہ ان پیاسوں کو صاف چشمے کے کنارے کھڑا کر دیا جائے کہ پیاسے کی پیاس بجھانا بڑا صدقہ ہے۔

بہت سے لوگ اپنی پستی، اور کمزوریوں کے معترف ہوتے ہیں، وہ اخلاق وعمل، ہمت وعزم، ایثار وقربانی، روحانیت وتقدس کا اپنے سے بلند نمونہ ڈھونڈتے ہیں، ان لوگوں کو ایسا نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا کم اتفاق ہوتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا ایسے لوگوں سے خالی ہے، اور ہمیشہ خالی رہی، جب اپنے سے کچھ بلند نمونہ دیکھ لیتے ہیں یا سن پاتے ہیں تو اپنے دل ودماغ اور اپنے ایمان واعتقاد کی ساری دولتیں آنکھ بند کر کے اس کی نذر کر دیتے ہیں، اس میں وہ طبقہ زیادہ مبتلا ہے جس کے متعلق شاعر نے کہا ہے۔

نوجواناں تشنہ لب، خالی ایاغ — شستہ رو تاریک جاں، روشن دماغ
کم نگاہ و بے یقین و نا امید — چشم شاں اندر جہاں چیزے ندید
ناکساں منکر زخود، مومن بغیر — خشت بند از خاک شاں معمار دیر

(جاوید نامہ)

میرے نزدیک غیر اسلامی تحریکوں کی کامیابی کا بڑا سبب (خصوصاً نوجوان طبقے میں) یہی ہے، اور اس کا سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ ان لوگوں کو انسانی عظمت اور اسلامی کمالات کے پہاڑ کی اس چوٹی پر کھڑا کر دیا جائے، جہاں سے ایسے تمام دعویدار اپنی پوری پستی میں نظر آئیں اور اس مقام سے مقام نبوت کی بلندی کا تصور کرایا جائے کہ جب نبیؐ کے ایک امتی اور خادم کا یہ مقام ہو سکتا ہے تو نبیؐ کا مقام کیا ہوگا۔

۳۔ انسان کی طبیعت پر جس قدر ایثار وقربانی اور سرفروشی کا اثر پڑتا ہے، کسی چیز کا نہیں پڑتا، اس کے سامنے پوری منطق اور تمام بحث واستدلال بے اثر ثابت ہوتا ہے، بڑے سے بڑا تن آسان اور عافیت کوش بھی ایسے لوگوں کا کلمہ پڑھتا ہے، اور اپنے دل کی گہرائیوں میں ان کی عقیدت اور عظمت محسوس کرتا ہے، ہمارے نوجوان دوسری قوموں اور اپنے ملک کے قائدین ومحبان وطن کے شاندار اور سحر انگیز سوانح اور تذکرے پڑھتے ہیں اور ان کے کارنامے اپنے کانوں سے سنتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو طبعاً متاثر ہوتے ہیں، اس کے مقابلے میں (اپنی خود فراموشی یا ناواقفیت سے) سمجھتے ہیں کہ ہمارے گھر میں اندھیرا ہے، اس کا اثر براہ راست مذہب پر

پڑتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ نوجوانوں میں سیاست کی راہ سے الحاد بڑی سرعت سے آرہا ہے، اس لئے سخت ضرورت ہے کہ اپنے ہی ملک کے ان دینی قائدین ومجاہدین کے حالات کی اشاعت کی جائے، جو قربانی اور سرفروشی میں بھی منزلوں آگے ہیں۔

۴۔ اردو میں صوفیہ ومشائخ کے تذکروں کی کمی نہیں، مجاہدین اسلام کے تذکروں کی کمی ہے، مگر وہ بھی معدوم نہیں، لیکن قرآن کی اشاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بعد صرف انہیں حضرات کی سیرت پورے طور پر مفید ہوسکتی ہے جو سیف وتسبیح کے جامع ہوں اور جن سے محبت وشوق الٰہی کے ساتھ حرکت وعمل کی قوت پیدا ہو۔

ایک عارف، ایک مصلح اور ایک مجدد کی حیثیت سے بھی یہ سیرت مکمل ہے، اور مسلمانوں کے ہر طبقے کے مطالعے کے لائق۔

نوجوانوں کو یہ پیغام دیتی ہے کہ وہ خود بدلنے کے بجائے زمانے کو بدلنے کی ہمت کریں۔

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانے نے تمہیں
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں!

سلطنتوں کو فتح کرنے کا حوصلہ رکھیں کہ نوجوانوں نے یہ بھی کیا ہے، جسم کی آرائش وزیبائش چھوڑ کر بزم جہاں کی آرائش کی فکر کریں اور دیکھیں کہ کیا چیزیں کم ہیں کہ پوری کردیں، کیا رخنے ہیں کہ بھر دیں، کیا چیزیں بے کار ہوگئی ہیں کہ نکال دیں۔

اہل خانقاہ اور مشائخ کو اس کا پیغام ہے کہ:

اے پیر حرم، رسم و رہِ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی، خودنگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انہیں فن شیشہ گری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارُو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا
(ضربِ کلیم)

۳۰؍ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ
(۱۵؍ دسمبر ۱۹۳۶ء)

دائرہ شاہ علم اللہ
رائے بریلی

کتاب کے مآخذ

سید صاحبؒ کی سیرت میں اتنی کتابیں، اور اس شرح وبسط کے ساتھ لکھی گئی ہیں جو غالباً کم ناموران اسلام اور مشائخ ومجاہدین کے حالات میں لکھی گئی ہوں گی، اس کے کئی سبب ہیں۔

ایک سبب تو یہ ہے کہ اس زمانے میں کتابت وتصنیف بہت عام تھی، اور سید صاحبؒ کے فوراً بعد آپؒ کے رفقاء ومعتقدین نے اس طرف توجہ کی، اس لئے ان کو زیادہ تر وہ چشم دید بیانات اور جزئیات وتفصیلات مل سکیں، جن کا بعد میں فراہم ہونا مشکل ہوتا ہے۔

دوسرے نواب وزیرالدولہ مرحوم والی ریاست ٹونک (۱) نے، جن کو سید صاحبؒ کے ساتھ عقیدت وارادت ہی نہیں عشق تھا، اس کام کے لئے اپنی ریاست میں سید صاحبؒ کے اعزا اور رفقا اور عوام کی ایک جماعت مقرر کردی تھی جس نے سید صاحبؒ کے حالات وواقعات کا ایک ضخیم دفتر تیار کر دیا۔

لیکن ان کتابوں کی موجودگی میں ایک ایسی نئی کتاب کی ضرورت پیش آئی۔

۱۔ جو ان سب کتابوں کو سامنے رکھ کر لکھی جائے۔

۲۔ جس میں سید صاحبؒ کی شخصیت وحیثیت اور آپ کے مقاصد وعزائم واضح کئے جائیں اور آپؒ کی عظیم الشان تحریک کے دینی وسیاسی اثرات وبرکات بیان کئے جائیں۔

۳۔ جس میں غیر ضروری جزئیات وتفصیلات اور محض کرامات کے بجائے

---

(۱) نواب امیر خاں بانی ریاست ٹونک (راجپوتانہ) کے فرزند ارجمند۔ پیدائش ۱۲۲۳ھ، مسند نشینی ۱۲۵۰ھ، وفات ۱۶ محرم ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۴ء

ضروری واقعات اور تاریخی اشارات ہوں، اور

۴۔ جس میں وہ مضامین و مباحث درج کئے جائیں، جو اقتضائے وقت اور مجبوری سے چھوڑ دیئے گئے تھے۔

جن کتابوں سے اس کتاب کے واقعات و مضامین ماخوذ ہیں، ان کے نام ضروری تفصیل کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

قلمی: ا۔ مآثر الابرار (فارسی)

مولانا شاہ اہل اللہؒ (برادر حضرت شاہ ولی اللہؒ) مولانا نور اللہؒ، مولانا شاہ محمد عاشقؒ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، اوران کے خاندان کے دوسرے اکابر نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے بعد حضرت شاہ سید ابوسعید رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام مفصل خطوط لکھے ہیں، جن سے اس زمانے کے بہت سے حالات اور خاندان کے اہم واقعات اور بزرگوں کے سنین وفات پر روشنی پڑتی ہے، اور شاہ ابوسعیدؒ کے اس خاندان سے تعلق اور ان کے مرتبے اور شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے، مولوی سید ابوالقاسم ہنسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان خطوط کو "مآثر الابرار" کے نام سے یک جا جمع کر دیا ہے، جو ہنوز غیر مطبوع ہے۔

۲۔ وقائع احمدی (اردو)

یہ کتاب اسی جماعت کا مرتب کیا ہوا مجموعہ ہے، جس کو نواب وزیرالدولہ مرحوم نے سید صاحبؒ کی وقائع نگاری اور تاریخ نویسی کے لئے مقرر کیا تھا، اس میں سید صاحبؒ کے بعض خاص اعزاء آپؒ کے رفقائے سفر و جہاد اور آپؒ کے خدام تھے، ہر ایک اپنی معلومات اور چشم دید واقعات بیان کرتا اور کاتب اس کو لکھ لیتا، یہ سید صاحبؒ کے حالات اور جنگی تفصیلات کا سب سے وسیع ذخیرہ اور معلومات کا سب سے بڑا مخزن ہے، پیش نظر کتاب کا بھی سب سے بڑا ماخذ ہے مؤلف کے پاس جو نسخہ ہے، وہ تین مرتب ضخیم جلدوں اور چند متفرق اور مکرر اجزاء پر مشتمل ہے یہ نسخہ مولانا سید عرفان، مولانا سید مصطفیٰ اور حافظ سید محمد یونس (نبیرگان حضرت سید صاحبؒ) کی

ملکیت ہے، اور عمہ محترمہ، اہلیہ سید عبدالحفیظ، دختر حافظ سید محمد یونس صاحبؒ مرحوم کی عنایت سے حاصل ہوا، اس نسخے کی پہلی جلد کے ابتدائی اوراق ناقص تھے، اس کی تکمیل ''وقائع احمدی'' کے اس نسخے سے کی گئی، جو سید نور احمد صاحبؒ پسر سید محمد اسحاق صاحبؒ مرحوم سے مستعار ملا اور وہ ''وقائع'' کی صرف پہلی جلد ہے۔

۳۔ منظورۃ السعداء (فارسی)

اس کتاب کا پورا نام "منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء" ہے ''تاریخ احمدیہ'' تاریخی نام ہے، جس سے تاریخ تالیف ۱۲۷۲ھ نکلتی ہے، یہ کتاب مولوی سید جعفر علی نقوی ساکن مجھوامیر (ضلع بستی) کی تالیف ہے، اور سید صاحبؒ کے حالات میں نہایت معتبر و مبسوط کتاب ہے مولوی سید جعفر علی، ان کے والد اور بھائی سید صاحبؒ سے وابستہ اور آپؒ کے مخلصین میں سے تھے، رمضان ۱۲۴۵ھ میں سرحد پہنچے اور اپنی علمیت اور تحریری قابلیت کی بنا پر منشی خانے سے وابستہ ہو گئے، جنگ بالاکوٹ میں شریک تھے، بالاکوٹ کے واقعے کے بعد ہندوستان تشریف لے آئے اور اصلاحی اور دعوتی کاموں میں مشغول ہو گئے (۱)، نواب وزیر الدولہ مرحوم کے عہد ریاست میں غالباً انہیں کی تحریک سے یہ کتاب لکھی، ۱۲۴۵ھ تک کے حالات میں ان کا ماخذ اور ذریعہ معلومات ''مخزن احمدی''، ''مکاتیب سید حمید الدین'' اور مجاہدین کے بیانات و روایات اور منشی خانے کے کاغذات ہیں، ۹ر رمضان ۱۲۴۵ھ سے ۲۴ر ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ تک وہ واقعات کے چشم دید راوی اور بہت سے موقعوں پر خود شریکِ واقعہ ہیں۔

اس کتاب کے متعدد نسخے مظفر جنگ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں (خلف نواب محمد علی خاں مرحوم) کے کتب خانوں میں دیکھے، مگر سب صرف حصۂ اول پر مشتمل تھے، مکمل نسخہ جو بالاکوٹ تک کے حالات پر مشتمل ہو، ٹونک میں نظر سے نہیں گزرا، ایک نسخہ جو حصۂ ثانی پر بھی مشتمل ہے، حافظ محمود خاں شیرانی ٹونکی مرحوم کو کہیں سے حاصل ہوا اور ان کے ذخیرۂ کتب میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں منتقل ہو گیا، یہ نسخہ بھی ناقص ہے، اس کے بعض اجزاء غائب، بعض

(۱) مولوی سید جعفر علی صاحب کا مفصل تذکرہ خلفاو مریدین کے سلسلے میں ملاحظہ ہو۔

کرم خوردہ ہیں، ٹونک کے نسخے سے اس نسخے کی اور ٹونک کے نسخے کی اس نسخے سے تکمیل ہوتی ہے، مؤلف کتاب کو دو نسخوں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔

۴۔ مکتوبات (فارسی)

یہ سید صاحبؒ، مولانا اسمٰعیلؒ اور سید حمید الدینؒ (خواہرزادۂ سید صاحبؒ) کے خطوط کا مجموعہ ہے، جو زیادہ تر میدان جنگ سے اعزاء واحباب، امراء وسلاطین اور اہل ہندوستان کو بھیجے گئے، ان سے سفر ہجرت اور جہاد کے واقعات اور میدان جنگ کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، سید حمید الدینؒ کے خطوط نہایت مفصل اور واضح اور بیش قیمت معلومات پر مشتمل ہیں، اور ان سے سفر ہجرت کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، صاحبزادہ عبدالرحیم خاں کے کتب خانے (۱) میں اور ہندوستان کے بعض دوسرے کتب خانوں میں اس کے متعدد مجموعے ہیں، جن میں خطوط کی تعداد میں کمی بیشی ہے، جو نسخہ مؤلف کے پیش نظر ہے، وہ خاندانی ہے اور غالباً سید حمید الدینؒ یا سید عبدالرحمٰنؒ (خواہرزادگانِ سید صاحبؒ) کے پاس رہا ہے، اس میں خطوط کے علاوہ بعض جنگوں اور واقعات کی روداد جو غالباً ہندوستان روانہ کی گئی ہے، فرامین اور اجازت نامے بھی ہیں، درمیان میں دو فارسی قصیدے بھی ہیں، یہ نسخہ نہایت خوشخط لیکن اغلاط سے پُر ہے، بڑے سائز کے ۲۱۶ صفحات پر تمام ہوا ہے۔

یہ خطوط گراں قدر فوائد پر مشتمل ہیں اور قرآن وحدیث کا بیش بہا خزانہ اور جہاد کے نہایت ولولہ انگیز اور ایمان افروز خطبے ہیں، جن کا لفظ لفظ شمشیر وسناں کا کام دیتا ہے۔

۵۔ ارمغانِ احباب (اردو)

یہ راقم سطور کے والد مرحوم مولانا حکیم عبدالحی صاحب کا سفر نامہ اور روزنامچہ ہے، آپ نے ۱۳۱۲ھ میں دہلی، پانی پت، دیوبند، سہارن پور، نگینہ، سرہند وغیرہ کا سفر کیا، علماء ومشائخ وقت سے ملاقات کی، ان بزرگوں سے علمی وروحانی تذکروں کے علاوہ جناب سید صاحبؒ کے متعلق

---

(۱) یہ کتب خانہ دوسرے کتابی ذخیروں کی طرح ریاست کے کتب خانے میں ضم کر دیا گیا ہے۔

متعلق بیسیوں ایسی روایات سنیں جو انہوں نے اپنے بزرگوں سے سنی تھیں یا خود ان واقعات میں شریک تھے، اور سید صاحبؒ کی عام تاریخوں میں نہیں ملتیں، یہ کتاب اگر چہ سید صاحبؒ کے تذکرہ وسیرت کے موضوع پر نہیں ہے، لیکن سید صاحبؒ کے تذکرے میں اس سے نہایت بیش قیمت مدد ملی، یہ رسالہ اس وقت کی علمی، دینی، اخلاقی تصویر ہونے کے علاوہ سید صاحبؒ کے بہت سے حالات وکمالات کا آئینہ ہے۔(۱)

۶۔نزهة الخواطر و بهجة المسامع والنواظر (عربی)

یہ آٹھ جلدوں میں مشاہیر ہندوستان کا تذکرہ ہے، اور والد مرحوم مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف وسرمایہ حیات ہے، اس میں تیرہویں صدی کے اعیان میں سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء کا تذکرہ ہے۔(۲)

۷۔قدیم تحریریں اور دستاویزیں

مخطوطات اور غیر مطبوعہ کتابوں کے علاوہ خاندانی ذخیروں میں بعض ایسی قدیم تحریریں، یادداشتیں، خطوط اور دستاویزیں ملیں، جن سے بعض اہم تفصیلات اور واقعات کی جزئیات معلوم ہوئیں، سنین کی تعیین ہوئی اور عام مطبوعہ تذکروں اور بعض اوقات بعض قدیم ماخذوں کی غلطیوں کا علم ہوا۔

ان قدیم تحریروں اور یادداشتوں میں سفر حج کی ایک یادداشت ہے جو روز نامچے کی شکل میں سید صاحبؒ کے رفقائے خاص میں سے کسی رفیق کے قلم کی لکھی ہوئی ہے، اور اس میں بنارس کی منزل سے لے کر حجاز سے واپسی تک کے اہم واقعات بقید تاریخ لکھے ہوئے ہیں، یہ یادداشت مولوی محمد سعید صاحب نصیر آبادی کے خاندانی کاغذات میں ایک کتاب کے اندر نشانی کے طور پر رکھی ہوئی ملی، جس سے سفر حج کی منزلوں کی تاریخ لکھنے میں بڑی مدد ملی اور

---

(۱) رسالہ معارف (دارالمصنفین اعظم گڑھ) میں ۱۹۳۹ء میں مسلسل شائع ہو چکا ہے، بعد میں ''دہلی اور اس کے اطراف'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔

(۲) یہ کتاب جو آٹھ حصوں پر مشتمل ہے، دائرۃ المعارف حیدر آباد سے شائع ہو چکی ہے۔

بعض نئے واقعات کا علم ہوا۔

دستاویزوں میں بعض اقرار نامے اور خاندانی ہبہ نامے وغیرہ تھے، جن میں سے بعض اپنے گھر کے خطوط اور قدیم قلمی تحریروں کے مرقع میں ملے، بعض مولوی سید محمد علی صاحب، ''مخزن احمدی'' کے صاحبزادے بخشی سید نور الہدیٰ صاحب مرحوم کے قلمی ذخیرہ میں ٹونک میں دستیاب ہوئے، ان میں سے بھی بڑے مفید معلومات حاصل ہوئے اور عام کتابوں کے متعدد غلط اور مشہور سنین کی تصحیح ہوئی۔

قدیم حسابات کے کاغذات سے بھی بڑی مدد ملی اور بعض مشہور اغلاط کی تصحیح ہوئی، ان میں رائے بریلی کے موضع لوہانی پور کی مسجد (تعمیر کردہ سید صاحبؒ) کے حسابات کے کاغذات خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جو مہتمم تعمیر محمد زمان خاں مرحوم کے پوتے ماسٹر محمد زمان خاں اور اولاد محمد خاں کے ہاں سے دستیاب ہوئے۔ جزاهم الله خيرا۔

مطبوعہ: ۱۔ مخزن احمدی (فارسی)

سید صاحبؒ کے بڑے بھانجے مولوی سید محمد علی کی تصنیف اور سید صاحبؒ کے حج سے واپسی تک کے ابتدائی حالات میں سب سے بڑا ماخذ ہے، مولوی صاحب مرحوم سید صاحبؒ سے عمر میں بڑے، اکثر واقعات کے چشم دید گواہ اور رفیق سفر تھے، نواب محمد علی خاں کے عہد میں یہ کتاب لکھی گئی، اب نایاب ہے۔

۲۔ سوانح احمدی اور ۳۔ تواریخ عجیب (اردو)

پہلی کتاب سید صاحبؒ کے حالات میں مقبول و مشہور کتاب ہے جس سے سید صاحبؒ کے حالات کی بہت اشاعت ہوئی، مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری، اسیر پورٹ بلیر و متہم مقدمہ سازش کی تصنیف ہے، آپ سید صاحبؒ کے خلفاء سے بیعت اور سید صاحبؒ کے سچے اور پر جوش معتقد تھے، جس زمانے میں یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے اس وقت اس سے زیادہ تصریح شاید خطرے سے خالی نہ تھی، اور اس وقت اس کی اشاعت ہی ایک خطرناک کام تھا،

شاید اسی وجہ سے مصنف کتاب کو خطوط کی عبارتوں میں بھی کہیں کہیں ردوبدل کرنا پڑا۔

دوسری کتاب ''تواریخ عجیب'' مصنف کی آپ بیتی ۱۸۶۴ء کے مشہور مقدمہ سازش انبالہ جیل اور کالے پانی کی سرگزشت اور مصائب واستقامت کی نہایت عبرتناک اور مؤثر داستان ہے، اس کا دوسرا نام ''کالا پانی'' ہے۔

۴۔وصایا الوزیر علی طریقۃ البشیر والنذیر (فارسی)

یہ نواب وزیر الدولہ مرحوم والی ریاست ٹونک کی تصنیف ہے، جو ''وصایائے وزیری'' کے نام سے مشہور ہے، آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے محمد علی خاں مرحوم والی ریاست ٹونک کے عہد حکومت میں مرتب ہوکر ۱۲۸۴ھ میں مطبع محمدی، ٹونک میں طبع ہوئی، اس کتاب میں نواب صاحب مرحوم نے اپنے جانشینوں کو اتباع سنت، احکام شریعت کے اجراء اور سید صاحبؒ کے مسلک پر چلنے کی تلقین کی ہے، اور ریاست وحکومت سے متعلق خاص خاص وصیتیں اور ہدایتیں کی ہیں، کتاب میں مختلف مناسبتوں سے ۶۵ مقام پر نواب صاحبؒ نے عاشقانہ وارفتگی اور مریدانہ عقیدت مندی کے ساتھ حضرت سید صاحبؒ اور آپؒ کے رفقاء کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کے حالات وکمالات درج کئے ہیں، جن میں سے اکثر آپ کے چشم دید ہیں۔

۵۔رسائل خلفاء

رسالہ ''دعوت'' از مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ، رسالہ ''نصائح'' ورسالہ ''وصول'' از مولانا سخاوت علیؒ ''ذخیرۂ کرامت'' از مولانا کرامت علیؒ، ''احسن الوصایا'' و ''دافع الفساد'' و ''نافع العباد'' از پیر مرتضٰی خاں رام پوریؒ ''ملہمات احمدیہ'' از مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ۔

۶۔الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور (اردو)

یہ مولانا عبدالرحیم صادق پوری، اسیر پورٹ بلیر ومتہم مقدمہ سازش ۱۸۶۴ء کی تالیف ہے، اپنے خاندانی حالات وانساب کا مجموعہ اور سید صاحبؒ کے خلفاء ومتبعین کی سب سے

بڑی پر جوش وسرفروش، مخلص اور کارگزار جماعت اہل صادق پور کا تذکرہ ہے، اس کا دوسرا نام تذکرہ صادقہ بھی ہے۔

۷۔امیر الروایات اور ۸۔ارواح ثلاثہ (اردو)

امیر شاہ خاں مرحوم نامی ایک بزرگ خورجے کے متوطن اور مینڈو، ضلع علی گڑھ میں رہتے تھے، آپ بہت سے اکابر وفضلاء کے صحبت یافتہ تھے، اور حدیث کی طرح خاندان ولی اللّٰہی کے بزرگوں اور اکابر سلسلۂ دیوبند کے حالات وواقعات سناتے تھے، مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ان زبانی روایات کو قلم بند کرالیا اور اس مجموعے کو ''امیر الروایات'' کے نام سے شائع فرمادیا، بعد میں بعض دوسرے اضافات کے ساتھ یہ مجموعہ ''ارواح ثلاثہ'' کے نام سے شائع ہوا، اس میں اگرچہ بعض فروگزاشتیں اور تاریخی مسامحات ہیں، لیکن جناب سید صاحبؒ، شاہ اسمٰعیلؒ اور مولانا عبدالحئیؒ کے متعلق بعض کارآمد معلومات اور دلچسپ واقعات ہیں، جو اپنے اپنے موقع پر کتاب میں درج ہیں۔

۹۔آبائی اور خاندانی حالات کے مآخذ

اس خاندان کے اکابر اور بزرگوں کے جستہ جستہ حالات اور واقعات، تاریخ وسیر وانساب کی کتابوں میں ملتے ہیں ''تاریخ فیروز شاہی''، ''عمدۃ الطالب''، ''تذکرۃ السادات'' ''منبع الانساب''، ''بحرِ زخار''، ''تاریخ آئینہ اودھ'' اور ''نزہۃ الخواطر'' اس باب میں مآخذ ہیں۔

خاص خاندانی حالات اور قریب کے اجداد کی سیرت و وقائع کے لئے ''اعلام الہدیٰ'' سب سے بہتر اور معتبر ماخذ ہے، جو سید صاحبؒ کے عم حقیقی مولانا سید نعمان کی تالیف اور حضرت شاہ علم اللہؒ اور ان کی اولاد واحفاد کے سیر وحالات کا مجموعہ ہے، مولانا سید نعمان نے اس میں سے اکثر بزرگوں کا زمانہ پایا اور ان کی صحبتیں اٹھائیں اور اپنے مشاہدات ومعلومات قلم بند کئے۔

مولانا سید نعمان کے بعد اس خاندان کے ایک رکن سید عبدالشکور (۱۲۳۴ھ۔۱۲۸۳ھ) نے خاندان کے انساب میں ''گلشن محمودی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس سے بعد کے

لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔

خاندانی حالات ومعلومات کا سب سے بڑا ذخیرہ اس خاندان کے مؤرخ اور عالم انساب مولوی سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فراہم کیا، آپؒ نے ''اعلام الہدیٰ'' میں اضافہ کیا، اور ''سیرۃ علمیہ'' نام رکھا (۱)، ان کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اپنے زمانہ وفات (۱۳۲۶ھ) تک اس خاندان کے تمام افراد کے نام ونسب اور حتی الامکان سنین وحالات وخصوصیات بڑی تحقیق وجستجو سے فراہم کیئے، اور ''سیرۃ السادات'' کے نام سے ایک مفصل نسب نامہ مرتب کیا، جو خاندانی انساب، سنین و وفیات اور ممتاز افراد خاندان کی سیرت وخصوصیات زندگی معلوم کرنے کا اس وقت واحد ماخذ ہے۔

---

(۱) مولوی سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا حکیم سید عبدالحیؒ نے اس میں اضافہ کیا، اس آخری مجموعے کا نام ''تذکرۃ الابرار'' ہے۔

سید صاحبؒ کی سیرت پر اجمالی نظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غیر فانی معجزہ یہ ہے کہ آپؐ کے فیض کا چشمہ کبھی خشک نہیں ہونے پاتا، آپؐ کا نمونہ آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوتا، آپؐ کی امت کی ضرورتیں زیادہ دیر تک اٹکی نہیں رہتیں، اور وہ اس طرح کہ آپؐ کی مشعل نور سے براہ راست مسلسل طریقے پر سیکڑوں مشعلیں روشن ہوتی رہی ہیں، اور قیامت تک ہوتی رہیں گی، آپؐ کی کامل پیروی سے ہر زمانے میں اور تقریباً ہر جگہ کم وبیش ایسے انسان پیدا ہوتے رہے، جن سے آپؐ کی یاد تازہ ہوتی تھی، اور انبیاءؑ کی شان نظر آتی تھی، جن سے ظاہر ہوتا کہ اللہ کا کام بند نہیں ہوا، اللہ کا دین زندہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہر زمانے میں ممکن ہے اور انہیں کی وجہ سے خاتم النبیین کے بعد کسی نبی کی عملاً ضرورت نہیں۔

ان بزرگوں کے کئی طبقے ہیں، پہلے اور سب سے اونچے طبقے کو صحابۂ کرامؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت وکمالات نبوت کی تکمیل کردی، اسی طرح ان حضرات نے آپؐ کی کامل پیروی کا حق ادا کردیا، ان کے بعد سلف صالحین، اولیائے کاملین، مجاہدین، مرشدین، مصلحین، مجددین مختلف طبقات ہیں، اور یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلامذہ ومریدین آپ کے کفش بردار اور آپؐ کے دین کے خادم ہیں، اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

ان لوگوں سے اللہ ہمیشہ اپنا کام لیتا رہا، ان سے ہزاروں کی آنکھیں روشن کیں، ہزاروں کے دل کے کنول کھلائے، ہزاروں کو جگایا، بندوں پر اپنی حجت تمام کی، ان کا ذکر عبادت

ہے، ان کی محبت ذخیرۂ آخرت ہے، ان کی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک جزء ہے، اگر چہ ان میں سے ہر ایک اپنے رنگ میں کامل تھا، لیکن ان کاملوں میں بھی کامل وہ ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ کامل ہے، جس میں صحابہؓ کی شان سب سے بڑھ کر تھی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب و مقصد کی زیادہ خدمت و ترقی ہوئی، جس کی صحبت و تربیت سے ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے خیر القرون کی یاد تازہ کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک بار ملاحظہ ہو، اور آپ کی جامعیت پر نظر کی جائے، علم و عمل کے جامع، دین و دنیا کے جامع، شب بیدار و شہسوار، اللہ کے لئے اگر محبت کرتے تھے، تو اللہ ہی کے لئے دشمنی بھی کرتے تھے، نفس کے مجاہدے کے ساتھ کفار سے جہاد بھی کرتے تھے۔

لیکن صحابہؓ کو چھوڑ کر ذرا پیچھے ہٹ کر دیکھئے، بہت سے لوگوں کے جسم پر یہ مسلّم قبا نظر نہیں آئے گی، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ دیکھنا ہے، تو ان میں سے ایک کو نہیں دیکھنا چاہئے، ورنہ آپؐ کی شان کا ناقص تصور ہوگا، اس لئے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ زندگی کے صرف مخصوص اوقات کا نمونہ ہیں، اگر کامل نمونہ دیکھنا ہے تو سب کو جمع کر کے دیکھنا چاہئے۔

لیکن صحابہؓ کی صف کو چھوڑ کر کہ "ایں خانہ تمام آفتاب است" ہر صف میں چند ایسے لوگ نظر آئیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مکمل صحیفہ ہیں جنہوں نے آپؐ کے کمالات میں سے انتخاب نہیں کیا، بلکہ ان کو مسلّم لیا، یہ وہ افراد ہیں جن میں سے ہر فرد اپنی جامعیت میں ایک پوری امت ہے، آئندہ اوراق سے معلوم ہوگا کہ انہیں افراد امت میں سے سید احمد شہیدؒ بھی ایک فرد ہیں، جو زمانے کے لحاظ سے پیچھے لیکن مرتبے کے لحاظ سے بہت آگے ہیں۔

اس کے بعد دوسری حیثیت پر غور کرنا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں ایک بہت بڑا کام اور آپؐ کی بعثت کا ایک اہم مقصد انسانوں پر اللہ کی حکومت و شریعت کا قائم کرنا اور زمین میں آسمانی نظام سیاست و اخلاق و معاشرت کا جاری کرنا تھا، پشاور کے فاتح اور تیرہویں صدی کے امیر المومنین کی زندگی میں اتباع نبویؐ کی یہ حیثیت بہت نمایاں نظر آئے گی،

اوراسی چیز نے مشائخ امت میں اس جوان کا سراونچا کردیا ہے، مصلحین اور علماء ومشائخ نے بے شبہ اسلام کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، اوردے رہے ہیں، ہزاروں بندگانِ خدا کوان سے ہدایت ہوئی، ہزاروں کوان کی وجہ سے کلمہ نصیب ہوا، ہزاروں کے خاتمے اچھے ہوئے، آج بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیض ان سے جاری ہے، لیکن ان سب کے حلقے اور عمل کے دائرے محدود ہیں۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس نکتے کو اچھی طرح سمجھا کہ حکومت الٰہی کے قیام اور اسلامی نظام حیات وقوانین وحدود کے اجرا اور ماحول کی تبدیلی کے بغیر یہ سب کوششیں ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' ثابت ہوں گی، صرف چند خاص لوگوں کی اصلاح ہوگی، لیکن ضرورت وفضا بدلنے اور جڑ مضبوط کرنے کی ہے، آپؒ اسی نقشے پر کام کرنا چاہتے تھے، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفائے راشدین نے کیا، اور تجربہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ اور پائدار کامیابی اسی کو ہوئی اور قیامت تک اسلام کی ترقی کے لئے وہی نظام عمل ہے۔

اسلام صرف خواص کا مذہب نہیں اور چند منتخب لوگوں کا اس پر عمل کرنا کافی نہیں، اسی طرح اسلام عیسائیت کی طرح چند عقائد ورسوم کا نام نہیں، وہ پوری زندگی کا نظام ہے، وہ زمانے کی فضا، طبیعت بشری کا مذاق اور سوادِ اعظم کا رنگ بدلنا چاہتا ہے، اور عقائد کے ساتھ ساتھ اخلاق ومعاشرتِ زندگی کے مقصد ومعیار، زاویۂ نظر اور انسانی ذہنیت کو بھی اپنے قالب میں ڈھالنا چاہتا ہے، یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ اس کو مادی وسیاسی اقتدار حاصل ہو، صرف اسی کو قانون سازی اور تنفیذ کا حق ہو، اسی کے صحیح نمائندے دنیا کے لئے نمونہ ہوں، اسلام کے مادی اقتدار کا لازمی نتیجہ اس کا روحانی اقتدار اور صاحب اقتدار جماعت کے اخلاق واعمال کی اشاعت ہے، اسی حقیقت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ (سورہ حج: ۴۱)

''یہ مظلوم مسلمان وہ ہیں کہ اگر ہم نے زمین میں انہیں صاحب اقتدار کردیا،

(یعنی ان کا حکم چلنے لگا) تو وہ نماز قائم کریں گے، ادائے زکوٰۃ میں سرگرم ہوں گے، نیکیوں کا حکم دیں گے، برائیاں روکیں گے اور تمام باتوں کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔

ایک نہایت ہی اہم بات یہ ہے کہ شرعی حکومت کے بغیر شریعت پر پورا عمل بھی نہیں ہوسکتا، اسلام کے نظام عمل کا ایک مستقل حصہ ایسا ہے، جو حکومت پر موقوف ہے، حکومت کے بغیر قرآن مجید کا ایک پورا حصہ نا قابل عمل رہ جاتا ہے، خود اسلام کی حفاظت بھی قوت کے بغیر ممکن نہیں، مثال کے طور پر اسلام کا پورا نظام مالی ودیوانی وفوجداری معطل ہو جاتا ہے، اسی لئے قرآن غلبہ وعزت کے حصول پر زور دیتا ہے، اور اسی لئے خلافت اسلامی بہت اہم اور مقدس چیز سمجھی گئی، اور اس کو اکابر صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین پر مقدم رکھا، جسے بہت سے کوتاہ نظر نہیں سمجھتے، اور اسی کی حفاظت کے لئے حضرت حسینؓ نے اپنی قربانی پیش کی تاکہ اس کا مقصد ضائع نہ ہو اور وہ نااہل ہاتھوں میں جانے نہ پائے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" اسلام میں جس قدر اہم فریضہ ہے، وہ اس سے ظاہر ہے کہ امت کی بعثت کا مقصد یہی بتایا گیا ہے:

"كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (سورۃ آل عمران:۱۱۰)

تم بہترین قوم ہو، جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

اور قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا یہی فرض قرار دیا گیا ہے:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ط (سورہ آل عمران:۱۰۴)

"تم میں ایک ایسی جماعت رہنی چاہیئے جو بھلائی کی طرف دعوت دیتی رہے، نیکی کا حکم کرتی رہے، اور برائی سے روکتی رہے۔"

لیکن یہ یاد رہے کہ اس کے لئے أمر (حکم) اور نہی (ممانعت) کے الفاظ استعمال کئے گئے

ہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ امر و نہی کے لفظ میں اقتدار اور تحکم کی شان ہے، یہ نہیں فرمایا کہ وہ بھلائی اختیار کرنے کے لئے درخواست وعرض کریں گے، پس امر و نہی کے لئے سیاسی اقتدار اور مادی قوت کی ضرورت ہے اور امت کا فریضہ ہے کہ وہ اس کا انتظام کرے۔ صحیحین کی مشہور حدیث ہے:

مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُنْکَراً، فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ ،فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ ،فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ۔

”تم میں سے جو شخص کوئی برا کام دیکھے، اسے ہاتھ سے روک دے اگر ہاتھ سے نہ روک سکے تو زبان سے روکے، اگر زبان سے بھی نہ روک سکے تو دل سے برا سمجھے اور یہ آخری درجہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔“

ظاہر ہے کہ ”تغییر بالید“ (ہاتھ سے بدل دینے اور عملی اصلاح) کے لئے قوت و اختیار کی ضرورت ہے، زبان سے روکنے کے لئے بھی کچھ قوت اور آزادی کی ضرورت ہے، اگر یہ کچھ نہیں تو تیسرے درجے پر قناعت کرنی پڑے گی، جو ایمان کا آخری درجہ ہے، اور جس کے بعد بعض روایات کے مطابق ایک ذرہ برابر بھی ایمان نہیں رہ جاتا، مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ غلامی میں دل سے برا سمجھنا اور زشت و نیک کا احساس بھی جاتا رہتا ہے۔

جو تھا ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر!

اگرچہ سید صاحبؒ کی تاریخ میں اِس کارنامہ جہاد اور احیائے خلافت اسلامیہ نے اتنی اہمیت حاصل کر لی ہے کہ عام لوگ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے، لیکن خواص کی بھی اس کے مقاصد و اسرار پر نظر نہیں، خدا کو ابھی ہماری ناقدری اور نااتفاقی کی سزا دینی تھی، ورنہ دنیا خلافت راشدہ کے بعد ہندوستان میں حکومت شرعیہ کا نقشہ دیکھ لیتی۔

اس موقع پر ایک چیز کی وضاحت نہایت ضروری ہے، قوموں کی تاریخ میں اور خود مسلمانوں کی تاریخ میں، ایسے اشخاص کی کمی نہیں اور اس وقت بھی ہر ملک و قوم میں ایسے لوگ

موجود ہیں، جنہوں نے ذاتی برتری واقتدار یا قومی عزت وسر بلندی یا ملک ووطن کی آزادی کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی کی قوم کی تنظیم کی، وطن کو آزاد کرایا، عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں، کامرانی واقبال مندی کی زندگی حاصل کی یا عظمت وفتح مندی کی موت مرے، یہ اپنے کارناموں کے درجے اور ترتیب کے مطابق انسانوں کے احترام اور ہمارے انصاف کے مستحق ہیں، لیکن سید صاحبؒ اس فہرست کے اشخاص میں سے نہیں ہیں، وہ ان مجاہدین میں سے ہیں جنہوں نے محض اللہ کے نام کی بلندی اور اس کی بات اونچی کرنے کے لئے، خالص اللہ کی خوشنودی اور رضا کے لئے ''مسلمان'' نام ایک قوم کے غلبے کے لئے نہیں بلکہ ''اسلام'' نام ایک مکمل دین، عقیدہ وعمل اور مسلک زندگی کو قائم کرنے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مظلوم شریعت کو جاری کرنے کے لئے اپنے خون کا پہلا اور آخری قطرہ بہایا، اس کے علاوہ کسی راستے میں ان کے پسینے کا بھی کوئی قطرہ نہیں بہا، ایسے مجاہدین وشہدائے اسلام، ایسے اکابر وقائدین اسلام کی فہرست اتنی طویل نہیں، جتنی سمجھی جاتی ہے، زندگی اور موت کی یہ ترازو ایسی بلند معیار ہے، جس پر ہزاروں میں سے چند ہی پورے اترتے ہیں۔

اس کے بعد سید صاحبؒ کی ایک اور خصوصیت پر نظر ڈالئے اور وہ یہ کہ آپؒ نے تھوڑے زمانے میں ایک دینی فضا قائم کردی اور ایک ایسی جماعت پیدا کردی، جس کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہ تیرہویں صدی میں صحابہؓ کا نمونہ تھے، ایک رنگ میں رنگے ہوئے، ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے، اللہ کے لئے جان دینے والے، شریعت پر جینے اور مرنے والے، بدعت سے نفور، شرک کے دشمن، جہاد کے نشے میں سرشار، متقی وعبادت گزار، اور بڑی بات یہ ہے کہ ہم رنگ ویک آہنگ، تاریخ اسلام میں ایک جگہ اتنی بڑی تعداد میں اس پختگی اور جامعیت کی کوئی جماعت صحابہؓ وتابعین کے بعد مشکل سے ملے گی، کیفیات ایمانی کے جاں نواز جھونکے تاریخ اسلام میں بارہا چلے ہیں لیکن ایمان ویقین اور خلوص وللّٰہیت کی ایسی باد بہاری ہمارے علم میں کم سے کم اس ملک میں اس سے پہلے نہیں چلی، نہ اس سے پہلے اتنے بڑے پیمانے پر عزم وتوکل، جوش جہاد، ایمان واحتساب، شوق شہادت اور یقین آخرت کے ایسے نمونے

دیکھنے میں آئے، آدم گری اور مردم سازی، اصلاح وانقلاب کے ایسے محیر العقول واقعات بھی اصلاح وتربیت کی تاریخ میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔

ان آخری صدیوں میں ہم کو دنیائے اسلام میں کسی ایسی مذہبی تحریک کا علم نہیں ہوا، جو ہندوستان کی اس تحریک احیائے سنت و جہاد سے زیادہ منظّم و وسیع ہو اور جس کے سیاسی اور مذہبی اثرات اتنے ہمہ گیر اور دوررس ہوں، ہندوستان کی کوئی اصلاحی جدوجہد اور مسلمانوں کی کوئی سیاسی تحریک ایسی نہیں، جو اس تحریک سے متاثر نہ ہو، واقعہ یہ ہے کہ اس برصغیر میں موجودہ اسلامی زندگی، مذہبی اصلاح، مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور ملک میں مسلمانوں کے وجود کی اہمیت اور ان کا سیاسی وزن بڑی حد تک اسی طویل جہاد کا رہینِ منت ہے، آئندہ اوراق اسی اجمال کی تفصیل اور انہیں اشارات کی توضیح کے لئے ہیں۔

ابوالحسن علی ندوی

مئی ۱۹۳۶ء

رود بناس، ریاست ٹونک (راجپوتانہ)

سید صاحبؒ کا زمانہ

تیرہویں صدی کی دنیائے اسلام

تیرہویں صدی یا اسلامی تاریخ کی پچھلی صدیوں میں دنیائے اسلام میں جو عالمگیر دینی، اخلاقی اور سیاسی انحطاط نظر آتا ہے، وہ دفعۃً پیدا نہیں ہوا اور وہ کسی وقتی واقعے یا فوری تبدیلی کا نتیجہ نہیں، بلکہ تدریج کے ساتھ پیدا ہوا ہے، اس کی تاریخ بہت پرانی ہے، تاریخ اسلام کے بہت سے مسائل حل کرنے کے لئے نیز مصلحین ومجاہدین اسلام کی مشکلات کا اندازہ لگانے کے لئے اس کی ابتدائی تاریخ اور اس کے تدریجی ارتقاء پر ایک نظر ڈالنی ضروری ہے۔

اسلام ایک دین ہے، اس کے لئے ایک خاص قسم کی اعتقادی، ذہنی، اخلاقی تربیت اور انقلاب کی ضرورت ہے، نیز بہت بڑے ایثار وقربانی کی، جان ومال کا ایثار بھی اور اس کے خلاف ہر قسم کے خیالات ورجحانات اور ارادوں اور خواہشوں کی قربانی بھی، اسلامی دعوت کے علمبرداروں کے لئے ضروری ہے، کہ وہ قدیم وجدید تمام مخالف مؤثرات، ماحول اور مخالف ذہنی تربیت کے اثرات سے آزاد ہو چکے ہوں، اور اس کے اصول ونظام پر پورا ایمان لا چکے ہوں اور ذہنی اور عملی طور پر اس کے حلقہ بگوش ہو چکے ہوں، اسلام کے ابتدائی تیس سال تک وہ لوگ مسلمانوں کی زندگی پر حاوی رہے، جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، اور صحبت نبویؐ کی انقلاب انگیزی اور کیمیا اثری کے باوجود سالہا سال ان کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کی گئی تھی، ان کے دل ودماغ اور ان کی زندگی کے ہر گوشے میں جاہلیت اور اسلام کی کشمکش آخری طور پر ختم ہو چکی تھی اور صرف اسلام باقی رہ گیا تھا، وہ اسلام کی عملی تصویر

تھے، اوران کا عہد حکومتِ الٰہی اور حیاتِ اسلامی کا مستند اور معیاری عہد تھا۔

ان کے بعد مسلمانوں کی رہنمائی ان لوگوں کے حصے میں آئی جن کی ذہنیت اور زندگی میں جاہلیت اور اسلام کی یہ غیر فانی کشمکش پورے طور پر ختم نہیں ہوئی تھی، اوران میں بعض غیر اسلامی رجحانات اور اثرات موجود تھے، بعد کے لوگوں میں یہ کشمکش کبھی کبھی جاہلیت کے غلبے اور اسلام کی مغلوبیت کی صورت میں نمایاں ہوئی، کبھی ملوکیت کے بھیس میں، کبھی عربی قومیت کے روپ میں، کبھی دین و سیاست کی تفریق کی شکل میں، اور کبھی شاہانہ شان وشوکت اور آزادانہ عیش وعشرت کے رنگ میں، صرف حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مختصر عہد اس کلیے سے مستثنیٰ ہے، انہوں نے اپنے مجددانہ کارناموں سے ثابت کر دیا کہ اس مجدد وقت سلطان کے پاس وہ آب حیات ہے، جس سے وہ ایک پوری قوم کی گزری ہوئی جوانی واپس لاسکتا ہے، مگر ہوا کے اس طوفان میں تاریخ بنی امیہ کا یہ فاروقی ورق جلد الٹ گیا اور سابق مضمون کا تسلسل پھر قائم ہو گیا۔

اسلام نے اپنے پیروؤں میں وہ سچا عشق پیدا کر دیا تھا، جس نے نفسانیت اور انانیت کو بالکل مغلوب کر دیا تھا اور جس کی آگ نے نفس کے میل کچیل کو بالکل جلا دیا تھا، لیکن جب عشق کی یہ آگ بجھی اور حمیت اسلامی کا یہ چڑھا ہوا دریا اترا تو وہ چیزیں نمودار ہوئیں، جو دریا کے اتار کے بعد نمودار ہوتی ہیں، نفسانیت وانانیت، اختلافات وخانہ جنگی، رقابت اور سازشوں نے ہر جگہ گل کھلائے، غفلت اور عیش وعشرت کی گرم بازاری ہوئی اور کہیں کہیں مسلمان ایک بے اصول و بے سیرت عام حاکمِ قوم بن کر نظر آئے۔

اس عام زوال کا بڑا سبب خلافت راشدہ کا خاتمہ ہے، خلافت دین کی پاسبان وسرپرست اوراس کے مقاصد ومصالح کی آلۂ کار تھی، یہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں آئی جو یا تو اس کے مقاصد ومصالح سمجھتے نہ تھے، یا ان کے پابند نہیں رہنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کے لئے دین میں کوئی بلند نمونہ نہیں تھے، جب تک عہد نبویؐ کا قرب رہا، دینی ماحول اور فضا باقی تھی، اس انقلاب کا اثر زیادہ ظاہر نہیں ہونے پایا اور صرف انتظامی اور فوجی شعبوں تک محدود رہا، خلفاء سے زیادہ صحابہؓ وعلماء کا اثر تھا، بے ضابطہ طریقے پر احتساب قائم تھا، علماء امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے تھے، وہ

خلفا کوٹوک دیتے تھے، اور وہ ان کی باتیں سن لیتے تھے، ایسے نمونے موجود تھے، جنہیں دیکھ کر دین کا شوق پیدا ہوتا، اس کے بعد رفتہ رفتہ جب یہ لوگ اٹھنے لگے تو اہل حکومت کا تسلط بڑھا، علما واہل دین کا اقتدار کم ہوا تو دین کا رنگ پھیکا پڑنے لگا، اہل علم و دین خوف سے یا امید سے حکومت کے دامن سے وابستہ ہونے لگے، احتساب ختم ہو گیا، اسی وقت سے اسلام اپنے گھر میں پردیسی ہو گیا، بہت سے اہل حق گوشہ نشین ہو گئے اور اپنے اپنے حلقے میں اپنا فرض انجام دیتے رہے۔

یہ حقیقت کہ خلافت امویہ یا عباسیہ کے عروج کا زمانہ اور ولید بن عبدالملک، ہارون و مامون اور عبدالرحمٰن الناصر کا عہد اصولی حیثیت سے معیار اور مستند نہیں ہے، ان لوگوں کے لئے نئی ہوگی، جو اسلام کے معنیٰ اسلامی تمدن سمجھتے ہیں، اور اسلامی تمدن سے ان کی مراد بغداد وقرطبہ، دمشق وغرناطہ کا تمدن ہوتا ہے، وہ اسلام کی ترقی کو میناروں کی بلندی، فن تعمیر کی ترقی اور فنون لطیفہ کی سرپرستی کے پیمانے سے ناپتے ہیں، لیکن جو سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک عملی، روحانی اخلاقی اور معاشرتی مذہب ہے، ان کو اس کی ترقی بغداد اور قرطبہ کے عالی شان دارالخلافوں اور سربفلک مسجدوں کے بجائے مدینے کے جھونپڑوں میں نظر آئے گی۔

دنیا دار بادشاہ و امراء تو پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے، زمانے کے اقتضا اور حالات کے تغیر سے دنیا دار علماء اور درویشوں کا گروہ پیدا ہوا اور یہی وہ تینوں عناصرِ فساد ہیں، جو اسلام کے درخت کو دیمک کی طرح کھاتے رہے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں:۔

وَهَلْ أَفْسَدَ الدِّيْنَ إِلَّا الْمُلُوْكُ
وَأَحْبَارُ سُوْءٍ وَّرُهْبَانُهَا (۱)

خلافت کا نظام شرعی اور اس کی برکتیں تو پہلے ختم ہو چکی تھیں، احتساب اٹھ جانے، ہر قسم کی آزادی اور سامان عیش و دولت کی فراوانی سے سخت اخلاقی ابتری پیدا ہوئی، فواحش و منکرات نے سر اٹھایا، شراب کا دور چلنے لگا، معصیت کی بہت سی ایسی قسمیں رائج ہو گئیں، جن کی وجہ سے گزشتہ قوموں پر عذاب آیا تھا۔ (۲) علماء کی آوازیں منبروں اور درس کے حلقوں تک

(۱) دین کو محض بادشاہوں، برے علماء اور غلط کار درویشوں نے خراب کیا۔
(۲) عہد اموی اور عہد عباسی میں مسلمانوں کے اخلاقی انحطاط کی تصویر اور اسلامی معاشرے میں عجمی عادات و تعیشات کا نقشہ دیکھنا ہو تو ابوالفرج الاصبہانی کی تالیف ''کتاب الاغانی'' اور الجاحظ کی ''کتاب الحیوان'' ملاحظہ ہو۔

اور مشائخ وصوفیہ کا تزکیہ اور اصلاحیں خانقاہوں تک محدود رہ گئیں۔

پہلی ہی صدی میں عجمیوں کے اختلاط نے دین کی صورت اور تخیل کو مسخ کرنا شروع کر دیا تھا، رفتہ رفتہ دین اپنے اس مرکز سے ہٹ گیا، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑا تھا، اس مسخ وتحریف کی انتہائی صورت بقول ڈاکٹر سٹاڈرڈ، ایران کی شیعیت ہے، جس سے اسلام کو سیاسی اور دینی کچھ کم نقصان نہیں پہنچا۔

اس زمانے میں اسلام میں اعتقادی وعملی بدعات ظاہر ہوئیں اور یہ مصیبت پہلی مصیبت سے کم نہ تھی کہ وہ اسلام کے جسم پر حملہ تھا، اور یہ اس کے دل ودماغ پر، رفتہ رفتہ ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا جس کی ایک مستقل شریعت تھی، جس کا علم کلام الگ تھا اور علم فقہ الگ، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور صحابہ کرامؓ دوبارہ دنیا میں تشریف لاتے تو کبھی اس کو نہ پہچان سکتے اور اگر حضرت عمرؓ زندہ ہوتے تو ان کے تازیانے کی مصروفیت بہت زیادہ ہوتی۔

سیاسی زوال کی رفتار بھی تیز ہوگئی، بغداد واندلس کا سقوط اس وقت کے اہم واقعات ہیں، جن سے مسلمانوں کے سیاسی زوال پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے۔

اگرچہ سیاست کا دین کے ساتھ زیادہ تعلق نہیں رہا تھا، مگر سیاسی زوال کے ساتھ مذہب واخلاق ومعاشرت کو بھی زوال ہوتا گیا، ترکوں نے مسلمانوں کے گرتے ہوئے سیاسی اقتدار کو سنبھالا، مگر مذہب میں بوجوہ چند کوئی جان نہیں پڑی، سلطان صلاح الدین اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی جہاد کو زندہ کیا اور اس سے مسلمانوں میں مجاہدانہ روح پیدا ہوگئی، لیکن جنگ صلیبی کے خاتمے پر (اگر یہ صحیح ہے کہ اس کا اس وقت خاتمہ ہوگیا تھا) قویٰ میں پھر اضمحلال پیدا ہوگیا، اس وقت سے عالم اسلامی کے ہر گوشے میں وقتاً فوقتاً مصلح اور مجدد پیدا ہوتے رہے، جن سے مسلمانوں میں زندگی اور بیداری پیدا ہوئی، عقائد واعمال کی اصلاح ہوئی، کہیں کہیں میدان جہاد بھی آراستہ ہوا، اور کارگزار وصحیح الخیال جماعتیں پیدا ہوئیں، لیکن مسلمانوں میں عالمگیر بیداری پیدا نہیں ہوئی۔

ہندوستان کی حالت

مذہبی حالت

اسلام کو عربوں کی ذہنی تربیت کا زیادہ زمانہ اور زیادہ موقع ملا اور انہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت وصحبت سے فائدہ اٹھایا، اس لئے اسلام ان کی طبیعت ثانیہ، ان کی تہذیب وتمدن اور اخلاق ومعاشرت بن گیا تھا، اور بہت سے عقلی وطبعی اسباب کی بنا پر ان کا دماغ اس کو بآسانی قبول کر چکا تھا، اور وہ اس کو صحیح روح، صحیح منشا اور شارع کے مقصد کے مطابق سمجھتے تھے، ان میں اس کی اشاعت اور غلبے کا جوش بھی دوسروں سے زیادہ تھا، اور ان کے پاس اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں تھی، اور اس لئے جہاں جہاں اسلام ان کے ذریعہ پہنچا، وہ تازہ دم اور اپنی صحیح اور ابتدائی شکل میں تھا، اس میں جذب کی قوت بھی زیادہ تھی، چنانچہ اس نے وہاں کے مذاہب، عقائد، اخلاق ومعاشرت کو فتح کرلیا اور اپنے قالب میں ڈھال دیا اور وہ قومیں عربوں کا مثنیٰ اور نقل بن گئیں چنانچہ بگڑتے بگڑتے بھی ان میں دین حجازی کی شکل قائم رہی، ان کی خرابیاں اور کمزوریاں بھی اسی نوع کی تھیں، جس نوع کی خود عربوں کی۔

بدقسمتی سے ہندوستان میں اسلام ایران وافغانستان کا چکر کاٹ کر پہنچا اور راستے میں اپنی بہت سے تازگی اور زندگی کھو کر، یہاں کا اسلام سکنڈ ہینڈ تھا، ترک ومغل فاتحین اسلام کے اسلام میں کوئی شک نہیں، لیکن مذاہب وتہذیب فتح کرنے کے لئے اتنی روحانی قوت کافی نہیں، جتنی ان میں تھی، وہ خود اس درجے میں تھے، کہ ان کی دینی تربیت کی جاتی، دوسری مشکل یہ تھی کہ خود ان کی خاص تہذیب ومعاشرت تھی، جو ان کے ساتھ جاتی تھی، ان کا مستقل نظام سلطنت تھا، اور وہ مبلغ وداعی سے زیادہ حکمران وکشور کشا تھے، پھر جس ملک میں وہ داخل ہو رہے

تھے، اس کا خود ایک مذہب، ایک جوگ اور ایک تہذیب تھی، جس وقت حریفوں کی تلواریں باہم میدان جنگ میں دست وگریباں ہوتیں، اس وقت ان کی تہذیبیں استفادہ و تعارف میں مشغول ہوتی تھیں، ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ بقول ڈاکٹر لیبان اسلام ہندوستان میں جتنا اثر انداز ہوا، اس سے زیادہ متاثر ہوا، اور تھوڑے دنوں میں ایک بین الاقوامی اور بین المذاہب عربی، ایرانی، افغانی اور ہندوستانی تہذیب پیدا ہوگئی تھی، یہاں کے اسلام میں وہ ساری کمزوریاں تھیں، جو ایران وافغانستان کے اسلام میں تھیں، اور وہ بھی جو ہندو مذہب وتہذیب اور جوگ کے اختلاط سے پیدا ہوئی تھیں، جو لوگ یہاں اپنے پرانے مذہب سے اسلام میں داخل ہوئے، وہ طبعاً اپنے ساتھ اپنی بہت سی مذہبی وقومی خصوصیات، عقائد وخیالات لائے، جو قائم رہے اور بعد میں مذہب میں داخل ہوگئے، بیوہ کا نکاح ثانی دنیا جہان میں کہیں عیب نہیں، لیکن ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ جرم گردن زدنی تھا۔

اس زہر کا تریاق اور اسلام کی شکل محفوظ رکھنے کے لئے دنیا میں دو چیزیں ہیں، قرآن وحدیث، قرآن کو سمجھنے کے لئے یا تو عربی زبان کی ضرورت ہے یا ترجمے کی، عربی زبان تو ہندوستان میں مدارس سے باہر کبھی تھی ہی نہیں اور ترجمے کا یہ حال ہے کہ مشہور ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں سب سے پہلے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا، جس پر علماء میں شور مچ گیا کہ عوام قرآن مجید پڑھیں گے اور گمراہ ہوں گے، رہی حدیث سو اس کے متعلق تسلیم ہے کہ گجرات اور چند ساحلی مقامات چھوڑ کر ہندوستان میں حدیث شیخ عبدالحق صاحب محدث لائے۔ یعنی گیارہویں صدی تک ہندوستان میں حدیث نہیں آئی تھی، اور آنے کے بعد بھی شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے جانشینوں سے پہلے حدیث کا سکہ ہندوستان میں چلا نہیں تھا۔

بعض ادوار حکومت میں مذہب حکومت وقت کی سرپرستی اور حمایت سے قطعاً محروم رہا۔ بلکہ اس کی مخالفت کی گئی اور ''بادشاہ اسلام'' نے اس کی بیخ کنی کی کوشش کی، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ عہد اکبری کے متعلق ان الفاظ میں شہادت دیتے ہیں:

غربت اسلام نزدیک بہ یک قرن بہ نہجے قرار یافتہ است کہ اہل کفر بمجرد

اجرائے احکام کفریہ بر ملا در بلاد اسلام راضی نمی شوند، می خواہند کہ احکام اسلام بالکل زائل گردند واثرے از مسلماناں ومسلمانی پیدا نہ شود، کار تا بآں سر حد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانے از شعائر اسلام اظہار نماید، بہ قتل می رسد

(مکتوبات ص ۱۰۶)

ایک صدی میں اسلام کی غربت اس درجے کو پہنچ گئی ہے کہ اہل کفر اس پر راضی نہیں ہیں کہ محض کفر کے احکام کا علانیہ اسلامی بلاد میں اجرا ہو جائے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ مٹا دیئے جائیں اور مسلمانوں اور اسلام کا کوئی اثر باقی نہ رہے، بات یہاں تک پہنچائی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا ہے تو اس کو قتل کے انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

درقرن ماضی (عہد اکبری) کفار بر ملا وبطریق استیلا اجرائے احکام کفر در دارالاسلام می کردند ومسلماناں از اظہار احکام اسلام عاجز بودند واگر می کردند بقتل می رسیدند۔ واویلاہ واحزناہ ،وامصیبتاہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است، مصدقان او ذلیل وخوار بودند ومنکران او بعزت واعتبار، مسلماناں بادلہائے ریش در تعزیت اسلام بودند ومعانداں بسخر واستہزاء بر جراحت ہائے ایشاں نمک پاشیدند، آفتاب ہدایت در تتق ضلالت مستور شدہ بود ونور حق در حجب باطل منزوی۔ (مکتوب نمبر ۴۶، ص ۶۵، ج ۱)

اکبر کے زمانے میں کفار برملا اور غلبے کے طور پر کفر کے احکام دارالاسلام میں جاری کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام کے اظہار سے عاجز تھے اور اگر کر بیٹھتے تھے، تو قتل کر دیئے جاتے تھے، واویلاہ، واحزناہ، وامصیبتاہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین ہیں، آپ کی تصدیق کرنے والے ذلیل وخوار تھے، اور آپ کے انکار کرنے والوں کی عزت ہوتی تھی، انہیں کا

اعتبار تھا، مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی تعزیت میں مشغول، اور کفار
اُن کا مذاق اڑا کران کے زخموں پر نمک چھڑکا کرتے تھے، آفتاب ہدایت گمراہی
کے پردے میں چھپ گیا تھا اور حق کا نور باطل کے حجابوں میں سمٹ گیا تھا۔

اس کی تفصیل دیکھنا ہو تو عہد اکبری کے مورخ ملا عبدالقادر بدایونی کی تاریخ ''منتخب التواریخ''
ملاحظہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں اللہ تعالیٰ دو شخصوں کو پیدا نہ کرتا اور ان سے اپنے دین کی دستگیری نہ فرماتا تو یوں تو اللہ تعالیٰ اپنے دین کا نگہبان ہے، اس کی حفاظت دین کے طریقے ہزار ہیں، لیکن بظاہر تیرہویں صدی تک یا تو اسلام ہندوستان سے بالکل فنا ہو جاتا یا اتنا بگڑ جاتا، جتنا ہندو مذہب، یہ دو بزرگ ہندوستان کے مسلمانوں کے جلیل القدر محسن اور اسلام کے عظیم الشان پیشوا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، احیاء اسلام اور خدمت شرع کے تذکرے میں ان نائبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور درویشوں کے ساتھ ایک ''دنیا دار'' بادشاہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر مرحوم کا نام بھی زبان پر آتا ہے۔ "ذالك فضل الله يوتيه من يشاء(۱)'' (سورہ جمعہ:۴)

تیرہویں صدی میں ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مذہبی، اخلاقی اور سیاسی حالت تھی، اس کے تصور کے لئے موجودہ حالت ذہن میں لانا چاہئے، یہ خیال رہے کہ یہ حالت بڑی جدوجہد اور اصلاح وتجدید کا نتیجہ ہے، پھر بھی شاید بہ یک وقت سب گوشے نظر نہ آسکیں، اس لئے ہم اس کا ایک ناقص اور دھندلا سا خاکہ کھینچتے ہیں۔

اگر ''شرک جلی'' دنیا میں کوئی چیز ہے، اور لغت اور عرف وشرع میں اس کے کچھ معنی ہیں تو وہ صاف صاف مسلمانوں میں کثرت سے موجود تھی، قبروں اور مُردوں کے متعلق ایک مستقل شریعت بن گئی تھی جس کے واجبات اور مستحبات میں انہیں سجدہ کرنا، ان سے دعا مانگنا، بوسہ دینا، نذریں اور چادریں چڑھانا، منتیں ماننا، قربانیاں کرنا، طواف کرنا، گانا بجانا، میلہ لگانا، تہوار منانا،

---

(۱) یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے، عنایت فرماتا ہے۔

چراغاں کرنا،عورتوں کا جمع ہونااور مختصراور صحیح الفاظ میں ان کوقبلہ وکعبہ اور ملجاو ماویٰ سمجھنا تھا،اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے متعلق وہ سب عقائد وخیالات موجود تھے،جن کی وجہ سے نصرانی، یہودی اور مشرکین عرب بدنام ہیں، ہندوؤں اور شیعوں کی بکثرت رسوم مسلمانوں کی معاشرت کا جزء بن گئی تھیں،اوران سے مشکل سے کوئی گھر خالی تھا،ان کی پابندی قرآن وحدیث واسلامی فرائض سے زیادہ کی جاتی تھی،شرک وبدعت اوراسراف وجہالت ان کے اجزائے ترکیبی تھے۔

سنت وشریعت بے معنی الفاظ تھے،جوصرف کتابوں میں رہ گئے تھے، بدعت کی تعریف ہی کسی فعل پر صادق نہیں آتی تھی،اور ہر بدعت بدعت حسنہ تھی، بہت سے حرام حلال ہو گئے تھے،اور بہت سے حلال حرام،اسلامی شعائر اٹھ رہے تھے،اوران کی جگہ ہندوانہ شعائر لے رہے تھے،اور لے چکے تھے،قرآن وحدیث کے بہت سے احکام منسوخ ہو گئے تھے،مثلاً بیوہ کا نکاح اور تقسیم میراث شرفائے اسلام کی نئی شریعت میں مستحب وفرض سے حرام ومتروک ہو گئے تھے، ہر مسلمان کوشریعت میں ترمیم اور مستقل تشریع (قانون سازی) کا حق تھا اور جس کو عام مسلمان اچھا سمجھ لیں،وہ تو مستند شریعت تھی۔

قرآن ایک معمہ تھا، جسے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا،اور نہ اس میں غور کرنے کی ضرورت تھی، اس لئے اس پر عمل کرنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا،اوراُس کا بہت سا حصہ منسوخ ہوکر بے کار ہو چکا تھا،اور وہ خود وقت ضرورت کے لئے ادب واحتیاط کے ساتھ محفوظ رہتا تھا، وہ مردوں کے لئے تھا، زندوں کے لئے نہیں، وہ عوام کی سمجھ سے باہر تھا،اوراس کو پڑھ کران کی گمراہی کا اندیشہ تھا، رہے علماء،اُن کوشرعی وضروری علوم سے اس کی فرصت ہی نہ تھی کہ وہ قرآن پر غور وتدبر کریں۔

فرائض وعبادات سے غفلت تھی،اس لئے کہ زندگی میں مقررہ مجلسیں اور بزرگوں کے کھانے،مرنے کے بعد قرآن خوانی،فاتحہ،قل،سوم، تیجا، چالیسواں اورسب سے بڑھ کر پیر کا وسیلہ نجات کے لئے کافی تھا، پھر اس کے علاوہ مشقت حماقت تھی، شعائر وآداب اسلام کے زوال وانحطاط کا حال اس سے معلوم ہوگا کہ معتبر لوگوں کی شہادت ہے کہ سلام مسنون کی رسم ہی اٹھ گئی تھی، حتی کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شریعت کدے میں بھی ''آداب وتسلیمات عرض''

کا رواج تھا، اس سنت سے اتنا بُعد ہو گیا تھا کہ عالمگیر جیسا متشرع اور فقیہ بادشاہ بھی اس کا متحمل نہیں تھا، مشہور عالم مؤرخ میر سید عبدالجلیل بلگرامی کے صاحبزادے میر سید محمد اپنی کتاب ''تبصرۃ الناظرین'' میں سنہ ۱۹ جلوس عالمگیری (۱۰۸۷ھ) کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

بست وہفتم شعبان آب دارے بر زینہ ہائے مسجد جامع نزدیک رسیدہ سلام علیک گفت حکم شد، حوالۂ کوتوال نمایند(۱)

۲۷ر شعبان کو ایک سقے نے جامع مسجد کے زینے پر بادشاہ کے نزدیک آکر سلام علیک کہا، حکم ہوا کہ کوتوال کے حوالے کیا جائے۔

اخلاقی حالت

اس وقت مسلمانوں کی اخلاقی حالت بعینہٖ وہ تھی جو قوموں کے انحطاط اور حکومتوں کے زوال وتداخل (۲) کے موقع پر ہوتی ہے، ان کی معاشرت اس قدر خراب ہوگئی تھی کہ مؤرخ کا قلم بھی اس کی تصویر کھینچتے شرماتا ہے، فسق ومعصیت ان کے آداب وتہذیب میں داخل ہو کر معاشرت کا جز بن گئی تھی اور وہ اس پر علانیہ فخر کرتے تھے، شراب نوشی کی لت بھی پائی جاتی تھی، نشہ آور چیزوں (افیون، بھنگ، تاڑی وغیرہ) کا استعمال بھی تھا، جس سے اخلاق کے ساتھ قوائے عقلیہ اور صحت بھی خراب ہو رہی تھی، بازاری عورتیں دینی مجالس سے لے کر ہر مجلس کی زینت تھیں، حد یہ ہے کہ بعض شرفاء اپنے لڑکوں کو ان کے پاس زبان اور علم مجلس کی تعلیم کے لئے بھیجتے تھے، سید انشا کی ''دریائے لطافت'' (سن تصنیف ۱۲۲۳ھ) سے اندازہ ہوتا ہے کہ ارباب نشاط کا ہر طرف دور دورہ تھا، بیسوا اور زنان بازاری شہری زندگی اور معاشرت کا اہم عنصر اور جز لاینفک تھیں، جن کی حکایت وروایات، محاورات واصطلاحات اور تلمیحات وکنایات سے ادب وزبان، تحریر وانشا اور اخلاق وعادات سب متأثر ورنگین تھے، دہلی اور لکھنؤ کی معاشرت اور

(۱) ''تبصرۃ الناظرین'' مخطوطہ خدا بخش لائبریری پٹنہ ص ۵۹ (افادہ مولانا مسعود عالم ندوی)

(۲) جس طرح دو موسموں کے تداخل کا ایک زمانہ ہوتا ہے، اور اس میں بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں، اسی طرح قوموں اور سلطنتوں کے تداخل کا بھی ایک زمانہ ہوتا ہے، جب ایک قوم یا سلطنت کا چل چلاؤ ہوتا ہے، اور دوسری قوم یا سلطنت اس کی جگہ لیتی ہے، اس موقع پر بھی بے شمار اجتماعی واخلاقی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

مجلسی اور خانگی زندگی کا جو نقشہ ''دریائے لطافت'' میں نظر آتا ہے اس سے تہذیب کی آنکھیں نیچی اور حیا کی پیشانی عرق آلود ہے۔(۱)

بہت سے لوگ نکاح میں کسی تعداد کے، بلکہ نکاح کے بھی پابند نہ تھے، مسلمانوں سے فاتح اور زندہ قوموں کے خصائص رخصت ہو رہے تھے، اور اس درخت کو گھن لگ چکا تھا امراء اور متوسط طبقے کے افراد سے لے کر غرباء تک تعیش عام تھا، ہر ایک نشے میں سرشار تھا، باوجود اس کے کہ یہ مسلمانوں کے لئے نازک ترین وقت تھا، سب بے فکر اور عیش ونشاط میں مشغول تھے، گھر گھر یہی چرچا تھا، ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات تھی، غرباء بھی امراء کی نقالی کرتے تھے اور امرا کی تو دنیا ہی الگ تھی، ان کے لئے نہ قانون شریعت تھا، نہ قانون فطرت ؏

سزاوار ہے ان کو جو نا سزا ہے

اخلاقی انحطاط اور قومی بے حسی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، کہ انیسویں صدی کے آغاز میں کہ انگریزوں کے قدم حاکمانہ طور پر ابھی ہندوستان میں جمے نہیں تھے، اور ان کا وہ رعب وداب، جو ۱۸۵۷ء کے بعد قائم ہوا ہے، ابھی ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں پر نہیں تھا، متعدد مسلمان عورتیں یورپین تاجروں اور حکام کے گھروں میں تھیں، کانپور کے منڈ رو فرنگی اور اگسٹس بروگ ناظم بنارس کا ذکر تو نام کے ساتھ ہے، باقی بغیر ناموں کے بھی بعض انگریزوں کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں اور سفرناموں میں آتا ہے، جن کے گھروں میں مسلمان عورتیں تھیں۔

سیاسی حالت

سلطنت مغلیہ کا شیرازہ مدت ہوئی، بکھر چکا تھا، سارے ہندوستان پر یا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط تھا، یا اس کے معتمدین اور حلیفوں کا، بچا کھچا ملک ان قسمت آزمائیسوں اور سرداروں کے قبضے میں تھا، جو یکے بعد دیگرے شکست کھاتے اور ملک حوالے کرتے چلے جارہے تھے، شاہ عالم جن کے عہد میں سید صاحبؒ پیدا اور جوان ہوئے، صرف نام کے شاہ ہندوستان تھے، سید صاحبؒ کی ولادت سے بائیس سال قبل ہی ۱۱۷۹ھ-۱۷۶۵ء میں بنگال، بہار، اڑیسہ،

(۱) ملاحظہ ہو ''دریائے لطافت'' مطبوعہ آفتاب عالمتاب، مرشد آباد ۱۸۵۰ء

تینوں صوبوں کی دیوانی بلا شرکت غیرے بطور ''التمغا''(۱) ''سرکار کمپنی'' کو دی جا چکی تھی، سرکار بنارس اور غازی پور بطور جاگیر کمپنی کو مل چکے تھے، اب خاندان تیموریہ کے بادشاہ (شاہ عالم) کے پاس ملک میں سے صرف صوبہ الٰہ آباد تھا، اور آمدنی میں وہ روپیہ تھا، جو انگریز اس کو دیتے تھے، ۸/مارچ ۱۷۸۷ء میں یعنی ۱۲۰۲ھ میں جب سید صاحبؒ دو سال کے تھے، کلکتہ گزٹ میں مشتہر کیا گیا کہ ''مسلمانوں کی سلطنت تو نہایت حقیر اور ذلیل ہوگئی ہے، ہندوؤں سے ہم کو کچھ خوف نہیں ہے۔''

اس کے اگلے ہی سال ۱۷۸۸ء (۱۲۰۳ھ) میں غلام قادر روہیلے نے شاہ عالم کی آنکھیں نکال لیں، اور اس انسان کو جو تیموری سلطنت کی عظمت و شان کا نشان اور شاہجہاں و اورنگ زیب کا جانشین تھا، سخت ذلیل کیا، ۱۸۰۳ء (۱۲۱۸ھ) میں لارڈ لیک اپنی انگریزی فوج لے کر دلی میں داخل ہوا، مرہٹوں کو باہر نکالا اور بادشاہ کی پنشن ایک لاکھ روپیہ سال مقرر کردی، شاہ عالم اوران کے جانشین اکبر شاہ (سن جلوس ۱۲۲۱ھ وفات ۱۲۵۳ھ) نے اپنی بقیہ زندگی ایک وظیفہ خوار رئیس کی حیثیت سے گزاری، جس کا ملک کے نظم و نسق میں کوئی دخل نہ تھا، اور جس کے اختیارات ''قلعۂ معلّٰی'' کے حدود تک محدود تھے۔

زوال سلطنت کہنے کے تو دو لفظ ہیں لیکن یہ کسی قوم اور ملک کی تاریخ میں قیامت سے کم نہیں، سلطنت کو کمزور پاکر بیسیوں فتنوں نے سر اٹھایا، دکن سے لے کر دہلی تک کا ملک اور جو کچھ ملک میں ہوتا ہے، مرہٹوں کے رحم و کرم پر تھا، پنجاب سے لے کر افغانستان کے حدود تک سکھوں کا راج تھا، جن کی تاخت اور دستبرد سے ہندوستان کا شمالی اور وسطی حصہ بھی محفوظ نہیں تھا، دہلی اور اطراف دہلی مرہٹوں اور سکھوں کی غارت گری کا نشانہ رہتے تھے، اور یہ سب جب چاہتے تھے، اور جب ان کو موقع ملتا تھا، اس آباد اور مرکزی علاقے کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندتے، مال و املاک کو لوٹتے اور شہری شرفاء و معززین کو بے عزت کرتے چلے جاتے، شہروں کی زندگی میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد یہ مدوجزر آتے رہتے اور کوئی سکون کے ساتھ زندگی نہ گزار سکتا، اس قسم کا جو سیلاب بھی آتا، وہ دہلی کے سر پر سے ضرور گزرتا، اس

(۱) التمغا (ترکی) انعامی یا عطا شدہ جاگیر کی سند، اصل معنی ''سرخ مہر'' جو اکثر شاہی فرمانوں پر پڑتی تھی۔

لئے وہاں سب سے زیادہ انتشار رہتا، مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں کے حملے کے وقت شہر کے پُر امن باشندے اور شرفاء قصبات اور دیہات کی طرف منتقل ہو جاتے، حملہ آوروں اور غارت گروں کے سیلاب کے نکل جانے کے بعد پھر واپس آ جاتے۔

بارہویں صدی ہجری کے آخر اور انیسویں صدی عیسوی کے وسط تک یہی کیفیت تھی، اس زمانے کے خطوط سے اس بے امنی، انتشار اور طوائف الملوکی کا پورا اندازہ ہوتا ہے، اس عہد کے بزرگوں اور مشاہیر کے خطوط میں اس قسم کے اشارات ملتے ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سید شاہ ابوسعیدؒ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

> ایں حالت عجب حالت است، بسبب غلبۂ کفار سکھ و مرہٹہ وجٹ بر بلاد مسلمین ونہیب اموالِ ایشاں وانتہاک حرماتِ ایشاں دل وجان آسائش را فراموش نمودہ، چنانچہ فقیر مع قبائل، بہ مراد آباد انتقال نمودہ است وتمام میان دوآب زیروز بر بہ نعال فرساں ایں بدکیشاں شد۔ (''مآثر الابرار'' قلمی)
>
> یہ حالت بھی عجیب حالت ہے، کافر سکھوں مرہٹوں اور جاٹوں کے مسلمانوں کے شہروں پر غلبہ پا جانے، ان کے مالوں کے لوٹنے اور ان کو بے عزت وبے آبرو کرتے رہنے کی وجہ سے آرام وآسائش خواب وخیال ہوگئی، چنانچہ فقیر اپنے متعلقین کے ساتھ مراد آباد منتقل ہوگیا ہے اور دوآبے کا سارا علاقہ ان مفسدوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زیروزبر ہو رہا ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> از تشویشات ہر روزۂ دہلی تنگ آمدہ ام (۱)
>
> دہلی کے روزمرہ کے ہنگاموں اور بے اطمینانی سے تنگ آ گیا ہوں۔

ایک دوسرے مکتوب میں اطلاع دیتے ہیں:۔

> از ہر طرف فتنہ قصدِ دہلی می کند (۲)
>
> ہر طرف سے فتنہ دہلی کا رخ کرتا ہے۔

---

(۱) ''کلمات طیبات'' مکتوب ۴۰۔ (۲) ایضاً ۵۴

ایک مکتوب میں حکومت کی بدنظمی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

درامور سلطنت تشفی نمانده، خدا خیر کند!(۱)

سلطنت کے معاملات میں اطمینان نہیں رہا خدا خیر کرے!

۱۱۸۶ھ (۱۸۰۳ء) میں مرہٹوں کے ایک حملے، لوٹ مار اور دیہات اور قصبات کی ویرانی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

از آشوب و ہنگامہ کہ دریں حدود بسبب غلبۂ افواج جنوبی وفرار قوم روہیلہ واقع شدہ وقصبات ودیہات بتاراج رفتہ چہ نویسد؟(۲)

دکنی افواج (مرہٹوں) کے غلبے اور روہیلوں کے فرار کی وجہ سے ان حدود میں جو گڑبڑ اور ہنگامہ برپا ہوا ہے اور قصبات اور دیہات جس قدر ویران ہوئے ہیں، اس کا حال کیا لکھا جائے؟

دارالسلطنت کی بدامنی اور اہل شہر کی پریشاں حالی کا تذکرہ فرماتے ہیں:

احوال مردم شہر از بیماری عام ونا ایمنی تا کجا نویسد؟ خدا ازیں بلدۂ مورد غضب الٰہی برآرد کہ نسقے درامور سلطنت نمانده، خدا خیر کند!(۳)

عام بیماری اور بدامنی سے اہل شہر کی پریشانی کا حال کہاں تک لکھا جائے؟ اللہ تعالیٰ اس شہر سے جو مورد غضب الٰہی بن رہا ہے، نجات دے! امور سلطنت میں کوئی نظم باقی نہیں رہا، خدا اپنا فضل فرمائے!

ہندوستان کے اصل سیاسی شاطر انگریز تھے، جو اس بساط شطرنج پر مہروں کو لڑاتے اور آگے بڑھاتے اور پیچھے ہٹاتے رہتے تھے، ان کے مقابلے میں آخری منظّم کوشش سلطان شہیدؒ ٹیپو نے کی تھی، ۱۷۹۹ء میں یہ کوشش بھی ناکام رہی، کمپنی کے اس دور تجارت وسیاست میں ملک کی جو سیاسی واخلاقی حالت تھی، اور اسلامی سیاست کے مرکزوں میں اس نے جو رقابت اور تفرقہ پیدا کر دیا تھا، اس کا اندازہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے عربی قصیدے کے ایک شعر سے ہوسکتا ہے:

---

(۱) ایضاً ۳۱۔ (۲) ایضاً ۴۶۔ (۳) ایضاً ۸۶۔

وَاِنِّی اَرَی الْاَفْرَنْجَ اَصْحَابَ ثَرْوَۃٍ
لَقَدْ اَفْسَدُوْا مَا بَیْنَ دِھْلِیْ وَکَابُلٖ(۱)

ڈاکٹر لوتھراپ اسٹاڈرڈ(Lothrop Stoddard)مشہور امریکی مصنف نے اپنی کتاب ''جدید دنیائے اسلام'' (New World of Islam) میں اس دور کی سیاسی و مذہبی واخلاقی تصویر کھینچی ہے، امیر شکیب ارسلان نے اپنے حواشی میں بالکل سچ لکھا ہے کہ اگر کوئی باریک بیں مسلمان حکیم وفلسفی اور اسلام کے اجتماعی امراض سے پورے طور پر باخبر مؤرخ بھی ان پچھلی صدیوں کی تصویر کھینچنا چاہے، اوراس کا حال بیان کرے تو اس سے زیادہ صحیح، مطابق اور بلیغ تصویر نہیں کھینچ سکتا، ڈاکٹر اسٹاڈرڈ لکھتا ہے:۔

''اٹھارہویں صدی تک اسلامی دنیا اپنے ضعف کی انتہا کو پہنچ چکی تھی، صحیح قوت کے آثار کسی جگہ نہیں پائے جاتے تھے، ہر جگہ جمود وتنزل نمایاں تھے، آداب واخلاق قابل نفرت تھے، عربی تہذیب کے آخری آثار مفقود ہوکر ایک قلیل تعداد وحشیانہ عشرت میں اور عوام وحشیانہ مذلت میں زندگی بسر کرتے تھے، تعلیم مردہ ہوگئی تھی، اور چند درسگاہیں، جو ہولناک زوال میں باقی تھیں، وہ افلاس اورغربت کی وجہ سے دم توڑ رہی تھیں، سلطنتیں مطلق العنان تھیں اوران میں بدنظمی اور خونریزی کا دوردورہ تھا، جگہ جگہ کوئی بڑا خود مختار، جیسے سلطان ٹرکی یا ہند کے شاہان مغلیہ کچھ شاہی شان قائم کئے ہوئے تھے، اگرچہ صوبہ جات کے امراء اپنے آقاؤں کی طرح آزاد سلطنتیں جوظلم واستحصال بالجبر پرمبنی تھیں، قائم کرنے کے بہت کوشاں تھے، اسی طرح امراء متواتر سرکش، مقامی رئیسوں اورقطاع الطریق کی جماعتوں کے خلاف، جو ملک کوآزار پہنچاتے تھے، برسر پیکار رہتے تھے، اس منحوس طرز حکومت میں رعایا لوٹ مار اورظلم وپامالی سے نالاں تھی، دیہاتیوں اورشہریوں میں محنت کے محرکات مفقود ہوگئے تھے، لہٰذا تجارت اورزراعت دونوں اس قدر کم ہوگئی تھیں کہ محض سدرمق کے لئے کی جاتی تھیں۔

(۱) فرنگی سرمایہ داروں نے دہلی اور کابل کے درمیان فساد برپا کررکھا ہے۔

مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا، تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا، مسجدیں ویران اور سنسان پڑی تھیں، عوام جہال ان سے بھاگتے تھے، اور تعویذ، گنڈے اور مالا میں پھنس کر گندے فقراء اور دیوانے درویشوں سے اعتقاد رکھتے تھے اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے تھے، اور ان کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع وولی کے طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ ان جہال کا خیال تھا کہ خدا ایسا برتر ہے کہ وہ اس کی طاعات بلاواسطہ نہیں ادا کر سکتے، قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم کو نہ صرف پس پشت ڈال رکھا تھا، بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی، افیون وشراب خواری عام ہو رہی تھی، زناکاری کا زور تھا، اور ذلیل ترین اعمال قبیحہ کھلم کھلا بے حیائی کے ساتھ کئے جاتے تھے''۔(۱)

تیرہویں صدی کے باکمال اور مشاہیر رجال

پچھلے صفحات سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ علمی، ذہنی اور دینی و روحانی حیثیت سے تیرہویں صدی کا یہ زمانہ بالکل تاریک اور ویران تھا، اور اس ملک کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک خاک اڑ رہی تھی، کہیں زندگی کے آثار اور کہیں روشنی کے مینار نہیں پائے جاتے تھے، صلاحیتیں یکسر مفقود ہو چکی تھیں، دل ودماغ کے سوتے بالکل خشک ہو چکے تھے، خانقاہیں اور مدرسے اجڑ چکے تھے، اور ہندوستان کمال اور اہل کمال سے خالی ہو چکا تھا۔

اس کے برخلاف تیرہویں صدی کا یہ ابتدائی زمانہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا قابل ذکر عہد ہے، اور علمی و روحانی حیثیت سے ایسا مردم خیز اور شاداب زمانہ ہے، جو اس ملک کی علمی و روحانی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے، اس میں بعض ایسی باکمال وممتاز ہستیاں موجود تھیں، جن کی نظیر گزشتہ دور میں آسانی سے اور پچھلے دور میں مشکل سے بھی نہیں ملے گی۔

دینی و علمی کمالات کی جامعیت کے لحاظ سے دیکھئے تو سراج الہند شاہ عبدالعزیزؒ (م ۱۲۳۹ھ) اور بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) جیسے اکابر اسی عہد کی زینت و رونق تھے، جن کی علمی فضیلت اور روحانی فیض کا سکہ عرب وعجم میں رواں تھا، شاہ

(۱) ''جدید دنیائے اسلام'' مترجمہ جمیل الدین صاحب بدایونی علیگ۔

صاحبؒ کے فتاویٰ اور تفسیر ''فتح العزیزؒ'' اور قاضی صاحبؒ کی ''تفسیر مظہری'' اور ''مالا بدمنہ'' اس دور کی مقبول ترین تصانیف ہیں، علوم دینیہ اور کتاب وسنت کے وسیع علم اور صحیح ذوق کے لحاظ سے ''ترجمان القرآن'' حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ صاحب ''موضح القرآن'' (م ۱۲۳۰ھ) شارح حدیث مولانا سلام اللہ محدث صاحب ''محلی'' (م ۱۲۲۹ھ) صاحب فتاویٰ شیخ الاسلام مولانا عبدالحی برہانویؒ (م ۱۲۴۳ھ) اور مسند ہند شاہ اسحٰق دہلویؒ (م ۱۲۶۲ھ) جیسے علمائے راسخین موجود تھے، جن کا فہم قرآن، علم حدیث، فقہی نظر اور خدمت دین تاریخی مسلمات میں سے ہے۔

دوسری طرف ''سلّم و مسلّم'' کے شہرۂ آفاق شارح ملک العلماء مولانا عبدالعلی بحر العلوم (م ۱۲۲۵ھ) جیسے سرآمد روزگار ''ابطال البراہین الحکمیہ'' اور ''تشحیذ الاذہان'' اور دوسری مجتہدانہ فنی کتابوں کے مصنف شاہ رفیع الدین دہلویؒ (م ۱۲۳۳ھ) صاحب ''تلخیص الشفاء'' وصاحب حواشی ''میرزاہد وملا جلال'' مولانا فضل امام خیرآبادی (م ۱۲۴۳ھ) اور فنون عقلیہ کے باکمال معلم مولانا حیدر علی رامپوریؒ (م ۱۲۷۳ھ) جیسے فاضل یگانہ اسی زمانے میں تھے، جن کو علوم عقلیہ میں درجۂ اجتہاد حاصل تھا۔

ذکاوت واستعداد وملکۂ علمی میں ''عبقات'' اور ''منصب امامت'' کے مصنف مولانا محمد اسمٰعیل (م ۱۲۴۶ھ) اور ''ہدیہ سعیدیہ'' اور ''حواشی منطقیہ'' کے مؤلف اور عربی کے قادرالکلام ناظم وناثر مولانا فضل حق خیرآبادی جیسے طباع، حاضر دماغ اور صاحب فنون عالم موجود تھے۔

علوم ریاضیہ میں دیکھئے تو ''شروح مخروطات'' اور ''رسائل جبر ومقابلہ'' کے مصنف نواب تفضّل حسین خاں علامہ (م ۱۲۱۵ھ) ''الستۃ الجبریہ'' کے مصنف قاضی القضاۃ نجم الدین کاکوروی (م ۱۲۲۹ھ) ''فوائد افکار'' اور ''تحفۂ نعمانیہ'' کے مؤلف خواجہ فریدالدین (م ۱۲۴۴ھ) اور ''شمس الہندسہ'' اور ''ستہ شمسیہ'' کے مؤلف ''شمس الامراء نواب فخرالدین حیدرآبادی (م ۱۲۷۹ھ) جیسے مجتہدین فن وموجد اسی دور کی یادگار ہیں، جن کی تالیفات فن ریاضی وہیئت کا قیمتی ذخیرہ ہیں۔

مفتی اسمٰعیل لندنی، مولانا اوحدالدین بلگرامی صاحب ''نفائس اللغات''''ومفتاح اللسان'' (م ۱۲۵۰ھ) اور مولانا عبدالرحیم صفی پوری صاحب ''منتہی الارب'' (م ۱۲۶۷ھ) نے اسی دور میں اپنی لغوی تحقیقات اور علمی خدمات کی یادگاریں چھوڑیں۔

درس وتدریس کے لحاظ سے دیکھئے تو ملا مبینؒ فرنگی محلی (م ۱۲۲۵ھ) مولانا نورالحق لکھنویؒ (م ۱۲۳۸ھ) مولانا حیدر علی سندیلویؒ (م ۱۲۲۵ھ) مولانا عبدالباسط قنوجیؒ (م ۱۲۳۵ھ) مولانا غلام جیلانی رامپوریؒ (م ۱۲۳۴ھ) مولانا ولی اللہ لکھنویؒ (م ۱۲۷۰ھ) جیسے جہاں استاد موجود تھے، جنھوں نے برسوں درس وتدریس کا بازار گرم رکھا اور سیکڑوں طلبہ کو مرجع تلامذہ بنادیا۔

تصنیف وتالیف وتبحر علمی کے لحاظ سے دیکھئے تو مولانا باقر مدراسی (م ۱۲۲۰ھ) مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (م ۱۲۴۵ھ) مولانا رشید الدین خاں (م ۱۲۴۳ھ) جیسے مصنف ومؤلف اور وسیع النظر عالم ومتکلم موجود تھے، جن کی ہر علم وفن میں تصنیفات ہیں۔

شعر وشاعری کے لحاظ سے یہ دور اردو شاعری کا عہد شباب اور موسم بہار ہے جس میں وہ اساتذہ پیدا ہوئے جو اردو شاعری کا سرمایۂ فخر ہیں، اگر اس سے کسی قوم ونسل کی دماغی صلاحیت وزرخیزی کا اندازہ ہوسکتا ہے تو میر حسن دہلوی (م ۱۲۰۱ھ) میر تقی (م ۱۲۲۵) سید انشا (م ۱۲۳۳) استاد مصحفی (م ۱۲۴۰) (شیخ امام بخش ناسخ (م ۱۲۵۴ھ) خواجہ آتش (م ۱۲۶۳ھ) مومن خاں (م ۱۲۶۸ھ) اور ذوق (م ۱۲۷۱ھ) وغالب (م ۱۲۸۵ھ) جو اس دور کے نوجوان شاعر تھے، اس عہد کی دماغی شادابی، لطافت ذوق اور ذہانت وطباعی کا بہترین ثبوت ہیں۔

مشائخ طریقت

تصوف وطریقت کو دیکھئے تو ہر سلسلے کے ایسے اکابر شیوخ موجود تھے، جنہوں نے اپنے طریق کو زندگیِ تازہ بخشی اور لاکھوں بندگان خدا ان کے انفاس قدسیہ سے بہرہ یاب تھے، سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ پر نظر ڈالئے تو حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ حضرت شاہ غلام علیؒ

(م ۱۲۴۰ھ) کی ذات گرامی پر نظر پڑے گی، جن کے فیوض سے ہندوستان، ترکستان، عراق و شام وروم فیض یاب تھے، اور جن کے متعلق بہت سے اہل نظر کا خیال ہے کہ فیض وافادہ کے لحاظ سے اگر ان کو تیرہویں صدی کا مجدد طریقت کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

حضرت شاہ غلام علیؒ کے علاوہ شاہ نعیم اللہ بہرائچی (م ۱۲۱۸ھ) اور شاہ مراد اللہ تھانیسری (م ۱۲۴۸ھ) لکھنؤ میں، شاہ محمد آفاق (م ۱۲۵۱ھ) دہلی میں، شاہ حسین علی مکانوی پنجاب میں، شاہ درگاہی نقشبندی (م ۱۲۲۶ھ) اور شاہ رؤف احمد مجددی (م ۱۲۴۹ھ) رام پور وبھوپال کی ریاستوں میں، مولانا احمدی کرسوی، شاہ امین الدین کاکوروی (م ۱۲۵۳ھ) حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحب رائے بریلوی کے خلیفہ قاضی عبدالکریم جوراسی اور ان کے خلیفہ قاضی عبدالکریم نگرامیؒ (م ۱۲۴۹ھ) اودھ میں نسبت مجددیہ کے حامل اور مرکز ہدایت وارشاد تھے۔

سلسلہ چشتیہ میں دیکھئے تو مولانا فخر الدین دہلوی کے خلیفہ وچشم وچراغ مولانا قطب الدین (م ۱۲۳۳ھ)، شیخ صابر بخش (م ۱۲۳۷ھ) اور شاہ میر محمدی (م ۱۲۴۲ھ) دہلی میں، شاہ نیاز احمد بریلوی (م ۱۲۵۰ھ) اور شاہ عبدالباری امروہوی (م ۱۲۲۶ھ) روہیل کھنڈ میں، شاہ سلیمان تونسوی (م ۱۲۶۷ھ) پنجاب میں، شاہ علی اکبر فیض آبادی (م ۱۲۱۰ھ) صوفی عبدالرحمٰن لکھنوی (م ۱۲۴۵ھ) شاہ کریم عطا سلونی (م ۱۲۴۸ھ) شاہ پناہ عطا سلونی (م ۱۲۷۵ھ) اودھ میں، شاہ نعمت اللہ پھلواروی (م ۱۲۴۷ھ) بہار میں، سلسلۂ نظامیہ اور سلسلۂ صابریہ کے برکات کے امین تھے۔

سلسلۂ قادریہ میں دیکھئے تو مولانا انوار الحق فرنگی محلی (م ۱۲۲۶ھ) لکھنو میں، سید آل احمدؒ (م ۱۲۳۵ھ) مارہرہ میں، شاہ اجملؒ، (م ۱۲۳۶ھ) الہ آباد میں، سید صبغۃ اللہ بن محمد راشدؒ سندھ میں، طالبین خدا کی تربیت وارشاد میں مشغول نظر آئیں گے۔

مذہبی زندگی کے آثار

اس دور میں ابھی دین کی اتنی طلب اور قدر باقی تھی کہ مدرسے طلاب علوم دینیہ سے

اور خانقاہیں مردانِ خدا سے معمور تھیں، اوپر جن اکابر اہل درس و اہل طریق کا تذکرہ ہوا ہے، ان میں سے ہر ایک ایک مستقل اور آباد مدرسہ اور خانقاہ تھا، اور کہیں کہیں یہ دونوں مرکز جمع تھے، دہلی، لکھنؤ، روہیل کھنڈ میں، بریلی، رام پور، پیلی بھیت، شاہجہانپور، اور اودھ کے قصبات میں گوپامئو، بلگرام، سندیلہ، خیرآباد اس کے علاوہ قنوج، جونپور، الٰہ آباد، عظیم آباد، بوہار (بردوان) کلکتہ، مدراس، اس زمانے کے مشہور تعلیمی مرکز تھے جن میں سیکڑوں طلبہ استفادہ و تحصیل علوم میں مشغول تھے، دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے مدرسے میں بیرون ہند کے طلبہ بھی اور مدراس کے مدرسہ والا جاہی میں مولانا بحر العلوم کے درس میں ہندوستان کے اطراف واکناف کے طلبہ جمع تھے۔

خانقاہوں کے روحانی مقناطیس نے اس سے بھی زیادہ دور دور کے ذروں کو کھینچا تھا، حضرت شاہ غلام علیؒ کی خانقاہ میں پانچ پانچ سو طالبین جمع رہتے تھے جن کی ضروریات کا تکفل خانقاہ کی طرف سے ہوتا تھا(۱) بیرونی ممالک میں سے سمرقند، تاشقند، بخارا، قندھار، کابل، غزنی تک کے اور ہندوستان میں مغرب میں پشاور اور شمال میں کشمیر سے لے کر مشرق میں ڈھاکے اور جنوب میں حیدرآباد تک کے لوگ ہوتے تھے (۲)، پنجاب میں مکان کی خانقاہ معمور خانقاہوں میں سے تھی، اس صدی کے آخر تک یہ حال تھا کہ شاہ امام علی صاحب کے وقت میں مہمانوں کے لئے دو سو بکرے روزانہ ذبح ہوتے تھے۔

دین سے غفلت روز افزوں تھی، مگر آنکھوں میں حیا اور دلوں میں گداز باقی تھا، اللہ کے نام کا ادب اور اس کی کہلانے والی چیزوں (شعائر اللہ) کا احترام رخصت نہیں ہوا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ توبہ وانابت کی توفیق سلب نہیں ہوئی تھی۔

فسق و فجور میں ترقی تھی، مگر فسق و فجور پر اصرار اور معاصی و محرمات کے اظہار و اعلان کا رواج نہیں ہوا تھا، اہل دنیا کی وقعت اور اہل حکومت کا رعب ضرور تھا، مگر اہل دین کی توقیر اور اہل علم کا اعزاز بھی قائم تھا، اور دین کے ساتھ تمسخر و استہزاء کا دروازہ نہیں کھلا تھا، محکومی و غلامی کے لئے

---

(۱) آثار الصنادید باب چہارم۔ (۲) ''درالمعارف'' از حضرت شاہ رؤف احمد مجددی۔

تیاری شروع ہوگئی تھی، مگر اسلاف کی مردانگی وسپہ گری کا بچا کھچا سرمایہ باقی تھا، شجاعت ودلیری، وفاداری ووضعداری، پختگی، استقامت، عالی ہمتی، فراخ حوصلگی، جفاکشی ومستعدی، جوہر شناسی، ذہانت وطباعی سے ابھی ہندوستانی مسلمانوں کا دامن خالی نہیں ہوا تھا۔

لیکن دین وعلم کے یہ بڑے بڑے ذخیرے جو سلف کی کوششوں سے جمع ہوئے تھے، مسلسل خرچ اور عرصے سے آمد بند ہونے کی وجہ سے گھٹتے گھٹتے ختم ہوتے جارہے تھے، اور اضافہ وترقی کا دروازہ بند معلوم ہوتا تھا۔

قوتوں کا غلط رخ

زندگی کا صحیح مقصد اور قوتوں کا صحیح مصرف نہ ہونے کی وجہ سے اکثر قوتیں ضائع ہورہی تھیں، اور اعلیٰ انسانی صفات اور جذبات نے غلط رخ اختیار کرلیا تھا۔

شجاعت ودلیری اکثر خاندانی مناقشات، رقابتوں اور حریفانہ مقابلوں میں صرف ہوکر رہ جاتی تھی، وفاداری کو چھوٹے چھوٹے آقاؤں اور خداوندانِ نعمت کی خدمت کے سوا کوئی اور بلند مصرف نہیں ملتا تھا، وضعداری چند خود ساختہ اصولوں اور چند معاشرتی ومجلسی قوانین کی پابندی کا نام بن کر رہ گئی تھی۔

پختگی واستقامت تھی، مگر وہ زیادہ تر اپنی آن کے قائم رکھنے میں اور جوانی کے مشغلوں کو بڑھاپے میں نباہنے میں صرف ہوتی تھی۔

عالی ہمتی تھی، مگر وہ اکثر غربت کو چھپانے اور تنگ دستی میں امیرانہ حوصلہ مندی کے اظہار کے لئے رہ گئی تھی۔

غیرت وحمیت کا ظہور عموماً انفرادی وشخصی معاملات میں ہوتا تھا، دین کی مظلومی وغربت اور امت کی زبوں حالی پر اس میں حرکت واشتعال پیدا نہیں ہوتا تھا، فیاضی وفراخ حوصلگی کا مہماں نوازی، صدقہ وخیرات یا امیرانہ دادودہش کے علاوہ کوئی مصرف سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

جفاکشی ومستعدی تھی، مگر وہ عوام میں معاش کی تگ ودو اور آقاؤں کی خدمت، امراء میں سیاسی مہمات اور حریفوں کی سرکوبی، اہل دین میں مجاہدہ وعبادت اور سلوک وریاضت کے

حدود سے آگے نہیں بڑھنے پاتی تھی۔

جوہر شناسی تھی، مگر اسکا موضوع شعراء نغمہ سراؤں اور مصاحبین کی پرورش اور سرپرستی کے سوا کچھ نہ تھا۔

ذہانت وطباعی تھی، مگر وہ اہل ادب میں محض شاعرانہ نازک خیالی اور نکتہ آفرینی اور اہل علم میں دقیق متنوں کی شرح وتحشیہ، اقوال کی توجیہ اور مشکلات فن کی گرہ کشائی سے آگے بڑھنے نہیں پاتی تھی۔

اس نسل میں بہترین صلاحیتیں اور جوہر موجود تھے مگر ضائع ہو رہے تھے، افراد تھے مگر جماعت نہ تھی، اوراق تھے مگر کتاب نہ تھی، کچا مال تھا مگر کوئی کاریگر نہ تھا، پرزے تھے اور بہت سے متحرک بھی تھے مگر دینی زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی تھی، اس لئے عام اور مفید حرکت نہ تھی۔

امام کا کام

اس وقت ایک ایسے شخص اور جماعت کی ضرورت تھی، جو دین وعلم اور صلاحیتوں کے اس بچے کھچے سرمائے سے وقت پر کام لے لے اور اس کو ٹھکانے لگائے۔

جو خانقاہوں کا حال اور درس گاہوں کا قال، وہاں کی حرارت اور یہاں کی روشنی سارے ملک میں عام کر دے، جس کے جلو میں چلتی پھرتی خانقاہیں ہوں، اور دوڑتے بھاگتے مدرسے، گھوڑوں کی پیٹھ پر عالم ہوں اور محرابوں میں مجاہد۔

جو دلوں کی بجھتی ہوئی انگیٹھیاں دوبارہ دہکا دے، افسردہ دلوں کو ایک بار پھر گرما دے اور ملک میں اس سرے سے اس سرے تک طلب اور دین کی تڑپ کی آگ لگا دے، جو مسلمانوں کی خداداد قابلیتوں اور فطری صلاحیتوں کو ٹھکانے لگائے، جس کی سعی سے شجاعت ودلیری کا رخ میدان جہاد اور حقیقی دشمن کی طرف پھر جائے، جذبۂ وفاداری خداوند حقیقی کی بندگی میں لگ جائے، وضعداری، پختگی واستقامت فرائض وعبادات کی پابندی اور میدان جہاد کی ثابت قدمی میں، عالی ہمتی دین کی خدمت اور رضائے الٰہی کے اعلیٰ مراتب کے حصول میں، غیرت وحمیت دین کی مظلومی اور مسلمانوں کی زبوں حالی کے احساس میں، فیاضی وفراخ حوصلگی مجاہدین کی امداد،

مہاجرین کی نصرت اور جہاد وغزا کی اعانت اور دینی بھائیوں کی خدمت میں، جفاکشی ومستعدی سفر جہاد کی صعوبتوں کے تحمل، میدان جہاد کے مصائب اور دینی فرائض کی سربراہی میں، جوہر شناسی اہل لیاقت کی قدر دانی، دین کے خادموں اور سپاہیوں کی شناخت اور تربیت میں کام آئے، ذہانت وطباعی دعوت واصلاح کی حکمت، امور جماعت میں معاملہ فہمی وفراست، میدان جنگ کی تدبیر اور حکومت اسلامی کی دینی سیاست میں اپنے جوہر دکھائے، جس کی نگاہ دوررس اور جس کی ذات مسیحا نفس کسی بیکار چیز کو بھی بیکار نہ سمجھے اور کسی بے جان کو بھی مردہ نہ کہے اور جوامت کے ذخیرے کے ہر دانے اور اس کے خیابان کے ہر تنکے سے پورا پورا کام لے لے، جس کے متعلق ساری دنیا کا فیصلہ ہو کہ یہ کسی مصرف کا نہیں، اس کی نگاہ کا فیصلہ ہو کہ یہی سب سے بڑھ کر کارآمد ہے، جس پتھر کو ہر معمار رد کر چکا ہو، وہ کہے کہ یہی کونے کا پتھر ہے، جو ساری عمارت کا بوجھ اٹھا سکتا ہے، وہ سنگریزوں سے دیکھتے دیکھتے ایسا کحل الجواہر تیار کر دے، جو ہزاروں آدمیوں کی آنکھیں کھول دے، اور عالم کو روشن کر دے، جو منتشر افراد سے منظّم جماعت، پراگندہ اوراق سے مکمل کتاب، کچے، بلکہ گلے ہوئے مال سے بہترین مصنوعات تیار کر دے، متضاد عناصر، مختلف مزاجوں اور متقابل طبائع کو آپس میں جوڑ کر ان کے اختلاف وتنوع سے نئی قوت حاصل کرے، اور ان کو شیر وشکر کر دے، ہر قابلیت اور ہر ہنر سے دین کا کام لے، شعراء کی شاعری کو حق کے دفاع میں، علماء کی قوت استدلال کو حق کے اثبات اور دماغوں کی سلوٹ دور کرنے میں، اہل باطن کی قلبی قوت کو دین کے سپاہیوں اور کارگزاروں کی تربیت وتزکیہ نفس اور دلوں کی گرہ کھولنے میں، اہل قلم کی تصنیفی قابلیت وقوت تحریر کو توحید وسنت کی اشاعت اور جہاد کی ترغیب وتحریض میں، مقرروں کی گویائی وخطابت کو دین کی دعوت اور نفیر عام میں، دولت مندوں کی دولت کو مجاہدین کا سامان درست کرنے میں صرف کرے، غرض ہر پرزے کو دین کی مشین میں لگائے اور اپنی اصلی جگہ پر جمائے، پھر ہٹی ہوئی چول کو اپنی جگہ پر لا کر ساری مشین کو اس طرح حرکت دے کہ زندگی کا پورا محور گھوم جائے۔

جو شخص ان اوصاف کا جامع ہو، اس کو اسلام کی بلیغ ومعجز اصطلاح میں ''امام'' کہتے ہیں اور اس کی جگہ تیرہویں صدی کے تمام اہل کمال اور مشاہیر رجال کی موجودگی میں خالی تھی۔

خاندان

امیر سید قطب الدین اور ان کی اولاد

محمد ذو النفس الزکیہ شہیدؒ کی بارہویں پشت میں سید رشید الدین کے فرزند رشید شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد الحسنی (۱) ایک عالم و عارف اور عالی ہمت بزرگ تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے علم وتقویٰ کی دولت کے ساتھ شجاعت کا جوہر اور جہاد کا جذبہ عطا فرمایا تھا، ۶۰۷ھ میں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کو جہاد کے لئے ہندوستان جانے کا حکم اور فتح کی بشارت ہوئی، اور آپ غزنی کے راستے سے اعزاء وسادات اور غزنی کے رؤساء وشرفاء ومجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دہلی تشریف لائے، دہلی سے پورب کا قصد کیا اور اول قنوج، پھر مانک پور اور کڑا پر، جو اس زمانے میں ایک مستقل حکومت کا مرکز تھا، حملہ کیا اور اس تمام علاقے کو فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کیا۔ (۲)

امیر سید قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک مدت تک دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز رہے، دہلی کے تمام مشائخ وعلماء اور تمام سلاطین اپنے اپنے وقت میں آپ کا ادب واحترام

(۱) صاحب ''بحر الانساب'' نے آپ کی تاریخ ولادت ۵۸۱ھ لکھی ہے۔

(۲) صاحب ''تاریخ آئینہ اودھ'' نے سفر جہاد اور حملے کے مفصل واقعات سید قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عربی ملفوظ سے نقل کئے ہیں (ص ۵۰-۵۴) اس ملفوظ کی صحت اور تاریخی استناد کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

کرتے تھے، آپ نے دہلی سے منتقل ہوکر کڑے میں مستقل سکونت اختیار فرمائی تھی، جہاں چھیانوے سال کی عمر میں ۳ر رمضان ۷۷٦ھ میں وفات پائی۔(۱)

مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے امیر قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت بلند الفاظ میں تذکرہ کیا ہے، قاضی ضیاء الدین برنی ''تاریخ فیروز شاہی'' میں سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کا ذکر کرتے ہوئے سید قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا آپؒ کے بعض دوسرے معاصرین کے ساتھ ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:۔

من کہ مؤلف ''تاریخ فیروز شاہیم'' از ثقات معمر شنیدہ ام: درعصر بلبن چند بزرگ از بقایا بزرگان شمسی ماندہ بود و چند ملک از نوادر ملوک واعوان وانصار او پیدا آمدہ کہ عہد وعصر سلطان بلبن ازاں بزرگان وازاں ملوک آراستہ شدہ بود واعتبار تمام گرفتہ، چنانکہ از سادات کہ بزرگ تر بزرگان امت اند، قطب الدین شیخ الاسلام شہر جد بزرگوار قاضیان بداؤں وسید منتخب الدین وسید جلال الدین پسر سید مبارک وسید عزیز الدین وسید معین الدین سامانہ وسادات گردیز جدان سید جھجو وسادات عظام کیتھل وسادات جنجیر وسادات بیانہ وسادات بداؤں وچندیں سادات دیگر کہ از حادثہ چنگیز خاں ملعون دریں دیار آمدہ بودند وہر یکے در صحت نسب وبزرگی عدیم المثال بودند وبکمال تقویٰ تدیّن آراستہ ہر ہمہ برصدر حیات بودند۔(۲)

خاکسار مؤلف ''تاریخ فیروز شاہی'' نے معتبر ومعمر بزرگوں سے سنا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں چند ہستیاں جو سلطان شمس الدین التمش کے مبارک عہد کی یادگار تھیں، باقی رہ گئی تھیں، اور اس دور کے چند یکتائے روزگار ملوک وامراء واعوانِ سلطنت بھی موجود تھے، یہ بزرگ ہستیاں اور یہ ملوک وامراء سلطان بلبن کے عہد کے لئے باعث زینت وفخر تھے، چنانچہ

---

(۱) ''نزہۃ الخواطر'' بحوالہ ''وفیات الاعلام'' از شیخ محمد یحییٰ۔

(۲) ''تاریخ فیروز شاہی'' ص ۱۱۱، عہد سلطان غیاث الدین بلبن۔

سادات میں سے، بزرگان امت کے سرتاج ہیں، دارالسلطنت دہلی کے شیخ
الاسلام قطب الدین جو بدایوں کے قاضیوں کے جدّ بزرگوار ہیں اور سید منتخب
الدین سید جلال الدین (فرزند سید مبارک) سید عزیز الدین وسید معین الدین
سامانہ، نیز گردیزی سادات (جو سید چھجو کے اجداد ہیں) اسی طرح کیتھل کے
سادات عظام و سادات جنجیر و سادات بیانہ و سادات بدایوں اور دوسرے
متعدد سادات کرام جو چنگیز خاں ملعون کے حادثے کی وجہ سے اس ملک میں
تشریف لائے تھے ان میں سے ہر ایک صحیح النسبی اور عالی حسبی میں بے نظیر اور
کمال تقویٰ وتدین سے آراستہ رونق بخش وجود تھا۔

امیر سید قطب الدین کی صحتِ نسب وعلو خاندان کی شہادت تمام مؤرخین ومبصرین نے
دی ہے، حضرت سید علی ہمدانی، صاحب ''عمدۃ الطالب'' شیخ احمد اکبر آبادی ''تذکرۃ السادات'' سید
حامد بخاری سندھی اور صاحب ''منبع الانساب'' اور صاحب ''بحر الانساب'' نے اس کی توثیق کی
ہے، اور بعض نے لکھا ہے کہ ''صحتِ نسب قطب العارفین، رئیس الواصلین سید قطب الدین
محمد الحسنی الحسینی از تواریخ انساب بتواتر پیوستہ''(۱)

حضرت سید قطب الدین کی اولاد کو اللہ نے بڑی دینی و دنیوی برکت عطا فرمائی،
سیادت و امارت کے ساتھ علم وفضل، زہد وتقویٰ کی دولت سے مالا مال رکھا، آپ کے ایک
صاحبزادے سید تاج الدین تھے، جو مدت تک اودھ اور پھر بدایوں کے عہدہ قضاء پر رہے،
مؤلف ''تاریخ فیروز شاہی'' ان کے متعلق لکھتے ہیں:

> ویکے از اں سادات عظام کہ ایں دیار بوجود ہمایون او معظم ومکرم بود، سید السادات
> سید تاج الدین پسر شیخ الاسلام سید قطب الدین بودہ است وسید تاج الدین مذکور
> پدر سید قطب الدین وجد سید اعز الدین از قاضیان بداؤں بودند وسالہا قضائے
> اودھ حوالت او بود، سلطان علاء الدین اورا از اودھ معزول کردہ وقضائے بداؤں
> داد سید تاج الدین علیہ الرحمۃ والغفران، بزرگوار سیدے بودہ است و چندیں

(۱) ''تذکرۃ السادات''

صالحان وخدا طلبان مصطفیٰ را، علیہ الصلوۃ والسلام، بر صورت او در خواب دیدہ بودند و تمثل او مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم برہانے قاطع در صحت نسب او و مکارم اخلاق ومحاسن او صاف سید قطب الدین پسر ونبیسہ آں سید بزرگوار مشاہدۂ معاصرانِ عصر است و ہر یکے از سادات مذکور بزرگی علم وحلم وسخاوت وسائر فضائل نظیر خود ندارند۔(۱)

ان سادات میں سے ایک بزرگ جن کے وجود مبارک سے اس ملک کو عزت وافتخار حاصل تھا، سید السادات سید تاج الدین فرزند شیخ الاسلام سید قطب الدین تھے، سید تاج الدین موصوف سید قطب الدین کے والد نامدار اور سید اعز الدین کے جد بزرگوار بدایوں کے قاضیوں میں سے تھے، اور سالہا سال اودھ کا منصب قضا ان کے سپرد رہا، سلطان علاء الدین نے اس سے سبکدوش کر کے بدایوں کا قاضی مقرر کیا سید تاج الدین علیہ الرحمۃ بڑے جلیل القدر سید تھے، متعدد بزرگوں اور طالبان خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سید تاج الدین کی صورت میں خواب میں دیکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی شکل میں نظر آنا ان کی صحت نسب کے لئے دلیل قطعی ہے، قطب الدین اور ان کے صاحبزادے اور نواسے کے اخلاق کریمانہ اور محاسن واوصاف آپ کے معاصرین کے چشم دید واقعات تھے، ان سادات کرام میں سے ہر بزرگ بزرگی علم وحلم سخاوت اور دوسرے فضائل میں بے نظیر تھا۔

امیر سید قطب الدین کے بڑے صاحبزادے سید نظام الدین نے ایک فرزند یادگار چھوڑا، جن کا نام سید رکن الدین تھا، آپ ہی حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مورث ہیں، قاضی ضیاء الدین برنی نے سید رکن الدین صاحبؒ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

سید رکن الدین برادر زادہ سید تاج الدین مذکور قاضی کڑا بودہ است وباری تعالیٰ سید رکن الدین را جامع فضائل آفریدہ بود وبکشف وکرامات آراستہ وہم

---

(۱) ''تاریخ فیروز شاہی'' ص ۳۴۸۔۳۴۹

صاحب سماع بود وہم وجدے وحالتے عجیب داشت وروزگار بزرگی اودر ترک وتجرید ودر اعطا وایثار کرانہ شدہ است ومؤلف ''تاریخ فیروز شاہی'' سعادت ملاقات سید تاج الدین وسید رکن الدین رحمہا اللہ دریافتہ است وشرائط پائے بوس ایشاں بجا آوردہ ومن مثل آں سادات بزرگوار واوصاف سنیہ وحشمتے کہ دادۂ خدا ایشاں داشتند کمتر دیدہ است، سیادت وہمہ مآثر است وفرزندی رسول رب العالمین ہمہ شرف وبزرگی ومنقبت وجلالت است کہ اگر خواہم کہ در محامد آں سادات وسائرِ سادات کہ نور دیدگان مصطفیٰ وجگر گوشکانِ مرتضیٰؓ بودہ اند وہستند چیزے بنویسم، سراسیمہ پیشوم وبعجز خویش معترف می گردم۔(۱)

سید رکن الدین، جو سید تاج الدین ممدوح کے بھتیجے ہیں، کڑے کے قاضی تھے، اللہ نے سید رکن الدین کو ہمہ صفت موصوف پیدا کیا تھا، صاحب کشف وکرامت تھے، صاحب سماع تھے، اور عجیب وجد اور کیفیات رکھتے تھے، ترک وتجرید اور سخاوت وایثار میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا، مؤلف ''تاریخ فیروز شاہی'' نے سید تاج الدین وسید رکن الدین رحمہما اللہ کی ملاقات وقدم بوسی کی سعادت حاصل کی ہے، میں نے ایسے سادات عظام، ایسے بلند اوصاف، ایسی شوکت وحشمت کم دیکھی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نصیب کی تھی، سیادت خلاصۂ مناقب ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت فرزندی سب سے بڑا اعزاز ہے، اگر چاہوں کہ ان سادات اور دوسرے سادات کی تعریف میں کہ نور دیدۂ مصطفیٰ اور جگر گوشۂ مرتضیٰؓ ہیں، کچھ لکھوں تو حیران رہ جاتا ہوں اور اپنے عجز کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

امیر سید قطب الدین کی اولاد پوری ایک صدی تک بڑی نیک نامی، عزت وحرمت اور دین داری وبزرگی کے ساتھ کڑے میں مقیم رہی، اس خاندان کے ایک بزرگ سید قطب الدین

---

(۱) ''تاریخ فیروز شاہی'' ص ۳۴۹، عہد سلطان علاء الدین خلجی، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۲ء

ثانی نے کڑے سے جائس (ضلع رائے بریلی) نقل سکونت کی، ۷۸۱ھ میں ان کے پوتے (سیدعلاءالدین کے صاحبزادے) قاضی سید محمود جائس سے نصیرآباد منتقل ہوئے، جو جائس سے صرف چار میل کے فاصلے پر ایک آباد قصبہ اور شرفاء وسادات کا قدیم مسکن تھا، اس وقت سے نصیرآباد اس خاندان کا وطن قرار پایا۔

قاضی سید محمود کے صاحبزادے قاضی سید احمد مشہور بہ سید راجیؒ اس بنا پر کہ دوران مقدمہ میں ایک فریق کی زبان سے یہ لفظ نکلے کہ ''از چنیں حکم شرع بیزارم'' ترک وطن کر کے رائے بریلی تشریف لے آئے، ان کا خاندان اور اولاد نصیرآباد میں مقیم رہا آپ کے فرزند سید محمد معظم نے دو نامور فرزند چھوڑے، سید محمد اسحٰق وسید محمد فضیل۔

سید محمد اسحٰق کے تین صاحبزادے تھے، دیوان خواجہ احمد صاحب (۱)، مولانا سید ہدایت اللہ (۲) اور سید تاج الدین، دیوان خواجہ احمد صاحب، اور مولانا ہدایت اللہ صاحب، علم وفضل، دیانت وتقوی اور کمالات ظاہری وباطنی میں نہایت بلند پایہ تھے۔

سید محمد فضیل کے دو صاحبزادے تھے، حضرت شاہ داؤد اور حضرت سید شاہ علم اللہؒ سید شاہ علم اللہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے جد امجد ہیں۔

حضرت سید شاہ علم اللہؒ

- دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۳ھ میں ولادت ہوئی، والد ماجد کا تقریباً ڈھائی مہینہ پہلے اور والدہ ماجدہ کا دو تین سال کی عمر میں انتقال ہو گیا، ماموں سید ابو محمد نے کہ امرائے شاہجہانی میں سے تھے، پرورش کی، تعلیم اپنے چچازاد بھائی دیوان خواجہ احمد صاحب سے حاصل کی، جوان ہوئے تو ماموں نے ملازمت کی کوشش کے لئے لشکر میں طلب کیا، لیکن ملازمت سے پہلے ہی دنیا طلبی سے دل برداشتہ ہو کر خدا طلبی کی راہ اختیار کی، اسباب امارت کو وقف عام کر دیا اور دو سال لشکر گاہ میں ٹھہر کر نفس کی تہذیب وتربیت کے لئے خدمات شاقہ انجام دیتے رہے، یہ وہ

---

(۱) آپؒ کی چھٹی پشت میں حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیرآبادی ہیں۔

(۲) آپؒ کی اولاد میں مولانا سید محمد امین نصیرآبادیؒ اور اس راقم سطور کے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ ہیں۔

زمانہ تھا کہ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اعظم حضرت سید آدم بنّوریؒ کا آفتاب ہدایت وارشاد پورے عروج پر تھا، حضرت سید شاہ علم اللہؒ حضرت سید کی خدمت میں حاضر ہوئے، بیعت کی اور تھوڑی مدت میں اس راہ کے تمام منازل طے کر کے اس کے انتہائی کمالات حاصل کئے اور خلافت ونیابت سے سرفراز ہوئے، حضرت سید آدمؒ نے اپنی عمامہ اور حضرت مجدّدؒ کی دستار مبارک عنایت کی اور وطن کی طرف رخصت کیا، شاہ صاحب رخصت ہونے لگے تو عرض کیا ''اس طرف اودھ میں بہت سے اولیاء اور عالی مرتبہ لوگ ہیں، میری ان میں حیثیت ہی کیا ہوگی؟'' حضرت سید آدمؒ نے کچھ دیر مراقب ہوکر فرمایا ''ان میں تمہاری نسبت ایسی ہوگی، جیسے چراغوں میں شمع کی'' پھر کچھ دیر مراقبے کے بعد فرمایا: ''سید خاطر جمع ہوکر جاؤ اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ، تمہاری نسبت ان میں ایسی ہوگی، جیسے ستاروں میں آفتاب کی۔''

حضرت آدم بنّوریؒ ہندوستان سے ہجرت فرمارہے تھے، شاہ علم اللہؒ نے بھی ہجرت کا عزم کیا، حضرت سید نے فرمایا: ''جاسکتے ہو لیکن اگر کوئی مرد خدا تمہیں کہیں روکے تو ٹھہر جانا۔''

شاہ علم اللہؒ اہل وعیال کو لے کر سفر حجاز کی نیت سے نصیر آباد سے رائے بریلی آئے، تو یہاں ایک خدا رسیدہ بزرگ شاہ عبدالشکور مجذوبؒ نے شیخ کا قول یاد دلا کر باصرار رائے بریلی کے قیام پر آمادہ کرلیا اور سئی ندی کے کنارے ایک جگہ قیام کے لئے تجویز کردی، شاہ صاحبؒ نے وہیں طرح اقامت ڈال دی، ۱۰۷۵ھ میں آپ نے حج کیا (۱)، اور واپس تشریف لائے اور کچھ مدت قیام کرکے تقریباً ۱۰۸۲ھ میں دوبارہ حرمین تشریف لے گئے، واپسی میں کعبے کا نقشہ اور صحیح پیمائش ساتھ لائے اور ۱۰۸۳ھ (۲) میں اس نقشے اور پیمائش کے مطابق اپنے نئے مسکن میں سئی کے بالکل کنارے اپنے اور اپنی اولاد کے ہاتھ سے خدا کا گھر تعمیر کیا، جس کی بنیادوں میں آب زمزم ڈالا (۳) اور اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے مطابق اپنی اولاد کو وہیں اسی نیت سے آباد کیا ''ربنا لیقیموا الصلوۃ (۱۴:۳۷) یعنی اے ہمارے

---

(۱) صاحب ''نتائج الحرمین'' ۱۰۷۵ھ میں آپ سے مکہ معظمہ میں ملاقات کا ذکر کرتے ہیں۔

(۲) "قبلة ثان" تاریخ تعمیر ہے، جو مسجد کے جنوبی دروازے پر کندہ ہے۔

(۳) ''اعلام الہدیٰ''

دائرہ شاہ علم اللہ (تکیہ کلاں) بستی کا منظر اس کے شمال مشرقی سمت سے

وسط میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا مکان مہمان خانہ اور بائیں آخری سرے پر سید رشید احمد حسنی مرحوم کا مکان
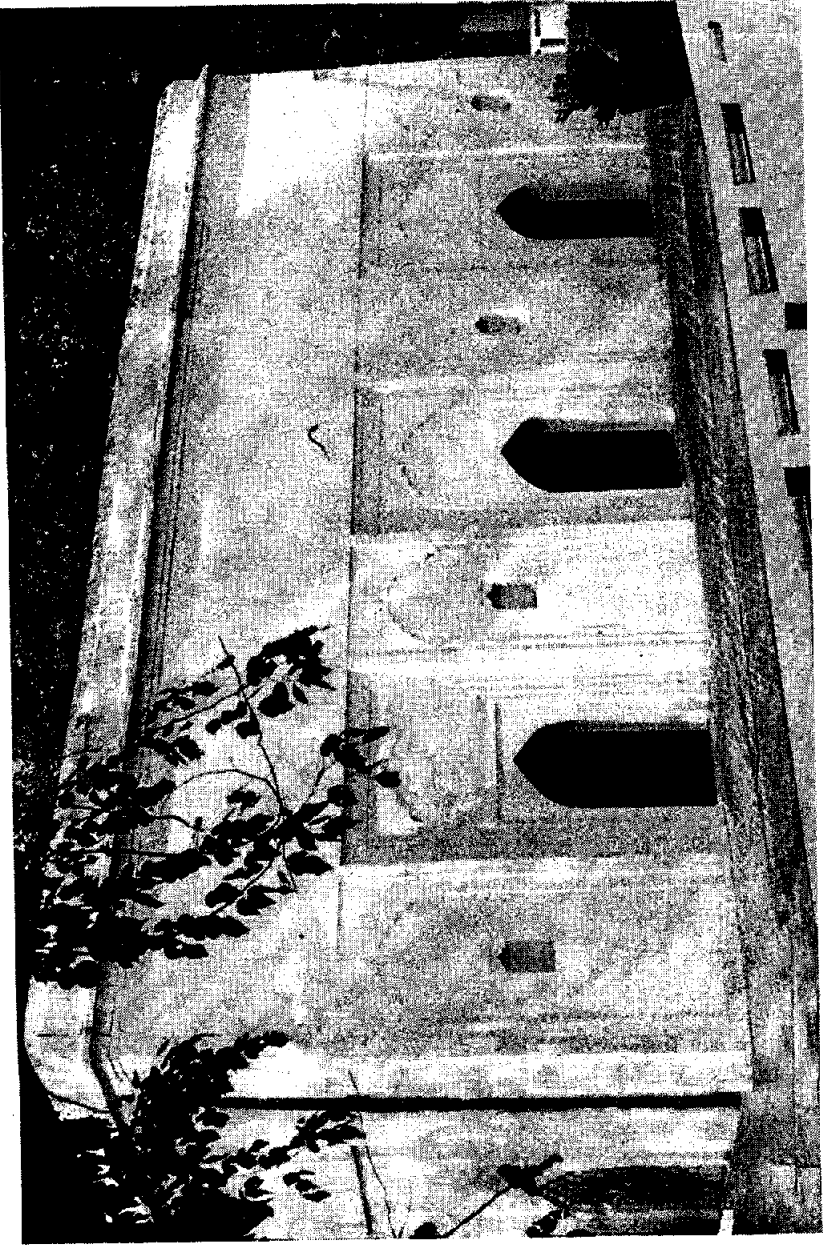
مسجد دائرہ شاہ علم اللہ: جس کی اصل تعمیر تین سو سال قبل حضرت سید احمد شہیدؒ کے جد امجد حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادگان کے ہاتھوں ہوئی۔

پروردگار میں نے اپنی اولاد کو یہاں اس لئے ٹھہرایا ہے کہ یہ نماز قائم کریں۔

۱۰۹۶ھ میں عالمگیر کے عہد میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور مسجد کے جنوب مشرقی گوشے میں مدفون ہوئے، انتقال کی شب کو عالمگیرؒ نے خواب دیکھا کہ آج کی رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، بادشاہ کو اس خواب سے بہت تشویش ہوئی، علماء سے تعبیر دریافت کی تو انہوں نے کہا "اس رات سید علم اللہ صاحبؒ کی وفات ہوئی ہوگی کہ وہ اتباع سنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بہ قدم تھے" سرکاری وقائع نگار کی اطلاع سے معلوم ہوا کہ اسی شب کو جناب ممدوح نے انتقال کیا۔(۱)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کا اصل جوہر، جس نے آپ کو اپنے معاصرین میں ممتاز کر رکھا تھا، عبادات کے ساتھ روزمرہ کی زندگی اور عادات میں بھی اتباع سنت ہمیشہ عزیمت پر عمل اور تقویٰ تھا۔

خواجہ محمد امین بدخشیؒ جو حضرت سید آدم بنوریؒ کے مجاز و مقرب تھے "نتائج الحرمین" میں شاہ صاحبؒ کے ایک فیض یافتہ شیخ عبدالحکیم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "حضرت میر سید علم اللہؒ کہ حضرت آدم بنّوری کے خلفاء میں نہایت متّقی کامل العلم والاحوال بزرگ ہیں، نسباً حسنی الحسینی ہیں، ان کا ظاہر و باطن کمال اتّباع سنت سے آراستہ اور ان کی ساری زندگی اور تمام اوقات سنن و مستحبات سے معمور ہیں، اور وہ خود اور ان کے تمام پیرو ہمیشہ فقر و فاقہ سے گزر کرنے والے، دنیا کی بو بھی اپنے پاس نہیں آنے دیتے، ہندوستان اور عرب میں بھی ان کے تقویٰ اور استقامت کا غلغلہ ہے، اکثر مشائخ کو ان کا تقویٰ اور ریاضت و استقامت دیکھ کر رشک آتا ہے، اور حسرت ہوتی ہے، اور کہتے ہیں کہ دیکھو مقبولانِ ازلی کو اللہ کی طرف سے ایسی استعداد و قابلیت نصیب ہوتی ہے، اپنے

---

(۱) اس خواب کا تذکرہ حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کے ملفوظات "درالمعارف" میں بھی ہے، "بحر زخار" میں ہے کہ عالمگیرؒ نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ اور ارواح مقدسہ کا اجتماع دیکھا اور کسی آزاد مشرب صوفی نے یہ تعبیر دی۔

دوستوں، رفیقوں اور فرزندوں میں بھی ان کا عمل عزیمت ہی پر ہے، اپنے بیٹوں اور جاننے والوں میں سے کوئی اگر کسی امر مباح یا رخصت پر عمل کرے تو اس سے ناراض ہو جاتے ہیں، اور اگر "نعوذ باللہ" کسی سے کوئی بدعت کا فعل سرزد ہو جائے تو اس سے اس درجے بیزار ہو جاتے ہیں کہ اس کا منھ دیکھنے کے روادار نہیں ہوتے جب تک کہ وہ از سر نو تائب و متقی نہ ہو جائے۔ فقراء اور فرزندوں پر اور گھر کے اندر اور باہر کھانے کی تقسیم مساوی طور پر کرتے ہیں۔ جو عمل بھی سنت یا مستحب ہے، اس سے ذرا تجاوز نہیں کرتے، ایک رسالہ "قوت العمل" کے نام سے تحریر فرمایا ہے، جو امر بالمعروف اور ایسے بہت سے حقائق و معارف الٰہیہ پر مشتمل ہے کہ عارفین کے سوا ہر شخص کما حقہ نہیں سمجھتا، اپنے احوال کا بہت اخفاء فرماتے ہیں، اور اپنی عاجزی اور شکستگی ظاہر کرتے ہیں، اکثر لوگ ان کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ شاید صحابہ کرامؓ ایسے ہی ہوں گے، پابندِ شرع دوستوں اور طالبین کے ساتھ بڑی خوش خلقی اور تواضع کے ساتھ پیش آتے ہیں "**وَإِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ**"(۱)(۴:۶۸) کی متابعت کا پرتو آپ میں بہت نمایاں ہے۔

ہدایا اور نذر متقی کے سوا کسی سے قبول نہیں کرتے، منقول ہے کہ ایک روز دلیل خاں جو عہد شاہجہانی کے امرائے کبار میں سے تھے، ملاقات کے لئے آئے، ان کو آپ نے امر بالمعروف کیا اور تمام امور خلاف شرع سے توبہ کرائی، توبہ کے بعد جو نذر وہ لائے تھے قبول فرمائی وہ رخصت ہو کر تقریباً ایک کوس گئے ہوں گے کہ ان کے لشکر سے نقارے کی آواز آئی، اسی وقت نذر واپس بھیج دی۔

میاں شیخ عثمان شاہجہاں پوری نے، جو حضرت آدم بنّوری کے لوگوں میں تھے، آپ کی تنگی معاش کا حال سن کر سلطان اورنگ زیب کو رقعہ لکھ کر میر سید علم اللہ اور میاں شیخ سلطان (۱) کی خدمت کی ترغیب دی اور ان کا استحقاق

---

(۱) اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔

(۲) حضرت سید آدم بنوریؒ کے نہایت ممتاز و جلیل القدر خلفاء میں سے تھے، پورب میں سلسلہ نقشبندیہ کے دو امام تھے، شیخ محمد سلطان ساکن بلیا اور سید علم اللہؒ ساکن رائے بریلی، حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نتائج الحرمین"۔

ثابت کیا، بادشاہ نے فرمایا کہ میاں شیخ سلطان کے فقرائے خانقاہ کے لئے ایک روپیہ روزینہ مقرر کردیا جائے، چونکہ بادشاہ کو معلوم تھا کہ سید صاحب موصوف (شاہ علم اللہؒ) روزینہ قبول نہیں فرمائیں گے، اس لئے فرمایا کہ جس حلال مال سے ہمارے کھانے کا انتظام ہے، اس میں سے دوسو روپئے سید صاحبؒ کی خدمت میں نذر کے طور پر پیش کئے جائیں لیکن شاہ علم اللہ صاحبؒ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا، شاہ صاحبؒ کا زہد وتقوی روز بروز روبہ ترقی تھا، بخلاف اکثر مشائخ کے کہ سلوک کی ابتدا میں ریاضتیں کرکے آخر میں فارغ وسبکدوش ہوجاتے ہیں، لیکن شاہ صاحبؒ نے اول تنگی وسختی وفقر کو راحت سمجھ کر اور فقر وفاقہ کو سنت کی پیروی میں جو اختیار کیا تو آخر تک اس میں ذرا فرق نہیں آنے پایا اور لذات دنیاوی کو اپنے پاس نہیں آنے دیا(۱)''۔

صاحب ''بحر زخّار'' نے آپ کے تذکرے میں یہ لفظ لکھے ہیں:

''مجاہداتیکہ ازاں یگانۂ زمانہ درباب نفرت دنیا باتباع طریقۂ نبویہ بظہور آمدہ بعد از صحابہ کرامؓ در دیگر اولیائے امت متاخرین کمتر یافتہ می شود''۔

صاحب بحر زخّار اور صاحب ''اعلام الہدیٰ'' لکھتے ہیں:

''مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے لوگ آپ کی اس قوت عمل، کمال اتباع اور عزیمت کو دیکھ کر کہا کرتے تھے "هـذا كـأبي ذر" یعنی شاہ علم اللہؒ اس زمانے میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نمونہ ہیں، اور یہ فقرہ حرمین میں زبان زد ہوگیا تھا''

شیخ عبدالحمید ابدال (شاہ صاحبؒ کے ایک معاصر بزرگ) فرماتے تھے کہ اتباع سنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں سید علم اللہ صاحبؒ کی مثال اس زمانے میں نہیں ہے، اور سلف میں بھی خاص خاص لوگ اس درجے کے ہوئے ہیں، آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرزندی کے علاوہ آپ کی محبوبیت بھی حاصل ہے، چنانچہ آپ کی اس مقبولیت اور محبوبیت کے بہت سے واقعات اور رویائے صادقہ کتابوں میں مذکور ہیں۔

---

(۱) ''نتائج الحرمین''۔

شیخ عبدالحکیم اپنے زمانے کی شہادت لکھتے ہیں:

''دریں زمانہ مشہو راست کہ ہم چنیں باستقامت در شریعت و طریقت و مطابقت سنت کم کسے خواہد بود'' الا ماشاء اللّٰہ''

شاہ صاحبؒ حد درجے کے متواضع اور سادہ تھے، خرد و کلاں، حتیٰ کہ نوکر چاکروں کو تعظیم سے خطاب کرتے، اپنے ہاتھ سے سب کام کرتے، جھاڑو دیتے، پانی بھرتے، لکڑی کاٹ کر لاتے، کھانا پکانے میں نوکروں کے ساتھ شریک ہوتے، ایک مرتبہ سیلاب کے بعد ایک مخلص نے حویلی کی کرسی بلند کرنے کے لئے پانچ سو روپئے بھیجے، آپ نے صاحبزادوں اور ساتھیوں سے فرمایا ''یہ رقم آئی ہے، چاہے مزدوروں سے کام لیا جائے، اوران کو مزدوری دی جائے، چاہے تم خود محنت کرو، اور مزدوری لو'' سب نے اسی کو منظور کیا، شاہ صاحبؒ نے سب کی شرکت میں روزانہ محنت کر کے حویلی تعمیر کی اور سب کام سب کے ساتھ اپنے ہاتھ سے کئے۔

ہر کام میں دوسرے کا ہاتھ بٹاتے اور کسی سے خدمت نہ لیتے، بازار سے سامان خرید کر سر پر اٹھا کر لاتے، شیخ وقت اور مخدوم خلائق ہونے کے باوجود مشیخیت و مخدومیت کی بو بھی نہیں پائی جاتی تھی۔

شاہ صاحبؒ کو رسوم و بدعات اور خلاف شریعت رواج سے بڑی نفرت تھی، اس رنگ کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا، جو شیخ عبدالحکیم نے شاہ صاحبؒ کے ملفوظات میں لکھا ہے:

''عید الاضحیٰ کے روز سورج نکلے آپ مسجد سے نکل کر مکان تشریف لائے، دروازے پر پہنچے تھے کہ دو سپاہی حضرت کی ملاقات کے لئے آئے، آپ دروازے سے واپس ہوئے اوران کی خاطر سے اپنی نشست گاہ میں آکر بیٹھ گئے، آپؒ نے ان سے فرمایا ''تم شادی غمی میں اپنے عزیز و اہل برادری کے ساتھ کیا عمل کرتے ہوئے، سنت کے موافق یا بدعت؟ ان میں سے ایک نے جو حضرت سے پہلے تعلق رکھتا تھا، جواب دیا'' ہمارا عمل حضرت کی مرضی اور ارشاد کے موافق ہے، اور ہم شادی غمی میں کسی بدعت کی محفل میں شریک

نہیں ہوتے'' فرمایا'' جزاك الله ''اس کے ہمراہی نے کہا'' ہمیں جب اللہ توفیق دے گا، تو ہم بھی بدعت کے ان کاموں سے باز آجائیں گے، ہمارا اس میں کچھ اختیار نہیں'' حضرت نے فرمایا اس طرح مت کہو، ہر عاقل و بالغ کو اللہ نے اختیار دیا ہے، اور یہ کہنا کہ ''اللہ توفیق دے، کل قیامت کو اللہ کے حضور میں یہ دلیل کچھ کام نہیں آئے گی، اگر یہ دلیل کارآمد ہوتو ہر شخص کی گلوخلاصی ہو جائے، دیکھو حضرت آدم علیہ السلام یہ جانتے تھے کہ ان کا گیہوں کھانا ایک تقدیری امر تھا، لیکن انہوں نے بھی اپنی تقصیر کا اعتراف کیا اور کہا'' رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (۷:۲۳) یعنی اے ہمارے رب، ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا، اور یہ نہیں کہا اے اللہ گیہوں نہ کھانے کی توفیق تو نے کیوں نہیں دی؟ کسی آدمی کا کسی پر قرض ہوتا ہے، اور وہ آدمی اس سے مطالبہ کرتا ہے تو قرض دار یہ نہیں کہتا'' اگر خدا توفیق دے گا تو تیرا قرض ادا کردوں گا، بلکہ چاروناچار کہیں نہ کہیں سے انتظام کرنا پڑتا ہے، یا نہ ہونے پر بالکل عذر کرتا ہے، یا اسے معاف کروالیتا ہے یا کسی دوسرے وقت پر رکھتا ہے، اسی طرح اللہ کے بندوں کو چاہئے کہ اسلام کے مفہوم پر عمل کریں، اسلام کیا ہے؟ اللہ کے احکام کے آگے سر جھکا دینا اور اس کے ممنوعات سے بچنا، پس اللہ کے احکام کے آگے سر جھکا دینا چاہئے، اور ان تمام چیزوں سے جن سے اللہ نے روکا ہے، مجتنب رہنا چاہئے اور سنت کی پیروی کی کوشش کرتے رہنا چاہئے، کیونکہ بندہ جب نیک کام اختیار کرتا ہے، تو حق تعالیٰ اپنے کرم سے اس کی امداد واعانت فرماتا ہے، اور اس کو خیر کی زیادہ توفیق دیتا ہے، جب بندے کا اخلاص اللہ سچا دیکھتا ہے، تو اس کی طرف سے فضل وکرم ہی کا معاملہ ہوتا ہے، البتہ بندے کو استقامت سے کام لینا چاہئے۔''

شاہ صاحبؒ کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر سختی سے عمل تھا، کوئی خلاف شرع یا خلاف سنت بات دیکھتے تو بے تامل ٹوک دیتے، کسی کا رسوخ و وجاہت و ریاست و امارت یا

ایک قدیم تحریر جس پر سید صاحب کے دستخط (مہر احمد) ہیں۔

ایک قدیم تحریر جس پر سید صاحب کے دستخط (سید احمد) ہیں۔

علم وفضل اس سے مانع نہ ہوتا۔

حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے زمانے کے نہایت جلیل القدر عالم شیخ وقت اور اودھ کے اکثر علماء کے استاد تھے، ایک مرتبہ رائے بریلی آپ کی قیام گاہ پر تشریف لائے اور دونوں جلیل القدر معاصرین کی ملاقات ہوئی، شاہ پیر محمد صاحبؒ کے جسم پر اس وقت ایک رنگین گلابی لباس اور گردن میں مالا پڑی ہوئی تھی، شاہ علم اللہ صاحبؒ نے فرمایا، جناب رئیس العلماء اور کتاب وسنت سے سب سے زیادہ واقف ہیں، یہ فرمائیں کہ اس مالا اور زنّار کے درمیان بافت اور تافت کے سوا کیا فرق ہے؟ شاہ صاحب ممدوح نہایت منصف مزاج بزرگ تھے، بے تامل مالا گردن سے اتار دی، شاہ صاحبؒ نے اس کے بعد فرمایا یہ رنگین گلابی کپڑے بھی خلاف سنت لباس اور ہندوستان کے جوگیوں کی پوشاک ہے، آپ جیسے خواص کے شایان شان نہیں'' شاہ پیر محمد صاحبؒ نے فرمایا'' یہ رنگ میل نہیں قبول کرتا'' اور ذرا دیر میں دھونے کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے حالت سفر میں مباح ہے، شاہ علم اللہ صاحبؒ نے فرمایا'' یہ توجیہ تکلف سے خالی نہیں، جناب کا یہ کرتہ اور چادر اور عمامہ جس قیمت کا ہے، اس میں اس بات کی کیا رخصت ہوسکتی ہے؟ پھر جناب کے خدام کو یہ زحمت برداشت کرنی چاہئے، شاہ پیر محمد صاحبؒ نے اس کا اعتراف فرمایا اور شاہ صاحبؒ کی بات قبول کی، جب رخصت ہوکر وہاں سے تشریف لے گئے تو خادموں اور شاگردوں نے عرض کیا'' جناب نے شاہ علم اللہ صاحبؒ کے اعتراض کو اس قدر جلد قبول کرلیا، تو ہم خدام بڑے محجوب ہوئے، حضرت ملک العلماء اور یکتائے زمانہ ہیں، بہت سی توجیہات فرماسکتے تھے'' شاہ پیر محمد صاحبؒ کہ علمائے راسخین اور اولیاء کاملین میں سے تھے اور نفسانیت اور انانیت کا کانٹا دل سے نکل چکا تھا، رفقاء سے فرمایا'' سید صاحبؒ کا ارشاد بالکل حق اور سنت کے موافق تھا، ایسی بات میں سینہ زوری کرنے سے حق بات کا انکار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کا خطرہ تھا''۔

دوسرے مشائخ وعلما اور نامور معاصرین حضرت شاہ پیر محمد سلونی اور مولانا شیخ احمد صاحبِ ''تفسیرات احمدیہ'' (ملا جیون صاحب) سے سماع اور غناء کے باب میں اسی طرح کے

مکالمے منقول ہیں، شاہ صاحبؒ کے نزدیک خواص کا یہ عذر بھی مقبول نہیں تھا کہ ہمیں اپنے گھر والوں پر اختیار نہیں، آپ کے پیش نظر یہ حدیث رہتی تھی "اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ" یعنی سن لو، تم میں ہر شخص صاحب رعیت اور ذمے دار ہے، اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت (اس کے زیر دست اور متعلقین) کے متعلق سوال ہوگا، بزرگوں کا عمل دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا تو شاہ صاحبؒ فرماتے "عمل کے لئے مجتہدوں کا قول درکار ہے، بزرگوں کا عمل نہیں" آپ کے معاصرین اختلاف مسلک و ذوق کے باوجود آپ کی بزرگی اور اتباع سنت کا اعتراف کرتے۔

عزیمت اور صبر و استقامت کی مثال یہ ہے کہ محبوب فرزند سید ابوحنیفہ صاحبؒ نے بتیس سال کی عمر میں انتقال کیا، لیکن گھر سے کوئی آواز اور آہٹ بھی ایسی نہیں سنی گئی جس سے اس واقعے کا علم ہوتا، اہل خانقاہ کو کانوں کان خبر نہ ہوئی، شاہ صاحبؒ نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، نماز کے بعد خلاف معمول مصلّے سے اٹھ کر دروازے تک آئے اور خدام خاص میں سے ایک کو بلا کر فرمایا "رات میاں ابوحنیفہ کا انتقال ہوگیا، تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا چاہئے" اسی دن دفن کرنے کے بعد متوجہ ہو کر فرمایا "الحمد للہ میاں ابوحنیفہ اس دنیا سے دولت ایمان کے ساتھ گئے" اس خوشی میں پانچ روپئے کی مٹھائی تقسیم کی، ایک ضعیفہ روزانہ چرخہ چلایا کرتی تھیں، گھر تشریف لے گئے، فرمایا "آج چرخہ کیوں بند ہے؟" ان بڑی بی نے عرض کیا "حضرت ایسا لائق و جوان بیٹا دنیا سے اٹھ جائے، اس کے غم میں ہم اپنا چرخہ بھی بند نہ کریں؟" فرمایا "یہ سب قضا و قدر کی باتیں ہیں، اللہ کے حکم میں کسی کو دم مارنے کا چارہ نہیں، زندگی مستعار ہے، راضی برضا رہنا چاہئے، تم اپنا کام بند نہ کرو"۔

حضرت شاہ علم اللہؒ کی اولاد

حضرت شاہ صاحبؒ کی اولاد میں اتنے جلیل القدر مشائخ اور مقبول اولیاء اللہ اس تسلسل اور کثرت سے ہوئے، جس کی نظیر دوسرے خانوادوں میں مشکل سے ملے گی۔

شاہ صاحبؒ کے چاروں صاحبزادے حضرت سید آیت اللہ، سید محمد ہدیٰؒ، سید ابوحنیفہؒ اور سید محمد جیؒ آفتاب و ماہتاب تھے، حضرت سید آیت اللہؒ کے صاحبزادوں میں سید محمد ضیاء و سید محمد صابر، سید محمد ضیاء کے صاحبزادے حضرت شاہ ابوسعید صاحبؒ (خلیفۂ شاہ ولی اللہ صاحبؒ وجد مادری حضرت سید احمد شہیدؒ) اور سید محمد صابر کے صاحبزادے مولانا سید محمد واضحؒ، پھر ان کے صاحبزادے مولانا سید قطب الہدیٰ محدثؒ، اور سید قطب الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے برادر زادے مولانا سید محمد ظاہرؒ (خلیفۂ حضرت سید احمد شہیدؒ) اور آخر میں آپ کے برادر زادے سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اپنے وقت کے مرشد و ہادی تھے۔

اسی طرح سید محمد ہدیٰؒ کے صاحبزادے سید محمد نورؒ اور پوتے سید محمد حیا بن محمد سنا اور سید محمد نورؒ کے صاحبزادوں میں مولانا سید نعمانؒ اور سید عرفانؒ، سید عرفان کے صاحبزادے مولانا سید محمد اسحٰقؒ اور حضرت سید احمدؒ اسی سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں۔

سید ابوحنیفہ کے صاحبزادے سید محمد باقی اور حضرت سید محمد کے صاحبزادے سید محمد حکم اور سید محمد عدل (عرف شاہ لعل) تھے، ان میں سے ہر ایک کے فضائل و مناقب کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

ایں سلسلہ از طلائے ناب است

ایں خانہ تمام آفتاب است

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس خاندان کے بزرگوں نے ہمیشہ جہاد میں حصہ لیا، شاہ علم اللہؒ کے تین صاحبزادے جہاد میں شریک ہوئے اور دو پوتے میر عظیم الدینؒ ابن سید آیت اللہ اور سید محمد جامع بن میر محمد احسن بن سید آیت اللہ اور ایک بھتیجے اور داماد سید عبدالرحیم بن سید ہدایت اللہ شہید ہوئے۔(۱)

حضرت شاہ علم اللہ کے فیض و کمالات سے اس خاندان کو ایسی باطنی ترقی اور روحانی امتیاز حاصل ہوا جو صرف مجددین طریقت کے قریبی سلسلوں میں ہوتا ہے، اس خاندان کے مشائخ کی

---

(۱) ''تذکرۃ الابرار'' و ''سیرت السادات''

ایک مخصوص نسبت تھی، جو سلسلہ بہ سلسلہ منتقل ہوتی تھی، حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت وتاثیر نے خدا طلبی کا وہ ذوق اور دین کا وہ کیف پیدا کر دیا تھا، جس سے اس خاندان کے چھوٹے بڑے اور مرد وعورت سرشار تھے، اس سلسلے میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پوتے مولانا سید محمد صابرؒ نے منازل سلوک حضرت مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ محمد صدیق بن حضرت شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں طے کئے تھے، آپ کی والدہ ماجدہ (زوجۂ حضرت سید آیت بن حضرت شاہ علم اللہ) نے جن کے متعلق صاحب ''سیرۃ علمیہ'' کے الفاظ ہیں:-

''دریں راہ تربیت یافتۂ حضرت قدوۃ الاتقیاء مولانا سید علم اللہ بود دور طریقت بر بسیارے مردان راہرواں مسابقت نمودہ وہمت موثرہ وانفاس عالیہ داشتہ''

آپ کو دہلی سے طلب کر کے اسلاف کرام کے سجادے پر بٹھایا اور حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ کی نسبت خاصہ جس سے آپ حظ وافر رکھتی تھیں اور مجاز ارشاد تھیں، آپ کو عطا کی، چنانچہ حضرت سید محمد صابرؒ طالبین راہ کو اکثر اس کی تعلیم کرتے تھے، اور لوگ جوق در جوق فیضیاب ہوتے تھے۔

اس خاندان کے بہت سے بزرگوں نے شاہ ولی اللہ اور آپ کے صاحبزادوں سے ظاہری و باطنی استفادہ کیا، حضرت شاہ محمد واضح اور حضرت شاہ ابوسعید اور حضرت سید محمد معین اور حضرت سید محمد نعمان (عم حضرت سید صاحبؒ) نے حضرت شاہ ولی اللہؒ سے اور مولانا سید قطب الہدیٰ اور مولانا سید محمد اسحٰق (برادر حضرت سید صاحبؒ) نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ سے استفادہ کیا، اس طرح اس خاندان میں حضرت مجدد سرہندی اور حضرت مجدد دہلوی کی برکتیں ونعمتیں جمع ہوگئیں۔

حضرت سید محمد ہدیٰ

آپ حضرت سید شاہ علم اللہؒ کے فرزند دوم اور حضرت سید صاحبؒ کے پردادا ہیں سخاوت وایثار کے باب میں صاحب حال تھے، سائل کے سوال پر ''نہیں'' کہنا نہیں جانتے تھے، عین فاقے کی حالت میں اگر سائل نے سوال کر دیا تو کھانا اٹھا کر دے دیا اور بھوکے رہے، اگر دینے کو کچھ نقد نہ ہوتا تو گھر کا زیور فروخت کر کے اس کی ضرورت پوری کرتے، شاہی ملازمت

میں تھے، مشاہرہ بھی ملتا تھا، اور جاگیر کے گاؤں بھی تھے، جن میں سے دو گاؤں گھر والوں کے اخراجات کے لئے مخصوص کر دیئے تھے، اور دو تین گاؤں اہل محلّہ اور برادری والوں کو دے رکھے تھے، باقی اپنے خرچ، سخاوت اور اہل حاجت کی حاجت روائی کے لئے رکھ لئے تھے، ایک مرتبہ ایک جاگیر سے بارہ ہزار دینار (سکہ عالمگیری) آئے، ایک ہی مجلس میں تقسیم کر کے اٹھے اور رات فاقے سے گزاری، ایک مرتبہ لشکر میں بڑا قحط پڑا، تین ہزار آدمیوں نے اپنے کو آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا، قحط کے اٹھ جانے کے بعد آپ نے سب کو آزاد کر دیا، ایک روز لشکر میں آپ کو تین متواتر فاقے ہوئے، کہیں سے سو روپئے آئے اور سائل بھی سن کر آ گئے، سب اٹھا کر ان کو دے دیئے اور چوتھا فاقہ کیا، مولانا سید محمد نعمان نے ایسے کئی واقعات لکھے ہیں۔(۱)

لباس اہل دنیا میں درویش صفت تھے، صاحبزادی بیان کرتی ہیں میں نے والد محترم کو دیکھا ہے کہ نصف شب میں اٹھ جاتے، تہجد کی نماز ادا کرتے پھر قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے، اکثر صبح تک ختم کر دیتے، پھر مراقبے میں مشغول ہو جاتے۔

حضور مع اللہ اور نسبت یادر کھتے تھے، معمولات ونوافل میں کبھی فرق نہ آتا، صبح کی نماز کے بعد اور عصر و مغرب کے درمیان جیسا کہ مشائخ کا معمول ہے ذکر اور مراقبے میں مشغول رہتے، کبھی بڑی پوشیدگی کے ساتھ کسی طالب صادق کو طریق کی بھی تعلیم وتربیت کی ہے۔

دنیا کی زیب وزینت کی طرف مطلق التفات نہ تھا، حیثیت واستطاعت کے باوجود رہنے کے لئے پختہ مکان بھی نہیں بنایا، اگر کسی نے کبھی اس کی ترغیب دی تو فرمایا ''زندگی کی چند سانسیں ہیں، چھپر کے نیچے گزر گئیں، یا پختہ حویلی میں، عمارت میں روپیہ لگانا روپئے کو ضائع کرنا ہے، آخرت کی پائدار عمارت کی تعمیر کی فکر کرنا ہوشیاری کی بات ہے'' کچا مکان بنایا اور جنگلی درختوں کی لکڑی کے شہتیر رکھے۔

شاہ گردی کے زمانے میں وطن میں تھے، شاہ عالم بہادر شاہ کی سلطنت کا استقرار ہوا تو لشکر میں تشریف لے گئے، صاحبزادے سید محمد سنا اور بھتیجے سید محمد باقی ہمراہ تھے، بادشاہ کا

---

(۱) اعلام الہدیٰ

کوچ حیدر آباد کی طرف ہوا، آپ راستے میں برہان پور کے قریب بیمار ہوئے، احتضار شروع ہوا تو پالکی رکھ دی گئی، اور آپ کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے ۱۹؍ربیع الاول ۱۱۱۹ھ کو راہی ملک بقاء ہوئے، برہان پور میں کچھ دنوں تک جسد مبارک زمین میں امانت رہا، پھر رائے بریلی لاکر شاہ علم اللہؒ کی مسجد کے شمال مشرقی گوشے سے متصل سپرد خاک کیا گیا۔(۱)

سید محمد نور

حضرت سید محمد ہدیٰ کے فرزند اکبر اور سید صاحبؒ کے حقیقی دادا تھے، اپنے اسلاف کے جانشین وہمرنگ اور سخاوت وایثار میں والد نامدار کی یادگار تھے۔

آپ اپنے دادا حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ کے خاص منظور نظر اور تربیت یافتہ تھے، شاہ صاحبؒ نے اتباع شریعت اور ان کی اخلاقی وروحانی تربیت میں بہت کوشش فرمائی تھی ان کے والد ماجد حضرت سید محمد ہدیٰؒ اکثر فرماتے تھے ''اس بچے کی تربیت کی وجہ سے امید ہے کہ اللہ میری مغفرت فرماوے گا''۔

والد کے حکم سے شاہزادہ محمد اعظم شاہ (پسر عالمگیرؒ) کی ملازمت کے لئے تشریف لے گئے، شمشیر خاں جو حضرت شاہ علم اللہؒ کے مرید اور اعظم شاہی امیر تھے، درمیان میں واسطہ تھے، آپ نے ان سے فرمایا ''میری ملازمت کی شرط یہ ہے کہ میں آداب شاہی تسلیمات وبندگی سے معاف رکھا جاؤں ورنہ واپس چلا جاؤں گا'' شمشیر خاں نے مجبور ہوکر شاہزادے سے عرض کیا، اعظم شاہ نے فرمایا ''کوئی حرج نہیں وہ صرف سلام مسنون پر اکتفا کریں، ایسے لوگ موجب برکت ہیں''۔

کچھ عرصے کے بعد ایک خواب کی بنا پر جس میں اعظم شاہ کے رفض کی وجہ سے زوال سلطنت کی خبر دی گئی تھی، آپ نے ملازمت ترک کردی۔

سید محمد نور رحمۃ اللہ علیہ بہت متقی اور محتاط بزرگ تھے، غیر دیندار اور غیر متشرع لوگوں سے کچھ قبول نہ کرتے، اپنے دادا حضرت سید علم اللہؒ کی طرح مشتبہ کھانے سے نہایت پرہیز کرتے

---

(۱) ''اعلام الہدیٰ'' و''سیرۃ السادات''

اور اکل حلال کا بڑا اہتمام رکھتے، اپنے اوقات کو تلاوت قرآن، اورادِ مسنونہ اور باطنی اشغال کے ساتھ معمور رکھتے، لایعنی بات اور غیبت سے سخت نفرت تھی، غرباء کی تجہیز و تکفین میں بڑی امداد کرتے، صلہ رحمی اعزاء اور ہمسایوں کے حقوق کا بڑا خیال رکھتے، سلام کرنے میں ہمیشہ سبقت کرتے، وفات کے وقت رقت قلب بہت بڑھ گئی تھی، اور نسبت حضور و یادداشت بڑی ترقی اور قوت پر تھی، اکثر فرماتے تھے "کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے کے قابل تو نہیں ہے لیکن بعض بشارتوں کی بنا پر اللہ کی رحمت کی ضرور امید ہوتی ہے"۔

۶ / ربیع الاول ۱۱۴۸ھ چہارشنبہ کے دن انتقال کیا، اور نصیرآباد میں اپنے نانا حضرت شاہ داؤد (برادر حقیقی حضرت شاہ علم اللہؒ) کے پہلو میں آسودہ خاک ہوئے۔(۱)

سید شاہ ابوسعیدؒ

سید صاحبؒ کے نانا حضرت سید شاہ ابوسعید بن حضرت سید محمد ضیاء حضرت شاہ علم اللہؒ کے پرپوتے، اپنے زمانے کے جلیل القدر مشائخ میں تھے، جوانی میں اپنے عم محترم مولانا سید محمد صابر علیہ الرحمہ کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی، اپنے آبائے کرام کی نسبت اپنے والد کے خلیفہ شاہ محمد یونس سے حاصل کی، پھر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے، سلوک کی تکمیل کی اور بشارت عظیمہ سے ممتاز ہوئے، حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ کے خلیفۂ اجل حضرت شاہ محمد عاشق صاحب پھلتیؒ سے استفادہ کیا اور اجازت حاصل کی۔

آپ کی نسبت بہت قوی اور آپ کی صحبت بڑی مؤثر تھی، آپ کے ذوق و کمالات اور معارف کا اندازہ اس خط و کتابت سے ہوتا ہے، جو آپ کے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے درمیان ہوئی (۲)، اور آپ کی عظمت کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے، جو شاہ اہل اللہ (برادر حضرت شاہ ولی اللہؒ) مولانا نور اللہؒ حضرت شاہ محمد عاشق اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے آپ کے نام بھیجے۔

---

(۱) "اعلام الہدیٰ" و "سیرۃ السادات"

(۲) مجموعہ "مکتوب المعارف" مرتبہ مولوی سید ابوالقاسم صاحبؒ ہنسوی "کلمات طیبات" مطبوعہ

سید شاہ ابو سعید حضرت شاہ ولی اللہ کے مخصوص لوگوں میں تھے، شاہ صاحبؒ کے علوم وکمالات سے جن خوش قسمت افراد نے شاہ صاحب کی زندگی میں استفادہ کیا اور آپ کو پہچانا، ان کے پہلے طبقے میں سید شاہ ابو سعید کا شمار ہے، اس خصوصیت وتعلق کا اظہار ان حضرات کے خطوط کی ایک ایک سطر سے ہوتا ہے، مولانا سید نعمانؒ نے سید شاہ ابو سعید کو شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے بعد جو خط شاہ صاحب کے سانحہ وفات کی اطلاع کے لئے لکھا ہے، اس میں فرماتے ہیں: (۱)

الحمدللہ، رضامندی حضرت صاحب قدس سرہ ازاں صاحب وتوجہات عالیات برحال ایشاں زیادہ از حدّ بیان یافتہ اکثر اوقات استفسار احوال سامی فرمودند و ماجرائے غارت گری ابدالیان ورسیدن آں صاحب درعین رستخیز وانطفا یافتن التہاب نہیب بسبب قدوم گرامی از زبان درفشاں مودی ساختند (۲) وشاید منظور لقائے آخریں بضمیر منیر بودہ باشد مرۃً فرمودند کہ میر ابو سعید ارادۂ آمدن دارند۔ اگر زود برسند، بہتر باشد۔

بحمد اللہ حضرت مرحوم کی جناب سے رضامندی اور آپ کے حال پر آں جناب کی توجہات عالیات میں نے جتنی پائیں، وہ بیان میں نہیں آسکتیں، اکثر اوقات جناب کے حالات دریافت فرماتے، ابدالیوں کی غارت گری کا واقعہ، آپ کا عین ہنگامے میں پہنچ جانا، لوٹ مار کی آگ کا فرو ہو جانا، زبان مبارک سے ارشاد فرمایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو آپ سے آخری ملاقات کا خیال تھا، ایک مرتبہ فرمایا ”سید ابو سعید آنے کا ارادہ رکھتے ہیں اگر جلد پہنچ جائیں تو بہتر ہے“۔

سید شاہ ابو سعید جود وسخاوت، مہمان وغرباء پروری میں اپنے زمانے میں ممتاز تھے، ایک مرتبہ ایک لاکھ روپیہ آیا، گھر کے باہر رکھ دیا اور وہیں سے ضرورت مندوں کو تقسیم کر دیا، مدراس اور چنیا پٹن میں آپ کا بڑا اثر اور مقبولیت تھی۔

---

(۱) مجموعہ ”مآثر الابرار“ (قلمی) (۲) جس واقعے کی طرف اشارہ ہے، اس کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔

۹ ررمضان ۱۱۹۳ھ میں وفات پائی، میر عبدالسلام بدخشانی، شیخ محمد میر داد قاری مکی، مولانا جمال الدین بن محمد صدیق قطب، مولانا عبداللہ آفندی، شیخ عبداللطیف حسینی مصری، حاجی امین الدین کاکوروی اور شاہ عبدالقادر خالص پوری آپ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔(۱)

شاہ ابوسعیدؒ نے سید شاہ ابواللیث اور سید محمد احسن دو فرزند چھوڑے۔

مولانا سید نعمان

سید محمد نور کے صاحبزادے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی چچا تھے، نصیر آباد میں ولادت ہوئی، کچھ مدت تک وطن میں تحصیل علم کرنے کے بعد لکھنؤ جاکر مولانا عبداللہ امیٹھوی سے کتابیں پڑھیں، پھر رائے بریلی واپس آکر حضرت سید محمد جی رحمۃ اللہ علیہ سے جو حضرت سید شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے اور سب سے محبوب فرزند اور آپ کی نسبت خاصہ کے حامل تھے، بیعت کی، اور ایک مدت تک ان کی صحبت میں رہ کر استفادہ کرتے رہے، حضرت سید محمد کی وفات (۱۱۵۶ھ) کے بعد ان کے صاحبزادے اور خلیفہ شیخ المشائخ حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحب (م ۱۱۹۲ھ) سے سلوک کی تکمیل کی اور ہندوستان کے مختلف شہروں اور دینی مرکزوں میں جاکر بڑے بڑے مشائخ اور علماء سے ملاقات واستفادہ کیا، حضرت سید شاہ علم اللہؒ کے خلیفہ خاص شیخ محمود رسن تاب خورجوی اور آپ کے دوسرے خلیفہ شیخ فتح محمد انبالویؒ کے صاحبزادے شیخ یوسف اور دوسرے حضرات کی خدمت میں حاضر ہوکر علمی وروحانی فیوض حاصل کئے۔

ذی قعدہ ۱۱۷۵ھ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بڑھانہ میں حاضر ہوکر بیعت سے مشرف ہوئے اور شاہ صاحبؒ کی وفات (۳۰ رمحرم ۱۱۷۶ھ) تک حاضر باش رہ کر روزانہ ملاقات اور شاہ صاحبؒ کی خصوصی توجہات اور شفقت والتفات سے محظوظ ہوتے رہے۔(۲)

تقریباً ۱۱۹۳ھ میں حرمین کا سفر کیا، حج وزیارت کے بعد بیت المقدس اور الخلیل کی زیارت

(۱) "تذکرۃ الابرار" "سیرۃ السادات" "نزہۃ الخواطر"۔ (۲) مکتوبات مولانا سید نعمان بنام حضرت سید شاہ ابوسعیدؒ۔

کی اور اسی سال ۵ر جمادی الآخر کو وہیں انتقال کیا اور حضرت موسیٰ کے حظیرے میں مدفون ہوئے۔
تصنیفات میں سلوک طریقۂ نقشبندیہ میں ایک رسالہ اور ایک رسالہ اپنے آبائے کرام (حضرت شاہ علم اللہ اور ان کی اولاد و احفاد کے تذکرے میں) "اعلام الہدیٰ" آپ کی یادگار ہے۔(۱)

حضرت سید محمد عرفان اور ان کی اولاد

سید محمد نور کے چشم و چراغ اور سید صاحبؒ کے والد تھے، اپنے آبائے کرام کے قدم بہ قدم تھے، نہایت متوکل اور پرہیزگار بزرگ تھے، ۱۲۱۴ھ میں لکھنؤ سے وطن آرہے تھے رائے بریلی کے قریب پہنچ کر انتقال کیا، نعش رائے بریلی لائی گئی، شاہ علم اللہ صاحبؒ کی مسجد کے شمال مشرقی گوشے کے متصل حضرت سید ابو حنیفہ (فرزند سوم حضرت شاہ علم اللہؒ) اور اپنے جد حضرت محمد ہدیٰ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حضرت سید عرفان کی پہلی شادی سید محمد معین (برادر سید شاہ ابو سعیدؒ) کی صاحبزادی سے ہوئی، جن سے ایک صاحبزادی بی بی نجیّہ پیدا ہوئیں، جو مولوی عبدالسبحان صاحبؒ (۲) کی اہلیہ اور مولوی سید محمد علیؒ، صاحبِ "مخزن احمدی" سید احمد علی شہیدؒ، سید حمید الدین اور سید عبدالرحمٰن کی والدہ ہیں۔

پہلی بیوی کے انتقال کے بعد صاحبزادی کی تحریک و اصرار سے سید محمد عرفان نے سید شاہ ابو سعیدؒ کی صاحبزادی سے عقد ثانی کیا، جن سے تین صاحبزادے سید محمد ابراہیم، مولانا سید محمد اسحٰق اور حضرت سید احمد اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔

سید محمد ابراہیم نے کچھ زیادہ تعلیم حاصل نہیں کی، صالح اور بزرگ سیرت تھے، نواب امیر خاں (والی ٹونک) کے لشکر میں تھے، اور ۱۲۲۴ھ میں انتقال کیا، سید محمد یعقوب آپ کے فرزند تھے۔
بہنوں میں دو (صاحب النساء اور حنیفہ) کی شادی یکے بعد دیگرے سید

---

(۱) سیرت السادات "نزہۃ الخواطر" جلد ۶

(۲) مولوی سید عبدالسبحان سید محمد عثمان کے صاحبزادے اور سید محمد عرفان کے حقیقی بھتیجے تھے، عالم وعابد بزرگ تھے، لکھنؤ میں ۱۲۱۴ھ میں وفات پائی اور تکیہ شاہ عبدالنبیؒ میں دفن ہوئے (سیرۃ السادات)

معصوم احمد صاحبؒ(۱) سے ہوئی، تیسری بہن بی بی صالحہ، سید محمد مصطفیٰ(۲) کے عقد میں تھیں۔

مولانا سید محمد اسحٰق

سید صاحبؒ کے منجھلے بھائی مولانا سید محمد اسحٰق بڑے علماء میں سے تھے، تحصیل علم کے لئے پہلے لکھنؤ پھر دہلی کا سفر کیا اور مولانا شاہ عبدالقادر سے درسی کتابیں پڑھیں اور فقہ وحدیث کی تحصیل کی شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ سے حدیث کی سند لی، بیعت کی اور طریقت کی تعلیم حاصل کی، پھر وطن واپس آکر درس تدریس اور اصلاح وارشاد میں مشغول ہوگئے، تقوی وعمل میں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر تھے، مزاج میں ایثار وقناعت اور زہد تھا، وعظ مؤثر اور دل پذیر ہوتا تھا، تصنیف کا اچھا ذوق اور دلچسپی تھی، عربی وفارسی میں قادر الکلام تھے، فنون ومسائل علمیہ پر اچھی دسترس اور استحضار تھا، علمی مضامین اور فنی مسائل کو نظم کرنے کا خاص ملکہ تھا، میراث و حساب میں المائتین کے نام سے دوسو اشعار کا قصیدہ اور اس کی مبسوط شرح اور مسائل نحویہ کے بعض منظومات آپ کی فضیلت علمی کے گواہ ہیں، ایک فارسی نظم بھی یادگار ہے جس میں اہل بدر علیہم الرضوان کے اسمائے گرامی جمع کئے ہیں۔(۳)

۷/جمادی الآخرہ ۱۲۳۴ھ کو انتقال کیا اور اپنے نانا شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

آپ کی شادی سید شاہ ابواللیث (ابن حضرت شاہ ابوسعیدؒ) کی صاحبزادی (بی بی ولیہ) سے ہوئی تھی، سید محمد اسمٰعیل ایک فرزند یادگار چھوڑا۔(۴)

---

(۱) سید معصوم احمد ابن مولانا سید محمد واضحؒ بن حضرت شاہ محمد صابر بن حضرت سید آیت اللہ بن حضرت شاہ علم اللہ صاحب علم ووجاہت بزرگانِ خاندان میں سے تھے، ۱۲۶۴ھ میں انتقال کیا، پہلی بیوی سے ایک صاحبزادی حکیمہ بی بی تھیں، جو سید عبدالباقی بن سید جامع بن شاہ محمد واضح کے عقد میں تھیں۔

(۲) سید محمد مصطفیٰ بن سید محمد ثانی بن مولانا سید محمد حکم بن حضرت سید محمد بن حضرت سید شاہ علم اللہؒ ذی علم، باوجاہت، فیاض، دوست پرور، برادرنواز ہردلعزیز شخص تھے، ایک مرتبہ تیس ہزار روپیہ واصلات میں اکٹھا ملا، گھر پہنچتے ہی تمام اعزاء واحباب کی تنخواہیں مقرر کردیں اور دامن جھاڑ کر کھڑے ہوگئے، ۱۲۶۱ھ میں انتقال کیا، دو صاحبزادے سید علی مرتضیٰ اور سید حسن مجتبیٰ اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں۔ (۳) ''نزہۃ الخواطر'' ج ۷ ''سیرۃ السادات''۔ (۴) ''سیرۃ السادات''

ابتدائی حالات، تعلیم، سفرِ لکھنؤ

ولادت

سید شاہ علم اللہ صاحبؒ کے اس دائرے میں جو اَب تکیے کے نام سے مشہور ہے صفر ۱۲۰۱ھ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی ولادت ہوئی۔ (۱)

سلسلۂ نسب

آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

سید احمد بن سید محمد عرفان بن سید محمد نور بن سید محمد ہدیٰ بن سید علم اللہ بن سید محمد فضیل بن سید محمد معظم بن سید احمد بن قاضی سید محمود بن سید علاء الدین بن سید قطب الدین محمد ثانی بن سید صدر الدین ثانی بن سید زین الدین بن سید احمد بن سید علی بن سید قیام الدین بن سید صدر الدین بن قاضی سید رکن الدین بن امیر سید نظام الدین بن امیر کبیر سید قطب الدین محمد الحسنی الحسینی المدنی الکڑوی بن سید رشید الدین احمد مدنی بن یوسف بن سید عیسیٰ بن سید حسن بن ابی الحسن علی بن ابی جعفر محمد بن قاسم بن ابی محمد عبداللہ بن سید حسن الاعور الجواد نقیب کوفہ بن سید محمد ثانی بن ابی محمد عبداللہ الاشتر بن سید محمد صاحب النفس الزکیہ بن عبداللہ المحض بن حسن مثنّٰی بن امام حسنؓ

---

(۱) "مخزن احمدی" صفحہ ۱۲، چودھری غلام رسول مہر کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۶/صفر ۱۲۰۱ھ - ۲۹/نومبر ۱۷۸۶ء کو ہوئی۔

بن امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔(۱)
حسن مثنیٰ کی شادی اپنے عمِ نامدار شہید کربلا کی صاحبزادی فاطمہ صغریٰ سے ہوئی تھی، اس لئے اس خاندان کو حسنی حسینی کہا جاتا ہے۔

تعلیم

جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو شرفاء کے دستور کے مطابق آپ مکتب میں بٹھائے گئے، لیکن لوگوں نے تعجب سے دیکھا کہ آپ کی طبیعت خاندان کے اور لڑکوں اور اپنے ہم عمروں کے برخلاف علم کی طرف راغب نہیں اور آپ پڑھنے پڑھانے کی طرف توجہ نہیں کرتے، تین سال مکتب میں گزر گئے اور باوجود استاد کی توجہ وشفقت اور بزرگوں کی تاکید وفہمائش کے صرف قرآن مجید کی چند سورتیں یاد ہوسکیں اور مفرد ومرکب الفاظ لکھنا سیکھ سکے، آپ کے بڑے بھائی صاحبان سید ابراہیم وسید اسحٰق صاحب کو آپ کی تعلیم کا بڑا اہتمام تھا، اور وہ بہت تاکید رکھتے تھے، والد ماجد نے فرمایا کہ میاں ان کو خدا پر چھوڑ و، جو ان کے حق میں بہتر سمجھے گا کرے گا، ہماری تاکید کا کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا۔(۲)

آپ کے کھیل اور مشاغل

آپ کو بچپن میں کھیل کا بڑا شوق تھا، خصوصاً مردانہ اور سپاہیانہ کھیلوں کا، کبڈی بڑے شوق سے کھیلتے اور اکثر لڑکوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیتے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کے قلعے پر حملہ کرتا(۳) اور فتح کرتا، اس طرح نادانستہ آپ کی جسمانی وفوجی تربیت کی جارہی تھی۔

خدمت خلق

جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو آپ کو خدمت خلق کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ اچھے اچھے بزرگ اور خدا پرست انگشت بدنداں رہ گئے، ضعیفوں، اپاہجوں اور بیواؤں کے گھروں پر دونوں

(۱)''سوانح احمدی''''آئینۂ اودھ''''مخزن احمدی''وغیرہ۔ (۲)''مخزن احمدی''ص ۱۲۔
(۳)روایت بزرگانِ خاندان

سید احمد شہیدؒ کا مکان: اس جگہ حضرت سید احمد کے شہید والد سید عرفان رحمۃ اللہ علیہ کا مکان تھا، درو دیوار کے شکستہ حصے دیکھے جا سکتے ہیں۔

وقت جاتے ، ان کا حال پوچھتے اور" کہتے اگر لکڑی، پانی ،آگ وغیرہ کی ضرورت ہوتو لے آؤں؟" وہ لوگ آپ ہی کے بزرگوں کے مرید اور خادم تھے کہتے "میاں کیوں گنہگار کرتے ہیں؟ ہم تو آپ اور آپ کے باپ دادا کے غلام ہیں، ہماری مجال ہے کہ ہم آپ سے کام لیں؟" آپ ان کو خدمت گزاری اور اعانت کی فضیلت اس طرح سناتے کہ وہ زار و قطار روتے اور باصرار ان کی ضرورتیں معلوم کر کے پوری کرتے ، بازار سے ان کے لئے سودا لاتے ،لکڑی لاد کر اور پانی بھر کر لاتے اور ان کی دعائیں لیتے اور کسی طرح سے اس کام سے سیری نہ ہوتی ،عزیزوں، ہمسایوں کے گھروں میں جا کر دیکھتے کہ برتنوں میں پانی ہے، جلانے کے لئے لکڑی ہے یا نہیں، پانی نہ ہوتا تو اپنے ہاتھ سے بھرتے ،لکڑی نہ ہوتی تو جنگل جا کر خود کاٹتے ، چادر میں گٹھا باندھ کر سر پر رکھتے اور گھروں میں پہنچا دیتے ،آپ کے بھائی اور عزیز اس پر چیں بجبیں ہوتے ،سخت وسست بھی کہتے ،مگر آپ اس کی پروانہ کرتے اور کام کئے جاتے ۔(۱)

عبادتِ الٰہی

اسی کے ساتھ آپ کو عبادت وذکر الٰہی کا بے حد ذوق تھا، رات کو تہجد گزاری اور دن کو خدمت گزاری اور تلاوت و دعا و مناجات میں مشغول رہتے ،قرآن مجید میں تدبر فرماتے رہتے اور یہی آپ کا مشغلہ تھا۔

آپ کا ابتدائی شوقِ جہاد اور والدہ کا ایثار

ایسی مائیں دنیا میں بہت کم ہوں گی، جو بیٹے کی جان کے امتحان میں پوری اتریں اور اس کو مرنے کے لئے اپنے ہاتھ سے رخصت کریں، سید صاحبؒ کو اللہ نے والدہ بھی ایسی دی تھیں ، جو حضرت اسماءؓ کا نمونہ تھیں، "منظورہ (۲)" میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ہندو مسلمانوں میں جنگ ہوگئی ،سید صاحبؒ نے جانے کی آمادگی ظاہر کی ،لیکن کھلانے والی نے کسی طرح جانے نہ دیا، والدہ محترمہ نماز پڑھ رہی تھیں، سید صاحبؒ منتظر کھڑے تھے، کہ آپ

---

(۱) "مخزن احمدی" ص ۱۴ (۲) بحوالہ سید حسین علی برادر مولوی جعفر علی مولف "منظورہ" و دیگر بزرگان۔

سلام پھیریں تو جانے کی اجازت طلب کریں، آپ نے جب سلام پھیرا تو دایہ سے کہا ''بی بی تمہیں ضرور احمد سے محبت ہے، مگر میری طرح نہیں ہو سکتی، یہ روکنے کا موقع نہ تھا جاؤ بھیا اللہ کا نام لے کر جاؤ، مگر خبر دار پیٹھ نہ پھیرنا ورنہ تمہاری صورت نہ دیکھوں گی، اور اگر وہ نکل جانے کے لئے راستہ مانگیں اور کہیں کہ ''ہم کو جانے دیجئے تو راستہ دے دینا'' آپ جیسے ہی پہنچے، انہوں نے کہنا شروع کیا، ''ہم کو راستہ دے دو، ہم چلے جائیں، ہمیں آپ سے کچھ مطلب نہیں، آپ کا بھی ہم سے کچھ جھگڑا نہیں''، جیسے ہی آپ نے یہ سنا، بھائیوں سے کہا ''ان کو جانے دو اور کچھ روک ٹوک نہ کرو، اسی میں خیر ہے۔''

آپ کی ورزشیں

اللہ تعالیٰ جس سے جو کام لینا چاہتا ہے، اس کے لئے اس کا سامان اور اس کا شوق پیدا کر دیتا ہے، اور اسی قسم کی تربیت فرماتا ہے ''كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ'' سید صاحبؒ سے اللہ تعالیٰ کو جو کام لینا تھا، اس کے لئے جسمانی قوت و تربیت کی ضرورت تھی، چنانچہ آپ کو ابتدا سے بہت زیادہ توجہ اسی طرف تھی، اور آپ کے بچپن کے کھیلوں میں بھی یہ چیز نمایاں تھی۔

سید عبدالرحمٰن صاحب مرحوم، سپہ سالار افواج نواب وزیر الدولہ مرحوم سید صاحبؒ کے چھوٹے بھانجے تھے، آپ بیان کرتے ہیں کہ آپ کی عادت تھی کہ سورج نکلنے کے گھنٹوں بعد تک ورزش اور کشتی میں مشغول رہتے، میں بچہ تھا، آپ کے بدن پر مٹی ملتا، یہاں تک کہ خشک ہو کر جھڑ جاتی، پیروں پر مجھے کھڑا کر کے پانسو ڈنڑ لگاتے، پھر کچھ ٹھہر کر پان سوا ورمن بھر، بیس اور تیس سیر کے مگدر ہلاتے تھے، ان میں تعداد کا خیال نہیں تھا، بلکہ وقت کا اندازہ تھا، مثلاً دو گھنٹے، تین گھنٹے، چار گھنٹے۔

معین خاں کے مقبرے کے پاس (تکیے کے قریب، ندی کنارے) پتھر کا ایک ستون ہے، چار ہاتھ لمبا اور بہت دبیز، نیچے سے موٹا اوپر سے پتلا، یہ شہ زوروں کی ورزش گاہ تھی، اوپر سے ہر زور آور اس کو اٹھا کر کھڑا کر دیتا تھا، نیچے سے کوئی زانو تک کوئی کمر تک لے آتا تھا، ایک روز چاندنی رات میں ہم وہاں سے گزرے تو سید صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کو اٹھانا چاہئے،

یہ کہہ کر کرتہ اتار کا کاندھے پر رکھا اور پتھر کے قریب کچھ جھک کر اس کو اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور بیس قدم چل کر اس کو زمین پر اس زور سے پٹکا کہ ایک ہاتھ کے قریب زمین کھد گئی، دوسرے روز لوگ آئے اور اس کو اپنی جگہ سے اتنی دور گڑھے میں پڑا دیکھا تو کہنے لگے کہ کون دیو یا جن تھا، جس نے اتنی دور لاکر ڈال دیا۔

پیرنے اور پانی میں ٹھہرنے کی آپ نے بڑی مشق بڑھائی تھی، نواب وزیر الدولہ مرحوم والی ریاست ٹونک آپ کی شناوری کی بہت تعریف کرتے تھے، مولوی علیم اللہ دہلی کے مشہور پیراک استاد اور مشہور استاد کے شاگرد کہتے تھے کہ یہ وصف سید صاحبؒ ہی میں دیکھا کہ سخت بہاؤ میں بہاؤ کے خلاف پیرتے تھے، میں باوجود اتنی مشق اور زمانے کے یہ نہیں کرسکتا۔(۱)

سفرِ لکھنؤ

آپ جوان ہو چکے تھے، والد کا انتقال ہو چکا تھا، حالات کا اقتضا تھا کہ آپ ذمے دارانہ زندگی میں قدم رکھیں اور تحصیلِ معاش کی فکر کریں، آپ کی عمر ۱۷۔۱۸ رسال کی تھی کہ ۱۲۱۸ھ یا ۱۲۱۹ھ میں اپنے سات عزیزوں کے ساتھ لکھنؤ چلے، لکھنؤ، رائے بریلی سے انچاس میل ہے، سواری صرف ایک ہی تھی، اور باری باری اس پر سوار ہوتے تھے لیکن جب آپ کی باری آتی تو آپ سوار نہ ہوتے بلکہ منت سماجت کرکے دوسروں کو سوار کردیتے، ہر ایک کے سر پر اس کا سامان بھی تھا، جب آدھی منزل طے ہوگئی تو سب رفقائے سفر تھک گئے اور مزدور کی جستجو ہوئی لیکن مزدور نہ مل سکا، سید صاحبؒ نے جو اس موقع کی تلاش میں رہتے تھے، اپنے ساتھیوں سے بڑے عجز وانکسار سے کہا: "اس خاکسار کی ایک عرض ہے، اگر آپ سب اسے قبول کرنے کا وعدہ فرمائیں تو عرض کروں" لوگ مطلب نہیں سمجھے اور کہا "بڑی خوشی سے" آپ نے فرمایا "نہیں پختہ وعدہ کیجئے" سب نے پختہ وعدہ کیا، آپ نے کہا "سارا سامان ایک کمبل میں باندھ کر میرے سر پر رکھ دیجئے، میں ان شاء اللہ پہنچا دوں گا" چونکہ لوگ زبان دے چکے تھے، مجبور ہوکر انہوں نے ایسا ہی کیا اور آپ ایسے خوش ہوئے جیسے کوئی بڑی

(۱) "وقائع احمدی" و "منظورہ"

دولت ملی اور فرمایا "عمر بھر آپ کا یہ احسان نہیں بھولوں گا" اور ہنستے بولتے لکھنؤ پہنچ گئے۔

لکھنؤ سیاسی و معاشی حیثیت سے

سید صاحب لکھنؤ تشریف لے گئے تو نواب سعادت علی خاں خلف نواب شجاع الدولہ کا عہد حکومت تھا، جو ۱۲۱۲ھ، ۱۷۹۸ء میں تخت نشین ہوئے، سلطنت اودھ کی پوری تاریخ میں ان سے زیادہ منتظم اور بلند حوصلہ فرمانروا اودھ کے تخت پر نہیں بیٹھا، مگر اس سلطنت کی تعمیر اور اس کے خمیر میں کچھ ایسی خرابیاں شروع ہی سے شامل تھیں کہ کبھی اس کی چول ٹھیک نہ بیٹھی، ان کے عہد حکومت میں بھی باوجود ان کی بیدار مغزی، مستعدی اور کارپردازی کے رعایا کو حقیقی اطمینان اور فارغ البالی حاصل نہ ہوئی اور ان زیادتیوں اور ظلم و ستم کا سدباب نہ ہوا جو ابتدائے سلطنت سے جاری تھا، کچھ تو ان کی طبیعت جُزرس تھی، کچھ اس بات نے کہ ان کو اپنی تخت نشینی کے عوض میں ۷۶ لاکھ روپئے سالانہ جو مزید اضافہ ہو جانے کے بعد ۱۲،۹۹۹، ۳۰،۱ ہو گئے تھے، سرکار کمپنی کو ادا کرنے پڑتے تھے، ان کو اور زیادہ جزرس اور کفایت شعار بنا دیا تھا، ملک کی تباہی، جو اور نوابوں کے اسراف، کاہلی اور عیاشی سے شروع ہوئی، وہ ان کی کفایت شعاری اور جُزرسی سے برسر ترقی ہوئی، متوسلین سرکار اور مُستاجر اور صاحب جاگیر اشخاص اور بڑے تاجروں کے سوا بے روزگاری اور پریشانی عام تھی، ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ء) میں کمپنی کے اصرار سے نواب نے فوج کا ایک بڑا حصہ برطرف کیا، اس تخفیف میں چالیس پلٹنیں پیادوں کی اور بارہ ہزار سوار موقوف ہوئے، اس تخفیف و برطرفی سے اودھ کے ہزاروں سپاہ پیشہ اور سیکڑوں خاندان متاثر ہوئے، ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ء) میں کمپنی نے نواب وزیر سے اودھ کی سلطنت کا ایک نہایت زرخیز اور شاداب علاقہ جس کی سالانہ آمدنی سکہ لکھنؤ سے ایک کروڑ پینتیس لاکھ سے اوپر تھی، اس رقم کے عوض میں جو نواب کمپنی کو دیتے تھے، حاصل کر لیا، اس میں اضلاع دوآب و روہیل کھنڈ مع اضلاع علی گڑھ و گورکھپور تھے، نواب کے پاس نصف آمدنی کا ملک باقی رہ گیا، اس کا اثر ملک کی معاشی حالت پر پڑنا ضروری تھی، غرض سیاسی و معاشی حیثیت سے ملک و اہل ملک سخت ضغطے میں تھے اور پریشانی عام تھی۔

رفقاء کی تلاشِ روزگار اور سید صاحبؒ کی بے دلی

لکھنؤ پہنچ کر سب ساتھی روزگار کی تلاش میں ادھر ادھر پھرنے لگے، مگر روزگار عنقا تھا، دن بھر دوڑ دھوپ کرتے، مگر بے کار، خرچ بھی ختم ہو رہا تھا، اور اب دو وقت کھانے کے بھی لالے پڑ رہے تھے، سوائے سید صاحبؒ کے ہر شخص نہایت پریشان اور متفکر تھا، کوئی ایک دو جز کسی کتاب "کریما" "مامقیماں" وغیرہ کی کتابت کر کے شام کو فروخت کرتا، کوئی بازار سے تھوڑا سا کپڑا خرید کر اس کی ٹوپیاں سی کر بیچتا اور کھانے کا انتظام کرتا، خود سید صاحبؒ ایک امیر کے یہاں کہ خود ان کی حالت اچھی نہ تھی، لیکن سادات سے نہایت محبت و اعتقاد رکھتے تھے، مہمان تھے، ان کے یہاں سے دو وقتہ اچھا کھانا آتا، آپ اپنے عزیزوں کے ساتھ جا کر شریک ہو جاتے، اپنا کھانا ان کے سامنے رکھ دیتے اور خود ان کی دال روٹی پر گزر کرتے، ان کو باصرار اپنا کھانا کھلاتے اور خود اس میں سے ایک لقمہ نہ لیتے، کبھی وہ سب فاقے سے ہوتے تو اپنا کھانا ان کو کھلا دیتے اور خود کوئی عذر کر دیتے، چار مہینے اسی طرح گزر گئے، اس کے بعد ان امیر کو سرکار لکھنؤ کی طرف سے سو سوار بھرتی کرنے کا حکم ہوا، مگر اس خبر کو سن کر بجائے ایک ہزار مسلح اور آراستہ امیدوار حاضر ہو گئے، امیر نے ہر دس امیدواروں میں سے ایک کو نوکر رکھ لیا اور دو اسامیاں سید صاحبؒ کے حوالے کر دیں، آپ نے یہ دو اسامیاں دو دوسرے غریب امیدواروں کو دلا دیں اور اپنے عزیزوں کو فضل الٰہی کا امیدوار بنا دیا۔

اس عرصہ میں والیِ لکھنؤ سیر و شکار کے لئے پہاڑوں کی طرف روانہ ہوا اور وہ امیر بھی جن کے یہاں سید صاحبؒ مہمان تھے، ہمرکاب ہوئے، سید صاحبؒ بھی مع اعزاء ساتھ ہوئے اور اسی شان سے جس طرح رائے بریلی سے لکھنؤ آئے تھے، تین مہینے اس سفر میں گزر گئے، سخت سردی کا موسم اور میدانوں اور پہاڑوں کا سفر، سخت مصیبتیں اٹھانی پڑیں اور کوئی نتیجہ نہ نکلا، سید صاحبؒ راستہ بھر سمجھاتے رہے، "عزیزو اس تلاش و جستجو، اس تکلیف و مصیبت کے باوجود دنیا تمہیں نہیں ملتی، ایسی دنیا پر خاک ڈالو اور میرے ساتھ دہلی چلو اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا وجود غنیمت سمجھو"

لیکن آپ کے ساتھی دوسرے عالم میں تھے، یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، بلکہ ہنستے تھے۔

سفر دہلی

مولوی سید محمد علی صاحب، صاحب ''مخزنِ احمدی'' کہتے ہیں(۱) کہ جب سید صاحبؒ کو ساتھیوں سے مایوسی ہوئی، تو ایک رات مجھے الگ لے گئے اور خصوصیت کے ساتھ سمجھایا اور کہا ''کل یا پرسوں ہم دہلی جائیں گے، ہماری خواہش ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں'' میں نے کہا ''آپ کے پاس سوائے ان کپڑوں کے جو بدن پر ہیں کوئی سامان نہیں، آپ ہی ایسی بے سروسامانی کی حالت میں سفر کی ہمت رکھتے ہیں، میں کم ہمت ایسے سفر کی طاقت نہیں رکھتا'' اس طرح دو تین دن گزر گئے اور لشکر کا کوچ ہو گیا، دوپہر کو ہم لوگ منزل پر پہنچے اور سب ہمراہی ایک جگہ اکٹھے ہوئے، تو معلوم ہوا کہ سید صاحبؒ نہیں ہیں جہاں جہاں احتمال تھا، شام تک تلاش کیا لیکن پتہ نہ چلا، چونکہ یہ سفر محمدی کے جنگل میں تھا اور وہ جنگل نہایت خطرناک اور درندوں، شیر، بھیڑیے، ریچھ، ہاتھی کے لئے مشہور تھا، اور ہر منزل پر ایک دو آدمی ان کا شکار ہو جاتے تھے، اس لئے ہم سب کو فکر ہوئی کہ نصیب دشمناں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا، رفتہ رفتہ اس کا یقین آ گیا، تین دن رات ہم لوگ اسی رنج والم میں مبتلا رہے، چوتھے روز محمدی کی طرف سے لشکر میں ایک آدمی آیا، اس نے کہا کہ ایک میاں اس حلیے کے جو صرف حضرت ہی کا ہو سکتا تھا، مجھے راستے میں دکھائی دیے، ان کے سر پر راب کا گھڑا تھا اور پیچھے ایک سپاہی، میں نے کہا میاں سپاہی یہ صاحبزادے تو شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں، کیا ماجرا ہے؟ اس نے یہ عجیب قصہ سنایا کہ جب میں اپنے مکان سے چلا تو ایک بوڑھے کے سوا کوئی مزدور نہیں ملا، وہ بوڑھا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ تھا لیکن اس پر کئی فاقے ہو چکے تھے، اس نے اس امید سے کہ پیٹ بھرنے کی مزدوری مل جائے گی، بوجھ لے لیا اور گرتا پڑتا بہزار خرابی میرے ساتھ چلا، تھوڑی دیر کے بعد یہ صاحب ملے اور مزدور کی یہ حالت دیکھ کر ان کے آنسو نکل آئے اور مجھ سے کہا، بندۂ خدا کچھ خدا کا خوف کر، کیوں اس بیچارے سے بے گار کرا رہا ہے؟ ''میں نے کہا میں نے اس پر زبردستی نہیں کی، بلکہ اس کو مزدور کیا ہے'' آپ اس

---

(۱) مولوی سید محمد علی صاحب اس سفر میں ساتھ تھے، اس سفر کے حالات انہیں کی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا ''دوروز سے فاقہ میں تھا، میں نے کہا کہ یہ مزدوری کرلوں، شاید پیٹ بھرنے کا سامان ہو جائے'' آپ نے مجھ سے کہا ''اگر مزدوری تمہارے پاس ہو تو اس کو دے دو، ورنہ خدا کے غضب سے ڈرو'' میں نے اسی وقت پیسے نکال کر دے دیئے، آپ نے کہا ''اب تھوڑی دیر اس درخت کے نیچے بیٹھ کر دم لے لو'' میں بیٹھ گیا، آپ نے کہا ''اب اس مزدور کو رخصت کر دو اور مجھے مزدور سمجھو، تمہارا بڑا احسان ہو گا'' میں نے کہا ''صاحبزادے'' نیکی اور شرافت اور سمجھداری تمہاری شکل سے ٹپکتی ہے، مگر اس وقت تم بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو، اس جنگل میں تو رستم کا بھی جگر شق ہوتا ہے، خود صحیح سلامت پہنچ جانا ہی بڑی بات ہے، اس بوجھ کے ساتھ ساتھ منزل پکڑنا بہت دشوار ہے'' آپ نے فرمایا ''اگر تم میرے ساتھ سلوک کرو گے تو ساری عمر تمہارا احسان نہ بھولوں گا'' میں نے مجبور ہو کر گھڑا سر پر رکھ دیا اور آپ نہایت اطمینان سے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے چلے آئے''

یہ سن کر عزیزوں کو اطمینان ہوا کہ خدا کا شکر ہے، خیریت سے ہیں۔(۱)

یہ بوجھ پہنچا کر آپ نے اپنا سفر شروع کر دیا، راستے میں ایک مرتبہ ایک پیسے کے ستو گُڑ میں گھول کر کھانے بیٹھے، ایک غریب آدمی نے پکارا کہ چار پہر سے فاقے سے ہوں، کچھ تردد ہوا، پھر اس کو اٹھا کر دے دیا اور رات فاقے سے گزار دی۔(۲)

چلتے چلتے آپ کے پیروں میں چھالے پڑ گئے، راستے میں ایک قصبے کی مسجد میں قیام کیا، وہاں ایک شخص نے صورت دیکھ کر دریافت کیا ''کہاں سے آنا ہوا اور کہاں کا قصد ہے؟'' آپ نے کہا ''اگر وعدہ کریں کہ حارج نہ ہوں گے اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں گے تو عرض کروں'' انہوں نے وعدہ کیا تو آپ نے نام ونشان کا پتہ دیا، وہ آپ کے والد سید عرفان صاحبؒ کے مرید نکلے، آپ کو ہاتھوں ہاتھ گھر لے گئے، ہاتھ منھ دھلائے، پاؤں سے خون جاری تھا، اس پر منہدی اور ببول کے پتوں کا لیپ کیا اور وعدہ کر کے بہت پچھتائے مگر مجبور تھے، آپ کو سوار کرا کے دہلی تک پہنچا دیا۔(۳)

---

(۱) ''مخزن احمدی'' ص ۱۸۔ (۲) ''منظورہ'' بحوالہ شیخ عبدالقیوم۔ (۳) ''وقائع احمدی''۔

تیسرا باب

دہلی کا قیام، سلوک و تکمیل

شاہ عبدالعزیزؒ سے ملاقات

سید صاحبؒ دہلی پہنچ کر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شاہ صاحبؒ نے مصافحہ ومعانقہ فرمایا اور اپنے برابر بٹھایا اور دریافت کیا "کہاں سے تشریف لائے؟" آپ نے فرمایا "رائے بریلی سے" فرمایا "کس خاندان سے ہیں؟" کہا "وہاں کے سادات میں شمار ہے" فرمایا "سید ابو سعید صاحب، سید نعمان صاحبؒ سے واقف ہیں؟" سید صاحبؒ نے فرمایا "سید ابوسعید صاحب میرے نانا اور سید نعمان صاحبؒ میرے حقیقی چچا ہیں" شاہ صاحبؒ نے اٹھ کر دوبارہ مصافحہ ومعانقہ کیا اور پوچھا "کس غرض کے لئے اس طویل سفر کی تکلیف برداشت کی؟" سید صاحبؒ نے جواب دیا "آپ کی ذات مبارک کو غنیمت سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طلب کے لئے یہاں پہنچا" شاہ صاحبؒ نے فرمایا "اللہ کا فضل اگر شامل حال رہے تو اپنے ددیال، ننہال کی میراث تم کو مل جائے گی" اس وقت آپ نے ایک ملازم کی طرف اشارہ فرمایا "سید صاحب کو بھائی مولوی عبدالقادر صاحبؒ کے یہاں پہنچا دو اور آپؒ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر کہنا کہ اس عزیز مہمان کی قدر کریں اور ان کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں، ان کا مفصل حال ملاقات کے وقت بیان کروں گا" چنانچہ سید صاحبؒ شاہ عبدالقادرؒ کی خدمت میں اکبر آبادی مسجد میں رہنے لگے۔(۱)

---

(۱) "مخزن احمدی" ص ۱۸۔

سلام مسنون کا رواج

سید صاحبؒ جب شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہلی مرتبہ حاضر ہوئے تو نہایت سادگی سے ''السلام علیکم'' کہا، یہ وہ زمانہ تھا کہ سلام مسنون کا رواج ہی ہندوستان سے جاتا رہا تھا حتی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے خاندان میں بھی اس کی رسم نہ تھی، اور وہ جب سلام کرتے تھے تو کہتے تھے، ''عبدالقادر سلام عرض کرتا ہے'' رفیع الدین تسلیمات عرض کرتا ہے، شاہ صاحبؒ نے جب سید صاحبؒ کا سلام سنا تو بہت خوش ہوئے اور آپ نے حکم دے دیا کہ سلام بطریق مسنون کیا جائے۔ (۱)

شاہ عبدالقادرؒ کی خدمت میں

سید صاحبؒ حسب ارشاد اکبر آبادی مسجد میں ترجمانِ قرآن حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی تربیت میں ٹھیر گئے، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ آپ کو اس مبارک خاندان کے دونوں بزرگوں سے استفادے کا موقع ملا، شاہ صاحبؒ کو سید صاحبؒ سے بڑی محبت تھی، اور ایک روایت کے مطابق انہوں نے سید صاحبؒ کی بعض ادائیں دیکھ کر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے مانگ لیا تھا (۲)، آپ نے شاہ عبدالقادرؒ سے کچھ پڑھنا بھی شروع کر دیا۔

بیعت

چند دنوں کے بعد ایک شب جمعہ کو آپ شاہ عبدالعزیزؒ سے بیعت ہو گئے، اور آپ نے طرق ثلثہ، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ میں آپ کو داخل فرمالیا۔ (۳)

---

(۱) یہ روایت امیر شاہ خاں صاحب کی ''امیر الروایات'' میں اس طرح پر ہے کہ سید صاحبؒ پہلی مرتبہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بیعت کی اور چھ روز رہ کر تشریف لے گئے پھر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے الی آخرہ لیکن اس میں کھلی ہوئی فرو گزاشت ہے، اس لئے کہ سید صاحب کی ولادت بالاتفاق ۱۲۰۱ھ کی ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی وفات ۱۱۷۶ھ میں ہو گئی تھی، اور سید صاحبؒ کا پہلا سفر ۱۲۲۲ھ میں ہوا، دونوں کے درمیان ۴۶ سال کا فصل ہے۔

(۲) ''امیر الروایات''۔ (۳) ''مخزن احمدی'' ص ۸۱۔

تعلیم تصورِ شیخ اور سید صاحبؒ کا عذر

تعلیم سلوک کے ضمن میں حضرت شاہ صاحبؒ نے حسب معمول تصورِ شیخ کی تعلیم کی، سید صاحبؒ نے نہایت ادب سے عرض کیا، "حضرت" اس میں اور بت پرستی میں کیا فرق ہے؟ اس میں صورت سنگی اور قرطاسی ہوتی ہے، اور اس میں صورت خیالی، جو دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے، اور اس کی طرف توجہ اور اس سے استعانت ہوتی ہے، شاہ صاحبؒ نے حافظؒ کا یہ شعر پڑھا ۔

بہ مے سجادہ رنگیں کن، گرت پیر مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ ورسم منزلہا

سید صاحبؒ نے فرمایا" شرک کی کسی طرح ہمت نہیں ہوسکتی، ہاں کتاب وسنت واجماع امت سے کوئی سند لائیں اور اچھی طرح سے اطمینان ہو جائے کہ دونوں ایک چیز نہیں تو خطرہ دور ہوسکتا ہے۔"

ولایت انبیاء سے مناسبت

شاہ صاحبؒ نے یہ سن کر سید صاحبؒ کو فرط مسرت سے گود میں لے لیا اور کئی مرتبہ پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا" اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وانعام سے تم کو ولایت انبیاء سے نوازا" سید صاحبؒ نے اس کی تشریح چاہی تو شاہ صاحبؒ نے اس کی تفصیل اس طرح فرمائی:۔

"سادہ اور مطلق ولایت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو دوسرے بندوں کے مقابلے میں اپنے قرب سے برگزیدہ کرے، اس برگزیدگی کی نشانی یہ ہے کہ اللہ کی محبت اس کے دل کی گہرائی میں اس طرح پیوست ہو جائے کہ اس کو دنیا اور دنیا کی چیزوں کی طرف کوئی توجہ نہ رہے، اور اولاد اور جاہ و مال کی محبت اس کے دل سے مٹ جائے، اپنے نفس، قلب، جوارح اور اعضاء سے وہ قرب الٰہی کا جویا اور رضائے خداوندی کا طالب بن جائے اور اس میں وہ اس طرح مشغول ومنہمک

ہو جائے کہ عوام الناس اس کو مجنون و دیوانہ سمجھیں، تبع تابعین میں سے ایک شخص نے حضرت سفیان ثوری سے کہا "صحابہؓ اور ہماری کیا نسبت ہے؟ فرمایا کہ "اگر تم ان کو دیکھتے تو دیوانہ سمجھتے اور اگر وہ تم کو دیکھیں تو کافر ومنافق سمجھیں اور تمہارے سلام کا جواب دینے کے روادار نہ ہوں" اسی طرح سے صاحب ولایت نفس کے مجاہدے، صوم وصلوۃ، کثرت نوافل، خدمت خلائق میں مشغول ہوتا ہے آیت کے مضمون کے مطابق "وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلاَماً" (۲۵:۶۳) یعنی جب جاہل ان کے منہ لگتے ہیں تو وہ کہتے ہیں، بھائی سلام ہو (ہم کو معاف کرو) مجرمین وفاسقین سے تعرض نہیں کرتا، گوشہ گزینی اس کو محبوب ہوتی ہے، اس کا عمل اکثر اشارۃ النص اور قرآن کی تاویل یا صوفیوں کی اصطلاح پر ہوتا ہے، ان اعمال کو قرب نوافل کہتے ہیں۔

لیکن جس کو اللہ تعالیٰ ولایت انبیاء سے سرفراز کرے، اس کے دل کی جڑ میں اللہ کی محبت اس طرح گڑ جاتی ہے، اور اس طرح راسخ ہو جاتی ہے کہ اس ایثار کا اثر جو "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (۱)" (۳:۹۲) میں بیان کیا گیا ہے اور اللہ کے ان نیک و برگزیدہ پیغمبروں کی عادات، جن کے متعلق "اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَار (۲)" (۳۸:۴۷) میں فرمایا ہے، اور جن کی تفصیل "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ، وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ،

(۱) تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکتے، جب تک راہ خدا میں اپنی محبوب چیزیں صرف نہ کرو۔

(۲) وہ ہمارے برگزیدہ اور نیک بندے ہیں۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۱)" (۲:۱۷۷)
میں کی گئی ہے، وہ ایثار اور پیغمبرانہ اخلاق و عادات اس کی صورت و سیرت میں نمایاں ہو جائیں اور یہ خصائل حمیدہ نفسانی و جسمانی ظلمتوں اور کدورتوں کو معدوم کر دیں، وہ ہمیشہ خلق خدا کی ہدایت، مجرمین و فساق کو نصیحت، اللہ کے فرائض کو جاری اور قائم کرنے اور انبیائے مرسلین کی سنتوں کو زندہ کرنے، کفار کے خلاف کوشش، اشرار کی تادیب اور گنہگاروں کی تعزیر میں مشغول رہے، اکثر مسلمانوں کی مجلسوں اور ان کے مجمعوں میں جا کر ان کو وعظ و نصیحت کرے، اگرچہ اہل مجلس اس کے سننے کی طرف متوجہ نہ ہوں، اس مشرب کو صوفیوں کی اصطلاح میں قرب الفرائض کہتے ہیں، اس مشرب کے لوگوں کا عمل اکثر عبارۃ النص اور تنزیل قرآنی پر ہوتا ہے، اس مرتبے کو ولایت کے تمام مرتبوں سے اعلیٰ یقین کرنا چاہئے "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۲)" (۶۲:۴) (۳)

تصور شیخ سے معذرت کی وجہ

سید صاحبؒ نے تصور شیخ سے اس شدت کے ساتھ معذرت کیوں کی اور اس میں کیا قباحتیں اور خطرات ہیں، اس کی تفصیل خود سید صاحبؒ کی زبان سے سننے کی ہے "صراط مستقیم" میں فرماتے ہیں:

"جو اشغال کہ بدعت ہیں، انہیں میں سے شغل برزخ (تصور شیخ) بھی ہے کہ وہ اکثر سلاسل طریقت کے پچھلے منتسبین میں بہت شائع و ذائع ہے،

---

(۱) بڑی نیکی یہ ہے، جو کوئی اللہ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور دے مال اس کی محبت پر رشتے داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں، اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دیا کرے اور جب عہد کریں تو اپنے اقرار کو پورا کرنے والے اور سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے، یہی سچے لوگ ہیں، اور یہی پرہیز گار ہیں۔
(۲) "مخزن احمدی" ص ۲۰-۲۱ (۳) یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے، عنایت فرماتا ہے، اللہ بڑے فضل والا ہے۔

بلکہ بعض اکابر کے کلام میں اور تعلیم میں بھی وہ شامل ہے، اس شغل کی حقیقت یہ ہے کہ خطرات و وساوس کے ازالے اور توجہ کی مرکزیت و یکسوئی کے لئے شیخ کی صورت کو تعین و تشخص کے ساتھ ذہن میں جماتے ہیں اور پورے ادب و تعظیم اور اپنی پوری توجہ و ہمت کے ساتھ اس (خیالی) صورت کی طرف متوجہ رہتے ہیں گویا تمام آداب و تعظیم کے ساتھ شیخ کے رو برو بیٹھے ہیں اور دل کو پورے طور پر اس کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں، اس شغل کی حقیقت حال اور اس کا حکم تصویر کی حقیقت حال سے معلوم کیا جا سکتا ہے، سب جانتے ہیں کہ تصویر کا بنانا گناہ کبیرہ اور عظیم معصیت ہے، اس کو دیکھتے رہنا بالخصوص تعظیم و توقیر کے ساتھ حرام ہے، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا اپنی قوم سے فرمانا کہ ''مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ '' (۵۲:۲۱) یعنی یہ کیسے بت ہیں، جن پر تم جمے بیٹھے رہتے ہو؟ چونکہ ایسے الفاظ میں ہے جو کہ مطلق ہیں، اور ان میں کوئی قید اور تخصیص نہیں، اس لئے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ بتوں پر ''عکوف'' ممنوع ہے اور عکوف کے معنی ہیں ''لزوم حضور'' خواہ قعود ونشست کی شکل میں ہو، خواہ قیام و وقوف کی شکل، اس تعظیم و ادب و محبت کے ساتھ یہ دوام حضور اور اس کا لزوم اس آیت کے تحت میں آتا ہے، اس میں تو کسی کو کلام نہیں کہ ظاہری تصویر کے ساتھ جو بھی یہ عمل کرے گا، عاصی و گنہگار ہوگا، اس ظاہری تصویر کے ساتھ مندرجہ بالا عمل کرنے والے اور شغل برزخ (تصور شیخ) کے عامل میں، جو سالک اور راہ حق کا طالب ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں کاغذ یا کسی ایسی ہی چیز پر ایک رنگین تصویر ہوتی ہے اور دوسری شکل (شغل برزخ) میں صفحۂ خیال پر شیخ کی ہو بہو صورت اپنے پورے خط و خال اور حلیے کے ساتھ مرتسم کی جاتی ہے، یہ عمل اگرچہ ظاہری نگاہ میں تصویر پرستی نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقتاً وہ صاف صاف صورت پرستی ہے،

کاغذی تصویر میں صورت وحلیہ کی اس قدر باریکیاں ظاہر نہیں ہوسکتیں، جیسی کہ صورت خیالی میں نمایاں ہوتی ہیں، حالانکہ دونوں بے جان اور بے روح ہیں، اس لئے جہاں تک تصویر کے مقصد ومعنی کا تعلق ہے، صورت خیالی صورت قرطاسی سے آگے بڑھی ہوئی ہے، اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان صرف اس بات سے تفریق کی جاسکتی ہے کہ اگر کاغذ یا پتھر کی تصویر کی اجازت دے دی جائے، تو ظاہری شریعت کے نظام میں بڑا خلل واقع ہوگا، لیکن دوسری شکل (صورت خیالی) میں شریعت کے ظاہری نظم وانتظام کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ فاعل کے ذہن وقلب پر اپنے اس عمل کا جو اثر پڑتا ہے، وہ صورت خیالی کی شکل میں کہیں زیادہ مؤثر اور خطرناک ہے، اس بات کا تقاضا ہے کہ خیالی صورت کا جمانا اور اس کی طرف متوجہ رہنا بدرجۂ اولیٰ حرام قرار دیا جائے۔

اس کے علاوہ شغل برزخ کا رواج ناقصوں اور مبتدیوں کو رفتہ رفتہ کاغذی یا ظاہری تصویر تک پہنچا دیتا ہے، وہ ظاہری تصویریں بنا کر وہ تمام تعظیمی حرکات و آداب جو صاحب تصویر بزرگوں اور مشائخ کے سامنے بجالاتے ہیں، سب ان کی تصاویر کے سامنے بجالانے لگتے ہیں، اور صاف صاف صنم پرستوں کی شکل اختیار کرتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شغل برزخ اس فعل حرام کی سرحد تک بھی پہنچا دیتا ہے، اس لئے (اصول شرعیہ کا تقاضا ہے) کہ یہ عمل جو اس فعل حرام کا مقدمہ ہے، شریعت محمدیہ میں حرام ہو، اسی احتیاط وپیش بندی کی بنا پر کہ صورت پرستی مسلمانوں میں نہ آنے پائے، تصویر سازی کو مطلقاً ممنوع قرار دیا گیا، شرائع سابقہ میں بعض اغراض صحیحہ کے حصول کے لئے، مثلاً کسی غائب زندہ یا مردے کی شکل وشمائل معلوم کرنے کے لئے اس کی اجازت دی گئی تھی، جب شارع علیہ السلام نے تصویر سازی کے بارے میں اتنی احتیاط وانتظام

سے کام لیا ہے، تو آپ کے متبعین اور شریعت محمدیہؐ کے پیرووں کو شغل برزخ کو
حرام وقبیح ہی سمجھنا چاہئے، جو شخص سیرت محمدیؐ پر نظر رکھتا ہے، اس کو خوب معلوم
ہے کہ اگر اس زمانہ مبارک میں اس امر کے متعلق دریافت کیا جاتا تو ضرور اس
کی ممانعت کی جاتی اور اس کی حرمت بیان کی جاتی۔(۱)"

بیعت وتلقین کے بعد شاہ صاحبؒ نے ہدایت دے کر سید صاحبؒ کو رخصت کیا اور آپ اپنے مسکن پر آئے اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے، شاہ عبدالقادرؒ نے بھی ایک مدت تک آپ کو سلوک کی تعلیم وتربیت فرمائی۔(۲)

سلسلہ تعلیم کا انقطاع

اس زمانے میں سید صاحبؒ نے اپنی تعلیم کا سلسلہ پھر شروع کیا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے بعض کتابیں پڑھتے تھے، ایک روز عجیب واقعہ ہوا کہ آپ کتاب دیکھتے ہیں تو سامنے سے حروف غائب ہو جاتے ہیں، آپؒ نے مرض سمجھ کر طبیبوں سے رجوع کیا، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ باریک چیزوں کی طرف نظر کرو تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی فرق نہیں، صرف کتابوں کی خصوصیت ہے، شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ پڑھنا چھوڑ دو۔(۳)

بنی اندر خود علوم انبیا بے کتاب وبے معید واوستا

سید صاحبؒ نے اگرچہ درسیات کی تکمیل نہیں کی لیکن آپ کو دینی علوم سے ضروری واقفیت ہوگئی، آپ ہر وقت علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء کی صحبت میں رہتے تھے، جہاں ہر وقت علم کا چرچا رہتا تھا، جہاں کا گھر بھی مدرسہ تھا، اور جہاں کی تفریح بھی درس تھی، وہاں کی ہوا بھی علم پرور تھی اور وہاں کے بچے بھی دین کی سمجھ اور شریعت سے واقفیت رکھتے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا شریعت کدہ ہندوستان میں بالاتفاق علم کا سب سے بڑا مرکز تھا، جس میں منتخب علماء وفضلاء حاضر ہوتے تھے، ایک وقت میں صرف اس خاندان میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ،

---

(۱)"صراط مستقیم"، ص ۱۱۸-۱۱۹، مجتبائی۔ (۲)"ارواح ثلثہ" (۳)"امیر الروایات"

شاہ عبدالقادرؒ ،شاہ رفیع الدینؒ ،مولانا عبدالحئیؒ ،مولانا اسمٰعیلؒ ، مولانا شاہ محمد اسحاقؒ، مولانا محمد یعقوبؒ موجود تھے اور سید صاحبؒ کی صحبت انہیں حضرات سے تھی، قرآن مجید تو آپ نے خاص طور سے پڑھا، ترجمانِ قرآن حضرت شاہ عبدالقادرؒ کی توجہ اور صحبت نے اس کو جلادی۔

خلافِ شرع چیزوں سے حفاظت

اس کے بعد آپ اپنے کام میں ہمہ تن مشغول ہو گئے ، شاہ صاحبؒ نے آپ کی خدمت کے لئے تین شخص، جن کا خود صلحاء میں شمار ہوتا تھا، مقرر کر دیئے، وہ آپ کی ضروریات مہیا کر دیتے تھے۔

ایک مرتبہ چند بے تکلف لوگوں نے جمنا کے کنارے ہندوؤں کے ایک میلے میں چلنے کے لئے آپ سے اصرار کیا اور باوجود آپ کے عذر وانکار کے زبردستی آپ کو لے گئے، لیکن آپ میلے میں پہنچتے ہی بے ہوش ہو گئے، اور اس میں شریک نہ ہو سکے (۱)، اور انہیں آپ کو مجبوراً واپس لانا پڑا، اس کے بعد ان کو پھر اس کی کبھی جرأت نہیں ہوئی۔

باطنی ترقیات

آپ کو چند دنوں میں اس قدر باطنی ترقی ہوئی اور وہ بلند مقامات حاصل ہوئے، جو سالہا سال کی ریاضت ومجاہدوں سے بھی کم حاصل ہوتے ہیں، اور آپ پر بیداری وخواب میں اس قدر انعاماتِ الٰہیہ کی بارش ہوئی، جس کی نظیر کم ملتی ہے، صاحبِ ''مخزن احمدی'' لکھتے ہیں:

> ''قیام دہلی کے اثناء میں رمضان پڑا، اکیسویں شب کو آپ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا'' اس عشرے کی کس رات میں شب بیداری کر کے شب قدر کی سعادت حاصل کی جائے؟'' مولانا نے متبسم ہو کر فرمایا'' فرزند عزیز شب بیداری کا جو روزانہ معمول ہے، اسی طرح ان راتوں میں بھی عمل کرو، صرف شب بیداری سے کیا ہوتا ہے؟ دیکھو، چوکیدار اور

---

(۱) صاحب ''مخزن احمدی'' نے اس واقعے کو نظم کیا ہے (ص ۲۵،۲۶)

سپاہی ساری رات جاگتے رہتے ہیں، مگر اس دولت سے بے نصیب ومحروم رہتے ہیں، اگر تمہارے حال پر اللہ کا فضل ہے، تو شب قدر میں اگر تم سوتے بھی رہو گے تو اللہ تم کو جگا کر ان برکات میں شریک کردے گا" سید صاحبؒ یہ سن کر اپنے مسکن پر آگئے اور عادت کے مطابق شب بیداری کا معمول رکھا، ستائیسویں شب کو آپ نے چاہا کہ ساری رات جاگوں اور عبادت کروں، مگر عشاء کی نماز کے بعد کچھ ایسا نیند کا غلبہ ہوا کہ آپ سو گئے، تہائی رات کے قریب دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا، آپ نے دیکھا کہ آپ کی دائیں طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بائیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہیں، اور آپ سے فرما رہے ہیں کہ احمد جلد اٹھ اور غسل کر، سید صاحبؒ ان دونوں حضرات کو دیکھ کر دوڑ کر مسجد کے حوض کی طرف گئے اور باوجودیکہ سردی سے حوض کا پانی یخ ہو رہا تھا، آپ نے اس سے غسل کیا اور فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فرزند آج شب قدر ہے یادِ الٰہی میں مشغول ہو اور دعا و مناجات کرو" اس کے بعد دونوں حضرات تشریف لے گئے، صاحب "مخزن" لکھتے ہیں کہ اس کے بعد سید صاحبؒ بارہا فرمایا کرتے تھے، اس رات کو اللہ کے فضل سے وارداتِ عجیب وواقعاتِ غریب دیکھنے میں آئے، تمام درخت اور دنیا کی ہر چیز سجدے میں تھی، اور تسبیح وتہلیل میں مشغول، مگر ان ظاہری آنکھوں سے اپنی اپنی جگہ کھڑی معلوم ہوتی تھی، اس وقت فنائے کلی اور استغراق کامل مجھے حاصل ہوا، صبح میں شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ نے بہت مسرور ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج کی شب تم اپنی مراد کو پہنچ گئے، اس وقت سے ترقیات وعلو درجات کے آثار ظاہر ہونے لگے(۱)"

مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ "صراط مستقیم" میں لکھتے ہیں:۔

---

(۱) "مخزن احمدی" ص ۲۲-۲۳

''ایک بار خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سید صاحبؒ کے منہ میں تین چھوہارے دیئے اور بہت شفقت و محبت سے کھلائے، جب آپ بیدار ہوئے تو ان کی شیرینی آپ کے ظاہر و باطن سے ظاہر تھی، اس کے بعد ایک روز سید صاحبؒ نے خواب میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو دیکھا، حضرت علیؓ نے اپنے دست مبارک سے آپ کو اس طرح نہلایا جیسے باپ اپنے بچوں کو نہلاتے دھلاتے ہیں، اور حضرت فاطمہؓ نے اپنے ہاتھ سے ایک لباس فاخر آپ کو پہنایا، اس کے بعد سے طریق نبوت کے کمالات آپ پر ظاہر ہونے لگے، یہاں تک کہ ایک روز اللہ تعالیٰ نے خاص دست قدرت سے آپ کا دایاں ہاتھ پکڑ کر امور قدسیہ میں سے ایک چیز، جو نہایت رفیع و بدیع تھی، آپ کو عنایت کی اور فرمایا کہ اور چیزیں بھی ہم تم کو دیں گے (۱)''

رائے بریلی کو واپسی اور نکاح

اس کے بعد اپنے وطن رائے بریلی تشریف لائے (۲)، آپ اچانک پہنچے اور مسجد میں مسافرانہ جا کر بیٹھ گئے، آپ جس وقت گھر سے نکلے تھے، اس وقت ڈاڑھی مونچھ بھی نہیں نکلی تھی، اب تشریف لائے تو گھنی ڈاڑھی اور مونچھیں تھیں، لوگوں نے پہچانا نہیں اور سمجھے شاید کوئی مسافر یا درویش ہو، سب سے پہلے میاں عبدالقادر خاں نے (اور ایک روایت میں ہے کہ سید علم الہدیٰ نے) پہچانا اور گھر میں خبر کی، اعزا ملنے آئے اور ہاتھوں ہاتھ گھر لے گئے۔ (۳)

اس مرتبہ وطن میں کئی برس رہنا ہوا، اسی مدت میں آپ نے سید محمد روشن (۴) کی صاحبزادی بی بی زہرہ سے نکاح کیا، یہ نسبت پہلے سے تھی، لیکن لڑکی کے گھر والوں کو آپ کی وضع اور عزائم دیکھ کر تأمل تھا، اعزاء نے کہہ سن کر راضی کیا اور رشتہ ہو گیا، ۱۲۲۴ھ میں آپ کی بڑی صاحبزادی بی بی سارہ پیدا ہوئیں۔

---

(۱) ''صراط مستقیم'' ص ۱۶۴ (۲) خاندانی کاغذات اور دستاویزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۱۲۲۳ھ میں وطن میں موجود تھے، (ملاحظہ ہو عکس وکالت نامہ سید محمد جامع و سید محمد و سید محی الدین، مشمولۂ کتاب (۳) ''منظورہ''۔ (۴) سید محمد روشن، شاہ علم اللہؒ کے حقیقی چچا سید اسحٰق کی پانچویں پشت میں ہیں، سید محمد روشن بن سید محمد شافع بن سید عبدالغفار بن سید تاج الدین بن سید اسحٰق بن سید محمد معظم۔

دہلی کا دوسرا سفر اور نواب امیر خاں کی رفاقت

دہلی کا دوسرا سفر

رائے بریلی سے ۱۲۲۶ھ(۱) میں آپ دہلی تشریف لے گئے، یہ دہلی کا دوسرا سفر تھا،

(۱) مرزا حیرت نے ''حیات طیبہ'' میں رائے بریلی سے دوسرے سفر کی تاریخ تعین کے ساتھ جمادی الآخرہ ۱۲۲۴ھ پیش کی ہے، (ص ۲۸۹) اور اس کو مہر صاحب نے ''سید احمد شہید'' میں اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''مجھے اس کا ماخذ معلوم نہیں، اغلب ہے یہ درست ہو، کم از کم اس کے اقرب الی الصحۃ ہونے میں کوئی شبہ نہیں'' (ص ۸۲) لیکن خاندانی دستاویزوں اور بعض واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تاریخ صحیح نہیں ہے اور محض قیاس پر مبنی ہے، اس لئے کہ:
(ا) مولوی سید محمد علی، سید احمد علی، سید حمید الدین صاحبان نے اپنے والد مرحوم سید عبد السبحان کے قرضے کا جو اقرار نامہ لکھا ہے اور جس کا عکس شامل کتاب ہے، اس پر سید صاحبؒ کی گواہی موجود ہے، اقرار نامے پر تاریخ تحریر ۲۰ ربیع الاول ۱۲۲۶ھ صاف پڑھی جاتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۲۲۶ھ میں سید صاحبؒ رائے بریلی میں موجود تھے، اس لئے کہ اس پر اتفاق ہے کہ آپ دوسرے سفر دہلی پر روانہ ہونے کے بعد ۶۔۷ سال سے پہلے وطن واپس نہیں ہوئے۔
(ب) مولانا سید قطب الہدیٰ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع الاول ۱۲۲۶ھ میں اپنے بھتیجے مولانا سید محمد ظاہر حسنیؒ کے نام اپنی تمام مملوکہ کتابوں کا ہبہ نامہ لکھا ہے، اس پر اعیان خاندان علم اللہی کے دستخط اور مہریں ہیں، اس میں سید صاحبؒ کی مہر اسمہٗ احمد بھی ہے، جو آپ کی غیر موجودگی میں نہیں پڑ سکتی، نیز ہبہ نامے کے آخر میں درج ہے ''تحریر فی التاریخ بست وہشتم ربیع الاول ۱۲۲۶ھ المقدسہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام''۔ یہ ہبہ نامہ مصنف کے پاس محفوظ ہے۔
(ج) ''منظورۃ السعداء'' کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سید قطب الہدیٰ کا انتقال آپ کے سامنے ہوا اور آپ احتضار کے وقت موجود تھے، صاحب ''نزہۃ الخواطر'' نے مولانا سید قطب الہدیٰ کی تاریخ وفات ''گلشن محمودی'' کے حوالے سے ۱۹ ربیع الآخر ۱۲۲۶ھ لکھی ہے، اس لئے اس میں شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

کچھ مدت دہلی قیام فرما کر آپ ۱۲۲۷ھ (۱) میں نواب امیر خاں کے لشکر میں تشریف لے گئے، جو وسط ہند کے بعض راجاؤں سے برسر پیکار تھے۔

نواب امیر خاں کی رفاقت اور سید صاحبؒ کے مقاصد

سید صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے جس عظیم مقصد کے لئے تیار کیا تھا اور آپ نے جن بلند مقاصد کو اپنے پیش نظر رکھا تھا، ان کی سربراہی مزید تکمیل و پختگی اور عملی مشق و تربیت کی متقاضی تھی (۲)، اگرچہ سید صاحبؒ نے شروع سے سپہ گری اور سپاہیانہ اعمال و اشغال اپنے فطری ذوق و رجحان سے سیکھے تھے، لیکن آپ کو عملی معرکہ آرائی اور میدانِ جنگ اور اس کے نشیب و فراز سے گزرنے کا اس سے پیشتر موقع نہیں آیا تھا، اس کے لئے کہ محاذ جنگ کی ضرورت تھی، جہاں رہ کر آپ فوجوں کی قیادت اور دست بدست جنگ کا عملی تجربہ حاصل کریں۔

نیز ایک ایسے شخص کو جو ہندوستان میں اسلام کے غلبے اور دینی حکومت کے قیام کے لئے کوشاں ہو، سب سے پہلے اس کا جائزہ لینا ضروری تھا کہ اس ملک میں کہاں کہاں ایسی آزاد فوجی طاقت پائی جاتی ہے، جو صحیح رہنمائی کے بعد اس عظیم مقصد کے حصول میں معاون ثابت ہوسکتی ہے۔

انیسویں صدی کی ابتدا میں سارے ملک میں چار قابل ذکر طاقتیں تھیں، ایک بیدار مغز اور نوخیز طاقت ''انگریز'' جن کا ستارۂ اقبال روز بروز بلند ہوتا جارہا تھا، دوسرے دکن میں نظام، تیسرے شمالی ہند میں اودھ کی سلطنت، لیکن دونوں طاقتیں انگریزوں کی سرپرستی قبول کرچکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سید صاحبؒ نے کم سے کم ربیع الآخر کے بعد سفر اختیار کیا، اور ۱۲۲۶ھ سے پہلے آپ وطن سے روانہ نہیں ہوئے۔

(۱) ''وقائع احمدی'' کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب نواب کے لشکر میں پہنچے ہیں تو وہ دھمکولہ کے قلعے کے محاصرے میں مصروف تھے، وقائع کے راوی نے خود آپ سے یہ روایت نقل کی ہے (وقائع ص ۲۱) دھمکولہ کا محاصرہ لالہ بساون لعل مؤلف ''امیر نامہ'' کے بیان کے مطابق ۱۲۲۷ھ میں پیش آیا، مؤلف ''امیر نامہ'' نے اس کو اسی سنہ کے واقعات میں بیان کیا ہے (''امیر نامہ اردو'' ص ۵۰۵)

(۲) یہ کسی عظیم المرتبت ہستی کے لئے کوئی نقص اور عیب کی بات نہیں، تاریخ میں اس کی بکثرت مثالیں ہیں۔

تھیں اور اس ملک میں اسلامی اقتدار کے لئے ان سے امید رکھنا فضول تھا، جو تھے مرہٹے، جو وسط ہند اور دکن میں اپنی ریاستیں قائم کئے ہوئے تھے، لیکن ان کی آپس میں سخت رقابت اور خانہ جنگی تھی، اٹھارہویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں ان کے چار سردار دولت راؤ سندھیا، جسونت راؤ ہلکر، باجی راؤ پیشوا، رگھوجی بھونسلہ اقتدار اعلیٰ کے لئے کشمکش کر رہے تھے۔

ان چار طاقتوں کے علاوہ جن سے اسلامی اقتدار کے قیام کے لئے کسی مدد کی امید نہیں تھی، ایک پانچویں بڑھتی ہوئی آزاد طاقت تھی، جس کو وقت کا کوئی مبصر نظر انداز نہیں کرسکتا تھا یہ رُوہیلکھنڈ کے افغانوں کی طاقت تھی، جن کی قیادت سنبھل (ضلع مرادآباد) کا ایک حوصلہ مند افغان زادہ، امیر خاں کر رہا تھا، امیر خاں کے ساتھ روہیل کھنڈ اور شمالی ہند کے دلیر اور حوصلہ مند پٹھانوں اور سپاہ پیشہ نوجوانوں کی ایک کثیر التعداد اور طاقت ور جمعیت رہتی تھی، جس کو مرہٹہ سردار اور راجپوت والیان ریاست ہمیشہ اپنے ساتھ ملانے کی کوشش میں رہا کرتے تھے، اور جس کی شمولیت فتح و شکست کے لئے اکثر فیصلہ کن ثابت ہوا کرتی تھی، اس جمعیت میں ہندوستان کا بہترین فوجی عنصر مسلمانوں کا گرم اور تازہ خون، ہندوستان کی فاتح طاقت کا بچا کھچا سرمایہ اور وقت کے بہت سے شاہین و شہباز تھے۔

امیر خاں

امیر خاں کا خاندان سالار زئی پٹھانوں کا ایک خاندان تھا، جو علاقۂ بنیر کے موضع جُوڑ میں بود و باش رکھتا تھا، اس خاندان کے پہلے فرد طالع خاں محمد شاہ کے عہد میں ہندوستان آئے اور سنبھل، ضلع مرادآباد سرائے ترین میں سکونت اختیار کی، اسکے فرزند محمد حیات خاں امیر خاں کے والد ہیں۔

امیر خاں ۱۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے، ابتدا سے سپہ گری کا شوق تھا، پڑھنے لکھنے سے مناسبت نہ تھی، ۱۲۰۲ھ میں قسمت آزمائی اور کشور کشائی کے لئے سنبھل سے نکل پڑے، راستے میں سپاہی پیشہ اور طالب روزگار آدمی شامل ہوتے رہے، کچھ عرصہ مختلف سرکاروں میں نوکری

کی، پھر خود اپنی ایک جمعیت پیدا کر لی اور اپنی لیاقت وشجاعت کا سکہ بٹھا دیا، بار ہا اپنی قلیل جمعیت سے فوج گراں کا مقابلہ کیا اور بڑے بڑے لشکروں کو شکست دی، ان کی جمعیت اور طاقت روز بروز بڑھتی گئی، ۱۲۱۵ھ میں جب وہ سرونج کی طرف گئے ہیں تو ستر، اسی ہزار سوار اور پیادے ان کے ہمراہ تھے۔ ۱۲۳۰ھ میں انہوں نے پچاس ہزار پیادے، اور بارہ ہزار سوار اپنے ایک فوجی افسر میاں محمد اکبر خاں کے سپرد کئے، ان کی جنگی لیاقت اور فوجی اہمیت کی شہرت اتنی دور دور پہنچی تھی کہ ۱۲۲۹ھ میں شاہ شجاع نے ان کو کابل اور اہلیہ نصیر خاں حاکم بلوچستان نے ان کو بلوچستان طلب کیا۔(۱)

بیس پچیس سال کابل، مالوہ، مارواڑ، راجپوتانہ اور دکن کی سرزمین ان کی رزم آرائیوں اور جنگ آزمائیوں کی جولانگاہ رہی، بڑی بڑی ریاستیں ان کی یلغار سے لرزہ براندام رہتی تھیں، ذاتی دلیری، پامردی، جفاکشی اور قوت برداشت، رفیقوں کے ساتھ حسن سلوک، فیاضی اور اولوالعزمی اور سپاہیانہ اوصاف میں وہ تاریخ کے قدیم فوجی سرداروں اور بانیان سلطنت کا نمونہ تھے، لیکن بلند اور واضح مقصد نہ ہونے کی وجہ سے نیز رفقاء کی بے نظمی اور خودغرضی کے سبب سے جو روپیہ ملنے میں دیر ہو جانے کی وجہ سے دھرنا دے کر بیٹھ جاتے تھے، اور ان کو حبس میں رکھتے تھے، (ملاحظہ ''امیر نامہ'') وہ نہ اسلام کی کوئی مفید خدمت انجام دے سکے، نہ اپنے ہی لئے کوئی شایان شان مقام حاصل کر سکے، انہوں نے عرصے تک صرف مختلف ریاستوں پر حملہ کر کے یکمشت سالانہ رقم وصول کرنے پر اکتفا کی اور کبھی ایک فریق کی دوسرے فریق کے مقابلے میں مدد کر کے وقتی منفعت حاصل کر لی، کبھی دوسرے فریق کی پہلے فریق کے مقابلے میں حمایت کر کے رقم وصول کر لی، ان کی سپہ گری اور فوجی طاقت سے مرہٹہ سرداروں اور راجپوت رئیسوں نے زیادہ فائدہ حاصل کیا، ہلکر کی ریاست اندور محض ان کی سعی وکوشش اور وفادارانہ رفاقت کا نتیجہ ہے، آخر میں ۱۲۳۲ھ میں ایسے حالات پیدا ہو گئے اور ان کی سرگرمیوں کا میدان اتنا تنگ ہو گیا کہ انہوں نے انگریزوں سے مصالحت کر لی اور راجپوتانے اور مالوے کے چند متفرق اور

---

(۱) ''امیر نامہ'' ص ۵۱۶

غیر اہم حصوں پر قناعت کر کے، جن کے مجموعے کا نام ریاست ٹونک تھا، انہوں نے خانہ نشینی اختیار کر لی، اگر وہ اولوالعزمی اور دور بینی سے کام لیتے اور سید صاحبؒ سے مل کر منظم اور بلند مقصد جدوجہد کرتے تو تاریخ اسلام میں ان کا بڑا مقام ہوتا اور اس ملک کی تاریخ بھی بہت مختلف ہوتی۔

سید صاحبؒ نواب امیر خاں کے لشکر میں

سید صاحبؒ کا یہ سفر چونکہ اس عظیم مقصد (اقامت جہاد) کے ماتحت اور اشارۂ غیبی سے تھا، (۱) اس لئے اگر چہ دہلی سے نواب صاحبؒ کا لشکر بہت دور دراز فاصلے پر تھا، اور عام بد امنی اور بے نظمی کی وجہ سے راستے پر خطر اور سفر نہایت مخدوش تھا، لیکن آپ نے یہ سفر نہایت سکون واطمینان اور جمعیت خاطر کے ساتھ طے کیا، مولوی سید محمد علی ''مخزن احمدی'' میں لکھتے ہیں:۔

متوکلاً ومعتصماً بحفظہ بفراغ بال فرداً وحیداً شاداں وفرحاں مانند کسے کہ بہ سیر بوستاں یا خانہ دوستان می رود، از بلدہ شاہ جہاں آباد نہضت فرمودہ بعدِ طیِّ مراحل ومنازل کہ ہر مرحلہ ہفت خوان رستم واسفند یار بود، طے فرمودہ بوجود فیض آمود خود لشکر را منور ومشرف ساختند (۲)

خدا کے توکل اور اس کی حفاظت پر اعتماد کرتے ہوئے اطمینان قلب کے ساتھ آپ تن تنہا، شاداں وفرحاں جیسے کوئی باغ کی سیر یا کسی دوست کے گھر جاتا ہے، شہر دہلی سے روانہ ہوئے اور ایسی منزلیں اور مرحلے طے کرتے ہوئے کہ ہر مرحلہ رستم واسفند یار کے ہفت خواں سے کم نہ تھا، آپ نے لشکر کو اپنے شرف قدوم سے مشرف فرمایا۔

''وقائع احمدی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں اہل لشکر آپ سے ناواقف تھے، بعض لوگ اس سے زیادہ نہیں جانتے تھے کہ آپ ایک مرد صالح اور شریف النفس شخص ہیں:

---

(۱) مولوی سید جعفر علی صاحب ''منظورۃ السعداء'' میں لکھتے ہیں:

''بنا بر الہامیکہ در باب اقامت جہاد شد، رہگرائے لشکر ظفر اثر، امیر الدولہ نواب امیر خاں بہادر مرحوم شدند'' اقامت جہاد کے بارے میں آپ کو جو الہام ربانی ہوا، اس کی بنا پر آپ نواب امیر خاں کے لشکر کی طرف تشریف لے گئے۔ (۲) ص ۳۲

''حضرت سید المجاہدین کے حال خیر مآل سے اس فوج ظفر موج میں کوئی آگاہ نہ تھا بعض بعض جانتے تھے کہ یہ شخص سید، آل رسولؐ، پرہیزگار، نیک کردار ہے''۔(۱)

لیکن یہ حالت زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہی، بہت جلد آپ کی للّٰہیت و پاک نفسی، عبادت و مجاہدہ، زہد و توکل اور قبولیت دعا کا چرچا ہو گیا، لوگوں نے جب آپ کی مقبولیت کی علامتیں اور بزرگی کے واقعات دیکھے تو بہت سے لوگوں کو اعتقاد ہوا، بعض ان واقعات کو ان چیزوں پر محمول کرتے تھے، جن کا اس زمانے میں رواج تھا، سید صاحبؒ سے تذکرہ ہوتا تو آپ پوری بے تکلفی سے اس کی حقیقت بیان فرما دیتے ''وقائع'' میں ہے:۔

''اس طرح کی جب کئی کرامتیں حضرت سے ظہور میں آئیں، تب لشکر کے اکثر لوگ معتقد ہوئے، بعض شخص کہتے تھے کہ یہ صاحب خدمت اس لشکر ظفر پیکر کے ہیں، اور بعض کہتے کہ مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات ہیں، لشکر میں نواب مستطاب مرحوم و مغفور کی کثرت سیر و دور کے سبب اکثر پیادے اور سواروں پر کھانے دانے کی تنگی اور تکلیف ہوتی تھی، مگر اللہ تعالیٰ کی عنایت بے نہایت سے حضرت سید المجاہدین کی جماعت میں سب طرح سے فراغت اور فراخی رہتی تھی، یہ حال خیال کر کے اکثر مردم ناداں گمان کرتے تھے کہ ان کو نواب صاحب مرحوم شاید کچھ پوشیدہ بھیجتے ہیں، یا ان کو کیمیا آتی ہے، یا دست غیب ہے، جو آپ کے یہاں تنگی و تکلیف نہیں، اور بعض یار و آشنا یہ بات آپ کے سامنے کہتے، آپ ان سے فرماتے کہ ان تینوں باتوں سے ایک بھی نہیں، میرا پروردگار محض اپنے فضل و کرم سے روزی پہنچاتا ہے، اور جس روز نواب مستطاب سے کچھ عنایت ہوتا ہے، سب کو معلوم ہے کہ میں لوگوں کو اسی دم تقسیم کر دیتا ہوں (۱)''

لشکر میں اصلاح و تبلیغ

آپ اپنی عبادات و ریاضات اور لشکر کی سپاہیانہ زندگی کے ساتھ اصلاح اور ارشاد

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۲۷

میں بھی مشغول تھے، یہ لشکر جس میں ایک ایک وقت میں چالیس چالیس، پچاس پچاس ہزار مسلمان سپاہی رہتے تھے، دعوت و تبلیغ کا ایک وسیع میدان تھا، سپاہی پیشہ لوگ عموماً ناخواندہ یا کم پڑھے، ضروریات دین سے ناواقف اور دینی و علمی ماحول کے اثرات سے دور ہوتے ہیں، آپ کی زندگی چونکہ خود سپاہیانہ تھی، اور آپ ان میں گھلے ملے رہتے تھے، اس لئے آپ کو اپنے ساتھیوں کی اصلاح و تربیت کے بہترین مواقع حاصل تھے، لشکر کے سپاہی اور شاگرد پیشہ آپ کو درویش باخدا سمجھ کر مختلف ضرورتوں اور پریشانیوں میں آپ کے پاس آتے اور دعا کی درخواست کرتے، آپ سنت یوسفی کے مطابق ان کی دلجوئی اور کاربرآری بھی کرتے اور عقیدۂ صحیحہ کی تعلیم بھی کرتے، خلاف شرع امور سے توبہ کراتے اور ارکان و فرائض دین کی پابندی کا اقرار لیتے، یہاں ''وقائع'' سے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں، جن سے آپ کے طریقۂ تبلیغ اور اس کے اثرات کا اندازہ ہوگا۔

''ایک سپاہی جو نارو میں مبتلا تھا، حضرت امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: ''اگر تم سب برے کاموں سے توبہ کرو اور پانچوں وقت کی نماز پڑھنے کا اقرار کرو، تو میں اپنے شافی مطلق اور معبود برحق سے دعا کروں، وہ اپنی عنایت بے نہایت سے شفا بخشے'' وہ سپاہی بے چارہ مصیبت کا مارا اسی دم تمام افعال شنیعہ سے تائب ہوا اور ادائے نماز پنجگانہ کا اقرار کیا، آپ نے اسی طور اس کے زخم پر بھی لب مبارک لگا دیا اور اسی طور پر فرمایا اور کہا ''جو کچھ دوا اس پر لگائی ہے دور کر، اللہ تعالیٰ شفا دے گا'' حکمت الٰہی سے کئی روز میں وہ بھی چنگا ہو گیا، یہ خبر لشکر میں مشہور ہوئی، ان دنوں لشکر میں کئی آدمیوں کے نارو نکلا تھا، جو آپ کے پاس آتا، اس کے زخم پر اپنا لب مبارک لگا دیتے اور فاسقوں بے نمازیوں سے وہی اقرار لیتے، دو چار روز میں فضل الٰہی سے چنگا ہو جاتا۔(۱)''

''پنساری مدار بخش نامی نے جس کے یہاں سے آپ کے گھوڑے کا مسالہ آتا،

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۳۳

اپنی دکان میں برکت کی دعا کی استدعا کی، آپ نے فرمایا ''تمہارا کیا نام ہے، اور کہاں رہتے ہو؟'' اس نے عرض کی، نام میرا امداد بخش، پھولا کیکڑی میں گھر ہے، آپ نے فرمایا ''جو ہم تم سے کہیں، اس کو مانو تو ہم اپنے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں'' اس نے کہا ''آپ جو ارشاد کریں گے، بلا عذر قبول کروں گا'' فرمایا آج سے اپنا نام اللہ بخش رکھو، اور سب برے کاموں سے تائب ہو، پانچوں وقت نماز پڑھو، جھوٹ نہ بولو، دغا فریب جان بوجھ کر نہ کرو، اپنا مال کسی کو کم نہ دو اور کسی غیر کا زیادہ نہ لو'' اس نے عرض کی یہ سب میں نے مانا، ان شاء اللہ تعالیٰ کسی امر میں قصور نہ ہوگا'' آپ نے فرمایا ''اب جاؤ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے گا، تمہاری دکان میں برکت ہوگی'' وہ اپنی دکان پر گیا، عنایت الٰہی سے اسے ترقی ہونی شروع ہوئی، اول تو اس کے پاس تین چار بیل لادنے اور ایک چھوٹا سا پال سایہ کرنے کو تھا، قریب دو سال کے عرصے میں حضرت کی دعا سے نو دس بیل اور چار اونٹ اور چھ سات نوکر چاکر اور بڑا سا پال ہوا، ایک روز حضرت امیر المومنین کے پاس آکر التماس کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے مجھ کو سب کچھ دیا، اب میری یہ آرزو ہے کہ جو کچھ دوا، مسالہ وغیرہ حضرت کی سرکار میں درکار ہو، ہمیشہ بے داموں میری دکان سے آیا کرے، آپ نے فرمایا یہ ہرگز نہ ہوگا، اس نے اس بات میں بہت مبالغہ کیا، آپ نے کسی طور نہ مانا اور اپنے آدمیوں سے فرمایا کہ خبردار، جو چیز ان کے یہاں سے آئے، کبھی بے قیمت نہ لینا'' (۱)

''میرتے کے قاضی اللہ بخش اور ناگور کے قاضی خدا بخش آٹھ نو مہینے آپ کے پاس رہے، اور قرآن شریف درست کر لینے کے بعد آپ سے کہنے لگے، ''اب ہم کو حضور پرنور سے رخصت کرا دیویں، ہم اپنے غریب خانے کو جائیں

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۲۵

گے'' آپ نے فرمایا، بہت خوب مگر ایک نصیحت ہماری مانو اور سچ جانو تو اللہ تعالیٰ نے تمہارا دین و دنیا میں بھلا کرے گا'' انہوں نے کہا'' ''آپ جو فرمائیں گے بہ سروچشم قبول ہے'' آپ نے فرمایا ''شرک کے اقوال، افعال چھوڑ دو، یہی نصیحت ہے'' انہوں نے عرض کی ''حضرت، شرک کیا چیز ہے؟ ہم کو نہیں معلوم'' تب آپ نے تفصیل وار دیر تک سمجھایا اور توبہ کروائی اور دونوں کو ایک ایک ٹوپی عنایت فرمائی اور رخصت دلا دی، وہ اپنے وطن کو چلے گئے''(۱)

لشکر میں فیلبان اور سائیس عموماً غیر محتاط اور بد دیانت ہوتے ہیں وہ ہاتھی گھوڑوں کے راتب سے عام طور پر کچھ نکال لیا کرتے ہیں اور استعمال میں لاتے ہیں، یا فروخت کر ڈالتے ہیں، اور بے زبان جانور بھوکے رہتے ہیں، اس طبقے کا کوئی آدمی آپ سے دعا کی درخواست کرتا تو آپ خاص طور پر اس سے وعدہ لیتے کہ وہ جانوروں کے راتب میں سے خرد برد نہیں کرے گا، اور جن کی بدولت خود اس کا پیٹ بھرتا ہے، ان کو پیٹ بھر کر کھلائے گا، وقائع میں ہے:

''شیخ محمد عبدالسمیع، جو لشکر ظفر پیکر کے ہاتھی کا نشاں بردار تھا، ایک روز اس نے حضرت سید المجاہدین کی ضیافت کی، آپ نگرانوں کے حضرت سید ظہور احمد اور ان کے بھائی سید عبدالرزاق اور شیخ محمد عارف کرنالی اور شیخ محمد ناصر نصیر آبادی وغیرہ قریب چودہ پندرہ آدمی لے کر ضیافت کھانے تشریف لے گئے، تناول طعام کے بعد صاحب دعوت نے آپ کی خدمت میں عرض کی ''حضرت میں روپئے پیسے سے تنگ حال اور شکستہ بال ہوں، حضور پرنور ہمیشہ خرچ دینے کا وعدہ فرماتے ہیں، مگر ابھی تک کچھ ظہور میں نہیں آیا، آپ اس میں کچھ للہ فی اللہ کوشش کیجئے، شاید آپ کے وسیلے سے کچھ مل جائے'' آپ نے فرمایا ''بھائی صاحب، ہاتھی کا جو راتب سرکار سے مقرر ہے، اس کی بخوبی حفاظت کیا کرو، کوئی

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۵۶

اس میں دست اندازی نہ کرنے پائے اللہ تعالیٰ تم کو فراغت عنایت فرمادے گا۔
اس کے بعد رمضان خاں فیلبان نے اسی بات کا شکوہ آپ سے کیا کہ میں اسی بلا میں مبتلا ہوں، آپ نے اس سے فرمایا "تم اس بات سے توبہ کرو کہ جو کچھ تمہارا ہاتھی راتب سے مقرر ہے، اس کے سوا اس کے راتب سے ایک پیسہ بھر کوئی شخص نہ لینے پائے، تم کو بھی اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ خوش رکھے گا۔"(۱)

عملی شرکت ورفاقت

سید صاحبؒ کے کم از کم چھ سال نواب امیر خاں کی رفاقت اور ان کے لشکر میں گزرے، لشکر کی یہ رفاقت سخت مجاہدہ وجفاکشی اور بلند ہمتی کو چاہتی تھی، اودے پور، جے پور، جودھ پور، بھانپور (ہلکر کا مستقر) بھرت پور، بریکانیر، اجمیر اور ان کے درمیان کے صدہا مقامات وقصبات ہمیشہ اس لشکر کی زد میں رہتے تھے، (۲)، کبھی یہ لشکر مالوے میں ہے، کبھی راجپوتانے میں، کبھی مارواڑ میں ہے، اور کبھی میواڑ میں، بے آب وگیاہ ریگستان، گھنے جنگل، غنیم کے ملک، حریف کے قلعے، غرض جنگ کے ہر نشیب وفراز اور ہر گرم وسرد سے گزرنا پڑتا، بیماری، فاقہ، تنگی، خطرہ، فتح وشکست، قلت وکثرت افواج، سب سے سابقہ تھا، سید صاحبؒ ان تمام حالات میں لشکر کے شریک حال رہے، آپ نازک موقعوں پر نواب کو صحیح مشورہ دیتے، اہل حاجت کی سفارش فرماتے، نواب صاحب کا معاملہ بھی آپ کے ساتھ برادرانہ اور مساویانہ تھا۔

آپ صرف ریاضت ومجاہدہ، دعائے خیر وبرکت اور وعظ ونصیحت ہی پر اکتفا نہ فرماتے، نازک موقعوں پر خود شریک جنگ ہوتے، فوج کا حوصلہ بڑھاتے اور قائدین کو جنگ کی تدبیر اور صلاح بتلاتے، جے پور کی فوج کشی کے موقع پر "وقائع" میں آتا ہے کہ موتی ڈونگری کے ورے جو نالہ تھا، اس میں کئی ہزار آدمی چھپے تھے، وہ وہاں سے بھاگ کر موتی ڈونگری کے پاس آ کھڑے ہوتے نواب صاحب نے عمر خاں رسالے دار سے فرمایا کہ تم اپنا مورچہ اس نالے میں کر دو، رسالے دار صاحب نے پس وپیش کیا کہ میرے ہمراہ سوار ہیں، اور نالے کی طرف سب پیادہ

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۵۰-۵۱ (۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "امیر نامہ" از ص ۴۹۰، تا ۵۵۷

ہیں، ایسی صورت میں بڑا خطرہ ہے، وہ کچھ عذر سنا کرنے لگے، سید صاحبؒ نے نواب صاحب سے فرمایا کہ اگر ارشاد عالی ہو تو میں عمر خاں کے ہمراہ رہوں، نواب صاحب نے فرمایا کہ ہم آپ کو اپنے ساتھ رکھیں گے، یہاں ہرگز نہ چھوڑیں گے، آپ نے عمر خاں رسالے دار سے فرمایا کہ بھائی صاحب، خدا کو یاد کیجئے، کوئی بے موت نہیں مرتا، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی فتح اور دشمن کی شکست ہے، نواب صاحب نے بھی رسالے دار موصوف کو بہت تسلی دی اور پیادوں کی فوج عطا کی اور چند ضرب توپ بھی عنایت فرمائیں، وہ موتی ڈونگری کو داہنے طرف چھوڑ کر آگے بڑھے، اس عرصے میں مخبروں نے خبر دی کہ چاند سنگھ راجہ کا رسالے دار قریب تیس ہزار سواروں کے ساتھ ما.جی کے باغ کو پشت دیئے کھڑا ہے، آگے چل کر جو دیکھا تو رسالے دار مذکور کے سوار نمودار ہوئے، لشکر کے لوگ گھبرائے، آپ نے دعا کی اور نواب صاحب سے کہا ''میں آگے چلتا ہوں، آپ لشکر کو ہمراہ لئے ہوئے میرے پیچھے پیچھے کچھ فرق سے آیئے'' نواب صاحب نے فرمایا آپ تنہا ہرگز نہ آئیں، آپ نے کچھ خیال نہ کیا اور چھ سواروں کے ساتھ آگے بڑھے جب دشمن کے سوار ایک گولے کی زد پر رہ گئے تو چاند سنگھ رسالے دار پیادہ وسوار کے ساتھ ما.جی کی باغ میں چلا گیا، سید صاحبؒ نے رومال ہلا کر اشارہ کیا کہ آپ جلد فوج لے کر چلے آئیں، رسالے دار پسپا ہو کر شہر میں چلا گیا، سید صاحبؒ نے باغ کے برج پر چڑھ کر رومال کے اشارے سے نواب صاحب کو بلایا، نواب صاحب باغ میں داخل ہو کر ایک مکان کے گوشے پر چڑھ گئے اور دوربین لگا کر مخالف فوج کو دیکھنے لگے، سید صاحبؒ برج سے اتر کر ایک آم کے درخت کے سائے میں باغبان کے جھونپڑے کے قریب بائیس آدمیوں کے ساتھ جا بیٹھے، وہاں بہ نسبت اور جگہ کے زیادہ امن تھا، ہر طرف توپوں کے گولے اولوں کے مانند گرتے تھے، کچھ دیر میں شام ہوئی، سید صاحبؒ دوبارہ آدمیوں کے ساتھ پھر اسی برج پر تشریف لے گئے اور نماز مغرب وہیں ادا کی، نماز کے بعد لوگ آپس میں کہنے لگے کہ آج اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل فرمایا، ہم کو فتح عنایت کی اور چاند سنگھ باوجود اتنے سواروں کے ہمارے مقابلے سے ہٹ گیا۔(۱)

---

(۱) ''وقائع احمدی'' (باختصار) ص۶۰۔۶۵)

نواب امیر خاں کی انگریزوں سے مصالحت

نواب امیر خاں اگر چہ بعض مرہٹہ سرداروں اور راجپوت رئیسوں کے حلیف اور رفیق رہے، لیکن اس پورے عرصے میں وہ انگریزوں کے حریف اوران سے برسر جنگ رہے، ۱۲۲۱ھ میں جنرل لیک صاحب نے موٹھی صاحب ناظم بندیلکھنڈ کے ذریعہ نواب کے پاس پیغام بھیجا کہ اورنگ آباد میں جس قدر ملک واسلی صاحب، وغیرہ نے آپ کو دینا چاہا تھا، اس پر تیرہ لاکھ روپے کا ملک اور اضافہ کر کے ہم دینا چاہتے ہیں، لے لیجئے اور اس تاخت وتاراج سے باز آیئے تو نواب نے جواب دیا کہ "ہمارا عزم ہے کہ تمام ہندوستان پر حکمرانی کریں، اتنا سا ملک ومال کیوں لیں؟" (۱) وہ انگریزوں کو اس ملک سے نکالنے پر یہاں تک آمادہ تھے کہ رنجیت سنگھ سے مدد حاصل کرنے کے لئے امرتسر تک پہنچ گئے، مؤلف "امیر نامہ" کا بیان ہے کہ "پٹیالہ سے اس عزم پر نہضت کی کہ رنجیت سنگھ سے سازش کر کے انگریزوں پر لوٹیں، اگر سکھ ساتھ نہ دیں، شاہ شجاع الملک بادشاہ کابل سے ملیں، شاہ کے ظل حمایت میں معاندین سے انتقام لیں (۲)، ۱۲۲۱ھ میں جب ہلکر نے انگریزوں سے مصالحت کا فیصلہ اور ابتدائی بات چیت کرلی تو نواب سے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور کہا کہ رنجیت سنگھ وغیرہ رئیسوں میں ہمت نہیں کہ ہماری امداد کریں، شجاع الملک کا لانا کیسا؟ وہاں تک پہنچنے ہی کا خرچ ہمارے پاس نہیں، اب آپ کی کیا صلاح ہے، نواب نے جواب دیا:

> "رنجیت سنگھ وغیرہ میں ہمت نہیں، نہ سہی، میں کابل جاتا ہوں، بہرطور شاہ کو کمک پر لاتا ہوں، ہمارے پاس دس پندرہ لاکھ کے جواہر ہیں، یہ شاہ کو دوں گا، باقی دہلی لکھنؤ سے وصول کر کے دینے کا اقرار کروں گا، انگریزوں کو ہند سے نکالوں گا"۔
>
> مہاراج نے کہا: "اور جو شاہ نہ آئے؟" میر نے کہا "کچھ پروا نہیں اٹک تک جا کر اپنے ہم وطن، ہم قوم پٹھانوں کو جمع کروں گا، لاکھوں یوسف زئی ساتھ لے کر لوٹوں گا" (۳)

لیکن رفتہ رفتہ انگریز برسر جنگ طاقتوں اور ریاستوں کو توڑتے رہے اور خود ان کے حالات،

---

(۱) "امیر نامہ" ص ۳۲۳ (۲) ایضاً ص ۳۶۰ (۳) "امیر نامہ" ص ۳۶۴

کوتاہ نظری، بے نظمی اور رفیقوں کی خودغرضی ان کو اس بڑھتی ہوئی طاقت کے ساتھ مصالحت اور اپنے ذاتی مصالح کی حفاظت پر مجبور کرتی رہی، یہاں تک کہ ۱۸۱۷ء میں ایک طرف پیشوا نے مسٹر الفنسٹن کے ساتھ معاہدہ کرلیا، کچھ ہی عرصے بعد سندھیا نے بھی ایک معاہدہ صلح پر دستخط کردیئے، بالآخر ۶ رجنوری ۱۸۱۸ء کو نواب کے رفیق قدیم مہاراجہ ہلکر نے بھی مصالحت کرلی اور نواب تن تنہا رہ گئے۔

۱۲۳۲ھ میں نواب مادھو راجپورہ کے قلعے کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، جہاں اخوندزادہ محمد ایاز خاں کے متعلقین جو نواب کے اعزۂ خاص تھے، محصور ومحبوس تھے، اس محاصرے نے بہت طول کھینچا، نواب نے دوبارہ قلعے کی تسخیر کی خاص سعی وتدبیر کی، لیکن ولایتیوں کی غلط فہمی اور فوج کی عجلت کی وجہ سے ناکام رہی (۱)، اسی عرصے میں انگریزی افواج نے چارسمت سے بڑھنا شروع کیا اور نواب کے گرد گھیرا ڈال دیا، جنرل ڈنکلین بہت بڑی اور جرار فوج کے ساتھ آگرے سے چل کر راجپورہ سے پندرہ کوس کے فاصلے پر پہنچ گیا اور کوٹہ جانے کا راستہ بند کردیا، دہلی سے جنرل آکٹرلونی ایک زبردست فوج اور عظیم الشان توپ خانے کے ساتھ آیا، اب نواب کے لئے نہ پنڈاروں سے ملنے کا موقع تھا، نہ سندھیا اور ہلکر سے ربط قائم کرنے کا، ایک انگریزی جیش خود نواب کے لشکر کے دو حصوں میں حائل ہوگیا، خود انگریز مؤرخین کا بیان ہے کہ ''کمپنی نے پہلی مرتبہ اپنی سب سے بڑی فوجی طاقت جو ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی پنڈاروں کی سرکوبی کے لئے جمع کی'' (۲) اس سب کے ساتھ انہوں نے نواب کے بعض قدیم رفیقوں کو توڑ لیا، فیض اللہ خاں بنگش نواب کے قدیم رسالے دار انگریزوں سے مل گئے، نواب کو خطرہ ہوا

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''امیر نامہ'' ص ۵۵۳، ۵۵۶

(۲) (R.W. Frazer's "British India" P.190) کمپنی نے پنڈاروں کی سرکوبی کو اس فوجی نقل وحرکت کا سبب قرار دیا تھا، لیکن اس کا اہم مقصد ہندوستان کی آخری آزاد فوجی طاقت روہیلہ پٹھانوں اور امیر خاں کا انتظام تھا، انگریز مصنفین نے بڑی چالاکی کے ساتھ نواب امیر خاں کو پنڈارہ مشہور کیا، حالانکہ پنڈارے جنوبی ہند کی ایک غیر منظم اور جنگ جو طاقت تھی، جو ہندوستان کے پچھلے عہد انتشار اور مرہٹہ گردی کے دور میں پیدا ہوگئی تھی، انہوں نے غارت گری کا پیشہ اختیار کرلیا اور حالات سے فائدہ اٹھایا ان کا تعلق نواب سے صرف اتنا تھا کہ نواب نے بعض موقعوں پر ان کے بعض سرداروں کو پناہ دی تھی، اور ان کو اپنی حمایت میں لیا تھا، اور وہ کبھی کبھی نواب کا ساتھ دے دیا کرتے تھے۔

کہ بعض رفقائے قدیم اور افسران فوج ان کو انگریزوں کے سپرد کردیں گے، ان نازک حالات میں کہ یہ "شہباز" بالکل دام میں آگیا تھا، انگریزوں نے نواب کے بعض معتمدین کے ذریعے نواب کو صلح کی ترغیب دی، مٹکاف صاحب نے دہلی سے نرنجن لال کو ایک عہد نامے کا مضمون دے کر بھیجا کہ نواب اس پر دستخط کردیں تو ہمارے ان کے درمیان فوراً صلح ہو جائے، اس نے مصالحت کی خوبیاں اور آئندہ منافع کی توقعات نواب کے ذہن نشین کیں، اور مصالحت پر آمادہ کیا، نواب نے راجپورہ کے ٹھاکر سے صلح کر کے محاصرہ اٹھالیا، اخوندزادہ محمد ایاز خاں کے متعلقین کو رہا کرایا اور داتا رام کو، جو جے پور میں نواب کے سفیر کے طور پر مقیم تھا، لکھا کہ تم جنرل اختر لونی (آکٹرلونی) کے پاس جاکر ہماری طرف سے صلح کی آمادگی کا اظہار کرو اور صلح نامہ مرتب کرلو، نواب اور جنرل آکٹرلونی کی ملاقاتیں اور ربط ضبط قائم ہوگیا، عہد نامے کا مسودہ دہلی بھیجا گیا اور ۹ رنومبر ۱۸۱۷ء کو نواب کے وکیل نے اصل معاہدے پر دستخط کردیئے، ۱۵ رنومبر کو گورنر جنرل نے اس معاہدے کی تصدیق کردی، اس طرح نواب کی فوجی سرگرمیاں اور اولوالعزمیاں ختم ہوکر ریاست ٹونک کی بنیاد پڑ گئی، جو انگریزوں کی چالاکی اور نواب کی سادہ لوحی سے راجپوتانے اور مالوے کے چند متفرق و منتشر علاقوں پر مشتمل تھی، جو مہاراجہ ہلکر نے نواب کے سپرد کررکھے تھے، فوج جس میں ہندوستان کا بہترین فوجی عنصر تھا، جو پورے ملک کی طاقت کا سرمایہ ہوسکتا تھا، منتشر کردی گئی صرف اتنے آدمی رکھے گئے، جو علاقوں کے انتظام کے لئے ضروری سمجھے گئے، توپ خانہ اور ساز وسامان انگریزوں نے صلح کی ایک شرط کے مطابق خرید لیا، نواب نے عہد کیا کہ وہ کسی علاقے پر حملہ نہیں کریں گے بلکہ پنڈاروں کی "سرکوبی" میں کمپنی کی مدد کریں گے، نواب نے اپنے وطن مالوف پرگنہ سنبھل کا بھی مطالبہ کیا تھا، جو ان کے مرکز حکومت سے بہت دور صوبجات متحدہ میں واقع ہے، لیکن اس کا تبادلہ پلول سے کیا گیا، پھر اس کے بجائے بھی ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ کا وظیفہ مقرر ہوگیا(۱)

سید صاحبؒ کی طرف سے صلح کی مخالفت اور لشکر سے جدائی

صلح کی ساری کارروائی صیغہ راز میں ہوئی، لوگوں کو اس بات چیت کا اس وقت علم

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "امیر نامہ" ص ۵۵۷، ۵۶۳

ہوا، جب آخری مسودہ نواب کے پاس پہنچ گیا، نواب کے رفقاء اور مشیرانِ کار میں سے اکثر کی رائے تھی کہ صلح کر لی جائے، لیکن سید صاحبؒ اس صلح کے مخالف تھے، آپ نے آخر آخر تک نواب کو اس سے باز رہنے کا مشورہ دیا اور اس کے خطرات سے آگاہ کیا، لیکن نواب اپنے کو ان حالات میں بالکل مجبور و بے بس پاتے تھے، سالہا سال کی تگ و دو اور جانفشانیوں کا (جو افسوس ہے کہ بے نظمی اور بے تدبیری کے ساتھ جاری رہیں) نتیجہ دیکھ کر ان پر ایسی افسردگی اور پست ہمتی طاری تھی، اور انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقبال سے وہ اس درجہ متاثر تھے کہ وہ چھوٹی سی ریاست کے گوشۂ عافیت کو غنیمت سمجھ رہے تھے، سید صاحبؒ حالات سے اس درجہ متاثر نہ تھے، ان کے نزدیک مایوسی کی کوئی وجہ نہ تھی، نواب کو انگریزوں کا مقابلہ اور اس بڑھتے ہوئے خطرے کا سد باب کرنا چاہئے تھے، جس کی زد میں سارا ہندوستان اور بالآخر سارا عالم اسلام تھا، ان کے نزدیک یہ ہندوستان کی آخری آزاد اور جنگجو طاقت تھی جس کو اس آسانی کے ساتھ سپر انداز اور مقابلے سے دستبردار نہیں ہونا چاہئے تھا، مگر ان کو جلد معلوم ہو گیا کہ نواب کی قوت مقابلہ جواب دے چکی ہے، اور صلح کے سب مراحل طے ہو چکے ہیں، اس کے باوجود بھی آپ نے ''افہام و تفہیم'' کا سلسلہ جاری رکھا، جب یہ محسوس کر لیا کہ اب کوئی گفتگو کارگر نہیں ہو سکتی اور مصالحت ایک طے شدہ امر ہے، تو آپ نے لشکر سے مفارقت اور دہلی کو واپس آ جانے کا فیصلہ فرما لیا، گویا آپ کی رفاقت و شرکت کی شرط یہی تھی کہ نواب ایک آزاد طاقت کی حیثیت سے باقی رہیں اور مطمح نظر یہ تھا کہ آپ جلد یا بدیر اس آزاد طاقت کو صحیح رخ پر لگائیں اور اس سے اسلامی اقتدار کے قیام اور ہندوستان کے استخلاص و استقلال کی مہم میں کام لیں، جب یہ امید بالکل منقطع ہو گئی تو آپ نے لشکر سے مراجعت فرمائی اور دہلی کا رخ کیا ''وقائع احمدی'' میں ہے:

> ''مادھوراجپورے پر فوج کشی کے سلسلے میں انگریزوں سے صلح کر لینے کا مشورہ ہوا، حضرت کی رائے کسی طرح اس کی نہ تھی، اور آپ کا مشورہ جنگ جاری رکھنے کا تھا، مصالحت کو کسی طرح مناسب نہیں سمجھتے تھے، خود نواب

صاحب کی بھی یہی خواہش تھی، مگر لشکر کی بے سروسامانی اور اہل لشکر کی خود غرضی اور نااتفاقی کا عذر کرتے تھے، اور خیال تھا کہ دس پانچ لاکھ روپیہ لے کر مہاراج ہلکر کی طرح لشکر کا ساز وسامان درست کر کے لڑیں گے، حضرت نے فرمایا، ''مصالحت کرنے کے بعد آپ سے کچھ نہ ہو سکے گا'' لیکن نواب صاحب ملنا ہی مصلحت سمجھتے تھے، انہوں نے اس کی تیاری کی، حضرت نے فرمایا کہ اچھا آپ انگریزوں سے ملتے ہیں، تو میں رخصت ہوتا ہوں، نواب صاحب نے بہت سمجھایا، مگر حضرت نے نہ مانا، چند آدمی ہمراہ لے کر جے پور چلے گئے، دوسری ملاقات میں فرمایا کہ ''نواب صاحب ابھی کچھ نہیں گیا، اختیار باقی ہے، آپ کی فہمائش کو آیا ہوں، اگر میرا کہنا مانئے تو ان سے لڑیئے اور ہرگز نہ ملئے، ملنے کے بعد آپ سے کچھ نہ ہو سکے گا، یہ کفار بڑے دغاباز اور مکار ہیں، کچھ آپ کے واسطے تنخواہ یا جاگیر وغیرہ مقرر کر کے کہیں بٹھادیں گے کہ روٹیاں کھایا کیجئے، پھر یہ بات ہاتھ سے جاتی رہے گی'' یہ فرما کر آپ تشریف لے گئے، مصالحت کے بعد ایک مرتبہ پھر آپ لشکر میں تشریف لائے، جس کسی سے کچھ لینا دینا تھا لیا دیا اور نواب صاحب سے ملاقات کی نواب صاحب بہت آبدیدہ ہوئے اور کہا ''حضرت جو کچھ تقدیر میں تھا وہی ہوا، حکم الٰہی سے چارہ نہیں، اب آپ دہلی کو جاتے ہیں، تو صاحبزادہ محمد وزیر خاں کے ہمراہ جایئے'' آپ نے قبول کیا اور کچھ دن کے بعد ایک خط شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو لکھا کہ ''خاکسار قدمبوسی کو حاضر ہوتا ہے، یہاں لشکر کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا، نواب صاحب انگریزوں سے مل گئے، اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں (۱)۔''

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۸۲-۸۵ (باختصار)

دہلی کا تیسرا سفر اور دوآبے کا تبلیغی دورہ

دہلی کا تیسرا سفر

۱۲۳۲ھ میں مادھوراجپورے میں نواب امیر خاں کی انگریزوں کے ساتھ مصالحت کے بعد سید صاحبؒ جب ان سے جدا ہو کر دہلی تشریف لائے، تو اگرچہ سن وسال کے اعتبار سے آپ جوان تھے، مگر اپنی اعلیٰ فطری استعداد و ملکات، منفرد صلاحیتوں، مجاہدات وریاضات اور موہبت وتائید الٰہی کی بنا پر ذہنی واخلاقی وروحانی ارتقا کی وہ منزلیں طے کر چکے تھے، جو اس سے بڑی عمر میں بھی شاذ ونادر طے ہوتی ہیں، آپ کی باطنی استعداد اور اندرونی صلاحتیں اپنے پورے بلوغ کو پہنچ چکی تھیں اور آپ کو دین وشریعت اور سلوک وطریقت کا لب لباب حاصل ہو چکا تھا ''صراط مستقیم'' کا مطالعہ، جو ۱۲۳۳ھ میں مرتب ہوئی (۱)، صاف بتلاتا ہے کہ تینتیس سال کا یہ

---

(۱) ''صراط مستقیم'' کی ترتیب وتسوید ۱۲۳۳ھ میں دہلی میں ہوئی نہ کہ ۱۲۳۴ھ کے بعد رائے بریلی میں، جیسا کہ ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' کی پہلی اشاعتوں میں اور ''سید احمد شہیدؒ'' میں ظاہر کیا گیا ہے، اس کا سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ خود اس کتاب کے مرتب مولانا شاہ اسمٰعیلؒ اس کتاب کی ترتیب کا سن ۱۲۳۳ھ لکھتے ہیں، فصل چہارم کے افادہ پنجم (جہاد) میں فرماتے ہیں ''حال ہندوستان را دریں جزو زمان کہ سن یک ہزار ودوصد وسی وسوم است کہ اکثرش دریں ایام دارالحرب گردیدہ'' الخ (صراط مستقیم ص ۹۵) دوسرا ثبوت یہ ہے کہ سید صاحبؒ کا دوآبہ (سہارنپور وغیرہ) کا دورہ بالاتفاق ۱۲۳۴ھ میں ہوا ہے، مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ ''ملہمات احمدیہ'' میں لکھتے ہیں: ''سنۃ الف ومائتین واربع وثلاثین در ماہ ربیع الاول بتاریخ ہفت دہم بملازمت آں برگزیدۂ جناب الٰہی مجدد طریقۂ رسالت پناہی فائز گردانید'' اس سفر سے پیشتر ''صراط مستقیم'' تصنیف ہو چکی تھی، مفتی صاحب کو اسی سفر میں اسکی تلخیص کا خیال پیدا ہوا اور انہوں نے اس کام کو شروع کیا، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جواں سال شیخ سلوک وتربیت اور حقائق ومعارف الٰہیہ میں درجۂ اجتہاد وامامت کو پہنچ چکا ہے، اور اس کا شمار تاریخ اسلام کی ان ممتاز ترین شخصیتوں میں ہونا چاہئے جو اس فن کی تدوین جدید اور تہذیب وتجدید کا فرض انجام دیتی ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ کا خواب

دہلی پہنچنے سے ایک ہفتہ قبل جس شب کو آپ نے لشکر سے دہلی کا رخ فرمایا، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، جامع مسجد دہلی میں تشریف رکھتے ہیں، اور لوگ دور دور سے جوق در جوق زیارت کے لئے آرہے ہیں، سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ صاحبؒ کو شرف باریابی عطا فرمایا اور عصائے مبارک دے کر فرمایا کہ اس عصا کو لے کر مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو آنا چاہے، اندر آکر اس کا حال عرض کرو اور میری اجازت سے اندر بھیجو، شاہ صاحبؒ نے اس کی تعمیل کی اور ہزارہا بندگان خدا نے حضورؐ کی زیارت کی۔

صبح اٹھ کر شاہ صاحبؒ سب سے پہلے حضرت شاہ غلام علیؒ خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے اور خواب کی تعبیر چاہی شاہ غلام علیؒ نے فرمایا، ''سبحان اللہ! یوسف وقت مجھ سے تعبیر پوچھتا ہے'' شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر میں آپ ہی کی زبان سے سننا چاہتا ہوں، شاہ غلام علیؒ نے فرمایا کہ اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے یا آپ کے کسی مرید رشید کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وفیض کا سلسلہ جاری ہوگا، شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ میرے خیال میں بھی یہی تعبیر آئی تھی۔

ایک ہفتے کے بعد سید صاحبؒ دہلی تشریف لائے اور حسب معمول اکبرآبادی مسجد میں قیام فرمایا اور لوگوں کا رجوع شروع ہوا۔(۱)

اکبرآبادی مسجد میں قیام

''وقائع احمدی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی پہنچ کر صاحبزادہ محمد وزیر خاں تو قاضی کے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) تحریر فرماتے ہیں ''پس از کتاب صراط مستقیم'' کہ از ملفوظات آنجناب فلک قباب است بطور ایجاز و اختصار اعمال خاصہ ملہمہ انتخاب نمودہ رسالہ کافیہ وبلیغہ وافیہ برائے خود دوستان خود تیار نماید'' (ملہمات احمدیہ ص ۳)

(۱) ''مخزن احمدی'' ص ۴۴

حوض پر بلند بیگ خاں کی حویلی میں اترے اور سید صاحبؒ نے اجمیری دروازے کی سرائے میں قیام فرمایا، رات کو وہیں رہے، صبح کو غسل کر کے اور پوشاک بدل کر آپ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور پچیس روپئے نذر دیئے، شاہ صاحبؒ نے آپ سے نواب امیر خاں کے لشکر کا حال اور تفصیلات دریافت کیں، آپ نے تفصیل کے ساتھ وہاں کے حالات سنائے، شاہ صاحبؒ نے اپنے خواب کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ اس خواب کو ایک ہفتہ نہیں گزرا کہ آپ کی آمد ہوئی، شاہ صاحبؒ نے آپ کے قیام کے لئے آپ کی قدیم جگہ مسجد اکبرآبادی تجویز کی اور مولانا محمد اسمٰعیل، مولانا عبدالحی، حافظ قطب الدین، مولوی محمد یعقوب، مولوی محمد یوسف اور مولوی وحیدالدین اور کئی صاحبوں سے فرمایا کہ آپ کا اسباب سرائے سے مسجد میں منتقل کر دیں، مولانا شاہ عبدالقادرؒ کا کئی سال پیشتر (۱) انتقال ہو چکا تھا، سید صاحبؒ مسجد اکبرآبادی میں داخل ہوئے، دو رکعت نماز ادا کی اور جس حجرے میں شاہ عبدالقادرؒ رہا کرتے تھے، تشریف لے گئے، پھر صحن مسجد میں آکر بیٹھے اور لوگوں سے ملاقات کی۔ (۲)

ارشاد و تربیت کا آغاز

اس زمانۂ قیام میں شاہ صاحبؒ کا معمول تھا کہ جو صاحب استعداد اور طالب صادق سلوک کی تعلیم اور توجہ و افادۂ باطنی کا طالب ہوتا، اس کو سید صاحبؒ کے سپرد کر دیتے، چنانچہ ایک بخاری عالم کو جو ملا بخاری کے لقب سے مشہور تھے، سید صاحبؒ کے سپرد کیا، ملائے مذکور نے آپ کی سپاہیانہ وضع دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ ''یہ تو ایک مرد سپاہی صورت ہیں، یہ مجھ کو کیا تعلیم دیں گے'' اور سید صاحبؒ سے پوچھنے لگے کہ ''آپ نے کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں اور کن علوم کی تحصیل کی ہے؟'' آپ خاموش رہے، شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ''ملا صاحب، آپ کو اس بے فائدہ گفتگو سے کیا مطلب؟ سمجھ لو کہ جو تم کو میرے پاس بارہ برس میں ملے گا، ان کی خدمت میں تم کو وہ بارہ دن میں حاصل ہوگا (۳)، ملا صاحب نے سید صاحبؒ کے حجرے کے برابر دوسرے

---

(۱) دوسال پیشتر ۱۲۳۰ھ میں (۲) ''وقائع احمدی'' ص ۸۵، ۸۷، ۸۸ (۳) یہ مناسبت اور قوت افاضہ کی بات ہے اور مشائخ کبار کے تذکروں میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں، اس میں کسی شیخ کامل کا نقص نہیں، طالب کی مناسبت اور مربی کی قوت افاضہ کا معاملہ ہے، جس کا ادراک شیخ کامل اپنی فراست و بصیرت اور تجربے سے کر لیتا ہے۔

حجرے میں اپنا بستر ڈال دیا اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے اور تھوڑے عرصے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر اپنے وطن واپس گئے، سید صاحبؒ اکثر فرماتے تھے کہ ہم نے ایسا مشتاق طالب خدا نہیں دیکھا اور وہ ملا صاحب یہ کہتے تھے کہ میں بہت شہروں میں پھرا مگر ایسا مرشدِ شفیق تعلیم کرنے والا نہیں پایا۔(۱)

مولانا عبدالحیؒ اور مولانا شاہ اسمٰعیلؒ کی ارادتِ بیعت

مولانا عبدالحی اور مولانا اسمٰعیل خاندان ولی اللّٰہی کے چشم و چراغ تھے، اور شاہ عبدالعزیزؒ،شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے بعد ہندوستان کے ممتاز ترین علماء میں ان کا شمار تھا،علمی تبحر رشد و صلاحیت اور تقوی وللّٰہیت میں اپنے ہم عمروں اور اقران و امثال میں ممتاز تھے،ان کی علمی عظمت اور صحیح منزلت کا اندازہ شاہ عبدالعزیزؒ کے اس خط سے ہوگا، جو آپ نے منشی خیر الدین کو لکھنؤ حج کے متعلق لکھا ہے،(۲) اس میں آپ نے مولانا عبدالحی کو شیخ الاسلام اور مولانا اسمٰعیل کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے، اور دونوں کو تاج المفسرین، فخر المحدثین سر آمدِ علمائے محققین کا خطاب دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرات تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں، جناب باری کی جو عنایت ان دونوں بزرگوں کے شامل حال ہے، اس کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا، ان دونوں کو علمائے ربانی میں شمار کرو اور جو اشکال حل نہ ہوں، ان کے سامنے پیش کرو، بظاہر ان کلمات سے اپنی تعریف نکلتی ہے لیکن امر حق کا اظہار واقفوں پر واجب ہے۔(۳)

ایک روز مولانا عبدالحی نے اور ان کے بعد مولانا اسمٰعیل نے سید صاحبؒ سے بیعت کی درخواست کی اور دونوں حلقۂ ارادت اور سلکِ بیعت میں منسلک ہو گئے، ان کی بیعت کا واقعہ اور اس کا سبب مختلف کتابوں میں مختلف طریقے پر بیان ہوا ہے، اس سلسلے میں سب سے مستند اور مفصل روایت وہ ہے، جو مولانا کرامت علی جونپوری نے خود مولانا عبدالحی کے حوالے

---

(۱) وقائع احمدی ص ۹۰، ۹۳ (۲) یہ خط حج کے سلسلے میں مفصل نقل کیا جائے گا۔

(۳) مجموعہ خطوط قلمی کتب خانہ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں مرحوم ٹونک

سے بیان کی ہے(۱) رسالہ "نورٌ علی نُور" میں لکھتے ہیں:

"اس حکایت کو سننے کے پہلے یاد رکھو کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ، حضرت سید احمد صاحب کو ان کے ابتدائے وقت سے "میر صاحب" کہا کرتے تھے، اور حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ اور ہم سب معتقد لوگ، "میاں صاحب" کہا کرتے تھے، اور مولانا عبدالحی مولانا محمد اسمٰعیل کو میاں محمد اسمٰعیل کہا کرتے تھے، چونکہ اس حکایت کو ہم بجنسہ لفظ بہ لفظ بیان کریں گے اور یہ لفظیں اس میں آویں گی، اس واسطے ان لفظوں کے یاد رکھنے کو کہا، اب وہ حکایت سنو۔

ایک روز اس عاجز مسکین نے حضرت عالم ربانی مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ جو اس قدر میاں صاحب سے اعتقاد رکھتے ہیں اور روپے پیسے کپڑے وغیرہ دنیاوی چیزوں کو چھوڑ کے میاں صاحب کی صحبت اختیار کئے ہیں اور آپ کے بدن پر جو کپڑا ہے، اس کے سوا آپ کے پاس کہیں کپڑا بھی نہیں اور آپ جب میاں صاحب کے روبرو بات کرتے ہیں، تو ترساں ولرزاں رہا کرتے ہیں، تو للہ آپ ہم سے سچ بیان کیجئے کہ آپ نے میاں صاحب سے کیا پایا جو اپنا حال ایسا بنایا۔

تب مولانا مغفور نے فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں سچ بیان کروں گا، سنو، میرا یہ حال تھا کہ سلوک الی اللہ اور مشاہدہ حاصل ہونے کا بڑا اشتیاق تھا، تب میں نے مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے عرض کیا کہ مجھ کو آپ

---

(۱) اس روایت کو "مخزن احمدی" کی روایت پر جس کو "سیرت سید احمد شہیدؒ" (طبع ۱، ۲، ۳) اور "سید احمد شہیدؒ" میں اختیار کیا گیا ہے، کئی وجوہ سے ترجیح حاصل ہے، اولاً اس میں یہ تصریح نہیں کہ یہ واقعہ راوی نے صاحب واقعہ (مولانا عبدالحی و مولانا اسمٰعیل) سے بلا واسطہ سنا، دوسرے "مخزن" کی روایت میں یوں بھی اضطراب ہے، کہ سید صاحبؒ کی طرف سے رجوع کا مشورہ دینے والے کا نام شاہ عبدالقادرؒ لکھا ہے، حالانکہ سید صاحبؒ کی آمد دہلی سے دو سال پہلے ان کی وفات ہو چکی تھی، ثالثاً، مولانا کرامت علیؒ کی روایت میں بسط و تفصیل ہے، اور محدثین کا اصول ہے کہ "زيادة القصة معتبرة" وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ "اس حکایت کو ہم بجنسہ لفظ بلفظ بیان کریں گے" اس لئے یہ روایت مقدم و مرجح ہے۔

سلوک الی اللہ تعلیم کیجئے اور اس کے قبل میں بہت سے ہندی اور ولایتی
مرشدوں سے توجہ لے چکا تھا، مگر میرا مقصود حاصل نہ ہوا تھا، تب آپ نے
مجھ کو حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کے پاس بھیجا، وہاں بھی چند روز توجہ لیتا
رہا، مگر میرا مقصد حاصل نہ ہوا، تب میں نے حضرت مولانا سے پھر عرض کیا
کہ یہ خادم حضور کی توجہ کا محتاج ہے، اور حضور دوسرے مقام میں بھیجتے ہیں،
ہم کو آپ خود تعلیم کیجئے، تب حضرت مولانا نے فرمایا کہ میاں میں بہت بڈھا
اور کمزور ہوا اور مجھ میں بہت دیر تک بیٹھنے کی طاقت نہیں، یہ مقصد تمہارا امیر
احمد صاحب سے حاصل ہوگا، تم ان سے بیعت کرو، تب اس جناب کا یہ فرمانا
مجھ کو بہت شاق گزرا اور میں ناراض ہو کر چپ کر رہا، پھر کئی بار اور بھی عرض
کیا، وہی جواب پایا، آخر کو بعد چند روز کے یہ واقعہ درپیش ہوا کہ میں
اور حضرت میاں صاحب، اور میاں محمد اسمٰعیل مدرسے کے ایک ہی مکان
میں رہا کرتے تھے، ایک شب کو بعد عشا کے جب ہم تینوں شخص پلنگ پر
سوئے، تب میاں صاحب نے فرمایا کہ "مولانا مجھ کو حضرت رب العالمین
نے محض اپنے فضل وکرم سے بطور انعام الہام کے خبر دیا ہے کہ فلانی تاریخ
فلانے سفر میں تو جاوے گا، فلانے مقام میں یہ ہوگا، فلانے مقام میں وہ
ہوگا اور اس قدر لوگ مرید ہوں گے" وعلیٰ ہذا القیاس سب باتیں بیان کیا،
پھر دوسرے روز بھی ایسی ہی عجیب وغریب باتیں بیان کیا، اسی طرح سے
کئی روز تک مکہ معظّمہ کے سفر اور جہاد کے سفر اور جہاد کے واقعات کا بیان
بہ تفصیل تمام فرمایا، تب ہم نے اور میاں محمد اسمٰعیل نے مشورہ کیا کہ اگر یہ
سب باتیں سچ بیان کرتے ہیں تو بلاشبہ یہ بہت بڑے شخص اور قطب ہیں،
ان سے کچھ فیض لینا، بہت ضرور ہے، سو آؤ، کسی بات میں ان کا امتحان
کریں، تب میاں محمد اسمٰعیل نے کہا کہ آپ ہم سے بڑے ہیں، آپ ہی
تجویز کر کے کسی بات میں امتحان کیجئے، آخر کو جب پھر رات کو میاں

صاحب نے پکارا کہ مولانا! تب ہم نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کی بزرگی میں کچھ شبہ نہیں، مگر ہم کو ان سب باتوں سے کیا فائدہ؟ کچھ ہم کو عنایت کیجئے، تب فرمایا کہ مولانا کیا مانگتے ہو؟ تب ہم نے کہا کہ حضرت ہم یہی مانگتے ہیں کہ جیسی نماز صحابہ کرامؓ ادا کرتے تھے، ویسی ہی دو رکعت ہم سے ادا ہو، یہ کہنا اور میاں صاحب ایک بارگی خاموش ہو گئے، اور اس روز پھر کچھ نہ بولے، تب ہم لوگوں نے جانا کہ فقط یہ زبانی باتیں تھیں، اصل باتوں سے ان کو کچھ علاقہ نہیں، مگر ہمیشہ کی دوستی اور صحبت کی مروت سے ہم لوگ کچھ نہ بولے کہ اب شرم دنیا کیا ضرور، اور چپ کر کے سو رہے، پھر آدھی رات کے کچھ قبل یا بعد حضرت میاں صاحب نے پکارا ''مولانا'' اس پکارنے سے مجھ کو قشعریرہ (۱) ہوا اور بدن پر روئیں کھڑے ہو گئے اور اس جناب سے مجھ کو بڑا اعتقاد آ گیا تب میں نے جواب میں کہا ''حضرت!'' تب فرمایا کہ ''جاؤ'' اس وقت اللہ کے واسطے وضو کرو، تب میرے بدن پر پھر قشعریرہ ہوا اور میں نے کہا کہ بہت خوب! دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا، ''مولانا سن لو'' میں پھر کے حضرت کے پاس حاضر ہوا، فرمایا ''تم نے خوب سمجھا میں نے کیا کہا؟ میں نے کہا کہ اللہ کے واسطے وضو کرو'' پھر میں نے کہا ''بہت خوب'' اور چلا، دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور اسی طرح فرمایا، اسی طرح تین بار کیا، اور تیسری بار جا کے میں وضو کرنے لگا تو ایسا حضور دل اور حق سبحانہ کے خوف سے میں نے ادب کے ساتھ وضو کیا کہ ایسا وضو کبھی نہ کیا تھا، پھر وضو کر کے حضرت کے حضور میں حاضر ہوا، فرمایا کہ ''جاؤ اللہ رب العالمین کے واسطے اس وقت دو رکعت نماز پڑھو'' تب میرے بدن پر قشعریرہ ہوا، اور نماز کے واسطے چلا، دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور میں حضور میں حاضر ہوا فرمایا کہ ''تم نے خوب سمجھا یا نہیں؟'' میں نے کہا کہ ''جاؤ

---

(۱) لرزہ اور رونگٹے کھڑے ہو جانا۔

اس وقت اللہ رب العالمین کے واسطے دو رکعت نماز پڑھو" میں نے کہا کہ " بہت خوب!" اور نماز کے واسطے چلا پھر تیسری بار بلایا اور ویسا ہی سمجھا دیا، تب میں نے ایک گوشے میں نماز شروع کیا تو تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی ایسا مشاہدۂ جلال میں غرق ہوا کہ ہوش نہ باقی رہا، اور اس قدر رویا کہ آنسو سے داڑھی تر ہوگئی اور اس قدر نماز میں غرق ہوگیا کہ دنیا کی یاد مطلق نہ باقی رہی اور نہایت خوف اور لذت کے ساتھ میں نے دو رکعت نماز پڑھی، جب دو رکعت پڑھا تو خیال کیا کہ میں نے سورہ فاتحہ نہ پڑھا تھا، پھر سلام پھیر کے دوبارہ دوسری بار دو رکعت کی نیت کیا، جب پڑھ چکا تو خیال کیا کہ فاتحہ میں سورہ کو ضم نہ کیا تھا، پھر شروع کیا، اسی طرح ہر بار ایک ایک واجب ترک کرنے کا خیال آتا تھا، اور نماز کو ناقص سمجھ کے دہراتا تھا، واللہ اعلم، سو رکعت یا زیادہ کم پڑھا ہوگا کہ صبح صادق کا قریب ہوا، پھر آخر کو ناچار ہو کے سلام پھیرا اور بہت شرمندہ ہوا کہ میری استعداد اس طرح کی ناقص ہے کہ دو رکعت پوری بھی حضور دل کے ساتھ نہ پڑھ سکا اور اتنے بڑے کامل شخص کو میں نے آزمایا، اب اگر وہ پوچھیں کہ تم نے دو رکعت اللہ کے واسطے پڑھا تو میں کیا جواب دوں گا؟ میں تو حضور دل کے ساتھ جیسا کہ حق نماز پڑھنے کا ہے ویسا دو رکعت بھی پڑھ نہ سکا، اسی سوچ میں شرم کے دریا میں غرق ہوگیا اور اپنے قصور کا معترف ہو کے اللہ سبحانہ کے خوف سے استغفر اللہ! استغفر اللہ! کہنا شروع کیا، جب اذان ہوئی تب مجھ کو ہوش ہوا اور یاد پڑا کہ صحابۂ کرامؓ کا یہی حال تھا کہ تمام رات عبادت کرتے اور پچھلی رات کو استغفار کرتے تھے، ان کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ" اور سوچا کہ بلاشبہ یہ بڑے کامل مرشد ہیں کہ ان کے کلام سے میرا مقصد پورا ہوا اور جو نعمت مدت دراز کی محنت سے حاصل نہ ہوئی تھی، سو ان کے ایک دم کے فرمانے سے حاصل ہوئی، پھر میں مسجد میں گیا اور قبل نماز فجر کے میں نے

حضرت میاں صاحب سے بیعت کیا اور صبح کی نماز کے بعد میاں محمد اسمٰعیل سے میں نے رات کا قصہ پورا بیان کیا، کیونکہ وہ مجھ کو صادق جانتے تھے، انہوں نے بھی حضرت میاں صاحب سے بیعت کیا۔

پھر میں دن کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس گیا اور رات کا قصہ بیان کیا اور اپنے بیعت کرنے کا بیان کیا، آپ نے فرمایا "بارک اللہ! بارک اللہ! خوب کیا! میاں میں تم سے اسی واسطے کہا کرتا تھا" کیوں میاں تم نے میر صاحب کا کمال دیکھا؟" تب میں نے عرض کیا کہ "حضرت میں نے بہت درویشوں کی خدمت کیا اور بہت طریقوں کے موافق میں نے شغل اور مراقبہ کیا، میرا مقصد کبھی نہ حاصل ہوا، حضرت سید صاحبؒ نے ایک بار زبان سے کہہ دیا اور میں اپنا دلی مقصد پا گیا، حضرت یہ کون طریقہ کہلاتا ہے؟" تب فرمایا کہ "میاں ایسے لوگ کسی طریقے کے محتاج نہیں ہوتے، ایسے لوگ جو زبان سے کہیں وہی طریقہ ہے ایسے لوگ خود صاحب طریقہ ہوتے ہیں، اور ایسے لوگ طریقے نکالتے ہیں" حضرت مولانا کے فرمانے سے اور بھی زیادہ مجھ کو حضرت میاں صاحب کے مرشد، صاحب طریقہ ہونے کا یقین ہوا اور میرا اعتقاد اور بھی زیادہ ہوا، اس سبب سے میں میاں صاحب کی غلامی میں حاضر ہوں اور ان کی غلامی کے قابل بھی میں اپنے تئیں نہیں پاتا" تمام ہوئی تقریر مولانا عبدالحی مرحوم کی۔"(۱)

خاندانِ ولی اللّٰہی کے دوسرے افراد و علماء کی بیعت

مرشد وقت شاہ عبدالعزیزؒ کی زندگی میں ان اکابر کا کسی دوسرے کی بیعت میں داخل ہونا معمولی واقعہ نہ تھا اس کا بڑا چرچا ہوا، جوق در جوق علماء و فضلاء و صالحین بیعت ہونے لگے، شاہ عبدالعزیزؒ کے خاندان کے اکثر افراد شاہ صاحبؒ کی اجازت سے اور مولانا

(۱) نورعلیٰ نور از مولانا کرامت علی جونپوری خلیفہ سید صاحبؒ ص ۶۸۔۷۳ (اعظم المطابع، جونپور)

محمد یوسف (۱) نبیرۂ حضرت شاہ اہل اللہ (برادر حضرت شاہ ولی اللہؒ) مع خاندان، مولوی وجیہ الدین، حکیم مغیث الدین، حافظ معین الدین وغیرہ مع اہل وخاندان واقرباء مرید ہوئے (۲) اور جولوگ نہیں آسکتے تھے، انہوں نے اپنے اپنے وطن اور مقام کی دعوت دی۔

مولانا محمد اسحٰق کی آمد

اسی زمانے میں آپؒ کے برادر معظم مولانا سید محمد اسحٰق آپ کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے اور آٹھ برس کے بعد دو بچھڑے ہوئے بھائی ملے، مولانا نے فرمایا کہ ''مجھے نواب صاحب کے لشکر سے تمہاری واپسی دہلی کا علم ہوا، مجھ کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو، تم کہیں دور چلے جاؤ، پھر ملاقات ہونی دشوار ہو، اس خیال سے میری طبیعت کو قرار نہ ہوا، میں جلد محسن خاں کو ساتھ لے کر وہاں سے ادھر روانہ ہوا'' (۳)، سید صاحبؒ نے ان کو اطمینان دلایا اور فرمایا کہ ان شاء اللہ جلد وطن آؤں گا۔

مولانا سید اسحٰق وطن واپس ہوئے تو لکھنؤ میں اعزاء اور برادری کے جولوگ موجود تھے، ملاقات کے لئے آئے اور سید صاحبؒ کا حال پوچھا، مولانا نے فرمایا کہ:

''عنایت الٰہی سے سید احمد کو وہ رتبہ حاصل ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا ہوں، اپنی تو عمر میں نہ اس رتبے کا آدمی دیکھا ہے، نہ سنا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت بے غایت سے ایسا علم باطنی ان کو عطا فرمایا ہے کہ دہلی کے تمام علماء اور فضلاء ان کی طرف رجوع ہیں، اور ان کی تقریر کے آگے کوئی دم نہیں مار سکتا اور ہم سے مولویوں کا وہاں کیا شمار کہ ان کے آگے بولیں، اور چوں وچرا کا لب کھولیں، ان کو علم وہبی ہے کسبی نہیں ہے۔'' (۴)

یہ سن کر برادری کے لوگ ہنسے اور کہنے لگے کہ وہ آپ کے بھائی ہیں جو چاہیے، فرمایئے ہم ان کو خوب جانتے ہیں، ان میں یہ مادہ اور لیاقت کہاں؟

---

(۱) مولانا محمد یوسف پھلتی سید صاحبؒ کی جماعت کے ممتاز ترین فرد تھے، سید صاحبؒ سے نہایت گہرا اور والہانہ تعلق تھا سید صاحبؒ ان کو لشکر اسلام کا قطب کہتے تھے، سید صاحبؒ کے اہل ارادت وتعلق میں ان کو اولیت اور بڑی خصوصیت حاصل تھی۔ (۲) مخزن احمدی ص ۳۷۔ (۳) ''وقائع احمدی'' ص ۱۱۱ (۴) ایضاص ۱۱۴

مولانا نے فرمایا کہ "میں نے مبالغے سے کام نہیں لیا، جب وہ آئیں گے تو تم خود دیکھ لو گے۔" (۱)

مقبولیت وشہرت اور سفر

دن بدن آپ کی مقبولیت وشہرت بڑھتی گئی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دفعۃً اپنے بندوں کے قلوب عموماً اور علماء وصلحاء کے خصوصاً آپ کی طرف پھیر دیئے ہیں، باہر سے کثرت سے دعوت نامے آنے شروع ہوئے، جب بہت سے دعوت نامے جمع ہو گئے، تو آپ نے مولانا اسمٰعیل کے ہاتھ یہ سب دعوت نامے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں بھیج دیئے اور عرض کیا کہ جیسا ارشاد ہو، کیا جائے، شاہ صاحبؒ نے اپنا لباس خاص پہنایا اور بڑی خوشی کے ساتھ رخصت کیا۔

دوآبے کا دورہ

اس سفر میں جس کثرت کے ساتھ مسلمانوں نے آپ کی تشریف آوری سے دینی نفع اور خیر وبرکت حاصل کی اور ان مقامات میں جیسی اصلاح ہوئی اور جس محبت واخلاص اور گرمجوشی سے ہر جگہ آپ کا استقبال ہوا، اس کا کچھ اندازہ کرنے کیلئے ایک رفیق سفر کے حوالے (۲) سے اس سفر کی روداد پیش کی جاتی ہے، اس سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ اس زمانے تک مسلمانوں میں دین کی کیسی طلب اور قدر، اہل دین سے محبت اور اثر پذیری اور صلاحیت موجود تھی اور وہ کسی طرح دینی استفادے کے لئے پروانہ وار ہجوم کرتے تھے، اس کا بھی اندازہ ہوگا کہ اس قلیل مدت اور آغاز عمر ہی میں سید صاحب کی شہرت ومقبولیت کس قدر پھیل گئی تھی۔

غازی الدین نگر

دہلی سے چل کر پہلی منزل غازی الدین نگر (۳) میں ہوئی، شہر سے باہر دو سو آدمیوں نے جو شہر کے ممتاز اور معزز لوگ تھے، بڑھ کر استقبال کیا اور بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ آپ کو فرو کش کیا اور ضیافت کی اور عرض کیا کہ ہم مدت سے حصول فیض کے آرزو مند تھے، اللہ تعالیٰ

---

(۱) "وقائع احمدی" ۱۱۴ (۲) مولوی سید جعفر علی صاحب بحوالہ محسن خاں خادم ورفیق قدیم حضرت سید صاحبؒ (منظورہ) (۳) موجودہ غازی آباد

نے ہماری آرزو پوری کی ،شہر کے عمائدین سے چار صاحبوں (حافظ عبداللہ امام مسجد، شیخ عبدالرحمٰن، شیخ رمضان، عبدالشکور خاں) نے بیعت کی،دوسرے روز بیعت کرنے والوں کا بڑا ہجوم ہوا، ہری رام تحصیل دار کشمیری بھی زیارت وقدم بوسی کے لئے حاضر ہوا، اور بہت سی شیرینی نذرانے کے ساتھ پیش کی، امام خاں جمعدار بیعت سے مشرف ہوئے، اور بکثرت آدمیوں نے روحانی فیوض اور آپ کے رفقاء کی باطنی توجہات سے نفع حاصل کیا، پانچ روز قیام کے بعد وہاں سے کوچ ہوا،مولانا سید اسحٰق وہاں سے رائے بریلی روانہ ہوئے۔

مرادنگر

مرادنگر میں مولوی ابوالقاسم صاحب،مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے صاحبزادے جو وہاں تھانیدار تھے، برقندازوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے،مولوی ابوالقاسم نے دعوت کی اور تمام برقندار بیعت سے مشرف ہوئے۔

میرٹھ

میرٹھ سے دوکوس باہر قاضی حیات بخش اور ان کے صاحبزادے مولوی احمد اللہ نے پچاس ساٹھ آدمیوں کے ساتھ استقبال کیا اور عرض کیا کہ چارروز سے ہم لوگ منتظر ہیں، آج تشریف آوری کی خبر سن کر بے تابانہ روانہ ہوئے،نیت یہ تھی کہ جہاں بھی جناب کے قیام کا علم ہوگا، وہاں حاضر ہوکر ملاقات سے مشرف ہوں گے، وہاں سے یہ حضرات آپ کو اپنے مکان پر لائے، نماز کے وقت ایک مسجد میں جو بڑی وسیع اور فراخ تھی، نماز کے لئے تشریف لے گئے، رات کے کھانے کے بعد قاضی صاحب اپنے تمام عزیزوں کے ساتھ بیعت ہوگئے۔

دوسرے روز بیعت کرنے والوں کا بے حد ہجوم ہوگیا اور بکثرت لوگوں نے فیض باطنی حاصل کیا، تیسرے روز داروغہ محمد راحم،منشی محمدی انصاری، مولوی محمد بخش اپنے دوسرے پندرہ ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور بیعت کی، دوروز کے بعد میرٹھ کے ایک رئیس مولوی خدا بخش نے اپنے گھر پر پورے قافلے اور شہر کے بہت سے عمائد اور معززین کو مدعو کیا اور خود

اپنے اعزاء و متعلقین و ملازمین و عملے کے ساتھ بیعت سے مشرف ہوئے، قیمتی پوشاک کے گیارہ بارہ خوان، عطریات اور آٹھ خوان شیرینی کے نقد کے ساتھ پیش کش کئے، ایک برہمن ان کے تمام کاروبار کا مختار اور ان کے مزاج میں بہت دخیل تھا، وہ بیعت سے مانع تھا، لیکن ایک اشارۂ غیبی کے بعد مولوی صاحب نے بیعت کی، ان کے بیعت میں داخل ہو جانے کے بعد برہمن کا طلسم ٹوٹ گیا، آلات لہو و ساز اور باجے اور اس کے متعلقات باہر کر دیئے گئے، برہمن بھی کچھ عرصے کے بعد مسلمان ہو گیا۔

ظہر کی نماز کے بعد بہت لوگ منتظر تھے، میرٹھ کے ایک ذی حیثیت اور دولت مند شخص قدن خاں نے عرض کیا کہ کل غریب خانے پر قدم رنجہ فرمائیں، لوگوں کی بیعت کا یہ حال تھا کہ ظہر سے عشاء تک بیعت کرنے والوں اور ہمراہیوں کو توجہ دینے سے فرصت نہیں تھی، آپ نے فرمایا کہ جو لوگ اس شہر میں دو تین روز پیشتر بیعت کر چکے ہیں، وہ نئے لوگوں کو توجہ دیں، رات کے کھانے اور عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد آپ نے مجمع میں کچھ وعظ و نصیحت فرمائی، پھر آرام فرمایا۔

صبح کو قدن خاں کے بیٹے ایک پالکی اور دو گھوڑے لے کر آئے، آپ نے ان کو ایک گھوڑے پر اور دوسرے گھوڑے پر حافظ قطب الدین کو سوار کرایا اور خود پالکی پر قدن خاں کے یہاں تشریف لے گئے، خاں صاحب نے مکان سے نکل کر استقبال کیا اور سلام اور مصافحے کے بعد دیوان خانے میں لائے اور انواع و اقسام کے کھانے کے خوان رکھے اور آپ کے تمام ہمراہیوں کی پرتکلف ضیافت کی، کھانے کے بعد شرف بیعت حاصل کیا اور سات خوان، جن میں سے پانچ شیرینی کے تھے، اور دو قیمتی پوشاک اور عطریات کے، ایک سو تین روپئے نقد کے ساتھ پیش کش کئے، اس کے بعد پان کے بیڑے پیش کئے، آپ نے ایک بیڑا خاں صاحب کو اور ایک ان کے بڑے صاحبزادے کو اپنے ہاتھ سے دیا، انہوں نے اپنا اپنا بیڑا کھا کر عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو یہ پان اپنے گھر میں دیں، فرمایا کہ شیرینی کا ایک خوان بھی ہماری طرف سے لے جائیے، خان صاحب نے عرض کیا کہ کچھ اس میں سے جناب تناول فرمالیں، آپ نے اس میں

سے ذراسا اٹھا کر کچھ کھایا، کچھ رکھ دیا، خان صاحب اس خوان کو اپنے سر پر اٹھا کر گھر لے گئے، اس کے بعد آپ کو مستورات کی بیعت کے لئے مکان تک زحمت دی، بیعت کے بعد خان صاحب کے چھوٹے صاحبزادے دو کشتی لائے جن میں سے ایک شیرینی کی تھی، اور ایک قیمتی پوشاک کی، اس سب سے فراغت کے بعد آپ کو جائے قیام تک پہنچایا اور اپنے اور مستورات کے لئے توجہ کی درخواست کی، آپ نے شادل خاں کے لڑکے کو جس کی عمر گیارہ سال ہوگی مستورات کی توجہ کے لئے اور حافظ قطب الدین کو ان کو توجہ دینے کے لئے مقرر فرمایا، جب تک میرٹھ میں قیام رہا، یہ دونوں توجہ دیتے رہے۔

صدر الدین اور ان کے بھائی کریم بخش روٹی والے حاضر ہوئے، ان کی دکان اس زمانے میں بہت چل رہی تھی، انہوں نے بھی بیعت کا شرف حاصل کیا، تھوڑی دیر کے بعد محمد تقی قصاب اور بدر الدین حاضر ہوئے، تمام چھاؤنی میں گوشت انہیں کی دکان سے جاتا تھا، بیعت سے مشرف ہونے کے بعد پانچ سو روپے سے زائد انہوں نے پیش کش کی اور بہت شیرینی پیش کی، محمد تقی نے دعوت کی درخواست کی اور آپ نے قبول فرمائی، رات کا کھانا قدّن خاں کے ہاں تناول فرمایا اور ان کے بیٹے کے حق میں دعا کی لوگوں نے آمین کہی۔

صبح کے وقت محمد تقی کے یہاں سے سواری آئی، چار گھڑی دن نکلے آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، چھاؤنی کے اکثر مسلمانوں نے بیعت کی، مجمع بہت تھا، کھانے کے بعد خواجہ خانساماں آئے اور کھانے میں شریک ہو گئے، کھانے کے بعد بیعت سے مشرف ہوئے، محمد تقی اپنے زنانہ مکان میں آپ کو لے گئے ان کے خاندان کی تمام مستورات جو وہاں پہلے سے جمع تھیں، بیعت سے مشرف ہوئیں، باہر تشریف لانے پر شیرینی، پوشاک اور نقد پیش کیا، محمد تقی کے رشتے دار اور اہل برادری دروازے پر منتظر تھے، انہوں نے شرف بیعت حاصل کیا، نماز مغرب سے عشاء تک لوگوں کی بیعت سے سر اٹھانے کی مہلت نہ تھی، آپ رخصت ہو کر مکان پر تشریف لائے۔

دوسرے روز صدر الدین صاحبؒ کے مکان پر دعوت تھی، آپ قافلے کے ساتھ

وہاں تشریف لے گئے، جب آپ قریب پہنچے، مشتاقان زیارت استقبال کے لئے حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا کہ "کھانا تیار رکھیں، میں ان بھائیوں کی بیعت سے فارغ ہولوں"۔

شہر اور چھاؤنی اور دیہات اور اطراف کے بکثرت مسلمان حاضر ہوکر بیعت سے مشرف ہوئے، مضافات اور اطراف سے بھی لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی، جن لوگوں کا مکان میرٹھ سے دور تھا، وہ اپنے اپنے یہاں دعوت کی تیاری کررہے تھے، جب اس کی اطلاع ہوئی کہ آپ کا قصد سردھنہ کا ہے تو جن لوگوں کا ارادہ بیعت کا تھا، وہ سامان دعوت چھوڑ کر حاضر خدمت ہوگئے، بعض سردھنہ اور بعض بڑھانہ پہنچ کر بیعت سے مشرف ہوئے، خواجہ محمد خانساماں نے دو وقت دعوت کی اور ان کے گھر کے تمام زن و مرد بیعت سے مشرف ہوئے، شب کو آپ نے فرمایا کہ کل ہم سردھنہ جائیں گے، جس کو منظور ہو، وہ ہمیں رخصت کرنے کے لئے آئے، سوتے وقت آپ نے اللہ کی عظمت وجلال کا مضمون بیان کیا اور آرام فرمایا، صبح چھاؤنی کے کثرت سے آدمی ملاقات کے لئے آئے، حافظ قطب الدین صاحب کو وعظ کا حکم ہوا، حافظ صاحب نے نماز روزے کے فضائل بیان کئے، حضرت سب سے رخصت ہوئے، اور جو بچے ہمراہ آئے تھے، ان کو مٹھائی دے کر رخصت کیا۔

روانگی کے وقت اہل شہر کا بڑا ہجوم تھا، ہر کہ دمہ موجود تھا، جس وقت آپ شہر کے دروازے پر پہنچے سیکڑوں آدمی رقت وزاری سے بے قابو تھے، آپ ہر ایک کو تسکین دیتے تھے مگر ہر ایک بے قرار تھا، آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے، آپ نے سلام رخصت فرمایا، بہت سے آدمی جو سوار تھے موضع داتل وتولی تک پہنچانے آئے۔

میرٹھ کے نواح واطراف

موضع داتل میں پانچ یا چھ گھر مسلمانوں کے تھے، ان سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور دعوت کے لئے عرض کیا، آپ نے معذرت کی اور وعدہ فرمایا کہ اگر واپسی اسی طرف سے ہوئی تو تمہیں ضیافت کا موقع دیں گے، اس دیہات کے لوگوں کا بھی یہی حال تھا

کہ آپ کی جدائی ان پر بہت شاق تھی، جب تک قافلہ نظر سے اوجھل نہیں ہوگیا، وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے۔

موضع پائلی میں دو ہی تین گھر مسلمانوں کے تھے، سب داخل بیعت ہوئے، آپ نے ایک گھڑی وہاں توقف کیا، شیرینی جو ناشتے کے لئے ہمراہ تھی، وہاں تقسیم ہوئی۔

موضع کھردی میں نماز ظہر ادا کی، وہاں مسلمانوں کے گھر بہت تھے، چار پانچ سادات کے گھر بھی تھے، جنہوں نے سب سے پہلے بیعت کی، پھر تمام مسلمان داخل بیعت ہوئے، لوگوں نے عرض کیا کہ تشریف آوری کی خبر کئی روز سے سن جارہی تھی اور ہم لوگ منتظر تھے، آج یہ تمنا پوری ہوئی، اب کھانا یہیں تناول فرمالیں، آپ نے فرمایا کہ ہم پائلی میں کھانے سے فراغت کر چکے، لوگوں نے شربت حاضر کیا اور تمام ہمراہیوں نے سیر ہو کر پیا۔

سردھنہ

سردھنہ سے باہر پچیس آدمیوں کی ایک جماعت نے استقبال کیا، ان میں شیخ بلند بخت، خواجہ محمد حافظ امان اللہ نشان بردار، بوعلی بخش، نصر اللہ، ننھے خاں اور ان کے دو فرزند پیر خان و داراب خاں، سلو خاں رسالے دار، مراد خاں وغیرہ تھے، سرائے کی مسجد میں قیام فرمایا، نماز عصر کے بعد لوگوں نے بیعت کی، بیعت کے بعد ننھے خاں اور دوسرے سپاہیوں نے عرض کیا کہ آج آپ کی دعوت ہمارے ہاں ہے، آپ نے فرمایا کہ جو کچھ ہم کہیں، وہی پکانا، یہ سن کر سب خاموش ہوگئے، ایک لمحے کے بعد عرض کیا کہ جو کچھ ارشاد ہو" فرمایا باجرے کی روٹی اور ماش کی دال" جب اہل دعوت اپنے گھر آئے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ پہلے تو ہمیں فکر ہوئی تھی کہ دیکھئے آپ کیا فرمائش کرتے ہیں، لیکن جب آپ نے فرمائش کی تو معلوم ہوا کہ یہ تو سب سے آسان اور سستا کھانا ہے، جس سے زائد تو غرباء بھی اپنی دعوت میں اہتمام کرتے ہیں، آپ نے تو ضرور یہ فرمائش کی ہے، لیکن ہمارا فرض ہے کہ نان قلیہ بھی ضرور تیار کریں، چنانچہ انہوں نے باجرے کی روٹی اور ماش کی دال کے ساتھ نان اور قلیہ گوشت بھی سامنے رکھا، آپ نے صرف اپنا فرمائشی کھانا تناول فرمایا، صبح کے وقت مدے خاں کمیدان اور سلو خاں

رسالے دار حاضر ہوئے، سلوخاں نے پہلے دن بیعت نہیں کی تھی، کمیدان صاحب نے عرض کیا کہ پہلے روز میں حاضر نہیں ہو سکا تھا، میری دوسری جگہ حاضری تھی، بیگم صاحبہ تیز مزاج ہیں، آپ نے فرمایا ''مضائقہ نہیں، اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں بھی اسی طرح چست و کمر بستہ رہنا چاہئے'' دونوں صاحب بیعت سے مشرف ہوئے، آپ نے بہت نصیحتیں فرمائیں، اور توجہ کے لئے ان کو میاں صدرالدین کے حوالے کیا، کمیدان صاحب نے دعوت کی، کھانے کے بعد ان کے گھر کی تمام مستورات اور متعلقین بیعت ہوئے، ظہر کے وقت قصبے کے دوسرے شرفاء داخل بیعت ہوئے، شام کے وقت سلوخاں صاحب کے گھر پر دعوت تھی، اس رسالے کے سواروں نے بیعت کی اور ہدیے گزارے، صبح کے وقت عظیم اللہ بیگ کمیدان اور ان کے سپاہی داخل بیعت ہوئے اور دعوت بھی کی، دوپہر کو حافظ امان اللہ نے دعوت کی۔

بڑھانہ

سردھنہ سے آپ بڑھانہ تشریف لے گئے، قصبہ ابھی دو میل تھا کہ بارش شروع ہوگئی، آپ مولانا عبدالحیؒ کے مکان پر تشریف لے گئے، مولانا ممدوح، مولوی وحیدالدین صاحب، مولوی محمد یوسف صاحب، شیخ معین الدین صاحب، سعدالدین صاحب وغیرہ اور پھلت و بڑھانہ کے دوسرے شرفاء و علماء استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے، بڑھانہ پہنچ کر آپ نے نماز عصر ادا فرمائی، نماز عصر کے بعد مولانا عبدالحی صاحب کے خردسال صاحبزادے عبدالقیوم (۱) نے بیعت کی، مغرب کی نماز آپ نے مولانا عبدالحیؒ کے پیچھے پڑھی، نماز عشاء کے بعد کھانے سے فراغت ہوئی، صبح کے وقت میاں نظام الدین چشتی، شیخ محمد حسن اور شہر کے بہت سے شرفاء و غرباء حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے، اسی روز اور دوسرے روز آپ مولانا عبدالحی صاحبؒ کے مہمان رہے، اس کے بعد میاں جی نظام الدین چشتی نے دعوت کی اور وہ اور ان کے گھر کی تمام مستورات داخل سلسلہ ہوئیں، اس کے بعد شیخ ابوبکر کی طرف سے دعوت ہوئی اور انہوں نے اور ان کے تمام گھر کی عورتوں نے بیعت کی۔

---

(۱) مولانا عبدالقیومؒ مفتی بھوپال (م ۱۲۹۹ھ)

بارہ روز قصبہ بڑھانہ میں قیام رہا، زیادہ تر مولانا عبدالحی کی طرف سے میزبانی اور دعوت رہی، مولانا کے ہاں زیادہ تر کھانا یہ ہوتا تھا کہ تنوری روٹی شوربے میں چور کر کے ثرید تیار کیا جاتا تھا، جس کا حدیث میں ذکر آتا ہے، آپ فرماتے کہ "مولانا، آپ اس قدر کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟" مولانا جواب دیتے کہ "حضرت یہ کیا تکلیف ہے؟ اگر میں اپنا سارا گھر بیچ کر آپ کو کچھ بھی راحت و آرام پہنچا سکوں تو اپنی سعادت سمجھوں گا" آپ نے بہت دعائے خیر فرمائی اور بڑھانہ سے روانگی ہوئی۔

راستے کی منزلیں

مولانا ممدوح اور قصبے کے دوسرے بزرگ ہمراہ تھے، جب موضع ایڑنی میں پہنچے، وہاں کا زمین دار دس پندرہ آدمیوں کے ہمراہ راستے میں بیٹھا ہوا تھا، بڑی تعظیم سے سلام کیا اور بڑے اخلاص کے ساتھ عرض کیا کہ "آج غریب خانے پر قیام فرمائیں اور خاکسار کی دعوت قبول فرمائیں، جس روز سے میں نے تشریف آوری کی خبر سنی ہے، روزانہ آپ کے انتظار میں یہاں آ کر بیٹھ جاتا ہوں، آج تو میں جانے نہیں دوں گا" آپ نے ارشاد فرمایا کہ "بھائی ہمیں بہت ضرورت ہے اور اپنی جگہ سے ہم دو کوس نکل آئے ہیں، قیام کرنے کی بالکل مہلت نہیں" اس نے عرض کیا کہ "اچھا تو ایک گھڑی ٹھیر کر ٹھنڈا پانی پیتے جائیں" آپ نے قافلے کو ٹھہرنے کا حکم دے دیا، وہ زمیندار چار گھڑے گنے کے رس کے اور چار گھڑے پکے ہوئے دودھ کے لایا اور دونوں کو ملا کر آپ کو اور تمام اہل قافلے کو شربت پلایا اور دو روپے دعوت کے نذر کئے اور دوسرے موضع تک ساتھ آیا۔

موضع چولی میں وہاں کا زمین دار حاضر ہوا اور گاؤں کے دوسرے مسلمانوں کو بلا کر سب بیعت سے مشرف ہوئے، وہاں سے موضع بہرسو پہنچے۔

پھلت میں

پھلت سے باہر قصبے کے چالیس پچاس اشخاص استقبال کے لئے کھڑے تھے، انہوں

نے عرض کیا کہ تین روز سے ہم منتظر ہیں، آپ شیخ ولی محمد کے مردانے میں مقیم ہوئے نماز عصر کے بعد بیعت کا سلسلہ شروع ہوا، میاں محمد فضیل، شیخ ولی محمد صاحب کے والد شیخ غلام محمد اور محمد عارف دونوں بھائی غلام علی و حافظ معین الدین، حافظ احمد الدین اور عبدالعلی وغیرہ نے بیعت کی، کھانا بھی شیخ ولی محمد صاحب کے یہاں تناول فرمایا، دوسرے روز محمد عثمان بیعت میں داخل ہوئے، ان کی وضع بالکل سپاہیانہ تھی، آپ نے فرمایا "بھائی اگرچہ اس وقت تمہارا ظاہر اچھا نہیں لیکن تمہارا باطن صاف ہے، ان شاء اللہ چند دنوں میں ظاہر بھی باطن کی طرح ہوجائے گا" ان کے گھر کی مستورات بھی بیعت ہوئیں، شیخ ولی محمد صاحب کی والدہ اور دوسری مستورات بھی بیعت سے مشرف ہوئیں، مولوی وحید الدین صاحب نے دو وقت دعوت کی اور اپنے مکان لے جاکر مستورات کو بیعت کرایا، میاں عصمت اللہ اپنے والد شیخ صبور اللہ کے ساتھ بیعت ہوئے، میاں سعد الدین نے بھی ضیافت کی اور ان کے گھر کی مستورات نے بھی بیعت کی، دوسرے روز حافظ محمد حسین نے بھی دعوت کی، مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے خالہ زاد بھائی میاں جمال، حافظ محمد عثمان اور عبدالرزاق نیز حافظ قطب الدین، حکیم قمر الدین، میاں صلاح الدین، شیخ عبدالحکیم وعبدالرؤف اور دوسرے شرفاء نے ایک ایک وقت دعوت کی۔

جب تک پھلت میں قیام رہا، معمول تھا کہ شیخ ولی محمد کے بالا خانے پر ورزش فرماتے، اس وقت شیخ ولی محمد، شیخ عبدالرؤف، سعد الدین، صلاح الدین، عبدالحکیم، محمد انصاری اور محسن خاں بھی موجود ہوتے، ورزش کے بعد پانی میں بھیگے ہوئے چنے تناول فرماتے اور حاضرین کو بھی عنایت فرماتے، محسن خاں کہتے ہیں کہ مجھے حکم تھا کہ میں بازو اور شانے پر مالش کروں، اس مکان کے صحن میں آپ نے مٹی کا تودہ تیار کرایا تھا، ورزش سے فراغت کے بعد تیراندازی فرماتے تھے، ایک تیرانداز اپنے ساتھ لائے تھے، اور تیر و کمان بھی خریدے تھے، پھلت کے بعض لوگ بھی اس مشق میں شرکت کرتے تھے۔

سترہ دن کے قیام کے بعد آپ پھلت سے روانہ ہوئے، قصبے کے مسلمانوں نے دور تک مشایعت کی، موضع بھوپاڑی، میں ناشتہ کیا، وہاں کے پٹھانوں نے بیعت کی، نماز

ظہر سے پہلے وہاں سے روانہ ہوئے۔

مظفر نگر

مظفر نگر میں تھانے دار نے چند پیادوں کے ساتھ استقبال کیا، قاضی نجم الدین نے بھی پندرہ آدمیوں کے ساتھ ایک میل بڑھ کر معانقہ و مصافحہ کا شرف حاصل کیا، اور اپنے مکان پر لے گئے اور صاحبزادے اور بھتیجے سمیت بیعت سے مشرف ہوئے۔

دیوبند و نواح

مظفر نگر سے آپ دیوبند تشریف لے گئے، سید مقبول جو قاضی نجابت علی خاں کی پیشی میں تھانے میں ملازم تھے، بیعت سے مشرف ہوئے، مولوی شمس الدین صاحب جن کو پہلے سید صاحب سے بداعتقادی اور سوءِ ظن تھا، ایک ہدایت غیبی کے ذریعہ بیعت سے مشرف اور داخل سلسلہ ہوئے اور تمام خلاف شریعت امور سے توبہ کی، بیعت سے پہلے گنڈہ اور عملیات وغیرہ کے جو اعمال کئے تھے، شیخ حفیظ اللہ دیوبندی کو اپنے ساتھ لے کر اہل معاملہ کے پاس جا کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا، کہیں اپنی تقصیر معاف کرائی اور کسی سے توبہ لی، شیخ حفیظ اللہ کہتے ہیں کہ آپ کے خاندان میں سلام کے بجائے "آداب" و "بندگی" کے الفاظ کا رواج تھا، یہ سب موقوف کرایا اور سلام مسنون کو رواج دیا، میں مولوی صاحب ممدوح کا شاگرد تھا، مجھ سے بھی تاکید فرمائی کہ جس سے بھی ملاقات ہو، بڑا ہو یا چھوٹا اس کو سلام علیک کرنا، چنانچہ آپ کی تعلیم کے موافق آپ کے والد صاحب محترم کو "سلام علیکم" کہا چونکہ یہ بالکل خلاف عادت بات تھی، بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ "مجھے معلوم ہے کہ کس نے تم کو سکھایا ہے، میں اس سے سمجھوں گا" آخر میں ان کی سیرت بالکل بدل گئی اور سنا گیا ہے کہ اپنے صاحبزادے کے ہاتھ پر، جن کو سید صاحبؒ سے خلافت تھی، بیعت کر کے داخل سلسلہ ہو گئے۔

شیخ رجب علی اور ان کے صاحبزادے منور علی اور قصبے کے دوسرے شرفاء وغرباء بیعت سے مشرف ہوئے ایک روز حافظ عبداللہ، ان کے بھائی نظام الدین اور کریم الدین

آپ کو موضع املیا لے گئے، آپ نے عصر کی نماز وہیں پڑھی، یہ تینوں بھائی اور ان کے والد امام بخش اور وہاں کے بعض دوسرے حضرات کرامت حسین، محمد ماہ، شیخ چاند وغیرہ بیعت ہوئے، شام کے کھانے کے بعد موضع کی تمام عورتیں بیعت میں داخل ہو گئیں۔

امام بخش کا نام آپ نے بدل کر امام الدین رکھ دیا، ان کے صاحبزادے حافظ عبداللہ تو آپ کے ساتھ حج و جہاد میں بھی رہے، اس دیہات کے اکثر لوگ سلسلۂ بیعت میں داخل ہوئے، ہمت خاں ایک نیک و بابرکت شخص تھے، زراعت کرتے تھے، اور اپنے کھیت میں نماز پڑھتے تھے، جب آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تو عرض کیا کہ میں اپنے کھیت میں نماز پڑھا کرتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ تمہارے غلے کی پیداوار میں برکت ہوگی، ان کی کھیتی میں اتنی برکت ہوئی کہ ان کے قریب کے کھیت والے رشک کرتے تھے، تہائی رات کو آپ اپنی جائے قیام پر تشریف لائے، حافظ عبداللہ ساتھ آئے اور دو نفیس سیاہ کمبل اور کچھ نقد ہدیہ کیا۔

دس دن دیوبند میں قیام رہا، دیہات کے مسلمان بکثرت بیعت سے مشرف ہوئے، دوسرے دیہات کے لوگ گاڑیوں اور بہلیوں پر مستورات کو سوار کرا کے لاتے اور بیعت کراتے، بیعت کے بعد بکثرت لوگوں نے پیرانِ کلیر کے میلے میں جانے سے توبہ کی، آپ نے مولوی فریدالدین، مولوی بشیرالدین، قاضی عظیم اللہ، سید محمد حسین اور مولوی شمس الدین صاحب کو خلافت نامہ لکھ کر دیا۔

دیوبند سے روانگی ہوئی، کثرت سے لوگ ایک ایک میل تک بعض منزل تک مشایعت کے لئے آئے، بہت سے لوگ زار و قطار رو رہے تھے۔

دیوبند سے آپ قصبہ شیخ پورا اور وہاں سے موضع سویری تشریف لے گئے اور وہاں ماحضر تناول فرمایا، وہاں کے مسلمانوں نے اور گھروں کی مستورات نے بیعت کی اور تمام منہیات سے توبہ کی، چند گھنٹے اس موضع میں ٹھہر کر روانہ ہوئے، موضع لاکہ نور اور قصبۂ شیخ پورہ کے درمیان ایک نہر ہے، عصر کی نماز کا وقت وہیں ہو گیا، آپ نے نماز پڑھی، قصبے کا زمین دار جس کا نام چودھری امام الدین تھا، دس پندرہ آدمیوں کے ساتھ آیا اور اپنے مکان لے گیا، بہت سے

آدمیوں نے بیعت کی، رات وہاں گزار کر دوسرے دن دوپہر کو سہارنپور کی طرف روانہ ہوئے۔

سہارنپور

سہارنپور سے باہر ایک جم غفیر استقبال کے لئے موجود تھا، آپ نے مغرب کی نماز مسجد الوینی میں پڑھی، اس کے ایک حجرے میں حاجی عبدالرحیم ولایتی رہتے تھے، جو بڑے مشائخ میں سے تھے، سیکڑوں آدمی ان کے مرید تھے، انہوں نے اپنے تمام مریدوں کے ساتھ بیعت کی اور اپنے تمام نیازمندوں کو بلا کر کہہ دیا کہ سب آپ سے بیعت ہو جاؤ، ایسا مرشد کامل پھر ملنا مشکل ہے، تہائی رات تک بیعت کرنے والوں سے آپ کو فرصت نہیں ہوئی، دو روز تک انہیں کے گھر دعوت رہی۔

سہارنپور میں ولی محمد صاحب نے جو بڑے متمول رئیس تھے، اور بڑا اعملہ سپاہی اور منشی ان کے یہاں ملازم تھے، اور متدین اور خدا طلب آدمی تھے، بڑے اعزاز و اہتمام کے ساتھ دعوت کی اور اپنے تمام اعزاء و عملے کے ساتھ مرید ہوئے، ان کے یہاں کی مستورات بھی بیعت میں داخل ہوئیں، ولی محمد صاحب نے دعا کی درخواست کی اور عرض کیا کہ ''اللہ کے فضل وکرم سے دنیاوی مال و دولت کی کمی نہیں، صرف یہ دعا چاہتا ہوں کہ اسراف و فضول خرچی سے اللہ محفوظ رکھے اور اللہ کا دیا ہوا اللہ ہی کے راستے میں خرچ ہو'' آپ نے ان کی خواہش کے موافق ان کے لئے اور ان کی ترقی ایمان کے لئے دعا فرمائی، آپ کے آرام کرنے کے وقت تک لوگ گروہ در گروہ بیعت کے لئے حاضر ہوتے اور بیعت سے مشرف ہوتے۔

صبح کے وقت ولی محمد اور شہر کے دوسرے شرفاء حاضر خدمت ہوئے، مفتی شرف الدین صاحب نے دعوت کی درخواست کی، ایک دوسرے شخص بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے بھی دعوت کی درخواست کی، جانبین سے کچھ گفتگو بڑھی، آپ نے فرمایا کہ ''بحث کا موقع نہیں، ہمیں آپ سب کی دعوت منظور ہے، لیکن وقت کا تعین آپ کے اختیار میں ہے، آپس میں طے کر لیجئے'' چنانچہ مفتی صاحب کو پہلے موقع دیا گیا اور وہ اپنے گھر کی تمام مستورات اور متعلقین کے ساتھ بیعت میں داخل ہوئے، چھ روز تک اسی محلے میں دعوت و بیعت کا سلسلہ

جاری رہا اور بیعت کرنے والوں کا اژدحام رہا۔

سہارنپور اور اس کے نواح میں اصلاح وتبلیغ کی رَو

سہارنپور میں قصابوں کی برادری کے کئی گھر تھے، ان میں سے اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے، ہیئت ان کی یہ تھی کہ موچھیں بڑھی ہوئیں، زلفیں دراز، لنگوٹ بندھے ہوئے، جس سے صرف شرم گاہ چھپی ہوتی، آپ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ ''تمہاری صورت بالکل ہندوؤں کی سی ہے، موچھیں تراشو، زلفیں رکھنا چھوڑو، پاجامہ پہنو اور یہ لنگوٹ اتارو اور پنج وقتہ نماز کی پابندی کرو'' انہوں نے سب باتیں قبول کیں اور فرمائش کی ایک معلم ان کو دیا جائے، آپ نے حافظ قطب الدین صاحب کو اس کے لئے مقرر کیا، دو تین دن میں تین تین سو آدمیوں نے اپنی موچھیں اور سر درست کر لئے، ان کے ایک چودھری تھے، آپ نے پوچھا ''بھائی تمہارا کیا نام ہے؟'' انہوں نے کہا ''امام بخش'' آپ نے فرمایا ''اچھا آج سے تمہارا نام امام الدین ہے'' اور سب کو تاکید کی کہ اس نام کے سوا اور کسی نام سے چودھری صاحب کو نہ پکارا جائے۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ کو وعظ کا حکم ہوا، مولانا نے تعزیہ داری، قبر پرستی اور شرک و بدعت کی دوسری باتوں کے خلاف وعظ کہا اور کھول کھول کر ان باتوں کی برائی بیان کی اور ان سے منع کیا، لوگوں نے یہ وعظ اور تقریریں سن کر کہا کہ ''ہمیں تو ابھی تک اس بات کی بالکل خبر ہی نہ تھی، ہم تو انہیں امور کو دین وایمان سمجھتے تھے'' انہوں نے تمام خلاف شرع امور سے توبہ کر کے سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور عرض کیا کہ ''آپ ہمارے اس راستے پر ثابت قدم رہنے کے لئے دعا فرمائیں'' آپ نے استقامت کی دعا فرمائی اور وہ اللہ کے فضل و کرم سے متقی اور متورع ہو گئے، آپ نے ان میں چار چودھریوں کو اپنی طرف سے خلیفہ مقرر کیا، ان کے نام یہ ہیں: محمد یار، الٰہی بخش، امام الدین، کریم الدین۔

ان قصابوں کی مستورات بھی بیعت میں داخل ہوئیں اور ان کے گھروں میں آپ کی دعوت ہوئی پچیس روز سہارنپور میں آپ کا قیام رہا، اس عرصے میں قصابوں کی عورتیں خود بھی

نماز روزے پر مستعد ہو گئیں اور دوسروں کو بھی راہ راست پر لائیں، جو عورتیں آپ سے بیعت کر چکی تھیں، لیکن ان کے مرد بیعت سے مشرف نہیں ہوئے تھے، انھوں نے اپنے مردوں سے کہہ دیا کہ "اگر تم نے سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تو ہم تم کو گھر میں گھسنے نہ دیں گے" مردوں نے جب تک بیعت کا پکا اقرار نہیں کیا، انھوں نے دروازے نہیں کھولے۔

محمد یار خاں کے محلے کے لوگوں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ "ہمارے سرگروہ محمد یار خاں جو ابھی تک آپ کی صحبت بابرکت سے فیض اندوز نہیں ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی اشارے کنایے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے منع کرتے ہیں، آپ ان کے حق میں دعا فرمائیں" آپ نے فرمایا کہ "ہدایت تو اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، باقی دعا کرنے سے عذر نہیں، اگر ہدایت الٰہی ان کی طرف متوجہ ہوئی تو خود حاضر ہوں گے" آپ نے شیخ صلاح الدین سے ارشاد فرمایا کہ تہجد کے وقت ہم کو یاد دلانا، شیخ صاحب نے اس وقت یاد دلایا اور آپ نے دعا فرمائی، صبح خان صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "میں تابعدار ہوں، بیعت کا اشتیاق رکھتا ہوں، شیطانی وسوسہ تھا کہ اتنے دنوں توقف کیا" بڑی معذرت کی اور داخل بیعت ہوئے۔

سہارنپور کے محلّہ داؤ دسرا میں نور بافوں کی آبادی تھی، ان کی بھی یہ تمنا ہوئی کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں، برادری نے مشورہ کر کے اپنے دو چودھریوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور اس تمنا کا اظہار کیا کہ غریب خانے پر قدم رنجہ فرمائیں، آپ نے ان کی دعوت قبول کی، انھوں نے شہر کے دوسرے معززین و شرفاء کو بھی مدعو کیا، شرفائے شہر نے جن کو اس برادری کی دعوت میں شریک ہونے اور ان کے مکان پر جانے سے عار تھا، یہ خبر سن کر کہ آپ تشریف لے گئے ہیں، بادل ناخواستہ دعوت میں شرکت کی اور ان کو آپ کا وہاں تشریف لے جانا ناگوار ہوا، اس برادری کے تمام مرد و زن بیعت سے مشرف ہوئے اور ہدیہ پیش کیا، ان کے ایک چودھری کا نام امام بخش تھا، آپ نے ان کا نام بدل کر امام الدین رکھا۔

وہیں محرم کا چاند دیکھا گیا، بعض تعزیہ دار تعزیہ بنانے میں مشغول ہو گئے، آپ نے

مولانا عبدالحی صاحبؒ سے فرمایا کہ "ان دنوں تعزیہ داری کی مذمت پر وعظ کہا جائے" مولانا کے وعظ کی برکت سے اکثر تائب ہوئے، اور کئی آدمیوں نے اپنے بنے بنائے تعزیوں کو توڑ پھوڑ ڈالا اور بعضوں نے جلا دیا اور آپ کے ہاتھ پر تعزیہ داری سے توبہ کی۔

موضع چلکانہ کا ایک شیعہ مذہب شریف زادہ سید رستم علی، جس کی عمر پندرہ برس کی تھی، تین چار دن مولانا عبدالحی صاحبؒ کے وعظ میں شریک ہوا، ایک روز حافظ برخوردار کو ہمراہ لے کر سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "مجھ پر حق منکشف ہو گیا ہے اور میں توبہ کرنا چاہتا ہوں" اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، آپ نے اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو اور تمہاری ہستی اللہ کی رضا مندی کے راستے میں صرف ہو، آپ نے بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اللہ کی عظمت و کبریائی اور اپنے عجز و مسکنت کے مضمون کو بیان کیا، آپ نے اس کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے سپرد کر کے فرمایا کہ "مولانا اس کو نماز کا طریقہ اور دیگر احکام شرعی کی تعلیم فرمائیے" اور خود اس کے حق میں ثابت قدمی اور استقامت کی دعا فرمائی، اس کے اہل خاندان نے اس کی استقامت اور پختگی کو دیکھ کر اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ سے گفتگو میں بند ہو کر کہا کہ "ہم نے اس بچے کو دے دیا، آپ اپنے ساتھ رکھئے" یہ نوجوان حج و سفر جہاد میں برابر ساتھ رہا، مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ اس کو اولاد کی طرح سمجھتے تھے، اور اپنے تمام کام کا اس کو مختار بنا رکھا تھا، سید صاحبؒ نے جیسے کہ دعا فرمائی تھی، مہیار کی جنگ میں شہید ہوا اور اللہ کے راستے میں کام آیا۔

حاجی شیخ احمد کہتے ہیں کہ سید صاحبؒ نے مولوی شاہ رمضان رڑکی والے کو خلافت عطا فرمائی تھی تا کہ اطراف و جوانب کے دیہات میں تعلیم و نصیحت کے لئے دورہ کریں، مولوی صاحب موضع جاٹکا میں پہنچے جو اس خاکسار کا وطن ہے، اور وہاں ایک مسجد میں وعظ فرمایا، میرا سن اس وقت نو سال کا تھا، اور ہندو تھا، میں نے مسجد کے نیچے بیٹھ کر آپ کا وعظ سنا، آپ نے روزہ، نماز وغیرہ اور دوسرے نیک اعمال کے فضائل بیان کئے تین روز تک اسی طرح میں آپ کا وعظ سنتا رہا، میرے دل میں آیا کہ جب ان کا دین اتنا اچھا ہے تو میں بھی اگر یہی

دین قبول کروں تو بہت اچھا ہے، میرا یہ شوق دن بدن بڑھتا رہا، تیسرے روز میں نے ہمت کی کہ میں مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہو جاؤں، میں مسجد میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ مسلمان آپ کا وعظ سننے کے لئے بیٹھے ہیں، اور بہت سے ہندو علیٰحدہ علیٰحدہ مسجد کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں، میں بھی وہیں جا کر کھڑا ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد دل میں ایسا سرور پیدا ہوا کہ میں اس کے نشے سے سرشار ہو گیا، یہاں تک کہ بے اختیار ہوکر مولوی صاحب کے پاس جا کر عرض کیا کہ ''میں مسلمان ہوتا ہوں، مجھے آپ مسلمان کر لیجئے'' مولوی صاحب نے اپنے پاس بٹھا کر پوچھا ''تم مسلمان ہوتے ہو؟'' میں نے کہا ''جی ہاں'' آپ نے مجھے اپنے ایک بھائی کے ساتھ سید صاحبؒ کی خدمت میں سہارنپور بھیج دیا، اور میں اسی ذوق وشوق کی حالت میں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔

محسن خاں ومحمد حسین سہارنپوری بیان کرتے ہیں کہ ''جب یہ بچہ آپ کی خدمت میں سہارنپور پہنچا، آپ نے اس کو اپنے پاس بٹھایا، بار بار اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس ہادی مطلق کی شان دیکھو، اس کا نور ہدایت جس کے دل پر پڑ جاتا ہے، وہ خود راہ راست تلاش کرتا ہے'' پھر مولانا عبدالحی صاحبؒ سے فرمایا کہ ''نام خدا اس بچے کو کلمہ توحید کی تلقین کیجئے اور اس نیک کام میں ذرا دیر نہ کیجئے'' مولانا ممدوح نے کلمے کی تلقین کی، آپ نے فرمایا کہ ''اس کا کوئی نام بھی تجویز کر دیجئے'' مولانا کی زبان سے نکلا ''کریم الدین'' اس وقت مجلس میں اہل شہر کا ہجوم تھا، انہوں نے کہا کہ ''یہ نام رکھنے سے بعض لوگ ناراض ہوں گے'' کیونکہ عمائد شہر میں سے کئی آدمیوں کا یہی نام ہے، آپ نے فرمایا کہ ''اچھا پھر اس کا نام احمد رکھو اس لئے کہ یہ میرا نام ہے'' آپ نے اس بچے کو حکیم مغیث الدین کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ ''اس کو نماز سکھایئے، اور قرآن کی تعلیم دیجئے، اور دین کے احکام ومسائل سے واقف کیجئے، جب ہم آپ کو اپنے سفر حج کی اطلاع کریں تو اس کو بھی اپنے ساتھ لیتے آیئے گا، ان شاء اللہ یہ حاجی ہوگا'' پھر آپؒ نے اپنے تمام ہمراہیوں اور اہل شہر میں سے جو لوگ حاضر تھے، نیز مولانا عبدالحیؒ ومولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کو جمع کیا اور ان دو صاحبوں سے خطاب کر کے فرمایا

"جہالت کی چند باتیں لوگوں کے ذہن میں ایسی بیٹھ گئی ہیں کہ اگر یہ باتیں دل سے نہ نکلیں تو اندیشہ ہے کہ آخر میں دین وایمان میں خلل نہ آجائے"۔

اول یہ کہ جب کسی کا بچہ مرجاتا ہے، اور اللہ اس کو دوسرا بچہ عطا کرتا ہے تو وہ اس پہلے بچے کا نام دوسرے بچے کا نام نہیں رکھتا اس ڈر سے کہ کہیں وہ بچہ بھی نہ مرجائے۔

دوسرے یہ کہ کوئی غریب مسلمان اپنے بچے کا نام روساء میں سے کسی کا نہیں رکھ سکتا۔

تیسرے یہ کہ دولت مند و امراء غرباء کی دعوت قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں اور ان کو اس میں سبکی اور ذلت محسوس ہوتی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کھانا ہم پکاتے ہیں، بیچارے غریب لوگ نہیں پکا سکتے، کیونکہ اس سے ہمسری اور برابری ٹپکتی ہے۔

اس کے علاوہ بھی بعض ایسی ہی باتیں فرمائیں، اور ان من گڑھت باتوں کی تردید فرمائی اور مولانا عبدالحی صاحبؒ کو وعظ کا حکم دیا، مولانا نے ایسی روانی وخوش بیانی سے وعظ فرمایا کہ ہر ایک کا دامن آنسوؤں سے تر ہو گیا ہر شخص کی زبان پر آمنّا وصدّقنا تھا، وعظ کے ختم ہونے پر آپ نے احکام الٰہی کی اطاعت کی دعا کی، جن لوگوں نے کریم الدین نام رکھنے سے منع کیا تھا، انہوں از سرنو بیعت اور سید صاحبؒ کے ہاتھ پر توبہ کی۔

مسلمانوں کے علاوہ سلیم الطبع ہندو بھی آپ سے حسن ظن اور محبت کرنے لگے، ایک روز تحصیل دار دھوکل سنگھ آئے اور کھڑے کھڑے عرض کیا کہ کل اس غلام کے ہاں جناب کی دعوت ہے، آپ نے فرمایا "تشریف رکھئے" انہوں نے کہا کہ "جب تک میری دعوت قبول نہیں ہوگی نہیں بیٹھوں گا" آپ نے فرمایا "قبول ہے" تحصیل دار بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ "کل کس وقت سواری لے کر حاضر ہوں؟" فرمایا "دو گھڑی دن نکلے کسی کو بھیج دیا جائے ہم آجائیں گے" دوسرے روز وقت مقررہ پر اپنے عملے کے دوسو آدمیوں کے ساتھ جن میں سے اکثر مسلمان شرفاء تھے، حاضر ہوئے، آپ سوار ہو کر ان کے مکان پر تشریف لے گئے، ان کے تمام مسلمان ہمراہی شرف بیعت سے مشرف ہوئے، تحصیل دار نے بڑے پر تکلف انواع واقسام کے کھانوں سے

ضیافت کی، کھانے کے بعد عطریات اور پان سے تواضع کی، شام کے وقت پھر حاضر ہوکر تمام قافلے کو اپنے ساتھ لے گئے، اس وقت پلاؤ وغیرہ اور اکثر مٹھائیاں تھیں، تحصیل دار نے اعزاز واکرام اور تواضع وخاطر داری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔(۱)

سہارنپور اور مظفر نگر کے قصبات

دوآبے کے یہ وہ مقامات ہیں، جہاں سید صاحبؒ کے تشریف لے جانے کا ذکر محسن خاں کی روایت میں ہے، اور مولوی سید جعفر علیؒ نے "منظورۃ السعداء" میں ان کا تذکرہ کیا ہے دوآبے کے معمر بزرگوں اور علماء ومشائخ کے بیانات وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ انبیٹھ، گنگوہ، نانوتہ (ضلع سہارنپور) تھانہ بھون اور کاندھلہ (ضلع مظفر نگر) بھی تشریف لے گئے۔

انبیٹھ

"تذکرۃ الرشید" میں ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا کہ "سید صاحب انبیٹھ میں بھی تشریف لائے، میاں صابر بخش سجادہ نشین شاہ ابوالمعالی کے یہاں دعوت ہوئی تھی" (۲) گنگوہ بھی سید صاحبؒ تشریف لائے تھے، اور مکلے کی سرائے میں قیام ہوا تھا، چند شخص یہاں شرف بیعت سے مشرف بھی ہوئے تھے، جن میں ایک شخص یہاں کی مسجد میں رہتا تھا، بڑا ہی متبع سنت تھا، اس کی عادت تھی، جب رمضان شریف گزر چکتا تو لوگوں سے کہہ دیتا، بھائیو! "ایک برس کی میری زندگی اور نکل آئی" لوگ ہنسا کرتے کہ ہر رمضان کے بعد یوں ہی کہہ دیتا ہے، حتی کہ رمضان کی سات تاریخ کو انتقال کیا۔(۳)

نانوتہ

سید صاحبؒ نانوتہ بھی تشریف لے گئے، وہاں بھی بہت سے لوگ مرید ہوئے، ایک مرید نے بیان کیا "میری آنکھوں میں پھر رہا ہے کہ سید صاحبؒ مسجد جامع کے وسطی دروازے میں کھڑے ہیں، نہایت شکیل جمیل تھے، آپ نے اپنی پگڑی اتار کر ایک سرا اپنے

---

(۱) "منظورۃ السعداء" (۲) "تذکرۃ الرشید" جلد۲ص ۱۷۱ (۳) ایضاً ص ۱۷۲

ہاتھ میں لے کر باقی بیعت کرنے والوں کو پکڑا دی، لوگ برابر دوسرے سرے تک اس کو پکڑے ہوئے تھے اور پگڑی کنکھجورے کی شکل معلوم ہوتی تھی، کیونکہ دونوں طرف سے اس کو تھامے ہوئے تھے۔'' (۱)

کاندھلہ میں مفتی الٰہی بخش صاحبؒ جو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگرد اور مرید تھے، بیعت ہوئے اور ان کے خاندان اور قصبے کے اکثر اہل علم اور شرفاء بیعت میں داخل ہوئے ''ارمغانِ احباب'' میں ہے:

جب سید صاحبؒ کاندھلہ تشریف لے گئے، تو اس وقت مولوی ابوالحسن (۲) صاحب سن رسیدہ تھے، ان کے صاحبزادے مولوی نورالحسن آٹھ دس برس (۳) کے تھے، اور زیور پہنے ہوئے تھے، جب سید صاحبؒ تشریف لائے تو صاحبزادہ صاحب آکر بیٹھ گئے، سید صاحبؒ نے فرمایا، ''مولانا یہ کون ہیں؟'' انہوں نے کہا ''بندہ زادہ'' فرمایا'' یہ کیا پہنے ہوئے ہیں کیا یہ جائز ہے؟'' کچھ ایسی تقریر فرمائی کہ وہ شرمندہ ہوئے اور اسی وقت انہوں نے اس کو اتروا ڈالا، عورتوں نے بہت دند مچایا کہ یہ نئے مولوی کہاں سے آئے ہیں؟ ہمارے مولویوں نے کبھی نہیں منع کیا، اب نئ کتابیں بنی ہیں؟ جو پہلے تھیں وہی اب بھی ہیں، مولوی صاحب نے فرمایا کہ واقعی کتابیں تو وہی ہیں، جو پہلے تھیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ ہم کو کیا ہو گیا تھا۔'' (۴)

اس دورے میں کم از کم چھ مہینے کی مدت صرف ہوئی، دورے سے دہلی واپسی ہوئی،

---

(۱) ''تذکرۃ الرشید'' جلد۲ ص۲۷۲

(۲) مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا ابوالحسن متخلص بہ حسن مصنف ''مثنوی گلزار ابراہیم'' متوفی ۱۲۶۹ھ

(۳) مولوی نورالحسن صاحب کی ولادت ۶/ ربیع الآخر ۱۲۲۷ھ میں ہوئی (بیاض مفتی الٰہی بخش صاحبؒ) اس حساب سے ربیع الاول ۱۲۳۴ھ میں ان کی عمر سات سال کی تھی۔

(۴) ''ارمغان احباب''

کچھ عرصے قیام فرما کر آپ نے رائے بریلی کے سفر کی تیاری کی۔(۱)

سفر کے برکات واثرات

آپ کا یہ پورا سفر بارانِ رحمت کی طرح تھا کہ جہاں سے گزرتا ہے، سرسبزی وشادابی، بہار وبرکت چھوڑ جاتا ہے، دیکھنے والوں کا متفقہ بیان ہے کہ جہاں آپ تھوڑی دیر ٹھہر گئے، وہاں مساجد میں رونق، اللہ رسول کا چرچا، ایمانوں میں تازگی، اتباع سنت کا شوق، اسلام کا جوش پیدا ہوگیا، اور کہیں کہیں شرک وبدعت اور رفض کا بالکل خاتمہ ہوگیا اور جو بستیاں اور مقامات آپ کے قدوم سے محروم رہے، وہ ان نعمتوں سے محروم رہے، سالہا سال تک یہ اثر اور فرق رہا، راقم سطور کے والد مرحوم مولانا سید عبدالحی صاحبؒ اپنے سفر نامہ ''ارمغانِ احباب'' میں مولانا ذوالفقار علی صاحب (۲) کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

> ''مولانا ذوالفقار علی فرماتے تھے کہ سید صاحبؒ، اس نواح (دیوبند وسہارنپور) کے اکثر قصبہ جات میں تشریف لے گئے، وہاں اب تک خیر وبرکت ہے، اور دو ایک گاؤں اور قصبے ایسے ہیں، جہاں نہیں گئے وہاں اب تک وہی نحوست اور شامت باقی ہے چنانچہ منگلور نہیں گئے، وہاں کے

---

(۱) اندازہ ہے کہ سید صاحبؒ کا دوآبے کا دورہ ذی قعدہ ۱۲۳۳ھ کی کسی تاریخ کو شروع ہوا، آپ راستے میں کہیں پانچ روز کہیں دس روز کہیں سترہ روز ٹھہرتے ہوئے سہارن پور پہنچے، سہارن پور ہی میں محرم (۱۲۳۴ھ) کا چاند دیکھا، سہارن پور سے گرد ونواح کے دوسرے مقامات (انبیٹھ، گنگوہ، تھانہ بھون، کاندھلہ وغیرہ) تشریف لے گئے، کاندھلہ پہنچنے کی تاریخ ۷ ار ربیع الاول ۱۲۳۴ھ ہے، مراجعت دہلی کی تاریخ کی تعیین مشکل ہے، لیکن کاندھلہ کے بعد دہلی پہنچنے تک زیادہ عرصہ نہیں لگنا چاہئے، اس لئے کہ اکثر اہم مقامات پر جانا ہو چکا تھا، میرا اندازہ ہے کہ جمادی الاولیٰ کے آخر تک دہلی واپسی ہوگئی ہوگی، اس طرح واپسی پر ڈیڑھ دو مہینے دہلی قیام رہا ہوگا، دہلی سے رائے بریلی کو روانگی آخر رجب تک ضرور ہوگئی ہوگی، اس لئے کہ واپسی کے سفر میں آپ کا قیام کہیں ایک روز، کہیں دو روز، اور کہیں اس سے زیادہ روز ہوا ہے، غازی آباد میں جو سفر کی پہلی منزل تھی، آپ سے جب زیادہ قیام کی درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ ''مہینہ رمضان شریف کا قریب آیا ہے، ہمارا رہنا، یہاں دو چار دن نہیں ہوسکتا'' (وقائع ص ۱۵۸) وقائع میں تصریح ہے کہ ''ماہ رمضان المبارک کی چاندرات کو حضرت مع الخیر اپنے شہر رائے بریلی میں داخل ہوئے، فجر کو سب نے روزہ رکھا'' (وقائع ص ۱۸۲)

(۲) مولانا ذوالفقار علی دیوبندی بڑے عالم، ادیب اور شاعر تھے، آپ کے صاحبزادے مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الہند کے لقب سے معروف خاص وعام ہیں۔

لوگوں میں وہی جہالت و قساوت ہے، اور ایک مختصر گاؤں ہے، جہاں مسلمانوں کے دو چار گھر ہیں، اتفاقاً سید صاحبؒ کسی ضرورت سے وہاں بھی گئے ہیں وہاں بھی خیر و برکت پائی جاتی ہے، گویا کہ ایک نور مستطیل ہے کہ جدھر جدھر وہ گئے ادھر ادھر وہ پھیل گیا ہے"۔

میاں محمد حسین نواح سہارنپور کے ایک بزرگ اور سید صاحبؒ کے مرید نے والد مرحوم سے فرمایا:

"جہاں جہاں حضرت کے قدم گئے، وہاں وہاں برکت کے آثار پائے جاتے ہیں، ایک جگہ تشریف لے گئے، اس قصبے میں نومسلموں کا محلّہ پہلے ملتا تھا، انہوں نے حضرت کو روک لیا، قاضی کے محلے تک نہ جانے دیا، اب خدا کی قدرت دیکھئے، نومسلموں کا محلّہ نہایت سرسبز ہے اور وہ لوگ بہت خوشحال ہیں، اور قاضیوں کا محلّہ ویران پڑا ہوا ہے۔"

سب سے زیادہ سید صاحبؒ کا اثر دہلی اور سہارنپور کے نواح میں ہوا اور حقیقت میں یہی آپ کے مرکز رہے، چنانچہ دینداری میں بھی یہ اطراف سارے ہندوستان میں ممتاز ہیں، والد مرحوم نے ۱۳۱۲ھ میں سفر کیا، اپنے سفرنامے میں سہارنپور کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:

"اس وقت تک سہارنپور کے جس قدر قصبوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے، وہاں کے ہر فرد بشر کو سید صاحبؒ کا دم بھرتے پایا، جو ہے، ان کی محبت میں چور ہے، اور سب بالاتفاق کہتے ہیں کہ ہم کو ایمان و اسلام کی سیدھی راہ انہیں سے ملی ہے، برائے نام ہم مسلمان تھے، جتنے مشائخ ہیں، وہ سب اسی سلسلے کو مقدم جانتے ہیں، میں نے فی عمری سید صاحبؒ کا اتنا چرچا کہیں نہیں دیکھا، اس طرف کی مساجد عموماً آباد ہیں ہر مسجد میں حمام گرم ہو رہے ہیں، ہر مسلمان کم سے کم نماز و تلاوت کا ضرور شائق ہے، میرے گمان میں ضلع سہارنپور کے اشرار ہماری طرف کے اخیار سے اچھے ہیں، اور اخیار کا

کیا پوچھنا ہے؟ ان کی تو نظیر اس طرف نہیں ملتی، کسی رنگ میں ہیں، مگر خدا کی لَو لگی ہوئی ہے، بے تکلف اور سچے دیندار مسلمان ہیں، مجلس وعظ معمور رہتی ہے، ابتدا سے انتہا تک نہایت شوق اور رغبت کے ساتھ سنتے ہیں، ہماری طرف کے (اودھ) کے مسلمانوں کی طرح نہیں ہیں کہ سو میں ایک، مجلس وعظ میں بیٹھتا ہے اور دل میں یہی خیال رہتا ہے کہ اب اٹھوں تب اٹھوں''۔

اس تمام سفر میں مولانا محمد اسمٰعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ ہمرکاب تھے، ان کے مواعظ سے بہت اصلاح وانقلاب ہوا، اس ایک سفر نے وہ کام کیا، جو بڑے بڑے مشائخ کا تزکیۂ باطن اور بڑے بڑے علماء ومصلحین کی برسوں کی تربیت ظاہر کرتی ہے، ہر ہر جگہ سیکڑوں آدمی متقی، متورّع، عابد، متبع سنت اور ربانی بن گئے، ہزاروں فاسق، صالح اور اولیاء اللہ ہو گئے، بیسیوں آدمی قتل کے ارادے سے آئے، اور جاں نثار بن کر گئے، اور گھر بار چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے، یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں شہید ہو گئے، جس نے ایک مرتبہ زیارت کر لی وہ آپ کے رنگ میں رنگ گیا اور مرتے مرتے مر گیا، مگر شریعت سے ایک قدم نہ ہٹا، عورتوں اور بچوں کی بھی یہی حالت تھی، جوق جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی آنکھیں روشن کرتے، ایمان تازہ کرتے، دعوت دیتے اور اپنے گھر، مال اور اولاد میں برکت حاصل کرتے، بارہا ایسا ہوا ہے کہ لوگوں نے دعوت کی ہے، اور دس پانچ آدمیوں کے اندازے سے کھانا پکوایا، لیکن وقت پر سو ڈیڑھ سو آدمی سید صاحبؒ کے خادم اور معتقد آ گئے، صاحب خانہ نہایت پریشان ہوئے، سید صاحبؒ نے اپنی چادر دے دی کہ وہ کھانے پر ڈال دی گئی اور کھانا نکالا گیا اور سب کے لئے کافی ہوا، بلکہ بچ گیا۔

مولانا عبدالحیؒ، مولانا اسمٰعیلؒ کا یہ حال تھا کہ سواری کے ساتھ پیدل چلتے، لگام تھامتے، جوتیاں اٹھاتے، آپ سوتے تو وہ ساری رات جاگتے۔

رائے بریلی کو واپسی اور مشرقی اضلاع کا دورہ

سفر رائے بریلی

دہلی سے آپ نے رائے بریلی کے سفر کا قصد فرمایا اور شنبے کا روز سفر کے لئے معین ہوا، جمعے کے روز مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ نے دعوت کی، آپ نے مولانا کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی، مولانا عبدالحیؒ نے مسجد اکبرآبادی میں عصر تک وعظ فرمایا، دوسرے روز آپ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے رخصت ہوئے،(۱) اور سفر پر روانہ ہوئے، آپ کے ساتھ پچاس سے زائد ہمراہی تھے۔

دہلی سے شاہدرہ ہوتے ہوئے غازی آباد قیام فرمایا، غازی آباد کے ایک حافظ صاحب نے درخواست کی کہ ''تین چار روز یہاں قیام فرمایا جائے، لوگ بہت مشتاق ہیں، وہ سب فیض یاب ہوں گے'' آپ نے فرمایا کہ ''ماہ مبارک قریب ہے، آج تو قیام رہے گا، کل ان شاء اللہ وطن کو روانگی ہو جائے گی'' اس روز کثرت سے لوگوں نے بیعت کی۔

غازی آباد میں آپ کو برادر معظم مولانا سید محمد اسحٰق صاحب کی خبر وفات معلوم ہوئی۔(۲) آپ نے قاصد سے خط لے کر جو رائے بریلی سے بھیجا گیا تھا، پڑھا، چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا،

(۱) یہ آپ کی آخری ملاقات تھی، اس کے بعد نہ آپ کا دہلی آنا ہوا، نہ شاہ صاحبؒ سے ملنا، آپ حج سے ۱۲۳۹ھ میں واپس ہوئے، اسی سال آپ کی واپسی کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے انتقال فرمایا اور آپ نے وطن میں اس کی خبر سنی۔

(۲) تاریخ انتقال ۷؍ جمادی الآخر ۱۲۳۴ھ

لیکن خاموش رہے اور خط ایک رفیق مبارک علی کے حوالے کیا، جو ناخواندہ تھے تاکہ ہمراہیوں کو اطلاع نہ ہو، ورنہ وہ رنجیدہ ہوں گے، اور کوئی کھانا نہ کھائے گا، آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ سے فرمایا کہ ہمارے بھائی صاحب مولانا سید محمد اسحٰق نے انتقال کیا، محسن خاں، جن کو سید اسحٰق سید صاحبؒ کی ہمراہی کے لئے چھوڑ گئے تھے، یہ سن کر زار وقطار روئے، آپ نے فرمایا "محسن خاں! صبر کرو، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے" لوگوں نے کھانا کھایا، آپ نے بھی آدھی رات کو کچھ تناول فرمایا۔(۱)

"وقائع" میں ہے "سب نے نماز (مغرب) پڑھی، بعد اس کے حضرت سید المجاہدین بیٹھے تھے، قصبہ رائے بریلی سے ایک بھاٹ آپ کے یہاں سے خط لایا، آپ نے چراغ نزدیک منگوا کر وہ خط پڑھنا شروع کیا، پھر تھوڑا سا پڑھ کر خط لپیٹ ڈالا اور آپ کا چہرۂ مبارک متغیر ہوگیا، لوگوں نے پوچھا کہ "حضرت کیا خبر ہے؟" آپ نے کچھ نہ بتایا، اس عرصے میں صاحب دعوت نے کہا کہ "حضرت کھانا تیار ہے" آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ "تم سب صاحبو! کھانا کھالو میں اس وقت نہ کھاؤں گا" مولانا عبدالحیؒ، مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ نے کہا کہ "حضرت کچھ سبب تو معلوم ہو ویسے تو ہم کھالیتے، مگر اب ہم بھی نہیں کھاسکتے" آپ نے وہ خط مولانا کے حوالے کیا اور فرمایا کہ "ہمارے بھائی صاحب مولوی سید محمد اسحٰق کا انتقال ہوگیا" یہ بات سن کر سب کو بہت رنج ہوا، پھر مولانا صاحب نے کہا کہ "حضرت اب تو جو ہونا تھا ہوا، سوائے صبر کے کچھ چارہ نہیں مگر دو چار لقمے کھانا کھالیجئے کہ آپ کے سبب سے سب کھائیں گے، اور بغیر آپ کے کوئی نہ کھائے گا، ان کے کہنے سے حضرت نے دو چار لقمے کھائے اور سب لوگوں نے کھانا کھایا، پھر نماز عشاء پڑھ کر سب لوگ سو رہے۔"(۲)

صبح غازی آباد سے کوچ ہوا اور قصبہ ہاپوڑ قیام ہوا، وہاں کے بہت سے شرفاء اور غرباء

---

(۱) "منظورۃ السعداء" (۲) "وقائع احمدی" ص ۱۵۸۔۱۵۹

بیعت سے مشرف ہوئے،(۱) وہاں سے کوچ فرما کر قصبہ گڈھ مکتیسر قیام فرمایا، وہاں بھی لوگ بیعت و توجہ سے فائز ہوئے، وہاں سے چل کر امروہہ ٹھہرنا ہوا، امروہے میں قصبے کی سرائے میں (ایک روز) قیام رہا، امروہہ سے چل کر مرادآباد منزل ہوئی اور وہاں کی سرائے میں قیام ہوا، قاضی شہر ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے، اور کھانے کی دعوت دی، کھانا تناول فرمانے کے بعد قاضی صاحب مع اپنے اہل وعیال کے بیعت ہو گئے، آپ نے قاضی صاحب کو خلافت عطا فرما کر وعظ و نصیحت کی اجازت دی، اسی شب نواب علی محمد خاں ایک اشارۂ غیبی سے متوجہ ہو کر ایک بڑی جماعت کے ساتھ سرائے میں داخل ہوئے اور عرض کیا کہ ''ہمارا آپس میں کچھ نزاع و اختلاف ہے، جناب والا ایک ہفتہ مرادآباد میں قیام فرمائیں اور ہمارا آپس میں اتفاق کرا دیں'' انہوں نے شام کے کھانے کی دعوت بھی دی، آپ نے فرمایا کہ ''دعوت تو قبول ہے لیکن ایک ہفتے کے قیام میں ہمارا حرج ہوگا، رمضان شریف قریب ہے'' انہوں نے عرض کیا کہ '' کچھ تو قیام ضروری ہے، اس لئے کہ یہ بھی خدا کا کام ہے'' شام کو قاضی صاحب آئے اور آپ ان کی ہمراہی میں نواب صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے، کھانے سے فراغت کے بعد نواب مع خاندان کے مرید ہو گئے۔(۲)

دوسرے روز شام کو مرادآباد کے دوسرے رئیس محمد میاں کے یہاں دعوت ہوئی، ان کے یہاں بھی بہت مردوں اور عورتوں نے بیعت کی۔(۳)

مرادآباد میں دو چار روز قیام فرما کر آپ رام پور تشریف لائے اور حاجی زین العابدین خاں کے یہاں فروکش ہوئے۔(۴)

رام پور سے بریلی منزل ہوئی، نواب بریلی آپ کی زیارت کے لئے جامع مسجد آئے اور آپ کو سوار کرا کے اپنے مکان لے گئے، نواب صاحب کے دیوان خانے کے سامنے چند قبریں تھیں، حضرت نے پوچھا کہ ''یہ قبریں کس کی ہیں؟'' نواب صاحب نے کہا کہ ''ہمارے گھرانے کے لوگ اسی جگہ مدفون ہیں'' آپ وہاں چل کر ان کے واسطے دعا کریں، حضرت

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ۱۵۹ (۲) ''منظورہ'' (۳) ''وقائع'' ص ۱۶۹ (۴) ''منظورہ''

نے فرمایا ''بہت خوب مگر آج نہیں، کل کسی وقت ہمارے پاس آیئے گا، تو پہلے شہر کے گورستان میں جا کر وہاں کے غرباء کے واسطے دعا کریں گے، پھر یہاں آکر ان کے واسطے بھی دعا کریں گے'' نواب صاحب سن کر اس بات پر راضی ہو گئے، رات کو کھانا تناول فرمانے کے بعد نواب صاحب کے تمام اہل وعیال نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، دوسرے دن آپ گاڑی پر سوار ہو کر شہر کے مقابر میں تشریف لے گئے اور دیر تک وہاں دعا میں مشغول رہے، اس کے بعد وہاں سے نواب صاحب کے گھرانے کے مقبرے میں تشریف فرما ہوئے، وہاں دیر تک دعا کی، پھر جامع مسجد میں آئے۔(۱)

کئی روز کے بعد بانس بریلی سے اپنے وطن رائے بریلی کو روانہ ہوئے، میاں دین محمد کہتے ہیں کہ ''راہ میں کئی جگہ کچھ کچھ حالات گزرے، مگر وہ تمام وکمال یاد نہیں۔''

''ماہ رمضان کی چاند رات (۲۹ رشعبان ۱۲۳۴ھ) کو حضرت مع الخیر تمام رفقاء کے ساتھ شہر رائے بریلی میں داخل ہوئے'' فجر کو سب نے روزہ رکھا۔(۲)

رائے بریلی کا قیام

جب آپ رائے بریلی پہنچے تو ستر سے اوپر آدمی آپ کے ساتھ تھے، قحط کا زمانہ تھا، تقریباً سو آدمیوں کی خورد ونوش کا بار آپ پر تھا، بڑی تنگی تھی، جس کی وجہ سے مسجد اور گھر میں چراغ نہیں جل سکتا تھا، بڑی ابتلا کا زمانہ تھا، لیکن سکینت الٰہی کی وجہ سے غم غلط تھا، اور جماعت مطمئن تھی، کبھی اگر کسی عزیز نے بہت شکایت کی اور دعا کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً غیب سے انتظام فرمادیا۔

اس موقع پر مولوی محمد علی صاحب ''مخزن احمدی'' نے اپنا چشم دید واقعہ لکھا ہے، جس سے اس قیام کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، مولوی صاحب لکھتے ہیں:-

''مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ متواتر دو روز سے ایک دانہ میرے حلق سے نہ اترا تھا، ادھر یہ کڑاکے کا فاقہ، ادھر بارش کا یہ حال کہ معلوم ہوتا تھا کہ

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۱۷۷-۱۷۸ (۲) ایضاً ص ۱۸۲

اب برس کر پھر نہ برسے گی، معلوم ہوتا تھا کہ آسمان کے دہانے کھل گئے ہیں، ہر طرف سے سیلاب امنڈتا چلا آتا تھا، تمام دنیا جل تھل ہو رہی تھی، میں دو روز کے فاقے کا مارا بستر پر کروٹیں لے رہا تھا، نیند اس حالت میں کیا آتی؟ آخر پریشان ہو کر اٹھا اور مسجد میں آیا، وہاں چراغ نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرا گھپ تھا، حضرت چند آدمیوں کے ساتھ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، میں جب مجلس کے قریب پہنچا تو میں نے کہا ''دوستو، تمہارا کیا حال ہے؟'' مولانا محمد اسمٰعیل نے فرمایا کہ ''آؤ تم بھی یہاں کی تجلی بے رنگی کا تماشہ دیکھو'' حضرت نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا، میں نے مجلس کا عجیب حال پایا، سرور و شادمانی کے دروازے کھلے ہوئے تھے، غم و فکر ان سے کوسوں دور تھا میں نے روتے روتے حضرت کا دامن پکڑا اور عرض کیا کہ ''گھر کے تمام مرد عورتیں اور بچے ایسی بھوک میں مبتلا ہیں، جس کا اظہار زبان سے نہیں ہو سکتا، آپ تو صبر و توکل اور وقار و تحمل کا پہاڑ ہیں لیکن ہم تو اس درجے کے صابر و متوکل نہیں، اپنی قرابت اور رشتے کا واسطہ، دعا کا تیر کمان سے نکالئے، اور قوت مالا یموت کے لئے بارگاہ خداوندی میں درخواست کیجئے'' آپ نے ہنستے ہوئے اہل مجلس سے فرمایا کہ ''محمد علی بھوک کی تکلیف سے بہت از خود رفتہ ہو گئے ہیں، مجیب الدعوات کی بارگاہ میں دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کچھ انتظام فرمائے'' اس کے بعد آپ نے نہایت تضرع و زاری و انکسار و خاکساری کے ساتھ دعا فرمائی، ایک گھڑی سے زیادہ نہیں گزری تھی کہ بادل چھٹ گیا اور چاند نکل آیا، حضرت تمام اہل مجلس کے ساتھ روتے ہوئے سجدۂ شکر میں گر گئے، ابھی آپ نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا تھا کہ سئی ندی جو تکیے کی مسجد کے نیچے ہی بہتی ہے، اور اس وقت بڑی طغیانی پر تھی، اس کے دوسرے کنارے سے مسافروں کی آواز آئی کہ ''ملاح کشتی لاؤ اور ہم کو پار اتارو'' حضرت نے مسجد سے

نکل کر پوچھا کہ ''کہاں سے آتے ہو اور کون ہو؟'' انہوں نے جواب دیا کہ ''ہم لوگ حضرت کے مرید خاص سید محمد یٰسین داروغۂ توپ خانۂ انگریزی کے بھیجے ہوئے ہیں اور ارادت کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں'' سیلاب کی وجہ سے دریا بڑے زور وشور سے بہہ رہا تھا، آپ نے ایک ماہر کشتی ران کو بھیجا وہ ان کو اتار کر لایا، انہوں نے کپڑے بدلے اور سید محمد یٰسین صاحب کی بھیجی ہوئی چند اشرفیاں اور کچھ روپئے اپنی طرف سے خدمت میں نذر کیئے، آپ نے ان اشرفیوں سے کھانے کا انتظام کیا، دوسرے وقت محبت سے میرے کان پکڑ کر کہا ''کہو کچھ کھانے کی اشتہا باقی ہے'' میں نے عرض کیا کہ ''ایک ہفتے کا تو سامان ہو گیا ہے اب میں بے فکر ہوں'' فرمایا ''ایک ہفتہ کیا چیز ہے؟ ہمیں رزاق مطلق کی رزاقی پر اعتماد ہے کہ اگر سندھ کے ریگستانوں میں یا عرب کے بادیے میں ہوں اور آب ودانا ناپید ہو اور ہفت اقلیم کے باشندے ہمارے ساتھ ہوں تو ہم کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب سے سامان کرے گا'' (۱)

رائے بریلی کا یہ قیام مجاہدہ وتربیت اور جسمانی وروحانی مشغولیت وخدمت کا خاص دور تھا، سید صاحبؒ بھی عام لوگوں کے ساتھ مشقت کے کاموں میں شریک ہوتے، لکڑیاں چیرتے، بوجھ اٹھاتے، یہ زمانہ بڑے روحانی وعلمی فیوض وبرکات کا زمانہ تھا، سید صاحبؒ کا وجود، علماء ومشائخ ہندوستان کا اجتماع، یکسوئی یہ سب نعمتیں جمع تھیں، جو کم جمع ہوتی ہیں، ایک غیر معروف چھوٹا سا گاؤں کہکشاں بن گیا تھا، جس کی زمین پر چاند کے ساتھ سارے روشن ستارے اتر آئے تھے، ہندوستان کے منتخب اور نامور علماء ومشائخ، مولانا محمد اسمٰعیل، مولانا عبدالحی، مولانا محمد یوسف پھلتی، حاجی عبدالرحیم ولایتی، شاہ ابو سعید مجددی (خلیفہ حضرت شاہ غلام علیؒ) ایک وقت میں جمع تھے۔

یہ قیام عجیب ذوق وشوق، لذت وحلاوت اور جفاکشی کا تھا اور مہاجرین کے قیام

---

(۱) ''مخزن احمدی'' ص ۴۲، ۴۰، ۷'' وقائع احمدی'' اور ''منظورۃ السعداء'' میں اس طرح کے متعدد واقعات درج ہیں۔

مدینہ منورہ سے بہت مشابہ تھا، سید صاحبؒ اور رفقاء جن میں ہندوستان کے جلیل القدر علماء اور صاحب سلسلہ مشائخ تھے، بڑے ذوق سے اپنے ہاتھوں سے مشقت کے کام کرتے، لکڑیاں چیرتے، گھاس چھیلتے، اینٹیں تھاپتے، مسجدیں تعمیر کرتے، فاقے اور ہر حال میں خوش رہتے، ایک سوز و گداز، ایک محویت و جذب کا عالم تھا، کسی کو نہ شکایت تھی، نہ افسوس، ان میں اچھے اچھے عالی خاندان، خوش حال رئیس، امیر زادے تھے، بہت سے نازک طبع اور ناز پروردہ نوجوان تھے، ان کے گھر میں کسی بات کی کمی نہ تھی، بعضوں کے سیکڑوں، ہزاروں معتقد و مرید تھے، مگر گھر بار، عیش و آرام، مشیخت و مخدومیت چھوڑ کر اس در پر پڑے ہوئے تھے، اور ہزار درجے خوش تھے۔

ایک تبلیغی دورہ

اسی زمانہ قیام میں آپ نے ایک تبلیغی دورہ فرمایا(۱)، یہ دورہ رائے بریلی سے مشرق کی جانب سلون، اہلا دگنج، الہ آباد، بنارس وغیرہ کی طرف تھا۔

---

(۱) اس زمانے کے حالات و واقعات اور دور و سیر کے سلسلے میں ہم نے ''وقائع احمدی'' اور ''منظورۃ السعداء'' کی ترتیب کی پیروی کی ہے، دونوں کی ترتیب واقعات حسب ذیل ہے، مراجعت وطن از دہلی، تنگی معیشت وفاقہ و دعا، تعمیر مساجد، سفر اصلاح و تبلیغ (سلون، اہلا دگنج، الہ آباد، بنارس، وغیرہ) سفر لکھنؤ اس کے بعد دونوں میں یہ اختلاف ہوتا ہے کہ ''وقائع احمدی'' میں سفر لکھنؤ کے بعد سفر نصیر آباد ہے، اس کے بعد خواب و نکاح ثانی کا واقعہ ''منظورہ'' میں سفر لکھنؤ کے بعد خواب و نکاح ثانی کا واقعہ ہے، پھر نصیر آباد کا سفر اور محرم کا واقعہ۔

''مخزن احمدی'' میں واقعات کی ترتیب اس سے بہت مختلف ہے، اس کی ترتیب حسب ذیل ہے، مراجعت رائے بریلی، تنگی وعسرت و دعا و رؤیائے صادقہ و نکاح ثانی، واقعہ نصیر آباد، دورۂ لکھنؤ، مراجعت، تعمیر مساجد و دورہ تبلیغی اس ترتیب میں دورۂ تبلیغی بہت آخر میں سفر لکھنؤ کے بھی بعد ہے، بہت سے وجوہ و اسباب کی بنا پر ''وقائع'' اور منظورہ کی ترتیب واقعات تعیینِ سنین، واقعہ کی جزئیات و تفصیلات ''مخزن احمدی'' پر ترجیح حاصل ہے، خاص طور پر جب دونوں مقدم الذکر کتابیں باہم متفق ہوں، تو یقیناً ''مخزن'' کے مقابلے میں قابل ترجیح ہیں، البتہ ان تینوں کتابوں میں تعمیر مساجد کو حج سے پہلے جگہ دی گئی ہے، ''وقائع'' اور ''منظورہ'' میں تو دہلی سے واپسی (۳۴ھ) کے بعد بالکل شروع کے واقعات میں درج کیا گیا ہے، لیکن خود مسجد کی تعمیر کے حسابات کے قدیم کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مسجدیں ۱۲۴۰ھ میں (حج کے بعد) تعمیر ہوئی ہیں، اس لئے اس کو ۴۰ھ کے واقعات میں درج کیا جائے گا۔

رائے بریلی سے چل کر غالباً پہلی منزل سلون ہوئی (۱)، سلون میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی ایک مشہور خانقاہ ہے، یہاں گیارہویں صدی ہجری میں شاہ پیر محمد صاحب (متوفی ۱۰۹۹ھ) نے جو شاہ عبدالکریم صاحب مانکپوریؒ کے ممتاز خلیفہ اور حضرت شاہ علم اللہؒ کے معاصر تھے، قیام اختیار کیا اور ان کی اولاد میں بڑے بڑے صاحب علم اور صاحب سلسلہ بزرگ گزرے ہیں، جن میں شاہ محمد اشرف خاص طور پر نامور اور ممتاز تھے، سید صاحبؒ جب سلون تشریف لے گئے تو شاہ کریم عطا صاحبؒ سجادہ نشین تھے، (۲) اور اتفاق سے عرس کا زمانہ تھا، (۳) اس خاندان میں عرس کے موقع پر علاوہ دوسرے رسوم کے گاگر اٹھانے کی رسم مدت سے چلی آرہی تھی، (۴) مانک پور اور سلون دونوں جگہ دستور تھا کہ سجادہ نشین کورا گھڑا سر پر اٹھا کر لاتے اور ان کی تبعیت میں دوسرے مرید و خدام بھی کورے گھڑے اٹھائے ہوئے چلتے اور قوالی ہوتی، سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء نے یہ تمام رسوم اور مناظر دیکھے، شاہ پیر محمد صاحبؒ سلونی اور شاہ علم اللہ صاحبؒ کے خاندانوں میں باہم احترام و اعتراف کا معاملہ رہا تھا اور دونوں ایک دوسرے سے خوب واقف تھے، سید صاحبؒ نے شاہ کریم عطا صاحبؒ سے خود گفتگو فرمائی، آپ نے فرمایا کہ ”آپ لوگ درویش و ہادیِ دین ہیں، آپ کے اقوال و افعال عوام الناس کے نزدیک حجت اور دستاویز

(۱) سلون شہر رائے بریلی سے بیس میل پر ایک قدیم قصبہ ہے، آج کل ضلع رائے بریلی کی ایک تحصیل ہے۔

(۲) شاہ کریم عطا سجادہ نشین سلون شاہ محمد پناہ کے صاحبزادے اور شاہ محمد اشراف کے پوتے، اپنے پردادا شاہ پیر محمد کے سجادے کی زینت تھے، ۱۵؍ ربیع الآخر ۱۱۷۶ھ میں پیدا ہوئے، قرأت سبعہ کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا اور اپنے والد سے علم و طریقت میں کسب فیض کیا، سخاوت و ایثار تواضع و حسن اخلاق میں اپنے آبائے کرام کی یادگار تھے، ۱۲۴۸ھ میں وفات پائی۔

(۳) یہ شاہ محمد اشرف کا عرس تھا، جن کی وفات ۱۱۶۷ھ میں ہوئی۔

(۴) گاگر کی رسم حضرت شاہ حسام الحق مانکپوریؒ کے شیخ حضرت شاہ نور الحق (نور الدین احمد بن عمر) پنڈوی (م ۸۱۸ھ) کی یادگار ہے، روایت ہے کہ ایک بار حضرت شاہ نور الحق محفل سماع میں شریک تھے، خادم نے اطلاع دی کہ پانی ختم ہوگیا ہے، اس وقت آپ پانی کی تلاش میں بذات خود اٹھے، آپ کے ساتھ ساری محفل اٹھی اور قریب کے تالاب یا دریا سے گاگروں میں پانی بھر کر واپس آئے، حضرت شاہ حسام الحق نے اس واقعہ کی یادگار میں یہ رسم جاری کی، چنانچہ سلون و مانکپور کی خانقاہوں میں یہ رسم اب تک جاری ہے، گاگر اٹھاتے وقت قوالی ہوتی ہے، سلون کی خانقاہ سے چند فرلانگ پر ایک تالاب ہے، اس سے پانی بھرا جاتا ہے، تعظیماً گاگر کو سر پر رکھتے ہیں، وسط میں سجادہ نشین ہوتے ہیں، جن کے ارد گرد معتقدین گاگر اٹھائے ہوئے ساتھ ہوتے ہیں۔

ہوتے ہیں، یہ جو ہر سال آپ عرس کرتے ہیں اور اس کے اندر جو منہیات شرعیہ ہوتے ہیں، از راہ انصاف فرمایا جائے کہ یہ طریقہ سنت سنیہ کے موافق ہے، یا مخالف، اگر موافق ہے، فہوالمراد، ورنہ اس کو ترک کر دینا چاہیے۔'' (۱)

شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کا جواب پھر کسی وقت ملاقات کے موقع پر دیا جائے گا، دوسرے روز آپ نے مولانا عبدالحی صاحب کو آپ کے پاس بھیجا، مولانا آپ کے پاس گئے اور اس مسئلے میں گفتگو کی، انہوں نے فرمایا کہ مزید گفتگو دوسرے موقع پر ہوگی اور سید صاحبؒ کو پیغام بھیجا کہ آپ سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں، سید صاحبؒ یہ پیغام پاتے ہی خود تشریف لے گئے، اس گفتگو میں شاہ صاحبؒ نے اعتراف فرمایا کہ ان اعمال و بدعات کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، ان کا درجہ صرف رسوم کا ہے، جو مشائخ کے زمانے سے سلسلہ بہ سلسلہ چلی آ رہی ہیں، آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے ترک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (۲)

سلون میں شاہ صاحبؒ کے اہل تعلق میں سے کچھ لوگوں نے بیعت کی اور عرض کیا کہ ''آپ کل بھی یہاں قیام فرمائیں، اس قصبے کے اکثر لوگ مولانا عبدالحی صاحبؒ کے وعظ کے مشتاق ہیں'' آپ نے فرمایا کہ ''کل ہم کو جانا ضرور ہے، اگر خیر سے اللہ تعالیٰ ہم کو پھر لائے گا، تب مولانا صاحب کا وعظ سن لینا، آج کی رات جس کو جو کچھ مسئلہ پوچھنا ہو، مولانا صاحب سے پوچھ کر اپنی تسلی کر لے'' چنانچہ جس کو جو مسئلہ پوچھنا منظور تھا، اس نے اس رات کو آ کر پوچھ لیا اور مولانا نے اس کی دلجمعی کر دی، اسی رات کو وہاں کے اکثر لوگوں نے آ کر بیعت کی اور صبح کو آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا۔ (۳)

سلون سے روانہ ہو کر آپ نے اہلا دگنج (۴) میں قیام فرمایا، وہاں والی لکھنؤ کی طرف سے ایک عامل (حاکم) کاظم بیگ نام تھا، اس نے بھی آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور اس کے رفقاء اور ہمراہیوں نے بھی شرف بیعت حاصل کیا، دو یا تین روز آپ نے وہاں بھی قیام فرمایا۔

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۲۶۳ (۲) ایضاً ص ۲۶۵ (۳) ایضاً ص ۲۶۶

(۴) اہلادگنج پرتاپ گڑھ سے جانب جنوب مغرب تقریباً ۳۲ میل پر واقع ہے

اہلا دگنج سے روانہ ہو کر الہٰ آباد قیام ہوا، الہٰ آباد میں بارہ دائرے مشہور تھے ''وقائع احمدی'' میں ہے آپ نے لوگوں سے صلاحاً پوچھا کہ کہاں اتریں، انہوں نے کہا کہ اب تو کسی سرائے میں اتر جائیں، پھر کوئی مکان تلاش کر لیں گے، اس عرصے میں بارہوں دائروں کے پیرزادوں کو حضرت کے قدوم میمنت لزوم کی خبر معلوم ہوئی، انہوں نے اپنے اپنے دائروں میں اتارنے کا ارادہ کیا آخر الامر ایک بزرگ شاہ رحمٰن نام ان پیرزادوں میں سرگروہ تھے، انہوں نے حضرت کو مع تمام رفقاء کے اپنے دائرے میں اتارا(۱) ''منظورہ'' میں ہے کہ دائرہ شاہ اجمل میں قیام فرمایا۔(۲)

الہٰ آباد میں شیخ غلام علی صاحب جو راجہ اودت نرائن کے عامل تھے، ملاقات کو آئے اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے، بیعت ہوتے ہی منہیات شرعیہ سے توبہ کی اور تمام ممنوعات، سونے چاندی کے ظروف اور آلات لہو ولعب کو توڑ پھوڑ ڈالا اور ان آلات لہو ولعب کو دریا میں پھنکوا دیا اور ان کے بیچنے کو بھی پسند نہ کیا، سید صاحبؒ کا ایسا معتقد صادق، مخلص بے ریا اور محبّ باوفا دیکھنے میں نہیں آیا۔(۳)

شیخ صاحب کے علاوہ صدہا شرفاء اور غرباء نے بیعت کی اور شرک و بدعات سے تائب ہوئے، یہ حال دیکھ کر ایک شیعہ رئیس دھومن خاں نے دو آدمی آپ کی خدمت میں بھیجے کہ وہ آپ سے گفتگو کریں، خیال یہ تھا کہ اگر بات بڑھی اور جھگڑے کی صورت پیدا ہوئی تو الزام قائم کر کے حکومت کے ذریعہ شہر سے اخراج کا حکم حاصل کر لیا جائے گا، یہ دونوں آدمی

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۲۶۶

(۲) شاہ اجمل الہ آبادی تیرہویں صدی میں شمالی مغربی ہند کے مشہور مشائخ میں سے تھے، شاہ محمد ناصر کے صاحبزادے اور مشہور محدث وصوفی مولانا محمد فاخر زائر الہ آبادی کے بھتیجے، ۱۲ر شوال ۱۱۶۱ھ میں ولادت ہوئی، ابتدائی کتابیں مولانا محمد فصیح جونپوری سے، منطق مولانا محمد اسلم سے نیز قاضی مستعد خاں اور شاہ یٰسین سے علوم آلیہ کی تعلیم حاصل کی، حدیث اپنے عم نامدار کے شاگرد مفتی محمد ناصح مفتی لشکر سے پڑھی طریقت کی تعلیم اپنے چچازاد بھائی شاہ قطب الدین فاخر سے حاصل کی اور ان کے سفر حرمین کے بعد اپنے آبائی سجادے کو رونق بخشی، حسن اخلاق، تواضع وانکساری اور علمیت و درویشی میں شہرۂ آفاق تھے، یکم ذی الحجہ ۱۲۳۶ھ میں انتقال کیا (نزہۃ الخواطر ج ۷)

(۳) ''وقائع احمدی''

سید صاحبؒ سے بیعت ہو گئے۔(۱) شاہ اجمل صاحب نے سید صاحبؒ کے آبائے کرام کے فضائل و کمالات بیان کئے اور فرمایا کہ ''بزرگوں کی اولاد بزرگ ہی ہوتی ہے'' سید صاحبؒ نے الہٰ آباد میں زیادہ قیام مناسب نہیں سمجھا کہ ''مبادا ہمارے رہنے سے مفسد لوگ کچھ شہر میں بلوہ کر بیٹھیں۔''(۲) اور بنارس کی طرف کوچ فرمایا۔

''وقائع احمدی'' میں ہے، جاڑے کا موسم تھا، قطرہ افشانی ہو رہی تھی، جب شہر بنارس کچھ دور رہا، تب حضرت نے فرمایا ''اس شہر میں تاریکی بہت معلوم ہوتی ہے'' لوگوں نے کہا ''کس چیز کی تاریکی ہے؟'' آپ نے فرمایا ''کفر و شرک کی تاریکی۔''(۳)

بنارس میں کندی گروں گے محلے میں بسھسر کی مسجد کے قریب ایک بادشاہی مسجد مدتوں سے ویران پڑی تھی، بہت کوڑا اور گوبر جمع تھا، آپ نے اس کو صاف کروایا اور خوب دھلوایا اور اسی میں اترے۔(۴) اس محلے کے چند مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اس شہر میں ایک گشائیں بڑا نامی تھا اور اس کے بہت سے چیلے بھی تھے، وہ تمام ہندوؤں کا گرو تھا، حضرت کے وہاں اترنے سے اس کے ذکر و فکر اور دھیان گیان میں خلل واقع ہوا، اس نے اس بات کا تذکرہ اپنے چیلوں سے کیا اور کہا کہ ''اس شہر میں کئی روز سے ایک سید اترے ہیں، ان کی نسبت کے پرتو سے ہمارا کاروبار درہم برہم ہو گیا(۵)، حضرت نے بھی اپنے لوگوں سے فرمایا کہ ''اس شہر میں ہمارے آنے کے سبب گشائیوں کے سحر اور استدراج کے کاروبار معطل اور بیکار ہو گئے۔''(۶)

مولانا عبدالحی صاحبؒ نے کئی روز اس مسجد میں وعظ فرمایا، بہت سے شہر کے مسلمان خصوصاً اس محلے کے مسلمان کندی گر اور دھوبی وعظ سننے کو آئے، ان مسلمانوں کے وہاں ایک پیر تھے، انہوں نے سید صاحبؒ کے آنے اور لوگوں کے رجوع ہونے کا حال سنا تو ایک رنگین رومال اور کچھ مٹھائی کے الائچی دانے اپنے خادم کے ہاتھ سید صاحبؒ کو بھیجے اس خادم نے سید صاحبؒ سے آکر کہا کہ ''ہمارے فلانے پیر و مرشد نے یہ تبرک آپ کو بھیجا ہے، اور فرمایا ہے کہ ''یہ جو

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۲۶۷، ۲۶۸ (۲) ایضاً ص ۲۶۸ (۳) ایضاً ۲۶۹ (۴) ایضا (۵) ایضا (۶) ایضا

آپ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں، مفید نہ ہوگا، یہ تمام لوگ ہمارے مرید ہیں اور یہاں کا دستور آپ کو معلوم نہیں، اگر آپ کچھ فتوحات حاصل کرنے کو آئے ہیں تو ہم سے آ کر ملاقات کریں، پھر جو ہم اس کی تدابیر بتائیں وہ آپ عمل میں لائیں، تب تو کچھ حاصل ہوگا، ورنہ آپ مختار ہیں"۔

یہ سن کر مولوی وحید الدین صاحب نے سید صاحبؒ سے اجازت لی کہ وہ پیر صاحب کے پاس جائیں، سید صاحبؒ نے اجازت دے دی، مولوی وحید الدین صاحب سادہ غریبوں کا لباس پہن کر اور کئی آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر ان کے مکان پر گئے، اور ان سے ملاقات کی، انہوں نے پوچھا "آپ ہی اس شہر میں تشریف لائے ہیں، اور لوگوں سے بیعت لیتے ہیں؟" مولوی صاحبؒ نے کہا کہ "وہ ہمارے پیر و مرشد ہیں" ہم تو ان کے ادنیٰ مریدوں میں ہیں، لوگوں سے آپ کے اخلاق حمیدہ سن کر آپ کی ملاقات کو آئے ہیں، مولوی وحید الدین کا کمال باطنی دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر پیر صاحب کو سید صاحبؒ کی ملاقات کا اشتیاق ہوا اور اگلے روز صبح وہ سید صاحبؒ کی خدمت میں تشریف لائے، سید صاحبؒ نے ان کو بہت عزت و احترام سے بٹھایا اور عافیت مزاج پوچھی، انہوں نے کہا "آپ کو اور آپ کے آدمیوں کو دیکھا اور ان کی گفتگو سنی تو سمجھے کہ یہ لوگ تو اور ہی قسم کے ہیں" انہوں نے سید صاحبؒ سے کہا کہ "حضرت سلامت، ہماری توجہ معاش یہ ہے کہ تمام مریدوں کے یہاں ششماہی مقرر ہے، کوئی ایک روپیہ کوئی دو روپیہ کوئی کم زیادہ دیتا ہے، اور یہ لوگ پیشہ ور ہیں، ان سے پنج وقتی نماز کہاں ہو سکتی ہے؟ اسی کی معافی میں یہ ہم کو چھٹے مہینے مقدور کے موافق کچھ زر نقد نذر کرتے ہیں، مگر رمضان کے روزوں کی ہم ان کو بہت تاکید کرتے ہیں، اس میں جو کوئی عذر کرتا ہے کہ "ہم حقہ پیتے ہیں یا کوئی نشہ کھاتے ہیں، ہم سے روزہ نہیں رہا جاتا تو ہم ان سے اس ششماہی کے سوا کچھ اور نقدی یا دو چار دعوتیں وغیرہ ٹھیرا کر کے ان کو معاف کر دیتے ہیں، یہ ہم لوگوں کی گزران کی صورت ہے، اگر آپ کو کچھ فتوحات منظور ہو تو اس کی یہ راہ ہے جو ہم نے بیان کی اور آگے آپ کو اختیار ہے"۔

سید صاحبؒ نے یہ تمام داستان سن کر فرمایا کہ "جو کچھ آپ فرماتے ہیں فی الحقیقت

اس وقت کے پیروں کا یہی دستور ہے، اور اسی آمدنی پر ان کی گزران ہے، مگر یہ طور قرآن وحدیث کے مخالف ہے، آپ بھی بغور اس کو دریافت کریں اور ہم مسلمانوں کا طریق تو خدا ورسول کے فرمانے کے موافق ہونا چاہئے، جو قرآن وحدیث کے موافق ہو، اس کو ہم بھی عمل میں لاویں اور آپ بھی، اور جو کچھ خدا ورسول کا طریق آپ کو معلوم ہو، وہ آپ ہم کو تعلیم فرمادیں، ہم سیکھیں اور جو ہم کو آتا ہے وہ ہم آپ کو بتادیں، وہ آپ مانیں، ہمارا تو صرف مقصد یہ ہے اور روزی اور رزق تو خدا کے ہاتھ میں ہے''۔

انہوں نے کہا'' بیشک یہی حق ہے، جو آپ نے فرمایا'' اس عرصے میں انہوں نے سید صاحبؒ کی جماعت کے لوگوں کے باطنی کمالات اور روحانی ترقیات دیکھیں، اس سے ان کو بڑی حیرت ہوئی، اور انہوں نے کہا کہ ان میں سے گویا ہر ایک صاحب کمال ہے، پھر انہوں نے سید صاحبؒ سے رخصت چاہی کہ پھر میں کسی وقت آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوں گا، یہ کہہ کر وہ اپنے مکان کو گئے اور رات ہی کو اس شہر سے مع اہل وعیال کہیں کو چلے گئے اور کسی مرید سے مل کر بھی نہیں گئے، مریدوں کو اس قصے کی اطلاع ہوئی تو وہ سب ان سے بے اعتقاد ہو گئے اور سب نے سید صاحبؒ سے بیعت کی اور کہا کہ'' ہم تو آج تک اسی کو دین اسلام اور خدا کی راہ جانتے تھے، جس پر وہ ہم کو چلاتے تھے، اب معلوم ہوا کہ ہم لوگ غلطی پر تھے، دین حق اور خدا کا طریق یہ ہے، جو آپ تعلیم فرماتے ہیں، اب ہم نے ان سب اگلی باتوں سے توبہ کی۔''(۱)

نور بافوں نے خصوصیت کے ساتھ بیعت کی، مرزا کریم اللہ بیگ رئیس شہر اور شاہ عبداللہ جن کا لباس شنگرفی ہوا کرتا تھا، جو میاں صابر بخش دہلویؒ سے بیعت تھے، ارادت و بیعت میں داخل ہوئے، اہل شہر نے مولانا عبدالحی صاحبؒ سے مسائل دریافت کر کے بہت فائدہ اٹھایا اور ہدایت پائی۔(۲)

بنارس سے کوچ فرما کر آپ نواح سلطانپور وغیرہ میں رونق افروز ہوئے غلام حسین

---

(۱)''وقائع احمدی'' ص ۲۷۶، ۲۸۲ باختصار (۲)''منظورہ''

خاں کے لشکر میں جو حاکم لکھنؤ کی طرف سے وہاں کا ناظم تھا، دو ہفتے کے قریب رہے اور بہت لوگوں کو ہدایت ہوئی۔(۱)

مولوی سید محمد علی صاحب ''مخزن'' جو اس سفر میں غالباً ساتھ تھے، بعض تفصیلات وواقعات کا اضافہ کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ قصبہ گتنی، مہرورہ ،اہلا دگنج اور شہر الہ آباد وغیرہ اور اطراف ونواح سے متعدد دعوت نامے اور تشریف آوری کے پیام آئے، چنانچہ آپ ایک سو ستّر کے قافلے کے ساتھ رائے بریلی سے روانہ ہوئے، چونکہ ایک روز پہلے سے لوگوں کو اس سفر کا علم تھا، آپ ایک میل بھی طے نہیں کر پائے تھے کہ چپ وراست سے معتقدین ومخلصین کا مجمع کثیر اکٹھا ہوگیا، اور لوگ اپنے قصبات ومواضعات میں، جو راستے سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع تھے، تشریف لے چلنے کے لئے منت سماجت کرنے لگے، آپ ان کی خاطر تشریف لے گئے اور ان کے متعلقین نے بیعت کی سعادت حاصل کی، انہوں نے دعوت قبول کرنے کے لئے بھی درخواست کی اور ایک دو شب اصرار کرکے ٹھہرایا، قصہ کوتاہ رائے بریلی سے الہ آباد پہنچنے میں جو دو چار منزل سے زائد نہیں ہے ایک مہینے سے اوپر کی مدت صرف ہوگئی۔

اسی سفر میں ایک روز مغرب وعشاء کے درمیان ایک ایسے گاؤں میں پڑاؤ ہوا، جو ویران وبے چراغ تھا، بڑی تلاش وجستجو سے بعض کاشتکاروں کے یہاں سے دو من دال چاول ملے، دیگ وغیرہ وہاں کیا ملتی، کسی کسگر کے یہاں بمشکل دس بارہ پیالے مل سکے، مجبوراً انہیں میں کھچڑی پکی، قابیں اور پلیٹیں کہاں ملتیں،؟ ایک کنویں کی گچ کو دھو اور صاف کرکے اسی پر کھچڑی انڈیل لی گئی اور آپ نے اور قافلے نے خدا کا شکر کرکے کھالیا۔(۲)

دس پندرہ روز الہ آباد میں قیام رہا، فقراء واُمراء میں سے ایک خلقت نے بیعت کا شرف حاصل کیا، اسی دوران میں بنارس سے بہت سے خطوط اور درخواستیں تشریف آوری کے لئے آئیں، آپ نے بنارس کا عزم فرمایا اور مسجد بسہسر میں قیام فرمایا، ایک مہینہ بنارس میں قیام رہا، تقریباً دس پندرہ ہزار مرد عورت نے بیعت کی، اس زمانۂ قیام میں آپ تمام رفقاء کو ذکر

(۱)''وقائع احمدی''و''منظورہ'' (۲)''مخزن احمدی''ص ۵۶

سری و جہری کی برابر تاکید فرماتے رہتے کہ یہ شہر کفر و شرک کی ظلمت سے بھرا ہوا ہے، اس کو اپنے ذکر کے انوار سے منور کردو، ایک ہفتہ نہیں گزرا ہوگا کہ بہت سے گرو اور جوگی حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ آپ جلد اس شہر سے تشریف لے جائیں کیونکہ ہمارے دھیان گیان میں بڑا فتور اور خلل واقع ہو رہا ہے، آپ نے بڑی نرمی اور ملائمت سے ان کو نصیحت فرمائی اور ان کو دعوت اسلام دی، لیکن انہوں نے اس کا اثر نہیں لیا۔

بنارس سے روانہ ہو کر سلطانپور اور رسولی وغیرہ میں غلام حسین خاں کے لشکر میں جو والی لکھنؤ کی طرف سے اس علاقے کا ناظم تھا، قیام فرمایا، اکثر سپاہ پیشہ لوگوں اور محرروں نے جو قدیم زمانے سے معتقد تھے، بیعت کی اور آپ نے دو ہفتے اس لشکر میں قیام فرمایا، وہاں سے آپ رائے بریلی اپنے وطن واپس تشریف لائے۔(۱)

---

(۱) ''مخزن احمدی'' ص ۵۷

سفر لکھنؤ

لکھنؤ کا سفر

ایک سو ستر آدمیوں کے قافلے کے ساتھ آپ نے لکھنؤ کا سفر فرمایا، یہ لکھنؤ کا پہلا سفر تھا، جو آپ نے اصلاح و تبلیغ کی نیت سے فرمایا۔(۱)

لکھنؤ کا نوابی عہد

یہ نواب غازی الدین حیدر (سن جلوس ۱۲۲۹ھ) کی بادشاہی اور معتمد الدولہ آغا میر کی وزارت کا آغاز تھا، لکھنؤ میں دولت ستانی، بدنظمی، حق تلفی اور تعیش کا دور دورہ تھا۔

غازی الدین حیدر نے قسم کھائی تھی کہ وہ مسکرات کے قریب نہیں جائیں گے، چند روز ہوش گوش سے کام کرتے رہے، آغا میر کو جو بڑے جوڑ توڑ سے منصب معتمدی پر فائز ہوئے تھے یہ کیوں کر گوارا ہوسکتا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ''پیر و مرشد نے حضرت عباس کی قسم کھائی ہے اور غلام بنی فاطمہ ہے، اس کا مظلمہ غلام کے ذمے ہے''۔ ع

تو مشق ناز کر، خون دو عالم میری گردن پر

---

(۱) ''وقائع احمدی'' اور ''منظورۃ السعداء'' دونوں کی ترتیب میں لکھنؤ کا سفر تبلیغی دورے کے بعد ہی متصل پیش آیا، ''وقائع'' میں یہاں تک تصریح ہے کہ ''جب سفر بنارس سے حضرت امیر المومنینؒ مع الخیر تکیے پر تشریف لائے، پھر بعد چند روز کے ارادہ سفر لکھنؤ کا کیا'' ''وقائع'' ص ۲۸۳

پھر تو ایسے بدمست ہوئے کہ جس بدنصیب کو نواب نے داخل اموات کر دیا، اس کو اگر بادشاہ نے کہیں راہ میں دیکھ کر پہچانا اور نواب سے کہا کہ یہ تو جیتا ہے، عرض کرتے کہ "اس کو غلام چشم بشری سے نہیں دیکھ سکتا، پیر و مرشد کی چشم مبارک البتہ عالم ارواح کو دیکھ سکتی ہے" حاضرین بھی نواب کے خوف سے یہی عرض کرتے، ہر شخص کی عافیت تنگ تھی، جعل، فریب کا بازار گرم تھا ملازمین و متوسلین کی تنخواہیں کئی کئی سال کی چڑھی ہوئی، جس طرح بن پڑتا، وہ لوٹ مار کر کے پیٹ پالتے تھے، سوداگروں سے مال واسباب خرید کیا جاتا تھا اور برسوں قیمت نہیں ملتی تھی، ریزیڈنٹ تک کوئی پہنچ گیا تو قیمت ملی، ورنہ جان کی بھی خیر نہیں، اپنے لئے محل سرائیں بنوائیں تو سیکڑوں کی خانہ ویرانی ہوگئی، ایک کروڑ سے کم عمارتوں پر خرچ نہیں ہوا۔ (۱)

معتمد الدولہ کی نیابت اور وزارت کے زمانے میں ایک کوڑی خزانے میں نہیں داخل ہوئی، ملک کی تمام آمدنی معتمد الدولہ کی فرمائشوں میں آتی تھی، عاملوں کی طرف سے خزانۂ شاہی میں روپے کی ارسال آنا بند ہوگئی، عامل سے لے کر ادنیٰ محرر تک کسی کو اس بات کی پروانہ تھی کہ کوئی شخص ہمارا گریباں گیر ہوگا، سب علاقوں کی آمدنی کے گلچھرے اڑانے میں مصروف تھے، نواب سعادت علی خاں کے عہد میں گیہوں ایک روپیہ کے بیس سیر سے کم نہیں بکے اور اس عہد دولت میں ابتدائے جلوس سے آخر تک آٹھ دس سیر سے زیادہ فروخت نہیں ہوئے (۲)، شہر میں جعل، فریب، جوڑ بندی کی کثرت اور کھل کر نفاق کی صورت تھی، ہر چھوٹی سرکار میں بھی یہ صورت ہونے لگی، بادشاہ کے بھائیوں کو جب کئی برس تک تنخواہ نہیں ملی، بعض نے مفلسی کی مجبوری سے جلائے وطن اختیار کیا، نواب کے بعض بھائیوں نے مظلومانِ شہر پر ظلم وتعدی پر کمر باندھی تھی، جس کا چاہا مال لے لیا۔ (۳)

عیش وعشرت، لہو ولعب اور ہنسی مذاق کا تمام گلزار لکھنؤ میں بہار پر تھا، اہل لکھنؤ کی طبیعتیں عوام سے لے کر خواص تک عیش پر مائل تھیں، سید انشا (م ۱۲۳۳ھ) کی "دریائے لطافت"

---

(۱) حاشیہ "گل رعنا" تذکرہ شیخ امام بخش ناسخ، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، قیصر التواریخ جلد اول، از سید کمال الدین حیدر مشہدی معروف بہ سید محمد میرزا ص ۲۴۶-۲۵۷

(۲) تاریخ اودھ "از مولوی نجم الغنی رامپوری ص ۱۶۲، ج ۴ (۳) "قیصر التواریخ" ص ۲۵۰، جلد اول

کی تالیف میں مرزا قتیل بھی شریک ہیں، اس کے مطالعے سے اس زمانے کے ادب کی بے ادبی، پست مذاقی، ادبی نسوانیت اور دماغی شہوانیت کا پورا پتہ چلتا ہے، دلی اور لکھنؤ کے روزمرہ اور بیگمات کی زبان، حتیٰ کہ قواعد صرف ونحو، منطق اور بیان وبدیع اور علم عروض کی تشریح کے لئے جو مثالیں اور عبارتیں پیش کی گئی ہیں، ان سے اس زمانے کے اخلاقی انحطاط اور بے اعتدالیوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے(۱)، سعادت یار خاں رنگین کے حوالے سے بیگمات کی زبان کے جو نمونے اور محاورات واصطلاحات نقل کئے گئے ہیں، ان سے اس وقت کی معاشرت کی پستی اور اخلاقی آلودگی کی تصویر سامنے آجاتی ہے(۲)، فن عروض کی اصطلاحات کا ترجمہ بھی اسی زبان میں کیا گیا ہے "زحاف" کا نام "سنگار" رکھا ہے، رکن سالم کا "صاحب طائفہ" "رقاص" و "خانگی" "فرع" کا "نوچہ" "صاحب طائفہ" یا "کنیزان خانگی" نام مقرر کیا ہے "مفاعیلن" کو ہمیشہ "پری خانم" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

سلطنت کا مرکز ہونے کی وجہ سے لکھنؤ اودھ کے شرفاء، اہل حرفہ اور ملازمت پیشہ لوگوں کا مرجع اور امیدواروں کا قبلہ حاجات ہورہا تھا، قصبات کے صدہا شرفاء اور اودھ کی سرکار کے متوسل اور صدہا امیدوار قسمت آزمائی کے لئے پڑے ہوئے تھے، جو لکھنؤ کے اثرات سے متأثر نہیں ہوئے تھے، قصبات اور شریف خاندانوں کا جو ہر بھی لکھنؤ آرہا تھا، انسانوں کے اس ذخیرے میں صدہا کام کے موتی تھے، جو گویا ایک نظر کیمیا اثر کے منتظر تھے، مولوی امام الدین لکھنوی، شاہ یقین اللہ اور ان کے بیٹے مولوی عبدالوہاب، امان اللہ خاں اور سبحان اللہ خاں، غلام حیدر خاں، مرزا ہمایوں بیگ وغیرہ یہیں سے ہاتھ آئے، جو بعد میں عجیب وغریب سیرت واخلاق کے انسان ثابت ہوئے، ان اخلاقی کمزوریوں کے باوجود، جو پرعشرت زندگی اور ایرانی تہذیب کا نتیجہ تھیں، اہل لکھنو میں بہت سی خوبیاں بھی تھیں، اثر پذیری کی صلاحیت تھی، دین کی عظمت ووقعت تھی، شرافت اور عالی حوصلگی تھی، جوانمردی اور سپہ گری تھی، اور قدیم مشرقی سیرت واخلاق کی بہت سی ایسی خصوصیات پائی جاتی تھیں جو اس دور میں مفقود ہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہو دریائے لطافت، ص ۴۰، ۵۰، ۵۴، ۵۵، ۵۷ (۲) ایضاً ص ۱۶۰، ۱۷۲

لکھنؤ کے لئے سید صاحبؒ اجنبی اور نامانوس نہیں تھے، آپ کے خاندان کی عالی نسبی، آپ کے بزرگوں کا تقدس وتقویٰ، استقامت اور اتباع شریعت دور دور مشہور اور ہر جگہ مسلم تھا، اور ہر جگہ ان کا عقیدت وعزت کے ساتھ نام لیا جاتا تھا، شاہ علم اللہؒ کے زہد وورع اور بدعات سے نفرت اور شریعت پر استقامت کے قصے ابھی لوگوں کو یاد تھے، اور ان کے پوتے حضرت شاہ لعل صاحبؒ کو تو ابھی کچھ زیادہ زمانہ نہیں ہوا تھا، اودھ کے بہت سے قصبات میں اور خود لکھنؤ میں بہت سے لوگ ان سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے، فرنگی محل کے مولانا ازہار الحق صاحب (ملک العلماء مولانا عبدالعلی بحر العلوم کے داماد) ان سے بیعت تھے، اور اسی سلسلے میں ملک العلماء مولانا عبدالعلی بحر العلوم بوہار جاتے ہوئے شاہ لعل صاحب کی خانقاہ میں ٹھیرتے ہوئے گئے تھے۔

قندھاریوں کی چھاؤنی میں اور دوسرے رسالے داروں کی چھاؤنی میں بہت سے لوگ پہلے سے آپ کے خاندان کے بزرگوں کے مرید اور آپ کے خاندانی معتقد تھے، عبدالباقی خاں قندھاری اور فقیر محمد خاں بہادر (۱) ان میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

لکھنؤ کو روانگی

آپ رائے بریلی سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئے آپ کی سواری میں یکہ تھا، اس پر آپ

(۱) فقیر محمد خاں جن کا نام لکھنؤ کے سفر کے حالات میں بار بار آئے گا، بخشی محمود خاں آفریدی کے خاندان سے تھے جو نواب قائم خاں بنگش والی فرخ آباد کے معتمد اور مدار المہام تھے، اور نواب صاحب موصوف کے ساتھ ۱۱۶۴ھ میں حافظ رحمت خاں کے مقابلے میں مقتول ہوئے۔ فقیر محمد خاں نواب میر خاں کے لشکر سے سید صاحبؒ سے ارادت اور حسن عقیدت رکھتے تھے، آپ نے اور فقیر محمد خاں نے نواب صاحب ممدوح کے لشکر میں ساتھ زمانہ گزارا تھا، جب وہ کارخانہ درہم برہم ہوا تو فقیر محمد خاں لکھنؤ آ گئے، معتمد الدولہ نے تین سو روپے کی اسامی میر علی پناہ بنارسی کی دے کر رسالدار کیا، جب غازی الدین حیدر بادشاہ ہوئے اور میر نذر علی داماد معتمد الدولہ کو جرنیلی کا عہدہ ہوا تو انہوں نے فقیر محمد خاں نیابت پر مقرر ہوئے، سید صاحبؒ کی لکھنؤ سے واپسی پر فقیر محمد خاں کو معتمد الدولہ کے یہاں سے خلعت ہوا، دس ہزار روپے نقد ملے اور ہاتھی، پالکی، شملہ، مندیل، دوشالہ، سپر، تلوار اور اس کے علاوہ بہت سامان ملا، ہزار روپے مشاہرہ ہوا اور پندرہ سو سوار اور دو ہزار پیادے رکھنے کا حکم اور محمدی کا پرگنہ علاقہ ہوا، فقیر محمد خاں شجاع اور دلیر آدمی تھے، شعر وسخن سے بھی ذوق رکھتے تھے گویا تخلص تھا صاحب دیوان تھے، شیخ امام بخش ناسخ سے مشورہ تھا۔

اور سید محمد صاحب (۱) سوار تھے، سید عبدالرحمٰن گھوڑے پر تھے، اس روز تکیے سے چل کر حسن گنج میں رہے، دوسرے روز شب کو بعد نماز عشاء سید عبدالرحمٰن سے فرمایا کہ "کچھ رات رہے تم آگے چل کر قندھاریوں کی چھاؤنی میں اپنے مکان کو صاف کروا کر فرش بچھوار کھو اور بھنے ہوئے چنے اور نمک مرچ پسا ہوا اور کچھ گڑ بھی تیار رکھنا، ہم فجر کی نماز پڑھ کر یہاں سے سوار ہوں گے"۔

سید عبدالرحمٰن کچھ رات رہے سوار ہوئے، سید صاحبؒ نماز فجر کے بعد روانہ ہوئے اور پہر دن چڑھے سید عبدالرحمٰن کے مکان پر پہنچے، سب سامان تیار تھا، انہوں نے گڑ اور چنے حاضر کئے، سب نے تھوڑے تھوڑے چابے اور کچھ دیر سو رہے، ظہر کے وقت وضو کر کے نماز پڑھی۔ (۲)

پہلی ملاقاتیں

اس عرصے میں عبدالباقی خاں قندھاری ملاقات کے لئے آئے، پھر تمام چھاؤنی کے لوگ آنے لگے، عصر کے وقت محمد حسن خاں اور خلیل اللہ خاں (عبدالرحمٰن خاں قندھاری کے بیٹے) اور مصطفیٰ (۳) خاں محمد حسن خاں کے بیٹے اور عبدالرحیم اور عبدالمعبود خاں یہ سب حضرات ملنے کو آئے، اور ہر ایک نے کچھ کچھ اشرفیاں نذر دیں اور کھانا عبدالباقی خاں کے یہاں سے آیا۔

دوسرے وقت مرزا اسد علی بیگ کمیدان اور مرزا اشرف بیگ رسالدار کے بیٹے چند لوگوں کے ساتھ آپ کی ملاقات کو آئے اور عرض کی کہ آپ شہر میں تشریف لے چلیں، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ کل شہر میں چلیں گے۔ (۴)

---

(۱) سید محمد صاحب سید صاحبؒ کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے، وہ آپ کے ماموں سید ابواللیث بن شاہ ابوسعید کے فرزند تھے۔ (۲) "وقائع" ص ۲۸۵، ۲۸۶

(۳) "تاریخ اودھ" سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیل اللہ خاں عبدالرحمٰن خاں کے پوتے اور خان مصطفیٰ خاں عبدالرحمٰن خاں کے نواسے تھے، عبدالرحمٰن خاں یوسف خاں قندھاری کے بیٹے تھے، جو شجاع الدولہ کے عہد میں رسالے دار تھے، نواب شجاع الدولہ ان کی بڑی عزت کرتے تھے، باپ کے بعد عبدالرحمٰن خاں قائم مقام ہوئے، شجاع الدولہ اور آصف الدولہ دونوں بڑی خاطر کرتے تھے، جب انہوں نے مرہٹوں کی لڑائی میں کارنمایاں کئے تو رسالے نے ترقی پائی اور عبدالرحمٰن خاں سولہ سترہ سو سواروں کے رسالے دار بن گئے، عبدالرحمٰن خاں عالی ہمتی اور وفاداری میں بے نظیر تھے۔

(۴) "وقائع" ص ۲۸۶، ۲۸۷

لکھنؤ میں آپ کی قیام گاہ

مرزا صاحب ممدوح بہت خوش ہوئے، آپ سے رخصت ہوکر اپنے مکان کو گئے، اکبری دروازے کے ایک سید میر مسکین مشہور تھے، ان کی حویلی خالی کروائی، پھر اگلی صبح کو آ کر سید صاحبؒ کو اور تمام ہمراہیوں کو اپنے ساتھ لے گئے اور اس حویلی میں اتارا۔

پہلے روز ملک العلماء مولانا عبدالعلی بحرالعلوم کے صاحبزادے مولوی عبدالرب (۱) صاحب نے دعوت کی، قیام گاہ کے قریب جو مسجد تھی، اس میں سب آدمیوں کی گنجائش نہ تھی، آپ نے مرزا اسد علی بیگ سے فرمایا کہ "یہاں جماعت کو تکلیف ہے، قیام کے لئے کوئی دوسری جگہ تجویز کرنی چاہئے، جہاں بڑی وسیع مسجد ہو" مرزا صاحب شیخ امام بخش سوداگر کے پاس گئے، سوداگر صاحب نے دریائے گومتی کے کنارے ٹیلے والی عالمگیری مسجد (شاہ پیر محمد صاحبؒ کی مسجد) کے قریب ایک نفیس حویلی تعمیر کی تھی، اس حویلی میں قافلے کا قیام ہوا، اس روز سے شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے کی مسجد میں نماز فراغت سے ہونے لگی۔ (۲)

شہر میں شہرت اور مقبولیت

دوسرے سہ شنبہ کو نماز ظہر کے بعد مولانا عبدالحی صاحبؒ نے کچھ تھوڑی دیر وعظ فرمایا، شہر کے چند آدمی موجود تھے، وہ سن کر بہت خوش ہوئے اور شہر میں اپنے احباب سے تذکرہ کیا کہ آج تھوڑی دیر وعظ ہوا، یقین ہے کہ جمعے کے روز خوب وعظ ہوگا۔

سید صاحبؒ کے لکھنؤ تشریف لاتے ہی لوگوں کا رجوع اور ہجوم شروع ہوگیا تھا، شیخ امام بخش سوداگر کی کوٹھی میں بیعت کے لئے صبح سے پہر رات گئے تک لوگ جمع رہتے تھے،

---

(۱) مولانا عبدالرب ملک العلماء مولانا عبدالعلی بحرالعلوم کے صاحبزادے تھے، والد نامدار سے درسی کتابیں ختم کیں اور عرصہ تک لکھنؤ میں درس دیا، دوبار مدراس کا سفر کیا، نواب عظیم الدولہ نے سلطان العلماء کا خطاب دیا اور ان کے والد کا مدرسہ لائق بیٹے کے سپرد کیا، مولانا عبدالرب مدرسہ اپنے بھتیجے مولوی عبدالواجد بن مولوی عبدالاعلیٰ صاحب کے سپرد کرکے لکھنؤ واپس آگئے، دہلی میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی ملاقات وضیافت سے محظوظ ہوئے، ۱۲۵۳ھ میں وفات پائی (نزہتہ ج ۷) (۲) "وقائع" ص ۲۸۷-۲۸۹

آپ کو اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کوئی گھڑی، دو گھڑی تنہا بیٹھ کر اپنا حال عرض کرے۔

چوتھے روز جمعے کے دن لوگ نماز پڑھنے اور وعظ سننے کے لئے بکثرت آئے، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے سورہ انبیاء کا وعظ شروع کیا، یہاں تک کہ عصر کا وقت آ گیا، حاضرین مجلس، کیا عامی، کیا عالم، سب فریفتہ ہو گئے اور کہتے تھے کہ ہم نے اپنی تمام عمر میں اس خوش تقریری کا وعظ نہیں سنا، اہل سنت اور شیعہ علماء سب مولانا ممدوح کے علم وفضل، تبحر اور ذہانت کے معترف تھے، ہزاروں شخصوں نے سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

سہ شنبہ کو پھر مولانا عبدالحی صاحبؒ نے کچھ دیر وعظ فرمایا، اہل شہر بہت معتقد اور متاثر ہوئے۔(۱)

مزید قیام

آپ کا جلد واپسی کا قصد تھا، لیکن لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے تشریف لانے سے نو دس ہزار آدمی راہ راست پر آگئے ہیں، مولانا عبدالحی صاحبؒ کو بھی اس کا صدمہ تھا کہ اتنے بڑے شہر اور مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی میں جو تغیر واصلاح ہونی چاہئے تھی اس کی نسبت سے ابھی کچھ نہیں ہوا، لیکن شہر بہت بڑا ہے، زیادہ قیام سے توقع ہے کہ لاکھوں آدمی ہدایت پائیں آپ نے یہ سن کر مولانا عبدالحی صاحبؒ سے فرمایا کہ ''مولانا کمر کس لیجئے، آپ کو محنت بہت کرنی ہوگی، نہ دن کو چین ملے گا، نہ رات کو آج سے کئی دن جمعے کے باقی ہیں، اگر خدا نے چاہا تو دیکھئے گا کہ لوگوں کو کیسی ہدایت ہوتی ہے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ روز بروز وہ ہدایت بڑھتی جائے گی اب ہم نے بھی نیت قیام کی کر لی ہے، جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، تب مکان کو چلیں گے۔''(۲)

اگلے جمعے کو چار ہزار آدمیوں کے قریب مجمع تھا، نماز کے بعد مولانا عبدالحی صاحبؒ نے کچھ دیر وعظ فرمایا، پھر لوگ مسائل پوچھنے لگے، آپ نے ہر ایک کو جواب دیا، سید صاحبؒ کے گرد اس وقت بیعت کرنے والوں کا ہجوم بکثرت تھا، عصر کی نماز کے بعد مولانا عبدالحی صاحبؒ مسجد کے صحن میں لوگوں کے سوالات کا جواب دیتے رہے، عشاء تک لوگ آپ کو گھیرے رہے اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔(۳)

---

(۲) ''وقائع'' ص ۲۸۹-۲۹۰ (۲) ایضاً ص ۳۰۴-۳۰۶ (۳) ''وقائع'' ص ۳۰۹

شہر کی دعوتیں

ہفتے کی صبح کو شہر کے ایک معزز بزرگ مرزا حسن علی بیگ کی طرف سے مولانا عبدالحی صاحبؒ اور ان کے بیس رفقاء کی دعوت تھی، صبح کو صاحب دعوت کا آدمی سواری لے کر حاضر ہوا اور باتوں باتوں میں کہنے لگا کہ آج وہاں فلاں فلاں عالم اپنی اپنی کتابیں لئے بیٹھے ہیں، چنانچہ مرزا حسن علی صاحب بھی وہیں ہیں، مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب آپ سے مناظرہ کریں گے، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے کہا ''ہاں میرا بھی یہی خیال ہے کہ عجب نہیں کہ آج وہاں کچھ مناظرہ ومباحثہ ہو'' مولانا نے سید صاحبؒ سے اس کا تذکرہ کیا اور کہا کہ صاحب دعوت کے آدمی کی زبانی معلوم ہوا کہ وہاں کچھ علماء مناظرے کے واسطے جمع ہیں، دعا فرمائیں کہ وہاں کوئی شر وفساد نہ ہو، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا بھی وہاں جانا کچھ ضرور نہیں، وہ طبیعت کے تیز اور صاف گو ہیں، کسی کا پاس نہ کریں گے، جو بات ہوگی، صاف صاف کہہ دیں گے''۔

سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ''ان شاء اللہ سب طرح خیر ہوگی، شر وفساد کچھ نہ ہوگا، کوئی کچھ سوال کرے تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے موافق جواب دیجئے گا، مناظرے اور مباحثے سے کچھ غرض نہ رکھئے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے یہ امید ہے کہ وہ صاحب کچھ دور آپ کا استقبال کریں گے اور جیسی علماء کی تعظیم وتوقیر ہوتی ہے، اسی طرح کریں گے''۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ اور مولانا اسمٰعیل صاحبؒ اور مولوی وحید الدین صاحبؒ اور بیس آدمی مرزا صاحب کے یہاں تشریف لے گئے، انہوں نے جوان صاحبوں کے آنے کو سنا تو چند قدم مکان سے نکل کر بڑی تعظیم وتوقیر سے لے گئے اور بہت عزت وحرمت کے ساتھ بٹھایا اور کچھ مسائل بطور استفادے کے پوچھے، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ہر مسئلے کا معقول جواب دیا، پھر انہوں نے ہاتھ دھلائے اور کھانا کھلایا، کھانا کھلانے کے بعد کچھ دیر اور بیٹھ کر یہ حضرات چلے آئے۔

دوسرے روز اس محلے کے کئی آدمی آئے اور سید صاحبؒ سے بیان کیا کہ وہاں کے

لوگوں نے آپ کے بلانے کا ارادہ کیا ہے، اوران کی نیت یہ ہے کہ ہم کو جو کچھ گفتگو کرنی ہے، سید صاحبؒ سے کریں گے، اس واسطے کہ ان کو زیادہ علم نہیں ہے، اگر ہم نے ان کو مغلوب کر دیا تو ان کے سب متبع اور مرید مغلوب اور لاجواب ہو جائیں گے، آپ نے فرمایا کہ ''ہم حاضر ہیں، وہ جب چاہیں ہم کو بلالیں''۔

ایک روز ان کا آدمی سید صاحبؒ کے پاس آیا اور کہا ''صبح کو فلاں محلے میں فلاں صاحب کے یہاں آپ کی اور آپ کے تمام لوگوں کی دعوت ہے'' آپ نے فرمایا ''بہتر'' صبح کو صاحب دعوت نے سواریاں بھیجیں، آپ نے چلنے کی تیاری کی، شہر والوں کو خبر ہوئی، کہ آج وہاں مناظرہ ہوگا، لوگ وہاں جمع ہونا شروع ہوئے اور سید صاحبؒ کے رفقاء اور وہ ملا کر قریب چار سو آدمیوں کے ہو گئے، آپ نے فرمایا کہ ''وہاں فقط ہمارے لوگوں کی دعوت ہے، اوروں کو صاحب دعوت کی اجازت کے بغیر جانا مناسب نہیں'' یہ سن کر لوگ متفرق ہو کر اپنی اپنی طرف چلے گئے، لیکن جب آپ اپنے لوگوں کو لے کر وہاں پہنچے تو وہ بھی وہاں آموجود ہوئے، صاحب دعوت نے سب کو فرش پر بٹھایا، سب آدمی چار سو کے قریب تھے، صاحب دعوت نے کھانے کا جو انتظام کیا تھا، اس کا خیال کر کے فکر مند ہوئے کہ کھانا کم ہے اور کھانے والے بہت ہیں، سید صاحبؒ مرزا صاحب کو متردد دیکھ کر سمجھ گئے، کہا ''مرزا صاحب ذرا یہاں تشریف لائیے'' وہ اس وقت اپنے لوگوں سے کھانے کی کمی کی شکایت کر رہے تھے، جواب دیا ''حاضر ہوتا ہوں'' آپ نے فرمایا ''ابھی تشریف لائیے'' وہ آئے آپ نے فرمایا آپ کیوں متردد ہیں؟'' مرزا صاحب نے بے تکلف کہا کہ ''حضرت سلامت کھانا تھوڑا ہے اور آدمی بہت ہیں، اس وقت مجھ کو یہی تردد ہے'' آپ نے پوچھا ''آپ نے کھانا کس قدر پکوایا؟'' کہا ''تین سو آدمیوں کا'' سو آدمی میری طرف کے کھانے والے ہیں، اور دو سو آدمیوں کا کھانا آپ کے ہمراہیوں کے خیال سے پکوایا، مگر اس وقت جانبین کے آدمی کم و بیش چھ سو معلوم ہوتے ہیں'' آپ نے فرمایا ''جو کھانا ہمارے لوگوں کے لئے ہے اس کو جدا کر کے ہمارے آدمیوں کے حوالے کر دیجئے، ہم جانیں اور ہمارے آدمی'' باقی اپنے لوگوں کا کھانا علیحدہ کر لیجئے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے جور کا بیاں

منگائی ہیں، ان کو رہنے دیجئے، ہمارے آدمیوں کے واسطے لگنیں اور کونڈے منگا دیجئے اور اپنے آدمیوں کو ہمارے کھانے کے پاس سے بلا لیجئے، ہمارے لوگ اپنے کھانے کا انتظام آپ کرلیں گے''۔

مرزا صاحب نے ایسا ہی کیا، دو حصے کھانا تو سید صاحبؒ کے لوگوں کے لئے جدا کر دیا اور ایک حصہ اپنے لوگوں کے لئے الگ رکھ لیا، سید صاحبؒ نے مولوی محمد یوسف صاحب، میاں عبداللہ صاحب، میاں دین محمد اور ایک اور شخص کو کھلانے کے واسطے مقرر کیا اور میاں عبداللہ صاحب سے کہا کہ تھوڑا سا کھانا کفگیر میں لاؤ دیکھیں کیا کھانا مرزا صاحب نے پکوایا ہے، انہوں نے کہا کہ ''پلاؤ ہے'' اور کفگیر میں تھوڑے سے چاول لے کر آئے، آپ نے دو چار چاول کفگیر سے اٹھا کر کھائے اور کہا کہ باقی چاول جا کر دیگ میں ڈال دو اور چاولوں کی تعریف کرنے لگے، کہ ''واہ سبحان اللہ! مرزا صاحب نے خوب ہی باریک اور عمدہ چاول پکوائے ہیں، ہم لوگ تو موٹے چاول اور کھچڑی کے کھانے والے ہیں، خدا ان کے کھانے میں برکت کرے!'' اور اپنے لوگوں سے فرمایا کہ ''کھلانا شروع کرو، وہ لوگ انہیں لگنوں اور کونڈوں میں نکال کر کھانے لگے، فضل الٰہی سے سب آسودہ اور سیر ہو گئے اور لگن اور کونڈے میں تھوڑا تھوڑا بچ رہا اور کچھ دیگ میں بچ رہا، جو ان چاروں کھلانے والوں نے کھایا۔

یہ عجیب وغریب حال دیکھ کر مرزا صاحب اور ان کی طرف کے تمام لوگ متحیر ہو گئے کہ یہ کیا معاملہ ہوا، پھر مرزا صاحب اپنے لوگوں کے کھلانے کی تیاری کرنے لگے، وہاں بھی قریب دو سو آدمیوں کے جمع ہو گئے وجہ یہ تھی کہ سب کو خبر تھی کہ آج سید صاحبؒ سے اور یہاں کے علماء سے مناظرہ ومباحثہ ہوگا، اکثر آدمی تماشہ دیکھنے آئے تھے اور کھانا وہاں سو آدمیوں کا تھا، مرزا صاحب کو بڑا تردد تھا، پھر سید صاحبؒ سے انہوں نے آکر تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا کہ ''جن لگنوں اور کونڈوں میں ہمارے لوگوں نے کھایا ہے، اور کچھ کچھ کھانا ان برتنوں میں بچا ہے، وہ انہیں برتنوں میں رہنے دو اور اس میں سے نکال نکال کر کھلانا شروع کرو، اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے گا'' مرزا صاحب نے ایسا ہی کیا، سب لوگوں نے کھا لیا اور دو چار سیر پلاؤ بچ رہا،

جو حضرات مناظرے اور مباحثے کی نیت سے جمع تھے، عالم حیرت میں رہ گئے ہر شخص سید صاحبؒ، اور آپ کے بزرگوں کی تعریف کرنے لگا کہ آپ ایسے ہیں اور آپ کے بزرگوار اس عالی مرتبے کے تھے، مرزا حسن علی صاحب محدث (۱) نے جو شریک محفل تھے، دو تھان مشروع کے اور دو تھان چکن کے اور ایک چھوٹا سا پاندان سفید الائچیوں سے بھرا ہوا، اس میں ایک عطر کی شیشی رکھی ہوئی سید صاحبؒ کو ہدیہ کیا، آپ نے رفقاء میں سے ایک شخص سے کہا کہ یہ سامان لے لو، یہ مرزا صاحب کا تبرک ہے، یہ الائچیاں ہم کھائیں گے۔

اس کے بعد لوگوں نے بیعت کرنی شروع کی، عورت اور مرد ملا کر کوئی تین سو آدمیوں نے بیعت کی، پہلے مردوں نے بیعت کی، پھر لوگ آپ کو اپنے اپنے گھر لے گئے، وہاں عورتوں نے بیعت کی، وہاں سے آپ تشریف لائے اور عصر کی نماز شاہ پیر محمد صاحبؒ کی مسجد میں پڑھی۔ (۲)

اگلے روز ہفتے کو شہر کے بے شمار لوگوں نے آ کر بیعت کی، ان میں اہل سنت تو تھے ہی، شیعہ اصحاب بھی بہت تھے، پہلے بھی بہت سے شیعہ اصحاب بیعت کر چکے تھے۔ (۳)

عمائد شہر کی آمد

ایک روز شہر کے ایک شیعہ رئیس تاج الدین خاں صاحب کا چوبدار آیا اور سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ خاں صاحب تاج الدین خاں نے آپ کو سلام اور آداب عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم آپ کی ملاقات کو صبح حاضر ہوں گے۔

---

(۱) مرزا حسن علی محدث لکھنؤ کے ان فضلا میں سے تھے، جنہوں نے تیرہویں صدی میں اپنے علم و فضل اور شافعیت کی نسبت سے شہرت حاصل کی، والد کا نام عبدالعلی تھا، خاندانی تعلق خاندان بنی ہاشم سے بتلاتے ہیں، بعض لوگ مغل کہتے ہیں، کتابیں مولانا حمد اللہ سندیلوی مشہور معقولی استاد کے شاگرد رشید و فرزند مولانا حیدر علی سے پڑھیں، پھر دہلی جا کر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہما سے استفادہ کیا اور شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ سے سند حدیث حاصل کی اور اپنی تحقیق سے مذہب شافعی اختیار کیا، حدیث و علوم حدیث سے اشتغال تھا، اور ان علوم میں ان کا تبحر مسلم تھا، صاحب تصنیفات ہیں ۲۶ رمحرم ۱۲۵۵ھ کو وفات پائی، (نزہۃ الخواطر، جلد ۷)

(۲) ''وقائع'' ص ۳۱۳-۳۲۱ (۳) ایضاً ص ۳۲۱

دوسرے دن صبح کو آپ نے مسجد کی چھت پر ستر نگی بچھوائی اور فرمایا کہ جب وہ آئیں تو اسی پر بٹھانا، دوسرے دن تاج الدین حسین خاں، سبحان علی خاں(۱) اور مرزا نتھو آئے، لوگوں نے وہیں چھت پر انہیں بٹھایا، سید صاحبؒ وہیں تشریف لے گئے اور کئی گھنٹے وہاں ان سے باتیں ہوا کیں پھر وہ تینوں آپ سے رخصت ہوئے۔(۲)

جمعے میں نمازیوں کا ازدحام

جمعے کے روز نماز سے پہلے ہی اس کثرت سے آدمی مسجد میں جمع ہو گئے کہ نماز پڑھنے کیلئے جگہ مشکل سے ہوئی، بعض لوگوں نے سید صاحبؒ سے عرض کیا، کہ ''آج نمازیوں کی اتنی کثرت ہے کہ مسجد میں ان کی گنجائش نظر نہیں آتی، اس کی کیا تدبیر کی جائے؟'' آپ نے فرمایا کہ ''نماز کے وقت دیکھا جائے گا'' انہوں نے کہا کہ ہم کو معلوم ہے کہ مسجد میں اتنے لوگوں کی گنجائش نہیں ہے جو کچھ انتظام کرنا ہو، ابھی سے آپ فرما دیں، آپ نے کہا کہ دو چار صفیں قریب قریب کھڑی ہوں، اس میں گنجائش ہو جائے گی اور پیچھے والے لوگ آگے والے لوگوں کی پیٹھ پر سجدہ کریں، ضرورت کے وقت یہ درست ہے، مگر مولانا عبدالحی صاحب سے بھی اس کو پوچھ لو، مولانا سے پوچھا، آپ نے کہا ''ہاں یہی مسئلہ ہے، خطبے سے پہلے دو تین آدمی سب لوگوں سے پکار کر کہیں کہ صفیں قریب قریب کھڑی ہوں اور پیچھے والے آگے کے لوگوں

---

(۱) تاج الدین حسین خاں وسبحان علی خاں کنبوہ اول سرکار انگریزی میں تحصیلدار تھے، ان کی لیاقت کی وجہ سے نواب سعادت علی خاں نے ان کی قدر دانی اور سرفرازی کی اور اس عہد سے ان کی ثروت و دولتمندی کی بنیاد پڑی۔

جب غازی الدین حیدر بادشاہ ہوئے، اور معتمد الدولہ آغا میر وزیر اعظم، تو ان کی نیابت کا خلعت سبحان علی خاں کو ملا، سبحان علی خاں علامۂ عصر ہمہ صفت موصوف، نثار بے نظیر، عالی فکر، خوش تدبیر تھے، معتمد الدولہ ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے، سکے پر جو شعر تھا، وہ بھی سبحان علی خاں کا موزوں کیا ہوا تھا۔

تاج الدین حسین خاں ذی عقل، ارسطوئے عہد تھے، کنبوہوں کی قوم میں ایسا آدمی کم گزرا ہے، علاقہ سلطان پور کہ چوبیس لاکھ روپے کا تھا تاج الدین خاں کے پاس تھا (تاریخ اودھ) سبحان علی خاں صاحب تصنیف بھی ہیں، ''الباقیات الصالحات'' اور ''شمس الضحیٰ'' ان کی تصنیفات میں سے ہیں۔

(۲) ''وقائع احمدی'' ص ۳۳۰، ۳۳۱

کی پشت پر سجدہ کریں تنگی کے وقت یہ درست'' چنانچہ ایسا ہی ہوا'' سبھوں نے اگلوں کی پشت پر سجدہ کیا، کئی صفوں میں یہی حال تھا۔

مولانا عبدالحی کا وعظ دل پذیر

نماز کے بعد مولانا عبدالحی صاحب، نے سورۂ ''الانبیاء'' کے اس رکوع سے وعظ کہنا شروع کیا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا اِبْرَاهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عَالِمِیْنَ ○ اِذْقَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَاهٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ○ (۲۱:۵۱-۵۲)

''اور ہم نے پہلے ہی سے ابراہیم کو نیک راہ دی تھی اور ہمیں ان کی خبر تھی، جب انہوں نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ '' یہ کیسی صورتیں ہیں، جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو؟''

اس کے ضمن میں تعزیہ داری، عرس، محفل سرود، قبر پرستی اور پیر پرستی وغیرہ کو کھول کھول کر بیان کیا اور اس کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، ہزاروں سنی اور شیعہ سنتے تھے، اور سیکڑوں آدمی زار وقطار روتے تھے، اور آپس میں کہتے تھے ''سبحان اللہ! اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج ہی قرآن مجید نازل ہوا ہے افسوس کہ ہم لوگ آج تک گمراہی میں مبتلا رہے، کسی عالم وفاضل نے ہم کو متنبہ نہ کیا'' بیان کرتے ہوئے اس رکوع میں جب اس آیت پر پہنچے:

وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ، اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ(۲۱:۷۴)

''اور لوطؑ کو ہم نے حکم دیا اور سمجھ، اور اسے اس بستی سے بچا نکالا، جو گندے کام کرتے تھے، وہ لوگ بڑے نافرمان تھے۔''

تو پوری قوم لوطؑ کے اخلاق وعادات اور ان کے افعال شنیعہ کی پوری تفصیل وتطبیق کی اور اس سلسلے میں ان کے خصائل وعادات میں خلاف فطرت فعل، گالی دے کر پکارنے، مرد وعورت کو کنکری مار کر منہ پھیر لینے، تالی پیٹنے، سیٹی بجانے، محفل میں خلاف تہذیب فعل کرنے، راستے میں گندگی ڈالنے اور ان کے مشاغل اور دلچسپیوں میں سے کبوتر اڑانے، مرغ لڑانے، پتنگ اڑانے کا ذکر کیا،

وضع و عادات ولباس میں ڈاڑھی منڈانے لبیں بڑھانے ، پٹے رکھنے، مسی لگانے ،ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننے، زعفرانی یا کسومی لباس پہننے کا تذکرہ کیا، تمام حاضرین محفل سکتے کے عالم میں تھے، مولانا عبدالحی صاحب نے سب کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ ”صاحبو! تم سب سے ایک عرض کرتا ہوں، اس کو متوجہ ہوکر سنو اور اس کا جواب دو، وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی اتنی بڑی تھی کہ تمام سینہ چھپالیا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی ڈاڑھی بھی ایسی ہی تھی، اہل سنت و جماعت محبتِ چار یار کا دعویٰ رکھتے ہیں، اور حضرات شیعہ کو حضرت علی مرتضیٰ کی محبت کا دعویٰ ہے محبت کے معنی ہیں، اس چیز کی طرف میل اور رغبت کرنا، جو مرضی محبوب کے موافق ہو، نہ یہ کہ اپنے محبوب کی رضا کے خلاف چلے، بڑا تعجب ہے کہ دونوں فریق ڈاڑھیاں منڈاتے ہیں، اور منھ سے صحابہؓ اور اہل بیتؓ کی محبت کا دعویٰ کیئے جاتے ہیں“۔

یہ سن کر جن صاحبوں کی ڈاڑھیاں منڈی تھیں، انہوں نے منہ پر رومال باندھ لئے اور جن صاحبوں کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے تھے، انہوں نے اسی دم پھاڑ ڈالے، کبوتر اڑانے والوں، مرغ لڑانے والوں اور پتنگ بازوں نے توبہ کی اور اسی روز سے لوگوں کو ہدایت ہونا شروع ہوگئی۔

اس وعظ میں علمائے فرنگی محل اور مولوی دلدار علی (۱) صاحب مجتہد لکھنؤ کے اکثر شاگرد، نیز مفتی غلام حضرت صاحب، جو بڑے صاحب اخلاق ،متقی و پرہیزگار عالم تھے،

---

(۱) مولوی دلدار علی صاحب مجتہد سید نجم الدین سبزداری کی اولاد میں سے ہیں ۱۱۶۶ھ کے قریب نصیر آباد میں ولادت ہوئی، الہ آباد و سندیلہ میں مختلف علماء سے درسیات کی تحصیل کی، ۱۱۹۳ھ میں عراق کا سفر کیا اور وہاں کے علماء کبار سے علوم کی تکمیل کی، لکھنؤ میں حسن رضا خاں آصف الدولہ کے وزیر تھے، انہوں نے اپنے بیٹوں کا اتالیق مقرر کیا، اس وقت تک اہل تشیع میں جمعہ و جماعت کا کوئی نظام نہ تھا اور شیعہ ملک میں متفرق اور منتشر تھے، مولوی محمد علی کشمیری نے فیض آباد میں اس بات کی تحریک کی کہ شیعہ بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کریں، حضرت شاہ علی اکبر مودودی فیض آبادی نے بھی حکام کو اس طرف متوجہ کیا اور نواب آصف الدولہ نے اس کو پسند کیا اور مولانا سید دلدار علی کی امامت میں ۱۳رجب ۱۲۰۰ھ میں پہلی جماعت ہوئی۔ مولوی سید دلدار علی صاحب نیم مذہب تشیع کی اشاعت میں بڑا حصہ لیا اور ان کے عہد میں اس مذہب کی بڑی ترویج ہوئی، وہ اودھ میں شیعوں کے پہلے مجتہد تھے اور آج تک غفران مآب کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں تصنیفات میں ”عماد الاسلام“ ”منتہی الافکار“ ”مواعظ حسینیہ“ اور ”تحفۂ اثنا عشریہ“ کی تردید میں متعدد رسائل ہیں۔ ۱۹رجب ۱۲۳۵ھ کو انتقال کیا اور اپنے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

تشریف رکھتے تھے۔(۱)

چھ سات ہندو مہاجن بھی لباس فاخرہ پہنے وعظ سن رہے تھے، اس عرصے میں عصر کی اذان ہوئی، مولانا نے وعظ بند کیا، ان ہندوؤں نے مولانا سے کہا ''آپ نے جو کچھ فرمایا سب حق ہے، اور آپ کا دین سچا ہے''۔

نماز عصر کے بعد سید صاحبؒ کے گرد کئی ہزار آدمی سنی اور شیعہ جمع ہو گئے اور لوگوں نے بیعت کرنی شروع کی، آپ نے اپنا دوپٹہ پھیلا دیا، اور فرمایا کہ ''جو کوئی اس کو پکڑے وہ ہمارا مرید ہے''۔

کھانے کا طور

میاں دین محمد کہتے ہیں جس روز ہم لوگوں کی کہیں دعوت نہیں ہوتی تھی، ایک دیگ چاول پکا لیتے اور دال دوسرے برتن میں اور پیمانے کے طور پر ایک چوبیں پیالہ تھا، اس میں چاول بھر بھر کر ہم نکالتے تھے، ہر آدمی کو دو پیالے بھر چاول تقسیم کرتے تھے، اور وہی ابالی دال بے گھی اور بے مصالحہ کی مگر ان چاولوں اور اس دال کا مزہ ایسا ہوتا تھا کہ امیروں کے کھانے میں ہرگز نہ تھا، اس بات میں ذرا مبالغہ نہیں جو لوگ موجود تھے، وہ سب اس کے گواہ ہیں۔

اسی ایک دیگ چاولوں میں کوئی پونے دو سو آدمی ہمارے اور بیس پچیس آدمی شہر کے ہر روز کھاتے تھے، لوگوں نے جو سنا کہ سید صاحبؒ کے یہاں دال چاول اس مزے کے پکتے ہیں کہ امیروں کے زردے سفیدے میں ایسا مزہ نہیں ہوتا تو ایک روز سو آدمی ادھر ادھر سے کھانے کے وقت آ گئے، ان کو دیکھ کر سید صاحبؒ نے مولوی محمد یوسف صاحب سے کہا کہ ''ان بھائیوں کو

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۳۳۱-۳۳۵، اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحبؒ کا سفر لکھنؤ ۱۲۳۴ھ میں ہوا، اس لئے کہ مفتی غلام حضرت کا انتقال ۱۲۳۴ھ میں ہوا ہے ناسخ نے ان کی تاریخ وفات کہی ہے:

مردہ مفتی غلام حضرت افسوس   کو بود بشہر لکھنؤ حاکم شرع
سال تاریخ رحلت آں مرحوم   فرمود خسرو کہ بود او خادم شرع

۱۲۳۴ھ

''کلیات ناسخ'' ص ۳۹۳

بھی کھانے میں شریک کرلو' مولوی صاحب نے ان کو بھی دو دو کرئی چاول اور اسی کے موافق دال دی، وہی ایک دیگ چاول تھے کہ کچھ اوپر تین سو آدمیوں نے کھالئے اور کوئی بھوکا نہ رہا۔(۱)

علماء ومشائخ لکھنؤ کی بیعت

ایک جمعے کو مجلس وعظ میں مولانا محمد اشرف صاحبؒ (۲)، مولانا مخدوم صاحب، مولوی امام الدین صاحب بنگالی، مولوی امام الدین صاحب لکھنویؒ (۳) (برادر مولوی نصیر الدین بازار خانم) مولوی عبدالباسط شاگرد مولوی محمد اشرف صاحب، مولوی ابوالحسن صاحب نصیر آبادی، فرنگی محل کے مولوی عبداللہ ومولوی رحیم اللہ، مولوی نجیب اللہ بنگالی، شاہ یقین اللہ صاحبؒ اور ان کے صاحبزادے مولوی عبدالوہاب (۴) اور میر امید علی جو لکھنؤ میں صاحب خدمت مشہور تھے، یہ سب حضرات موجود تھے، وعظ کے بعد سب بیعت سے مشرف ہوئے، اکثر نے تو وہیں مسجد میں بیعت کی اور مولوی محمد اشرف صاحب ومولوی مخدوم صاحب، اور مولوی ابوالحسن صاحب وغیرہ نے اسی روز مکان پر لے جا کر بیعت کی۔(۵)

دونو مسلم بھائی

دو بھائی جوہری ہندو لکھنؤ کے رہنے والے، ایک سولہ سترہ برس کا، اور دوسرا تئیس چوبیس برس کا ہر جمعے کو درس میں آتے تھے، اور وعظ سن کر سب مسلمانوں کے ساتھ چلے جاتے تھے، ان کا ارادہ مسلمان ہونے کا تھا، کسی جمعے کو شیخ صلاح الدین سے انہوں نے بیان کیا کہ

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۳۳۸

(۲) مولانا محمد اشرف صاحب اساتذۂ لکھنؤ میں سے تھے، والد کا نام نعمت اللہ، خاندان صدیقی اور آبائی وطن کشمیر تھا، عرصے سے خاندان لکھنؤ میں منتقل ہوگیا تھا، درسی کتابیں کچھ مولانا مخدوم حسینی لکھنوی سے پڑھیں اور زیادہ علامہ نورالحق فرنگی محلی سے پڑھیں پھر مسند درس آباد کی، بہت سے علماء ان سے تلمذ کی نسبت رکھتے ہیں۔

تصنیفات میں "الاصول الراسخه" اور اس کی شرح "الدوحة الشامخه" "قسطاس الصرف" "تفسیر القرآن" اور ''علماء ہند'' کا ایک ناتمام عربی تذکرہ یادگار ہے ۱۷ رصفر ۱۲۴۴ھ کو وفات پائی (نزہۃ الخواطر جلد ۷)

(۳) دونوں صاحبوں کا مفصل حال خلفاء ومریدین کے تذکرے میں ملاحظہ ہو۔

(۴) ایضاً (۵) ''وقائع احمدی'' ص ۳۴۸

ہماری نیت یوں ہے کئی بار شیخ صاحب ان کے مکان پر بھی گئے، ایک روز شیخ صاحب نے یہ حال سید صاحبؒ سے بھی بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ "ہاں ہم ان کو جانتے ہیں، وہ درس میں آیا کرتے ہیں، تم ان کو ہمارے پاس لاؤ، ہم ان کو اپنا بھائی بنائیں" شیخ صاحب ان کے یہاں گئے اور کہا، چلو حضرت تم کو بلاتے ہیں، انہوں نے کہا "آج ہی چلیں یا جمعے کو؟ جو مناسب ہو بتاؤ" شیخ صاحب نے آکر کہا "آپ نے فرمایا، جمعے پر موقوف نہیں، جب ایمان لائیں، تب ہی بہتر ہے، تم ان کو لاؤ" شیخ صاحب دوسرے دن رات کو ان کے پاس لائے، آپ نے دیر تک نظر ہدایت اثر سے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا کیا ارادہ ہے؟" انہوں نے کہا کہ "آپ اپنے دین حق میں داخل کریں" آپ نے فرمایا کہ تم کو اپنے گھر کا کچھ اور کام ہو تو اس سے فراغت کر آؤ تا کہ پھر وہاں سے کوئی غرض نہ رہے، انہوں نے کہا "ہم وہاں سے فارغ البال ہو کر آئے ہیں، اب ہم کو وہاں جانے کی کچھ حاجت نہیں" آپ نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ "ہمارے یہاں سے دو جوڑے کپڑے لے جاؤ اور ان کو گومتی میں نہلا کر کپڑے پہنا کر ہمارے پاس لاؤ" اسی وقت ان کو نہلا کر پوشاک پہنا کر لائے آپ نے ان کو مسلمان کیا، اس کے بعد انہوں نے کہا کہ "حضرت ہم اپنی رضا و رغبت سے مسلمان ہوئے ہیں، کسی کے جبر و اکراہ سے نہیں، مگر پھر بھی ہمارے عزیزوں کو اطلاع نہ ہو تو بہتر ہے، مبادا کچھ شر و فساد برپا کر دیں، چند روز آپ ہم کو پوشیدہ رکھیں، آپ نے فرمایا "کیا مضائقہ ہے؟ تم ہمارے لوگوں میں رہو، چند روز کہیں ادھر ادھر نہ جاؤ، ان شاءاللہ کچھ شر و فساد اس امر میں نہ ہوگا" بڑے کا نام آپ نے عبدالہادی رکھا اور چھوٹے کا عبدالرحمٰن یہ بھی فرمایا کہ "یہ دو صاحب آگئے، ابھی تین اور باقی ہیں جب وہ بھی آجائیں تب یکبارگی سب کا ختنہ کرا دیں"۔

کئی روز کے بعد ایک ہندو آیا اور حضرت سے کہا کہ "میں مسلمان ہوں گا، آپ نے کہا بہتر اس کو غسل دلوا، پوشاک بدلوا، کلمہ طیبہ پڑھوایا اور احمداللہ نام رکھا، پھر کئی روز کے بعد دوسرا آیا اور مسلمان ہوا، پھر ایک روز تیسرا آیا اور وہ بھی مسلمان ہوا، آپ نے فرمایا "ان کا ختنہ کرا دینا ضروری ہے، مگر اب آٹھ دس دن میں ہمارا بریلی کا ارادہ ہے، وہیں ان کا ختنہ کرایا

جائے گا'' اور یہ اپنے لوگوں سے فرمادیا کہ ''ان تینوں کی امانت داری میں مجھ کو شک ہے، اپنا اپنا اسباب ان سے بچائے رہنا۔(۱)''

دعا کی شرط

مینڈو خاں(۲) رسالے دار کے سواروں کی وردی باناتی ٹوپی، باناتی کرتی اور پاجامہ تھا، اور وہ لولو کے سوار کہلاتے تھے، اور اس لقب سے ان کو کمال عار معلوم ہوتا تھا، زبان خلق کو کون بند کرے؟ مولوی نور احمد صاحب نگرامی (مصنف نور احمد) ان دنوں رسالے دار صاحب کے پاس نوکر تھے، وہاں رسالے کے اکثر سواروں نے یہ مشورہ کیا کہ اگر کسی روز حضرت سید صاحبؒ ہماری لین میں تشریف لاتے تو بہت لوگوں کو ہدایت ہوتی، شاہ پیر محمد صاحبؒ کے ٹیلے پر یہ سب لوگ جا نہیں سکتے، کئی افسروں نے کہا کہ ''بات تو بہت خوب ہے، اگر سید صاحبؒ، یہاں آجائیں تو ہم ان کی دعوت بھی کریں، مگر کسی کو بھیجنا چاہئے، جو آپ کو لائے، پھر مولوی نور احمد کو اور ایک دفعدار تھے، ان کو بھیجا، ان دونوں صاحبوں نے یہ تمام کیفیت آکر سب حضرت سے عرض کی آپ نے فرمایا ''بہت خوب، ہم ضرور چلیں گے، مگر جس دن بلانا منظور ہو، اس دن کوئی اپنا آدمی بھیج دیں اور کھانا ہماری اطلاع کے بغیر ہرگز نہ پکوانا' انہوں نے قبول کیا اور یہ کہا کہ ''وہاں بیعت کرنے کے علاوہ بعض صاحب اور بھی کسی مطلب کے لئے عرض کریں گے'' آپ نے فرمایا ''کیا مضائقہ؟''

دونوں صاحب رخصت ہو کر اپنی لین میں آئے، تین دن کے بعد وہی دونوں صاحب کئی آدمیوں سے آپ کو لینے آئے، آپ کوئی دو سو آدمیوں کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے، ان لوگوں نے بڑی تعظیم و تکریم سے آپ کو فرش پر بٹھایا اور تین چار سو سواروں نے بیعت کی۔

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۳۴۸-۳۵۱، چنانچہ رائے بریلی پہنچ کر ایسا ہی پیش آیا، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالی نے مجھے تین چیزوں کی ایسی شناخت عطا فرمائی ہے کہ بہت کم مجھ سے ان کے بارے میں خطا ہوتی ہے ایک گھوڑا دوسرے آدمی تیسرے تلوار''۔

(۲) مینڈو خاں بدل خاں رئیس دہلی کے خاندان سے تھے، قوم کے مغل تھے، اور قبیلہ ترک جیک سے نسبی تعلق تھا، مستاجری کی بدولت انہوں نے بڑی دولت پیدا کی تھی، اول رسالے داری، پھر خیر آباد اور بہرائچ کی علاقہ داری ملی۔

اس عرصے میں مینڈو خاں کے بھائی عبداللہ خاں آپ کی ملاقات کو آئے اور عرض کیا کہ ''آپ یہاں سے فارغ ہو کر میرے غریب خانے پر بھی قدم رنجہ فرمائیں'' آپ نے فرمایا ''بہتر ہم آئیں گے'' عبداللہ خاں اپنے مکان کو گئے، مولوی نوراحمد نے حضرت سے کہا کہ ''میں نے ٹیلے پر عرض کیا تھا کہ بیعت کے علاوہ وہاں کچھ اور بھی درخواست کی جائے گی، سورسالے دار صاحب، کا مکان پر لے جانے سے یہی مطلب ہے ان کی ایک عرض یہ ہے کہ یہ تمام شہر میں ہم لوگوں کا لقب ''لولو کے سوار ہے'' اس لقب سے رسالے دار صاحب کو بہت عار اور ندامت معلوم ہوتی ہے، اس لقب کے چھوٹنے کے لئے وہ آپ سے دعا کرائیں گے، دوسرے یہ عرض کریں گے کہ حضور سے رسالے داروں کی لاکھوں روپئے کی بڑی بڑی علاقے داریاں ہیں، لیکن ہم جس دن سے اس سرکار دولت مدار میں نوکر ہوئے ہیں، اس نوکری کے سوا آج تک ہمارے واسطے کسی نوع کی ترقی کی صورت نہیں ہوئی، اس کے لئے بھی وہ آپ سے دعا کی درخواست کریں گے، اور ایک ہماری آپ سے گزارش ہے کہ اکثر اوقات ہماری اس لین میں مہمان اور مسافر اترتے ہیں، ہم لوگوں میں اتنی وسعت نہیں کہ کھانا کھلانے سے ان کی خبر لیں، وہ بیچارے بھوکے سو رہتے ہیں، رسالے دار کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ یہاں کے مہمان مسافر کچھ کھاتے ہیں، یا نہیں، آپ اگر اس بات کا انتظام ان کے ذمہ کر دیں تو یہ بڑے ثواب کا کام ہے''۔

سید صاحبؒ نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ نے یہ بات بڑے کام کی کہی ان شاء اللہ ہم اس کی تدبیر ضرور کریں گے۔

پھر آپ مینڈو خاں کے مکان پر گئے، وہاں مینڈو خاں اور عبداللہ خاں نے بیعت کی اور انہیں دونوں باتوں کے متعلق عرض کیا، جن کی اطلاع آپ کو مولوی نوراحمد سے پہلے مل چکی تھی، آپ نے فرمایا ''ہم اس معاملے میں دعا کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے امید قوی ہے کہ تمہاری دونوں حاجتیں روا فرمادے گا، مگر اس کے ساتھ للہ فی اللہ ایک اور بھی کام ہے، کہ جس قدر اس کا التزام اپنے اوپر مضبوط رکھو گے، اسی قدر تمہاری ترقی ان شاء اللہ تعالیٰ روز بروز زیادہ

ہوگی، اور جتنا اس میں قصور کروگے، اتنا اس میں فتور واقع ہوگا“۔

انہوں نے عرض کیا کہ وہ کیا بات ہے، آپ نے فرمایا کہ ”ہم نے سنا ہے کہ تمہاری لین میں جو مہمان اور مسافر اترا کرتے ہیں، فاقے سے سو رہتے ہیں، ان کا خبر گیر کوئی نہیں ہوتا، یہ ایک صورت غضب الٰہی کے نزول کی ہے، تم کو اللہ تعالیٰ نے رئیس نامدار بنایا ہے تم اپنے مقدور کے موافق ان کی خبر لینا، جب تک اس کا التزام اپنے ذمے رکھو گے تمہارے اقبال ودولت، جاہ وثروت کی ترقی رہے گی اور جس قدر اس میں قصور واقع ہوگا، اسی قدر اس میں فتور پڑے گا۔“

انہوں نے کہا کہ ”جو کچھ مجھ سے میسر ہوگا اور میں کھاؤں گا، ان کو بھی کھلاؤں گا، یہاں تک کہ اگر میں پلاؤ کھاؤں گا تو انہیں بھی پلاؤ کھلاؤں گا اور جو میں چنے چابوں گا، انہیں بھی چبواؤں گا“ آپ نے فرمایا ”واہ! پٹھان بھائی اگر یہ نیت تمہاری ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارا سب مطلب بخوبی پورا ہوگا اور ہم تمہارے واسطے ضرور دعا کریں گے“ پھر حضرت وہاں سے ٹیلے پر تشریف لائے اور چند روز میں بریلی روانہ ہوگئے، وہاں عبداللہ خاں نے اپنے رسالے کو حکم سنا دیا کہ جو مہمان مسافر، بیکس محتاج ہماری لین میں اترا کرے، ہم کو اطلاع کیا کرو اور مولوی نور احمد کو اس کام کا داروغہ مقرر کیا کہ جو مہمان مسافر یہاں اترے اس کو نقد پیسے یا جنس ہماری طرف سے دلوایا کرو۔

دو ڈھائی مہینے کے بعد مینڈو خاں نے اپنی ترقی اور بہبودی کا حال سید صاحبؒ کو لکھ کر بھیجا کہ جب آپ لکھنؤ سے بریلی تشریف لے گئے حضور (بادشاہ غازی الدین حیدر) نے ہمارے رسالے کا جائزہ لیا، نواب فتح علی خاں کپتان حاضر تھے، جناب عالی نے اپنے پستول کی جوڑی دکھائی کہ ایسی ایک ہزار جوڑی پستول ہوتے تو ان سواروں کو دیتے، کپتان صاحب نے عرض کیا کہ جناب عالی کے اسلحہ خانے میں اس قسم کی کئی ہزار جوڑیاں ہیں، فرمایا، ”حاضر کرو“۔

دوسرے دن کپتان صاحب موصوف نے ہزار جوڑی پستول حاضر کیے، جناب عالی نے ہمارے رسالے کے سواروں کو عنایت فرمائے اور وردی بھی بدلوادی اور لولو کا لقب بھی موقوف

کروایااورخیرآباد کاعلاقہ بھی ہم کوہوااور بہرائچ کا علاقہ ہونے کی امید ہے۔

کچھ دنوں میں جب ان کو بہرائچ کا علاقہ ہوا، تب تو مسکینوں اور مسافروں کی اطلاع کو صبح وشام کھانے کے وقت ترم بجوانا شروع کیا کہ جو مسکین و مسافر لین میں اترا ہو آئے اور ہمارے دسترخوان پر ہمارے ساتھ کھائے،اکثر کھانے کے وقت سر محفل کہتے کہ ''بھائیو یہ سب جناب سید صاحبؒ کی دعا کا نتیجہ ہے''۔

جب تک مینڈو خاں جیے، مسافر پروری کا یہی حال رہا، ان کے انتقال کے بعد چند روز ان کے بیٹوں نے بھی یہ کارخانہ جاری رکھا، پھر اس کا التزام نہ ہوسکا، عبداللہ خاں نے بار ہا اپنے بھتیجوں سے تاکیداً کہا کہ ''دیکھو! مسافروں کا دسترخوان موقوف نہ ہونے پائے تمہارے والد کا یہ جاہ وجلال سید احمد صاحبؒ کی دعا سے اسی شرط کے ساتھ تھا کہ جس قدر محتاج پروری میں کوشش کرو گے، اسی قدر اللہ تعالیٰ دولت واقبال میں ترقی رکھے گا اور جو اس میں قصور کرو گے تو اس میں فتور واقع ہوگا'' مگر منظور الٰہی نہ تھا، انہوں نے اس نصیحت پر کچھ خیال نہ کیا، چند سال میں وہ کارخانہ جاتا رہا۔(۱)

جہاد کی نیت

لکھنؤ میں ایک مرتبہ کچھ لوگ بیعت ہوئے اور آپ سے تبرک کی درخواست کی، آپ نے ان کو کچھ روپے برکت کے لئے عطا فرمائے اور نصیحت فرمائی کہ ''اپنے اپنے گھر کی عورتوں کو ہمیشہ تاکید کرتے رہو کہ کسی طور پر شرک نہ کریں اور جو اللہ تعالیٰ تم کو روزی کی فراغت دے تو نیت خالص جہاد فی سبیل اللہ کی رکھنا، خواہ جان سے، خواہ مال سے اور جو نیت خالص نہ ہوگی تو تمہارے حق میں نقصان ہوگا، اس بات کو خوب سمجھ لو''۔

انہوں نے عذر کیا کہ ''اگر اپنی جان سے جہاد کی نیت کریں اور جائیں تو یہاں ہمارے اہل وعیال کی کون خبر لے گا اور کون کھانا کپڑا دے گا؟ اور جو جہادِ مالی کی نیت کریں ہمارے پاس مال کہاں؟'' فرمایا ''جب اللہ تعالیٰ تمہیں مال و دولت دے، تب تم پر یہ حکم

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۳۸۱-۳۸۸

ہے، اس کے بغیر نہیں'' سب نے اس کا عہد کیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی کریں گے، آپ نے امید علی کو تاکید مزید فرمائی کہ تم ان عورتوں کو نماز روزے کی تعلیم کیا کرنا۔(۱)

نشانات شرک کا ابطال

گومتی کے راج گھاٹ پر خدا بخش نام ایک شخص لکڑی کی دوکان کرتے تھے، اکثر انہیں کی دکان سے لکڑی جاتی تھی، انہوں نے بھی سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور چند دنوں میں ان کی حالت کچھ سے کچھ ہوگئی، ان کی دوکان کے آس پاس بانس والوں کی کئی دکانیں تھی، انہوں نے جو میاں خدا بخش کا یہ حال وقال دیکھا سنا کہ یہ تو بڑے عابد وزاہد، صالح ومتقی ہوگئے، ان کو بھی اشتیاق ہوا اور سات آٹھ شخص بیعت ہوئے، دوسرے روز اپنے اور آٹھ دس بھائی بند لے کر آئے، انہوں نے بھی بیعت کی اور توبہ کی اور حضرت سے عرض کیا کہ ''ہمارے لوگوں کے کوئی تیس چالیس گھر ہوں گے، سب کو اشتیاق ہے کہ بیعت کریں، اگر کسی روز آپ ادھر قدم رنجہ فرمائیں تو عین سرفرازی ہو'' آپ نے قبول کیا، پھر ایک دن معین کر کے دوسو آدمیوں سے حضرت کی دعوت کر گئے، آپ نے کتنا ہی عذر کیا کہ تم لوگ غریب ہو، دعوت کی تکلیف نہ کرو'' انہوں نے کہا کہ، ایک دن آپ کی دعوت کرنی ہم پر ہرگز ہرگز گراں نہ ہوگی'' اس روز آپ ان کے یہاں گئے، کھانے کے بعد سب نے بیعت کی اور مقدور کے موافق ان میں سے اکثر نے نذر دی، پھر اپنے اپنے گھر لے گئے، عورتوں، لڑکوں بالوں کو مرید کرایا۔

ایک صاحب کے یہاں طاق میں مٹی کے کئی کھلونے رکھے تھے، آپ کی نظر پڑ گئی، فرمایا ''یہ بت ہیں، ان کو مشرک رکھتے ہیں، ان کو توڑ ڈالو، گھر سے دور کرو، خبردار پھر کبھی نہ لینا'' پھر دیر تک شرک کی طرح طرح کی برائی اور توحید کی خوبی بیان فرماتے رہے، صاحب خانہ نے اسی وقت وہ کھلونے توڑ کر گھر سے باہر پھینک دیئے، ان کا یہ حال دیکھ کر جس جس کے یہاں مٹی کی مورتیں اور کھلونے تھے، سب نے توڑ کر پھینک دیئے، ٹوٹے ہوئے صدہا کھلونے اس وقت دروازوں پر پڑے تھے۔

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۳۹۳،۳۹۴

آپ نے ان میں سے دو شخصوں کو اپنا خلیفہ کیا اور ایک ایک ٹوپی اور کرتا ان کو دیا، آپ کے ہمراہیوں میں سے کسی نے کہا کہ "ان کا خلیفہ کسی پڑھے لکھے قابل آدمی کو کیا ہوتا، جو ان کو وعظ ونصیحت کیا کرتا، یہ بیچارے آپ ہی کچھ نہیں جانتے، اور کو کیا تعلیم کریں گے؟" آپ نے فرمایا "ہاں تم بھی اچھا کہتے ہو(۱) مگر یہ ان کی برادری کے چودھری ہیں، جو کچھ ان کا کہنا ان پر اثر کرے گا، اگرچہ ناخواندہ ہیں ایسا دوسرے کا کارگر نہ ہوگا، اگر ان کا کہنا کوئی نہ مانے تو یہ اس کو اپنی برادری سے باہر نکال سکتے ہیں، دوسرے غیر برادری کے عالم سے یہ بات نہ ہوگی اور ان شاء اللہ ان کو چند روز کے بعد دیکھنا کہ خدا کی عنایت سے کس طرح کے ہوں گے۔"(۲)

اصلاحِ رسوم

آپ نے ان چودھری صاحبان کو تعلیم کی کہ بیاہ برات، شادی غمی میں خدا ورسول کے خلاف شرک وبدعت کے رسوم کوئی نہ کرنے پائے، ہر امر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر نگاہ رہے، اس میں کوئی خوش ہو یا ناخوش، اللہ تعالیٰ تمہارے یہاں برکت کرے گا اور تم کو خوش اور محفوظ رکھے گا، پھر آپ ٹیلے پر تشریف لائے۔

میاں دین محمد صاحب کہتے ہیں کہ جب سید صاحبؒ جہاد کو تشریف لے گئے تو میرا ہندوستان آنا ہوا، اور لکھنو بھی جانا ہوا تو ان بانس والوں سے ملاقات ہوئی، ان کی دینداری اور پرہیز گاری کا حال معلوم ہوا اور ان کا کاروبار پہلے کے مقابلے میں چارگنا، بلکہ بعضوں کا زیادہ دیکھنے میں آیا، وہ کہتے تھے کہ حضرت کی دعا سے ہمارا یہ حال ہے کہ جس مال تجارت میں ہم ہاتھ لگاتے ہیں، اگر وہ مال مٹی کا ہو تو سونا ہو جاتا ہے۔

یہ بھی کہتے تھے کہ "شادی بیاہ میں ہم نے اپنے یہاں یہ دستور رکھا ہے کہ دھلے ہوئے کپڑوں کے سوا دولہا دلہن کے لئے نیا کپڑا ابھی نہیں بنواتے، اگرچہ بنانا درست ہے اور ویسے

---

(۱) سید صاحبؒ کی عادت تھی کہ کہ کسی کی بات کی برملا تردید نہیں کرتے تھے، جب تک کہ وہ خلاف شرع نہ ہو، البتہ اپنی بات کی کوئی معقول توجیہ یا وجہ ترجیح بیان فرمادیتے تھے، جس سے عقلمند آدمی سمجھ جاتا تھا۔

(۲) "وقائع" ص ۳۹۴-۴۰۱

اور عقیقے کے کھانے کے سوا نہ کھاتے ہیں، نہ کھلاتے ہیں اور جو جو خرافات اور رسوم بدعات لوگ اپنے یہاں شادی بیاہ میں کرتے ہیں، جیسے سہرا، کنگنا باندھنا، رت جگا کرنا، گیت گوانا، طوائف کا ناچ کرانا اور اسی طرح کی کوئی بات ہم نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں، ان کے بیاہ شادی میں ہم لوگ شریک نہیں ہوتے۔

اور پہلے ہم لوگ جب لڑکوں کے چیچک نکلتی تھی تو کیا کیا شرک و بدعات کی خرافات کرتے تھے، اور کسی کو اس کے پاس نہیں جانے دیتے تھے اور اکثر لڑکے مر جاتے تھے، اب ہم خدا پر لڑکے کو چھوڑ دیتے ہیں، کسی بات کا پرہیز نہیں کرتے اور خدا کے سوا کسی کی نذر و نیاز بھی نہیں مانتے، اول کے بہ نسبت اب لڑکے کم مرتے ہیں''۔

جب میں ہندوستان سے سرحد گیا، میں نے حضرت سے ان بانس والوں کی دینداری و پرہیزگاری کا سب حال بیان کیا، آپ نے خوش ہو کر ان کے واسطے دعا کی۔(۱)

جرائم پیشہ فسّاق کی توبہ و اصلاح

میاں دین محمد کہتے ہیں کہ امان اللہ خاں ان کے بھائی سبحان خاں اور کئی شخص، جن کے نام یاد نہیں، چوری اور جرائم پیشگی میں طاق اور شہرۂ آفاق تھے، ایک روز لکھنؤ میں سید صاحبؒ کی ملاقات کو شاہ پیر محمد صاحبؒ کے ٹیلے پر آئے، لوگوں نے ان کو آتے دیکھ کر حضرت سے اطلاعاً کہا کہ یہ لوگ بڑے بدمعاش، چور اور حرام کار ہیں، آپ نے فرمایا کہ خبردار ان کے سامنے اس کا کوئی تذکرہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ برے کام چھڑا کر ان کو نیک کاموں کی توفیق دے اور موت بھی ان کی اچھی ہو''۔

انہوں نے آکر آپ سے مصافحہ و معانقہ کیا، آپ نے ان کو بڑے اخلاق و احترام کے ساتھ بٹھایا اور دیر تک متوجہ ہو کر ان کی طرف دیکھا، کچھ دیر کے بعد انہوں نے رخصت چاہی فرمایا ''بہتر مگر تم کیا پیشہ کرتے ہو؟'' انہوں نے بہت عذر کیا کہ آپ اس بات کو نہ پوچھیں، اسی طرح رہنے دیں، ان کے واقف کاروں میں سے کسی نے کہا ''بتا دو کیا مضائقہ ہے؟ بلکہ

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۴۰۱، ۴۰۳، ۴۰۴

تمہارے لئے بہتر ہے'' آپ نے بھی فرمایا کہ بیان کرو، انہوں نے اپنی چوری اور حرام کاری کا تمام حال صاف صاف بیان کیا ''اب تک ہمارا پیشہ یہ تھا، مگر اب سے آپ کے دست مبارک پر توبہ کرتے ہیں ہم کل جب آپ کے پاس آئے تھے، اس وقت ہمارا کچھ خیال نہ تھا، صرف سیر تماشے کی غرض سے آئے تھے، مرید ہونے کا مطلق ارادہ نہ تھا، مگر جب ہم آپ کے پاس بیٹھے اور آپ کا اخلاق دیکھا تو ہمارے دل کا عجیب حال ہو گیا کہ اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتے، یکا یک یہی دل میں سمایا کہ سب گھر بار، بیوی بچے چھوڑ کر آپ ہی کے پاس رہیں، اسی واسطے آج ہم آئے ہیں'' آپ نے فرمایا کہ آج موقوف رکھو، جمعہ کو ان شاء اللہ تم کو مرید کریں گے، یہ سن کر وہ چلے گئے۔

جمعہ کو کچھ دن چڑھے وہ آئے، آپ نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز کے بعد بیعت کرنا، نماز کے بعد وہ بیعت ہوئے اور کچھ زر نقد آپ کے نذر کیا، آپ لے کر پھر ان کے حوالے کیا اور فرمایا کہ ہماری طرف سے اپنے لڑکوں بالوں کو دینا، انہوں نے کہا کہ اپنے اہل وعیال کو کیوں کر آپ سے بیعت کراویں، فرمایا کسی روز اس طرف جانا ہوگا، تو مرید کرلیں گے''۔

ایک روز آپ گولہ گنج کی چڑھائی پر جاتے تھے، امان اللہ خاں نے عرض کیا کہ میرا غریب خانہ قریب ہے، اگر حضرت وہاں قدم رنجہ فرمائیں تو عین عنایت ہو، ہمراہی وہیں کھڑے رہے، آپ ان کے یہاں تشریف لے گئے، اور ان کے گھر والوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔(۱)

امان اللہ خاں، سبحان خاں اور مرزا ہمایوں بیگ تو سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، ان کے زمرے کے تین آدمی غلام رسول خاں، غلام حیدر خاں اور صدر خاں اور تھے، ان کو یہ حال معلوم نہ تھا، ایک روز یہ تینوں صاحب، امان اللہ خاں کے پاس آئے اور کہا کہ ''ان دنوں خرچ کی تنگی ہے، اس کی تدبیر کرنی چاہئے، یعنی کہیں چل کر چوری کریں'' انہوں نے جواب دیا کہ، اب ہم سے کچھ نہ ہوگا'' کہا کیا سبب ہے؟ آج کل نہ چلو گے یا کبھی نہیں؟ قصہ کیا ہے؟''

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۴۰۳-۴۰۵

مرزا ہمایوں بیگ نے کہا کہ ''بات یوں ہے کہ ہم اور یہ اس بات سے توبہ کر چکے ہیں، اب ان شاء اللہ ہم سے یہ کام نہ ہوگا'' انہوں نے کہا ''کب تم نے توبہ کی؟ کہا شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر، بریلی کے جو سید صاحبؒ اترے ہیں، ان کے ہم اور یہ مرید ہو گئے ہیں'' اور کچھ آپ کے فضائل و کمالات بیان کئے کہ ایک روز ہم پانچ چار آدمی بطور سیر و تماشہ ان کے پاس گئے کہ دیکھیں تو کیا حال ہے، ملاقات ہوئی تو جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، انہوں نے ہم کو توجہ دلائی، اس سے ہم کو بہت فائدہ ہوا۔

یہ حقیقت سن کر ان تینوں ساتھیوں نے کہا کہ اگر یہی حال ہمارا بھی ہو تو ہم بھی چل کر بیعت کریں، انہوں نے کہا کہ اس سے کیا بہتر مگر ہم پہلے ان سے یہ حال بیان کریں، جو وہ فرمائیں تو پھر ہم تم سے کہیں۔

انہوں نے سید صاحبؒ سے یہ حال آ کر عرض کیا، آپ نے فرمایا کہ ''تمہارے گروہ کے جو جو لوگ ہیں، ان سب کو ہمارے پاس لاؤ، ان شاء اللہ، ان کو تم سے زیادہ فائدہ ہوگا۔''

دوسرے روز غلام رسول خاں، غلام حیدر خاں اور صدر خاں کو وہ لے کر آپ کے پاس آئے آپ نے ان کو بڑے اخلاق اور بڑی خاطر داری سے بٹھایا اور مزاج کی عافیت پوچھی، پھر عصر کی نماز کے بعد ان کو مرید بنالیا اور امان اللہ خاں سے کہا کہ تم ان کو توجہ دو، وہ عذر کرنے لگے کہ ''مجھ کو اس کا کیا سلیقہ؟'' آپ نے فرمایا کہ ''یہ کیا بات ہے؟ تم جا کر ان کو توجہ دو، اب کی جو کوئی مرید ہوگا تو ہم اسی طرح ان سے توجہ دلائیں گے'' امان اللہ خاں نے ان کو توجہ دی، غلام رسول خاں بیہوش ہو کر لوٹنے لگے، اور غلام حیدر خاں اور صدر خاں کا ایک سکتے کا سا حال ہو گیا کہ لوگ مونڈھا پکڑ کر ہلاتے تھے اور وہ ہوش میں نہیں آتے تھے، پھر کچھ دیر میں قدرے افاقہ ہوا، آپ کے پاس لائے گئے ۔آپ نے حال پوچھا، حواس بجا نہ تھے، ان سے بات نہ کی گئی، آپ نے امان اللہ خاں سے کہا کہ ان کو گھر لے جاؤ، کل پھر لانا۔

امان اللہ خاں نے کہا کہ ''حضرت میں نے ان کو توجہ دی، ان کا یہ حال ہوا اور مجھ کو آپ کے لوگوں نے توجہ دی، میرا یہ حال نہ ہوا، اس کا کیا سبب؟'' آپ نے فرمایا کہ ''تم کو ان

سے زیادہ فائدہ ہوگا اور ہم تمہارے لئے دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا خاتمہ بخیر کرے اور تم سے اللہ تعالیٰ بہت کام لے گا" انہوں نے کہا کہ "بس میں یہی چاہتا ہوں"۔

امان اللہ خاں تینوں صاحبوں کو مکان پر لے گئے، دوسرے دن جب ان کو بخوبی ہوش آ گیا، امان اللہ خاں ان کو پھر لائے، اس دن سے وہ خود ہی سید صاحبؒ کے پاس آنے لگے۔

جب سید صاحبؒ نے رائے بریلی واپسی کا ارادہ فرمایا، امان اللہ خاں اور مرزا ہمایوں بیگ آپ کے ہمرکاب ہوئے، غلام رسول خاں، غلام حیدر خاں اور صدر خاں بھی چلنے کے لئے تیار ہوئے، آپ نے فرمایا کہ تم ابھی مکان پر رہو، جب ہم ہجرت کریں گے، تب تم کو ضرور ساتھ لیں گے۔(۱)

مالِ حرام سے تائبوں کی نفرت

غلام رسول خاں نے عرض کیا کہ ہمارا دل تو آپ کے ساتھ ہی چلنے کو چاہتا ہے مگر آپ کا فرمانا ہم کو منظور ہے، لیکن ہم اپنے گھر میں تو نہ رہیں گے، اس لئے کہ ہمارے یہاں مال حرام ہے، اگر رہیں گے تو کھانا پڑے گا۔

آپ نے فرمایا کہ "یہ بات تو تم نے بڑے کام کی کہی فی الحقیقت یہی بات ہے کہ تم اگر کچھ مال حرام کھاؤ گے تو تمہارا یہ حال نہ رہے گا، خیر تمہاری تو یہ نیت ہے، بھائی غلام حیدر خاں تم اپنا حال کہو۔"

غلام حیدر خاں نے کہا کہ میرے گھر کا بھی یہی حال ہے، مگر آم کا باغ بھائیوں کی شرکت میں ہے فی الحال اس کا تقسیم ہونا دشوار ہے۔

پھر آپ نے صدر خاں سے کہا کہ تم اپنا حال بیان کرو، کہا "میرا بھی بعینہ ایسا ہی حال ہے کہ گھر میں اسی قسم کا مال ہے، لیکن ایک باغ آم کا سوسوا سو روپئے کی آمدنی کا ہے، اس میں شرکت بھی نہیں ہے، میرا گزر اس میں اللہ کے فضل سے بخوبی ہو جائے گا"۔

آپ نے حافظ نجو خاں سے فرمایا کہ غلام رسول خاں اور غلام حیدر خاں کو اپنے

(۱) "وقائع احمدی" ص ۴۰۸، ۴۱۱

ساتھ فقیر محمد خاں کے پاس لے جاؤ اور ہماری طرف سے کہو کہ ان صاحبوں کو کھانے کپڑے کے لئے للہ فی اللہ گزر کے موافق مشاہرہ مقرر کر دیجئے، اس شرط سے کہ اگر یہ چاہیں تمہارے پاس رہیں، چاہیں اپنے گھر، حافظ صاحب ان کو فقیر محمد خاں صاحب کے پاس لے گئے، اور سید صاحبؒ کا پیغام پہنچایا، خاں صاحب نے پوچھا کہ حضرت اپنی زبان مبارک سے ان کے واسطے کچھ مشاہرہ فرمایا ہے" کہا یہ تو مجھے کچھ نہیں کہا" خاں صاحب نے حافظ صاحب کے ذریعہ سید صاحبؒ سے کہلوایا کہ میری طرف سے عرض کرنا کہ یا تو دس روپئے ماہوار نقد لیں یا پانچ پانچ روپئے اور دونوں وقت کھانا، آپ نے کہلا بھیجا کہ آپ دس روپے ہر ایک کو دیں، چاہیں وہ اپنے گھر میں رہیں چاہیں آپ کی سرکار میں حاضر رہیں، انہوں نے ایسا ہی کیا۔(۱)

زنانوں کی توبہ واصلاح

ایک روز ایک نیک مرد ایک زنانے کو لے کر شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر آئے اور آپ سے عرض کیا کہ "میرے اور ان کے درمیان للہ فی اللہ دوستی ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ آپ کے دست مبارک پر بیعت کریں اور ان کو ہدایت نصیب ہو" آپ نے فرمایا "بہت خوب بات ہے" اس سے پوچھا، تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ "میرا ارادہ یہی ہے، جو یہ کہتے ہیں مگر میرے یہاں دس بارہ آدمی ہیں، ان میں سے کئی آدمی ایسے جن کو اطلاع کرنی ضروری ہے، آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی ہدایت نصیب کرے اور ان کو بھی، آپ نے فرمایا "تم اس امر میں کوشش کرو، ہم بھی دعا کریں گے، خدا چاہے گا تو وہ تمہارے ساتھ آئیں گے"۔

تیسرے روز تین زنانے، چوتھا وہ خود پانچویں وہ صاحب جن کے ساتھ وہ پہلے دن آیا تھا، آئے ان تینوں میں ان کا ایک سردار تھا، آپ نے دیر تک ان کی طرف نگاہ توجہ سے دیکھا اور پوچھا کہ تمہاری کیا نیت ہے؟ انہوں نے کہا "نیت تو یہی ہے کہ آپ کے ہاتھ پر توبہ کریں، مگر اس بات کا اندیشہ ہے کہ باقی لوگ کچھ فساد برپا کریں اور ہم کو پکڑ لے جائیں"

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۴۱۱-۴۱۳

آپ نے فرمایا کہ "تم خالص دل سے توبہ کرو، اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے گا، کوئی تمہارا مزاحم نہ ہوگا" انہوں نے کہا کہ "ہم حاضر ہیں" آپ نے فرمایا "ان کو نہلا دھلا کر کپڑے پہناؤ" لوگ گومتی سے نہلا لائے، کسی نے ہم لوگوں میں سے چادر دی، کسی نے پاجامہ، کسی نے انگرکھا، کسی نے ٹوپی، سب کو مردانے کپڑے پہنائے، پھر آپ نے ان سے بیعت لی اور دعا کی اور فرمایا کہ "جوان میں سردار ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس حال میں بھی سردار رکھا ہے، یعنی ان تینوں سے خدا کے نزدیک مرتبہ میں زیادہ ہے" پھر ان کی توجہ دلائی اور مولوی محمد یوسف صاحب سے فرمایا کہ، ان کو اپنے پاس رکھئے، کسی بات کی تکلیف نہ پائیں، اپنے ساتھ نماز میں لے جایا کیجئے، اور اپنے ساتھ لایا کیجئے اور نماز روزے کے مسائل ان کو سکھائیے"۔

دو تین روز میں ان کے باقی لوگوں کو خبر ہوئی کہ چار شخص تم میں سے جا کر سید صاحبؒ کے مرید ہوئے ہیں، لوگوں سے اس کا مشورہ کیا کہ وہاں سے ان کو کیونکر لائیں، انہوں نے کہا "وہاں کا تو یہ حال ہے کہ جو کوئی ان کے پاس جاتا ہے، خدا جانے ان کے پاس کیا سحر ہے کہ وہ انہیں سے مل جاتا ہے، اور انہیں کا طریقہ اختیار کرلیتا ہے، اگر تم جاؤ گے تو کچھ عجب نہیں کہ تمہارا بھی وہی حال ہو، اس سے یہی بہتر ہے کہ ان سے صبر کرو اور باز آجاؤ، مگر یہ بات ہے کہ جب سید صاحبؒ اپنے مکان بریلی کو جائیں، تب تم اس بات کی خبر دیدار بخش کو کرو، اگر موقع ملے تو وہ ان کو سمجھا کر بلالیں" اس مشورے کا حال اس شخص سے معلوم ہوا، جوان کو لے کر آیا تھا۔

لکھنؤ سے روانگی کے وقت آپ نے ان چاروں کو فقیر محمد خاں رسالے دار صاحب کے پاس بھیج دیا، اور کہلوایا کہ ان چاروں نے اپنے پیشے سے توبہ کی ہے، آپ کھانے کپڑے سے ان کی خبر لیا کریں، اللہ تعالیٰ اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں گے، ان کا مفصل حال ہم ملاقات کے وقت بیان کریں گے۔(۱)

اہل حکومت کو تشویش

مولانا عبدالحی صاحب کے ہر درس میں دو چار اہل تشیع ضرور توبہ کرکے اہل سنت والجماعت

(۱) "وقائع احمدی" ص ۴۰۵-۴۰۸

میں داخل ہو جاتے اس اطلاع سے تاج الدین حسین خاں اور سبحان علی خاں کمبوہ کو بڑی فکر پیدا ہوئی، انہوں نے نواب معتمد الدولہ سے اس کی شکایت کی، نواب صاحب نے چوبدار بھیج کر سید صاحبؒ سے کہلوایا کہ وعظ و نصیحت میں کوئی حرج نہیں، یہاں حکومت اہل تشیع کی ہے، تبدیلی مذہب سے فساد کا اندیشہ ہے، سید صاحبؒ نے جواب دیا کہ ہم کلمہ حق بیان کرتے ہیں، جو طالب حق آئے گا اور متاثر ہوگا، ہم اس کو ہرگز نہ روکیں گے، ہم آپ کے حکم کی تعمیل سے قاصر ہیں، نواب معتمد الدولہ نے دوبارہ پیغام بھیجا اور کہا کہ ایسی صورت حال میں اگر کوئی نقصان پہنچا تو ہم پر ذمے داری نہیں، سید صاحبؒ نے اس کا بھی کوئی اثر نہیں لیا، آخر میں نواب صاحب نے فقیر محمد خاں رسالے دار سے کہا کہ سید صاحبؒ تمہارے پیر و مرشد بھی ہیں اور آشنا بھی، ہماری طرف سے تم جا کر سمجھاؤ کہ حاکم وقت کا مقابلہ اچھا نہیں، اگر شاہ پیر محمد صاحبؒ کے ٹیلے کے گرد دو چار توپیں لگا کر اڑا دے تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟'' فقیر محمد خاں صاحب نے یہ پیغام پہنچا دیا، آپ نے فرمایا ''فقیر محمد خاں تم مجھ سے مدت سے واقف ہو اور میرے حالات کو خوب جانتے ہو، یہ مجھ سے ہرگز نہ ہوگا کہ کلمۃ الخیر کہنے سے باز رہوں، معتمد الدولہ ''دو چار توپوں کیا ڈراتے ہیں؟ اگر سو توپیں لگا دیں گے تو کیا پروا؟ خدا میرا مددگار ہے، ان کے نقصان پہنچانے سے کچھ نہ ہوگا۔''

فقیر محمد خاں کے واسطے سے آپ کے اور معتمد الدولہ کے درمیان کئی روز تک گفتگو رہی، لشکر میں جو لوگ آپ کے مرید تھے، انہوں نے سنا اور سب نے خفیہ کہلا بھیجا کہ ''حضرت ہم لوگ تیار ہیں، جو ارشاد ہو بجا لائیں، آپ کسی بات کا اندیشہ نہ فرمائیں'' آپ نے کہلا بھیجا ''تم خاطر جمع رکھو، اللہ تعالیٰ کافی ہے، کچھ فتنہ و فساد نہ ہوگا۔''

آخر میں فقیر محمد خاں نے سید صاحبؒ کا پیغام معتمد الدولہ کو پہنچا دیا اور یہ کہا کہ سید صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ منع کرنے کا طریقہ اور تھا اگر یہ کہا جاتا کہ تم ہماری رعیت ہو، ہمارے شہر سے چلے جاؤ، اس میں ہمیں کچھ عذر حیلہ نہ تھا، لیکن کلمۃ الخیر لوگوں کو تعلیم نہ کرو، یہ بات اہل اسلام کے خلاف ہے، خدا کا طالب سنی ہو، یا شیعہ جو ہمارے یہاں آئے گا ہم اس کو سکھائیں گے، یہ

بھی فرمایا کہ تم نواب معتمد الدولہ کے نوکر ہو اور میرے مرید، تم کو میری طرف سے اجازت ہے کہ فساد کے وقت تم میرے ساتھ نہ ہو، انہیں کی طرف ہو یا کسی کی طرف نہ ہو، الگ رہو۔

یہ تمام گفتگو سن کر نواب معتمد الدولہ نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے سید صاحبؒ اور ان کے ساتھ کے علماء بڑے حقانی اور خاندانی لوگ ہیں، فقیر محمد خاں نے اس وقت سید صاحبؒ کے آباء واجداد کے فضائل وکمالات بیان کئے اور مولانا عبدالحی صاحبؒ اور مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کے بزرگوں کے اوصاف واخلاق کا تذکرہ کیا، نواب معتمد الدولہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور کہا کہ اگر وہ قبول کریں تو ان کی دعوت کرنی چاہئے، لیکن ان کے لوگ ہمارے یہاں ہتھیار باندھ کر نہ آئیں، خاں صاحب نے کہا "کیا مضائقہ ہے؟ کوئی ہتھیار لے کر نہ آئے گا، اگر لائیں گے تو باہر ڈیوڑھی پر رکھوادیں گے"۔

فقیر محمد خاں سید صاحبؒ کے پاس آئے، دعوت کا پیام لائے، آپ نے یہ سن کر تبسم کیا اور فرمایا کہ "دعوت کا تکلف کرنا کیا ضرور؟" انہوں نے کہا کہ "اب تو آپ قبول کرلیں، فرمایا بہتر چلیں گے"۔(۱)

نواب معتمد الدولہ کی دعوت

دوسرے دن نواب صاحب نے سواریاں بھیجیں، ہاتھی بھی اور گھوڑے اور پالکیاں بھی، سید صاحبؒ اپنے لوگوں کے ساتھ تشریف لے گئے، اور ڈیوڑھی پر پہرے والوں کے پاس ہتھیار رکھ دیئے، اندر چبوترے پر ایک فرش بچھا تھا، وہاں جا کر سب بیٹھے، نواب معتمد الدولہ کے پاس تاج الدین حسین خاں، سبحان علی خاں، فقیر محمد خاں رسالے دار، مینڈو خاں رسالے دار وغیرہ حاضر تھے، اور مہمان داری اور خدمت گزاری میں مستعد تھے۔(۲)

مولانا عبدالحی صاحبؒ کا وعظ اور مکالمہ

مولانا عبدالحی صاحبؒ نے نواب معتمد الدولہ کی مجلس میں وعظ فرمایا، مولانا محمد اسمٰعیل

---

(۱) "وقائع" ص ۴۱۳، ۴۱۷ (۲) ایضاً

صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایسا وعظ ہم نے نہیں سنا، وعظ اس طرح شروع کیا کہ اے مومنو! معلوم ہونا چاہئے کہ ایمان کا نشان کیا ہے اور کفر کا نشان کیا، پھر اس دعوے پر عقلی و نقلی دلائل پیش کئے، ایک گروہ کے نشان ایمان اور دوسرے گروہ کے نشان کفر کو بڑی خوش بیانی سے واضح کیا اور بڑی خوبی سے ان کو ہر گروہ پر منطبق کیا۔

معتمد الدولہ نے بڑی تحسین و آفرین کی اور کہا کہ آپ کے اوصاف حمیدہ جیسے سنے تھے، اس سے زیادہ پایا۔(۱)

سبحان علی خاں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باب میں کچھ سوال کیا، مولانا دیر تک سکوت میں رہے، اکثر لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید مولانا کو جواب نہ آیا، اس کے بعد سر اٹھایا کر فرمایا ''سبحان علی خاں صاحب، آپ کیا دریافت فرماتے ہیں؟'' انہوں نے پھر وہی سوال کیا، اس پر مولانا نے ایک عالمانہ تقریر کی، لوگوں کی زبان پر آمنّا و سلّمنا تھا، معتمد الدولہ نے کہا، کہ ''اب گفتگو موقوف کیجئے اور ہاتھ دھلایئے۔''(۲)

جماعت کی تربیت اور بلند حوصلگی

مہمان ہاتھ دھو کر بیٹھے تو مختلف اقسام کے نفیس ولذیذ کھانے ان کے سامنے چنے گئے، کھانا بڑی مقدار میں ایک ایک کے سامنے رکھا گیا، اور کہہ دیا گیا کہ جس کے سامنے جو کھانا ہے، وہ اس کی ملک ہے، چاہے یہاں کھائے، چاہے اپنے ساتھ لے جائے، لیکن سید صاحبؒ کے ہمراہیوں میں سے جن میں بہت سے عام لوگ اور غریب آدمی تھے، ہر ایک آسودہ ہو کر اٹھ گیا، اور کسی نے کھانا اپنے ساتھ نہیں باندھا، کھلانے والوں میں سے کسی نے بعض کھانے والوں سے کہا کہ یہ تمہارا حصہ ہے، ساتھ لیتے جاؤ، اس طرف سے کسی نے جواب دیا کہ یہ ہمارا دستور نہیں، جس نے ہم کو شام کا کھانا عطا فرمایا ہے، وہ صبح کو بھی ہم کو رزق پہنچائے گا۔

مجلس برخاست ہوئی تو نواب معتمد الدولہ نے پانچ ہزار روپئے پیش کئے، آپ نے ہر چند عذر کیا لیکن معتمد الدولہ نے قبول نہیں کیا۔

---

(۱) ''منظورۃ السعداء'' روایت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ (۲) ''وقائع احمدی'' ص ۴۱۹

رخصت ہونے کے بعد معتمد الدولہ نے فقیر محمد خاں سے کہا کہ یہ عجیب و غریب لوگ ہیں، میں نے آج سے پہلے ایسے آدمی نہیں دیکھے تھے، انہوں نے خواہش کی کہ میں تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں، سید صاحبؒ نے فرمایا، اس وقت بڑی دیر ہوگئی ہے، یہاں سے جاتے وقت ملاقات کرکے جاؤں گا۔'' (۱)

روانگی اور معتمد الدولہ سے ملاقات

جب سید صاحبؒ نے لکھنؤ سے رائے بریلی کوچ فرمایا آپ نے اکثر لوگوں کو روانہ کردیا کہ قندھاریوں کی چھاؤنی میں چل کر ٹھہریں، آپ چند لوگوں کے ساتھ نواب معتمد الدولہ کی ملاقات کو گئے، لوگوں کو ڈیوڑھی پر چھوڑ کر آپ فقیر محمد خاں رسالے دار کے ساتھ اندر گئے، نواب ممدوح سے ملاقات ہوئی، دو گھنٹے گفتگو رہی نواب معتمد الدولہ نے کہا کہ ''حضرت میں آپ کے سامنے برے کاموں سے توبہ کرتا ہوں'' آپ نے فرمایا کہ ''توبہ سب برے کاموں سے بہتر ہے، مگر جو آپ بیچارے غریبوں محتاجوں کے گھر زبردستی کھدواڈالتے ہیں، سب سے پہلے اس سے توبہ کرنی چاہئے، یہ مردم آزاری سب سے برا کام ہے'' نواب نے اقرار کیا کہ ان شاء اللہ کسی کا مکان اس کو راضی کئے بغیر اور واجبی قیمت دیئے بغیر نہ کھدے گا بلکہ چند مکانوں کی پیمائش ہوچکی تھی، ان کو موقوف رکھا۔ (۲)

نواب صاحب کو تحفہ

رخصت کے وقت سید صاحبؒ نے ایک عمدہ گھوڑی، جو بہت بلند اور قد آور تھی جس پر آپ اس وقت سوار تھے، بچے سمیت نواب صاحب، موصوف کو تحفے کے طور پر دی، نواب صاحب نے بہت عذر کیا اور کہا کہ ''تین چار گھوڑے خود ہمارے اصطبل سے پسند فرما کر ہماری طرف سے قبول کیجئے'' آپ نے فرمایا کہ ''نہیں یہ گھوڑی تو آپ کو قبول کرنی ہوگی۔'' (۱)

لکھنؤ کے قیام کے دوران میں فقیر محمد خاں نے بڑی رفاقت اور محبت کا ثبوت دیا اور بڑی دعائیں لیں۔

---

(۱) ایضاً ص ۲۱۹، (۲) ایضاً ۲۲۴-۴۲۵ (۱) ''وقائع ص ۴۲۵'' سید صاحبؒ کی عادت تھی کہ ان کے ساتھ اگر کوئی سلوک کرتا تو وہ شایان شان سلوک کرتے اور اپنا ہاتھ اونچا رکھنے کی کوشش کرتے۔

فقیر محمد خاں کی ترقی

لکھنؤ سے واپسی میں مولوی سید محمد صاحبؒ نصیر آبادی لکھنؤ سے فقیر محمد خاں کا خط لائے جس میں لکھا تھا، کہ کل رات، جب آپ قندھاریوں کی چھاؤنی میں تھے، نواب معتمد الدولہ کے یہاں سے اس فقیر کو خلعت ہوا، دس ہزار روپئے نقد ملے اور ہاتھی، پالکی، شملہ، مندیل، دوشالہ، سپر، تلوار اور اس کے علاوہ بہت سامان ملا، پہلے تین سو روپئے کا مشاہرہ تھا، اب ہزار روپئے کا ہوا اور پندرہ سو سوار اور دو ہزار پیادے کا حکم دیا کہ نوکر رکھ لو اور محمدی کا پرگنہ علاقہ ہوا۔

سید صاحبؒ یہ حال سن کر بہت خوش ہوئے فرمایا کہ ''ابھی تو ابتدا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ آگے دیکھنا کہ ان کے واسطے کیسی ترقی ہوگی۔ (۱)

بادشاہ کی آرزوئے ملاقات

رائے بریلی تشریف لے آنے کے کچھ دن بعد ایک روز آپ رفقاء کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نواب معتمد الدولہ کا ایک قاصد آیا اور نواب ممدوح اور فقیر محمد خاں بہادر کا خط لایا، خط پڑھے گئے، دونوں کا مضمون یہ تھا کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد بادشاہ غازی الدین حیدر نے فرمایا کہ ہمارے شہر میں ایسے صاحب کمال بزرگ اتنے دن رہے، ہزاروں آدمی ان کے مرید اور ان کی ذات سے مستفید ہوئے افسوس کی بات ہے کہ تم نے مجھ کو اطلاع نہ دی، اب جو صورت ممکن ہو، ان کو بلاؤ اور ہم سے ملاؤ۔

آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ ''میرے تو جانے کی کوئی صورت نہیں، وہاں جانے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، باقی جیسا آپ لوگوں کا مشورہ ہو'' لوگوں نے کہا کہ ''اگر آپ نہ تشریف لے جائیں تو مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا اسمٰعیل کو بھیج دیں، وہ حاکم وقت ہیں، ان کے جانے سے شاید اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب کرے نہیں تو کوئی حرج نہیں، چند روز رہ کر تشریف لے آئیں گے'' فرمایا ''خیر یوں ہی سہی، مگر وہاں کچھ ہونا نہیں''۔

---

(۱) ''وقائع'' ص ۴۳۰

چنانچہ یہی جواب دیا گیا کہ ''بالفعل ہمارا آنا تو ممکن نہیں، مگر ان شاء اللہ دس پندرہ روز میں مولانا عبدالحی صاحب، اور مولانا محمد اسمٰعیل کو بھیجیں گے۔''

چند دنوں کے بعد مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب پچیس آدمیوں کے ساتھ لکھنؤ روانہ ہوئے، نواب معتمد الدولہ کو خبر ہوئی، ایک مکان میں اتار پھر بادشاہ کو اطلاع کہ جہاں پناہ نے جو بریلی کے سید صاحب کو یاد فرمایا تھا، وہ تو کسی عذر سے تشریف نہیں لا سکے، مگر مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا محمد اسمٰعیل کو اپنی طرف سے بھیجا ہے، وہ شہر میں اترے ہیں، بادشاہ نے پچیس روپے روز کا کھانا مقرر کر دیا، دونوں وقت پکا ہوا کھانا خوانوں میں لگا ہوا آنے لگا، بعض شخصوں نے مولوی عبدالحی صاحب سے کہا کہ ''اس کھانے سے تو آپ نقد کر لیں تو بہتر ہے'' مولانا نے فرمایا کہ ''ہم کو اس بات سے کچھ غرض نہیں چاہیں کھانا بھیجیں، چاہیں نقد''۔

پندرہ سولہ روز ان حضرات کا لکھنؤ میں قیام رہا، مگر والی لکھنؤ سے ملاقات نہ ہوئی، اہل دربار نے اس کا اہتمام رکھا کہ اس عرصے میں بادشاہ کسی وقت ہوش میں نہ آنے پائیں، فقیر محمد خاں بہادر اور مینڈو خاں نے دونوں صاحبوں سے یہ حال بیان کیا اور کہا کہ آپ کو رہنے، جانے کا اختیار ہے انہوں نے کہا کہ، ہمارا رہنا بے کار ہے، صبح کو معتمد الدولہ سے بے ملے اور بے خبر کئے رائے بریلی روانہ ہو گئے۔(۱)

(۱) ''وقائع''، ص ۴۳۱-۴۳۶

رائے بریلی کا قیام اور بعض اہم اصلاحی کام

رائے بریلی کا قیام اور اس کے اہم واقعات

لکھنؤ سے واپسی پر سید صاحبؒ کا تقریباً ایک سال رائے بریلی میں قیام رہا، مولوی سید جعفر علی صاحب ''منظورۃ السعداء'' میں لکھتے ہیں:

> بعد تشریف آوری از لکھنؤ حضرت امیر المومنین قریب یکسال بر دولت خانہ رونق افروز بودند
>
> ''لکھنؤ سے تشریف آوری کے بعد حضرت امیر المومنین تقریباً ایک سال دولت خانہ پر رونق افروز رہے''

''وقائع احمدی'' میں ہے کہ حضرت امیر المومنین امام المجاہدین علیہ الرحمہ، سفر باظفر لکھنؤ سے مراجعت فرما کر تکیے پر تشریف لائے اور کچھ یا زیادہ ایک سال وہاں رونق افروز رہے۔''(۱)

اس قیام کے اہم واقعات میں سے جہاد کے لئے مشق و تربیت کا اہتمام، نکاح بیوگان کی سنت کا احیاء اور نصیر آباد کی مہم ہے۔(۲)

---

(۱)''وقائع''ص ۴۶۴ (۲)''منظورۃ السعداء'' اور ''وقائع احمدی'' دونوں میں واقعات کی ترتیب یہی ہے

جہاد کا شوق اور اس کی تیاری

یوں تو عبادت وسلوک کے ساتھ جہاد کی تیاری آپ ہمیشہ کرتے تھے، لیکن اس قیام میں اس طرف سب سے زیادہ توجہ تھی، جہاد کی ضرورت کا احساس روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور یہ کانٹا تھا جو آپ کو برابر بے چین رکھتا تھا، دن رات اسی کا خیال رہتا تھا، زیادہ تر یہی مشاغل بھی رہتے، آپ اکثر اسلحہ لگاتے تاکہ دوسروں کو اس کی اہمیت معلوم ہو اور شوق ہو، دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے، لکھنؤ میں آپ نے ایک مرید کو ایک تفنگچہ دیا اور کہا کہ "جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے ہتھیار رکھو اور شکم سیر ہو کھاؤ، ان شاء اللہ کفار کے ساتھ جہاد کریں گے، تم بھی مشق میں مشغول رہو، اس سے بہتر کوئی فقیری اور درویشی نہیں۔" (۱)

بدقسمتی سے بہت مسلمان ان چیزوں کو تقدس ومشیخت کے خلاف سمجھتے تھے، لکھنؤ میں ایک مرتبہ جب آپ قندھاریوں کی چھاؤنی میں تشریف لے جا رہے تھے، آپ بھی ہتھیار باندھے ہوئے تھے، اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ تھے، عبدالباقی خاں صاحب نے یہ دیکھ کر کہا کہ "حضرت آپ کی سب باتیں تو بہتر ہیں، مگر ایک بات مجھ کو ناپسند ہے، اور وہ آپ کے خاندان والا شان کے خلاف ہے، آج تک یہ طریقہ کسی نے اختیار نہیں کیا، آپ کو وہی کام زیبا ہے، جو آپ کے حضرات آباء واجداد کرتے آئے" آپ نے فرمایا کہ "وہ کون سی بات ہے؟" کہا "یہ سپر، تلوار بندوق وغیرہ کا باندھنا یہ سب اسباب جہالت ہیں، آپ کو نہ کرنا چاہئے، یہ سنتے ہی حضرت کا چہرہ غصے کے مارے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ خاں صاحب، اس بات کا آپ کو کیا جواب دوں؟ اگر سمجھئے تو یہی کافی ہے، کہ یہ وہ اسباب خیر و برکت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عنایت فرمائے تھے تاکہ کفار ومشرکین سے جہاد کریں اور خصوصاً ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سامان سے تمام کفار واشرار کو زیر کر کے جہان میں دین حق کو روشنی بخشی، اگر یہ سامان نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے اور اگر ہوتے تو خدا جانے کس دین وملت میں ہوتے۔" (۲)

آپ کو سب سے زیادہ خیال جہاد کا رہتا تھا، جس کو مضبوط اور توانا دیکھتے، فرماتے

---

(۱) "منظورۃ السعداء" (۲) "وقائع احمدی" ص ۳۰۰-۳۰۱

کہ یہ ہمارے کام کا ہے، مورائیں (ضلع اناؤ) کے شمشیر خاں، الہٰ بخش، شیخ رمضان اور مہربان خاں ملاقات کے واسطے آئے، چاروں بڑے لمبے لمبے جوان تھے، آپ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا ''ایسے جوان ہمارے کام کے ہیں، پیرزادے لوگ ہمارے کام کے نہیں'' اور بہت تعریف کی، وہ آپ کا اخلاق دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ ہم غریب آدمی چار روپے کے سپاہی، آپ ہماری اس طرح تعریف کرتے ہیں، بعد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جہاد میں اپنا کام تم سے بہت لے گا، پھر مہربان خاں سے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ تم سے اور کام لے گا، ان تینوں سے اور کام لے گا، اور وہ دونوں کام خدا کی مرضی کے ہوں گے۔''(۱)

رفقاء کی سید صاحبؒ سے گفتگو، جہاد کی ضرورت پر آپ کی تقریر

جب فنون حرب کی مشق وتعلیم میں زیادہ انہماک ہوا اور زیادہ تر وقت اسی میں صرف ہونے لگا، یہاں تک کہ سلوک کے کاموں میں کمی ہونے لگی، تو رفقاء نے آپس میں گفتگو کرنی شروع کی اور مشورہ کیا کہ مولانا محمد یوسف صاحب پھلتی اس بارے میں سید صاحبؒ سے گفتگو کریں اور جماعت کے ان خیالات کی اطلاع دیں، مولانا نے سید صاحبؒ سے عرض کیا، سید صاحبؒ نے آپ کو جواب دیا کہ ''ان دنوں اس سے افضل کام ہم کو درپیش ہے، اسی میں ہمارا دل مشغول ہے، وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیاری ہے، اس کے سامنے اس حال کی کچھ حقیقت نہیں، وہ کام یعنی تحصیل علم سلوک اس کام کے تابع ہے، اگر کوئی تمام دن روزہ رکھے، تمام رات عبادت وریاضت میں گزارے، اور نوافل پڑھتے پڑھتے پیروں میں ورم آجائے، اور دوسرا شخص جہاد کی نیت سے ایک گھڑی بھی بارود اڑائے تاکہ کفار کے مقابلے میں بندوق لگاتے آنکھ نہ جھپکے تو وہ عابد اس مجاہد کے رتبے کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا، اور وہ کام (سلوک وتصوف) اس وقت کا ہے، جب اس کام (تیاری جہاد) سے فارغ البال ہو، اب جو پندرہ سولہ روز سے نماز یا مراقبے میں دوسرے انوار کی ترقی معلوم ہوتی ہے وہ اسی کاروبار کے طفیل

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۴۴۰، ۴۴۱۔ چنانچہ مہربان خاں حضرت کے متعلقین کی خدمت کے لئے سندھ میں رہے، پھر وہاں سے ان کے ساتھ ٹونک گئے اور باقی اکوڑہ کے پہلے ہی چھاپے میں شہید ہوگئے۔

سے ہے، کوئی بھائی جہاد کی نیت سے تیر اندازی کرتا ہے، کوئی بندوق لگاتا ہے، کوئی پھری گدکا کھیلتا ہے، کوئی ڈنڑ پیلتا ہے، اگر ہم اس کام کی اس وقت تعلیم کریں، تو ہمارے یہ بھائی اس کام سے جاتے رہیں، یوسف جی! تم خود اپنا حال دیکھو کہ گردن ڈالے ہوئے، ایک عالم سکوت میں رہتے ہو، اسی طرح اور لوگ بھی کوئی کمبل اوڑھے مسجد کے کونے میں بیٹھا ہے، کوئی چادر لپیٹے حجرے میں بیٹھا ہے، کوئی جنگل جاکر مراقبہ کرتا ہے، کوئی ندی کے کنارے گڑھا کھود کر بیٹھا رہتا ہے، ان صاحبوں سے تو جہاد کا کام ہونا مشکل ہے تم ہمارے بھائیوں کو سمجھاؤ کہ اب اسی کام میں دل لگائیں، یہی بہتر ہے، حاجی عبدالرحیم صاحب سے مشورہ کرکے جواب دو"۔

ایک عارف کی زبان سے سید صاحبؒ کی عظمت کا اعتراف

حاجی عبدالرحیم صاحب نے جب یہ سنا تو پہلے اپنا حال بیان کیا کہ جب مجھ کو حضرت سے بیعت نہ تھی، اپنے مشائخ کے طور وطریق پر تھا، چلہ کشی کرتا تھا جو کی روٹی کھاتا تھا، موٹے کپڑے پہنتا تھا، صدہا میرے مرید تھے، اور جو درویشی کا طالب میرے پاس آتا، اس کو تعلیم کرتا تھا، اور کسی سے کچھ غرض نہیں رکھتا تھا، جو کوئی مطلب کے لئے دو چار کوس یا ایک دو منزل لے جانے کی درخواست کرتا، فی اللہ چلا جاتا تھا، اور میری نسبت کا یہ طور تھا، کہ آدھ کوس یا کوس بھر سے کسی پر توجہ کی نظر ڈالتا تو اسی جگہ اس کو حال آجاتا تھا اور بعض بعض باتیں مجھ میں ان سے بڑھ کر تھیں اور میں اس حال میں بہت خوش تھا اور میرے مریدوں میں بعض بعض صاحب تاثیر تھے، باوجود ان سب باتوں کے جب اللہ تعالیٰ نے ان سید صاحبؒ کو سہارنپور پہنچایا اور مجھ سے ملایا اور مجھ کو توفیق دی کہ میں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپ کا طریقہ دیکھا، اس وقت اپنے نزدیک مجھ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو میری بری موت ہوتی، میں نے اپنے سب مریدوں سے کہا کہ اگر تم اپنی عاقبت بخیر چاہتے ہو تو ان سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت یا اس عقیدے سے میری ہی بیعت کرو اور جو نہ کرے گا وہ جانے، میں نے آگاہ کردیا ہے، اسکا مواخذہ قیامت کے روز مجھ سے نہیں، پھر سب نے دوبارہ بیعت کی، سو میں نے تمام عیش وآرام اور ناموس ونام چھوڑ کر سید صاحبؒ کے یہاں کی محنت ومشقت اور تنگی

وکلفت اختیار کی، اینٹیں بھی بناتا ہوں، دیوار بھی اٹھاتا ہوں، گھاس بھی چھیلتا ہوں، لکڑی بھی چیرتا ہوں اور ہر طرح کے کام کرتا ہوں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کاروبار کی بدولت جونعمت دی اور خیر وبرکت عطا کی، اس کے دسویں حصے کے برابر اول معاملات کی تمام خیر وبرکت کونہیں پاتا ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس راحت کو چھوڑ کر یہ محنت کیوں اختیار کی؟ سومیری صلاح اس بارے میں یہی ہے کہ تم اپنا سارا کاروبار حضرت پر چھوڑ دو، وہی جو کچھ بہتر جان کر تم کو فرمائیں، اسی کو مانو اور اپنی بہتری اس میں سمجھو اور اپنی ناقص رائے کو اس میں دخل نہ دو۔

حاجی صاحب چونکہ فن سلوک اور قوت نسبت میں مسلم تھے، اور مشہور شیخ اور عارف تھے، اس لئے ان کی تقریر سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے اور مقدماتِ جہاد میں دل و جان سے مشغول ہو گئے، دن رات یہی مشغلہ تھا، بھر ماری، تیر اندازی کرتے، چورنگ لگاتے اور فنون سپہ گری کی پوری مشق کرتے تھے(۱)

بیوہ کا نکاح

بیوہ کا نکاح ثانی مسلمانوں کے اس دینی اور اخلاقی انحطاط کے دور میں، جس میں مسلمان شرفاء ہندوانہ رسم ورواج سے پورے طور پر متاثر ہو چکے تھے اور بہت جگہ شریعت کے بجائے نفس اور عرف وعادات کا دور دورہ تھا، بڑے ننگ وعار کی بات اور خلافِ ادب شرفاء سمجھا جاتا، خافی خاں نے اپنے زمانۂ عہد محمد شاہی کے متعلق شہادت دی ہے کہ در ہندوستان میان شرفائے اسلام کہ مراد از اصل مشائخ عرب است، ایں عمل (عقد بیوگان) در ہندوستان قبیح و عیب دانستہ ترک رویہ آباء واجداد را کہ موافق حکم خدا ومطابق شرع محمدی است، نمودہ اند" تیرہویں صدی کی ابتدا تک یہ کراہت وحقارت قلوب میں اس طرح جاگزیں ہو چکی تھی کہ یہ مسلمانانِ ہند کا ایک عرف اور رواج بن چکا تھا۔

اس کا اندازہ کرنے کے لئے کہ اس مسئلے نے کتنی اہمیت اختیار کر لی تھی، اور اس کی مخالفت کتنی دشوار تھی، اور یہ کہ بعض علماء اس رواج کی حمایت میں تھے، اور اس کے ثبوت

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۴۴۸، ۴۵۴

میں فقہی دلائل اور نظائر پیش کرتے تھے، یہاں نکاح بیوگان کے سلسلے میں ایک استفتا اور تیرہویں صدی کے ایک عالم کے قلم سے اس کا جواب نقل کیا جاتا ہے۔(۱)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض امور ہندوستان میں اس دیار کے شرفائے اہل اسلام میں ابتداء سے آج تک برابر مروج ہیں اور ظاہراً شرع کے خلاف ہیں مگر رسم ورواج کے موافق کہ ہر شہر کے لوگوں میں وہ امور بطور رسم ورواج قرار پا گئے ہیں، لوگ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں اور رسم ورواج کو شرع پر مقدم جانتے ہیں، چنانچہ منجملہ ان امور کے ایک امر یہ ہے کہ بیوہ عورت کا نکاح ثانی کرنا قبیح جانتے ہیں، اس کا نکاح ثانی کرنے سے پرہیز رکھتے ہیں، حتی کہ اگر بیوہ عورت نکاح ثانی پر راضی ہو جائے تو اس کے ولی شرافت کی غیرت سے ہرگز اس امر کو جائز نہ رکھیں گے "اجیبوا، رحمکم اللہ تعالیٰ"

اس استفتا کا جواب خاصا طویل ہے، یہاں اس کا اختصار اور انتخاب پیش کیا جاتا ہے:

جواب: "الاشباہ والنظائر" میں لکھا ہے کہ چھٹا قاعدہ یہ ہے کہ عادت حکم ہے، یعنی اس کے اعتبار پر شرعاً حکم کیا جاتا ہے، یعنی عادت کا اعتبار کرنا احکام شرعیہ میں شرعاً ثابت ہے، اور یہ قاعدہ اس اصل سے ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مَا رَآهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَاللّٰهِ حَسَنٌ" یعنی جس امر کو اہل اسلام بہتر جانیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وہ امر بہتر ہوگا اور ہدیٰ نے "شرح مغنی" میں لکھا کہ عادت سے مراد وہ امر ہے کہ اس کا استقرار نفوس میں ہو جائے، اور وہ ان امور سے ہو کہ ان کا اعتبار چند مرتبہ سلیم طبائع کے نزدیک کیا گیا ہو۔(۱)

---

(۱) یہ استفتا اور اس کا جواب "فتاویٰ عزیزی" میں درج ہے (ملاحظہ ہو "فتاویٰ عزیزی" فارسی جلد دوم از ص ۱۲۸ تا ۱۳۱) افسوس ہے کہ ان مفتی صاحب کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

(۲) اس موقع پر مفتی صاحب نے ان جزئیات کا تذکرہ کیا ہے جن میں فقہاء نے عرف کو معیار قرار دیا ہے اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

جب اس مقدمے کی تمہید بیان کی گئی اور عرف اور عادت کے معنی ظاہر ہوئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اکثر مسائل اس بناء پر استخراج کئے گئے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عرف شرع پر مقدم ہے، بشرطیکہ عرف نص کی تصریح کے خلاف نہ ہو تو جاننا چاہئے کہ پہلی صورت کے بارے میں جواب یہ ہے کہ بیوہ عورتیں ایمان کی قوت سے اس قدر صابر اور اپنے نفس پر جابر ہو جائیں کہ غیرت کی وجہ سے نکاح ثانی سے پرہیز کریں اور اپنے لئے نکاح ثانی کو روا نہ رکھیں، اس واسطے کہ کفار اس بارے میں طعن کرتے ہیں کہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا جائے اور اس امر کو رذیل اور خسیس قوم کی خصوصیت جانتے ہیں، اور شرافت کے خلاف سمجھتے ہیں تو ایسی حالت میں ان بیوہ عورتوں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ درجہ اور بلند مرتبہ ہوگا اور فی الجملہ ایسی بیوہ عورتوں کو حضرت سرور کائنات ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حال کے ساتھ مشابہت اور ان کی پیروی حاصل ہو سکتی ہے، البتہ امتناع کی علت میں فرق ہے۔

اور بالفرض اگر وہ نکاح پر راضی بھی ہو جائیں اور ان کے ولی کی جانب سے ممانعت ظہور میں آئے تو اس میں بھی شرع کی مخالفت لازم نہیں آتی ہے، اس واسطے کہ بعضے مقام اور بعضے امور میں اس لحاظ سے کہ اس میں کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے میں غیرت ہوتی ہو اور شرافت میں خلل آتا ہو اور اپنی طرف ایسی صفت کی نسبت ہونے کا خوف ہو کہ باعتبار عرف نہایت مذموم ہو تو ایسی صورت میں شرع سے تجاوز کرنے کو علماء نے مستحسن جانا ہے چنانچہ یہ امر اس صحیح حدیث سے کہ مسلم میں ہے مستنبط اور مستفاد ہوتا ہے، اور وہ حدیث یہ ہے:

"عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه، قال سعد بن عبادة، ولو وجدت مع اهلی رجلا، لم امسه حتی اتی باربعة شهداء؟

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ،نعم قال ، کلا والذی بعثك بالحق ان کنت اعاجلہ بالسیف قبل ذلك ، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : اسمعوا الی مایقول سیدکم انہ لغیور و انا اغیر منہ واللّٰہ اغیر منی"

یعنی ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ اگر میں اپنے اہل کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں تو کیا اس مرد سے تعرض نہ کروں حتیٰ کہ چار گواہ لے آؤں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہاں'' سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ ''ہرگز نہیں قسم ہے، اس ذات کی کہ اس نے آپ پر حق پر مبعوث فرمایا ہے کہ میں اس سے قبل اس کا علاج تلوار سے کروں گا، یعنی اس کو قتل کر ڈالوں گا'' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''سنو وہ بات جو تمہارے سردار کہتے ہیں یہ نہایت صاحب غیرت ہیں، اور میں ان سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہے'' صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث کچھ کم تفاوت کے ساتھ وارد ہے تو اس مقام میں سعد بن عبادہؓ نے غیرت کی نہایت زیادتی کی وجہ سے قتل کرنے کو اختیار کیا اور اس مقام میں قتل کرنے کو اختیار کرنا شرع کی حد سے تجاوز کرنا ہے، مگر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ سعد ایک صاحب غیرت شخص ہیں، اور میں ان سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہے، اور دوسری حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "ومن غیرتہ حرم الفواحش ما ظھر منھا و ما بطن" یعنی اللہ تعالیٰ کی غیرت سے ہے، کہ اس نے ظاہر و باطن ہر طرح کے فواحش امور کو حرام فرمایا تو جس صورت میں کہ بیوہ عورت کا نکاح صرف مباح ہو، کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہوں، ایسا نہ

ہو کہ اس کی خواہش کے لحاظ یا زمانے کی حالت کے اعتبار سے ضروری ہو تو ایسی صورت میں اگر ولی کی طرف سے ممانعت وقوع میں آئے تو حد شرعی سے تجاوز کرنے میں یہ اس قتل کرنے سے زیادہ نہ ہوگا کہ سعد بن عبادہؓ نے اختیار کیا تھا۔"(۱)

علمائے مصلحین نے اس ذہنیت اور اس جاہلی حمیت کے خلاف اپنی زبان اور قلم سے تبلیغ کی، خود حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے مذکورہ بالا فتوی کا مدلل جواب لکھا اور اس کی عالمانہ تردید کی (۲)، آپ نے فارسی میں نکاح بیوگان کے ثبوت وفضیلت اور اس کو فعل قبیح سمجھنے والوں کی مذمت وتردید میں ایک موثر رسالہ فارسی میں لکھا ہے (۳)، خود حضرت سید صاحبؒ نے "صراط مستقیم" میں اس مردہ سنت کو زندہ کرنے اور اس کی ترویج پر زور دیا ہے اور بیوہ کے نکاح ثانی کو قبیح سمجھنے کو ہندوؤں کی صحبت واختلاط کا نتیجہ قرار دیا ہے (۴)، لیکن مدتوں کی اس متروک سنت کے احیاء وترویج اور صدیوں کے اس جاہلی خیال کے استیصال کے لئے یہ تحریریں، اصلاحی رسالے اور تقریریں کافی نہ تھیں، ضرورت اس کی تھی کہ کوئی عظیم شخصیت اور مقتدائے زمانہ اپنے عمل سے اس سنت کے احیاء اور اس جاہلی خیال کا ابطال کرتا اور اس کی ایسی پرزور دعوت دیتا کہ اس کی قباحت دلوں سے بالکل نکل جاتی اور اس کا عمومی رواج ہوتا، اللہ تعالیٰ نے اور دوسرے عظیم الشان اصلاحی وتجدیدی کاموں کے ساتھ یہ عظیم الشان اصلاحی خدمت بھی، جس کا اثر سیکڑوں خاندانوں اور ہزاروں زندہ درگور عورتوں کی زندگی پر پڑتا ہے، سید صاحبؒ سے لی اور غیب سے اس کا سامان پیدا ہوا۔

مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ

ایک مرتبہ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے شاہ علم اللہ صاحبؒ کی مسجد میں اس آیت پر وعظ فرمایا:

---

(۱) ترجمہ ماخوذ از "سرور عزیزی" مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ ۱۳۲۴ھ ص ۳۰۲-۳۰۸

(۲) ملاحظہ ہو "فتاویٰ عزیزی" (فارسی) ص ۱۳۴-۱۳۸ (۳) مجموعہ رسائل قلمی کتب خانہ ندوۃ العلماء

(۴) ملاحظہ ہو "صراط مستقیم" مجتبائی ص ۶۵

"لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا آبَآءَ هُمْ اَوْ اَبْنَآئَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (۱)

(المجادلہ:۲۲)

یہ وعظ اس خطابت وفصاحت سے فرمایا کہ لوگ دنگ تھے، آپ نے ہندوستان کے تمام علماء ومشائخ کے اعمال اس میزان عدل میں تولے اور سب کی کمزوریاں صاف صاف ظاہر کردیں، یہاں تک کہ خاندان عزیزی تک نوبت پہنچی اور جو کمزوریاں اس خاندان میں تھیں، آپ نے وہ ظاہر کیں، یہاں تک کہ نوبت خاندان شاہ علم اللہؒ (سید صاحبؒ کے خاندان) تک پہنچی اور آپ نے اس خاندان کے جو اعمال آیت کے خلاف تھے، بیان کئے اور حضرت سید صاحبؒ نے اس کی تصدیق کی، اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ "حضرت اگر آپ اپنے خاندان سے ایک بات دور فرمادیں تو اس آیت پر پورا عمل ہوجائے" سید صاحبؒ یہ بات سنتے ہی بے تاب ہوکر اپنی جگہ سے اٹھے اور آپ کے سامنے دوزانو ہوکر بیٹھ گئے اور کہا کہ "میں خدا کا بندہ ہوں اس کا اور اس کے رسولؐ کا تابع ہوں، اس سے پہلے سہارنپور وغیرہ میں میں نے مولانا سے کہا تھا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں عزیزوں رشتے داروں اور امیر وغریب کسی کا پاس نہیں، اس کا حکم بے کم وکاست ادا کروں گا اور کسی کی خوشی اور ناخوشی کا خیال نہیں کروں گا، اس وقت مجھے سب سے زیادہ محمد یعقوب (برادرزادہ) عزیز ہیں، دنیا کی چیزوں میں سے جو چاہیں لے لیں، لیکن اللہ کی اطاعت میں ان کی رعایت نہیں کروں گا، میرے تمام رشتے دار صاف صاف سن لیں کہ جو اللہ ورسولؐ کی اطاعت میں میرے شریک حال ہوں، ادائے اوامر واجتناب نواہی میں کسی کی طعن وملامت کا خیال نہ کریں، وہ میرے عزیز اور مجھے محبوب ہیں، اور جو اس کے لئے تیار نہ ہوں، ان کو میری طرف سے جواب ہے، اور مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں، صاف کہتا ہوں کہ جو اللہ کے راستے میں مستعد ہو، میرا شریک ہو اور جو چاہے، مجھ سے جدا ہوجائے"

(۱) جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں، جو اللہ اور رسولؐ کے برخلاف ہیں، گو وہ ان کے باپ یا بیٹے بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو۔

مولانا عبدالحی صاحب نے فرمایا کہ ''حضرت سے اسی کی امید تھی اور اسی لئے تمام مشائخ کو چھوڑ کر حضرت کا دامن پکڑا ہے'' مولانا اسمٰعیل صاحب اور شاہ ابو سعید صاحب خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم بھی حضرت کے ساتھ ہیں یہ سن کر مسجد میں غلغلہ بلند ہوا اور لوگوں پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ زبان سے بات نہیں نکلتی تھی۔(۱)

سید صاحبؒ کا خواب

اس عرصے میں سید صاحبؒ نے خواب دیکھا کہ لکڑیوں کا ایک بڑا بھاری گٹھا ہے، بہت سے آدمی مل کر اسے اٹھانا چاہتے ہیں، مگر کوئی اٹھا نہیں سکتا، آپ کی بھاوج (سید محمد اسحٰق صاحب مرحوم کی بیوہ) بھی موجود ہیں، سید صاحبؒ بعجز و انکساران سے کہتے ہیں کہ اگر آپ بھی ہاتھ لگائیے تو اس کو گھر پہنچادیں، اول تو بوجھل ہونے کی وجہ سے انہوں نے عذر کیا، مگر آپ کے اصرار سے انہوں نے منظور کیا اور دونوں نے مل کر اسے گھر پہنچا دیا۔

آپ کا معمول تھا کہ روزانہ نماز فجر کے بعد حلقے میں توجہ دیتے تھے، اس روز آپ نے اس کو ملتوی رکھا اور مولانا عبدالحی اور مولانا اسمٰعیل سے فرمایا کہ آج مراقبہ نہیں ہوگا، آج میں نے عجیب خواب دیکھا ہے، اس کی تعبیر دیجئے۔

ان حضرات نے خواب سن کر فرمایا کہ آپ ہی تعبیر بھی دیجئے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کی تعبیر یہ ڈالی ہے کہ ایندھن جو کھانا پکنے کا ذریعہ ہے انسان کی زندگی کا سبب ہے، زندگی دو طرح کی ہے، دنیوی زندگی اور اخروی زندگی، اتباع سنت ایسا طعام روحانی ہے، جس سے حیات اخروی وابستہ ہے، آپ کو معلوم ہے کہ بعض احکام شریعت، جو قرآن میں منصوص اور دیار عرب اور مرکز اسلام میں رائج ہیں، ہمارے ملک میں خصوصاً شرفاء اور خاندانی لوگوں میں بالکل متروک بلکہ سخت معیوب ہیں، اور لوگ ان کے منافع و برکات کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے اور ہندوستانی رسم ورواج کے پابند ہیں، انہیں شرعی احکام میں سے ایک اہم حکم بیوہ کا نکاح ثانی ہے، جس کے متعلق قرآن شریف میں صاف صاف موجود

---

(۱) ''منظورۃ السعداء''

ہے "وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ "(۱)(النور:۳۲)
ان شاء اللہ اس سنت کا اجرا اول اپنی ذات سے اور اپنے خاندان سے کروں گا، جب اپنے یہاں سے اس کی ابتداء ہو جائے گی تو پھر اپنے دوستوں اور اہل تعلق سے اس کا مطالبہ کروں گا، قرآن شریف میں آتا ہے "اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ "(۲)(البقرہ:۴۴)

یہ فرما کر آپ گھر تشریف لے گئے اور ان سب عزیز عورتوں اور مستورات کو جمع کرایا، جن کا آپ سے بیعت وارادت کا تعلق تھا اور صبح سے زوال تک ان کے سامنے تقریر فرمائی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

"اسلام یہ نہیں ہے کہ زبان سے کہے کہ میں مسلمان ہوں یا گائے کا گوشت کھائے یا ختنہ کرائے یا مسلمانوں کے مراسم میں شریک ہو اور ان کی مجلسوں میں بیٹھے، اسلام یہ ہے کہ اس کے تمام احکام کی تعمیل کرے یہاں تک کہ وہ اپنے محبوب بچے کو حضرت ابراہیمؑ کی طرح خوشی خوشی اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور منہیات سے لے کر مکروہات تک اس طرح اجتناب واحتراز کرے کہ اگر ان کا خیال بھی دل میں پیدا ہو تو چالیس روز تک استغفار کرے، انہیں چیزوں میں سے بیواؤں کا دوسرا نکاح نہ کرنا ہے خصوصاً وہ بیوہ کہ جوان ہو، اس کا نکاح ثانی کرنا ایسا بڑا گناہ سمجھنا، جیسا خدا کے یہاں کفر و شرک ہے اور جو بیوہ اپنا نکاح کرلے، اس کو بازاری عورت اور بے حیا سمجھنا اور قحبہ کا خطاب دینا اور اس کو مطعون وبدنام کرنا اور ساری عمر بیوہ کو زندہ درگور کر دینا اسی قبیل سے ہے، یہ نہیں سمجھتے کہ یہ بات کہاں تک پہنچتی ہے، ان کو نہیں معلوم کہ حضرت صدیقہؓ کے سوا تمام امہات المومنین بیوہ تھیں"۔

آپ نے یہ وعظ ایسے جوش واثر سے کہا کہ اہل مجلس میں سے اکثر مدہوش ہو گئے اور زاروقطار روئے اور ایک دن اور آپ نے اسی طرح تقریر کی، اپنی خالہ صاحبہ سے (جو مولانا

(۱) اور تم میں جو بے نکاحے ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو اس کا بھی۔
(۲) کیا غضب ہے کہ اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے۔

سید محمد اسحٰق صاحب کی بیوہ کی پھوپھی تھیں) خاص طور بڑی منت وسماجت سے کہا کہ "آپ کسی طرح والدۂ اسمٰعیل کو اس سنت کے احیا اور نکاح ثانی کے لئے آمادہ فرمائیں، آپ کو خوب معلوم ہے کہ یہ رشتہ میں حظ نفس کے لئے نہیں کرتا، محض سنت کے جاری کرنے اور ہندوستان کی ایک رسم جاہلیت کو مٹانے کے لئے کرنا چاہتا ہوں" غرض دو تین مہینے اسی کوشش میں صرف ہو گئے آخر کار اعزاء اور خود مخدومہ راضی ہو گئیں اور ایک مدت دراز کے بعد ہندوستان میں شرفاء کے خاندان میں یہ مبارک تقریب ہوئی۔(۱)

سید صاحبؒ نے اس پر اکتفا نہیں کی، بلکہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، اور اپنے خلفاء کے نام شاہ اسمٰعیل صاحبؒ سے خط لکھوائے، جس میں اس واقعے کی اطلاع اور سنت کی ترغیب دی، چنانچہ جواب میں خطوط آئے کہ اس پر عمل کیا گیا اور یہ سنت جاری ہو گئی۔(۲)

نصیر آباد کا ہنگامہ

قصبہ نصیر آباد رائے بریلی سے دس کوس کے فاصلے پر واقع ہے، یہ سید صاحبؒ کے اجداد کا وطن اور آپ کے خاندان کا ایک مسکن ہے، مولوی دلدار علی صاحب پہلے شیعہ مجتہد یہیں کے رہنے والے تھے، ۶ محرم کو نصیر آباد کا ایک آدمی خط لے کر آیا، اس میں لکھا تھا کہ اس سال نصیر آباد کے اکثر سنی سادات وشرفاء اپنی ملازمتوں اور ضروری کاموں پر گئے ہوئے ہیں، قصبے میں بہت کم اہل سنت رہ گئے ہیں، قصبے میں شیعہ حضرات کی بڑی آبادی ہے، اور خاص طور پر محرم میں جو لوگ باہر ہوتے ہیں، وہ بھی گھر آ کر محرم کرتے ہیں، مجتہد صاحب کے وطنی تعلق اور سلطنت کی سرپرستی اور حمایت کی وجہ سے یوں بھی ان کو قوت حاصل تھی، اس سال سب نے اتفاق کیا کہ تبرّا علانیہ کہا جائے، سنیوں سے انہوں نے کہہ دیا ہے کہ اگر آپ کی دل آزاری ہو تو ایک روز کے لئے اہل وعیال کو لے کر قصبے سے باہر چلے جائیں، یہ اطلاع پا کر مشورہ کیا گیا کہ کیا کرنا چاہئے، نصیر آباد کے بھائیوں نے بڑی منت کے ساتھ استدعا کی تھی کہ آپ اس موقع پر تشریف لے آئیں، تا کہ یہ قصہ دفع ہو، بعض لوگوں کی رائے تھی کہ

---

(۱) "مخزن احمدی" ص ۴۴ (۲) "وقائع احمدی" ص ۴۸۷، ۴۹۰

اپنے بھائیوں کی ضرور مدد کرنی چاہئے، بعض کہتے تھے کہ یہ سلطنت سے براہ راست ٹکر ہے، اس موقع پر خاموش ہی رہنا چاہیے، لیکن سید صاحبؒ نے چلنے کا فیصلہ فرمایا اور اہل قصبہ کو اطلاع بھیج دی کہ آپ سب مطمئن رہئے، ہم سب آتے ہیں۔

نصیر آباد کو روانگی

میاں دین محمد کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ ہم نماز عصر راستے میں پڑھیں گے، تم جلد اپنے لوگوں کو گولی بارود تقسیم کردو اور کچھ گولیاں اور بھی بنالو اور بریلی اور جہان آباد والوں کو کہلا بھیجو کہ کمر کس کر نصیر آباد چلنے کی تیاری کریں اور ایک مزدور کے سر پر دیگ رکھوا کر آگے روانہ کردو، عصر کے قبل حضرت گھوڑے پر سوار ہو کر اور لوگوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے، کوئی چند قدم چل کر ٹھہر گئے اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے کہ ''کچھ خرچ تمہارے پاس ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ خیر کچھ مضائقہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، مگر بنیے سے کہتے چلو کہ دو روپے کے چاول ہمارے یہاں پہنچا دے، یہ کہہ کر آپ روانہ ہوئے اس عرصے میں آپ کے دولت خانے سے مجھ کو ایک ملازمہ نے آواز دی کہ ذرا یہاں کھڑکی کے پاس آؤ، اس وقت بی بی سارہ کی والدہ صاحبہ نے پیروں کے دو نقرئی کڑے مجھ کو دیے کہ ان کو بیچ کر خرچ کرنا، میں نے تھیلے میں ڈال لئے، اس عرصے میں سید محمد اسمٰعیل صاحب کی والدہ آکر فرمانے لگیں کہ، کڑوں کی وہ جوڑی ان کو پھیر دو، میں روپے لائی ہوں، وہ لے جاؤ، میں نے وہ کڑے ان کے حوالے کر دیے، انہوں نے مجھے پچیس روپے دیئے۔

عصر کی نماز پڑھ کر آپ رائے بریلی سے روانہ ہوئے، آگے چل کر مغرب کی نماز پڑھی، پھر وہاں سے آگے عشا کے وقت ایک چھوٹے سے تالاب کے کنارے اترے، نماز عشاء ادا کی اور فرمایا کہ ''اب اس وقت رات کو ستر پچھتر آدمی ہیں، چلنا کچھ ضروری نہیں ہے، یہیں لیٹ بیٹھ رہو، فجر کی نماز پڑھ کر چلیں گے'' پھر سب رات کو وہیں رہے، اول فجر کی نماز

پڑھ کر روانہ ہوئے، کوئی تین گھڑی دن چڑھا ہوگا کہ باآواز بلند تکبیر کہتے ہوئے نصیر آباد میں داخل ہوئے، دیوان جی کی مسجد میں چبوترے پر سید محمد مستقیم صاحب، سپر تلوار باندھے ہوئے کھڑے تھے، حضرت کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور لوگوں کو پکار کر کہنے لگے "سید صاحبؒ بریلی سے آپہنچے" یہ خبر سن کر سب سنی، جو اپنے دلوں میں مایوس اور پژمردہ تھے، گویا زندہ ہو گئے، اور اپنے اپنے گھروں سے نکل کر آپ کے پاس حاضر ہوئے۔(۱)

نصیر آباد میں

سید صاحبؒ اسی دیوان جی (۲) کی مسجد میں اترے اور اپنے لوگوں سے بتاکید مزید فرمایا کہ خبردار کوئی یہاں سے نہ جائے اور فرقہ ثانی میں سے کسی سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے، ادھر شیعوں سے کہلا بھیجا کہ ہمارے آدمی آپ کی طرف نہ آئیں گے، اور آپ کی طرف کے جو آدمی ہماری طرف آئیں گے، ہمارے آدمی ان کے مزاحم نہ ہوں گے، محرم کی تعزیہ داری اور گریہ وزاری وغیرہ جس طرح آپ کرتے آئے ہیں کریں، ہمیں کچھ سروکار نہیں، مگر سابق دستور سے کوئی نئی بات نہ کریں۔

اس کے جواب میں انہوں نے کہلا بھیجا کہ اب کی سال ہم تمہارے سبب سے تعزیہ داری موقوف کریں گے، اور آج اپنے علم ونشان نہ نکالیں گے، آپ نے کہلا بھیجا کہ اس کا آپ کو اختیار ہے، چاہے کریں، چاہے نہ کریں، اس میں ہماری طرف سے کچھ نہیں ہے۔

ادھر اطراف و جوانب سے اہل سنت کی آمد جاری تھی، دو چار دن میں بہت بڑی تعداد میں اطراف کے مسلمان جمع ہو گئے، حضرات شیعہ حاکم نصیر آباد کے پاس وفد لے کر گئے اور کہا کہ "رائے بریلی کے سید صاحبؒ نے آکر ہمارے تمام علم اور مراسم محرم کو زبردستی روک دیا ہے اور ہمارے مذہبی فرائض میں مداخلت کرتے ہیں، حاکم اس بیان سے بہت متاثر ہوا،

---

(۱) وقائع احمدی ص ۴۸۷-۴۹۰

(۲) دیوان سید خواجہ احمد صاحب جو شاہ علم اللہ صاحبؒ کے حقیقی چچازاد بھائی اور استاد تھے، اپنے زمانے کے نامور علماء وصلحاء میں سے تھے، حضرت سید آدم بنوریؒ سے بیعت کا تعلق تھا، ۱۰۸۸ھ میں وفات پائی اور اپنی مسجد کے دروازے کے قریب مدفون ہوئے۔

لیکن قصبے کے دوسرے سادات وشرفاء نے اس کی تردید کی اور کہا کہ وہ ہرگز مذہبی امور میں مداخلت نہیں کرتے اور ماتم وعلم وسینہ کوبی سے مانع نہیں، اس لئے یہ استغاثہ صحیح نہیں، دستور قدیم سے زائد کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے، یہ ہم سب کا بھی متفقہ مطالبہ ہے، ہم سید صاحبؒ کے بھائی اور مرید اوران کے جان ومال سے شریک ہیں، اس سے علیحدہ نہیں، عامل کے لشکر میں جتنے اہل سنت تھے، ان سب نے بھی اس کی تائید وحمایت کی، حاکم نے حالات کی نزاکت کو محسوس کیا اور حکم دیا کہ دستور کے خلاف کچھ نہیں ہونا چاہئے۔

اہل تشیع نے اس روز احتجاجاً اپنے علم نہیں اٹھائے اور خاموش ہوکر بیٹھ رہے، قصبے میں امن وسکون رہا اور محرم کی وہ تاریخیں گزر گئیں جن میں فساد کا اندیشہ تھا۔

اس عرصے میں ایک روز اہل قصبہ نے سید صاحبؒ کے رفقاء اور باہر کے آنے والوں کی ضیافت کی، دوسرے روز سید صاحبؒ ہی کی طرف سے سب کے کھانے کا اہتمام رہا، دوروز میں سوار اور پیادے سب ملا کر دوسو آدمی کے قریب ہو گئے تھے، سب آسودہ ہوکر کھاتے رہے۔

۱۴ ارمحرم الحرام کو سید صاحبؒ اپنے رفقاء کے ساتھ رائے بریلی واپس تشریف لے آئے (۱)

نصرت وبرکت

میاں دین محمد کہتے ہیں، آپ کوئی دو ڈھائی کوس آئے ہوں گے، وہاں میرے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے کہ "کہو کیا حال ہے؟" میں نے کہا "الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان فرمایا کہ خیر کے ساتھ لے چلا اور مفسدوں کے فساد سے محفوظ رکھا" فرمایا "بیشک اس کا احسان ہے، ہر شور وشر سے مامون رکھا" تھوڑی دیر چل کر پھر فرمانے لگے، کہ "کہو کیا حال ہے؟" میں نے کہا، جو آپ فرمائیں، عرض کروں، فرمایا "تم پر قرض کس قدر رہا ہوگا؟" میں نے کہا کہ "اس حال کی مجھ کو خبر نہیں، اللہ کو معلوم ہے، یا آپ جانیں" فرمایا "سچ ہے، اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے، ہم نہ کہیں کے حاکم، نہ ہمارے پاس کوئی ملک، نہ کہیں خزانہ، ایک

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۴۸۶، ۴۹۷ باختصار

عاجز فقیر ہیں، وہ محض اپنے فضل واحسان سے ہماری پرورش کرتا ہے۔"(۱)

تکیے واپس آکر کھانا پکنے اور کھانے والوں کا وہی طور رہا کہ دونوں میں کوئی نسبت نہ تھی جو لوگ ہمراہ تھے اور جو مبارک باد اور ملاقات کے لئے آتے تھے، وہ آسودہ ہو کر کھاتے، ایک روز آپ نے فرمایا "الحمدللہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور کھانا کھانے سے کسی کا پیٹ نہیں بھرتا، صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بھرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی خیر و برکت ہمارے شامل حال ہے، نہ ہمارے پاس ملک نہ خزانہ، ہم غریبوں محتاجوں کی وہی اپنے فضل وکرم سے پرورش کرتا ہے۔"(۲)

دوبارہ نصیر آباد کو

چہلم (۲۰ رصفر) کے قریب پھر نصیر آباد کے اہل سنت نے آپ کو اطلاع بھیجی کہ پھر بلوے کا اندیشہ ہے(۳)، اہل تشیع نے طے کیا کہ اس چہلم میں ضرور تبرا کہتے ہوئے تعزیہ اور علم لے کر سنیوں کے محلے سے گزریں گے، اور جو سنی اس میں مزاحم ہوگا، اس کو زدوکوب کریں گے، اگرچہ اس مرتبہ سنی بھی یہ خبر سن کر اپنی اپنی نوکری سے رخصت لے کر آگئے ہیں، مگر اہل سنت کی نسبت اہل تشیع کی جماعت بہت ہے اور آپ سے درخواست کی کہ اس موقع پر نصیر آباد ضرور تشریف لائیں، آپ نے ان کو جواب دیا کہ پریشان نہ ہوں ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور آئیں گے۔

نصیر آباد پہنچ کر آپ نے اپنے ہمراہیوں سے تاکید فرمائی کہ خبردار کوئی شیعوں کے محلے میں سیر اور تماشے کے لئے بھی نہ جائے نہیں تو ہم اس کو سزا دے کر اپنے یہاں سے نکال دیں گے اور ان کے یہاں سے جو لوگ ہماری طرف آئیں، ان سے کوئی مزاحم نہ ہو، بلکہ محبت اور خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے اور جس کو یہ بات منظور نہ ہو، وہ اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا رہے۔

اسی طرح قصبے کے سنیوں سے کہہ دیا تھا کہ تمہارا کوئی آدمی ہماری اجازت کے بغیر کہیں چھیڑ چھاڑ اور جھگڑا نہ کرے، بلکہ ان میں سے اگر کوئی سخت سست کہے تو سن کر خاموش

---

(۱) ایضاً ص ۴۹۹ (۲) "وقائع احمدی" ص ۵۰۲

(۳) "وقائع احمدی" میں صراحۃً مذکور ہے کہ محرم کے بعد چہلم کے موقع پر اہل نصیر آباد نے پھر سید صاحب کو زحمت دی "منظورہ" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اودھ میں چہلم عاشورۂ محرم سے کم اہم نہیں اور اسی اہتمام اور دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

رہے، اور کوئی لایعنی بات زبان سے نہ نکالے، آپ لوگوں نے جب ہم کو بلایا ہے تو ہماری رائے سے کام ہونا چاہئے۔

ادھر آپ نے شیعہ معززین اور قصبے کے سربرآوردہ اہل تشیع کے پاس ایک معمر اور معقول شخص کی زبانی پیغام بھیجا کہ میں مہمان ہوں اور آپ کا بھائی، ہر محلے کے بڑے آدمیوں میں سے ایک ایک صاحب یہاں آنے کی زحمت گوارا فرمائیں، یا مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے رشتے داروں سے مل بھی لوں، چنانچہ بعض بعض معززین ایک ایک دو دو کر کے آپ کے پاس آنے لگے، آپ ہمیشہ کی طرح ہر ایک سے خوش اخلاقی اور محبت سے پیش آئے اور ان سے اچھی اچھی صلاحیت کی باتیں کیں۔

اہل تشیع کے جو بااثر اور سربرآوردہ اصحاب آپ کے پاس آئے تھے، ان کو سمجھاتے تھے کہ ہماری آپ کی قدیم زمانے سے ایک بستی میں بود و باش ہے، ایسے شر و فساد سے اجتناب کرنا چاہئے، جس سے خونریزی کی نوبت آئے، جس طرح آپ ہمیشہ محرم اور تعزیہ داری کرتے آئے ہیں اسی طرح کرتے رہیں، زیادتی نہ کریں وہ کہتے تھے، آپ بجا فرماتے ہیں، ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح کا فساد نہ ہو، ہماری طرف چند مفسد ہیں، وہی شرارت کرتے ہیں، لیکن معلوم ہوا کہ یہ بات صرف سید صاحبؒ کہتے تھے، ورنہ اہل تشیع کے جذبات مشتعل تھے، اور ان کا رویہ اس موقع پر بالکل غیر مصالحانہ تھا اور وہ اس بات پر مصر تھے کہ اس چہلم میں وہ آزادی کے ساتھ کارروائی کر سکیں۔(۱)

تائید غیبی

شیعہ اہل قصبہ نے مقامی حاکم کے یہاں کامیابی نہ دیکھ کر ایک سوگوار اور عزادار وفد ماتمی لباس میں لکھنؤ روانہ کیا اور اس سال محرم کی سب رسومات موقوف کر دی گئیں، اس وقت نصیر آباد سلون کے علاقے میں تھا اور علاقہ بادشاہ بیگم کی جاگیر میں تھا، وفد نے بادشاہ بیگم کی سرکار میں استغاثہ دائر کیا وہاں سے حاکم نصیر آباد کے نام سنیوں کی سرزنش اور ان کے خلاف

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۵۰۵، ۵۱۳

سخت کارروائی کرنے کا فرمان صادر ہوگیا، یہ اطلاع پاکر فقیر محمد خاں رسالے دار اپنے چند دوسرے دوستوں کے ساتھ معتمد الدولہ کی سرکار میں پہنچے اور ان تمام حالات کی اطلاع دی نواب اس وقت بادشاہ کی خدمت میں جا رہے تھے، ان کے اور بیگم صاحبہ کے درمیان پہلے سے سخت اختلاف اور رنجش تھی، اور وہ عرصے سے اس بات کی متمنی تھے کہ کوئی تقریب پیدا ہو تو یہ عظیم الشان جاگیر ضبط ہوجائے (۱)، انہوں نے بادشاہ سے جاکر عرض کیا کہ سید صاحبؒ جو اس شہر میں قیام فرما چکے ہیں، اور چھاؤنی اور شہر کے ہزاروں ہزار مسلمان ان کے مرید ہوئے ہیں، اور جن کے وعظ و نصیحت کا شہرہ تمام ہندوستان میں ہے، یہاں تک کہ حضور پرنور نے بھی ان سے ملاقات کا شوق ظاہر فرمایا تھا (۲)، معلوم نہیں بیگم صاحبہ نے کیا سمجھ کر اپنے عامل کو ان کے اور ان کی پوری برادری کے قلع قمع کرنے کا حکم دے دیا ہے، میں تو بیگمات کے معاملے میں کچھ نہ بولتا، مگر کیا کروں کہ خاموش رہنا بھی مصلحت نہیں، ایک بڑا ہنگامہ اور ایک زبردست فتنہ کھڑا ہوجائے گا، تمام لشکر سید صاحبؒ کا حلقہ بگوش اور فدائی ہے، سرکار کی سنی رعایا بھی ان کی معتقد ہے، عامل غریب کو اتنی طاقت کہاں کہ وہ اتنی بڑی قوت اور جمعیت کے خلاف کوئی کارروائی کر سکے، اس کو تو اپنی جان بچانا ہی مشکل ہے اور خدا کرے کہ یہ فتنہ محض مقامی حکام وغیرہ پر ختم ہوجائے، مجھے تو ڈر ہے کہ اس آگ کے شعلے کہیں لکھنؤ تک نہ پہنچیں، اس وقت اس آگ کا بجھانا ہم خدام کے بس کی بات نہیں، یوں حضور سلطنت کے مالک ہیں، جو مناسب سمجھیں حکم فرمائیں، بادشاہ نے سب سن کر فرمایا کہ جو کارروائی تم مناسب سمجھو وہ بلا تاخیر کرو اور کسی نہ کسی طرح اس فتنے کو فرو کرو۔

---

(۱) بادشاہ بیگم اور خود غازی الدین حیدر شاہ اودھ کے تعلقات حد درجہ کشیدہ تھے، اس کشیدگی اور بادشاہ بیگم اور معتمد الدولہ کی باہمی مخالفت اور آویزش کی پوری تفصیل اور بادشاہ بیگم کے مفصل حالات منشی عبدالاحد رابط ابن مولوی محمد فائق نے جو عہد غازی الدین حیدر میں ریذیڈنسی سے متعلق تھے اپنی فارسی تاریخ ''وقائع دلپذیر'' (قلمی محفوظہ رضا لائبریری، رام پور) میں قلم بند کئے ہیں، اس نایاب کتاب کا ترجمہ انگریزی میں پروفیسر تقی احمد کاکوروی، نے ''تاریخ بادشاہ بیگم'' کے نام سے کیا ہے۔

(۲) اس گفتگو سے اور بعض دوسری عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نصیر آباد کی مہم یقیناً سفر لکھنؤ کے بعد پیش آئی ''وقائع'' میں بھی ایسے اشارے موجود ہیں۔

نواب معتمد الدولہ نے مکان پہنچتے ہی فقیر محمد خاں کو طلب کیا اور حکم دیا کہ اخونزادے کو پانچ سو سوار اور پیادہ فوج کے ساتھ نصیر آباد روانہ کرو کہ بیگم صاحبہ کا عامل کوئی احمقانہ کارروائی اور اہل سنت کے خلاف کوئی اشتعال انگیز بات نہ کرنے پائے، روانگی کے وقت نواب صاحب نے دس ہزار روپئے اور فقیر محمد خاں نے دو ہزار روپئے اخونزادے کو دیے کہ سید صاحبؒ کی خدمت میں ضروری فوجی مصارف کے لئے پیش کئے جائیں۔(۱)

اس واقعے کی تمام لکھنؤ میں شہرت ہوگئی، مجتہد صاحب نے خفیہ پیغام بھیجا کہ اس وقت سید صاحبؒ سے مقابلہ اور مخالفت بالکل خلاف مصلحت ہے، حالات نہایت دگرگوں ہیں، مناسب یہی ہے کہ اس وقت کسی نہ کسی طرح مصالحت کر لی جائے، چنانچہ حضرات شیعہ نے صلح کی پیش کش کی، سید صاحبؒ نے اسے منظور کیا اور تجویز کیا کہ وہ اس اقرار اور وعدے کا ایک محضر لکھ دیں کہ آئندہ وہ احتیاط کریں گے اور اشتعال انگیز باتوں سے مجتنب رہیں گے، چنانچہ اس مضمون کے دو محضر تیار کئے گئے، قاضی شہر اور مفتی نے اس پر دستخط کئے ایک محضر لکھنؤ روانہ کر دیا گیا اور ایک سید صاحبؒ کے پاس محفوظ رہا۔(۲)

اخونزادہ نصیر آباد کے قریب پہنچا تو سید صاحبؒ نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا، اخونزادہ گویا شمشیر برہنہ تھا، عرض کیا کہ "ہمیں معتمد الدولہ نے آپ کی خدمت میں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کے حکم کے مطابق فتنہ انگیزوں کا قلع قمع کیا جائے، ہمیں آپ کے حکم کا انتظار ہے" سید صاحبؒ نے فرمایا کہ "مقصد حاصل ہو گیا ہے خونریزی و فساد کا اندیشہ نہیں رہا اور فریقین میں مصالحت ہوگئی ہے" اخونزادے نے چند روز قیام کیا، جس میں اس کو اور اہل لشکر کو دینی و باطنی استفادے کا موقع ملا۔(۳)

اخونزادے اور اس کے لشکر کی آمد کی خبر سن کر سید صاحبؒ کے پاس شیعہ معززین آئے اور کہا کہ قصبے کے باہر ہمارے موٹھ، جوار وغیرہ کے کھیت ہیں، ہم کو اندیشہ ہے کہ وہ سارے کھیت ان کے گھوڑوں سے پامال ہو جائیں گے اور سارا غلہ ان کے گھوڑے کھا کر اور

---

(۱) "منظورۃ السعداء" (۲) ایضاً (۳) "منظورۃ السعداء" و "وقائع احمدی" ص ۵۲۰، ۵۲۳

پیروں سے روند کر برباد کردیں گے اور ہمارا سخت مالی نقصان ہوگا، آپ نے ان کو اطمینان دلایا اور اخونزادے کو کہلا بھیجا کہ ہمارے اور شیعوں کے درمیان صلح ہوگئی ہے، ان کے جوار اور موٹھ وغیرہ کے کھیت میں تم میں سے کسی کا گھوڑا ٹٹو نہ جانے پائے۔(۱)

لشکر لکھنؤ کی آمد کی اطلاع سن کر قرب و جوار کے مسلمانوں اور مختلف فوجی عہدہ داروں نے پیغامات بھیجے کہ ہم بھی سامان جنگ اور توپ خانے کے ساتھ پہنچ کر آپ کی امداد کریں گے، آپ نے ان کو بتاکید کہلا بھیجا کہ آپ کے زحمت فرمانے کی بالکل ضرورت نہیں، ہماری خوشی اسی میں ہے کہ آپ اپنی جگہ رہیں۔(۲)

اس عرصے میں تمام ہمراہیوں اور وارد و صادر کی ضیافت سید صاحبؒ ہی کی طرف سے ہوتی رہی، ''وقائع'' میں ہے کہ کسی روز چھ سو آدمی کھاتے تھے، ایک روز نو سو آدمیوں نے کھانا کھایا۔(۳)

کھانے کی جو مقدار پکتی تھی، اس کو کھانے والوں کی تعداد سے کوئی مناسبت نہ تھی، لیکن لوگ شکم سیر ہو جاتے اور کھانا بچ جاتا، اخونزادہ آیا تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ ان فقراء کا مہمان ہوا، اخونزادے نے اس منظر کو دیکھ کر تعجب کیا تو سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ''ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے محتاج بندے ہیں، نہ کہیں کے حاکم نہ مالک، اتنا کھانا کہاں سے لاتے جو اتنے لوگوں کو کھلاتے؟ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کے کھانے میں اپنے فضل و کرم سے اسی طرح برکت کرتا ہے۔''(۴)

اخونزادے نے اور اس کے لشکر کے سو سواروں نے سید صاحبؒ سے بیعت کی اور لکھنؤ واپس گیا، معتمد الدولہ اور فقیر محمد خاں کی رقمیں آپ نے واپس کردیں، فرمایا ''ہم ان کے حق میں دعا کریں گے، ان رقموں کی ضرورت نہیں۔''(۵)

اس موقع پر لوگوں نے سید صاحبؒ کے حزم، تدبر، معاملہ فہمی، ضبط و اعتدال اور فوجی تنظیم اور قابلیت کا نمونہ دیکھا اور اس طرح لوگوں کو سید صاحبؒ کے حلقۂ اثر کی وسعت اور

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۵۱۸ (۲) ''منظورہ''

(۳) ''وقائع احمدی'' ص ۵۵۲ (۴) ایضاً ص ۵۲۷ (۵) ایضاً ص ۵۲۳

ان کے رسوخ اور اعزاز کا اندازہ ہوا، نصیر آباد پہنچ کر آپ نے قصبے میں مورچال قائم کردی اور پورے شہر پر ایسا فوجی ضبط و نظام قائم رکھا، جو آزمودہ کار فوجی تربیت یافتہ اشخاص ہی کرسکتے ہیں، پھر اپنی طرف سے اشتعال انگیز اور بے جا کارروائی نہیں ہونے دی۔

مولانا اسمٰعیل شہید فرماتے تھے کہ نصیر آباد کا واقعہ جہاد کا مقدمہ تھا، جس میں لوگوں نے سید صاحبؒ کی قیادت اور انتظامی صلاحیت کے سب سے پہلے جوہر دیکھے، تائید غیبی اور سید صاحبؒ کی مقبولیت کے کھلے واقعات بھی اس قیام کے زمانے میں بکثرت پیش آئے، جن سے لوگوں کو سید صاحبؒ کی وجاہت وقبولیت کا پورا اندازہ ہوا۔(۱)

---

(۱) ''منظورۃ السعداء''

حج کا عزم اور اس کی تبلیغ

حج کا شوق وولولہ

محبت وشوق وجذب الٰہی کا جس کی تربیت چوبیس گھنٹے ہوتی تھی، اب شدید تقاضا تھا کہ حج کو چلئے، صبر کی طاقت نہیں ہے، کانوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت واعلان کی آوازیں آرہی تھیں "برونِ در" بھی اتنا کیا جارہا تھا، کہ "درونِ در" آنے کی اجازت ہوسکتی تھی۔(۱)

حج کی عدم فرضیت کا فتنہ

حج علماء کی تاویلوں اور اس فقہی عذر کی وجہ سے کہ راستے میں امن نہیں ہے، اور سمندر بھی مانع شرعی اور "مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا" کے منافی ہے، اس لئے فرض نہیں ہے اور اس حالت میں حج کرنا فرمانِ خداوندی "وَلَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ" کی مخالفت ہے کچھ مدت سے بالکل متروک یا بہت ہی کم ہوگیا تھا، یہ ایک بہت بڑی دینی تحریف اور ایک بڑا فتنہ تھا، جس کا اگر بروقت استیصال نہ کیا جاتا تو اس کا استیصال مشکل تھا، اور اسلام کے اس عظیم الشان فریضے اور دین کے اس رکن کو دوبارہ زندہ کرنے میں مستقل تجدید وجہاد کی ضرورت پیش آتی۔

بعض علماء نے جن کو علوم عقلیہ میں غلو اور انہماک تھا، حج کی عدم فرضیت اور ہندوستان

(۱) بطواف کعبہ رفتم، بحرم رہم ندادند   کہ برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی؟

کے مسلمانوں کے ذمے سے اس کے ساقط ہو جانے کا باضابطہ فتوی دے دیا تھا، لکھنؤ کے ایک دین دار مسلمان منشی خیر الدین صاحب (سرائے معالی خاں) نے اس بارے میں ایک استفتا مرتب کیا چند علماء نے حج کی عدم فرضیت کا فتویٰ دیا، مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب نے مدلل اور پرزور طریقے پر اس فتوے کی مخالفت کی اور حج کی فرضیت کا فتویٰ لکھا، منشی صاحب نے یہ فتوے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دہلی بھیجے، شاہ صاحبؒ نے اس کا جو جواب دیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس فتنے نے کتنی قوت حاصل کر لی تھی۔(۱)

شاہ صاحبؒ نے منشی صاحب کو لکھا کہ جن لوگوں نے حج کی عدم فرضیت کا فتوی دیا ہے، ان کی نظر دینیات وفقہ واصول پر نہیں ہے، ان کو صرف معقولات میں غلو ہے، چند مشہور اور غیر معتبر فتاوی پر ان کے علم کی بنیاد ہے، اگر ان کے افتاء پر اعتماد کیا اور عمل شروع کر دیا جائے تو گمراہی کا دروازہ کھل جائے اور احکام وفرائض دین اور ارکان اسلام معطل ہو جائیں، آج حج ساقط ہوتا ہے، کل روزہ پرسوں نماز کی باری ہے اور زکوٰۃ تو اس سے زیادہ خطرے میں ہے۔

اس کے بالمقابل آپ نے مولانا عبدالحی اور مولانا اسمٰعیل کے جوابات کی بڑی قوت سے تائید فرمائی اور ان کی مدح وتوصیف کی اور فرمایا کہ ان کے دستخط اور فتوے کی صورت میں مجھ سے رجوع کرنا کچھ ضرور نہ تھا، ان کے دستخط گویا اس فقیر کے دستخط ہیں، علوم دینیہ وعقلیہ میں ان دونوں کا پایہ فقیر سے کم نہیں ہے، اگرچہ بظاہر اس سے اپنی تعریف نکلتی ہے، لیکن امر حق کا اظہار واقف حال کے لئے ضروری ہے۔

---

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ تیرہویں صدی کے آخر تک بعض علماء کو اس مسئلے میں شبہ رہا، مولانا خرم علی صاحب بلہوری "غایۃ الاوطار" اردو ترجمہ "درمختار" جلد اول (تصنیف ۱۲۷۱ھ) میں شرائط حج کے باب میں لکھتے ہیں:۔

"اور جس ملک سے جہاز کی سواری کے بغیر حج نہ ہو سکتا ہو، مثلاً ہندوستان تو ایسے ملک کے سقوط حج میں اختلاف ہے، کرمانی نے کہا کہ اگر سمندر میں سلامتی غالب ہو اور اس بندر سے جہاز کی سواری مروج ہو تو حج واجب ہے، اور اگر سلامتی کا غلبہ نہیں تو حج بھی واجب نہیں، اور یہی قول اصح ہے، كذا في منح الغفار"

بالفعل ہندوستان میں خشکی اور تری میں امن راہ بخوبی حاصل ہے، اور جہاز رانی کی مشق نصاریٰ کے اختلاط کے باعث جواَب حاصل ہے، کبھی نہ تھی، اب اہل ہند پر وجوب حج میں ہرگز تردد نہیں، ہزاروں شخص ہر سال ہند سے جاتے ہیں، اور حج کر کے باسلامت پھر آتے ہیں" ص ۵۵۰

شاہ عبدالعزیزؒ کی تصریح و اعلان

شاہ صاحبؒ اس خط میں تحریر فرماتے ہیں:

مشفق من از فحوائے مضامین جوابِ اول چناں مستنبط شود کہ بزرگانِ مذکور بجز دو چار فتاوائے معروفہ کہ سند آنہا پیش واقفانِ ایں فن ظاہر و باہر است از ادراکِ کتب دینیہ، معتبرہ کہ مدارِ دین متین بر آں ست بہرۂ وافی نمی دارند و از تحصیل علوم فقہ و اصول ذخیرۂ وافی نیندوختہ اند، محض صرف اوقات در تحصیل منطق نمودہ، درستی ایں ہمہ در مواجہۂ ناقدانِ فن مذکور محال و اشکال است، دریں صورت سند احوال مبینۂ ایشاں ساقط از پایۂ اعتبار تصور تواں کرد، بر احکام آنہا عمل نمودن سراسر راہ ضلالت و بطالت پیمودن است، ازیں عقائد شنیعہ حق سبحانہ وتعالیٰ جمیع مومنین را مامون و محفوظ دارد و توفیق طاعت خود روزی کند۔

و مضمون جواب ثانی تاج المفسرین، فخر المحدثین سر آمد علمائے محققین مولویین موصوفین مطابق و موافق احادیث قویہ و کتب اصول فقہ معتبرہ چنانچہ مقابلِ دستخط ایشاں تصحیح و مہر خود ثبت نمودہ شد، ملاحظہ فرمانید تا کہ اطمینان کلی خواہد گردید۔

و فرستادنِ استفتائے مذکور نزد فقیر درصورت بودن مہر و دستخط برخورداران ممدوحین احتیاجے نداشت، چرا کہ ایشاں در علم و تفسیر و حدیث و فقہ و اصول و منطق وغیرہ از فقیر کمتر نیستند، مہر و دستخط ایشاں گویا دستخط فقیر است و عنایت جناب باری عز اسمہ کہ شامل حال مولویین موصوفین است، شکر ایں نعمت عظمیٰ ادا کردن نمی توانم، حق جل و علیٰ زیادہ ازیں بہ مراتب عالی فائز گرداند و برائے اشخاصانِ مبین اصل شریعت جمیع مومنین در جناب الٰہی ہمیں دعا خواستن موجب نجات اخروی است مخلص من، مولویین ممدوحین را یکے از علمائے ربانی

تصور یدہ اشکالے کہ افتتاح آں محال باشد، روبروئے ایشاں پیش خواہند کرد، عنایت فرمائے من، اگرچہ ایں کلمات را بظاہر تعریف وتوصیف خود تصور تواں کرد، لیکن اظہار امر حق ہم بر واقفان واجب ولازم است، لہٰذا چشم پوشی درحق مناسب ندانستیم و ہر دو استفتا بکف رقیمۂ ہذا می رسید واز ورسیدش مطلع باید نمود، ایں وقت بسبب ضعف طبیعت بر ہمیں قدر اکتفا گردید۔

وَالْاِجْمَالُ عِنْدَ هُمْ مُغْنٍ عَنِ التَّفْصِيْلِ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ مَعَاشِكُمْ وَ مَعَادِكُمْ۔

(مکرر) آنکہ انتظار باید کشید کہ اشخاصان معلوم درعرصہ قریب فتوائے معافی صوم وصلوۃ برائے ہندوستانیاں خواہند نوشت بدلیل ایں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم در ہند تشریف فرمانہ شدہ اند وبرائے زکوۃ بدرجہ اولیٰ۔

"مشفق من، جواب اول کے مضامین سے ایسا پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات دو چار مشہور فتاوے کی کتابوں کے سوا جنکی سند اور پایۂ اعتبار فن فقہ کے واقفوں کے نزدیک کچھ بلند نہیں، معتبر کتب دینیہ کے علم سے جن پر دین کا دارومدار ہے، بہرۂ وافر نہیں رکھتے اور علم فقہ واصول فقہ کی انہوں نے کافی تحصیل نہیں کی ہے صرف منطق کی تحصیل میں اوقات گزاری کی ہے ان چیزوں کی توثیق ناقدانِ فن کے نزدیک محال اور نہایت دشوار ہے، اس صورت میں ان کے بیان کردہ حالات کی سند درجۂ اعتبار سے گری ہوئی سمجھنی چاہئے اور ان کے احکام پر عمل کرنا سراسر گمراہی اور بے عملی ہے، حق تعالیٰ ایسے برے عقائد وخیالات سے تمام مسلمانوں کو مامون ومحفوظ رکھے اور اپنی طاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسرے جواب کا مضمون تاج المفسرین فخر المحدثین سرآمد علمائے محققین مولوی

عبدالحی صاحب مولوی اسمٰعیل صاحب کا لکھا ہوا ہے، اور احادیث قویہ اور اصول وفقہ کی معتبر کتابوں کے موافق ہے، چنانچہ ان کی مہر اور دستخط کے مقابل میں نے بھی اپنی مہر تصدیق ثبت کردی ہے ملاحظہ فرمالیں تاکہ اطمینان کلی ہوجائے۔

ایسی صورت میں کہ عزیزانِ موصوف کی مہر اور دستخط موجود تھے، اس استفتا کے میرے پاس بھیجنے کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ یہ دونوں علم تفسیر وحدیث وفقہ واصول ومنطق میں مجھ سے کم نہیں ان کی مہر اور دستخط گویا میری مہر اور دستخط ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی جو عنایت ان دونوں عزیز فاضلوں کے شامل حال ہے، اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہوسکتا حق تعالیٰ ان کو اس سے بھی بلند مراتب پر فائز فرمائے، ان لوگوں کے حق میں، جو اصل شریعت کے واضح کرنے والے ہیں، تمام مومنین کا حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنا خود ان کے لئے نجات اخروی کا باعث ہے، میرے دوست! مولوی عبدالحی اور مولوی اسمٰعیل کو علمائے ربانی میں شمار کرنا چاہیے، میرے کرم فرما! اگرچہ ان کلمات سے بظاہر اپنی تعریف نکلتی ہے، لیکن امر حق کا اظہار واقفوں پر واجب ولازم ہے، لہٰذا حق کے معاملے میں چشم پوشی مناسب معلوم نہ ہوئی، دونوں استفتا اس خط کے ساتھ پہنچیں گے ان کی رسید سے مطلع فرمایا جائے، اس وقت ضعف کی وجہ سے اتنے ہی پر اکتفا کی گئی۔

اور دونوں کے مجمل کلام کی موجودگی میں میری تفصیل کی چنداں ضرورت بھی نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے معاش ومعاد میں برکت عطا فرمائے۔

(مزید) منتظر رہنا چاہئے کہ یہ حضرات جنھوں نے آج حج کی عدم فرضیت کا فتویٰ دیا ہے، کل ہندوستانیوں کے لئے نماز روزے کی معافی کا فتویٰ لکھ دیں گے اس دلیل سے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہندوستان میں بعثت نہیں

ہوئی اور زکوۃ کو بدرجۂ اولیٰ ساقط کردیں گے۔

فریضۂ حج کی ہندوستان میں تجدید

ان حالات میں سید صاحبؒ کا علماء ومشاہیر کی ایک بہت بڑی جماعت اور صدہا مسلمانوں کے ساتھ حج کرنا ادائے فرض کے علاوہ حج کی فرضیت کا بہت بڑا اعلان اور اس کی زبردست اشاعت وتبلیغ تھی، جن کی ان حالات میں سخت ضرورت تھی، یہ ضرورت آپ کے سفر سے پوری ہوئی، ہندوستان کی ہزار بارہ سو برس کی تاریخ میں اس کی قطعاً نظیر نہیں ہے کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت نے اس ذوق وشوق اور جوش وخروش اور اس باہمی الفت ومحبت اور اس متحرک اسلامی ماحول کے ساتھ، جو اس قافلے کے ساتھ چلتا تھا، حج کا سفر کیا ہو، ہندوستان میں صدہا مسلمان سلاطین گزرے ہیں، جن پر حج فرض تھا اور جو ہزاروں مسلمانوں کو اپنے ساتھ حج میں لے جانے کی مقدرت رکھتے تھے، اور ہزارہا مشائخ، جن کے دامن سے لاکھوں مسلمان وابستہ تھے، لیکن اس شان کا حج نہ سلاطین کے تزک و وقائع میں ملتا ہے، نہ مشائخ کے سیر وتراجم میں، جب تک یہ قافلہ سفر میں تھا، ہندوستان کا وہ خطہ جو اس کی گزرگاہ تھا، پیہم جنبش میں تھا، پھر اسکے جلو میں دینی اصلاحی وتبلیغ کا ایک عظیم سیلاب تھا، جس میں شرک و بدعت، فسق و فجور اور جاہلیت کے رسوم و شعائر خس و خاشاک کی طرح بہے جاتے تھے، ہندوستان کا پورا شمالی مشرقی علاقہ جو تین وسیع صوبوں (صوبۂ متحدہ، بہار، بنگال) پر پھیلا ہوا ہے، اس کے فیض سے گلزار بن گیا۔

حج کی ترغیب وتبلیغ

سید صاحبؒ نے حج کا قصد فرمایا اور اہل تعلق کو اس کی اطلاع دی اور دہلی اور پھلت اور سہارن پور اور جہاں جہاں حضرت کے متعلقین تھے، خطوط لکھوائے کہ ''ہماری نیت پہلے سفر ہجرت کی تھی، مگر اب مرضی الٰہی یہی ہے کہ پہلے حج کو جائیں، سو جن بھائیوں کا ارادہ ادائے

حج کے واسطے ہمارے ساتھ چلنے کا ہو، یہاں آکر حاضر ہوں۔" (۱)

یہ خطوط بڑی تعداد میں سید احمد علی کے نوعمر صاحبزادے سید زین العابدین نے لکھے، ان خطوط کا مضمون یہ تھا:

"ہم ادائے حج کے واسطے بیت اللہ شریف کو جاتے ہیں، جن صاحبوں کو حج کرنا منظور ہو، ان کو اپنے ہمراہ لایئے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ہمارے پاس نہ کچھ مال ہے، نہ خزانہ، محض اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے جاتے ہیں اور ہم کو اس کی ذات پاک سے امید قوی ہے کہ وہ اپنے کرم و فضل سے ہماری مراد پوری کرے گا اور جہاں کہیں رستے میں حاجتِ ضروری کے واسطے خرچ نہ ہوگا، وہاں ٹھیر کر ہم لوگ محنت مزدوری کریں گے، جب بخوبی خرچ جمع ہوگا، تب وہاں سے آگے کو روانہ ہوں گے، اور جو ضعیف، عورتیں اور مرد مزدوری کے قابل نہ ہوں گے، وہ اپنے ڈیروں کی نگہبانی پر رہیں گے، اور اس خرچ میں کمانے والے اور ڈیروں میں رہنے والے سب شریک ہوں گے۔" (۲)

اسی مضمون کے خطوط مولانا عبدالحی صاحب کو قصبہ بڑھانہ میں، مولانا اسمٰعیل صاحب کو دہلی اور پھلت میں مولوی وحید الدین، ان کے بھائی حافظ قطب الدین ان کے والد حافظ معین الدین، مولوی وجیہ الدین، حکیم مغیث الدین اور ان کے بھانجے شہاب الدین وغیرہ کو لکھے۔

اس عرصے میں خاندان والوں کو آپ برابر ترغیب دیتے رہے کہ وہ بھی ہمراہ ہوں، وہ چونکہ اس قافلے کی بے سروسامانی اور ظاہری تہی دستی سے زیادہ واقف تھے، ان کو اس اولوالعزمی پر اور زیادہ حیرت اور اس عظیم الشان سفر کے بارے میں زیادہ اشکال تھا، آپ نے ان کو اس سفر پر آمادہ کیا تو وہ کہنے لگے:

"جو لوگ ہندوستان میں مال دار اور صاحب مقدور ہیں، اور حج کا ادا

(۱) "وقائع احمدی" ص ۵۶۱ (۲) ایضاً ص ۵۶۲

کرنا ان پر فرض ہے، بعض علماء انہیں پر حج فرض ہونے میں اختلاف کرتے ہیں کہ جیسے ادائے حج کی واسطے زادِ راحلہ شرط ہے، ایسے ہی امنِ راہ بھی شرط ہے، سو امن کا یہ حال ہے کہ جہاز کی سواری کے بغیر وہاں جانا محال ہے اور دریا میں تلف جان و مال دونوں کا خوف متصور ہے، اس لئے اہل ہند پر ادائے حج فرض نہیں ہے، اگر چہ کیسا ہی زردار ہو، اور آپ کے پاس تو ایک روز کا بھی خرچ موجود نہیں ہے اس بے سروسامانی کے باوجود جو آپ خطوط بھیج بھیج کر دور دور سے لوگوں کو سفر حج کے واسطے بلاتے ہیں، اور ہم سے بھی فرماتے ہیں، شاید کہ اپنے ساتھ ان کو بھی خراب اور حیران کریں گے"۔(۱)

آپ ان سے کہتے تھے کہ "ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اور آپ ساتھ ہی ہوں گے، رستے میں چل کر دیکھئے گا کہ اللہ تعالی ہم لوگوں کو کس طرح اپنی قدرت اور عنایت سے کھانا پینا پہنچاتا ہے اور اپنی طرح طرح کی نعمتوں سے پرورش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے یہ یقین کامل ہے، کہ ہم سب اپنے عاجز ومحتاج بندوں کو یہاں سے حرمین شریفین کو بآرام تمام پہنچادے گا اور پھر وہاں سے خیر وعافیت کے ساتھ یہاں لائے گا"۔(۲)

خاندان میں سے آپ کے بھتیجے سید محمد یعقوب، ان کی والدۂ ماجدہ آپ کے چاروں بھانجے مولوی سید محمد علی، سید احمد علی، سید حمید الدین، سید عبدالرحمٰن اپنی والدہ اور اہل وعیال کے ساتھ آپ کے ماموں زاد بھائی حافظ سید محمد، مولوی سید محمد ظاہر، سید عمر نصیر آبادی، میاں محمد قائم جائسی اول روز سے آپ کی ہمراہی کے لئے مستعد اور تیار تھے۔(۳)

آپ کے بھانجے مولوی سید محمد علی ابتدا میں تن تنہا سفر کے لئے تیار تھے، اہل وعیال کو لے جانے کا ارادہ نہ تھا، سید صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارے تینوں بھائی اپنے بچوں اور اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ عازم سفر ہیں تو تم تنہا اپنے بچوں اور متعلقین کو کیوں چھوڑے جاتے ہو؟ مولوی محمد علی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ برسات کا موسم اور سمندر

---

(۱)"وقائع احمدی" ص ۵۸۷-۵۸۸ (۲) ایضاً ص ۵۸۸ (۳) ایضاً ص ۵۸۸-۵۸۹

کے طوفان کا زمانہ ہے، اس سے اندیشہ معلوم ہوتا ہے، فرمایا "بھائی اگر موت کا اندیشہ ہے تو تم نے یہ مثل نہیں سنی، کہ مرگ انبوہ جشنے دارد؟ اگر بالفرض اس سفر میں موت آ بھی گئی تو ہر سال حج وعمرہ کا ثواب تمہارے اعمال نامے میں لکھا جائے گا، اور شہادت کی وہ دولت جس کا ہر مسلمان متمنی رہتا ہے، نصیب ہوگی" اس مکالمے کے بعد سید محمد علی صاحب نے بھی اپنے متعلقین کو ہمراہ لینے کا فیصلہ کرلیا"۔(۱)

اس دعوت وتبلیغ اور خط وکتابت سے سارے ہندوستان میں شہرت عام ہوگئی کہ سید صاحبؒ حج کو جاتے ہیں اور سب کو دعوت دیتے ہیں۔

اس تحریک وترغیب سے محبت کی دبی ہوئی چنگاریاں ابھریں اور بجھی ہوئی آتش شوق بھڑکی، سید صاحبؒ کی طویل معیت، صلحاء واولیاء کی رفاقت، حج مقبول، اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہے؟ برسوں کے ارمان نکلنے کا وقت آ گیا، لوگوں نے اپنی اپنی زمین اور جائداد بیچ کر تیاری کی، عازمین حج کے خطوط اور وفود آنے شروع ہوگئے۔

حج سے پہلے ایک تبلیغی دورہ

اسی اثناء میں کانپور، کوڑہ، جہان آباد، کھجوہ، فتحپور اور قصبۂ ڈلمو کے باشندوں نے تشریف آوری کی درخواست کی، حضرت رائے بریلی سے روانہ ہوکر، قصبۂ مورانواں (ضلع اناؤ) ٹھہرتے ہوئے جہاں ہزاروں آدمیوں نے بیعت کی، رنجیت پوروا، بھڑ ہا ہوتے ہوئے کانپور تشریف لائے، سید محمد یٰسین صاحب کے یہاں قیام فرمایا، یہاں ہزاروں اشخاص بیعت سے مشرف ہوئے، منجملہ ان کے منڈرو فرنگی کی بیوی بھی بیعت سے مشرف ہوئی، ایک روز اس نے چار ہزار روپئے کے قریب پیش کئے، اور کہا کہ "آپ کی نذر ہیں" آپ نے فرمایا کہ "ابھی ہم کو روپئے کی کچھ ضرورت نہیں، ان شاء اللہ تعالی حج سے آکر جب جہاد کو جائیں گے، اس وقت دیکھا جائے گا" اس نے کہا کہ "یہ مکان جو میری ملکیت ہے، آپ کی نذر کیا" مکان

---

(۱) "مخزن احمدی" ص ۶۱

بڑا وسیع عالی شان تیس چالیس ہزار کی مالیت کا ہوگا، آپ نے فرمایا کہ ''ہم مکان لے کر کیا کریں گے؟ ہم تو حج کو جاتے ہیں اپنے ہی مکان چھوڑ جائیں گے'' اس نے کہا کہ ''اب تو میں آپ کے نذر کر چکی ہوں جو چاہیں آپ کریں'' آپ نے فرمایا کہ ''اگر یہی بات ہے تو یہ مکان ہماری طرف سے اپنے داماد مرزا عبدالقدوس کو دے دو۔'' (۱)

کانپور میں جن جن مسجدوں میں گنتی کے لوگ نماز پڑھتے تھے، ان میں بکثرت بڑی بڑی جماعتیں ہونے لگیں اور کتنی نئی مسجدیں بن گئیں، صدہا آدمیوں نے تعزیہ داری چھوڑ دی اور پکے مسلمان موحد بن گئے۔'' (۲)

کانپور سے آپ کوڑہ جہان آباد تشریف لے گئے، اور ہزاروں آدمی بیعت میں داخل ہوئے، وہاں قصبہ مجھاون کے قاضی صاحب چند شرفاء و معززین سمیت آئے، بیعت کی اور حضرت سے قصبے میں چلنے کی بڑی منت سماجت سے درخواست کی، آپ نے قبول فرمائی، مجھاون میں آپ نے قاضی کی مسجد میں قیام فرمایا اور اس قصبے کے تمام مسلمان باشندے بیعت سے مشرف ہوئے، مجھاون سے آپ کھجوہ تشریف لائے، ایک شب وہاں قیام فرمایا، بستی کے شرفاء اور مہتر یکساں آپ سے فیضیاب ہوئے، صبح فتحپور تشریف لائے، دو تین روز قیام فرمایا اس عرصے میں اکثر اہل شہر بیعت سے مشرف ہوئے، فتحپور سے رائے بریلی کی طرف واپسی ہوئی۔ (۳)

عازمین حج کی آمد

مولانا عبدالحی صاحب ایک قافلے کے ساتھ فتحپور اور ڈلمو کے درمیان سفر کانپور ہی میں شامل ہو گئے تھے، اسی عرصے میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا خط آیا کہ یہاں ہمارے ہمراہ سہارن پور کے حکیم مغیث الدین صاحب، مولوی وجیہ الدین صاحب وغیرہ اور قصبہ پھلت کے مولوی وحید الدین اور حافظ قطب الدین وغیرہ اور ان میں سے اکثر صاحب مع

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۵۷۸ (۲) ایضاً (۳) ''مخزن احمد'' ص ۵۹، ۶۰

اپنے اہل وعیال مرد اور عورتیں ملا کر قریب ڈھائی سو آدمیوں کے ہیں، اور ہم سب گڑھ مکتیسر کے گھاٹ سے کشتیوں پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے ہیں۔ (۱)

نواح رائے بریلی، ڈلمئو، نصیر آباد، جائس وغیرہ کے سو آدمی سفر حج کے ارادے سے مجتمع ہو گئے تھے اور تقریباً چالیس آدمی آپ کے اعزاء واقرباء میں سے (بعض بذات خود بعض متعلقین کے ساتھ) آمادۂ سفر تھے۔ (۲)

آپ اہل خاندان سے فرماتے تھے کہ ''جب تک میں اس بریلی کے علاقے میں ہوں تب ہی تک ان سب پر تنگی وافلاس ہے، جس وقت میں ان کو ساتھ لے کر اس علاقے سے باہر ہوا، تب ان کا حال دیکھنے والے دیکھیں گے کہ پروردگار عالم بے سان گمان اپنے بندوں کے ہاتھوں کیونکر پہنچاتا ہے، اور خدمت کراتا ہے۔ (۳)

روانگی سے پہلے اور روانگی کے وقت جو بزرگانِ خاندان بیعت سے مشرف نہیں ہوئے تھے، اور بعض بعض اس متوکلانہ سفر پر معترض تھے، حاضر ہو کر اپنی تقصیر کے معترف اور بیعت سے مشرف ہوئے، ان آنے والوں میں مولانا سید محمد واضحؒ کے تینوں صاحبزادے سید محمد جامع صاحب، سید غلام جیلانی اور سید صاحبؒ کے بہنوئی سید معصوم احمد صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں، سید صاحبؒ، بہت مسرور ہوئے اور بڑے الحاح وزاری سے ان حضرات کے لئے دعا کی۔

---

(۱) ''وقائع'' ص ۵۸۹، قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قافلہ ۲۴ رصفر کو کلکتے میں سید صاحبؒ کے قافلے میں شامل ہوا۔ (۲) ''مخزن احمدی'' ص ۶۱ (۳) ''وقائع احمدی'' ص ۹۱

نقشہ
سفر حج از رائے بریلی تا بندر ہوگلی براستہ دریائے گنگا
اور سیاسی تقسیم سنہ ۱۸۲۱ء مطابق سنہ ۱۲۳۶ھ
میل ۲۰۰ ۱۰۰ ۵۰ میل
ہمالیہ
دریائے سانپو (برہم پتر)
ماؤنٹ ایورسٹ
۲۹۰۰۲
کوہ
کنچن جنگا
۲۸۱۴۶
دارجلنگ
کوچ بہار
دریائے برہم پتر
چھپرہ
سورج گڑھا
بلیا
غازی پور
بنارس
بکسر
زمانیہ
دانا پور
پٹنہ
باڑھ
مونگیر
بھاگلپور
راج محل
چنار گڈھ
سون
بنگال
ڈھاکہ
خط سرطان
کٹوا
ہگلی
ہاوڑہ
کلکتہ
خلیج بنگال
مرہٹہ

علامات
برطانوی حکومت
ریاستیں زیرِ حفاظت برطانیہ
سکھ سلطنت
آزاد علاقہ
راستہ سفرِ مبارک
مقامِ قیام دورانِ سفرِ مبارک
سکھ
سرہند
لدھیانہ
دریائے ستلج
کماؤں
میرٹھ
رامپور
دہلی
آگرہ
راجپوت
اجمیر
بیکانیر
دریائے چمبل
گوالیار
جھانسی
لکھنؤ
کانپور
رائے بریلی
الٰہ آباد
اودھ
ریوا
جبل پور
بھوپال
اندور
دریائے نربدا
ناگپور
ریاست
نظام

دسواں باب

رائے بریلی سے مرزاپور تک

روانگی

شوال کی آخری تاریخ دوشنبہ ۱۲۳۶ھ کو چارسو آدمیوں کے ساتھ آپ تکیے سے روانہ ہوئے، سارے قافلے کا کل خرچ آپ کے ذمے تھا، ندی کو پار کرکے دوسرے کنارے پر ان لوگوں کو رخصت کرنے کے لئے جو جمع ہو گئے تھے، اور ان سے بیعت لینے کے لئے کچھ دیر توقف فرمایا، مولوی محمد یوسف صاحب کی تحویل میں، جو آپ کے خازن تھے، اس وقت کچھ اوپر سو روپے تھے، آپ نے اپنے ہاتھ سے وہ سب روپے رائے بریلی کے غرباء بھنگی، دھوبی، حجام اور شاگرد پیشہ لوگوں کو تقسیم کردیئے اور ڈلمئو کی طرف روانہ ہوئے۔(۱)

ایک میل چل کر ایک باغ میں آرام فرمایا کہ ''پیچھے سے آنے والے لوگ آملیں'' اس وقت حاضرین مجلس میں سے ایک بزرگ نے کہا کہ ''اگر رفقائے سفر کو شمار کرلیا جائے تو بہت اچھا ہے'' آپ نے فرمایا ''مضائقہ نہیں، جس کا جی چاہے، شمار کرلے'' چنانچہ اہل قافلہ کو شمار کیا گیا اور چارسو پانچ یا چارسو سات آدمی شمار میں نکلے، ان کے علاوہ اسی کہار تھے، آپ نے مولوی محمد یوسف صاحب سے دریافت فرمایا کہ ''اس وقت آپ کی تحویل میں کیا ہے؟'' مولوی صاحب نے فرمایا کہ ''سات روپوں کے علاوہ ایک پیسہ نہیں ہے'' آپ نے مسرور ہوکر

---

(۱) ''مخزن احمدی'' ص ۶۴

فرمایا کہ ''اس سات روپے میں تو قافلے کا ایک دن کا بھی خرچ نہیں نکل سکتا، رائے بریلی کے غرباء میں سے جو موجود ہیں، اور جن کو پہلی تقسیم میں کچھ نہیں ملا ان کو دے دیجئے کہ آپس میں بانٹ لیں'' مولوی محمد یوسف صاحب نے اس کی تعمیل کی، اس وقت آپ نے برہنہ سر ہو کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور کہا کہ ''اے کریم کارساز! تو نے اپنی اتنی مخلوق کو اپنے اس ذلیل بندے کے سپرد کر رکھا ہے، آپ ہی چارہ سازی فرمایئے اور اپنی مہربانی سے بخیر وخوبی اس پورے قافلے کو منزل مقصود پر پہنچایئے۔''(۱)

اہل قافلہ کی کیفیت

راستے میں ایک ہمراہی دوسرے سے اپنی بے مائگی اور بے سروسامانی کا تذکرہ کرتا تو معلوم ہوتا کہ اس کا ساتھی اس سے بھی زیادہ بے سروسامانی کے ساتھ سفر کے لئے نکلا ہے، اس وقت ایک دوسرے کو تسکین ہوتی، بعض لوگ جن کو سید صاحبؒ کی صحبت کا شرف حاصل تھا، اس فکر وتردد پر ملامت کرتے اور توکل کی تلقین کرتے۔

قافلے کے ہمراہی راستے کے سرد وگرم برداشت کرنے کے لئے تیار اور تنگی ترشی میں خدا کے ذکر وشکر کے ساتھ رطب اللسان رہتے تھے، کبھی سخت بارش ہوتی، کبھی کڑاکے کی دھوپ، دلدل اور کیچڑ، ندی نالے، راستے میں ملتے، اگر کسی کا پاؤں پھسلتا تو وہ ہنس ہنس کر خدا کا شکر ادا کرتا اور کہتا کہ تیرے احسان کے قربان کے تیرے راستے میں گرا ہوں، پچھلی تمام لغزشوں اور ہرزہ گردی کی تلافی یہی ہے'' کوئی خواجہ حافظ کا یہ شعر اپنے حسب حال پڑھتا۔(۲)

در بیاباں گرز شوق کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خار مغیلاں، غم مخور

دو بھائیوں کا جھگڑا

جب ڈلمئو دو میل رہ گیا تو آپ راستے کے قریب ایک باغ میں آرام کے لئے

---

(۱) ''مخزن احمدی'' ص ۶۲، ۶۳ (۲) ایضاً ص ۶۳

تشریف فرما ہوئے، لوگوں نے دیکھا کہ دو سوار تقریباً پچاس آدمیوں کے ساتھ آرہے ہیں، انہوں نے پہنچ کر پہلے بیعت کی، پھر عرض کیا کہ "ہمارے جھگڑے کا فیصلہ فرمائیے، ہم دونوں حقیقی چھوٹے بڑے بھائی ہیں، میں بڑا ہوں، جب سے جناب کی آمد کی اطلاع ہوئی ہے، دعوت کی تیاری میں مشغول ہوگیا، میرا ارادہ تھا کہ میں کھانا تیار کر کے اس مبارک سفر کی پہلی منزل میں پیش کروں گا، آج میں نے اس کی تیاری شروع کی تو یہ میرے چھوٹے بھائی میرے پاس آئے اور مانع ہوئے اور کہا کہ "میں تو تم سے پہلے سامان دعوت تیار کر چکا ہوں، آج میں حضرت کی ضیافت کروں گا، کل تمہاری باری ہے، تم ضیافت کر لینا" میرے اور ان کے درمیان اس پر سوال و جواب ہوا اور بات کچھ بڑھی، قصبے کے معززین جمع ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اس کا فیصلہ خود سید صاحبؒ کی رائے پر چھوڑ دو، تم دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور اپنا معاملہ پیش کر دو، آپ جو فیصلہ کریں اس پر عمل کرو، اب ہم آپ کے فیصلے کے منتظر ہیں"۔

آپ نے ان کو ایک دوسرے کے حق میں ایثار کرنے اور دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دینے کی ترغیب دی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ایثار کی ایک روایت سنائی، جس سے وہ متاثر ہوئے اور واپس چلے گئے۔

ٹھنڈے وقت آپ قصبے میں تشریف لے گئے، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی، بڑی خلقت نے بیعت کی۔

رات کو بڑے بھائی نے تمام اہل قافلہ کی ضیافت کی، دوسرے روز چھوٹے بھائی کی طرف سے تمام اہل قافلہ کی دعوت ہوئی، جب تک اس قصبے میں قیام رہا، برابر قافلے کی دعوت رہی، کسی کو کسی وقت کھانا پکانے کی ضرورت پیش نہیں آئی، اس دوران میں ہزاروں اشخاص نے اطراف و جوانب سے آ کر بیعت کی اور بہت سے سفر میں ساتھ ہو گئے۔(۱)

سید صاحبؒ کا وعظ

چار روز مولانا عبدالحی صاحب نے وعظ فرمایا اور اس میں شرک و بدعت کی برائی اور

(۱) "مخزن احمدی" ص ۶۴-۶۵

توحید وسنت کی خوبی اور حج وعمرہ کے فضائل بیان کئے۔

رات کو بعد نماز عشاء سید صاحبؒ نے فرمایا ''بھائیو، تم نے کئی روز مولانا کا وعظ سنا، اب چند باتیں ہماری بھی ان شاء اللہ تعالیٰ نماز صبح کے بعد سن لینا''۔

سب لوگ نماز پڑھ کر آپ کے پاس حاضر رہے، آپ نے فرمایا:۔

حقیقی بھائیوں کے اخلاق

بھائیو! اگر تم سب اپنے گھر بار چھوڑ کر حج وعمرہ ادا کرنے اس نیت سے جاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو تو تم کو لازم ہے کہ آپس میں سب مل کر ایسا اتفاق اور خلق رکھو، جیسے ایک ماں باپ کے نیک بخت بیٹے ہوتے ہیں، ہر ایک کی راحت کو اپنی راحت اور ہر کسی کے رنج کو اپنا رنج سمجھو اور ہر ایک کے کاروبار میں بلا انکار حامی و مددگار رہو اور ایک دوسرے کی خدمت کو ننگ و عار نہ جانو، بلکہ عزت و افتخار سمجھو، یہی کام اللہ کی رضا مندی کے ہیں، جب ایسے اخلاق تم میں ہوں گے تو اور غیر لوگوں کو شوق ہوگا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں، ان میں شریک ہونا چاہئے۔

خدا کی پرورش پر بھروسہ

اللہ پر کامل توکل کرو، کسی مخلوق سے کسی چیز کی آرزو ہرگز نہ رکھو، رزاق مطلق اور حاجت روائے برحق وہی پروردگار عالم ہے، اس کے حکم کے بغیر کوئی کسی کو کچھ نہیں دیتا، دیکھو تو جس وقت بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون اسے روزی پہنچاتا ہے، پھر وہی بچے کو آسانی سے باہر لاتا ہے، اور باہر لانے سے پہلے ماں کے پستان میں روزی تیار رکھتا ہے، پھر وہ لڑکا اسی کی تعلیم سے دودھ پیتا ہے، اور جتنا چاہتا ہے، اتنا ہی پی لیتا ہے، باقی مکھی، بال، گرد و غبار سے محفوظ، تازہ بہ تازہ ماں کے پستان میں رہتا ہے، پھر دوسرے وقت پیتا ہے، یہ اسی پروردگار کی روزی رسانی ہے، پھر چند مدت میں دودھ چھڑا کر اور غذا کھانے کی تعلیم فرماتا ہے، اسی طور سے پرورش کر کے جوان اور جوان سے بوڑھا کرتا ہے اور روزی اس

نے جس کی تقدیر میں جو کچھ لکھی ہے، وہ بہر صورت اس کو بلا شک و بلا شبہ پہنچے گی۔

خدا کا وعدہ برحق ہے

یہاں ایک ادنیٰ آدمی جو ہم لوگوں کی دعوت کر جاتا ہے، چاہے جھوٹ ہی کر جائے، ہم لوگ اس کے اعتماد پر اپنے گھر میں منع کر دیتے ہیں کہ ہمارے واسطے کھانا نہ پکانا، فلاں کے یہاں ہماری دعوت ہے، یا مثلاً غازی الدین حیدر والی لکھنؤ اگر اس بات کا وعدہ کر لے کہ میرے فلاں امیر کے ہمراہ کہ بیت اللہ شریف کو جاتا ہے جو کوئی جائے، زاد و راحلہ میں دوں گا تو ہزاروں آدمی خوشی خوشی جانے پر مستعد ہو جائیں، کچھ بھی اس کی وعدہ خلافی کا شک و شبہ دل میں نہ لائیں، مجھ سے تو اس شاہنشاہ دو عالم پناہ، قادر برحق، رزاق مطلق نے وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ تیرے ساتھ اس سفر میں ہیں، ان کے کھانے کپڑے کا کچھ اندیشہ نہ کر، وہ سب میرے مہمان ہیں، اور وہ اپنے وعدے کا سچا ہے کہ جس میں وعدہ خلافی کا احتمال کسی صورت بھی نہیں ہے، پھر کیونکر سچ نہ جانوں اور کس بات کا اندیشہ کروں؟ وہ آپ تم سب بھائیوں کی پرورش کرے گا۔

مذبذبین کے لئے اب بھی واپسی کا موقع ہے

سو کلام کا حاصل یہ ہے کہ جن بھائیوں کو یہ سب باتیں منظور ہیں اور میرے کہنے کو سچ جانتے ہیں، وہ تو میرے ساتھ چلیں، میں ان کے رنج و راحت کا شریک ہوں اور میری یہی باتیں اپنی عورتوں کو سمجھا کر کہہ دیں، والّا اب بھی مکان نزدیک ہے سفر کی تکلیف اٹھانے کی موقوف کریں، سفر میں ہر طرح کی تکلیف و مصیبت ہوتی ہے، اور راحت بھی ہوتی ہے، پھر کوئی بھائی کسی بات کا گلہ شکوہ زبان پر نہ لائیں۔

ہدایت عام

مجھ کو عنایت الٰہی سے قوی امید ہے کہ اس سفر میں اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں سے لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کرے گا اور ہزاروں ایسے لوگ کہ دریائے شرک و بدعت میں

اور فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے ہیں اور شعائرِ اسلام سے مطلق ناواقف ہیں، وہ پکے موحد اور متقی ہوں گے۔

حج کے اجرا کی پیش گوئی

اور جناب الٰہی میں میں نے اہل ہند کے لئے بہت دعا کی کہ الٰہی ہندوستان سے تیرے کعبے کی راہ مسدود ہے، ہزاروں مالدار صاحب زکوٰۃ مر گئے اور نفس وشیطان کے بہکانے سے کہ راستے میں امن نہیں ہے حج سے محروم رہے، اور ہزاروں صاحب ثروت اب جیتے ہیں، اور اسی وسوسے سے نہیں جاتے، سو اپنی رحمت سے ایسا راستہ کھول دے کہ جو ارادہ کرے، بے دغدغہ چلا جائے اور اس نعمت عظمیٰ سے محروم نہ رہے، میری یہ دعا اس ذات پاک نے مستجاب کی اور ارشاد ہوا کہ حج سے آنے کے بعد یہ راستہ علی العموم کھول دیں گے، سو ان شاء اللہ جو مسلمان بھائی زندہ رہیں گے، وہ یہ حال بچشم خود دیکھیں گے۔"(۱)

ڈلمئو میں قلعے کے اندر لب دریا بارہ دری میں قیام تھا، بکثرت مردوں اور عورتوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا، بہت سے شرفاء کی مستورات بارہ دری میں قافلے کی مستورات سے ملنے آئیں اور بعض مستورات کی بیعت کے لئے بعض بعض لوگوں کے مکان پر ان کی درخواست پر خود بھی تشریف لے گئے۔"(۲)

سفر کا آغاز

پنجشنبہ ۳ر ذی قعدہ کو سامان و اسباب کشتیوں پر بار کیا گیا، جمعے کے دن صبح کے وقت سید صاحبؒ نے قافلے کے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے ہر چند آدمیوں پر ایک شخص کو امیر اور ذمہ دار اور نگراں مقرر کر دیا، اور پورے سفر کے لئے امارت اور جماعت کا نظام قائم کر دیا۔

دوپہر کے وقت گلی کوچوں میں مردوں کی آمد و رفت بند کر دی گئی اور پردہ نشین عورتیں بارہ دری سے دریا کے کنارے تک پیدل گئیں، پہلی کشتی میں تکیہ و نصیر آباد کی

---

(۱) ''وقائع احمدی''ص ۵۹۹، ۶۰۲ (۲) مکتوب سید حمید الدین بنام سید احمد علی از بنارس مندرج ''منظورۃ السعداء''

مستورات سوار ہوئیں، دوسری کشتی میں پھلت کی مستورات اور تیسری میں لکھنؤ وغیرہ کی بیبیاں سوار ہوئیں، چوتھی کشتی میں قافلے کے ضعیف و معذور اشخاص سوار ہوئے (۱)، پانچ سو روپے پر کشتیاں کرائے پر لی گئیں۔(۲)

جمعے کی نماز ایک جماعت کثیر کے ساتھ قلعے کے اندر والی مسجد میں پڑھی گئی اور انتہائے تضرع وزاری کے ساتھ حرمین کی بخیریت آمد ورفت کی اور استقامت اور خاطر جمعی اور قبولیت حج وعمرہ کی دعا کر کے لوگوں سے رخصت ہو کر کشتی پر سوار ہوئے، اتنے میں مولوی محمد جعفر صاحب (۳) مرحوم کی صاحبزادی جو پہلے پر سوار ہو کر دریا کے کنارے پہنچیں اور شرف بیعت حاصل کیا۔(۴)

کشتی میں آپ نے تمام قافلے کو جمع کر کے وعظ فرمایا، مضمون یہ تھا کہ ''تمام بھائی کان کھول کر سن لیں اور یاد رکھیں کہ ہم فقراء اپنے گھروں سے محض اللہ کے بھروسے پر ادائے حج کے لئے نکلے ہیں، حج بڑی عظیم الشان عبادت ہے ہر شخص کو تقوی کو اپنا شعار بنانا چاہئے، کوئی شخص کسی شخص سے چھوٹی سی چھوٹی چیز کا سائل نہ ہو، ہم کسی سے زادِراہ کا ہرگز سوال نہیں کریں گے، اگر ضرورت پڑی تو مزدوری کریں گے، آدھا کھائیں گے اور آدھا جہاز کے کرائے کے لئے رکھیں گے، میں اپنے حج کو بھی اپنے ساتھیوں کے حج پر مقدم نہیں رکھوں گا، اگر زادِراہ

---

(۱) مکتوب سید حمید الدین (۲) ''مخزن احمدی'' ص ۶۵

(۳) مولوی محمد جعفر صاحب کا شمار وقت کے صلحا واتقیاء میں تھا، ڈلمئو، ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے اکثر درسی کتابیں مولانا سید واضحؒ سے دائرۂ شاہ علم اللہؒ میں پڑھیں، معقولات وحکمت کی تعلیم مولانا فضل امام خیر آبادی سے حاصل کی، ڈلمئو میں افادۂ خلق اور عبادت حق میں عمر بسر کر کے ۱۲۳۲ھ میں وفات پائی۔

مولوی محمد جعفر صاحب نے زندگی بڑے زہد وقناعت میں گزاری، تقویٰ اور احتیاط مزاج میں غالب تھی، نواب سعادت علی خاں والی اودھ نے عہدۂ قضا پیش کیا، لیکن قبول نہیں فرمایا۔

صاحب ''نزہۃ الخواطر'' راوی ہیں کہ مولانا فضل امام خیر آبادی اور ان کے بھانجے کے درمیان کچھ نزاع تھی مولانا فضل امام نے سواری بھیج کر مولوی محمد جعفر صاحب کو بلایا وہ اس پر سوار نہیں ہوئے، اور بڑی مشقت کے ساتھ خیر آباد پہنچے، نور بافوں کی ایک مسجد میں قیام فرمایا، اور مقدمے کا فیصلہ اپنے استاد محترم کے خلاف کیا اور کسی فریق کی ضیافت قبول کئے بغیر وطن تشریف لے آئے (نزہۃ ج ۷) (۴) مکتوب سید حمید الدین

کم ہو جائے گا تو ہم تھوڑے آدمیوں کو کلکتے سے بھیج کر حج کرائیں گے، اس کے بعد خود جائیں گے، لیکن اللہ کی ذات سے مجھے یہی امید ہے کہ وہ ساز وسامان درست فرمائے گا" اس کے بعد سید زین العابدین صاحب سے فرمایا کہ "جو کچھ باقی ہو لے آؤ، وہ پانچ روپئے لائے کہ بس یہی باقی ہے، آپ نے وہ بھی محتاجوں کو دے دیے اور سوار ہونے کے وقت آپ نے خزانے میں ایک پیسہ بھی باقی نہیں رہا، فرمایا "پروردگار کا خزانہ بھرا ہوا ہے۔"(۱)

کشتیوں پر سوار ہوتے وقت موضع ڈھئی کے کچھ لوگوں نے اور شیخ مظہر علی صاحب نے آکر عرض کیا کہ دور دور سے لوگ آکر بیعت کے لئے ہمارے مکان پر جمع ہیں اور ہم نے دعوت کا سامان بھی کرلیا ہے، اسی راستے سے تشریف لے چلیں، آپ نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ "جن لوگوں کے متعلقین نہیں ہیں، ان کو اپنے ساتھ دریا کے کنارے کنارے لے چلیں اور اس موضع میں پہنچ کر وعظ ونصائح کا سلسلہ شروع فرمائیں، ہم کشتی سے آتے ہیں (۲)، اس کے بعد بھی کشتیوں پر سب کی جگہ نہ تھی اس لئے ستر آدمیوں کو حکم ہوا کہ مولوی محمد یوسف صاحب کے ساتھ خشکی کے راستے سے روانہ ہو جائیں۔ باقی تمام مرد چاروں کشتیوں کی چھتوں پر سوار ہوئے، خود حضرت اپنے متعلقین کی کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔(۳)

شام کو مغرب کی نماز آپ نے کشتی پر پڑھی، نماز کے بعد سورہ فاتحہ پر وعظ فرمایا کشتیاں جب ڈھئی کے سامنے پہنچیں تو دریا کا اتنا زور تھا کہ وہ ٹھہر نہ سکیں اور آگے بڑھ گئیں، جو لوگ منتظر کھڑے تھے، انہوں نے آواز دی اور ملاحوں نے رسوں سے کھینچ کر تہائی شب گزر جانے کے بعد موضع کے سامنے ٹھہرایا، شیخ مظہر علی صاحب پر تکلف کھانا پکوا کر پالکیوں پر رکھ کر لائے تھے، جو قافلے کو تقسیم ہوا، ہر ایک نے سیر ہو کر کھایا اور باقی ناشتے کے لئے رکھ لیا گیا، مولوی محمد یوسف صاحب بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خشکی کے راستے سے آکر قافلے سے مل گئے، اہل قصبہ صبح کے وقت سواری لے کر آئے، اور حضرت کو اپنے مقام پر لے گئے، اور وہاں کی کل مسلمان

---

(۱) "منظورۃ السعداء" (۲) ایضاً (۳) "مکتوب سید حمید الدین"

آبادی سلسلۂ بیعت میں داخل ہوگئی، مردوں اور عورتوں میں سے کوئی باقی نہیں بچا۔(۱)

مشرکانہ رسوم ونشانات کا عملی ابطال

بہت سے لوگوں نے رات ہی کو حضرت کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، پھر اگلے دن صبح ڈیڑھ پہر دن چڑھے تک بیعت کی دھوم رہی، شیخ مظہر علی صاحب کے دو تین سو آدمی جمع تھے، سب نے بیعت کی آپ نے تمام بیعت کرنے والوں سے فرمایا کہ "بھائیو! بیعت کرنے کا حاصل یہ ہے کہ تم جو کچھ شرک و بدعت کرتے ہو، تعزیہ بناتے ہو، نشان کھڑے کرتے ہو، پیروں اور شہیدوں کی قبریں پوجتے ہو، ان کی نذر و نیاز مانتے ہو، ان سب کاموں کو چھوڑ دو اور سوائے خدا کے کسی کو اپنے نفع وضرر کا مالک نہ جانو اور اپنا حاجت روا نہ مانو، اگر یہ شرک و بدعت کروگے تو فقط بیعت کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا"۔

یہ سن کر بہت لوگوں نے اسی وقت اپنے اپنے تعزیوں کے چبوترے کھود ڈالے اور نشانوں اور پنجوں کی جو کچھ چاندی تھی، لاکر آپ کی نذر کی کہ آپ اسے اپنے مصرف میں لائیں۔(۲)

آپ نے مولانا عبدالحی صاحب کو درس قرآن وحدیث اور وعظ وارشاد کے لئے ایک شب کے لئے وہاں اور ٹھیرنے کے لئے فرمایا اور آپ مع مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کے ہمراہیوں کے کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔(۳)

موضع ڈگڈگی کے متصل شیخ محمد پناہ مع اپنے فرزند محمد کفاہ کنارے پر کھڑے ملاحوں کو آواز دے رہے تھے کہ کشتیوں کو کنارے لاؤ، حضرت کی اجازت سے ملاحوں نے کشتیاں کنارے لگائیں، باپ بیٹے کشتی پر آئے اور مصافحہ و معانقہ کے بعد عرض کیا کہ "بڑی تمنا اور آرزو سے مدتوں سے سامانِ ضیافت تیار کر رکھا ہے، اور دو سو آدمیوں کے قریب موضع کے اطراف و جوانب سے آ آ کر بیعت کے ارادے سے غریب خانے پر جمع ہیں، اور دو تین روز سے انتظار کر رہے ہیں اور میرے مہمان ہیں۔"(۴)

---

(۱) "مکتوب سید حمید الدین" (۲) "وقائع احمدی" ص ۶۰۴-۶۰۵ (۳) "مکتوب سید حمید الدین" (۴) مخزن احمدی ص ۶۶

حضرت نے کشتیوں کے باندھنے کا حکم دیا، سب مرد خشکی پر اتر آئے اور عورتیں کشتی پر رہیں، چار گھڑی دن رہے سے ایک گھڑی رات تک بیعت کرتے رہے۔(۱)

موضع ڈگڈگی کی میں بھی تعزیوں کے چبوترے بہت تھے، یہاں کے لوگوں نے رات کے اندھیروں ہی میں پھاوڑے اور کدالیں لے کر تمام چبوترے کھود ڈالے اور پنجوں اور نشانوں کی چاندی، جو دوسو روپئے کے وزن کی تھی، لاکر آپ کے نذر کی کہ آپ اس کو خرچ میں لائیں۔(۲)

ایک شخص جو بہت پرانا تعزیہ دار تھا، تائب ہوا اور اس نے اپنے تعزیے کے چبوترے کو جس پر اس نے ساٹھ روپے خرچ کر کے بڑا پختہ اور سنگین بنایا تھا، منہدم کرنے کی اجازت دے دی، حضرت نے اپنے دست مبارک سے اس پر پھاوڑا چلایا، اور حاضرین نے اس کار خیر میں شرکت کی، اس کی بنیاد بالکل گرا کر اس کو زمین کے برابر کر دیا اور اس پر مسجد کی بنیاد رکھی، دو روپے آپ نے اپنے پاس سے اس مسجد کی تعمیر کے لئے دیے اور تمام اہل قصبہ اس مسجد کی تعمیر کے لئے مستعد ہوئے، آپ نے دو رکعت نماز اس نئی مسجد کی بنیاد پر پڑھی اور بڑی طویل دعا فرمائی، حاضرین آمین کہہ رہے تھے، اور عجیب وغریب اثر اور دعا کی قبولیت کے آثار نظر آرہے تھے۔"(۳)

دوپہر کو مولانا عبدالحی صاحب بھی قصبہ دھئی سے تشریف لاکر قافلے سے مل گئے اور کشتیاں روانہ ہوئیں۔

غیبی انتظام

ایک شام کو کشتیاں ایسے مقام پر پہنچیں، جہاں آبادی کا کوئی نشان نہ تھا، آپ نے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا، ملازمین نے عذر کیا کہ دریا کے کنارے سے پاؤ کوس تک سخت کیچڑ اور دلدل ہے، اور قطرہ افشانی بھی ہو رہی ہے، کھانا پکانے کی کوئی صورت نہیں، آپ نے لوگوں سے کہا کہ "اپنے چھوٹے بچوں کے لئے خود ہی کچھ کھانے کا انتظام کر لیں" لوگوں نے کہا "اندھیرا ہو رہا ہے، ابر محیط ہے، ہوا بھی تیز ہے، اس وقت کھانا پکانے کا انتظام بہت دشوار ہے"

(۱) "مخزن احمدی" ص ٦٦ (۲) ایضاً (۳) "مکتوب سید حمید الدین"

اس وقت سب کو یقین ہوا کہ آج فاقہ ہے۔

ناگہاں دور سے کچھ مشعلیں نظر آئیں لوگوں نے قیاس آرائیاں شروع کیں، کسی نے کہا کہ "شاید اس نواح کے لوگ بیعت کے ارادے سے آتے ہیں" دوسرے نے کہا "یہ عورتیں معلوم ہوتی ہیں، برسات میں ان کا دستور ہے کہ حضرت خضرؑ کی نیاز دریا پر لاکر کرتی ہیں" کسی نے کہا "کسی کی شادی ہوگی، بارات جارہی ہوگی، ابھی یہ روشنی بند ہوئی جاتی ہے" کچھ دیر کے بعد دیدبانوں نے عرض کیا کہ "مشعلیں قریب آگئیں" اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں پر کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ "پادری صاحب کہاں ہیں؟" حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا کہ میں یہاں ہوں، انگریز گھوڑے سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لئے کشتی پر پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کردیئے تھے کہ آپ کی آمد کی اطلاع کریں، آج انہوں نے اطلاع کی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلے کے ساتھ آج تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں یہ اطلاع پاکر غروب آفتاب تک کھانے کی تیاری میں مشغول رہا، تیار کرانے کے بعد لایا ہوں"۔

سید صاحبؒ نے حکم دیا کہ "کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کرلیا جائے" کھانا لے کر قافلے میں تقسیم کردیا گیا اور انگریز دو تین گھنٹے ٹھہر کر چلا گیا۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ انگریز کمپنی کے ملازمین میں سے نہیں تھا، بلکہ نیل کا ایک تاجر تھا۔(۱)

شام کو موضع پیر نگر میں کشتیوں نے لنگر ڈالا اور آپ کی طرف سے تمام قافلے کے لئے کھانا تیار ہوا، صبح کو شاہ کریم عطا صاحب سجادہ نشین خانقاہ سلون کے خدام میں سے ایک شخص نے شیرینی پیش کی۔

دوپہر کے وقت کشتیاں قصبہ گنتی کے سامنے لنگر انداز ہوئیں، اس روز اور دوسرے روز وہاں کے پٹھانوں کی طرف سے ضیافت رہی، زنانی سواریاں شاہ زمان صاحب کے

---

(۱) "مخزن احمدی" ص ۶۶۔۶۷

مکان میں گئیں اور تمام دن رہ کر لب دریا خیموں میں واپس آئیں، پٹھان شرفاء کی مستورات پیادہ چل کر ملاقات و بیعت کے لئے خیمے میں آئیں اور بیعت سے مشرف ہوئیں۔(۱)

ایک عالم کی مخالفت حج

قصبۂ گنتی میں سنا گیا کہ گڑھ کے رہنے والے مولوی یاد علی صاحب کہتے ہیں کہ ہندوستانیوں کے لئے سفر حج حرام ہے، اس لئے کہ درمیان میں سمندر حائل ہے، اگر جہاز ٹوٹ گیا تو نجات مشکل ہے، حضرت نے مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ چالیس آدمیوں کے ساتھ قصبہ گڑھ تشریف لے جائیں اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے ہندوستان اور تمام اسلامی ملکوں کے مسلمانوں پر قرآن و حدیث کے رو سے حج کی فرضیت اور فضیلت بیان کریں اور وہاں کے لوگوں کو وعظ و ارشاد کر کے واپس تشریف لائیں، چنانچہ دونوں حضرات چالیس آدمیوں کے ساتھ گنگا پار کر کے قصبے میں تشریف لے گئے اور شاہ ابراہیم علی کی مسجد میں وہاں کے تمام رؤساء اور باشندوں کے سامنے قرآن و حدیث کے قوی اور واضح دلائل کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے حج کی فرضیت اور فضیلت ثابت کی، وہاں سے اٹھ کر شاہ مظہر علی کے مکان پر آکر کھانا کھایا، کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر واپس آ ہی رہے تھے کہ مولوی یاد علی کا بھیجا ہوا آدمی ہندوستانیوں کے لئے سفر حج کی حرمت کے بارے میں چند ضعیف روایتیں، جو بعض فتاوی کی کتابوں سے نقل کی گئی تھیں لے کر آیا، اس پر فریقین کے درمیان کچھ بحث و مباحثہ ہوا، اور بات بڑھی، کچھ لوگوں نے بیچ میں پڑ کر نزاع کو رفع دفع کیا، دونوں حضرات نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ وہاں سے چل کر دریا کے کنارے عصر کی نماز پڑھی اور دریا پار کر کے قافلے سے جا ملے۔(۲)

دوسرے روز وہاں سے کوچ ہوا، دوپہر کے وقت موضع جہان آباد کے نیچے، جو اودھ کی نوابی کی مشرقی سرحد ہے، موضع کیمہ کے متصل رام چورہ کے گھاٹ پر کشتیاں لگیں شیخ حسن علی صاحب جو سفر حج سے ایک سال پہلے اپنے بھائیوں اور متعلقین کے ساتھ بیعت سے

(۱) مکتوب سید حمید الدین (۲) ایضاً

مشرف ہو چکے تھے، اپنے موضع کیمہ سے چل کر گھاٹ پر منتظر کھڑے تھے، انہوں نے پورے تین روز قافلے کی ضیافت کی اور اپنے چاروں بھائیوں اور اپنے گھر کی تمام مستورات کے ساتھ اپنے گھر کا سب سامان لے کر قافلے میں شریک ہو گئے۔(۱)

اہل قافلہ کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ سب کا دریا کے راستے سے سفر کرنا مناسب نہ معلوم ہوا، مولانا عبدالحی صاحب کو ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ خشکی کے راستے الٰہ آباد روانہ کر دیا گیا، حضرت خود باقی قافلے کے ساتھ کشتی پر روانہ ہو گئے۔(۲)

ہندوانہ وضع ومعاشرت کی اصلاح اور دینی تعلیم وتربیت

اوجھنی میں شیخ لعل محمد صاحب جو حضرت کے بہت قدیمی مخلص مرید تھے، تشریف آوری کے منتظر کھڑے تھے، کشتیاں موضع اوجھنی کے نیچے لنگر انداز ہوئیں شیخ لعل محمد صاحب نے عرض کیا کہ ''ہمارے مکان پر دو دو چار چار کوس کی بستیوں کے ڈھائی تین سو مسلمان آپ کی آمد کی خبر سن کر بیعت کرنے کے واسطے جمع ہیں، اور ہمارے مہمان ہیں''۔

شیخ لعل محمد صاحب آپ کو لے گئے اور جو مسلمان وہاں جمع تھے، ان کو مرید کرایا اور حضرت سے ان کا حال بیان کیا کہ ''ان لوگوں کی چوراسی بستیاں ہیں، نام کو تو مسلمان ہیں مگر سب کام ہندوؤں کے کرتے ہیں، بت بھی پوجتے ہیں، ہولی، دیوالی بھی کرتے ہیں، قلعی کے پھول کے پیتل کے برتن میں کھانا پکاتے ہیں اور طریقۂ اسلام سے محض بے خبر ہیں، آپ نے مرید تو کیا ہے مگر کچھ دین اسلام کی تعلیم بھی ان کو کریں''۔

آپ نے ان سے فرمایا کہ ''بھائیو! مرید تو ہم نے تم کو کیا مگر دس پانچ روز یہاں رہنے کی فرصت ہم کو نہیں جو ہم تم کو دینی تعلیم کریں، سو اس کے لئے شیخ لعل محمد کو ہم اپنا خلیفہ کرتے ہیں، جو کچھ نصیحت یہ تم کو کریں، اس پر تم عمل کرنا تم ہمارے مرید ہو، ہم تمہارے پیر ہیں اور جو نہ مانو گے تو نہ ہم تمہارے پیر، نہ تم ہمارے مرید اس بات کو خوب یاد رکھنا'' انہوں نے کہا ''آپ کا فرمانا ہم کو قبول ہے'' پھر مولانا عبدالحی صاحب نے وعظ فرمایا۔(۳)

---

(۱) مکتوب سید حمید الدین (۲) ایضاً (۳) ''وقائع احمدی'' ص ۶۰۹

اوجھنی میں اور کشتیاں روانہ کردی گئیں، آپ کی کشتی اور ایک اور کشتی باقی رہی۔

ایک انگریز کی طرف سے دعوت

حضرت کے پاس ایک انگریز کی ہندوستانی بی بی آئی اور کہا کہ ''آج میرے یہاں آپ کی دعوت ہے'' آپ نے کہا ''ہماری کشتیاں آگے جاتی ہیں، اس نے کہا کہ دعوت قبول کرنا تو سنت ہے'' آپ نے فرمایا ''تمہاری دعوت قبول کرنا سنت نہیں''(۱) اس نے کہا کہ ''میری دعوت تو بڑے بڑے درویش اور مشائخ پیرزادے قبول کرتے ہیں، اور اپنی عزت و بزرگی سمجھ کر کھاتے ہیں، اور اس بات کی تمنا رکھتے ہیں، اور جو کچھ نقد روپے دیتی ہوں وہ لیتے ہیں'' آپ نے کہا ''تمہارے یہاں کا کھانا اور نقد سب حرام اور ناروا ہے'' اس نے کہا کہ ''پھر وہ لوگ کیوں کھاتے اور لیتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا ''یہ مسئلہ ان کو معلوم نہ ہوگا'' وہ عورت اپنے گھر چلی گئی اور انگریز سے یہ حال کہا، وہ اس مسئلے سے واقف تھا کہا ''وہ پادری صاحب سچ کہتے ہیں'' پھر وہ فرنگی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ''ہماری بی بی صاحبہ آپ کی دعوت کرنے آئی تھی، آپ نے قبول نہ فرمائی، جو کچھ آپ نے اس امر میں اس سے کہا ہم نے اس کی زبانی سنا، آپ نے بجا فرمایا، لیکن اگر ہم دعوت کریں، وہ تو آپ قبول کریں گے؟'' آپ نے فرمایا ''کیوں نہ قبول کریں گے؟'' مگر ہماری کشتیاں جا چکیں اور ہم بھی تیار ہیں، دعوت نہ کھانے کا یہ عذر ہے، اس نے کہا ''ابھی آندھی چلتی ہے، دیکھا چاہئے، کب تک موقوف ہو، میں آپ کی ضیافت ضرور کروں گا''۔

آپ نے اس کا کہنا قبول فرمایا، اس دن اس کی دعوت کھائی، صبح کو بستی والوں میں سے کسی نے دعوت کی، دعوت کے بعد دوپہر کے قریب آپ سوار ہوئے، کشتیاں کھلیں۔(۲)

وہاں سے کوئی چار کوس موضع اسرولی ہوگا، وہاں کا زمیندار شیخ وزیر نام آپ کو لینے وہاں آیا تھا، عرض کی کہ ''حکم ہو تو میں آگے چل کر آپ کی دعوت کی تیاری کروں'' آپ نے

---

(۱) اس لئے کہ وہ انگریز کے پاس تھی یہ تعلق ناجائز تھا، اور اس سلسلے کا سب مال حرام اور ناجائز تھا۔

(۲) ''وقائع احمدی'' ص ۶۱۴، ۶۱۵۔

فرمایا ''جب تک ہماری کشتیاں وہاں نہ پہنچیں، کھانا نہ پکانا'' ان کو ادھر رخصت کیا، ادھر آپ روانہ ہوئے، آگے چل کر کئی کوس پر وہ تینوں کشتیاں بھی مل گئیں۔

جس گھاٹ پر شیخ وزیر نے کشتیاں ٹھیرانے کو کہا تھا، دریا کی طغیانی کے سبب سے اس گھاٹ سے کشتیاں کوس سوا کوس آگے نکل گئیں، شیخ وزیر لوگوں کو پکارتے رہے، ملاحوں نے نہ سنا، شیخ وزیر سواری لے کر وہیں پہنچے کوئی ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ آپ ان کے مکان پر گئے، بہت لوگ بیعت ہوئے، رات پھر آپ وہیں رہے۔(۲)

اصلاح و تبلیغ

موضع اسرولی میں سب لوگ ہندوؤں کی سی پوشاک پہنے تھے، اور ویسے ہی ان کے تمام برتن تھے، آپ نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ ان بھائیوں کو کچھ وعظ و نصیحت کرو کہ شرک و بدعت کے جو کام کرتے ہیں، ان کو چھوڑ دیں، نماز روزے پر مستعد ہوں۔

اس نواح کی بستیوں سے ہزاروں آدمیوں کے قریب اور بھی آئے تھے، ان کو بھی آپ نے مرید کیا اور اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ بھائیوں کو توجہ دو اور اللہ تعالیٰ کا نام بتاؤ، پھر کسی نے پندرہ پندرہ، بیس بیس آدمیوں کو بٹھا کر توجہ دی اور ایک ہی توجہ میں اسی وقت ان لوگوں کے لطائف ستہ جاری ہو گئے اور بعضوں کا سلطان الذکر جاری ہو گیا۔

مولانا عبدالحی نے وعظ کہا اور شرک و بدعت کی قباحت تعزیہ داری، قبر پرستی اور پیروں اور بزرگوں کی نذر و منت کی برائی کا بیان کیا، یہ سن کر اس بستی والوں نے اسی وقت تعزیہ کے چبوترے کھود کر برابر کر دیئے اور علم اور پنجے توڑ تاڑ کر بانس تو جلا دیے اور ان کے کپڑے اور چاندی لا کر حضرت کے نذر کی کہ اپنے قافلے کے صرف میں لائیں اور اطراف کی بستی والوں نے کہا کہ ہم بھی مکان پر جا کر یہی کام کریں گے۔(۲)

گنگا کے دوسرے کنارے موضع چھپری ہے، اس نواح کی بستیوں کے کوئی تین ہزار

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۶۱۵، ۶۱۶ (۲) ایضاً ص ۶۱۶، ۶۱۷

آدمی بیعت کے لئے جمع تھے، انہوں نے بیعت کی اور وہ تمام لوگ محض عامی اور شعائر اسلام سے مطلق بے خبر تھے، ہندوؤں میں اور ان میں بظاہر اصلاً امتیاز نہ تھا، تعزیہ داری، گور پرستی اور بت پرستی کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے، حضرت نے ان کو ان سب باتوں کی برائی سمجھائی، نماز روزے وغیرہ کی تاکید فرمائی، وہاں بھی تعزیئے کے چبوترے اور امام باڑے تھے، اسی روز سب نے کھود کر برابر کردیے اور شدوں اور نشانوں کو توڑ کر بانس تو جلا دیے اور ان کا کپڑا اور چاندی سونا لا کر آپ کے آگے رکھ دیا، پھر مولانا عبدالحی صاحب نے کچھ دیر وعظ فرمایا۔(۱)

شام کے وقت قصبۂ موسریاں کے نیچے جہاں شرفاء کی بہت بڑی آبادی ہے، اور لب دریا بڑی خوش قطع مسجد بنی ہوئی ہے، یہاں سے الہ آباد خشکی کے راستے سے ڈیڑھ کوس اور دریا کے راستے سے ڈھائی کوس ہے، کشتیاں لنگر انداز ہوئیں، قافلے کے بہت سے لوگ خشکی کے راستے شہر کو روانہ ہوئے، آپ کشتی پر روانہ ہوئے، شہر الہ آباد میں شیخ غلام علی صاحب کی تجویز کے مطابق بلوہ گھاٹ پر کشتیاں رکیں، لب دریا راجہ اودت نرائن سنگھ کی سنگین بارہ دری، میں سارے قافلے کا قیام ہوا، کشتیاں بارہ دری کے پائیں باندھ دی گئیں، اوپر کی منزل میں آپ کا اور مستورات کا قیام تھا اور نیچے کی منزل پر تمام اہل قافلہ کا، مولانا عبدالحی صاحب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تین روز پیشتر پہنچ کر اسی بارہ دری میں مقیم اور شیخ غلام صاحب کے مہمان تھے۔(۲)

شیخ غلام علی صاحب

شیخ غلام علی صاحب الہ آباد کے رئیس اعظم تھے، شاہانہ کارخانہ اور امیرانہ ٹھاٹ تھے، سو تو فقط خدمت گار تھے، جو اپنی نوکری پر حاضر ہوتے، وہ دونوں وقت شیخ صاحب کے دستر خوان پر کھانا بھی کھاتے، کئی طبیب ملازم تھے، اور الگ دواخانہ تھا، یہ اذن عام تھا کہ غریب محتاج جس دوا کے لئے آئے، لے جائے، شیخ صاحب کے مطبخ کا یہ بندوبست تھا کہ جب یہ قافلہ

---

(۱)''وقائع احمدی'' ص ۲۱۸ (۲)''مکتوب سید حمید الدین''

ٹھہرا تو سب ملا کر دونوں وقت ڈیڑھ دو ہزار آدمیوں کا کھانا پکتا تھا۔(۱)

شیخ غلام علی کی عاشقانہ کیفیت اور شاہانہ ضیافتیں

شیخ صاحب نے کمال مسرت اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پورے بارہ روز تک قافلے کی ضیافت کی دونوں وقت روزانہ قورمہ، پلاؤ، زردہ اور تازی مٹھائی بڑی افراط کے ساتھ دستر خوان پر ہوتی۔

چوتھے روز شیخ صاحب بڑی عقیدت مندی کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر خدمت ہوئے، اکیس کشتیوں میں کم خواب، مشروع کے تھان اور کئی جوڑ دوشالے، نینوں، ململ اور خاکے تھان اور سترہ ایسے خوبصورت اور نادر ہتھیار، جو امیروں کے سلاح خانوں کے سوا کہیں اور نہیں مل سکتے، اور پانچ سو روپے نقد تقریباً تین ہزار مالیت کی نذر پیش کی اور بیٹوں، پوتوں اور مستورات اور اپنے عملے اور ملازمین کے ساتھ بیعت ہو گئے۔

دوسرے روز فی تھان پانچ چھ روپے کی قیمت کے ایک سو بیس تھان حجاج کے جامۂ احرام کے لئے اور دو سو چالیس گاڑھے کے تھان جن میں سے ہر تھان تین روپے قیمت کا ہوگا، تمام اہل قافلہ کی پوشاک کے لئے اور پانچ سو روپے نقدی ضروری اخراجات کے لئے اور بہت سے تحائف اور نفیس چیزیں جن کا ذکر موجب تطویل ہے، پیش کش کیں۔

اس کے علاوہ الٰہ آباد کے قیام میں روزانہ اپنے گھر کی نفیس، گراں بہا اور نادر الوجود چیزیں اور تحائف نذر کرتے قافلے کی روانگی کے قریب شیخ صاحب نے قافلے کے تمام لوگوں، چھوٹوں، بڑوں، مردوں اور عورتوں کو شمار کرایا اور فی کس ایک روپے کے حساب سے کچھ اوپر چار سو روپے حضرت کی خدمت میں پیش کئے کہ مساوی طور پر قافلے میں تقسیم کر دیئے جائیں، چنانچہ یہ رقم اسی وقت اہل قافلہ کو تقسیم کر دی گئی۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ سرکار سے قافلے کے کھانے پر شیخ صاحب کے روزانہ ایک سو چالیس روپے صرف ہوتے تھے، تمام ہدایا و تحائف اور روزانہ مصارف کا تخمینہ اہل نظر نے

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۶۳۶، ۲۳۷

دس ہزار روپے لگایا۔

شاہانہ اولوالعزمی اور دریادلی کے باوجود شیخ صاحب ہر مرتبہ اپنی بے مائگی اور تہی دستی کا عذر کرتے۔

ایک روز شیخ صاحب کے گھر کی بیبیاں حضرت کے زنان خانے میں آئیں اور والدہ صاحبہ سید محمد اسمٰعیل اور والدہ صاحبہ بی بی سارہ کی خدمت میں اسی اسی روپیہ پیش کیئے۔(۱)

قافلے کے علاوہ قرب وجوار کے صدہا ارادت منداور فقراء اور غرباء جمع ہو گئے تھے، اور دووقتہ شیخ صاحب کے یہاں کھانا کھاتے تھے، اور بہت سے باندھ کر لے جاتے تھے۔

شیخ صاحب نے ایک بڑا خیمہ جس میں دو خیمے شامل تھے، اور دس بارہ چھوٹے خیمے چابک دست خیمہ دوزوں سے تیار کرا کر نذر کئے اور چار ہزار پانچ سو روپئے مصارف سفر کے لئے پیش کئے، بعض لوگوں کا تخمینہ ہے کہ بیس ہزار روپئے شیخ صاحب نے مجموعی طور پر صرف کئے ہوں گے۔(۲)

شیخ صاحب کا یہ معمول تھا کہ جتنی مرتبہ آپ کی خدمت میں آتے کوئی عمدہ بیش قیمت ہتھیار ضرور لاتے، دن میں ایک بار بھی دو بار بھی، حضرت نے فرمایا کہ "ابھی تو ہم حج کو جاتے ہیں وہاں ہتھیار لے جانے کی کچھ ضرورت نہیں، آپ ہر وقت اور ہر روز یہ تکلیف کیوں کرتے ہیں، وہاں سے جب اللہ تعالیٰ ہم کو مع الخیر لائے گا، تب ہم آپ سے لے لیں گے" شیخ صاحب نے جواب دیا کہ "اول تو مجھ کو یہ معلوم نہیں کہ آپ کہاں جہاد کریں گے، اس ملک میں یا کسی اور ملک میں، پھر مجھ کو خود اپنی زندگی کا بھروسہ بھی نہیں، اگر میں مرگیا تو میری آرزو باقی رہ جائے گی، آپ اس کو لے جائیں، پھر آپ کو اختیار ہے، جہاں چاہیں، وہاں رکھ دیں۔"(۳)

الٰہ آباد اور اس کے نواح میں اصلاح وتبلیغ

الٰہ آباد میں شہر اور بیرونجات کے ہزاروں ہزار مرد اور عورتوں نے بیعت کی بعض

---

(۱) "مکتوب سید حمید الدین" (۲) "مخزن احمدی" ص ۶۷، ۶۸ (۳) "وقائع احمدی" ص ۶۳۴، ۶۳۵

لوگوں کا اندازہ تھا کہ شاید شہر میں کوئی مسلمان باقی نہیں رہا، جس نے بیعت نہ کی ہو۔(۱)

شہر اور باہر کے بکثرت زمیندار جمع تھے، حضرت نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا ''ان زمیندار بھائیوں کو نماز روزے، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے ضروری مسائل کی تعلیم کر کے ہمارے پاس لاؤ، پھر جو ہم کو کہنا ہوگا ہم کہہ دیں گے''۔

مولانا نے وہیں کوٹھی کے ایک مکان پر بٹھا کر ان کو ضروری مسائل تعلیم کیے اور آپ کی خدمت بابرکت میں لے گئے، آپ نے شیخ لعل محمد، شیخ وزیر اور ان کے بیٹوں کو، جھری کے دونوں بھائی زمینداروں کو خلافت نامہ دیا اور اپنا خلیفہ کیا اور جن کو انہوں نے اپنے اپنے آدمیوں سے لائق جانا، ان کے لئے کہا، آپ نے ان کو بھی اپنا خلیفہ کیا اور کسی کو کرتہ اور کسی کو عمامہ، کسی کو تاج عطا فرمایا، اور سب کے لئے دعا کی، شیخ وزیر کو برکت کا ایک روپیہ عطا فرمایا اور سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا'' کچھ مدت آپ بھائیو، للّٰہ فی اللّٰہ اپنے نواح و اطراف کی بستیوں میں دورہ کرو اور مسلمانوں کو توحید اور اسلام کا طریق سکھاؤ، اور شرک و بدعت سے بچاؤ، اللہ تعالیٰ تم کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا''۔

یہ سن کر لوگوں نے عرض کیا کہ'' آپ کا فرمانا بجا و درست ہے، مگر ہم کو عذر یہ ہے، کہ اول تو ہم اقسامِ شرک و بدعت سے واقف نہیں کہ کن کاموں کو شرک کہتے ہیں اور کن کو بدعت اور دوسرے یہ کہ تمام لوگ عوام کالانعام شعار اسلام سے محض ناواقف ہیں، ان کو یہ باتیں سکھانا اور راہ راست پر لانا تو ہم لوگوں سے بہت دشوار ہے''۔

آپ نے فرمایا''ان کی ہدایت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، یہ نہ میرے اختیار میں ہے، نہ تمہارے، تم جو اس امر میں للّٰہ فی اللّٰہ چند مدت کوشش کرو گے تو اس کا اجرِ عظیم پاؤ گے اور مفت میں جنت کماؤ گے''۔

پھر آپ نے شیخ غلام علی صاحب رئیس سے کہا'' شیخ بھائی تمہارے علاقے کی بستیوں میں جو مسلمان بستے ہیں، ان کی تعلیم و تلقین کے لئے ہم نے تم کو مقرر کیا، ان زمیندار لوگوں کا

---

(۱) ''مکتوب سید حمید الدین''

اکثر کاروبار سرکار دربار سے تعلق رکھتا ہے، تم ان کے حامی کار اور مددگار رہو اور وہ تمہارے سرکار کے مال گزار، جس قدر تم سے ہوسکے، ہر ایک کی لیاقت کے موافق روپیہ لینے میں تخفیف کرو، جب ان پر تمہارا احسان ہوگا، تب جو کچھ تم ان سے کہوگے، بے انکار سب مانیں گے"۔

شیخ صاحب نے اسی وقت اپنے چپراسی سے کہا کہ ہمارے توشے خانے کے داروغہ نصرت کو بلالاؤ، شیخ صاحب نے بتاکید ان سے کہا کہ جو زمیندار ہماری بستیوں کے یہاں تحصیل کا روپیہ لے کر آئیں، وہ ہم سے بے ملے نہ جانے پائیں۔

پھر آپ نے حافظ اکرام الدین دہلوی کو جو وہاں جوتوں کی دوکان کرتے تھے، بلایا اور ان سے فرمایا کہ "ہم تم کو اپنا خلیفہ بنادیں گے اور اوجھنی اور اسرولی وغیرہ کے جو بھائی یہاں ہیں، ان کو تمہارے تابع کریں گے، تم الہ آباد کے اطراف ونواح کی بستیوں میں لوگوں کی ہدایت کے واسطے دورہ بھی کرنا اور ہر جمعے کو شیخ صاحب کے اس بنگلے پر وعظ بھی" ان کے لئے آپ نے دعا کی۔(۱)

الہ آباد سے کلکتے تک تمام شہروں اور بستیوں کے لوگوں میں کیا شرفاء اور کیا غرباء علی العموم برسوں سے یہ رسم تھی کہ شادی غمی کی دعوت وغیرہ میں جو لوگوں کو کھانا کھلاتے تو ہندوؤں کی طرح دیہاتی لوگ پتریوں میں کھلاتے اور اکثر شہر والے مٹی کی رکابیوں میں اور کھانا کھانے کے بعد جو کچھ بچتا اس کو پتریوں اور رکابیوں سمیت گھورے پر پھینک دیتے، جب آپ نے لوگوں کا یہ حال سنا اور دیکھا، آپ کو یہ عادت نہایت بری اور ناپسند معلوم ہوئی، اول تو اس عادتِ بد سے شیخ غلام علی صاحب کو منع کیا اور فرمایا کہ "یہ کھانا نعمتِ الٰہی ہے، اور جناب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کے جھوٹے میں شفا ہے، سو اس کو اس طرح ذلت وخواری کے ساتھ پھینکنا جیسے کوئی گندگی کو پھینکتا ہے، کمال بے ادبی اور نہایت بری رسم ہے"۔

یہ بات سن کر شیخ صاحب نے تو اس فعل سے توبہ کی اور جن لوگوں نے سنا وہ بھی تائب ہوگئے، آپ نے حافظ اکرام الدین صاحب سے فرمایا کہ "جہاں کہیں تم وعظ کہنا اور شرک وبدعت کی

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۶۲۶، ۶۳۱

برائی بیان کرنا، وہاں اس رسم بد کی بھی برائی ضرور بیان کرنا اور یہ بری عادت لوگوں سے چھڑانا"(۱)

قلعے کے مسلمان سپاہیوں کی عقیدت

قلعۂ الٰہ آباد میں جو مسلمان سپاہی مختلف خدمات پر متعین تھے، اور تین سو کی تعداد میں تھے، انہوں نے انگریز قلعہ دار کی اجازت سے حضرت کو قلعے میں تشریف لانے کی زحمت دی، شہ نشین پر جو سلاطین سابق کی تخت گاہ تھی، آپ کو بٹھایا اور بڑے خلوص و اعتقاد کے ساتھ بیعت کی اور قدیمی مریدین کی توجہات باطنی سے بڑے بڑے فیوض اور برکات حاصل کئے، چالیس روپے نقد ایک پستول، ایک انگریزی گرج اور ایک فرڈ ناٹ پیش کیا، دوسرے روز پورے قافلے کی پر تکلف ضیافت کی۔(۲)

الٰہ آباد کے دوسرے مخلصین

الٰہ آباد میں شیخ غلام علی صاحب کے علاوہ جو سید صاحبؒ اور قافلے کے مستقل میزبان تھے، جن لوگوں کو خدمت کی سعادت حاصل ہوئی، ان میں شیخ محمد تقی، بسئی میاں، نجیب خاں میواتی، رنجیت خاں جوتے کے سوداگر، حافظ نجابت علی، محمد حسین، عبدالقادر قابل ذکر ہیں۔(۳)

رؤسائے الٰہ آباد میں سے مولوی کرامت علی صاحب نے بھی بیعت کی، سفید ے اور پشمینے کے تھان، جن، کی قیمت کا اندازہ دوسو روپیہ لگایا جاتا ہے، نذر کئے ایک روز پورے قافلے کی پر تکلف دعوت کی اور چالیس روپئے نقد پیش کئے۔(۴)

دو روز آپ کا قیام شاہ اجمل صاحب کے مکان پر رہا، شاہ صاحب آخری مرض میں مبتلا تھے(۵)، شاہ صاحب نے پچاس روپئے، بہ تقریب ضیافت اور دو خوشنما رضائیاں ہدیۃً پیش کیں۔(۶)

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۶۴۴ (۲) "مکتوب سید حمید الدین" (۳) "وقائع احمدی" ص ۶۲۱

(۴) "مکتوب سید حمید الدین" (۵) یکم ذی الحجہ ۱۲۳۶ھ کو شاہ صاحب نے انتقال کیا (نزہۃ الخواطر)

(۶) "مکتوب سید حمید الدین"

الہ آباد سے روانگی سے پہلے آپ نے مولوی وحید الدین صاحب کے حقیقی چچا حافظ احمد الدین صاحب کو اہل الہ آباد کی تعلیم و تلقین کو اور حافظ صاحب موصوف کے صاحبزادے سعد الدین کو اہل قلعہ کی تعلیم کے لئے چند دن ٹھہرنے کا حکم دیا۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو ایک سو پندرہ آدمیوں کے ساتھ خشکی کے راستے سے مرزا پور روانہ فرمایا، تیرہویں دن مستورات کو نماز صبح سے پہلے بارہ دری سے پیادہ پا کشتی تک پہنچا کر باشندگانِ الہ آباد سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے اور الہ آباد سے دوسری منزل مرزا پور ہوئی۔(۱)

مرزا پور

مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خشکی کے راستے سے چار گھڑی پیشتر شہر پہنچ چکے تھے، اور شیخ شاہ محمد صاحب (۲) سوداگر کے مکان پر مقیم تھے، سوداگر صاحب قافلے کے منتظر اور کھانے کی تیاری میں مشغول تھے، تھوڑی دیر میں دونوں قافلے یکجا ہوئے اور سوداگر صاحب کے مکان پر سب کے لئے کھانا تیار ہو کر آیا، دوسرے روز سوداگر صاحب نے ایک بڑا خیمہ لبِ دریا نصب کیا اور قافلے کی تمام ضروریات مہیا کیں اور تمام اہل قافلہ کے لئے اپنے یہاں سے کھانے کا انتظام کیا، مستورات کے لئے حسب دستور قافلے کا خیمہ لگایا گیا، شیخ صاحب کی درخواست پر ایک ہفتہ قیام کا ارادہ کر لیا گیا۔(۳)

تیسرے روز شیخ صاحب اپنے تمام بھائیوں، بچوں اور مستورات سمیت بیعت میں داخل ہوئے، اور پانچ سو روپے نقد اور ایک جوڑی پستول، تقریباً بیس تھان ململ، نینوں اور مشروع وغیرہ کے اٹھارہ تھان گاڑھے کے، قافلے کی پوشاک کے لئے پیش کئے۔

دوسرے روز مرزا پور کے تمام مسلمان باشندے بیعت میں داخل ہو گئے، مرزا پور کے پٹھان شرفاء جو وہاں کے قدیمی زمیندار ہیں، اپنے متعلقین کے ساتھ بیعت ہوئے، ایک اشرفی نذر گزرانی اور ایک روز اپنی طرف سے قافلے کا کھانا کیا، مولوی فرزند علی صاحب نے گاڑھے کے چالیس تھان اہل قافلہ کی پوشاک کے لئے اور اسّی روپئے مولانا عبدالحی صاحب

---

(۲) ''مکتوب سید حمید الدین'' (۲) شیخ عبداللطیف سوداگر (وقائع احمدی) (۳) ''مکتوب سید حمید الدین''

ومولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی خدمت میں پیش کیے، حضرت سے بیعت کی اور بنارس پہنچ کر شریک قافلہ ہونے کا وعدہ کیا۔

دوسرے حضرات کی دعوتوں اور ضیافتوں کے علاوہ مرزا پور کے زمانۂ قیام میں روزانہ کھانا سوداگر صاحب کے گھر سے آتا رہا۔(۱)

انصاف وایثار

قافلے کی کشتیوں کے گردوپیش سوداگروں کے مال واسباب کی کچھ کشتیاں پہلے سے کھڑی تھیں مرزاپور کے سوداگر جو لینے آئے تھے، ملاحوں سے کہنے لگے کہ ان کشتیوں کو یہاں سے ہٹا کر اور جگہ لے جاؤ، حضرت نے فرمایا کہ ''نہیں یہ کیا بات ہے؟ ہماری کشتیاں رات کو آئی ہیں، اور یہ پہلے سے یہاں کھڑی تھیں، ان کو جہاں ہیں وہیں رہنے دو'' انہوں نے عرض کیا کہ ''حضرت یہاں کا یہی قانون ہے کہ کسی معزز شخص کی ناؤ آتی ہے تو سوداگروں کے مال کی کشتیاں ہٹادی جاتی ہیں'' آپ نے فرمایا کہ ''ہم کو تمہارے یہاں کا یہ قانون پسند نہیں ہے کہ اپنے کو آرام، دوسرے کو ایذا دیں'' (۲)۔

خدمت اور عام نفع رسانی

گھاٹ پر روئی سے لدی ہوئی ایک ناؤ کھڑی تھی، روئی کا مالک مزدوروں کا منتظر تھا کہ اس روئی کو لاد کر گودام لے جائیں، آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ ''روئی کے گٹھے اتارلو، صدہا آدمی اس کشتی میں لپٹ گئے، اور دو گھڑی کے عرصے میں ناؤ خالی کر کے روئی گودام کے دروازے پر پہنچادی، لوگ یہ حال دیکھ کر متحیر ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ لوگ تو عجیب طرح کے ہیں کہ روئی والے سے نہ جان نہ پہچان، بے مزدوری للہ فی اللہ اس کا اتنا کام کردیا، بے شک یہ اللہ والے لوگ ہیں۔(۳)

---

(۱) ''مکتوب سید حمید الدین''

(۲) وقائع ص ۲۴۶ (۳) ایضاً

گدھے والوں کی دعوت میں شرکت

مرزا پور میں سات گھر مسلمان خشت پزوں (اینٹ پکانے والوں) کے تھے، وہ بڑے دولت مند تھے، ہر کسی کے یہاں پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ گدھے خچر تھے، جو ان سے اینٹیں مول لیتا اور بار برداری کی مزدوری دیتا، وہ ان گدھوں، خچروں پر لاد کر بھجوا دیتے، شہر میں وہ گدھے والے کر کے مشہور تھے، اگر چہ قوم کے وہ شریف تھے، مگر اس نام اور پیشے کی حقارت وکراہت کے سبب سے مرزا پور کے مسلمان شرفاء وغرباء ان کے گھر کا کھانا پانی کھاتے پیتے نہ تھے، ان لوگوں نے حضرت سے عرض کی کہ غریب خانے پر تشریف لائیں اور بیعت سے مشرف کریں، آپ نے منظور فرمایا، وہاں کے مسلمانوں نے عرض کیا کہ "آپ ان کے یہاں نہ جائیں، یہ لوگ گدھے والے ہیں، شہر کا کوئی مسلمان ان کے گھر کا کھانا پانی نہیں کھاتا پیتا" آپ نے فرمایا "یہ کیا بات ہے؟ یہ بھی تو مسلمان بھائی ہیں، حلال پیشہ کرتے ہیں، اس پیشے میں کوئی برائی عیب نہیں، اس کو معیوب جاننا بہت معیوب ہے، اس لئے کہ گدھے، خچر پالنا، ان پر سوار ہونا سنت ہے، انبیاء اور اولیاء نے گدھے، خچر پالے ہیں اور ان پر سوار ہوئے ہیں، اب تک حرمین شریفین کا یہی دستور ہے" آپ نے ان کو نصیحت اور فہمائش کی اور خشت پزوں کو تسلی دی کہ ہم ضرور تمہارے یہاں آئیں گے، اور دعوت کھائیں گے، چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور کھانا تناول فرمایا۔

کھانے کے بعد ان لوگوں نے ایک تھالی میں تین سو یا چار سو روپے پیش کئے اور بہت سے کم خواب، گلبدن، مشروع، جامدانی، محمودی ململ وغیرہ کے تھان حاضر کئے، آپ نے کچھ نہ لیا، انہوں نے بہت اصرار کیا، آپ نے کسی طور پر نہ مانا، جب وہ دلگیر ہوئے تو آپ نے بعد میں فرمایا کہ "ہمارے نہ لینے کا سبب یہ ہے کہ اگر ہم لیتے تو تمہارے شہر کے لوگ یہ جانتے کہ سید صاحب نے فقط روپوں کے لالچ سے ان کی دعوت کھائی ورنہ کبھی نہ کھاتے، اب ان شاء اللہ تعالیٰ وہ بھی تمہارے کھانے پینے کو مکروہ نہ جانیں گے اور کھائیں پئیں گے (۱)"۔

مرزا پور میں پہلے دن نماز کا وقت ہوا، آپ نے مسجد دریافت فرمائی، شیخ عبداللطیف

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۶۵۸-۶۵۹

صاحب نے عرض کیا کہ ''ایک مسجد میری تعمیر کی ہوئی ہے، اور ایک مسجد شیخ محمد خاں رئیس مرزا پور کی ہے، ان کی بہت بڑی برادری ہے، لیکن ابھی تک ان کو بدعات اور منکرات سے اجتناب نہیں، اگر اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے دے تو ان کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت ہو جائے گی'' آپ محمد خاں صاحب ہی کی مسجد میں نماز کے لئے تشریف لے گئے، خاں صاحب نے خود مسجد کا اہتمام کیا اور اہل برادری کو جمع کیا اور نماز کے بعد اپنی کوتاہی کی معافی چاہی اور متعلقین خاندان و برادری سمیت بیعت ہو گئے (۱)۔

گرد و نواح کے بھی ہزاروں آدمیوں نے بیعت کی اور شرک، بدعات وغیرہ سے تائب و مجتنب ہوئے۔

ان دنوں ایک بڑی خراب ہوا چلی، شہر کے بہت آدمی بیمار ہوئے اور کئی موتیں ہوئیں، شاہ حسن علی کیمہ کے رہنے والے، جو شریک سفر تھے، ان کی ایک ہی بیٹی چودہ برس کی عمر کی تھی، وہ بھی اسی بیماری میں گئی، محمد ہاشم باشندہ لکھنؤ بھی بیمار ہو کر جاں بحق ہوئے اور پٹھانوں کے قبرستان میں دونوں بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ دفن کئے گئے، شاہ حسن علی کے ایک بھائی بھی بیمار ہوئے، اور زندگی کی امید نہ رہی، اسی اثناء میں قافلہ کا کوچ ہو گیا، بنارس پہنچ کر اللہ نے ان کو شفا دی۔ (۲)

اسلامی معاشرت و مساوات

مولانا عبدالحی صاحب کے وعظ سے ایک بازاری عورت تائب ہوئی، حضرت نے سید عبدالرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ ''اس کو کشتی پر بٹھا دو'' وہ عورتوں کی کشتی پر لے گئے، تو عورتیں چیخنے لگیں کہ ''یہاں کوئی جگہ خالی نہیں ہے، دوسری ناؤ پر بٹھاؤ'' سید عبدالرحمٰن صاحب نے حضرت سے ذکر کیا، آپ نے مولوی وحیدالدین صاحب سے فرمایا کہ ''اس نیک بخت کو کسی جگہ لے جا کر بٹھا دو'' انہوں نے عورتوں سے کہا ''انہوں نے کہا کہ بازاری عورت ہے'' ہم تو اپنی ناؤ پر نہیں بٹھائیں گے، سید عبدالرحمٰن صاحب نے سید صاحبؒ سے ذکر کیا، مولانا عبدالحی

(۱) ''منظورۃ السعداء'' (۲) ''مکتوب سید حمیدالدین''

صاحب نے یہ بات سنی اور وہاں سے اٹھ کر کشتی کے قریب ہو گئے، اور سب عورتوں کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ "تم اس نیک بخت کو اپنی ناؤ پر کیوں نہیں بٹھا تیں؟ آج اس نیک بخت نے سب برے کاموں سے توبہ کی ہے، اس وقت یہ تم سب سے افضل ہے، اور جو کچھ خدا اور سول کا شرعی حکم تم پر ہے، وہی اس پر ہے" ان سب نے کہا "اگر یہ بات ہے تو اس کو پردہ کرا کر چھت پر الگ بٹھادو" مولانا نے کہا کہ "چھت پر کیا تم میں کوئی نہیں بیٹھ سکتی؟ وہی کیوں جا کر بیٹھے؟" اس میں کچھ اور زیادہ گفتگو ہوئی، مولانا نے خفا ہوکر فرمایا کہ "اس میں عبدالحی کی جو بیوی ہو، وہ چادر اوڑھ کر کشتی پر سے اتر آئے" تین بار یہی حکم فرمایا، دوبار کہنے سے تو وہ نہیں اتریں، تیسری بار جب مولانا نے فرمایا کہ "جس طور سے شرعی پردہ تم کو بتایا ہے، اسی طور پر چادر اوڑھ کر چلی آؤ، پھر اسی طرح سر سے پاؤں تک چادر اوڑھ کر مولانا صاحب کی بیوی ناؤ سے اتر کر خشکی میں کھڑی ہو گئیں، مولانا کچھ دور کھڑے ہوکر کہنے لگے کہ "کیا گھر میں ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اس سفر میں تم کو چکی بھی پیسنی پڑے گی، روٹی بھی پکانی پڑے گی، جو ضروری کام ہیں سب کرنے پڑیں گے، پیروں بھی چلنا ہوگا؟ جب تم نے یہ سب قبول کیا، تب ہم نے تم کو ساتھ لیا"۔

اس عرصے میں دور سے سید صاحبؒ نے یہ معاملہ دیکھا، وہیں سے پکار کر کہا، "ہاں ہاں مولانا صاحب یہ تم نے کیا حرکت کی؟ یہاں تشریف لاؤ" مولانا نے کہا کہ "حضرت آتا ہوں" یہ جواب دے کر لوگوں کی طرف مخاطب ہوکر آواز دی کہ دیکھو عبدالحی کی بیوی کھڑی ہے، اور شرعی پردہ خدا اور رسولؐ کے حکم کے موافق اس کو کہتے ہیں، اور یہ بات تین بار فرما کر اپنی بی بی سے کہا کہ اب وہیں ناؤ پر جا کر بیٹھو" اور آپ سید صاحبؒ کے پاس حاضر ہوئے۔

پھر وہاں سے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اسی ناؤ کے پاس آکر کھڑے ہوئے اور مولوی وحید الدین صاحب سے کہا "ہماری بہن بی بی رقیہ سے کہہ دو کہ اس عورت کو اپنے پاس بلا کر بٹھالیں اور اس کو نیک باتیں نصیحت کریں اور دین اسلام کی باتیں سکھائیں" بی بی رقیہ بھی یہ باتیں سنتی تھیں، مولوی صاحب سے کہا کہ "بھیا سے کہہ دو کہ اس کو یہاں بھیج دیں۔"(۱)

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۶۴۹، ۶۵۱

سفر میں عورتوں کی نماز

ایک مقام پر مولانا عبدالحی صاحب نے پردے کا انتظام کر کے اپنی بیوی کو اتارا اور ان سے نماز پڑھوائی اور ساتھیوں سے فرمایا کہ "صاحبو! دیکھو عبدالحی کی بیوی نماز پڑھ رہی ہے" اس پر اور لوگوں نے بھی اپنی اپنی بیویوں سے نماز پڑھوائی۔(۱)

بدعات پر برادری کی سزائیں

مرزاپور میں محمد خاں نے اپنی برادری میں یہ قانون جاری کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کے تعزیے میں شریک ہو اور تحقیق ہو جائے تو برادری کی دعوت کے واسطے پچیس روپئے جرمانہ اور جو عشرہ محرم کے اندر کھچڑہ پکائے، یا شربت کرے، اس سے گیارہ روپیے جرمانہ اور جو کسی کا تعزیہ دیکھنے جائے، اس کے جرمانے میں ایک طالب علم کو ایک مہینہ اپنے گھر کھانا کھلائے اور جس کی ایک وقت نماز فرض قضا ہو جائے، اس کے تیس زیر بند لگائے جائیں۔(۲)

مرزاپور سے چلتے وقت آپ نے حافظ قطب الدین اور قادر شاہ کو اہل مرزاپور کی تعلیم و تلقین کے لئے چند دن ٹھہر کر آنے کی اجازت دی، ڈیڑھ سو آدمیوں کو آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی معیت میں خشکی کے راستے سے بنارس روانہ فرمایا اور خود مرزاپور سے روانہ ہو کر ظہر کی نماز ایک بڑی جماعت کے ساتھ چنار گڑھ کے قلعے کے نیچے پڑھی (۳)، یہیں شیخ عبداللطیف اپنی والدہ اور ایک دوسرے شخص کے ہمراہ اور مال تجارت کے ساتھ کرائے کی ایک دوسری کشتی لے کر شریک سفر ہوئے۔(۴)

چنار گڑھ میں بھی بہت سے لوگوں کو ہدایت ہوئی، آپ نے جس کو خلافت عطا فرمائی وہ شیخ کامل ہو گیا، بہت لوگ اس کے مرید رشید تھے، اور ہر ایک کو نسبت باطنی حاصل تھی، اور سب موحد، متبع سنت تھے، شریعت کے موافق اپنی شادی غمی کا کاروبار کرتے تھے، اور شرک و بدعت کی کوئی رسم اور چال نہیں ہونے پاتی تھی۔(۵)

---

(۱) "امیر الروایات" (۲) "وقائع احمدی" ص ۶۵۶ (۳) "مکتوب سید حمید الدین"
(۴) "وقائع احمدی" ص ۶۶۰ (۵) ایضاً ص ۶۶۱، ۶۶۲

بنارس تا کلکتہ

بنارس میں آپ کی قیام گاہ

۸/ذی الحجہ کو بنارس کے جلسائیں گھاٹ پر کشتیاں لنگرانداز ہوئیں، حضرت چند آدمیوں کے ساتھ محلّہ کندی گراں میں شاہ ابراہیم شرقی کی مسجد میں تشریف لے گئے، رؤسائے شہر نے قافلے کی سکونت کے لئے دوبے کی حویلی تجویز کررکھی تھی، وہ حضرت کو آکر جائے قیام پر لے گئے، مکانات متعدد اور کشادہ تھے، اہل قافلہ کو جگہ فراغت سے ملی۔(۱)

بارش کا موسم تھا اور یہاں آپ کے صدہا مرید تھے، اس لئے ایک مہینہ قیام کا ارادہ فرمالیا اور صاحب عیال اشخاص کے لئے کرائے پر اور کچھ مستعار مکانات لئے۔(۲)

رؤسائے شہر کا رجوع اور استفادہ

مرزا ابلاقی شہزادہ اپنی والدہ، اہل خانہ، متعلقین اور ملازمین کے ساتھ بیعت ہوئے، اور تین روز تک دعوت کی اور برکات صحبت حاصل کئے، حیات النساء بیگم نے، جنہوں نے بیعت کے دن سے اگسٹس بروک فرنگی سے علیٰحدگی اختیار کر لی تھی، اور تجارت کا پیشہ اختیار کرلیا تھا، دل کھول کر تواضع وضیافت کی، مولوی عبداللہ، بھولا چابک سوار اور نور بافوں میں سے تقریباً دو ہزار آدمیوں نے بیعت کی، میاں اللہ رکھو، یار محمد، دین محمد وغیرہ کے درمیان

(۱) ''مکتوب سید حمید الدین'' (۲) ''مخزن احمدی'' ص ۶۹

جواپنی برادری کے سرگروہ تھے، سالہاسال سے تنازع اور اختلاف تھا۔ آپ کی کوششوں سے ان میں ملاپ ہوگیا اور ان سب نے گور پرستی اور تعزیہ داری سے توبہ کی۔(۱)

عیدالاضحیٰ بنارس ہی میں ہوئی، سو جانور آپ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کئے۔(۲)

بنارس میں مصروفیت

بنارس میں پندرہ سولہ روز تک پانی کی جھڑی لگی رہی، اس بارش میں وہاں کے لوگ اپنے گھروں میں حضرت کو بیعت کے واسطے لے جاتے، بعض دفعہ آدھی رات گئے مکان پر تشریف لاتے، کیچڑ اور سیلاب کے باوجود آپ آنے جانے میں کسی سے عذر و حیلہ نہ کرتے، میاں دین محمد کہتے ہیں کہ "بنارس میں جس وقت لوگ آپ کو لینے آتے، اسی وقت آپ ان کے ساتھ چلے جاتے، اندھیری رات، بجلی چمکتی ہوئی، مینہ برستا ہوا، لالٹین روشن، آپ لوگوں کے ہمراہ گھر گھر ٹھہرتے اور لوگ بیعت ہوتے، بعض وقت رات بہت ہوجاتی، تو لوگوں سے فرماتے "بھائیو! اب ہم کو چھوڑ دو، ان شاء اللہ تعالیٰ اور وقت آئیں گے" کبھی کوئی کہتا کہ "حضرت میرا مکان قریب ہے، تشریف لے چلئے، کسی اور وقت خدا جانے آپ کے آنے کا اتفاق ہو یا نہ ہو" پھر اس کی خاطر بھی آپ اس کے مکان میں جاتے، وہاں سے نکلتے تو دوسرا چاپلوسی کی یہی تقریر کرکے اپنے گھر لے جاتا، وہاں سے نکلتے، تیسرا لے جاتا، یہی تار تھا، آپ کہتے "بھائیو! رات بہت گئی، ہمارے آدمیوں کو پانی کیچڑ میں تکلیف ہوتی ہے" مگر کون سنتا تھا، بعضے وقت لوگوں سے فرماتے کہ بھائیو، یہ پانی کیچڑ میں تمہارا پھرنا محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اگر وہ پروردگار تمہارے اس پھرنے کو پسند کرکے اپنے غلاموں، تابعداروں میں شامل کرلے تو کیا عجب ہے، یہ بات سن کر ہم لوگ خوش ہوجاتے اور اس وقت کی تکلیف کو عین راحت جانتے اور ہرگز نہ گھبراتے۔(۳)

بعض مرتبہ کسی کسی محلے میں کئی کئی ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت کی، ایک موقعہ پر نور بافوں میں سے کوئی دو ہزار شخصوں نے بیعت کی ایک دوسرے موقع پر اس برادری کے کئی

(۱) "منظورۃ السعداء" (۲) یادداشت قلمی، سفر حج (۳) "وقائع احمدی" ص ۲۶۴، ۲۶۵

ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔(۱)

بنارس کے راج گھاٹ پر مولوی عبداللہ اور بھولا چابک سوار بڑے ذی عزت اور نامدار اور وہاں کے تمام اہل بدعت کے سرگروہ اور سردار تھے، ایک بار انہوں نے بسیسر کی مسجد میں سید صاحبؒ کو مدعو کیا اور مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ سنا، وعظ کے بعد سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ "ہم اور ہمارے محلے والے شرک و بدعت میں گرفتار ہیں، اگر آپ ہمارے محلے میں تشریف فرما ہوں تو امید ہے کہ بے شمار لوگ پرہیزگار اور دین دار ہو جائیں اور شرک و بدعت چھوڑ کر توحید و سنت کے طریقے پر آجائیں" آپ نے فرمایا کہ "ہم کئی بار مرزا ابلاقی کے مکان پر گئے، وہاں تم نے ہم سے کیوں نہ کہا؟ وہیں سے تمہارے ساتھ چلتے" انہوں نے عرض کیا کہ "یہ تو ہم سے بڑا قصور ہوا، مگر اب ہم کو سرفراز فرمائیں" آپ نے کہا "بہتر، جب کہو، ان شاء اللہ تعالیٰ ہم چلیں گے"۔

اگلے روز پینس لے کر آئے، دو ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ حضرت ان کے مکان پر تشریف لے گئے، انہوں نے سب کی ضیافت کی اور ان دونوں صاحبوں نے اور اس محلے کے کئی ہزار آدمیوں نے بیعت کی، صبح سے عصر تک بیعت کرنے والوں کا ہجوم رہا، آپ نے فرمایا کہ "بھائیو، بیعت لیتے لیتے اب ہم تھک گئے ہیں، اب ہم کو فرصت دو، ان شاء اللہ تعالیٰ کسی دن موقع ہوگا تو پھر آئیں گے، جو لوگ باقی ہیں، ان سے بھی بیعت لے لیں گے۔"(۲)

دعوت کا ایندھن

دوسرے یا تیسرے دن پھر اس محلے کے لوگ آپ کو لے گئے اور کہا کہ "آج دونوں وقت آپ کی ضیافت ہے" انہوں نے کئی سو تعزیے توڑ کر ان کے کاغذ اور لکڑیوں کے انبار لگائے تھے، آپ کو وہاں لے جا کر دکھایا اور عرض کیا کہ "یہ آپ کی دعوت کھانے پکانے کا ایندھن ہے، دونوں وقت یہی لکڑیاں جلائی جائیں گے" پھر دونوں وقت انہیں لکڑیوں سے انہوں نے پلاؤ پکایا اور تمام قافلے کو کھلایا اور بے شمار آدمی جو بیعت کرنے سے باقی رہے تھے، انہوں نے بیعت کی۔(۳)

(۱) "وقائع احمدی" ص ۶۷۴ (۲) ایضاً ص ۶۶۸، ۶۶۹ (۳) "وقائع احمدی" ص ۶۷۰

ہسپتال میں مریضوں کی بیعت

بنارس میں جو پرانی ٹکسال مشہور تھی، اس میں انگریزوں نے ہسپتال بنایا تھا، ہسپتال میں پچاس ساٹھ مسلمان مریض تھے، انہوں نے حضرت کے پاس اپنا آدمی بھیج کر درخواست کی کہ "ہم لوگ تو معذور ہیں، وہاں تک ہمارا آنا دشوار ہے، مگر آپ للہ فی اللہ یہاں تشریف ارزانی فرمائیں تو ہم بیعت کریں" آپ ایک روز چند آدمیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے، اور ان مریضوں سے بیعت لی ۔(۱)

تلوکا چمار

بنارس میں راج گھاٹ پر تلوکا نام ایک چمار رہتا تھا، مولوی عبداللہ اور بھولا چابک سوار نے اس سے کہا کہ "تلوکا تو ہمارا یار ہے، ایک بات ہم تجھ سے کہتے ہیں کہ یہ جو سید صاحبؒ حج کو تشریف لے جاتے ہیں، اس شہر میں ہزاروں شخصوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، چنانچہ ہم نے بھی کی ہے، اگر تو بھی کر لے تو اچھا ہے" اس نے پوچھا "بیعت کرنا کس کو کہتے ہیں؟" انہوں نے کہا کہ "بری باتوں سے توبہ کرنا، اس کو بیعت کہتے ہیں" اس نے کہا کہ "بری بات سے توبہ اگر کہو تو تمہارے روبرو کرلوں، یہ تو بہت اچھی بات ہے" انہوں نے کہا کہ "یوں نہیں انہیں کے ہاتھ پر کر" اس نے کہا "کچھ مضائقہ نہیں، سید صاحبؒ کو میرے غریب خانے پر لاؤ، میں تو کچھ تمہاری باتیں سمجھتا نہیں ہوں، پھر اس وقت جو کہو گے کروں گا" انہوں نے آکر حضرت سے عرض کیا، آپ نے فرمایا "بہت خوب ہم کو لے چلو" پھر وہ دونوں صاحب حضرت کو اس کے مکان پر لے گئے، اس کا وہ مکان چھوٹا سا چبوترہ تھا، اس میں وہ دونوں میاں بیوی رہتے تھے، حضرت جا کر وہیں بیٹھے اور اس سے بیعت لی، اس کے بعد اس نے مولوی عبداللہ سے پوچھا کہ "اب میاں صاحب کو کچھ دیا بھی چاہئے؟" حضرت نے فرمایا کہ "اس میں دینے کی کچھ حاجت نہیں" اس نے عرض کیا کہ "کچھ تو نذرانہ ضرور چاہئے، میں نے لوگوں کو دیکھا ہے

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۶۷۰

کہ دیتے ہیں" وہ فقط ایک پھٹی ہوئی دھوتی اور ایک پھٹا کپڑا سر پر باندھے تھا، آپ نے فرمایا کہ "تم خود محتاج اور غریب آدمی ہو، ہم کو چاہئے کہ کچھ تم کو دیں" اس نے نہ مانا اور اپنی عورت سے کہا کہ کچھ مزدوری کے پیسے دھرے ہیں، وہ لا کر میاں صاحب کو دے" اس نے پانچ یا سات ٹکے لا کر آپ کے سامنے حاضر کئے، آپ نے نہایت خوش ہو کر لئے اور اپنے کسی آدمی کو دیے اور فرمایا کہ "یہ پیسے علیحدہ رکھنا" پھر آپ نے اس کے لئے دعا کی اور مولوی عبداللہ صاحب سے فرمایا "ان شاء اللہ تعالیٰ کچھ دنوں میں تم دیکھو گے کہ اس دعا کی کیسی خیر و برکت ہوگی" اور فرمایا کہ "مولوی اس کی تعلیم تمہارے ذمے ہے، روزے، نماز کے مسائل سکھاؤ اور نماز پڑھاؤ" مولوی صاحب ممدوح نے قبول کیا اور اس سے کہا کہ "تلوکا اس وقت موقع ہے، جو تیری برادری والے لوگ ہیں، ان کو بھی لا کر مرید کرا، وہ بھی اس کارِ خیر میں شریک ہو جائیں تو خوب ہو" یہ سن کر وہ گیا اور پچیس تیس آدمیوں کو لا کر حاضر کیا، حضرت نے ان سے بھی بیعت لی اور ان سب کے لئے دعا کی اور ان کو بھی مولوی عبداللہ کے سپرد کیا کہ ان کو بھی تم ہی نماز پڑھانا اور مسائل ضروری سکھانا اس تلوکا کا نام آپ نے بدل کر الٰہی بخش رکھا، اور جو اس کی برادری والے تھے، ان میں اکثروں کے نام یوں ہی ہندوؤں کے سے تھے، ان کے لئے مولوی عبداللہ کو اجازت دی کہ جو نام مناسب جاننا، بدل دینا۔

پھر ان لوگوں نے عرض کیا کہ "ہم کو تو دین اسلام کی باتوں کی خبر نہیں، تمام دن مزدوری کرتے ہیں، شام کو جو کچھ اللہ تعالیٰ دیتا ہے، کھانا کھا کر گھر میں سو رہتے ہیں، آپ یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی باتوں کی سمجھ دے" حضرت نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تم کو سمجھ بھی دے گا اور تمہاری مفلسی اور محتاجی بھی دور کر دے گا" پھر آپ وہاں سے اپنی جائے اقامت پر تشریف لائے۔(۱)

میاں الٰہی بخش

سید صاحبؒ کے خادم میاں دین محمد اس قصے کے راوی ہیں کہ "جب میں سرحد سے

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۶۷۰-۶۷۲

سید صاحب کا فرستادہ بن کر ہندوستان آیا تو بنارس بھی میرا جانا ہوا'' مولوی عبداللہ نے مجھ سے کہا کہ ''تم الٰہی بخش سے بھی ملے؟'' میں نے کہا ''کون الٰہی بخش؟'' کہا ''وہی تلو کا چمار، جس کو بھولا اور میں نے سید صاحبؒ سے مرید کرایا تھا'' میں نے کہا کہ ''مجھ سے تو ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی'' مولوی صاحب مجھ کو ایک مسجد میں لے گئے، وہاں کچھ لڑکے پڑھتے تھے، ان سے کہا کہ ''الٰہی بخش کہاں ہیں؟ جا کر بلا لاؤ'' ان میں سے ایک لڑکا جا کر بلایا، وہ غرارے دار پائجامہ، عمدہ کرتہ پہنے سر پر سفید عمامہ باندھے، چہرے پر لمبی سی داڑھی، آئے، اور السلام علیکم کہا، میں نے جواب دیا اور جانا کہ کوئی مولوی ہے، مجھ سے مولوی عبداللہ نے کہا کہ ''ان سے ملو، میاں الٰہی بخش یہی ہیں'' میں نے اٹھ کر مصافحہ اور معانقہ کیا، کئی آدمی ان کے ساتھ اور بھی تھے، میں نے ان سے بھی مصافحہ اور معانقہ کیا، پھر سب بیٹھے، مولوی عبداللہ صاحب نے کہا کہ ''میاں الٰہی بخش تم نے ان کو پہچانا؟، یہ سید صاحب کے پاس سے آئے ہیں، ان کا نام دین محمد ہے'' وہ اور ان کے ہمراہی کھڑے ہو گئے اور بڑے اشتیاق سے ملے اور حضرت کی خیر و عافیت پوچھی، میں نے بیان کی، وہ حضرت کی مفارقت یاد کر کے آبدیدہ ہوئے۔

پھر مولوی عبداللہ صاحب، ان کا حال مجھ سے بیان کرنے لگے کہ یہ مسجد میاں الٰہی بخش ہی کی بنوائی ہوئی ہے، اور ایک بہت عمدہ خوش قطع پختہ محل اس کے قریب تھا، اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ مکان بھی انہیں کا بنوایا ہوا ہے، دو حافظ قرآن پڑھانے کو اس مسجد میں انہیں کے نوکر ہیں، اور ۲۵، ۳۰ طالب علم یہاں پڑھتے ہیں، ان کا بھی کھانا کپڑا انہیں کے ذمے تھا، پھر ان کے بھائی بندوں نے کہا کہ تمہارے ساتھ ہم نے بھی سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، ان کے طفیل سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت نصیب کی، تم نے مسجد بنوائی، مدرسہ جاری کیا، اس کار خیر میں ہم کو بھی شریک کر لو، یہ تو نہیں مانتے تھے، پر ہم نے اور بھولا نے ان کو سمجھا کر مسجد کے بوریے بدھنے، چراغ بتی اور طالب علموں کے کھانے کپڑے کا خرچ ان کے ذمے کیا اور دونوں حافظوں کو ان کے ذمے اور جو مہمان و مسافر اس مسجد میں آئیں، ان کو بھی یہی کھلائیں اور مسجد کے متصل دریا کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ احاطہ بھی میاں الٰہی بخش کی

برادری والوں نے کھینچ کر اس میں چند حجرے طالب علموں کے رہنے کو بنوائے (۱)۔

مسلمانوں کے درمیان اتفاق ومصالحت

ایک جمعے کو بسیسر کی مسجد میں غرباء کے علاوہ بہت امراء بھی نماز کو آئے، مرزا بلاقی، مرزا حاجی شاہزادے اور مرزا کریم اللہ بیگ، مولوی غلام تکی اور حکیم سلامت علی خاں وغیرہ سب تھے، نماز کے بعد مولانا عبدالحی صاحب نے وعظ فرمایا یہاں تک کہ عصر کی اذان ہوئی، نماز عصر کے بعد وہ سب معزز لوگ سید صاحبؒ کی خدمت میں آئے اور آپس میں مشورہ کر کے عرض کیا کہ ''حضرت ہمارے اس شہر میں ہر قوم کے مقابلے میں نور بافوں کی بڑی جماعت ہے کوئی سات آٹھ ہزار گھر ہوں گے، اور ان میں بڑے بڑے مالدار اور تونگر ہیں، اور ان میں اکثر کے درمیان آپس میں مخالفت اور نا اتفاقی ہے، خصوصاً ان سب میں دین محمد اور اللہ رکھو بڑے نامی زردار اور جتھے والے ہیں، ان میں بھی مخالفت ہے، اور اکثر شرک وبدعت کے افعال یہی لوگ کرتے ہیں، تعزیہ داری، گور پرستی، نوچندی جمعرات کا میلہ، غازی میاں کا میلہ اور اسی طرح کی دوسری باتوں میں یہ شامل ہیں، اگر کسی طرح دین محمد اور اللہ رکھو کا آپس میں ملاپ ہو جائے اور وہ آپ کے دست مبارک پر بیعت کر لیں تو سب کے درمیان ملاپ ہو جائے اور گویا اس شہر کا تمام شرک وبدعت دفع ہو جائے اور سب طریق ہدایت پر آ جائیں''۔

آپ نے فرمایا کہ ''ہاں ہم اس حال سے واقف ہیں، دین محمد نے ہم سے کہا تھا بلکہ اس امر میں ہم سے دعا بھی کرائی تھی، اب اس گفتگو سے آپ بھائیوں کی کیا مرضی ہے''۔

انہوں نے عرض کیا کہ ہماری مرضی یہی ہے کہ مسلمانوں کا آپس میں اتفاق اور ملاپ ہو جائے اور اس کے سبب سے دین اسلام کی ترقی ہو اور شرک وبدعت دور ہو جائے تو بہت خوب بات ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ''یہ بغض وعداوت ان میں برسوں سے ہے، اور بڑے بڑے لوگوں کے درمیان ہے، یہ کسی بندے کے قابو کی بات نہیں، اگر اللہ تعالیٰ اس میں مدد کرے تو

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۲۷۶، ۲۷۶

سب کچھ ہوجائے ہم پھر کسی وقت دعا کریں گے، آپ دین محمد اور اللہ رکھو کے پاس خبر کرنے کے لئے کسی کو تجویز کیجئے، انشاء اللہ تعالی ہم پرسوں یکشنبہ کے دن وہاں چلیں گے"۔

تیسرے روز سویرے، سورج نکلے، آپ دوسو آدمیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے اور ان کے محلے کی مسجد میں اترے، آپ کے وہاں آنے کا حال سن کر ہزاروں آدمی کیا ہندو، کیا مسلمان سب آکر جمع ہوگئے کہ دیکھیں تو سید صاحب کیونکر ان کو ملاتے ہیں، لوگوں کے ازدحام کی خبر پاکر وہاں کا ایک انگریزی تھانیدار اور ناظر بھی چند برقندازوں کو لے کر حاضر ہوا کہ کہیں کسی سے لڑائی بکھیڑا نہ ہونے پائے۔

سید صاحبؒ نے دین محمد، اللہ رکھو اور یارو کو بلوایا، وہ آکر حاضر ہوئے اور کچھ شربت بنانے کی تدبیر کرنے لگے، آپ کو اس کی خبر ہوئی، آپ نے فرمایا" یہ تکلیف ہرگز نہ کرو، تمہارے فیصلے کے بغیر تمہارے یہاں کا پان تک ہم نہ کھائیں گے" انہوں نے شربت موقوف کیا، آپ نے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور ان سے فرمایا کہ "ہم نے اکثر لوگوں سے سنا ہے کہ بہت برسوں سے تمہاری آپس میں خصومت اور نااتفاقی ہے اور کسی طور سے دفع نہیں ہوتی، یہ سب فریب شیطانی ہے، اس میں طرح طرح کے نقصان ہیں، دین کے بھی اور دنیا کے بھی، اور سب سے بڑھ کر نقصان قطع رحمی کا ہے کہ نہ تم ان کی شادی غمی میں شریک ہوتے ہو، نہ وہ تمہاری، اللہ تعالی نے تم کو مالدار کیا ہے اور ہر طرح کا ہنر دیا ہے اس کو دنیا کے کام میں جس طرح چاہتے ہو، صرف کرتے ہو اور اپنی ناموری پر مرتے ہو تم کو لائق ہے کہ اللہ تعالی کی اس نعمت کا شکر ادا کرو اور اس کے کفران نعمت سے ڈرو اور اس لایعنی آپس کے جھگڑے کو دور کرو اور آپس میں مل جاؤ" طرح طرح کی مثالوں سے ان کو سمجھانا شروع کیا، جو لوگ وہاں حاضر تھے، سب پر ایک حال سا طاری تھا۔

جب وعظ و نصیحت سے آپ نے ان کو خوب سمجھا لیا اور وہ راضی ہوگئے، تب آپ نے اٹھ کر دین محمد اور اللہ رکھو اور لعل محمد اور یار محمد کو ملا دیا، ان چاروں نے آپس میں مصافحہ اور معانقہ کیا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ "بھائیو جن کو ہم جانتے تھے کہ ان کا آپس میں نزاع ہے، ان کو تو

ملا دیا، باقی اور صاحبوں کو ہم پہچانتے نہیں، وہ صاحب آپ اٹھ کر ایک دوسرے سے مصافحہ اور معانقہ کرلیں" پھر تو صدہا آدمی جن کی ایک دوسرے سے نزاع تھی، آپس میں ملنے لگے، اوران کی برادری کے علاوہ جتنے ہندو مسلمان وہاں موجود تھے، یہ حال دیکھ کر عالم حیرت میں تھے اور کہتے تھے کہ "برسوں سے یہاں کے سیٹھ ساہوکار اور شرفاء، امراء اس امر کی کوشش کرتے رہے اور کسی سے کچھ نہ ہوسکا، سب عاجز ہو کر بیٹھ گئے، اور سید صاحبؒ نے ایک ہی جلسے میں برسوں کا یہ قصہ طے کر کے ملا دیا، کسی نے بھی چوں و چرا نہ کیا، یہ سید صاحب مقبول خدا اور صاحب کرامات ہیں۔"(۱)

شرک و بدعات سے توبہ

دین محمد نے عرض کیا کہ کل آپ کی اور آپ کے تمام قافلے کی میرے یہاں دعوت ہے، آپ نے قبول کی، اگلے روز کوئی دوسو آدمیوں سمیت آپ دین محمد کے یہاں تشریف لے گئے اور وہاں دعوت میں اللہ رکھو اور یار محمد کو بھی دین محمد سے کہہ کر بلوایا۔

کھانے کے بعد دین محمد اوران کے اعزہ واقرباء نے بیعت کی، پھر زنانے مکان میں عورتوں کو ایک اور حویلی میں کر کے آپ کو اور ہمراہیوں کو لے گئے، اس مکان کے طاقوں میں طرح طرح کے صدہا کھلونے رکھے تھے، کہیں آدمیوں کی مورت تھی، کہیں جانوروں کی، آپ ان کو دیکھ کر بہت ناخوش ہوئے، مگر زبان سے کچھ نہ کہا، ایک پختہ اینٹوں کا چبوترہ تھا، دین محمد نے حضرت سے عرض کی کہ "یہ چبوترہ عورتوں نے تعزیہ رکھنے کے لئے بنوایا ہے، اور ایک چبوترہ باہر امام باڑے میں مردوں نے بنوایا ہے" آپ نے فرمایا کہ "یہ تو بہت بری بات ہے ان تمام تصویروں کو جو طاق میں ہیں توڑ ڈالو اور چبوتروں کو کھود کر برابر کر دو" انہوں نے عرض کی کہ "حضرت اسی واسطے میں آپ کو اس مکان میں لایا ہوں کہ یہاں کا حال آپ ملاحظہ فرما کر کچھ ارشاد کریں، میں اگر ان خرافات کو دور کروں گا تو عورتیں برا مانیں گی اور لڑنے کو موجود ہوں گی، آپ بیعت لینے کے بعد ان کو نصیحت اور فہمائش فرمائیں، تب بات درست ہوگی"۔

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۶۷۶-۶۸۰

آپ نے ان کی عورتوں سے بیعت لی اور تعزیہ داری اور تصویروں کی برائی ان کے سامنے بیان کی اور فرمایا کہ "یہ بیعت کرنا اسی کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب پاک میں آدمی سچے دل کے ساتھ سب بری باتوں سے توبہ کرے اور ان کو چھوڑ دے، نہیں تو بیعت کرنا نہ کرنا برابر ہے" ان عورتوں نے عرض کی کہ "جو بہتر ہو وہ آپ کریں، ہم راضی ہیں"۔

آپ نے دین محمد سے فرمایا کہ "اپنے یہاں کے چبوترے کھود ڈالو اور تعزیہ داری کا جو اسباب ہو سب دفع کرو اور ان طاقوں کے بتوں کو توڑ ڈالو" انہوں نے اول اندر کے چبوترے کو کھود کر اور اسی کی اینٹوں سے ان تمام تصویروں کو توڑ پھوڑ کر انبار لگا دیا، اس کے بعد کچھ علم پنجے اور تعزیے تھے، وہ توڑے، باہر کا چبوترہ کھودا۔

پھر آپ نے ان گھر والوں کے واسطے جناب الٰہی میں دعا کی کہ "یا اللہ تو ان سب لوگوں کو ہدایت نصیب کر اور اپنی راہِ مستقیم پر ثابت قدم رکھ" پھر آپ وہاں سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی اور مولانا عبدالحی صاحب سے وعظ کے لئے ارشاد فرمایا، وہ وعظ فرمانے لگے اور آپ نے کچھ آدمی چھوڑ کر چلنے کی تیاری کی اور دین محمد نے دوسرے روز کی دعوت کے لئے اصرار کیا اور آپ نے بڑے عذر کے بعد منظور فرمایا۔

دوسرے روز آپ دین محمد کے مکان پر تشریف لے گئے، کوئی چار ہزار آدمی ان کی برادری کے تھے، کھانے کے بعد کئی ہزار آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، مولانا عبدالحی صاحب نے وعظ فرمایا۔(۱)

بدعات و رسوم کی اصلاح اور بیعت کا مقصد

اگلے روز اللہ رکھو نے دعوت کی اور ان کے خویش و اقرباء نے بیعت کی اور اپنی عورتوں سے بیعت کرائی۔

اللہ رکھو نے عرض کیا کہ "حضرت بیعت تو ہم سب نے آپ کے ہاتھ پر کر لی مگر کئی باتیں ہمارے یہاں ہیں، جب وہ دور ہوں، تب ہم لوگ پورے مسلمان ہوں" آپ نے

(۱) "وقائع احمدی" ص ۶۸۰-۶۸۲

فرمایا کہ ''وہ کیا باتیں ہیں؟'' کہا ''ایک تو ہم لوگ اپنے گھرانے میں بیاہ شادی نہیں کرتے، ہندوؤں کی طرح عیب جانتے ہیں، دوسرے عورتیں پردہ نہیں کرتیں، تیسرے ہمارے شہر میں نوچندی جمعرات کا میلہ ہوتا ہے، تمام عورت مرد، ہندو مسلمان ہزاروں جمع ہوتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں، اس نوچندی میں لباس و پوشاک کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ عیدین میں اس کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ہوتا''۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ '' نعوذ باللّٰه من ذلك، یہ تو بہت بری باتیں ہیں، ان کو ضرور ترک کرنا چاہئے'' اور ان باتوں کی برائیاں خوب بیان کیں۔

اور فرمایا کہ ''اکثر عوام الناس، بلکہ بعض بعض خواص جو کہ نام کو عالم اور درویش کہلاتے ہیں، ان کے دلوں میں یہ بات سمائی ہے کہ جہاں ہم نے کسی بزرگ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرلی، پھر ہم کو کوئی بڑا چھوٹا گناہ نقصان نہیں کرے گا، ہمارے پیر صاحب اللہ تعالیٰ سے ہم کو بخشوالیں گے اور بہشت میں لے جائیں گے، یہ محض ان کا خام خیال اور وہم ہے، پیر صاحب خود اپنے ہی مآل کار سے بے خبر ہیں، کچھ نہیں جانتے کہ قیامت کے دن ہمارا کیا حال ہوگا، اور وہاں کا حال تو دریافت کرنا امر محال ہے، یہاں دنیا میں جن کاموں کے دن رات عادی اور خوگر ہیں، ان کا حال نہیں جانتے، چنانچہ بھوک، پیاس، سونا، جاگنا، پاخانہ پیشاب وغیرہ، خود میں اپنا حال کہتا ہوں کہ مجھ کو نہیں معلوم کہ کس وقت مجھ کو بھوک، پیاس لگے گی یا کب نیند کا غلبہ ہوگا یا کس وقت پاخانے پیشاب کی ضرورت ہوگی، یوں ہی اور بہت کام ہیں، جب ان ادنیٰ باتوں کو بالیقین نہیں جانتے ہیں تو اور بڑے بڑے کاموں کی ہم کو کیا خبر؟ یہاں ہم کسی کی مصیبت دور نہیں کر سکتے، وہاں کب کسی کی مصیبت دور کرسکیں گے؟ مگر ہاں پیر خدا و رسولؐ کے موافق جو طریقہ مرید کو بتادے، مرید کو لازم ہے کہ اس کو نہ چھوڑے، اسی پر چلا جائے، وہی اس کی نجات کا وسیلہ ہے، اور اس کے بغیر یہ تمام نفس کا فریب اور شیطان کا مکر ہے، خدا کی مخالفت کو نہ کوئی پیر بخشا سکے گا، نہ کوئی پیغمبر، جن صاحبوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، ان سے تم سمجھا کر کہہ دو کہ جو کام خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف ہیں، سب کو ترک کرو تب اس بیعت کرنے کا تم

کو فائدہ ہوگا، نہیں تو محض لا حاصل ہے، نہ میں ان کا پیر ہوں نہ وہ میرے مرید"۔

اللہ رکھو نے عرض کی کہ "جو بھائی یہاں حاضر نہیں ہیں، ان کو میں سمجھا دوں گا اور جو موجود ہیں، وہ خود سنتے ہیں" سب حاضرین بولے کہ "حضرت آپ حق فرماتے ہیں، بات یہی ہے مگر کیا کریں؟ ہم لوگ ان بلاؤں میں مبتلا ہیں، اب ان شاء اللہ ان سب باتوں کو چھوڑ دیں گے" وہ سب آپ کو نذر دینے لگے، آپ نے فرمایا کہ "ہم تمہاری نذریں تب لیں گے، جب تم ان سب بری باتوں کو چھوڑنے کا عہد کرو، اس کے بغیر ہم کسی کی نذر نہیں لیں گے، اور تعزیے کے جو چبوترے تمہارے گھروں کے اندر ہوں، ان کو کھود کر مسجدیں بنالو کہ تمہاری عورتیں ان میں نماز پڑھا کریں" جب سب نے اس کا عہد و پیمان کیا، تب آپ نے ان کی نذریں قبول کیں۔(۱)

بنارس سے عظیم آباد تک

بنارس سے چار کشتیاں اور ایک بجرا کرائے پر لیا گیا، ۷ر محرم جمعے کے روز بنارس سے روانگی ہوئی (۲) شام کو قصبۂ زمانیہ کے سامنے کشتیاں لنگر انداز ہوئی، زمانیہ سے ۱۱ر محرم سہ شنبہ کو غازی پور منزل ہوئی (۳)، غازی پور کے رؤساء شاہ منصور عالم، شیخ غلام، ضامن اور قاضی محمد حسن وغیرہ نے دعوت و بیعت کی، شہر و اطراف شہر سے بے شمار خلقت نے آکر بیعت کی، وعظ و نصائح سنے اور شرک و بدعت کی تمام باتوں سے توبہ کی۔

۱۴ر محرم جمعے کو غازی پور سے روانہ ہو کر ہلدیہ ٹھہرنا ہوا، وہاں بھی بہت سے لوگوں نے بیعت کی، آپ نے تیغ علی خاں صاحب کو اپنا خلیفہ بنایا، وہاں سے روانہ ہو کر بکسر و بلیا مقام ہوا، بہت سے لوگوں نے بیعت کی۔

۱۶ر محرم یکشنبہ کو چھپرہ پہنچے، بہت لوگ زیارت کے لئے آئے اور آپ کو دریا کنارے سے شہر لے گئے، فرحت علی صاحب کے مکان پر بہت لوگوں نے بیعت کی اور آپ نے ان کو خلیفہ بنایا اور ان کی ذات سے لوگوں کو بہت ہدایت ہوئی۔

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۶۸۲-۶۸۴ (۲) یادداشت قلمی سفر حج (۳) ایضاً

وہاں سے روانہ ہوکر ۱۸محرم سہ شنبہ کو دانا پور قیام ہوا، دانا پور کے لوگ بنارس تک پیشوائی کے لئے آئے تھے اور بہت مشتاق تھے، شیخ علی جان ساکن موضع ڈنکھا آپ کو اپنے مکان لے گئے اور اپنے تمام اعزاء و متعلقین کے ساتھ داخل بیعت ہوئے، صدرالدین نے بھی دعوت کی اور مع خاندان بیعت ہوئے۔

علی جان کے مکان کے قریب ان کا ایک تعزیہ رکھنے کا چبوترہ اور امام باڑہ تھا، لوگوں نے حضرت کو اطلاع کی، آپ نے علی جان سے فرمایا کہ اس چبوترے کو کھود کر یہاں مسجد بناؤ کہ محلے کے لوگ اس میں نماز پڑھا کریں، امام باڑہ رہنے دو، مہمانوں اور مسافروں کے رہنے کے کام آئے گا۔

شیخ علی جان نے اسی وقت چبوترہ کھود ڈالا اور عرض کی کہ "حضرت اپنے ہی دست مبارک سے مسجد کی نیو ڈالیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو نمازیوں سے آباد رکھے، پھر آپ نے مسجد کی نیو ڈالی اور پلاؤ پکوا کر تمام قافلے کی دعوت کی اور جیسی علی جان کی خلاف شریعت ہیئت تھی، ویسی ہی صدرالدین کی تھی، پھر انہوں نے اپنے اہل وعیال، عزیز و اقرباء کو مرید کروایا، پھر ان کا ایک احاطہ تھا، جہاں ان کے جانور ذبح ہوتے تھے، اس میں فرش بچھوایا اور حضرت کو لے جا کر بٹھایا اور وہیں بیعت کی، ایک پانچ چھ برس کا لڑکا عبدالرحیم نامی ان کے پاس تھا، عرض کی کہ میرے تو کوئی لڑکا بالا نہیں یہ میرا بھتیجا ہے، اور یتیم ہے، حضرت نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ بھائی صدرالدین تم للہ فی اللہ اس اپنے بھتیجے کو بیٹے کے بجائے پرورش کرو، ان شاء اللہ تعالیٰ دنیا میں بیٹے کے بجائے یہی تمہارے کام آئے گا، پھر آپ صدرالدین کے لئے اور جہاں بیٹھے تھے، اس مکان کے لئے دعا کرنے لگے کہ الٰہی تو اپنے فضل وکرم سے ان کو خوش وخرم رکھ اور شرک وبدعت سے ان کو بچا اور توحید وسنت پر ثابت قدم کر اور اس سرزمین کو سرسبز اور آباد کر، یہاں مہمان ومسافر اترا کریں، اور یہ للہ فی اللہ ان کی خدمت کیا کریں اور دنیا وآخرت میں ان کو حرمت وعزت کے ساتھ رکھ(۱)"۔

---

(۱) "وقائع احمدی"

دانا پور میں پانچ سات روز قیام رہا، انگریزی عملے کے لوگ اور عام اہل شہر بکثرت مستفید ہوئے، مولانا عبدالحی صاحب و مولانا اسمٰعیل صاحب روزانہ جابجا وعظ فرماتے تھے، ہزاروں شرک و بدعت سے تائب ہوئے، بکثرت پیشہ ور عورتوں نے توبہ کی، ناجائز مال و دولت چھوڑ کر دینداری اور پاکبازی کی زندگی اختیار کی (۱)، بہت سے امام باڑے کھد کر مسجدیں بنیں اور شہر میں خیر و برکت پھیلی (۲)۔

عظیم آباد پٹنے میں

دانا پور سے روانہ ہو کر ۱۹ر محرم چہار شنبہ کو آپ عظیم آباد پٹنے میں داخل ہوئے، مدرسے کے متصل کشتیاں باندھ دی گئیں، دو ہفتے اس شہر میں قیام رہا، ہزار ہا بندگان خدا نے فائدہ اٹھایا۔

عظیم آباد کے مخلصین

مولوی سید مظہر علی اپنے اہل و عیال کے ساتھ متعدد کشمیری شرفاء، مثلاً خواجہ قمر الدین اور ان کے اہل خانہ بیعت سے مشرف ہوئے، مولوی سید مظہر علی صاحب کو آپ نے خلافت عطا فرمائی (۳)۔

مولوی الٰہی بخش صاحب (۴) نے اپنا آدمی بھیجا، وہ آ کر حضرت سے کہہ گیا کہ صبح کو مولوی الٰہی بخش صاحب کے یہاں آپ سب لوگوں کی مہمانی ہے، اگلے روز کی گھڑی دن چڑھے ڈھائی تین سو آدمیوں کے ساتھ حضرت ان کے مکان پر تشریف لے گئے، وہاں دیوان خانے میں فرش کیا گیا تھا، وہ مکان بہت وسیع تھا، لیکن وہاں آدمیوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ آٹھ نو سو آدمیوں کے قریب ہوں گے، وہ مکان بھر گیا اور جگہ نہ رہی، مولوی الٰہی بخش صاحب متردد تھے کہ آدمی بہت ہیں، کھانا تھوڑا، آپ نے ان سے فرمایا کہ "ہمارے حصے کا کھانا ہم کو

---

(۱) "وقائع احمدی" (۲) ایضاً (۳) "منظورۃ السعداء"

(۴) صادق پور پٹنے کے مشہور دینی علم اور ذی وجاہت رئیس جن کے صاحبزادے مولانا احمد اللہ صاحب اور مولانا یحیٰی علی صاحب سید صاحبؒ کی جماعت کے رکن رکین اور پوری دعوت و تحریک کا مرکز تھے۔

دے دیجئے اور کسی بات کا اندیشہ نہ کیجئے، ان شاء اللہ تعالیٰ اور کھانا پکانا نہ پڑے گا، اس میں اللہ تعالیٰ برکت کرے گا اور سب لوگ بفراغت کھالیں گے" مولوی صاحب نے فرمایا کہ "بہت خوب کھانا حاضر ہے" آپ نے فرمایا کہ "کھانے کے برتن ڈھکے رہنے دینا، اس کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کر کے رکابیوں میں نکالنا، ہمارے آدمی بھی نکالیں" آپ کے آدمی بھی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، سب لوگ کھا کر آسودہ ہوئے اور جو لوگ کشتیوں میں تھے، ان کو بھی پہنچ گیا اور کھانا بچ رہا۔(۱)

آپ نے مولوی فتح علی صاحب، محمد حسین صاحب اور مولوی الٰہی بخش صاحب کو خلافت نامہ دیا اور اپنا خلیفہ کیا، انہوں نے عذر کیا کہ "ہم خلافت کے لائق نہیں ہیں، ہم سے یہ بارگراں کب اٹھے گا کہ یہاں سے کہیں جائیں اور خلق اللہ کو خدا اور رسول ﷺ کا حکم سنائیں اور ان کو راہ ہدایت پر لائیں؟" آپ نے فرمایا کہ "آپ اس بات میں پس و پیش نہ کیجئے، دیکھئے اللہ تعالیٰ یہیں سے بیٹھے بیٹھے کیسی راہ ہدایت نکالتا ہے کہ آپ کو کہیں جانے کی حاجت نہ پڑے گی۔"(۲)

انگریز حاکم کے یہاں شکایت

عظیم آباد پٹنے میں بعض شیعہ صاحبان نے انگریز حاکم سے جا کر کہا کہ یہ سید صاحب جو یہاں اتنے آدمیوں کے ساتھ آئے ہیں، ہم نے سنا ہے کہ ان کی نیت جہاد کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں سے جہاد کریں گے، حاکم نے اس کو تعصب اور حسد پر محمول کیا اور ان کو تنبیہ کی کہ آئندہ ایسی مفسدانہ بات نہ کہی جائے (۳)، شیعوں نے تعزیے کے چبوتروں کے کھودنے کی بھی شکایت کی، لیکن تحقیق سے ثابت ہوا کہ جو لوگ تائب ہوتے ہیں اور سنت کی پیروی اختیار کرتے ہیں، وہ اپنی خوشی سے ایسا کرتے ہیں، اس پر حکام نے کہا کہ "اس میں سید صاحب کا کوئی قصور نہیں اور ان پر کوئی الزام نہیں، اگر وہ زور اور زیادتی سے یہ کام کرتے تو ہم اس کا تدارک کرتے اور ان کو روکتے، وہ تو اپنے دین کے موافق لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں اور سمجھاتے ہیں، اس میں جس کا جی چاہے، وہ مانے اور اس پر عمل کرے اور جس کے دل میں نہ آئے نہ مانے، مختار ہے۔"(۴)

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۶۵۷-۶۶۷ (۲) ایضاً ص ۶۸۷ (۳) "وقائع احمدی" ص ۶۹۷ (۴) ایضاً ص ۷۷۱

تبلیغی وفد تبت کو

عظیم آباد میں ایک گھر میں چند تبتیوں سے ملاقات ہوئی، جو حج کے ارادے سے ٹھہرے ہوئے تھے، سید صاحبؒ نے ان سے ان کے ملک اور مسلمانوں کا حال پوچھا، انہوں نے کہا کہ "دوسرے اور تیسرے تبت تک تو مسلمان بستیوں میں زیادہ ہیں، اور کفار کم، اور باقی چار تبتوں میں مسلمان کم اور کافر زیادہ ہیں، کوئی کوئی لوگ نماز اور روزے سے واقف ہیں، اور باقی لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں، گور پرستی اور پیر پرستی میں مبتلا ہیں"۔

حضرت نے ان سے پوچھا کہ "تم جو بیت اللہ شریف جانے کا ارادہ کرتے ہو، کس قدر زادراہ تمہارے ساتھ ہے؟ اگر اس قدر ہے کہ کھاتے جاؤ اور کھاتے آؤ تو خیر، جاؤ"۔

انہوں نے عرض کیا کہ اتنا خرچ تو ہمارے پاس نہیں ہے، مگر ہم نے سنا ہے کہ آپ نے اذن عام دے دیا ہے کہ جو چاہے چلے، ہم اس کو اپنے ساتھ لے چلیں گے، سو ہم بھی امیدوار ہیں"۔

آپ نے فرمایا کہ "یہ بات تو سچ ہے کہ جن شرطوں کے ساتھ ہم نے اذن عام دے دیا ہے، ان شرطوں کے ساتھ جو چاہے چلے، مگر چونکہ زادراہ تمہارے ساتھ کم ہے، اس لئے حج تم پر فرض بھی نہیں ہے، اور بیت اللہ شریف جانے سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو، اب اگر تم سب صاحب مانو تو ایک بات ہم کہیں کہ اس طرح کے حج کرنے سے ثواب دو چند بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو"۔

انہوں نے عرض کیا کہ "اس سے بہتر کیا؟ ہم حاضر ہیں"۔

آپ نے فرمایا کہ "آؤ بسم اللہ کر کے ہمارے ہاتھ پر بیعت کرلو، پھر ہم وہ بات بتائیں"

پھر ان سب نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، پھر آپ نے فرمایا کہ "ہم تم سب کو خلافت نامہ دے کر اپنا خلیفہ کریں گے اور جہاں ہم تم کو بھیجیں، وہاں جاؤ" انہوں نے عرض کیا کہ "ہم حاضر ہیں" فرمایا کہ "ہم تم کو تمہارے ہی ملک رخصت کریں گے اور اعلام نامے

لکھ دیں گے، وہاں جا کر مسلمانوں کو احکام توحید و سنت سکھاؤ اور شرک و بدعت سے بچاؤ، مگر ایک بات ضرور کرنا کہ کوئی تم کو لکڑی، پتھر، لات گھونسہ کتنا ہی مارے تم اس پر صبر کرنا اور ان کو کچھ نہ کہنا اسی طور تعلیم و تلقین کرتے رہنا پھر عنایت الٰہی سے دیکھنا کہ تھوڑی ہی مدت میں دین اسلام کی کیسی ترقی ہوگی اور وہ سارے ایذا دینے والے خود آ کر تم سے خطا معاف کرائیں گے"۔

یہ تمام گفتگو سن کر انہوں نے اپنا عذر بیان کیا کہ ہم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور وعظ و نصیحت کے لئے علم کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا "اندیشہ نہ کرو اسلام اللہ کا ہے، وہ آپ ہی مدد کرے گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہزاروں آدمی تمہارے ہاتھ پر ہدایت پائیں گے" کئی ورقوں میں توحید و سنت کی تاکید اور شرک و بدعت کے رد کی آیتیں اور حدیثیں لکھوا کر دے دیں اور بنام خدا ان کو روانہ کر دیا(۱)۔

وفد کی کامیابی اور اثرات

سفر حج سے واپسی پر کلکتے میں کچھ لوگ تبت اور چین کے ملے، حضرت نے ان سے ان کے ملک اور وہاں کی دینداری کا حال پوچھا، انہوں نے کہا کہ "دین اسلام کا جو کچھ طریق آپ لوگوں کو بتاتے ہیں اور توحید و سنت کی خوبی اور شرک و بدعت کی برائی بیان کرتے ہیں اسی طرح کئی آدمی ہمارے ملک میں بھی جا بجا بیان کرتے پھرتے ہیں، ان میں سے میں نے بھی تین شخصوں کو دیکھا ہے، بہت لوگ ان کے مرید بھی ہوئے ہیں اور بہت لوگ ان کو ایذا بھی دیتے ہیں اور برا بھلا بھی کہتے ہیں، مگر وہ صبر کرتے ہیں، اور لوگوں کو نیک راہ بتاتے ہیں، یہ نہیں معلوم کہ انہوں نے یہ طریقہ کس سے سیکھا ہے"۔

یہ بات سن کر حضرت نے فرمایا کہ تبت کے نو آدمی ہمارے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت نامہ لے گئے ہیں، ان میں تین عورتیں بھی ہیں، اور ان کا نشان اور پتہ بھی بیان کیا، تب انہوں نے عرض کی کہ بیشک وہی لوگ ہیں (۲)۔

میاں دین محمد کہتے ہیں کہ میں سرحد سے کسی کام سے ہندوستان آیا، لکھنؤ میں خیالی گنج

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۱۵۷-۱۵۴ (۲) "وقائع احمدی" ص ۱۵۴-۱۵۵

میں ٹھہرا، امام بخش جراح نے جو اسی محلے میں رہتے تھے، اور حضرت سے بیعت رکھتے تھے، کہا کہ تین شخص تبت کے جن میں دو مرد ہیں ایک عورت، اس شہر میں چند روز ہوئے آئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم سید صاحب کے مرید ہیں، اور ہم کو سید صاحب نے خلیفہ کر کے وعظ و نصیحت کے لئے ہمارے ملک کو بھیجا تھا، تیسرے روز وہ تینوں شخص جراح مذکور کے پاس آئے، میں نے انہیں دیکھا اور پہچانا، وہ بہت خوشحال معلوم ہوتے تھے، انہوں نے اپنا حال سنایا کہ "جب ہم نے حضرت پیر و مرشد کے ارشاد کے مطابق لوگوں میں توحید و سنت کی خوبی اور شرک و بدعت کی برائی کا بیان شروع کیا تو تمام لوگ یکبارگی مخالف ہو کر ہم پر زور و زیادتی اور مار دھاڑ کرنے لگے، یہ حال سید صاحبؒ نے ہم سے پہلے ہی فرما دیا تھا، چند روز کے بعد ایسی تائید الٰہی ہوئی کہ انہیں لوگوں میں سے دو دو چار چار ٹوٹ کر ہم سے ملنے لگے اور طریق حق قبول کرنے لگے اور اس ملک کے اکثر طالب علموں اور مولویوں کو ہم نے حضرت کا نصیحت نامہ دکھایا، بعضوں نے تو اس کو دیکھ کر کہا کہ اسلام کا طریق یہی ہے، تم شوق سے لوگوں کو تعلیم کرو، ہم راضی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی راہ حق نصیب کرے، بعضے اس کو دیکھ کر ناخوش ہوئے اور کہنے لگے کہ کسی نے لوگوں کو بہکانے کا یہ نیا طریقہ ایجاد کیا ہے، غرض کہ وہاں کے لوگ دو گروہ ہو گئے، موافق لوگ علیحدہ اور مخالف علیحدہ اور ہزاروں آدمی فضل الٰہی سے راہ ہدایت پر آ گئے۔

پھر ہم نو شخصوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہدایت کی راہ جاری کر دی، اب ہم کو ایک جگہ رہنا نہ چاہئے، پھر ہم میں سے چار آدمی خاص ملک چین کو گئے اور دو شخص چھٹے اور ساتویں تبت کی طرف اور تین ہم اس طرف آئے اور ہم سب کا آپس میں عہد و پیمان ہے کہ ایک بار اور سید صاحب سے ملاقات کریں گے۔(۱)

شیعہ رؤساء اور اہل شہر کا رجوع

عظیم آباد میں شیعہ رئیس نواب قطب الدین خاں نے دعوت کی، آپ تشریف لے گئے، انہوں نے توبہ اور بیعت کی اور آپ کو اپنے زنانہ مکان میں لے جا کر عورتوں سے توبہ

(۱) "وقائع احمدی" ص ۷۵۵-۷۵۷

کرائی اور بیعت لی، آپ اندر ہی تھے کہ نواب صاحب نے ایک سینی میں پانچ سو روپے ایک سرخ دوشالہ، ایک بوٹے دار رومال اور کئی سپید تھان اور گلبدن اور مشروع کے کئی تھان اپنے آدمی کے ہاتھ بھیجے، ایک سینی میں پان اور عطر کی دو شیشیاں دوسرا آدمی لایا، ایک ٹوکرا بھر شرینی تیسرا آدمی لایا اس عرصے میں آپ اندر سے تشریف لائے، اور دیوان خانے میں بیٹھے، اس وقت جو لوگ نواب صاحب کے نوکر چاکر خدمت گار حاضر تھے، ان کو نواب صاحب نے حکم دیا کہ تم بھی حضرت کے ہاتھ پر بیعت کرلو، ان سب نے بھی بیعت کی۔

نواب قطب الدین خاں نے ایک بیش قیمت روپہلی قبضے کی گجراتی تلوار جس پر سنہری دھاریاں تھیں، ایک بہت عمدہ ولایتی قبے دار سپر اور ایک فرد انگریزی پستول اور ایک نہایت عمدہ بندوق اور دو کمانیں اور دو ترکش آپ کے سامنے نذر کے طور پر لاکر رکھے، آپ نے فرمایا کہ ''ابھی تو ہم حج کو جاتے ہیں، ان ہتھیاروں کو کہاں لئے لئے پھریں گے؟ ان کو آپ اپنے پاس رہنے دیجئے، ان شاء اللہ ادھر سے آکر لے لیں گے'' نواب صاحب ممدوح نے عرض کیا کہ ''میں تو آپ کی نذر کر چکا، اب اپنے یہاں نہ رکھوں گا، موت پیچھے لگی ہے، کیا خبر کس وقت آئے؟ یہ ہتھیار آپ ہی لیتے جائیں'' کچھ ردوکد کے بعد آپ نے وہ ہتھیار قبول کئے اور اپنے پاس رکھ لئے۔(۱)

نواب قطب الدین کے یہاں سے فراغت کے بعد آپ کو اور دو نواب زادے اپنے اپنے مکان پر لے گئے اور خود بیعت ہوئے اور گھر کے لوگوں کو بھی مرید کرایا اور نذر دی۔(۲)

اسی روز ایک ڈومنی اپنی لڑکی اور دو لڑکوں کے ساتھ جن میں سے ایک کا نام عنایت اللہ دوسرے کا نام ہدایت اللہ تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ ''میں ڈومنی ہوں، گانے بجانے کا پیشہ کرتی ہوں، میرا کئی مہینہ پیشتر سے ارادہ تھا کہ میں اس حرام پیشے سے توبہ کروں، مگر شرارت نفس سے باز رہی، اس نیت سے آپ کے پاس آئی ہوں'' آپ نے خوش ہو کر فرمایا کہ ہم تم کو مرید بھی کریں گے اور جو تم ہمارے ساتھ چلو تو حج بھی کروا لائیں''۔

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۷۷۳-۷۷۵　　(۲) ایضاً ص ۷۷۶-۷۷۷

یہ بات سن کر وہ بہت خوش ہوئی، حضرت نے اس سے اور اس کی بیٹی اور دونوں بیٹیوں سے بیعت لی اور اس سے فرمایا کہ "تمہارے یہاں جو کچھ ساتھ لینے کا اسباب ہو، آج ہی یہاں لا کر کشتی میں چڑھا دو پرسوں یہاں سے کوچ ہے" اس نے اسی روز شام کو اپنا اسباب لا کر ناؤ پر چڑھا دیا۔(۱)

عظیم آباد کے سوداگروں رحیم خاں افغان اور عبدالرحمٰن خاں نے بھی بیعت کی اور اپنے اہل وعیال کو بھی مرید کرایا اور اپنے اور اپنے گھر والوں کے حق میں دعا کرائی، مولانا عبدالحی صاحب نے وعظ کہا، آپ نے ان کو زکوٰۃ کی تاکید کی اور فرمایا کہ "یہ زکوٰۃ اپنے خویش و اقرباء اور اپنے ہمسائے میں جو محتاج ہوں ان کو دینا اور جو تم سے ہو سکے، اپنے مال سے مسکین اور مسافروں کی خدمت کیا کرنا، اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں خیر و برکت کرے گا۔"(۲)

عظیم آباد سے کلکتے تک

عظیم آباد میں قافلے کے لئے کھانے پکانے وغیرہ کا سفر کا ضروری سامان خرید اگیا اور کچھ پالیس عیالدار آدمیوں کے لئے تیار کرائی گئیں۔

۲۶ رمحرم چہار شنبہ کو عظیم آباد سے روانہ ہو کر ۲۷ رمحرم پنجشنبہ کو آپ سورج گڑھ (۳) پہنچے، باڑے میں قیام ہوا، بکثرت مسلمانوں نے دینی نفع اور برکت حاصل کی، وہاں کے نامی شرفاء میں سے خواجہ مولا بخش، خواجہ افضل علی، شیخ سوپن، واحد علی خاں، اکرام الحق اور صدہا آدمیوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا، شاہ گھسیٹا نے جو وہاں کمشنری کے نائب تھے، اور ان کی زندگی اور وضع قطع اول شرع کے مخالف تھی توبہ اور بیعت کی، بیعت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو صراط مستقیم پر استقامت بخشی اور درجۂ خلافت سے ممتاز ہوئے۔(۴)

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۷۷۷ (۲) ایضاً ص ۷۸۰ (۳) یہ سورج گڑھ مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ کا وطن ہے مولانا نے جیسا کہ "ارمغان احباب" اور "نزہۃ الخواطر" میں ہے، سید صاحبؒ کی زیارت سفر حج سے واپسی پر عظیم آباد میں کی۔ (۴) "وقائع احمدی" ص ۷۸۳، ۷۸۶

یہاں سے چل کر رستے میں دو منزلیں کرتے ہوئے، جہاں زیادہ تر غرباء نے بیعت کی ۲۸ر محرم کو مونگیر ٹھیرے، یہاں بھی عام طور پر غربا نے بیعت کی، اگلے روز ۲۹ ر محرم کو بھاگلپور منزل ہوئی، وہاں سے راج محل قیام ہوا، یہاں سے منشی محمدی انصاری آپ کو اپنے وطن جو راج محل سے دس گیارہ کوس تھا لے گئے، آپ وہاں ایک رات رہے، منشی محمدی کے والد منشی رؤف الدین اور ان کے عزیزوں میں منشی مخدوم بخش، منشی حسن علی، منشی فضل الرحمٰن اور منشی عزیز الرحمٰن نے بیعت کی، اور ان کے علاوہ اور بہت مردوں اور عورتوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا، منشی رؤف الدین اور منشی فضل الرحمٰن آپ کے ساتھ ہو لئے (۱)۔

راج محل سے کوچ کر کے ۵ر صفر جمعے کو مرشد آباد ٹھیرے، یہاں شیعیت کے اثرات بہت تھے، شیعہ سنیوں میں کوئی فرق نہ تھا، آپ نے مولانا عبدالحی صاحب کو وعظ کا حکم دیا اور فرمایا کہ اہل سنت کے عقیدے اور مسلک کو وضاحت کے ساتھ بیان کریں، ان مواعظ کو سن کر سنیوں نے کہا کہ ہم تو سید صاحبؒ کے طفیل آج مسلمان ہوئے، فریقین کے صدہا آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، (۲) ایک سید صاحب نے جن کے آباء واجداد کٹرہ کے رہنے والے تھے، بڑے اہتمام کے ساتھ سو آدمیوں کی دعوت کی (۳)۔

بندر ہوگلی

مرشد آباد سے روانہ ہو کر ایک شب کٹوا قیام رہا وہاں سے کوچ کر کے ہوگلی قیام ہوا، بندر ہوگلی میں ایک ہفتہ قیام رہا، اہل حرفہ اور شرفاء میں سے ہزاروں اشخاص نے بیعت اور خاطر مدارات کی (۴)۔

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۷۰۹۰، ۷۹۱ (۲) ایضاً ۷۹۳ (۳) ''مخزن احمدی'' ص ۷۰

(۴) ''مخزن احمدی'' ص ۷۰، قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرشد آباد سے کلکتے تک ۶ روز کا عرصہ صرف ہوا جس میں مختلف مقامات پر قیام رہا۔

بارھواں باب

کلکتے میں

ایک مخلص کی پیش قدمی

بندر ہوگلی میں کلکتے کی طرف سے ایک کشتی تیر کی طرح آتی ہوئی دکھائی دی، قریب آئی تو معلوم ہوا کہ ایک شخص جامہ پہنے، پگڑی باندھے سوار ہیں، کشتی قریب آئی تو ان صاحب نے پکار کر پوچھا کہ ''یہی قافلہ حج کو جانے والا ہے؟'' کسی نے جواب دیا کہ ''ہاں یہی حج کو جاتا ہے آپ کہاں سے آئے ہیں، اور اسم شریف کیا ہے؟'' انہوں نے کہا، میں کلکتے سے آیا ہوں، میرا نام امین الدین ہے، قافلے کے لوگوں نے خط و کتابت سے ان کا نام سن رکھا تھا، انہوں نے پوچھا کہ ''حضرت کہاں تشریف رکھتے ہیں؟'' لوگوں نے بجرے کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے اپنی کشتی لے جاکر بجرے سے لگادی اور بجرے پر گئے اور سید صاحبؒ سے بڑے تپاک اور اشتیاق سے ملے، عافیت مزاج دریافت کرنے کے بعد کہا کہ ''آپ نے اپنے وطن مبارک سے سرفراز نامہ بھیجا تھا کہ اب کے سال ہمارا ارادہ ہجرت کا ہے، تمہاری طرف آنا نہ ہوسکے گا، جن صاحبوں کو ہماری بیعت کا اشتیاق ہو وہ ایک مجلس کسی جگہ مقرر کریں اور سچے عقیدے سے سب کے سامنے شرک و بدعت اور فسق و فجور سے توبہ کریں اور سچے دل سے عجز و زاری کے ساتھ جناب الٰہی میں دعا کریں کہ خداوندا ہم کو اس توبہ پر ثابت قدم رکھ اور کچھ خرمے یا شیرینی لوگوں میں تقسیم کردیں تاکہ لوگوں کو خبر ہوجائے کہ فلاں فلاں شخص نے

برے کاموں سے توبہ کی ہے، چنانچہ لوگ اس امر کی تجویز میں تھے، اس عرصے میں آپ کا دوسرا عنایت نامہ وارد ہوا کہ ابھی ہم نے ہجرت کا سفر ملتوی کر دیا ہے، پہلے ہمارا ارادہ حج کا ہے، اور ہم تقریباً پانچ سو آدمیوں کے ساتھ آتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ صاحبوں سے ملاقات ہوگی، ہم لوگوں کو اس سے کمال خوشی ہوئی کہ اب اللہ تعالیٰ ہماری مرادیں پوری کرے گا، پھر جب بنارس سے ہم لوگوں کے نام اس مضمون کا دوسرا الطاف نامہ آیا، تو ہر ایک کو اشتیاق ہوا کہ آپ کو اتارنے کے لئے کوئی وسیع مکان تلاش کرے، اکثر صاحبوں نے اپنے حوصلے کے موافق مکان تلاش کئے اور مول لئے، میں نے بھی ارادہ کیا کہ کوئی مکان شہر کے اندر ملے تو بہتر ہے، چنانچہ میری خواہش کے موافق ایک وسیع سائے دار اور میوے دار باغ مل گیا اور میں نے اس کو خرید لیا، اس میں میٹھے پانی کے تین تالاب ہیں، ایک کوٹھی مردوں کے رہنے کی ہے، اور بہت سے زنانے مکان ہیں، جن میں عیال دار لوگ رہ سکتے ہیں، میرا مقصد یہ ہے کہ سب سے پہلے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، بہت لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں، لیکن میرا حق ثابت ہو چکا ہے، آپ میرے ہی باغ میں چل کر قافلے کے ساتھ رونق افروز ہوں، میں صرف اسی غرض کے لئے حاضر ہوا ہوں"۔

سید صاحبؒ نے فرمایا کہ "بے شک آپ ہی پہلے آئے ہیں اور آپ کا حق ہم پر ثابت ہے، آپ خاطر جمع رکھیں، ہم آپ ہی کے باغ میں چل کر اتریں گے۔"

منشی امین الدین صاحب نے وہیں سید صاحبؒ کے پاس مولانا عبدالحی صاحب سے ملاقات کی اور ان سے مولانا اسمٰعیل صاحب کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں، مولانا عبدالحی صاحب نے دوسری کشتی پر آدمی بھیج کر ان کو بلوایا، وہ اسی طرح میلے کچیلے پرانے سفری کپڑے پہنے اپنی کشتی سے خشکی پر اتر آئے اور بجرے کی طرف چلے، لوگوں نے منشی صاحب سے کہا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب آتے ہیں، انہوں نے اس طرف دیکھ کر پوچھا کہ کہاں آتے ہیں، لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ وہ آئے ہیں، منشی صاحب نے جانا کہ یہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کوئی اور ہوں گے، کہا "میں ان مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو پوچھتا ہوں جو

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے بھتیجے ہیں" لوگوں نے کہا وہ یہی ہیں، منشی صاحب آبدیدہ ہو کر تعجب میں رہ گئے اور بجرے سے خشکی میں اترے اور دو چار قدم استقبال کر کے ملے، معانقہ ومصافحہ کیا، عافیت مزاج پوچھی اور مولانا کو لے کر بجرے پر آ گئے۔

منشی امین الدین صاحب نے سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ "ایک بات یہ چاہتا ہوں کہ جس دن کوئی بھی دعوت کرے، آپ اس کے مکان پر تشریف لے جائیں، اور جس روز کہیں دعوت نہ ہو، اس روز ہماری طرف سے ضیافت قبول فرمائیں" کلکتے سے کشتیوں پر لوگ ملنے کے لئے آرہے تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "یہ لوگ آتے ہیں، مجمع ہو جائے گا، فرصت نہ ملے گی، آپ جلد میرے سوال کا جواب مرحمت فرمائیں میں رخصت ہوں" سید صاحبؒ نے فرمایا "کہ اس کا اقرار تو نہیں کریں گے، اس کو یوں ہی اللہ تعالیٰ پر رہنے دو" انہوں نے کہا "یہ بھی تو اللہ ہی کی طرف سے ہے، آپ مانیں یا نہ مانیں میں یوں ہی کروں گا"۔

اس عرصے میں وہ لوگ بھی آپہنچے اور آپ سے ملے اور اپنے اپنے مکانوں پر اتارنے کے لئے عرض کرنے لگے، کوئی کہتا تھا، میں نے آپ کے لئے اس قیمت کا مکان خریدا ہے، میں نے اتنے روپوں کا مکان لیا ہے، اب آپ جیسا مناسب جانیں ویسا فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ "آپ سب آپس میں صلاح کر کے اتفاق کر لیں، ہم تو آپ سب بھائیوں کے مہمان ہیں، جو کوئی ہم کو لے جائے گا، ہم اس کے یہاں جائیں گے اور اس کی ضیافت قبول کریں گے" ان میں ایک شخص کا نام رمضانی تھا، منشی امین الدین نے ان سے کہا کہ میں حضرت سے آپ سب سے پہلے عرض کر چکا ہوں، کہ "میں اپنے مکان پر اتاروں گا اور جس دن کہیں دعوت نہ ہوگی، میں کھانا بھیجوں گا، اب تم صاحبوں کو اختیار ہے، شوق سے حضرت کی دعوت کرو، میں اس میں راضی ہوں، اب تم حضرت سے بیٹھ کر باتیں کرو، میں اپنے مکان پر چلتا ہوں" یہ کہہ کر منشی صاحب رخصت ہوئے، وہ لوگ سید صاحبؒ کے سامنے کہنے لگے کہ "حضرت کا منشی صاحب کے مکان پر اترنا ایک بات کے لئے تو بہتر ہوا کہ منشی صاحب راہ راست پر آجائیں گے، اور ان کی ہدایت سے اور بہت لوگ ہدایت پائیں گے" پھر وہ سب آپ سے یہ کہہ کر رخصت ہوئے کہ

اب ہم رخصت ہوتے ہیں، آپ کی کشتیوں کے کھلنے کا وقت بھی قریب ہے۔(۱)

منشی امین الدین صاحب اور کلکتے کے لوگوں کے جانے کے بعد قافلے کے لوگوں نے سید صاحبؒ سے کہا کہ "لوگ آئے اور گئے بھی، مگر یہ ذکر کسی سے نہیں کیا گیا کہ کلکتے میں گھاٹ پر چل کر اسباب اور ہتھیاروں کی تلاشی کا کیا ہوگا، یہاں کلکتے میں کوئی چھری، بلکہ لاٹھی تک باندھ کر نہیں جانے پاتا، یہاں ہم لوگوں کے پاس محصولی اسباب بھی ہے، اور ہتھیار بھی"۔

سید صاحبؒ نے فرمایا کہ "بات تو تم نے اچھی کہی، وہ لوگ چلے گئے، اب یہاں اللہ تعالیٰ ہے، اس سے دعا کرنی چاہئے، اسی نے اپنے کرم اور فضل سے ہم سب کو یہاں تک پہنچایا اور وہی ہماری سب مشکلیں آسان کردے گا"۔

یہ فرما کر آپ سر برہنہ ہو کر کمال الحاح وزاری اور عجز وانکسار کے ساتھ جناب باری میں دعا کرنے لگے، بہت دیر تک دعا کی، دعا سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا کہ "اس سفر میں ایک جگہ اس بات کا مجھ کو خیال آیا کہ لوگوں سے سنتے ہیں کہ کلکتے میں میٹھے پانی کی بہت قلت ہے، مجھ کو تو شاید پیر سمجھ لو لوگ کہیں نہ کہیں سے میٹھا پانی لادیں گے، مگر اتنے بھائی مسلمان جو میرے ساتھ ہیں، ان کو کیونکر ملے گا؟ اسی تشویش میں تھا کہ جناب الٰہی سے مجھ کو اطمینان دلایا گیا کہ ہم تو تجھ سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ یہ سب لوگ تیرے ہمراہی ہمارے مہمان ہیں، جس طرح آرام سے ان کو لئے جاتے ہیں، اسی طرح آرام کے ساتھ لے آئیں گے، تو کیوں اس کا فکر وتردد کرتا ہے؟ تو ان کے لئے جس چیز کی تشویش کرتا ہے، اس کے لئے وہاں تو انہیں کا محتاج ہوگا، سو یہی بات ظہور میں آئی کہ منشی امین الدین نے آتے ہی پہلی یہی خوشخبری سنائی کہ میرے باغ میں میٹھے پانی کے تین تالاب ہیں، فی الحقیقت اس امر میں ان کا محتاج ہوں گا، اس لئے کہ وہی لوگ تالاب سے لاکر مجھ کو پلائیں گے(۲)"۔

قیام گاہ

گھاٹ سے قیام گاہ تک دورویہ آدمیوں کا بازار لگا ہوا تھا، ہندو، مسلمان، یہودی،

(۱) "وقائع احمدی" ص ۷۹۷-۸۰۱ (۲) ایضاً ص ۸۰۱-۸۰۲

عیسائی جمع تھے، اکثر ان میں ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ یہ کون لوگ ہیں، اور کہاں سے آئے ہیں کہ کھلے ہوئے ہتھیار بھی کراچیوں میں لئے جاتے ہیں، اور مال واسباب بھی، بعض کہتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کہیں سے مع اسباب وسلاح ڈاکو لوگ گرفتار ہو کر آئے ہیں، بعض کہتے تھے کہ ڈاکو تو نہیں ہیں یہ تو اشراف اور اچھے لوگ معلوم ہوتے ہیں، اگر کہیں کا راجہ کسی الزام میں گرفتار ہو کر آیا ہو تو عجب نہیں اور جن کو خبر پہنچ گئی تھی، وہ کہتے تھے کہ یہ پیرزادہ صاحب ہیں، قافلے لئے ہوئے حج کو جاتے ہیں (۱)۔

نماز مغرب کے بعد آپ فینس پر منشی امین الدین صاحب کے باغ اور محل سرا میں آئے (۲)، آدھی رات تک مستورات اور دوسرے ہمراہی قیام گاہ کو منتقل ہو کر آ گئے، سب کے پہنچنے پر دسترخوان بچھا، پر تکلف کھانا چنا گیا، صبح منشی صاحب نے تین سو روپے کی جوتیاں خرید کر قافلے کے لوگوں کو پہنائیں، ایک ہزار روپے کا کپڑا خرید کر قطع کرا کے لوگوں کو کپڑے پہنائے (۳)۔

منشی امین الدین

منشی امین الدین بنگال کے خاندان شیوخ کے چشم و چراغ، نہایت ذہن وزیرک اور اقبال مند نوجوان تھے، سید صاحبؒ کی تشریف بری کلکتہ سے دس بارہ سال پہلے سے کمپنی کے وکیل تھے، کمپنی کی پوری عمل داری خلیج بنگال سے دریائے ستلج تک) کے مقدمات سرکاری میں وہی پیروکار تھے، آمدنی کا یہ حال تھا کہ صاحب ''مخزن احمدی'' کہتے ہیں کہ شروع مہینے میں دو بار میں نے تیس تیس اور چالیس چالیس ہزار روپے ہاتھی پر لد کر ان کے گھر آتے دیکھے ہیں، پانچ سو طلباء اور فقراء ان کی ڈیوڑھی سے دونوں وقت کھانا پاتے تھے، اور ہر ششماہی پر ان کو پوشاک ملتی تھی، اس کے علاوہ بیت اللہ شریف جانے یا اپنے وطن پہنچنے کے لئے جو شخص

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۸۰۴-۸۰۵ (۲) سفر کی قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶ صفر سہ شنبہ کو آپ سیالدہ میں منشی امین الدین صاحب کے باغ میں منتقل ہوئے، اس سے پہلے اس یادداشت میں چار روز کا قیام مختلف مقامات پر درج ہے جن میں سے دو مقام چیت پور اور سیالدہ اب بھی معروف ہیں۔ (۳) ''مخزن احمدی'' ص ۷۱

مصارف سفر کی درخواست کرتا، ان کی سرکار سے اس کی امداد ہوتی، لیکن اس دنیاوی دولت و اقبال کے ساتھ دینی دولت سے بالکل محروم تھے، فرائض مذہبی اور عبادت سے کوئی سروکار نہ تھا، سرکاری کام سے فرصت پاکر سارا وقت شراب کباب، عیش وعشرت کی نذر ہو جاتا، انتظام خانگی کا دردسر بھی نہیں رکھا تھا، وہ بھی ایک دوسرے شخص کے حوالے تھا، خود ہمہ تن دولت پیدا کرنے اور دنیا کا لطف اٹھانے کے لئے وقف تھے۔

سید صاحبؒ کے تشریف لانے کے بعد منشی صاحب نے خاطر تواضع بہت کی اور بے دریغ روپیہ خرچ کیا، دو ہفتے میں عمائد شہر، علماء اور متوسلین سرکار میں سے تقریباً دو ہزار اشخاص نے بیعت کی، لیکن منشی صاحب اپنی اس رندانہ زندگی اور آزادروی کی وجہ سے سید صاحبؒ کی بیعت سے گریز کرتے رہے کہ ایسے مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کی جائے تو ان مکروہات سے توبہ کی جائے، ورنہ مرشد کو بدنام کرنے سے کیا حاصل؟

لیکن چند دنوں کے بعد اپنے ہم نشینوں اور دوستوں سے مشورہ کرنے کے بعد بیعت کی اور جلد ہی اس بیعت و تعلق کی برکت و کرامت دیکھ کر منہیات و محرمات سے توبہ کی اور مذہبی پابندی اختیار کی (۱)۔

قافلے کی سادگی

تین دن تک دونوں وقت منشی امین الدین صاحب کے یہاں سے بہت نفیس اور مکلّف انواع واقسام کا کھانا آیا، حضرت نے قافلے کے منتظمین سے حال پوچھا، انہوں نے عرض کیا کہ کھانا بہت افراط سے اور بہت عمدہ آتا ہے، مگر طرح طرح کا آتا ہے، تقسیم میں دشواری ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ ''کہہ دینا کہ ایک قسم کا کھانا لایا کرو، طرح طرح کا

---

(۱) ''مخزن احمدی'' ص ۷۱، ۷۵، تاریخ کلکتہ مؤلفہ بدرالزماں صاحب سے معلوم ہوتا ہے کہ اب جہاں کلکتہ کی مشہور جامع مسجد ناخدا ہے یہاں منشی امین الدین صاحب وکیل صدر دیوانی کلکتہ کا مکان تھا، ان کے انتقال کے بعد ان کے بھانجے منشی حسن علی مرحوم نے جو اس کے متولی تھے، وہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنادی تھی جس کو ناخداؤں نے خرید لیا اور عظیم الشان مسجد بنادی (ص ۹۰)

پر تکلف کھانا کیا ضرور؟ اول تو ہم لوگ تکلف والے نہیں ہیں، دوسرے تقسیم کرنے میں دقت ہوتی ہے۔"

منشی صاحب سمجھے شاید تکلفات میں کچھ کوتاہی ہوئی، انہوں نے داروغۂ مطبخ کو تاکید مزید کی، حضرت نے ان سے کہا کہ "آپ کھانے میں تکلیف بہت کرتے ہیں، ایسا نہ چاہیئے ہم لوگ تو ماش کی کھچڑی یا ماش کی دال چاول کھانے والے ہیں"۔

انہوں نے عرض کی کہ "آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ ہم کس لائق ہیں، جو آپ کے لائق مکلّف کھانا پکوائیں؟ آپ کے واسطے تو جس قدر کسی سے کھانے میں اور خدمتگاری میں تکلف ہو سکے، وہ تھوڑا ہے، اور ہم نے تو اپنی اس عمر میں سب طرح کے کھانے کھائے بھی ہیں، اور لوگوں کو کھلائے بھی ہیں اور سب طرح کے آدمیوں سے ملاقات کی ہے، مگر ایسے حقانی ربانی خدا پرست بے ریا نہ اپنی آنکھوں سے کبھی دیکھے اور نہ کسی سے ہم نے سنے، آپ اس معاملے کو اسی طرح رہنے دیں اور جو کچھ دال دلیہ آتا ہے، اسی کو قبول فرمائیں"۔

اس کے جواب میں سید صاحبؒ نے فرمایا کہ "طرح طرح کی خدمت گزاری سے تو یہی غرض ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہو، سو وہ کام آدمی کرے کہ اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور اسراف و ریا اور نمود سے پاک ہو، تب وہ کام رضا مندی کے لائق ہے، اور یہ جو آدمی کے پاس روپیہ پیسہ اور اسباب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ایک دن اس کا حساب دینا ہوگا، اس کو بیجا برباد کرنا نہ چاہیئے، اسی کے فرمانے کے موافق اس کو صرف کرنا چاہیئے، اس کی راہ ہم آپ کو بتائیں، کھانے سے غرض تو پیٹ بھرنا ہے، آپ ہم لوگوں کے واسطے ایک قسم کا کھانا، جیسا چاہیں، ویسا بھیجا کریں، طرح طرح کے کھانوں کا تکلف کچھ ضرور نہیں، ہم آپ کے لئے جناب الٰہی میں دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے یہاں خیر و برکت کرے"۔

منشی صاحب نے عرض کیا کہ "مجھ کو آپ کا فرمانا منظور ہے" سید صاحبؒ نے ان کے واسطے دعا کی اور فرمایا کہ "چار پانچ روز کے بعد آپ اپنے شہر کے چالیس پچاس اچھے اچھے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کیجئے، ہم کچھ خدا و رسولؐ کا ذکر بیان کریں گے، آپ کے سبب

سے وہ بھی سن لیں گے، آپ کو اور ان کو سب کو دین و دنیا دونوں کا فائدہ ہوگا" (۱)

اہل قافلہ کی احتیاط

محل سرا کے باغ میں بکثرت میوہ دار درخت تھے، نارنگی، لیموں، چکوترہ، انجیر، انار، توت، امرود، ناریل، کیلہ، انناس، انگور وغیرہ سب طرح کے پھل تھے، اہل قافلہ کے لئے منشی صاحب کی عام اجازت تھی کہ جو میوہ چاہیں درخت سے توڑ کر کھائیں، کوئی باغبان ان کو نہ روکے، مگر ان لوگوں کی احتیاط یہ تھی کہ درخت سے توڑنے کا کیا ذکر، گرا ہوا میوہ بھی زمین سے نہیں اٹھاتے تھے، سید صاحبؒ کے پاس جو میوہ ڈالیوں میں لگ کر آتا تھا، وہ آپ سب کو تقسیم کرتے تھے، لوگ وہی کھاتے تھے، اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتے تھے (۲)۔

رات کو عورتوں کا ہجوم ہوتا، کوٹھی کے زنانہ مکان کے متصل کا کمرہ تین چار سو عورتوں سے بھر جاتا، سید صاحبؒ کمرے کے دروازے پر تشریف لاتے اور دو تین پگڑیاں ان میں پھیلا دیتے اور فرماتے کہ ان سب کو مل کر پکڑ لو، جب وہ پکڑ لیتیں، تب آپ ان سے بیعت کے الفاظ کہلاتے، پھر کمرہ خالی کرا دیا جاتا اور دوسری عورتوں سے بھر جاتا، اسی طرح ان سے بیعت لیتے، ہر شب کو آٹھ دس بار عورتوں سے وہ کمرہ بھر جاتا اور خالی کیا جاتا تھا (۳)۔

مصروفیت اور بیعت کرنے والوں کا ہجوم

دو مہینے تک روزانہ ایک ہزار آدمی کے قریب بیعت سے مشرف ہوئے، روز بروز ہجوم بڑھتا جاتا تھا، کثرت بیعت کا یہ حال تھا کہ صبح سے دو ڈھائی پہر رات گئے تک مردوں اور عورتوں کا ہجوم رہتا، حضرت کو سوائے نماز پڑھنے اور ضروریات بشری کے فرصت نہ ملتی (۴)۔

علیحدہ علیحدہ ایک ایک شخص سے بیعت لینا محال تھا، ایک وسیع مکان میں سب جمع ہو جاتے، حضرت تشریف لاتے، سات آٹھ دستاریں کھول کر آپ لوگوں کے ہاتھ میں دے دیتے، لوگ ان کو جا بجا تھام لیتے اور آپ بیعت کے الفاظ کو اذان کی طرح بلند آواز سے تلقین

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۸۰۱-۸۰۹ (۲) ایضاً ص ۸۱۰ (۳) ایضاً ص ۸۱۵ (۴) "مخزن احمدی" ص ۷۵

فرماتے، دن میں سترہ یا اٹھارہ بار یہی عمل ہوتا(۱)

شجرے کی مانگ دیکھ کر اہل مطابع نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں شجرے چھاپے اور باغ کے دروازے پر شجروں کے لئے دو کانیں لگا دیں(۲)۔

سید صاحبؒ کا وعظ اور عمومی اصلاح

سید صاحبؒ نے منشی امین الدین صاحب سے فرمایا کہ ''اس دن ہم نے آپ سے کہا تھا کہ ایک روز کسی جگہ لوگوں کو جمع کیجئے، ہم آپ کو اور ان کو کچھ اللہ کا ذکر اور وعظ ونصیحت سنائیں، اب کسی دن اس کا انتظام کیجئے'' انہوں نے عرض کیا کہ ''جس روز ارشاد ہو، میں لوگوں کو جمع کر دوں'' آپ نے فرمایا کہ ''کل سویرے، سورج نکلے، سب کو ہمارے یہاں باغ میں لائیے'' انہوں نے وعدہ کیا۔

اگلے روز سویرے، سورج نکلے، منشی صاحب ڈھائی تین سو آدمیوں کے ساتھ سید صاحبؒ کے پاس باغ میں آئے اور کوٹھی میں بیٹھے، پہلے سید صاحبؒ نے دعا کی کہ الٰہی جو کچھ میں جانتا ہوں، وہ بیان کروں گا، اور بندوں کی ہدایت تیرے اختیار میں ہے، تو محض اپنے فضل وکرم سے ان بھائیوں کو ہدایت کر اور شرک وبدعت اور فسق وفجور سے ان کو محفوظ رکھ اور سنت وتوحید پر ان کو قائم کر، اسی طور کے اور بہت الفاظ فرمائے، دعا کے بعد سورۂ فاتحہ کا وعظ شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی حکمتوں اور قدرتوں اور نعمتوں کو بیان کیا، لوگ سنتے تھے، بعض بعض بے ہوش ہو جاتے تھے، اس روز کوئی تین گھڑی تک آپ نے وعظ فرمایا، وعظ کے بعد آپ نے دعا کی اور سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''جن بھائیوں کا دل چاہے، وہ اسی وقت ہر روز تشریف لایا کریں اور خدا ورسول کا ذکر سن کر چلے جایا کریں'' اس کے بعد حاضرین میں سے اکثر لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر رخصت ہو کر سب اپنے اپنے مکان کو چلے گئے۔

اسی طرح نماز فجر کے بعد سید صاحبؒ نے ۱۵۔۲۰ روز تک وعظ فرمایا، دو ہزار سے

---

(۱) ایضا (۲) ''وقائع احمدی'' ص ۸۱۸

زیادہ امراء اور علماء اور درویش ہر روز آتے تھے، اور غرباء کا تو کچھ شمار نہ تھا، اکثر لوگ ہر روز سید صاحبؒ کے روبرو کہتے تھے کہ "حضرت ہم تو سوائے مسلمانی کے نام کے اسلام کی کوئی اور بات نہیں جانتے تھے، اسلام کا حال ہم نے آج آپ کی زبان سے سنا اور گویا آج ہی ہم مسلمان ہوئے" اکثر کم علم آدمی آپس میں کہتے تھے کہ امام مہدی یہی ہیں، یہ بات سن کر عالم لوگ ان سے کہتے تھے کہ اس طرح نہ کہو، یہ کہو کہ نائب رسول اللہ ہیں (۱)۔

غیر مسلموں کا قبول اسلام

مولانا عبدالحی صاحب جمعے کو اور سہ شنبہ کو نماز ظہر کے بعد شام تک وعظ فرماتے تھے، لوگ پروانہ وار جمع ہوتے تھے، روزانہ ۱۰۔۱۵ ہندو مسلمان ہوتے، دوسرے تیسرے روز ان کا ختنہ ہوتا، ان کے رہنے کے لئے ایک علیحدہ مکان تھا، قافلے کے دس بارہ آدمی ان کی خدمت و راحت کے لئے مقرر تھے (۲)۔

نکاح کی ترویج

اس وقت بنگال میں کثرت سے رواج تھا کہ پہلا نکاح تو ماں باپ کر دیتے تھے، اس کے بعد جس کا جی چاہتا، کسی عورت کو اپنے گھر ڈال لیتا اور اس سے بغیر عقد و نکاح کے ازدواجی تعلقات قائم کر لیتا، چند متدین علماء اس خدمت کے لئے متعین ہوئے کہ بیعت کے بعد سو سو پچاس پچاس آدمیوں کو الگ بٹھا کر ان کے حالات دریافت کرتے، جس عورت یا مرد کے تعلقات بغیر نکاح کے ہوتے اور وہ دونوں وہاں موجود ہوتے، ان کا نکاح پڑھا دیا جاتا، اگر دونوں میں سے کوئی ایک غیر حاضر ہوتا، اس کو طلب کیا جاتا اور نکاح پڑھایا جاتا، اگر اس کی حاضری ممکن نہ ہوتی تو سخت تاکید کی جاتی کہ جلد اس فرض کو ادا کیا جائے (۳)۔

خلاف شرع لوگوں کا مقاطعہ

برادریوں اور خاندانوں کے چودھریوں اور سرداروں نے اپنے اپنے کنبے خاندان

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۸۱۳-۸۱۵ (۲) "مخزن احمدی" ص ۷۵ (۳) "مخزن احمدی" ص ۷۵، ۷۶

میں اعلان کر دیا کہ جس نے سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور شرعی پابندی اختیار نہیں کی، اس سے برادرانہ تعلقات منقطع ہیں، ہمیں اس سے اور اسے ہم سے کوئی سروکار نہیں، اس اعلان پر اس قدر ہجوم اور رجوع اور دین کا ایسا رواج عام اور شریعت وسنت کا ایسا بازار گرم ہوا کہ بقول صاحب ''مخزن''

زدیں خلق وعالم پر آوازہ گشت
تو گفتی کہ عہد نبیؐ تازہ گشت(۱)

شراب کی کساد بازاری

کلکتے میں شراب کی دوکانوں کا یہ حال تھا کہ یک لخت شراب بکنی موقوف ہوگئی، دوکانداروں نے جا کر سرکار انگریزی میں اس کا شکوہ کیا کہ ہم لوگ سرکاری محصول بلا عذر ادا کرتے ہیں، اور دکانیں ہماری بند ہیں، جب سے ایک بزرگ اپنے قافلے کے ساتھ اس شہر میں آئے ہیں، شہر اور دیہات کے تمام مسلمان ان کے مرید ہوئے اور ہر روز ہوتے جاتے ہیں، انہوں نے تمام نشہ آور چیزوں سے توبہ کی ہے، اب کوئی ہماری دکانوں کو ہو کر بھی نہیں نکلتا (۲)۔

بے پردگی کا انسداد

شیخ امام بخش نے جو کلکتے کے بہت بڑے دولتمند تاجر تھے، دعوت کی، کھانے کے بعد سید صاحبؒ سے عرض کی کہ ''آپ میرے زنانہ مکان میں تشریف لے چلیں'' ہمراہیوں نے کہا کہ آپ اندر جا کر ''پردہ کرا آئیں'' وہ اندر گئے، اور باہر آ کر کہا کہ پردہ ہو گیا، سید صاحبؒ آپ کے ساتھ مکان کے اندر گئے، وہاں تمام عورتیں لباس فاخرہ پہنے فرش پر بے پردہ بیٹھی تھیں، آپ یکا یک ان کو دیکھ کر گھبرا گئے اور دونوں ہاتھوں اپنی آنکھوں پر رکھ کر لاحول پڑھتے ہوئے باہر آ گئے عورتوں نے شیخ امام بخش سے کہا کہ ''حضرت دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر باہر کیوں تشریف لے گئے؟'' خیر تو ہے؟ یہ سن کر وہ باہر آئے، سید صاحبؒ نے مولوی یوسف

(۱) ایضاً ص ۷۶ ۰ (۲) ''وقائع احمدی'' ص ۹۱۱

صاحب سے فرمایا کہ ''یہ لوگ جانوروں کی مانند ہیں'' انہوں نے پوچھا کہ............'' حضرت خیر تو ہے؟'' فرمایا کہ ''شیخ صاحب مجھ کو اپنے مکان میں لے گئے اور کہا کہ پردہ ہو گیا ہے، وہاں جو میں گیا تو دیکھا کہ تمام عورتیں ایک فرش پر بے پردہ بیٹھی ہیں، میں وہیں سے لوٹ آیا''۔

باہر مکان میں بہت سی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں، ایک کرسی پر سید صاحبؒ بیٹھ گئے، شیخ امام بخش بھی آپ کے پاس ایک کرسی پر آکر بیٹھ گئے، اور کرسیوں پر اور لوگ بیٹھ گئے، آپ نے شیخ امام بخش کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''آپ کے اس ملک میں پردے کا دستور نہیں ہے، اور یہاں کے لوگ اس کی برائی بھلائی کچھ نہیں سمجھتے'' انہوں نے عرض کی کہ ''اس وقت آپ کے لوگوں کے کہنے کے موافق میں اندر گیا وہاں کوئی غیر مرد نہ تھا، میں نے فرش بچھوایا اور عورتوں کو اس پر بٹھا کر باہر چلا آیا، میں نے جانا آپ اسی کو پردہ فرماتے ہیں''۔

آپ نے ان سے فرمایا کہ ''اندر جایئے اور عورتوں کو ایک طرف دالان میں بٹھا کر دروں کے پردے چھوڑ دیجئے، پھر یہاں ہم باہر آکر پردے کا حال آپ کو بتائیں گے۔''

اس ملک کا یہ بھی دستور تھا کہ نوکر، خدمتگار بے تکلف زنانہ مکان میں چلے جاتے تھے، اور جو چیز دینی ہوتی تھی، ان کو دے آتے تھے، جو لینی ہوتی تھی مانگ لاتے تھے، عورتیں ان سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔

شیخ امام بخش مکان کے اندر گئے اور پردہ کرا کر باہر آئے، آپ نے جاتے ہوئے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ مولانا عبدالحی صاحب کو بلا کر بٹھانا، ہم تھوڑی دیر میں آتے ہیں، یہ فرما کر اندر چلے گئے، لوگوں نے مولانا عبدالحی صاحب کو بلا کر بٹھایا، کچھ عرصے میں آپ اندر سے تشریف لائے، اور شیخ امام بخش سے پردہ کرنے کی خوبی اور نہ کرنے کی برائی بیان کرنے لگے اور فرمایا کہ ''پردہ نہ کرنا کفار کی رسم ہے، اور اس میں بڑے بڑے فساد اور قباحتیں ہیں، اور خدا و رسول کی نافرمانی ہے، یہ سب سے بڑا گناہ ہے'' اسی طور کے کلمات فرمائے، شیخ امام بخش نے عرض کی کہ ''ہمارے اس پورے ملک میں کسی کے یہاں شرعی پردہ نہیں ہوتا ہے، تمام شرفاء

غرباء کے گھروں کا یہی حال ہے، اب یکا یک اس کا بندوبست کرنا دشوار کام ہے، آپ دعا کریں کہ اللہ تعالی ہم لوگوں سے اس بے دینی کو دفع کرے، اس کے بغیر خیال میں نہیں آتا کہ عورتیں مانیں گی''۔

سید صاحبؒ نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ ''آپ ان لوگوں کو دوروز تک یہاں اس امر کے متعلق وعظ ونصیحت سنائیں'' مولانا نے فرمایا ''میں حاضر ہوں، جو ارشاد ہو بجالاؤں گا، مگر یہاں کی عورتیں تو طرح طرح کی بلاؤں میں مبتلا ہیں، فقط ایک پردہ نہ کرنا ہی تو نہیں ہے، شرک وبدعت کیا کم کرتی ہیں؟ آپ ان کے لئے دعا کریں، اور ہدایت تو اللہ کے اختیار میں ہے''۔

سید صاحبؒ نے ننگے سر ہو کر بڑی عاجزی اور زاری کے ساتھ دعا کی اور فرمایا کہ ان شاء اللہ شیخ بھائی تم سب دیکھو گے کہ جو اپنے یہاں پردہ کروانے سے گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سے اس کا بندوبست کرنا مشکل ہے، وہ آپ ہی خوشی خوشی پردہ کریں گی، اور جو شرک وبدعت میں مبتلا ہیں، وہ توحید اور سنت پر قائم ہو جائیں گی، جب اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو مع الخیر حرمین شریفین سے پھر یہاں لائے گا، تب تم ہی لوگ ہم سے بیان کرو گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ایسی ہدایت کی، اسی طرح آپ نے بہت سی باتیں فرمائیں (۱)۔

چبوترے کے بجائے مسجد

سید صاحبؒ جس وقت شیخ صاحب کے مکان میں تشریف لے گئے، آپ کے ہمراہی ایک چبوترے پر جوتا پہنے کھڑے تھے، شیخ امام بخش کے نوکر چاکر اور محلے کے لوگ ان لوگوں سے تو نہ بولے، لیکن آپس میں چپکے چپکے کچھ کہنے لگے، شیخ باقر علی نے ان لوگوں سے کہا کہ ''بھائیو ہم لوگوں کی طرف اشارہ کرکے کیا باتیں کرتے ہو؟'' ان میں سے ایک نے کہا کہ ''یہ چبوترہ تعزیہ رکھنے کا ہے، ہم لوگ اس کا ادب کرتے ہیں، اور تم سب جوتا پہنے اس پر کھڑے ہو، یہی باتیں آپس میں کر رہے ہیں''

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۹۷۱، ۹۷۵

ساتھی یہ سن کر خاموش رہے، جب سید صاحبؒ اندر سے تشریف لائے، تب ساتھیوں نے یہ حال عرض کیا، آپ نے کچھ جواب نہ دیا، شیخ امام بخش نے کہا کہ ''حضرت یہ چبوترہ ہمارے دادا نے بنایا تھا، تب سے ہمارے یہاں تعزیہ بنتا ہے'' آپ نے فرمایا کہ ''شیخ بھائی اب تم نے تمام شرک و بدعت سے توبہ کی ہے، اب یہ چبوترہ دور کردو''۔

انہوں نے عرض کیا کہ ''حکم ہو تو ابھی کھود ڈالوں؟'' آپ نے فرمایا کہ ''ہے یہی بات مگر اس پر چھوٹی سی مسجد بنالو کہ تمہارے نوکر چاکر اس میں نماز پڑھیں گے''۔

شیخ صاحب موصوف یہ بات سن کر خوش ہوئے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی کروں گا، پھر آپ نے وہاں شیخ صاحب کو خلافت عطا فرمائی اور ان کے حق میں دعا کی (۱)۔

شیخ صاحب کی پیش کش اور سید صاحبؒ کی معذرت

سید صاحبؒ شیخ امام بخش سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے باغیچے تک بھی تشریف لے چلئے، وہاں ایک بہت مکلّف کوٹھی بنی تھی، شیخ صاحب نے دروازہ کھولا، آپ اس کے اندر گئے، بہت نفیس فرش بچھا تھا اور دیواروں میں آئینے اپنے اپنے موقع پر لگے تھے، شیشے کے جھاڑ چھت میں لٹکتے تھے، ایک کرسی پر سید صاحبؒ کو بٹھایا اور وہاں کا سب کارخانہ اور اسباب دکھایا اور عرض کی کہ ''یہ کوٹھی آپ کی خادمہ نے بنوائی ہے، اس کی طرف سے یہ آپ کی نذر ہے، للہ آپ قبول فرمائیں''۔

سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو دے گا، ہم نے اس کو قبول کیا، اب ہم نے اپنی طرف سے یہ کوٹھی آپ کو دی، آپ جو چاہیں کریں، ہم لوگ تو مسافر ہیں، ان مکانوں کو کیا کریں؟''

شیخ صاحب نے فرمایا کہ ''حضرت یہ بات تو نہ ہوگی، یہ مکان آپ کا ہے، چاہے بیچ ڈالئے چاہے کسی کرایہ دار کو دیجئے، شیخ موصوف کے نوکروں نے سید صاحبؒ کے ہمراہیوں سے کہا کہ ''حضرت اس کوٹھی کو کیوں نہیں قبول کرتے؟ اگر کسی کرایہ دار کو رکھ دیں تو سو روپیہ

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۹۷۵، ۹۷۶

ماہوار کرایہ آئے گا اور اگر بیچ ڈالیں تو پندرہ ہزار روپیہ کی بکے گی'' قادر بخش لکھنوی جو کلکتے میں دلالی کرتے تھے، انہوں نے جا کر سید صاحبؒ کے کان میں کہا کہ شیخ امام بخش کے ملازمین یوں کہتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ''ہم تو غریب مسافر ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو ہر روز نیا کھانا نیا پانی اور نیا مکان دیتا ہے، پھر بھلا ہم مکان لے کر کیا کریں؟''

آپ نے شیخ صاحب موصوف سے فرمایا کہ ''یہ مکان ہم نے اپنی طرف سے آپ کو دیا، یہ آپ کو مبارک ہے، اور اس کے اجر میں اللہ تعالیٰ اپنی جنت میں اس سے بہتر مکان آپ کو عطا کرے گا! پھر آپ نے ان کے لئے دیر تک دعا کی'' (۱)۔

بنگال و آسام میں تبلیغ و اصلاح

مولوی امام الدین بنگالی آپ سے اجازت لے کر اپنی والدہ کی ملاقات کے لئے اپنے وطن سودارام (۲) گئے، ان کی تبلیغ و ترغیب سے حاجی پور سودارام کے چالیس پچاس آدمی سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، کلکتے کے بعض رؤساء نے ڈھاکے خطوط لکھے تھے، ان خطوط کو پڑھ کر کچھ لوگ ڈھاکے سے آئے، انہوں نے آپ سے ملاقات کی اور مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ سنا اور اپنے میزبانوں سے جا کر بیان کیا، ہم لوگ تو جانتے تھے کہ تعزیے بنانا، نشان کھڑے کرنا، پیروں، شہیدوں کی نذر و نیاز کرنا، ان سے مرادیں مانگنا اور شادی غمی میں طرح طرح کی خرافات کرنا یہی کام دینداروں کے ہیں، اب وعظ کے سننے سے معلوم ہوا کہ ''وہ سب برے کام ہیں اور ان کا کرنے والا مشرک اور بددین ہے، ہم لوگ آج تک بڑی غلطی پر تھے'' انہوں نے کہا کہ ''تم کیا خود بھی یوں ہی جانتے تھے، سید صاحبؒ کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت کی اور ہم تو سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، اب تم بھی چل کر بیعت کر لو''۔

وہ لوگ ان کو سید صاحبؒ کے پاس لائے اور ان کا حال عرض کیا کہ ''یہ لوگ ڈھاکے سے بیعت کے واسطے آئے ہیں'' آپ نے ان سے بیعت لی، بیعت کے بعد انہوں

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۹۷۷، ۹۷۸ (۲) بنگال، ضلع نواکھالی

نے اپنی تعزیہ داری، پیر پرستی وغیرہ شرک و بدعت کا حال آپ سے عرض کیا اور کہا کہ ''ہم لوگ آج تک اسی کو دین داری جانتے تھے، یہاں وعظ کے سننے سے معلوم ہوا کہ یہ سب کام برے ہیں، اور ان کے کرنے والے مشرک و مبتدع ہیں''۔

ایک خط وہ اپنے ساتھ لائے تھے، وہ آپ کو دیا اور عرض کی کہ ہمارے شہر کے تمام شرفاء اور غرباء آپ کے دیدار کے مشتاق ہیں، اگر آپ وہاں تشریف لے جائیں تو ہزاروں غریب اور امیر مسلمان راہ راست پر آ جائیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا''۔

آپ نے وہ خط دیکھ کر اور ان کی عرض سن کر فرمایا کہ ''ان شاء اللہ ہم اس کا جواب آپ کو کسی اور وقت دیں گے''۔

اس عرصے میں سلہٹ، چاٹ گام اور آسام وغیرہ کے لوگ کشتیوں پر سوار ہو کر کلکتے آئے اور وہاں کے لوگوں سے ملاقات کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے ہمراہ عورتیں بھی تھیں، سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، بیعت کے بعد جو لوگ ان میں ہوشیار تھے، انہوں نے مولوی امام الدین صاحب کے ذریعہ سے آپ سے عرض کیا کہ ''ڈھاکے کے لوگوں نے جو اپنا حال بیان کیا ہے، وہ بعینہ یہی حال تمام ملک بنگال کا ہے نہ کوئی کبھی نماز پڑھتا ہے، نہ روزہ رکھتا ہے''۔

سلہٹ اور چاٹ گام کے کئی شخصوں نے بیان کیا کہ ''ہمارے یہاں شادی غمی میں برادری کے واسطے جو کھانا پکتا ہے، اس کا حال یہ ہے کہ مٹی کے برتن تو کم ہوتے ہیں اکثر کیلوں کے پتوں میں لوگوں کو کھلاتے ہیں کھانے کے بعد جو کھانا برتنوں اور پتوں میں بچتا ہے، اس کو پھینک دیتے ہیں، وہ کوے، کتے کھاتے ہیں۔

سودارام اور آسام کے لوگوں نے عرض کی، کھانا تو کیلوں کے پتوں میں کھاتے ہی ہیں، اس کے علاوہ ملک بنگال میں اور بھی بہت بلائیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ بکری کا گوشت تو کھاتے ہیں، بکرے کا گوشت حرام جان کر نہیں کھاتے، ہندوان کے برعکس بکرا کھاتے ہیں، بکری نہیں کھاتے۔

چاٹگام کے لوگوں نے کہا کہ ہمارے یہاں دستور ہے کہ عورتیں ہر روز ہندوؤں کی طرح برتن مانجتی ہیں، اور گوبر سے لیپ کر اور چوکا دے کر کھانا پکاتی ہیں، مجال نہیں کہ ان کے چوکے میں دوسرا شخص چلا جائے، جب کھانا تیار ہوا، تب کھانے والے آئے اور اپنی اپنی تھالی رکابی دھو کر چوکے کے قریب لائے، اور الگ بیٹھے، بعض ننگے سر، بعض سر میں کچھ کپڑا باندھ کر، پھر پکانے والی نے جو کھانا ان کے برتن میں الگ سے رکھ دیا، وہ انہوں نے کھالیا اور جو کھانا برتن میں بچ رہا، اس کو انہوں نے اپنے ملک کی رسم کے موافق ایک جگہ ڈال دیا اور اس برتن کو راکھ سے دھو مانجھ کر چوکے میں رکھ دیا، یہ رسم ہمارے یہاں بزرگوں سے چلی آتی ہے۔

اور ایک دستور ہمارے یہاں یہ بھی ہے کہ جو لوگ دونوں عیدوں کے تہوار کرتے ہیں، وہ اپنے کو بڑا مسلمان جانتے ہیں، اور بعض لوگ عیدین اور محرم بھی کرتے ہیں، اور ہولی، دیوالی، دسہرا بھی کرتے ہیں، بھوانی کی پوجا بھی کرتے ہیں، پیروں، شہیدوں کی نذر نیاز بھی کرتے ہیں، اور ایک یہ رسم بھی ہمارے بزرگوں سے چلی آتی ہے کہ عورتوں سے نکاح بھی کرتے ہیں، اور بے نکاح بھی عورتیں گھر میں ڈال لیتے ہیں، اور ان سے جو لڑکے بالے پیدا ہوتے ہیں، ان کو کوئی برا نہیں جانتا۔

جب یہ حال سب اپنے اپنے ملک کا بیان کر چکے تو ان میں جو لوگ رئیس اور سربرآوردہ تھے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت جس طرح ہوسکے، آپ ہمارے ملک میں تشریف لے چلیں، اور ہم لوگوں کو گویا از سر نو مسلمان بنائیں۔

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ "یہ ملک بہت وسیع ہے، اگر برس دو برس ہمارا رہنا ہوتا تو تمہارے ملک کا دورہ کرتے، اب جہاز کھلنے کا زمانہ قریب آیا، اب زیادہ ٹھہرنا نہیں ہوسکتا، مگر مولوی امام الدین صاحب جو سودارام کے رہنے والے ہیں اور صوفی نور محمد صاحب سلہٹی جو اَب کلکتے میں رہتے ہیں، اور تمہارے قریب الوطن ہیں، ان سے کہہ دیں گے، وہ تم سب کو ضروری دینی مسائل تعلیم کریں گے، جس مسئلے کی تم کو ضرورت ہوا کرے، ان سے پوچھ لیا کرنا، خواہ خط کے ذریعہ خواہ خود آکر"۔

ان میں سے جو لوگ ہوشیار تھے، آپ نے ان کی تربیت کے لئے ان دونوں صاحبوں کے سپرد کیا، اور ان حضرات نے توجہ فرمائی، چند روز کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ ''حضرت ہم تو اب آپ ہی کی خدمت میں رہیں گے، اور اپنے گھر نہ جائیں گے'' آپ نے ان کو سمجھا کر فرمایا کہ ''جہاں ہم تم کو بھیجیں وہاں جاؤ، وہاں جانا گویا ہمارے ہی ساتھ رہنا ہے'' انہوں نے کہا کہ ''ہم فرماں بردار ہیں، جو ارشاد ہو بلا عذر حاضر ہیں''۔

آپ نے ان کو ایک ایک خلافت نامہ دیا اور اپنا خلیفہ کیا اور کسی کو کرتا دیا، کسی کو عمامہ عنایت کیا اور کسی کو فقط تاج عطا فرمایا اور دعا کر کے ان کو ان کے ملکوں کو رخصت کیا اور ہر ایک سے کہہ دیا کہ ''جا بجا سیر اور دورہ کرتے رہنا اور توحید و سنت کا جو مضمون تم نے یہاں سیکھا ہے، وہی لوگوں کو سکھانا اور ان سے شرک و بدعت کے کام چھڑانا اور جو تم کو مارے کوٹے، رنج و ایذا دے، صبر کرنا اور وعظ و نصیحت سے باز نہ رہنا، ہم تمہارے بعد بھی جناب الٰہی میں دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ تمہارے ہاتھوں سے بہت لوگوں کو ہدایت ہوگی، جو کوئی زندہ رہے گا، تھوڑی مدت میں اس ملک بنگال کا حال دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح ہدایت عام کرتا ہے، لوگ اپنے دل میں کہیں گے کہ یہ وہی ملک بنگال ہے، اور یہ وہی آدمی ہیں کہ کوئی توحید و سنت کا نام نہیں جانتا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فضل و کرم کیا''۔

یہ سن کر وہ سب لوگ اپنے اپنے شہر کو گئے، کلکتے کے اطراف کے جو لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر آئے تھے، اور آپ سے بیعت کی تھی، آپ نے ان سے فرمایا کہ ''جن کو ہم نے خلیفہ کیا ہے اور خلافت نامہ لکھ دیا ہے، اگر تمہاری بستیوں میں جائیں تو جس کسی کو اللہ کا نام سیکھنا منظور ہو ان سے سیکھ لے، جو لوگ ملک جاوا سے آئے تھے، ان سے بھی آپ نے بیعت لی اور تعلیم اور توجہ کے لئے مولوی امام الدین صاحب اور صوفی نور محمد صاحب کے سپرد کیا، تعلیم اور توجہ کے بعد ان میں سے دو آدمیوں کو اپنا خلیفہ کیا وہ دونوں کچھ علم بھی رکھتے تھے، توحید و سنت کی خوبی اور شرک و بدعت کی برائی ان کو خوب سمجھا دی اور رخصت کیا(۱)۔

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۹۳۵، ۹۴۳

آسام کے کچھ اور لوگ بھی آئے، ان میں دو شخصوں کو بیعت کے بعد خلافت نامہ دیا اور توحید و سنت کی خوبی اور شرک و بدعت کی برائی کے مسائل خوب سمجھا دیئے اور فرمایا کہ "تم جب تک اس شہر میں رہو تب تک ہر روز ہمارے پاس آیا کرو، ہم تم کو توجہ دیا کریں گے، اور جب اپنے ملک کو جانا تب وہاں لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیا کرنا اور لوگوں سے بیعت لیا کرنا اور ان کو توجہ دینا" پھر آپ نے ان کے لئے دعا کی (۱)۔

سلطان ٹیپو کے شہزادے

ایک روز سید صاحبؒ کی خدمت میں محمد قاسم نام ایک خواجہ سرا آئے اور سلام کے بعد عرض کی کہ "یہاں شہر میں سلطان ٹیپو کے جو شہزادے نظر بندوں کے طور پر رہتے ہیں، انہوں نے جب سنا کہ تکیے کے ایک پیرزادہ صاحب منشی امین الدین کے باغ میں اترے ہیں تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم جا کر ان کا حال دریافت کرو کہ وہ کس کی اولاد ہیں، کیونکہ سید ابوسعید اور سید ابواللیث مرحوم و مغفور ہمارے خاندان کے مرشدوں میں ہیں، ان کا مکان بھی وہیں ہے، اگر اسی خاندان کے کوئی صاحب ہیں تو ہم بھی ان کی قدم بوسی سے شرف یاب ہوں"۔

سید صاحبؒ نے فرمایا کہ "سید ابوسعید صاحب تو ہمارے حقیقی نانا اور سید ابواللیث صاحب ماموں تھے"۔

یہ بات سن کر محمد قاسم خواجہ سرا آپ سے رخصت ہو کر چلے گئے، ادھر کلکتے کے بعض معتمد لوگوں نے بیان کیا کہ ان شاہزادوں کے مکان میں عبدالرحیم نامی (۲) ایک بڑا منطقی اور

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۹۴۶

(۲) مولوی عبدالرحیم کے والد کا نام مصاحب علی تھا، گورکھپور کے رہنے والے، دہلی میں شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے نامور بھائیوں سے تعلیم حاصل کی اور علوم عقلیہ میں توغل کیا، کلکتے کے سفر میں انگریزی زبان کی تحصیل کی، الحاد و زندقہ کی عام شہرت تھی، تصنیفات میں "کارنامہ حیدری" ہے جو سلطان ٹیپو اور ان کے والد حیدر علی کے حالات پر مشتمل ہے، عربی اور فارسی زبان کے مقابلے پر بھی ایک کتاب لکھی، جس میں فارسی کو عربی پر فضیلت دی ہے، آفتاب کے سکون پر بھی ایک رسالہ ہے، ایک کتاب "الانوار المشرقیہ فی الاسرار المنطقیہ" اور التالیفات التمثیلیہ الی رسالۃ الاسرار المنطقیہ" بھی ان کی تصنیفات سے ہے (نزہۃ الخواطر جلد ۷)

فلسفی ملحد رہتا ہے،اسی کے وہ سب معتقد ہیں ،اس نے سب کوملحد بنادیا ہے کہ نہ خدا کو خدا جانتے ہیں اور نہ رسول کو رسولؐ، وہ کہتے ہیں کہ نہ تو مخلوق کا کوئی پیدا کرنے والا ہے، نہ کوئی مارنے والا ، ہمیشہ سے اس عالم کا یہی خاصہ ہے کہ سب چیزیں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں، پھر خود بخود دفنا ہو جاتی ہیں۔

آپ نے ان کا یہ حال سن کر کچھ دیر سکوت کیا اور فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ دو چار ملاقاتوں میں وہ سب درست ہو کر راہ راست پر آجائیں گے ۔

دوسری بار اسی دن یا اگلے روز محمد قاسم خواجہ سرا پھر آئے اور ان شاہزادوں کا پیام آپ کے پاس لائے کہ شاہزادوں نے آداب وتسلیمات کے بعد عرض کیا ہے کہ ''آپ تو ہمارے خاندان کے پیر و مرشد ہیں، ہم لوگوں کی بڑی بے نصیبی ہے کہ تمام اہل شہر آپ کے شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور ہم اب تک اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں، آپ ضرور غریب خانے پر تشریف لائیں اور اپنے دیدار فیض آثار سے ہم کو محظوظ فرمائیں''۔

آپ نے فرمایا کہ ''بہتر ہے ہم چلیں گے'' آپ پینس پر سوار ہو کر محمد قاسم کے ساتھ تشریف لے چلے (۱)، مولانا عبدالحی صاحب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور آپ کے بھانجے سید احمد علی صاحب ان کے علاوہ اور بھی کوئی دو ڈھائی سو آدمی ہمرکاب ہوئے، قیام گاہ سے ان شاہزادوں کا مکان کوئی دو کوس تھا، محلے کا نام رسا پگلا تھا، جاتے ہوئے عبدالرحیم کا مکان راستے میں بائیں ہاتھ پڑتا تھا مگر سر راہ سے کچھ دور الگ تھا، جب سید صاحبؒ کی سواری ان کے مکان کے برابر پہنچی، آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ آپ عبدالرحیم کے پاس جایئے، اور دیکھئے کہ ان کا کیا حال ہے، جیسا لوگ کہتے ہیں، ویسے ہی ہیں تو ان کو سمجھا کر معقول کیجئے، ایک آدمی اور بھی ساتھ لیجئے، چنانچہ سید احمد علی صاحب مولانا کے ساتھ گئے اور ان سے جا کر ملاقات کی، مولانا کے وہ اس زمانے سے واقف تھے، جب شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس دہلی میں پڑھتے تھے، چار پانچ گھنٹے گفتگو رہی جس میں بالآخر عبدالرحیم کو ساکت ہونا پڑا

(۱) قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ٹیپو سلطان کے شاہزادوں کے مکان پر ۳۰ ربیع الاول چہار شنبہ کے دن تشریف لے گئے۔

اور مولانا اٹھ کر سید صاحبؒ کے پاس آ گئے۔

ہر شاہزادے کا ایک جدا جدا بنگلہ بہت نفیس و مکلّف بنا ہوا تھا، بڑے شاہزادے کو اپنے استاد کی شکست کا حال معلوم ہو چکا تھا، اس نے ان حضرات کی آمد کی خبر سن کر اپنے بنگلے کا دروازہ بند کر لیا، محمد قاسم خواجہ سرا نے سید صاحبؒ کو ایک بنگلے میں جا کر بٹھایا اور شاہزادوں کو وہیں بلا لیا، بڑا شاہزادہ تو غصے اور رنج کی وجہ سے نہیں آیا، باقی سب شاہزادے حاضر ہو گئے، دس دس بارہ بارہ برس کے تھے (۱)، محمد قاسم نے ان کو سید صاحبؒ کے پاس لا کر بٹھایا اور سب کا علٰیحدہ علٰیحدہ تعارف کرایا، آپ نے ان سے بیعت لی، محمد قاسم آپ کو شاہزادوں کے زنانے مکانوں میں بھی لے گئے، وہاں بیگمات نے بیعت کی اور چند تھان نذر کیے، آپ نے محمد قاسم کو اطمینان دلایا کہ انشاء اللہ تین چار بار کے آنے میں تمام شاہزادے درست ہو جائیں گے۔

آپ وہاں سے باغ میں تشریف لائے، محمد قاسم بھی ساتھ آئے، وہ تمام دن سید صاحبؒ کی خدمت میں رہتے تھے اور دونوں وقت کھانا اپنے مکان سے منگوا کر یہیں کھاتے تھے، اور روزانہ عشا کی نماز پڑھ کر واپس مکان جاتے تھے، اور صبح کو پھر حاضر ہوتے تھے (۲) آپ نے شاہزادوں کو توجہ دینے کے لئے حاجی احمد صاحب عرف حاجی بوڑھے صاحب ولایتی کو مامور کیا تھا، ان شاہزادوں کے احوال اور ترقیات کو دیکھ کر جن شاہزادوں نے بیعت نہیں کی تھی، ان کو بھی کمال اشتیاق معلوم ہوا کہ ہم بھی بیعت کر کے اس نعمت سے بہرہ یاب ہوں، چنانچہ ان شاہزادوں نے بھی بیعت کی، صرف بڑا شاہزادہ باقی رہ گیا اور اس نے ملاقات بھی نہیں کی۔

محمد قاسم خواجہ سرا شاہزادوں کو لے کر بڑے شاہزادے کے پاس گئے اور اس سے کہا

---

(۱) سلطان ٹیپو کی شہادت ۱۲۱۴ھ (۱۷۹۹ء) کو ہوئی، جس کو سید صاحبؒ کے سفر حج اور قیام کلکتہ کے زمانے میں ۳۲ برس ہو چکے تھے، اس لئے یہ شاہزادے جن کی عمر دس دس بارہ بارہ برس بتلائی گئی ہے، سلطان شہید کے پوتے ہوں گے۔

(۲) محمد قاسم کا تعلق سید صاحبؒ سے اتنا گہرا اور مستحکم ہوا کہ مجاہدین کے ساتھ ہجرت کی اور جہاد میں شریک ہوئے، ''منظورہ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک شریک رہے، اور اعانت مجاہدین کے لئے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ سے اجازت لے کر ہندوستان واپس ہوئے (منظورہ ص ۹۴۷)

کہ ''آپ سید صاحبؒ کے پاس چل کر ملاقات تو کرلیں، اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟ بیعت کا آپ کو اختیار ہے، چاہے کریں چاہے نہ کریں'' چنانچہ اس کو راضی کرکے سید صاحبؒ کے پاس آئے اور آپ کو بڑے شاہزادے کی کوٹھی میں لے گئے، شاہزادہ کوٹھی کے دروازے تک استقبال کو آیا اور آپ کو کوٹھی کے اندر لے گیا، ہمراہیوں میں سے دو یا تین آدمی ساتھ گئے اور باقی باہر کھڑے رہے(۱)۔

شاہزادے نے عربی زبان میں واجب الوجود کے وجود اور رسالت اور قرآن کے انکار پر تقریر کی، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ''ہماری پیدائش اور نشو ونما ہندوستان میں ہوئی ہے، کبھی عربی زبان میں بات چیت کرنے کا اتفاق نہیں ہوا، اصل غرض مقصد کا ظاہر کرنا ہے، بہتر ہے کہ آپ ہندوستانی میں گفتگو کریں تا کہ میں اور حاضرین مجلس آپ کے کلام کو سمجھیں، اس نے کچھ توقف کے بعد فارسی میں گفتگو شروع کی، آپ نے فرمایا کہ ''ہر چند کہ فارسی زبان کو سمجھتا ہوں اور آپ کی عربی اور فارسی زباندانی حاضرین پر ظاہر ہوگئی ہے، یہ سب تکلف ہے، بہتر ہے کہ آپ اپنی مادری زبان میں گفتگو کریں'' اس وقت انہوں اردو میں قواعد منطقیہ اور دلائل کلامیہ کی رعایت کے ساتھ گفتگو شروع کی، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا کہ شاید حضرت مجھ سے جواب دینے کے لئے ارشاد فرمائیں گے، مگر سید صاحبؒ نے خود ہی قواعد منطقیہ کا لحاظ کئے بغیر جیسے کسی طفل مکتب کو تعلیم کرتے ہیں، کلمات عارفانہ، بلکہ سپاہیانہ سے اس کو سمجھانا شروع کیا اور تھوڑی دیر میں قائل کردیا(۲)۔

محمد قاسم آپ کو بیگمات میں لے گئے، ٹیپو سلطان کی بیٹی نے آپ کو بلایا تھا، اس نے عرض کی کہ ''ہمارے بڑے بھائی صاحب نے آپ سے ملاقات کی، الحمد للہ ہم کو کمال خوشی حاصل ہوئی، ہم کو ان کا حال اور خیال دیکھ کر اس کی امید ہر گز نہ تھی، اب خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ بیعت بھی کرلیں گے''۔

بیگم نے اور بیگمات کو بھی وہیں بلایا اور سب سے بیعت کرائی اور خود بھی بیعت کی

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۸۹۸-۹۰۲ (۲) ''منظورۃ السعداء''

اور عرض کی کہ ’’ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہمارے بھائی صاحب کو ہدایت نصیب کرے‘‘ آپ نے ان سب کے لئے دعا کی ان بیگمات نے کوئی چالیس پچاس چھوٹی چھوٹی تشتریوں میں کئی اقسام کی مٹھائی پیش کی، کسی تشتری میں مٹھائی کی الائچیاں تھیں اور کسی میں مٹھائی کے جائفل اور بادام اور کسی میں شیرینی اور میوے تھے، تشتریاں بھی رنگا رنگ آبگینے کی تھیں، کوئی سبز، کوئی زرد، کوئی گلابی، کوئی نیلی، کوئی سپید شفاف اور کوئی منقش چینی کی، وہ سب تشتریاں آپ نے باہر لوگوں میں بھیج دیں، شیرینی تھوڑی تھوڑی سب میں تقسیم ہوئی، اور آپ سوار ہو کر باغ میں تشریف لائے۔

کئی روز کے بعد محمد قاسم خواجہ سرا آئے اور عرض کیا کہ کل بڑے شاہزادے کے یہاں آپ کی اور تمام قافلے کی دعوت ہے، اگلے روز سویرے شاہزادے کے یہاں سے طرح طرح کی بہت سواریاں آئیں، کوئی چھ گھڑی دن چڑھے آپ باغ سے سوار ہوئے اور قافلے کے کوئی تین سو آدمی آپ کے ہمرکاب ہوئے، بنگلے کے قریب پینس رکھی گئی، آپ اتر کر بنگلے میں تشریف لے گئے اور کچھ دیر بیٹھے، سب شاہزادے جمع ہو کر آپ کو بڑے شاہزادے کی کوٹھی میں لے گئے، وہاں بڑے شاہزادے نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کئی من رنگ برنگ کی انگریزی اور ہندوستانی مٹھائی لوگوں میں تقسیم کروائی، بیعت کے بعد شاہزادہ آپ کو زنانہ مکان میں لے گیا وہاں عورتوں نے بیعت کی، دوپہر کے قریب آپ وہاں سے باہر تشریف لائے، اور تھوڑا کھانا کھا کر سو رہے، ظہر کے وقت آپ نے اٹھ کر وضو کیا، نماز پڑھی اور بیٹھ کر دو چار گھڑی وعظ فرمایا۔

اس عرصے میں محمد قاسم خواجہ سرا نے آکر عرض کی کہ ایک بیگم صاحب کا محل باقی ہے، وہاں بھی تشریف لے چلئے، آپ ان کے ساتھ وہاں بھی تشریف لے گئے، وہاں کی تمام عورتوں نے بھی بیعت کی، عصر کے قریب آپ وہاں سے باہر آئے، ان بیگم نے بھی بہت شیرینی بھیجی، وہ تقسیم کی گئی، آپ نے عصر کی نماز پڑھی، دو تین گھڑی کے بعد سب ہمراہیوں نے کھانا کھایا، آپ نے مغرب کی نماز وہیں پڑھی اور عشا بھی، اس کے بعد آپ نے کھانا

تناول فرمایا، پھر سب چھوٹے بڑے شہزادے جمع ہوکر آپ کے پاس آئے اور عرض کی کہ ''حضرت ہم تو آج از سر نو مسلمان ہوئے اور آج ہی دین اسلام کی قدر جانی، اب ہم سب کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تاحین حیات اسی راہ مستقیم پر ثابت قدم رکھے، اور شیطان کے مکر وفریب سے محفوظ رکھے، آپ نے بہت دیر تک کمال الحاح وزاری اور عجز وانکسار کے ساتھ دعا کی اور فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے اب شیطان کو تمہارے یہاں سے دفع کر دیا، چند روز کے بعد دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے یہاں کیسی خیر و برکت کرے گا''۔

ان شاہزادوں نے ملازموں سے تاکید کی کہ عبدالرحیم ہمارے یہاں نہ آنے پائے، آپ ان سب سے رخصت ہوکر باغ میں تشریف لائے (۱)۔

ایک پیرزادے کے مکان پر

کلکتے میں ایک پیرزادہ صاحب تھے، انہوں نے سید صاحبؒ سے کہلا بھیجا کہ آپ میرے غریب خانے پر تشریف لائیں، آپ نے فرمایا کہ '' انشاء اللہ تعالیٰ ہم کسی وقت آئیں گے'' یہ سن کر شہر کے چند شخصوں نے آپ سے عرض کی کہ '' آپ نے ان پیرزادہ صاحب کے مکان پر جانے کا اقرار کرلیا ہے، وہ شخص تو کچھ خلاف شرع سے ہیں''۔

آپ نے ان سے پوچھا کہ وہ ''کیا خلاف شرع کام کرتے ہیں'' انہوں نے عرض کی کہ ''وہ نجومی ہیں شہر کے اکثر پنڈت، نجومی ان کے پاس جاتے ہیں، اور ان سے قواعد نجوم دریافت کرتے ہیں، آپ کو جو وہ وہاں اپنے مکان پر بلاتے ہیں، وہ صرف اسی امر پر مباحثہ کرنے کے لئے بلاتے ہیں، اس کے سوا اور کوئی غرض نہیں'' آپ نے فرمایا ''خیر جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا، اور ان پیرزادہ صاحب کے آدمی سے فرمایا کہ ''تم پرسوں آنا، انشاء اللہ تعالیٰ ہم تمہارے ساتھ چلیں گے''۔

وہ شخص وعدے کے موافق لینے آیا، آپ پینس پر سوار ہوئے، پچیس تیس آدمی آپ کے ہمرکاب ہوئے، جب آپ کی سواری پیرزادہ صاحب کے احاطے کے پھاٹک پر پہنچی، آپ سواری سے اترے تو دیکھا کہ پھاٹک کی چوکھٹ سے پیرزادہ صاحب کی کوٹھی تک پگڑیاں بچھی

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۹۰۳-۹۰۵

ہوئی ہیں، ان کے لوگ جو وہاں سے آپ کو لینے آئے انہوں نے عرض کی کہ آپ ان پگڑیوں پر چلئے، آپ نے ان سے فرمایا کہ ''پگڑی تو سر پر باندھنی چاہئے اور چلنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی ہے، ہم تو زمین پر چلیں گے'' انہوں نے کئی بار یہ تکرار وہی عرض کیا کہ آپ اس پر چلئے، آپ نے کسی طور نہ مانا اور زمین پر ہو کر ان کے بنگلے میں جہاں وہ پیرزادہ صاحب تھے، تشریف لے گئے اور سلام علیکم کہا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور مصافحہ و معانقہ کر کے آپ کو فرش پر بٹھایا اور عافیت مزاج پوچھی، آپ نے ان کی خیر و عافیت پوچھی، کچھ گفتگو اور تواضع کے بعد انہوں نے بیعت کی درخواست کی اور سب باتوں سے توبہ کی، ان کے جو مرید حاضر تھے، ان سب سے بیعت کروائی اور جو وہاں حاضر نہ تھے ان کو حکم دیا کہ ''ہمارا جو مرید سید صاحب کے دست مبارک پر بیعت نہ کرے گا، وہ ہمارا مرید نہیں ہے، پھر ایسا وقت نہ ملے گا''

یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ ''آپ کو میری طرف سے اجازت ہے کہ آپ ہی ان سے بیعت لیں، ہم آپ کو خلافت نامہ دیں گے'' یہ بات سن کر وہ بہت خوش ہوئے، پھر انہوں نے بہت سی مٹھائی منگوائی اور تقسیم کروائی، اس کے بعد آپ مکان پر تشریف لائے۔

ایک دن کے بعد آپ نے ان کو ایک کرتا دیا اور ایک پگڑی عنایت فرمائی اور ان کو مولانا عبدالحی صاحب سے خلافت نامہ لکھوا دیا اور ان کو حاجی عبدالرحیم صاحب کے سپرد کیا، ایک دن انہوں نے سید صاحبؒ سے عرض کی کہ ''مجھ پر اللہ تعالیٰ نے بڑی عنایت کی، اگر میں آپ کے دست مبارک پر توبہ نہ کرتا اور یوں ہی مر جاتا تو میری عاقبت تباہ ہو جاتی، اللہ تعالیٰ نے اس شہر میں آپ کو گویا میری ہی ہدایت کے لئے بھیجا ہے، اب آپ دعا کریں کہ پروردگار مجھے تا دم موت اسی توبہ پر قائم رکھے'' آپ نے ان کے لئے دعا کی (۱)۔

ایک نایاب تحفہ

آپ کے پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد سید احمد علی صاحب جو بعض ضروری کاموں کے لئے وطن ٹھہر گئے تھے، کلکتے آئے اور امانت کے پانچ ہزار روپئے جو فقیر محمد خاں کے پاس تھے

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۹۷۸-۹۸۶

لائے ، انھوں نے سید صاحبؒ اور سب عزیزوں اور دوستوں سے کہا کہ میں سب صاحبوں کو ایک خوشخبری سناتا ہوں، سب نے بڑے اشتیاق سے کہا کہ فرمایئے کیا خوشخبری ہے، کہا کہ "شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ستر روپے کا قلمی ترجمہ قرآن لایا ہوں" اور سب کو دکھلایا، سب لوگ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ ستر روپے میں گویا مفت ملا(۱)

اس ترجمے کو سب سے پہلے مولوی عبداللہ پسر سید بہادر علی اودھی مرحوم نے کلکتے میں طبع کرایا، پھر اس کی اشاعت عام ہوگئی (۲)

فقیر منعم

کلکتے کی مدت قیام میں صدہا حاجت مند سائل اور شرفاء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، کوئی اپنی لڑکی، لڑکے کی شادی کے لئے، کوئی قرض ادا کرنے کے لئے، کوئی مسجد اور کنواں بنانے کے لئے امداد طلب کرتا، آپ کسی کے سوال پر "نہیں" نہ کرتے، شیخ عبداللطیف صاحب تاجر مرزاپور جن کے سپرد یہ خدمت تھی کہتے ہیں کہ کلکتے کے قیام میں دس ہزار روپئے اہل حاجت اور سائلوں کو دیے گئے (۳)۔

مردِ خدا کا یقین

بغداد کے ایک پیرزادے سید احمد نام منشی امیر کے مکان پر اترے تھے، وہ بھی حج کے ارادے سے آئے تھے، اور جہازوں کی روانگی کے موسم کے منتظر تھے، ان کو درویشی و بزرگی کا بھی دعویٰ تھا، جس منشی کے یہاں وہ ٹھہرے تھے، بڑا مالدار صاحب اعتبار تھا، اور ان کا مرید بھی تھا، ان کو یہ خیال ہوا کہ سید صاحبؒ کسی طرح میری ملاقات کو آئیں، اس سے میری عزت وعظمت لوگوں کے دل میں زیادہ ہوگی بعد میں میں بھی ان کی ملاقات کو چلا جاؤں گا، انہوں نے ایک شخص کی زبانی آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ سے ملنے کو دل چاہتا ہے، لیکن میں بیماری کے باعث آپ کی ملاقات کو نہیں آسکتا، آپ نے اس کے جواب میں فرمایا "کہ

---

(۱) ایضاً ص ۱۹۹ (۲) "منظورۃ السعداء" (۳) "مخزن احمدی" ص ۷۷

بیمار کی عیادت سنت ہے، ہم ہی ان کی ملاقات کے لئے آئیں گے، ان سے کہنا کہ وہ یہاں آنے کی تکلیف نہ کریں''۔

اسی روز نماز مغرب کے بعد آپ چند آدمیوں کے ساتھ بغدادی صاحب کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے ان سے ملاقات اور مزاج پرسی کی، انہوں نے کہا کہ ''میں نے سنا ہے کہ آپ یہ قافلہ لے کر بارادۂ حج تشریف لائے ہیں، اس جم غفیر اور جماعت کثیر کے ساتھ آپ کو مناسب نہ تھا، اتنے لوگوں کو جہاز پر کون بٹھائے گا اور کھانے کپڑے کا خرچ کہاں سے آئے گا؟

آپ نے ان سے فرمایا کہ'' ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر انگریز حاکم چاہے تو ہزار دو ہزار آدمی جہاز پر سوار ہو کر حج کو یا کسی اور ملک کو پہنچائے، یہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟'' انہوں نے کہا کہ'' ہزار دو ہزار کی کیا حقیقت ہے؟ اگر وہ چاہے تو دس پانچ ہزار آدمیوں کو جہاز پر سوار کر کے جہاں چاہے وہاں پہنچا دے''

سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ''سبحان اللہ! مخلوق انگریز حاکم جو ہر امر میں جناب باری تعالیٰ کا محتاج ہے، اس کو تو یہ مقدور کہ ہزاروں آدمی جہازوں پر چڑھا کر جہاں چاہے، وہاں پہنچا دے، اور وہ شہنشاہ عالم پناہ، پروردگار جہاں، جس کے آگے انگریز حاکم ادنیٰ فقیر سے بھی زیادہ محتاج ہے، اتنا مقدور نہیں رکھتا کہ ہم چھ سات سو غرباء کو مکے میں پہنچا دے؟ آپ کا عقیدہ عجیب ہے''!

یہ تقریر پُر تاثیر سن کر وہ اپنے دل میں نہایت پشیمان و شرمندہ ہوئے اور کچھ نہ بولے، آپ نے فرمایا کہ'' آپ سن لیں گے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں جہازوں کا کرایہ دے کر اور سب بھائیوں کو ہمراہ لے کر جاؤں گا اور حج کر کے مع الخیر آؤں گا اور خیراتی جہازوں پر نہ آپ سوار ہوں گا اور نہ اوروں کو سوار کراؤں گا(۱)''۔

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۹۴۹، ۹۵۱، یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، اس کے بالمقابل سید احمد بغدادی صاحب کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا وہ بڑا عبرت انگیز ہے'' وقائع احمدی'' میں ہے کہ باوجودیکہ سید بغدادی کے میزبان و مرید منشی امیر اکثر ناخداؤں سے تعارف رکھتا تھا اور صاحب مقدور تھا، مگر ہر چند سعی اور کوشش کی، کوئی جہاز نہ ملا کہ سید بغدادی کو سوار کراتا، سید صاحبؒ کے قافلے کی روانگی کے بعد چند دنوں بعد منشی امیر کا ایک واقف ناخدا بمبئی کو جاتا تھا، منشی امیر نے سید بغدادی کو اس کے جہاز پر سوار کر دیا، ایک مغل کی بیوی، اس ناخدا سے آشنائی رکھتی تھی، وہ بھی ناخدا کے جہاز پر (باقی اگلے ص پر)

اہل خیر کی مسابقت

ایک روز منشی امین الدین صاحب کے یہاں سے اہل قافلہ کی پوشاک کے لئے کپڑے کی گٹھریاں آئیں، اس کے بعد شیخ رمضانی، سعدالدین ناخدا، منشی حسن علی اور امام بخش صاحب حساب کی ایک ایک فرد لائے اور سید صاحبؒ کو دکھائی اور عرض کیا کہ ''ہم نے اس قدر تھان آپ کے لئے خریدے ہیں، اگر ارشاد ہو تو گٹھریوں میں باندھ کر یہاں لائیں، ورنہ جب جہازوں پر آپ کا اسباب چڑھایا جائے گا، اس کو بھی چڑھوا دیں گے، اور ہم سب نے پانچ سو جامۂ احرام کی تدبیر کی ہے اگر آپ کے کل آدمیوں کا شمار معلوم ہو تو حساب سے اس کا انتظام کیا جائے''۔

سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ''احرام تو اپنے لوگوں کے موافق ہمارے پاس تیار ہیں، اب احراموں کی کچھ حاجت نہیں اور جو کچھ کپڑا تم نے تیار کیا ہے، اس کا اجر اللہ تعالیٰ تم کو دنیا و آخرت میں دے، وہ نہ ہمارے پاس لاؤ، نہ جہاز پر چڑھاؤ، جس قدر حاجت تھی، اس قدر کپڑا ہم نے لے لیا، اب زیادہ بوجھ لادنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب کہیں ضرورت ہوگی، تب اللہ تعالیٰ انتظام فرما دے گا''۔

انہوں نے کئی بار بہ تکرار کہا کہ ''حضرت آپ قبول فرمائیں ہماری یہی خوشی ہے'' آپ نے فرمایا کہ ''لینے میں تو کچھ نقصان نہیں ہے، مگر لاد کر لے جانا اور اس کی نگہبانی کرنا کچھ کام کی بات نہیں ہے، نہ لینے کا یہی سبب ہے''۔

(بقیہ ص گزشتہ) سوار ہو کر گئی اور وہ جہاز کلکتے سے روانہ ہو گیا، دوسرے روز اس مغل کو خبر ہوئی، اس نے عدالت میں جا کر اس ناخدا پر نالش کی، عدالت سے اس جہاز کی واپسی کا حکم ہوا، کئی دن بعد کلکتے میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ سید احمد، جو قافلہ لے کر حج کو گئے ہیں، وہ پکڑے گئے، سید صاحبؒ کے مخلص و معتقد (اگرچہ ان کو اس خبر کا یقین نہ تھا) بڑے مضطرب و متفکر ہوئے اور معاندین خوش ہوئے، جب وہ جہاز کلکتے واپس آیا تب معلوم ہوا کہ اس جہاز میں سید احمد بغدادی ہیں، اس وقت معاندین شرمندہ ہوئے اور مخلصین سرخرو و مطمئن۔

عبرت کی بات یہ ہے کہ سید بغدادی باوجودیکہ تن تنہا تھے اور ایک بڑے شخص کے مہمان و مرشد، اس سال سفر حج سے محروم رہے۔ ''وقائع احمدی'' ص ۹۵۱، ۹۵۲۔

انہوں نے کہا کہ "اگر اور کپڑا آپ نہیں لیتے تو خیر مگر احرام آپ ضرور قبول کریں، آپ نے فرمایا کہ "خیر تمہاری خوشی، تم بھی کچھ ساتھ کردو" یہ بات سن کر وہ خوش ہوئے اور ہر ایک کہنے لگا کہ "ہم ہی سب احرام دیں" آپس میں بحث ہونے لگی، حضرت نے فرمایا کہ "اس میں جھگڑا نہ کرو، تم سب اپنے اپنے حصے کے موافق جمع کر کے ہمارے پاس لاؤ"۔

انہوں نے الگ بیٹھ کر صلاح کی کہ فی نفر دو دو احرام دینے چاہئیں، ساڑھے سات سو آدمی ہیں، انہوں نے پندرہ سو احرام تجویز کئے اور حضرت سے عرض کیا کہ "اگر آپ اپنے پاس کے احرام میقات یلملم سے بندھوائیں تو ہمارا احرام عرفات جانے کے وقت یا اس کے برعکس، جس طرح مناسب سمجھیں" ان کی یہ تجویز آپ کو بہت پسند آئی، پھر آپ نے ان کے لئے دعا کی اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تم کو اس کا اجر دے اور یہ کپڑا اپنی راہ میں خرچ کرائے، ان شاء اللہ ہم تمہارے لئے بیت اللہ میں جا کر دعا کریں گے، پروردگار سے امید ہے کہ وہ تمہارے یہاں بہت خیر و برکت کرے گا (۱)"۔

جہازوں کے انتظامات

کلکتے سے چلنے کی تیاری شروع ہوئی، گیارہ جہاز کرائے پر لئے گئے اور بارہ ہزار روپیہ کرایہ تجویز ہوا، ہر جہاز پر ایک امیر مقرر رہا اور بارہ ہزار روپے کی جنس اور اشیائے خوردنی خرید کر جہازوں پر رکھ دی گئیں (۲)۔

جہازوں کی روانگی سے پہلے راستے میں کھانا کھانے کے لئے چھ سو تینتیس روپے کے مسی ظروف خرید کر جہازوں پر چڑھائے گئے اور چھ سو تر انوے آدمیوں کا کرایہ فی نفر بیس روپئے کے حساب سے تیرہ ہزار آٹھ سو ساٹھ روپئے دئے گئے، عورتوں کے واسطے تین جہازوں کے نیچے کے دبوسے لئے گئے، ایک جہاز "فتح الکریم" کے آدھے دبوسے کے چار سو روپئے اور ایک جہاز "غراب احمدی" کے پورے دبوسے کے آٹھ سو روپے کرایے کے علاوہ دیئے گئے اور پانی کے پیپے رکھے گئے (۳)۔

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۹۶۱، ۹۶۲   (۲) "مخزن احمدی" ص ۸۰   (۳) "وقائع احمدی" ص ۱۰۱۰

اللہ تعالیٰ سے عہد

شیخ غلام حسین خاں فخر التجار کو جب اس کی اطلاع ہوئی کہ جہازوں کے سب انتظامات مکمل ہو گئے، تو ایک دن سید صاحبؒ کے پاس آ کر عرض کیا کہ "ان دنوں میرے چار جہاز خالی کھڑے ہیں، آپ انہیں پر اپنے لوگوں کو سوار کر کے بیت اللہ شریف تشریف لے جائیں یہاں سے مکے تک کا جو کچھ زادِ راہ اور ضروری اسباب ہے وہ سب جہازوں پر سوار کر دیا جائے گا، اور زیارت حرمین شریفین سے فراغت کر کے پھر اسی سامان کے ساتھ انہیں جہازوں پر وہاں سے تشریف لائیں، یہ بھی میرے ذمے ہے"۔

آپ نے فرمایا کہ "شیخ بھائی تم نے بات معقول کہی، مگر ہم نے اپنے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ جب ہمارے لئے زاد و راحلہ کا سامان کر دے گا، تب ہم جہازوں کا کرایہ دے کر اور اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لے کر بیت اللہ شریف کو جائیں گے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی مخلوق کا بارِ احسان نہ اٹھائیں گے، اس میں چاہے برس گزر جائیں، اس کا کچھ غم نہیں (۱)"۔

جہازوں کا معاینہ اور ناخداؤں کو ہدایات

جہازوں کے منتظمین نے عرض کیا کہ "اگر مرضی مبارک میں آئے تو چل کر جہازوں کو بھی ملاحظہ فرمائیں سب جہاز گنگا کے کنارے کھڑے ہیں" آپ نے فرمایا "بہتر ہے ہم چلیں گے" آپ نماز ظہر پڑھ کر تشریف لے گئے (۲)، اور تختوں کی سڑک پر پہنچے، وہ سڑک بہت ہی مکلّف اور خوبصورت بنی تھی، آپ اس سڑک پر کھڑے ہوئے، پھر ایک کشتی پر سوار ہو کر جہاز پر گئے اور اس کے نیچے اوپر کے سب مکان دیکھے اور فرمایا کہ "الحمد للہ! اللہ تعالیٰ یہ دن تو لایا کہ جہاز دیکھنے میں آئے"۔

جہاز کے ناخدا کو آپ نے ایک بیش قیمت مسقطی لنگی عطا فرمائی اور نینو، نین سکھ

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۱۰۰۳، ۱۰۰۴ (۲) قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۲۰ رصفر شنبہ کے روز جہاز دیکھنے تشریف لے گئے۔

وغیرہ کے کئی تھان عنایت کئے اور فرمایا کہ ہمارے لوگوں کو آرام کے ساتھ لے جانا، کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے، ان شاء اللہ تمہارا جہاز جلد خیر وعافیت کے ساتھ جدے پہنچے گا اور ہر صدمے سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے گا۔ اگر تقدیر سے کسی طرح کا صدمہ پیش آجائے، تو گھبرانا نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے محفوظ رکھے گا''۔

سعد الدین ناخدا، شیخ امام بخش، شیخ رمضانی اور شیخ عبد اللطیف وغیرہ نے عرض کیا کہ ''سب جہازوں کے ناخدا منتظر ہیں کہ حضرت ہمارے جہازوں کو دیکھنے تشریف لائیں، اگر مناسب سمجھیں تو تشریف لے چلیں''، آپ نے فرمایا ''عصر کا وقت قریب ہے، اب جا کر نماز پڑھیں گے، اس وقت فرصت نہیں ہے، پھر کسی وقت ان شاء اللہ تعالیٰ دیکھ لیں گے (۱)''۔

ایک روز سب جہازوں کے ناخداؤں کو بلا کر فرمایا کہ ''ہمارے لوگوں کو آرام کے ساتھ لے جانا، ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے، اس میں ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے لئے دنیا میں بھی بہتری ہوگی اور آخرت میں بھی، دنیا کا فائدہ تو تم اسی سفر میں دیکھ لوگے اور آخرت کا فائدہ، اللہ تعالیٰ چاہے گا تو وہاں دیکھوگے، اگر ان کو کسی قسم کی تکلیف دو گے تو تمہارے دین میں بھی نقصان ہوگا اور دنیا میں بھی کیونکہ یہ سب لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے جاتے ہیں''۔

یہ بھی فرمایا کہ ''اگر سمندر میں صدمے کی کوئی جگہ آجائے تو تم ان لوگوں سے دعا کرانا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے خیر وعافیت کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچا دے گا''۔

ان سب نے اقرار کیا کہ ''ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ان کو بڑے آرام کے ساتھ لے جائیں گے، اور ہمارے ہاتھوں ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، آپ ہمارے لئے دعا فرمائیں'' آپ نے ان سب صاحبوں کے لئے دعا کی (۲)۔

سفر کی ترتیب

جہازوں کے ناخداؤں نے عرض کیا کہ ''آپ اپنے سب جہازوں کے آگے سوار

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۱۰۰۶، ۱۰۰۷ (۲) ایضاً ص ۱۰۱۱، ۱۰۱۲

ہوکر روانہ ہوں گے یا سب کے پیچھے؟ جو منظور ہو، ارشاد فرمائیں''۔

آپ نے فرمایا ''جس طرح تمہاری خوشی ہو، ہمیں منظور ہے''۔ انہوں نے کہا کہ ''اگر آپ سب کے پیشتر روانہ ہوں گے، تو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ہم آپ کے لوگوں کو آرام کے ساتھ سوار کر کے لے جائیں گے، اور اگر آپ سب کے پیچھے روانہ ہوں تو بھی، مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگ جہازوں پر آپ کے سامنے روانہ ہو جائیں اور آپ سب کے پیچھے سوار ہوں، تب تک خدا کے اور بندے آپ کے فیض سے فیضیاب ہوں گے''۔

آپ کو ان کی یہ صلاح پسند آئی، پھر ہر ایک ناخدا اپنے اپنے جہاز کی تعریف کرنے لگا کہ ہمارا جہاز ایسا تیز رفتار اور اس خوبی کا ہے، آپ ہمارے جہاز پر سوار ہوں، آپ نے اس وقت ان کو کوئی جواب نہیں دیا، جب رخصت ہو کر چلے گئے، تب شہر کے دوسرے صاحبوں سے آپ نے فرمایا کہ ''سب کے پیچھے یہاں سے کون سا جہاز روانہ ہوگا؟ اس کو دریافت کیجئے، ہم اسی پر سوار ہوں گے'' انہوں نے شہر میں جا کر ناخداؤں سے پوچھا انہوں نے کہا کہ ''سب کے پیچھے دریا بقی روانہ ہوگا، مگر دریا بقی بہت پرانا اور سست رفتار ہے'' انہوں نے یہی حال سید صاحبؒ سے آکر بیان کیا اور عرض کر دیا کہ دریا بقی، پرانا اور سست رو ہے، آپ نے فرمایا کہ ''ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس کا جواب تیسرے یا چوتھے روز دیں گے، اگر ہم اس پر نہ چڑھے تو ہمارے دوسرے بھائی چڑھیں گے''۔

شہر کے لوگوں نے یہ سن کر سید صاحبؒ نے اپنے سفر کے لئے دریا بقی کا انتخاب کیا ہے آکر عرض کی کہ تمام شہر میں مشہور ہے کہ ''جہاز دریا بقی، بہت کم چلتا ہے، اور بہت کہنہ اور شکستہ بھی ہے آپ تو کسی اور جہاز پر سوار ہوں''، آپ نے فرمایا کہ ''تم خاطر جمع رکھو، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے نئے اور پرانے سب یکساں ہیں، اگر وہ چاہے گا تو اس کو تیز رو کر دے گا(۱)''

اہل دنیا کی عزت وحرمت کی طرف عدم التفات

غلام حسین خاں فخر التجار کلکتہ نے کہا کہ جہاز عطیۃ الرحمٰن بادشاہی ہے اور اس پر ساٹھ ضرب توپ چڑھی ہے، محمد حسین ترک اس کا ناخدا ہے، اور وہ چالیس جہازوں کا کپتان

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۱۰۱۲، ۱۰۱۳

ہے، آپ اس پر سوار ہوں، جس وقت آپ ملک عرب میں پہنچیں گے، وہاں کے لوگ آپ کی بہت بڑی عزت وحرمت کریں گے"۔

یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک غصے سے متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ "غلام حسین خاں، یہ تم نے کیا کہا؟ عزت وحرمت تو خدا کی طرف سے ہوتی ہے، بندے کی طرف سے نہیں، ہم دنیا کی قدر ومنزلت کو ایسا جانتے ہیں، جیسا سڑا کتّا" اور بہت سی باتیں اسی طرح کی فرمائیں، اس وقت تمام اہل مجلس عالم سکوت میں تھے، غلام حسین خاں کے چہرے پر دہشت خداوندی سے زردی چھا گئی، سر نیچے کئے ہوئے بیٹھے رہے، اس طرح کی ندامت ہوئی کہ اٹھا کر نہ دیکھا(۱)۔

روانگی کا دن(۲)

روانگی کے دن منشی امین الدین صاحب کے یہاں کھانے کی دعوت تھی، مجمع بے اندازہ تھا، آپ نے ظہر کی نماز انہیں کے یہاں ادا کی اور بہت سی نصیحتیں اور ہدایتیں فرمائیں، خلفاء میں سے جو لوگ موجود تھے، ان کو باہم اتفاق اور ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی تاکید فرمائی۔

آخر میں ارشاد فرمایا کہ "اگر کوئی کہے کہ سید احمد کی توجہ میں بڑی قوی تاثیر ہے تو اس کو کاذب اور مفتری سمجھنا چاہئے، یہ معاملہ میرے اختیار میں نہیں ہے، بہت سے لوگوں کو میں نے چاہا کہ فائدہ ہو اور بڑی کوشش کی، ان کو ذرا نفع نہ ہوا اور بعض لوگوں کی طرف میرا خیال بھی نہ تھا، لیکن ان کو اتنا فائدہ پہنچا کہ اعلیٰ مراتب ولایت تک پہنچ گئے، یہ سب خدا کی طرف سے ہے اور بالکل من جانب اللہ بات ہے"

وعظ کے بعد آپ نے سر سے دستار اتار کر منشی صاحب، موصوف کے سر پر رکھی، اس وقت منشی صاحب بہت روئے۔(۳)

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۱۰۸۷، ۱۰۸۸ (۲) قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحبؒ کو کلکتے میں تقریباً تین مہینے صرف ہوئے، اس یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱ رصفر کو آپ نواحی کلکتہ میں پہنچے تھے، اور جمادی الاولیٰ میں وہاں سے روانگی ہوئی۔ (۳) منظورۃ السعداء۔

تیرہواں باب

کلکتے سے مکہ معظّمہ تک

روانگی کا منظر

سید عبدالرحمٰن صاحب راوی ہیں کہ روانگی کے دن باغ کے دروازے پر سواریاں کھڑی تھیں، آپ بگھی پر سوار ہوئے میں اور عبداللہ (فرزند شیخ غلام حسین خاں) اور مولانا عبدالحی صاحب اور منشی امین الدین خاں آپ کے ساتھ بگھی میں بیٹھے، سید محمد یعقوب اور مولوی محمد یوسف صاحب بگھی کے پیچھے کھڑے ہوئے۔

وہاں سے روانہ ہو کر جب بڑے مدرسے کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ لاڈ مائرا کے گرجے تک عورت و مرد، ہندو مسلمان، یہودی و نصاریٰ اس کثرت سے آپ کے دیدار کے لئے جمع تھے کہ آدمی کا ادھر سے ادھر گزرنا بہت دشوار تھا، صدہا آدمی پکارتے تھے کہ ''بچو! بچو!'' مگر کون کس کی سنتا تھا؟ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب کچھ دیر میں بگھی دبی جاتی ہے، آخر کو بہ ہزار دشواری سواری غلام حسین خاں فخر التجار کے دروازے پر پہنچی، حضرت بگھی سے اتر کر اندر تشریف لے گئے اور غلام حسین خاں کو جو بیمار تھے دیکھا، پھر اسی بگھی پر سوار ہو کر قلعے کی طرف چاند پول گھاٹ کو روانہ ہوئے اور لارڈ مائرا کے گرجے کے برابر یہودیوں کے محلے میں پہنچے، وہاں سے آپ کے ہمراہی کلمہ بآواز بلند پڑھتے ہوئے گزرے اور قلعے کے میدان میں جا کر سواری ٹھہری، اس وقت ایک جم غفیر اور مجمع کثیر، یہودی اور نصرانی، سب چھتریاں لگائے

ہوئے کوٹھوں پر اور راستے میں کھڑے تھے، اور ان کی عورتیں ان کے ساتھ تھیں بلکہ تمام اہل قلم وغیرہ اپنی کچہریاں خالی چھوڑ کر اس وقت وہاں موجود تھے، لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ لاٹ اپنی کوٹھی پر تمام عملے سمیت کھڑا ہوا دیکھ رہا ہے۔

جب قلعے کے میدان میں پہنچے، عصر کا وقت ہوا، لوگوں نے دریا میں وضو کیا اور اذان کہی، پھر صفیں آراستہ ہونے لگیں، اس وقت خدا کی قدرت نظر آتی تھی کہ ہزاروں ہزار نمازی کہ ان کی تعداد گنتی سے باہر تھی، کھڑے تھے، جب صفیں آراستہ ہو چکیں اور ایک صف دونوں جانب دور جہاں تک نظر کام کرتی گئی تھی، سید صاحبؒ امامت کے لئے بڑھے اور نیت باندھی، اس وقت صدہا آدمی بآواز بلند تکبیر کہتے تھے، اس کے باوجود تکبیر کی آواز سننے میں نہ آتی تھی، مگر آپ کی آواز سب کو پہنچ رہی تھی، نماز کے بعد آپ نے دعا کی، پھر بگھی کے پاس آئے اور لوگوں سے رخصت ہونے لگے، آپ نے ایک ایک دو دو روپئے غرباء میں تقسیم کیے، سات سو روپئے تو صرف میرے ہاتھوں تقسیم ہوئے، اس کے بعد آپ نے دوسروں سے لے کر روپیہ تقسیم کیا، اس کے بعد آپ بڑی پھرتی کے ساتھ لوگوں کے بیچ میں سے کشتی پر سوار ہو گئے کہ لوگوں نے آپ کو بیٹھنے کے بعد دیکھا اور تعجب کیا۔

بہت سے لوگ کشتیاں لئے ہوئے موجود تھے، ان پر سوار ہو کر آپ کی کشتی کے ساتھ روانہ ہوئے، دریا کے کنارے خلقت کا ہجوم تھا، آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے السلام علیکم فرمایا، لوگوں نے سلام کا جواب دیا اور بہت روئے، دور دور تک جہاں سلام کی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی، ہاتھ کے اشارے ہو رہے تھے۔

آپ نے مغرب کی نماز کشتی پر پڑھی اور سب کشتیاں روانہ ہوئیں، جب اندھیرا بہت ہو گیا تو دوسری کشتیوں کے لوگ رخصت ہو کر واپس ہوئے۔(۱)

جہازوں کے انتظامات

آپ جس جہاز پر سوار تھے، اس کا ناخدا عبدالرحمٰن حضرمی تھا، جس کا ایک مکان

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۱۰۹۰، ۱۰۹۳ و ''منظورۃ السعداء''

بندرگاہ مخہ میں بھی تھا، آپ کے متعلقین اور اعزاء آپ کے ساتھ تھے، سب مرد و عورت ملا کر ایک سو پچاس آدمی ہوتے تھے۔

آپ نے اپنے جہاز سے پہلے دوسرے جہاز روانہ کر دیئے تھے، تفصیل ان کی یہ ہے کہ ایک جہاز کا نام ''فتح الباری'' تھا، اس کا ناخدا عبداللہ بلال عرب تھا، اس پر قافلے میں سے ستر آدمی سوار تھے، اور مولوی عبدالحق صاحب نیوتنوی ان کے امیر تھے۔

''عطیۃ الرحمٰن'' بڑا جنگی جہاز تھا، اس پر ساٹھ ضرب توپ تھی محمد حسین ترک رومی جو چالیس جہازوں کا کپتان تھا، اس کا ناخدا، اور اہل قافلہ میں سے سر سٹھ نفر قاضی احمد اللہ صاحب میرٹھی کی امارت میں اس پر سوار تھے۔

''غراب احمدی'' پر گیارہ توپیں تھیں، ناخدا احمد ترک رومی، اس پر پچاس آدمی جو مولوی وحیدالدین، حکیم مغیث الدین سہارن پوری کی سرکردگی میں تھے، سوار تھے۔

''فتح الکریم'' پر چھہتر آدمی میاں دین محمد کی سرکردگی، میں ''فیض ربانی'' پر پچھتر آدمی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی امارت میں ''فیض الکریم'' پر پچاس آدمی قاضی عبدالستار گڑھ مکتیسری کی امارت میں ''عباسی'' پر چالیس نفر حاجی پیر محمد بریلوی کی ''تاج'' پر پینسٹھ آدمی قادر شاہ ہریانوی کی ''فتح الرحمٰن'' پر پچاس آدمی حاجی محمد یوسف کشمیری کی امارت میں۔(۱)

اہل قافلہ کی تعداد چھ سو ترانوے تھی، ان کے علاوہ مساکین ایک سو سات کی تعداد میں تھے، جو تین جہازوں پر تقسیم تھے، دیگیں اور دوسرے ضروری برتن نئے خرید کر جہازوں پر رکھ دیئے گئے تھے، چنانچہ چار دیگیں اپنے لوازمات کے ساتھ آپ کے جہاز پر، اور دو دو دیگیں ہر جہاز پر تھیں، غلہ اور کپڑا ہر ایک پر بقدر ضرورت بار کر دیا گیا تھا۔(۲)

تقسیم عمل

آپ نے فرمایا تھا کہ اس سفر کے تمام کام کاج عبادت ہیں، اس لئے رفقاء اور ہمراہی بڑے ذوق اور اپنی خوشی سے خدمت کرتے تھے، اور بعض بعض کام مستقل طور پر بعض

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۱۰۷۸، ۱۰۸۰ و ''منظورہ'' (۲) ''منظورۃ السعداء''

لوگوں نے اپنے ذمے لے لئے تھے، بادل خاں نے تمام اہل قافلہ کو خصوصاً معذور لوگوں کو وضو کرانے کی ذمے داری لی، وہ سمندر سے پانی کھینچ کر بڑے بڑے طاشوں میں بھر لیتے تھے، اور اس سے لوگوں کو وضو کراتے تھے، پانی کھینچتے وقت اللہ کا نام ان کے ورد زبان ہوتا تھا۔

شیخ باقر علی نے کھانا پکانے کا ذمہ لیا، دوسرے آدمی بھی اس کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے، اس جہاز کے آگے کی طرف ایک بڑا دالان تھا، اس میں کھانا پکایا جاتا تھا، آدھے میں تو ناخدا اور معلم اور خلاصیوں کا اور آدھے میں آپ کا کھانا پکتا تھا، وہ دالان نیچے اوپر دائیں بائیں تمام تانبے کی چادروں سے منڈھا ہوا تھا تاکہ آگ نہ لگ جائے، دو دیگیں چاول کی اور ایک دیگ دال کی آپ کے قافلے میں روزانہ پکتی تھی، بیماروں اور جن لوگوں کو دوران سر کی شکایت ہوتی تھی، ان کو روٹی ملتی تھی۔(۱)

جہاز پر آپ کے معمولات

آپ کا روزانہ معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد حزب البحر پڑھتے اور مولوی محمد یوسف صاحب سے سورہ زخرف کا پہلا رکوع سنتے، جب آپ اس سے فارغ ہوتے تو لوگ آپ کے پاس آکر بیٹھ جاتے، کوئی کسی آیت کا مطلب پوچھتا کوئی کسی حدیث کا، سوا پہر دن چڑھے تک اسی طرح مجلس رہتی، اس کے بعد آپ اندر تشریف لے جاتے، اور وہیں کھانا تناول فرماتے، فراغت کے بعد باہر تشریف لاتے، دبوسے کے دروازے پر ایک کوٹھری تھی، اس میں دوپہر کو آرام فرماتے، اس کے دروازے پر شمشیر خاں کا پہرہ رہتا تھا، اور ان کی ایک دری بچھی رہتی تھی، جب ظہر کا وقت آتا، آپ اٹھتے اور نماز سے فارغ ہو کر اسی دری پر بیٹھ جاتے اور اس طرح سے لوگ آپ کے پاس جمع ہو جاتے اور جو جس بات کا سوال کرتا، اس کا جواب دیتے۔

آپ کی صحبت کی برکت سے قافلے میں کسی قسم کا لڑائی جھگڑا کبھی پیش نہیں آیا، وقت بڑی راحت اور عافیت سے گزرتا تھا، ہر کسی کو دن عید اور شب شب برات تھی، سر بھی گھومتا تھا،

---

(۱)''وقائع احمدی''ص ۱۰۹۸-۱۰۹۹او ''منظورۃ السعداء''(۲)''وقائع احمدی'' روایت سید عبدالرحمٰن ص ۱۱۰۰، ۱۱۰۱

اور قے بھی ہوتی تھی، مگر دل میں راحت وخوشی تھی، رنج والم کا ذکر نہ تھا۔(۲)

سمندر میں تلاطم تھا، کسی ساتھی کو قے ہوتی کسی کا سر گھومتا، آپ نے مولانا عبدالحی صاحب سے جمع بین الصلاتین کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ سفر میں جمع بین الصلاتین مذہب حنفی کے سوائے تینوں مذاہب میں درست ہے، آپ نے فرمایا" ایسے مقام پر نماز جمع کرنی چاہئے، اگر نماز جمع نہیں کرتے تو نماز کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے، چنانچہ اسی روز سے اس پر عمل شروع ہوا۔(۱)

جہاز سیلون سے گزرتا ہوا راس کماری (۲) کا چکر کاٹ کر اپلّی ٹھہرا (۳)، اس حصے سے بخیریت گزر جانے کی وجہ سے جہاز کے خلاصیوں نے بڑی خوشی منائی اور مسافروں سے پیسے وصول کیئے۔

بندرگاہ اپلّی اور کالی کٹ میں

جب جہاز لنکا سے گزر کر الفی (اپلی) پہنچا تو ایک کشتی جہاز کے پاس آئی، لوگ آپ کو پوچھتے جہاز پر آئے، اور عرض کیا کہ" آپ کے آدمیوں سے جو دوسرے جہازوں پر گئے ہیں آپ کے اوصاف حمیدہ سن کر بڑے اشتیاق سے ہم لوگ حاضر ہوئے ہیں، ہمارا ناخدا جس کے نام دوسل ہے، آپ سے ملنے کا بہت مشتاق ہے، ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ ہم آپ سے تشریف لے چلنے کی درخواست کریں، آپ نے فرمایا، ہم ضرور چلیں گے" آپ نے ان کو کھانا کھلا کر رخصت کیا اور ایک رفیق ساتھ کر دیا کہ میٹھے پانی کا ایک پیپہ بھر کر لے آئے۔

دوسرے روز آپ تشریف لے گئے اور ناخدا کے مکان پر دو روز قیام فرمایا، ناخدا نے اپنے اہل وعیال اور وہاں کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ بیعت کی، اس زمانے میں وہاں عورتوں میں برہنگی بہت تھی، واپسی کے وقت آپ نے لوگوں سے کہا کہ" یہاں عورتیں بے ستر

---

(۱) ایضاً ۱۰۹۸ (۲) راس کماری کو "وقائع" اور "مخزن احمدی" میں بہ قاف قمری لکھا ہے۔

(۳) اپلی جنوبی ومغربی ہندوستان کی مشہور بندرگاہ ہے، جو کوچین کے جنوب میں واقع ہے، (سید احمد شہیدؒ) اس کو سید صاحبؒ کے وقائع نگاروں نے الفی کے لفظ سے یاد کیا ہے۔

ہیں، تم سب ہمارے گرد ہو جاؤ" سب لوگ آپ کے گرد ہو گئے، آپ وہاں سے روانہ ہوئے، لیکن لوگوں نے مردوں، عورتوں نے آپ کی زیارت کے لئے بہت ہجوم کیا، ہر چند لوگ ہٹاتے تھے، مگر وہ کچھ نہیں سنتے تھے، آخر آپ وہاں سے دوڑ کر مچھولے پر سوار ہو گئے۔

کالی کٹ میں بھی آپ اترے اس شہر میں ایک پختہ تالاب تھا، اور اس کے بیچ میں ایک بڑی مسجد چار درجے کی تھی، وہاں آپ ٹھہرے، پچیس تیس آدمیوں نے بیعت کی (۱)، کالی کٹ سے روانہ ہو کر امینی اور عقیدی (۲) اور جزیرہ سقوطرہ کے پاس سے عدن پہنچے۔

عدن

عدن کا پہاڑ دکھائی دیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو عرب کا ملک دکھایا، آپ نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ "جب ہم جہاز سے اتریں گے، شکر کا دوگانہ پڑھیں گے۔" (۳)

آپ عدن میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اترے اور دو رکعت نماز پڑھ کر تشریف لے گئے، اس وقت گرمی کا یہ عالم تھا کہ دھوپ کی تپش سے زمین پر قدم نہ رکھا جاتا تھا اور دریا کے کنارے سے عدن تک نہ کہیں پانی تھا، نہ سایہ دار درخت، دھوپ اور پیاس سے لوگ بے تاب ہوئے جاتے تھے، اس وقت آپ نے فرمایا کہ "اگر دو تین اونٹ ہوتے تو ان پر سوار ہو کر چلتے" لوگوں نے عرض کیا کہ "حضرت اونٹ یہاں کہاں؟ ہاں آپ دعا فرمائیں" آپ نے فرمایا کہ "تم سب مل کر سات سات بار "الحمد" پڑھو اللہ تعالیٰ فضل کرے گا" لوگوں نے پڑھنا شروع کیا، ساتویں بار تک پہنچے تھے کہ ایک شخص نے کہا "وہ دیکھو چار اونٹ دامن کوہ میں معلوم ہوتے ہیں" وہ شتربان ان کو اس طرف لئے آتے تھے، تمام لوگ ان کی طرف

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۱۱۰۶، ۱۱۰۷ (۲) "امینی" کا پورا نام "امین دیپ" ہے، دیپ جزیرہ کو کہتے ہیں، عقیدی کا انگریزی نام (Agathe) ہے (سید احمد شہیدؒ)

(۳) "وقائع احمدی" ص ۱۱۱۳

دیکھنے لگے، جب نزدیک آئے لوگوں نے شتربانوں سے کہا کہ اگر اونٹ کرائے پر دو تو تمہارا احسان ہوگا، انہوں نے کرایہ لینے کا تو کچھ ذکر نہ کیا، لوگوں کو سوار کرلیا اور عدن میں جا کر اتار دیا، لوگ کھانے پینے کی تدبیر میں لگے، جب کھاپی کر فارغ ہوئے، تب ان اونٹوں اور اونٹ والوں کو تلاش کیا کہ ان کو مزدوری دیں، ہر چند ان کو ڈھونڈا، مگر نہ پایا، وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ "اس ہیئت اور لباس کے چار اونٹ ہیں اور اس صورت اور پوشاک کے سار بان، اگر تم جانتے ہو تو بتادو" انہوں نے کہا کہ "یہاں نہ اس طرح کے اونٹ ہیں، نہ اونٹ والے، یہاں تو بار برداری کے اونٹ ہیں" لوگوں نے آپ سے یہ حال بیان کیا، آپ خاموش ہو رہے۔(۱)

عدن کے قریب بہت لوگ آپ کے استقبال کو آئے، آپ شہر میں ایک مسجد میں، جو کسی سوداگر نے بنوائی تھی، اترے، آپ نے وہاں کے دنبے منگوائے، ذبح کر کے پکوائے اور روٹیاں بھی پکیں، رات کو اسی مسجد میں رہے، دوسرے روز جہاز کا لنگر اٹھا اور روانہ ہو گئے (۲)، عدن سے روانہ ہونے کے چھ سات روز بعد معلم نے کہا کہ آج چھوٹے باب سکندر (۳) میں پہنچیں گے، تھوڑی رات باقی ہوگی کہ ناخدا نے سید صاحب کو جگایا اور عرض کیا کہ "یہ وقت دعا کا ہے، آپ دعا کیجئے" پھر سب لوگوں کو جگایا اور تمام لوگ دعا میں مشغول ہوئے خدا کے فضل و کرم سے جہاز بخیریت گزر گیا۔(۴)

جہاز میں کیف وذوق

سید زین العابدین، جو آپ کے رفیق سفر تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک روز سید صاحبؒ جہاز کے اگلے مکان کی چھت پر مستول کا رسا پکڑے ہوئے تھے، اور دریا کا تماشہ دیکھ رہے تھے، میں اس وقت آپ کے پیچھے کھڑا تھا، اور تین شخص میرے سوا اور بھی تھے، اس

(۱) "وقائع احمدی" ص ۱۱۱۴، روایت سید عبدالرحمٰن، و "مخزن احمدی" (۲) "وقائع احمدی" ص ۱۱۱۶

(۳) یہ باب المندب ہے، جو جہازوں کے لئے خطرناک جگہ سمجھی جاتی تھی، تنگ سمندر کے عین بیچ میں ایک پہاڑی ہے، جس سے جہاز کے ٹکرا جانے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا خطرہ رہا کرتا تھا۔(۴) "وقائع احمدی" ۱۱۱۶، ۱۱۱۷

وقت آپ سمندر کو دیکھ کر بار بار "سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم" پڑھتے تھے، اور دیوان حافظ کے کچھ اشعار بھی پڑھتے تھے، جو مجھے یاد نہیں، آنکھوں سے آپ کے چہرے پر آنسو جاری تھے، اور آواز میں بھی فرق ہو گیا تھا، آپ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی بیان فرماتے جاتے تھے، اس میں کئی گھڑی کا عرصہ ہو گیا پھر وہاں سے آپ نیچے تشریف لائے، مگر زبان مبارک سے کچھ نہیں فرمایا، تھوڑی دیر کے بعد ظہر کا وقت ہوا، اذان ہوئی، آپ نماز کو تشریف لائے اور نماز پڑھائی، اس نماز میں ایسی برکت اور تاثیر تھی کہ ہر ایک کے اوپر ایک حال سا واقع تھا کہ اس کی لذت زبان سے بیان نہیں ہو سکتی، ہر شخص کی طبیعت متوجہ الی اللہ تھی۔ (۱)

مخہ

مخہ میں ناخدا نے ایک مہینے کے لئے اپنے مکان پر قیام کرنے کا فیصلہ کیا، آپ نے ضروری سامان اتار کر ایک مکان کرائے پر لیا اور جامع مسجد کے قریب قیام فرمایا۔ (۲)

برہنہ غسل کی روک تھام

مخہ میں رواج تھا کہ لوگ بے تکلف حوض، تالاب وغیرہ میں برہنہ غسل کرتے تھے، آپ کو یہ بات بہت ناپسند آئی، بنگالے کے مولوی امام الدین نے ایک دن حوض میں تہہ بند باندھ کر غسل کیا، دو آدمیوں نے ان کو پکڑ لیا اور قاضی صاحب کے پاس لے گئے، اور کہا "یہ شخص تہہ بند باندھ کر نہاتا ہے، اس نے ہمارے حوض کو نجس کر دیا" اور خواہش کی کہ ان کو سزا دی جائے، قاضی صاحب نے پورا واقعہ سنا، ان دونوں شخصوں سے بہت ناراض ہوئے اور مولوی صاحب کو رخصت کیا، انہوں نے آ کر حضرت کو سارا ماجرا سنایا۔ (۳)

ایک دن مولوی عبدالحق صاحب نے آپ سے عرض کیا کہ قاضی محمد بن علی شوکانی محدث یمن نے ایک رسالہ موضوعات حدیث میں تصنیف کیا ہے، اگر وہ رسالہ ہاتھ آجائے تو بڑا فائدہ ہو، آپ نے فرمایا کہ مولانا عبدالحی صاحب سے کہئے کہ وہ اس کا کچھ انتظام کریں، مولانا ممدوح مخہ کے قاضی صاحب کے پاس گئے اور یہ خواہش ظاہر کی، قاضی صاحب نے

---

(۱) "وقائع احمدی" ص ۱۱۱۹ (۲) ایضاً ص ۱۱۱۷ (۳) "وقائع احمدی" بروایات مختلفہ ص ۱۱۱۸

فرمایا کہ ''آپ ایک خط لکھ کر مجھے دے دیجئے، میں وہ خط صنعاء بھیج کر رسالہ منگوا کر اپنے پاس رکھ لوں گا اور واپسی میں آپ کو دے دوں گا'' مولانا عبدالحی صاحب نے علامہ شوکانی کے نام عربی میں ایک مفصل اور پُر زور خط لکھا، جس میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فضل وکمال اور ان کے خاندان کی علمی خصوصیات اور دینی خدمات کا تعارف کرایا اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے تلمذ کا تعلق اور سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا اور جب یہ خط لکھ کر قاضی صاحب کے پاس لے جانے لگے تو سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ''مولانا آپ قاضی صاحب کے پاس جارہے ہیں، ذرا برہنہ غسل کی روک تھام کا بھی انتظام کرتے آیئے گا'' مولانا نے قاضی صاحب کو خط پڑھ کر سنایا، قاضی صاحب بہت خوش ہوئے، اور آپ کے علم اور تبحر کی تعریف کی اور خط لے کر صنعاء روانہ کر دیا۔ (۱)

اس سے فرصت پا کر مولانا نے قاضی صاحب سے فرمایا کہ ''ہم نے اس شہر میں ایک عجیب رسم دیکھی کہ مسلمان اہل علم وفضل غسل کرتے وقت برہنہ ہو جاتے ہیں، چونکہ دین کی ابتدا عرب سے ہے اور متقدمین اور سلف کے رسوم ہمارے لئے سند کا حکم رکھتے ہیں، یہ خلاف شرع وحیا عمل ہے، جس پر وعید وارد ہے، ایسی جگہ کیسے ہو سکتی ہے؟'' قاضی صاحب نے فرمایا کہ ''لوگ بے غیرت ہیں، جرمانے اور سزا کے باوجود اس سے باز نہیں آتے، یہ ہمارے بس کی بات نہیں، آپ ہمارے ساتھ حاکم شہر کے پاس چلئے'' مولانا قاضی صاحب کے ہمراہ حاکم کے پاس گئے، حاکم نے قاضی صاحب کی درخواست پر چند سپاہی مقرر کر دیئے کہ جب تک سید صاحبؒ کے قافلے کا قیام رہے، کوئی برہنہ غسل نہ کرنے پائے (۲)۔

وحدت وجود پر گفتگو کرنے کی ممانعت

مولوی عبدالرحمٰن صاحب صوفی کے مرید مولوی محمد یوسف لکھنوی بھی مکہ میں اترے ہوئے تھے، وہ اکثر جہاں کہیں بیٹھتے، لوگوں کو وحدت وجود کے مسائل کی تعلیم وتلقین کرتے تھے، ایک روز مولوی یوسف اور قافلے کے لوگوں سے وحدت وجود پر مباحثہ ہو رہا تھا، آپ

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ۱۱۲۱ (۲) ''مخزن احمدی'' ص ۸۹

تشریف لے آئے، مولانا عبدالحی صاحب بھی آپ کے ساتھ تھے، ان کی تقریر سن کر مولانا نے ہر چند علمی تقریر سے ان کو سمجھایا، مگر وہ کچھ نہ سمجھے، اسی طرح سید صاحبؒ نے بھی ان کو خوب معقول کیا، مگر وہ اپنے ہی اصرار پر رہے، آپ کو غصہ آیا، چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا اور آپ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور ان کی طرف طمانچہ اٹھایا مگر یاد نہیں، مارا یا نہیں، لوگوں نے جلدی سے مولوی یوسف کو وہاں سے اٹھا کر حویلی کے باہر نکال دیا، آپ نے سب ہمراہیوں سے فرمایا کہ کوئی اس شخص سے ملاقات نہ کرے اور ان کی بات نہ سنے۔ (۱)

حدیدہ

ایک مہینے کے بعد جہاز نے لنگر اٹھایا اور مخہ سے روانہ ہو کر بندرگاہ حدیدہ پہنچا، آپ کے معتقدین میں سے ایک ہندی سید وہاں مقیم اور آپ کی تشریف آوری کے منتظر تھے، وہ کشتی میں سوار ہو کر جہاز پر آئے، آپ نے ان کے حال پر بڑی عنایت فرمائی اور ایک ولایتی تلوار اور ایک دونالی بندوق اور سپر عنایت کی، سید موصوف نے کھانے کی دعوت کی، دوسرے روز آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور دو وقت کھانا تناول فرما کر واپس تشریف لائے اور جہاز نے لنگر اٹھایا۔ (۲)

احرام

چوتھے روز فجر کے وقت معلم نے اطلاع دی کہ آج عصر کی نماز یلملم کے مقابل پہنچ کر ہوگی، جب میقات آیا تو آپ نے غسل مسنون فرمایا، رفقاء نے آپ کو غسل دیا اور بشارتوں سے ممتاز ہوئے۔

غسل کر کے آپ نے احرام باندھا اور دو رکعتیں پڑھ کر تلبیہ (۳) کیا اور بڑی گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی (۴)

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۱۱۲۴ (۲) ''وقائع احمدی'' ص: ۱۱۲۴ (۳) لبيك اللهم لبيك لاشريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك (حاضر ہوں، اے اللہ حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، حاضر ہوں، سب تعریف، سارا احسان تیرا ہی ہے، اور سلطنت تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں) (۴) ''وقائع احمدی'' ص ۱۱۲۵۔

جدہ

۲۳/شعبان چہارشنبہ کے روز آپ جدے(۱) پہنچے، کچھ ہمراہی جدّے میں آپ کے منتظر تھے، اور بعض مکہ معظّمہ روانہ ہو چکے تھے، نواب محمود نواز خاں اور سلطان حسین خاں دونوں بھائی جو امرائے حیدرآباد میں سے تھے اور ایک سال پہلے سے حج کے لئے آئے ہوئے تھے، آپ کی تشریف آوری کے مشتاق تھے، وہ اور مُطَوِّف محمد رئیس آپ کی تشریف آوری کو سن کر مکہ معظّمہ سے جدّے آئے، معلم صاحب نے آپ کے ماموں حضرت شاہ ابواللیث ابن حضرت شاہ ابوسعید کی سند پیش کی اور عرض کیا کہ ''میں آپ کے خاندان کا مطوّف ہوں، آپ کا تمام قافلہ مجھ ہی سے تعلق رکھتا ہے'' آپ نے منظور فرمایا(۲)۔

جدے میں اتر کر آپ نے دوسرے جہازوں کے مسافروں کا حال احوال دریافت کیا اور مصارف کو پوچھا، سب نے عرض کی کہ ''جو کچھ روپیہ آپ نے عنایت فرمایا تھا، وہ صرف میں آ گیا اور اس کے علاوہ اکیس سو روپے اور خرچ ہوئے، اور اس کی فرد دکھائی، آپ نے دیکھ کر مولوی یوسف صاحب سے فرمایا کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے، الحمدللہ کہ اس کے بندوں کے صرف میں آیا، آپ اکیس سو روپئے ان کو دے دیں(۳)''۔

پانچ روز جدے میں قیام فرمایا(۴)، ۲۷/شعبان یک شنبہ کو جدے سے مکہ معظّمہ روانہ ہوئے(۵)، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو محصول کا تصفیہ کرنے کے لئے چھوڑ دیا(۶)۔

حدیبیہ میں

راستے میں کچھ دیر کے لئے آپ حدیبیہ میں ٹھہرے اور وہاں تمام رفقاء کے ساتھ بہت تضرع وزاری سے دعا فرمائی اور ساتھیوں سے بیعت جہاد لی(۷)

---

(۱) یادداشت قلمی۔ (۲) ''وقائع احمدی'' ص ۱۱۲۷

(۳) ایضاً ص ۱۱۲۷ (۴) ''مخزن احمدی'' ص ۹۰

(۵) یادداشت قلمی (۶) ''وقائع احمدی'' ص ۱۱۳۰

(۷) ''مخزن احمدی'' ص ۱۱۷، آج کل اس کو شمیسیہ کہتے ہیں۔

سرزمین حجاز میں

داخلہ

۲۹؍شعبان ۱۲۳۷ھ کو آپ کچھ دن چڑھے مکہ معظمہ کے قریب پہنچے(۱)، رفقاء جو پہلے سے مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے، آب زمزم سے بھرے ہوئے لوٹے اور صراحیاں لئے استقبال کو موجود تھے، تمام قافلہ زمزم سے سیراب ہوا، اس کے بعد مقام ذی طویٰ میں جو مکہ معظمہ کی آبادی سے متصل ہے، پہنچ کر غسل کیا، سید زین العابدین وغیرہ کو زنانی سواری کے ساتھ روانہ کر دیا اور مولانا عبدالحی صاحب سے پوچھ کر مکہ معظمہ کی بالائی جانب سے جو جنت المعلیٰ کے شمالی سمت ہے، مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔

مکہ معظمہ میں داخل ہوتے وقت ہر شخص پر گریہ طاری تھا، باب السلام سے داخل ہوئے، طواف کے بعد مقام ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز پڑھی اور بڑے تضرع کے ساتھ دعا کر کے چاہ زمزم پر جا کر زمزم پیا اور غسل کیا اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ باب الصفا سے سعی کے لئے تشریف لے گئے، سعی کے بعد سر کے بال منڈائے اور احرام سے باہر ہو گئے۔

باب عمرہ کے قریب میاں زین العابدین نے حویلی کرائے پر لی تھی، اس میں آپ کا قیام تھا، دوسرے روز رمضان المبارک کا چاند دیکھا گیا۔(۲)

---

(۱) یادداشت قلمی ''مخزن احمدی'' میں مکہ معظمہ کے داخلے کی تاریخ ۲۸؍شعبان ہے۔

(۲) ''وقائع احمدی'' ص ۱۱۳۷، قلمی یادداشت میں تصریح ہے کہ چاند تیس کا تھا۔

دن رات کے معمولات

روزانہ دن کو مکے کے علماء وفضلاء ومشائخ کی آپ کے پاس عصر تک نشست رہتی، عصر کی اذان کے بعد آپ نماز پڑھنے کو حرم شریف جاتے، عصر سے مغرب تک آپ حرم میں تشریف رکھتے تھے، وہاں آپ کے پاس لوگوں کا مجمع رہتا تھا، افطار کے بعد طواف کرکے قیام گاہ پر واپس تشریف لاتے، حرم میں چونکہ تراویح کی نماز میں بڑا ہجوم ہوتا تھا، اور بڑا شور وشغب ہوتا تھا، آپ نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ اس شور وشغب میں اطمینان قلب اور نماز کا لطف نہیں آتا، مشورے سے یہ طے پایا کہ جب تک حرم میں لوگ تراویح پڑھیں گے، تب تک آپؒ یہاں کے لوگوں کا قرآن سنیں (۱)، شور بند ہوجانے کے بعد مطاف میں اپنی جماعت کی جائے، چنانچہ سکون ہونے کے بعد آپ کے ماموں زاد بھائی حافظ سید محمد بن شاہ ابواللیث بن حضرت سید شاہ ابوسعید روز دو پارے تراویح میں سناتے تھے (۲)۔

تراویح کے بعد آپ کرائے کا جانور لے کر سوار ہوکر تنعیم تک جاتے اور عمرے کا احرام باندھ کر واپس آکر طواف وسعی وحلق سے فراغت کرتے، اگر رات زیادہ ہوتی تو طواف وسعی کرکے سحر کا کھانا کھاتے، اگر کم ہوتی تو طواف کرکے کھانا کھالیتے، پھر سعی کرتے۔

نماز فجر کے بعد بھی طواف کرکے اشراق پڑھ کر قیام گاہ پر تشریف لاتے۔

آپ کی قیام گاہ کے قریب ایک مینار تھا، جب زوال کے وقت مذکر تذکیر کرتا، آپ قیلولے سے بیدار ہوتے، ضروریات سے فارغ ہوکر وضو کرتے اور حرم آجاتے (۳)۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی تشریف آوری

ایک ہفتے کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب محصول وغیرہ کے معاملات سے فرصت کرکے جدہ سے مکہ معظمّہ آگئے اور اپنے ساتھ کچھ غلہ بھی لائے (۴)، ۲۰ رمضان المبارک اور اکیسویں شب سے آپ نے اعتکاف فرمایا، شوال کا چاند دیکھ کر نماز مغرب پڑھ کر آپ قیام گاہ تشریف لائے (۵)

---

(۱) ''وقائع احمدی'' ص ۱۱۴۰، ۱۱۴۱ (۲) ایضاً ص ۱۱۴۱ (۳) ایضاً ص ۱۱۴۶ (۴) ''مخزن احمدی'' ص ۹۲ (۵) ''وقائع''

عیداور عمائد مکہ کی ملاقات

عید کے روز مکہ معظّمہ کے علماء اور صلحاء سید صاحبؒ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے، محدث شیخ عمر بن عبدالرسول حنفی، جو ایک مشہور عالم اور باخدا بزرگ تھے، اور عرب میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے، سید صاحبؒ نے پانچ ریال ہدیہ خدمت کئے، آپ نے کچھ معذرت کی، اس کے بعد قبول کرلیا، شیخ عمر نے اس سے پہلے سلطان ترکی کا ہدیہ قبول نہیں کیا تھا اور اشرفیوں سے لدا ہوا اونٹ واپس کردیا تھا اور کہا تھا کہ ''اس کی ضرورت نہیں، ہم نے سلطان کی طرف سے حج کرلیا ہے'' سید صاحبؒ کا ہدیہ قبول کرلینے سے رؤسائے مکہ کو بڑا تعجب ہوا(۱)۔

عید کے دن بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، بیعت کرنے والوں میں حنفی مصلے کے امام شیخ مصطفیٰ، خواجہ آغا الماس ہندی اور بعض دوسرے خواجہ سرا شیخ شمس الدین شرطا، احمد پاشا سلطان مصر کے نائب شیخ حسن آفندی جیسے فضلاء اور عمائد تھے، بلغار کے ایک بزرگ جن کے پاس بلغار کے مطبع کا چھپا ہوا ایک قرآن مجید بھی تھا اور اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، بیعت وخلافت سے مشرف ہوئے، علمائے مکہ میں سے شیخ عبداللہ سرّاج اور دوسرے علماء بھی حاضر خدمت ہوا کرتے تھے، مغربی قافلے کے ایک بزرگ جو سلطان مغرب کے وزراء میں سے تھے، نام غالباً سید محمد تھا اور صحیح بخاری مع قسطلانی ان کو حفظ تھی، نیز شیخ حمزہ محدث، شیخ احمد بن ادریس، محمد علی ہندی، ملا بخاری، شافعی مصلے کے امام شیخ صالح شافعی، حنفی مفتی وواعظ شیخ علی سے برابر ملاقات ہوتی رہتی، لوگ کہتے تھے کہ مکہ مرجع عالم ہے، یہاں ہر صفت اور ہر کمال کے لوگ آتے ہیں، لیکن جو رجوع عام اور انجذاب و کشش سید صاحبؒ کی طرف ہے، وہ کسی کی طرف دیکھی نہیں گئی (۲)۔

''صراط مستقیم'' کا عربی ترجمہ

شیخ حسن آفندی کی خاطر مولانا عبدالحی اور مولانا محمد اسمٰعیلؒ نے ''صراط مستقیم'' کا عربی میں ترجمہ کیا، جس کی نقلیں ان علماء نے بھی لیں، جو داخل بیعت ہوئے تھے۔ (۳)

---

(۱) ایضاً ص ۱۱۴۷، ۱۱۴۸ (۲) ''منظورہ'' (۳) اس ترجمے کا قلمی نسخہ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں مرحوم کے کتب خانہ ٹونک میں موجود تھا، راقم السطور کی نظر سے گزرا ہے۔

جاوی حجاج کی بیعت

جاوا کے تین شخصوں نے عرض کیا کہ "ہم آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر بیعت ہو چکے ہیں، اب بلا واسطہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں" انہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، آپ نے ان کا کھانا اپنے ساتھ مقرر کر دیا، ان کے لئے دعائے خیر فرمائی اور اپنے بدن کے کپڑے ان کو عنایت فرما کر رخصت کیا، کسی کو کرتا عطا فرمایا، کسی کو ٹوپی، کسی کو عمامہ اور کسی کو دونوں عطا ہوئے، خلافت نامہ دے کر ان کو رخصت کیا اور ان کے واسطے دعا کی، اور فرمایا کہ "جہاں کہیں تم کو مسلمان بھائی ملیں، ان کو خوب تعلیم و تلقین کرنا" وہ کہنے لگے کہ "جس طرح حضرت نے ہمارے واسطے دعا کی ہے، ہم نے اس طرح دعا کرتے ہوئے نہ کسی کو دیکھا نہ سنا اور نہ ایسے الفاظ ہم نے کبھی پڑھے، حضرت نے ہمارے واسطے اور مخلوق کے واسطے کیا اچھی دعا کی" پھر وہ مصافحہ کر کے رخصت ہوئے (۱)۔

مناسکِ حج

یوم الترویہ ۸؍ ذی الحجہ ۱۲۳۷ھ کو آپ نے اپنے رفقاء کے ساتھ حطیم میں بڑے تضرع والحاح وزاری کے ساتھ طویل دعا فرمائی، تمام حاضرین پر عجیب کیفیت ورقت طاری ہوئی، سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، مکہ معظّمہ سے روانہ ہو کر منیٰ میں مسجد خیف کی مشرقی جانب چھوٹی مسجد کے متصل آپ کا خیمہ استادہ تھا، اس رات کو آپ نے بعض دوسرے علماء اور رؤسائے مکہ کے ساتھ وہیں رات گزاری، صبح عرفات روانہ ہوئے، عرفات میں زوال کے وقت امام کے پیچھے ظہر و عصر کی نماز پڑھ کر اپنے خیمے میں آ کر دعا وزاری میں مشغول ہو گئے۔

اسی اثناء میں پھلت کے بعض شرفاء اور دوسرے رفقاء نے از سر نو طریقۂ محمدیہ میں بیعت کی (۲)، عرفات کی دعاؤں میں آپ کی ایک دعا یہ بھی تھی کہ "الٰہی اس قافلے میں سے جس کو تو نے محض اپنے فضل سے حج کی دولت نصیب فرمائی ہے، کوئی حاجی کے لقب سے مشہور نہ ہو (۳)"

(۱) "وقائع احمدی" ص ۱۱۶۰-۱۱۶۲ (۲) "منظورہ" (۳) "مخزن احمدی" ص ۹۷، مولوی سید محمد علی صاحب "مخزن" لکھتے ہیں کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی، آج بیس سال سے کچھ اوپر سال ہو چکے ہیں، ابھی تک (باقی اگلے صفحہ پر)

غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کی طرف کوچ ہوا، رات مزدلفے میں گزری، نماز فجر کے بعد منیٰ کو روانگی ہوئی، منیٰ میں داخل ہو کر جمرۂ عقبہ سے فراغت کے بعد بڑی دیر تک بڑے الحاح وزاری کے ساتھ دعا کی اور قربانی کرنے کے بعد سر کے بال منڈائے، آپ نے قربانی کے لئے سو بکریوں سے زیادہ خریدی تھیں، لوگوں نے آکر ادائے حج کی مبارک بادپیش کی، آپ نے قبولیت حج کی دعا دی، عصر کی نماز کے بعد رفقاء کی ایک جماعت کے ساتھ طواف زیارت کے لئے مکہ معظّمہ روانہ ہوئے، نہر پر پہنچ کر غسل فرمایا، احرام اتارا اور دوسرا جوڑا زیب تن کیا، طواف سعی صفا و مروہ اور طواف کی دو رکعتیں پڑھ کر منیٰ واپس تشریف لائے (۱)۔

عقبہ میں بیعت جہاد

منیٰ میں عقبہ (۲) میں آپ نے اپنے ساتھیوں سے جہاد کی بیعت لی، یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کے بعد تین ۳ روز منیٰ میں قیام فرمایا اور ہر روز منیٰ میں قربانی کی، ۱۳ ذی الحجہ کو رمی جمار کے بعد دعائیں کر کے اور نماز عصر پڑھ کر مکہ معظّمہ روانہ ہوئے۔

غرّہ محرم سے آپ نے محمد سعید عرب کی حویلی حجاز کے معمول کے مطابق ایک سال کے لئے کرائے پر لے لی اور وہاں قیام فرمایا۔ (۳)

رمضان مبارک سے ۵ صفر تک پانچ مہینے آپ نے مکۂ معظّمہ میں قیام فرمایا۔

سفر مدینہ

جب مدینہ منورہ کے سفر کا قصد ہوا تو آپ نے قافلے میں سے کمزور اور معذور اشخاص کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے سپرد کیا، ان معذورین میں حافظ معین الدین پھلتی، جو بیمار تھے، مولوی وحید الدین، ان کے صاحبزادے میاں سعد الدین، مولوی امام الدین بنگالی، اور میاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس قافلے کا کوئی فرد حاجی کے لقب سے مشہور نہیں ہوا، غالباً سید صاحبؒ نے اہتمام کے ساتھ یہ دعا اس لئے فرمائی کہ حج ایک رکن دین اور فریضہ ہے جس طرح نماز پڑھنے والا ''نمازی'' اور زکوۃ دینے والا ''زکوتی'' اور روزہ دار'' صائم'' یا روزے دار کے لقب سے مشہور نہیں ہوتا، اسی طرح حج کا فریضہ ادا کرنے والا ''حاجی'' کے لقب سے مشہور کیوں ہو؟۔ (۱) ''منظورہ''۔ (۲) عقبہ وہ مقام ہے جہاں سن ۱۰ نبوی میں چھ یا آٹھ انصاریوں نے اسلام قبول کیا، جن کی وجہ سے اسلام مدینے میں گھر گھر پہنچا، دوسرے سال مدینے کے بارہ اشخاص نے اسی مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اگلے سال بہتّر اشخاص نے آکر بیعت کی، یہ دونوں بیعتیں بیعتِ عقبۂ اولیٰ و عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ (۳) ''منظورہ''

دین محمد وغیرہ تھے۔(۱)

آپ نے سفر کے لئے محمد رئیس معلم اور شیخ الجمّالین کے ذریعے پچاس پچاس اونٹ اور مولوی سید محمد علی کی روایت کے مطابق احمد پاشا حاکم مکہ کے ذریعہ ۱۲۰ اونٹ کرائے پر لئے، پچھتر اونٹ سلطان حسین خاں اور محمود نواز خاں حیدر آبادی نے کرایہ کئے، چند اونٹ پانی لے جانے کے لئے متعین کئے۔(۲)

اہل حرم کا احترام

آپ نے معلم، جمّالوں اور دوسرے آدمیوں سے فرمایا کہ "ہتھیار لے چلنے چاہئیں یا یہاں چھوڑ دینے چاہئیں؟" اکثر آدمیوں نے عرض کیا کہ "ہتھیار لے چلنا ہی قرین مصلحت ہے، اس لئے کہ آپ کے قافلے کی دور دور تک شہرت ہو چکی ہے، اور اس کی دولت مندی اور خوشحالی کا سب کو علم ہے، اگر قزاقوں کو اس کا بھی علم ہو گیا کہ قافلہ نہتا ہے، تو وہ خواہ مخواہ دست اندازی کریں گے، لیکن اگر ان کو یہ معلوم ہوا کہ قافلہ مسلح جاتا ہے تو ان کو اہل قافلہ کی شجاعت اور دلیری کا علم ہے، وہ مقابلے کا حوصلہ نہ کر سکیں گے"۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ہم اتنا طول طویل سفر طے کر کے زیارتِ حرمین کے لئے اس متبرک مقام پر پہنچے ہیں، ہمارے نزدیک یہاں کے خاص وعام شہری و بدوی سب واجب التعظیم ہیں، ہمارے لئے ان سے مقابلہ کرنا ہرگز روا نہیں"۔

یہ کہہ کر آپ نے چاقو بھی کمر سے کھول کر زمین پر ڈال دیا اور فرمایا کہ "مسلمانوں کے خیال سے ہم نے یہ چاقو بھی رکھ دیا ہے، اگر کوئی ہم پر حملہ آور ہو گا تو ہم سارا سامان اس کے سامنے ڈال دیں گے، اللہ دینے والا ہے، وہ ہم کو پھر عطا کرے گا"۔

یہ سن کر تمام اہل قافلہ نے اپنے ہتھیار نکال کر مکان کے حجرے میں مقفل کر دیئے اور اسی طرح خالی ہاتھ مدینۂ منورہ چل کھڑے ہوئے (۳)

دوشنبہ ۵ صفر کو مکۂ معظّمہ سے روانہ ہوئے (۴)، میدان طُویٰ میں آپ نے قیام فرمایا،

(۱) قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحبؒ کی مدینۂ طیبہ سے مراجعت کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب مدینۂ طیبہ روانہ ہوئے، یادداشت میں ان کی روانگی مدینہ کی تاریخ ۱۶ ر جمادی الاولیٰ چہارشنبہ درج ہے۔

(۲) "منظورۃ السعداء" (۳) ایضاً (۴) یادداشت سفر حج قلمی

وہاں سے عصر کے وقت کوچ کر کے وادی فاطمہ اور وہاں سے خلیص پر قیام فرمایا اور نماز جمعہ ادا فرمائی(۱)۔

چھیڑ چھاڑ

رابغ میں شتر بانوں نے سہارن پور کے لوگوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی اور ان کو مار پیٹ کی، کسی نے سید صاحبؒ سے جا کر عرض کیا کہ بدوؤں نے مولوی وحید الدین سہارن پوری پر تلوار سے حملہ کیا، آپ نے امام خاں خیر آبادی اور محسن خاں بریلوی کو اشارہ فرمایا کہ تحقیق کریں، پیچھے سے آپ نے امام خاں کے بھائی ابراہیم خاں کو بھیجا، سید عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھے بھی حکم ہوا کہ خبر لاؤ، میرے ہاتھ میں چھڑی تھی، میں دوڑتا ہوا پہنچا، ایک پتھر میرے ہاتھ پر اتنے زور سے پڑا کہ میں نے چھڑی دوسرے ہاتھ میں لے لی، دوسرا پتھر دوسرے ہاتھ پر ایسا لگا کہ چھڑی ہاتھ سے گر گئی اور میں نے زمین سے اٹھالی، یہ دیکھ کر میرے بڑے بھائی سید احمد علی دوڑے آئے، ایک پتھر ان کے بھی لگا، شیخ الطاف حسین دوڑے، انہوں نے بھی سر پر پتھر کا زخم کھایا، قافلے کے اکثر لوگ زخمی ہوئے، خود سید صاحبؒ کے سینے پر بھی ایک دو پتھر لگے، آپ نے بلند آواز کے ساتھ اپنے قافلے کو بدوؤں کو مارنے سے روکا، اس وجہ سے اکثر اہل قافلہ مجروح ہوئے اور کسی بدو کو ذرا بھی چوٹ نہ آئی۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ قافلے کے اکثر لوگ زخمی ہو گئے تو انہوں نے کھجور کی ٹہنیاں لے کر حملہ کیا، بدوؤں کو سخت چوٹیں آئیں اور وہ پسپا ہو کر پہاڑ پر بھاگ گئے، تھوڑی دیر کے بعد ان سب نے بندوق کے فتیلے روشن کئے اور کمر میں جنبیاں باندھ کر جنگ کے لئے آمادہ ہوئے، سید صاحبؒ نے ”حزب البحر“ پڑھ کر دعا فرمائی اور آدھے قافلے نے کوچ کیا، اس وقت ایک دوسرا شیخ الجمالین اپنے ماتحتوں کے ساتھ مسلح ہو کر سید صاحبؒ کے قافلے کو اپنے پیچھے لے کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ یہ حال دیکھ کر اور خود اپنے آدھے گروہ کو قافلے کی حمایت پر آمادہ پا کر عورتوں اور بچوں نے شور وغوغا بلند کیا اور اپنی سختی کو بھول گئے، شیخ الجمالین نے کہا کہ ”میں نے اپنی آنکھوں

---

(۱) ”منظورہ“

سے دیکھا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے سب ہتھیار مکہ معظّمہ میں چھوڑ دیئے اور زیارت کے لئے یوں ہی خالی ہاتھ مکے سے چل کھڑے ہوئے، اگر ان کے پاس ہتھیار ہوتے تو تم کو اشاروں میں عدم کا راستہ دکھاتے، یہ لوگ چونکہ محض راہ خدا میں نکلے ہیں، میں اس للّٰہی گروہ کا للّٰہ فی اللہ مددگار ہوں، دوسرے شیخ الجمالین نے جو مخالف تھا، یہ دیکھ کر اپنے حمایتیوں کو اینٹ پتھر پھینکنے سے منع کر دیا، ان لوگوں نے چاہا کہ اپنے اونٹ لے کر اپنے گھر کا راستہ لیں اور ساتھ چھوڑ دیں، مگر ایک دوسرے کے سمجھانے سے یہ طے ہوا کہ دونوں فریقوں کے زخمی سوار ہو جائیں اور وادی صفرا میں پہنچ کر جہاں رئیس الجمالین رہتا ہے اس کے سامنے اس قضیے کا فیصلہ ہو، وادی صفراء میں پہنچ کر رئیس الجمالین کو سب واقعہ سنایا گیا، رئیس الجمالین بڑے اشتیاق کے ساتھ ایک جماعت لے کر سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، شتر بانوں کی شرارت کا حال سن کر ان کو ملامت کی اور برطرف کیا اور دوسرے شتر بانوں کو ان کے اونٹوں کے ساتھ قافلے کی خدمت کے لئے متعین کیا، ان شتر بانوں میں سے ہر ایک خدمت گزار، فرمانبردار، نیک سیرت اور نرم خو تھا، اہل قافلہ کی ایک آواز پر یہ لوگ دوڑتے تھے اور کسی خدمت سے عذر نہ تھا، بقیہ سفر بڑی راحت و آرام اور محبت و ہمدردی کے ساتھ طے ہوا، جب ان جمالوں کی رخصت کا وقت آیا تو ہر ایک کو دوسرے کی جدائی کا رنج تھا۔(۱)

وادی صفرا سے روانہ ہو کر وادی خیف میں مقام ہوا، وہاں سے چل کر راستے میں ایک جگہ سید صاحبؒ اٹھ کر بیٹھ گئے اور ہمراہیوں کو آواز دی، آپ نے فرمایا کہ "قافلہ ٹھہر جائے، یہ زمین برکت و رحمت کی جگہ معلوم ہوتی ہے کہ ابھی تک عرب کی سرزمین میں ایسی جگہ نہیں دیکھی گئی" آپ نے وہاں دعا و التجا کی اور بدوؤں سے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے، انہوں نے کہا کہ اتنا سنا ہے کہ یہاں بہت شہداء دفن ہیں۔(۲)

بدوؤں کی دوبارہ شرارت

راستے میں کچھ دن چڑھے قافلے میں کسی نے آواز دی کہ عظیم خاں اور چند آدمی کنویں پر برتن لے کر گئے تھے، قزاقوں نے ان سے زبردستی لے لئے، آپ نے جمالوں کو حکم

(۱) "منظورہ" (۲) ایضاً

دیا، وہ ان سے برتن واپس لے آئے، صرف ایک برتن واپس نہ ملا، عصر کے وقت اطلاع ملی کی
ستر اونٹوں پر دو دو آدمی فتیلے جلائے ہوئے حملہ کرنے کے لئے آ رہے ہیں، اس سے قافلے میں
بڑی تشویش پیدا ہوئی اس طرف کے جمال اپنے ہتھیار لے کر جست لگاتے لگاتے تحقیق کے
لئے چلے، آپ بھی سواری سے اتر آئے اور قافلے کو بھی اتر جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ "سب
بھائی اپنے ہاتھ میں پتھر لے کر اپنے سامان کے گرد کھڑے ہو جائیں اور چار جماعتیں ہو
کر اونٹوں کے آگے پیچھے، دائیں بائیں رہیں اور پتھر اپنے سامنے رکھ کر مقابلہ کریں اور اللہ
تعالیٰ سے عجز و زاری کے ساتھ نصرت کی دعا کریں" رئیس الجمالین بندوقیں اور جنبیاں لے کر
مقابل ہوا، بدو پہلی بار پسپا ہوئے، اتنی دیر میں قافلے کی عورتوں نے نماز سے فرصت کر لی، اس
کے بعد مردوں نے نماز پڑھی، جب قزاقوں کے قافلے سے رئیس الجمالین کا آمنا سامنا ہوا
تو ایک نے دوسرے کو پہچانا، ایک دوسرے سے ملے اور خیر و عافیت دریافت کی، جمالوں نے
سردار سے کہا کہ "ہمارے قافلے میں بجز کھانے پہننے کی ضروری چیزوں کے کوئی سامان نہیں ہے
جس کو لے کر تم خوش ہو اور اس قافلے کو احمد پاشا نائب سلطان نے اپنی ضمانت پر میرے سپرد کیا
ہے، اگر آپ اس کو چھوڑ دیں گے مجھ پر احسان کریں گے" یہ سن کر قزاق اپنے راستے چلے گئے
اور قافلے نے بخیر و عافیت وہاں سے کوچ کیا۔(۱)

زیارتِ نبویؐ

مدینۂ منورہ پہنچنے سے دو رات پہلے آپ کی طبیعت سخت ناساز ہوگئی، بخار اور درد سر
کی شدت تھی، رات کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی کرم اللہ
وجہہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما تشریف لائے ہیں، ہر ایک
نے آپ کے سینے پر ہاتھ رکھا اور تسلی و تشفی اور مختلف بشارتیں دیں۔

بہتر از صحت است آں مرضم کہ تو بہر عیاد تم آئی
دارم امید بستہ آں بہتر کہ تو از دستِ خویش بکشائی

---

(۱) ایضاً

اے خوش آں گمرہی راہ روی	کہ تو آئی وراہ بنمائی
طرفہ آں تشنگی کہ سیرابم	توزِ لطف و کرم بہ فرمائی

اے علی، شہر دوست نزدیک است
چوں نگر دی در و تماشائی (۱)

مدینۂ طیبہ کا داخلہ

شفق کے ڈوبنے کے وقت قافلہ ذوالحُلیفہ پہنچا، وہاں سے چل کر ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے روضۂ منورہ نظر آتا تھا، ہر ایک پر محبت واشتیاق کا غلبہ تھا، درود وقصائد مدحیہ اور اشعار نعتیہ زبان پر تھے، رات کے پچھلے پہر مدینہ طیبہ کے حدود میں داخل ہوئے، کچھ دیر مقام مناخہ میں آرام کیا پھر غسل کیا، کپڑے بدلے اور جب مدینہ طیبہ کی فصیل کا دروازہ کھلا اور مصطفیٰ داغستانی معلم، جن کو محمد رئیس معلم نے آپ کے آنے کی اطلاع کر دی تھی، آئے تو آپ ان کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے، اور باب السلام سے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے صبح کی نماز اشراق سے فارغ ہو کر روضۂ منورہ کی زیارت کی اور سید سمہودی مصنف کتاب ''وفاء الوفاء فی اخبار دار المصطفیٰ'' کے مکان میں باب الرحمۃ کے قریب قیام کیا (۲)، دوسرے رفقاء کرائے کے دوسرے مکانوں میں ٹھہرے، مزاج کی ناسازی اور علالت کے باوجود ہر نماز کے وقت مسجد نبوی میں حاضر ہوتے۔ (۳)

محفل میلاد کی شرکت سے معذرت

۱۲/ ربیع الاول کو علماء ورؤسائے شہر مسجد میں جمع ہوئے اور سید صاحبؒ کو بھی اس مجلس میں شرکت کی دعوت دی، ایک شخص نے آ کر کہا کہ'' آج ربیع الاول کی مجلس ہے، فلاں فلاں شرفاء اور رؤساء آپ کو شرکت کی دعوت دیتے ہیں'' آپ آرام فرما رہے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ ''ان سے فرمایئے کہ اگر اس مجلس کا انعقاد محض لہو ولعب کے لئے ہے تو ہم کو

---

(۱) ''مخزن احمدی'' ص ۱۰۳، ۱۰۴ (۲) یہ مکان باب جبرئیل کا وہ مکان نہیں ہے، جس میں حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی تھی، یہ باب الرحمۃ پر تھا اور مسجد نبوی کی حالیہ توسیع کے موقع پر منہدم ہو کر مسجد میں شامل ہوا۔ (۳) ''منظورہ''

شرکت سے معذور رکھیں اور اگر عبادت کی نیت سے ہے تو اس کو کتاب وسنت سے ثابت کر دیں، اس لئے کہ ہم لوگ عبادت اور کار ثواب ہی کے لئے اپنے گھروں سے آئے ہیں، اگر ثابت ہو جائے گا تو میں بسر وچشم حاضر ہو جاؤں گا، ورنہ ہم کو اس سے کچھ تعلق نہیں" مولانا عبدالحی صاحب نے یہ مضمون اچھی طرح سمجھا دیا قاصد نے جا کر یہ مضمون اہل مجلس کو پہنچا دیا، حاضرین سن کر خاموش ہو گئے۔(۱)

بیت المقدس جانے کی نیت اور فسخ عزیمت

مدینہ طیبہ کے قیام کے زمانے میں آپ نے بیت المقدس جانے اور وہاں سے عمرے کا احرام باندھ کر آنے کا ارادہ کیا اور چالیس آدمیوں کو اپنی ہمراہی کے لئے انتخاب فرمایا، قافلے میں یہ خبر مشہور ہوئی، اخوند محمد عظیم چند آدمیوں کے ساتھ آئے اور عرض کیا کہ "بیت المقدس جانا فرائض وواجبات میں سے نہیں ہے، ہمارا حال یہ ہے کہ آپ کو دیکھ کر ہم اپنی تکلیفیں بھول جاتے ہیں، آپ کی غیر موجودگی میں قافلے میں سخت انتشار وتکلیف ہوگی" آپ نے یہ سن کر بیت المقدس کی عزیمت فسخ کر دی اور قافلے میں وعظ فرمایا اور قیام کی نیت کر لی۔(۲)

واپسی کا قصد

مدینۂ طیبہ میں سردی تیز ہو گئی تھی، اور رفقاء کے پاس سرمائی سامان کافی نہ تھا، شیخ عبداللطیف مرزاپوری نے، جو شریک قافلہ تھے، کمبل خرید کر تین تین کر کے ساٹھ چوغے سلوا کر دوبار ہدیہ کئے، جن لوگوں کو زیادہ ضرورت تھی، ان کو تقسیم کر دیئے گئے۔

ایک روز آپ نے خواب میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، ارشاد ہوا کہ "احمد اب یہاں سے جاؤ، تمہارے ساتھیوں کو سردی سے تکلیف ہے"۔

زیارات

مدینۂ طیبہ کے قیام میں آپ نے مسجد قبا، مسجد قبلتین وغیرہ اور جنت البقیع کی بار بار زیارت کی، ایک بار جالیوں کے اندر شب گزاری کا موقع بھی بخوبی ملا، مراقبے میں بارہا احوال وکیفیات اور بار بار زیارت نبویؐ سے فائز ہوئے۔

---

(۱) ایضاً (۲) "ایضاً"

ایک روز بقیع جا کر ازواج مطہرات،ؓ حضرت حسنؓ اور دوسرے حضرات اہل بیت کی زیارت کی، دوسرے روز خاص طور پر حضرت عثمانؓ کی زیارت کے لئے گئے۔

اہل قافلہ مدینہ طیبہ کے گرد وپیش کے مشاہد و مآثر کی زیارت کر چکے تھے، آپ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے نہیں جا سکے تھے، ایک روز آپ جبل احد گئے اور سیدنا حمزہؓ اور دوسرے شہداء کے مقابر کی زیارت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک جہاں شہید ہوئے تھے، اس جگہ کی بھی زیارت کی، بعض بعض مقامات پر دعا کی۔

ایک دن بئر رومہ، مسجد ذوالقبلتین، مسجد احزاب تشریف لے گئے اور دعا فرمائی، تیسرے روز مسجد قبا گئے، دوگانہ ادا کیا اور دعا فرمائی، نگہبانوں اور سامان کے پہرے داروں کے سوا سب شرکائے قافلہ ہمراہ تھے، اور دعا و نماز میں شریک، بئر خاتم کی بھی زیارت کی، واپسی میں بنی قریظہ کی طرف سے آئے۔(۱)

روانگی

زیارتوں کے بعد آپ نے مکہ معظّمہ واپسی کا قصد فرمالیا اور سفر کی تیاری کی وہی جمال جو وادی صفراء سے قافلے کو سواریوں پر لائے تھے، اپنے اونٹ لائے اور سامان سفر بار کر کے سب کو سوار کرایا، آپ مسجد نبوی اور روضۂ منورہ سے رخصت ہو کر ذوالحلیفہ پہنچے جو اہل مدینہ کا میقات ہے اور اب ''ابیارعلیؓ'' کے نام سے مشہور ہے، وہاں رات بسر کی نماز ظہر کے بعد غسل فرمایا اور دو۲ رکعت پڑھ کر احرام باندھا، قافلے میں جو تندرست اور قوی لوگ تھے، انہوں نے بھی اسی میقات سے احرام باندھ لئے اور جو کمزور تھے، انہوں نے جحفہ سے، جو اہل شام کا میقات ہے احرام باندھا۔

ذوالحلیفہ سے انہیں منازل سے ہوتے ہوئے، جن سے مدینہ منورہ آنا ہوا تھا، مکۂ معظّمہ کی طرف کوچ ہوا، وادی فاطمہ پہنچ کر بڑے تضرع وزاری کے ساتھ دعا کی، جو رفقاء مکۂ معظّمہ میں مقیم تھے، ان کو جب تشریف آوری کی خبر ملی، استقبال کو آئے، آدھی رات کے بعد مکۂ معظّمہ میں داخل ہوئے اور طواف بیت اللہ اور سعی صفا و مروہ سے فارغ ہو کر بال منڈائے اور

---

(۱) ''منظورہ''

احرام سے باہر ہوئے اور مکان پر آرام فرمایا۔

صبح مکۂ معظّمہ کے علماء و فضلاء اور چاروں مصلوں کے امام صاحبان ملاقات کے لئے تشریف لائے۔(۱)

مولانا عبدالحی اور مولانا اسمٰعیل کا درس

مکہ معظّمہ کے زمانہ قیام میں سید صاحبؒ نے مولانا عبدالحی اور مولانا اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ ''اس متبرک مقام میں کچھ علوم دینیہ کا مشغلہ ہونا چاہئے، یہ وقت غنیمت ہے'' چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب نے حافظ سید محمد کو مشکوٰۃ کا اور مولانا اسمٰعیل نے مولوی وحیدالدین پھلتی کو ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا درس دینا شروع کیا، دونوں مجلسوں میں بڑا مجمع ہونے لگا، اور لوگوں کو عام استفادے کا موقع ملا۔(۲)

مکۂ معظّمہ میں دوسرا رمضان المبارک

مکۂ معظّمہ کے دوبارہ قیام میں دوسرا ماہ مبارک آ گیا، تمام اہل قافلہ روزہ و نماز اور عمرہ وطواف میں حسب معمول سرگرم و مشغول ہو گئے۔

---

(۱) ''منظورہ''۔ سید صاحبؒ کی مراجعت مکہ کی تاریخ ۹ ربیع الاول صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ''منظورہ'' کی روایت کے مطابق ۱۲ ربیع الاول کو آپ مدینۂ طیبہ ہی میں تھے، اور آپ کو محفل میلاد میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی، اس لئے روانگی یقیناً اس تاریخ کے بعد ہے ''مخزن احمدی'' میں روانگی کی تاریخ ۲۹ ماہ ربیع الاول درج ہے۔ (''مخزن'' ص ۱۰۹)

(۲) ''منظورہ''۔ قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درس مکہ معظّمہ کے اول قیام میں شروع نہیں ہوا، بلکہ مدینۂ طیبہ سے واپسی پر طویل قیام کے زمانے میں شروع ہوا، یادداشت میں ہے ''ماہ جمادی الثانی ۵، دوشنبہ میاں محمد مشکوٰۃ شریف شروع کردند''۔

پندرھواں باب

سفر واپسی اور رائے بریلی کا قیام عارضی

سفر کی تیاری

۱۵؍شوال کو سفر کی تیاری ہوئی، آپ نے قاضی احمد اللہ صاحب میرٹھی کو جہازوں کے انتخاب وانتظام کے لئے جدے بھیجا تھا، لیکن اہل کلکتہ نے آپ کے رفقائے سفر کے لئے جہازوں کی تعیین وتجویز کر کے محمد رجب ناخدا کے ذریعہ مکۂ معظمہ میں آپ کو اطلاع کی اور آپ کے سفر کے لئے ملک البحر نامی جہاز تجویز کیا۔(۱)

یکم ذی قعدہ ۱۲۳۸ھ کو آپ نے طواف وداع کیا اور مکہ معظّمہ کو الوداع کہا، ہر شخص بیت اللہ کی جدائی سے اشکبار اور دل فگار تھا، دوسرے روز بندرگاہ جدہ پہنچنا ہوا۔(۲)

سفر واپسی

آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے لئے جو جہاز نامزد ہو چکا ہے، اس پر سوار ہو جائے، آغا حسین ترکی کپتان نے جو جہاز عطیۃ الرحمٰن کے ناخدا تھے، آکر عرض کیا کہ ''ملک البحر جو جناب کے سفر کے لئے تجویز ہوا ہے، بہت سست رفتار ہے، بہتر ہے کہ آپ جہاز عطیۃ الرحمٰن پر سوار ہوں'' آپ نے فرمایا ''جو جہاز ہمارے لئے تجویز ہو چکا ہے، اس کو ہم نہیں چھوڑ سکتے ہے، رفتار اللہ کے قبضے میں ہے، سست رفتار کو چاہے تیز رفتار بنادے اور تیز رفتار کو چاہے، سست رفتار کر دے(۳)''

---

(۱) ''منظورہ'' (۲) ''مخزن احمدی'' ص ۱۱۰ (۳) ''منظورہ''

بمبئی

اوائل ذی الحجہ میں جدے سے روانہ ہوکر بندرگاہ مخہ پہنچے، ایک ماہ یہاں قیام رہا(۱) آپ کو بمبئی تشریف لے جانے کا بہت خیال تھا، چنانچہ بمبئی جانے والے جہاز کے ذریعہ آپ نے مولوی انس صاحب کو ایک خط بھیجا، جس میں ہجرت و جہاد کی ترغیب دی "ملک البحر" کے ناخدا محمد رجب نے عرض کیا کہ "ہم کو بمبئی کی سواریاں مل گئی ہیں، اور ہم بمبئی ہوکر کلکتے جائیں گے" آپ نے فرمایا کہ "یہ ہماری عین مراد ہے" جس جہاز سے آپ نے خط بھیجا تھا، وہ بیس روز پہلے بمبئی روانہ ہو چکا تھا، چار جہاز، جن پر آپ کا قافلہ سفر کر رہا تھا، سقوطرہ تک "ملک البحر" کا اور ان کا ساتھ رہا، سقوطرہ سے وہ ملیبار کی طرف چلے گئے، اور ملک البحر نے بمبئی کا رخ کیا، بارہویں روز ایک گھڑی دن چڑھے، "ملک البحر" خیر و عافیت کے ساتھ ساحل بمبئی پر لنگر انداز ہوا(۲)، اس وقت تک کوئی جہاز بمبئی نہیں پہنچا تھا، بمبئی کے ناخدا اور تجار کا بیان ہے کہ چالیس ۴۰ سال کے عرصے میں کوئی جہاز اتنے کم وقت میں اور اتنی سرعت کے ساتھ بمبئی نہیں پہنچا(۳) جس جہاز کے ذریعہ آپ نے اپنی آمد کی اطلاع کا خط بھیجا تھا، وہ خود سولہ ۱۶ روز کے بعد بمبئی پہنچا(۴)

بمبئی میں آپ نے محلّہ میمن واڑے میں مولوی انس صاحب کی مسجد میں قیام فرمایا، مولوی صاحب بیعت ہوئے چونکہ بمبئی میں بھی کلکتے کی طرح آپ کی شہرت تھی، دن رات لوگوں کا ہجوم رہتا تھا، اور کسی وقت فرصت نہیں ہوتی تھی، لوگوں نے بکثرت دعوت و ضیافت کا شرف حاصل کیا اور ہزاروں آدمیوں نے بیعت کی سعادت حاصل کی۔

مالابار

ضروریات سفر بمبئی سے خرید کر جہاز پر بار کیں، اٹھارہ ۱۸ دن کے بعد انیسویں دن بمبئی سے روانگی ہوئی، اور جہاز نے مالابار کی طرف رخ کیا، مولوی انس صاحب کے صاحبزادے نیز مولوی محمد صدیق محمدی، امام الدین شیخ بڈھن بمبئی سے ساتھ ہوئے، ساتویں روز "ملک البحر"

---

(۱) "منظورہ"، "مخزن" میں ۱۵ روز مدت قیام لکھی ہے، ص ۱۱۰ (۲) "منظورہ" (۳) "مخزن احمدی" ص ۱۱۰
(۴) "منظورہ"

بندر ایلچی پہنچ گیا "عطیۃ الرحمٰن" وغیرہ جہاز وہاں ایک روز پہلے سے لنگر انداز تھے، "عطیۃ الرحمٰن" کے سواروں نے کہا کہ آپ آخر مالا بار کے سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے، وہ سمجھے کہ یہ لوگ ابھی تک بمبئی نہیں گئے، "ملک البحر" کے سواروں نے کہا کہ ہم بمبئی سے اٹھارہ دن قیام کر کے آرہے ہیں، اور بمبئی جانے کی علامت یہ ہے کہ مولوی انس صاحب کے صاحبزادے ہمارے ساتھ ہیں، لوگوں کو اس تیز رفتاری پر بڑا تعجب ہوا۔

سید صاحبؒ قصبہ ایلچی میں تشریف لے گئے، مریدین و معتقدین آپ کی زیارت سے مشرف و مسرور ہوئے، دو روز وہاں قیام کر کے تیسرے روز وہاں سے کوچ ہوا۔(۱)

کلکتہ

مولانا عبدالحی صاحب کے ایک رقعے سے کلکتے کے محبین و مخلصین کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہو گیا تھا، شیخ غلام حسین فخر التجار نے چند روز پہلے انتقال کیا تھا، ان کے صاحبزادے عبداللہ فینس پر سوار کر کے اپنے باغ میں لائے، لوگ جوق جوق زیارت و ملاقات کے لئے جمع ہو گئے اور ہدایت و ارشاد سے مشرف ہوئے۔

اہل قافلہ کے تمام جہاز بخیر و عافیت پہنچ گئے، لیکن "عطیۃ الرحمٰن" راستہ بھول گیا، اور ایک مہینہ بھٹکتا رہا، آپ کلکتے میں اسکے بخیریت پہنچنے کے لئے دعائیں فرماتے تھے، اور قنوت پڑھتے تھے، اور اکثر فرماتے تھے کہ تکبر بری چیز ہے جب "عطیۃ الرحمٰن" کے پہنچنے کی خبر ڈاک سے آئی تو تمام اہل قافلہ کو بڑی مسرت و شادمانی ہوئی۔

کلکتے میں مولوی امام الدین اور صوفی نور محمد صاحب نے گھر جانے کی اجازت لی اور اپنے اپنے گھر روانہ ہوئے، عنایت اللہ نامی ایک مخلص بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے، اور اخلاص و عقیدت مندی کا حق ادا کیا۔(۲)

---

(۱) "منظورہ"(۲) ان بزرگ کے گاؤں کے نیچے ایک ندی بہتی ہے، جس کا نام بھاگی رتی ہے، یہ ندی سمندر میں گرتی ہے، میاں عنایت اللہ نے ایک خط لکھ کر سمندر کے جزر کے زمانے میں بنام خدا اس ندی میں ڈال دیا، خدا کا کرنا کہ یہ خط کسی طرح بہتا بہتا کلکتے میں ایک مخلص کے ہاتھ لگا اور سید صاحب تک پہنچا، مکہ معظمہ سے واپسی پر یہ صاحب کلکتے میں ملے اور بیعت و خدمت سے مشرف ہوئے۔

ایک مخلص کی بلند حوصلگی

کلکتے سے روانہ ہوکر آپ منگل کوٹ اور اس کے قریب منشی محمدی کے دیہات تشریف لے گئے، مرشد آباد میں دیوان غلام مرتضیٰ کی درخواست پر قافلے کے ساتھ ان کے مقام کہنہ پر تشریف لے گئے، دیوان موصوف کا خس پوش بنگلہ ایسا شاندار تھا کہ اس کی درستی پر پانچ ہزار روپئے خرچ ہوئے تھے، بنگلے کے باہر بازار تھا، جس میں ہر قسم کے میوے اور مٹھائیاں ملتی تھیں اور ہر قسم کے پیشہ ور اور اہل حرفہ موجود تھے، دیوان صاحب نے بازار میں منادی کرادی کہ سید صاحبؒ کے قافلے کا جو آدمی اس بازار سے کچھ خریدے یا کسی دستکار سے کام لے تو اس کی قیمت واجرت میرے ذمے ہے، سید صاحبؒ نے ان کو سمجھایا کہ "اس قدر زیر باری کیوں لیتے ہو؟" انہوں نے عرض کیا کہ "اگر کسی مسلمان کے گھر کوئی حاجی آتا ہے تو اسکی بڑی سرفرازی ہوتی ہے، میں اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ مجھے اتنے حجاج نے سرفراز فرمایا(۱)"۔

دو تین روز وہاں قیام کرکے روانگی ہوئی، دیوان صاحب نے دوسرے تحائف کے ساتھ ایک نہایت نفیس رومی بندوق، جس میں سات دیدبان تھے، سات عمدہ طمنچے اور ایک تیر پیشکش کیا، سات دیدبانوں کا حساب یہ تھا کہ ہر دیدبان سے دوسو قدم فاصلہ بڑھ جاتا تھا، چنانچہ ساتویں دیدبان سے ایک ہزار چار سو قدم کا فاصلہ ہوتا تھا(۲)۔

صوبۂ بہار

کہنہ سے آپ واپس مرشد آباد تشریف لائے اور کشتی وہاں سے روانہ ہوکر مونگیر کے سامنے لنگر انداز ہوئی، جمعے کے دن آپ اور دوسرے اہل قافلہ کشتی سے اتر کر شہر تشریف لے گئے، اور نماز جمعہ ادا کی، مونگیر میں آپ نے وہاں کے اسلحہ سازوں سے بندوقیں اور طمنچے خریدے، اہل قافلہ نے بھی بعض اسلحہ خرید کئے، سید صاحبؒ نے ایک چارنالی بندوق خریدی۔

---

(۱) "منظورہ" (۲) یہ بندوق آپ سے یار محمد خاں درانی والی پشاور نے مانگ لی تھی۔

مونگیر سے روانگی پر مولوی ولایت علی عظیم آبادی، شاہ محمد حسین اور سید کرامت اللہ وغیرہ کے ساتھ قصبہ باڑھ میں پہنچ کر ملاقات سے سرفراز ہوئے، اس وقت مولوی ولایت علی صاحب کی داڑھی منڈھی ہوئی تھی، غیر متشرع اور آزاد لوگوں کا لباس پہنے ہوئے تھے، سید عبدالرحمٰن صاحب نے سید صاحبؒ سے ان کی وضع کی شکایت کی، فرمایا کہ "ان شاء اللہ تعالیٰ یہ قدیم ہمراہیوں میں شامل ہو جائیں گے، اور یہ سب ظاہری صورت بدل جائے گی" یہ سب حضرات آپ کے ساتھ عظیم آباد آئے اور دس روز تک اپنے مکان پر ٹھہرایا(۱)۔

عظیم آباد کے قیام کے دوران میں آپ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر پھلواری تشریف لے گئے جو مشائخ وعلماء کی مشہور بستی اور سجادہ ہے، اس وقت وہاں بہت سے لوگ انگریزی سرکار میں بھی بڑے بڑے عہدوں پر تھے، حضرات پھلواری نے آپ کے شایان شان تعظیم وتکریم کی، ایک رات آپ نے وہاں گزاری اور تنہائی میں شاہ نعمت اللہ صاحب(۲) سے گفتگو کر کے صبح عظیم آباد تشریف لے آئے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو چند رفقاء کے ساتھ پھلواری روانہ کیا، مولانا نے شاہ نعمت اللہ صاحب، مولوی احمدی صاحب (۳) اور دوسرے بزرگوں سے ملاقات کی اور رسوم مروجہ وغیرہ کے متعلق دیر تک گفتگو رہی، پھلواری کے چند رند مشرب آزاد لوگوں نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور تمام خلاف شرع افعال وعادات اور رسوم جاہلیت سے تائب ہوئے اور اپنے وطن میں دینی اصلاح وامر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض انجام دیا(۴)۔

عظیم آباد سے روانگی کے وقت مولوی ولایت علی، طالب حسین، شاہ محمد حسین، محمد

---

(۱) "منظورہ" (۲) شاہ نعمت اللہ بن مجیب اللہ بن ظہور اللہ ہاشمی جعفری مشہور مشائخ عصر میں سے ہیں۔ ۱۱۶۰ھ میں ولادت ہوئی، اکثر درسی کتابیں مولانا وحید الحق پھلواروی سے پڑھیں، پھر اپنے والد سے استفادہ باطنی کیا، اور ان کے بعد اکتیس سال کی عمر میں خاندانی سجادے کو رونق دی، علماء ومشائخ کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے کسب فیض کیا، ۱۲۴۶ھ میں وفات پائی (نزہۃ ج ۷) (۳) ۱۱۷۶ھ۔ ۱۲۵۲ھ، والد کا نام مولوی وحید الحق، دادا کا نام وجیہ الحق تھا، اپنے والد سے درسی کتابیں پڑھیں، ریاضی اور علوم عقلیہ میں تبحر پیدا کیا، پورب کے اضلاع میں آپ کی ذات مرجع تلامذہ تھی اور درس وتدریس، تحشیہ وتصنیف کی شہرت تھی، منطق اور فلسفے کی کتابوں اور رسالوں پر آپ کے حواشی مشہور ہیں (نزہۃ، ج ۷) (۴) "منظورہ"

حیات، سید کرامت وغیرہ اپنا اپنا سامان لے کر ہمرکاب ہوئے، سید عبدالرحمٰن صاحب کہتے ہیں کہ "میں نے ولایت علی صاحب کو دیکھ کر سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ یہ صاحب ہمارے ساتھ جانا چاہتے ہیں یہ ضرور ہم پر بار ہوں گے" آپ نے فرمایا "نہیں یہ بڑے پرانے پرانے رفیقوں سے بھی بازی لے جائیں گے(۱)"۔

یوسف پور، غازی پور

عظیم آباد سے ڈھکیا اور دانا پور کے راستے سے کشتیاں رائے بریلی کی طرف روانہ ہوئیں، بھوج پور، ہلسار چھپرا، ریل گنج اور بکسر ہوتے ہوئے محمود آباد پہنچے، محمود آباد سے آپ ایک طرف کو روانہ ہوئے، لوگوں نے پوچھا "کہاں تشریف لے جاتے ہیں؟" فرمایا کہ "محمود آباد کے پاس ایک دیہات ہے، جہاں سے ایک دوست کی بو آتی ہے، ملاقات کے لئے جاتا ہوں" راستے میں ایک جگہ سے ڈھولک کی آواز آتی تھی، آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ سورۂ یٰسین پڑھیے، آپ نے سورہ پڑھنی شروع کی اور ڈھولک کی آواز موقوف ہوئی، لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ "مجھے ڈھولک کی آواز ناگوار ہوئی، اشارۂ غیبی ہوا کہ اس کو روکنے کے لئے سورۂ یٰسین پڑھی جائے، چنانچہ اس برکت سے یہ آواز بند ہو گئی(۲)"۔

آپ جب یوسف پور پہنچے، شیخ فرزند علی غازی پوری اس موضع میں بیمار تھے، وہ ناطاقتی کی وجہ سے خود تشریف نہ لا سکے، انہوں نے اپنے لڑکوں کو استقبال کے لئے بھیجا تھا، آپ ان کے ساتھ شیخ صاحب کے پاس تشریف لے گئے، شیخ صاحب نے بڑی تعظیم و تکریم اور بڑی خدمت گزاری اور مہمانداری کی اور اپنے تمام اہل وعیال کو بیعت کرایا، آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ "تم نے ہمارے دوست کو دیکھا؟" دوسرے روز کشتیاں غازی پور پہنچیں، شیخ صاحب اپنے بچوں کے ساتھ ہمراہ تھے، آپ نے شیخ صاحب کے مکان پر چھ۶ روز قیام فرمایا، شہر کے لوگ بکثرت بیعت ہوئے اور راہ راست پر آئے، شہر کی جامع مسجد، جو ویران ہو چکی تھی، آباد ہوئی اور پانچ وقت پابندی کے ساتھ نماز ہونے لگی(۳)۔

---

(۱) "منظورہ" (۲) ایضاً (۳) "منظورہ" روایت سید محمد مستقیم نصیر آبادی

بنارس

غازی پور سے چل کر جب بنارس دو تین فرلانگ رہا، مرزا محمود بخت شاہزادہ استقبال کے لئے آئے، مرزا ابلاقی شاہزادہ، جو پہلے سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے، بجرے پر بیٹھ کر آئے، یہاں ایک جگہ جو پایاب تھی، پانی اتنی تیزی سے بہہ رہا تھا کہ مضبوط آدمی کے پاؤں بھی نہیں جمتے تھے، ایک شخص اترے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے، لوگ ان کو بچانے کے لئے دوڑے، یہاں تک کہ خود سید صاحبؒ بھی اپنے بجرے سے اتر کر ان کی طرف بڑھے، پانی کی تیزی سے سب کے پاؤں اٹھ گئے اور سب خطرے میں پڑ گئے، سید عبدالرحمٰن صاحب ایک کشتی لے کر ان کی طرف بڑھے، دیکھا کہ سید صاحبؒ پاؤں جمائے کھڑے ہیں، باقی کسی کے پاؤں نہیں جمتے، وہ سب کو سوار کر کے کنارے لے آئے۔

بنارس میں چند روز قیام کر کے، جس میں سابق مریدین کو زیارت کا موقع ملا، بنارس سے روانگی ہوئی (۱)۔

مرزاپور

مرزاپور میں شیخ غلام علی الہ آبادی کے بیٹے تشریف لائے اور قافلے کے تمام اخراجات اپنے ذمے لے لئے، شیخ عبداللطیف اور دوسرے پٹھانوں کی طرف سے دعوت ہوئی (۲)۔

اللہ کی حمد اور آخری آرزو

سید مستقیم صاحب کہتے ہیں کہ واپسی میں ایک دن آپ نے مجھ سے وطن اور برادران وطن کی خیریت اور حالات دریافت کئے، میں نے عرض کیا، آپ نے حمد و شکر کے عجیب عجیب مضامین و الفاظ ادا فرمائے، حج و عمرہ و زیارت حرمین کے احسان پر اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کیا اور بخیریت جانے اور واپس آنے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سر نیاز خم کیا اور بہت دعا و التجا کر کے یہ

---

(۱) ''منظورہ'' (۲) ایضاً

عرض کیا کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال تیرے راستے میں صرف ہوں، یہ فرماتے جاتے تھے، اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، تمام حاضرین پر ایسی تاثیر اور رقت طاری تھی کہ زار زار رو رہے تھے، اور ایک بے ہوشی اور خود فراموشی کا عالم تھا۔(۱)

مسجد اور غریب پڑوسیوں کے لئے تحفہ

مرزاپور میں دو تین روز شیخ عبداللطیف وغیرہ کی دعوتوں کی وجہ سے قیام رہا، آپ نے تکیے کی مسجد کے راستے اور گھاٹ کے لئے پتھر خریدے اور اپنے غریب پڑوسیوں اور ہمسایوں کے لئے بہت سی چکیاں خریدیں (۲)۔

شیخ غلام علی کی اولوالعزمی

سید کرامت اللہ عظیم آبادی بیان کرتے ہیں کہ بنارس سے روانگی کے بعد ہر منزل ومقام پر روزانہ شیخ غلام علی صاحب کی طرف سے دعوت کا سامان پہنچتا تھا، دال چاول اور مصالحہ انہیں کی طرف سے آتا تھا، شیخ صاحب کے اجارے کے گاؤں دریا کے کنارے پڑتے تھے، کشتیاں دریائے جمنا کے کنارے شیخ صاحب موصوف کے بنگلے کے سامنے پہنچ کر لنگر انداز ہوئیں، کئی روز وہاں ٹھہرنا ہوا، روزانہ شیخ صاحب کی طرف سے پورے قافلے کی پرتکلف دعوت ہوتی تھی، قسم قسم کے لذیذ کھانے، انواع واقسام کے اچار مربے، یہاں تک کہ پرہیزی کھانا مونگ کی دال، کھچڑی وغیرہ دسترخوان پر موجود رہتی، قافلے میں جو شخص کسی کھانے کا نام لیتا، اہل کار اسی وقت حاضر کرتے، قافلے میں سات سو کے آدمی تھے، اور عظیم آباد غازی پور مقامات سے اور آدمیوں کا اضافہ ہو گیا تھا، خود الٰہ آباد میں قرب وجوار کے سیکڑوں آدمی ہر روز آتے تھے، اور سب سیراب ہو کر اٹھتے تھے، بلکہ شہر کے کھاتے پیتے لوگ بھی گھر بیٹھے شیخ صاحب کی ضیافت میں شریک ہوتے، کھانا اس افراط سے پکتا کہ جو کچھ بچتا، دریا میں ڈال دیا جاتا، یہاں تک کہ دریا کے پانی کا رنگ بدل گیا، اور ہندوؤں نے شکایت کی، غربا، شیرمال، پلاؤ، زردہ، فیرنی اور کھانے کے دوسرے انواع واقسام سے ایسے آسودہ ہوئے کہ ان کی

---

(۱) ''منظورہ'' (۲) ایضاً

طبیعت بالکل سیر ہوگئی، سید صاحب شیخ غلام علی صاحب سے فرماتے کہ "شیخ صاحب آپ اس قدر فضول خرچی کیوں کرتے ہیں؟" شیخ صاحب نے جواب دیا کہ "میں اپنے حوصلے کے مطابق نہیں کر سکا، جو کچھ میں نے کیا ہے، یہ آخرت کا اندوختہ ہے" ضلع لکھنؤ الٰہ آباد اور قرب وجوار کے تمام مقامات میں شیخ صاحب کی اولوالعزمی اور بلند ہمتی کا چرچا تھا۔(۱)

وطن میں

الٰہ آباد سے آپ خشکی خشکی رائے بریلی کی طرف روانہ ہوئے، پہلے الٰہ آباد سے مہرونڈے، جو شیخ صاحب کا آبائی وطن ہے، تشریف لے گئے، ایک روز وہاں ٹھہر کر اہلا دگنج میں دوسری منزل کی، وہاں کا حاکم اور بہت سے سوار آپ سے بیعت تھے، وہ سب زیارت اور ملاقات سے مشرف ہوئے، وطن میں آپ کی اطلاع اچانک پہنچی، اعزہ استقبال کے لئے جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ قافلے ایک ہمراہی جو راستہ بھول گئے تھے تکیے پہنچے، اور انہوں نے دریافت کیا کہ "سید صاحب تشریف لائے؟" اعزہ نے کہا کہ "الٰہ آباد تک تشریف لانے کی خبر تو ہم کو تھی، یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ یہاں تک تشریف لے آئے" صبح ہی اعزہ استقبال کے لئے روانہ ہوئے، کوئی شہر تک پہنچ سکا کوئی سامنے والی بستی تک کہ آپ تشریف لے آئے اور آپ کا یہ فرمانا صحیح نکلا کہ ہم بخیر وعافیت اچانک تمہارے پاس پہنچیں گے اور تم کو تعجب ہوگا، اکثر عزیزوں نے اہل قافلے میں سے بہت سے لوگوں کو اس لئے نہیں پہچانا کہ چہرے پر تر وتازگی تھی، اور لباس عمدہ تھا، یہاں سے گئے تھے تو بالکل بے سروسامانی کی حالت میں(۲)، اواخر شعبان کی کسی تاریخ میں آپ مع الخیر داخل وطن ہوئے، زنانی کشتیاں گنگا کے راستے چند روز بعد ڈلمؤ پہنچیں، رائے بریلی سے بہلیاں، میانے اور ڈولیاں گئیں اور تمام سواریاں رمضان المبارک کی ابتدائی تاریخوں میں کسی تاریخ کو پہنچ گئیں۔

گھروں میں جانے سے پہلے معذور اور بیمار لوگوں کے علاوہ آپ نے مرد وعورت تمام حجاج کو مسجد میں جمع کر کے اپنے اور اپنے تمام عزیزوں کے لئے دنیا وآخرت کی بھلائی کے لئے دعا کی، پھر سب لوگ اپنے اپنے گھر گئے۔

---

(۱) "منظورہ"　(۲) ایضاً

حج سے واپسی کے بعد باوجود اس کے کہ مہمانوں کی ایک بڑی جماعت مقیم تھی، اور روزانہ بہت بڑی رقم خرچ ہوتی تھی، پھر بھی ایک روز ایک ضرورت سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ بیت المال میں دس ہزار روپئے موجود ہیں۔

سید صاحبؒ آخر شعبان یا غرۂ رمضان ۱۲۳۹ھ کو پہنچے، گویا دو سال دس مہینے کے بعد وطن واپسی ہوئی (۱)۔

قصیدۂ تہنیت

سید صاحبؒ اور ان کے مبارک قافلے کی واپسی پر اہل ایمان اور اہل دین کو جو مسرت وشادمانی ہوئی اس کا اظہار ایک شاعر نے جو حسن (۲) تخلص کرتے تھے، اپنے ایک قصیدے میں کیا ہے جس میں انہوں نے اس قافلۂ حجاج اور اس کے میر کارواں کی خصوصیات اور ان کے دینی اثرات و برکات بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے بیان کئے ہیں، اس قصیدے کے اکثر شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں (۳)۔

قصیدہ

ہے گا اس نور سے پر گنبد چرخ اخضر ۔۔۔ جس کے لمعان سے ہے کند فرشتوں کی نظر

نہ اسے روشنی شمس و قمر سے نسبت ۔۔۔ نہ ملے برق اسے اور نہ کوئی اختر

جلوۂ طور کہوں یا کہ شب قدر کا نور ۔۔۔ یا ترقی پہ ہوئی روشنی تازہ سحر

جس طرف دیکھئے وہ نور نظر آتا ہے ۔۔۔ عقل اول بھی جسے دیکھ کے رہ جائے ششدر

آسماں پر جو نظر کی تو بسانِ فانوس ۔۔۔ مشتعل روشنیِ عرش سے تھا اس کا گھر

کرکے میں غور جو پھر روئے زمیں کو دیکھا ۔۔۔ تھی وہ خورشید سے بھی نور میں زیادہ انور

تھا عجب طور کا کچھ روئے زمیں پر جلوہ ۔۔۔ عرش پر جس کی تجلی کا پہنچتا تھا اثر

---

(۱) ''منظورہ'' (۲) یہ شاعر غالباً مولانا ابوالحسن کاندھلوی ابن حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی ہیں، جو حسن تخلص کرتے تھے اور اپنے زمانے کے خوشگو اور قادر الکلام شاعر تھے ''مثنوی گلزار ابراہیم'' انہیں کی یادگار ہے۔
(۳) پورا قصیدہ ''سوانح احمدی'' میں منقول ہے۔

شرق سے غرب تلک نور سے تھا مالا مال
عرش سے فرش تلک برق سے تھا روشن تر

کیا عجب ہے کہ اگر ہند کے نظارے کو
حور جنت سے چلی آئے نکل کر باہر

اس ترقی پر غرض دیکھ کے میں خطۂ ہند
سجدۂ شکرادا میں نے کیا خوش ہو کر

تھی عجب طرح کی دل کو مرے اس دم فرحت
جسم ہرگز نہ سماتا تھا قبا کے اندر

تھا تہ دل سے میں تفتیش سبب کے در پے
کس کے انوار سے یارب ہے زمیں رشک قمر؟

کس کے باعث ہے، جو یوں ملک میں ہے آبادی؟
کیا خوشی ہے کہ جو یوں عیش طرب ہے گھر گھر؟

شکل فردوس جو سر سبزا ہوا یہ خطہ
یارب اس بھید سے کچھ مجھ کو بھی تو آگہ کر

یک بیک غیب سے آئی یہ ندائے ہاتف
گوش سے پنبۂ غفلت کو ذرا باہر کر

اب تلک پہنچا نہیں مژدۂ جاں بخش تجھے؟
جس سے شاداں ہیں ملک خوش ہیں ہر اک جن و بشر

آیا ہے قافلہ حج کر کے وہ اس ملک کے بیچ
جس میں ہر اک ہے ولی عارفِ نیکو منظر

اس کے انوار سے روشن ہے زمیں تا بفلک
ان کی ہمت سے ہوئی دین کو سوزنیت وفر

ہے ہر اک شخص وہاں آمر امر معروف
قامع بدعت وناہی اصول منکر

ماحی کفر زِدل، قاتل کفار زِجاں
قامع رسم زبوں، تابع حکم داور

ان میں ہر اک ہے فرید اور وحید آواں
حافظ وعالم و عادل، سخی و نیک نظر

ظاہر آراستہ برملت بیضائے نبیؐ
باطن اس طور کا پاکیزہ ہو جیسا گوہر

کدو کاوش نہ کسی میں، نہ ریا و کینہ
نہ حسد دل میں، تکبر نہ کسی کے اندر

کیا کروں قافلہ سالار کا میں اس کے بیاں
جس کے اوصاف ہیں تحریر و بیاں سے باہر؟

عادل وعالم و عابد شہِ والا ہمت
اشجع و افصح وابلغ، سخی ونیک نظر

عاقل و فاضل و راحم، زکی و عالی طبع
زاہد و متقی و صابر وزیبا منظر

ترک وتجرید و توکل میں فریددوراں
حلم اور خلق و دیانت میں وحید اکبر

معدن لطف و حیا، مجمع جود وہمت
مخزن عفت والفت، شرف نوع بشر

بحرِ جود و کرم گلشن عرفان نبیؐ
مشعل راہ طریقت، بحقیقت رہبر

صدق میں ثانی اثنینؓ کے مانند قوی　　جدّ اور جہد میں اسلام کے ثانی عمرؓ
شرم میں حضرت عثمانؓ سا جوں بحر حیا　　اور صف جنگ میں ہم طرز علیؓ صفدر
طور اور طرز میں سب طینتِ اصحاب نبیؐ　　قاف سے راہ شریعت میں ہے مستحکم تر
وعظ میں اس کے یہ تاثیر کہ پڑھ لیں کلمہ　　لات وعزّیٰ ومنات اور ہبل بھی فرفر
سیدِ صفدر و عالی نسب و زینتِ دیں　　زیبِ اسلامِ و امامِ حق و عاجز پرور
سیدِ احمد و عالی حسب وفخرِ زماں　　رہبر راہِ شریعت، خلف پیغمبرؐ
ہوتا معصوم اگر بعد نبیؐ کے کوئی　　ہوتی اس عصر میں عصمت بھی اسی کے اندر
سینۂ صاف سے اسکے ہے خجل آئینہ　　نور ایمان سے ہے قلب مصفّا گوہر
حق میں گمراہوں کے تاثیر جو کچھ ہے اس کی　　جوشِشِ خوں میں کرے کام نہ ایسا نشتر
ہو جو صحبت سے تری تخلیہ وتحلیہ　　لاکھوں چلّوں سے بھی باطن میں نہ ہواتنا اثر
اسم اعظم کو جو پڑھ کر کرے وہ کوہ پہ دم　　ہوں طلا، جتنے ہیں کہسار کے سارے پتھر
خار کو ہاتھ لگادے، تو وہ ہو گلدستہ　　رشکِ الماس ہو، گر ہاتھ میں لے لے کنکر
رنگ میں گوکہ رہے، سرخ بسان یاقوت　　سرد ہو یخ کی طرح ہاتھ میں اس کے اخگر
اس کی نظروں سے گرے مشک تو ہو پشک سے کم　　کوئلہ ہاتھ میں اس کے ہو مثال عنبر
ناخدا جوئے حقیقت کا یہ ہے کشتی باں　　بحر زخار طریقت کا حقیقی معبر
علم کو اس کے مگر علم لدُنّی کہئے　　جو کہ آتا ہے اسے، ہے وہ کسے مستحضر
آب پاشی سے تری قوتِ بازو کے بزور　　پھر کے سرسبز ہوا خشک شریعت کا شجر
فیض سے تیرے نمازی ہوئی خلقت یہاں تک　　پڑھے بیمار بھی ہذیان میں سورۂ کوثر
جس طرف دیکھئے تعمیر مساجد ہے گی　　ہے ہر ایک شخص کی تحقیقِ مسائل پہ نظر
آتی ہر سمت سے ہے بانگِ موذن کی صدا　　جس کو سنئے یہی کہتا ہے کہ اللہ اکبر
اس قدر عصر میں تیرے ہوئی افراطِ نماز　　لاکھوں تیار ہوئے ملک میں چھوٹے منبر
قطع بدعات ہوئی فیض سے تیرے ایسی　　ہند سے رسمیں بری اٹھ گئیں صدہا یکسر

دیکھئے جس کو سو کرتا ہے کلام اللہ یاد! باندھی ہر شخص نے تہذیب و ہدایت پہ کمر

تیری تائید سے اک خلق ہوئی ہے تائب تیری تنبیہ سے لاکھوں ہوئے فاسق اطہر

اک قدم دھرنے کی جا گہ بھی نہیں واں ملتی جو کہ چھوٹی ڈھئی مسجد تھی پڑی صاف کھنڈر

جو ملا تجھ سے، ہوا راہ خدا میں مصروف جو پھرا تجھ سے، جماعت سے ہوا وہ باہر

تیری صحبت کے سوا ہو نہ کسی کا طالب جس کو باطن کی ہوئی راہ کی ذرہ بھی خبر

نعل بالنعل ہے کچھ فرق نہیں ہے تجھ میں دیکھا پچھلوں سے تجھے جس نے مطابق کر کر

تجھ سے باطن کے قوانین ہوئے ایسے درست جیسے کاتب کوئی لکھنے کو بنادے مسطر

منکشف تجھ پہ ہر اک کی ہے کمیت نہ فتاوی میں وہ حجت، نہ کتب کے اندر

نہ ہدایہ میں وہ علت نہ وقایہ میں نشاں دُرّ مختار میں اس کا، نہ سراجی میں اثر

نہ ہے سُلّم میں پتہ اور نہ توضیح میں کچھ خالی ہے فقہ کا اس علم سے سارا دفتر

کچھ نہیں تیری شجاعت تو بیاں کی محتاج صاف چہرے سے عیاں ہے تری شان حیدرؓ

خاکِ پا سے تری اکسیر کو کیا نسبت ہے؟ آدمی کو تو فرشتہ کرے اور مسِ کو زَر

فیض سے تیرے ہوا دم میں وحید دوراں جس نے دروازے پر تیرے کیا آ کر بستر

رکن دیں مولوی عبدالحی و شہ اسمٰعیل فیض سے تیرے ہوئے کاملوں کے سردفتر

تیری صحبت نے ملائک کی کری خاصیت گو کہ ظاہر میں نظر آتے ہیں ہم شکل بشر

حق میں کفاروں کے ضیغم کی طرح ہے خونخوار مومنوں کے لئے شفقت میں پدر سے بہتر

فخر ابنائے زماں، قبلۂ ارباب صفا کعبۂ اہل یقین دادرس ہر مضطر

ذات سے تیری یتیموں کو بہت تقویت زن بیوہ کے تو حق میں ہے سحابِ ممطر

تھا غضب ظلم کہ بیوہ نہ کرے عقد نکاح کھوئی یہ رسم زبوں رحمت حق ہو تجھ پر!

جس میں راضی ہو خدا ہے وہی ان کو منظور آبرو کا نہ انہیں خوف، نہ کچھ جی کا ڈر

جو مسلمان کرے ان سے ذرا سا بھی سلوک اس کے بدلے میں نہ کوئی کرے ان سے بہتر

کیوں منافق نہ ہو صورت کو تری دیکھ کے غش ٹھہرے کس طور سے خورشید کے آگے شپّر؟

حق تعالیٰ کرے اقبال ترا روزافزوں | تیرے انصاف آباد ہوں ساتوں کشور
تجھ پہ ہر لحظہ بلا ریب ہے امداد خدا | جلوہ گر ذات سے تیرے ہے عجائب مظہر
چاہ بیژن میں گرے یا چہ بابل میں پڑے | کھائے دشمن ترا اس طور کی بیڈھب ٹھوکر
منہ میں دشمن کے ترے قند ہو حنظل کا مزہ | ہو مجنوں کے دہن میں ترے حنظل شکّر
نوشدارو بھی اگر کھائے بامید شفا | منہ میں دشمن کے تیر ہوئے بجائے کنکر
یوں کہا غیب سے ہاتف نے "یہ حج ہے منظور" | فکر تاریخ میں جب نیچے کیا میں نے سر
اور گھر آنے کی تاریخ میں یہ بیت پڑھی ۱۲۴۲ھ | تہنیت دے کے مجھے اور تبسم کرکر
حاجیانِ حرمِ کعبہ بہ آوانِ مجید | آئے حج کرکے بڑی دھوم سے اب اپنے گھر
ہو حسن بھی تیرے الطاف سے ممنون سدا | رہے جمعیتِ باطن سے نہایت خوشتر

رائے بریلی کا آخری قیام

رمضان ۱۲۳۹ھ سے ۷؍جمادی الآخرہ ۱۲۴۱ھ تک ایک سال دس مہینے رائے بریلی میں قیام رہا(۱)، یہ زندگی کا آخری قیام تھا، اس زمانۂ قیام کے اہم مشاغل میں سے مکانوں کی مرمت، مساجد کی تعمیر، جہاد کی ترغیب ودعوت اور رفقاء کی ایمانی اور عملی تربیت ہے۔

مکانوں کی مرمت

مولوی سید محمد علی "مخزن احمدی" میں لکھتے ہیں کہ "سید صاحبؒ کی غیر موجودگی میں مکاناتِ مسکونہ شکستہ اور مرمت طلب ہو گئے تھے، اور برسات کا موسم قریب تھا، آپ نے اپنے رفقاء کے ساتھ ان آبائی مکانات کی مرمت اور درستی فرمائی اور قلیل مدت میں اس سے فراغت

---

(۱) "منظورہ" اس موقع پر مصنف سے شمار میں سہو ہو گیا ہے، فرماتے ہیں "ہجرت امیر المومنین از وطن مالوف بعد یک سال ودہ ماہ واقع شد، چہ آنجناب در اواخر شعبان با غرۂ رمضان ۱۲۳۹ھ یک ہزار ودو صد وسی ونہ ہجری در وطن رونق افروز شدند ودر سال دیگر بتاریخ ہفتم، جمادی الثانیہ ۱۲۴۰ھ یک ہزار ودو صد وچہل ہجری روز دوشنبہ از دولت خانہ ہدایت کاشانہ برآمدہ عبور دریائے سئی کردہ در خیمہ شب باش شدند" (ص ۷۵ ۲) یہاں ۱۲۴۰ھ کے بجائے ۱۲۴۱ھ ہونا چاہئے۔

حاصل کرلی۔(۱)

مساجد کی تعمیر

اسی زمانۂ قیام میں اقرباء نے عرض کیا کہ مولوی سید محمد اسحٰق مرحوم اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ وسعت دیتا تو لوہانی پور میں بلند خاں کی مسجد کی ازسرِ نو تعمیر کرتے، آپ نے یہ سن کر اس مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمالیا، اس بستی میں آپ کے بہت مرید تھے، وہاں کے رؤساء نے مسجد کے لئے بہت سی اینٹیں دیں، باقی آپ نے خرید فرمائیں اور معمار مقرر کئے، محمد زمان خاں زمیندار لوہانی پور کو جو آپ کے مرید تھے، اس کا مہتمم و نگراں مقرر کیا، ان کے ساتھ خود کام میں شریک ہوتے، محرم ۱۲۴۰ھ میں کام شروع ہوا اور دو تین مہینے کے قلیل عرصے میں وہ مسجد بن کر تیار ہوگئی۔(۲)

ایک دوسری مسجد شیخوں کے محلے میں شہر رائے بریلی میں تعمیر کرائی، دونوں مسجدوں کی تیاری کے بعد آپ ان مسجدوں میں تشریف لے گئے، اور دو رکعت نماز نفل پڑھی اور امام کا تقرر فرمایا، جن لوگوں نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا تھا، ان کو مبارک باد دی اور اس کارِ خیر کی فضیلت اور بشارتیں سنائیں۔(۳)

علمی و روحانی تربیت گاہ

ایک سال دس مہینے کی یہ مدت ایک ایسی فضا اور ماحول میں گزری جس میں ایک طرف دینی جذبات اور ایمانی کیفیات کی ترقی اور نشو ونما کا سامان تھا، اور دوسری طرف جفاکشی، مجاہدے، سادہ اور سپاہیانہ زندگی اور خودشکنی کی تعلیم، یہی دو سرچشمے ہیں، جن سے جہاد فی سبیل اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کی قوت اور توفیق پیدا ہوتی ہے، جماعت، جو اس وقت کئی سو افراد پر مشتمل تھی، اور امیر جماعت ایک طرف ذکر و نوافل، تذکیر و دعوت میں مشغول تھے، دوسری طرف فنونِ حرب اور محنت و مشقت کے کاموں میں مستعد اور چاق و چوبند تھے، ان کو کسی کام سے عار نہ تھا، اور وہ کسی محنت اور

---

(۱) ''مخزن احمدی'' ص ۱۱۶۔ (۲) اس مسجد کے حسابات کے کاغذات میں محرم و صفر ۱۲۴۰ھ کی تاریخیں اور مزدوروں کے نام اور مزدوری کی تفصیل درج ہے۔ (۳) ''وقائع احمدی'' ص ۲۲۷، ۲۲۸

جفاکشی سے عاجز نہ تھے، اس کا اندازہ کرنے کے لئے کہ تکیے پر ان بندگانِ خدا کے شب و روز کس طرح گزرتے تھے، اور بلند مقصد، رضائے الٰہی کے شوق اور رہبر کامل کی صحبت نے ان میں کیا انقلاب اور کس درجے کا عشق اور مستی پیدا کر دی تھی، یہاں مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی(۱) کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے، مولوی عبدالرحیم صاحب صادق پوری "الدر المنثور" میں لکھتے ہیں:۔

''حینِ قیام بریلی، جناب مولانا، حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کی جماعت میں داخل تھے، اور ان سے حدیث بھی پڑھا کرتے تھے، مولانا شہید نے اپنی جماعت میں ان کو اپنا نائب مقرر کر دیا تھا، مگر جناب مولانا کو جو ایمانی مزہ حاصل ہوا تھا تو اپنی جماعت والوں کی آپ خدمت کیا کرتے تھے، اب وہ پٹنے کے بانکے اور ناظم بہار کے لاڈلے خمر حُبِ ایمانی سے مخمور ہو کر جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اپنے سر پر لایا کرتے تھے، کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے، مٹی گارے کا کام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے اور جب اپنی جماعت کے کام سے فرصت پاتے تو سید صاحبؒ کی صحبت میں جا بیٹھتے، یا تنہا نماز اور دعا میں مشغول رہتے، انہیں ایام میں جب آپ بمقام بریلی تحصیل حب ایمانی میں مصروف تھے، آپ کے والد ماجد مولوی فتح علی صاحب نے ایک خدمت گار کو جو بچپن سے آپ کی خدمت میں رہتا تھا، چار سو روپئے نقد اور دس پندرہ عمدہ کپڑے اور جوتے وغیرہ ضروری اسباب دے کر آپ کے پاس بریلی کو روانہ کیا تھا، جب وہ نوکر مع اسباب کے بریلی میں پہنچا تو اس نے قافلے میں جا کر پوچھا کہ ''پٹنے والے مولوی ولایت علی صاحب کہاں ہیں؟'' لوگوں نے

---

(۱) اوپر گزر چکا ہے کہ مولانا ولایت علی سفر حج سے سید صاحبؒ کی واپسی پر پٹنے سے ہمراہ ہو گئے تھے، سید عبدالرحمٰن نے اس پر اپنے اندیشے کا اظہار کیا تھا کہ یہ صاحب ضرور ہم پر بار ہوں گے اور سید صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ نہیں، یہ بڑے پرانے رفیقوں سے بھی بازی لے جائیں گے۔ ''منظورہ'' سے تصریحاً معلوم ہوتا ہے اور "الدر المنثور" سے جو مولانا کے عزیز قریب کی لکھی ہوئی ہے، مترشح ہوتا ہے کہ مولانا ولایت علی صاحب کا قیام رائے بریلی میں سید صاحبؒ کے پاس سفر حج سے واپسی پر ہوا ہے ملاحظہ ہو "الدر المنثور" (تذکرۂ صادقہ) ص ۹۳، ۹۴

بتایا کہ ''دریا کے کنارے پر مٹی کا کام کر رہے ہیں''، وہ نوکر دریا کے کنارے پر پہنچا، وہاں بہت سے لوگ گارے مٹی کے کام میں لگے ہوئے تھے، ان میں جناب مولانا بھی سیاہ رنگا ہوا ایک موٹا تہبند باندھے ہوئے اور گارے میں لتھڑے ہوئے اپنا کام کر رہے تھے، ان ایام میں آپ کی صورت ایسی متغیر ہوگئی تھی کہ اس قدیمی نوکر نے جو تیس برس آپ کا خدمت گار رہ چکا تھا، آپ کو نہیں پہچانا، خود مولانا سے اس نے پوچھا کہ ''پٹنے والے مولوی ولایت علی صاحب کہاں ہیں؟'' آپ نے فرمایا کہ ''بھائی ولایت علی تو میرا ہی نام ہے'' اس نے بہت غصہ ہو کر کہا کہ ''میں تم کو نہیں کھوجتا، میں ان ولایت علی کو کھوجتا ہوں جو مولوی فتح علی صاحب، صادق پوری عظیم آباد کے صاحبزادے ہیں'' آپ نے فرمایا کہ ''بھائی صادق پوری ولایت علی تو میں ہی ہوں'' وہ نوکر اور بھی خفا ہوا اور بولا کہ ''تم مجھ سے ہنسی کرتے ہو'' جب آپ نے دیکھا کہ اس کو ہرگز یقین نہیں ہوتا تو آپ نے فرمایا ''اچھا جاؤ قافلے میں تلاش کرو'' جب وہ اور طرف گیا اور دریافت کیا تو ہر شخص نے آپ ہی کی طرف اشارہ کیا کہ مولوی ولایت علی عظیم آبادی تو وہی شخص ہیں، جن سے تم دریا کے کنارے بات کر آئے ہو، تب وہ دوبارہ آپ کے پاس آیا اور اپنی جسارت پر نادم ہو کر معافی چاہی، آپ نے اس کو گلے سے لگا لیا اور بہت اخلاق سے پیش آئے، اس نے وہ خطوط سمیت روپئے وغیرہ آپ کے حوالے کئے اور عرض کی کہ ''ان کپڑوں کو پہنئے اور روپیوں کو اپنے خرچ میں لائیے''، کیونکہ وہ نادان سمجھتا تھا کہ خرچ نہ ہونے کے باعث آپ کی ایسی صورت ہو رہی ہے، اور آپ کی پہلی کیفیت اور پوشاک وغیرہ کو یاد کر کے وہ زار زار رونے لگا، آپ نے اس کو تسلی کر کے اس کو چپ کیا، جب رات ہوئی، آپ وہ روپئے اور کپڑے وغیرہ جیسے بندھے ہوئے آئے تھے، ویسے کے ویسے ہی لے کر سید صاحبؒ کے حضور

میں حاضر ہوئے ، اوران سب کو آپ کے سامنے رکھ کر خاموش اٹھ کر چلے آئے اور دوسری فجر کو اسی کہنہ تہبند سے اپنا معمولی کام کرنے لگے تین چار روز تک وہ نوکر وہاں رہ کر اس بات کا منتظر رہا کہ مولوی صاحب وہ عمدہ کپڑا آمدۂ پٹنہ زیب تن فرما کر میرے پژمردہ دل کو خوش کریں گے ،لیکن اس نے دیکھا کہ مولوی صاحب کی حالت میں ذرا بھی تغیر نہ ہوا،آخر چندروز کے بعد مولوی صاحب نے ان کو رخصت کردیا،اس نے یہ ساری کیفیت پٹنے میں آکر بیان کی کہ جس کے سننے سے صاحبِ دلوں کو سرور اور بے خبروں کو رنج ہوا۔

دیوانہ کنی، ہردو جہانش بخشی　　دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند؟

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز　　کاں سوختہ راجاں شد وآواز نیامد

ایں مدعیان در طلبش بے خبرانند　　کاں راکہ خبرشد خبرش باز نیامد

(سعدیؒ)

اس کیفیت کو سن کر آپ کے والد ماجد مولوی فتح علی صاحب اپنے فرزند مولوی فرحت حسین صاحب سمیت خود بریلی پہنچے،اور ایک مدت دراز تک سید صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر فیض یاب ہوئے ،پھر جب سید صاحبؒ، بطرف ملک افغانستان ہجرت کر کے جانے لگے تو مولوی فتح علی صاحب کو بوجہ کبرسنی اور مولوی فرحت حسین کو بوجہ صغرسنی پٹنے کو واپس کردیا اور ان کو خلافت اور بیعت لینے کی اجازت عطا کی ،مولوی ولایت علی صاحب مع مولوی عنایت علی و مولوی طالب علی صاحب اپنے حقیقی بھائیوں اور مولوی باقر علی صاحب مولوی قمرالدین صاحب و میر عثمان علی صاحب اپنے قرابت داروں کے ہمرکاب سید صاحبؒ ملک خراسان کو روانہ ہو گئے۔''(۱)

---

(۱)"الدر المنثور فی تراجم اھل صادق فور"(تذکرۂ صادقہ)ازمولوی عبدالرحیم صادق پوریؒ،۹۴۔۹۶

سولہواں باب

جہاد اور اس کے مقاصد واسباب

یہاں سے سید صاحبؒ کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے جس کی ''سرخی'' آپ کی کتاب میں سب سے زیادہ روشن ہے، یہ ہجرت وجہاد کا باب ہے۔

مقاصد واسباب

اس جد وجہد کے اصل مقاصد، محرکات اور اسباب کیا تھے؟ بجائے اس کے کہ ہم اپنی زبان سے بیان کریں، بہتر یہ ہے کہ خود سید صاحبؒ کی زبان سے سنیں، اس سلسلے میں آپؒ نے اپنے خطوط ومکاتیب میں اپنے اصلی جذبات وخیالات کا اظہار جا بجا فرمایا ہے، اور ان اسباب کا ذکر کیا ہے، جو اندرونی طور پر اس عظیم مہم کے محرک وباعث ہوئے، آپؒ کی قلبی کیفیات وعزائم معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس آپؒ کے مکاتیب وارشادات سے زیادہ کوئی قابل وثوق اور مستند ذریعہ نہیں، ذیل میں ان تحریرات کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، جن کی مدد سے ہم آپؒ کی عظیم الشان دعوت اور جد وجہد کے حقیقی مقاصد ومحرکات کو مفصل ومرتب طریقے سے معلوم کر سکتے ہیں، اور ہمیں کسی قیاس آرائی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی:۔

تعمیلِ حکم

> فقیر را از تمام ایں جد وجہد ہمیں معنی منظور است کہ احکام الٰہیہ کہ در مقدمہ قتال اہل کفر وضلال وارد شدہ چنانچہ کلمہ ''جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ'' در کلام مجید واقع گردیدہ، از فقیر صورت بند وبالجملہ بندۂ

اطاعت شعار را بجز امتثال اوامر مولائے خود چارہ نیست

(مکتوب بنام سردار یار محمد خاں)

اس تمام جد و جہد سے فقیر کا مقصود صرف یہ ہے کہ اہل کفر و ضلالت سے جنگ کرنے کے بارے میں جو احکام وارد ہوئے ہیں اور فرمان خداوندی ''جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ'' (اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرو) کی تعمیل کی صورت پیدا ہو، فرماں بردار بندے کے لئے اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کے بغیر چارہ نہیں۔

فقیر بہ ہمیں مواعید الٰہیہ اعتماد نمودہ و امتثال احکام خود را قبلہ ہمت ساختہ و جمیع ماسوی اللہ را پس پشت انداختہ و از چپ و راست چشم ہمت بستہ و راہ راست و رضائے مولائے خود پیشِ رُو نہادہ بکمال اطمینان و فرحت و غایت بشارت و مسرت دریں راہ تگاپوی نماید۔ (ایضاً)

فقیر نے اللہ کے وعدوں پر اعتماد کیا اور حکم حاکم (خداوند عالم) کی تعمیل کو اپنا مرکز توجہ بنایا، ماسوی اللہ کو پس پشت ڈال دیا، گرد و پیش سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور رضائے مولیٰ کی راہ راست کو سامنے رکھ کر کمال اطمینان و فرحت اور بشارت و مسرت کے ساتھ اس راستے پر چلا جا رہا ہے۔

فقیر را امتثال حکم الٰہی از تہ دل مقصود است و اعتماد بوعدۂ الٰہیہ بچہ طریق ظاہر خواہد گردید، پس بندہ عبودیت شعار را چہ یارا کہ از مالک خود پرُ مسد کہ وعدۂ خود را بچہ طریق ایفا خواہی کرد کہ ایں سوال خارج از قانونِ عبودیت است (ایضا)

فقیر کو حکم الٰہی کی تعمیل تہہ دل سے مقصود ہے اور اللہ کے وعدے پر اعتماد ہے، باقی اس کی شکل کیا ہوگی؟ غلام کی کیا مجال کہ وہ اپنے مالک سے پوچھے کہ وہ اپنے وعدے کا ایفا کس صورت سے کرے گا کہ یہ سوال آئین بندگی کے خلاف ہے۔

چوں ما مردم کہ از بندگانِ پروردگار واُمتیانِ رسولؐ مختار دعوائے اسلام می داریم وجان خود را در محمدیان می شماریم، چوں کلام اللہ برایں معنی ناطق دانستیم ورسولؐ اللہ را صادق، لامحالہ محض للہ فی اللہ امتثالاً لأمر اللہ کمر ہمت بربستیم واتباعاً لسنۃ رسول اللہ براسپ سفر نشستیم۔

(مکتوب عام بنام علماء ورؤسائے سرحد)

ہم لوگ خدا کے بندے اور رسولؐ کی امت ہیں، بلاشبہ اسلام کا دعویٰ رکھتے ہیں اور اپنے کو پیروانِ رسولؐ میں شمار کرتے ہیں، جب ہم نے اس بات (جہاد) پر کلام الٰہی کو ناطق مان لیا ہے اور نبی کریم کو سچا سمجھ لیا ہے، لامحالہ ہم نے اللہ اور اس کے حکم کی بجا آوری کے لئے کمر ہمت باندھی ہے اور اسوۂ رسولؐ کے اتباع میں سفر کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔

رضا ومحبت الٰہی

محض طالب رضائے حق ہستیم، از غیر او چشم و گوش بربستیم واز دنیا ومافیہا دست برداشتیم ومحض لوجہ اللہ علم جہاد برافراشتیم وما از طلب مال ومنال و جاہ وجلال وامارت وریاست وحکومت وسیاست برجستیم و ہرگز طالب غیر حق نیستیم۔

(مکتوب عام بنام علماء ورؤسائے سرحد)

ہم محض رضائے الٰہی کے آرزومند ہیں، ہم اپنی آنکھوں اور کانوں کو غیر اللہ کی طرف سے بند کر چکے ہیں اور دنیا ومافیہا سے ہاتھ اٹھا چکے ہیں، ہم نے محض اللہ کے لئے علم جہاد بلند کیا ہے، ہم مال ومنال، جاہ وجلال، امارت و ریاست حکومت وسیاست کی طلب وآرزو سے آگے نکل گئے ہیں، خدا کے سوا ہمارا کوئی مطلوب نہیں۔

مائیم ہر چند عاجز وخاکسار وذرۂ بے مقدار، امابلا شک در محبت حضرت حق مست وسرشار واز محبت غیر حق دستبردار (ایضاً)

اگر چہ ہم عاجز و خاکسار ذرہ بے مقدار ہیں، لیکن بلا شک محبت الٰہی سے سرشار اور غیر خدا کی محبت سے بالکل دستبردار ہیں۔

ایں ہمہ محض للہ فی اللہ است، وسوسۂ شیطانی و شائبہ ہوائے نفسانی بایں داعیہ رحمانی اصلاً مخلوط نگردیدہ، ہر چند ایں معنی بر اکثر واقفان حال فقیر ظاہر و باہر است، امابر سبیل مزید تاکید بطریق تجدید می گوید کہ خدائے پاک را، جلّ شانہ، کہ دانندہ نہان وآشکار ومحیط بجمیع خفیات واسرار است، گواہ می کنم براین معنی کہ آنچہ داعیہ جہاد با اہل کفر وعناد از دل فقیر جوش می زند، اصلاً ومطلقاً بوجہٍ مِّن الوجوہ بکدورت مال وعزت وجاہ وحشمت وامارت وسلطنت ونام ونشان وترفع بر اخوان واقران، بالجملہ بطلبِ چیزے کہ سوائے رضائے مالکِ حقیقی باشد، ہرگز ہرگز ممزوج نیست، وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ۔

(۲۸:۲۸)(بنام علماء ومشائخ وامرائے ہندوستان)

''یہ سب کچھ محض اللہ کے لئے ہے، اس جذبۂ الٰہیہ میں نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسے کا شائبہ بھی نہیں، اگر چہ یہ بات فقیر کے اکثر واقفان حال پر ظاہر ہے لیکن مزید تاکید کے لئے پھر نئے سرے سے کہتا ہوں کہ میں خدائے علام الغیوب کو گواہ بناتا ہوں کہ کفار اور دشمنوں کے ساتھ جو جذبۂ جہاد فقیر کے دل میں موجزن ہے، اس میں رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے مقصد کے سوا عزت وجاہ ومال ودولت شہرت ونامودی، امارت وسلطنت، برادران ومعاصرین پر فضیلت و بزرگی یا کسی اور چیز کا فاسد خیال ہرگز دل میں نہیں ہے'' اور ہم جو بات کہہ رہے ہیں، اللہ اس کا گواہ ہے''۔

مسلمانوں کی بے بسی اور اہل کفر کا غلبہ

ہر چند قتالِ اہل کفر و طغیان در ہر زمان و ہر مکان لازم است، اِلّا دریں جزو زمان کہ شورش اہل کفر و طغیان از حد گزشتہ کہ فریاد مظلوماں از دست تظلّم ایشاں سر بفلک کشیدہ و تخریب شعائر اسلام از دست تعدی ایشاں ہویدا گردیدہ، پس بریں تقدیر اقامت ایں رکن رکین، یعنی مقاتلۂ مشرکین بر ذمۂ جمہور مسلمین دریں ایام اوکدو واجب گردیدہ۔

(بنام شرفاء و سادات و علماء و مشائخ ہندوستان)

اگر چہ کفار اور سرکشوں سے ہر زمانے اور ہر مقام میں جنگ کرنا لازم ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ اس زمانے میں کہ اہل کفر و طغیان کی سرکشی حد سے گزر چکی ہے، مظلوموں کی آہ و فریاد کا غلغلہ بلند ہے، شعائر اسلام کی توہین ان کے ہاتھوں صاف نظر آ رہی ہے، اس بنا پر اب اقامتِ رکن دین، یعنی اہل شرک سے جہاد عامہ مسلمین کے ذمے کہیں زیادہ مؤکد اور واجب ہو گیا ہے۔

ہندوستان پر کفار کا تسلط اور اسلام کا زوال

قضا را از مدت چند سال حکومت و سلطنت ایں ملک بر ایں عنوان گردیدہ کہ نصارائے نکوہیدہ خصال و مشرکین بد مآل بر اکثر بلاد ہند استیلا یافتند و آں دیار را بظلمات ظلم و بدید امشحون ساختند و در آں بلاد و امصار رسوم کفر و شرک اشتہار یافتہ، شعائر اسلام را رو بہ استتار آوردہ، ناگزیر سینہ بے کینہ بمعاینہ ایں حال پر از رنج و ملال بود، بشوق ہجرت مالا مال غیرت ایمانی بدل در جوش بود و اقامت جہاد بسر خروش۔

(بنام شاہ سلیمان (۱))

---

(۱) غالباً والی کاشکار (چترال)

تقدیر سے چند سال سے ہندوستان کی حکومت وسلطنت کا یہ حال ہوگیا ہے کہ عیسائیوں اور مشرکین نے ہندوستان کے اکثر حصے پر غلبہ حاصل کرلیا ہے اور ظلم و بیداد شروع کردی ہے کفر وشرک کے رسوم کا غلبہ ہوگیا ہے اور شعائر اسلام اٹھ گئے ، یہ حال دیکھ کر ہم لوگوں کو بڑا صدمہ ہوا، ہجرت کا شوق دامن گیر ہوا، دل میں غیرت ایمانی اور سر میں جہاد کا جوش وخروش ہے۔

ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط

بررائے سامی روشن ومبرہن است کہ بیگانگانِ بعید الوطن ملوکِ زمین وزمن گردیدہ وتاجرانِ متاع فروش بپایۂ سلطنت رسیدہ امارت امرائے کبار وریاست روٗسائے عالی مقدار بر باد نمودہ اند وعزت واعتبار ایشاں بالکل ربودہ، چوں اہل ریاست وسیاست درزاویہ خمول نشستہ اند، ناچار چندے از اہل فقر ومسکنت کمرہمت بستہ، ایں جماعت ضعفا محض بنا بر خدمت دین رب العالمین برجستند، ہرگز ہرگز از دنیا داران جاہ طلب نیستند محض بنا بر خدمت رب ذوالجلال برخاستہ اند، نہ بنا بر طمع مال ومنال۔

(بنام راجہ ہندوراؤ، وزیر گوالیار)

جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے، دنیا جہان کے تاجدار اور یہ سودا بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے ہیں، بڑے بڑے اہل حکومت کی حکومت اور ان کی عزت وحرمت کو انہوں نے خاک میں ملا دیا ہے، جو حکومت وسیاست کے مرد میدان تھے، وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں، اس لئے مجبوراً چند غریب و بے سروسامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہوگئے اور محض اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اپنے گھروں سے نکل آئے ، یہ اللہ کے بندے ہرگز دنیا دار اور جاہ طلب

نہیں ہیں، محض اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اٹھے ہیں، مال و دولت کی ان کو ذرہ بھر طمع نہیں۔

اکثر بلاد ہندوستان بدست بیگانگاں افتادہ وایشاں ہر جا بنیاد و آئین جور و ظلم نہادہ، ریاست رؤسائے ہندوستان بر باد رفتہ، کسے تاب مقاومت ایشاں نمی دارد، بلکہ ہر کس ایشاں را آقائے خود می شمارد و چوں رؤسائے کبار از مقابلہ ایشاں نشستند، لاچار چند کس از ضعفائے بے مقدار کمر بستند۔

(بنام غلام حیدر خاں)

ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضے میں چلا گیا ہے، اور انہوں نے ہر جگہ ظلم و زیادتی پر کمر باندھی ہے، ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہوگئی، کسی کو ان سے مقابلے کی تاب نہیں، بلکہ ہر ایک ان کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے، چونکہ بڑے بڑے اہل حکومت ان کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں، اس لئے چند کمزور و بے حقیقت اشخاص نے اس کا بیڑہ اٹھایا۔

اعلائے کلمۃ اللہ، احیائے سنت اور بلاد اسلامیہ کا استخلاص

مقصود از تمام ایں معرکہ پیرائی و عربدہ آرائی غیر از اعلائے کلمۃ رب العالمین و احیاء سنت سید المرسلین و استخلاص بلاد مومنین از دست کفار و مشرکین امر دیگر نیست۔

(بنام شاہ سلیمان)

اس تمام معرکہ آرائی اور جنگ آزمائی کا مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت زندہ ہو اور مسلمانوں کا ایک ملک کفار و مشرکین کے قبضے سے نکل آئے، اس کے سوا کوئی مقصود نہیں۔

ایں فقیر بتحصیل مال ومنال وتصرف بلاد وامصار غرضے ندارد ہر کہ از اخوان مومنین استخلاص بلاد از دست کفار ومشرکین نمودہ در اجرائے احکام رب العالمین وافشائے سنت سید المرسلین کوشید وقوانین شریعت در ریاست و عدالت مرعی داشت مقصود فقیر حاصل گشت ونیز سعی من بہدف نشست۔

(بنام شاہ سلیمان)

اس فقیر کو مال و دولت اور حصول سلطنت وحکومت سے کچھ غرض نہیں، دینی بھائیوں میں سے جو شخص بھی کفار کے ہاتھوں سے ملک کو آزاد کرے، رب العالمین کے احکام کو رواج دینے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پھیلانے کی کوشش کرے گا اور ریاست و عدالت میں قوانین شریعت کی رعایت و پابندی کرے گا، فقیر کا مقصود حاصل ہو جائے گا اور میری کوشش کامیاب ہو جائے گی۔

دین کا قیام سلطنت سے ہے

فی الواقع بمقتضا "اَلْمُلْکُ وَالدِّیْنُ تَوَاَمان" گوایں کلام قابل احتجاج نباشد، لیکن موافق مدعا است کہ قیام دین بملک است واحکام دینیہ کہ تعلق بحکومت دارند، بوقت نبودن مملکت صاف از دست می روند وخرابی امور مسلمین و ذلت ونکبت ایشاں از دست کفار متمرداں و اہانت شعائر مقدس وتخریب ومعابد ومساجد مسلمین کہ می شود، پرہویدا است۔

(مکاتیب)

حقیقت میں مطابق مقولہ "سلطنت و مذہب جڑواں ہیں" اگر چہ یہ قول حجت شرعی نہیں لیکن مدعا کے موافق ہے کہ دین کا قیام سلطنت سے ہے اور وہ دینی احکام، جن کا تعلق سلطنت سے ہے، سلطنت کے نہ ہونے سے

صاف ہاتھ سے نکل جاتے ہیں، اور مسلمانوں کے کاموں کی خرابی اور سرکش کفار کے ہاتھوں ان کی ذلت ونکبت اور شریعت مقدسہ کے شعائر کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی مساجد و معابد کی تخریب جو ہوتی ہے، وہ بخوبی ظاہر ہے۔

احکام شرعی کا نفاذ

ایں جانب را از قبول ایں منصب غیر از اقامتِ جہاد بروجہ مشروع وحصول معنی انتظام در عساکر اہل اسلام غرض دیگر از اغراض نفسانیہ مثل حصول خزائن درہم ودینار یا تسلط بر بلاد وامصار یا حصول معنی سلطنت وریاست یا تذلیل اہل ریاست ووجاہت یا تنفیذ احکام خود بر سائر اخوان یا حصول امتیاز خود از سائر اقران اصلاً ومطلقاً درمیاں نیست، بلکہ آرزوئے ایں امر گاہے نہ بر زبان جاری می گردد ونہ خیالِ آں در دل می گزرد، تاج فریدوں و تخت اسکندر بجوئے نمی شارم ومملکت کسرائے وقیصر بخیال ہم نمی آرم، آرے ایں قدر آرزو دارم کہ در اکثر افرادِ بنی آدم، بلکہ جمیع اقطار عالم احکام حضرت رب العالمین کہ مسمیٰ بشرع متین است، بلا منازعت احدے نافذ گردد، خواہ از دست من، خواہ از دست کسے دیگر۔ پس ہر حیلہ کہ باعث حصولِ ایں معنی باشد برروئے کار می آرم و ہر تدبیر یکہ دریں مقدمہ می باشد می آرم۔

(بنام سردار سلطان محمد خاں وسردار سید محمد خاں)

میرا اس منصب (امامت) کے قبول کرنے سے اس کے سوا کوئی مقصود نہیں کہ جہاد کو شرعی طریقہ پر قائم کیا جائے اور مسلمانوں کی فوجوں میں نظم قائم ہو، اس کے سوا کوئی دوسری نفسانی غرض، مثلاً روپے پیسے کے خزانے یا ملکوں اور شہروں پر تسلط یا حصول سلطنت وریاست یا اہل حکومت وصاحب

اقتدار لوگوں کی تذلیل یا اپنے ہمسروں پر اپنے احکام کا اجرا یا اپنے ہم عصروں پر فوقیت وامتیاز قطعاً و بالکلیہ شامل نہیں، بلکہ ایسی بات نہ کبھی زبان پر آتی ہے، نہ کبھی خیال میں گزرتی ہے، تاج فریدوں وتخت سکندری کی قیمت میرے نزدیک ایک جو کے برابر بھی نہیں، کسریٰ وقیصر کی سلطنت میں خاطر میں بھی نہیں لاتا، ہاں اس قدر آرزو رکھتا ہوں کہ اکثر افراد انسانی بلکہ تمام ممالک عالم میں رب العالمین کے احکام جن کا نام شرع متین ہے، کسی کی مخالفت کے بغیر جاری ہوجائیں، خواہ میرے ہاتھ سے، خواہ کسی دوسرے کے ہاتھ سے، پس ہر ترکیب وتدبیر، جو اس مقصد کے حصول کے لئے مفید ہوگی، عمل میں لاؤں گا۔

زبانی دعوت وتبلیغ جہاد کے بغیر ممکن نہیں

از انجا کہ دعوت لسان بدون انضمام جہاد سیف وسنان کامل وتام نمی گردد، لہذا امام ہادیان ورئیس داعیان، یعنی سید ولد عدنان علیہ الصلوٰۃ والسلام آخر کار بقتال کفار مامور گردیدند وظہور شعائر دین متین وعلو اعلام شرع مبین از اقامت ایں رکن رکین صورت بست۔

(سادات وعلماء ومشائخ وامرائے ہندوستان کے نام)

چونکہ زبانی دعوت وتبلیغ شمشیر وسنان سے جہاد کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، اس لئے رہنماؤں کے پیشوا اور مبلغوں کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں کفار سے جنگ کرنے کے لئے مامور ہوئے اور دینی شعائر کی عزت اور شریعت کی سربلندی وترقی اسی رکن جہاد کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی۔

عزم راسخ

عزم ادائے عبادت عظمیٰ وادراک ایں سعادتِ علیا بوجہے در خاطر

ایں فقیر القا کردہ اند کہ صرف جان و مال و ترک اہل وعیال ومہاجرت اخوان واوطان درجنب سرانجام دادن ایں امر عظیم واتمام ایں مہم فخیم مثل راندن مگس ناپاک و برتافتن خس وخاشاک می نماید۔

(علماء ومشائخ وشرفاء وامرا کے نام)

اس عبادت عظمیٰ کا ادا کرنا اور سعادت عالیہ کے حصول کا عزم اس طرح اس فقیر پر القا کیا گیا ہے کہ اس عظیم المرتبت کام کے انجام دینے میں جان و مال قربان کر دینا، اہل وعیال کو خیر باد کہنا اور وطن سے ہجرت کر جانا، ناپاک مکھیوں کو ہانکنے اور خس وخاشاک کو دور کرنے سے زیادہ نہیں معلوم ہوتا۔

ما مردم تا جان در بدن داریم و سر برتن، مشغول ہمیں کاروباریم بصد حیلہ وفن اما بصد زبان شکر حق بجا می آریم کہ باطاعت مالک خود شغل داریم ومحض طالب رضائے حق ہستیم۔

(مکتوب عام علماء ورؤسائے سرحد کے نام)

جب تک ہمارے جسم میں جان ہے اور ہمارے سر جسموں کے ساتھ ہیں، ہم بصد حیلہ وفن اسی سودے میں لگے ہوئے ہیں، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اپنے مالک کی اطاعت میں مشغول ہیں، اور محض رضائے الٰہی کے آرزومند۔

ہماری جنگ صرف اہل کفر سے ہے

نہ باکسے از امرائے مسلمین منازعت داریم، نہ باکسے از رؤسائے مومنین مخالفت، با کفار لئام مقابلہ داریم نہ با مدعیان اسلام، با درازمویان، بلکہ با سائر کفر جویان مقابلہ خواہیم، نہ با کلمہ گویان واسلام جویان۔

(مکتوب عام علماء ورؤسائے سرحد کے نام)

ہمارا جھگڑا امرا و رؤسائے اسلام سے نہیں ہے بلکہ ہم کو لانبے بالوں

والوں، بلکہ تمام فتنہ انگیز کافروں سے جنگ کرنا ہے، نہ کہ اپنے کلمہ گو بھائیوں سے اور ہم مذہب مسلمانوں سے۔

مقصود اصلی ہندوستان ہے

بعد از پاک کردن بلاد از انجاس مشرکین والواث منافقین بمستحقین حکومت وسلطنت ومستعدین ریاست ومملکت تفویض کردہ خواہد شد، اما بشرطیکہ شکر ایں انعام الٰہی بجا آوردند وعلی الدوام جہاد را بہر حال قائم دارند و گاہے معطل نہ گزارند و در ابواب عدالت وفصل خصومات از قوانین شرع شریف سر موتجاوز و تفاوت بمیان نیارند واز ظلم وفسق بکلی اجتناب ورزند، باز خود ایں جانب مع مجاہدین صادقین بسمت بلاد ہندوستان بنا بر ازالۂ کفر و طغیان متوجہ خواہد شد کہ مقصود اصلی خود اقامت جہاد بر ہندوستان است، نہ توطن در دیار خراسان۔

(بنام شاہزادۂ کامران)

اس ملک (سرحد) کو مشرکین کی نجاستوں سے پاک کرنے اور منافقین کی گندگی سے صاف کرنے کے بعد حکومت وسلطنت کا استحقاق اور ریاست وانتظام سلطنت کی استعداد رکھنے والوں کے حوالے کر دیا جائے گا، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ احسان خداوندی کا شکر بجا لائیں گے اور ہمیشہ اور ہر حال میں جہاد کو قائم رکھیں گے اور کبھی اس کو موقوف نہیں کریں گے اور انصاف اور مقدمات کے فیصلے میں شرع شریف کے قوانین سے بال بھر بھی تجاوز وانحراف نہیں کریں گے اور ظلم وفسق سے کلیۃً اجتناب کریں گے، اس کے بعد میں اپنے مجاہدین کے ساتھ ہندوستان کا رخ کروں گا تا کہ اس کو شرک وکفر سے پاک کیا جائے، اس لئے کہ میرا مقصود اصلی ہندوستان پر

جہاد ہے نہ کہ ملک خراسان (سرحد وافغانستان) میں سکونت اختیار کرنا۔

''صراط مستقیم''، میں جو سید صاحبؒ کے ارشادات وملفوظات کا مجموعہ ہے، جہاد کے برکات ومنافع پر مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ نے سید صاحبؒ کی تقریر اور خیالات قلمبند کئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؒ جہاد کو کس قدر بابرکت اور پرمنفعت سمجھتے ہیں، اور اس کو عام زندگی اور انسانی بہبود کے لئے کس قدر ضروری اور اہم خیال کرتے ہیں، دین کے ارکان اربعہ کے ساتھ جہاد کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے فوائد وبرکات اور روحانی وباطنی، ذہنی اور اخلاقی نتائج واثرات کو بیان کرتے ہیں۔

جہاد کے عمومی وخصوصی منافع

باید دانست کہ جہاد امریست کثیر الفوائد، عمیم المنافع کہ منفعت آں بوجوہ متعددہ بہ جمہور رانام می رسد بمشابہ باراں کہ منفعتش نبات وحیوان و انسان رااحاطہ کردہ ومنافع ایں امر عظیم دوقسم است، منفعت عامہ کہ مومنین مطیعین وکفار متمردین وفساق ومنافقین، بلکہ جن وانس وحیوان ونبات دراں اشتراک می دارند ومنافع مخصوصہ بجماعات خاصہ یعنی بعضے اشخاص را منفعتے حاصل می شود وبعضے دیگر رامنفعتے دیگر۔

جس طرح بارش سے نباتات اور حیوانات اور انسانوں کو بکثرت فوائد پہنچتے ہیں، اسی طرح جہاد سے عامۂ خلائق کو نفع پہنچتا ہے، ایک نفع تو وہ ہے جو اہل ایمان فرمانبردار اور منکروں اور سرکشوں اور فاسقوں اور منافقوں کو یکساں پہنچتا ہے، بلکہ جن وانس حیوانات ونباتات بھی اس میں شریک ہوتے ہیں اور ایک یہ کہ بعض خاص خاص جماعتوں اور بعض خاص خاص اشخاص کو ایک طرح کا نفع حاصل ہوتا ہے، اور دوسری جماعتوں اور دوسرے اشخاص کو دوسری طرح کا۔

منفعت عامہ

اما منفعت عامہ پس بیانش آں کہ بتجربۂ صحیحہ ثابت شدہ کہ بسبب عدالت حکام ودیانت اہل معاملات وسخاوجودِ اربابِ اموال ونیک نیتی جمہورانام برکاتِ سماویہ مثلِ نزولِ باراں بروقت وکثرتِ نباتات ونفاق مکاسب ومعاملات ورفعِ بلایا وآفات ونمود راموال وظہور ارباب ہنر وکمال بیش از بیش متحقق می گردد، ہم چنیں مثلِ آں بلکہ صد چنداز اں بسببِ شوکتِ دینِ حق وعروجِ سلاطین متدینین وظہورِ شوکتِ ایشاں در اقطار واکناف زمین وقوتِ عساکرِ ملت حقہ وانتشارِ احکام شرع درقریٰ وامصار بظہور می رسد۔

عمومی نفع کی تفصیل یہ ہے کہ تجربہ بتاتا ہے کہ اہل حکومت کے انصاف، اہل معاملات کی دیانتداری، اہل دولت کی سخاوت وفیاضی اور عام لوگوں کی نیک نیتی سے آسمانی برکتیں نازل ہوتی ہیں، وقت پر بارشیں ہوتی ہیں، پیداوار کی بہتات ہوتی ہے، فصلیں اچھی ہوتی ہیں، تجارت کا فروغ ہوتا ہے، سامان تجارت کا چلن اچھا ہوتا ہے، بلائیں ٹلتی ہیں، مالوں میں ترقی اور نمو ہوتا ہے، اہل ہنر اور ارباب کمال بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں، دین حق کی قوت وشوکت، دیندار سلاطین کے عروج اور اطرافِ ممالک میں ان کی حکومت کی ترقی، ملت حقہ کے عساکر وافواج کی قوت اور احکام شریعت کی اشاعت وعمومیت سے بدر جہا زیادہ نتائج وبرکات ظاہر ہوتے ہیں۔

ہندوستان اور آزاد اسلامی ممالک کا مقابلہ

چنانچہ حال ہندوستان را با حال روم وتوران در نزول برکاتِ سماویہ باید سنجید۔

آسمانی برکتوں کے نزول کے سلسلے میں روم اور ترکی سے ہندوستان کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔

گزشتہ وموجودہ ہندوستان

بلکہ حال ہندوستان را دریں جز و زمان کہ سنہ یک ہزار و دوصد وسی وسوم است کہ اکثرش دریں ایام دارالحرب گردیدہ بحال ہمیں ولایت کہ پیش ازیں دوصد یا سہ صد سال بودہ در نزول برکات سماویہ وظہور اولیائے عظام وعلمائے کرام قیاس باید کرد۔

بلکہ موجودہ (۱۲۳۳ھ) ہندوستان، جس کا بڑا حصہ دارالحرب بن چکا ہے اس کا مقابلہ دوسو تین سو برس پہلے کے ہندستان سے کرو، آسمانی برکتوں کا کیا حال تھا اور اولیائے عظام اور علمائے کرام کی کتنی بڑی تعداد پائی جاتی تھی۔

منفعت مخصوص بمجاہدین

اما منافع مخصوصہ پس حصول آں بہ نسبت شہدائے مومنین وغزاۃ مسلمین وسلاطین ذوی الاقتدار وجوانمردان کارزار مستغنی از بیان است۔

باقی رہے خصوصی فوائد تو شہدائے مومنین، مسلمان مجاہدین، صاحب اقتدار سلاطین اور میدان کارزار کے جوانمردوں کو جو فوائد پہنچتے ہیں، ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

اصحاب باطن

اما نسبت ارباب بواطن صافیہ پس حصول ترقیات عظیمہ در اوقات قلیلہ وفوز بمراتب ولایت ومناصب وجاہت بریاضیات یسیرہ است۔

ان کے علاوہ ارباب باطن کو تھوڑے تھوڑے وقت میں بڑی بڑی ترقیاں حاصل ہوتی ہیں، اور معمولی ریاضتوں سے مراتب ولایت اور مناصب وجاہت پر فائز ہوتے ہیں۔

علماء

واما بہ نسبت علماء، پس انتشار علوم حقہ وکثرت معلمین و متعلمین وفوز علماء بمراتب احتساب وقضا واجتہاد وافتاء قیام بر منصب امامت باطنہ یعنی دعوت عامہ ظاہر بسوئے ملت مقبولہ وحصول نیابت انبیاء بسبب نشر عقائد حقہ واحکام مرضیہ وظہور امر بالمعروف ونہی عن المنکر است۔

علوم حقہ کی عام اشاعت ہوتی ہے، معلمین وطلبہ کی کثرت ہوتی ہے، علماء احتساب وقضاء اور اجتہاد وافتاء کے عہدوں پر فائز اور امامت باطنی کے منصب سے سرفراز ہوتے ہیں، یعنی دین حق کی طرف کھلی ہوئی عمومی دعوت اور عقائد حق اور احکام شریعت کی اشاعت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کی نیابت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

عوام صلحاء

واما بہ نسبتِ عوام صلحاء پس وفورِ رغبت ایشاں در صلاح وتقویٰ بسبب اعزاز اہل صلاح واہانت اہل فجور وبسبب شہرت امور محمودۂ مشروعہ وخمول امورِ مذمومہ ممنوعہ ونیز تضاعف اجرِ طاعاتِ ایشاں بسببِ انقیادِ سلاطینِ اہلِ اسلام واکرام علمائے ذوی الاحترام واولیائے عظام بسببِ دخول در جماعاتِ عظیمۂ کافہ اہلِ اسلام است۔

عام اہل صلاح بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے، نیکوکاری اور خدا ترسی کا شوق ترقی کرجاتا ہے، اس لئے کہ نیکوکار انسانوں کا اعزاز ہوتا ہے، بداخلاق اور فاجر انسانوں کی تذلیل کا زمانہ ہوتا ہے، مستحسن اور شرعی باتوں کا فروغ ہوتا ہے، مذموم اور ممنوع امور کا عام زوال ہوتا ہے، مسلمان سلاطین کی اطاعت اور علمائے کرام کی عزت اور اولیائے عظام کی عقیدت

اور مسلمانوں کے سواد اعظم میں شمولیت کی برکت سے ان کی طاعات کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔

عوام مومنین

واما بہ نسبتِ عوام مومنین، پس حدوثِ نیت صحیحہ در معاملات ومیلان بسوئے طاعات در قلوب ایشاں بسببِ انتشارِ انوارِ دین حق والطافِ جوادِ مطلق وانقیاد در رسومِ شرعیہ بسببِ شہرتِ آں اگر چہ تقلیداً باشد، ونیز رفاہت معاش بسبب نزول برکات سماویہ وبسببِ عدالتِ سلاطینِ ذوی الاقتدار وجودِ کرمائے سخاوت شعار وانتظامِ امور معاشیہ ومعادیۂ ایشاں بسبب مطبوع بودن قوانینِ شرعیہ است۔

عام مسلمان بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے، معاملات میں درستی، نیت اور اطاعت کی طرف عام رغبت اور شوق دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے، جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دین کے انوار ہر طرف پھیلے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے خاص الطاف وعنایات کا زمانہ ہوتا ہے، شرعی رسوم وعادات کا ایسا چرچا اور رواج ہوتا ہے کہ لوگ (خواہ تقلیدی طور پر) ان کے پابند ہوتے ہیں آسمانی برکتوں کے نزول، سلاطین کے انصاف اور اہل سخاوت کی فیاضی کی وجہ سے فارغ البالی اور خوشحالی عام ہوتی ہے اور قوانین شرعیہ کی پابندی کی وجہ سے دنیوی واخروی امور ومعاملات درست اور باقاعدہ ہو جاتے ہیں۔

فُسّاق

واما بہ نسبت فساق و فجار حصولِ توبہ یعنی حدوث کراہت در قلوب ایشاں از فسق و فجور بسبب سریانِ انوارِ ملت حقہ در قلوب بنی آدم و بسبب رسوخِ شناعت افعالِ قبیحہ در عقول جمہور انام بسببِ شہرتِ ملت حقہ ونیز

دست کشیدن از اظہار منکرات و بدعات بسببِ خوفِ اقامتِ حدود و تعزیرات یا خوف لحوق عار بسبب طعن اخوان وملامت اقران بسبب شہرت قبح منکرات وبدعات است۔

فساق وفجار بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے ملت حقہ کے انوار بنی آدم کے قلوب میں اس طرح ساری ہوجاتے ہیں اور ملت حق کی شہرت کی وجہ سے مذموم افعال کی قباحت عوام کے دماغوں میں اس طرح راسخ اور جاگزیں ہوجاتی ہے، اور منکرات وبدعات کی قباحت ایسی مشہور ومسلم ہوتی ہے کہ حدود وتعزیرات کے خوف یا ہم چشموں اور ہمسروں کے طعن و ملامت کے اندیشے اور بد نامی کے خطرے سے فساق و فجار منکرات وبدعات کے اظہار سے دستکش ہوجاتے ہیں۔

منافقین

اما بہ نسبت اہل نفاق پس استقامتِ ایشاں بردین حق ظاہراً وعدم دخول ایشاں در زمرۂ کفرۂ جہرہ بسببِ خوفِ قتل یا بسبب ملاحظۂ عزت اہل ایمان و ذلتِ اہل طغیان د نیز امید سرایتِ نور ملتِ حقہ در جذرِ قلوب ایشاں بسبب انتشارِ انوارِ ملت حقہ ونزولِ برکات سماویہ بسبب ملاحظۂ شوکتِ اہل اسلام وبسبب مخالطت باولیائے عظام وعلمائے کرام وانعکاسِ انوار ونفوذِ مواعظ ایں بزرگواراں رادر قلوب ایشاں است۔

اہل نفاق بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے، وہ قتل کے خوف سے یا اہل ایمان کے دبدبے اور غلبے اور سرکشوں کی ذلت ونکبت کو دیکھ کر ظاہری طور پر دین حق پر قائم رہتے ہیں، اور کھلے ہوئے کافروں کے زمرے میں شامل نہیں ہوتے نیز دین کی روشنی کے پھیل جانے اور آسمانی برکتوں کے

نزول اور مسلمانوں کی عظمت وشوکت دیکھ دیکھ کر اور اولیائے عظام اور علمائے کرام کے ساتھ اختلاط اور رہنے سہنے کی وجہ سے اوران کے انوار کا ان کے قلوب پر عکس اوران کے مواعظ کا ان کے دلوں پر اثر پڑنے سے اس کی بھی امید کی جاتی ہے کہ دین کا نور ان کے دلوں کی گہرائی میں اتر جائے گا۔

ذمی کفار

اما بہ نسبتِ اہلِ ذمہ، پس رفاہتِ معیشت بسبب نزول برکاتِ سماویہ ونفاق مکاسب وعدالت سلاطین واطمینان ازلصوص وقطاع الطریق وامید حدوث رغبت بسوئے اسلام بسبب مخالطت با اہل حق وشہرت رسوم ایشاں بسببِ ملاحظۂ انتظام امور معاش ومعاد اہل دینِ حق بسببِ اتباعِ شرع است۔ ذمی کافر بھی، جو مسلمانوں کی رعیت بن کر رہیں، اور جزیہ دیں، اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے، آسمانی برکتوں، تجارت کے فروغ، بادشاہوں کے انصاف اور رہزنوں سے امن واطمینان کی وجہ سے وہ اسلامی ممالک میں فارغ البال اور خوشحال رہتے ہیں، اہل حق کے ساتھ رہنے سہنے اور شہری زندگی گزارنے اور ان کے رسوم وعادات کے رواج وشہرت کی وجہ سے، نیز دین حق کے ماننے والوں کے اتباع شریعت کی وجہ سے معاشی و اخروی امور ومعاملات کی درستی اور باقاعدگی دیکھ دیکھ کر وہ متأثر ہوتے ہیں اور اس کی امید کی جاسکتی ہے کہ ان کے دل میں دین حق کی طرف میلان ہو جائے گا۔

اہل حرب

واما بہ نسبت اہل حرب، پس درحق کسانیکہ در جہاد از دستِ اہل اسلام مقتول شدند باوجودیکہ ایشاں اقلِ قلیل بہ نسبت فارّین می باشد، خصوصاً

وقت ظہور شوکتِ جانب مخالف، القصہ در حقِ ایشاں مقتول شدن باعث تخفیف عذاب و تقلیل عقاب است، چہ اگر مقتول نمی شدند البتہ بر کفر تا مدتے باقی می ماندند، پس لابد کفر ایشاں متزاید می شد و ہر قدر کہ کفر تزاید می شود، باز دراں عقاب متضاعف می گردد۔

اہلِ حرب بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے، جو لوگ جہاد میں اسلام کے ہاتھ سے مقتول ہوتے ہیں، اگر چہ وہ اقل قلیل ہوتے ہیں اس لئے کہ جھگڑوں میں بھاگ جانے والوں کے مقابلے میں قتل ہونے والے (خصوصاً جانب مخالف کی شوکت و قوت کے ظہور کے زمانے میں) کہیں کم ہوتے ہیں، پھر بھی جو مقتول ہوتے ہیں، ان کے حق میں ان کا قتل ہونا عذاب خداوندی کی تخفیف اور سزا کی تقلیل کا سبب ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر وہ مقتول نہ ہوتے تو اپنے کفر پر مدت تک باقی رہتے اس طرح ان کا کفر بڑھتا ہی رہتا اور کفر جتنا بڑھتا اور جتنے دنوں قائم رہتا، اس کی سزا بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی۔

ذریت کفار

اما در حق ذراریِ ایشاں از نساء و صبیان، پس از بسکہ ایشاں را بسبب استرقاق مخالطت با اہل حق بدست می آید، البتہ حصول منافع صحبت اہل حق در حق ایشاں مظنون می نماید۔

اہل حرب کی نسل و اولاد کے حق میں بھی وہ نفع اور برکت سے خالی نہیں، چونکہ غلامی کی وجہ سے ان کو اہل حق کے ساتھ اختلاط و معاشرت کا موقع ملتا ہے، اس لئے اہل حق کی صحبت کے فوائد ان کو حاصل ہو سکتے ہیں۔

ایں است پارہ از ذکر منافع جہاد، اما تفصیل آں، پس احاطہ اش

دریں مقام نمی تواند شد۔

یہ جہاد کے برکات وفوائد کا ایک حصہ ہے، جو بیان کیا گیا، اس کی تفصیل اور اس کا پورا بیان اس موقع پر ممکن نہیں۔

جہاد کی مثال بارش کی سی ہے

القصہ، وجوب جہاد بر اہل ایمان وامر بر اقامتِ آں الٰی انقراض الزمان در کارخانۂ تشریع بمثابۂ انزال غیث واجرائے انہار است در کارخانۂ تکوین، اما تلف شدنِ چندے اشخاص فاقد الاستعداد مثل بعضے از اہل اسلام کہ مانع از وقوع جہاد می شوند وراہ مخالفت غزاۃ ومجاہدین بسبب خبث باطن وحسد ومحبت کفرہ می پیمانید، در ورطۂ ہلاکت ابدی خود را می اندازندۂ ودر زمرۂ اخبث منافقین داخل می شوند، پس در عموم منافع جہاد مخل نمی تواند شد، چہ ہمیں باران است کہ عموم نفع او در حق جمہور انام بدیہی است باوجودیکہ بعضے از اشخاص بسبب انہدام عمارات یا طغیانِ سیول وانہار تلف می شوند۔ (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ اہل ایمان پر جہاد کا وجوب اور قیامت تک اس کو قائم رکھنے کا حکم کارخانۂ تشریع میں وہی حیثیت رکھتا ہے، جو بارش کے نازل کرنے اور نہروں کے جاری کرنے کی حیثیت کارخانۂ تکوین میں ہے، باقی چند ایسے اشخاص کی ہلاکت جو اپنی استعداد کھو چکے ہیں، مثلاً بعض مسلمان جو جہاد کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں، اور اپنی باطنی خرابی حسد اور کفار سے محبت کی بنا پر مجاہدین کی مخالفت اختیار کرتے ہیں اور ہلاکت ابدی میں اپنے کو مبتلا کرتے ہیں اور بدترین منافقین کے زمرے میں داخل ہوتے ہیں تو ان لوگوں کی ہلاکت و بربادی جہاد کے عمومی منافع میں مخل نہیں، اس لئے کہ یہی بارش ہے، جس کا نفع عام انسانوں کے حق میں بدیہی ہے

(۱) "صراط مستقیم" باب دوم، فصل چہارم، افادہ پنجم، صفحہ ۹۵،۹۶ (مطبع مجتبائی)

گو بعض آدمی عمارتوں کے انہدام یا سیلاب اور نہروں کی طغیانی سے تلف ہو جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود بارش کی برکت اور نفع میں کلام نہیں۔

مندرجۂ بالا اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے، کہ سید صاحبؒ کی نظر میں جہاد دین کا ایک نہایت اہم شعبہ اور تکمیلی قدم ہے ان کو قرآن مجید کی صریح آیات اور واضح احادیث کے پیش نظر تعمیل کا جذبہ اس پر ابھارتا ہے، رضا و محبت الٰہی کا شوق دل کو گدگداتا ہے، پھر مسلمانوں کی بے بسی اور اہل کفر کا غلبہ رہ رہ کر ان کے حساس دل میں چٹکیاں لیتا ہے، ہندوستان پر کفار کے تسلط اور اسلام کے زوال کا مشاہدہ ان کو بے چین کرتا ہے، ان کے نزدیک اعلائے کلمۃ اللہ اور بلاد اسلامیہ کے استخلاص کی ضرورت ہر غیور اور فرض شناس مسلمان سے جہاد کا مطالبہ کر رہی ہے، ان کا یقین ہے کہ سلطنت کے بغیر نہ دین کا قیام ہوسکتا ہے، نہ احکام شرعی کا نفاذ ممکن ہے، نہ دعوت و تبلیغ کا کام مکمل ہے، پھر جہاد ایسا بابرکت عمل ہے جس سے ساری دنیا کو فیض پہنچتا ہے، اور انسانوں کا کوئی طبقہ اس کے برکات و منافع سے محروم نہیں رہتا، ان کے نزدیک حالات کی ابتری اور عالم کا فساد اس اہم فریضے کے تعطل کا نتیجہ ہے، یہ سب حقائق ان کے دل میں جہاد کا عزم راسخ پیدا کرتے ہیں، اور وہ اسی راستے میں جان کی بازی لگا دینا چاہتے ہیں۔

محض جنگ آزادی

سید صاحبؒ کی تحریروں اور ذاتی بیانات کے بعد اگرچہ بظاہر اس کی گنجائش نہیں کہ اس کے سوا اور کوئی خیال قائم کیا جائے کہ وہ صاف صاف اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کوشاں اور دین کے ایسے غلبے اور اقتدار اعلیٰ کے لئے جدوجہد کر رہے تھے، جس میں بے تکلف احکام شرعی کا نفاذ اور حکومت الٰہیہ کا قیام ہوسکے اور "حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ" (۳۹:۸) (یہاں تک کہ شرک کا غلبہ نہ رہنے پائے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے) کی حقیقت کا ظہور ہو۔

لیکن پچھلے برسوں میں بعض فاضل اہل علم کی تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحبؒ جنگ آزادی کے ایک رہنما تھے، جن کا مقصد وحید ہندوستان سے انگریزوں کا اخراج اور ملک کو غیر ملکی حکومت سے آزاد کرا کے ایک خالص ملکی حکومت قائم کرنا تھا، جس میں عقیدہ و اصول اور حکمراں کے دین و مذہب اور مسلک و عمل کی کوئی بحث نہ تھی، لکھنے والوں نے صاف صاف یہاں تک لکھا ہے کہ "آپؒ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے، اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی، اس سے آپؒ کو غرض نہیں ہے، جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے، ہندو ہوں یا مسلمان یا دونوں، وہ حکومت کریں گے"۔

اس عمارت کو جس بنیاد پر قائم کیا گیا ہے وہ سید صاحبؒ کا خود ایک مکتوب ہے جو آپؒ نے مہاراج دولت رائے سندھیا کے وزیر و برادر نسبتی راجہ ہندو راؤ کو تحریر فرمایا تھا(۱)، اور جس کا ایک ٹکڑا پچھلے اقتباسات میں "ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط" کے عنوان کے ماتحت گزر چکا ہے، اس خط کے آخر میں انگریزوں کے تسلط و اقتدار اور اس کے تباہ کن نتائج کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> وقتے کہ میدان ہندوستان از بیگانگان دشمنان خالی گردیدہ و تیر سعی ایشاں بر ہدف مراد رسیدہ، آیندہ مناصب ریاست و سیاست بطالبین آں مسلّم باد و بیخ شوکت و سطوتِ ایشاں محکم شود، و ایں ضعفاء را از رؤسائے کبار و عظمائے عالی مقدار ہمیں قدر مطلوب است کہ خدمت اسلام بجان و دل کنند و بر مسند مملکت متمکن شوند ۔

جس وقت ہندوستان ان غیر ملکی دشمنوں سے خالی ہو جائے گا اور ہماری کوششوں کا تیر مراد کے نشانے تک پہنچ جائے گا، حکومت کے عہدے اور منصب ان لوگوں کو ملیں گے، جن کو ان کی طلب ہوگی اور ان (ملکی) حکام

---

(۱) اس مکتوب کی اشاعت سب سے پہلے خاکسار مؤلف کی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" میں ہوئی تھی، اسی کے حوالے سے وہ جا بجا نقل ہوا اور اس پر اس دعوت کی بنیاد رکھی گئی کہ سید صاحبؒ کی تحریک ایک مشترک وطنی تحریک تھی۔

و اہل ریاست کی شوکت وقوت کی بنیاد مستحکم ہوگی، ہم کمزوروں کو والیان ریاست، اور بڑے بڑے سرداروں سے صرف اسی بات کی خواہش ہے کہ جان ودل سے اسلام کی خدمت کریں اور اپنی مسند حکومت پر برقرار رہیں۔

ریاست گوالیار کے ایک مسلمان عہدیدار غلام حیدر خاں کے نام ایک مکتوب میں مزید تحریر فرماتے ہیں:۔

پس دریں صورت رؤسائے عالی مقدار را لازم چنانچہ بر مسند ریاست سالہا سال متمکن ماندہ اند بالفعل در اعانت ضعفائے مذکورین مساعی بلیغہ بجا آرند وآں را باعث استحکام بنیان ریاست خود شمارند۔

اس صورت میں ان بڑے سرداروں کے لئے مناسب یہی ہے جو سالہا سال سے اپنی مسند ریاست پر متمکن چلے آرہے ہیں کہ اس وقت ان کمزوروں کی ہر طرح امداد کریں اور اس بات کو اپنی حکومت کے استحکام کا باعث سمجھیں۔

ان اقتباسات سے بلاشبہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحبؒ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بڑھتے ہوئے اثر وتسلط اور انگریزی اقتدار کو حقیقی خطرہ سمجھتے ہیں اور اس خطرے کے ازالے اور ان ''بیگانگانِ بعید الوطن'' اور ''تاجرانِ متاع فروش'' کے اخراج کے لئے مسلم والیانِ ریاست اور اہل حکومت وطاقت کو اپنے ساتھ جدوجہد کرنے اور تعاون کی دعوت دیتے ہیں، جوان کی اعلیٰ سیاسی بصیرت کی دلیل ہے، اس کے ساتھ وہ ان کو یقین دلاتے ہیں کہ اس منظّم و متحد مقابلے اور جدوجہد ہی میں ان کی ریاست اور طاقت کی بقا ہے، ان کی زندگی اور عزت و منزلت اسی پر منحصر ہے کہ انگریزی غلبہ واقتدار کا یہ سرطان ہندوستان کے جسم سے خارج کردیا جائے اور ملک کو اس غیر ملکی طاقت کے چنگل سے نکال لیا جائے، آپؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس مقصد کے حصول کے بعد وہ اہل ریاست و سیاست، جنہوں نے اس مقصد کے لئے اشتراک عمل کیا ہے، اپنے منصبوں (ریاست اور امارت کی گدیوں) پر فائز رہیں گے، وہ

مناسب عہدوں اور منصبوں سے سرفراز ہوں گے، اور ان کی شوکت وسطوت میں جو انگریزوں کے اثر اور تدبیر سے ہر دم متزلزل اور روبہ زوال ہے، استحکام پیدا ہو جائے گا۔

یہ سب حرف بہ حرف صحیح اور تاریخی وسیاسی حیثیت سے نہایت معقول اور متوازن دعوت واعلان ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ گویا انگریزوں کے اخراج کے بعد سید صاحبؒ اقتدار اعلیٰ اور ہندوستان کی حکومت والیانِ ریاست اور غیر مسلم اشخاص کے حوالے کر کے خود گوشہ نشین اور ذکر وعبادت میں مشغول ہو جائیں گے اور ہندوستان میں ایسی غیر مسلم ریاست یا مشترک ہندو مسلم ریاست کے قیام پر رضامند ہو جائیں گے جس میں اسلام وقوانین اسلام کو کوئی بنیادی مرکزی حیثیت حاصل نہ ہوگی اور اقتدار اعلیٰ اسلامی طاقت کے ہاتھ میں نہ ہوگا، یہ سید صاحبؒ کی زندگی، ان کے اصلی جذبات اور ان کی روح تحریک سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اور انہیں خطوط کے اندر اس کے خلاف صریح شہادتیں موجود ہیں۔

سب سے پہلے دیکھنے کی یہ بات ہے کہ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط واقتدار سے سید صاحبؒ کی قلبی اذیت کی اصل وجہ کیا ہے اور وہ کون سا جذبہ ہے جو ان کو اس کا مقابلہ کرنے اور اس کے خلاف صف آرا ہونے پر بے اختیار آمادہ کر رہا ہے، اس سلسلے میں اس مکتوب کو دوبارہ پڑھیے جو آپؒ نے شاہ سلیمان والی چترال کے نام لکھا ہے، اس میں آپؒ فرماتے ہیں:۔

> قضا را از مدت چند سال حکومت وسلطنت ایں ملک برایں منوال گردیدہ کہ نصارائے نکوہیدہ خصال ومشرکین بد مآل بر اکثر بلاد ہند استیلا یافتند وآں دیار را بظلمات ظلم وبیداد مشحون ساختند ودر آں بلاد وامصار رسوم کفر وشرک اشتہار یافتہ شعار اسلام را روباستتار آوردہ ناگزیر سینۂ بے کینہ بمعاینۂ ایں حال پر از رنج وملال بود۔ بشوق ہجرت مالا مال غیرتِ ایمانی بدل در جوش بود واقامتِ جہاد بسر خروش۔

تقدیر سے چند سال سے ہندوستان کی حکومت وسلطنت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ عیسائیوں اور مشرکین نے ہندوستان کے اکثر حصے پر غلبہ حاصل کر لیا

ہے اور ظلم و بیداد شروع کردی ہے کفر و شرک کے رسوم کا غلبہ ہوگیا ہے، اور شعائر اسلام اٹھ گئے، یہ حال دیکھ کر ہم لوگوں کو بڑا صدمہ ہوا، ہجرت کا شوق دامن گیر ہوا، دل میں غیرت ایمانی اور سر میں جہاد کا جوش و خروش ہے۔

اس مکتوب میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ اصل تکلیف واذیت کا باعث یہ ہے کہ ''نصاریٰ و مشرکین کے اقتدار کی وجہ سے کفر و شرک کے رسوم کا غلبہ اور شعائر اسلام کا روز بروز زوال ہو رہا ہے'' ظاہر ہے کہ جس شخص کی بنائے شکایت اور جس کی جد و جہد کا محرک یہ احساس ہے کہ اسلام اور شعائر اسلام روز بروز زوال پذیر اور کفر و شرک کا غلبہ روز افزوں ہے، وہ اس پر کس طرح رضا مند ہوسکتا ہے کہ اس ملک کے حاکموں میں تبدیلی ہو جائے اور صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ ہو؟ کیا وہ کفر و شرک کے اس غلبے کو پردیسیوں کے زیر اثر تو برداشت نہیں کر سکتا، مگر دیسیوں کے زیر اثر برداشت کرسکتا ہے؟ بساط حکومت کے مہروں کی ظاہری تبدیلی اور ملک کے آقاؤں اور منتظموں کی قومیت کا تبادلہ کسی محبّ وطن قائد اور سیاسی رہنما کے مزاج و مذاق سے کتنی ہی مناسبت رکھتا ہو، سید صاحبؒ جیسے داعی اور حقیقت شناس کے فکر و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، وہ صاف صاف ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ ان کا مقصود صرف خدا کے نام کی بلندی اور رسول اللہؐ کی سنت کا احیا اور ملک کو (بلا لحاظ قومیت و وطنیت) اہل کفر و شرک کے اقتدار سے آزاد کرنا ہے:۔

مقصود از تمام ایں معرکہ پیرائی و عربدہ آرائی غیر از اعلائے کلمۂ رب العالمین و اعلائے سنت سید المرسلینؐ و استخلاصِ بلادِ مومنین از دستِ کفار و مشرکین امر دیگر نیست۔ (بنام شاہ سلیمان)

اس تمام معرکہ آرائی اور جنگ آزمائی کا مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت زندہ ہو اور مسلمانوں کا ملک کفار و مشرکین کے قبضے سے نکل آئے، اس کے سوا کوئی مقصود نہیں۔

ان کی جد و جہد کا محرک یہ نہیں کہ ملک غلام ہے، اور اہل ملک کو اپنی خواہشات اور

تصرفات اور خود ساختہ انسانی قوانین کے اجرا کا موقع نہیں ملتا، بلکہ محرک صرف یہ ہے کہ اسلام اس ملک میں بے پر و بال اور مجبور و مفلوج ہے اور سیاسی قوت و حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے الٰہی قوانین و احکام کے اجرا کا کوئی موقع نہیں اور مسلمان ذلت و اہانت اور شعائر اسلام تحقیر و تذلیل کا نشانہ ہیں، فرماتے ہیں:۔

قیام دین بملک است و احکام دینیہ کہ تعلق بحکومت دارند بوقت نبودنِ مملکت صاف از دست می روند و خرابی امور مسلمین و ذلت و نکبتِ ایشاں از دست کفار متمردان و اہانتِ شعائر مقدس و تخریب معابد و مساجد مسلمین کہ می شود پر ہویدا است۔

دین کا قیام سلطنت سے ہے اور وہ دینی احکام جن کا تعلق حکومت سے ہے سلطنت کے نہ ہونے سے صاف ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اور مسلمانوں کے کام کی خرابی اور سرکش کفار کے ہاتھ سے ان کی ذلت و نکبت اور شریعت مقدسہ کے شعائر کی بے حرمتی اور مسلمانوں کے معابد و مساجد کی جو تخریب ہوتی ہے وہ بخوبی ظاہر ہے۔

ان کے سامنے ایک ملک کی آزادی اور غلامی کا مسئلہ نہیں ہے، ان کے سامنے تو ساری دنیا پر خدا کی حکومت کے قیام اور تمام انسانوں پر قوانین الٰہیہ کے نفاذ کا مسئلہ ہے:۔

ایں قدر آرزو دارم کہ در اکثر افرادِ بنی آدم بلکہ جمیع اقطارِ عالم احکامِ حضرت رب العالمین کہ مسمیٰ بشرع متین است، بلا منازعتِ احدے نافذ گردد۔ (مکتوب بنام سردار سلطان محمد خاں والی پشاور)

اس قدر آرزو رکھتا ہوں کہ اکثر افراد انسانی، بلکہ تمام ممالکِ عالم میں رب العالمین کے احکام، جن کا نام شرع متین ہے، بلا کسی کی مخالفت کے جاری ہو جائیں۔

اس داعی الی اللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ کے متعلق جس سے بڑھ کر فکر اسلامی کا حامل

اور خلافتِ نبوت کا پرتو کامل کم سے کم ہندوستان کی ہزار سالہ تاریخ میں ہمارے علم میں پیدا نہیں ہوا، یہ خیال کہ وہ صرف آزادی ملک اور انگریزوں کے اخراج کا داعی تھا، اور اس کا مقصد صرف پردیسیوں کی حکومت کا ختم کر دینا تھا، اس کو حکومت کے اصول و مقاصد اور اس کے اخلاقی و دینی نتائج سے بحث نہ تھی، ایک ایسی نسبت ہے، جس کے متعلق اس کی روح کو شکایت کا موقع ہے کہ ؎

ہر کسے از ظنِّ خود شد یارِ من
وز درونِ من نہ جُست اسرارِ من

سرحد کا انتخاب اور پنجاب، افغانستان اور سرحد کے حالات

سید صاحبؒ کے نزدیک اگر چہ مقصود اصلی ہندوستان تھا، جیسا کہ خود ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> بازخود ایں جانب مع مجاہدین صادقین بسمتِ بلادِ ہندوستان بنا بر ازالۂ کفر وطغیان متوجہ خواہد شد کہ مقصود اصلی خود اقامتِ جہاد بر ہندوستان است نہ توطن در دیارِ خراسان۔(۱)
>
> اس کے بعد میں اپنے مجاہدین کے ساتھ ہندوستان کا رخ کروں گا تا کہ اسے کفر وشرک سے پاک کیا جائے، اس لئے کہ میرا مقصود اصلی ہندوستان پر جہاد ہے نہ کہ ملک خراسان (سرحد افغانستان) میں سکونت اختیار کرنا۔

لیکن پنجاب میں، جس پر کچھ عرصے سے رنجیت سنگھ کی با قاعدہ حکومت قائم ہو گئی تھی، مسلمانوں کے ناگفتہ بہ حالات ان کی فوری امداد کی ضرورت جو ایک شرعی فریضہ تھا، نیز فوجی مصالح اور سیاسی تدبر کا تقاضا تھا کہ یہ مہم ہندوستان کی شمال مغربی سرحد سے شروع کی جائے، جو طاقتور و پرُ جوش افغانی قبائل کا مرکز ہے اور جہاں سے ترکستان تک آزاد مسلمان حکومتوں کی ایک مسلسل زنجیر ہے، نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں کی امداد

---

(۱) مکتوب بنام شاہزادۂ کامران

ہندوستان کی دوبارہ تسخیر اور ایک طاقتور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے بظاہر اس سے زیادہ موزوں مقام نہیں ہوسکتا۔

سید صاحبؒ کی نگاہ کے سامنے ان لوگوں کا انجام تھا، جنہوں نے ہندوستان کے کسی حصے کو اپنی تحریک اور جنگی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، اور بہت جلد ان کے گرد سازشوں، مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں کا ایک جال پھیلا دیا گیا، جس میں وہ جکڑتے چلے گئے اور ان کے ہاتھ پاؤں بندھ کر رہ گئے، انگریزوں کی زیرک وپُرفن حکومت ہر حوصلہ مند قائد اور اپنے ہر مخالف کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیتی تھی کہ اس کی جنگی کارروائیوں اور آزادانہ سرگرمیوں کا میدان تنگ سے تنگ ہوتا چلا جاتا اور وہ بہت جلد محسوس کر لیتا کہ وہ ایک قفس میں محبوس ہے اور بالکل بے بال وپر اور بے دست وپا رہ گیا ہے، نواب امیر خاں کا سارا معاملہ سید صاحبؒ کی نظر کے سامنے تھا کہ انگریزوں کے جوڑ توڑ سے کس طرح اکیلا رہ گیا اور کس طرح انہوں نے اس کے مختلف سرداروں کو اس سے توڑ لیا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ اپنے کو معاہدے اور مصالحت پر مجبور سمجھنے لگا، اس سے پہلے ہندوستان کے دور آخر کے سب سے بڑے صاحب عزم امیر ٹیپو سلطان کو انہوں نے کس طرح سب سے کاٹ لیا تھا اور کس طرح اسے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا کہ آخر اس جواں مرد نے تنہا سرخروئی حاصل کی، اور ہندوستان کے کسی والی ریاست یا امیر نے اس کا ساتھ نہیں دیا، یہ سید صاحبؒ کی بہت بڑی سیاسی بصیرت تھی کہ انہوں نے ہندوستان کے اندر اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز نہیں بنایا، جس کے لئے بہت جلد ایک ایسا جزیرہ بن جانے کے قوی امکانات تھے، جس کے چاروں طرف مخالفتوں، مزاحمتوں اور سازشوں کا ایک سمندر پھیلا ہوا ہوتا اور جس کو کہیں سے کمک یا رسد ملنے کی کوئی توقع نہ رہتی۔

اس مرکز یعنی ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کے انتخاب میں اس بات نے بھی مدد دی ہوگی کہ افغانوں کی جواں مردی، سپہ گری، جنگی صلاحیت اور شجاعت وتہور کی ہندوستان میں بڑی شہرت تھی، جو افغانی ہندوستان کے مختلف حصوں میں عرصے سے سکونت پذیر ہوگئے

تھے، وہ ان مردانہ اوصاف کے حامل اور سپہ گری میں ممتاز تھے، اودھ کی فوج کا بڑا حصہ ان پٹھانوں پر مشتمل تھا، جو یا تو خود افغانستان و سرحد سے آئے تھے، یا ان کے قریبی مورث منتقل ہوئے تھے، شاہ اودھ کی فوج انہیں پٹھان افسروں کی ماتحتی میں تھی، نواب فقیر محمد خاں آفریدی، عبدالباقی خاں قندھاری، مینڈو خاں رسالدار، یہ سب افغانی الاصل اور سرحدی پٹھان تھے، خود نواب امیر خاں اور اس کے اکثر سردار اور رفقائے کار افغانی تھے، روہیل کھنڈ جو ہندوستان میں مسلمانوں کی فوجی طاقت اور دینی حمیت کا ایک بڑا مخزن تھا، جو وقتاً فوقتاً مرکز (دہلی) کو بھی تازہ خون اور نئی طاقت عطا کرتا رہا، افغانوں سے آباد تھا، خود رائے بریلی میں جو سید صاحبؒ کا وطن ہے، جہاں آباد کا محلّہ پٹھانوں کا محلّہ تھا، اور سید صاحبؒ ان کی مردانگی اور جواں مردی سے خوب واقف تھے، ان میں سے کثیر التعداد لوگ سید صاحبؒ سے ارادت اور بیعت کا تعلق رکھتے تھے اور آپؒ کی رفاقت کے لئے کمر بستہ تھے، ان سب کے تعلقات اور رشتے داریاں افغانستان اور سرحد کے افغانی قبائل میں تھیں، انہوں نے بھی سید صاحبؒ کو اپنے وطن یعنی افغانستان و سرحد کو اپنی دعوت و جہاد کا مرکز بنانے کا مشورہ دیا ہوگا، اور اپنے اعزا اور اہل تعلق کی مدد کی امید دلائی ہوگی، ان سب چیزوں نے آپ کو اس پر آمادہ کیا کہ آپ اس افغانی آزاد علاقے کو اپنی مجاہدانہ دعوت و تحریک کا مرکز بنائیں، جس سے آپ کو اپنے مقصد کے لئے بہترین سپاہی اور جنگجو اور جنگ آزما رفیق بہت بڑی تعداد میں مل سکتے ہیں۔

عواقب و نتائج اور اصلی حقائق کا علم تو صرف عالم الغیب ہی کو ہوسکتا ہے، ایک غیر معصوم انسان جو صرف غور و فکر، صلاح اور مشورے اور دعا اور استخارے سے زیادہ کوئی اور ذریعہ نہیں رکھتا یہی کرسکتا ہے کہ اپنی کوششوں اور صلاحیتوں کے استعمال کے لئے بہتر سے بہتر میدان انتخاب کرے، پھر اس میدان میں اپنی ساری طاقت صرف کردے، اتنے عرصے کے بعد اور ان کوششوں کا انجام دیکھ لینے کے بعد اس انتخاب پر تنقید و تبصرہ بہت آسان ہے، لیکن انیسویں صدی کی ابتدا کے ہندوستان کا سیاسی نقشہ سامنے رکھنے اور یہاں سعی و جہاد کے مواقع اور وسائل کا پورا پورا جائزہ لینے کے بعد ایک منصف اور سلیم الطبع انسان یہی فیصلہ

کرے گا کہ سید صاحبؒ اس انتخاب میں حق بجانب تھے، پنجاب میں مسلمان جس نازک دور سے گزر رہے تھے، اور جن مظالم اور اہانتوں کا نشانہ تھے، سارے ملک پر جو بے حمیتی اور بے حسی طاری تھی، افغانستان و سرحد اپنی بہترین فوجی صلاحیتوں کے باوجود کسی دینی دعوت کے نہ ہونے کی وجہ سے جس طرح چھوٹے چھوٹے مناقشات اور حقیر منافع ومقاصد کے لئے اپنی اس طاقت کو جو تنظیم اور دینی روح کے بعد سارے ہندوستان کو فتح کر لینے کے لئے کافی تھی، ضائع کر رہے تھے، ان سب حقائق کا تقاضا تھا کہ ایک صاحب حمیت وعزم انسان جس کے سینے میں حمیت اسلامی کا دریا موجزن ہو اور جس کے ساتھ مخلصین وصادقین اور جانبازوں کی ایک منتخب جماعت ہو، وہ اپنا کام ایسے رخ سے شروع کرے، جہاں ایک طرف وہ اس عظیم الشان طاقت کو صحیح مصرف پر لگائے، دوسری طرف پنجاب کے ان مسلمانوں کی مدد کرتا ہوا، جو ظلم کی اس چکی میں پس رہے تھے، ہندوستان کی طرف بڑھے اور اس ملک کو فرنگی تسلط سے آزاد کراتا ہوا صحیح اسلامی حکومت قائم کرے، خود سید صاحبؒ اپنے اس انتخاب اور فیصلے کی وجہ اپنی زبان سے بیان کرتے ہیں کہ، ایک مرتبہ پنجتار(۱) کے ایک اجتماع میں جس میں بہت بڑی تعداد میں علماء وخوانین جمع تھے، آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میں نے ہندوستان میں خیال کیا کہ کوئی جگہ ایسی مامون ہو کہ وہاں مسلمانوں کو لے کر جاؤں اور جہاد کی تدبیر کروں، باوجود اس وسعت کے کہ صدہا کردہ (کوس) میں ملک ہندواقع ہوا ہے، کوئی جگہ ہجرت کے لائق خیال میں نہ آئی، کتنے لوگوں نے صلاح دی کہ اسی ملک میں جہاد کرو جو کچھ مال، خزانہ، سلاح وغیرہ درکار ہو ہم دیں گے، مگر مجھ کو منظور نہ ہوا، اس لئے کہ جہاد سنت کے موافق چاہئے، بلوہ کرنا منظور نہیں، تمہارے ملک کے ولایتی بھائی حاضر تھے، انہوں نے کہا کہ ہمارا ملک اس کے واسطے بہت خوب ہے

---

(۱) ریاست سوات کی سرحد پر ضلع مروان کے قریب پٹھانوں کی ایک بستی تھی، جو کئی سال تک سید صاحبؒ اور جماعت مجاہدین کا مستقر اور فوجی ودعوتی مرکز رہی۔

اگر وہاں چل کر کسی ملک میں قیام اختیار کریں تو وہاں کے لاکھوں مسلمان جان و مال سے آپ کے شریک ہوں گے، خصوصاً اس سبب سے کہ رنجیت سنگھ والیِ لاہور نے وہاں کے مسلمانوں کو نہایت تنگ کر رکھا ہے، طرح طرح کی ایذا پہنچاتا ہے اور مسلمانوں کی بے آبروئی کرتا ہے، جب اس کی فوج کے لوگ اس ملک میں آتے ہیں، مسجدوں کو جلا دیتے ہیں، کھیتیاں تباہ کرتے ہیں، مال واسباب لوٹ لیتے ہیں، بلکہ عورتوں اور بچوں کو پکڑ لے جاتے ہیں، اور اپنے ملک پنجاب میں لے جاکر بیچ ڈالتے ہیں، پنجاب میں وہ مسلمانوں کو اذان بھی نہیں کہنے دیتے، مسجدوں میں گھوڑے باندھتے ہیں، گاؤکشی کا تو کیا ذکر، جہاں سنتے ہیں کہ کسی مسلمان نے گائے ذبح کی تو اس کو جان سے مار ڈالتے ہیں، یہ سن کر میرے خیال میں آیا کہ یہ سچ کہتے ہیں، اور یہی مناسب ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے وہیں چل کر ٹھہریں اور سب مسلمانوں کو متفق کر کے کفار سے جہاد کریں اور ان کے ظلم سے مسلمانوں کو چھڑائیں''۔

پنجاب وسرحد اور افغانستان کے وہ حالات کیا تھے، جو ایک صاحب حمیت وعزم اور ایک صاحب بصیرت وفہم شخصیت وداعی کی عنان توجہ اپنی طرف موڑتے تھے اور اس کو پیش قدمی کی دعوت دیتے تھے، ان کو تفصیل سے جاننے کی ضرورت ہے۔

پنجاب میں مسلمانوں کی حالت

اٹھارہویں صدی کے وسط ہی میں سکھوں نے پنجاب میں اہم سیاسی طاقت حاصل کر لی تھی، احمد شاہ ابدالی کی وفات پر شمالی ہندوستان میں سکھ ہی اصل طاقت تھے، پورا پنجاب، ملتان کا ایک حصہ، جمنا اور ستلج کے درمیان کا سب سے بڑا علاقہ سکھ رئیسوں اور سرداروں کے قبضے میں تھا، شمال مغرب میں دریائے سندھ، مشرق میں جموں کی ریاست، جنوب میں

انگریزی عملداری اور حصار اور جیسلمیر کے ریگستان ان کے وسیع اقتدار کی سرحدیں تھیں۔

مسلمان اس نوخیز طاقت کے اصل حریف رہ چکے تھے، کئی صدیوں کی تاریخ اور دینی وسیاسی کشمکش نے اس قوم کے دل میں مسلمانوں کی نفرت کا بیج بو دیا تھا، اور وہ یوماً فیوماً ترقی اور نشو ونما حاصل کرتا جاتا تھا، بالآخر وہ اس شدید تعصب اور عداوت کی حد کو پہنچ گیا، جس کی نہایت وحشیانہ مثال ''بندا بیراگی'' کی زندگی اور اس کی خونریز وخون آشام جنگی سرگرمیاں ہیں، جن کی مثال ہندوستان کی پچھلی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔(۱)

یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ جب اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر سکھوں کے ہاتھ میں منتقل ہو تو اس انقلاب کا سب سے زیادہ اثر مسلمانوں پر پڑے، جو کل تک اس ملک کے حکمراں اور اس بڑھتی ہوئی طاقت کے راستے میں مزاحم تھے، اب پنجاب میں مسلمان ایک ایسی غلام قوم کے فرد تھے، جس سے حاکموں کی قدیم سیاسی رقابت بھی تھی، اور شدید مذہبی نفرت بھی۔

۱۷۹۹ء میں رنجیت سنگھ نے لاہور کو جس کا پروانۂ حکومت شاہ زماں سے مل گیا تھا ان تین سکھ سرداروں سے چھین لیا، جو اس پر حکومت کرتے تھے، حوصلہ مند وحریص طبیعت، ایک تازہ دم جنگجو اور جفاکش نسل کی رفاقت جو تمدن کی لائی ہوئی خرابیوں اور کمزوریوں سے ناآشنا تھی، اور اکالیوں کے مذہبی جوش اور جذبۂ قربانی نے رنجیت سنگھ کو کامیابی کے وہ عناصر بخشے جو کبھی وسط ایشیا کی فاتح قوموں کو حاصل تھے، اور جنہوں نے رنجیت سنگھ کو ایک طاقتور حکمراں اور ایک مہیب فاتح بنا دیا، جس کو شکست دینا غیر منظم افغانی قبائل اور پنجاب کی چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے بس کی بات نہ تھی، رنجیت سنگھ نے ایک ایک کر کے وہ تمام ریاستیں اور صوبے جو خود مختار سکھ سرداروں اور مسلمان حکمرانوں کے پاس تھے، فتح کر لئے، جن مسلمان ریاستوں نے نذرانہ دینے سے انکار کیا اور مقابلہ کیا، ان کو بے تربیت، نیم وحشی اور فتح کے نشے میں سرشار فوجوں کے ہاتھوں سخت ذلت وعذاب کا سامنا کرنا پڑا، ان کے شہر اکالیوں اور خالصہ فوج کے ہاتھوں بری طرح تباہ و برباد ہوئے اور مسلمان رعیت کو لرزہ خیز

---

(۱) ملاحظہ ہو سر جان میلکم کی کتاب "The Sketch of The Sikhs" مطبوعہ لندن ۱۸۱۲ء

مظالم کا نشانہ بننا پڑا، ''احمد خاں رئیس جھنگ کی شکست کے بعد سکھوں نے شہر کو لوٹ لیا اور تمام رعیت کو روٹی کے ٹکڑوں کا محتاج کر دیا، اس بات کی فریاد چودھریوں نے جب مہاراج سے کی تو فرمایا کہ ہماری فتحیاب فوج فتح کے وقت بے بس ہوتی ہے'' (۱) ''سن رسیدہ نواب مظفر خاں والی ملتان اور اس کے جواں مرد بیٹوں کی دست بدست جنگ اور دلیرانہ شہادت کے بعد ملتان حملہ آوروں کے رحم وکرم پر تھا، چار پانچ سو مکانات پیوند زمین ہو گئے، کسی کے پاس روٹی کا ایک ٹکڑا نہ رہا، شہر میں مکانات کو آگ لگا دی گئی اور سب کچھ لے لیا گیا، سیکڑوں آدمی برہنہ کر دیئے گئے، عورتوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا گیا، بہت سی شریف عورتوں نے کنوؤں میں گر کر جان دی اور عزت بچائی (۲) ''قصور میں سکھوں نے لوگوں کے بدن کے کپڑے تک اتار لئے، عورتیں ننگے سر، ننگے بدن بے ستر ہو کر جا بجا اپنے آپ کو چھپاتی پھرتی تھیں، مگر کوئی جگہ امن کی نہیں ملتی تھی، بہت سی اشراف عورتیں جنہوں نے کبھی بیگانے مرد کی صورت نہیں دیکھی تھی، اپنے ہاتھ سے پھانسی لے کر مر گئیں، کئی چاہات میں کود پڑیں، غرض ہر ایک امیر و غریب شہر کا رہنے والا ایسا لٹا کہ پارۂ نان کو محتاج ہو گیا، بڑے بڑے مکانوں کو سکھوں نے آگ سے جلا دیا، بہت سی جوان عورتیں اور لڑکیاں اور لڑکے سکھوں نے شہر سے پکڑ لئے اور غلام بنانے کے ارادے سے اپنے پاس رکھ لئے (۳)''۔

رنجیت سنگھ کا دور حکومت اگر چہ سکھوں کے اقتدار کی تاریخ کا سب سے زیادہ منظم اور ترقی یافتہ دور تھا، لیکن اس کی حقیقت ایک عارضی فوجی حکومت سے زیادہ نہ تھی، جس میں فوجوں اور فوجی سرداروں کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل تھی، اور وہ اس آزادی سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے، بڑے بڑے فوجی سرداروں اور صوبیداروں کی حکومت دہشت انگیزی اور وحشیانہ سزاؤں پر قائم تھی، ہری سنگھ نلوہ کے متعلق انگریز مؤرخ لکھتا ہے:-

''وہ صرف اس خوف و دہشت کے سہارے حکومت کرتا تھا، جو لوگوں

---

(۱) ''تاریخ پنجاب (اردو)'' از رائے بہادر کنھیا لال، اگز یکٹو انجینئر لاہور، ص ۱۷۰۔ (۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو محمد لطیف کی "The History of the Punjab" ص ۴۱۲۔ (۳) ''تاریخ پنجاب'' (اردو) از رائے بہادر کنھیا لال، ص ۱۸۲

پر بیٹھی ہوئی تھی، اور اہل ملک کے لئے ایک خوفناک شخصیت کی حیثیت رکھتا تھا، اور ایک روایتی آدم خور اور وحشی انسان کی طرح ہزارے کے علاقے میں مشہور تھا، اب بھی مائیں اس کا نام لے کر رونے والے بچوں کو چپ کراتی ہیں (۱)''۔

یہی شہرت اور تاثر پھولا سنگھ اکالی اور بعض دوسرے فوجی سرداروں اور صوبیداروں کے متعلق تھا۔(۲)

قوم کی جنگجو یانہ روح (مارشل اسپرٹ) کو قائم رکھنے کے لئے جو مہاراجہ کا اصل سرمایہ اور اسکے غلبے کا سب سے بڑا سہارا تھا، فوج کو ہمیشہ جنگوں میں مشغول رکھنے اور نئے نئے میدان جنگ مہیا کرنے کی ضرورت تھی، نیز اس پر کم سے کم اخلاقی اور سیاسی پابندیاں عائد کرنے کی گنجائش تھی، جو ایک باضابطہ اور ذمے دار حکومت کے لئے ضروری ہیں، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ سلطنت کے اندر خصوصاً ان علاقوں میں جو دارالسلطنت سے فاصلے پر واقع ہوئے تھے، جو حاکم یا فوجی افسر جتنا ظلم کرنا چاہتا تھا، کرتا تھا اور عام طور پر مسلمان ہی اس کا نشانہ بنتے تھے، مہاراجہ کی اصل طاقت اکالیوں کا وہ مذہبی جوش اور خالصہ فوج کی وہ مذہبی عصبیت تھی، جس کی مدد سے اس نے سارے پنجاب کو تسخیر کرلیا تھا، اور جو پورے ہندوستان کے لئے ایک خطرہ بنی ہوئی تھی، اس مذہبی جوش وعصبیت کو نہ وہ سرد و پابند بنانا چاہتا تھا، نہ وہ ایسا کرہی سکتا تھا، اس کا ہدف عام طور پر مسلمان ہی تھے، جن کو سیاسی انقلابات نے اس قوم کا محکوم بنادیا تھا، اور مرکز کی کمزوری، افغانوں کی نااتفاقی اور کوتاہ نظری نے بالکل لاوارث اور بے بس بنا کر چھوڑ دیا تھا، اور جن کے مذہب کے بہت سے عقائد، اعمال وفرائض غیر تعلیم یافتہ اور نشۂ حکومت میں سرشار اکالیوں اور عام سکھوں کے لئے اشتعال کا سبب بن جاتے اور مہاراجہ اپنی خواہش کے باوجود اس کو قابو میں نہ رکھ سکتا، سر لیپل گریفن لکھتا ہے:۔

---

(۱) The Gazetteer of the Hazara District, P.131

(۲) The Panjab Government Records, V.5 P-106

''مہاراجہ یا تو بالکل غیر متعصب تھا یا کم از کم لا پروا تھا اور وہ یہ چاہتا تھا کہ اس کی مسلمان رعایا بلا مزاحمت مراسم مذہبی ادا کرنے کی مجاز ہو، لیکن اس کو مجبور ہونا پڑا کہ اونچی آواز سے اذان کی ممانعت کر دے، کیونکہ اس سے اکالی برافروختہ ہوتے تھے(۱)''۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ پنجاب پر رنجیت سنگھ کی ''باقاعدہ'' حکومت قائم ہو جانے کے بعد بھی مسلمانوں کو وہ عام شہری حقوق اور مذہبی آزادی حاصل نہیں ہوئی، جو ایک باضابطہ اور منظّم حکومت میں رعیت کو حاصل ہوتی ہے، ان کو بعض مذہبی احکام ادا کرنے کی اجازت نہ تھی، بہت سی اہم مسجدیں فوج کے استعمال اور لوگوں کے ذاتی قبضے میں تھیں۔

رائے بہادر کنھیا لال، ایگزیکٹو انجینئر لاہور، اپنی کتاب ''تاریخ لاہور'' میں شاہی مسجد کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''بادشاہی عہد میں اس مسجد کی آرائش کا سامان فرش، جھاڑ، فانوس وغیرہ لاکھوں روپے کا تھا، جب زمانہ نے پلٹا کھایا اور سکھی سلطنت ہوئی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقت کبھی اس میں توپ خانہ، کبھی پلٹن اور سواری کی فوج کی چھاؤنی رہا کرتی تھی، حجروں میں میگزین بھرا رہتا تھا، سکھ لوگ پتھروں کی سلیں اکھاڑ کر لے گئے(۲)''۔

مستی دروازے کی مسجد کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت ہوئی تو اس مسجد پر سرکاری تسلط ہو گیا اور باروت بھری گئی، سالہا سال اس میں باروت بنتی رہی، یہاں تک کہ باروت خانے والی مسجد مشہور ہو گئی(۳)''

سنہری مسجد کے متعلق کنھیا لال جو حکایت لکھی ہے، اس سے حکومت کے طرزِ عمل اور اس ملک میں مسلمانوں اور ان کی مذہبی آزادی کا جو حال تھا، اس پر پوری روشنی پڑتی ہے:۔

---

(۱) Sir Lepel Griffin, Ranjit Singh P. 136 (۲) ''تاریخ لاہور'' ص ۱۴۳ (۳) ایضاً ص ۱۴۶

''مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں بھی پہلے کوئی معترض اس مسجد کا نہ ہوا، آخر جب باولی کا مکان مسجد کے متصل بن گیا اور اس میں گرنتھ صاحب رکھا گیا تو باولی کے بھائی سکھ اور اکالیہ اس مسجد کے درپے ہو گئے اور مہاراجہ کی خدمت میں عرض کی کہ اس مسجد کا ملا بآواز بلند اذان دیتا ہے تو ہمارے کان میں پڑتی ہے، یہ مسجد بھی باولی کے ساتھ شامل ہو کر ہمارے قبضے میں رہنی چاہئے یا گرادی جائے کہ مسلمانوں کی ہمسائگی گرو کے سکھوں کے ساتھ نہ چاہئے، مہاراجہ نے فی الفور حکم دے دیا کہ مسجد سے ملا نکال دیا جائے اور گرنتھ رکھا جائے، اس حکم کے صادر ہوتے ہی ملا بیچارہ نکال کر باہر کر دیا گیا اور مسجد پر اکالیوں نے قبضہ کر لیا اور تمام مسجد میں گوبر کا لیپن دے کر گرنتھ رکھ دیا گیا، دکانوں کی آمدنی ضبط ہو کر باولی کے محال کے ساتھ شامل کر دی گئی، وقوع اس حال سے شہر کے مسلمان نہایت غمگین ہوئے اور سب نے مجمع فقیر عزیز الدین ونور الدین کے مکان پر کیا اور چاہا کہ ان کے ذریعہ سے مہاراجہ کے حضور میں مسجد کی واگزاری کے لئے عرض کی جائے چونکہ اس زمانے میں مہاراجہ کے دربار میں سب سے بڑھ کر توقیر کھلو ماشکی کی تھی، اور مہاراجہ کسی بات میں اس کے کہنے سے باہر نہ تھا، فقیر صاحبان نے مسجد کے معاملے میں اس کو اپنے ساتھ ملایا اور اس کے ذریعہ سے مہاراجہ کی خدمت میں عرض کی اور بیان کیا کہ تمام پنجاب کی مسجدوں کے ملا کہیں بانگ بلند آواز سے نہیں کہتے، چہ جائیکہ باولی صاحب کے پاس، جہاں گرنتھ صاحب رکھا ہو، مسجد کا ملا اذان دے یہ بات بالکل برخلاف ہے، ہم آئندہ ملا سے مچلکا لے لیتے ہیں کہ کبھی بانگ نہ دے، اس بات پر مہاراجہ راضی ہوا کہ مسجد بدستور ملا کے حوالے کر دی جائے، اور اس سے مچلکا لے لیا جائے کہ بانگ نہ دے، مسجد کی دکانوں کا کرایہ ضبط رہے،

مسلمانوں نے اتنی بات ہی کو غنیمت جانا اور مسجد پر دوبارہ قبضہ پایا، مگر دکانیں ہاتھ سے جاتی رہیں (۱)"۔

یہی مصنف ایک دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

"مسجد کا گرانا سکھوں کے وقت کچھ بڑی بات نہ تھی، ہزاروں مسجدیں سکھوں نے گرا کر اپنی عمارت کے ساتھ شامل کر لی تھیں (۲)"۔

اس دور حکومت میں مسلمان جس طرح کی غلامانہ اور حقیر زندگی گزار رہے تھے اور پوری قوم جس بے اعتمادی، محرومی و بے عزتی کا شکار تھی، اس کا خاکہ رنجیت سنگھ کے ایک معاصر انگریز مصنف (کرنل مالکم) نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"واقعہ یہ ہے کہ پنجاب میں ایک بھی ایسے مسلمان خاندان کی مثال نہیں ملتی، جس کو عزت واقتدار حاصل ہو، یہ صورت حال اس نفرت کا نتیجہ ہے، جو گرو گوبند سنگھ کے پیروؤں کو اپنے قدیم حریفوں کی نسل سے چلی آرہی ہے، جنہوں نے ان پر مظالم کئے تھے، اس کا ثبوت کہ یہ گہری عداوت اب بھی زائل نہیں ہوئی ہے، اس سلوک سے ملتا ہے، جو ان بدقسمت مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، جو ابھی تک سکھوں کی عملداری میں رہتے ہیں، جو اگر چہ کثیر التعداد ہیں، لیکن سب غریب نظر آتے ہیں، اور ایک مظلوم اور ذلیل قوم کے فرد معلوم ہوتے ہیں، وہ زمین جوتتے ہیں، ان سے قلی گیری، بوجھ ڈھونے اور محنت ومشقت کے کام لئے جاتے ہیں، ان کو گائے کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں، نماز نہیں پڑھ سکتے، شاذ ونادر مسجد میں جمع ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں، مسجدوں میں بھی تھوڑی مسجدیں تباہی سے بچی ہیں (۳)"۔

اس غلامی، مذہبی بندش اور ذلت آمیز طرز عمل سے مسلمانوں کے اخلاق پست

---

(۱) "تاریخ لاہور" ص ۱۵۰، ۱۵۱ (۲) ایضاً ص ۳۵۰۔

(۳) Lieut Col. Malcolm the Sketch of the Sikhs (London, 1812) PP. 123, 124

ہو گئے تھے، ساری قوم پر بے اعتمادی اور مایوسی چھائی ہوئی تھی، اور وہ زندگی پر موت کو ترجیح دیتے تھے، عقائد واخلاق وعادات مسخ ہو رہے تھے، دینی حمیت اور اسلامی روح سے پوری قوم محروم ہوتی چلی جارہی تھی، مذہب ومعاشرت دل ودماغ پر اس بدترین قسم کی غلامی کے بدترین اثرات پڑ رہے تھے، جن کا مٹنا آسان نہ تھا، اقبالؒ نے سچ کہا ہے ؎

خالصہ شمشیر وقرآں را ببرد
اندراں کشور مسلمانی بمُرد!

افغانستان وسرحد

افغانستان وسرحد مسلمانوں کی طاقت کا بڑا مرکز رہے ہیں، ہندوستان میں مسلمان فاتح یا تو اسی ملک کے رہنے والے تھے، یا اس راستے سے آئے، آخر آخر میں بھی، جب ہندوستان کے مسلمانوں اور ان کی حکومت پر کوئی نازک وقت آیا ہے، اور وہ یہاں کے حالات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکی تو اس ملک نے عین وقت پر مدد کی ہے، احمد شاہ ابدالی نے تو آخر وقت میں مسلمانوں کی عزت رکھ لی اور مرہٹوں کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا۔

لیکن انیسویں صدی کی ابتدا میں جب تمام عالم اسلام میں ایک عام زوال تھا، یہ ملک بھی طوائف الملوکی اور بے نظمی کا شکار ہو گیا، نا اتفاقی اور خانہ جنگی نے اس طاقتور ملک کو اتنا کمزور کر دیا کہ ہندوستان اور پنجاب کے مسلمانوں کی مدد تو درکنار، اس کو اپنی آزادی اور اپنے مقبوضات کا برقرار رکھنا مشکل ہو گیا، وہ کیا واقعات وتغیرات تھے، جنھوں نے اس مردم خیز اور طاقتور ملک کو اس درجے تک پہنچا دیا، سید صاحبؒ کے سفر ہجرت اور ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی داستان سننے سے پہلے اس کی تفصیل معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر اس تاریخ کا پس منظر اور ان سرگرمیوں کا ماحول سمجھنا دشوار ہے۔

درانی خاندان کا زوال اور اس کے اسباب

احمد شاہ ابدالی (۱) نے ۲۶ رسال کی باعظمت اور پرشوکت سلطنت کے بعد جس کی بنیاد اس نے اپنے عزم و ہمت اور دست و بازو سے رکھی تھی، جب ۱۷۷۳ء میں انتقال کیا تو عالم گیر اعظم کی طرح اس کا بھی کوئی صحیح اور اہل جانشین نہ تھا، تیمور شاہ کو، جو اس عظیم سلطنت کا وارث ہوا، اپنے نامور وصاحب عزم باپ سے کوئی نسبت نہ تھی، بیس سال کمزوری کے ساتھ سلطنت کرنے کے بعد جس میں اس جواں سال سلطنت کے اندر زوال کے آثار نمایاں ہو چکے تھے، ۱۷۹۳ء میں اس نے انتقال کیا، تیمور نے اپنے پیچھے کئی فرزند چھوڑے جو تخت سلطنت کے مدعی اور اس کے حصول کے لئے کوشاں تھے، ان میں ہمایوں شاہ زماں، شاہ شجاع، شاہ محمود، شاہزادہ فیروز اور شاہ ایوب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تیمور شاہ کے جانشین کا چونکہ تعین نہیں ہوا تھا، شاہ زماں نے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا، لیکن اس کی بادشاہی اور تخت نشینی درحقیقت پائندہ خاں کی رہین منت تھی، جو افغانستان کے طاقتور قبیلہ بارک زئی کا سردار تھا، اور جس کی تائید و رفاقت اور تدبیر و حکمت نے تمام مخالف طاقتور کو زیر اور دوسرے امراء و سرداران قبائل کو ہمنوا بنالیا، شاہ زماں نے استحکام سلطنت کے بعد اپنے نامور دادا کی طرح ہندوستان پر بار بار حملے کئے، لیکن ملک کے اندرونی حالات اس کو بار بار واپس آنے پر مجبور کرتے رہے۔

شاہ زماں نے جس شخص کو وزارت کے منصب پر فائز کیا تھا، اور جس پر اعتماد کلی کیا، اس نے اپنی نا اہلی کا ثبوت دیا، ملک میں بادشاہ سے ناراضگی اور بے اطمینانی بڑھتی جا رہی تھی،

---

(۱) احمد شاہ کا تعلق ''سدوزئی قبیلے سے تھا جو ابدالیوں کی ایک اہم شاخ ہے، ۱۷۳۶ء میں وہ نادر شاہ افشار کی ملازمت میں داخل ہوا اور اپنی جرأت و قابلیت سے بہت جلد نادر شاہ کی نگاہ میں مقام پیدا کر لیا، ۱۷۴۷ء میں جب نادر شاہ قتل ہوا تو احمد شاہ اس افغانی جمعیت کے ساتھ جو نادر شاہ کی فوج میں تھی، علیحدہ ہو گیا اور سدوزئی قبیلے کی مدد سے افغانستان پر قابض ہو گیا اور ''درّ دراں'' خطاب اختیار کیا اور درّانی مشہور ہوا، اس کی فوج کی ترک تازیاں ایک طرف مشرق میں دہلی تک پہنچتی تھیں، دوسری طرف مغرب میں نیشا پور اور استر آباد تک، اٹھارہویں صدی کے وسط میں وسط ایشیا کی سب سے بڑی تازہ دم فوجی طاقت تھی۔

بھائی بھی نزدیک و دور موقع کے منتظر تھے، بالآخر کابل میں چند سرداروں نے وزیر کو ختم کر دینے اور بادشاہ کو معزول کر دینے کا تہیہ کیا، شاہ زماں نے ان چھ سرداروں کو اپنے محسن پائندہ خاں المقلب بہ سرفراز خاں سمیت قتل کرادیا، یہ غیر دانشمندانہ اقدام افغانستان کی آزاد سلطنت کے زوال اور نہ ختم ہونے والی خانہ جنگی کا پیش خیمہ اور پورے ملک وقوم کے لئے سرچشمۂ فساد تھا۔

پائندہ خاں ایک طاقتور سردار اور نہایت کثیر الاولاد شخص تھا، اس کے بیٹوں میں فتح خاں، محمد عظیم خاں، یار محمد خاں، سلطان محمد خاں، سید محمد خاں، پیر محمد خاں، دوست محمد خاں، میر محمد خاں، تیمور قلی خاں، عبدالجبار خاں، عبدالصمد خاں، پرُدل خاں، شیر دل خاں، کہن دل خاں، میر دل خاں، رحمدل خاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، فتح خاں نے اپنے باپ کے قتل کے بعد اپنے بھائیوں اور برادری کو جمع کیا اور فوجی طاقت اکھٹی کر کے خودمختاری کا اعلان کر دیا اور شاہ زماں شاہ کی جگہ پر محمود شاہ کو جو ایران میں مقیم اور گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا تھا، طلب کر کے افغانستان کے تخت پر بٹھایا، شاہ زماں اس وقت ہندوستان پر حملہ آور تھا، بغاوت کی خبر سن کر واپس ہوا، باغی فوجوں نے چند معرکوں کے بعد تخت پر قبضہ کیا اور شاہ زماں شاہ کی آنکھوں میں سلائی کر کے قید کر دیا، فتح خاں نے زمام وزارت اپنے ہاتھ میں لی، اس طرح اس کو اپنے جذبہ انتقام اور اپنی حوصلہ مندی دونوں کی تکمیل کا موقع ہاتھ آ گیا۔

محمود کے کئی سال اپنے بھائی شاہ شجاع سے معرکہ آرائی میں گزرے اور اس کو ایک بار تخت وتاج سے بھی مرحوم ہونا پڑا، لیکن پھر فتح خاں کے اثر ورسوخ اور تدبیر سے تخت کابل پر بیٹھنا نصیب ہوا، شاہ شجاع ۱۸۱۰ء میں ہندوستان آ گیا، اب محمود سلطنت افغانستان کا فرمانروا تھا اور فتح خاں اس کے وزیر (دراصل مختار سلطنت)، فتح خاں نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور بڑے بڑے منصب اور عہدے اپنے بھائیوں میں تقسیم کر دیئے، محمد عظیم خاں کو کشمیر، یار محمد خاں، سلطان محمد خاں سید محمد خاں، پیر محمد خاں کو پشاور کا علاقہ، دوست محمد خاں کو کابل، میر محمد خاں کو غزنی، پرُدل خاں اور شیر دل خاں کو صوبۂ قندھار کی صوبے داری اور حکومت سپرد کی

اور اس طرح یہ خاندان پورے افغانستان اور صوبہ سرحد کے سیاہ وسپید کا مالک بن گیا۔

۱۸۱۸ء میں محمود شاہ نے فتح خاں کو ہرات اپنے بھائی حاجی فیروز کے پاس اس لئے بھیجا کہ ایرانی خراسان کے والی حسن علی مرزا (قاچاری) نے والی ہرات سے اپنی حکومت کے تسلیم کرنے اور ہرات کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا، اور والی ہرات نے والی قندھار سے مدد چاہی تھی، محمود شاہ نے فتح خاں سے اشارۃً یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر موقع ہو تو حاجی فیروز کو جس نے مصیبت کے زمانے میں محمود شاہ کے ساتھ بدسلوکی کی تھی، معزول کر کے ہرات پر قبضہ کر لیا جائے، فتح خاں نے حاجی فیروز کو گرفتار کر لیا، اس نے اور اس کے بھائی دوست محمد خاں وغیرہ نے بیگمات شاہی کے زیورات تک اتار لئے اور شاہزادے اور اس کے حرم کی سخت توہین کی، یہ حد سے بڑھی ہوئی دست درازی اور خاندان شاہی کی توہین محمود شاہ اور شاہزادہ کامران کو سخت ناگوار ہوئی اور انہوں نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا مال غنیمت میں سے جس میں قیمتی جواہرات، زیورات اور اسلحہ کا بڑا ذخیرہ تھا خود والی افغانستان کو صرف چند گھوڑے ملے، باقی سب فتح خاں اور اس کے بھائیوں کے ہاتھ آیا۔

حاجی فیروز سے فرصت پانے اور ہرات پر قبضے کرنے کے بعد فتح خاں نے حسن علی مرزا کے مطالبات کو سختی سے ٹھکرا دیا اور اعلان جنگ کیا، ایرانی فوجیں مشہد سے آگے بڑھیں اور افغانی فوجوں نے بارک زئی سرداروں کی قیادت میں اقدام کیا، افغانی فوجیں اگرچہ تعداد میں ایرانی فوجوں سے فائق تھیں، لیکن ایرانیوں نے افغانیوں کو شکست دی اور افغانی فوجیں پسپا ہو کر ہرات واپس آ گئیں۔

اس عرصے میں شاہزادہ کامران قندھار سے اپنے والد کا بھیجا ہوا واپس ہوا، حاجی فیروز معزول ومحبوس تھا، اور ہرات فتح خاں کے قبضے اور اس کے بھتیجے معین الملک کے قبضہ و انتظام میں تھا، شاہزادہ شہر سے ایک میل کے فاصلے پر ''باغ شاہ'' میں فروکش ہوا، فتح خاں روزانہ سلام کو جاتا اور واپس آ جاتا، فتح خاں سے کہا گیا کہ وہ حاجی فیروز کے مال میں سے کچھ حصہ شہزادے کی خدمت میں پیش کر دے تاکہ اس کا ملال خاطر جاتا رہے، فتح خاں نے پہلے تو

اس کوٹالا، پھر صاف کہا کہ اس نے جس مال کو نوک شمشیر سے حاصل کیا ہے، وہ کسی اور کو دینے کو تیار نہیں، بہی خواہوں نے وزیر کو سمجھایا کہ حریم شاہی کی اہانت نے شاہ افغانستان اور شہزادہ کامران کو اس کی طرف سے سخت برہم کر رکھا ہے، لیکن فتح خاں نے صاف جواب دیا کہ میں نے محمود شاہ کو دوبارہ تخت کابل پر بٹھایا ہے، اس کی سلطنت اس وقت میرے اہل خاندان کی مٹھی میں ہے، کامران مجھے زک پہنچانے کا خواب بھی دیکھ سکتا ہے؟

یہ صاف جواب سن کر کامران نے شاہ کو لکھ دیا کہ فتح خاں سلطنت کا مالک بنا ہوا ہے، اور خاندان شاہی کو راستے سے ہٹا دینا چاہتا ہے، بادشاہ نے شاہزادے کو اختیار دے دیا کہ جو کارروائی وہ مناسب سمجھے کرے، شاہزادۂ کامران نے فتح خاں سے انتقام لینے کا تہیہ کرلیا، ایک مجلس شاہی میں جس میں اس کے معتمد سردار جمع تھے، اور بعض ایسے سردار بھی تھے، جو فتح خاں سے خار کھائے بیٹھے تھے، فتح خاں کو ''بد دین'' ایرانیوں سے شکست کھانے اور افغانوں کے نام پر بٹہ لگانے کا طعنہ دیا، فتح خاں نے اس کا جواب ترکی بہ ترکی دیا، بات بڑھی، شاہزادے نے اہل مجلس کو، جو قتل کے منصوبے سے آگاہ تھے، حکم دیا اور انہوں نے فتح خاں کو پکڑ لیا، عطا محمد خاں نے جو وزیر کا حریف قدیم تھا، برچھے کی نوک سے فتح خاں کی آنکھیں نکال لیں، نابینا وزیر کو قید خانے میں ڈال دیا گیا، فتح خاں کے بھائی بھتیجے منتشر ہو گئے، اور انہوں نے بھاگ کر جان بچائی۔

بارک زئی خاندان کا اقتدار

اس کارروائی کا فوری ردعمل یہ ہوا کہ فتح خاں کے سب بھائیوں نے جو خود ایک لشکر تھے بغاوت کر دی، محمود نے جلد محسوس کر لیا کہ وہ نام کا بادشاہ رہ گیا ہے دوست محمد خاں نے اپنے چند بھائیوں کے ساتھ کابل کر قبضہ کرلیا، عطا محمد خاں کو دھوکے سے ایک دعوت میں بلا کر اس کی آنکھیں نکال لی گئیں، محمود نے قندھار سے کابل کی بازیافت کے لئے لشکر کشی کی، فوری حملے کے بجائے اپنی فطری کمزوری اور سستی کی وجہ سے عرصے تک نامہ و پیام کا سلسلہ جاری

رکھا، اس اثناء میں اس کو اپنے متعدد سرداروں کی بے دلی اور بے تعلقی کی اطلاعات ملتی رہیں، بالآخر اس نے جنگ کو ملتوی کر دینے کا ارادہ کر لیا، اور فتح خاں کو جو ایک مجبور و بے بس اسیر کی طرح اس کے ساتھ تھا دربار میں طلب کیا اور اس سے کہا کہ اگر وہ اپنے بھائیوں کو اطاعت پر آمادہ کرے تو وہ سب اپنے عہدوں پر بحال کر دیئے جائیں گے، فتح خاں نے صاف اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ ''یہ طوفان'' جو آپ کا اٹھایا ہوا ہے، اب اس کا فرو کرنا میرے جیسے معذور انسان کے بس میں نہیں ہے، محمود یہ کھرا جواب سن کر مغلوب الغضب ہو گیا، اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا اور بیسیوں تلواریں اس نابینا انسان پر جس کی مہربانی سے وہ دو مرتبہ تخت پر بیٹھا تھا، پڑیں اور وہ دیکھتے دیکھتے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

سرداران اور اہل لشکر نے جب ایک محسن وزیر کا یہ انجام دیکھا، بادشاہ کی دون ہمتی اور قوت مقابلہ کی کمی اور حریف کی طاقت کا بھی ان کو علم تھا، اس سب کی بنا پر اگلی رات اس کی فوج کا بڑا حصہ اسے اچانک چھوڑ کر چلا گیا اور آدھی رات کو بادشاہ اور شاہزادے کو دفعۃً یہ معلوم ہوا کہ صرف تھوڑی سی فوج ان کے گرد جمع ہے، باقی لشکر گاہ خالی ہے، چنانچہ دونوں ایک مختصر دستے کے ساتھ ہرات روانہ ہو گئے۔

اس طرح درانی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور افغانستان کی حکومت بارک زئی خاندان میں منتقل ہو گئی، افغانستان و سرحد کے تمام صوبوں پر پائندہ خاں کے لڑکوں کی خود مختار حکومت قائم ہو گئی۔

بارک زئی خاندان کا افتراق اور اس کے نتائج

یہ افغانستان و سرحد کی طاقت اور سیاسی وحدت کے لئے بڑا نادر اور زریں موقع تھا، اس لئے کہ افغانستان سے لے کر پشاور و کشمیر تک ایک ہی باپ کے فرزندوں کی حکومت تھی، اگر ان بھائیوں میں اتحاد و یک جہتی، خلوص و باہمی اعتماد اور سیاسی شعور ہوتا تو وہ ایک ایسی مضبوط افغانی سلطنت قائم کر سکتے تھے، جو نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان تک کے مسلمانوں

کی مدد کر سکتی تھی، اور اگر توفیق اور دینی جذبہ ہوتا تو جس طرح احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کی طاقت توڑی، یہ پنجاب کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک سکتے تھے، اور مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت انجام دے سکتے تھے۔

لیکن جس نفاق و افتراق کا شکار درانی خاندان تھا، وہی اس بارک زئی خاندان کے افراد پر مسلط تھا، اور ایک باپ کے فرزند ہونے کے باوجود کبھی ان میں اتحاد باہمی اور پورے طور پر اشتراک عمل نہ ہو سکا، کوئی بھائی دوسرے بھائی سے پورے طور صاف نہ تھا، کسی بھائی کو دوسرے بھائی پر اعتماد نہ تھا، ''اقتدار اعلیٰ'' کے لئے باہم اس طرح کشمکش تھی، جس طرح حریفوں اور رقیبوں میں ہوتی ہے، سردار محمد عظیم خاں، فتح خاں کا حقیقی بھائی اور اس کے بعد پائندہ خاں کی اولاد میں سب سے بڑا تھا، اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبید اللہ خاں تخت کابل (مرکزی حکومت) کو اپنا حق سمجھتا تھا، دوست محمد خاں اپنی کوششوں اور کابل پر ابتدا سے قابض ہونے کی بنا پر اپنے آپ کو حقیقی حاکم سمجھتا تھا، چچا بھتیجے میں عرصے تک تخت کے لئے کشمکش رہی، اس عرصے میں شیر دل خاں نے قندھار سے آ کر بھتیجے کو دھوکہ دے کر قید کر لیا اور کابل پر خود قابض ہو گیا، عرصے تک شیر دل اور دوست محمد خاں کے درمیان عبید اللہ خاں کی دولت کے بارے میں تنازعہ رہا، بالآخر پشاور سے چار بھائیوں نے آ کر تصفیہ کیا کہ شیر دل قندھار واپس جائے اور عبید اللہ خاں کی پوری دولت ساتھ لے جائے، دوست محمد خاں کابل پر حکومت کرے۔

ان بھائیوں کے باہمی نفاق و افتراق نے درۂ خیبر سے پشاور کی طرف کا سارا علاقہ کھو دیا اور آخر میں ان کو خود پشاور اور کشمیر سے ہاتھ دھونا پڑا۔(۱)

نہ صرف ہندوستان بلکہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا اندوہناک حادثہ اور بڑی حسرت

---

(۱) درانی و بارک زئی خاندان کی کشمکش اور واقعات کی تفصیل میں Lieut. Arthur Conolly کی فاضلانہ کتاب Afghan History سے استفادہ کیا گیا ہے، جو اس کے سفر نامہ Journey to the North of India کے ضمیمے کے طور پر شامل کتاب ہے، یہ کتاب لندن سے ۱۸۳۸ء میں شائع ہوئی، بعض فارسی آخذ سے بھی اضافہ کیا گیا۔

انگیز حقیقت ہے کہ ایک ایسی قوم جو جواں مردی، دلیری، جانبازی اور جنگی قوت وقابلیت میں خاص امتیاز رکھتی ہے اور جو مسلمانوں کی طاقت کا ایک بڑا سرچشمہ اور سہارا ہے، ان تمام فوجی صفات اور اپنی کثیر تعداد کے باوجود اپنی قومی سیرت ومزاج کی بعض بنیادی کمزوریوں کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکی اور خود اپنی اور اپنے ملک کی حفاظت سے بھی قاصر رہی اور قوت وجرأت کا یہ خزانہ ایک ایسے نازک تاریخی موڑ پر جب نئی غیر اسلامی طاقتیں ابھر رہی تھیں اور دنیا پر چھائی چلی جارہی تھیں، حقیر مقاصد اور آپس کے جھگڑوں میں بے دریغ صرف ہوکر رہ گیا اور مسلمانوں کے کچھ کام نہ آیا۔

پشاور پر سکھوں کا قبضہ

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے افغانستان کے ان حالات سے پورا فائدہ اٹھایا، ۱۸۱۸ء میں مہاراجہ کو اطلاع ملی کہ پشاور میں اس کے مقابلے کے لئے کوئی منظم فوج نہیں، ۲۰ر نومبر کو اس نے پشاور پر قبضہ کرلیا، یار محمد خاں نے سکھوں کی آمد پر پشاور چھوڑ کر یوسف زئی کے پہاڑوں پر پناہ لی، مہاراجہ نے شہر کو تباہی سے بچالیا، مگر بالا حصار و چمکنی کو، جو مشہور بزرگ شیخ عمرؒ کا مدفن ہونے کی وجہ سے متبرک مقام سمجھا جاتا ہے، آگ لگادی، ارباب اور شہر کے سربرآوردہ لوگوں سے پچیس ہزار کی رقم نذرانے میں وصول ہوئی، مہاراجہ نے قبائل کے سرداروں کو باریاب کیا اور ان کو خلعت تقسیم کئے، چوتھے دن پشاور کو اپنے حلیف اور وفادار جہاندار خاں وزیر خیل کو سپرد کر کے لاہور کو کوچ کیا، بعد میں دوست محمد خاں نے پچاس ہزار کی ہنڈی اور گھوڑے پیش کر کے پشاور کو دوبارہ حاصل کرلیا۔(۱)

اس وقت سے پشاور اور یوسف زئی کا علاقہ لاہور کا باج گزار بن گیا، ہر سال خالصہ لشکر اس علاقے میں آکر سالانہ نذرانہ اور تحائف وصول کرتا اور واپس چلا جاتا۔

سکھ لشکر اور مہاراجہ کے نمائندوں اور فوجوں کی آمد سے اس ملک یعنی سرحدی علاقے اور اس کے باشندوں کو کن پریشانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اور وہ اس ملک میں کتنا

S.M.Lateef, History of the Punjab, PP 415, 416(۱)

ہراس اور دہشت اور عام زندگی میں انتشار پیدا کردیتے تھے، اس کا اندازہ اس بیان سے ہوگا، جو سر لیپل گریفن نے اپنی کتاب ''رنجیت سنگھ'' میں کیپٹن جیمس کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ لکھتا ہے:

''سکھوں کا وقتاً فوقتاً اس سمت میں آنا وہاں کے باشندوں کے لئے بلائے جان تھا، ان کا وہاں پہنچنا اس امر کی علامت تھی کہ مال ومتاع اور بیش قیمت اسباب کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے، یہاں تک کہ دروازے اور کھڑکیاں تک نکال لی جاتی تھیں، عورتیں اور بچے کثیر تعداد میں گھر بار چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے، اور ملک میں جلاوطنوں کی نوآبادیاں نظر آیا کرتیں، یہ نفرت زدہ دشمن جہاں تک آگے بڑھتے، تمام قطعۂ ملک کو برباد کرتے جاتے اور جو کچھ سامنے آتا اسے تاخت وتاراج کرتے اور کھیتوں اور زراعتوں تک کو تباہ کردیتے، وادی کے دہانے سے لے کر دریائے سندھ تک شاید ہی کوئی موضع ایسا ہو، جسے سکھ فوجی افسر نے نہ لوٹا ہو، اور وہاں آگ نہ لگائی ہو، ان کی آمد سے اس درجے خوف سمایا ہوا تھا کہ مائیں اپنے ضدی بچوں کو ان کا نام لے کر خاموش کرتیں، اس ملک میں آج بھی سفر کرتے وقت بوڑھے، جن کی لمبی، سفید ڈاڑھیاں اور چہروں پر کثرت سے زخموں کے نشان ہیں، ان پہاڑیوں کی نشاندہی کرتے ہیں، جہاں سکھ بھیڑ بکریوں کی طرح ان کو ہنکا دیتے تھے، وہ لوگ اب تک ان مقامات کو بتا سکتے ہیں، جہاں ان کے آباء واجداد لڑ بھڑ کر گرے تھے، لوگوں کو ان کے آنے سے تباہی و بربادی کا اس درجے یقین تھا کہ چند گاؤں جہاں راستوں کی دشواری سے پہنچ نہ ہوتی اور جنہیں دشمن یا تو بالکل چھوڑ دیتے تھے یا مدافعت کی وجہ سے ان کا بہ ہیئت مجموعی صرف ایک آدھ حصہ ہی برباد کر سکتے تھے، ایسے مقامات ناقابل تسخیر شمار کئے جاتے تھے، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ انہیں اپنے دشمن پر ایک زبردست اور نمایاں فتح حاصل ہوئی۔(۱)''

---

(۱) سر لیپل گریفن کی کتاب ''رنجیت سنگھ'' (مترجمہ مولوی نصیر حسین صاحب فاروقی، جامعہ عثمانیہ) ص ۱۰۴

افغانوں کی آخری جنگ اور نوشہرے کا معرکہ

محمد عظیم خاں، جو اس خاندان کا سب سے زیادہ حوصلہ منداور حساس فرد تھا، پشاور کی اس ماتحتی اور بھائی یار محمد خاں کی اس بے حمیتی سے ناراض تھا، اسی سال (۱۸۲۳ء) میں اس نے خیبر پار کے علاقے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور سکھوں کے خلاف اعلان جہاد کر دیا، اپنے بھائی عبدالصمد خاں کو اس نے یوسف زئی قبائل میں جہاد کی تبلیغ کے لئے بھیجا، سوات، بُنیر، آفریدیوں کے علاقے اور خٹک سے بھی ہزاروں مجاہدین جمع ہو گئے، مہاراجہ کی فوجیں بہترین سپہ سالاروں کی ماتحتی میں اکوڑہ میں داخل ہوئیں، بیس ہزار کوہستانی خٹک اور یوسف زئی مجاہدین اپنے پیرزادوں اور مشائخ وعلماء کی تبلیغ واثر سے دریا کی بائیں جانب مقدس دینی جنگ لڑنے جمع ہوئے، دائیں جانب محمد عظیم خاں دوست محمد خاں کے ساتھ باقاعدہ افغانی فوج کے ساتھ موجود تھا، مہاراجہ نے سردار کھڑک سنگھ کو جنرل الارڈ اور جنرل وینٹورا کے ساتھ محمد عظیم خاں کو روکنے کے لئے دریا کے اس پار بھیج دیا اور خود اپنی اصلی طاقت کے ساتھ یوسف زئی مجاہدوں کے مقابلے پر رہا، جنہوں نے دریا کی بائیں جانب نوشہرے کے قریب بلندیوں کے گرد اپنے مورچے قائم کر رکھے تھے۔

افغانوں نے اس موقعہ پر سخت مقابلہ کیا اور بڑی بے جگری سے لڑے، انہوں نے اس سے پہلے کبھی سکھوں کے خلاف اتنی منظّم جنگ نہیں کی تھی، اور نہ کبھی اس دینی جوش اور جذبہ جہاد سے لڑے تھے، تمام دن خون آشام جنگ رہی، جس میں مجاہدین کا پلڑا نمایاں طور سے بھاری رہا اور ہزاروں سکھ مقتول ومجروح ہوئے، جن میں بڑے بڑے نامور سردار اور آزمودہ کار افسر تھے، مقتولین میں مشہور اکالی سردار پھولا سنگھ بھی تھا، اخیر وقت میں رنجیت سنگھ نے خود ایک مورچے پر پوری طاقت سے حملہ کیا، دن چھپتے سکھوں کا پلڑا بھاری ہو گیا، بالآخر افغانوں نے رنجیت سنگھ کی منظّم اور قواعد دان فوج سے شکست کھائی اور تین ہزار اور ایک روایت کے مطابق دس ہزار افغانی مقتول ومجروح ہوئے۔

دوسرے دن افغانوں نے پیرزادہ محمد اکبر کی قیادت میں دوبارہ مقابلے کی تیاری کی، مگر محمد عظیم خاں کو جس کو دریا کے پاس روک دیا گیا تھا، اپنے خزانے اور حرم کی فکر ہوئی، جو میچنی میں تھا، اور جسے سکھوں کے ہاتھوں میں پڑ جانے کا خطرہ تھا، اس نے اپنا ڈیرہ اکھیڑ لیا، اور خزانہ، حرم اور باقی ماندہ فوج لے کر مہمند کے پہاڑوں کو عبور کر کے چلا گیا، افغان تنہا رہ گئے، اور آخر کار مجبور ہو کر منتشر ہو گئے۔(۱)

لفٹیننٹ آرتھر کانلے (Conolly) جس نے اس واقعے کے کچھ ہی بعد سرحد پنجاب کا سفر کیا ہے، اور واقعات ان لوگوں سے سنے ہیں، جو اس معرکے کے چشم دید گواہ تھے، اپنی کتاب (Afghan History) میں لکھتا ہے:۔

"محمد عظیم خاں جب محاذ جنگ پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سکھ فوجیں اس کے سامنے ہیں، لیکن ایک گہرے چشمے کی وجہ سے جو اس کے راستے میں حائل تھا، نہ وہ اپنی باقی ماندہ فوجوں کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے، نہ سکھوں تک پہنچ سکتا ہے، اس نے اس چشمے کو عبور کرنے کی کوشش کی، اس کوشش میں اس کے چند آدمی ضائع ہوئے، اب وہ اس جنگ کا جو اس کے بھائی صمد خاں اور سکھوں کے درمیان ہو رہی تھی، ایک غیر متعلق تماشائی تھا، اس جنگ میں اپنی غالب تعداد اور بہتر نظام کی وجہ سے سکھوں کا پلڑا بھاری تھا اس کے ہم وطن بے جگری سے مقابلہ کرنے کے بعد پیچھے کی طرف بھاگ رہے تھے۔

اگر عظیم خاں اس جنگ میں حصہ لیتا تو گمان غالب یہ ہے کہ سکھوں کو اس روز شکست ہوتی، اس لئے کہ بڑی خونریز جنگ اور سخت مقابلے کے بعد ہی سکھ ان پر جوش کوہستانیوں پر فتح حاصل کر سکے، وہ قومی و مذہبی نفرت کے جوش سے سرشار تھے، اور دیوانہ وار لڑ رہے تھے، مجھ سے بیان کیا گیا

---

(1) S.M. Lateef: History of the Punjab, PP. 428-431

ہے کہ بارہ بارہ پندرہ پندرہ برس کے لڑکے، جو صرف چھریوں سے مسلح تھے،
دیوانوں کی طرف سکھ فوجوں پر جا پڑتے تھے، اور ان کی سنگینیوں سے بے
پرواہو کر ان پر حملہ آور ہوتے تھے۔(۱)"

نوشہرے کے معرکے میں فتح حاصل کرنے کے بعد سکھ فوج نے پشاور پر قبضہ کرلیا، اگر چہ شہر لوٹ مار سے محفوظ رہا، مگر فتحیاب لشکر نے پشاور سے خیبر تک خوب لوٹ مار کی، شاید ہزار برس کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ یہ خالص اسلامی علاقہ غیر مسلم حکومت میں آیا" مہاراجہ نے یار محمد خاں اور دوست محمد خاں کو مخفی طور پر دعوت دی، انہوں نے مہاراجہ کو پانچ گھوڑیاں نذر کیں، جن میں مشہور گھوڑی گوہر بار بھی تھی، مہاراجہ نے پشاور پر براہ راست قبضہ رکھنے کی دشواریوں کو سمجھتے ہوئے، ان دونوں بھائیوں کی خدمات کے صلے کے طور پر پشاور کو ان کے انتظام میں دے دیا اور وہ دوبارہ دربار لاہور کا ایک باجگزار علاقہ بن گیا"۔(۲)

نوشہرے کی شکست نے افغانوں کی کمر توڑ دی اور ان میں مایوسی اور احساس کہتری پیدا کر دیا، محمد عظیم خاں کو شکست اور اپنے بھائیوں کی بے وفائی کا سخت قلق تھا، وہ اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکا، اور اسی سال بڑی شکستہ دلی کے ساتھ دنیا سے چلا گیا، اس طرح اس خاندان کا رہا سہا روقار جاتا رہا اور اس کا شیرازہ زیادہ بکھر گیا، مہاراجہ نے پشاور کی فتح پر بڑا جشن منایا، مسلسل کئی دن تک لاہور اور امرتسر میں خوشی منائی گئی، اور چراغاں کیا گیا (۲)، نوشہرے کی جنگ سے اٹک اور پشاور کے درمیان کا سارا علاقہ سکھوں کے اقتدار میں آ گیا۔

۱۸۱۹ء میں مہاراجہ نے جبار خاں سے، جو محمد عظیم خاں کا بھائی اور کشمیر میں اس کا نائب تھا، کشمیر کا صوبہ بھی حاصل کر لیا تھا، پشاور، مردان یوسف زئی کا علاقہ اور پکھلی اور ہزارہ سب سکھ فوجوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال تھا، ۱۸۲۲ء میں پکھلی اور دھمتور کے قبائل نے حکومت لاہور کے خلاف بغاوت کی، سردار ہری سنگھ کو جس کو جاگیر میں یہ علاقہ دیا گیا تھا، سرکوبی کے لئے بھیجا گیا، ہری سنگھ نے سارے علاقے میں اپنی فوجی کارروائیوں اور سخت گیری

Lieut. Arthur Conolly : Afghna History: P. 306 (London 1838(۱)
S.M. Lateef : History of the Punjab, P. 431(۲)

سے دہشت پھیلادی، جو گاؤں بے قصور تھے، ان کو بھی تلوار کی نوک پر رکھ لیا، پکھلی اور دھمتور کو جلادیا گیا، ہزاروں آدمی بے خانماں ہو گئے، ہری سنگھ کا افغانوں پر جو رعب اور اس علاقے میں اس کے نام کی جو دہشت تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ افغان عورتیں اپنے بچوں کو اس کا نام لے کر چپ کراتی تھیں (۱)، دریائے اٹک سے لیکر کابل تک سکھوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، والی پشاور دربار لاہور کا حقیر باجگزار تھا، نوشہرے کی جنگ کے بعد افغانوں کی قوت مقابلہ جواب دے چکی تھی قومی ذلت اور شکست خوردگی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

سردار خادی خاں، اشرف خاں، فتح خاں اور سرداران یوسف زئی نے سردار یار محمد خاں اور سردار سلطان محمد خاں والیان پشاور کو ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ میں جو درخواست بھیجی تھی اس کے ایک اقتباس سے اس کا صحیح اندازہ ہوگا۔

> آنچہ دریں اوقات پر از آفات از دست تظلم کفار بدکردار بر مومنین ایں دیار انواع رنج و تکالیف و مصائب از قتل و نہب و شورش فتنہ و جنگ و بے پردگی ناموس و ننگ و تخریب مساجد و معابد گزشت و می گزرد بر ہیچ یک از عاقل و غافل پوشیدہ نیست، چنانچہ صبیان و نسوان اہل ایمان فی الحال در بلاد پنجاب در قبضہ اہل شرک وارتیاب مقید اند کہ بصد زبان مضمون ایں آیت قرآن بصد آہ و فغاں بادل گریاں گویاں "وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ج وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ج وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ۃ" (۴:۷۵)

اس زمانے میں اس ملک کے مسلمانوں پر کفار کے ہاتھوں جو مظالم ہو رہے ہیں، اور ان پر قتل و غارت گری، لڑائی جھگڑے، بے عزتی و بے آبروئی، خانہائے خدا اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی اور تخریب کے جو مصائب گزرے

---

(۱) N.W.F.P. Gazetteer (1931) Peshawar District, V.I, P. 31

اور گزر رہے ہیں، وہ کسی عاقل یا غافل سے پوشیدہ نہیں، چنانچہ اس وقت پنجاب میں مسلمان بچے اور عورتیں اہل شرک وارتیاب کے پنجے میں گرفتار ہیں اور وہ رو رو کر سوز بان سے بس اس آیت کا مضمون ہر شخص کو سناتے ہیں کہ "کیا بات ہے کہ تم اللہ کے راستے میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جنگ نہیں کرتے، جو یہ کہتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے نکال، جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی حمایتی اور کوئی مددگار پیدا کر؟"

اٹھارہواں باب

رائے بریلی سے مارواڑ کی سرحد تک

سفر ہجرت

یہ تھے وہ حالات، جب سید صاحبؒ نے جہاد کے عزم سے ہندوستان کو خیر باد کہا اور اپنے مخلص رفقاء کے ساتھ جن کو آپؒ سالہا سال سے اس مقصد کے لئے تیار کر رہے تھے، ہندوستان سے ہجرت فرمائی اور ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر پہنچنے کے لئے آپؒ نے ہندوستان، بلوچستان، افغانستان کا نہایت طویل اور بے حد پر مشقت سفر اختیار کیا، آپؒ کی بلند ہمتی، عالی حوصلگی اور جوش جہاد اور مجاہدین کی جفاکشی صبر وضبط اور شوق جہاد کا اندازہ لگانے کے لئے اتنا کافی ہے کہ ہندوستان، سرحد اور افغانستان کے نقشے پر ایک نظر ڈالی جائے اور راجپوتانے، مارواڑ، سندھ، بلوچستان، افغانستان اور صوبہ سرحد کے ان ریگستانوں، میدانوں، پہاڑوں، دروں، جنگلوں اور دریاؤں کا تصور کیا جائے، جوان مجاہدین کو طے کرنے پڑے، حقیقت میں اس ہفتخواں کا سر کرنا خود ایک مستقل جہاد تھا، بعض جگہ پانی کی قلت، سامانِ خوراک کی کمی، راہ کی خستگی، مقامات کی دشوار گزاری، قزاقوں کا خطرہ، بھوک اور پیاس کی شدت، اجنبی قوموں، اجنبی ملک، نئی نئی زبانوں کا سامنا، شبہات اور اندیشے، تحقیقات وتجسس، یہ تمام چیزیں پیش آئیں، مگر ان کے قدم میں لغزش اور ارادے میں تذبذب نہ پیدا

ہوا، اس کے ساتھ اگر اس کا تصور کیا جائے کہ اس قافلے میں دہلی اور اودھ کے کیسے کیسے نازک طبع امیر گھرانوں کے کیسے کیسے ناز پروردہ اشخاص، صاحبزادے، شرفاء، سادات، علماء اور مشائخ تھے تو اس روح اور جوش و بیخودی کا اندازہ ہوتا ہے، جو میر کارواں نے ان میں پیدا کر دی تھی، اور جس کی پرورش اور ترقی اس کی صحبت میں برابر ہو رہی تھی۔

رائے بریلی سے گوالیار تک (۱)

سفر سے پیشتر مکان میں جا کر زوجہ محترمہ سے رقوم طلب فرمائیں، جو ان کے پاس امانت تھیں، معلوم ہوا کہ دس ہزار روپے ہیں، آپؒ نے فرمایا کہ نصف تمہارا حصہ ہے، اور نصف ہمارا، چونکہ اہل خانہ کو کسی محفوظ مقام پر چھوڑنے کا ارادہ تھا اور اپنے مرکز سے ان کے مصارف کا بھیجنا بہت مشکل اور مشتبہ بات تھی، اس لئے یہ انتظام ضروری تھا۔ (۲)

آپؒ نے چند بڑی بڑی تھیلیاں سلوا رکھی تھیں، ان میں یہ رقم رکھ کر جماعت کے معتبر افراد کو تقسیم کر دیں، بعض نے گلے میں حمائل کر لیں، بعض نے کمر میں باندھ لیں۔

۷/ جمادی الآخرہ ۱۲۴۱ھ (۱۷/ جنوری ۱۸۲۶ء) روز دوشنبہ آپؒ کی ہجرت کا دن تھا، جانب جنوب سئی ندی کی دوسری طرف آپؒ کا خیمہ لگا ہوا تھا، دوشنبہ کا دن بھائیوں، عزیزوں اور دوستوں کو رخصت کرنے میں گزرا، رات کے وقت کشتی میں سوار ہوئے، بہت آدمی پہنچانے کے لئے چلے، کچھ کشتی پر تھے، کچھ پانی میں، آپؒ نے کنارے پر جا کر دو رکعت شکرانہ ادا کیا اور بڑے تضرع وزاری کے ساتھ اللہ سے دعا کی، یہ شکرانہ کسی سلطنت کی فتح کا نہ تھا، نہ کسی ایسے مقام کے چھوڑنے کا جہاں راحت و آسائش اور عزت و سربلندی کے اسباب ناپید تھے، اور جس سے دل کو کوئی لگاؤ نہ تھا، یہ وہ مقام تھا، جہاں آپؒ کا خاندان دو سو برس سے آباد تھا، اور جس کے ذرے

---

(۱) رائے بریلی سے ٹونک تک کے حالات مولوی جعفر علی کی کتاب ''منظورۃ السعداء'' سے ماخوذ ہیں، اس کے بعد کے حالات (مارواڑ سے پشاور تک) کا ماخذ مولوی سید حمید الدین خواہرزادہ سید صاحبؒ کے مفصل خطوط ہیں، جو انہوں نے راستے سے ہندوستان کے اعزا و احباب کو لکھے ہیں۔

(۲) زوجۂ محترمہ جب پیر کوٹ (سندھ) میں تھیں تو ایک بار معلوم ہوا کہ لشکر اسلام میں بڑی تنگی اور خرچ کی کمی ہے، آپؒ نے سید عبدالرحمٰن کو روکنے کے باوجود دس ہزار روپیہ لشکر کے خرچ کے لئے بھیجا، جو حاجی بہادر شاہ کے ہاتھ کا لاباغ اور عیسیٰ خیل کے راستے سے آپ کے پاس پہنچا۔ (منظورۃ السعدا)

ذریے سے آپؒ کو انس تھا، جہاں ذاتی راحت وعزت کے وہ اسباب موجود تھے، جو کسی بڑے سے بڑے انسان کو میسر آسکتے ہیں، لیکن جس کام کو آپؒ نے مقصدِ زندگی بنایا تھا، اس کے حصول کا وہاں کوئی ذریعہ نہ تھا، اس لئے اس کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنے کا فیصلہ کیا، اور جب اس عزیز و محبوب سرزمین سے جس پر زندگی کی چالیس بہاریں گزاری تھیں، قدم نکالا تو اس پر محبوب حقیقی کی بارگاہ میں اس جوش و مسرت کے ساتھ سجدۂ شکر ادا کیا، جس میں جوش و مسرت کے ساتھ کم لوگوں نے وطن کی واپسی اور سلطنت کی فتح پر سجدۂ شکر ادا کیا ہوگا۔

تمام رات عزیز مردوں اور عورتوں کی آمد و رفت خیمے تک رہی، سب کے دلوں پر آپ کی ہجرت اور فراق کا بڑا اثر تھا، ان میں سوائے ان معدودے چند اعزہ کے، جو سفرِ ہجرت و کارِ جہاد میں شریک تھے، پھر کسی عزیز سے اس جدائی کے بعد ملاقات نہیں ہوئی، خود دونوں بیویوں، ایک صاحبزادی (سارہ) عزیز بھتیجوں سید اسمٰعیل و سید یعقوب سے پھر ملنا نہیں ہوا، اس وقت جانے والے اور رخصت کرنے والوں کو اس کا ضرور احساس ہوگا کہ اب ملاقات کی صورت اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مظفر و منصور وطن واپس لائے اور سارا ہندوستان دارالاسلام بن جائے یا اہلِ وطن اس مہاجر فی سبیل اللہ کے پاس پہنچ جائیں اور یہ دونوں صورتیں ایسی تھیں کہ جو بظاہر آسان معلوم نہیں ہوتی تھیں۔

مکہ معظّمہ سے واپسی کے بعد ہی سے آپؒ اس سفر کی ترغیب دے رہے تھے، جن لوگوں کو اللہ نے وسعت و مقدرت دی تھی، وہ مہاجرین و مجاہدین کے سامان میں حصہ لیتے تھے، اس میں شیخ غلام علی الہ آبادی کا قدم سب سے آگے تھا، قسم قسم کے ہتھیار، خیمے اور کپڑے، نقد سلے اور بے سلے کپڑے، قرآن مجید کے نسخے، کتابیں اور برتن اور جانور حاضر کئے، مولوی سید جعفر علی کے والد سید قطب علی کہتے ہیں کہ شیخ صاحب جتنی بار سید صاحبؒ کی خدمت میں آتے، کوئی نہ کوئی تلوار یا کٹار یا کوئی اور ہتھیار ضرور لاتے، آٹھ نہایت عمدہ بڑی رائفلیں اور دوسرے ہتھیار پیش کش کئے، خیموں کی ایک مسجد بنائی تھی، وہ مع فرش کے حاضر کی، بلاشبہ جس طرح حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی دولت سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری اور

رفاقت کی، اسی طرح شیخ غلام علی الہ آبادی نے اپنی دولت سید صاحبؒ کے قدموں کے نیچے ڈال دی اور جہاد فی سبیل اللہ کے راستے میں دل کھول کر مال لٹایا۔(۱)

مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری لکھتے ہیں:۔

''انہیں دنوں میں شیخ فرزند علی صاحب غازی پور زمنیا سے دو نہایت عمدہ گھوڑے اور بہت سے وردی کے کپڑے اور چالیس جلد قرآن مجید تحفہ لے کر آئے اور سب سے عجیب تحفہ جو شیخ صاحب موصوف لے کر آئے، وہ امجد نام ان کا ایک نوجوان بیٹا تھا، جس کو انہوں نے مثل حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے راہ خدا میں نذر کر کے سید صاحبؒ کے حوالے کر دیا اور عرض کیا کہ اس کو اپنے ساتھ جہاد میں لے جایئے اور تیغ کفار سے اس کی قربانی کرایئے (۲)''۔

آپؒ نے اپنے لشکر کو چند جماعتوں میں تقسیم کر دیا تھا، سید عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھے ارشاد ہوا کہ تین چار دن کے بعد اللہ بخش کی جماعت کوچ کرے، پھر تین چار دن کے بعد شیخ بڈھن کی جماعت پھر تین چار روز کے بعد ہماری جماعت۔

رائے بریلی سے چل کر آپؒ کی پہلی منزل ڈلمو ہوئی، دوسرے روز ۹/ جمادی الآخرہ کو آپؒ فتحپور میں رونق افروز ہوئے، فتحپور میں شیخ غلام علی نے ٹھہر کر سفر کا سامان تیار کرایا، یہ معلوم کر کے کہ سندھ تک کا یہ سفر اس راستے سے ہوگا، جس میں پانی بہت کمیاب ہے، اور اس ملک میں پانی بہت دور اور کنویں بہت گہرے ہوتے ہیں کہ سو سو ہاتھ کی رسی لگتی ہے، انہوں نے ہلکی ہلکی ڈولچیاں اور لمبی لمبی ڈوریاں تیار کر کے فی کس ایک ایک قافلے میں تقسیم کیں تاکہ ایک کو دوسرے کی ضرورت نہ ہو، اسی طرح اور ضروری ضروری سامان تیار کرا کے قافلے کی نذر کیا۔

فتحپور سے بھوا ہوتے ہوئے چلہ تارا گھاٹ (ضلع باندہ) کے راستے سے دریائے جمنا عبور کر کے ایک روز سرکنڈی (ضلع فتحپور) میں ٹھہرتے ہوئے شہر باندے میں قیام فرمایا، مرزا عبدالقادر وغیرہ اور بہت سے آدمی وہاں داخل بیعت ہوئے، یہیں اللہ بخش خاں کی جماعت قافلے میں شامل ہوئی، تین روز کے بعد باندے سے کوچ ہوا اور جلال پور (۳) کے راستے جالون

---

(۱) ''منظورۃ السعداء'' (۲) ''سوانح احمدی'' ص ۸۵ (۳) جلال پور، ہمیر پور سے جانب مغرب تقریباً ۱۲۔۱۵ میل ہے۔

نقشہ
راستہ جو سیّد صاحبؒ نے سفرِ ہجرت میں طے کیا
اور سیاسی تقسیم سنہ ۱۸۲۶ء مطابق سنہ ۱۲۴۱ھ
پیمانہ
میل ۳۰۰ ۲۰۰ ۱۰۰ میل
دریائے بیاس
ستلج
لدھیانہ
سرہند
دہلی
رامپور
آگرہ
اودھ
لکھنؤ
کانپور
گوالیار
دریائے چمبل
ٹونک
الہ آباد
گنگا
دریائے سون
جھیل مانسرور
دریائے سانپو (برہم پتر)
کوہ

علامات
برطانوی حکومت
ریاستیں زیرِ حفاظتِ برطانیہ
سکھ سلطنت
آزاد علاقہ
راستہ سفرِ ہجرت
مقامِ قیام دورانِ سفرِ مبارک
کابل
غزنی
کوڑم
جلدک
قندھار
دریائے ہیلمند
ارغنداب
دریائے ژوب
پشاور
میزئی
شال (کوئٹہ)
دریائے چناب
راوی
ستلج
جیسلمیر
بیکانیر
پالی
بحیرۂ عرب

پہنچے، پیچھے سے سید عبدالرحمٰن کا قافلہ آ کر مل گیا، یہاں سے چل کر شہر گوالیار پہنچے، دولت رائے سندھیا رحاکم گوالیار کے لشکر میں غلام حیدر خاں (۱) وغیرہ بہت سے لوگوں نے بیعت کی۔

مہاراجہ گوالیار کی طرف سے دعوت

گوالیار میں نواب فتح علی خاں کے باغ میں آپؒ فروکش ہوئے، اس وقت نواب صاحب ہی کی طرف سے دعوت ہوئی، دوسرے روز ہندوراؤ نے حاضر ہو کر عرض کی کہ مہاراجہ دولت راؤ نے سلام عرض کیا ہے اور کہلوایا ہے کہ میں بیمار ہوں، حاضر ہونے کی طاقت نہیں رکھتا، اگر سرفراز فرمائیں تو بڑا کرم ہوگا۔

آپؒ نے فرمایا "بہتر ہے ہم ملاقات کے لئے آئیں گے، مہاراجہ صاحب کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں" دوسرے دن یا ایک دو روز کے بعد ظہر کے وقت آپؒ نماز کے بعد دولت راؤ کے محل میں تشریف لے گئے، یکہ گان سرکاری استقبال کے لئے باہر آئے اور اپنے ساتھ محل میں لے گئے، ایک بہت بڑا فرش بچھا تھا، ہندوراؤ نے آپؒ کے تمام ہمراہیوں کو اسی پر بٹھایا اور آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دولت راؤ کے کمرے میں لے گیا، دولت راؤ نے بڑی تعظیم وتکریم کی، رانی چلمن کے پیچھے بیٹھی تھی، طرفین سے سلام ومزاج پرسی ہوئی اور گفتگو شروع ہوئی۔

مہاراجہ کی فرمائش

مہاراجہ نے عرض کیا "میں نے سنا ہے کہ آپکی توجہ میں بڑی تاثیر وقوت ہے، امیدوار ہوں کہ مجھے بھی اپنے فیض سے سرفراز فرمایا جائے گا" آپؒ نے فرمایا "آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے؟ باطنی توجہ تو قرب خداوندی حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے اور کفر اس کے منافی ہے، مقوی غذا تندرست آدمی کے لئے باعث تقویت ہے، نہ بیمار کے لئے" مہاراجہ نے کہا "دوسرے بزرگانِ دین مجھے توجہ دے چکے ہیں، آپ ایمان کی شرط کرتے ہیں، کیا عجب ہے کہ خالق برتر آپ

---

(۲) غلام حیدر خاں، حبیب اللہ خاں کے فرزند تھے، پہلے اپنے والد کے عہدہ پر (جو سلطنت اودھ میں رسالدار تھے) اودھ میں مامور رہے، کچھ عرصہ نواب میر خاں والی ٹونک کی سرکار میں رہے، وہاں سے ترک تعلق کر کے ریاست گوالیار میں بمشاہرہ پندرہ سو روپیہ رکن ریاست رہے، وکالت رزیڈنسی ان سے متعلق کی گئی (افادہ نواب محمد صابر قلی خاں، نواب آف محمد گڑھ یکے از احفاد غلام حیدر خاں۔)

کی توجہ سے مجھے ایمان کی توفیق ارزانی فرمائے'' سید صاحبؒ نے فرمایا'' چونکہ آپ ایمان کو سب سے قیمتی چیز سمجھتے ہیں، اس لئے میں توجہ کرتا ہوں'' آپؒ نے اس کو سامنے بٹھا کر توجہ فرمائی۔

مہاراجہ کے محل میں پہلی اذان

تھوڑی دیر گزری تھی کہ لشکر اسلام کے موذن شیخ باقر علی نے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے عصر کی اذان دی، محل میں اندر سے باہر تک ایک کھلبلی سی مچ گئی، عورتیں تماشہ دیکھنے کے لئے کوٹھوں پر جمع ہو گئیں، سرکاری اہل کار کام چھوڑ کر تماشے میں لگ گئے، دو فرانسیسی بھی وہاں مقیم تھے، ان کو تعجب ہوا کہ آج تک کسی پیر فقیر نے یہاں ایسی صدا بلند نہیں کی، یہاں تک کہ مہاراج کے پیر صاحب کو بھی آج تک یہاں نماز پڑھتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا، حالانکہ ان کی آمد و رفت یہاں بہت رہتی ہے، ہندو راؤ نے فوراً چوبدار کو حکم دیا، بھشتی حاضر ہوئے اور آن کی آن میں مہمانوں نے وضو کر کے صفیں درست کیں، لوگوں نے جانمازیں، جو ان کے ہاتھوں میں تھیں، بچھائیں، سید صاحب آگے بڑھ کر مصلے پر کھڑے ہوئے اور مکبر نے عربی لہجے میں تکبیر کہی، آپؒ نے تکبیر کہی اور نماز شروع ہوئی، تمام حاضرین مجلس کی نگاہیں آپؒ کے چہرے پر تھیں، آپؒ نے سفر کی دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیرا۔

مزید قیام کی درخواست

نماز کے بعد ہندو راؤ پھر آپؒ کو مہاراجہ کے کمرے میں لے گیا، اس وقت آپؒ کے اور مہاراجہ دولت راؤ اور ہندو راؤ کے سوا اور کوئی نہ تھا، البتہ مہارانی چلمن کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی، دولت راؤ نے کہا'' آپ کو اور پورے قافلے کو میں ایک سال تک مہمان رکھنا چاہتا ہوں، آپؒ ہمارے شہر میں قیام فرمائیں'' سید صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ ممکن نہیں، اس نے عرض کیا کہ پھر اس قدر توقف فرمائیں کہ میں قافلے کا سامان اور ہتھیار درست کردوں، آپؒ نے اس کو بھی منظور نہیں فرمایا۔

احمد شاہ درانی کا پوتا گوالیار میں

احمد شاہ درانی کا پوتا چھ مہینے سے گوالیار میں مقیم تھا، مہاراجہ سے ملاقات اور رخصت کی

نوبت نہیں آئی تھی، اس نے سید صاحبؒ سے مل کر مہاراجہ کے یہاں سفارش چاہی تھی، جب آپؒ مہاراجہ سے رخصت ہونے لگے تو آپؒ نے مہاراجہ سے فرمایا "احمد شاہ درانی کے پوتے چھ مہینے سے آپ کے شہر میں آئے ہوئے ہیں، آپ جانتے ہیں کہ ان کے دادا کس شان وشوکت کے تھے کہ جس وقت ہندوستان میں ان کی آمد کی اطلاع ہوئی، تو اس ملک کے راجاؤں، مہاراجاؤں کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور انہوں نے کس طرح دہلی کو تہ و بالا کر دیا، خدا کی شان ہے کہ ان کا پوتا آج آپ کے دروازے پر ہے، خدا کی شان بے نیازی سے ڈرنا چاہیئے، اس کو انقلاب کرتے اور پست کو بلند اور بلند کو پست کرتے دیر نہیں لگتی"۔

مہاراجہ نے اس گفتگو کا پورا اثر لیا اور حکم دیا کہ یہاں سے حیدر آباد تک سفر کے لئے شہزادے کا سامان درست کر دیا جائے اور ہماری قلمرو میں جو جو مقامات ان کے راستے میں پڑتے ہیں، وہاں پروانہ جاری کر دیا جائے کہ ان کے لئے ضروری سامان مہیا کیا جائے اور پوری حفاظت و خدمت کے ساتھ حیدر آباد پہنچا دیا جائے۔

آپؒ مہاراجہ سے رخصت ہو کر محل سے باہر تشریف لائے، فرانسیسی اور تمام اہل دربار کی زبان پر تھا کہ پیر ہو تو ایسا ہو کہ جو مالک حقیقی کے حقوق کے سامنے کسی کی پروانہ کرے اور امیر و فقیر اس کی نظر میں یکساں ہوں۔

مہاراجہ کی نذر

مہاراجہ نے کپڑوں اور خلعتوں کے تین بڑے بڑے گٹھر کہ ہر گٹھر کو دو دو آدمی اٹھاتے تھے اور دو یا تین روپوں سے بھر خریطے نذر کیے، سید عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ یہ معلوم نہیں کر سکا کہ خریطوں میں کس قدر روپیہ تھا اور گٹھروں میں کس قدر کپڑا تھا، اتنا معلوم ہو سکا کہ سیلے اور رومال بہت تھے اور ایک قبا جس کے دامن میں مروارید ٹنکے تھے اور گریبان میں قیمتی جواہرات تھے، یہ سارا سامان آپ کے ہمراہیوں کے حوالے ہوا۔

شہزادے کی پیش کش

آپؒ محل سے نکل کر شہزادے کے یہاں تشریف لے گئے اور مہاراجہ کی گفتگو

اور ملاقات کی سرگزشت سنائی اور ان کی شایان شان رخصت کا مژدہ سنایا، شہزادے کی ایک لڑکی تھی، اس کی خواہش تھی کہ کوئی ایسا داماد ملے جو وجاہت ظاہری و باطنی رکھتا ہو، اس نے سید صاحبؒ سے باصرار خواہش کی کہ آپؒ اس کو اپنی زوجیت میں قبول فرمالیں، آپؒ نے منظور نہیں کیا اور ان کو اطمینان دلایا کہ میرے بھانجے، بھتیجے اور دوسرے عزیز ہیں، ان میں سے کسی کو انتخاب کرکے بعد میں بلوالوں گا، اس وقت آپ بھیج دیں۔(۱)

ہندوراؤ کی دعوت اور تواضع

دوسرے روز رات کے وقت ہندوراؤ نے دعوت کی، آپؒ اس کے مکان پر تشریف لے گئے، اس نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور فرش پر لا بٹھایا، اتنے میں یکہ گان کی آمد شروع ہوئی، ہندوراؤ ہر ایک کی تعظیم کے لئے اٹھتا تھا، سید صاحبؒ بھی اس کے ساتھ تعظیم میں شریک ہوتے تھے، اس نے عرض کیا کہ آپ تشریف رکھیں، آپ کو تکلیف کی ضرورت نہیں، البتہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک کی الگ الگ تعظیم کریں، اس لئے کہ یہ ہماری ریاست کا دستور ہے، آپؒ بیٹھ گئے، یہاں تک کہ بہت سے یکہ گان حاضر ہوگئے، ہندوراؤ نے آپؒ کو پندرہ اشخاص اور پندرہ یکہ گان کے ساتھ اپنے ساتھ لیا اور مکان میں لے جاکر فرش پر بٹھایا اور مہمانوں کے ہاتھ خود دھلانے لگا، آپؒ نے منع فرمایا، اس نے کہا کہ میری سعادت اسی میں ہے کہ میں خود ہاتھ دھلاؤں اور آپؒ کے حاضرین کے سامنے کھانا چنوں، آپؒ نے فرمایا کہ ہمیں یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا، آپ تشریف رکھئے، آپؒ نے ہندوراؤ کے ہمراہیوں سے کہا کہ ان کے لئے کرسی بچھا دیجئے، ہندوراؤ حکم کی تعمیل میں بیٹھ گیا اور سرکاری اہلکاروں نے سید صاحبؒ کے اور دوسرے حاضرین کے ہاتھ دھلائے، سب سے پہلے جو کھانا حاضر کیا گیا وہ مرہٹی کھانا تھا، جس میں پسی ہوئی سرخ مرچ بہت تھی، ابھی کسی نے چکھا ہی تھا کہ منتظمین اٹھا کر لے گئے، ہندوراؤ نے عرض کیا کہ ہمارا

---

(۱) سید عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ جب سید صاحبؒ نے مجھے ٹونک سے اپنے گھر والوں کو لانے تکیے بھیجا تو ایک خط شہزادہ موصوف کو لکھ کر میرے حوالے کیا، جس میں شہزادی کی طلبی کا مضمون تھا، گوالیار پہنچنے سے پہلے سخت بارش ہوئی جس میں وہ خط بھیگ کر خراب ہوگیا، بغیر آپؒ کے خط وسند کے شہزادے سے اس کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور قصداً ملاقات کئے بغیر ٹونک چلا گیا، اور یہی عذر میں نے سید صاحبؒ کو اپنے عریضے میں لکھا۔

اصلی قومی کھانا یہی ہے، اس کے بعد ہندوستانی امرا کے کھانے شیر مال، پراٹھے، کئی قسم کے پلاؤ، متنجن، کئی قسم کے قلیے، فیرنی اور یاقوتی وغیرہ لائے، لوگ تھوڑا تھوڑا کھانے پائے تھے کہ ان کو اٹھالیا اور دوسرے کھانے کئی قسم کے کباب، پسندے، سیخ کباب، بھنا ہوا مرغ وغیرہ لائے، اسی طرح کئی دور ہوئے یہاں تک کہ کھانے سے فراغت ہوئی اور ہاتھ دھلائے گئے اور پان کے بیڑے جن پر سونے کے ورق لگے ہوئے تھے لائے گئے اور عطر لگایا گیا، اس کے بعد کپڑوں کے خوان آئے، جن میں اکثر سرخ رنگ کے سیلے اور مندیل تھے، آپؒ نے دیکھ کر فرمایا "اس کی کیا ضرورت ہے؟" ہندوراؤ نے کہا "یہ پختہ رنگ ہے، سوشوب میں بھی رنگ میں فرق نہ آئے گا، یہ سب برہان پوری ہے، سنا ہے کہ پختہ رنگ شرع شریف میں درست ہے" جوڑوں میں ایک جوڑا کم تھا، سید عبدالرحمٰن کے لئے فوراً ایک جوڑا منگوایا گیا۔

سید صاحبؒ کے جوڑے میں قیمتی مروارید کا ایک ہار تھا اور ایک زریں چوغہ، ہندوراؤ اپنے ہاتھ سے سید صاحبؒ کو پہنانے لگا، آپؒ نے عذر فرمایا، اس نے عرض کیا کہ میری تمنا ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے آپؒ کو پہناؤں، ورنہ میں جانتا ہوں کہ آپ استعمال نہیں فرمائیں گے، اس کوشش میں موتی کی لڑی ٹوٹ گئی اور مروارید بکھر گئے، حاضرین نے چن کر خوان میں رکھ دیا اور آپؒ کی فرودگاہ میں بھیج دیا گیا۔

قافلے کی فوجی ترتیب

یہیں گوالیار میں آپؒ نے قافلۂ مہاجرین کو فوجی اصول پر پانچ گروہوں میں تقسیم کیا اور ہر گروہ کے ذمے ایک خدمت سپرد کی، ایک جماعت خاص تھی، جو قلب لشکر گاہ تھی، اس کے افسر مولوی محمد یوسف پھلتی مقرر ہوئے، یہ جماعت ہمیشہ آپؒ کے ساتھ رہتی تھی، اور کبھی الگ نہیں ہوتی تھی، دوسری جماعت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے ماتحت تھی، اور وہ مقدمۃ الجیش تھی، تیسری جماعت میسرہ سید محمد یعقوب (۱) کے ماتحت تھی، ج کے مہتمم شیخ بڈھن تھے، چوتھی جماعت اللہ بخش خاں کی تھی، جو ساقۃ العسکر (رئیر گارڈ) تھی، وہ چھکڑوں اور جانوروں کے ساتھ رہتے تھے،

---

(۱) سید محمد یعقوب سید ابراہیم کے صاحبزادے اور سید صاحب کے حقیقی بھتیجے تھے، وہ خود بعض ضروری کاموں کی تکمیل کے لئے ٹونک میں رہ گئے تھے۔

لشکر سے پہلے روانہ ہوتے تھے، اور کبھی مغرب کے وقت اور کبھی عشا کے وقت منزل گاہ پہنچتے تھے، امجد خاں رئیس موضع گنتی اور چند اشخاص تھے، جن کا تعلق کسی جماعت سے نہیں تھا، یہ لشکر گاہ کے میمنے میں رہتے تھے، بار برداری وغیرہ کا کام ایک روز مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی جماعت کے ذمے اور ایک روز سید محمد یعقوب کی جماعت کے ذمے تھا۔

گوالیار میں دوسرے مقامات کے مقابلے میں زیادہ قیام کی نوبت آئی، یہاں تک کہ دو جمعے پڑھے گئے، ہندو سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، اور آپؒ ان کو پند و نصائح فرماتے رہتے تھے۔

گوالیار سے ٹونک تک

گوالیار سے کوچ فرما کے چھوٹے چھوٹے مقامات سے ہوتے ہوئے ایک ہفتے میں آپ کرولی پہنچے، کسمنڈی ضلع لکھنؤ کے ایک رئیس حاجی جلال الدین نے جو وہاں اس وقت مقیم تھے، ایک روز قیام کرنے کی درخواست کی اور دعوت کی، بکثرت آدمیوں نے بیعت کی۔

کرولی سے روانہ ہو کر خوشحال گڑھ، میڈاری (ریاست جے پور) اور جھلائی (ریاست جے پور) ہوتے ہوئے چھ روز میں آپؒ ٹونک پہنچے۔

ایک فقیر کی اصلاح و ہدایت

میڈاری میں ایک فقیر ایک غریب عورت کے دروازے پر جو رسی بٹنے میں مصروف تھی، نہایت بے حیا اور مذموم طریقے پر لوگوں سے سوال کر رہا تھا، اس نے ایسی ہیئت بنائی تھی، جو نہایت مکروہ اور خلاف تہذیب تھی، آپؒ لشکر کے ساتھ اس کے سامنے سے گزرے اور اس نے کچھ پروا نہیں کی، آپؒ نے کچھ دور جا کر آدمی بھیج کر اس کو طلب فرمایا، اس کا بخت یاور تھا، وہ فوراً حاضر ہو گیا، آپ نے اس کو اس حرکت پر سرزنش فرمائی اور سخت غیرت دلائی، اس نے توبہ و بیعت کی درخواست کی اور بیعت کر کے مجاہدین میں شامل ہو گیا، آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا، اس کی حالت تبدیل ہو گئی، طاقتور آدمی تھا، تیر و کمان ساتھ رکھتا تھا، محمد سعید خاں کے بہلیے میں شامل کر دیا گیا، سید عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ سرحد کے معرکے میں شہادت پائی۔

ٹونک

ظہر کے وقت آپؒ ٹونک پہنچے اور قلعے کے میدان میں فروکش ہوئے، امیر الدولہ نواب امیر خاں والی ریاست ٹونک گھوڑے پر سوار ہو کر ملاقات کے لئے آئے، آپؒ نے عربی گھوڑا نواب صاحب کو تحفہ دیا، نواب صاحب نے تبرکاً قبول کر کے قلعے بھیج دیا اور آپؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر آپؒ کو نذر باغ میں لائے، نواب صاحب نے صاحبزادہ وزیر محمد خاں کو جو بعد میں وزیر الدولہ بہادر والی ٹونک ہوئے، بلا بھیجا، عصر و مغرب کی نماز اسی باغ میں پڑھی گئی، اہل قافلہ شہر میں مختلف مقامات پر مقیم رہے، ایک مہینے قریب ٹونک میں قیام رہا، نواب صاحب کی طرف سے تمام مہاجرین کی دعوت وضیافت برابر ہوتی رہی۔

ٹونک میں یہ مشورہ ہوا کہ گھر والوں کو رائے بریلی سے بلا لیا جائے، ٹونک سے روانگی ہوئی، اور آپؒ کا خیمہ دریائے بناس عبور کر کے گلوت میں لگایا گیا، نواب صاحب نے بیش قیمت تحائف پیش کئے، ان میں سے ایک بلند قامت تندرست اور فربہ گھوڑا تھا، جو پوری ریاست میں مشہور تھا، بلکہ دوسری ریاستوں میں اس کی نظیر نہیں تھی، سید صاحبؒ نے اس کو قبول کرنے سے عذر کیا اور فرمایا کہ اس کا آپ ہی کی سواری میں رہنا اچھا معلوم ہوتا ہے، آپؒ کی قیام گاہ پر بھی کھانا نواب صاحب کی سرکار سے آتا تھا، اور دوسری پیش کشیں پہنچتی رہتی تھیں۔

نواب صاحب کی بیعت

ایک روز نواب صاحب نے آپؒ کو ٹونک تشریف لانے کی زحمت دی اور خود صاحبزادہ وزیر محمد خاں اور ان کی بیوی، جو نواب صاحب ممدوح کی بھانجی تھیں اور بعض دوسرے متعلقین کے ساتھ بیعت کی، سوار اور پیادے جوق جوق آکر بیعت ہوئے اور بہت سے لوگوں نے ان موقعوں سے فائدہ اٹھایا۔

رسالدار عبدالحمید خاں

ٹونک کے اثنائے قیام میں عبدالحمید خاں رامپوری، جو ایک رند مشرب آزاد مزاج آدمی تھے، بیعت سے مشرف ہوئے اور وہیں سے ہمرکاب ہو گئے، انہوں نے ایسا اعتماد اور خصوصیت

پیدا کی کہ بالآخر پورے لشکر اسلام کی رسالداری کے اہم منصب پر فائز ہوئے اور مہیار کے معرکے میں زخمی ہوکر شہادت پائی، نواب وزیرالدولہ مرحوم ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''رام پور کے ایک پٹھان عبدالحمید خاں جن کی عمر فسق وفجور میں گزری تھی، اور اپنے شجاعت وتہور میں بہت سے خون ناحق کیے تھے، ابتدائے نشو ونما سے میرے والد (نواب امیر خاں مرحوم) کے لشکر میں ملازم تھے، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب ٹونک تشریف لائے اور آپؒ کا وہاں سے کوچ ہوا تو عبدالحمید خاں کی قسمت بھی جاگی، آپؒ ٹونک سے چار کوس کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، اور ہم سب آپؒ کو رخصت کرنے کے لئے وہاں تک گئے تھے، عبدالحمید خاں اپنے ایک ہم مشرب دوست کے ساتھ کہیں جارہے تھے، انہوں نے سید صاحبؒ کو دیکھ کر تمسخر کیا، سید صاحبؒ نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر فرمایا کہ خان جیو، بیعت کرلو، دونوں نے والہانہ انداز سے بیعت کی اور اس وقت سے جو آپؒ کی رکاب تھامی تو پھر نہیں چھوڑی، کتنا ہی ان کے دوستوں نے ان کو اس رفاقت سے باز رکھنے کی کوشش کی، کچھ اثر نہیں ہوا، ان کی حالت برابر بدلتی چلی گئی یہاں تک کہ مہیار کی جنگ میں زخم کھا کر جام شہادت نوش فرمایا۔

ایں جان عاریت کہ بحافظ سپرد دوست
روزے رخش ببینم وتسلیم دے کنم (۱)''

روانگی

گلوت سے آپؒ جھلانا تشریف لے گئے، نواب صاحب نے یہاں تک مشایعت کی، داؤد خاں، صالح محمد خاں اور ریاست کے دوسرے عمائد یہاں پہنچ کر بیعت سے مشرف ہوئے۔
آپؒ نے مولانا عبدالحی اور مولوی عبدالقدوس کو ٹونک واپس کردیا اور سید عبدالرحمٰن سید

(۱) ''وصایا الوزیر'' ص ۱۱۰، ۱۱۱

محمد یعقوب اور سید زین العابدین ابن سید احمد علی کو اپنے متعلقین والدۂ بی بی سارہ و والدۂ سید محمد اسمٰعیل وغیرہما کو لانے کے لئے وطن روانہ کر دیا، چلتے وقت نواب صاحب ممدوح کا پیش کیا ہوا گھوڑا ابھی واپس کر دیا اور فرمایا کہ یہ پروردۂ نعمت ہے، سفر کی سختیاں برداشت نہیں کر سکے گا اور ہلاک ہو جائے گا، نواب صاحب نے قبول نہیں فرمایا، آخر یہی ہوا، اجمیر سے نکل کر کسی منزل پر یہ گھوڑا ہلاک ہو گیا۔(۱)

اجمیر اور پالی

اجمیر میں مولوی سراج الدین مرحوم اور دوسرے عمائد شہر اور عام مسلمانوں نے بیعت کی اجمیر سے چل کر آپؒ نے پالی مقام کیا، جو اجمیر سے پچاس کوس ہے، اور اس زمانے میں راجپوتانے کا مشہور تجارتی مرکز تھا، یہاں چار روز قیام رہا، ہزاروں مرد اور عورتوں نے بیعت کی، ۱۶ر رمضان کو آپؒ وہاں سے روانہ ہوئے اور کھٹیا گڑھ منزل کی، جہاں آپؒ کو ایک روز ٹھہرنا تھا، پالی کے عقیدت مند، جن کی اس چہار روزہ قیام میں سیری نہیں ہوئی تھی، کھٹیا گڑھ تک ساتھ آئے اور ایک روز کی معیت کو غنیمت سمجھا، تقریباً سو آدمی روزے کی حالت میں کھٹیا گڑھ تک پہنچے اور آپؒ کے مہمان ہوئے۔

اگلے روز جب وہاں سے روانگی ہوئی تو سب لوگ تو واپس گئے، سات آدمی اگلی منزل تک ساتھ آئے، ایک ضعیفہ جو پالی میں بیعت سے محروم رہی تھی، اس روز اونٹ پر سوار ہو کر اپنے نواسے کو ساتھ لے کر آئی، بیعت کی اور اس روز تمام لشکر کی ضیافت کے اخراجات جو پچاس روپے کے قریب تھے، اپنے ذمے لئے۔(۲)

---

(۱) "منظورۃ السعداء" (قلمی) (۲) مکتوبات (قلمی) ص ۱۲۳

مارواڑ اور سندھ

پالی سے سندھ کی سرحد (عمر کوٹ) تک مارواڑ کے ریگستان کا نہایت دشوار گزار اور بے حد پر مشقت سفر تھا، جو خود ایک مستقل جہاد اور طویل سلسلہ مجاہدات تھا، سید حمید الدین نے پالی سے جودھپور کا فاصلہ بیس کوس اور جودھپور سے عمر کوٹ کا فاصلہ ایک سو بیس کوس لکھا ہے، گویا دو سو اسی میل اس ریگستانی سفر کے طے کیے، جس کے متعلق سید حمید الدین کی، جنھوں نے رائے بریلی سے پشاور تک کا پورا سفر طے کیا ہے، شہادت اور تاثر یہ ہے:۔

شاید راہ ہیچک جا در کسے بلاد باین دشوار گزاری وصعب المروری وویرانی و بے آبی با خطرات غارتگران قزاق وعدم نشان راہ نبودہ باشد۔ (۱)

شاید کسی ملک میں بھی کوئی راستہ ایسا دشوار گزار صعب المرور، ویران و بے آب نہیں ہوگا، جتنا مارواڑ کے صحرا کا یہ راستہ پھر اس پر غارتگروں اور قزاقوں کے خطرات اور راستے کا بے نشان ہونا مستزاد ہے۔

ان کے مکتوبات کے مندرجہ ذیل اقتباس سے اس راستے کی دشوار گزاری اور مشقتوں اور خطروں کا کسی قدر اندازہ ہوسکتا ہے:۔

''سلاباس سے روانہ ہوئے تو سارا دن ایک ایسے جنگل میں چلتے کٹ گیا جو سخت خار دار اور بالکل غیر آباد تھا، روپاباس میں منزل ہوئی، وہاں ایک

(۱) مکتوبات (قلمی) ص ۱۲۲

کنواں تھا، جس کا قطر تین ہاتھ اور گہرائی سو ہاتھ تھی، پانی نہایت کھاری، جو صرف مجبوری ولا چاری سے استعمال کیا گیا، اس پر بھی سیکڑوں آدمی پانی لے جانے کے لئے اپنے چھکڑے لئے ہوئے اور سیکڑوں اونٹ اور گائے، بکری اس طرح جمع تھے کہ کسی آدمی کا کنویں تک پہنچنا بھی مشکل تھا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ پانچ پانچ چھ چھ کوس سے لوگ یہاں پانی لے جانے کے لئے آتے ہیں اور مویشی پانی پلانے کے لئے لاتے ہیں۔

موضع تروڑ میں ایک ندی تھی، جس کا پانی بالکل کھاری تھا، گھوڑے اور جانور بھی اس کو نہیں پی سکے، ندی کے اندر ہم نے بہت سے کنویں کھودے ،دو تین ہاتھ پر پانی نکل آتا، کہیں میٹھا کہیں کھاری، کھاری چھوڑ دیتے ،اور میٹھے پانی سے کام چلاتے، کسی طرح یہاں رات گزاری، یہ کنویں جو کھودے جاتے تھے، ایک دن میں ریت سے بھر جاتے اور خشک ہو جاتے، میٹھا پانی بھی جو نکلتا وہ دو تین گھڑی کے بعد کھاری ہو جاتا، دور دور تک آبادی کا نشان نظر نہ آیا، راستے میں سوائے وحشتناک اور خاردار جنگلوں کے کچھ نظر نہ آیا۔

چاندڑہ میں زمین میں سخت نشیب وفراز اور ریت کے ایسے ٹیلے تھے کہ ایک کوس چل کر ایسا تکان ہوتا تھا کہ گویا چار کوس چلے، ان ٹیلوں کے اوپر خار دار جنگل اور بہت اونچے اونچے درخت تھے، دس دس بیس بیس کوس کے فاصلے پر کوئی کنواں ہوتا کہیں کسی مسافر یا چلنے والے کا نشانِ قدم نظر نہیں آتا تھا، نہ کہیں اس ریگزار میں راستہ نظر آتا تھا، رہبر کے بغیر چلنا مشکل تھا، اگر مسافر رہبر سے چھوٹ جائے تو بھٹک کر پیاسا مر جائے۔

اس مقام پر پانی اتنا گاڑھا اور کالا تھا کہ کسی طرح پینے پر طبیعت آمادہ نہ ہوتی تھی، لیکن مجبوری سے پیا گیا۔

اسی حالت میں سوراہے کی منزل میں عید کا چاند دیکھا، اگلے روز عید تھی،

پالی سے اس مقام تک متواتر و مسلسل سفر رہا، لوگ بہت خستہ ہو گئے تھے، لوگ جو راستے سے قافلے میں شامل ہوتے گئے تھے، اور ابھی تک ان کو بیعت کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا، انہوں نے نماز صبح کے بعد بیعت کی اور تمام حاضرین و غائبین کے لئے بڑے خشوع و خضوع سے دعا ہوئی، یہی محفل بیعت دوگانۂ شکر اور محفل سرود بن گئی اور مخلصین کی عید ہوگئی۔

۲؍شوال کو جب سویرے سے کوچ ہوا تو ہم نے سنا کہ اس علاقے میں بلوچ آکر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور غارت گری کرتے ہیں، ان کو کھوسا (یعنی قزاق) کہتے ہیں، اس لئے لشکر میں پہرے اور چوکیداری کا خاص انتظام کیا گیا، سویرے سے ہم دو کوس چلے تھے، اور نماز فجر میں مشغول تھے کہ بیس سوار اور دو شتر سوار اور چند پیادے دور سے نظر آئے، اس بیابان میں جہاں آدمی کی صورت کو آدمی ترستا ہے، اس گروہ کو دیکھ کر یقین ہوا کہ یہ قزاق ہیں اور جیسا کہ رہبر نے کہا تھا، ہم کو یقین ہوا کہ صدہا سوار جنگل میں چھپے ہوں گے، حضرتؒ نے سواروں اور پیادوں کو جنگی ترتیب اور قاعدے سے آراستہ کیا اور سارے دن اسی ترتیب سے سفر طے کرتے رہے، پاڑیو یا یار الیوا کے مقام پر قیام ہوا، یہاں ایک کنواں، جس کے ساتھ ایک حوض بھی تھا، اس کا پانی کھاری تھا، لیکن مجبوری سے استعمال ہوا، اس روز قزاق اس موضع کی چراگاہ سے اکثر مویشی لوٹ لے گئے، لشکر کا چوکی پہرہ اور سخت کر دیا گیا، رات کو ہم سب جنگ کے لئے مستعد تھے، لیکن کسی کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

موضع برسالی کے باشندے ہم کو دیکھ کر بڑے خوفزدہ ہوئے، وہ سمجھے کہ قزاق آئے اور لڑنے کے لئے آمادہ ہوئے، لیکن بار بردار اونٹوں اور مسافروں کے قافلے کو دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی، موضع کے کنارے پر خام کنویں تھے، اہل قریہ نے خاردار درخت کاٹ کر ان کنوؤں کو بھر دیا کہ

دشمن پانی نہ پی سکے، حضرتؒ نے ان کے سرداروں کو بلا کر ان کی تسلی وتشفی کی اور اپنا حال بیان کیا، ترجمان کے بغیر ان سے گفتگو ممکن نہ تھی، آپؒ نے ان کے ذریعے ان کو پوری بات سمجھائی، اور انہوں نے کنویں صاف کیئے، کنوؤں میں پانی بہت کم تھا، بڑی دقت سے رات کاٹی اور صبح روانہ ہوئے۔

برسالی سے چل کر ایک دوسرے مقام پر پہنچے، وہاں کے باشندے بھی ہم کو دیکھ کر مقابلے کے لئے آمادہ ہوئے، حضرت نے موضع سے دور ہی توقف فرمایا، آپؒ نے ان کو سمجھانے کے لئے شیخ باقر علی کو بھیجا، انہوں نے ایک بندوق سر کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا، آخر وہ اپنے ریت کے ٹیلے سے نیچے اترے، جب بار بردار اونٹوں کو دیکھا تو مطمئن ہوئے، حضرت مع لشکر کے ان کے مقام پر تشریف لے گئے اور بڑی خاطر داری اور محبت سے ان کو رام کیا، وہاں سے کچھ فاصلے پر دس پندرہ کنویں تھے، جن میں صرف ایک دو میں پانی تھا، لیکن وہ بھی دو تین ڈول کھینچنے سے خشک ہو گئے، پانی کی سخت دقت ہوئی، لوگوں نے وہی گدلا اور سیاہ پانی پیا، اونٹ اور گھوڑے پیاسے ہی رہے، کسی نہ کسی طرح رات گزاری۔

اڈیون میں پانچ چھ خام کنویں تھے ڈول نکالتے ہی سب خشک ہو گئے، لوگوں کا پیاس سے برا حال تھا، حضرت نے حکم دیا کہ لوگ کنوؤں میں اتر کر کھودیں، اسی حال میں شام ہو گئی، لوگ پیاس سے بے قرار تھے، دوسری منزل سے کچھ پانی آیا، جس سے لوگوں نے حلق تر کیئے، رات کو کنوؤں سے پانی نکلنا شروع ہوا، جس سے لوگوں نے اپنی پیاس بجھائی، جانوروں کی بھی آدھی پیاس بجھ سکی، رات بسر ہوئی۔

اگلی منزل پر باشندوں کو پھر وہی شبہ ہوا اور لڑنے کے لئے تیار ہوئے، شیخ باقر علی نے جا کر ان کو سمجھایا، لیکن لشکر کو دیکھ کر وہ بدحواس ہوئے اور اپنے مویشی لے کر بھاگ گئے، آخر

حضرت خود اس موضع کے نیچے تشریف لے گئے، انہوں نے نیچے اتر کر آپؒ سے ملاقات کی۔

یہاں معلوم ہوا کہ یہاں سے بارہ کوس تک کہیں راستے میں پانی نہیں، چار گھڑی رات رہے قافلے کا کوچ ہوا، ساری رات اسی خشک و بے آب بیابان میں چل کر چھ گھڑی دن نکلے کٹھیار کے مقام پر منزل ہوئی، وہاں ایک پختہ کنواں تھا، جس میں وہاں کے رہنے والوں اور ان کے جانوروں کی ضرورت بھر کا پانی تھا، قافلے کے پہنچنے پر وہ کنواں خشک ہو گیا، گرمی کی شدت اور رات بھر چلنے کی وجہ سے آدمی اور جانور سخت پیاسے اور تھکے ہوئے تھے، یہاں پانی کے نہ ہونے اور پیاس کی زیادتی سے سخت تکلیف ہوئی، ایسی تکلیف کسی منزل پر نہیں ہوئی تھی، جو تھوڑا سا پانی کنویں سے نکلتا تھا، قریب تھا کہ لوگ اس پر لڑ مریں اور جانوروں کا پیاس سے دم نکل جائے، سید صاحبؒ تمام دن دھوپ میں اسی کنویں پر بیٹھے پانی نکلواتے رہے، آپؒ نے گھوڑوں اور اونٹوں کو پانی پلوایا اور جو پیاس سے بہت بیقرار اور خستہ حال تھے، ان کو اتنا دیا کہ ان کی زندگی برقرار رہ سکی۔

یہاں سے مارواڑ کا علاقہ ختم ہوا اور سندھی بلوچیوں کی عملداری شروع ہوئی، یہاں سادات و فقرا کی جیسی تعظیم دیکھی، کسی ملک میں کسی طبقے کی ایسی تعظیم نہیں دیکھی، مارواڑ کے پورے علاقے میں کسی جانور کا شکار ممکن نہ تھا، جانور کا مارنا ان کے نزدیک آدمی کے قتل کے برابر تھا، یہاں پہنچ کر اہل اسلام کی حکومت کے آثار نظر آئے، ایک شخص نے ایک گائے نذر کی پانی کی قلت کی وجہ سے بڑی مشکل سے اس کا گوشت پک سکا اور قافلے نے کھایا(۱)''۔

سرحد سندھ

جودھ پور کے علاقے اور مارواڑ کے صحرا کا یہ پر مشقت سفر کٹھیار پر ختم ہوا اور امیران سندھ کی عملداری شروع ہوئی، عمر کوٹ کا قلعہ یہاں سے تین کوس کے فاصلے پر تھا، آپؒ نے حاجی

---

(۱) مکتوبات (قلمی) ص ۱۲۲ تا ۱۳۵

عبدالرحیم کو اپنی آمد کی اطلاع کے لئے قلعدار کے پاس بھیجا، جو حاکم سندھ کی طرف سے متعین تھا، حکومت جودھپور اور حکومت سندھ کے درمیان عمر کوٹ کے معاملے میں جھگڑا چلا آرہا تھا، اور انگریزوں کی طرف سے بھی سندھی مطمئن نہیں تھے، ان کی طرف سے ہر آنے والے کو خطرے اور شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے، خود قلعدار کسی ضرورت سے حیدر آباد گیا ہوا تھا، اور اپنے بھتیجے کو قائم مقام بنا گیا تھا، اس نے حاجی صاحب کو قلعے میں آنے اور ملاقات کرنے کی اجازت نہ دی اور اندر سے کہلوا دیا کہ اگر آپ کا سردار سید ہے اور مسافر تو حیدر آباد چلا جائے، نہ ہمارے شہر میں آئے، نہ اس کے قریب سے گزرے، ہمارے قلعے سے دو کوس پر ٹھہر کر آگے چلا جائے، سید صاحبؒ نے ایسا ہی کیا اور دوسرے روز وہاں سے کوچ کر کے قلعے کو بائیں جانب ایک کوس کے فاصلے پر چھوڑتے ہوئے قلعے سے ڈھائی کوس کے فاصلے پر موضع کھاوڑہ (۱) میں قیام کیا، وہاں بھی قلعدار کی طرف سے دو آدمی آئے اور انہوں نے پیغام پہنچایا کہ کوئی شخص ہتھیار کے ساتھ قلعے کے اندر نہ آئے اور دوسرے روز قیام نہ ہو، سید حمید الدین چند ساتھیوں کے ساتھ ہتھیار اور سلاح کے بغیر قلعے کی سیر کو گئے، قلعے کے دروازے پر پہنچے تو گولہ اندازوں اور بندوقچیوں نے شور کیا اور گولہ افگنی اور بندوق چلانے کے لئے آمادہ ہوئے، سید حمید الدین وغیرہ نے ان کا اطمینان کیا اور شہر کی سیر کر کے آگئے۔

سندھ کے مختلف سرحدی مقامات سے ہوتے ہوئے موضع کارو میں پہنچے، یہاں سید جوڑن شاہ نامی ایک بزرگ رہتے تھے، سید صاحبؒ نے سید حمید الدین اور مولانا سید اولاد حسن قنوجی (۲) کو ان کی خدمت میں بھیجا، وہ سید صاحبؒ کی ملاقات کو آئے اور ایک بھینسا بھی نذر کیا، سید صاحبؒ نے ایک بہت عمدہ بیل ان کو اور ایک سلہٹی سپر ان کے صاحبزادے کو تحفے میں دی۔

سید جوڑن شاہ کی زبانی معلوم ہوا کہ یہاں کے لوگوں کو سید صاحبؒ، اور ان کے ہمراہیوں پر انگریزوں کے جاسوس ہونے کا شبہ ہے، اس لئے وہ ہر جگہ آمادۂ جنگ نظر آتے ہیں، انہوں نے کہا کہ یہاں سے دس کوس پر میر پور ہے، جو آپ کے راستے میں پڑے گا، میں چونکہ یہاں کے معتبر سادات میں سے ہوں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ میں پہلے سے جا کر آپ کا تعارف

---

(۱) خطوط قلمی میں اسی طرح ہے، غالباً یہ مقام کھاروڑو ہے۔ (۲) والد نواب صدیق حسن خاں مرحوم۔

کرادوں اور بتلادوں کہ آپ سادات کرام میں سے ہیں، اپنے ملک سے ہجرت کر کے آئے ہیں، اور ملک سندھ کو دارالاسلام سمجھ کر اس کا قصد کیا ہے۔

کاروسے چل کر راستے میں ایک منزل کرتے ہوئے میر پور پہنچے، علی مراد حاکم میر پور کو سید جوڑن شاہ نامی کی زبانی اگرچہ حقیقت حال معلوم ہوگئی تھی، مگر وہ مطمئن نہیں ہوا، اس نے خود آنے اور ملاقات کرنے کے بجائے بطور نذر دس ہانڈیاں بھیج دیں اور حفاظت ورہبری کے لئے دو سوار ساتھ کر دیئے کہ اگلی منزل تک پہنچادیں۔

میر پور سے چل کر آپ ٹنڈوالہ یار ٹھہرے، رات کو وہاں سے امیرانِ سندھ کے بھیجے ہوئے دو آدمی تحقیق احوال کے لئے آئے، انہوں نے پورے حالات دریافت کر کے حکام کو اطلاع دی، وہاں سے پیغام آیا کہ سید صاحبؒ کی خدمت میں عرض کرو کہ شوق سے تشریف لائیں، یہ آپ ہی کا گھر ہے۔

حیدرآباد سندھ

جس وقت سید صاحبؒ نے ہجرت کی ہے، حیدرآباد اس وقت ایک خودمختار حکومت کا دارالسلطنت تھا، جس پر میر محمد، میر کرم علی اور میر مرادعلی حکومت کرتے تھے (۱)، یہ سندھ کے مشہور ٹالپور خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اس خاندان سے پہلے سندھ پر کلہوڑہ خاندان کی حکومت تھی، ۱۷۸۶ء میں میر فتح علی ٹالپور نے اس خاندان کے آخری حکمراں نور محمد کلہوڑہ کو بے دخل کر کے سندھ پر قبضہ کرلیا، اور اپنے ساتھ اپنے تین بھائیوں میر غلام علی، میر کرم علی اور میر مرادعلی کو بھی شریک سلطنت کرلیا، میر فتح علی نے ۱۸۰۱ء یا ۱۸۰۲ء میں اور میر علی نے ۱۸۱۲ء میں انتقال کیا، میر محمد اسی غلام علی کا بیٹا تھا۔

۱۸۰۹ء میں کمپنی اور حیدرآباد کے درمیان ایک تجارتی اور فوجی معاہدہ ہوا جس کی رو سے دونوں حکومتیں ایک دوسرے کی حلیف بن گئیں اور یہ طے ہوگیا کہ ہر حکومت کا وکیل دوسری

---

(۱) سید حمید الدین کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ میر محمد تخت نشین تھا، اور اس کے دونوں چچا مدارالمہام اور مختار سلطنت تھے، وہ لکھتے ہیں "اکنوں غلام علی فوت نمودہ میر محمد پسرش مسند نشین آں مملکت است، دو عموے او کرم علی و مرادعلی مختار کل سیاہ وسپید ہستند، ہرچہ خواہند بکنند" مکتوبات ص ۱۴۴۔

حکومت میں رہے گا، سندھ کی یہ حکومت ۱۸۴۳ء تک خودمختار رہی، ۲/فروری ۱۸۴۳ء کو امیرانِ سندھ اور کمپنی کے درمیان میانی کے مقام پر سخت جنگ ہوئی، جس میں انگریزی افواج نے اپنے جدید اسلحہ فوجی نظام اور عزم واستقلال سے اپنے کثیر التعداد حریف پر فتح پائی، امیرانِ سندھ نے اپنے کو جنگی قیدی کی حیثیت سے حوالے کردیا، حیدرآباد پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا، ۵/مارچ ۱۸۴۳ء کو (خیرپور کو مستثنیٰ کرکے جو جنگ سے علیحدہ رہا تھا) سندھ کے پورے علاقے کے الحاق کا اعلان ہوگیا اور دریائے سندھ کی دونوں جانب سکھر سے لے کر سمندر تک پورا ملک سندھ انگریزوں کے قبضے میں آگیا۔(۱)

سید حمید الدین نے اپنے مکتوب میں حکومت حیدرآباد کی وسعت اور اس کا رقبہ اس طرح بیان کیا ہے:۔

در جانب ایں دریائے سندھ جنوباً وشمالاً صد صد کردہ از حیدرآباد طول مملکت ایشاں واقع وشصت کردہ مشرق طرف عمرکوٹ کہ ما آمدیم وشصت کردہ تا بندر کراچی کہ برلب دریائے شور واقع است عرض مملکت ایشان است (۲)

دریائے سندھ کی دونوں جانب جنوباً وشمالاً حیدرآباد سے سوسو کوس تک ان کی مملکت کا طول اور مشرقی جانب عمرکوٹ تک جہاں سے ہم لوگ آئے ہیں، ساٹھ کوس اور دوسری طرف بندرگاہ کراچی تک، جو سمندر کے کنارے واقع ہے ساٹھ کوس اس کا عرض ہے۔

اس طویل وعریض حکومت سے، جو خودمختار اور ان مسلمان حکمرانوں کے ماتحت تھی جو ایک ہی خاندان کے افراد تھے، اور جن کے حدودِ حکومت میں لاکھوں کی تعداد میں جنگجو و جنگ آزما آباد تھے، سید صاحبؒ کی یہ توقع کہ ان کو اس حکومت اور اس مسلمان ملک سے اپنے مقصد میں مدد اور نئے رفقا وانصار ملیں گے، کچھ بیجا نہ تھی کہ یہ ملک ایک طرف سکھوں کی بڑھتی ہوئی طاقت، دوسری طرف انگریزوں کے بڑھتے ہوئے سیاسی اقتدار سے خود خطرے میں تھا، اور ان دونوں

(۱) A Comprehensive History of India V. 3 PP. 468-470

(۲) مکتوبات (قلمی) ص ۱۴۴

خطرات سے بچنے کی صرف یہی صورت تھی کہ اس کے حاکموں اور رعیت میں جہاد فی سبیل اللہ کا صحیح جذبہ پیدا ہو، اور ایک عزم و نظم کے ساتھ آنے والے خطرات کا مقابلہ کرسکیں، انیسویں صدی کے عام مسلمان حکمرانوں کی طرح اس خاندان کو بھی حقیقی خطرات کا کوئی احساس نہ تھا، اور مسلمان بادشاہوں اور رئیسوں کی جو عام روش تھی، اس سے یہ خاندان بھی الگ نہ تھا، بھائیوں اور بھتیجوں کی نااتفاقی نے پہلے ملک کو تقسیم کیا اور میر پور اور خیر پور کی علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم ہوئیں، آخر کار سید صاحبؒ کی ہجرت کے پورے سترہ برس بعد یہ زرخیز و سیر حاصل ملک انگریزی اقتدار وسلطنت میں تحلیل ہوکر رہ گیا۔

حیدرآباد میں داخلہ اور امیرانِ سندھ کی مدارات

ٹنڈو الہ یار سے چل کر ٹنڈو جام میں ایک شب بسر کی، صبح وہاں سے کوچ ہوا، چار کوس کے فاصلے پر پھلیلی کے مشرقی کنارے پر قیام ہوا، حیدرآباد اس کے مغربی کنارے پر آباد ہے۔

سید صاحبؒ نے حاجی رحیم بخش اور ایک ولایتی سید کو ٹنڈو الہ یار سے اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لئے بھیج دیا تھا، امیرانِ سندھ نے سید صبغت اللہ ولایتی کو استقبال کے لئے دریا تک بھیجا، سید صبغت اللہ مکہ معظّمہ میں سید صاحبؒ سے بیعت ہوئے تھے، اور یہاں میر کرم علی کے مقرب خاص تھے، وہ سید صاحبؒ کو سرکاری کشتی پر سوار کرا کر شہر کے کنارے لائے اور شہر سے دو تیر کے فاصلے پر لشکر اسلام کا قیام ہوا، اس وقت کوتوال شہر نے استقبال کیا اور میر علی و مراد علی صاحبان کی طرف سے شیرینی پیش کی اور ان کا سلام پہنچایا، دوسرے دن مہمانداری کی ضروری اجناس اور بڑی مقدار میں موسم کا میوہ اور پھل (آم اور خربوزہ) پیش کیا گیا، تیسرے روز جمعے کے دن نماز جمعہ کی تقریب سے میر صاحبان نے سید صاحبؒ سے قلعے میں تشریف لانے کی درخواست کی، آپؒ آٹھ آدمیوں کے ساتھ تشریف لے گئے، اور میر کرم علی، مراد علی اور میر محمد سے ملاقات کی، وہ آپؒ کی ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور آپؒ کے عزم و ہمت و نیت پر حیرت کی اور اپنی ریاست میں سید صاحبؒ کے اہل و عیال کے رہنے کی بخوشی اجازت دی، اور آپؒ سے قیام کرنے کی درخواست کی، لیکن چونکہ دریائے سندھ میں برف کی وجہ سے طغیانی اور دردں اور

راستوں کے بند ہو جانے کا اندیشہ تھا، اس لئے آپؒ نے ایک ہفتے سے زیادہ ٹھہرنے سے عذر کیا اور رخصت چاہتی، تینوں صاحبوں نے ایک ہزار روپیہ، ایک بندوق اور طمنچے کی ایک جوڑی نذر کی، حیدرآباد کے دوسرے رؤسا، امرا اور اعیان نے بیعت کی، میر اسمٰعیل شاہ نائب وزیر حکام سندھ اور مولوی محمد یوسف صاحب، وکیل گورنر کمپنی اور محمد یوسف خاں امیر کبیر بیعت و خدمت مجاہدین سے مشرف ہوئے، ان کے علاوہ صدہا اہل شہر نے بیعت توبہ کی اور دینی فوائد و برکات سے مالا مال ہوئے، سید حمید الدین لکھتے ہیں کہ اگر قیام رہتا تو شاید بیعت سے کوئی محروم نہ رہتا۔(۱)

حیدرآباد سے روانگی

سید صاحبؒ حیدرآباد میں تیرہ روز ٹھہر کر ۵؍ ذی قعدہ کو روانہ ہو گئے، معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد کے حالات اور امیرانِ سندھ کی ملاقات سے آپؒ اتنے افسردہ خاطر ہوئے کہ وہاں زیادہ قیام کرنے پر بھی طبیعت رضامند نہ ہوئی اور اہل و عیال کو وہاں بلانے اور ٹھہرانے کا ارادہ بھی ملتوی فرما دیا اور ٹونک اطلاع بھجوا دی کی آئندہ اطلاع تک متعلقین وہیں مقیم رہیں، فنکار پور سے جیسا مناسب سمجھا جائے گا، اطلاع کی جائے گی۔(۲)

حیدرآباد سے رانی پور تک

سید صاحبؒ ۵؍ ذی قعدہ ۱۲۴۱ھ کو حیدرآباد سے قندھار کے عزم سے روانہ ہوئے، آپؒ نے دو کشتیاں اسّی روپے کو کرایے پر لیں، ایک بجرہ امیرانِ سندھ سے مستعار لیا، اسباب و پیادہ پا رفقا اور کمزور ساتھیوں کو کشتیوں پر سوار کیا، گھوڑوں اور اونٹوں، مضبوط و توانا ساتھیوں اور سواروں کے ساتھ خود خشکی کے راستے روانہ ہوئے، سید صبغت اللہ کابلی و منشی محمد یوسف، وکیل کمپنی، مشایعت کے لیے ساتھ آئے، حیدرآباد سے روانہ ہو کر رانی پور تک آپ نے آٹھ منزلیں کیں، جن میں سے کاٹھری (ہالہ) کوٹ سید (سید آباد) لالو کوٹ، ملا کوٹ، ہنگورجہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

رانی پور میں سید صالح شاہ بغدادی نے، جو اس نواح کے ایک مشہور پیرزادے تھے، سارے لشکر کی ضیافت کی، یہیں سندھ کے مشہور شیخ طریقت اور پیشوا پیر سید صبغت اللہ شاہ

---

(۱) مکتوبات (قلمی) ص ۱۴۲ تا ۱۴۸ (۲) مکتوب سید حمید الدین ص ۱۴۶

راشدی (بانی تحریک حر) سے ملاقات ہوئی، جو اپنے ایک سوارادتمندوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے اور پیرزادہ صاحب کے مہمان تھے۔

سید صبغت اللہ راشدی

سید صبغت اللہ پیر سید محمد راشد کے صاحبزادے اور جانشین تھے، جو اپنے دور (بارہویں صدی ہجری) کے ممتاز ترین شیخ طریقت اور صاحب علم وارشاد بزرگ تھے (۱)، ان کا سلسلہ قادری تھا، جو اُچ (ریاست بہاولپور) سے سندھ پہنچا۔

سید محمد راشد کے صاحبزادوں میں دو فرزند خاص طور پر نامور ہوئے اور خاندان کا سلسلہ رشد وارشاد ان کی اولاد میں منتقل ہوا، ایک سید صبغت اللہ، جن کے سر پر دستار مشیخت وخلافت باندھی گئی، اور اسی وجہ سے سندھیوں کی زبان میں ''پیر پگاڑو'' کے شہرۂ آفاق لقب سے مشہور ہوئے (۲)، دوسرے سید محمد یٰسین جن کے حصے میں علَم (جھنڈا) آیا اور وہ پیر جھنڈا کے لقب سے مشہور عالم ہوئے (۳)، پیر جھنڈا کا کتب خانہ ہندوستان کے علمی حلقوں میں مشہور ہے۔

سید صبغت اللہ شاہ بڑے قوی النسبت، کثیر الارشاد بزرگ تھے، روشن ضمیری کے ساتھ بیدار مغزی کی دولت بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی، اور زمانے کے تقاضوں اور آنے والے خطرات کا احساس بھی بخشا تھا، جو اس زمانے کے عام مشائخ کے یہاں کم نظر آتا ہے، انہوں نے اپنے مریدین واہل تعلق کی روحانی تربیت وارشاد پر اکتفاء کی، بلکہ بدلتے ہوئے حالات کے

---

(۱) سید محمد ارشد اپنے والد سید محمد بقا کے مرید ومجاز تھے، وہ سید عبدالقادر جیلانی خامس کے خلیفہ تھے، جو پیر کوٹ سدھانہ (ضلع جھنگ سیال، پنجاب) میں مدفون ہیں، یہ سلسلہ بغداد وحلب سے اُچ (ریاست بہاول پور) پہنچا، جہاں اس سلسلے کے ۹ رمشائخ مدفون ہیں، سید محمد راشد کے ایک خلیفہ حضرت شاہ حسنؒ تھے، جن سے سندھ ریاست بہاول پور اور پنجاب میں سلسلہ قادریہ کی بڑی اشاعت اور عقائد واعمال کی اصلاح ہوئی، ہمارے دور میں مولانا سید تاج محمود امروٹی اور حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ اس سلسلے کے نامور مشائخ اور صاحب ارشاد بزرگ گزرے ہیں۔

(۲) سید صبغت اللہ کی اولاد میں پیر علی گوہر اوّل، پیر پگاڑو-۲، پھر پیر حزب اللہ شاہ پیر پگاڑو-۳، ان کے بعد پیر علی گوہر ثانی، پھر شاہ مردان، ان کے بعد پیر صبغت اللہ شاہ ثانی ہوئے، جن کے زمانے میں حروں نے بدامنی شروع کی اور اس کی وجہ سے ان کو پھانسی دی گئی، اب ان کے بعد سکندر شاہ شاہ مردانِ ثانی اپنے اسلاف کے جانشین ہیں۔

(۳) اس سلسلے میں پیر رشید الدین، پیر رشد اللہ، پیر احسان اللہ، پیر ضیاء الدین قابل ذکر ہیں۔

پیش نظر ان میں جذبۂ جہاد اور نظم و اطاعت کا مادہ بھی پیدا کرنے کی کوشش کی اور ان کو ایسے طریقے پر منظّم کرنا شروع کیا کہ اہل ذکر و ارادت کے حلقے اور گروہ آسانی کے ساتھ مجاہدین اور سپاہیوں کے جیش میں تبدیل ہو سکیں، اور میدان جہاد و قتال میں اپنی روحانی تربیت کے جوہر دکھا سکیں، یہی ''حر'' تحریک کی ابتداء تھی، جس نے مرور زمانہ سے بیسویں صدی تک غلط رخ اختیار کر لیا۔

سید صبغت اللہ کا حلقۂ ارادت نہایت وسیع تھا، لاکھوں سندھی اور بلوچی ان سے وابستہ تھے، سید حمید الدین ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> در تمام مملکت سندھ، ہمچو او شیخ و مرشدے در زعمِ مردمانِ ملک نیست، قریب سہ لکہ مریدانش از قوم بلوچ ہستند و بکمال جاہ و جلال و رجوعات خلائق خوش می گزارند و در جود و کرم و اخلاص و مروت ہم شہرۂ آفاق۔(۱)
>
> اہل ملک کے بیان کے مطابق ان جیسا شیخ طریقت اور مرشد پورے ملک میں پایا نہیں جاتا، صرف بلوچیوں میں سے ان کے تین لاکھ مرید ہیں، بڑے جاہ و جلال اور مقبولیت کے ساتھ اچھی زندگی گزارتے ہیں، ان کی طرف رجوع عام ہے، جود و کرم اور اخلاص و مروت میں بھی شہرۂ آفاق ہیں۔

سید صاحبؒ نے حیدرآباد ہی میں ان کا ذکر خیر سن لیا تھا، اور آپؒ کو ان کی ملاقات کا اشتیاق تھا، اصل پیر کوٹ میں ان کا قیام تھا، اور وہ حیدرآباد اور شکار پور کے درمیان واقع ہے، اس لئے امید تھی کہ پیر کوٹ میں ان سے ملاقات ہوگی، حسن اتفاق سے رانی پور ہی میں ان سے ملاقات ہوگئی، وہ بڑی گرم جوشی اور اخلاص سے ملے، ان کو ایک روز رانی پور میں قیام کرنا ضروری تھا، اس لئے اپنے بھائی کو ہمراہ کر دیا، پیر کوٹ رانی پور سے ۱۴ ارکوس ہے، راستے میں ایک منزل کرتے ہوئے اور نالوں، ندیوں کو عبور کرتے ہوئے ۷ ارذی قعدہ کو آپؒ پیر کوٹ پہنچے، سید صبغت اللہ شاہ کے برادر و اعزہ بڑی تواضع اور محبت سے پیش آئے، دو گھڑی بعد پیر صاحب بھی تشریف لے آئے، وہ جمعے کا دن تھا، سید صاحبؒ نے نماز پڑھائی، پیر صاحب کے متعلقین اور اہل قافلے کی ایک بڑی جمعیت اور مجمع نے نماز پڑھی۔

---

(۱) مکتوبات (قلمی) ص ۱۵۵

تین روز تک تمام قافلہ پیر صبغت اللہ شاہ کا مہمان رہا، تین روز کے بعد سید صاحبؒ کے حکم سے تمام قافلے کو جنس تقسیم ہونی شروع ہوئی اور اپنا انتظام کیا گیا۔

پیر صاحب بڑے علمی مذاق کے آدمی تھے، ان کے پاس ایک بڑا وسیع اور نادر کتب خانہ تھا، سید حمید الدین کا بیان ہے کہ ایسا کتب خانہ سلاطین و امرا کے یہاں بھی نہ ہوگا، اس کتب خانے میں ۱۵؍ہزار مشہور و معتبر کتابیں تھیں، سو تو صرف فارسی کے دیوان تھے، جو نہایت عمدہ ایرانی خط میں لکھے ہوئے مطلا تھے، ۶۵؍تفسیر کی کتابیں تھیں، شہنامۂ فردوسی وغیرہ کے نہایت بیش قیمت اور نادر نسخے تھے، حدیث و تصوف کی بھی بعض نایاب کتابیں تھیں، پیر صاحب کی طرف سے اذن عام تھا کہ جس کتاب کو جی چاہے مطالعے کے لئے بے تکلف ساتھ لے لیا جائے۔(۱)

سید صاحبؒ ۱۷؍ذی قعدہ کو پیر کوٹ پہنچے تھے، وہاں کشتیوں کے انتظار میں جو حیدر آباد سے روانہ ہوئی تھیں، کئی روز قیام رہا، پیر کوٹ پہنچنے کے نویں روز وہ کشتیاں پہنچیں، آپؒ نے سید صبغت اللہ کابلی کو ۱۵؍روپے زادراہ اور ایک سفید دوشالہ دے کر انہیں کشتیوں پر حیدر آباد واپس کر دیا، اپنے ہمراہیوں میں سے محمدی نام ایک شخص کو خط دے کر ٹونک روانہ کیا۔

۲۶؍ذی قعدہ کو سید صبغت اللہ شاہ کی توجہ اور کوشش سے کشتیوں کا انتظام ہوا اور قافلہ بہ دفعات روانہ ہونا شروع ہوا، سب کے آخر میں ۳۰؍ذی قعدہ کو سید صاحبؒ نے دریائے سندھ کو عبور کیا(۲)، گویا آپ پیر کوٹ میں ۱۳؍روز مقیم رہے۔

پیر کوٹ کا دو ہفتے کا قیام پیر سید صبغت اللہ شاہ سے ایک مستقل ربط و تعلق کا ذریعہ بنا، اہل و عیال کے ٹونک سے وہیں منتقل ہونے کی رائے قرار پائی، دوبارہ (سید صاحبؒ کی شہادت کے بعد) ٹونک منتقل ہونے تک آپ کے اہل خانہ پیر کوٹ ہی میں مقیم رہے، سید صبغت اللہ شاہ نے ان مہاجرین کی نصرت کے علاوہ اصل مقصد جہاد میں شرکت و رفاقت کا عزم بھی کیا، وہ اپنے حلقۂ ارادت میں جہاد کی تبلیغ کرنے کے علاوہ ایک مرتبہ خود سید صاحبؒ کے پاس پہنچ جانے اور آپؒ کی رفاقت کرنے پر آمادہ ہوئے، لیکن سید صاحبؒ نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ خود اپنی جمعیت و انصار کے ساتھ سکھوں کے حدود حکومت کے متصل کسی موزوں مقام پر جہاد کا آغاز کر دیں اور

---

(۱) مکتوبات (قلمی) ص ۱۵۷ (۲) ایضاً ص ۱۵۸

اس کارِ خیر میں زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو شریک کریں اور ان اطراف و دیار میں جہاد کا آوازہ و غلغلہ بلند کریں، شاید آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس سے سکھوں کی حکومت دو طرف سے مقابلہ و مدافعت میں الجھ جائے اور اسکی پریشانیوں اور دقتوں میں اضافہ ہو۔(۱)

آپؒ نے ان کے نام جہاد کا اعلام عام اور دعوت نامہ بھی بھیجا کہ اس کی نقلیں اطراف و اکناف میں بھیج دی جائیں، یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگرچہ آپ سے زیادہ اس کا کوئی اہل اور مستحق نہیں کہ وہ نیابتہً میری طرف سے بیعت جہاد لے، لیکن چونکہ اسکا اندیشہ ہے کہ آپ کے اعزہ اور اہل برادری شاید رقابت و حسد کی وجہ سے اس امر مسنون سے محروم رہیں، اس لئے مصلحۃً دوسرے شخص کو برائے نام نائب بنا کر بھیجا جا رہا ہے، ورنہ یہ منصب نیابت آپ ہی کو زیب دیتا ہے۔(۲)

پیر کوٹ سے شکار پور تک

راستے میں نہروں میں پانی کی کثرت کی وجہ سے باربردار اونٹوں کا گزرنا دشوار تھا، اس لئے دو مزید کشتیاں کرائے پر لی گئیں اور بھاری سامان ان پر بار کیا گیا، سید صاحبؒ خود اونٹوں اور سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے۔

اثنائے راہ میں دو ندیاں پڑیں، جن کو بغیر پیرے ہوئے عبور کرنا غیر ممکن معلوم ہوتا تھا، سید صاحبؒ نے ایسا انتظام فرمایا کہ بغیر کشتی کے تمام اسباب و سامان، گھوڑے اور وہ تمام لوگ جو پیرنا نہیں جانتے تھے، پار اتر گئے، وہاں سے آٹھ کوس پر جا کر موضع راکھا میں قیام ہوا، جہاں ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ کی پہلی تاریخ ہوئی۔

وہاں سے چل کر گہری گہری ندیوں کو بڑی دقت سے عبور کر کے حبیب کوٹ پہنچے جو شاہ غلام محی الدین کا مسکن تھا، جو ان اطراف میں "سرہندی پیرزادہ" کے لقب سے مشہور تھے(۳)، ان کو حیدرآباد سے سید صاحبؒ کو اپنے مسکن پر لے جانے اور قافلے کی ضیافت کرنے کی آرزو تھی،

---

(۱) ملاحظہ ہو مکتوب بنام سید شاہ صبغت اللہ سندھی مندرج سوانح احمدی ص ۲۹۹، ۳۰۰ (مطبع فاروقی)

(۲) مکتوب بنام سید صبغت اللہ سندھی، حوالہ سابق۔

(۳) ان کے والد سرہند سے نقل سکونت کر کے پشاور آگئے تھے، سکھوں کی غارت گری کے بعد شاہ غلام محی الدین اس مقام پر منتقل ہو گئے، جو شکار پور کے نواح میں ہے حیدرآباد نے ان کو ایک معقول جاگیر دے دی۔

ایک شب ان کی مہمانداری میں بسر کر کے اگلے روز صبح وہاں سے کوچ کر کے ایک گھڑی دن کو شکار پور کے دروازے پر پہنچ گئے۔(۱)

شکار پور

شکار پور اس وقت بھی سندھ کا بہت بڑا شہر اور اہم ترین تجارتی مرکز تھا، اس کا محل وقوع بھی ایسا ہے کہ وہ ہندوستان کی بہت بڑی تجارتی منڈی اور گزرگاہ بن گیا، سید حمید الدین لکھتے ہیں کہ اس شہر میں ہر ملک اور ہر سمت کے لوگ ملتے ہیں اور ہر ملک کے قریب ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگ متعدد زبانیں سمجھتے اور بولتے ہیں، افغانی (پشتو)، فارسی، اردو اور سندھی بے تکلف بولی جاتی ہیں۔(۲)

شاہ شجاع کے لشکر کا شبہ

شکار پور تین سال سے شاہ شجاع الملک کی حکومت سے نکل کر حکام حیدر آباد کی حکومت میں آ گیا تھا، شاہ شجاع مسافرت و بے سرو سامانی کے ساتھ انگریزوں کی پناہ میں لدھیانے میں مقیم تھا۔

سید صاحبؒ جب ہندوستان سے اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ پہنچے تو اہل شکار پور نے سمجھا کہ شاید خود شاہ شجاع خفیہ طور پر اس لشکر کے ساتھ آ رہا ہے، چنانچہ شہر کے دروازے بند ہو گئے اور قافلے کو باہر ٹھہرنا پڑا، شہر کا حاکم آغا کاظم میر اسمٰعیل شاہ کا بیٹا تھا، جو میر کرم علی و مراد علی کے معتمد و نائب تھے، اور سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، سید صاحبؒ نے سید حمید الدین اور سید اولاد حسن قنوی کو آغا کاظم کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ ہم کو شاہ شجاع سے کوئی واسطہ نہیں، بعض ضروریات کی بنا پر ہم دو تین دن کے لئے یہاں آئے ہیں، اور آگے چلے جائیں گے، ہمارے لئے شہر کے دروازے کھول دیئے جائیں، تاکہ ہم کو غلے اور گھوڑوں کے دانے وغیرہ کی تکلیف نہ ہو، اگر اعتبار نہ ہو تو دو آدمیوں کو متعین کر دیا جائے، جن کی معرفت ہم شہر سے ضروری سامان منگوالیں، آغا کاظم نے جواب دیا کہ ہم کو آپ سے دشمنی نہیں، رعایا کو البتہ خطرہ ہے، اس

---

(۱) مکتوبات ص ۱۵۹، ۱۶۰ (۲) ایضاً ص ۱۶۰

لئے ہم شہر کے اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتے، البتہ ایک دو غیر مسلح آدمی شہر میں اجناس کی خریداری کے لئے آسکتے ہیں، جب اہل شہر کو اطمینان ہوجائے گا، ہم اجازت دے دیں گے۔

رجوعِ عام

دروازہ کھلنے پر جوق در جوق علماء، فضلا، صلحا اور ہر طرح کے لوگ غیر ملکی لوگوں کو دیکھنے اور سید صاحبؒ کی ملاقات کو آئے، جب حقیقت ظاہر ہوگئی کہ اس جماعت کو شاہ شجاع یا کسی بادشاہ سے کوئی تعلق نہیں تو شکار پور کے ہندو مہاجن اور مسلمان شرفاء بکثرت دینی و دنیوی اغراض کے لئے دعا کرانے آنا شروع ہوئے اور قافلے کے لوگ بھی بغیر ہتھیار بلا روک ٹوک آنے جانے لگے خود آغا کاظم حاکم شہر ملاقات کے لئے آیا اور اپنے پاس سے ضروری سامان آپ کے پاس بھیجا، دونوں وقت دس آدمیوں کا پرتکلف کھانا اپنی سرکار سے بھیجتا، اہل شہر میں سے ہر طبقے کے ہزار ہا آدمی معززین و شرفاء ہدایت و تلقین کے لئے حاضر ہوتے، کوئی کسی دنیاوی غرض کے لئے، کوئی دینی مقصد کے لئے دعا کی درخواست کرتا، آپ کے خیمے پر لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا کہ آپؒ کے قافلے کے لوگوں کو بات کرنے کی مہلت نہ ملتی۔

۱۰ ذی الحجہ کو عید کے دن تمام رؤسائے شہر اور عام مسلمان عید گاہ میں جمع ہوئے، آپؒ بھی اپنے دو تین سو ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائے، امامت کے لئے ہر شخص کی نگاہ آپؒ پر پڑتی تھی، آغا کاظم نے آپؒ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی، خطبہ خطیب شہر نے پڑھا اور بیس ہزار مسلمانوں نے آپ کے پیچھے عید کی نماز پڑھی، نماز کے بعد آغا کاظم اور آپؒ کی ملاقات اور مسلمانوں کے جوش عقیدت اور ازدحام کا منظر قابل دید تھا، آپؒ نے تیرہ دنبے اور بکرے ذبح کر کے قافلے میں ان کا گوشت تقسیم کیا، علماء و مشائخ و رؤسا و معززین میں سے ہزاروں آدمی عید کی مبارک باد دینے کے لئے آئے، ظہر کے وقت آغا کاظم بھی ملنے کے لئے آیا۔(۱)

حاکم اور اہل شہر کی عقیدت

آغا محمد کاظم شاہ حاکم شکار پور نے سید صاحبؒ اور جماعت کی خدمت گزاری اور خاطر

---

(۱) مکتوب (قلمی) سید حمید الدین از شکار پور، ۱۰ رذی الحجہ ۱۲۴۱ھ مکتوبات، ص ۱۶۰-۱۶۴

داری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اپنے ظاہری و باطنی حسن عقیدت اور حسن خدمت سے سید صاحبؒ کی کمال خوشنودی حاصل کی، اس نے سید صاحبؒ سے مجاہدین کی معیت کے ارادے کا بھی اظہار کیا، لیکن سید صاحبؒ نے اس وقت ہمراہ لینا مناسب نہ سمجھا اور پختہ وعدہ لیا کہ جس وقت آپؒ طلب کریں گے، اس وقت وہ ضرور حاضر ہوں گے، حضرتؒ نے شکار پور سے رخصت کے وقت ایک سرخ گھوڑا، جو مرزا امیر بیگ نے آپؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا، اپنی طرف سے بطور تبرک حاکم شکار پور کو دیا، اور حاکم شکار پور نے ایک اعلیٰ نہایت شائستہ اور خوش رفتار سانڈنی، جو امرا کی پسند کے لائق ہے، بطور نذر پیش کی، گاڑھے کے دو سو تھانوں سے، جو پیر کوٹ سے خریدے گئے تھے، لشکریوں کے انگرکھے اور پاجامے بنا کر تقسیم کر دیئے گئے اور شکار پور سے دو سو جوتیاں خرید کر کے ضرورت مندوں کو تقسیم کر دی گئیں۔(۱)

---

(۱) مکتوب (قلمی) سید حمید الدین از شکار پور، ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ مکتوبات، ص ۱۶۷-۱۶۹

شکار پور سے شال تک

روانگی

شکار پور سے شال کا فاصلہ ایک سو بیس کوس تھا، یہ راستہ نہایت دشوار گزار کوہستانی اور غیر آباد تھا، اس مسافت کو طے کرنے کے لئے بڑے انتظامات کی ضرورت تھی، قافلے کے ساتھ ۱۱۵ اونٹ تھے، ان میں نصف تھک کر بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں رہے تھے، واپسی پر چونکہ غارت گروں کا خطرہ تھا اس لئے قندھار تک جانے کے لئے کرایئے پر اونٹ نہیں ملتے تھے، بڑی سعی وتلاش سے بارہ اونٹ مل سکے، اس تعداد پر بھی چونکہ سارا سامان نہیں جا سکتا تھا، اس لئے بہت سی فاضل چیزیں وہیں لوگوں کو دے دی گئیں اور پیتل تانبے کے اکثر برتن اور بعض دوسری چیزیں فروخت کر دی گئیں۔

شکار پور سے شال تک کا سفر خالص ریگستانی اور کوہستانی علاقے میں تھا، موسم بھی سخت گرم تھا، اور اس ملک میں گرمی بھی بہت سخت ہوتی ہے، اور لو بڑے غضب کی چلتی تھی، خصوصیت کے ساتھ شکار پور سے شہر ڈھاڈر تک دیگر مقامات کے مقابلے میں لو اور زیادہ چلتی ہے، اور موسم گرما کی شدت کے زمانے میں لوگوں کی آمد و رفت بالکل بند ہو جاتی ہے، اس راستے میں پانی بہت نایاب ہے، کہیں دس دس کوس اور بیس بیس کوس تک دستیاب نہیں ہوتا۔

ان تمام وجوہ سے واقف کاروں اور خیر خواہوں نے بہت ڈرایا، اور صلاح دی کہ

برسات کا موسم شروع ہو جانے کے بعد سفر کیا جائے، سید صاحبؒ نے خیال کیا کہ اگر برسات کا انتظار کیا جاتا ہے تو اس وقت افغانستان کے حدود میں داخل ہوتے ہوتے کابل اور قندھار اور غزنی میں برف باری کا موسم شروع ہو جائے گا اور پھر زیادہ توقف کرنا پڑے گا، اس لئے اللہ پر بھروسہ کر کے مردانہ وار قدم اٹھانا چاہئے، چنانچہ شکار پور پہنچنے کے نویں روز ۱۴؍ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ (۲۰؍جولائی ۱۸۲۶ء) کو متوکلاً علی اللہ سفر کا آغاز کر دیا گیا۔

خدا کی قدرت "وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ" کے وعدے کا پورا ظہور ہوا، روانگی سے ایک دن پہلے معمول کے خلاف اتنی بارش ہوئی کہ گرمی کی آدھی تیزی جاتی رہی۔(۱)

شہر سے روانگی کے وقت وہاں کے اکثر معززین، اہل شہر، قاضی اور بعض لشکری تین چار کوس تک رخصت کرنے کے لئے آپ کی سواری کے ساتھ آئے اور ہزاروں آدمی اور وہاں کے رؤسا بیعت ہونے کے لئے آئے اور یہ وعدہ لے کر گئے کہ جب کفار سے جنگ ہوگی تو ان کو طلب کر لیا جائے گا۔(۲)

جاگن

شکار پور سے چل کر جاگن میں پہلی منزل ہوئی، راستے میں پھر اتنی بارش ہوئی کہ جہاں سراب تھا، وہاں سیلاب جاری تھا، دیکھنے والوں نے صاف محسوس کیا کہ مہاجرین الی اللہ اور مجاہدین فی سبیل اللہ کے اس گروہ اور اس کے امیر پر عنایت کی خاص نظر ہے۔(۳)

جاگن میں چار روز سید انور شاہ کے انتظار میں آپ ٹھہرے رہے، اسی عرصے میں دوبارہ اس قدر زور کی بارش ہوئی کہ جہاں خاک اڑتی تھی، وہاں کیچڑ ہو گئی، اگرچہ لوگوں کا کچھ سامان بھیگ گیا، لیکن انہوں نے ہر قطرے کو جانِ تازہ شمار کیا، جاگن کے باشندے قسم کھا کر کہتے تھے کہ آپؒ کے آنے سے پہلے جب بارش نہیں ہوئی تھی، دن نکلنے کے ایک گھنٹے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک ہم مطلقاً گھر سے نہیں نکل سکتے تھے، اور جو نکلتا وہ اکثر لو سے ہلاک ہو جاتا، یہ بارش اس سرزمین میں تین سال کے بعد ہوئی ہے۔(۴)

---

(۱) مکتوبات ص ۱۷۱ (۲) ایضاً ص ۱۷۰ (۳) ایضاً ص ۱۷۱ (۴) ایضاً ص ۱۷۱، ۱۷۲

سید انور شاہ

سید انور شاہ پنجاب کے سادات عظام اور اپنے ملک کے شرفائے کرام میں سے تھے، شہر امرتسر ان کا وطن تھا، اس نواح کے اکثر مسلمان اس خاندان کے مرید اور معتقد تھے، رنجیت سنگھ خود پہلے ان کے ساتھ کمال اعزاز اور تعظیم کے ساتھ پیش آتا تھا، موصوف کے بزرگ اس ملک کے نامور دینی پیشوا اور مقتدا تھے، دو تین سال پہلے امرتسر میں سید انور شاہ کی ترغیب سے سکھوں کے اعلیٰ خاندان کا ایک فرد مسلمان ہو گیا تھا، اس کے خاندان والوں نے اس بنا پر بلوہ کر دیا اور سید انور شاہ کی ناک پر ضرب لگا کر چہرے کے حسن کو بگاڑ دیا، ہر چند اس مظلوم نے شہر کانگڑہ کے استادوں سے اس کا علاج کرایا، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس کا نشان باقی رہ گیا، سید انور شاہ نے اپنی دینی حمیت سے مغلوب ہو کر چاہا تھا کہ مخلص مسلمانوں کی ایک جماعت تیار کر کے اس گروہ کے خلاف جہاد کیا جائے، لیکن حاکموں نے اپنے حسن تدبیر اور حکومت کے زور سے سید موصوف کو دو سال سے نظر بند کر رکھا تھا، سید صاحبؒ کو اس واقعے کی اطلاع آنے جانے والوں کی زبانی وطن ہی میں ہو گئی تھی، آپؒ چونکہ ان تمام افراد کی تلاش میں رہتے تھے، جن کے سینے میں حمیت اسلامی اور جذبۂ جہاد موجزن ہو، اس لئے آپؒ نے ان کو اپنے بلانے اور ساتھ لینے کا خاص اہتمام فرمایا، وطن سے روانگی کے وقت حاجی یوسف کشمیری کو، جو آپؒ کے قدیمی رفقاء اور مخلص معتقدوں میں تھے، فتح پور ہنسوہ سے سید موصوف کی رہائی اور ان کو اپنے پاس پہنچا دینے کے لئے امرتسر روانہ کیا تھا، اس مدت میں حاجی صاحب سید موصوف کے پاس پہنچ گئے، اور اپنے حسن تدبیر سے سید ممدوح کو پندرہ خادموں اور رفیقوں، تین سواری کے گھوڑوں اور بار برداری کے اونٹوں، خیموں اور اسباب ضروری کے ساتھ لے کر ملتان کے راستے سے شہر بہاول پور میں جو نواب رحیم خاں کی حکومت میں تھا، پہنچا دیا، اور وہ سید صاحبؒ کی آمد کے انتظار میں گوش بر آواز ہو کر بیٹھ گئے، جب لشکر سندھ پہنچا اور وہاں سے سید دین محمد قندھاری کو دعوت جہاد کا خط پہنچانے کے لئے حاکم بہاولپور کے پاس بھیجا گیا تو ان کی ملاقات سید موصوف سے ہوئی، اور سید موصوف نے ان کے ہمراہی میں مقام جاگن میں سید صاحبؒ کی ملاقات کا شرف حاصل کیا، سید حمید الدین

لکھتے ہیں ''اس موقع پر اہل ایمان کا اجتماع اور دینی جوش وخروش کا نظارہ دیکھنے کے قابل تھا، تحریر میں اس کا بیان نہیں ہوسکتا۔(۱)''

جاگن سے چھتر تک

۱۸ ذی الحجہ کو جاگن سے کوچ ہوا، بارش کی زیادتی کی وجہ سے برشوری اور مکھن بیلہ کا سیدھا راستہ چھوڑ کر خان گڑھ کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔

یہ محراب خاں کی حکومت کا علاقہ تھا، جو نصیر خاں کا پوتا تھا، سید حمید الدین لکھتے ہیں ''اس زمین کا اکثر حصہ محض کوہستان ہے، شکار پور اور شہر شال کے درمیان آبادی کم ہے، حکام کی غفلت کی وجہ سے ڈاکوؤں اور لٹیروں کا اس قدر زور رہتا ہے کہ بغیر سو دو سو سپاہیوں کی حفاظت کے قافلے کا گزرنا مشکل ہے، پانی کی بھی اس راستے میں بڑی کمی ہے، تمام خاردار جنگل ہے، اس جنگل میں جابجا دیہاتوں میں بلوچی رہتے ہیں، جو بڑے بے رحم، بددین اور کثیف ہیں۔(۲)

جاگن سے چل کر ۸ کوس پر خان گڑھ (۳) میں پڑاؤ پڑا، سید حمید الدین لکھتے ہیں ''وہاں خشک زمین ڈیرہ ڈالنے کے لئے بہت کم تھی، وہاں کا زمیندار حاضر ہوا اور اجناس خوردنی اور گھوڑوں کا چارہ دانہ بطور ضیافت لایا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی، بارش کی وجہ سے چونکہ سیدھا راستہ چھوڑ کر چلنا پڑ رہا تھا، اس لئے وہاں کے زمیندار نے کمال حسن عقیدت کے ساتھ اپنے حقیقی بھائی کو راستہ بتانے کے لئے ساتھ کر دیا''۔

منزل منزل ٹھہرتے شہر شاہ پور پہنچے، جو بقول سید حمید الدین ہندوستان کے قصبوں کی طرح آباد تھا، سید محسن شاہ جو بلوچیوں کے پیر و مرشد تھے، کمال عقیدت کے ساتھ حاضر ہوئے اور اکثر شرفا نے بیعت ارادت کی، خان گڑھ سے روانہ ہونے کے بعد تین روز سفر کرنے کے بعد یہیں آدمیوں کی شکل نظر آئی، اس دشت بے نشان میں سمندر کی طرح صرف تاروں سے راستہ معلوم ہوتا ہے، اگر رہبر غلطی کر جائے تو سارا قافلہ پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے ہلاک ہو جائے، بارش کے علاوہ کسی اور موسم میں

---

(۱) مکتوبات ص ۲-۱۷۴، ۱۷۵ (۲) ایضاً ص ۱۷۵

(۳) خان گڑھ جواب باقی نہیں ہے، اس مقام پر جنرل جان جیکب نے فوجی چوکی قائم کی، جس نے بعد میں قصبے اور شہر کی حیثیت اختیار کر لی اور جیکب آباد کے نام سے مشہور ہے۔

یہاں پانی نظر نہیں آتا، مسافر اپنے ساتھ پانی لے جاتے ہیں۔

خان گڑھ کے زمیندار کا بھائی شاہ پور سے رخصت ہوا اور وہاں سے محسن شاہ اپنے دو بیٹوں کے ساتھ کمال عقیدت مندی سے ہمراہ ہوئے، شاہ پور ایک روز ٹھہر کر قافلے نے کوچ کیا اور ۸ کوس پر قصبۂ چھتر میں پہنچے، وہاں کا حاکم لشکر کے حالات دریافت کرنے کے لئے چند بلوچی سواروں کے ساتھ آیا اور حقیقت حال دریافت کرنے کے بعد ایسے مقام پر آپؒ کی تشریف آوری کو نعمت غیر مرقبہ سمجھ کر فوراً مرید ہوا، سید حمید الدین لکھتے ہیں ''اس حاکم کا نام ملا محمد ہے، اور محراب خاں کی طرف سے اس نواح میں مقرر ہے، روانگی کے وقت اپنی حکومت کی سرحد تک پہنچانے آیا، اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کو محراب خاں کے مزاج میں درخور حاصل ہے، سید صاحبؒ نے محراب خاں کے نام دعوتِ جہاد کا ایک خط بھیجا، اس میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ اگر آپ ہمارے متعلقین کو اپنی حکومت کی سرحد میں رہنے کی اجازت دے دیں، اور ان کے ساتھ ممکن رعایتیں برتیں تو ہم غریب الوطن اپنا کام فارغ البالی کے ساتھ کر سکیں، اور ملا محمد سے یہ فرمایا کہ اس خط کا جواب ہم کو کسی معتبر قاصد کے ذریعے سے جہاں بھی ہوں پہنچا دیا جائے۔(۱)''

چھتر سے بھاگ تک

چھتر سے روانہ ہو کر ندیاں عبور کرتے ہوئے قصبۂ شور پہنچے، اس قصبے کے نیچے جو ندی بہتی ہے، کائی اور کیچڑ کی وجہ سے اس کا عبور کرنا بہت دشوار تھا، اس سے پہلے یہ زحمت پیش آ چکی تھی، اور بار برداری کے اونٹ پھسل پھسل کر گر گئے تھے، اس لئے سید صاحبؒ نے بنفس نفیس اور دوسرے ہمراہیوں نے جنگل کی لکڑیاں کاٹ کر کائی پر بچھا دی اور اس طرح سوار اور پیادے اس کے اوپر سے گزر گئے، وہ رات اس میدان میں بے پانی دانے کے گزاری۔

۲۶ر ذی الحجہ کو شہر بھاگ میں پڑاؤ ہوا، سید حمید الدین لکھتے ہیں کہ یہ شہر شرفاء، علماء اور ہر قسم کے لوگوں کا مرکز ہے، اور اس نواح میں اس سے بڑا دوسرا شہر نہیں، دوسرے روز شہر کے قاضی اور حاکم اور شہر کے تمام شرفا و علماء کمال حسن عقیدت کے ساتھ حاضر ہوئے اور ان میں سے اکثر

---

(۱) مکتوبات ص ۱۷۸، ۱۷۹

نے بیعتِ ارادات کی، حاکم اور قاضی شہر نے ایک ایک روز سید صاحبؒ کی چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ دعوت کی، دو روز وہاں قیام رہا۔(۱)

بھاگ سے ڈھاڈر تک

تیسرے روز ۲۹/ذی الحجہ کو بھاگ سے کوچ ہوا، اس نواح کا ایک رئیس، جس کا مکان یہاں سے دو کوس شہر حاجی کی طرف تھا، ایک دن پہلے سے ضیافت کا انتظام کرکے برسرِ راہ بڑی نیاز مندی اور عقیدت مندی کے ساتھ کھڑا انتظار کر رہا تھا، سید صاحبؒ کی سواری پہنچی تو اس نے وہاں کچھ توقف کرنے کی درخواست کی اور نہایت تکلف اور افراط کے ساتھ کھانا تیار کرایا اور بڑی خوش اخلاقی اور عالی ہمتی کے ساتھ ضیافت کی۔

شہر حاجی سے روانہ ہوئے تو ایڑی میں محرم الحرام ۱۲۴۴ھ کا چاند دیکھا، یکم محرم کو وہاں سے چل کر اسی روز ڈھاڈر(۲) پہنچ گئے، شہر ڈھاڈر کے شرفاء و علماء بڑی نیاز مندی و عقیدت کے ساتھ حاضر ہوئے اور ان میں سے اکثر نے بیعت کی اور بعض دوسرے فوائد اور برکات سے مستفید ہوئے، شہر کے حاکم بھی ملاقات کے لئے آئے، دونوں دن شہر کے لوگ سید صاحبؒ کو پچاس ساٹھ آدمیوں کے سات اپنے گھر لے جاتے اور بڑے اخلاق اور دلجوئی کے ساتھ ضیافت کرتے۔

درۂ بولان

جنوب مشرق سے افغانستان جانے والے قافلوں کے لئے ممکن العمل راستہ صرف یہ تھا کہ وہ ڈھاڈر سے درۂ بولان میں داخل ہوں اور اس کو عبور کرکے شال (کوئٹہ) کے راستے سے افغانستان کے حدود میں داخل ہوں۔

درۂ بولان ایک قدرتی راستہ ہے، جو قدرت الٰہی نے اولوالعزم فاتحین اور ضرورت مند مسافروں کے لئے اس طویل سلسلۂ کوہ کے اندر پیدا کر دیا ہے، جو ہندوستان کو افغانستان سے جدا کرتا ہے، گویا اس سدِ سکندری کے اندر ایک طویل قدرتی شگاف ہے، جس میں سے احتیاط کے

---

(۱) ایضاً ص ۱۸۰، ۱۸۱ (۲) ڈھاڈر درۂ بولان کے جنوبی دہانے کا مشہور مقام ہے، ڈھاڈر سے درۂ بولان داخل ہوتے تھے، اور اسکو عبور کرکے شال (کوئٹہ) پہنچتے تھے، ریل بن جانے کے بعد ڈھاڈر کی جگہ سبی نے لے لی۔

ساتھ قافلے اور جیش گزر سکتے ہیں۔

۱۸۳۹ء میں یعنی سید صاحبؒ کی ہجرت کے پورے ۱۳ برس بعد انگریزوں نے سر ولوبی کاٹن (Sir Willougbby Cotton) کی سرکردگی میں شاہ شجاع کو تخت افغانستان پر بٹھانے کے لئے ایک فوجی مہم روانہ کی تھی، یہ مہم ٹھیک اسی ڈھاڈر اور بولان کے راستے سے افغانستان گئی، اس مہم میں جو انگریز شریک تھے، انہوں نے درۂ بولان کی عظمت و اہمیت اور اس کی جغرافیائی کیفیت مفصل بیان کی ہے وہ کہتے ہیں:۔

''یہ ایک گہری گھاٹی ہے جو کوہ براہئک (Brahuick) کو کاٹتی ہوئی پچپن میل تک مسلسل چلی گئی ہے، اس پہاڑ کا ایک بازو قریب قریب زاویہ قائمہ بناتا ہوا کوہ ہندوکش سے نکلا ہے اور شمال سے جنوب کی جانب دس درجہ عرض البلد میں پھیلا ہوا ہے، مختلف مقامات پر اس کے مختلف نام ہیں، درے سے ہو کر اسی کا ہم نام ایک دریا گزرتا ہے، جس کو صرف اس کے دھارے کی لائی ہوئی چٹانوں اور سڈول پتھروں کے ذریعہ ہی پار کیا جاسکتا ہے، دونوں طرف کے پہاڑ جو اپنے بلند ترین مقامات پر سطح سمندر سے پانچ ہزار سات سو (۵۷۰۰) فٹ اونچے ہیں، برابر جڑتے اور شق ہوتے رہتے ہیں، بعض جگہ ان میں کافی چوڑے شگاف پائے جاتے ہیں، مگر عموماً ان کی چوڑان چار اور پانچ سو گز کے درمیان ہے، ان کے باعث یہ پہاڑ سپاٹ چڑھائیوں والے بھدے بھورے رنگ کے پتھریلے مادے کے انباروں کے سلسلے نظر آتے ہیں جو بقول اوٹرم (Outram) اتنے ہی کریہ المنظر ہیں، جتنے کہ عقیم، کہیں کہیں دریا مستقیم چٹانوں کے درمیان سے گزرا ہے، وہاں اس کی گود ساٹھ سے اسّی فٹ تک چوڑی ہوگئی ہے، چنانچہ برسات میں جب وہ بھر جاتی ہے تو جو فوج اس میں پھنس جائے، اس کی ہلاکت ناگزیر ہے، اور ان تنگ راستوں میں اسی ایک خطرے سے نہیں دوچار ہونا پڑتا، پہاڑی باشندے

لوٹ مار کی تاک میں دونوں طرف غاروں میں چھپے رہتے ہیں اور موقع
پا کر نیچے گھاٹی سے گزرنے والے بے بسوں پر اچانک ٹوٹ پڑتے ہیں،
اور بآسانی ان کا کام تمام کردیتے ہیں۔(۱)''

سید حمید الدین کا بیان بھی اس سے مختلف نہیں، وہ لکھتے ہیں ''شہر ڈھاڈر سے شہر شال ساٹھ کوس کا فاصلہ غیر آباد کوہستان اور سخت دشوار گزار درہ ہے، راستے میں دائیں بائیں بعض جگہ آدھا بیگہ اور بعض مقامات پر صرف چالیس قدم کی گنجائش ہے، سوائے ایک مقام کے جس کا نام کیرتا ہے، جس میں دو سو گھر کی آبادی ہے، کوئی دوسری آبادی نہیں، پہاڑ کے اوپر دونوں طرف اگر سو آدمی سامان جنگ کے ساتھ راستہ روک کر بیٹھ جائیں، تو ایک لاکھ سوار و پیادہ کا لشکر زیادہ سے زیادہ سامان جنگ کے ساتھ گزر نہیں سکتا، اس راستے سے جو جنگی لشکر گزرتا ہے، محراب خاں، جوان حدود کا حاکم ہے، ایک لاکھ روپیہ ٹیکس کے طور پر وصول کرتا ہے، ورنہ تھوڑے آدمیوں کے ساتھ راستہ روک دیتا ہے، پہاڑوں کے دائیں بائیں دو دو کوس کے فاصلے پر پہاڑوں کے مکانات ہیں، جن کا بکری پالنے اور خلق خدا کو لوٹنے کے سوا کوئی دوسرا پیشہ نہیں، اس راستے کے مسافروں کا دستور ہے کہ وہ شہر ڈھاڈر اور شہر شال میں دو دو مہینے قافلے کا انتظار کرتے ہیں، اور تین چار سو آدمی اکٹھے ہو کر گزرتے ہیں، جب حضرت یہاں تشریف لائے تو سو اونٹ اور اسی قدر آدمی جو پہلے کسی بڑے قافلے کے منتظر تھے، آپ کے قافلے میں شامل ہو گئے۔(۲)

درۂ بولان میں

سید حمید الدین لکھتے ہیں ''ڈھاڈر سے شال تک کوئی آبادی نہیں ہے، اور پانی کے سوا کوئی چیز کھانے کو نہیں مل سکتی، اس لئے چار دن کا کھانا اپنے ساتھ رکھ لیا گیا، ۴ محرم کو عصر کی نماز کے بعد روانہ ہو کر اس درے کے اندر آئے، تمام رات چلے، صبح کے قریب بارہ کوس کے فاصلے پر ایک پرانی ببول کے نیچے لشکر کا پڑاؤ ہوا، دن بھر آرام کرنے کے بعد نماز عصر پڑھ کر پھر روانہ

---

(۱) A Comprehensive History of India, V. III. PP. 351-352 ترجمہ ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی، پی، ایچ، ڈی۔ (۲) مکتوبات ص ۱۸۳، ۱۸۴

ہوئے، اوراسی طرح صبح کی نماز کے وقت موضع کیرتا میں قیام ہوا، یہاں پہاڑوں کا فاصلہ نصف میل کے قریب تھا اور کچھ زمین بھی قابل کاشت تھی، اس لئے وہاں آبادی تھی، دن بھر وہاں قیام اور آرام کرنے کے بعد شام کو روانگی ہوئی، بارہ کوس پر شام کے وقت بی بی نانی(۱) مقام پر پہنچے، شام کو حسب معمول وہاں سے روانگی ہوئی، صبح کو مقام سرِ آب (۲)، جس کو سر کھجور بھی کہتے ہیں، پہنچے، یہ مقام عجیب ہے، قافلے کی فرودگاہ کے قریب پہاڑ کی جڑ میں پتھر میں دس بارہ جگہ سوراخ ہیں، جن میں سے صاف وشفاف فوارے کی طرح شیریں پانی کے چشمے رواں ہیں، جوندیوں کی شکل میں دور دور تک بہتے چلے گئے ہیں، اسی لئے اس مقام کو سرِ آب کہتے ہیں، یہاں دونوں جانب پہاڑ کی اونچی اونچی دیواریں کھڑی ہیں، درمیان میں بڑے بڑے گول گول پتھر اس قدر بڑے ہیں کہ کہیں پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں، ان پر آدمیوں اور اونٹوں کے پاؤں پھسلتے ہیں، اکثر گھوڑوں کے نعل ان پر چلنے کی وجہ سے ٹوٹ کر گر گئے، اس وجہ سے اکثر سوار پیدل ہو گئے اور گھوڑوں کو اپنے ساتھ لے لیا۔

ظہر کے وقت مقام سرِ آب سے روانہ ہوئے تھے، وہاں سے کچھ کوس تک دونوں جانب پہاڑ اس قدر قریب اور بلند ہیں کہ قلعہ کی دیوار کی طرح معلوم ہوتے ہیں، چالیس پچاس قدم سے زیادہ درمیانی فاصلہ نہیں، اسی تنگ گلی میں سے آدمی گزر سکتا ہے، سوائے پرندے کے کہ پرواز کرکے اوپر پہنچ جائے، کسی آدمی کے عبور کرنے کا کوئی سوال نہیں، یہاں پہنچ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اگر پہاڑ سے کوئی بڑا پتھر یا چٹان پھسل جائے تو جان کی خیر نہیں، اس جگہ ہر ہر قدم پر قزاقوں کا خطرہ تھا، حضرتؒ نے اس موقع پر یہ انتظام کیا کہ اونٹوں اور بندوقچیوں کو سب سے آگے رکھا اور کمزوروں کو بیچ میں اور خود سواروں کے ساتھ خبر گیری کے لئے

---

(۱) یہاں ایک سیدہ کی قبر بتلائی جاتی ہے، بلوچ یہاں عام طور پر نان تقسیم کرتے ہیں، اس لئے اس مقام کا نام بی بی نانی مشہور ہو گیا، (سید احمد شہیدؒ)

(۲) مہر صاحب کی تحقیق ہیکہ اس سے مراد وہ مقام نہیں جو اسی نام سے اب بھی مشہور ہے، اور کوئٹہ ریلوے لائن کا ایک اسٹیشن ہے، بلکہ اس سے مراد مچھ قدیم ہے جو موجودہ مچھ سے دو میل شمال ہے اور بی بی نانی سے تقریباً سولہ میل، بلوچی میں مچھ کے معنی کھجور ہیں، اس لئے اس کو سر کھجور بھی کہہ سکتے ہیں، (ملاحظہ ہو سید احمد شہید ص ۳۱۷)

درۂ بولان

سب سے پیچھے رہے، اللہ تعالیٰ نے تمام خطرات سے محفوظ رکھا اور ایک گھڑی رات کو اس درے کے دروازے سے لوگ نکلے اور کھلی ہوا میں اطمینان کا سانس لیا، اور چار پانچ روز کے بعد میدان کی صورت اور دنیا کی وسعت دیکھی اور جان میں جان آئی، ایسا معلوم ہوا کہ سرنگ کے سوراخ سے نکلے ہیں، دروازے کے متصل ہی بعض درختوں پر سات آدمیوں کی لاشیں دیکھیں، جو قزاقوں کے ہاتھوں زخمی ہوکر مر گئے تھے، دس بارہ روز کی لاشیں معلوم ہوتی تھیں۔

اگر چہ بارش کی وجہ سے لو بند ہوگئی تھی، لیکن بمقتضائے موسم شکار پور سے ڈھاڈر تک دھوپ میں وہی حدت تھی، اور پہاڑوں کے پتھر توے کی طرح دہکتے تھے، اس لئے مجبوراً رات کو چلتے تھے، اور دن کو خیموں کے سائے میں سوتے اور کھاتے پیتے تھے، رات کو بھی پسینہ بہتا تھا، بی بی نانی کے مقام پر آفتاب کی وہ حدت اور پسینے کی وہ شدت نہیں رہی، سرآب کے مقام سے رات کو اوڑھنے کی ضرورت ہوئی، درے کے اندر ایک چادر سے زیادہ کی ضرورت نہ تھی، لیکن جیسے ہی لوگ درے کی تنگنائے سے نکلے اور اس دشت بے دولت (۱) میں پہنچے، جو ایک ہموار اور مسطح میدان ہے، اور عرض وطول میں بارہ کوس ہے، جس کی زمین قابل زراعت ہے لیکن پانی کا نام نہیں، تو معاً ایسا معلوم ہوا کہ برف کے دریا میں سر سے پاؤں تک ڈوب گئے، بدن میں کپکپی شروع ہوگئی، اور دانت بجنے لگے، جس کو جو کپڑا ملا اسنے اپنے اوپر ڈال لیا، سواروں نے زین پوش اپنے اوپر ڈال لیا، ایسا بھی ہوا کہ دس دس بارہ بارہ آدمیوں نے اکٹھا اپنے اوپر اونٹوں کا شلیتہ یا پال یا خیمہ ڈال لیا اور سو گئے، اس سردی کے عالم میں کسی کو کھانے پینے کا ہوش نہ تھا، گھوڑے اور اونٹ بھی سردی سے کانپ رہے تھے، مجبوراً اس میدان میں ٹھہرنا پڑا اور سردی سے حفاظت کا سامان کرنا پڑا، تمام خراسان میں یہاں کی سردی اور برف باری مشہور ہے، پانی اس پورے میدان میں ناپید ہے، اسی لئے اس مقام کو دشت بے دولت کہتے ہیں۔

جب سے ہم شہر ڈھاڈر سے روانہ ہوئے تھے، اس پورے راستے میں سوائے موضع کیرتا کے کہیں ہم نے اپنے ہمراہیوں کے علاوہ کسی آدمی کی صورت نہیں دیکھی، بہر حال رات کسی طرح

---

(۱) یہ درۂ بولان کے شمالی دروازے سے عین متصل ہے، مچھ قدیم سے تقریباً سترہ میل ہوگا (سید احمد شہید)

کٹی، صبح سب نے تیمّم کر کے نماز پڑھی، چار گھڑی دن چڑھے تک ہاتھ سردی کی وجہ سے کام نہیں کرتے تھے، آخر وہاں سے کوچ ہوا اور ہم شہر شال کی طرف روانہ ہوئے۔

یہاں سے مملکت خراسان کی سرحد شروع ہوتی ہے ہر طرف امن وامان ہے، ہر جانب دیہات اور آبادیاں ہیں، باغات اور کھیتیاں اور پانی کے چشمے ہر طرف جاری ہیں۔(۱)''

شال

سید حمید الدین لکھتے ہیں ''آخر خیر وخوبی کے ساتھ ہم ظہر کے وقت شہر شال (۲) میں داخل ہوئے، یہاں کے لوگوں کی زبان افغانی ہے، دوسروں کی بات سمجھ نہیں سکتے، وہ کمال خلوص اور اعتقاد کے ساتھ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہاں کا حاکم جو محراب خاں (۳) کی طرف سے مقرر ہے، ایک عظیم الشان سردار ہے، اور رؤسا اور امرا کے طبقے میں ایسا دیندار آدمی کم دیکھنے میں آیا ہے، وہ بھی حضرتؒ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا اور لشکر کی ضرورتوں کی تکمیل، بروقت خبر گیری اور دلجوئی کا انتہائی خیال رکھا اور حضرتؒ کی خوشنودی سے مالا مال ہوا، وہاں سے دو کوس پر ایک دیہات میں سادات کا ایک گھر تھا، تیسرے روز اس گھر کے لوگوں نے کھانے اور میوے سے بڑی ضیافت کی اور حضرتؒ کو سو آدمیوں کے ساتھ اپنے گھر لے گئے، اور بڑی خوشی سے کھانا کھلایا، اسی روز شال کے حاکم نے حضرتؒ کے ہاتھ پر ارادت اور جہاد کی بیعت کی اور حضرت کو بہت سے مجاہدین کے ساتھ اپنے گھر لے جا کر مہمانداری کا حق ادا کیا اور اس سفر میں اپنی معیت کی درخواست کی، حضرتؒ نے اس کے حق میں دعائیں کیں اور فرمایا کہ جب ہم بلائیں تو تم آجانا۔

اس زمانے میں محراب خاں حاکم حدود (بلوچستان) اور حاکم قندھار کے درمیان تعلقات اس حد تک خراب ہو گئے تھے کہ طرفین دار الحکومت سے نکل نکل کر اپنی اپنی سرحدوں پر

---

(۱) مکتوبات ص ۱۸۴-۱۸۸

(۲) اس کا اصل نام شال کوٹ تھا، تخفیفاً، اس کو شال بھی کہتے تھے، جو اس وادی کا نام ہے، جس میں یہ قصبہ شال آباد ہے، انگریزوں نے اس کو کوئٹہ کر دیا۔

(۳) محراب خاں، جو اس وقت بلوچستان کا حاکم تھا، محمود خاں کا بیٹا اور نصیر خاں اول کا پوتا تھا، نصیر خاں نے بلوچستان کو ایک مستقل حکومت کی حیثیت دی، اس نے ۱۷۹۴ء میں وفات پائی۔

ٹھہرے ہوئے جنگ کی تیاری کررہے تھے، قندھار کی فوج عبداللہ خاں درانی کی سرکردگی میں مع گیارہ ضرب توپ کے اپنی حکومت کی سرحد میں مقام مے زئی پر، جو شہر شال سے تیس کوس پر ہے، ٹھہری ہوئی تھی، اور محراب خاں حاکم قلات کی فوج ملا فتح محمد آخون وزیر کی ماتحتی میں قصبۂ مستنگ میں، جو شال سے سولہ میل قلات کی طرف ہے، پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی، اور دونوں طرف سے جنگ کی تیاری ہورہی تھی، حضرتؒ کا حکم ہوا کہ سید انور شاہ بیس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ جو مولوی سید اولاد حسن قنوجی، حاجی بہادر شاہ رامپوری اور مولوی نظام الدین معروف بہ بخشی اور اس کاتب الحروف (سید حمید الدین) اور دوسرے اشخاص پر مشتمل ہو، لشکر سے جدا ہو کر قصبۂ مستنگ جو بہت سے دیندار مسلمانوں کا مسکن اور محراب خاں کے لشکر کی چھاؤنی ہے، جائیں، وہاں کے مسلمانوں کو جہاد کی تبلیغ کریں اور ملا فتح محمد وزیر سے مل کر اس خط کا جواب لیں جو راستے سے حاکم قلات کو بھیجا گیا تھا اور تین روز میں اپنا کام کر کے اپنے لشکر گاہ میں پہنچادیں، یہ جماعت روانہ ہوئی اور قصبۂ مستنگ میں پہنچ کر وہاں کے اہل ایمان کو جہاد کی تبلیغ و دعوت کی اور وزیر مذکور سے ملاقات کی، وزیر ممدوح جو اپنے زہد وورع میں نادرۂ روزگار اور خوش اخلاقی اور مروت میں ضرب المثل ہے، نادر شاہ کے ملازمین میں ہے، ایک سو بیس کی عمر ہے، لیکن قویٰ نہایت اچھے ہیں، شہ سواری اور فوج کشی کا خاص مذاق ہے، آغاز جوانی سے حاکمین قلات کا وزیر چلا آرہا ہے، چار بادشاہ بادشاہت کر کے باری باری ملک بقا کو سدھارے اور یہ ابھی منصب وزارت پر سرفراز، نیک نام و کارگزار ہے، عمر و اقبال اور دیانت وتقویٰ کا ایسا اجتماع کم دیکھنے میں آیا ہے، وزیر موصوف نے ہم لوگوں کے آنے کی خبر سن کر پہلے ہی سے ایک مکان فرش فروش اور ضروری سامان سمیت ہمارے لئے آراستہ کر رکھا تھا، جب ہم شہر کے دروازے پر پہنچے تو وزیر موصوف کی طرف سے ایک سوار نے استقبال کیا، ان کا سلام پہنچایا اور ہم کو ہماری اقامت گاہ میں پہنچادیا، اس کے بعد ملا نور محمد جو محراب خاں کے مخصوص امرا اور مقربین میں سے تھے، وزیر صاحب کی طرف سے ملاقات اور دریافت احوال کے لئے آئے، بہر حال دلجوئی اور خاطر داری کا، جو اربابِ اخلاق اور رؤسائے مسلمین کے شایان شان ہے، کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، موسمی پھل اور میوے،

گھوڑوں کے لئے چارہ دانہ اور رات کو ہمارے لئے پر تکلیف رنگا رنگ کے کھانے بھیجے، صبح کو وزیر صاحب کی ملاقات کے لئے گئے، وہ خیمے کے اندر لب فرش تک آکر مہمانوں سے بغلگیر ہوئے، اورنہایت اخلاق، کے کلمات جن میں ریاست کے غرور کا شائبہ بھی نہ تھا، فرماتے رہے اور خط کے جواب کی تاخیر کا عذر بیان کیا کہ حاکم قندھار کے ساتھ جنگ کی تیاری تاخیر کا سبب بنی، فریقین کی مصالحت کے لئے حضرتؒ سے دعا کی درخواست کرنے کو فرمایا اور حضرتؒ کو اس مضمون کا ایک خط لکھ کر حوالے کیا کہ آج میں نے اپنے آقا کو اس خط کے جواب کی یاددہانی کی ہے جو کچھ جواب آئے گا، انشاء اللہ دو تین روز میں آپ تک ہمارے خاص آدمی کے ہاتھ پہنچ جائے گا، دوسرے روز دو سوار ہماری حفاظت اور راہنمائی کے لئے اور اسباب و میوہ جات کا ایک اونٹ ہمارے ہمراہ کیا اور رات کو ہم لوگ روانہ ہو کر دوسرے روز ظہر کو شہر شال میں حضرتؒ کے پاس پہنچ گئے، خط کے جواب میں چار روز وہاں قیام رہا۔(۱)''

(۱) مکتوب سید حمید الدین، مکتوباتِ قلمی ص ۱۸۹-۱۹۲

شال (کوئٹے) سے پشاور تک

شال سے روانگی

سید حمید الدین اپنے خط میں لکھتے ہیں "۱۵ ارمحرم کو صبح کے وقت شال سے لشکر کا کوچ ہوا، حاکم شال، جس کی ارادت مندی کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، پچاس ساٹھ سواران خاص کے ساتھ حضرتؒ کی سواری کے ساتھ بڑے جنگی ساز وسامان سے مشایعت کے لئے تین کوس تک آیا، سوار میدان میں دوڑتے تھے، اور بندوقیں سر کرتے تھے، اور فنون سپہ گری اور اپنے کمالات دکھاتے تھے، اس موقع پر ہندی وسندھی سواروں اور پیادوں کا انبوہ اور سواری کا تزک واحتشام عجب شان رکھتا تھا، حاکم شال نے رخصت چاہی اور سواروں نے ایک جگہ کھڑے ہو کر دعا کی، حاکم مذکور ہر خویش اور بیگانے کے سامنے حضرتؒ کی شفقت ومحبت سے زار وقطار روتا تھا، حضرتؒ نے اس کے اور اس کے رفقا کے حق میں تمام دینی اور دنیوی مطالب کے لئے دعائیں کیں اور قندھاریوں اور بلوچیوں کی صلح کے لئے بڑی گریہ وزاری کے ساتھ دعا فرمائی، جس کی قبولیت کا ذکر آگے آئے گا۔

شال سے روانگی کے وقت محراب خاں حاکم قلات کا خط فتح محمد وزیر کا بھیجا ہوا حضرت کے خط کے جواب میں آیا، جس کا مضمون تھا کہ آپ جس مہم پر جارہے ہیں، تشریف لے جائیں، جس چیز کے متعلق آپ نے لکھا ہے، اس کا مناسب جواب جنگ کے تصفیے کے بعد دیا جائے گا، اس سے اندازہ ہوا کہ اس کو مجاہدین کے اہل وعیال کے لئے جگہ دینے میں تامل ہے۔

محراب خاں کی حکومت سے نکل کر ہم لوگ حکومت قندھار کے علاقے میں داخل ہوئے، اور مقام حیدر زئی میں منزل ہوئی، اس نواح میں سادات کی آبادی ہے، جو اس تمام علاقے میں نہایت صحیح النسب اور معزز سمجھے جاتے ہیں اور حسن اخلاق، ہمت، سخاوت و شجاعت میں بہت ممتاز ہیں، انہوں نے بہت خلوص کے ساتھ حضرتؒ کی پچاس آدمیوں کے ساتھ دعوت کی، اس راستے میں جس منزل سے گزر ہوتا تھا، سادات میں سے کوئی نہ کوئی حضرتؒ کی چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ دعوت ضرور کرتا تھا، بعض لوگ کچھ خربزہ، سردہ، تربوز یا کوئی دوسری چیز ہاتھ میں لئے ہوئے راستے پر کھڑے ہوتے اور سلام و مرحبا کہہ کر حضرتؒ سے مصافحہ کرتے، یہ تحفہ نذر کرتے اور اپنے حق میں دعا کرا کے رخصت ہوتے، سیکڑوں عورتیں چہروں پر نقاب ڈالے راستے پر کھڑی ہوتیں، سلام و مرحبا کہتیں اور جہاد کی فتح و نصرت کی دعائیں کرتیں اور حضرتؒ کا ہاتھ اپنے چھوٹے بچوں پر پھیر کر دارین کی بہبود کے لئے دعائیں لیتیں، حضرتؒ اپنے فطری کمال اخلاق سے ہر شخص کے لئے کھڑے ہو جاتے اور دعا کرتے، ہر دہ اور گاؤں میں چھوٹوں، بڑوں اور مردوں، عورتوں کا اس قدر ہجوم ہوتا کہ لشکر کا چلنا رک جاتا، پشین کی حدود سے لے کر شہر کابل میں داخلے تک روزانہ ہر منزل پر یہی منظر پیش آتا اور کوئی دن ایسا نہ جاتا جس میں کوئی نہ کوئی شخص حضرتؒ کی چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ دعوت نہ کرتا، آپ کے ساتھ محبت و اخلاص کی نشانیاں ہر چھوٹے بڑے مرد و عورت کے چہرے پر ظاہر ہوتی تھیں اور ہر شخص کفار پر آپ کی فتح و نصرت کی دعائیں کرتا تھا۔

دوسرے روز مقام حیدر زئی سے چل کر ایک دوسرے مقام سدوزئی میں منزل ہوئی، جو پشین کے سادات کا مسکن تھا، وہاں کے سرداروں کے مشورے سے حضرتؒ نے وہاں کے سادات کے ذریعہ حاکم قندھار کے سپہ سالار کو جو محراب خاں حاکم بلوچستان کے ساتھ جنگ کرنے کے ارادے سے یہاں آٹھ کوس کے فاصلے پر فوجوں اور توپخانے کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، ایک خط اس مضمون کا بھیجا کہ ہم لوگ تمہارے ملک میں مسلمانوں سے ملاقات کرنے کیلئے اور ان کو کفار کے ساتھ جہاد کی دعوت دینے کے لئے آئے ہیں، اور تمہارے شہر سے

ہوکر کابل کی طرف جائیں گے، تم ہماری طرف سے اپنے دل میں کوئی برا خیال نہ کرنا، ہمیں امید ہے کہ تم اس کی اجازت دو گے، آدھی رات کو خط کا جواب اس مضمون کا آیا کہ، کل آپ سدوزئی سے کوچ کرکے مقام مے زئی میں ہماری چھاؤنی میں آئیے، میں آپ کی آمد کی اطلاع اپنے آقا کو کروں گا، جو قندھار میں ہے، اور آپ کے لئے قندھار سے گزرنے کی اجازت طلب کروں گا، جب تک اس کا جواب نہ آئے، آپ ہمارے لشکر گاہ ہی میں توقف فرمایئے، اجازت آنے کے بعد قندھار کا رخ فرمایئے۔

اس خط کے مطابق حضرتؒ نے سدوزئی سے کوچ فرما کر مے زئی میں لشکر گاہ سے ایک تیر کے فاصلے پر خیمہ لگایا اور فروکش ہوگئے، سردار فوج اکثر افسروں کے ساتھ پیادہ پا اپنے خیمہ گاہ سے نکل کر حضرتؒ کے استقبال کے لئے آیا، حضرتؒ کو پہلے تنہا اپنے خیمے میں لے گیا اور آپ سے اس سفر کے مقاصد کا پورا حال دریافت کیا، دو گھنٹے کے بعد حضرتؒ خیمے سے باہر تشریف لائے، گولہ اندازوں میں کثرت سے ہندوستانی ملازم تھے، وہ ہماری ملاقات کو آئے اور اپنے وطن کے حالات دریافت کئے، مے زئی کے سادات ان تینوں دن، جس میں ہم لوگ حاکم قندھار کے اجازت نامے کے انتظار میں ٹھہرے ہوئے تھے، روزانہ حضرت کی چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ ضیافت کرتے رہے اور دن رات آپؒ کے خیمے میں اس مقام کے اور قرب وجوار کے معززین وسادات کا ہجوم رہتا تھا، جو آپؒ کی ملاقات کرنے کے لئے آتے تھے، اور اس سفر جہاد میں اپنی معیت و رفاقت کے خواستگار تھے، حضرتؒ ان کو وہی جواب دیتے تھے، جو اس سے پہلے آپؒ نے مشاقانِ جہاد کو دیا تھا کہ جب ہم بلائیں، اس وقت آجانا، تین روز کے بعد حاکم قندھار کا خط آیا کہ سید صاحبؒ کو لشکر مجاہدین کے ساتھ آنے سے کیوں روکا ہے، آنے دو، چوتھے روز وہاں سے کوچ ہوا۔(۱)''

کوزک

''مقام مے زئی سے کوچ کرکے دس کوس کے فاصلے پر عشا کے وقت کوزک (۲) پر پہنچے،

---

(۱) مکتوب سید حمید الدین، مکتوبات ص ۱۹۲-۱۹۷ (۲) کوزک کے متعلق بھی انگریز سیاحوں اور فوجیوں کا تاثر یہ ہے کہ وہ درۂ بولان کی طرح نہایت اہم درہ اور دشوار گزار پہاڑی راستہ ہے، ملاحظہ ہو تصویر۔

جوکوہ توبہ کا درہ ہے، چونکہ اس سے پہلے بہت بلند و دشوار گزار پہاڑی راستہ طے کرنا پڑتا تھا اور اس کی بلندی ایک میل یا زائد تھی، جس کا رات کو طے کرنا اور تنگ گھاٹیوں سے نکلنا رات کو بہت دشوار تھا، اس لئے یہی صلاح ہوئی کہ صبح کے وقت سفر کیا جائے، چنانچہ صبح کا کھانا پکا کر دو پہر کے قریب کوچ ہوا، اور پہاڑوں کے اوپر پہنچے، بڑی دشواری اور مشقت سے اترتے چڑھتے چار کوس چل کر عصر کے وقت چوکی پہنچے، جہاں سے کابل اور قندھار کا راستہ پھٹتا ہے۔(۱)''

افغانستان کی حکومتوں پر ایک نظر

پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ زمان شاہ نے، جو احمد شاہ ابدالی کا پوتا تھا، اپنے محسن اور صاحب رسوخ وزیر پائندہ خاں کو قتل کرا دیا، جس کے نتیجے میں وہ تخت و تاج سے محروم ہوا اور پائندہ خاں کے بیٹے فتح خاں نے شاہ ابدالی کے دوسرے پوتے محمود کو تخت افغانستان پر بٹھا دیا اور ساری مملکت کو اپنے بھائیوں کی صوبے داری میں دے دیا، کچھ عرصے کے بعد محمود کے بیٹے کامران نے جس کو اپنے باپ کی سلطنت میں بارک زئی سردار فتح خاں کی مطلق العنانی اور خود مختاری گوارا نہ تھی، فتح خاں کی آنکھیں نکالیں اور اس کو قید خانے میں ڈال دیا، کچھ عرصے کے بعد شاہ محمود کے حکم سے وہ قتل کر دیا گیا۔(۲)

فتح خاں کے اس انجام نے ابدالیوں کے رہے سہے اقتدار کا خاتمہ کر دیا اور بارک زئی بھائیوں کی خود مختار سلطنت قائم ہوگئی، اس وقت تمام ملک افغانستان ان بھائیوں کے تصرف میں آ گیا اور انہوں نے مختلف صوبوں اور علاقوں پر اپنی خود مختار حکومتیں قائم کر لیں، سید صاحبؒ نے جب ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ء) میں افغانستان و سرحد کا سفر فرمایا ہے، تو پورا ملک انہیں بھائیوں میں بٹا ہوا تھا، قندھار پر دل خاں، شیر دل خاں اور ان کے تین بھائی حکومت کرتے تھے، غزنی میر محمد خاں کی عملداری میں تھا، کابل حکومت کے بارے میں بھائیوں اور بھتیجوں میں بارہا کشمکش اور جنگ کی نوبت آئی تھی، اگرچہ بالآخر کابل کا تخت اور رفتہ رفتہ افغانستان کی حکومت مستقل طور پر دوست محمد

---

(۱) مکتوب سید حمید الدین مکتوبات (قلمی) ص ۱۹۹، ۲۰۰

(۲) ملاحظہ ہو کتاب کا عنوان ''درّانی خاندان کا زوال اور اس کے اسباب'' ص ۳۸۶

خاں کے زیر نگیں آ گئی (۱)، لیکن جس وقت سید صاحبؒ تشریف لے گئے اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ کابل سلطان محمد خاں کے زیر انتظام تھا، سید حمید الدین صاحب کے مکاتیب میں حاکم کابل کی حیثیت سے سلطان محمد خاں ہی کا ذکر آتا ہے، اس وقت ان بھائیوں میں پھر ایک بار سخت اختلاف اور کشمکش تھی، اور اسی کی وجہ سے سید صاحبؒ کو کابل میں طویل قیام کرنا پڑا، پشاور یار محمد خاں کی تحویل میں تھا، ہشت نگر کا علاقہ سید محمد خاں کے پاس تھا، اس طرح ہرات کو مستثنیٰ کر کے سارا افغانستان و سرحد بارک زئی سرداروں کے زیر حکومت و انتظام تھا، جو ایک باپ کے بیٹے تھے اور عام طور پر "درانی" کہلاتے تھے، سید صاحبؒ کو انہیں سرداروں کی عملداری سے گزر کر یوسف زئیوں کے علاقے میں جانا تھا، جس کو عام طور پر سمہ (۲) کہتے ہیں۔

قندھار کی جانب

"کوک سے دوسرے روز ظہر کے وقت روانہ ہوئے، سات کوس تک کہیں پانی نہ تھا، یہ سب راستہ طے کر کے صبح کے قریب ایک تالاب کے کنارے پہنچے، جو بارش کے پانی سے پر تھا، بقیہ شب وہاں گزار کر نماز صبح پڑھ کر روانہ ہوئے، پانچ کوس پر کاریز ملا فتح اللہ خاں پر منزل کی، دوسرے روز آٹھ کوس چل کر ایک ویران مقام پر منزل ہوئی، وہاں سے کوچ کر کے دس کوس پر قلعہ حاجی میں منزل ہوئی، وہاں کے زمیندار نے بیعت کی اور چند لوگوں کے ساتھ رفاقت اختیار کی، اس کی زبانی معلوم ہوا کہ پردل خاں حاکم قندھار کا حقیقی بھائی شیر دل خاں جو بڑا سفاک اور دلیر آدمی تھا، اور جس نے اپنی شیر دلی سے محراب خاں حاکم قلات والی حکومت بلوچستان سے جنگ کی نیت سے اپنی فوج اور توپخانے کو مے زئی میں بھیج دیا تھا، اور عنقریب محراب خاں پر حملے کا ارادہ رکھتا تھا، گزشتہ شب ایک ہفتہ بیمار رہ کر انتقال کر گیا اور چار و نا چار حاکم بلوچستان سے صلح ہو گئی اور اس طرح سے حضرتؒ کی دعا جو آپ نے فریقین کی صلح کے لئے حاکم شال کے سامنے کی

---

(۱) امیر امان اللہ خاں تک افغانستان کی حکومت دوست محمد خاں کی اولاد میں رہی، بچہ سقہ کی بغاوت کے بعد جب نادر شاہ نے افغانستان پر قبضہ کیا، جو سلطان محمد خاں کی اولاد میں تھے تو تخت افغانستان اس شاخ کی طرف منتقل ہو گیا۔

(۲) اس سے مقصود وہ میدانی علاقہ ہے، جو دریائے سندھ اور سرحدی پہاڑوں کے درمیان ہے، ضلع پشاور ضلع مردان اسی علاقے میں واقع ہیں۔

تھی، قبول ہوئی۔

چونکہ قندھار یہاں سے قریب تھا مواضع ودیہات راستے میں کثرت سے ملتے تھے، زائرین اور تماشائیوں کا ہجوم تھا، لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر راستے پر کھڑے ہو جاتے، زیارت کرتے اور دعائیں لیتے، بہت سے موسمی پھل اور فواکہ: سردہ، تربوز اور انگور گدھوں اور اونٹوں پر لادے ہوئے کھڑے ہوتے تھے، اور حضرتؒ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

اسی طریقے پر آپ دیہات اور قریوں سے گزرتے ہوئے چھ کوس پر جا کر کاریز ملا عبداللہ پر، جو قصبۂ خوشاب کے قریب ہے، مقیم ہوئے، وہاں سردے اور انگور وغیرہ کے ڈھیر لگ گئے، ہندوستانی رفقاء نے جن میں سے بہتوں نے ان پھلوں کے نام ہی نام سنے تھے، شکم سیر ہو کر کھائے۔(۱)"

استقبال

"حاکم قندھار نے آپؒ کی آمد آمد سن کر اپنی حضوری کے امرا میں سے ایک کو، جسے قندھار میں شاہ غاشی کہتے ہیں، پندرہ سوار دے کر استقبال کے لئے بھیجا، رؤسائے شہر میں سے بہت سے لوگ، جو مدت دراز سے آپؒ کے اوصاف سن کر اور تشریف آوری کی خبر معلوم کر کے ملاقات کے مشتاق تھے، شہر سے پانچ کوس کا فاصلہ طے کر کے کاریز ملا عبداللہ پہنچے۔(۲)"

قندھار

"دوسرے روز ۲۸ محرم الحرام کو آپؒ قصبۂ خوشاب و کاریز ملا عبداللہ سے کوچ کر کے اسی عرض بیگی کی رہبری و معیت میں جس کو حاکم قندھار نے آپؒ کے استقبال کے لئے بھیجا تھا، قندھار کی طرف روانہ ہوئے، سیکڑوں سواروں نے اپنے گھر سے نکل کر راستے میں ملاقات کی اور فرودگاہ تک ساتھ آئے، ہزاروں شرفاء و علماء و فضلائے شہر پیادہ پا استقبال کرتے تھے، اور سواری کے ساتھ ساتھ چلتے تھے کہ راستے اور سڑکیں تنگ ہو گئیں، ہجوم کی کثرت سے خویش و بیگانہ کی تمیز مشکل تھی، اس تزک و احتشام کے ساتھ آپؒ شہر کے قریب آئے، شہر سے ایک میل مغرب کی

(۱) مکتوب سید حمید الدین، مکتوبات (قلمی) ص ۲۰۰، ۲۰۱ (۲) ایضاً ص ۲۰۱، ۲۰۲

جانب دروازہ ہراتی کے قریب آپؒ کا خیمہ نصب ہوا اور لشکر نے قیام کیا۔

پُردل خاں حاکم قندھار نے اپنے بھائی شیر دل خاں کی وفات کی وجہ سے جس کو چوتھا روز تھا، حاضری سے معذرت کی اور ضیافت کا سامان بھیج دیا، آپ نے سلام کہلایا اور فرمایا کہ کل صبح میں خود تعزیت کے لئے آؤں گا، دوسرے دن چالیس آدمیوں کے ساتھ آپؒ تعزیت و ملاقات اور مرحوم کی فاتحہ خوانی کی تقریب میں تشریف لے گئے، پردل خاں اپنے تمام بھائیوں کے ساتھ دالان سے نکل کر استقبال کے لئے باہر آیا اور بڑی عقیدت کے ساتھ ملاقات و معانقہ کیا، اندر لے جا کر اپنی مسند پر بٹھایا، آداب و تعظیم بجالایا اور اس دور دراز سفر کے حالات و مقاصد دریافت کئے اور اس کی تفصیل معلوم کر کے ظاہری بے سروسامانی کے باوجود حضرت کی اولوالعزمی پر حیرت کی اور اس کو تائید الٰہی شمار کیا، دو گھنٹے اسی قسم کی گفتگو اور رسم فاتحہ خوانی کے بعد آپؒ باہر تشریف لائے۔(۱)"

قندھار سے روانگی

"چار روز قندھار میں قیام رہا، خاص و عام میں سے کوئی نہ تھا، جو حاضر نہ ہوا ہو، ہر شخص نے باصرار معیت جہاد کی درخواست کی، نوبت اس کی پہنچی کہ بغیر آپؒ کی اجازت کے ہزارہا اشخاص نے جہاد کے عزم سے سفر کا سامان درست کرنا شروع کر دیا، حکام کو معلوم ہوا تو شہر آشوبی کے خطرے سے پریشان ہو کر بوابوں کو حکم دیا کہ شہر سے کسی کو نکلنے نہ دیں، لوگ اس پر بھی باز نہ آئے تو حضرتؒ کو پیغام بھیجا کہ آپ کے تشریف رکھنے سارا شہر شوقِ جہاد میں آپ کی معیت کے لئے بے قرار ہے، انتظام حکومت درہم برہم ہو رہا ہے، ہماری گزارش ہے کہ آپ کابل تشریف لے جانے میں تعجیل فرمایئے اور اہل شہر میں سے جو آپ کی معیت کی درخواست کرے، قبول نہ فرمایئے۔

حضرتؒ بے لطفی کے اندیشے سے ۳؍صفر کو قندھار سے روانہ ہو گئے اور کاریز حاجی عبدالعزیز پر قیام فرمایا، ۴؍محرم کو وہاں قیام فرما کر قندھار سے کابل تک کے لئے اونٹ کرائے پر لئے اور ۵؍محرم کو وہاں سے کابل کی جانب روانہ ہو گئے اور قلعہ اعظم خاں پر منزل کی۔

---

(۲) مکتوب سید حمید الدین، مکتوبات ص ۲۰۳، ۲۰۴

باوجود بندش اور شدید انتظام کے چار سو کے قریب علماء وفضلا، مدارس کے طلبا اور خانقاہوں کے مشائخ کسی نہ کسی طرح باہر آ گئے اور قلعہ اعظم خاں میں پہنچ کر آپ سے مل گئے، یہ سب شوق جہاد میں سرشار اور سر دینے کے لئے تیار تھے، حضرتؒ نے خواجہ ظہور اللہ کو حاکم قندھار کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ہم تمہارے شہر کے لوگوں کو نہیں لے جا رہے ہیں وہ خود آ گئے ہیں، اگر اجازت ہو تو ساتھ لے جائیں ورنہ اپنا آدمی بھیج کر واپس کرلو، حاکم نے جواب دیا کہ علماء وفضلا وطلبا میں سے جواب تک پہنچا ہو، اس کو لے جا سکتے ہیں، دوسرا اگر خواہش کرے تو اس کو جواب دے دیں، حضرتؒ نے ان میں دو سو ستر آدمی انتخاب کر لئے، باقی سے فرمایا کہ جس وقت جہاد شروع ہو جائے اس وقت آ جانا، کوئی انکار نہ ہوگا، دو سو ستر آدمیوں کو مناسب نصیحتیں فرمائیں اور سید دین محمد قندھاری رفیق قدیم کو ان کا افسر مقرر کیا اور ان کو لشکر مہاجرین ومجاہدین میں شامل کیا۔(۱)"

غلزئی قبیلے کے علاقے میں

سید صاحبؒ قلعہ اعظم خاں سے چل کر قلعہ رمضان خاں پہنچے، یہاں سے غلزئی سرداروں اور زمینداروں کا علاقہ شروع ہوتا ہے (۲)، جن کے آباو اجداد کچھ ہی عرصہ پہلے افغانستان، نیز ایران کے ایک بڑے حصے پر حکومت کرتے تھے، اور قندھار کے تخت پر متمکن تھے، نادر شاہ افشار نے ان کو ایران سے نکالا، آخر غلزئی فرمانروا حسین کو شکست دے کر قندھار و کابل پر قبضہ کرلیا، نادر شاہ کے قتل پر افغانستان کے عنان حکومت احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ میں آ گئی، اس کے انتقال کے بعد اس کے پوتے محمود کے عہد میں ابدالیوں کی دوسری شاخ بارک زئی افغانستان

---

(۱) مکتوب سید حمید الدین، مکتوبات (قلمی) ص ۲۰۷، ۲۰۸

(۲) "غلزئی افغانستان کا ایک بہت بڑا اور پھیلا ہوا قبیلہ ہے، جو جنوب میں قلاتِ غلزئی سے لے کر شمال میں دریائے کابل تک مغرب میں گل کوہ کے حدود سے مشرق میں ہندوستان کے حدود تک پھیلا ہوا ہے، اور متعدد مقامات پر ان حدود سے بھی متجاوز ہے، اس قبیلے کا تعلق اسی نسل سے ہے جس سے عیسیٰ خیل اور لودھی پٹھان ہیں، فوجی صلاحیتوں اور تجارتی کاروبار میں وہ کسی قبیلے سے کمتر نہیں، وہ وجیہ، بہادر، اور مردانہ اوصاف کے حامل ہیں" (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جلد دہم، اشاعت ۱۴)

کے تخت وتاج کی مالک بن گئی، اس پورے عرصے میں افغانستان کے سابق فرمانرواؤں کا خاندان غلزئی جو ایک کثیر التعداد اور طاقتور قبیلہ تھا، حکومت اور اس کے تمام مناصب ومنافع سے محروم رہا، اس بنا پر غلزئی درانیوں اور بارک زئیوں کو ہمیشہ اس نظر سے دیکھتے تھے کہ وہ سلطنت کے غاصب ہیں اور درانی ان کی طرف سے مطمئن نہیں تھے، ان کو معلوم تھا کہ غلزئی قبیلے کا ہر فرد اپنے کو حکومت افغانستان کا حقیقی مالک اور وارث سمجھتا ہے۔

سید صاحبؒ ان غلزئی سرداروں اور زمینداروں کے علاقے سے گزرے تو انہوں نے اپنی امداد ورفاقت کی پیش کش کی اور آپؒ کے مقاصد جہاد میں شرکت پر آمادگی ظاہر کی، سید صاحبؒ افغانستان کی قریبی گزشتہ تاریخ سے واقف تھے، آپؒ کو درانیوں اور غلزیوں کے تعلقات کا علم تھا، آپؒ کو خوب معلوم تھا کہ غلزئیوں کی رفاقت وتائید کے معنی صرف یہ ہیں کہ درانیوں کو جو عملاً افغانستان کے حاکم اور اس کی سیاست پر حاوی ہیں، اور جن کے علاقے میں آپ جارہے ہیں، اپنا دشمن بنالیا جائے، اور ان سے امداد کی ہر امید منقطع کرلی جائے، اس بنا پر آپؒ نے غلزئیوں کی اس پیش کش کے قبول کرنے سے (جو ممکن ہے مخلصانہ رہی ہو) دینی وسیاسی مصلحتوں کی بنا پر سردست معذوری ظاہر کی اور ان کے پورے اعزاز اور شکر گزاری کے ساتھ ان کو جواب دے دیا، سید حمید الدین اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں " قلعہ رمضان خاں تک راستے کے تمام دیہات میں درانی افغانوں کی سکونت وزمینداری تھی، قلعہ رمضان خاں سے غلزئی سالم خیل، پٹھانوں کی سکونت وزمینداری شروع ہوتی ہے، لکھنؤ میں عبدالرحمٰن قندھاری اسی قبیلے سے ہیں، قلعہ رمضان خاں سے روانہ ہوکر مقام جلدک میں منزل ہوئی، چونکہ حضرتؒ کی ہندوستان سے تشریف آوری کی شہرت ان اطراف کے تمام باشندوں کے کانوں تک پہنچ چکی تھی، اس لئے تمام سردار زادے اور قدیمی رئیس زادے، جو خاندان سلطنت کی تباہی کی وجہ سے کنج گمنامی میں پڑے ہوئے تھے، کاشتکاری کرتے تھے، انہوں نے حضرتؒ کی رفاقت کو شوکت دنیوی اور نجات اخروی کا وسیلہ سمجھ کر رفاقت کے لئے درخواستیں کیں اور اس مضمون کے خطوط لکھ کر بھیجے۔

انہیں میں سے شاہ حسین غلزئی سالم خیل کی اولاد میں عبدالرحیم خاں کا بیٹا خانان خاں

بھی تھا، جس کے بزرگ پہلے تمام مملکت خراسان پر حکومت کرتے تھے، نادر شاہ نے حسین شاہ کو شکست دے کر افغانستان کو اس سے حاصل کیا، جب لشکر مجاہدین کا گزر قلعہ رمضان خاں سے ہو کر جلدک کی طرف سے ہوا تو خانان مذکور کے بھیجے ہوئے غلزئی قوم کے دو سوار راستے میں ملے، جنہوں نے عرض کیا کہ ہمارے آقا آپ سے ملنا چاہتے ہیں، اور آپ کو اس مہم کے لئے بہت مفید مشورے دیں گے، چونکہ درانی اور غلزئی قوم کے درمیان قدیم زمانے سے رقابت اور عداوت ہے، اور حضرت کی رفاقت میں زیادہ تر قندھار کے آدمی تھے، جو درانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، اور چونکہ اس وقت رخ غزنی اور کابل کی طرف تھا، اور وہاں کی حکومت بھی درانیوں کی تھی، اس لئے اس اندیشے سے کہ خانان مذکور کی ملاقات و مشورے سے اس ملک کے حکام کو کچھ کھٹک نہ پیدا ہو، خانان خاں مذکور سے ملنا دور اندیشوں نے مناسب نہ سمجھا۔

جب یہ سوار خانان مذکور کے پاس واپس گئے تو اس نے کمال عقیدت اور اخلاص اور سعادت قدم بوسی کی انتہائی آرزومندی کے ساتھ حضرتؒ کو دوسرا خط دوسرے دو سواروں کے ساتھ بھیجا، ان سواروں نے لشکر میں آکر لکھنؤ کے قندھاریوں کے حالات دریافت کئے، اور کہا کہ ہمارے آقا خانان اور عبدالرحمٰن خاں کے والد یوسف خاں اور محمد سعید خاں، آپس میں بہت قریب کے رشتے دار ہیں، اور ان اطراف میں اتنی بڑی برادری اور اتنے حامی و مددگار کسی کے نہیں، اس کی تصدیق موافق و مخالف سے کی جا سکتی ہے، آخر حضرتؒ نے اس خط کا جواب کمال اعزاز شاہانہ کے ساتھ دیا، جس میں اس کی دلجوئی اور خاطر داری پورے طور پر کی اور مکان پر تشریف لانے کا عذر بیان کیا، صبح کو خانِ مذکور نے ایک دوسرا خط اس سرفراز نامے کے جواب میں بھیجا کہ مجھے اپنے معتقدین کی جماعت میں تصور فرمایئے اور جب کبھی کفار سے مقابلے صورت پیش آئے یا اس کا موقع قریب ہو تو مجھے سرفراز نامے کے ذریعے سے یاد فرمائیں، میں فی الفور معبود حقیقی کی رضا جوئی کے لئے چالیس پچاس ہزار سواروں اور پیادوں کے ساتھ کوہستان کے راستے سے ہو کر خدمت والا میں پہنچ جاؤں گا، اور سعادت دارین حاصل کروں گا، اور خود اس بدگمانی سے بچنے کے لئے حضرت کی خدمت میں نہیں آیا۔

یہاں سے کوچ کر کے مقام کوڑم میں قیام ہوا، یہاں شہاب الدین خاں نامی غلزئی سردار نے جو غلزیوں کی سلطنت کے زمانے میں وزارت و نیابت کے عہدے پر تھا، اور اب بھی اپنی قوم کی بڑی جمعیت اس کے ساتھ ہے، لیکن شہاب الدین خاں نے رہزنی اور قزاقی کا پیشہ اختیار کر لیا ہے، اپنے ایک معتمد آدمی کو حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ مجھے اپنے منتسبین میں تصور فرمایئے اور جب میرا کام ہو مجھے طلب کیجئے، میں بڑی جمعیت کے ساتھ حاضر ہوں گا۔

قندھار و غزنی کے راستے میں آپؒ متعدد منزلیں کرتے ہوئے موضع مشکئی پہنچے، آپ نے راستے ہی سے ملا ظہور اللہ کو بیس قندھاریوں کے ساتھ میر محمد خاں حاکم غزنی اور سلطان محمد خاں حاکم کابل کے پاس اپنے اطلاعی خط کے ساتھ بھیج دیا تھا، خط کا مضمون یہ تھا کہ ہم ہندوستانی مسلمانوں اور اہل حمیت کا ایک گروہ کفرستان سے تنگ آ کر جہاد و ہجرت کے عزم سے اپنے وطن سے نکلا ہے، اور مسلمانوں کو دین کے اس رکن رکین کو قائم کرنے کی دعوت دینے کے لئے محض لوجہ اللہ اس قدر مسافت طے کر کے تمہارے ملک میں پہنچا ہے، مقصود یہ ہے کہ اسی طرح یوسف زئی کے علاقے میں، جو پشاور کے اطراف میں ہے، پہنچ جائیں، ہم آپ کے شہروں سے گزریں گے، دانائی و مروت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ متوحش نہ ہوں اور ہمارے پہنچنے سے پہلے ہم کو تحریری اجازت دیں تاکہ ہم اطمینان کے ساتھ ان حدود سے گزر کر اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔

اس خط کے جواب میں میر محمد کا خط آیا، جس پر اس کی مہر تھی کہ آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے سعادت و مسرت کا باعث ہے، آپ بلا تامل تشریف لائیں، ہم سے جو کچھ خدمت بن پڑے گی، ہم دریغ نہ کریں گے۔

مشکئی کی منزل پر لشکر کا قیام گاہ سے دو کوس فاصلے پر دامنِ کوہ میں میر محمد خاں اپنے کسی سرکاری کام سے دو ہزار سوار اور تین ضرب توپ کے ساتھ آیا ہوا تھا، اس کے لشکر کے لوگ شام تک سیکڑوں کی تعداد میں ملاقات کے لئے آتے رہے، اور ان مہاجرین کی عزیمت اور ہمت پر آفریں کہتے رہے، خود میر محمد خاں کا ارادہ اگلی صبح کو آنے اور ملاقات کرنے کا تھا، مگر پچھلی شب

میں کوئی ایسا ضروری کام پیش آ گیا کہ اسی وقت تمام لشکر اور توپ خانے کو کوچ کا حکم ہو گیا۔

اگلے روز صبح کو مشکئی سے کوچ ہوا، ایک روز راستے میں منزل ہوئی، دوسرے روز آٹھ کوس چل کر غزنی میں داخل ہوئے۔(۱)

غزنی

''رؤسائے شہر اور اہل علم و فضل اور بے شمار آدمیوں نے سوار اور پیادہ پا دو کوس نکل کر آپؒ کا استقبال کیا، آپؒ نے سلطان محمود غزنوی کے مزار کے متصل لشکر کا پڑاؤ ڈالا، میر محمد خاں حاکم غزنی کے نوعمر صاحبزادے نے جو آشوب چشم میں مبتلا تھا، قلعے کی دیوار کے نیچے تین سواروں کے ساتھ آ کر قدم بوسی کی اور آپؒ کے ساتھ رہا، آپؒ نے تکلیف کا خیال کر کے اس کو رخصت کیا، عصر کے وقت نائب حاکم بارہ سواروں کے ساتھ آیا، حاکم غزنی نے تمام ضروریات کا انتظام کیا اور حاضر ہو کر بیعت کی، خواص و عوام سب ہی حاضر خدمت ہوئے، عمائد غزنی میں سے بعض رائے بریلی حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہو چکے تھے، غزنی دو روز قیام کر کے ۲۵ر صفر ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ء) کو آپؒ کابل روانہ ہوئے۔(۲)''

کابل

''راستے میں ہفت آسیاب، شیخ آباد، میدان ٹھہرتے ہوئے قلعہ قاضی پہنچے، جہاں سے شہر کابل چار کوس ہے، میدان ہی میں سردار سلطان محمد خاں کابل کا خط پہنچ گیا، جس میں تحریر تھا کہ آپ کا تشریف لانا فراوانیِ برکت اور زینتِ مملکت کا باعث ہے، بے تکلف تشریف لائیں اور ہم سب کو اپنے خدام میں شمار کریں۔

راستے میں ملا حاجی ملا علی ایک سردارِ فوج شاہی، حکومت کابل کی طرف سے پچاس سوار اور پیادوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور سردار کابل کا سلام پہنچایا اور سرکاری طور پر آپؒ کا استقبال کیا، اکثر رؤسا و عمائد دار السلطنت اور ہزارہا خاص و عام آپؒ کے استقبال کے لئے شہر

---

(۱) مکتوب سید حمید الدین، مکتوبات (قلمی) ص ۲۰۹-۲۱۴

(۲) مکتوب سید حمید الدین، مکتوبات (قلمی) ص ۲۱۴-۲۱۸

سے باہر آئے تھے، اور آپؒ کی سواری کے ہمراہ تھے، نصف راستے پر امین اللہ خاں نائب سلطان محمد خاں بڑے تزک واحتشام سے سواروں اور پیادوں کے ساتھ آپؒ کا منتظر تھا، سلام ومزاج پرسی ہوئی، جہاں سے شہر کا دروازہ ایک کوس رہ جاتا ہے، وہاں سوار اور پیادہ استقبال کرنے والوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ راستہ چلنا مشکل ہو گیا، حصار کے دروازے پر جہاں کوہ شمالی اور کوہ جنوبی آکر ملتے ہیں اور ان کے درمیان سے کابل کی ندی بہتی ہے، اور اس کے شمالی ساحل پر شارع عام ہے، اور اس درے سے مغرب کی طرف جو وسیع میدان ہے، جب سواری وہاں پہنچی تو سلطان محمد خاں اپنے تین بھائیوں کے ساتھ پچاس سواروں کی جمعیت کے ساتھ استقبال کے لئے کھڑا ہوا تھا، سید صاحبؒ نے دیکھ کر دور سے ہاتھ اٹھا اٹھا کر سلام کیا، اس نے ادب سے سلام کا جواب دیا اور سواری سے اتر آیا، آپؒ نے بھی سواری سے اتر کر مصافحہ ومعانقہ کیا، پھر حضرتؒ کو سوار کرا کر خود سوار ہو کر ہم رکاب چلا، بے شمار روٴسا وعمائد شہر جوق جوق آرہے تھے، اور سلام ومزاج پرسی کرتے تھے، گھوڑوں اور ہجوم کی وجہ سے ایسی گرد اڑتی تھی کہ کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، سلطان محمد خاں نے اجازت چاہی اور اپنے نائب امین اللہ خاں سے کہا کہ حضرتؒ کو شہر کے بازار میں سے ہو کر لے جاؤ تا کہ تمام اہل شہر آپؒ کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن کریں، آپؒ بازار سے گزر کر وزیر فتح خاں کی شاندار حویلی اور دلفزا پائیں باغ میں مع قافلہ ٹھہرے، اس زمانے میں سردار کابل میں سخت اختلاف تھا، اور جنگ کی نوبت پہنچ گئی تھی، آپؒ مصالحت کی امید پر ڈیڑھ مہینے ٹھہرے رہے، جب کامیابی نہ دیکھی تو پشاور روانہ ہوئے (۱)، راستے میں مسلمان اس جوش ومحبت کے ساتھ استقبال کرتے تھے، جس کا مظاہرہ سارے سفر میں ہوتا رہا۔ (۲)

پشاور دو تین روز قیام رہا، وہاں سے ہشت نگر تشریف لے گئے، وہاں چند روز قیام کر کے اور وہاں کے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت وتبلیغ فرما کر خویشگی ہوتے ہوئے نوشہرے تشریف لائے، جہاں سے اس محبوب عمل عبادت عظمیٰ کا آغاز کیا گیا، جو برسوں کی دعوت وتبلیغ اور

---

(۱) مکتوب سید حمید الدین (قلمی) از کابل مورخہ ۱۹ ربیع الاول ۱۲۴۲ھ (۲) ایضاً ص ۲۲۲

جدوجہد کا ماحصل اور اس پر مشقت و پر محن سفر کا مقصد تھا جس کی نظیر پچھلی صدیوں کے فاتحین اور کشور کشاؤں کی تاریخ میں بھی ملنی مشکل ہے، اور جو صرف قوت ایمانی، شوق و محبت اور اعتماد علی اللہ کا کرشمہ تھا، یہ سید صاحبؒ کی عظمت و عزیمت اور حسنِ ترتیب کی ایسی یادگار ہے جس سے ہندوستان کی ہزار سالہ اسلامی تاریخ خالی ہے۔

بائیسواں باب

چمکنی سے نوشہرے تک

چکمنی سے ہشت نگر(۱)

آپ رحچکمنی سے کوچ فرما کر دریائے لنڈے اتر کر چارسدہ علاقہ ہشت نگر میں تشریف فرما ہوئے، آپؒ کی تشریف آوری کی خبر سن کر اس مقام کے تمام مرد مور و ملخ کی طرح آپؒ کی زیارت کے لئے جمع ہو گئے، جوانب واطراف کی عورتیں بھی مجتمع ہو گئیں، آپ اس وقت اونٹ پر سوار تھے، اونٹ کے زین پوش کی جھالر کو عورتوں نے تبرک کے طور پر توڑ لیا، اونٹ کی دُم کے بال نوچ لئے، اونٹ کے پیروں کے نیچے کی خاک بھی تبرک سمجھ کر کوئی عورت اپنی آنکھ میں لگاتی تھی، کوئی منہ پر ملتی تھی، کسی نے گھر لے جانے کے لئے وہ خاک اپنے کپڑے میں باندھ لی، سب لوگوں نے آپ کو لے جا کر بستی کے کنارے آپ کا خیمہ نصب کیا اور سب قافلہ وہیں اترا۔

لشکر کی معیت

غلے کی تقسیم اور اخراجات وغیرہ کے مہتمم مولوی محمد یوسف صاحب پھلتی تھے، مولوی صاحب نے بیان کیا کہ آج لشکر کے کھانے کا خرچ نہیں ہے، سید صاحبؒ کو اس کا علم ہوا تو آپ

---

(۱) یہاں سے جنگ بالاکوٹ تک جو حالات وواقعات لکھے جائیں گے، ان کا زیادہ تر ماخذ ''وقائع احمدی'' ہے، جو ان چشم دید واقعات کا مجموعہ ہے، جو ٹونک میں مرتب ہوئے، اور راویوں کے خود اپنے الفاظ میں نقل کر دیئے گئے، یہاں بھی کتاب کے الفاظ وعبارت میں کم سے کم تغیر کیا گیا ہے، جہاں کہیں قلمی خطوط، یا ''منظورۃ السعدا'' یا کسی اور ماخذ سے کوئی چیز نقل کی گئی ہے، وہاں اس کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔

دیر تک سکوت میں رہے، آپ نے فرمایا "کچھ فکر و تشویش کی ضرورت نہیں، یہ سب لوگ جس کے بندے ہیں، وہ آپ ان کی پرورش کرے گا" پھر فرمایا کہ باورچی خانے کے کچھ مٹی ظروف، دیگچی، طشت وغیرہ تسلی کے لئے کسی بقال کے یہاں رکھ کر آج کے واسطے جنس لے لو، پھر جیسا ہوگا دیکھا جائے گا، انہوں نے ایسا ہی کیا اور جنس لا کر حضرت سے پوچھا کہ اس کو کیونکر تقسیم کریں، آپ نے فرمایا کہ جس قدر سب کو پہنچے بانٹ دو، لشکر میں غلے کی تقسیم کے لئے ایک تاملوٹ تھا، اس میں تین پاؤ آٹا آتا تھا، ہر ایک کو ایک ایک تاملوٹ غلہ یا آٹا ملتا تھا، اس روز غلہ کی قلت کے سبب سے تین تین آدمیوں میں ایک تاملوٹ آٹا تقسیم ہوا، لوگ کھا پی کر اپنی خدمت پر مستعد ہوگئے، چوکیدار اپنے چوکی پہرے پر قائم ہوئے، شبینے والے گشت پر گئے اور پلول کا حکم لشکر میں پہنچا دیا اور لوگ آرام سے لیٹ گئے۔

لشکر گاہ کی رات

سید صاحبؒ چارپائی کے گرد اکثر مشتاق لوگ آپ کی باتیں سننے کے لئے رہا کرتے تھے، اور اس کثرت سے ہوتے تھے کہ کسی کا سر کسی کا پیر، کسی کا پیٹ، کسی کی پیٹھ، کسی کو کسی بات کا تکلف نہ تھا، جس نے جہاں کہیں جگہ پائی وہیں بے تکلیف سو رہا۔

پچھلی رات کو آپ اٹھے اور وضو کر کے نماز تہجد ادا کی، لوگوں نے بھی نماز پڑھی، آپ نے لوگوں سے فرمایا "یہ قبولیت دعا کا وقت ہے، جناب الٰہی میں دعا کرتا ہوں، تم سب مل کر آمین کہو" پھر آپ نے برہنہ سر گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی "اے پروردگار تو بڑا قادر و بے نیاز ہے ہم سب تیرے محتاج و ناچار بندے ہیں، تیرے سوا کوئی ہمارا حامی و مددگار نہیں، ہم سب تیری ہی رضامندی کے لئے اپنے شہر و دیار چھوڑ کر یہاں آئے ہیں، تو ہم سب پر اپنی رحمت کی نظر کر" اسی طرح کے الفاظ بار بار کہتے تھے، اس وقت ہر شخص کا کچھ اور ہی حال تھا گویا سب پر فنا کی سی حالت طاری تھی، دعا کے بعد کچھ حاضرین کو وعظ اور نصیحت فرمائی، پھر سو رہے، صبح کی اذان کے بعد بیدار ہوئے، استنجے سے فراغت کر کے وضو کیا، سنتیں پڑھیں، اس عرصے میں لشکر کے لوگوں کے علاوہ اس بستی کے تمام لوگ نماز کے لئے حاضر ہوگئے، آپ نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد بڑی

دیر تک دعا کی۔

سید محمد خاں کی حاضری

دن نکلے سردار سلطان محمد خاں کا سب سے چھوٹا بھائی سردار سید محمد خاں بالا حصار سے ملاقات کے لئے آیا، بہت سے لوگ اس کے ہمراہ تھے، اس نے بیعت کی، اس کے ہمراہیوں اور بستی کے لوگوں میں سے بھی بہت سے آدمیوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا، بیعت کرنے والوں کی اس قدر کثرت تھی کہ ہاتھ پکڑنے کی نوبت آنی بھی مشکل تھی، آپؒ نے اپنا دوپٹہ پھیلا دیا اور ان سب سے بیعت لی۔

اہل لشکر کے اخلاق

اکبر خاں لشکر میں ایک بہیلے دار تھے، اور رسول خاں نامی ملیح آباد کے رہنے والے بڑے بہادر اور بانکوں میں مشہور تھے، ان کا ایک بھتیجا دس گیارہ برس کا تھا، جس کو انہوں نے تعلیم وتربیت کے لیے اکبر خاں کے بہیلے میں رکھ دیا تھا، ہشت نگر میں جن لوگوں نے بیعت کی تھی، وہ کچھ مٹھائی بھی لائے تھے، وہ بھی اکبر خاں کے بہیلے میں تھی، اس لڑکے نے اس میں سے ایک یا دو ل لڈو کھا لئے، اکبر خاں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس کو ایک تھپڑ مارا کہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرے، کسی نے اس کی اطلاع رسول خاں کو کی کہ تمہارے بھتیجے کو اکبر خاں نے تھپڑ مارا، ان کو اس کا بڑا رنج ہوا اور غصے میں ان کی زبان سے کچھ سخت سست الفاظ نکل گئے، پھر کچھ سوچ سمجھ کر چپ ہو رہے، نور خاں نے یہ سارا واقعہ سید صاحبؒ کو سنایا، آپؒ رسول خاں کا بڑا خیال رکھتے تھے، آپ نے ان کو بلایا اور خاطر داری سے بٹھایا، اس کے بعد فرمایا ''ہم نے سنا ہے کہ اکبر خاں نے تمہارے بھتیجے کو تھپڑ مارا جس سے تم کو بڑا رنج ہوا، یہ بات تم کو نہ چاہئے، انہوں نے اپنا لڑکا سمجھ کر تعلیماً مارا ہوگا'' رسول خاں نے کہا ''حضرت جیسا میرا مزاج ہے، آپ بھی جانتے ہیں، اور اکثر لوگ واقف ہیں کہ مجھ کو کسی سخت بات کی برداشت نہیں، جب سے میں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی، تب سے وہ جہالت اور شورہ پشتی اللہ تعالیٰ نے دور کر دی، اگر وہی جہالت اور شیطنت، نعوذ باللہ مجھ میں ہوتی تو اس کے باوجود کہ آپ کے لشکر میں ہندوستانی وقندھاری وغیرہ اتنے لوگ

بہادری وشجاعت میں یکتائے زمانہ ہیں، مگر میں کسی کو خیال میں نہ لاتا اور سخت بات کا جواب تلوار ہی سے دیتا، لیکن میں نے سچے دل سے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی ہے، اکبر خاں تو میرے بھائی ہیں، مارا تو خوب کیا"۔

یہ بات سن کر آپؒ ان سے بہت خوش ہوئے اور ان کے لئے دعا کی۔

ایک جاسوس کی گرفتاری

ہشت نگر میں قندھاریوں نے ایک اجنبی آدمی کو گرفتار کیا اور کہا کہ بدھ سنگھ کا جاسوس ہے، بعض بعض قندھاریوں نے چاہا کہ اس کو مار ڈالیں، کسی نے یہ خبر آپؒ کو پہنچائی، آپ نے اسی وقت ایک آدمی بھیجا کہ خبردار اس پر کوئی شخص ہاتھ نہ ڈالے، اس کو سلامت ہمارے پاس لے آؤ، یہ حکم سن کر چند قندھاری اس کو لے کر آپ کے پاس گئے، آپ نے اس کو بلا کر اپنے خیمے میں بٹھایا اور جو قندھاری اس کو لائے تھے، ان کو رخصت کر دیا، نماز عشا سے فارغ ہو کر آپ نے اس آدمی کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا" تو اپنا حال ہم سے سچ سچ بیان کر دے، کسی بات سے مت ڈر" اس نے کہا "حضرت سچ بات تو یہ ہے کہ بدھ سنگھ لشکر کے ساتھ دریائے اٹک پر اتر کر خیر آباد میں داخل ہوا ہے، اس کو یہ اطلاع ملی ہے کہ کوئی سید صاحبؒ ہندوستان سے ملک گیری کے ارادے سے ایک بڑا لشکر لے کر ہشت نگر میں آئے ہیں، اس لئے مجھے جاسوس کے طور پر بھیجا کہ مفصل حالات دریافت کر کے اطلاع دوں"۔

آپؒ نے اس کی گفتگو سن کر فرمایا" ہماری طرف سے بدھ سنگھ سے کہنا کہ جیسے تم رنجیت سنگھ کے مطیع و فرمانبردار ہو اور وہ تم کو جہاں کہیں بھیجتا ہے، وہاں جاتے ہو، اسی طرح ہم بھی اپنے آقا کے فرمانبردار اور غلام ہیں، وہ ہم کو جو کچھ فرماتا ہے، وہی ہم بجالاتے ہیں، ہم اسی کے بھیجے ہوئے ہندوستان سے یہاں آئے اور عنقریب ہم سے تم سے مقابلہ ہوگا"۔

اس کے بعد آپ نے اللہ بخش خاں جماعت دار کو بلایا اور فرمایا کہ اس آدمی کو ہمارے لشکر میں ڈیرے ڈیرے کی سیر کرا کر کچھ رات رہے، حفاظت سے لشکر کے باہر دو ڈیڑھ کوس تک پہنچا دینا، یہ وہاں سے چلا جائے گا۔

لشکر گاہ کی تبدیلی

صبح کو اکوڑے کا رئیس امیر خاں خٹک ملاقات کے لئے آیا اور شرف بیعت سے مشرف ہوا اور عرض کی ''میرا بھتیجا فیروز خاں کا بیٹا خواص خاں میرا مخالف ہو گیا ہے، اس نے بدھ سنگھ کو اکوڑہ بلایا ہے، اگر وہ سکھ سردار اکوڑے میں آکر دریائے لنڈے کے درے اترا تو تمام ملک سمہ(۱) کو تاراج کر دے گا، مناسب یہ ہے کہ آپ یہاں سے کوچ کریں اور اس کو وہیں روکیں''۔

خویشگی میں

دوسرے روز آپؒ وہاں سے کوچ کر کے موضع خویشگی میں رونق افروز ہوئے، نماز مغرب کے بعد میاں عبداللہ نے آکر عرض کیا ''یہ بستی چھوٹی ہے، یہاں کھانے کی جنس کم ملتی ہے، اور لشکر میں لوگ بہت ہیں'' آپ نے اس وقت تمام حاضرین سے فرمایا ''ہم دعا کرتے ہیں، تم سب مل کر آمین کہو'' پھر آپؒ سر برہنہ دعا میں مشغول ہوئے، لوگ آمین کہتے تھے، جب دعا سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ بھائیو، ہر شخص اس وقت سے عشا کی اذان تک لا الہ الا اللہ پڑھے، سب نے ویسا ہی کیا، اذان عشا کے بعد ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کی کہ آٹے کی کشتی دریا کے کنارے موجود ہے، اپنے لوگوں کو بھیج کر منگوالیں، آپ نے یہ سن کر میاں عبداللہ سے کہا کہ تم کچھ لوگوں کو لے کر جاؤ اور وہاں سے آٹا لاؤ اور یہاں لا کر جاجم پر جمع کر دو، عبداللہ تو اس طرف آٹا لینے کو گئے، اور آپؒ نے وضو کر کے لوگوں کو نماز عشا پڑھائی، جب لوگ وہاں سے آٹا لائے، یہاں لشکر میں ایک جاجم پر جمع کر دیا، میاں عبداللہ نے آکر اطلاع کہ سب آٹا وہاں سے آگیا، آپؒ نے پوچھا ''کس قدر ہوگا؟'' کہا ''پندرہ من کے قریب ہوگا'' آپؒ نے فرمایا کہ جب تک ہم وہاں نہ آئیں، آٹا تقسیم نہ ہو، آپؒ وہاں تشریف لے گئے، اس میں سے تھوڑا آٹا اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ورزاقی اور اپنی مفلسی محتاجی کا دیر تک بیان کرتے رہے، پھر وہ آٹا بسم اللہ کر کے اس انبار میں ڈال دیا اور جاجم کے دونوں کونے لوٹوا دیئے اور فرمایا کہ دو روزہ سب کو تقسیم کر دو، اس

---

(۱) سمہ سے مراد وہ میدانی علاقہ ہے، جو دریائے سندھ اور سرحدی پہاڑوں کے درمیان ہے، پشاور ضلع مردان اسی علاقے میں واقع ہیں۔

وقت لشکر میں پندرہ سو کے قریب لوگوں کی جمعیت تھی، کچھ کم پانچ سو ہندوستانی اور کچھ اوپر دو سو قندھاری اور کوئی آٹھ سو کے قریب ملکی لوگ ہوں گے، شیخ باقر علی صاحب آٹا تقسیم کرنے لگے، جو ہندوستانی اور قندھاری تھے، ان کو سب دو روزہ دیا، اور جو لوگ وہیں نزدیک کے رہنے والے تھے، اپنے اپنے گھروں سے اکثر کھا کر آئے تھے، اور جو اپنے گھروں سے کھا کر نہیں آئے تھے، ان میں سے جس نے مانگا، اس کو بھی دیا، جب سب کو تقسیم کر چکے تو کچھ آٹا بچ رہا، آپؒ نے فرمایا کہ وہ آٹا ہمارے باورچی خانے کے منتظم شیخ قادر بخش کے حوالے کر دو، اسی وقت لوگوں نے اپنی اپنی جماعت میں روٹیاں پکائیں اور کھا پی کر عہدے پر قائم رہے۔

لشکر کا انتظام

لشکر میں ابتدا سے چار جماعتیں تھیں، اور چار جماعت دار تھے، ایک جماعت خاص مشہور تھی، اور اس میں سید صاحبؒ بنفس نفیس تھے، وہ جماعت مولوی محمد یوسف صاحب کی تھی، وہ ہمیشہ کوچ اور مقام میں داہنی جانب کو ہوتی تھی، دوسری جماعت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی تھی، وہ کوچ اور مقام میں آگے ہوتی تھی، تیسری جماعت سید محمد یعقوب صاحب کی تھی، اس جماعت میں ان کے نائب شیخ بڈھن تھے، سید محمد یعقوب صاحب ٹونک میں تھے، یہ جماعت کوچ اور مقام کے وقت بائیں طرف رہتی تھی، چوتھی جماعت اللہ بخش خاں کی تھی، وہ پیچھے رہتی تھی، متفرق اشخاص بیچ میں ہوتے تھے، سید صاحبؒ کا خیمہ خاص جماعت کے قریب نصب کیا جاتا تھا۔

حکومت لاہور کو اعلام نامہ

اسی نظم و انتظام کے ساتھ آپؒ نے موضع خویشگی سے کوچ کر کے ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ (۱۸ر دسمبر ۱۸۲۶ء) کو نوشہرے میں قیام کیا، آپؒ نے حکومت لاہور کو شرعی دستور کے مطابق اس مضمون کا اعلام نامہ تحریر فرمایا تھا۔

۱۔ یا تو اسلام قبول کر لو (اس وقت ہمارے بھائی اور ہمارے مساوی ہو جاؤ گے، لیکن اس میں کوئی جبر نہیں۔)

۲۔ یا ہماری اطاعت اختیار کر کے جزیہ دینا قبول کرو، اس وقت ہم اپنے جان و مال کی

طرح تمہارے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔

۳۔ آخری بات یہ ہے کہ اگر تم کو دونوں باتوں میں سے کوئی بھی منظور نہیں تو لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ، مگر یاد رکھو کہ سارا یاغستان اور ملک ہندوستان ہمارے ساتھ ہے، اور تم کو شراب کی محبت اتنی نہ ہوگی، جتنی ہم کو شہادت کی ہے۔(۱)

ایک مخبر نے آکر خبر دی کہ بدھ سنگھ لشکر کے ساتھ اکوڑے میں داخل ہو گیا، یہ سنکر آپؒ نے فرمایا کہ خبردار، کوئی شخص کمر نہ کھولے، ہوشیاری سے تیار رہے، اور جس کو کھانا پکانا ہو دن ہی کو پکا کر کھالے۔

---

(۱) ''سوانح احمدی'' میں اس اعلام نامے کے ذکر کے ساتھ اتنا اضافہ ہے ''دربار لاہور نے براہ نخوت اس اعلام نامے کا کچھ جواب نہیں دیا، بلکہ قاصد آرندہ اعلام نامہ کو دربار سے نکلوا دیا، اس سبب سے اب جنگ کی تیاری شروع ہوئی'' (سوانح احمدی'' ص ۱۲۶)

تئیسواں باب

اکوڑے کی جنگ

شب خون کا فیصلہ

اس وقت تک مجاہدین کو سکھوں سے جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی، جنگی مصلحتوں کا تقاضا تھا کہ پہلا معرکہ کامیاب ہو اور دشمن پر مجاہدین کی جانبازی کا نقش قائم ہو جائے، حریف کی تعداد سات ہزار بیان کی جاتی تھی، اس کے مقابلے میں جن مجاہدین پر اعتماد کیا جا سکتا تھا، وہ صرف پانچ سو ہندوستانی اور دو سو قندھاری تھے، ملکیوں کی شجاعت اور میدان جنگ میں ثابت قدمی کا ابھی تک کوئی تجربہ نہ تھی، دراصل ابھی مجاہدین کی تعداد و استعداد اس درجے کو نہیں پہنچی تھی کہ اتنے کثیر التعداد دشمن سے میدان کی جنگ لڑی جائے، اس تمام نشیب و فراز کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا گیا کہ پہلا معرکہ شب خون کی صورت میں ہوتا کہ اصل اور مرکزی طاقت کو محفوظ رکھتے ہوئے دشمن پر ضرب لگائی جائے اور اس کو ہراساں زدہ کر دیا جائے۔

مجاہدین کی فہرست

نماز ظہر کے بعد آپؒ نے اپنے خاص خاص لوگوں سے کچھ مشورہ کیا اور چاروں جماعت والوں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی جماعت سے اچھے اچھے چست و چالاک جوانوں کے نام ایک فرد پر لکھ کر لائیں اور ان میں سے جس کے پاس اچھے درست ہتھیار نہ ہوں، دوسرے بھائیوں سے بدل لیں۔(۱)

---

(۱) قلمی مکتوب سید صاحبؒ

ایک بیمار مسلمان کا شوق جہاد

وہ چاروں جماعت دار ناموں کی فرد لے کر آئے، اور آپؒ کے حوالے کی، آپؒ نے اس فرد کو دیکھ کر چند نام ان میں سے نکال دیے اور ان کی جگہ دوسروں کو درج کیا، وہ لوگ اکثر اِکّوں میں تھے، ان میں عبدالمجید خاں جہان آبادی رائے بریلی والے بھی تھے، ان کو بخار آتا تھا، سید صاحبؒ نے اسی سبب سے ان کا نام نہیں رکھا، یہ خبر سن کر وہ اسی بخار کی حالت میں بستر سے اٹھ کر آئے اور آپؒ سے پوچھا کہ آپ نے میرا نام فرد میں کیوں داخل نہیں کیا، آپؒ نے ان کی تسلی کی اور فرمایا کہ تم کو بخار آتا ہے، اس لئے ہم نے تمہارا نام نہیں لکھایا انہوں نے کہا ''حضرت آج کافروں سے پہلا مقابلہ ہے، گویا آج سے جہاد فی سبیل اللہ کی بنا قائم ہوتی ہے، میں ایسا سخت بیمار نہیں ہوں کہ جا نہ سکوں، میرا نام آپ مجاہدین میں ضرور داخل فرمائیں''۔

آپ نے ان کا نام بھی فرد میں لکھایا اور کہا ''بارک اللہ وجزاک اللہ، اللہ تعالیٰ تم کو دین کی کوشش کی زیادہ توفیق عنایت کریں''۔

مجاہدین کی روانگی

۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ کو نماز مغرب کے بعد آپؒ نے اللہ بخش خاں صاحب(۱) جماعت دار کو بلایا اور لڑائی کے چند قانون جو آپؒ نے اس وقت مناسب جانے ان کو تعلیم فرمائے اور کہا کہ ہم نے تم کو اس چھاپے کی جماعت کا امیر کیا، تم اس وقت کچھ لوگ لے کر دریا کے پار اس کنارے پر ٹھہرو، جب اور لوگ یہاں سے جا کر تمہارے پاس جمع ہوں، تب سب صاحبوں سے کہہ دینا کہ گیارہ گیارہ بار سورہ "لایلف" پڑھ لیں، پھر وہاں سے کوچ کرنا، اللہ تعالیٰ مدد کرے گا''۔

خان ممدوح چند آدمی ساتھ لے کر کشتی پر سوار ہو کر دریا کے پار گئے، اور وہاں ٹھہر کر باقی لوگوں کا انتظار کرنے لگے، یہاں لشکر میں سید صاحبؒ نے نماز عشا کے بعد جن کے نام فرد میں تھے، ان کو بلایا اور فرمایا، بھائیو! یہاں سے وہ مکان جہاں جانا ہوگا چھ سات کوس ہے، جس کو اتنی

---

(۱) یہ اللہ بخش مورانئیں کے وہی سپاہی ہیں، جن کو دیکھ کر سید صاحبؒ بہت خوش ہوئے تھے، اور بڑی تعریفیں کی تھی، اور کہا تھا کہ یہ لوگ ہمارے کام کے ہیں، پیرزادے ہمارے کام کے نہیں اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم سے بہت کام لے گا۔

دور جانے اور پھر آنے کی بخوبی طاقت ہو، وہ تو جائے اور نہیں تو نہ جائے، اور جس کو بیماری وغیرہ کا کچھ اور عذر ہو، وہ بھی بیان کر دے، ہم اس کے عوض کسی اور کو بھیجیں، وہاں جو حاضر تھے، وہ تو سب جانے ہی کی نیت سے آئے تھے، اور ہر کسی کو یہی اشتیاق تھا کہ ہم جائیں، اگر چہ کچھ عذر بھی تھا، مگر جب آپؒ نے اپنی زبان سے یوں فرمایا، تب ان میں سے دو چار آدمیوں نے اپنی اپنی ناطاقتی وغیرہ کا عذر معقول بیان کیا، آپؒ نے ان کے عوض دوسروں کو شامل کر دیا۔

پھر آپؒ ہندوستان وقندھاری اور ملکی لوگوں سے تقریباً نوسو آدمیوں کو لے کر دریا کے کنارے تشریف لے گئے، آدمیوں کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سو چھبیس یا کچھ کم وبیش ہندوستانی تھے، اور اسی کے قریب قندھاری تھے، اور باقی ملکی لوگ تھے۔

اسی عرصے میں اللہ بخش خاں صاحب بھی چند آدمیوں کے ہمراہ کشتی پر سوار ہو کر آپؒ سے ملنے اور رخصت ہونے کو اس پار اتر آئے، آپؒ نے لوگوں سے فرمایا کہ ہم جناب الٰہی میں دعا کرتے ہیں، تم سب مل کر آمین کہو، پھر آپؒ سر کھول کر دعا میں مشغول ہوئے کہ اے پروردگار، قادر بے نیاز اور اے کریم کارساز، بندہ نواز، یہ تیرے بندے محض عاجز و خاکسار، ضعیف وناچار ہیں، تیری ہی مدد کے امیدوار ہیں، تیرے سوا ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں، یہ صرف تیری ہی رضامندی اور خوشنودی کو جاتے ہیں، تو ہی ان کی مدد کر، اسی طرح کے الفاظ اپنی زبان مبارک سے دیر تک فرمایا کئے۔

روانگی کا منظر

دعا کے بعد سب لوگ آپس میں ملے اور ایک دوسرے سے اپنا کہا سنا معاف کرایا اور کہا ''اگر اللہ تعالیٰ زندہ سلامت لائے گا تو پھر ہم تم ملیں گے، اور جو وہاں شہید ہو گئے تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ ہماری ملاقات جنت میں ہوگی''۔

پھر ہر شخص سید صاحبؒ سے دست بوس ہو کر کشتی پر سوار ہوا، اس وقت وہاں تین کشتیاں تھیں، تین تین پھیروں میں سب لوگ پار اتر گئے، اور سورہ ''لایلٰف'' گیارہ گیارہ بار پڑھ کر اکوڑے کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ سب مجاہدین جاتے جاتے فوج مخالفین کے ورے پاؤ کوس کے فاصلے پر ایک نالے
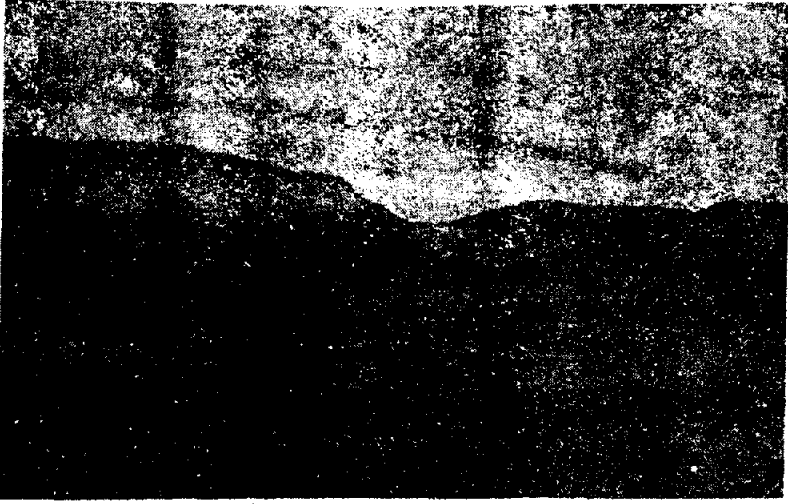
دریائے کابل کو عبور کر کے مجاہدین اکوڑہ کے میدان میں آئے

بستی اکوڑہ، جہاں مجاہدین نے پہلی جنگ کی

پر ٹھہرے، وہاں امیر جماعت اللہ بخش خاں صاحب سے مولوی امیر الدین صاحب ولایتی نے مشورۃً کہا "یہ ملکی لوگ جو ہمارے ساتھ ہیں، اگر ان کو آگے کریں تو ہمیں ان پر بھروسہ نہیں، شاید وقت پر طرح دے جائیں، اور اگر اپنے لوگوں کو آگے کریں تو وہ یہاں کے راہ گھات سے ناواقف ہیں، کیا تدبیر کرنی چاہیئے؟" پھر آخر کو یہ صلاح ٹھہری کہ خدا پر توکل کر کے اپنے ہی لوگوں کو آگے کیا جائے، مگر ملکی لوگوں میں سے ایک شخص کو جو وہاں کے حال سے واقف تھا، آگے بھیجا کہ جا کر لشکر مخالف کی خبر لائے کہ کس طرف لشکر کے لوگ غافل ہیں، اور کس طرف ہوشیار۔

سکھوں کے لشکر کا معمول تھا کہ جہاں کہیں اترتے، لشکر کے گرد خاردار درخت کاٹ کر سنگر بنا لیتے تھے کہ یکا یک کسی غنیم کی فوج نہ آپڑے، کچھ دیر میں وہ آدمی وہاں کی خبر لایا اور کہا کہ فلاں طرف لوگ غافل ہیں، اور لوگوں کو لے جا کر ان کے سنگر کے قریب کھڑا کر دیا۔

راہ خدا کا پہلا شہید

اس وقت لشکر کفار میں گھڑیالی نے تین پہر پر تین گھڑیاں بجائیں، ادھر سے بآواز بلند اللہ اکبر! کہہ کر سب مجاہدین سکھوں کی فوج میں گھس پڑے، اس عرصے میں ادھر کے ایک پہرے والے نے بندوق ماری، قضائے الٰہی سے وہ گولی شیخ باقر علی صاحب کے لگی، وہ اسی جگہ بیٹھ گئے اور کہا "کوئی بھائی میرے پاس کے ہتھیار لے لے، یہ اللہ کا مال ہے، میرا کام تو ہو گیا، مگر ارمان دل میں باقی رہا"۔

مجاہدین کی شجاعت

مجاہدین میں جو لوگ دلاور و جرار و کار آزمودہ تھے، وہ دس دس، پانچ پانچ سکھوں کے ہر خیمے کی طرف جھکے اور ان کی طنابیں کاٹ کاٹ کر گرانے لگے، اور نو تعلیم مجاہدین سے کہا کہ تم ان خیموں کے آدمیوں کی خبر لیتے جاؤ، یہ لوگ تو ان کی مار کوٹ میں مشغول ہوئے، اور ملکی لوگ لوٹنے پر جھکے، کسی نے گھوڑی لی، کسی نے ہتھیار لئے، کسی نے کپڑے وغیرہ لئے اور اپنے اپنے گھروں کو چلنے لگے، یہاں مجاہدین میں سے کسی نے چار آدمی مارے، کسی نے دس، کسی نے زیادہ، عبدالمجید خاں بریلوی نے چودہ پندرہ آدمیوں کے قریب مارے، اس عرصے میں ان کی تلوار ٹوٹ گئی، مولوی امیر الدین

صاحب دو تلواریں باندھتے تھے، اپنی ایک تلوار خاں صاحب کو دی، اس تلوار سے بھی کئی سکھ مارے۔

عبداللہ بسم اللہ نام ایک مخنث تھا، اس کے پاس برچھی تھی، اس نے سات یا آٹھ آدمی برچھی سے مارے، اسی طرح اللہ بخش خاں اور شمشیر خاں جمعدار اور غلام رسول خاں اور غلام حیدر خاں اور شیخ ہمدانی اور علی حسن، شیخ بڈھن، شیخ رمضانی، مرزا ہمایوں بیگ اور بہت صاحبوں نے دشمن کے آدمی مارے اور جوانمردی اور شجاعت کی داد دی، بقیۃ السیف شکست فاش کھا کر بھاگنے لگے، جس نے جس طرف موقع پایا، اپنی تلوار بندوق لے کر فرار ہو گیا، دس دس، پانچ پانچ مجاہدین ان کے ڈیروں، خیموں کی طرف متفرق ہو گئے۔

اس عرصے میں چند مجاہدوں نے ان کے توپخانے پر قبضہ کر لیا، اس اثنا میں توپخانے کے ایک خلاصی یا گولہ انداز نے رن مہتاب کو آگ دی اور اس کی ڈور کھینچ کر اسے بلند کیا اور آپ وہاں سے ایک طرف بھاگ گیا، اس وقت روشنی سے گویا تمام لشکر میں دن ہو گیا، اس وقت تک مجاہدین میں گنتی کے کوئی دس پندرہ آدمی زخمی اور شہید ہوئے ہوں گے، خود بدھ سنگھ اس رات اکوڑے میں نہ تھا، لشکر میں فقط اس کا خیمہ کھڑا تھا، ایک طرف لشکر کے باہر ان بھاگتے ہوئے سکھوں نے ایک چھوٹا سا نقارہ بجایا اور اس روشنی میں دیکھا کہ مجاہدین تھوڑے ہیں، کہیں کہیں دس دس پانچ پانچ نظر آتے ہیں، وہ بندوقیں لے کر یکبارگی حملہ آور ہوئے، مجاہدین بھی جا بجا سمٹ کر ایک جانب کو ہو گئے اور دونوں طرف سے بندوقیں چلنے لگیں، مجاہدین کی طرف سے کسی نے آواز دی کہ اب یہاں سے نکل چلو، لوگوں نے نکلنے کا ارادہ کیا، فتح علی عظیم آبادی کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے دیکھا کہ اللہ بخش خاں جو ہم لوگوں کے امیر تھے، چند آدمیوں کو اپنے ہمراہ لئے باہر نکلنے کے ارادے سے چلے آتے ہیں، اور ان کے پیچھے سکھ ہلہ کرتے آتے ہیں، اس وقت شیخ ہمدانی اور علی حسن قواعد کے ساتھ بھرماری کی بندوقیں چلا رہے تھے، اس وقت ہماری طرف ایک ایک دو دو شہید اور زخمی ہونے لگے، چنانچہ سید رستم علی صاحب بھی اسی جگہ زخمی ہوئے، اس عرصے میں اللہ بخش خاں امیر شیخ ہمدانی اور علی حسن کے برابر پہنچے کہ لشکر سے باہر نکلیں، تب انہوں نے آواز دی "اللہ بخش خاں صاحب تم کو حضرت نے سردار کر کے بھیجا تھا، اب تم اس وقت کفار کے مقابلے سے

نکلے جاتے ہو، یہ بات سن کر اللہ بخش خاں صاحب اپنے ہمراہیوں کو لے کر کافروں کے مقابلے کو چلے، ان کو دیکھ کر اور لوگ بھی پھرے اور ان میں شریک ہوگئے، سب ملا کر کوئی پچاس ساٹھ غازی ہوں گے، وہ بندوقیں مارنے لگے، جب سکھ اور نزدیک آگئے تب قرابین اور شرتیچے سر کرنے لگے، پھر آخر کو تلواروں کی نوبت آئی، یہاں تک کہ تلوار کے مارے ان کا حلہ ہٹادیا، اللہ بخش خاں صاحب اور ان کے اکثر ہمراہی اس حلے میں شہید ہوگئے اور بہت غازی زخمی بھی ہوئے۔

لشکر کی مراجعت

یہ حال دیکھ کر اکثر لوگوں نے جو باقی رہ گئے تھے، قصد کیا کہ ہم بھی جا کر انہیں میں شامل ہوں، تب اکبر خاں صاحب نے جو بڑے دلاور اور جہاں دیدہ آدمی تھے، لوگوں کو روکا اور کہا بھائیو! کیا آج ہی لڑنا ہے؟ اب یہاں سے چلو، انشاء اللہ تعالیٰ پھر کافروں کو ماریں گے، اور سب کو سمجھا کر پھیر لائے۔

اس وقت صبح صادق خوب نمودار ہوگئی تھی، وہاں سے دریا بہت ہی نزدیک تھا، کوئی کوئی لوگ جو آگے نکل گئے تھے، ان میں سے کسی نے جا کر دریا پر اذان کہی، جس سے پیچھے والوں کو معلوم ہوا کہ ہمارے کچھ لوگ آگے پہنچ گئے۔

پھر لوگوں نے سنگر سے نکل کر انتظام کے ساتھ راستہ لیا اور مخالفین میں سے کسی نے ان کا تعاقب نہیں کیا، وہاں سے کوس بھر پر تیمم کر کے نماز فجر پڑھی، نماز کے بعد وہاں سے چلے اور اسی گھاٹ پر آئے جہاں سے اترے تھے، سید صاحبؒ بہت سے لوگوں کے ساتھ دریا پر کھڑے تھے، آپؒ نے کچھ لوگوں کو مجاہدین کی تقویت کے لئے بھیجا کہ ایسا نہ ہو، سکھوں نے تعاقب کیا ہو، یہ لوگ باقی ہمراہیوں کے انتظار میں عصر تک اسی پار رہے، جب پیچھے کے اکثر لوگ دو دو، چار چار کر کے آگئے، تب سب کشتی پر سوار ہو کر اترے اور پہر رات گئے تک اکثر لوگ دریا میں اتر کر لشکر میں داخل ہوئے اور سید صاحبؒ سے مصافحہ کیا اور ملاقات کی، آپؒ نے شہدا کے لئے دعائے مغفرت کی، لوگ ایک ایک دو دو کر کے صبح تک آیا کئے، زخموں کا معالجہ اور مرہم پٹی ہوئی، ڈیرے ڈیرے، جہاں سے لوگ گئے تھے، ان کا شمار کیا گیا، معلوم ہوا کہ ہندوستانیوں سے کوئی چھتیس

آدمی شہید ہوئے، اور قندھاریوں سے کوئی چالیس پینتالیس اور دونوں میں سے کل تیس چالیس آدمی زخمی ہوئے، سکھوں کے سات سو آدمی مارے گئے۔

یہ واقعہ ۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ (مطابق ۲۰؍دسمبر ۱۸۲۲ء) چہارشنبہ اور پنجشنبہ کی درمیانی شب کا ہے۔

جنگ اکوڑہ کے شہدا

اس جنگ کے شہدا کے نام مع ان کی وطنیت کے لکھے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کی سعادت اور شوق شہادت ان کو کہاں کہاں سے کھینچ کر لایا تھا۔

شیخ باقر علی عظیم آبادی، اللہ بخش خاں مورانوی (ضلع اناؤ) امیر سریہ، عبدالمجید خاں جہان آبادی رائے بریلوی، شمشیر خاں جمعدار مورانوی (ضلع اناؤ) شیخ بڈھن، شیخ رمضانی مورانوی (ضلع اناؤ) شیخ ہمدانی خالص پوری ملیح آبادی (ضلع لکھنؤ) علی حسن گنتوی (نزد مانکپور ضلع پرتاپ گڑھ) غلام حیدر خاں خالص پوری (ضلع لکھنؤ) غلام رسول خاں خالص پوری، خدا بخش خاں (بمبئی) شادل خاں خیرآبادی (اودھ) کریم بخش خاں بڈھانوی (روہیلکھنڈ) کریم بخش، مسجد فتحپوری (دہلی) میاں جی احسان اللہ بڑھانوی، شیخ معظم جگدیش پوری (ضلع پرتاپ گڑھ) دین محمد کور ہرستانوی(۱) بیسواڑہ (اودھ)، عباداللہ (مئو ضلع اعظم گڑھ) قاضی طیب، امام خاں خیرآبادی، اولاد علی مادھوی، ہمایوں بیگ لکھنوی، امام الدین خاں رامپوری، سید محمد لہاروی (ضلع مظفرنگر) محمد کمال خرم پوری، فہیم خاں حسین پوری (ضلع مظفرنگر) سید عبدالرحمٰن شیاملی (ضلع مظفرنگر)، شیخ مخدوم مسجد فتح پوری (دہلی)، غلام نبی خاں گوالیاری، عبدالرزاق دیوبندی، جواہر خاں لکھنوی، منور خاں ملیح آبادی (اودھ) عبدالجبار مورانوی، سید عبدالرحمٰن سندھی، حسن خاں سندھی، اکبر خاں خالص پوری (اودھ)۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

---

(۱) کور ہرستاؤں ضلع رائے بریلی میں ہے۔

مومن کا یقین

مولانا اسمٰعیل صاحبؒ نے سید صاحبؒ سے کہا "یہاں جو واقعہ گزرا ہے، اس کا حال ہندوستان لکھ کر بھیجنا ضروری ہے، اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟" فرمایا "بہتر ہے" مولانا نے پوچھا "جو لوگ شہید ہوئے ہیں، ان سب کے نام بھی خط میں لکھے جائیں یا یوں ہی مجمل تذکرہ کر دیا جائے؟" آپ نے کچھ دیر سکوت کیا، پھر فرمایا "یوں لکھ دیجئے کہ عنایت الٰہی سے ہم سب لوگ یہاں خوشحال ہیں" مولانا نے کہا "حضرت میں آپؒ کے کلام کو اچھی طرف نہیں سمجھا، ذرا تفصیل سے فرمائیں" آپؒ نے فرمایا "مفصل یہ ہے کہ جو لوگ یہاں زندہ موجود ہیں، یہ بھی خوشحال ہیں، اور جو شہید ہوئے اور اپنی مراد کو پہنچے، وہ ہم سب سے زیادہ خوشحال ہیں"۔

اکوڑے کی جنگ کا اثر

اس جنگ کا اثر مسلمانوں اور مخالفین پر خاطر خواہ ہوا، مسلمانوں کے دل بڑھ گئے اور حوصلے بلند ہوئے، دربار لاہور کی بھی آنکھیں کھلیں، ملکی سردار جوق جوق آ کر مبارکباد دینے لگے۔

سردار بدھ سنگھ نے اس ہزیمت کے بعد موضع شیدو سے جہاں وہ اکوڑے کے بعد مقیم تھا پیچھے ہٹ جانے کا ارادہ کیا، لیکن اٹک کا قلعہ دار یہ خبر سن کر مانع ہوا کہ اس وقت یہاں سے پیچھے ہٹنا مناسب نہیں ہے، اگر آپ یہاں سے چلے جائیں گے تو مجاہدین کا لشکر خیرآباد اور اٹک کو تباہ کر دے گا، یہ سن کر بدھ سنگھ نے موضع شیدو میں لشکر کے گرد سنگر باندھنے کا سامان جمع کیا، امیر خاں سے یہ سن کر سید صاحبؒ نے صبح کو نوشہرے سے کوچ فرمایا اور جو لوگ وہاں زخمی تھے، ان کی خدمت اور خبر گیری کے واسطے دو صاحبوں (عبدالقیوم اور سید امانت علی) کو چھوڑا اور اس روز تمام لشکر کے ساتھ مصری بھانڈے میں مقام کیا، دوسری منزل موضع تور ڈھیر میں کی۔

حضرو کا چھاپہ (۱)

اس وقت اہل سرحد کو سید صاحبؒ کی جماعت کی قوت اور جنگی صلاحیت کا کوئی اندازہ نہ تھا، لاہور کی منظم حکومت کے مقابلے میں وہ اس بے سروسامان قافلے سے کوئی بلند توقعات نہیں رکھتے تھے، لیکن اکوڑے کے شب خون اور اس میں مجاہدین کی جانبازی و مردانگی کے جوہر دیکھ کر سب کو اس کا احساس ہوا کہ یہ سرفروش مجاہدین کی ایک جماعت ہے، جس میں عزم اور نظم دونوں جوہر پائے جاتے ہیں، اور سرحد کے ان مجاہدین میں جو وقتاً فوقتاً ''غزا'' کے نام سے جمع ہو جایا کرتے تھے، ان دونوں کا امتزاج و اجتماع بہت کم پایا جاتا تھا، خود سکھوں کو بھی ایسے سربکف اور جانباز مجاہدین سے واسطہ نہیں پڑا تھا، مشہور تھا کہ سکھان ایں چنیں مقاتلان دیدہ و شنیدہ نہ شدہ'' اطراف و جوانب میں بھی اس واقعے سے مجاہدین کی دھاک بیٹھ گئی اور ہر طرف سے لوگوں کی آمد شروع ہوگئی، ایک مکتوب میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ''بہ ظہور ایں واقعہ مسلمین ایں دیار فراہم شدن شروع کردند''۔

جن ملکی سرداروں کو اس واقعے نے خاص طور پر متوجہ کیا اور ان کے دل میں سید صاحبؒ کے پاس آنے اور آپؒ سے اشتراک عمل کرنے کی تحریک پیدا کی، ان میں سردار خادے خاں (۲)

---

(۱) یہ چھاپہ نہ تو سید صاحبؒ کے ایما اور حکم سے ہوا تھا، نہ جماعت مجاہدین کی اس میں باضابطہ شرکت تھی، قندھاریوں میں سے صرف تیس چالیس اشخاص اپنی خواہش اور آپؒ کی اجازت سے شریک ہوگئے تھے، اس کا تذکرہ ضمنی طور پر سیرت میں آنا چاہئے، اس واقعے کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے انعقاد بیعت و امامت اور جماعت کی تنظیم کے خیال کو تقویت ہوئی اور اس کے بعد سید صاحبؒ کے دست مبارک پر باقاعدہ بیعت امامت کی گئی، تاکہ تمام امور شرعی طریقے پر انجام دیئے جاسکیں۔ (۲) اصل نام شادی خاں تھا، پشتو میں اکثر ''ش'' کو ''خ'' سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

رئیس ہنڈ (۱) خاص طور پر قابل ذکر ہے، جو اس نواح کا ایک نامی گرامی سردار اور اس علاقے کا ایک طاقتور رئیس اور خان تھا، وہ چالیس پچاس سواروں کے ساتھ ملاقات کے لئے آیا، خلوت میں آپؒ سے کچھ مشورہ کیا اور وہیں آپؒ سے بیعت کی اور کہا'' آپ کو اس بستی میں رہنا مناسب نہیں ہے، یہاں سے آپ میرے پاس چل کر ٹھہریں، وہاں ہر ایک چیز کا آرام ہے'' چونکہ ہنڈ میں ایک مضبوط قلعہ موجود تھا، وہاں کا سردار اصرار سے دعوت دے رہا تھا، اور نصرت ورفاقت کا وعدہ کرتا تھا، اور چونکہ شروع ہی سے یہ بات سید صاحبؒ کے پیش نظر تھی کہ سرحدی خوانین اور سرداروں کی رفاقت وتعاون سے جہاد کا کام انجام دینا ہے، اس لئے آپؒ کو اس پیش کش کے منظور کرنے میں کوئی عذر نہیں ہوسکتا تھا، آپؒ نے اس کی دعوت منظور فرمائی، صبح سردار خادے خاں آپؒ کو تمام لشکر کے ساتھ لے گیا اور موضع بازار میں جو ہنڈ کے مشرق میں تقریباً ایک میل کے فاصلے پر لب دریا واقع تھا، آپؒ کا قیام تجویز کیا۔

سید صاحبؒ کی آمد کی اطلاع سن کر اطراف وجوانب کے سردار وخوانین ملاقات کے واسطے حاضر ہوئے، کچھ کم یا زیادہ پانچ ہزار آدمیوں کی جمعیت ہوگئی۔

حضرو پر چھاپہ

ان سرداروں اور خوانین نے سید صاحبؒ سے عرض کی کہ یہاں سے ڈھائی تین کوس دریائے اباسین کے پاس ایک بستی حضرو (۲) سکھوں کی عملداری میں ہے، اور وہ بڑی منڈی ہے، لاکھوں روپے کا مال واسباب وہاں ہے، اس بستی کے کنارے ایک چھوٹی سی گڑھی بھی ہے، اس میں ایک توپ بھی ہے اگر آپ وہاں چھاپہ بھیجیں تو بہت مال غنیمت ہاتھ لگے گا۔

سید صاحبؒ نے اخوند ظہور اللہ صاحب سے فرمایا'' ان کی زبان پشتو ہے، تم ہماری

---

(۱) ہنڈ بہت پرانا اور اہم مقام ہے، پرانے زمانے میں اسے ہنڈ اور دیہنڈ بھی کہتے تھے مشہور چینی عالم وسیاح یوانگ چونگ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے سکندر نے اسی جگہ سے اٹک کو عبور کیا تھا، اکبر نے اس جگہ ایک مضبوط قلعہ بنادیا تھا، جو اب تک باقی ہے، یہ اٹک سے سترہ میل مشرق میں دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ (سید احمد شہیدؒ)

(۲) حضرو علاقہ چھچھ ضلع کیمبل پور کا مشہور مقام ہے، اور دریائے اباسین (سندھ) سے تقریباً چھ سات میل کے فاصلے پر ہے۔

طرف سے کہو کہ ہمارے بہت غازی اکوڑے میں شہید ہوئے اور کچھ زخمی ہوئے، باقی یہاں ہمارے پاس تھوڑے لوگ ہیں، اور یہ آپ کے ملک کی راہ ورسم سے واقف بھی نہیں، آپ کے ہمراہ بہت لوگ ہیں، اور یہاں کے نشیب وفراز سے واقف ہیں، اگر آپ اس بات کا ارادہ کریں تو ہوسکتا ہے"۔

اخوند صاحب نے آپؒ کی طرف سے ترجمانی کی تو ان سرداروں نے عرض کیا کہ "ہماری طرف سے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیجئے کہ ہم فقط آپ کی اجازت ہی کے منتظر تھے، اب آپ ہمارے حق میں دعا کریں، ہم یہ معاملہ سمجھ لیں گے"۔

یہ گفتگو سن کر ہندوستانی لوگ خاموش ہورہے کہ حضرتؒ کے دل میں ہم کو بھیجنے کی صلاح نہیں ہے، مگر قندھاریوں میں تیس چالیس شخصوں نے سید صاحبؒ سے اجازت چاہی کہ ہم کو حکم ہو تو ہم جائیں، آپ نے فرمایا کہ "خیر بہتر تم کو اجازت ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہاں جو لوگ مسلمان ہوں، ان کو کسی طور کا صدمہ نہ پہنچے، اس لئے کہ ان کو ابھی جہاد کی دعوت نہیں پہنچی، لیکن ان میں جو ہتھیار لے کر تمہارا مقابلہ کرے، اس کو مارنے کا تم کو اختیار ہے"۔

رات گئے لوگ کشتیوں، جالوں (۱) اور شناسوں (۲) پر سوار ہو کر اباسین کے پار اترے اور آدھی رات کے قریب سب اتر کر روانہ ہوئے اور جا کر اپنا کام کیا، صبح کو سید صاحبؒ نماز فجر کا سلام پھیر کر بیٹھے تھے کہ ان چھاپے والوں میں سے ایک شخص ایک بہت عمدہ گھوڑا لے کر آیا اور سید صاحبؒ سے کہا "مبارک ہو غازیوں نے حضرو کو لے لیا اور آپؒ کے قندھاریوں نے گڑھی پر قبضہ کرلیا، یہ گھوڑا آپؒ کی نذر ہے"۔

وہ یہی باتیں کررہا تھا، اور آپؒ خاموش بیٹھے سنتے تھے کہ کسی نے کہا کہ وہ دیکھو، دریا کے پار تمام چھاپے والے غازی چلے آتے ہیں، یہ بات سن کر لشکر کے تمام لوگ اور جو وہاں تھے، ان کی طرف دیکھنے لگے، ابھی سورج نہیں نکلا تھا، جب لوگ اور قریب آئے اور خوب اجالا ہوگیا تو دیکھا کہ تمام ملکی لوگ مال واسباب کی گٹھریاں اپنے اپنے سر پر رکھے سب کے آگے آگے چلے آتے ہیں، اور

---

(۱) اہل سرحد بڑے ٹوکرے کو چمڑے سے منڈھ لیتے ہیں، جس کی وجہ سے پانی اندر نہیں آسکتا، اس سے وہ دریا عبور کرتے ہیں اور اس کو جالہ کہتے ہیں۔ (۲) شناس مشکیزے کو کہتے ہیں۔

ان کے پیچھے قندھاری سکھوں کے چودہ پندرہ سوار جنہوں نے وہاں سے ان کا تعاقب کیا تھا، ان کو بندوقیں مارتے چلے آتے ہیں، یہاں تک کہ ایک نالے کو آ پکڑا اور ان سواروں کو گولیاں مار مار کر وہیں روکا، یہ ملکی لوگ مال غنیمت لئے ہوئے اباسین کے کنارے پہنچے، کچھ لوگ شناسوں پر اترنے لگے اور کوئی گھاس کے گٹھوں پر باوجودیکہ یہ ملکی لوگ مسلح تھے، ان قندھاریوں کے سوا ان میں سے کسی نے سکھوں کا مقابلہ نہ کیا، اور اکثر بدحواسی کے مارے دریا میں اترتے اترتے مال واسباب سمیت ڈوب گئے۔

یہ حال دیکھ کر آپؒ نے سردار خادے خاں سے کہا کہ جلد اپنے لوگ ہمارے سید انور شاہ کے ہمراہ کر کے قندھاریوں کی مدد کو بھیجو اور اپنے سب ہندوستانیوں سے فرمایا کہ اس وقت تم مسلح ہو کر ہمارے پاس تیار رہو، یہ حکم ہندوستانیوں میں سے حیات خاں بریلوی، شیخ برکت اللہ بنگالی، شیخ فیض اللہ بنگالی، محمد صلاح سندھی اور نظام الدین اولیا کو نہیں پہنچا، نادانستہ وہ بھی خادے خاں کے آدمیوں کے ساتھ چلے گئے، اس عرصے میں سکھوں کی مدد کے لئے جا بجا سے چار پانچ سو آدمی آ گئے، سید انور شاہ پچاس ساٹھ آدمیوں کے ساتھ سکھوں کے مقابلے میں قندھاریوں کے ساتھ شریک ہوئے اور حیات خاں بریلوی وغیرہ پانچوں اشخاص آگے بڑھ کر قواعد کے ساتھ بندوقیں چلانے لگے اور ایسی شجاعت اور جوانمردی سے مقابلہ اور حملہ کیا کہ وہ چار پانچ سو سکھ شکست کھا کر پسپا ہو گئے، مجاہدین دریا پار سے یہ حال دیکھ رہے تھے، جب پیادہ اور سوار مقابلے سے بھاگے تو سید صاحبؒ نے سردار خادے خاں سے کہا کہ اب جلد لوگوں کو کشتیوں پر اتارنا شروع کراؤ، گھاٹ پر تین کشتیاں تھیں، خادے خاں نے ان پر اپنے نوکر چاکروں کا بندوبست کر کے اتروانا شروع کیا، ایک کشتی پر بہت لوگ سوار ہو گئے، وہ کنارے ہی پر بیٹھ گئی، چند آدمی ڈوب گئے، دو کشتیاں اس پار سلامت آئیں، ان میں چند زخمی اور باقی ملکی مال غنیمت لئے ہوئے تھے خادے خاں کے لوگوں نے ان سے مال غنیمت لے کر ایک جگہ جمع کیا، پانچ ہندوستانیوں میں سے شیخ برکت اللہ بنگالی اور حیات خاں شہید ہوئے، ان کی لاشیں آئیں، شیخ فیض الدین بنگالی، محمد صلاح سندی اور نظام الدین اولیا زخمی ہو کر آئے، جب کشتیوں کا دوسرا پھیرا آیا اور خادے خاں کے آدمی ان کا اسباب لینے لگے تو انہوں نے دینے سے انکار کر دیا اور لڑنے کو تیار

ہو گئے، یہ معاملہ خادے خاں نے اپنی رائے سے کیا تھا، سید صاحبؒ کو اس کی اطلاع نہ تھی، جب اس قصے کی خبر سید صاحبؒ کو ملی کہ ملکی لوگ غنیمت کا سامان حوالے نہیں کرتے اور لڑنے کو تیار ہیں تو آپؒ نے حاجی عبداللہ رامپوری اور اخوند ظہور اللہ ولایتی کو بھیجا کہ خادے خاں سے جا کر کہو کہ کسی سے مال واسباب کے بارے میں تعرض نہ کریں اور جس کا لیا ہو، اس کے حوالے کر دیں، آپس میں فساد کرنا مناسب نہیں، خادے خاں نے اس پیغام پر کچھ مال حوالے کر دیا اور کچھ دبا رکھا، عصر کے وقت تک سید انور شاہ بھی اپنے لوگوں کے ساتھ اس پار اتر آئے۔

سردار بدھ سنگھ اور سید صاحبؒ کی خط و کتابت مقاصد جنگ کی وضاحت

اکوڑے کے شب خون اور حضرو کے حملے کے بعد ۱۵؍ جمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ کو سردار بدھ سنگھ نے سید صاحبؒ کو حسب ذیل خط لکھا:۔

> شرافت منزلت ، سیادت مرتبت، فضیلت پناہ، عبادت انتباہ، زبدۃ الفضلاء العظام، یگانۂ بلا اشتباہ ،سید احمد جیو ،سلمہ، اظہر و ہویدا باد کہ باوجود چندیں مسافت و از ملک دور دست محض بنا بر ہنگامہ پیراستہ و لباس شہادت و برخود آراستہ اند، لازم بود کہ مقابلۂ جنگ و پیکار در میدان شدن بود، اگر بطمع نفسانی شب خون و تاخت بر غرباء بیوپاریان شہر حضرو نمودند، سراسر ننگ بجہان جاودانی گردید و معہذا بے چارگان ہمراہی چوں شیشہ سر سنگ زدہ معدوم شدند، الحال لازم کہ اگر اصل سیادت وکبیر امرا اند، مقابل صریح باشند، از مخفی روی سود جہانی و بہبود ملک جاودانی نیست و اگر فرار شوند، از نفع ہر دو جہانی خالی خواہند ماند (مجموعۂ خطوط قلمی)

شرافت منزلت، سیادت مرتبت، فضیلت پناہ، عبادت انتباہ، زبدۃ الفضلاء العظام، یگانہ بلا اشتباہ سید احمد صاحب سلّمہ، واضح ہو کہ اتنی مسافت طے کرنے کے بعد اور اتنے دور دراز ملک سے آکر آپ نے لڑائی کی طرح ڈالی اور لباسِ شہادت کو اپنے اوپر آراستہ کیا ہے تو لازم تھا کہ جنگ و مقابلہ میدان میں نکل

کر ہو، طمع نفسانی سے شہر حضرو کے غرباء اور بیوپاریوں پر شب خون اور چھاپہ مارنا ذلت اور ہمیشہ کی بدنامی کی بات ہے، اسی کے ساتھ آپ کے ہمراہی جس طرح شیشے کو پتھر سے مارا جائے، اسی طرح معدوم ہو گئے، اب بھی اگر آپ اصل سید اور بڑے سردار ہیں تو باہر نکل کر صاف صاف مقابلہ کیجئے، چھپ کر لڑنے سے دنیا اور دین کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اگر فرار اختیار کریں گے تو دونوں جہاں کے نفع سے خالی ہاتھ جائیں گے۔

سید صاحبؒ نے اس کا جو جواب دیا، وہ ذیل میں درج ہے:(۱)

از امیر المومنین سید احمد بر ضمیر ابہت تخمیر، سپہ سالار جنود وعساکر، مالک خزائن ودفاتر، جامع ریاست وسیاست، حاوی امارت وایالت، صاحب شمشیر وجنگ، عظمت نشان سردار بدھ سنگھ ھداہ اللّٰہ سواء الطریق وامطر علیہ سحاب التوفیق! پوشیدہ نماند کہ نامۂ فصاحت شمامہ مشتمل بر اظہار مراتب دعاوی شجاعت وشہامت رسید مضامین مندرجہ واضح گردید، ظاہرا آنچہ ایں جانب را ازیں ہنگامہ آرائی ومعرکہ پیرائی مقصود است، آں را خوب نہ فہمیدہ اند کہ نامۂ مذکور نگارش نمودہ اند، الحال بگوش باید شنید وخلاصۂ آں بغور تمام باید فہمید کہ منازعت با اہل حکومت وریاست بنا بر اغراض متعددہ می باشد، بعضے را از منازعت مذکورہ حصول مال وریاست مقصود می باشد وبعضے را اظہار شجاعت وشہامت وبعضے را فقط تحصیل مرتبہ شہادت، وایں جانب را امر دیگر مقصود است وآں فقط بجا آوردن حکم مولائے خود کہ مالک علی الاطلاق وملک بالاستحقاق است کہ در مقدمۂ نصرت دین محمدیؐ وارد شدہ است، خدائے عز وجل گواہ است برایں معنی کہ ایں جانب را ازیں ہنگامہ آرائی غیر از امر مذکور غرض دیگر از

(۱) یہ خط ۱۵؍جمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ کا لکھا ہوا ہے، یعنی انعقاد بیعت امامت (۱۲؍جمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ) کے تیسرے روز لکھا گیا ہے اسی لئے اس میں پہلی مرتبہ ''امیر المومنین'' کا لقب آیا ہے، چونکہ اس خط وکتابت کا تعلق حضرو کے چھاپے سے ہے اس لئے اس کا ذکر یہاں کر دیا گیا ہے۔

اغراض نفسانیہ درمیان نیست ، بلکہ آرزوئے حصول آں ہم نہ گاہے بر زبان جاری می گرددونہ گاہے دردل می گزرد، پس درنصرت دین محمدی ہر سعی بہر وجہ کہ ممکن باشد، بجامی آرم وہر تدبیرے کہ درآں مفید می نماید برروئے کارمی آرم و انشاء اللہ تادم مرگ درہمیں سعی مشغول خواہم ماند وتمام عمر درہمیں تدبیرات مبذول خواہم کرد، تازندہ ام ،ہمیں راہ می پویم وتا موجودہمی مقصدمی جویم، تاسر وپا است،ہمیں راہ است وہمی سودا،خواہ مفلس شوم،خواہ غنی،خواہ منصب سلطنت یابم،خواہ منصب رعیت گری،خواہ متہم بجبن شوم،خواہ متسم بشجاعت، خواہ بمرتبۂ غزافائز شوم،خواہ بمنزل شہادت آرے،اگر بینم رضائے مولائے من درہمیں منحصراست کہ درمعرکۂ جنگ تنہا بجان خود بیایم،پس باللہ وتاللہ کہ بصد جان سینہ سپر نمایم ، در مجامع عسکر بے دغدغہ و وسواس در آیم ، بالجملہ مرا باظہار دعاوی شجاعت وتحصیل ریاست غرض نیست ،علامتش ہمیں است کہ اگر کسے از امرائے کبار ورؤسائے عالی مقدار دین محمدی قبول نماید، فی الحال مردانگی او بصد زبان اظہار نمایم واز دیاد سلطنت او بہزار جان می خواہم ، بلکہ در باب ترقی ریاست او مساعی بے شمار می آرم،ایں امر را فی الحال امتحان کنند،اگر خلاف برآید،الزام دہند،اگر بنظر انصاف غور نمایند،ایں جانب دریں مقدمہ اصلاً مطعون وملام نیست ،زیرا کہ وقتیکہ آں عظمت نشان درمقدمہ بجا آوردن احکام حاکم خود ہیچ عذرے وحیلہ نمی توانند،دراں حالیکہ آں حکومت نشان از افراد انسان، بلکہ از جملہ برادران ایشان است ،پس ایں جانب درمقدمۂ بجا آوردن حکم احکم الحاکمین چہ گونہ عذر تواند، درآں حالیکہ آں جلیل الشان ،خالق جمیع افراد انسان بل مکون سائر اکوان است" والسلام علی من اتبع الھدیٰ" تحریر بتاریخ پانزدہم ،شہر جمادی الثانیہ ۱۲۴۲ھ۔(۱)"

---

(۱) مجموعہ خطوط قلمی ۔

امیر المومنین سید احمد کی طرف سے سپہ سالار جنود وعساکر، مالک خزائن ودفاتر، جامع ریاست وسیاست، حاوی امارت وایالت، صاحب شمشیر وجنگ عظمت نشان سردار بدھ سنگھ کو(اللہ اس کو سیدھے راستے کی ہدایت دے اور اس پر توفیق کی بارش کرے) واضح ہو کہ آپ کا گرامی نامہ جو اظہار مراتب شجاعت وشہامت کے دعاوی پر مشتمل ہے، پہنچا اور اس کے مضمون سے آگاہی ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ میرا اس ہنگامہ آرائی اور معرکہ پیرائی سے جو مقصود ہے، آپ نے اس کو اچھی طرح نہیں سمجھا، اور اسی لئے آپ نے اس طرح کا خط لکھا، اب کان لگا کر سنئے اور غور کرکے سمجھئے کہ اہل حکومت وریاست سے لڑائی جھگڑا چند اغراض سے ہوتا ہے۔ بعض آدمیوں کا مقصود مال وریاست کا حصول ہوتا ہے بعض کو محض اپنی شجاعت اور دلیری دکھانی ہوتی ہے، اور بعض آدمیوں کا مقصد شہادت کا مرتبہ حاصل کرنا ہوتا ہے، لیکن اس سے میرا مقصد ہی دوسرا ہے یعنی فقط اپنے مولا کے حکم کی بجا آوری جو مالک مطلق اور بادشاہ برحق ہے، اس نے دین محمدی کی نصرت واعانت کے بارے میں جو حکم دیا ہے، محض اس کی تعمیل مقصود ہے، خدائے عزوجل اس بات کا گواہ ہے کہ میرا اس ہنگامہ آرائی سے اس کے علاوہ کوئی دوسرا مقصود نہیں اور اس میں کوئی نفسانی غرض ہرگز شامل نہیں، بلکہ کسی نفسانی غرض کے حصول کی آرزو نہ کبھی زبان پر آتی ہے، نہ کبھی دل میں گزرتی ہے، دین محمدی کی نصرت میں جو کوشش بھی ممکن ہوگی بجالاؤں گا اور جو تدبیر بھی مفید ہوگی عمل میں لاؤں گا اور انشاء اللہ زندگی کی آخری سانس تک اسی کوشش میں مشغول رہوں گا اور اپنی پوری عمر اسی کام میں صرف کردوں گا، جب تک زندہ ہوں، اسی راستے پر چلتا رہوں گا اور جب تک دم میں دم ہے، اسی کا دم بھرتا رہوں گا، جب تک پاؤں ہیں، اس وقت تک یہی راستہ ہے، اور جب تک سر ہے، اس وقت تک یہی سودا، خواہ مفلس

ہوں، خواہ دولت مند، خواہ منصب سلطنت سے سرفراز ہوں، خواہ کسی کی رعیت بنوں، خواہ بزدلی کا الزام سہوں خواہ بہادری کی تعریف سنوں، خواہ میدان جہاد سے زندہ واپس ہوں، خواہ شہادت سے سرخرو ہوں، ہاں اگر میں دیکھوں گا کہ میرے مولیٰ کی خوشی اسی میں ہے، کہ میں میدان جنگ میں تنہا سر بکف آؤں تو خدا کی قسم کہ سو جان سے سینہ سپر ہوں گا اور لشکر کے نرغے میں بے کھٹکے گھس آؤں گا مختصر یہ کہ مجھے نہ اپنی شجاعت کا اظہار مقصود ہے، نہ ریاست کا حصول، اس کی علامت یہ ہے کہ اگر سر برآوردہ حکام اور عالی مرتبت سرداروں میں سے کوئی شخص دین محمدی قبول کرلے تو میں اس کی مردانگی کا سوزبان سے اعتراف واظہار کروں گا اور ہزرا جان سے اس کی سلطنت کی ترقی چاہوں گا اور اس کی حکومت کی ترقی کے لئے بے حد کوشش کروں گا، اس بات کا آپ فوراً امتحان کر سکتے ہیں اگر اس کے خلاف ہو تو مجھے الزام دیجئے، اگر آپ انصاف کی نظر سے دیکھیں تو مجھے اس معاملے میں ہرگز قابل ملامت اور قابل الزام نہ پائیں گے، کیونکہ جب جناب اپنے حاکم کے احکام کی تعمیل میں جو آپ جیسا ایک انسان، بلکہ آپ کی برادری کا ایک فرد ہے کوئی عذر اور حیلہ نہیں کر سکتے تو میں احکم الحاکمین کے حکم کی تعمیل میں جو زمین وآسمان کے تمام افراد انسانی اور ساری کائنات کا خالق ہے، کیا عذر کر سکتا ہوں والسلام علی من اتبع الہدیٰ (سلام اس پر جو ہدایت کا راستہ اختیار کرے) مورخہ ۱۵ ر جمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ۔

موضع بازار سے آپؒ خادے خاں کی خواہش واصرار پر ہنڈ منتقل ہوئے، قلعہ ہنڈ کے جنوبی گوشے میں تالاب کے کنارے آپؒ کا خیمہ نصب ہوا اور تین مہینے آپؒ نے وہاں قیام فرمایا اس عرصے میں آپؒ نے خادے خاں، اشرف خاں اور فتح خاں پنج تاری کے درمیان صلح کرادی اشرف خاں اور فتح خاں نے آپؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کہا کہ ہم جان ومال سے آپؒ کے شریک ہیں، سرداروں کی مصالحت کے بعد دور دور سے ان اطراف وجوانب کے علماء جمع ہونے لگے۔

بیعت امامت

بیعت امامت

اکوڑے اور حضرت کے چھاپے کے واقعات سے صاف تجربہ ہو گیا کہ ملکی لوگ کسی نظام اور ضابطے کے پابند نہیں، جنگ کے موقع پر وہ فوراً لوٹ پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور مال غنیمت شرعی اصول پر تقسیم نہیں ہونے پاتا، اس لئے علمائے لشکر کا بالاتفاق فیصلہ ہوا کہ سب سے زیادہ ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اپنا امام مقرر کر لیا جائے تا کہ اس کی قیادت و امامت میں شرعی جہاد ہو، محض بلوہ اور لوٹ مار نہ ہو منظّم جنگ ہو، مال غنیمت کی شرعی تقسیم ہو، احکام شریعت و قوانین و حدود شرعیہ کا اجراء، قضاۃ و محتسبین کا تقرر و انتظام ہو اور جو نافرمانی کرے وہ باغی اور خارج از جماعت ہو، چنانچہ پنجشنبہ کے دن ۱۲ر جمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ کو بالاتفاق سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت امامت و خلافت کر لی گئی، ۱۳ر جمادی الآخرہ کو جمعے میں دوسرے روز آپؒ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

یہاں پر ایک مکتوب درج کیا جاتا ہے(۱) جس میں آپؒ نے ہندوستان کے اہل تعلق کو اکوڑے کی جنگ اور حضرو کے چھاپے کے واقعات اور بیعت امامت کی اطلاع دی ہے، اور ان واقعات کو تحریر فرمایا ہے، جو اس کے لئے محرک و موجب بنے۔

---

(۱) یہ مکتوب نصیر آباد کے قلمی ذخیرے میں دستیاب ہوا، اس کی شان تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سید حمید الدین صاحبؒ کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از فقیر سید احمد بخدمت فضائل مآب مناقب اکتساب۔

بعد از سلام مسنون و دعائے اجابت مقرون واضح آنکہ الحمد للہ والمنہ کہ فقیر مع جمیع رفقائے خود بشمول کفایت یزدانی وحمایت ربانی بخیر و عافیت تمام تا باضلاع یوسف زئی رسیدہ چنانچہ اخبار کوچ و مقام فقیر تا بلدۂ شکار پور بسمع مبارک رسیدہ باشد، بعد ازاں از راہ بھاک وشال و درۂ ڈھاڈر بعافیت گزر نمودہ، در بلدۂ قندھار رسیدہ ہفت روز مقام کردہ، عزم کابل نمودم اثنائے راہ مسلمین راسخین و مومنین صادقین از امرا وضعفاء، صغار و کبار بکمال محبت و وداد واخلاص واتحاد پیش آمدند، چوں بدار السلطنت کابل رسیدیم، اہالی بلدۂ مذکور واطراف و جوانب آں از سادات کرام وعلمائے عظام ومشائخ ذوی الاحترام و رؤسائے عالی مقام وسائر خواص وعوام بکمال وفور رغبت وغایت اظہار مودت ملاقات نمودند درآں ایام فیما بین سرداران کابل مقدمۂ جنگ وجدال پیش بود فقیر بنا بر دفع منازعت ایشاں سی وہفت روز مقام نمودہ، آخر الامر چوں صورت صلح ایشاں نہ بستہ، فقیر نہضت بسمت پشاور نمودہ در اثنائے راہ ہم مثل حال سابق بل ازیدازاں ازدحام مومنین ومخلصین واجتماع مسلمین صادقین پیش آمدند، بعد ازاں ببلدۂ پشاور رسیدہ، با صغار و کبار آنجا ملاقات نمودہ و دسہ روز دراں مقام اقامت نمودہ بسمت موضع ہشت نگر آمدہ چند روز مقام کردہ مومنین آں دیار را بسوئے اقامت جہاد و ازالۂ کفر و فساد دعوت نمودہ، از فضل رب قدیر جمے غفیر از مؤمنینِ آں اطراف واکناف بہ نیتِ خلوص بہ ارادۂ ادائے ایں عبادت عظمیٰ وعطیۂ کبریٰ وادراک ایں سعادت علیا فراہم آمدند بعد ازاں بہ موضع خویشگی آمدہ واز آنجا بموضع نوشہرہ رسیدہ، قصداً اقامت چند روز نمودہ، دریں اثنا لشکر سکہا کہ بقدر ہفت ہزار سوار و پیادہ بسر کردگی بدھ سنگھ ابن عم رنجیت سنگھ بہ موضع اکوڑہ کہ بفاصلہ ہفت کردہ از موضع نوشہرہ واقع است رسیدہ ہر چند

درمیان جنود مجاہدین ولشکر کفار ملاعین دریائے کہ مسمیٰ بہ لنڈے است حائل بودہ، اما ہیبت ورعب یکے بر دیگر از قرب مجاورت ہویدا گردید لا بد مصلحت وقت چناں اقتضا کردہ کہ جمعے را از مہاجرین ومجاہدین صادقین شباشب رود مسطور عبور کنانیدہ بر سر کفار بدکردار بطریق شب خون روانہ ساخت، چنانچہ مجاہدین حین شب بستم جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ ہجری قدسی بر سر اہل کفر وارتیاب بمثابۂ ملائکۂ عذاب قریب صبح تاخت آوردند بمثل روز قیامت در آخر ہماں شب بر سرآں غافلین دفعۃً رسیدند وتوپ وتفنگ را معطل گزاشتہ کار و بار بسیوف قاطعہ رسانیدند، دم صبح آب شمشیر براں مثل ریزشِ باراں بر سر ایشاں بارید، چنانچہ جمعے از کفار بدکردار کہ قریب ہشت صد نفر باشند بدارالبوار فرستادند وبسیارے را بزخمہائے پرخطر تالب سقر رساندند واجناس نفیسہ از قسم سلاح ویراق وغیرہ وہزار راس اسپ غنیمت آوردند، چند از مجاہدین بدرجۂ شہادت فائز گردیدند بالجملہ بابے از ابواب فتوح برروئے مجاہدین کشادہ گردید ودرے از دروازہائے جہنم برائے تعذیب کفار وا کردہ شد۔ بعد ازاں مجاہدین مذکورین بفرودگاہ خود مراجعت بخیر وخوبی نمودند، بعد چند روز از موضع نوشہرہ کوچ نمودہ بموضع ہنڈ کہ گزر دریائے عباسین است رسید۔ بار دیگر جماعت از مضبود مجاہدین شباشب از دریائے عباسین عبور نمودہ، بر سر حضرو کہ مرکز کفار ومجتمع متمولان آں اقطار بود، تاخت آوردہ جمعے را از ایشاں زیر تیغ بے دریغ گرفتند، جمعے را بطریق سبی مقید کردہ آوردند ودریں نوبت اموال خطیرہ وغنائم کثیرہ از نقود واجناس بدست عموم ناس آں قدر افتاد کہ تخمیناً بہ پانزدہ شانزدہ لک روپیہ باشد ولشکر بدھ سنگھ مخذول چوں در ہر نوبت شجاعت مومنین وجلاوت مجاہدین ظاہر وباہر دید مرعوب از ہیبت ایشاں گردیدہ از فرودگاہِ خود فرار نمودہ بجائے دگر سنگر کلاں گرداگرد زدند، چنانچہ وقت تحریر ایں رقیمہ بدست خود جان خود را در زندان سنگر مقید ساختہ بودند، نہ ملجا مفر از امید اعانت می داشتند، واز اعظم سوانح

عجیبہ نسبت کہ ہر نوبت مجمع جنود مجاہدین مثل بلوائے عام ولشکر بے سر بود در کوچ و مقام بے انتظام ولہذا اغنائم ہر بار بر قانون شرع شریف منقسم نہ گردیدہ بناءً علیہ جمہور مومنین حاضرین از سادات کرام وعلمائے اعلام ومشائخ ذوی الاحترام و امرائے عالی مقام وسائر خواص وعوام از اہل ایمان واسلام کہ درآں مقام حاضر بودند، برایں معنی اتفاق نمودند کہ اقامت جہاد وازالۂ کفر وفساد بدون نصب امام بروجہ مشروع صورت نمی بندد و بناءً علیہ بتاریخ دوازدہم جمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ ہجری قدسی بیعت امامت نمودند، در بقۂ اطاعت فقیر در گردن خود انداختند و بروز جمعہ خطبہ ہم بنام فقیر خواندہ شد، انشاءاللہ ببرکت ادائے ایں رکن رکین یعنی نصب امام کہ مدار اکثر احکام دین است روز بروز ضرور بالضرور انشاءاللہ الغفور مظفر ومنصور خواہند گردید، انیست بیان اجمالی احوال، غرض فقیر از نگارش آنکہ وقت کار برسر رسید ومقدمۂ کارزار پیش روانجامید، پس ہر مومن راسخ الاعتقاد را و مسلم کامل الانقیاد را لازم است کہ خود را بہر وجہ کہ ممکن باشد، نزد فقیر رساندہ در سلک مجاہدین ومہاجرین منسلک گرداندہ، ہرچند حق جل وعلا برطبق منطوق لازم الوثوق "وکان حقا علینا نصر المومنین" (۴۸:۳۰) ایں مقدمہ بانجام خواہد رساند و دین متین سید المرسلین را بر سائر ادیان بروفق وعدۂ خود غالب خواہد کرد، اما ہر کہ جان خود را دریں معرکہ حاضر کردہ گوئے سعادت جاودانی از میاں بردہ وکسے کہ دریں مقدمہ تقاعد وتکاسل، ورزید، لابد فردائے قیامت دست افسوس وندامت خواہد گزید۔" وما علینا الا البلاغ المبین (۳۶:۱۷)

والسلام علی من اتبع الھدی (۲۰:۴۷)

سلام مسنون ودعائے مقبول کے بعد واضح ہو کہ اللہ کا شکر واحسان ہے کہ فقیر اپنے تمام رفقا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حفاظت وحمایت سے خیر وعافیت کے ساتھ اضلاع یوسف زئی پہنچا، شہر شکار پور تک فقیر کے کوچ ومقام کی روداد آپ تک پہنچ چکی ہوگی، اس کے بعد بھاک، شال اور دورہ ڈھاڈر سے عافیت

کے ساگھ گزرتا ہوا شہر قندھار میں پہنچا، سات روز وہاں قیام کرکے کابل کا عزم کیا راستے میں راسخ العقیدہ مسلمان اور مخلص اہل ایمان، کیا امیر، کیا غریب، کیا چھوٹے کیا بڑے، بکمال محبت و مودت اور اخلاص و اتحاد سے پیش آئے، جب ہم دارالسلطنت کابل پہنچے، تو ہاں کے باشندے اور اطراف و جوانب کے سادات کرام، علمائے عظام، مشائخ ذوی الاحترام اور روٴسائے عالی مقام اور ہر طرح کے خواص و عوام بڑے ذوق و شوق سے ملاقات کرتے تھے، ان ایام میں سرادارن کابل کے درمیان کچھ جنگ و جدل تھا، فقیر نے ان کے نزاع کو دور کرنے کے لئے ایک مہینہ سات دن قیام کیا، جب مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی تو پشاور کی جانب کوچ کر دیا، اثنائے راہ میں پہلے ہی کی طرح، بلکہ اس سے کچھ زائد ہی مخلص مسلمانوں کا ہجوم تھا، وہاں سے پشاور پہنچے اور اہل شہر سے ملاقات کی، دو تین روز وہاں ٹھہر کر موضع ہشت نگر میں آئے، چند روز وہاں قیام کرکے وہاں کے اہل ایمان کو اقامت جہاد اور ازالہ کفر و فساد کی دعوت دی، خدائے قدیر کی مہربانی سے ان اطراف و اکناف کا ایک جم غفیر اس عبادت کی ادائیگی اور اس سعادت کے حصول کے لئے جمع ہو گیا تھا، وہاں سے موضع خویشگی میں آنا ہوا جہاں سے نوشہرے پہنچے اور چند روز قیام کا ارادہ کرلیا، اس اثنا میں سکھوں کا ایک لشکر، جو سات ہزار سوار و پیادہ کی تعداد میں تھا، رنجیت سنگھ کے چچازاد بھائی بدھ سنگھ کی سرکردگی میں موضع اکوڑہ میں پہنچ گیا جو موضع نوشہرہ سے سات کوس کے فاصلے پر واقع ہے، اگرچہ مجاہدین اور سکھ لشکر کے درمیان ایک دریا حائل تھا، جو لنڈے کے نام سے مشہور ہے، لیکن ہر ایک کا دوسرے پر رعب طاری تھا، اس وقت مصلحت کا تقاضا ہوا کہ مجاہدین و مہاجرین کے ایک گروہ کو راتوں رات دریا عبور کرا کے مخالفین پر شب خون مارنے کے لئے روانہ کیا جائے، چنانچہ مجاہدین

۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ کو بوقت صبح اہل کفر پر ملائکۂ عذاب کی طرح جا پڑے اور دفعۃً ان لوگوں کے سر پر پہنچ گئے، جو بالکل غافل تھے، توپ، بندوق بالکل بیکار ہوگئی، تلواریں چلنے لگیں اور موت کا بازار گرم ہوگیا، آٹھ سو کے قریب سکھ مارے گئے اور بہت سے خطرناک طور پر زخمی ہوئے، بہت سلاح اور ہتھیار ایک ہزار گھوڑے مال غنیمت میں آئے، چند مجاہدین بھی درجہ شہادت کو پہنچے، یہ مجاہدین کے لئے ایک بڑی فتح اور مخالفین کے لئے بڑی ہزیمت تھی، اس کے بعد مجاہدین اپنے پڑاؤ پر بخیر وخوبی واپس آگئے، چند روز کے بعد موضع نوشہرہ سے کوچ کر کے موضع ہنڈ میں آئے، جو دریائے سندھ کی گزرگاہ ہے، دوسری بار لشکر مجاہدین کے کچھ لوگوں نے دریائے سندھ عبور کر کے راتوں رات حضرو پر چھاپہ مارا، جو سکھوں کا ایک مرکز اور دولت مندوں کا ایک اڈہ ہے، کچھ لوگ تلوار کی نذر ہوئے کچھ گرفتار ہوکر آئے، اس مرتبہ بہت بڑا مال غنیمت، جس میں نقود واجناس تھیں، عام لوگوں کے ہاتھ لگیں، لوگ پندرہ سولہ لاکھ روپے کا اندازہ کرتے ہیں، بدھ سنگھ کے لشکر نے دونوں مرتبہ اہل ایمان کی شجاعت اور مجاہدین کی جوانمردی دیکھی اور مرعوب ہوکر اپنی فرودگاہ سے دور جا کر ایک دوسری جگہ بہت بڑا سنگر لگایا، اس خط کے تحریر کے وقت وہ اس سنگر کے اندر مقیم ومقید ہے، کمک پہنچ جانے کی امید پر اس نے بھاگ جانے کا سہارا نہیں لیا، ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہر مرتبہ مجاہدین کا لشکر ایک بے سری فوج اور عام بلوائیوں کی طرح تھا اور کوچ ومقام میں کہیں کوئی نظم نہیں تھا، اس لئے مال غنیمت شرع شریف کے قانون کے مطابق تقسیم نہ ہوسکا، اس بنا پر تمام مسلمانوں نے جو موجود تھے، جن میں سادات، علماء، مشائخ، امرا اور خواص و عوام تھے، بالاتفاق اس بات کو کہا کہ جہاد کا قیام اور کفر وفساد کا ازالہ امام کے تقرر کے بغیر مسنون اور شرعی طریقے پر انجام نہیں پاسکتا، اس بنا پر ۱۲ر جمادی

الآخرہ ۱۲۴۲ھ کو ان سب نے اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت امامت کی اور اس کی اطاعت کا عہد کیا، جمعے کے روز خطبہ بھی اس فقیر کے نام کا پڑھا گیا، انشاء اللہ اس رکن رکین کے ادا کرنے کی برکت سے جس پر دین کے اکثر احکام کا مدار ہے فتح ونصرت ظاہر ہوگی، یہ حالات کی مختصر روداد تھی، اس تحریر سے فقیر کی غرض یہ ہے کہ کام کا وقت سر پر آ گیا ہے اور معرکہ کارزار درپیش ہے، ہر صاحب ایمان اور ہر مسلمان کو جسے اللہ نے اطاعت وانقیاد کی دولت عطا فرمائی ہے ،اس وقت لازم ہے کہ جس طرح ممکن ہو فقیر کے پاس پہنچ جائے اور مجاہدین اور مہاجرین زمرے میں شامل ہو جائے ،اگر چہ یہ سلسلہ انجام کو پہنچ کر رہے گا "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (۳۰:۴۷)" اور اللہ کے وعدے کے مطابق یہ دین متین تمام ادیان پر غالب ہو کر رہے گا، لیکن جو شخص اس معرکہ میں خود حاضر ہوگا، وہ سعادت سے مشرف ہوگا، اور دوسروں سے سبقت لے جائے گا، اور جو اس معاملے میں کاہلی اور سستی سے کام لے گا، وہ کل قیامت میں کف افسوس ملے گا" وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ "(۳۶:۱۷)

والسلام علی من اتبع الھدی (۲۰:۴۷)

بیعت امامت کے بعد آپؒ نے پوری تصریح ووضاحت کے ساتھ اعلان کر دیا کہ امام کی مکمل اطاعت اور احکام وقانون شریعت کی پوری پابندی کرنی ہوگی، تمام رسوم جاہلیت اور امور غیر مشروع، مخالف شریعت، رواج، ودستور یک قلم چھوڑنے پڑیں گے اور اس کے لئے ہر طرح کا ایثار وقربانی ترک مال وجاہ وعزت کرنا پڑے گا، خادے خاں، اشرف خاں، فتح خاں، سعادت خاں، بہرام خاں اور علماء وسادات وخوانین نے بیعت امامت کی اور آپؒ کی امامت کی خبر اس ملک میں جا بجا مشہور ہوئی، وہاں کے چھوٹے بڑے جتنے خان اور رئیس تھے، سب نے آ کر بیعت امامت کی یہاں تک کہ پشاور سے ایک بڑے جلیل القدر پیرزادے، جو گڈری شاہزادے کے نام سے مشہور تھے، تشریف لائے، اور بیعت کی اور کہا کہ میں خالصاً لوجہ اللہ آپؒ کی خدمت

میں حاضر ہوا ہوں، انشاء اللہ آپؒ کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گا''۔

خادے خاں، اشرف خاں اور دوسرے یوسف زئی سرداروں نے یار محمد خاں اور سلطان محمد خاں والیان پشاور کو سید صاحبؒ کی امامت و امارت کی اطلاع دی اور مسلمانوں کی زبوں حالی، ان کے انتشار جہاد کی ضرورت اور سید صاحبؒ کی امارت حقہ کا ذکر کرنے کے بعد ان سے آپؒ کے جھنڈے کے نیچے دشمنان اسلام سے جہاد کرنے کی اور مجاہدین کی رفاقت و اعانت کی درخواست کی۔

انہوں نے والیان پشاور کو جو مکتوب بھیجا تھا، وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

بہ عالی جناب، معلّی القاب، رفعت قباب، سردار سرداراں، یار محمد خاں صاحب و سردار سلطان محمد خاں صاحب "ابد اللّٰہ جلالھما و ضاعف اقبالھما" ! از کمترین فدویان اخلاص کیشاں و خیر اندیشاں بعد ادائے آنچہ شایان شان آں جلالت نشان است، معروض رائے فیض انجلائے آنکہ آنچہ دریں اوقات پر از آفات از دست تظلم کفار بدکردار بر مومنین ایں دیار انواع رنج و تکالیف و مصائب از قتل ونہب و شورش فتنہ و جنگ و بے پردگی ناموس و ننگ و تخریب مساجد و معابد گزشت و می گزرد بر ہیچ یک از عاقل و غافل، پوشیدہ نیست چنانچہ صبیان ونسواں اہل ایمان فی الحال در بلاد پنجاب در قبضہ اہل شرک وارتیاب مقید اند کہ بصد زبان مضمون ایں آیت قرآں بصد آہ وفغاں بادل بریاں و چشم گریاں بحضور ہر کس وناکس گویاں "وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (۷۵:۴) بالجملہ عمرے گزشت کہ ایں رنج و تکالیف می کشیم و انتظار ہمیں معنی می نمائیم کہ تا کدام وقت محمود و کدام ساعت در رسد کہ آفتابے بر فلک سلطنت

طلوع نماید و تا ستارہ افق حکومت درخشد کہ از اشراقات اشعۂ انوار آں منیر ظلمات و شرک وطغیان مضمحل و مفقود گردد ولیکن مدت مدیدہ عرصۂ بعیدہ منقضی گردید کہ نہ شاہے از سیستاں مستعد ایں معنی گردید، نہ از خراسان و نہ سردارے از قندھار و کابل سر برآورد و نہ از پشاور کوہستان، بالجملہ کسے از سرداران زمان وسلاطین دوراں باہ وفغاں مظلوماں گوش نہ نہاد و بدستگیری افتادگان دست نکشاد، آخر الامر نورِ محمدی علمِ حمایت برافراخت و جمالِ احمدیؐ نقاب از چہرہ برانداخت، یعنی سُلالۂ خاندان نبوت، نقادۂ دودمان ولایت و شمع شبستان سید مختار، چراغ سلسلۂ ائمہ اطہار الامام الاوحد والسید الامجد، امیر المجاہدین السید احمد از بلاد ہندوستان صعود فرمودہ بدیار ما منتظراں نزول نمودہ اظہار دعوت عام بسوئے قتال کفار لئام بجد و جہد تمام وسعی مالا کلام محض للہ و فی اللہ بے شائبہ طلب مال و عزت وجاہ وحکومت کردہ بہمیں توجہات آں امام ہمام ما ضعفا را ہم حمیت دینی جوش زد و ہم غیرت ننگ و ناموس یاد آمد

عالی جناب، معلّی القاب، رفعت قباب، سردار سرداراں، سردار یار محمد خاں صاحب اور سردار سلطان محمد خاں صاحب ''ابد اللہ جلالھما وضاعت اقبالھما'' کی خدمت میں مخلص نیاز مندوں اور حقیر بہی خواہوں کی طرف سے آداب ضروری کے بعد عرض ہے کہ اس زمانے میں اس ملک کے مسلمانوں پر کفار کے ہاتھوں سے جو ظلم ہو رہے ہیں اور ان پر قتل و غارت گری، لڑائی جھگڑے، بے عزتی و بے آبروئی، خانہائے خدا اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی اور تخریب کے جو مصائب گزرے اور گزر رہے ہیں، وہ کسی عاقل یا غافل سے پوشیدہ نہیں، چنانچہ اس وقت پنجاب کے مسلمان بچے اور عورتیں اہل شرک کے پنجے میں گرفتار ہیں اور رو رو کر سوز بان سے اس آیت کا مضمون ہر شخص کو سناتی ہیں: ''وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

الـرِّجَـالِ وَالـنِّسَـاءِ وَالْـوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰـذِهِ الْـقَـرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا(۱)''(۴:۷۵)

مختصر یہ کہ عمر گزری کہ ہم لوگ یہ رنج وتکلیف اٹھا رہے ہیں، کہ وہ کون سی مبارک ساعت ہوگی کہ آسمان سلطنت میں وہ آفتاب طلوع ہوگا اور افق حکومت پر وہ ستارہ ظاہر ہوگا، جس کی چمک سے شرک وسرکشی کی تاریکیاں کافور ہو جائیں گی، لیکن ایک طویل مدت ہوگئی اور ایک زمانہ ہونے کو آیا کہ کوئی بادشاہ سیستان یا خراسان سے یہ مقصد لے کر اٹھا اور نہ کوئی سردار قندھار وکابل یا پشاور وکوہستان سے یہ عزم لے کر چلا، سرداران وقت اور سلاطین زمانہ میں نہ کسی نے ان مظلوموں کی آہ وفغاں پر کان دھرے اور نہ ان گرتے ہوؤں کو تھامنے کے لئے ہاتھ بڑھایا، آخر الامر نور محمدیؐ نے حمایت کا پرچم لہرایا اور جمال احمدیؐ نے چہرے سے نقاب ہٹایا، یعنی سلالۂ خاندان نبوت، نقادۂ دودمان ولایت، شمع شبستان سید مختار، چراغ سلسلۂ ائمہ اطہار، امام اوحد، سید امجد امیر المجاہدین سید احمدؒ ملک ہندوستان سے تشریف لائے اور ہم منتظروں کے ملک میں نزول اجلال فرمایا اور محض للہ فی اللہ طلب مال وعزت وجاہ وحکومت کے شائبے کے بغیر پوری کوشش اور جدوجہد سے کفار سے جہاد کی دعوت عام دی، انہیں امام ہمام کی توجہات کا نتیجہ ہے کہ ہم کمزوروں کے دل میں بھی دینی غیرت کا جوش پیدا ہوا اور ہم کو عزت وآبرو کی غیرت آئی۔

خود سید صاحبؒ نے سردار سلطان محمد خاں، سردار سید محمد خاں، نواب شیر محمد خاں، سردار احمد خاں، نواب بہاول خاں، شاہ سلیمان وغیرہ کو نہایت پرجوش اور پراثر خط لکھے، جن میں اپنی

(۱) ''اور تم کو کیا ہوگیا کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کے واسطے نہیں لڑتے، جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو نکال اس بستی سے، جس کے رہنے والے ظلم کر رہے ہیں، اور بنا ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی حمایتی اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا''۔

امامت کی اطلاع کے ساتھ ان کی غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔

سردار یار محمد خاں، سلطان محمد خاں اور پیر محمد خاں کی عرضیاں آئیں کہ ہم بھی آپ کی اطاعت میں جان و مال سے حاضر ہیں، وہاں کے خوانین اور رئیسوں نے کہا کہ سردار یار محمد خاں نے یہ دنیا سازی کی بات کی ہے، وہ اعتبار کے قابل نہیں، اس سے ہوشیار رہنا چاہئے، سید صاحبؒ نے فرمایا "آپ سچ کہتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ہادی مطلق ہے، یہ شخص ہماری شرکت کا اظہار کرتا ہے، دل کا حال خدا کو معلوم ہے، ہمارے لئے ظاہر شریعت کا حکم"۔

سید صاحبؒ کا خط امامت کے متعلق

بیعت کے بعد سید صاحبؒ نے اطلاع نامے جاری کئے اور تمام علاقے میں نیز ہندوستان میں اس کی خبر دی، آپؒ کے ایک والا نامے کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے، جو غالباً سرحد میں کسی مقام کو بھیجا گیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"اہل انصاف و ہدایت سے پوشیدہ نہیں کہ اہل کفر و ضلال کے ساتھ جو جنگ و جدال اور قتل و قتال ہوتا ہے، اگر محض مال و عزت اور حکومت و ریاست حاصل کرنے کے لئے ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کچھ اعتبار نہیں، اور اگر نصرت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ اور ترویج سنت نبویؐ کے لئے ہو تو اس کو عرف شرع میں جہاد کہتے ہیں، اور وہ تمام عبادات میں افضل اور تمام طاعات سے اکمل ہے، کہ کوئی عبادت رفع درجات اور تکفیر سیئات میں اس کے مساوی نہیں، جیسے کہ آیۂ کریمہ "وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا، دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً" (۴:۹۵،۹۶) سے معلوم ہوتا ہے، پس اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ فرض قانون شریعت کے مطابق ادا کیا جائے تا کہ آخرت میں وسیلۂ نجات اور دنیا میں مثمر ثمرات اور نزول رحمت یزدانی اور تائید آسمانی کا باعث ہو، جہاد کے لئے سب سے بڑی شرط امام کا

مقرر کرنا ہے، چنانچہ آیت ہے "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" (۴:۵۹) اور "وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰی اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ" (۴:۸۳) اور حدیث میں ہے "من لم یعرف امام زمانه، فقد مات میتة جاهلیة" اور حدیث "صلوا خمسکم وصوموا شهرکم واطیعوا ذا امرکم، تدخلوا جنة ربکم" اور حدیث "من قتل تحت رأیة عمیاء، فقد مات میتة جاهلیة" اور حدیث "من خرج من بیته مجاهدا و اصلح ذات البین واطاع الامام، فنومه ویقظته حسنة ومن خرج وافسد فی الارض ولم یطع الامام، فلم یرجع کفافا" اسی طرح بے شمار آیات واحادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور چونکہ اقامت جہاد اور ازالۂ کفر وفساد اس زمانے میں اہل کفر وطغیان کی سورش کا زمانہ ہے، عام مسلمانوں کے ذمے واجب ومؤکد ہوگیا ہے، پس امام کا مقرر کرنا بھی ان پر واجب ومؤکد ہے۔

اللہ کا شکر واحسان ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے اس فقیر یعنی سید احمد کو پہلے اشارات غیبی والہامات لاریبی سے اس منصب شریف کی بشارت دی، پھر مومنین صادقین، سادات وعلمائے عظام، مشائخ کرام، خوانین عالی مقام اور خواص وعوام کی ایک جماعت کثیر کا دل مائل کر کے مجھ کو اس منصب شریف سے مشرف فرمایا، چنانچہ روز پنجشنبہ بتاریخ ۱۲ / جمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ مخلص مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے جس میں خادے خاں، اشرف خاں، فتح خاں، سعادت خاں، بہرام خاں اور علماء وسادات وخوانین تھے، اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت امامت کی، اور فقیر کو اپنا امام قرار دیا اور اس کی امامت وریاست کو تسلیم کیا، اور اطاعت کا حلقہ اپنی گردنوں میں ڈالا اور اسی مہینے کی ۱۳ / تاریخ کو جو جمعہ کا دن تھا، خطبے میں فقیر کا نام داخل کیا، انشاء اللہ عنقریب

اس سنت کی ادائیگی کی برکت سے مظفر و منصور ہوں گے۔

ان مسلمانوں کو بھی جو یہاں موجود نہیں، لازم ہے کہ جہاد کے لئے اور کفر و فساد کے مٹانے کے لئے کمر ہمت باندھیں اور اس فقیر کی امامت کی بیعت اس کے نائبوں، مثلاً سعادت مآب کمالات انتساب اخوی اعزی شیخ صابر صاحب کے ہاتھ پر کریں اور پوری توجہ، دلچسپی اور بلند ہمتی سے جہاد میں مشغول ہوں اور فقیر کے نام کا خطبہ پڑھیں تا کہ کفار سے جنگ اور جمعہ و عیدین کی نماز مشروع طریقے پر ہوں اور دنیا و آخرت میں ثمرات جلیلہ اور اجور جزیلہ کی موجب ہوں۔(۱)"

شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کا خط

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے ہندوستان کے کسی صاحب کے نام سید صاحبؒ کی امامت کے بارے میں ایک جوابی خط لکھا ہے، جو بیش بہا علمی اور دینی اور فقہی فوائد و نکات پر مشتمل ہے، اور جس سے بہت سے حالات پر روشنی پڑتی ہے، اس کے ترجمہ کا بڑا حصہ پیش کیا جاتا ہے:۔

"بندۂ ضعیف محمد اسمٰعیل کی طرف سے بخدمت معدن غیرت ایمانی، منبع حب اسلامی مقبول بارگاہ رب قوی، میر شاہ علی، سلمہ اللہ تعالیٰ، سلام مسنون اور دعائے اجابت مقرون کے بعد واضح ہو کہ آپ کا وہ گرامی نامہ پہنچا ،جس میں چند مخلصین اور بعض منافقین کے ایک مباحثے کا تذکرہ ہے منافقین سے آپ جو جہاد باللسان کر رہے ہیں، اور راہ ایمان کی طرف طالبین کو جو آپ دعوت دے رہے ہیں، اس پر اللہ آپ کو جزائے خیر دے!

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ سوال و جواب کے مضامین کو منقح کر کے اور ان کو ایک رسالے کی شکل میں تحریر کر کے آپ کو بھیجوں تو مخدوم من، اگر چہ ان مسائل میں تقریر و تحریر بھی جہاد کی ایک قسم ہے لیکن یہ ضعیف، بلکہ اس مقام

(۱) "مجموعۂ خطوط قلمی"

کے تمام حاضرین ایسے کام میں مشغول ہیں کہ تقریرات وتحریرات کی اس میں قطعاً گنجائش نہیں، ہمارا حال اہل تقریر وتحریر کی نسبت بالکل ایسا ہے کہ ایک شخص خود نماز کی ادائیگی میں مشغول ہے تو اگرچہ نماز کے مسائل کی تعلیم بھی مقدمات صلوۃ میں سے ہے، لیکن ادائے نفس صلوٰۃ مسائل صلوٰۃ کی تعلیم میں مشغول ہونے سے مانع ہے، جو شخص مجاہدین کا حال دیکھے، اس کو یقین ہو جائے کہ قیل وقال اور بحث وجدال کا مسلک، خواہ وہ حق ہو، خواہ باطل، دوسرا ہے، اور ان لوگوں کا مسلک دوسرا، پہلا مسلک علماء کی جنس سے ہے، اور دوسرا مسلک سپاہ کی جنس سے "وشتان بینهما" آپ کی خاطر سے چند کلمے لکھے جاتے ہیں، اگرچہ وہ بھی طبیعت پر بہت بار ہیں۔

حدیث وکلام وفقہ کے مطابق جناب امیر المومنین کی بیعت کے انعقاد میں قطعاً کوئی شبہ نہیں، باقی مخالفین آنجناب یا آپ کے متبعین کے متعلق جن قبائح کی نسبت کرتے ہیں تو اول تو آپ کی ذات سے متعلق جن باتوں کی نسبت کرتے ہیں وہ سراسر باطل اور صداقت سے معرا ہیں، اور جو آپ کے رفقا سے نسبت کرتے ہیں تو ان کا بھی بیشتر حصہ مطابق واقعہ نہیں ہے، بر تقدیر تسلیم رفقائے امام کی خرابی اس امام کی امامت میں ہرگز قادح نہیں، جیسے کہ امتیوں کی خرابی نبی کی نبوت پر ہرگز اثر انداز نہیں، آپ کی ذات سے متعلق جن چیزوں کی نسبت کرتے ہیں، ان کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی ثبوت امامت پر قطعاً اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مراتب ولایت کے خلاف پڑتی ہیں، اور مراتب ولایت کا ثبوت سرے سے امام کی شرائط میں سے نہیں ہے، بلکہ فسق وظلم بھی امامت کے ثابت ہو جانے کے بعد امامت کے زوال کا سبب نہیں ہو سکتا، چنانچہ احادیث متواترہ اور متقدمین ومتاخرین، فقہائے متکلمین کی عبادات اس پر دلیل ہیں، مختصراً گفتگو کا دارومدار دو باتوں پر ہے،

ایک ثبوت امامت، دوسرے اس کے بعد اس کا زائل ہو جانا اعتراضات مذکورہ کی وجہ سے، پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ امامت کے ثبوت کے طریقے کی تحقیق حدیث وکلام وفقہ کی کتابوں سے کرنی چاہئے اور اس مسئلے میں قوی وضعیف، راجح ومرجوح روایات میں تمیز کرنی چاہئے اور اس کے بعد مضمون قوی کا خلاصہ ذہن میں ملحوظ رکھنا چاہئے اور پھر غور کرنا چاہئے کہ ہمارے اس مسئلے میں یہ بات پائی جاتی ہے یا نہیں، اگر چہ ان مسائل میں مشاہدے سے حقیقت ظاہر ہوتی ہے ''لیس الخبر کا المعائنۃ'' اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' لیکن چونکہ مشاہدۂ حال ان لوگوں کو میسر نہیں جو غیر موجود ہیں، اس لئے اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ ان لوگوں کو اس مجمع اخیار کا مجملاً حال معلوم ہو، اسی لئے اس مضمون کا ایک خط اور ان حالات کے چند اور خطوط آپ کی خدمت میں بھیجے جا چکے ہیں تا کہ کسی طرح حقیقت حال منکشف ہو جائے، جو شخص بھی ان دونوں مقدموں میں اچھی طرح غور کرے گا، اس کو یقیناً آں جناب کی امامت کے انعقاد کا اذعان ہو جائے گا۔

رہا دوسرا مسئلہ (امامت کے زوال کی بحث) تو اس کی بھی حدیث وکلام و فقہ کی کتابوں سے تحقیق کرنی چاہئے کہ کون سا امر امامت سے امام کی علیٰحدگی کا باعث ہوتا ہے، یقین ہے کہ ان میں سے کوئی آں جناب میں نہیں پایا جائے گا ، بلکہ وہ قبائح، جو منصب امامت سے علیٰحدگی کا باعث ہیں، آپ کی شان سے اس قدر بعید ہیں کہ کافر سکھوں اور فرنگیوں میں سے بھی کوئی ان کی آپ سے نسبت نہیں کر سکتا، پھر جب آپ کی امامت ثابت ہوگئی اور کوئی امر جو اس منصب سے آپ کی علیٰحدگی کا سبب ہو، نہ پایا گیا، پس آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوئی۔

باقی، آپ نے جو اس کا ذکر کیا ہے کہ اہل شوکت کے مقابلے کے لئے

مقابل شوکت چاہئے، پس اول تو یہ مقدمہ ممنوع ہے، کیونکہ شوکت کی تحصیل
کی کوشش بقدر استطاعت کافی ہے، مخالفین کی شوکت کے مماثل ہو یا نہ ہو،
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ" (۸:۶۰) یہ نہیں فرماتا
"وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مِثْلَ مَا اَعِدُّوْا لَكُمْ" دوسرے یہ کہ شوکت کے وجود کے یہ
معنی نہیں کہ امام کے جسم میں ایسی قوت پیدا ہو جائے کہ اس قوت سے مخالفین
کی سلطنت کو درہم برہم کر دے اور اکیلے ان کے لشکروں اور فوجوں کو شکست
دے دے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ موافقین کی ایسی جماعت اس کے ساتھ
ہو جائے کہ باعتبار ظاہر عقل ان کی قوت سے مخالفین کی مدافعت کر سکے اور
اجتماع کا یہ مطلق نہیں ہے کہ ہر وقت ان کے چاروں طرف وہ لوگ کھڑے
رہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس کی ذات سے ایسا تعلق ہو کہ اس
سے وہ اس کے احکام کی اطاعت کرنے لگیں جیسے نوکری کا تعلق سلاطین کے
عرف میں، اور قرابت و برادری کا تعلق افغانوں کے عرف میں، اسی لئے
شریعت نے تعلق بیعت کا اعتبار کیا ہے، پس جس طرح کہ صاحب شوکت
سلاطین وہ ہوتے ہیں کہ نوکروں کا مجمع کثیر ان کے ہمراہ ہوتا ہے، اور افاغنہ
کے عرف میں وہ ہوتے ہیں کہ "الوس" کا مجمع کثیر ان کے پاس ہو، اسی طرح
شریعت کے عرف میں امام صاحبِ شوکت وہ ہے جس کے ہاتھ پر مسلمانوں
کے مجمع کثیر نے بیعت کی ہو، کیونکہ بیعت کا تعلق شرع کے نزدیک ملازمت
اور قرابت کے تعلق سے قوی مانا گیا ہے، پس جناب امام ہمام کو بالفعل اس
درجے کی شوکتِ شرعی حاصل ہے، جو مخالفین کی شوکت سے کئی درجے زیادہ
ہے، کیونکہ لشکر و فوج و توپ و شاہین کے مالک سرداران پشاور و سوات و بنیر و
سمہ کے خوانین اور ان کے تمام عوام و خواص پائندہ خاں وغیرہ نے آپ کے
ہاتھ پر بیعت امامت کی ہے اور ان اشخاص کا شمار لاکھوں کو پہنچتا ہے، ضروری

ہے کہ آپ کے لشکروں کی تعداد اس درجے تک پہنچتی ہو کہ مخالفین میں سے کسی کی قوت اس درجے کی نہ ہو، باقی رہا یہ کہ بعض لوگوں نے بیعت توڑ دی ہے اور احتمال ہے کہ دوسرے بھی یہی معاملہ کریں، پس یہ بات شوکت شرعیہ میں اصلاً قادح نہیں، اس لئے کہ بہت سے نوکر نمک حرامی اور آقا کی بدخواہی کرتے ہیں اور احتمال ہوتا ہے کہ دوسرے بھی یہی طریقہ اختیار کریں، پس جس طرح یہ بات سلاطین کی شوکت عرفیہ میں قادح نہیں، اسی طرح یہ احتمال ائمہ کی شوکت شرعیہ کے بھی منافی نہیں۔

تیسری یہ بات ہے کہ مشرق ومغرب کے کفار کی شوکت کے مماثل شوکت مراد نہیں، ورنہ اگلے پچھلے اماموں سے کسی کی امامت ثابت نہیں ہوگی، پس اس سے مراد صرف یہ ہے کہ ان مخالفین کی شوکت کے مماثل شوکت ہو جو بالفعل مقابل ہیں اور اس وقت یہ شوکت محقق ہے، یعنی ضلع چھچھ، ہزارہ اور پکھلی کے ناظموں کی شوکت کے مماثل شوکت موجود ہے، اگرچہ رنجیت سنگھ اور کمپنی کی شوکت کے مماثل شوکت نہ ہو۔

کس شخص نے آپ کو یہ خبر دی ہے کہ جناب امام ہمام اسی مختصر جمعیت کے ساتھ لاہور اور کلکتے کا عزم رکھتے ہیں؟ آپ تو رات دن مسلمانوں کی جمعیت کی زیادتی اور ان کی شوکت کی ترقی کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اور اسلامی شوکت کے عروج کی تدریجاً امید رکھتے ہیں اور یہ بات بالکل مستبعد نہیں، بلکہ قوموں اور سلطنتوں کے انقلاب میں اللہ کی یہ سنت جاری ہے کہ معمولی لوگوں میں سے کوئی کمزور فرد جیسے نادر شاہ وغیرہ سر اٹھاتا ہے، اور آہستہ آہستہ رفقا کی ایک جماعت فراہم کر لیتا ہے، اور تدریجاً قوت اور شوکت حاصل کر لیتا ہے، یہاں تک کہ بڑے بڑے سلاطین کی سلطنت اور بڑے بڑے با اقتدار شہنشاہوں کی مملکت درہم برہم کر دیتا ہے، کس قدر بے انصافی ہے کہ جو

شخص محض دنیا کی طلب میں کمر بستہ ہوتا ہے، اس کے حق میں فتح ونصرت کا گمان کرلیا جاتا ہے، اور اسی گمان پر اس کا ساتھ دیا جاتا ہے، لیکن جو شخص محض اللہ کے لئے اور اللہ کی خوشی کے لئے دین کی مدد کے لئے کھڑا ہوتا ہے، اس کے حق میں فتح ونصرت کا حصول مستبعد سمجھا جاتا ہے اور اس کو بھی دور کے وہموں میں شمار کیا جاتا ہے اور اس پر عجیب عجیب اشکالات اور قسم قسم کے اعتراضات کئے جاتے ہیں، اس کا کوئی ساتھ نہیں دیتا اور عام مسلمانوں کو بھی اس کی رفاقت سے روکا جاتا ہے، اور نوبت بایں جارسد کہ اس کے کارخانۂ جہاد کو درہم برہم کرنے کی سعی نامشکوری جاتی ہے "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ، الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ (۱۱:۱۸، ۱۹)

چوتھے یہ کہ ہم مانے لیتے ہیں کہ شوکت قویہ کا حاصل ہونا اہل شوکت کے ساتھ جہاد کرنے کی شرط ہے اور آنجناب کو بالفعل شوکت حاصل نہیں، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ امام وقت کے لئے شوکت حاصل کرنے کا طریقہ آخر کیا ہے، کیا شوکت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنی ماں کے پیٹ سے فوجوں، لشکروں اور سامان جنگ کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، یا جس وقت جہاد کرنے کے لئے مستعد ہو جاتا ہے، اسی وقت فی الفور غیب سے تمام لشکر وافواج اور سامان جنگ عطا ہو جاتا ہے؟ یہ بات نہ کبھی ہوئی ہے، اور نہ کبھی ہو سکتا ہے، اس کا طریقہ یہی ہے کہ جس طرح امام کا مقرر کرنا تمام مسلمانوں کا فرض ہے، اور اس میں مداہنت موجب معصیت، اسی طرح امام وقت کے لئے شوکت کا حاصل کرنا بھی ان کا فریضہ ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کے گرد جمع ہو جائیں اور ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق سامان جنگ فراہم کرنے کی کوشش کرے اور اس کو امام وقت کے سامنے پیش کرے اسی لئے آیۂ کریمہ "وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ" (۸:۶۰) اور آیت "جَاهِدُوْا

بِـاَمْـوَالِـكُـمْ وَاَنْفُسِكُمْ" (۴۱:۹) میں تمام مخاطبین کو خطاب تھا، نہ کہ صرف ائمہ، کو پس ہر وہ شخص جو کہتا ہے کہ امام کی شوکت جہاد کی شرط ہے، اور یہ شوکت ہم کو حاصل نہیں، اس کو لازم ہے کہ پہلے خود آئے اور بقدر استطاعت سامان جنگ اپنے ساتھ لائے اور اس معاملے میں کسی دوسرے کی شوکت کا انتظار اصلاً جائز نہیں، جہاد کے معاملے میں جو تعویق و تعطیل واقع ہوگی، اس کا وبال تمام خانہ نشین و پس ماندہ لوگوں کی گردن پر ہوگا، جس طرح نماز جمعہ کی ادائیگی ہر شخص پر واجب ہے اور اس کا ادا کرنا جماعت کے بغیر متصور نہیں، اور انعقاد جماعت امام کے بغیر ممتنع ہے، پس اگر ہر شخص اپنے گھر میں بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہے کہ جس وقت امام آجائے گا، جماعت موجود ہو جائے گی، میں بھی حاضر ہو جاؤں گا تو یقیناً جمعے کی نماز فوت ہو جائے گی اور ہر شخص گناہ گار ہوگا، اس لئے کہ ارواح مقدسہ میں سے کسی امام کا اترنا اور فرشتوں کی جماعت میں سے کسی جماعت کا جمعہ قائم کرنے کے لئے آنا، ہونے والی بات نہیں، اس کا طریقہ یہی ہے کہ ہر شخص اپنے گھر سے خواہ تنہا ہو، باہر آئے اور مسجد میں چلا جائے، اگر جماعت مجتمع ہو تو اس میں شریک ہو جائے، ورنہ مسجد میں بیٹھا رہے اور دوسرے کا انتظار کرے، اگر اس نے مسجد خالی دیکھ کر اپنے گھر کا راستہ لیا تو جمعے کی جماعت و امامت قائم ہو چکی، اسی طرح لازم ہے کہ ہر شخص اگرچہ تنہا، کمزور، قلیل الاستطاعت ہو، امام کی دعوت کا آوازہ سن کر اپنے گھر سے نکل دوڑے اور جس قدر سامان میسر آسکے، اس کے ہمراہ مسلمانوں کی جماعت میں پہنچ جائے تاکہ جہاد کے قائم ہو جانے کی صورت پیدا نہ ہو، یہ کہ اپنے کو اللہ کے بندوں کے زمرے سے نکال کر ڈرپوک بندوں میں شامل کرے اور دین متین کے اس رکن رکین کو ہاتھ سے جانے دے، سرکش دولت مندوں کی کاسہ لیسی اور ناقصات العقل عورتوں کی کنگھی چوٹی میں مشغول رہے، سبحان

اللہ! اسلام کا حق یہی ہے کہ اس کے رکن اعظم کی جڑ کھود کر پھینک دی جائے اور اس شخص کو جس کے سینے میں کمزوری وناتوانی کے باوجود اسلامی حمیت جوش مار رہی ہے، طعن وتشنیع کا ہدف بنالیا جائے؟ یہ لوگ نصاریٰ ویہود مجوس وہنود کی طرح ہیں کہ ملت محمدیہ کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں "محمدیت" کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کھیل اور مذاق سے بھی جہاد کا نام لے لے تو مسلمانوں کے دل سنتے ہی پھول کی طرح کھل جائیں اور سنبل کی طرح لہلہانے لگیں اور اگر دور دراز کے مقامات سے بھی جہاد کا آوازہ اہل غیرت کے کانوں تک پہنچ جائے تو دیوانہ وار دشت وکوہسار میں دوڑنے اور شہباز کی طرح اڑنے لگیں، نہ یہ کہ جہاد کا مسئلہ اس عظمت کے باوجود کتاب الحیض والنفاس کی تعلیم وتعلم کے درجے سے بھی کم سمجھا جائے۔

مناسب ہے کہ ان ہواجسِ نفسانی اور وساوسِ شیطانی کو دل سے دور کریں اور ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت کو جوش میں لائیں اور مردانہ وار مجاہدین کے لشکر میں داخل ہوجائیں اور زمانے کے نشیب وفراز پر صبر کریں اور دور دراز کے خیالات کو چھوڑ دیں اور دنیاوی تعلقات کو جو اس مشغولیت سے مانع ہوں، خیر باد کہیں۔

مصلحت دید من آن ست کہ یاراں ہمہ کار
بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند!

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو اپنے دل کو وادیوں میں ڈال دے اور ڈانواں ڈول رکھے تو اللہ کو پروا نہیں ہوتی کہ کس وادی میں وہ مرتا ہے اور جو اللہ پر بھروسہ کرے، اللہ ان تمام راہوں کا انتظام فرماتا ہے"۔(۱)

---

(۱) "مجموعہ خطوط قلمی"